وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر احسن البیان اردو

صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف — ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھی

دار السلام
DARUSSALAM

Marfat.com

جدید ایڈیشن

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر
احسن البیان (اردو)

صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نظر ثانی: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ — مولانا مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ

دار السلام
DARUSSALAM

Marfat.com

جملہ حقوق اشاعت برائے دارالسلام محفوظ ہیں

دارُالسّلام

DARUSSALAM

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا۔ فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز۔ فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221

• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 • مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 • خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 • قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نصیرالدین الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • دارمکہ انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180

• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم/ایس براک انٹرپرائزز فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دارالکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس: 042 373 540 72

www.darussalampk.com

اُردو بازار: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، بگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50

مین مارکیٹ: بالمقابل انیس بک ڈپو مین مارکیٹ گلبرگ فون: 0092 42 357 882 67

ٹاؤن شپ: پیکو روڈ ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 0092 42 351 242 30

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر: 1، دکان نمبر: 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

اور ہم نے تم پر یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس (تعلیم) کی تشریح و توضیح کرتے
جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) (قرآن) میں غور و فکر کریں۔
(النحل 16:44)

Marfat.com

اٰيَاتُهَا: 7 سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿1﴾

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿2﴾

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ①

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿3﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿4﴾

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ② بدلے کے دن (قیامت) کا مالک

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿5﴾

ہے ③ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿6﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ

چاہتے ہیں ④ ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ⑤ ان لوگوں کی راہ

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿7﴾

اور نہ گمراہوں کی ⑦

1 بِسْمِ اللّٰه کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قرائے مکہ وکوفہ نے اسے سورۂ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے جبکہ قرائے مدینہ، بصرہ وشام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۂ نمل کی آیت:30 کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جز ہے۔ محقق عصر شیخ احمد شاکر مصری رحمہ اللہ نے اپنا خلاصۂ تحقیق اس طرح بیان فرمایا ہے: ''قرآن میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، وہاں قرآنی آیت ہے، البتہ اس کا اس سورت کی آیت ہونا جس کے شروع میں وہ تحریر ہے یا اس کا مستقل آیت ہونا محل نظر و بحث ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ یہ ہر سورت کی آیت ہے، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سورت کے پڑھنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰه ضرور پڑھے، سوائے سورۂ توبہ کے۔ چاہے اسی سورت سے تلاوت کا آغاز کرے یا دوران تلاوت میں کوئی سورت آجائے۔'' (حاشيه جامع الترمذي: 22/2، تحت حديث: 246. طبع مصر) اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے۔ (فتح القدیر) اکثر علماء نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

2 سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں، اس لیے اسے اَلْفَاتِحَه، یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَاب کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآن، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي، اَلْقُرْآنُ الْعَظِيم، الرُّقْيَة (دم)۔ جس طرح ایک صحابی نے ایک بچھو کے ڈسے ہوئے کو اس سے دم کیا تو اسے آرام آ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟'' (صحيح البخاري، حديث: 2276، و صحيح مسلم، حديث: 2201) اس کا ایک اہم نام الصلاة بھی ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قسمت الصلاة بيني و بين عبدي (صحيح مسلم، حديث:395) ''میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو ''نماز'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس

Marfat.com

کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحيح البخاري، حديث: 756، وصحيح مسلم، حديث: 3944) ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔'' اس حدیث میں (مَنْ) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت بوجھل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تم ایسا مت کیا کرو (مت پڑھا کرو) البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' (سنن أبي داود، حديث: 823، وجامع الترمذي، حديث: 311، و سنن النسائي، حديث: 921.) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی وہ ناقص ہے مکمل نہیں'' تین مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: [illegible] ''امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [illegible] ''امام کے پیچھے تم سورۂ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو'' (صحيح مسلم، حديث: 395-38) مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف 7:204) ''جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو'' یا حدیث «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (بشرط صحت) ''جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو'' کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۂ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے جو مسنون بھی ہے اور مقتدی ان وقفوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا مقتدی سورۂ فاتحہ امام کی اس خاموشی (سکتے) میں پڑھے جو وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کرتا ہے یا قراءت کے اختتام پر۔ (صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتہ ثابت ہے۔) اس طرح آیت قرآن اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے، بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا. (مزید دیکھیے سورۂ اعراف، آیت: 204 کا حاشیہ۔)

3 یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (13 نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا اس کے اطراف وجوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

4 بِسْمِ اللّٰهِ کے آغاز میں أَقْرَأُ، أَبْدَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے، یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ شریعت میں بہت سے اہم کاموں کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو، تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ سے پہلے [illegible] پڑھنا بھی ضروری ہے۔ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (النحل 16:98) ''جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

5 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں ال، استغراق کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ [illegible] میں لام اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اللّٰه یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ [illegible] یہ کلمہ شکر ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کو افضل الذکر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو افضل الدعاء کہا گیا ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3383.) صحیح مسلم اور سنن نسائی کی روایت میں ہے: [illegible] (صحيح مسلم، حديث: 223) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھر دیتا ہے۔'' اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2734.) [illegible]

6 [illegible] اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اسے کو تکمیل تک پہنچانے والا۔

Marfat.com

اس کا استعمال بغیر اضافت کے اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں، مثلاً: عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش وطیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن رَبُّ الْعَالَمِین سب کی ضروریات، ان کے احوال وظروف اور طبائع واجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

[7] ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ بروزن فَعْلان اور ﴿الرَّحِيْمِ﴾ بروزن فَعِيلٌ ہے۔ دونوں صفت کے صیغے ہیں، جن میں مبالغہ موجود ہے، یعنی اُن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر ومومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہوگا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہوگی۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الأعراف 7:156) ”میں وہ رحمت ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

[8] دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ ”آج کس کی بادشاہی ہے؟“ پھر وہی جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 40:16) ”صرف ایک غالب اللہ کے لیے۔“ ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ (الانفطار 82:19) ”اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔“ یہ ہوگا جزا کا دن۔

[9] عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل وعاجزی اور کمال خشوع کا اظہار۔ اور بقول ابن کثیر: ”شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام عبادت ہے۔“ یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی وبے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب ومافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی۔ سیدھی عبارت نَعْبُدُكَ وَ نَسْتَعِينُكَ ”ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔“ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول بہ [ضمیر] کو فعل پر مقدم کر کے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“ اس اعتبار سے نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سدباب کر دیا گیا ہے لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الصف 61:14) ”اللہ کے (دین کے) لیے کون میرا مددگار ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ 5:2) ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔“ ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے نہ شرک بلکہ مطلوب ومحمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع وضار باور کرنا اور دور ونزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے جو بدقسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی اقسام بھی مختصراً بیان کر دی جائیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں: ① توحید ربوبیت ② توحید الوہیت ③ توحید اسماء وصفات۔ ان کی مختصر وضاحت اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

① توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ وزنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے، مثلاً: فرمایا: ''اے پیغمبر! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان وزمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ (یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔'' (یونس 10:31)

دوسرے مقام پر فرمایا: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ۔'' (الزمر 39: 38) ایک اور مقام پر فرمایا: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کا ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ، یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔'' (المؤمنون 23: 84-89) وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ.

② توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا والتجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ (تاہم ظاہری اسباب کے مطابق زندہ انسانوں سے طبعی طمع یا طبعی خوف توحید کے منافی نہیں ہے) قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام وخواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادات کی بہت سی قسموں کا ارتکاب وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں۔

③ توحید اسماء وصفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اسماء وصفات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں، مثلاً: جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا دیگر صفات الٰہیہ میں سے کوئی بھی صفت اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائے۔ اگر تسلیم کی جائے گی تو یہ شرک ہوگا۔ افسوس ہے کہ قبروں کے پجاریوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انھوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ!

[10] ہدایت کے دو مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستہ بتا دینا اسے ارشاد ودلالت یا اراءۃ الطریق کہتے ہیں۔ دوسرا مفہوم راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں توفیق اور ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی بھی فرما اور اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت بھی نصیب فرما تاکہ ہمیں تیری رضا حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی ''اسلام'' ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور اب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

[11] یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ مُنْعَمْ عَلَيْهِ گروہ ہے انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا﴾ (النسآء 4:69) ''اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔'' اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی اور راستہ۔

[12] بعض روایات سے ثابت ہے کہ ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ (گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ [illegible]

[illegible] في تفسير المغضوب عليهم [illegible] (تفسير ابن أبي حاتم) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیات الٰہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیر کو انھوں نے ابن اللہ کہا اور وہ اپنے احبار ورہبان کو حرام وحلال

Marfat.com

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ 2 — اٰيَاتُهَا 286 — رُكُوْعَاتُهَا 40

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ۝1 ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝2 الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝3 وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝4

الٓمّٓ ① [2] اس کتاب کے اللہ کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں، [3] پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے ② [4] جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں [5] اور نماز کو قائم رکھتے ہیں [6] اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں ③ [7] اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا [8] اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ④

کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انھیں ابنُ اللّٰہ اور ثَالِثُ ثَلَاثَہ (اللہ کا بیٹا اور تین خداؤں میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی افراط و غلو کی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے تاکہ ادبار و نکبت (پستی و بدحالی) کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔ سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی۔ اس مسئلے کے لیے دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 780-782، وسنن ابن ماجه، حديث: 853، وسنن أبي داود، حديث: 934، و مصنف عبدالرزاق: 97/2) بنا بریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں: كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ. ''اسی طرح ہو۔'' لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَ نَا. ''ہمیں نامراد نہ کرنا۔'' اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا. ''اے اللہ ہماری دعا قبول فرمالے۔''

[1] اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے، اس لیے اسے سورۂ بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (صحيح مسلم، حديث: 780) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر) منہیات کا مطلب ہے، حرام اور ممنوع چیزیں۔ [2] انھیں حروف مُقَطَّعَات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے، لہٰذا یہ متشابہات میں سے ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ. البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضرور فرمایا ہے: ''جس نے اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے، میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2910.) [3] اس کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (السجدة 2:32) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نہی ہے۔ أَيْ لَا تَرْتَابُوا فِيهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل

Marfat.com

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿5﴾
یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں⑤ [1]بے شک وہ
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ
لوگ جنھوں نے کفر کیا، آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿6﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ
لائیں گے⑥ [2]اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر
أَبْصَٰرِهِمْ غِشَٰوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿7﴾ وَمِنَ النَّاسِ
پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ⑦ [3]اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ

ع 1/7/1

بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح ونجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید ورسالت اور معاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں ۔

آنکھ والا تری قدرت کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

4 ویسے تو یہ کتابِ الٰہی تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوں گے۔جس کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، اس کے اندر ہدایت کی طلب یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہوگا تو اسے ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہوسکتی ہے؟ 5 امورِ غَیْبِیَّہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل وحواس سے ممکن نہیں۔جیسے ذات باری تعالیٰ، وحیِ الٰہی، جنت، دوزخ، ملائکہ، عذابِ قبر اور حشر اجساد وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل واحساس باتوں پر یقین رکھنا، جزوِ ایمان ہے اور ان کا انکار کفر وضلالت ہے۔ 6 اقامت صلاۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ عنکبوت 45:29 کا حاشیہ) 7 إِنْفَاق کا لفظ عام ہے جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔اہلِ ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، ماں باپ اور اہل وعیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔ 8 پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں لیکن وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا۔اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی (حدیث) پر ہی کیا جائے گا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی ورسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ ﷺ کے بعد اگر وحی نازل ہونے والی ہوتی تو اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔مسئلہ ختم نبوت کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 40 کا حاشیہ۔

1 یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ وعمل اور عقیدۂ صحیح کا اہتمام کرتے ہیں۔محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت ومغفرت کا حصول ہے۔اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت وکامرانی مل جائے تو سبحان اللہ، ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں بلکہ اس کا کفر وعناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبولِ اسلام کی توقع ہی نہیں۔ 2 نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ کوشش فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب ہی میں نہیں ہے۔یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پورا جزیرۂ عرب اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گیا۔ 3 یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر ومعصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد ختم ہوچکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لاسکتے ہیں؟ ایمان تو انھی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفت کردگار حاصل کرتے ہیں۔اس کے برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''مومن جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہوجاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

Marfat.com

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿8﴾

پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں⑧ [1] وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

دھوکا دیتے ہیں جو ایمان لائے مگر وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ شعور نہیں

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿9﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

رکھتے⑨ ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی [2] اور ان

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿10﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

کے لیے دردناک عذاب ہے اس بنا پر کہ وہ جھوٹ بولتے تھے⑩ اور جب ان سے کہا جاتا

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿11﴾

ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں⑪ سن لو!

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿12﴾ وَاِذَا

بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں [3] لیکن وہ شعور نہیں رکھتے⑫ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جیسے بیوقوف

السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾

ایمان لائے ہیں؟ [4] سن لو! بے شک وہی بیوقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے⑬ [5] اور جب وہ ان

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا

سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اور جب وہ اپنے شیطانوں کے

اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ

پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: [6] یقیناً ہم تمھارے ساتھ ہیں ان لوگوں سے تو ہم صرف مذاق

﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (المطففين 14:83) یعنی ''ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3334.) اسی کیفیت کو قرآن نے ''ختم'' (مہر لگانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بداعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اسی کو بعض جگہ ﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ﴾ کے الفاظ میں ذکر کیا ہے (النسآء 155:4) ''اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگادی۔''

[1] یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے مگر وہ اہل ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انھی کو پہنچا کہ انھوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔ [2] بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔ [3] فساد، صلاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعت الٰہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدود الٰہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ [4] ان منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''بے وقوف'' کہا جنھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دولت ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ جس سے یہ واضح ہوا کہ کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انھی کا معتبر ہوگا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ ﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ (البقرة 137:2) ''اگر لوگ اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم ایمان لائے تو یقیناً وہ راہ یاب ہوگئے۔'' [5] ظاہر بات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔ [6] شیاطین سے مراد سرداران قریش و یہود ہیں جن کے ایما پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے یا منافقین کے اپنے سردار۔

Marfat.com

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿14﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ
کرتے ہیں⑭ اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے[1] اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ (اس
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿15﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
میں) بھٹکتے پھرتے ہیں⑮ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی خرید لی ہدایت کے بدلے تو ان
بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿16﴾ مَثَلُهُمْ
کی تجارت نے انھیں کوئی نفع نہ دیا[2] اور (اس میں) وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے⑯ ان کی مثال
كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ
اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس (آگ) نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا
اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿17﴾
تو اللہ ان کی روشنی لے گیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، پس وہ دیکھ نہیں پاتے⑰[3] (وہ) بہرے
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿18﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ
ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ (سیدھے راستے کی طرف) نہیں لوٹیں گے⑱ یا (ان کی
السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ
مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (آتی) ہے، اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہوتی
فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ
ہے، وہ بجلی کے کڑکے سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔
بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿19﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ
اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے⑲ قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جائے ان کی آنکھیں۔
اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ
جب بجلی ان پر چمکتی ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا
شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
ہے تو ٹھہر جاتے ہیں[4] اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں چھین لے[5] یقیناً

[1] ''اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، ان سے استہزا کرتا ہے۔(تفسير الطبري: 154/1) اور نتیجتاً ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے۔ جس کی ایک مثال سورۂ حدید کی آیت: يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ میں مذکور ہے۔ [2] تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھاٹے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھاٹا آخرت کا گھاٹا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا ہی میں انھیں اس گھاٹے کا علم ہو جائے۔ بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انھیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت دانا اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔ [3] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن پھر جلد ہی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دفعتاً وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔(فتح القدير) [4] یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کی بابت وہ ریب و شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل ریب و تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوک، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دہشت انھیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گومگو کا شکار اور قبول حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔ [5] اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو سلب کر لے، اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور مؤاخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

Marfat.com

ع 2 13 2

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿20﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ

اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑳ اے لوگو!تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا

خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿21﴾ الَّذِیْ

اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ㉑ وہ (رب) جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ

تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت (بنایا) اور اس نے آسمان سے پانی نازل

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا

کیا، پھر اس کے ذریعے سے (کئی قسم کے) پھلوں سے تمھارے لیے رزق نکالا، پس تم اللہ

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا

کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، اس حال میں کہ تم جانتے ہو㉒[1] اور اگر تم اس (قرآن) کے متعلق

نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿23﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو㉓[2] چنانچہ اگر تم (یہ کام) نہ کر سکو اور تم کر بھی

وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ

نہیں سکو گے[3] تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں[4] اور (وہ) کافروں کے

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿24﴾ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

لیے تیار کی گئی ہے㉔[5] اور ان لوگوں کو خوش خبری دے دیجیے جو ایمان لائے اور انھوں نے

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ

اچھے عمل کیے،[6] یقیناً ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب بھی انھیں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ

اس میں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے

[1] ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمھارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمھاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا بھی وہی ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔ [2] توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰه ہونے میں اگر تمھیں شک ہے تو تم اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تمھیں سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے، کلام الٰہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے، جو کافروں ہی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ [3] یہ قرآن کریم کی صداقت کی ایک اور واضح دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو چیلنج دیا گیا لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے عاجز و قاصر ہیں اور یقیناً قیامت تک عاجز و قاصر رہیں گے۔ [4] پتھر سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما گندھک کے پتھر ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک پتھر کے وہ ''اصنام'' (بت) بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الأنبيآء 21:98) ''تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے سوا جہنم کا ایندھن ہوں گے۔'' (اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورة الأنبيآء، آیات 98-101 اور سورة الزخرف، آیت: 58 کے حواشی) [5] اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہنم اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے جو اس وقت بھی ثابت ہے۔ یہی سلف امت کا عقیدہ ہے۔ یہ تمثیلی چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین حدیث باور کراتے ہیں۔ [6] قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عنداللہ اخروی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔ اور عمل صالح کیا ہے؟ جن میں دو شرطیں موجود ہوں، یعنی جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے۔ خلاف سنت عمل بھی نامقبول اور نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے کیے گئے عمل بھی مردود و مطرود۔

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ

پہلے دیا گیا تھا اور ان کو اس سے ملتا جلتا (پھل) دیا جائے گا[1] اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾ اِنَّ اللّٰهَ

بیویاں ہوں گی[2] اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے ﴿25﴾[3] یقیناً اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ

لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

وہ کوئی سی بھی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر (حقیر یا عظیم) ہو[4] پھر جو

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

لوگ ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ بے شک یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثالیں پیش کرنے سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ اللہ اس

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا

سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے[5] اور وہ ان سے نافرمانوں کے سوا کسی کو

يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ

گمراہ نہیں کرتا ﴿26﴾ جو لوگ اللہ کا عہد پکا کر لینے کے بعد اسے توڑتے ہیں[6] اور جن (رشتوں)

بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، وہی لوگ

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾ كَيْفَ

خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿27﴾[7] تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردے تھے، پھر

[1] ﴿ مُتَشَابِهًا ﴾ کا مطلب یا تو جنت کے تمام میووں کا آپس میں ہم شکل ہونا ہے یا دنیا کے میووں کے ہم شکل ہونا۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے میووں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے میووں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث میں ہے: «مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ» (صحيح البخاري، حديث: 4779، 4780) ''نہ کسی آنکھ نے انھیں دیکھا، نہ کسی کان نے انھیں سنا (اور دیکھنا سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔'' [2] یعنی حیض ونفاس اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی۔ [3] خلود کے معنی ہیشگی کے ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں رہیں گے اور خوش رہیں گے اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے اور مبتلائے عذاب رہیں گے۔ حدیث میں ہے: جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا: ''اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت میں ہے، اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6544، وصحيح مسلم، حديث: 2850) [4] جب اللہ تعالیٰ نے دلائل قاطعہ سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور کسی حکمت بالغہ کے پیش نظر تمثیلات کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اس میں حیا وحجاب بھی نہیں۔ ﴿ فَوْقَهَا ﴾ جو مچھر کے اوپر ہو، یعنی پر یا بازو، مراد اس مچھر سے بھی حقیر تر چیز۔ یا فَوْقَ کے معنی، اس سے بڑھ کر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ''مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز'' کے ہوں گے۔ لفظ فَوْقَهَا میں دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔ [5] اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت ومشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جسے قرآن نے ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ﴾ (النسآء 4:115) ''جس طرف کوئی پھرتا ہے، ہم اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں۔'' اور حدیث میں «كُلٌّ مُيَسَّرٌ [illegible]» ''ہر ایک کو اس چیز میں آسانی دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4949) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فسق، اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج، یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ اس میں مومن کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔ [6] مفسرین نے ''عہد'' کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں، مثلاً: ① اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے مخلوق کو کی۔ ② وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے آجانے کے بعد تمھارے لیے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ ③ وہ عہد الست جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ الآية (الأعراف 7:172) نقض عہد کا مطلب عہد کی پروا نہ کرنا ہے۔ (ابن كثير) [7] ظاہر بات ہے کہ نقصان اللہ

Marfat.com

تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

اس نے تمھیں زندہ کیا، پھر تمھیں موت دے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا،[1] پھر اسی کی

يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ

طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿28﴾ وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے پیدا کیا سب کا سب جو

مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

کچھ زمین میں ہے[2] پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا،[3] پھر ان کو ٹھیک کرکے سات آسمان بنا دیے،[4]

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿29﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ ع 3 9 3

اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿29﴾ اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے[5]

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا

کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔[6] انھوں نے کہا: کیا تو زمین میں اس

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح

وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾ وَعَلَّمَ

کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔[7] اللہ نے کہا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم

کی نافرمانی کرنے والوں کو ہی ہوگا، اللہ کا یا اس کے پیغمبروں اور دین کی طرف بلانے والوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔

[1] آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی موت سے مراد عدم (نیست، یعنی نہ ہونا) ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ سے نکل کر موت سے ہمکنار ہونے تک ہے، پھر موت آجائے گی اور پھر آخرت کی زندگی دوسری زندگی ہوگی، جس کا انکار کفار اور منکرین قیامت کرتے ہیں۔ شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے کہ قبر کی زندگی کَمَا هِيَ دنیوی زندگی میں ہی شامل ہوگی مگر صحیح یہ ہے کہ برزخ کی زندگی، حیات آخرت کا پیش خیمہ اور اس کا سرنامہ ہے، اس لیے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔ [2] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاء مخلوقہ میں ''اصل'' اباحت ہے۔ الا یہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو۔ (فتح القدیر) یعنی جس چیز کی بابت حرام ہونے کی صراحت نہ ہو، وہ مباح وحلال ہوگی۔

[3] بعض سلف امت نے اس کا ترجمہ ''پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا'' کیا ہے۔ (صحيح البخاري،قبل حديث:7418) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص خاص مواقع پر آسمان دنیا پر نزول، اللہ کی صفات میں سے ہے، جن پر اسی طرح بغیر تاویل وکیفیت بیان کرنے کے ایمان رکھنا ضروری ہے، جس طرح قرآن یا احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ [4] اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ''آسمان'' ایک حسی وجود اور حقیقت ہے۔ محض بلندی کو سماء سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان 500 سال کی مسافت ہے۔ اور زمین کی بابت قرآن کریم میں ہے: ﴿وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ (الطلاق 65:12) ''اور زمینیں بھی آسمانوں کی مثل ہیں۔'' اس سے زمین کی تعداد بھی سات ہی معلوم ہوتی ہے جس کی مزید تائید حدیث نبوی سے ہوجاتی ہے: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 3198) ''جس نے ظلماً کسی کی ایک بالشت زمین لے لی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔'' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق ہوئی ہے لیکن سورۂ نازعات میں آسمان کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ ''زمین کو اس کے بعد بچھایا۔'' اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوئی ہے اور دَحْی (ہموار کرکے بچھانا) تخلیق سے مختلف عمل ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ (فتح القدیر مزید دیکھیے حٰمٓ السجدة، آیت:9 کا حاشیہ) [5] ملائکہ (فرشتے) اللہ کی نوری مخلوق ہیں، جن کا مسکن آسمان ہے، جو اوامر الٰہی کے بجالانے اور اس کی تحمید وتقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔ [6] خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ کیوں کہا، بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات کو زمین بدر کردیا اور ان کی جگہ آدم علیہ السلام کو زمین میں بسایا تو آدم علیہ السلام گذشتہ قوم جنات کے خلیفہ اور جانشین بنے، اس بنا پر انھیں خلیفہ کہا گیا۔ بعض دیگر اہل علم یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خلیفہ اس لیے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کی مخلوق میں نافذ کرنے میں نائب ہے۔ (تفسير اللباب: 501/1) [7] فرشتوں کا یہ کہنا حسد یا اعتراض کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی حقیقت اور حکمت معلوم کرنے کی غرض سے تھا کہ اے رب! اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے، جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے؟ اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام کے لیے ہم جو موجود ہیں، ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جو نئی مخلوق سے متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ
نہیں جانتے (30) اور اس نے آدم کو سب کے سب نام سکھا دیے، پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا
اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (31) قَالُوْا
اور کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ (31) انھوں نے کہا: تو پاک ہے، ہمیں علم نہیں
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (32)
سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھا دیا، بے شک تو ہی خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے (32)
قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ
اللہ نے کہا: اے آدم! تو انھیں ان چیزوں کے نام بتا دے، چنانچہ جب اس نے انھیں ان
بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ
چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (33)
اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو (33) [1]
وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو [2] تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا،
اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (34) وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ
اس نے انکار کیا [3] اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا (34) [4] اور ہم نے کہا: اے آدم! تو اور
اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ
تیری بیوی جنت میں رہو [5] اور اس میں سے سیر ہو کر کھاؤ جہاں سے چاہو (لیکن) اس درخت کے قریب
شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (35)
مت جانا [6] ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (35) پھر شیطان نے ان کو اس سے پھسلا دیا اور

نے فرمایا: میں وہ مصلحت رَاجِحہ جانتا ہوں جس کی بنا پر ان ذکر کردہ مفاسد کے باوجود میں اسے پیدا کر رہا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ کیوں کہ ان میں انبیاء، شہداء، صالحین اور زہاد و اولیاء بھی ہوں گے۔ (ابن کثیر) ذریت آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس کا اندازہ انھوں نے انسانی مخلوق سے پہلے کی مخلوق کے اعمال یا کسی اور طریقے سے کر لیا ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتلا دیا تھا کیونکہ وہ خود تو عالم الغیب نہیں ہیں، لہٰذا یہ لوگ کلام میں حذف مانتے ہیں جس کی تقدیر ہے: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً يَفْعَلُ كَذَا وَكَذَا ''میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو ایسے ایسے کام کرے گا۔'' (تفسیر ''فتح القدير'' للامام الشوكاني)

[1] اسماء سے مراد مسمیات (اشخاص و اشیاء) کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاء و الہام کے ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلا دیا، پھر جب ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام ان کے نام بتلاؤ تو انھوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا جو فرشتے بیان نہ کر سکے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیقِ آدم واضح کر دی۔ دوسرے، دنیا کا نظام چلانے کے لیے علم کی اہمیت و فضیلت بیان فرما دی، جب یہ حکمت و اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوئی تو انھوں نے اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے۔ [2] علمی فضیلت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی یہ دوسری تکریم ہوئی۔ سجدہ کے معنی خضوع اور تذلل کے ہیں، اس کی انتہا ہے: ''زمین پر پیشانی کا ٹکا دینا۔'' (تفسیر القرطبي) یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور فرمان ہے کہ اگر سجدہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (جامع الترمذي، حديث: 1159) تاہم فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس سے ان کی تکریم و فضیلت فرشتوں پر واضح کر دی گئی کیونکہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر۔ ہماری شریعت میں تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔ [3] ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحت قرآن جنات میں سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اس حکم میں فرشتوں کے ساتھ شامل کر رکھا تھا اور صراحتاً اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، اس لیے بحکم الٰہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا لیکن اس نے حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب سب سے پہلے کیا گیا اور اس کا مرتکب ابلیس تھا۔ [4] یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں۔ [5] یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت ہے جو جنت کو ان کا مسکن بنا کر عطا کی گئی۔ [6] یہ درخت کس چیز کا تھا؟ اس کی بابت قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس کو گندم کا درخت مشہور کر دیا گیا ہے جو بے اصل بات ہے، ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی نہ ضرورت ہے

Marfat.com

[illegible]

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا
اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ
عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا
جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾
يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا

[illegible]

Marfat.com

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ
تمھارے عہد پورے کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿40﴾ اور اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں
اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ
نے نازل کی جبکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمھارے پاس ہے اور تم اس کا سب سے
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾
پہلے انکار کرنے والے نہ بنو[1] اور تم میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو[2] اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿41﴾
وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿42﴾
اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو مت چھپاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو ﴿42﴾ اور
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾
نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿43﴾ کیا تم لوگوں کو نیکی کا
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ
حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیا تم عقل نہیں
الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا
رکھتے؟ ﴿44﴾ اور تم صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد طلب کرو[3] اور بے شک یہ بہت بھاری
لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ
ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) ﴿45﴾[4] جو لوگ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ
مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
اپنے رب سے ضرور ملنے والے ہیں اور یہ کہ بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿46﴾
اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي
اے بنی اسرائیل! تم میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور بے شک میں نے
الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
تمھیں فضیلت دی تھی جہانوں پر ﴿47﴾[5] اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کو کچھ فائدہ

گزشتہ انعامات الٰہی یاد کروا کے کہا جا رہا ہے کہ تم میرا وہ عہد پورا کرو جو تم سے نبیٔ آخر الزمان کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا کہ تم سے وہ بوجھ اتار دیے جائیں گے جو تمھاری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے بطور سزا تم پر لاد دیے گئے تھے اور تمھیں دوبارہ عروج عطا کیا جائے گا۔ اور مجھ سے ڈرو کہ میں تمھیں مسلسل اس ذلت و ادبار میں مبتلا رکھ سکتا ہوں جس میں تم بھی مبتلا ہو اور تمھارے آباء و اجداد بھی مبتلا رہے۔

[1] بِهٖ کی ضمیر قرآن کی طرف یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ دونوں ہی قول صحیح ہیں کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور جس نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا۔ (ابن کثیر) ''پہلے کافر نہ بنو'' کا مطلب ہے کہ ایک تو تمھیں جو علم ہے دوسرے اس سے محروم ہیں، اس لیے تمھاری ذمے داری سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے، مدینہ میں یہود کو سب سے پہلے دعوت ایمان دی گئی، ورنہ ہجرت سے پہلے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہودیوں میں تم اولین کافر مت بنو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمام یہودیوں کے کفر و جحود کا وبال تم پر پڑے گا۔ [2] ''تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔'' کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لیے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔ (فتح القدیر) [3] صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں۔ نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا رابطہ و تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے، جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ صبر کے ذریعے سے کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: «إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلَاةِ» (مسند أحمد: 388/5، حديث: 23688، و سنن أبي داود، حديث: 1319، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 4703) ''نبی ﷺ کو جب بھی کوئی شدید معاملہ پیش آتا آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔'' (مزید دیکھیے سورۂ عنکبوت، آیت: 45 کے حواشی) [4] نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے لیکن خشوع و خضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان بلکہ اطمینان اور راحت کا باعث ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ گویا قیامت پر یقین اعمالِ خیر کو آسان کر دیتا اور آخرت سے بے فکری انسان کو بے عمل بلکہ بدعمل بنا دیتی ہے۔ [5] یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد کرائے جا رہے

Marfat.com

شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ

نہیں دے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی عوض لیا جائے

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

گا اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿48﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تمھیں آل فرعون[1] سے نجات

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

دی وہ تمھیں سخت عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿49﴾ وَاِذْ

چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿49﴾ اور جب

فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا[2] پھر ہم نے تمھیں نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق

تَنْظُرُوْنَ ﴿50﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

کر دیا جبکہ تم دیکھ رہے تھے ﴿50﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے وعدہ کیا چالیس راتوں کا،

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا

پھر موسیٰ کے (طور پر) جانے کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا[3] اور تم ظالم تھے ﴿51﴾ پھر اس

عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذْ

کے بعد ہم نے تمھیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو ﴿52﴾ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾

فرقان (حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی) دی[4] تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿53﴾ اور جب موسیٰ

ہیں جو ان پر کیے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جا رہا ہے، جس دن نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ سفارش قبول ہوگی، نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا ہو سکے گا، نہ کوئی مددگار آگے آئے گا۔ ایک انعام یہ بیان فرمایا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی، یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی جو انھوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوا لی اور امت محمدیہ کو خَيْرُ اُمَّةٍ کے لقب سے نوازا گیا۔ اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان وعمل سے محرومی پر سلب کر لیے جاتے ہیں، جس طرح امت محمدیہ بھی اس وقت اپنی بدعملیوں اور شرک وبدعات کے ارتکاب کی وجہ سے خَيْرُ اُمَّةٍ کی بجائے شَرُّ اُمَّةٍ بنی ہوئی ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى. یہود کو یہ دھوکا بھی تھا کہ ہم تو اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لیے مؤاخذۂ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا۔ اسی فریب میں امت محمدیہ بھی مبتلا ہے اور مسئلۂ شفاعت کو، جو اہل سنت کے ہاں مسلمہ ہے، اپنی بدعملی کا جواز بنا رکھا ہے۔ نبی ﷺ اللہ کی اجازت سے یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا (احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے) لیکن یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ إِحْدَاث فِي الدِّيْنِ (بدعات) کے مرتکب اس سے محروم ہی رہیں گے، نیز بہت سے گناہ گاروں کو جہنم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جہنم سے نکالا جائے گا، کیا جہنم کی یہ چند روزہ سزا قابل برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیہ کر کے معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں؟

[1] آل فرعون سے مراد صرف فرعون اور اس کے اہل خانہ ہی نہیں بلکہ فرعون کے تمام پیروکار ہیں۔ جیسا کہ آگے: ﴿اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ ہے (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا) یہ غرق ہونے والے فرعون کے گھر والے ہی نہیں تھے، اس کے فوجی اور دیگر پیروکار بھی تھے۔ گویا قرآن میں آل مُتَّبِعِين (پیروکاروں) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی مزید تفصیل ''سورۂ احزاب'' آیت: 33 کے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیں۔ [2] سمندر کا یہ پھاڑنا اور اس میں سے راستہ بنا دینا، ایک معجزہ تھا جس کی تفصیل سورۂ شعراء میں بیان کی گئی ہے۔ یہ سمندر کا مدوجزر نہیں تھا، جیسا کہ سرسید احمد خان اور دیگر منکرین معجزات کا خیال ہے۔

[3] یہ گئوسالہ پرستی کا واقعہ اس وقت ہوا جب فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد بنو اسرائیل جزیرہ نمائے سینا پہنچے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انسان کتنا ظاہر پرست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اور نبیوں (حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام) کی موجودگی کے باوصف بچھڑے کو اپنا ''معبود'' سمجھ لیا۔ آج کا مسلمان بھی شرکیہ عقائد و اعمال میں بری طرح مبتلا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ مشرکانہ عقیدہ وعمل کے حامل ان مشرک مسلمانوں نے شرک کو پتھر کی مورتیوں کے پجاریوں کے لیے خاص کر دیا ہے کہ صرف وہی مشرک ہیں۔ جب کہ یہ نام نہاد مسلمان بھی قبروں پر قبوں کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو پتھر کے پجاری اپنی مورتیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ. [4] یہ بھی

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بے شک تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے بچھڑے کو

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا

(معبود) بنا کر، لہٰذا اب تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور توبہ کرو، اور تم اپنے آپ کو قتل

اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کرو، یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ پھر اللہ نے تم پر

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (54) وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ

توجہ کی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے[1] (54) اور جب تم نے

نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے (علانیہ) نہ

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (55) ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

دیکھ لیں تو تمھیں بجلی نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے (55)[2] پھر ہم نے تمھیں زندہ کیا تمھاری

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (56) وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ

موت کے بعد تاکہ تم شکر کرو (56) اور ہم نے تم پر سایہ کیا بادلوں کا اور (کھانے کے لیے) تم

الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا

پر من وسلویٰ اتارا[3] (اور کہا کہ) ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیں اور

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (57) وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے (57) اور جب ہم نے کہا: تم

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا

اس بستی میں داخل ہو جاؤ[4] اور اس میں جہاں سے تم چاہو جی بھر کر کھاؤ اور تم دروازے میں

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا[5] اور کہنا: اے اللہ! ہمیں بخش دے[6] تو ہم تمھاری خطائیں معاف

بحر قلزم پار کرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ (ابن کثیر) ممکن ہے کتاب، یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو، کیوں کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے یا معجزات کو فرقان کہا گیا ہے کیونکہ معجزات کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان تفریق اور پہچان حاصل ہوتی ہے۔

[1] جب موسیٰ علیہ السلام نے شرک پر متنبہ فرمایا تو پھر انھیں توبہ کا احساس ہوا، تو توبہ کا طریقہ قتل تجویز کیا گیا: ﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ”اپنے کو آپس میں قتل کرو۔“ اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری، یہ کہ ارتکاب شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ رہے تھے، انھیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ انھوں نے قتل کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) [2] حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (70) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لیے ساتھ لے گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آنے لگے تو انھوں نے کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس پر بطور عتاب ان پر بجلی گری اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ دیکھتے ہوئے بجلی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں جن پر بجلی گری، آخر والے انھیں دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

[3] اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر اور شام کے درمیان میدان تیہ کا واقعہ ہے۔ جب انھوں نے حکم الٰہی سے اعراض کرتے ہوئے عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بطور سزا بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں پڑے رہے۔ بعض کے نزدیک یہ تخصیص صحیح نہیں۔ صحرائے سینا میں اترنے کے بعد جب سب سے پہلے پانی اور کھانے کا مسئلہ درپیش آیا تو اسی وقت یہ انتظام کیا گیا۔ ﴿ اَلْمَنَّ ﴾ بعض کے نزدیک ترنجبین ہے یا اوس جو درخت یا پتھر پر گرتی، شہد کی طرح میٹھی ہوتی اور خشک ہو کر گوند کی طرح ہو جاتی۔ بعض کے نزدیک شہد یا میٹھا پانی ہے۔ مَنّ، مصدر ہے بمعنی اسم مفعول، یعنی ممنون بہ (اس کے ساتھ احسان کیا گیا) ویسے تو تمام نعمتیں ہی اللہ کا احسان ہیں لیکن ان کے لیے پھر بھی انسانوں کو کچھ سعی و محنت کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ یہ مَنّ بغیر کسی سعی و محنت کے حاصل ہوتا تھا، اس لیے اللہ نے اسے تعبیر ہی مَنّ کے لفظ سے فرمایا۔ (فتح الباري، تحت حديث: 5708.) حدیث میں ہے ”کھمبی مَنّ کی اس قسم سے ہے جو بنو اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4478، و صحيح مسلم، حديث: 2049) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا دقت بہم پہنچ جاتا تھا، اسی طرح کھمبی بغیر کسی کے بونے اور سیراب کرنے کے پیدا ہو جاتی ہے۔ (فتح الباري، تحت حديث: 5708) ﴿ وَالسَّلْوٰى ﴾ بٹیر یا چڑیا کی

Marfat.com

خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا

کر دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے ﴿58﴾ تو جن لوگوں نے ظلم کیا

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا

انھوں نے بات بدل دی، سوائے اس کے جو ان سے کہی گئی تھی[1] پھر ہم نے ان ظالم لوگوں پر

ع 13 6 مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى

آسمان سے عذاب نازل کیا[2] اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿59﴾ اور جب موسیٰ نے

لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار، چنانچہ اس (پتھر) سے بہ نکلے

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

بارہ چشمے[3] ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ (ہم نے کہا:) کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿60﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ

اور تم زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ﴿60﴾ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی

يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا

وہ چیزیں نکال دے جو زمین اُگاتی ہے، (یعنی) اس کی ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز۔

وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ

موسیٰ نے کہا: کیا تم کمتر چیز لینا چاہتے ہو بدلے اس چیز کے جو بہتر ہے؟ اُترو کسی شہر میں[4] تو

هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ

بے شک وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جس کا تم نے سوال کیا، اور ان پر ذلت اور محتاجی

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے[5] یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

آیتوں کا انکار کرتے تھے اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق[6] یہ اس سبب سے کہ انھوں نے

طرح کا ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھا لیتے۔ (فتح القدیر) [4] اس بستی سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔ [5] سجدہ سے بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ جھکتے ہوئے داخل ہو اور بعض نے سجدۂ شکر ہی مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار کا اظہار اور اعتراف شکر کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو۔ [6] حِطَّةٌ: اس کے معنی ہیں "ہمارے گناہ معاف فرما دے۔"

[1] اس کی وضاحت ایک حدیث میں آتی ہے جو صحیح البخاري، حدیث: 4479، و صحیح مسلم، حدیث: 3015) وغیرہما میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں لیکن وہ سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حِطَّةٌ کی بجائے حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ (گندم بالی میں) کہتے رہے۔" اس سے ان کی اس سرتابی و سرکشی کا، جو ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی اور احکام الٰہی سے تمسخر و استہزا کا جس کا ارتکاب انھوں نے کیا، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ امر واقع یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ احکام الٰہیہ کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔ [2] یہ آسمانی عذاب کیا تھا؟ بعض نے کہا کہ غضب الٰہی، سخت پالا، طاعون۔ اس آخری معنی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمھاری موجودگی میں کسی جگہ یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمھیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2218) [3] یہ واقعہ بعض کے نزدیک میدان تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے، وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار، چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ [4] یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے۔ مصر سے مراد یہاں ملک مصر نہیں بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں سے کسی بھی شہر میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں، دالیں اگاؤ اور کھاؤ۔ ان کا یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لیے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا: "تمھارے لیے وہاں تمھاری مطلوبہ چیزیں ہیں۔" [5] کہاں وہ انعامات و احسانات، جن کی تفصیل گزری اور کہاں وہ ذلت و مسکنت جو بعد میں ان پر مسلط کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مصداق بن گئے۔ غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفت ہے، جس کی تاویل ارادۂ عقوبت یا نفس عقوبت سے کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا۔ كَمَا هُوَ شَأْنُهُ. جیسے اس کی شان

Marfat.com

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿61﴾ اِنَّ
نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے ﴿61﴾ [1] بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـــِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ
یہودی[2] عیسائی[3] اور صابی (بے دین) ہوئے[4] ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہوگا اور
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿62﴾ [5] اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا[6] (اور
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا
کہا:) ہم نے تمھیں جو دیا ہے اسے قوت سے پکڑ لو، اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اسے

کے لائق ہے۔ [6] یہ ذلت و غضب الٰہی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور اللہ کی طرف بلانے والے انبیاء علیہم السلام اور داعیان حق کا قتل اور ان کی تذلیل و اہانت، یہ غضب الٰہی کا باعث ہے۔ کل یہود اس کا ارتکاب کر کے مغضوب اور ذلیل و رسوا ہوئے تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح معزز اور سرخرو ہو سکتے ہیں: مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ مَا كَانُوا ''وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں؟''

[1] یہ ذلت و مسکنت کی دوسری وجہ ہے۔ ﴿عَصَوْا﴾ (نافرمانی کی) کا مطلب ہے جن کاموں سے انھیں روکا گیا تھا، ان کا ارتکاب کیا اور ﴿يَعْتَدُوْنَ﴾ کا مطلب ہے مَامُور بِهٖ کاموں میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اطاعت و فرمانبرداری یہ ہے کہ مَنْہِیات سے باز رہا جائے اور مَامُورَات کو اس طرح بجالایا جائے جس طرح ان کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہو۔ اپنی طرف سے کمی بیشی یہ زیادتی (اِعْتِدَاء) ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ [2] یہود، هَوَادَةٌ (بمعنی محبت) سے یا تَهَوُّد (بمعنی توبہ) سے بنا ہے۔ گویا ان کا یہ نام اصل میں توبہ کرنے یا ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے پڑا۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے۔ [3] ﴿النَّصٰرٰى﴾ نَصْرَانِيّ کی جمع ہے اور بعض بتاتے ہیں کہ نَصْرَان کی جمع ہے جیسے نَدَامٰی نَدْمَان کی جمع ہے اور نَصْرَانِيّ نَصْرَان یا نَاصِرَة کی طرف منسوب ہے جو اس بستی کا نام ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ناصری کہتے ہیں اور آپ کے پیروکاروں کو نصرانی۔ (تفسیر اللباب: 135-133/2) [4] ﴿الصّٰبِـــِٕيْنَ﴾ صَابِئٌ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو ابتدا میں کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے (اسی لیے قرآن میں یہودیت و عیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آ گئی یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لامذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔ [5] بعض جدید مفسرین کو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور اس سے انھوں نے ''وحدت ادیان'' کا فلسفہ کشید کرنے کی مذموم سعی کی ہے، یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے عمل کرتا ہے، اس کی نجات ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سخت گمراہ کن ہے، آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں یہود کی بدعملیوں اور سرکشیوں اور اس کی بنا پر ان کے مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا تو ذہن میں اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ ان یہود میں جو لوگ صحیح، کتاب الٰہی کے پیرو اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے والے تھے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ یا کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرما دی کہ صرف یہود ہی نہیں، نصاریٰ اور صابی بھی اپنے اپنے وقت میں جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور عمل صالح کرتے رہے، وہ سب نجات اخروی سے ہمکنار ہوں گے اور اسی طرح اب رسالت محمدیہ پر ایمان لانے والے مسلمان بھی اگر صحیح طریقے سے ایمان باللہ والیوم الآخر اور عمل صالح کا اہتمام کریں گے تو یہ بھی یقیناً آخرت کی ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ نجات اخروی میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ وہاں بے لاگ فیصلہ ہوگا۔ چاہے مسلمان ہوں یا رسول آخر الزمان سے پہلے گزر جانے والے یہودی، عیسائی اور صابی وغیرھم۔ اس کی تائید بعض مرسل آثار سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: مجاہد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اہل دین کے بارے میں پوچھا جو میرے ساتھی تھے، عبادت گزار اور نمازی تھے (رسالت محمدیہ سے قبل وہ اپنے دین کے پابند تھے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَادُوْا﴾ الآیة (ابن کثیر) قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، مثلاً: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 3:19) ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔'' ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران 3:85) ''جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہوگا، وہ ہرگز مقبول نہیں ہوگا۔'' اور احادیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت

Marfat.com

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ
یاد رکھو، تاکہ تم متقی بن جاؤ (63) پھر اس کے بعد تم پھر گئے، تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی
فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾
رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے (64) اور یقیناً تمھیں ان لوگوں کا
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
علم ہے جنھوں نے تم میں سے ہفتے (کے دن) میں زیادتی کی [1] تو ہم نے ان سے کہا: تم
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿65﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ
ذلیل بندر بن جاؤ (65) پھر ہم نے اس (واقعے) کو ان کے لیے عبرت بنا دیا جو اس زمانے میں
يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾ وَاِذْ قَالَ
تھے اور جو اس کے بعد آنے والے تھے اور پرہیزگار لوگوں کے لیے اسے نصیحت (بنا دیا) (66) اور
مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا
جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو، [2]
بَقَرَةً ۚ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۚ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ
انھوں نے کہا: کیا تو ہم سے ہنسی مذاق کرتا ہے؟ موسیٰ نے کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ
اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ
مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں (67) انھوں نے کہا: تو ہمارے لیے اپنے رب سے
لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
دعا کر کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ (گائے) کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ کہتا ہے
فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ فَافْعَلُوْا مَا
کہ بے شک وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا، ان کے درمیان عمر کی ہو، چنانچہ تم وہ کرو جو تمھیں
تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ
حکم دیا جاتا ہے (68) انھوں نے کہا: تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ وہ ہمارے لیے بیان
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
کرے اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے بے شک وہ گائے زرد رنگ کی ہو، اس کا
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا
رنگ خوب گہرا ہو، وہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے (69) انھوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا
هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ
کرو وہ ہمارے لیے (مزید) بیان کرے کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ بے شک گائیں ہم پر مشتبہ

فرمادی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی، مثلاً: فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» (صحیح مسلم، حدیث: 153) ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت (امت دعوت) میں جو شخص بھی میری بابت سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت ادیان کی گمراہی، جہاں دیگر آیات قرآنی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے، وہاں احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی مذموم سعی کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ اسی لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ [6] جب تورات کے احکام کے متعلق یہود نے از راہ شرارت کہا کہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا، جس سے ڈر کر انھوں نے عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

[1] السَّبْتِ ''ہفتہ'' کے دن یہودیوں کو مچھلی کا شکار بلکہ کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا لیکن انھوں نے ایک حیلہ اختیار کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا۔ ہفتے کے دن (بطور امتحان) مچھلیاں زیادہ آتیں، انھوں نے گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں ان میں پھنسی رہیں اور پھر اتوار کے دن ان کو پکڑ لیتے۔ [2] ایک مرسل روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک لاولد مالدار آدمی تھا جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے کو ذمے دار ٹھہرانے لگے، بالآخر بات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا، گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا جس سے وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے دوبارہ مر گیا۔ (فتح القدیر)

١٥/١٢/١٦

Marfat.com

لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿70﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
ہوگئی ہیں اور یقیناً اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے ﴿70﴾ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ فرماتا
لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِى الۡحَرۡثَ‌ۚ مُسَلَّمَةٌ
ہے کہ بے شک وہ گائے مشقت کرنے والی نہ ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی
لَّا شِيَةَ فِيۡهَا‌ ؕ قَالُوا الۡـٰٔنَ جِئۡتَ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ فَذَبَحُوۡهَا
ہو، وہ بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبا نہ ہو۔ انھوں نے کہا: اب تو حق لایا ہے، پھر انھوں
(8 ع 10 8) وَمَا كَادُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿71﴾ وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ
نے اسے ذبح کیا اور لگتے نہیں تھے کہ وہ یہ کام کریں گے ﴿71﴾ [1] اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر
فِيۡهَا ‌ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿72﴾ فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ
دیا تھا، پھر تم نے اس کے بارے میں جھگڑا کیا اور اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپاتے
بِبَعۡضِهَا ‌ؕ كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ
تھے ﴿72﴾ [2] چنانچہ ہم نے کہا: تم اس (گائے کے گوشت) کا ایک ٹکڑا اس مردے کو مارو، اللہ اسی
تَعۡقِلُوۡنَ ﴿73﴾ ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ
طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے [3] تاکہ تم سمجھو ﴿73﴾
فَهِىَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ‌ؕ وَاِنَّ مِنَ الۡحِجَارَةِ
پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے [4] چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں یا ان سے بھی زیادہ
لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ ‌ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ
سخت، اور بے شک کچھ پتھر وہ ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹتی ہیں، اور بے شک ان میں سے کچھ
فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ‌ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ
وہ ہیں کہ پھٹ پڑتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بے شک ان میں سے کچھ وہ ہیں کہ
خَشۡيَةِ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿74﴾
اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، [5] اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو، ﴿74﴾ (مسلمانو!)

[1] انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو حکم الٰہی پر عمل ہو جاتا لیکن انھوں نے حکم الٰہی پر سیدھے طریقے سے عمل کرنے کی بجائے، مین میکھ نکالنا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرتا چلا گیا۔ اسی لیے دین میں تعمّق اور سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ [2] مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قتل کا راز فاش کر دیا، دراں حالیکہ وہ قتل رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر کیا گیا تھا۔ تاہم کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم کا تعلق اسی قتل سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نیکی یا بدی تم کتنی بھی چھپ کر کرو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس لیے خلوت ہو یا جلوت ہر وقت اور ہر جگہ اچھے کام ہی کیا کرو تاکہ اگر وہ کسی وقت ظاہر بھی ہو جائیں اور لوگوں کے علم میں بھی آ جائیں تو شرمندگی نہ ہو بلکہ اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہی ہو اور بدی کتنی بھی چھپ کر کیوں نہ کی جائے، اس کے فاش ہونے کا امکان ہے جس سے انسان کی بدنامی اور ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔ [3] مقتول کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا اعلان فرما رہا ہے۔ قیامت والے دن دوبارہ مُردوں کا زندہ ہونا، منکرین قیامت کے لیے ہمیشہ حیرت و استعجاب کا باعث رہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان فرمایا ہے، سورۂ بقرہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال: ﴿ ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴾ (البقرة 2:56) میں گزر چکی ہے۔ دوسری مثال یہی قصہ ہے۔ تیسری مثال سورۂ بقرہ کی آیت 243: ﴿ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ﴾ چوتھی، آیت 259: ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ [illegible] ﴾ اور پانچویں مثال اس کے بعد والی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طیور اربعہ (چار پرندوں) کی ہے۔ [4] یعنی گزشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو گیا، دیکھ کر بھی تمھارے دلوں کے اندر اَنابت اِلَی اللّٰہ کا داعیہ اور توبہ و استغفار کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس تمھارے دل پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ دلوں کا سخت ہو جانا یہ افراد اور امتوں کے لیے سخت تباہ کن اور اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ دلوں سے اثر پذیری کی صلاحیت سلب اور قبول حق کی استعداد ختم ہو گئی ہے، اس کے بعد اس کی اصلاح کی توقع کم اور مکمل فنا اور تباہی کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے: ﴿ وَلَا يَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ﴾ (الحديد 57:16) ”اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب دی گئی لیکن مدت گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے۔“ [5] پتھروں کی سنگینی کے باوجود، ان

Marfat.com

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ
کیا پھر تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھاری بات مان لیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک فریق ایسا
یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا
ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر وہ اسے سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف کر دیتے ہیں،
عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (75) وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
حالانکہ وہ جانتے ہیں (75) [1] اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا
بھی ایمان لائے ہیں، [2] اور جب وہ ایک دوسرے کیساتھ تنہا ہوتے ہیں تو (آپس میں) کہتے ہیں: کیا
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ
تم مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ تمھارے رب کے ہاں تمھارے
بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (76) اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ
خلاف ان باتوں کو بطور حجت پیش کریں؟ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (76) کیا وہ نہیں جانتے کہ
اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ (77) وَمِنْهُمْ
بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں؟ (77) [3] اور ان میں سے
اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ
کچھ ان پڑھ ہیں، وہ کتاب کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور بس وہ صرف گمان
اِلَّا یَظُنُّوْنَ (78) فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
کرتے ہیں (78) [4] چنانچہ ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں،
بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا
پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں،
بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ
چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے، اور جو وہ کماتے
وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ (79) وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ
ہیں اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے (79) [5] اور انھوں نے کہا: آگ ہمیں گنتی کے چند دنوں

سے جو جو فوائد حاصل ہوتے اور جو جو کیفیت ان پر گزرتی ہے، اس کا بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھروں کے اندر بھی ایک قسم کا ادراک واحساس موجود ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:44) (مزید وضاحت کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی محولہ آیت: 44 کا حاشیہ دیکھیے)

[1] اہل ایمان سے خطاب کر کے یہودیوں کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمھیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے، درآں حالیکہ ان کے پچھلے لوگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو کلام الٰہی میں جانتے بوجھتے تحریف (لفظی ومعنوی) کرتا تھا۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعًا امید نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دنیوی مفادات یا حزبی تعصّبات کی وجہ سے کلام الٰہی میں تحریف تک کرنے سے گریز نہیں کرتے، وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔ امت محمدیہ کے بہت سے علماء ومشائخ بھی بدقسمتی سے قرآن وحدیث میں تحریف (معنوی حتی کہ لفظی) کے بھی مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جرم سے محفوظ رکھے۔ (دیکھیے سورۂ نساء آیت: 77 کا حاشیہ) [2] یہ بعض یہودیوں کے منافقانہ کردار کی نقاب کشائی ہو رہی ہے کہ وہ مسلمانوں میں تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے لیکن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جس سے رسول عربی کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ اس طرح تم خود ہی ایک ایسی حجت ان کے ہاتھ میں دے رہے ہو جو وہ تمھارے خلاف بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے۔ [3] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتلاؤ یا نہ بتلاؤ، اللہ تعالیٰ کو تو ہر بات کا علم ہے اور وہ ان باتوں کو تمھارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر ظاہر فرما سکتا ہے۔ [4] یہ تو ان کے اہل علم کی باتیں تھیں۔ رہے ان کے ان پڑھ لوگ، وہ کتاب (تورات) سے تو بے خبر ہیں لیکن وہ آرزوئیں ضرور رکھتے ہیں اور گمانوں پر ان کا گزارہ ہے، جس میں انھیں ان کے علماء نے مبتلا کیا ہوا ہے، مثلاً: ہم تو اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ ہم جہنم میں اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے اور ہمیں ہمارے بزرگ بخشوا لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے آج کے جاہل مسلمانوں کو بھی بعض علماء ومشائخ نے ایسے ہی حسین جالوں اور پرفریب وعدوں میں پھنسا رکھا ہے۔ [5] یہ یہود کے علماء کی جسارت اور خوف الٰہی سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلے گھڑتے ہیں اور بہ بانگ دہل یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے قرآن مجید (مصحف) کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ آیت کا مصداق

Marfat.com

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ
کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟[1] پھر تو اللہ اپنے عہد کے
يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗٓ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿80﴾
خلاف ہرگز نہیں کرے گا، کیا تم وہ بات کہتے ہو اللہ کے بارے میں جو تم نہیں جانتے؟ ﴿80﴾[2]
بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ
کیوں نہیں! جس نے کوئی برائی کمائی اور اسے اس کی برائی نے گھیر لیا، تو وہی لوگ
اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿81﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿81﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام
الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿82﴾
کیے، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿82﴾[3] اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا
وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا
وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں
اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ
سے نیک سلوک کرنا اور تم لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، اور نماز قائم کرنا، اور زکاۃ دینا، پھر تم
وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ
اس (وعدے) سے پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے (اس کے پابند رہے) اور تم تو پھر جانے
ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿83﴾ وَاِذۡ
والے ہی ہو ﴿83﴾ اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ
اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ
بہاؤ گے اور نہ نکالو گے اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم (اس بات کے)
مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿84﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ
گواہ ہو ﴿84﴾[4] پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک فریق کو

صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لیے کلام الٰہی میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔

[1] یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہیں گے، اس حساب سے صرف سات دن جہنم میں رہیں گے۔ کچھ کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی، چالیس دن جہنم میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے؟ یہ بھی استفہام انکاری ہے، یعنی یہ غلط کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ (ابن کثیر) [2] یعنی تمھارا یہ دعویٰ کہ ہم اگر جہنم میں گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے، تمھاری اپنی طرف سے ہے اور اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو، جن کا تمھیں خود بھی علم نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنا وہ اصول بیان فرما رہا ہے جس کی رو سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کو ان کی نیکی اور بدی کی جزا دے گا۔ [3] یہ یہود کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے جنت و جہنم میں جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی، یعنی کفر و شرک (کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے اگر بعض اچھے عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی بے حیثیت رہیں گے) تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں (گویا یہاں ﴿سَيِّئَةً﴾ سیاق کے اعتبار سے کفر و شرک کے معنی میں ہے) اور جو ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے وہ جنتی اور جو مومن گناہ گار ہوں گے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا، وہ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہ معاف فرما کر یا بطور سزا کچھ عرصہ جہنم میں رکھنے کے بعد یا نبی ﷺ کی شفاعت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا، جیسا کہ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ [4] ان آیات میں پھر وہ عہد بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا لیکن اس سے بھی انھوں نے اعراض ہی کیا۔ اس عہد میں اولاً صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے (جیسا کہ سورۂ انبیاء، آیت: 25 اور دیگر آیات سے واضح ہے) اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ضروری ہے، اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں ان باتوں کی بڑی تاکید ہے، جیسا کہ احادیث رسول ﷺ سے واضح ہے۔ اس عہد میں اقامت صلاۃ اور ایتائے زکاۃ کا بھی حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عبادتیں پچھلی شریعتوں میں بھی موجود رہی ہیں جن سے ان

Marfat.com

هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو، تم ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے ساتھ دوسروں کی مدد
دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ
کرتے ہو۔ اور اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم انھیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو،
اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ
حالانکہ تم پر ان کا نکال دینا ہی حرام کر دیا گیا تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ
ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟[1] پھر تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا اس کی سزا اس
مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
کے سوا کوئی نہیں کہ رسوائی ہو دنیاوی زندگی میں اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی
يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾
طرف دھکیلے جائیں گے۔ اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے ﴿85﴾ یہ وہ لوگ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۚ فَلَا يُخَفَّفُ
ہیں جنھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے عوض خرید لیا ہے، لہٰذا نہ تو ان سے عذاب ہلکے
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى (ع 10 4 10)
ہوں گے اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿86﴾ [2] اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس
الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۚ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى
کے بعد اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلے معجزات دیے اور
ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا
اسے روح القدس (جبریل) کے ساتھ قوت دی،[3] کیا پھر جب کبھی تمھارے پاس کوئی رسول وہ چیز

کی اہمیت واضح ہے۔ اسلام میں بھی یہ دونوں عبادتیں نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار یا اس سے اعراض کو کفر سمجھا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کرنے سے واضح ہے۔

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ اسی طرح یہود مدینہ کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنو قریظہ اوس کے حلیف (ساتھی) اور بنو قینقاع اور بنو نضیر، خزرج کے حلیف تھے۔ جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں (ساتھیوں) کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے اور انھیں جلا وطن کر دیتے۔ درآں حالیکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا۔ لیکن پھر انھی یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے شریعت کو موم کی ناک بنا لیا تھا، بعض چیزوں پر ایمان لاتے اور بعض کو ترک کر دیتے، کسی حکم پر عمل کر لیتے اور کسی وقت شریعت کے حکم کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا، ان کی شریعت میں بھی حرام تھا، ان امور کا تو انھوں نے بے محابا ارتکاب کیا اور فدیہ دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا، اس پر عمل کر لیا، حالانکہ اگر پہلے تین امور کا وہ لحاظ رکھتے تو فدیہ دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ [2] یہ شریعت کے کسی حکم کے مان لینے اور کسی کو نظر انداز کر دینے کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی سزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ (جو مکمل شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے) ذلت و رسوائی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کی بجائے سخت عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض بعض باتوں کا مان لینا یا ان پر عمل کر لینا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کا وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہودیوں کا بیان کیا گیا ہے؟ [3] ﴿وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾ کے معنی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل پیغمبر آتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ ﴿الْبَيِّنٰتِ﴾ سے معجزات مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور اندھے کو صحت یاب کرنا وغیرہ، جن کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت:49 میں ہے۔ ﴿بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ سے مراد حضرت جبریل ہیں، ان کو روح القدس، اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امر تکوینی سے ظہور میں آئے تھے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''روح'' کہا گیا ہے۔ اور ''القدس'' سے ذات الٰہی مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح تر قرار دیا ہے کیونکہ سورۂ مائدہ، آیت:10 میں روح القدس اور انجیل دونوں الگ الگ مذکور ہیں (اس لیے روح القدس سے انجیل مراد نہیں ہو سکتی) ایک اور آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ''الروح الأمین'' فرمایا گیا ہے

Marfat.com

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ
لایا جسے تمھارے نفس نہ چاہتے تھے، تو تم نے تکبر کیا، پھر تم نے ایک فریق کو جھٹلایا اور
فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾ وَقَالُوْا
دوسرے فریق کو تم قتل کر دیتے رہے [1] ﴿87﴾ اور انھوں نے کہا: ہمارے دل غلافوں میں ہیں [2]
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا
(نہیں) بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ لہٰذا کم لوگ ہی ایمان لاتے
مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
ہیں ﴿88﴾ [3] اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ
کرتی ہے جو ان کے پاس ہے، اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے [4]
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ
جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں
فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ
نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے ﴿89﴾ وہ چیز بہت بری ہے جس کے
اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ
بدلے انھوں نے اپنے نفس بیچ دیے، یہ کہ وہ اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو اللہ نے نازل کی،
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
صرف اس حسد کی بنا پر کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل کرے، [5] پس
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾
وہ غضب در غضب کے ساتھ لوٹے [6] اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ﴿90﴾ اور
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ
جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس
بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ
پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، [7] اور وہ اس کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ

اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" "اے اللہ! روح القدس سے اس کی تائید فرما۔" ایک دوسری حدیث میں ہے: "وَجِبْرِيْلُ مَعَكَ" "جبریل تمھارے ساتھ ہے۔" معلوم ہوا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہی ہیں۔ (فتح البیان، ابن کثیر بحواله أشرف الحواشي)

[1] جیسے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔ [2] یعنی ہم پر اے محمد! تیری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:5) "ہمارے دل اس دعوت سے پردے میں ہیں، جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔" [3] دلوں پر حق بات کا اثر نہ کرنا، کوئی فخر کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ملعون ہونے کی علامت ہے، پس ان کا ایمان بھی تھوڑا ہے (جو عند اللہ نا مقبول ہے) یا ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔ [4] ﴿يَسْتَفْتِحُوْنَ﴾ کے ایک معنی یہ ہیں: غلبہ اور نصرت کی دعا کرتے تھے، یعنی جب یہ یہود مشرکین سے شکست کھا جاتے تو اللہ سے دعا کرتے کہ اے اللہ! آخری نبی جلد مبعوث فرما تاکہ اس سے مل کر ہم ان مشرکین پر غلبہ حاصل کریں، یعنی اِسْتِفْتَاح بِمَعْنٰى اِسْتِنْصَار ہے۔ دوسرے معنی خبر دینے کے ہیں: أَيْ يُخْبِرُوْنَهُمْ بِأَنَّهُ سَيُبْعَثُ یعنی یہودی کافروں کو خبر دیتے کہ عنقریب نبی کی بعثت ہوگی۔ (فتح القدير) لیکن بعثت کے بعد علم رکھنے کے باوجود نبوت محمد یہ پر محض حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔ [5] یعنی اس بات کی معرفت کے بعد بھی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ وہی آخری پیغمبر ہیں، جن کے اوصاف تورات و انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی وجہ سے ہی اہل کتاب ان کے ایک "نجات دہندہ" کے طور پر منتظر بھی تھے لیکن ان پر محض اس جلن اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ یہ نبی ہماری نسل میں سے کیوں نہ ہوئے، جیسا کہ ہمارا گمان تھا، یعنی ان کا انکار دلائل پر نہیں، نسلی منافرت اور حسد و عناد پر مبنی تھا۔ [6] غضب در غضب کا مطلب ہے بہت زیادہ غضب۔ کیونکہ بار بار وہ غضب والے کام کرتے رہے، جیسا کہ تفصیل گزری اور اب محض حسد کی وجہ سے قرآن اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔ [7] یعنی تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں، اب اس کے بعد ہمیں قرآن پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

Marfat.com

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ
وہ (قرآن) حق ہے اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے، کہہ دیجیے: پھر
اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿91﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
اس سے پہلے تم اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے؟ (91)[1] اور بے شک موسیٰ
مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ
تمھارے پاس کھلے معجزات لے کر آئے، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا[2] اور تم
وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
ہو ہی ظالم (92) اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور ہم نے تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (اور
الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا
کہا:) ہم نے تم کو جو دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑو اور سنو! انھوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے
وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ
نافرمانی کی[3] اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا (ڈال) دی گئی[4] ان کے کفر کی وجہ سے[5] کہہ
بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿93﴾ قُلْ
دیجیے: اگر تم مومن ہو تو وہ کام برا ہے جسے کرنے کا تمھارا ایمان تمھیں حکم دیتا ہے (93) کہہ
اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ
دیجیے اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر، خاص تمھارے ہی لیے ہے اوروں کو چھوڑ کر تو تم موت کی
النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿94﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ
تمنا کرو، اگر تم سچے ہو (94)[6] اور وہ اپنے ان گناہوں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں کما کر آگے بھیج
اَبَدًا ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿95﴾
چکے ہیں، اس (موت) کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے (95)
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ
اور یقیناً آپ ان (یہودیوں) کو سب لوگوں سے بڑھ کر جینے کے حریص پائیں گے، اور ان
اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ
لوگوں سے بھی زیادہ جنھوں نے شرک کیا،[7] ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کاش! اسے ایک

[1] یعنی تمھارا تورات پر دعوائے ایمان بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر تورات پر تمھارا ایمان ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو تم قتل نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی تمھارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔ [2] یہ ان کے انکار اور عناد کی ایک اور دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آیات واضحات اور دلائل قاطعہ اس بات کے لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تم نے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تنگ کیا اور الٰہ واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ [3] یہ کفر و انکار کی انتہا ہے، زبان سے تو اقرار کہ سن لیا، یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے؟ [4] ایک تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ دوسرے، اس کو اُشْرِبُوْا (پلا دیے گئے، پلا دی گئی) سے تعبیر کیا گیا کیونکہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب دوڑتا ہے جبکہ کھانے کا گزر اس طرح نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر) [5] یعنی عصیان اور بچھڑے کی محبت و عبادت کی وجہ وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ [6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی یہودیوں کو کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ تعالیٰ سے محبوبیت کے دعوے میں سچے ہو تو مباہلہ کر لو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ اے اللہ! دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار کر دے، یہی دعوت انھیں سورۂ جمعہ میں بھی دی گئی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے، لیکن چونکہ یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو (مباہلہ) نہیں کریں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) [7] موت کی آرزو تو کجا یہ تو دنیوی زندگی کے تمام لوگوں حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں لیکن عمر کی یہ درازی انھیں عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکے گی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہودی اپنے ان دعووں میں یکسر جھوٹے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور چہیتے ہیں یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے جہنمی کیونکہ فی الواقع اگر ایسا ہوتا یا کم از کم انھیں اپنے دعووں کی صداقت پر پورا یقین ہوتا تو یقیناً وہ مباہلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تاکہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی۔ مباہلے سے پہلے یہودیوں کا اعراض اور گریز اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ گو وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے تھے لیکن ان کے دل اصل حقیقت سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمانوں کے لیے طے کر رکھا ہے۔

Marfat.com

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ
ہزار سال کی عمر مل جائے، حالانکہ اس قدر عمر کا ملنا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں اور
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ ع 11/10/11 قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا
جو عمل وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے (96) (اے نبی!) کہہ دیجیے: جو کوئی جبریل کا
لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا
دشمن ہے، تو اسی نے اِس قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کیا ہے، یہ اس (کتاب)
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾
کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی اور مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے (97) [1] جو
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ
کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو
وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿98﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے (98) [2] اور یقیناً ہم نے نازل کیں آپ کی طرف واضح
اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿99﴾
آیتیں اور نافرمانوں کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کرتا (99) کیا (ایسا نہیں ہوتا رہا کہ) جب
اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
بھی انھوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے پھینک دیا، بلکہ ان میں سے
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿100﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اکثر ایمان نہیں لاتے (100) اور جب بھی اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی رسول آیا جو ان
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
کے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتا تھا تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک
الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾
گروہ نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں (101) [3] اور انھوں نے اس کی
وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ
پیروی کی جسے شیطان، سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا

[1] حدیث میں ہے کہ چند یہودی علماء نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ نے ہمارے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے کیونکہ نبی کے علاوہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ جب نبی ﷺ نے ان کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو انھوں نے کہا کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”جبریل“ یہود کہنے لگے: جبریل تو ہمارا دشمن ہے، وہی تو حرب وقتال اور عذاب لے کر اترتا رہا ہے۔ اور اس بہانے سے نبی کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا۔ (ابن كثير و فتح القدير)

[2] یہود کہتے تھے کہ میکائیل ہمارا دوست ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ» (صحيح البخاري، حديث: 6502) ”جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی، میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔“ گویا اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ولی سے دشمنی سارے اولیاء اللہ سے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری اور ان سے بغض وعناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔ (سورۂ یونس، آیت: 62، 63) لیکن محبت اور تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبے بنائے جائیں، ان کی قبروں پر سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور انھیں حاجت روا، مشکل کشا، نافع وضار سمجھا جائے، ان کی قبروں پر دست بستہ قیام اور ان کی چوکھٹوں پر سجدہ کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ بدقسمتی سے ”اولیاء اللہ کی محبت“ کے نام پر یہ کاروبار لات ومنات فروغ پذیر ہے۔ حالانکہ یہ ”محبت“ نہیں ہے، ان کی عبادت ہے، جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عبادت قبور سے محفوظ رکھے۔

[3] اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو بہت سی آیات بینات عطا کی ہیں، جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں خود ان کی کتاب تورات میں بھی آپ کے اوصاف کا ذکر اور آپ پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے لیکن انھوں نے پہلے بھی کسی عہد کی کب پروا کی ہے جو اس عہد کی وہ کریں گے؟ عہد شکنی ان کے ایک گروہ کی ہمیشہ عادت رہی ہے حتیٰ کہ اللہ کی کتاب کو بھی اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

Marfat.com

سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے[1] اور انھوں نے اس کی پیروی کی جو بابل

السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا،[2] وہ دونوں (فرشتے) کسی کو جادو نہیں سکھاتے

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

تھے یہاں تک کہ (پہلے) کہہ دیتے[3] ہم تو صرف آزمائش ہیں،[4] لہٰذا تو کفر نہ کر، چنانچہ لوگ ان دونوں

فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ

سے وہ جادو سیکھتے جس کے ذریعے سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے، اور وہ

الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا

اس جادو سے اللہ کے حکم کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے[5] اور لوگ ان سے وہ علم

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ

سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتا تھا، ان کو نفع نہیں دیتا تھا، حالانکہ وہ بالیقین جانتے تھے کہ

عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

جس نے اس (جادو) کو خریدا آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں، اور البتہ وہ بہت بری

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَلَوْ

چیز تھی جس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں کاش! وہ جانتے ہوتے (102) اور اگر

[1] یعنی ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پروا نہیں کی، البتہ شیطان کے پیچھے لگ کر نہ صرف جادو ٹونے پر عمل کرتے رہے بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے ہی حکومت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کا عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ عمل سحر تو کفر ہے، اس کفر کا ارتکاب حضرت سلیمان کیونکر کر سکتے تھے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام ہوگیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے سدباب کے لیے جادو کی کتابیں لے کر اپنی کرسی یا تخت کے نیچے دفن کردیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و اقتدار کا راز یہی جادو کا عمل تھا اور اسی بنا پر ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی کافر قرار دیا، جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ (ابن کثیر وغیرہ)

[2] بعض مفسرین نے ﴿وَمَآ اُنْزِلَ﴾ میں ما نافیہ مراد لیا ہے اور ہاروت و ماروت پر کسی چیز کے اترنے کی نفی کی ہے لیکن قرآن کریم کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت و ماروت کے بارے میں بھی تفاسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تفصیل کے نہایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے، ہمیں صرف اس پر اور اسی حد تک ایمان رکھنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر) قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد (واللہ أعلم بالصواب) یہ معلوم ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے، جادو سے مختلف چیز ہیں اور جادو یہ ہے: جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء علیہم السلام کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبدہ باز سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔ دوسرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی پستی کی نشاندہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل کرنے کے درپے رہے جس سے ان کا مقصد بنتے بستے گھروں کو اجاڑنا اور میاں بیوی کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا تھا، یعنی یہ ان کے گراوٹ، بگاڑ اور فساد کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توہمات اور اخلاقی گراوٹ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

[3] فرشتوں کا جادو سکھانا ایسے ہی تھا جیسے باطل کی تردید کے لیے، باطل مذاہب کا علم کسی استاذ سے حاصل کیا جائے، استاذ شاگرد کو اس یقین دہانی پر باطل مذہب کا علم سکھائے کہ وہ اس کی تردید کرے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے بعد وہ خود بدمذہب ہوجائے یا اس کا غلط استعمال کرے تو استاذ اس میں قصوروار نہیں ہوگا۔ [4] أَيْ إِنَّمَا نَحْنُ ابْتِلَاءٌ وَّاخْتِبَارٌ مِّنَ اللّٰهِ لِعِبَادِهِ ''ہم اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے آزمائش ہیں۔'' (فتح القدیر) [5] یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو، اس لیے اس کے سیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے، ہر قسم کی خیر کی طلب اور ضرر کے دفع کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ وہی ہر چیز کا

Marfat.com

اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ

وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو بے شک اللہ کے ہاں سے بہت اچھا ثواب ملتا،

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؑ ﴿103﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا

ع 12/7/12

کاش! وہ جانتے ہوتے ﴿103﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم (نبی سے یہ) نہ کہو: [رَاعِنَا] بلکہ

وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾

یہ کہو: [اُنْظُرْنَا][1] اور تم غور سے سنو اور کافروں کے لیے بہت دردناک عذاب ہے ﴿104﴾ اہل

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ نہیں چاہتے اور نہ مشرکین ہی چاہتے ہیں کہ تم پر

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

تمھارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل کی جائے اور اللہ اس کے لیے اپنی رحمت خاص کرتا

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿105﴾

ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿105﴾ جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

اسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل ہی لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿106﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے؟ ﴿106﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی کے لیے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی[2] اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ کوئی

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿107﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا

مددگار؟ ﴿107﴾ (اے مسلمانو!) کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے

خالق ہے اور کائنات میں ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

[1] رَاعِنَا کے معنی ہیں: ہمارا لحاظ اور خیال کیجیے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدیلی اور ان کے جذبۂ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلاً: وہ کہتے: رَاعِينَا (ہمارے چرواہے) یا رَاعِنًا (احمق) وغیرہ، جیسے وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کی بجائے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت آئے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ، جن میں تنقیص و اہانت کا شائبہ ہو، ادب و احترام کے پیش نظر اور سدِ ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے ساتھ افعال و اقوال میں مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے تاکہ مسلمان مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (سنن أبي داود، حديث: 4031 وحسنه الألباني) ”جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انھی میں شمار ہوگا۔“ کی وعید میں داخل نہ ہوں۔ [2] نسخ کے لغوی معنی تو نقل کرنے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگے بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کر دیا گیا وغیرہ، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ”الفوز الکبیر“ میں ان کی تعداد صرف پانچ بیان کی ہے۔ یہ نسخ تین قسم کا ہے۔ ایک تو مطلقاً نسخ حکم، یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسرا نسخ مع بقاء التلاوة یعنی پہلے حکم کے الفاظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ہیں، ان کی تلاوت ہوتی ہے لیکن دوسرا حکم بھی، جو بعد میں نازل کیا گیا، قرآن میں موجود ہے، یعنی ناسخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔ نسخ کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی، یعنی مصحف (قرآن کریم) میں نبی ﷺ نے انھیں شامل نہیں فرمایا لیکن ان کا حکم باقی رکھا گیا۔ جیسے اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ (موطأ إمام مالك: 335/2 ومسند أحمد: 132/5) ”شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو یقیناً انھیں سنگسار کر دیا جائے۔“ اس آیت میں نسخ کی پہلی دو قسموں کا بیان ہے۔ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ میں دوسری قسم اور ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ میں پہلی قسم۔ ﴿نُنْسِهَا﴾ (ہم بھلوا دیتے ہیں) کا مطلب ہے کہ اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لیتے ہیں۔ گویا کہ ہم نے اسے بھلا دیا اور نیا حکم نازل کر دیا۔ یا نبی ﷺ کے قلب سے ہی ہم نے اسے مٹا دیا اور اسے نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔ یہودی تورات کو ناقابل نسخ قرار دیتے تھے اور قرآن پر بھی انھوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھے کرے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو، اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے۔ یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ بعض قدیم گمراہوں (مثلاً: ابو مسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کل

Marfat.com

سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ

موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟[1] اور جس نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا تو بے شک وہ

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿108﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ

سیدھی راہ سے بھٹک گیا ﴿108﴾ اہل کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش کہ وہ تمھارے

يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ

ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے، اس کے

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ

بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا، پس معاف کر دو اور جانے دو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿109﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

لے آئے، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿109﴾ اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور تم

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے، بے شک تم جو عمل کرتے ہو

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿110﴾ وَقَالُوْا لَنْ

اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے ﴿110﴾ اور[2] انھوں نے کہا: جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا

يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ

نصرانی ہوگا۔ یہ ان کی (باطل) آرزوئیں ہیں، (اے نبی!) کہہ دیجیے: لاؤ تم اپنی دلیل، اگر تم

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ

سچے ہو ﴿111﴾[3] کیوں نہیں! بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا، اس حال میں کہ وہ نیکی

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ

کرنے والا ہے،[4] تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور انھیں کوئی خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿112﴾ ع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى

نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿112﴾ اور یہودیوں نے کہا: عیسائی کسی چیز پر نہیں اور

عَلٰى شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ

عیسائیوں نے کہا: یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں (اپنی اپنی) کتاب پڑھتے ہیں،[5] اسی

يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے، انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی،[6] پھر قیامت

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

کے دن اللہ ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿113﴾

ع 13 / 9 / 13

کے بھی بعض متجددین نے یہودیوں کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو مذکورہ سطروں میں بیان کی گئی ہے، سلف صالحین کا عقیدہ بھی اثبات نسخ ہی رہا ہے۔

[1] مسلمانوں (صحابہ) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر سے غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشۂ کفر ہے۔ [2] یہودیوں کو اسلام اور نبی ﷺ سے جو حسد اور عناد تھا اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی مذموم سعی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبر اور درگزر سے کام لیتے ہوئے، ان احکام و فرائض اسلام کو بجا لاتے رہو، جن کا تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ [3] یہاں اہل کتاب کے اس غرور اور فریب نفس کو پھر بیان کیا جا رہا ہے جس میں وہ مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ [4] ﴿اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کا مطلب ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ، پیغمبر آخر الزمان کی سنت کے مطابق۔ قبولیت عمل کے لیے یہ دو بنیادی اصول ہیں اور نجات اخروی انھی اصولوں کے مطابق کیے گئے اعمال صالحہ پر مبنی ہے، نہ کہ محض آرزوؤں پر۔ اور نہ بدعات (خود گھڑے ہوئے، بزعم خویش ''اچھے'' اعمال) پر اس لیے کہ ایسے عملوں پر سنت نبوی کی مہر اور عنداللہ وہی عمل، عمل صالح اور قابل قبول قرار پائے گا جو سنت کے مطابق ہوگا [5] یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ [6] اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین ان پڑھ ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ تھے، اس لیے انھیں بے علم کہا گیا لیکن وہ بھی مشرک ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ وہی حق پر ہیں۔ اسی لیے وہ نبی ﷺ کو صابی، یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ
اس سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے لوگوں کو اس بات سے روکا کہ اللہ کی مسجدوں میں
وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ
اللہ کا نام ذکر کیا جائے[1] اور انھیں اجاڑنے کی کوشش کی؟[2] ان (روکنے والوں) کے لائق تو یہ تھا
اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
کہ ان میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں۔[3] ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿114﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا
بڑا عذاب ہے (114) اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا تم جس طرف بھی منہ کرو گے
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ
وہیں ہے اللہ کا چہرہ،[4] بے شک اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے (115) اور انھوں نے کہا:
اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اللہ نے اولاد بنالی ہے۔ وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى
زمین میں ہے، سب اسی کے فرمانبردار ہیں (116) (وہ) آسمانوں اور زمین کا انوکھا موجد ہے اور
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا
جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے متعلق یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے (117)[5] اور ان
يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ
لوگوں نے کہا جو علم نہیں رکھتے: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں
قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ
آتی؟[6] اسی طرح، ان کے قول سے ملتی جلتی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے تھے،

[1] جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا، یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہیں، جنھوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا اور اس کی تخریب میں حصہ لیا۔ ابن جریر طبری نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنھوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور یوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا، پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار دہرایا اور کہا کہ ہم اپنے آباء واجداد کے قاتلوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حالانکہ خانہ کعبہ میں کسی کو عبادت سے روکنے کی اجازت اور روایت نہیں تھی۔ [2] تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا، اقامت شریعت اور مظاہر شرک سے پاک کرنے سے منع کرنا بھی تخریب اور اللہ کے گھروں کو برباد کرنا ہے۔ [3] یہ الفاظ خبر کے ہیں لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمھیں تمکّن اور غلبہ عطا فرمائے تو تم ان مشرکین کو اس میں صلح اور جزیے کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ جب 8 ہجری میں مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے بعد 9 ہجری میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ سال کعبہ میں کسی مشرک کو حج کرنے کی اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور جس سے جو معاہدہ ہے، معاہدے کی مدت تک وہ معاہدہ برقرار ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیادتیاں کی ہیں، ان کے بدلے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے، چنانچہ جلد ہی یہ خوش خبری پوری ہوگئی۔ [4] ہجرت کے بعد جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا رنج تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس وقت نازل ہوئی جب بیت المقدس سے پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو یہودیوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، بعض کے نزدیک اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے کہ سواری کا منہ کدھر بھی ہو، نماز پڑھ سکتے ہو۔ کبھی چند اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے حکم کے لیے ایک ہی آیت نازل ہو جاتی ہے۔ ایسی آیتوں کے شان نزول میں متعدد روایات مروی ہوتی ہیں، کسی روایت میں ایک سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرا۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے۔ (ملخص از احسن التفاسیر) [5] یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کی فرماں بردار ہے بلکہ آسمان و زمین کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے۔ علاوہ ازیں وہ جو کام کرنا چاہے اس کے لیے اسے صرف لفظ کُن کافی ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ [6] اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جنھوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا یا کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں دکھا دیتا؟ جسے

Marfat.com

قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (118)

ان کے دل یکساں ہو گئے، [1] تحقیق ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دی ہیں (118)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں

عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (119) وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ

کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا (119) اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی

وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ

نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں [2] کہہ دیجیے: بے شک اللہ کی ہدایت

هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ

ہی حقیقی ہدایت ہے [3] اور آپ کے پاس جو علم آ گیا اس کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (120) اَلَّذِيْنَ

کی تو آپ کو اللہ (کی پکڑ) سے (بچانے والا) نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار (120) [4] جن

اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ

لوگوں کو ہم نے کتاب دی [5] وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے [6] وہی

ع 14 9 14 وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (121) يٰبَنِىْٓ

لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہی ہیں خسارہ پانے والے (121) [7]

اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ

اے بنی اسرائیل! تم میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور بے شک میں نے تمھیں

فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ (122) وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ

سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی (122) اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ

عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

بھی کام نہیں آئے گا اور نہ اس سے کوئی بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی

دیکھ کر ہم مسلمان ہو جائیں جس طرح کہ (سورۂ بنی اسرائیل آیت: 90 تا 93) میں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

[1] یعنی مشرکین عرب کے دل، کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہو گئے۔ جیسے سورۂ ذاریات میں فرمایا گیا: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ ''ان سے پہلے جو بھی رسول آیا، اس کو لوگوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی کہا۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر جاتے تھے؟ نہیں یہ سب سرکش لوگ ہیں۔'' یعنی قدر مشترک ان سب میں سرکشی کا جذبہ ہے، اس لیے داعیان حق کے سامنے نئے نئے مطالبے رکھتے ہیں یا انھیں دیوانہ گردانتے ہیں۔ [2] یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لیں۔ [3] جواب اسلام کی صورت میں ہے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، نہ کہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت۔ یہ وہی مضمون ہے جو وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران 3:85) میں بیان کیا گیا ہے۔ [4] یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آ جانے کے بعد بھی اگر محض ان بر خود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی کی تو آپ کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں مداہنت اور بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔ [5] اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کے مذموم اخلاق و کردار کی ضروری تفصیل کے بعد ان میں جو کچھ لوگ صالح اور اچھے کردار کے تھے، اس آیت میں ان کی خوبیاں اور ان کے مومن ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر افراد ہیں، جن کو یہودیوں میں سے قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی۔ [6] ''وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے۔'' کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: ① خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جہنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ ② اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الٰہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے دوسرے یہودی کرتے تھے۔) ③ اس میں جو کچھ تحریر ہے، لوگوں کو بتلاتے ہیں، اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ ④ اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، متشابہات پر ایمان رکھتے اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، انھیں علماء سے حل کرواتے ہیں ⑤ اس کی ایک ایک بات کا اتباع کرتے ہیں۔ (فتح القدیر) واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی مفہوم داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو مذکورہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ [7] اہل کتاب میں سے جو نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ جیسے صحیح مسلم کی حدیث: (153) آیت: 62 کی تشریح میں گزری ہے۔

Marfat.com

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ
اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿123﴾ اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا[1] تو
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ
اس نے انھیں پورا کر دیا۔ اللہ نے کہا: بے شک میں تجھے سب لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں۔
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿124﴾
اس (ابراہیم) نے کہا: اور میری اولاد میں سے بھی؟[2] اللہ نے کہا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا ﴿124﴾
وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ
اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنایا[3] اور (حکم دیا
مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ
کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ[4] اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ تم دونوں میرا گھر
طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿125﴾ وَاِذْ
پاک کرو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے ﴿125﴾
قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ
اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن والا شہر بنا اور اس کے
مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، انھیں پھلوں سے رزق دے[5] اللہ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ
نے کہا: اور جس نے کفر کیا تو میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر میں اسے آگ کے عذاب
النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿126﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
کی طرف مجبور کر دوں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے ﴿126﴾ اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل
الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی)

[1] کلمات سے مراد احکام شریعت، مناسک حج، ذبح پسر، ہجرت، نارِ نمرود وغیرہ وہ تمام آزمائشیں ہیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوا مانی اور سمجھی جاتی ہے۔ [2] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہی ہے: وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (العنکبوت 27:29) ”ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا۔“ پس ہر نبی جسے اللہ نے مبعوث کیا اور ہر کتاب جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمائی، اولاد ابراہیم ہی میں یہ سلسلہ رہا۔ (ابن کثیر) اس کے ساتھ ہی یہ فرما کر کہ ”میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔“ اس امر کی وضاحت فرما دی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عند اللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے، ان کی شقاوت و محرومی کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پیمبر زادگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح نہیں تو پیرزادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہ الٰہی میں کیا حیثیت ہوگی؟ یقیناً کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ. (صحیح مسلم، حدیث: 2699) ”جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا۔“ [3] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے جو اس کے بانیٔ اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہیں: مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ، دوسرے معنی ہیں: بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے، دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ یہ شوق روز افزوں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت ”امن کی جگہ“ یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے اس احترام کو باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کی۔ [4] مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی و معتمر طواف کے دوران میں بآسانی دیکھتا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا سنت ہے۔ [5] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول فرمائیں، یہ شہر امن کا گہوارہ بھی ہے اور وادیٔ غیر ذي زرع (غیر کھیتی والی جگہ) ہونے کے باوجود اس میں دنیا بھر کے پھل فروٹ اور ہر قسم کے غلے کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت و تعجب میں ڈوب جاتا ہے۔

Marfat.com

الْعَلِيْمُ ﴿127﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ

قبول کرلے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿127﴾ اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو

اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ

اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو بھی اپنا فرمانبردار (بنا) اور ہمیں ہماری عبادت

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ

کے طریقے سکھا اور ہم پر توجہ فرما، بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾

فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ

اے ہمارے رب! اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج،[1] وہ ان کے سامنے تیری آیتیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

تلاوت کرے، اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے[2] اور انھیں پاک کرے،[3] بے شک تو ہی غالب،

15 ع 8 15 الْحَكِيْمُ ﴿129﴾ ۧ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ

خوب حکمت والا ہے ﴿129﴾ اور کون بے رغبتی کرسکتا ہے ملت ابراہیم سے سوائے اس کے جس

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

نے اپنے نفس کو احمق بنالیا اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور یقیناً وہ آخرت

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿130﴾ اِذْ قَالَ

میں ضرور نیکو کاروں میں سے ہوگا ﴿130﴾[4] اور جب ابراہیم سے اس کے رب نے کہا: فرمانبردار ہو

لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿131﴾ وَوَصّٰى

جا! تو اس نے کہا: میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوگیا ﴿131﴾[5] ابراہیم نے اور یعقوب نے بھی

بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ

اپنے بیٹوں کو اسی (کلمۂ حق) کی وصیت کی: اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے

الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿132﴾ اَمْ كُنْتُمْ

یہ دین چن لیا ہے، پس تمھیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ﴿132﴾[6] کیا

شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

جب یعقوب کو موت آئی اس وقت تم موجود تھے؟[7] جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے بعد

[1] یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔'' (الفتح الرباني: 181/20 و 189، ومسند أحمد: 262/5) [2] کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث ہے۔ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب وحکمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نفس تلاوت بھی مقصود اور باعث اجر وثواب ہے۔ تاہم اگر ان کا مفہوم ومطلب بھی سمجھ میں آتا جائے تو سبحان اللہ، سونے پر سہاگہ ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ترجمہ ومطلب نہیں آتا، تب بھی اس کی تلاوت میں کوتاہی جائز نہیں ہے۔ تلاوت بجائے خود ایک الگ اور نیک عمل ہے۔ تاہم اس کے مفاہیم اور مطالب سمجھنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔ [3] تلاوت وتعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے بعد نبی ﷺ کی بعثت کا یہ چوتھا مقصد ہے کہ انھیں شرک وتوہمات کی آلائشوں سے اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں سے پاک کریں۔ [4] عربی زبان میں رَغِبَ کا صلہ عَنْ ہو تو اس کے معنی بے رغبتی کرنا، اعراض کرنا ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظمت وفضیلت بیان فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ ملت ابراہیمی سے اعراض اور بے رغبتی بے وقوفوں کا کام ہے، کسی عقل مند سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ [5] یہ فضیلت وبرگزیدگی انھیں اس لیے حاصل ہوئی کہ انھوں نے اطاعت وفرماں برداری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ [6] حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب علیہما السلام نے ﴿الدِّيْنَ﴾ کی وصیت اپنی اولاد کو بھی فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہی ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے اور قرآن کریم میں دیگر متعدد مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئے گی۔ جیسے ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 19:3) وغیرہ ''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔'' [7] یہود کو زجر وتوبیخ کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ موجود تھے تو یہ کذب وزور اور بہتان ہوا اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا کیونکہ انھوں نے جو وصیت کی، وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وثنیت کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقۂ کار میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: «اَلْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ» (صحيح البخاري، حديث: 3443) ''انبیاء

Marfat.com

مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ
تم کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾
اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں ﴿133﴾ یہ ایک
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ
جماعت تھی جو گزر گئی۔ اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا،
وَلَا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾ وَقَالُوْا
اور جو عمل وہ کرتے تھے تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا ﴿134﴾[1] اور انھوں نے کہا
كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ
تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ ہم تو ملت
حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿135﴾ قُوْلُوْٓا
ابراہیم کی پیروی کرتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو گیا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ﴿135﴾[2]
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ
ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ
دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿136﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا
تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿136﴾[3] پھر اگر وہ (اہل کتاب) اس چیز پر ایمان
بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا
لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں
فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ
تو پھر وہی ہیں مخالفت میں، سو ان کے مقابلے میں آپ کو اللہ کافی ہے[4] اور وہی خوب سننے

علیہم السلام کی جماعت باپ شریک اولاد (اولادِ علّات) ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے۔"

[1] یہ بھی یہود کو کہا جا رہا ہے کہ تمھارے آباء و اجداد میں جو انبیاء و صالحین ہو گزرے ہیں، ان کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کا صلہ انھیں ہی ملے گا، تمھیں نہیں، تمھیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے۔ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو پچھلے صالحین کا بھی سرمایہ تھا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا بھی واحد ذریعہ ہے۔ [2] یہودی، مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی، عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہو کہ ہدایت ملت ابراہیم کی پیروی میں ہے جو حنیف تھا (الٰہ واحد کا پرستار اور اسی کی عبادت کرنے والا) اور وہ مشرک نہیں تھا۔ جبکہ یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شرک موجود ہے۔ اور اب بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی شرک کے مظاہر عام ہیں، اسلام کی تعلیمات اگرچہ بحمد اللہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہیں، جن میں توحید کا تصور بالکل بے غبار اور نہایت واضح ہے، جس سے یہودیت، عیسائیت اور ثَنَوِیّت (دو خداؤں کے قائل مذاہب) سے اسلام کا امتیاز نمایاں ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اعمال و عقائد میں جو مشرکانہ اقدار و تصورات در آئے ہیں، اس نے اسلام کے امتیاز کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کیونکہ غیر مذاہب والوں کی دسترس براہ راست قرآن و حدیث تک تو نہیں ہو سکتی، وہ تو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ کریں گے کہ اسلام میں اور دیگر مشرکانہ تصورات سے آلودہ مذاہب کے مابین تو کوئی امتیاز ہی نظر نہیں آتا۔ اگلی آیت میں ایمان کا معیار بتلایا جا رہا ہے۔ [3] یعنی ایمان یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو کچھ بھی ملا یا ان پر نازل ہوا، سب پر ایمان لایا جائے، کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کو ماننا، کسی کو نہ ماننا، یہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے، البتہ عمل اب صرف قرآن کریم ہی کے احکام پر ہو گا۔ پچھلی کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں پر نہیں کیونکہ ایک تو وہ اصلی حالت میں نہیں رہیں، تحریف شدہ ہیں۔ دوسرے، قرآن نے ان سب کو منسوخ کر دیا ہے۔ [4] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی مذکورہ طریقے پر ایمان لائے تھے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ اسی چیز پر ایمان لائیں جس پر اے صحابہ! تم ایمان لائے ہو تو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اگر وہ ضد اور اختلاف میں منہ موڑیں گے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرنے والا ہے، چنانچہ چند سالوں ہی میں یہ وعدہ پورا ہوا

Marfat.com

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (137) صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ

والا، خوب جاننے والا ہے (137) (اے نبی! کہہ دیجیے:) اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ کے

اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (138) قُلْ

لحاظ سے اللہ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ [1] اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں (138) (اے نبی!) کہہ

اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ

دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (139)

ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل اور ہم خالص اسی کے لیے عمل

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

کرنے والے ہیں (139) [2] کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور (ان کی)

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ

اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ [3] اور اس سے زیادہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ

ظالم کون ہے جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے؟ اور اللہ اس

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (140) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا

سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو (140) [4] یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اسی کے لیے ہے جو اس

مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا

نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا۔ اور تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (141)

جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے (141) [5]

ع 16/12/16

اور یہودیوں کے دو قبیلوں بَنُو قَیْنُقَاع اور بَنُو نَضِیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور تیسرے قبیلے بنو قریظہ کے مرد قتل کر دیے۔ امام احمد کی کتاب فضائل الصحابہ: 501/1 میں صحیح سند کے ساتھ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک مصحف عثمان ان کی اپنی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پر ان کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ دھار بھی۔ کہا جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے [1] عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پانی مقرر کر رکھا ہے جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی دیا جاتا ہے جس کو عیسائی بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس رسم کا نام ان کے ہاں ''بپتسمہ'' ہے۔ یہ ان کے نزدیک بہت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ کسی کو پاک تصور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے، اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں اور اللہ کے رنگ سے مراد وہ دین فطرت، یعنی دین اسلام ہے، جس کی طرف ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی، یعنی دعوت توحید۔ [2] کیا تم ہم سے اس بارے میں جھگڑتے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لیے اخلاص و نیازمندی کے جذبات رکھتے ہیں اور اس کے اوامر کا اتباع اور زواجر سے اجتناب کرتے ہیں، حالانکہ وہ ہمارا رب ہی نہیں، تمھارا بھی ہے اور تمھیں بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو ہم کرتے ہیں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمھارا عمل تمھارے ساتھ، ہمارا عمل ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی کے لیے اخلاص عمل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ [3] تم کہتے ہو کہ یہ انبیاء اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے۔ تو زیادہ علم اللہ کو ہے یا تمھیں؟ [4] تمھیں معلوم ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام یہودی یا عیسائی نہیں تھے، اسی طرح تمھاری کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں بھی موجود ہیں لیکن تم ان شہادتوں کو لوگوں سے چھپا کر ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ [5] اس آیت میں پھر کسب و عمل کی اہمیت بیان فرما کر بزرگوں کی طرف انتساب یا ان پر اعتماد کو بے فائدہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحیح مسلم، حدیث: 2699) ''جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔'' مطلب ہے کہ اسلاف کی نیکیوں سے تمھیں کوئی فائدہ اور ان کے گناہوں پر تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے عملوں کی بابت تم سے یا تمھارے عملوں کی بابت ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (فاطر 18:35) ''کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم 39:53) ''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔'' یعنی آخرت میں ہر شخص کو اسی کے عمل کا صلہ ملے گا، ہر شخص اپنے اپنے عمل کا ذمے دار ہوگا۔

Marfat.com

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ

جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز

كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ

نے پھیر دیا جس پر یہ تھے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں [1] وہ

یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿142﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً

جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے ﴿142﴾ اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح

وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

ہم نے تمھیں افضل اُمت بنایا [2] تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔ اور (اے

عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ

نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ جاننے کے لیے

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى

مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے [3] اور

عَقِبَیْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى

بے شک یہ (قبلہ کی تبدیلی) بہت بھاری ہے (کافروں پر) مگر اُن لوگوں پر (نہیں) جنھیں اللہ

اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان ضائع کر دے [4] بے شک اللہ لوگوں پر بہت

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿143﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ

نرمی کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿143﴾ ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا

[1] جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو 16، 17 مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، درآں حالیکہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلۂ ابراہیمی ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نظر بھی اٹھاتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دے دیا، جس پر یہودیوں اور منافقین نے شور مچا دیا، حالانکہ نماز اللہ کی ایک عبادت ہے اور عبادت میں عابد کو جس طرح حکم ہوتا ہے، اس طرح کرنے کا وہ پابند ہوتا ہے، اس لیے جس طرف اللہ نے رخ پھیر دیا، اس طرف پھر جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت کرنی ہے مشرق، مغرب ساری جہتیں اسی کی ہیں، اس لیے جہتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہر جہت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس جہت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔ [2] وَسَطًا کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمھیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمھیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج 22:78) ''تا کہ رسول تم پر اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔'' اس کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت والے دن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں، محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ یہ امت گواہی دے گی، اس لیے اس کا ترجمہ عادل بھی کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) ایک معنی وسط کے اعتدال کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی امت معتدل، یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے ہے کہ اس میں اعتدال ہے، افراط و تفریط نہیں۔ [3] یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے۔ مومنین صادقین تو رسول اللہ ﷺ کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لیے ان کے لیے تو ادھر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جبکہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انھوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قِبْلَتَیْن (وہ مسجد جس میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبا میں بھی ہوا۔ لِنَعْلَمَ ''تا کہ ہم جان لیں۔'' اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تا کہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تا کہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں۔ (فتح القدیر) [4] بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے یا ہم جتنا عرصہ اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، تمھیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب

Marfat.com

وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ

دیکھ رہے ہیں، تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں،

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اس کی طرف

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

پھیر لو اور بے شک وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ بے شک یہ ان کے رب

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (144)

کی طرف سے حق ہے[1] اور اللہ اس سے غافل نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (144) اور (اے نبی!) اگر آپ

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا

ان لوگوں کے پاس ہر قسم کی نشانی لے آئیں جنھیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی

قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ

نہیں کریں گے[2] اور نہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں[3] اور ان میں سے کوئی گروہ

قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ

دوسرے گروہ کے قبلے کی پیروی کرنے والا نہیں[4] اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی،

مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (145)

اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے تو یقیناً اس وقت آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے (145)[5]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس (رسول) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ

پہچانتے ہیں۔ اور بے شک ان میں سے ایک گروہ ضرور حق کو چھپاتا ہے[6] حالانکہ وہ جانتے

يَعْلَمُوْنَ (146) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

ہیں (146) یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، لہٰذا (اس کے متعلق) تم ہرگز شک میں نہ

الْمُمْتَرِيْنَ (147) وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا

پڑنا (147)[7] اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے[8] لہٰذا تم نیکیوں میں

الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ

ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے، اللہ تم سب کو لے آئے گا، بے شک

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (148) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے (148) اور (اے نبی!) آپ جہاں سے بھی نکلیں، اپنا منہ مسجد حرام کی

17 ع 6 1

نماز اور دیگر شرائط کی پابندی ہوگی۔

[1] اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں خانہ کعبہ کے قبلۂ آخر الانبیاء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں، اس لیے اس کا برحق ہونا انھیں یقینی طور پر معلوم تھا مگر ان کا نسلی غرور و حسد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔ [2] کیونکہ یہود کی مخالفت تو حسد و عناد کی بنا پر ہے، اس لیے دلائل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ گویا اثر پذیری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا دل صاف ہو۔ [3] کیونکہ آپ ﷺ وحیٔ الٰہی کے پابند ہیں، جب تک نبی ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہ ملے آپ ان کے قبلے کو کیوں کر اختیار کر سکتے ہیں۔ [4] یہود کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس اور عیسائیوں کا بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب کے یہ دو گروہ بھی ایک قبلے پر متفق نہیں تو مسلمانوں سے کیوں یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ان کی موافقت کریں گے۔ [5] یہ وعید پہلے بھی گزر چکی ہے، مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے باوجود اہل بدعت کے پیچھے لگنا ظلم اور گمراہی ہے [6] یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان میں ایک فریق عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق و صفائے باطنی کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ [7] پیغمبر پر اللہ کی طرف سے جو بھی حکم اترتا ہے، وہ یقیناً حق ہے، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ [8] یعنی ہر مذہب والے نے اپنا پسندیدہ قبلہ متعین کیا ہوا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے اپنا ایک منہاج اور طریقہ بنا رکھا ہے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ (المآئدۃ 48:5) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور ضلالت دونوں کی وضاحت کے بعد انسان کو ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی جو آزادی دی ہے اس کی وجہ سے مختلف طریقے اور دستور لوگوں نے بنا لیے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستے، یعنی ہدایت کے راستے پر چلا سکتا تھا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔ اختیار دینے سے مقصود ان کا امتحان ہے، اس لیے اے مسلمانو! تم

Marfat.com

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا
جانب پھیر لیں اور بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اس سے غافل
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (149) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ
نہیں جو تم عمل کرتے ہو(149) اور آپ جہاں سے بھی نکلیں، اپنا منہ مسجد حرام کی جانب پھیر لیں
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا
اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے منہ اسی کی جانب پھیرلو[1] تاکہ تمھارے خلاف
وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا
لوگوں کے لیے کوئی حجت نہ رہے[2] ہاں، ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا (وہ باتیں کرتے
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ
رہیں گے)[3] پس تم ان سے مت ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو[4] تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری
نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (150) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ
کروں اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ(150) جیسے[5] ہم نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ
رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ
تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم
وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (151) فَاذْكُرُوْنِيْٓ
دیتا ہے اور تمھیں وہ (باتیں) سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے(151) چنانچہ تم مجھے یاد کرو، میں
18 ع 5 2 اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (152) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو(152)[6] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم
اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (153) وَلَا تَقُوْلُوْا
صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے(153)[7] اور جو اللہ کی راہ

تو خیرات کی طرف سبقت کرو، یعنی نیکی اور بھلائی ہی کے راستے پر گامزن رہو اور یہ وحیِ الٰہی اور اتباعِ رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے جس سے دیگر اہل ادیان محروم ہیں۔

[1] قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے یا تو اس کی تاکید اور اہمیت واضح کرنے کے لیے یا یہ چونکہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلجان دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کردیا جائے یا تعدّد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، وہاں اسے بیان کیا۔ دوسری علت ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل مرکز کا وجود ہے، وہاں اسے دہرایا، تیسری علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے، وہاں اسے بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر) [2] یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ خانۂ کعبہ ہے اور نماز یہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے ہیں۔ [3] یہاں ظَلَمُوْا سے مراد معاندین (عناد رکھنے والے) ہیں، یعنی اہل کتب میں سے جو معاندین ہیں، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزماں کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور عناد کہیں گے کہ بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہوگیا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ [4] ظالموں سے نہ ڈرو، یعنی مشرکوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ انھوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہمارا قبلہ تو اختیار کرلیا ہے، عنقریب ہمارا دین بھی اپنا لیں گے۔ ''مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' جو حکم میں دیتا رہوں، اس پر بلا خوف لَوْمَةَ لَائِمٍ (ملامت گروں کی ملامت سے بے نیاز ہو کر) عمل کرتے رہو۔ تحویل قبلہ کو اتمام نعمت اور ہدایت یافتگی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الٰہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انعام و اکرام کا مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔ [5] كَمَا ''جیسے'' کا تعلق ماقبل کلام سے ہے، یعنی یہ اتمام نعمت اور توفیق ہدایت تمھیں اس طرح ملی جس طرح اس سے پہلے تم ... تمھی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھارا تزکیہ کرتا، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور جن باتوں کا تمھیں علم نہیں، وہ تمھیں سکھلاتا ہے۔ [6] پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر اور شکر کرو۔ کفران نعمت مت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے، یعنی اس کی تسبیح، تہلیل اور تکبیر بلند کرو اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔ خداداد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، یہ اللہ کی ناشکر گزاری (کفران نعمت) ہے۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابرٰہیم 14:7) [7] انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام و راحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔ نعمت میں شکر الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2999). صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور

Marfat.com

لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿154﴾

میں قتل کر دیے جائیں، انھیں تم مردہ نہ کہو[1] بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے ﴿154﴾ اور ہم

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے ﴿155﴾ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾

کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿156﴾

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ

یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت

هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ

یافتہ ہیں ﴿157﴾ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں،[2] [3] پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ

عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے،[4] اور جو شخص خوشی سے کوئی

يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾

نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر کرنے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿158﴾ بے شک جو لوگ ہمارے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى

نازل کردہ صریح دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے

مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ

لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب

اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا، احکام الٰہیّہ کے بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انھیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح سے تعبیر کیا ہے: اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات و لذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔ (ابن کثیر)

[1] شہداء کو مردہ نہ کہنا، ان کے اعزاز و تکریم کے لیے ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ زندگی علیٰ قدر مراتب انبیاء و مومنین حتیٰ کہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (یا سینہ) میں، جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے۔ (ابن کثیر، نیز دیکھیے آل عمران 3:129) [2] ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ حدیث میں نقصان و مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے ساتھ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔ (صحیح مسلم: 918). [3] شَعَآئِر شَعِيرَةٌ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، یہاں حج کے وہ مناسک (مثلاً: موقف، سعی، منحر، ہدی (قربانی) کو اشعار کرنا وغیرہ) مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ [4] صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ''اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔'' پھر اس کی شان نزول بیان فرمائی کہ انصار قبول اسلام سے قبل مناۃ طاغیہ بت کے نام کا تلبیہ پکارتے، جس کی وہ مُشَلَّل پہاڑی پر عبادت کرتے تھے اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 1643) بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت (اساف) اور مروہ پہاڑی پر نائلہ بت رکھا ہوا تھا، جنھیں وہ سعی کے دوران بوسہ دیتے یا چھوتے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیونکہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرما دیا۔ اور واضح کیا کہ اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (أيسر التفاسير)

Marfat.com

اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں⑮⑨ مگر وہ لوگ کہ جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر
وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ
لی اور (حق کو) کھول کر بیان کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت
الرَّحِيْمُ ﴿160﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ
زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں⑯⓪ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اس
كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ
حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں
اَجْمَعِيْنَ ﴿161﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
کی لعنت ہے⑯① وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی⑯② اور تمھارا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی (سچا)
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ
معبود نہیں، وہ نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے⑯③ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ
میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں ان چیزوں
تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
کو لے چلتی ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اللہ کے نازل کردہ آسمانی پانی میں کہ پھر اس کے ذریعے
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی زندہ کیا اور ان ہر قسم کے جانوروں میں جو اس نے زمین میں
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ
پھیلائے ہیں اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾
پابند کر دیے گئے ہیں، (ان سب میں) ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں⑯④

[1] اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں، انھیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: «مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ» (سنن ابن ماجه، حديث: 264، و جامع الترمذي، حديث: 2649. وقال: حَدِيثٌ حَسَنٌ) ”جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی (جس کا اس کو علم تھا) اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔“

[2] اس سے معلوم ہوا کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے لیکن ان کے علاوہ لوگوں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے مرنے سے پہلے انھوں نے کفر سے توبہ کر لی ہو۔ مسلمانوں کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے گنہگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتکبین کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

[3] اس آیت میں پھر دعوتِ توحید دی گئی ہے۔ یہ دعوتِ توحید مشرکین مکہ کے لیے ناقابل فہم تھی، انھوں نے کہا: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (صٓ 5:38) ”کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ اس لیے اگلی آیت میں اس توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

[4] یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے، جو کسی اور آیت میں نہیں۔ ① آسمان اور زمین کی پیدائش، جن کی وسعت و عظمت محتاج بیان ہی نہیں۔ ② رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کر دینا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی، پھر رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ ③ سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور ٹنوں کے حساب سے سامان رزق و آسائش بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ ④ بارش جو زمین کی شادابی و روئیدگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ⑤ ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، جو نقل و حمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام میں آتے ہیں اور انسانی خوراک کی بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔ ⑥ ہر قسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی، گرم بھی، بارآور بھی اور غیر بارآور بھی، شرقی غربی بھی اور شمالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی اور ان کی ضروریات کے مطابق۔ ⑦ بادل جنھیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تخلیق میں اور اس نظم و تدبیر میں اس کا کوئی

Marfat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا
اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا، دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں
يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ
جیسے اللہ سے محبت (کرنی چاہیے)[1] اور ایمان والے اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں[2] اور جن لوگوں نے
وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ
ظلم کیا اگر وہ (اس وقت کو دنیا ہی میں) دیکھ لیں جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ جان لیں کہ)
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾ اِذْ تَبَرَّاَ
بیشک ساری کی ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ شدید عذاب والا ہے ﴿165﴾
الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ
جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بیزار ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی
وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا
کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے تمام تعلقات کٹ جائیں گے ﴿166﴾ اور جن لوگوں نے
لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا
پیروی کی تھی، وہ کہیں گے: کاش کہ ہمارے لیے ایک بار (دنیا میں) واپسی ہو تو ہم بھی ان لوگوں سے
مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ
اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو ناکام
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
خواہش بنا کر ان کے سامنے دکھائے گا اور وہ آگ کے عذاب سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ﴿167﴾[3]
كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
اے لوگو! تم ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں اور مت پیروی کرو
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿168﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ
شیطان کے قدموں کی[4] بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿168﴾ بس وہ تو تمھیں صرف برائی اور
وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾ وَاِذَا
بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ﴿169﴾ اور

ع 20/4 4

شریک ہے؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود اور حاجت روا سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

[1] مذکورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے، انھوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماویٰ و ملجا اور قبلۂ حاجات بنا رکھا ہے بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح گراں گزرتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی، جس کا نقشہ اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے: ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ (الزمر 45:39) ''اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل سکڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔'' اشْمَاَزَّتْ ''دلوں کا تنگ ہونا۔''

[2] تاہم اہل ایمان کو مشرکین کے برعکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر وغیرہ میں پھنس جاتے تو وہاں انھیں اپنے معبود بھول جاتے تھے اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے: ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ (العنکبوت 65:29) ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ (لقمٰن 32:31) ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ (یونس 22:10) ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین سخت مصیبت میں مدد کے لیے صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔ یہ نزول قرآن کے وقت کے مشرکین کا حال بیان ہوا ہے۔ [3] آخرت میں پیروں اور گدی نشینوں کی بے بسی اور بے وفائی پر مشرکین حسرت کریں گے لیکن وہاں اس حسرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کاش دنیا میں ہی وہ شرک سے توبہ کر لیں۔ [4] یعنی شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام مت کرو۔ جس طرح مشرکین نے کیا کہ اپنے بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو وہ حرام کر لیتے تھے، جس کی تفصیل سورۂ انعام میں آئے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا، پس شیطانوں نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ انھوں نے ان پر حرام کر دیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2865).

Marfat.com

قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (قرآن) کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو کہتے ہیں:

اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا

(نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا (وہ پیروی

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿170﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ

کریں گے) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ انھوں نے راہ ہدایت ہی پائی ہو؟ (170) [1] اور

بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکارنے اور

فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿171﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا

چلانے کے سوا کچھ نہیں سنتا۔ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، اس لیے وہ عقل نہیں رکھتے (171) [2] اے

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق کے طور پر دی ہیں

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿172﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ

اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو (172) [3] اللہ نے تو تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

اور وہ چیز حرام کی ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے، [4] پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا،

رَّحِيْمٌ ﴿173﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بڑا رحم کرنے والا ہے (173) بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی گئی کتاب میں سے کچھ (باتیں)

[1] آج بھی اہل بدعت کو سمجھایا جائے کہ ان بدعات کی دین میں کوئی اصل نہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ رسمیں تو ہمارے آباء واجداد سے چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ آباء واجداد بھی دینی بصیرت سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم رہ سکتے ہیں، اس لیے دلائل شریعت کے مقابلے میں آباء پرستی یا اپنے ائمہ وعلماء کی پیروی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالے۔ [2] ان کافروں کی مثال جنھوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل وفہم کو معطل کر رکھا ہے، ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے وہ جانور آواز تو سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انھیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح یہ مقلدین بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں کہ حق کے دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید وسنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔ [3] اس میں اہل ایمان کو ان تمام پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم ہے جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں ہی پاک اور طیب ہیں، حرام کردہ اشیاء پاک نہیں، چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں (جیسے یورپ کے نصرانیوں کو سور کا گوشت بڑا مرغوب ہے) دوسرا یہ کہ بتوں کے نام پر منسوب جانوروں اور اشیاء کو مشرکین اپنے اوپر جو حرام کر لیتے تھے (جس کی تفصیل سورۂ انعام میں ہے) مشرکین کا یہ عمل غلط ہے اور اس طرح ایک حلال چیز حرام نہیں ہوتی، تم ان کی طرح ان کو حرام مت کرو (حرام صرف وہی ہیں جس کی تفصیل اس کے بعد والی آیت میں ہے)، تیسرا یہ کہ اگر تم صرف ایک اللہ کے عبادت گزار ہو تو ادائے شکر کا اہتمام کرو۔ [4] اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے اور اسے کلمہ حصر ﴿ اِنَّمَا ﴾ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں، جبکہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں، اس لیے اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حصر ایک خاص سیاق میں آیا ہے، یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو صرف یہ ہیں، اس لیے یہ حصر اضافی ونسبی ہے ورنہ اس کے علاوہ بھی دیگر محرمات ہیں جو قرآن وحدیث میں دوسرے مواضع پر مذکور ہیں، اس سلسلے میں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حصر اس لحاظ سے ہے کہ یہ چار چیزیں تمام آسمانی دینوں میں ہمیشہ سے حرام رہی ہیں۔ دوسرے، حدیث میں دو اصول، جانوروں کی حلت وحرمت کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں، وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہئیں۔ درندوں میں ذُو نَاب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذُو مِخْلَب (جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں۔ تیسرے، جن جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، مثلاً: گدھا، کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ اور دین میں حجت ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے، نہ کہ حدیث کو

Marfat.com

وَيَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ
چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑا سا مول لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ
إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ
نہیں بھرتے اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک ہی کرے گا
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿174﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے (174) وہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے
بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾
گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خریدا، چنانچہ وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں؟ (175)
ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
اس لیے کہ بے شک اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور بے شک جن لوگوں نے
فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿176﴾ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
کتاب میں اختلاف کیا، وہ مخالفت میں بہت دور تک چلے گئے ہیں (176) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو[1] بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر،

نظر انداز کر کے، صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی حادثے سے (جس کی تفصیل المائدہ میں ہے) مر گیا ہو۔ یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو، مثلاً: گلا گھونٹ دیا جائے یا پتھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے یا جس طرح آج کل مشینی ذبح کا طریقہ ہے جس میں جھٹکے سے مارا جاتا ہے، البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیے گئے ہیں۔ ایک مچھلی، دوسری ٹڈی، وہ اس حکم مَیْتَہ سے مستثنیٰ ہیں۔ خون سے مراد دم مسفوح ہے، یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلتا اور بہتا ہے۔ گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے۔ یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں: کلیجی اور تلی۔ خنزیر، یعنی سور کا گوشت، یہ بے غیرتی میں بدترین جانور ہے، اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے ﴿وَمَآ أُهِلَّ﴾ وہ جانور یا کوئی اور چیز جسے غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ جیسے مشرکین عرب لات و عزیٰ وغیرہ کے ناموں پر ذبح کرتے تھے یا آگ کے نام پر، جیسے مجوسی کرتے تھے۔ اور اسی میں وہ جانور بھی آ جاتے ہیں جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت و محبت، ان کی خوشنودی و تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے، قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں یا مجاورین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں، مثلاً: ''داتا'' صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یہاں جمع کرائے جائیں)، ان جانوروں کو، چاہے ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ حرام ہی ہوں گے کیونکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی نہیں، رضائے اہل قبور اور تعظیم لغیر اللہ یا خوف یا رجاعن غیر اللہ (غیر اللہ سے مافوق الاسباب طریقے سے ڈر یا امید) ہے جو شرک ہے۔ اسی طریقے سے جانوروں کے علاوہ جو اشیاء بھی غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی، حرام ہوں گی، جیسے قبروں پر لے جا کر یا وہاں سے خرید کر، قبور کے ارد گرد فقراء و مساکین پر دیگوں اور لنگروں کی یا مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم یا وہاں صندوقچی میں نذر و نیاز کے پیسے ڈالنا یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا، یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی صورتیں ہیں اور نذر بھی نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے: «مَلْعُونٌ مَّنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ» (صحيح الجامع الصغير: 1024/2) ''جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا، وہ ملعون ہے۔'' تفسیر عزیزی میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری ہے: «أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً يُرِيدُ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ» (تفسير عزيزي، ص: 611، پارہ دوم، طبع 1311ھ) ''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔'' (مزید دیکھیے سورۂ انعام 145:6 اور سورۂ نحل 115:16 کے حواشی)

[1] یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ ایک تو یہودی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مغربی حصہ ہے) اور نصاریٰ اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مشرقی حصہ ہے) بڑی اہمیت دے رہے تھے اور اس پر فخر کر رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تحویل قبلہ پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے، جس سے بعض مسلمان بھی بعض دفعہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال و اخلاق کو اپنانا

Marfat.com

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

فرشتوں پر، (آسمانی) کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے محبت کے باوجود اُسے

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے کے لیے

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکاۃ دے اور (نیکی ان کی بھی ہے جو) جب عہد کر لیں تو

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اپنا عہد پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کریں، وہی لوگ سچے اور

وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾

وہی پرہیز گار ہیں ﴿177﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تمھارے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ

لیے برابر کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام کے بدلے اور عورت،

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ

عورت کے بدلے[1] پھر جس (قاتل) کو اس کا بھائی (مقتول کا ولی) کچھ (قصاص) معاف کر دے تو

عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ

معروف طریقے سے اتباع (دیت کا مطالبہ) ہو اور اچھے طریقے سے (دیت کی) ادائیگی ہو[2] یہ تمھارے

ہے جس کی اس نے تاکید فرمائی ہے، پھر آگے ان عقائد و اعمال کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ اسے اپنی ذات و صفات میں یکتا، تمام عیوب سے پاک و منزہ اور قرآن و حدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی تحریف، تاویل یا تعطیل یا تکییف کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزا ہونے، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر یقین رکھا جائے۔ الْكِتٰب سے مراد تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام پیغمبروں پر یقین رکھا جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ عَلٰى حُبِّهٖ میں (ہ) ضمیر مال کی طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ الْبَاْسَآءِ سے تنگ دستی اور شدت فقر وَالضَّرَّآءِ سے نقصان یا بیماری اور الْبَاْسِ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر کرنا، یعنی احکامات الٰہیہ سے سرِ مو انحراف نہ کرنا نہایت کٹھن ہوتا ہے، اس لیے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

[1] زمانۂ جاہلیت میں کوئی نظم اور قانون تو تھا نہیں، اس لیے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے، ظلم و جور کا ارتکاب کر لیتے۔ ایک ظلم کی شکل یہ تھی کہ کسی طاقت ور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کی بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو بلکہ بسا اوقات پورے قبیلے ہی کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قاتل ہو گا، قصاص (بدلے) میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدلے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدلے میں وہی غلام اور عورت ہے تو بدلے میں وہی عورت ہی قتل کی جائے گی، نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد یا ایک مرد کے بدلے میں متعدد مرد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں کوئی عورت قتل کی جائے گی یا عورت مرد کو قتل کر دے تو کسی مرد کو قتل کیا جائے گا بلکہ یہ الفاظ شان نزول کے اعتبار سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، چاہے مرد ہو یا عورت، طاقتور ہو یا کمزور۔ «اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ ---» (سنن أبي داود، حديث: [illegible]) ''تمام مسلمانوں کے خون (مرد ہو یا عورت) برابر ہیں۔'' گویا آیت کا وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم کی دوسری آیت: [illegible] (المآئدة 45:5) کا ہے۔ احناف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور اس سے قائل نہیں، کیونکہ حدیث میں وضاحت ہے: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ» (صحيح البخاري، حديث: 6915) ''مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔'' (فتح القدير) تفصیل کے لیے دیکھیے المآئدة 45:5 کا حاشیہ۔ [2] معافی کی دو صورتیں ہیں: ایک بغیر معاوضۂ مالی، یعنی دیت لیے بغیر ہی محض رضائے الٰہی کے لیے معاف کر دینا، دوسری صورت، قصاص کی بجائے دیت قبول کر لینا، اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جا رہا ہے کہ طالب دیت بھلائی کا اتباع کرے۔ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ میں قاتل کو کہا جا رہا ہے کہ بغیر تنگ کیے اچھے طریقے سے دیت کی ادائیگی کرے۔ اولیائے مقتول نے اس کی جان بخشی کر کے اس پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن 60:55) ''احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔''

Marfat.com

وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسٰنٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ
رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے،[1] پھر اس کے بعد جس شخص نے زیادتی کی اس کے لیے
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿178﴾ وَلَكُمْ فِي
دردناک عذاب ہے[2] ﴿178﴾ اور اے عقل والو! تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینے ہی میں زندگی ہے
الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾ كُتِبَ
تاکہ تم (قتل و غارت سے) بچو ﴿179﴾ [3] تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت
عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ
آنے لگے، اگر وہ مال چھوڑے جا رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾
سے وصیت کرے،[4] یہ متقیوں پر لازم ہے ﴿180﴾ پھر جو شخص اس (وصیت) کو سن لینے کے بعد
فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
بدل دے تو اس کا گناہ انھی لوگوں پر ہوگا جو اسے بدلیں گے، بے شک اللہ خوب سننے والا،
يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿181﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ
خوب جاننے والا ہے ﴿181﴾ پھر اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا کسی گناہ کا
جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
ڈر ہو[5] اور وہ ان میں صلح کروا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿182﴾ ع 22 6 6 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
کرنے والا ہے ﴿182﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿183﴾
طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿183﴾ [6] (روزے) گنتی

[1] یہ تخفیف اور رحمت (قصاص، معافی یا دیت تین صورتیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل اہل تورات کے لیے قصاص یا معافی تھی، دیت نہیں تھی اور اہل انجیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی تھی، قصاص تھا نہ دیت۔ (ابن کثیر) [2] قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کر دے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھگتنی ہوگی کیونکہ ایسا کر کے اب وہ خود ظالم بن گیا ہے، اس لیے ظالم کی سزا کا وہ مستحق ہو گیا ہے۔ [3] جب قاتل کو یہ خوف ہوگا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے، وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل و خونریزی سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جا سکتا ہے جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو یہ پرسکون زندگی مہیا کر سکیں۔ [4] وصیت کرنے کا یہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔ اب یہ منسوخ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ» (جامع الترمذي، حديث: 2120، وسنن ابن ماجه، حديث: 2713) ’’اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (ورثاء کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔‘‘ (صحیح بخاری کے ایک باب کا عنوان ہے: «لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»، قبل حديث: 2747) البتہ اب ایسے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے جو وارث نہ ہوں یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لیے کی جا سکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثُلُث (ایک تہائی) مال ہے، اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جا سکتی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6733) [5] ﴿جَنَفًا﴾ (مائل ہونا) کا مطلب ہے غلطی یا بھول سے کسی ایک رشتے دار کی طرف زیادہ مائل ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرے اور ﴿اِثْمًا﴾ سے مراد ہے: جان بوجھ کر ایسا کرے۔ (أيسر التفاسير) یا اس سے مراد گناہ کی وصیت ہے جس کا بدلنا اور اس پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں عدل و انصاف کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ظلم کا ارتکاب، اس کی اخروی نجات کے حوالے سے سخت خطرناک ہے۔ [6] صِيَام صوم (روزہ) مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں: صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ہم بستری کرنے سے، صرف اللہ کی عبادت کی نیت سے اُسی کی رضا کے لیے رکے رہنا، یہ عبادت چونکہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے اسے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

Marfat.com

أَيَّامًا مَّعْدُودٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے[1]

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں[2] (پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ

کھلانا ہے، پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے[3] اور تمھارا

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿184﴾ شَهْرُ

روزہ رکھنا تمھارے لیے کہیں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو﴿184﴾ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں

رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

قرآن نازل کیا گیا[4] جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو

وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے

فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ

کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری

اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا

کرے۔ اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾

پوری کرو اور اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو﴿185﴾ اور

[1] یہ بیمار اور مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان المبارک میں جتنے روزے نہ رکھ سکے ہوں، وہ بعد میں رکھ کر گنتی پوری کر لیں۔

[2] يُطِيْقُوْنَهٗ کا ترجمہ يَتَجَشَّمُوْنَهٗ ''نہایت مشقت سے روزہ رکھ سکیں۔'' کیا گیا ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، امام بخاری (حدیث: 4505) نے بھی اسے پسند کیا ہے) یعنی جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری کی وجہ سے، جس سے شفایابی کی امید نہ ہو، روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے، وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے لیکن جمہور مفسرین نے اس کا ترجمہ ''طاقت رکھتے ہیں۔'' ہی کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں طاقت رکھنے والوں کو بھی رخصت دے دی گئی تھی کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔ لیکن بعد میں فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعے سے اسے منسوخ کر کے ہر صاحب طاقت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے، دائمی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں اور حامِله (حمل والی) اور مُرْضِعَه (دودھ پلانے والی) عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ مریض کے حکم میں ہوں گی، یعنی وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزے کی قضا دیں۔ (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، تحت حديث: 715) [3] جو خوشی سے ایک مسکین کی بجائے دو یا تین مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ [4] رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بیت العزة میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات 23 سالوں تک اترتا رہا۔ (ابن کثیر) اس لیے یہ کہنا کہ قرآن رمضان میں یا لیلة القدر یا لیلۂ مبارکہ میں اترا۔ یہ سب صحیح ہے کیونکہ لوح محفوظ سے تو رمضان ہی میں اترا ہے اور لیلة القدر اور لیلۂ مبارکہ یہ ایک ہی رات ہے، یعنی قدر کی رات، جو رمضان ہی میں آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی طرف بھی رمضان ہی میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی وحی، جو غار حرا میں آئی، وہ رمضان میں آئی۔ بہر صورت قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے رمضان میں جبریل کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا، رمضان کی تین راتوں (23، 25 اور 27) میں آپ نے صحابہ کو باجماعت قیام بھی کروایا، جس کو اب تراویح کہا جاتا ہے۔ (صحيح سنن الترمذي، حديث: 806، و صحيح سنن ابن ماجه، حديث: 1100) یہ تراویح آٹھ رکعات مع وتر گیارہ رکعات تھیں جس کی صراحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے (جو قيام الليل للمروزي میں ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو، صحيح البخاري، حديث: 1147) نبی ﷺ کا 20 رکعات تراویح پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

Marfat.com

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ

(اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں

دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا

قریب ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے[1]

بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

پس چاہیے کہ وہ بھی میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں ﴿186﴾

اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے، وہ

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بے شک تم اپنے

وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪

آپ سے خیانت کرتے تھے، چنانچہ اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا، اس لیے

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ

اب تم ان سے ہم بستری کر سکتے ہو اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے وہ تلاش کرو، اور

الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

کھاؤ اور پیو، حتیٰ کہ تمھارے لیے صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے واضح (روشن) ہو

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ

جائے،[2] پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو[3] اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں

اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

سے ہم بستری نہ کرو[4] یہ اللہ کی حدیں ہیں، لہٰذا تم ان کے قریب مت جاؤ، اللہ لوگوں کے لیے

[1] رمضان المبارک کے احکام و مسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتلایا گیا ہے۔ (مسند أحمد: 445/2، وجامع الترمذي، حديث: 3598، وسنن ابن ماجه، حديث: 1753 بحواله ابن كثير) تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت و فرمانبرداری۔ اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع و خضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ [2] ابتدائے اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشاء کی نماز یا اس سے پہلے سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد یا عشاء کی نماز کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر بات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اٹھا لیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ ﴿الرَّفَثُ﴾ سے مراد بیوی سے ہم بستری کرنا ہے۔ ﴿الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾ سے صبح صادق اور ﴿الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے۔ (ابن کثیر) مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں روزہ رکھا جا سکتا ہے کیونکہ فجر تک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ امور کی اجازت دی ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر) [3] یعنی رات ہوتے ہی (غروب شمس کے فوراً بعد) روزہ افطار کر لو۔ تاخیر مت کرو، جیسا کہ حدیث میں بھی روزہ جلد افطار کرنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وصال مت کرو۔ وصال کا مطلب ہے ایک روزہ افطار کیے بغیر دوسرا روزہ رکھ لینا۔ اس سے نبی ﷺ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1965) [4] اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار کی اجازت نہیں ہے، البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ ﴿عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا ہے، اس لیے عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا صحیح نہیں، البتہ مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے تاکہ مردوں سے کسی طرح کا اختلاط نہ ہو، جب تک مسجد میں معقول، محفوظ اور مردوں سے بالکل الگ انتظام نہ ہو، عورتوں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے اور عورتوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک نفلی عبادت ہی ہے، جب تک پوری طرح تحفظ نہ ہو، اس نفلی عبادت سے گریز بہتر ہے۔ فقہ کا اصول ہے: دَرْءُ الْمَفَاسِدِ يُقَدَّمُ عَلٰى جَلْبِ الْمَصَالِحِ ''مصالح کے حصول کے مقابلے میں مفاسد سے بچنا اور ان کو ٹالنا مقدم ہے۔'' یعنی عورت کی عصمت کا تحفظ، جو فرض ہے، اس کے لیے نفلی عبادت سے زیادہ ضروری ہے۔

Marfat.com

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿187﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اپنی آیتیں اسی طرح بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بنیں ﴿187﴾ اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ

طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مالوں میں سے

ع 23 6 7 النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿188﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو ﴿188﴾ [1] (اے نبی!) آپ سے چاند (کے

الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ

احوال) کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات

بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ

مقررہ ہیں اور نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی

اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

یہ ہے کہ آدمی پرہیز گاری اختیار کرے، اور تم اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، [2]

تُفْلِحُوْنَ ﴿189﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور تم اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿189﴾ اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم

وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿190﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ

سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، [3] بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿190﴾

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

اور تم انھیں جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے [4] اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، [5] ایسے کافروں کی

فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿191﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا

یہی سزا ہے ﴿191﴾ پھر اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم

[1] یہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروا لے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کر لے۔ یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔ یہ ظالم عنداللہ مجرم ہوگا۔ (ابن کثیر) [2] انصار جاہلیت میں جب حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتے اور پھر کسی خاص ضرورت کے لیے گھر آنے کی ضرورت پڑ جاتی تو دروازے سے آنے کی بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر اندر آتے، اس کو وہ نیکی سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے۔ (أیسر التفاسیر) [3] اس آیت میں پہلی مرتبہ ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں سے آمادۂ قتال رہتے تھے۔ تاہم زیادتی سے منع فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مثلہ مت کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو، اسی طرح درخت وغیرہ جلا دینا یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مار ڈالنا بھی زیادتی ہے، جن سے بچا جائے۔ (ابن کثیر) [4] مکہ میں مسلمان چونکہ کمزور اور منتشر تھے، اس لیے کفار سے قتال ممنوع تھا، ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ساری قوت مدینہ میں مجتمع ہو گئی تو پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ ابتدا میں آپ صرف انھی سے لڑتے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کرتے، اس کے بعد اس میں مزید توسیع کر دی گئی اور مسلمانوں نے حسب ضرورت کفار کے علاقوں میں بھی جا کر جہاد کیا۔ قرآن کریم نے اِعْتِدَاء (زیادتی کرنے) سے منع فرمایا، اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو تاکید فرماتے کہ خیانت، بدعہدی اور مثلہ نہ کرنا، نہ بچوں، عورتوں اور گرجوں میں مصروف عبادت درویشوں کو قتل کرنا۔ اسی طرح درختوں کے جلانے اور حیوانات کو بغیر کسی مصلحت کے مارنے سے بھی منع فرماتے۔ (ابن کثیر، و صحیح مسلم، حدیث: 1731) وحدیث: 1744) حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ء "جہاں بھی پاؤ" کا مطلب ہے: تَمَكَّنْتُمْ مِنْ قِتَالِهِمْ ان کو قتل کرنے کی قدرت تمھیں حاصل ہو جائے۔ (أیسر التفاسیر) مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ء یعنی جس طرح کفار نے تمھیں مکہ سے نکالا تھا۔ اسی طرح تم بھی انھیں مکہ سے نکال باہر کرو، چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انھیں مدت معاہدہ ختم ہونے کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ فتنہ سے مراد، کفر و شرک ہے۔ یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ [5] حدود حرم میں قتال منع ہے لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمھیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔

Marfat.com

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿192﴾ وَ قٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ
کرنے والا ہے﴿192﴾ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف
فِتۡنَةٌ وَّ يَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ
اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز
اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿193﴾ اَلشَّهۡرُ الۡحَـرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ
نہیں﴿193﴾ (تم پر) ماہ حرام (کی پابندی اُن کی طرف سے) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے
قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا
میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں[1] پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم اس کے برابر
اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
اس پر زیادتی کرو جو زیادتی اس نے تم پر کی، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ
الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿194﴾ وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ
پرہیز گاروں کے ساتھ ہے﴿194﴾ اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ ہلاکت (کے
اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿195﴾ وَاَتِمُّوا
کام) میں نہ ڈالو[2] اور تم نیکی کرو، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴿195﴾ اور تم حج اور عمرہ
الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ
اللہ کے لیے پورا کرو[3] پھر اگر تمھیں (راستے میں) روک دیا جائے تو قربانی کے لیے جو میسر ہو
الۡهَدۡىِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ
(وہ قربان کر دو)[4] اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے[5] پھر
كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ
اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں
مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَمَنۡ
روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے[6] پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے

[1] 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے لیکن کفار مکہ نے انھیں مکہ نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آسکیں گے۔ یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دوسرے سال مسلمان حسب معاہدہ اسی مہینے میں عمرہ کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس مہینے کی حرمت پامال کر کے (گزشتہ سال کی طرح) تمھیں مکے میں جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر انداز کر کے ان سے بھرپور مقابلہ کرنا۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدلہ ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو، بصورت دیگر تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ۔ (ابن کثیر) [2] اس سے بعض لوگوں نے ترک انفاق، بعض نے ترک جہاد اور بعض نے گناہ پر گناہ کیے جانا مراد لیا ہے۔ اور یہ ساری ہی صورتیں ہلاکت کی ہیں، جہاد چھوڑ دو گے یا جہاد میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرو گے تو یقیناً دشمن قوی ہوگا اور تم کمزور۔ نتیجہ تباہی ہے۔ [3] یعنی حج یا عمرے کا احرام باندھ لینے کے بعد پھر شرائط وارکان کے مطابق اس کا پورا کرنا ضروری ہے، خواہ یہ نفلی ہوں یا فرض، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ (فتح القدیر) [4] اگر راستے میں دشمن یا شدید بیماری کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے تو ایک جانور (ہدی) بکری، گائے یا اونٹ، جو بھی میسر ہو، وہیں ذبح کر کے سر منڈوا لو اور حلال ہو جاؤ، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہیں حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کی تھیں اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔ (فتح القدیر) یہ یاد رہے کہ نبی ﷺ جب 6 ہجری کو عمرہ ادا نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے 7 ہجری کو دوبارہ آ کر عمرہ کیا، اسے عمرۃ القضا کہا جاتا ہے۔ یہ نام اس لیے نہیں ہے کہ آپ نے عمرے کی قضا دی تھی بلکہ اسے عمرۃ القضا اس لیے کہا جاتا ہے کہ 7 ہجری کا عمرہ اُس فیصلے (قضا) و معاہدے کا نتیجہ تھا جو 6 ہجری کو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا جس کی ایک شق آئندہ سال عمرہ کرنے کی بھی تھی۔ (فتح الباري، تحت حديث: 1780) یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے فرض حج وعمرے کا احرام کھولنا پڑا (بعض علماء کے نزدیک عمرہ فرض ہے) تو سابقہ وجوب کی وجہ سے استطاعت ہونے پر حج وعمرہ ادا کرے گا اور اگر حج وعمرہ نفلی ہیں تو پھر ان کی قضا محدثین کے نزدیک ضروری نہیں۔ [5] اس کا عطف ﴿وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ﴾ پر ہے اور اس کا تعلق حالت امن سے ہے، یعنی امن کی حالت میں اس وقت تک سر نہ منڈاؤ (احرام کھول کر حلال نہ ہوؤ) جب تک تمام مناسک حج پورے نہ کر لو۔ [6] یعنی اس کو ایسی تکلیف ہو جائے کہ سر کے بال منڈانے پڑ جائیں تو اس کا فدیہ ضروری ہے۔ حدیث کی رو سے ایسا شخص 6 مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک بکری ذبح کر دے یا تین دن کے روزے رکھے۔ روزوں کے علاوہ پہلے دو فدیوں کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ

Marfat.com

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ
پہلے مکے پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا وہ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا
(احرام کھول کر) جو میسر ہو قربانی کرے، پھر جو شخص (قربانی) نہ پائے تو وہ تین روزے حج
رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ
کے دنوں میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ،[1] یہ پورے دس (روزے) ہیں۔ یہ حکم
حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں[2] اور تم اللہ سے ڈرو
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿196﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ (24 ع 8 8)
اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿196﴾ حج کے مہینے معلوم ومقرر ہیں،[3] چنانچہ جس شخص
فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي
نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کرلیا تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے، اللہ کی نافرمانی
الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ
نہ کرے اور کسی سے جھگڑا نہ کرے[4] اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے اور (حج کے
خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۘ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿197﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
لیے) زادراہ لے لو، بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے[5] اور اے عقل مندو! تم مجھ سے ڈرو ﴿197﴾

کھانا اور خون مکہ میں ہی دے، بعض کہتے ہیں کہ روزوں کی طرح اس کے لیے بھی کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اسی رائے کی تائید کی ہے۔(فتح القدير)

[1] حج کی تین قسمیں ہیں: اِفْرَاد، صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ قِرَان حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھنا۔ ان دونوں صورتوں میں تمام مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔ حج تَمَتُّع، اس میں بھی حج وعمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے لیکن پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ کر کے پھر احرام کھول دیا جاتا ہے اور پھر 8 ذوالحجہ کو حج کے لیے مکہ سے ہی دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے، تَمَتُّع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ گویا درمیان میں احرام کھول کر فائدہ اٹھالیا جاتا ہے۔ حج قِرَان اور حج تَمَتُّع دونوں میں ایک ہَدْی (جانور) کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس آیت میں اسی حج تمتع کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ مُتَمَتِّع حسب طاقت 10 ذوالحجہ کو ایک جانور کی قربانی دے اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے گھر جا کر رکھے۔ ایام حج، جن میں روزے رکھنے ہیں، 9 ذی الحجہ (یوم عرفات) سے پہلے یا پھر ایام تشریق ہیں۔(فتح القدير) [2] یعنی تمتع اور اس کی وجہ سے ہدی یا روزے صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، مراد اس سے حدود حرم میں یا اتنی مسافت پر رہنے والے ہیں کہ ان کے سفر پر قصر کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔(ابن كثير بحواله ابن جرير) [3] اور یہ ہیں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔ مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال میں ہر وقت جائز ہے لیکن حج صرف مخصوص دنوں میں ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کا احرام حج کے مہینوں کے علاوہ باندھنا جائز نہیں۔(ابن كثير) مسئلہ: حج قران یا افراد کا احرام اہل مکہ، مکہ کے اندر سے ہی باندھیں گے، البتہ حج تمتع کی صورت میں عمرے کے احرام کے لیے حرم سے باہر حل میں جانا ان کے لیے ضروری ہے۔(فتح الباري، تحت حديث: 1524، والموطأ للإمام مالك: 312/1) اسی طرح آفاقی لوگ حج تمتع میں 8 ذوالحجہ کو مکہ سے ہی احرام باندھیں گے، البتہ بعض علماء کے نزدیک اہل مکہ کو عمرے کے احرام کے لیے حل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے وہ ہر طرح کے حج اور عمرے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔ تنبیہ: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے صرف دو قسم کے عمرے ثابت ہیں۔ ایک وہ جو حج تمتع کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور دوسرا وہ عمرہ مفردہ جو ایام حج کے علاوہ صرف عمرے کی نیت سے ہی سفر کر کے کیا جائے۔ باقی حرم سے جا کر کسی قریب ترین حل سے عمرے کے لیے احرام باندھ کر آنا غیر مشروع ہے۔ (الا یہ کہ جن کے احوال وظروف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے ہوں۔) (زادالمعاد، ج: 2، طبع جديد) نوٹ: حدود حرم سے باہر کے علاقے کو حِلّ اور بیرون مکہ سے آنے والے حجاج کو آفاقی کہا جاتا ہے۔ [4] صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حدیث ہے: «مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (صحيح البخاري، حديث: 1820) ''جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق وفجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔'' [5] تقویٰ سے مراد یہاں سوال سے بچنا ہے۔ بعض لوگ بغیر زادراہ لیے حج کے لیے گھر سے نکل پڑتے اور کہتے کہ ہمارا اللہ پر توکل ہے۔ اللہ نے توکل کے اس مفہوم کو غلط قرار دیا اور زادراہ لینے کی تاکید فرمائی۔

Marfat.com

جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل تلاش کرو،[1] پھر جب

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪

تم عرفات سے لوٹو تو مشعرالحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور تم اسے اس

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ

طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں ہدایت دی اور یقیناً اس سے پہلے تم گمراہوں میں سے

الضَّآلِّيْنَ ﴿198﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

تھے ﴿198﴾ [2] پھر جہاں سے سب لوگ لوٹیں وہیں سے تم بھی لوٹو[3] اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿199﴾ فَاِذَا

اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿199﴾ پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو

قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ

اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ

اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

کر (اللہ کو یاد کرو)،[4] چنانچہ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿200﴾

(سب کچھ) دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ﴿200﴾ اور ان میں سے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے[5] اور آخرت میں

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿201﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا ﴿201﴾ انھی لوگوں کے لیے ان کی کمائی کا

النصف

نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿202﴾

حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿202﴾ اور گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو،[6] پھر

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ

جس نے دو دنوں (منیٰ سے مکے کی طرف واپسی) میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور

[1] فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [2] 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا سب سے اہم رکن ہے، جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے «اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ» ”عرفات میں وقوف ہی حج ہے۔“ یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے کیونکہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے، فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں، یعنی اول وقت میں پڑھ کر دن کے روشن ہونے تک ذکر میں مشغول رہا جائے۔ تاہم طلوع آفتاب سے قبل وہاں سے منی کے لیے روانہ ہو جائے۔ [3] مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عرفات جانا اور وہاں وقوف کر کے واپس آنا ضروری ہے لیکن عرفات چونکہ حرم سے باہر ہے، اس لیے قریش مکہ عرفات تک نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے، چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹ کر آتے ہیں وہیں سے لوٹ کر آؤ، یعنی عرفات سے۔ [4] عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منیٰ میں میلہ لگاتے اور آباء واجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے، مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ جب تم 10 ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، سر منڈانے، طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منیٰ میں قیام کرنا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو، جیسے جاہلیت میں تم اپنے آباء کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ [5] یعنی اعمال خیر کی توفیق، یعنی اہل ایمان دنیا میں بھی محض دنیا طلب نہیں کرتے بلکہ نیکی کی ہی توفیق طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ دنیا کا مال و اسباب بھی اس طریقے سے دے کہ وہ بھی ہمارے لیے بھلائی ہی ثابت ہو۔ نبی ﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے۔ طواف کے دوران میں لوگ ہر چکر کی الگ الگ دعا پڑھتے ہیں جو خود ساختہ ہیں، ان کی بجائے طواف کے وقت یہی دعا: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ...... رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھنا مسنون عمل ہے۔ [6] مراد ایام تشریق ہیں، یعنی 11، 12 اور 13 ذوالحجہ۔ ان میں ذکر الٰہی، یعنی بہ آواز بلند تکبیرات مسنون ہیں، صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں بلکہ ہر وقت یہ تکبیرات پڑھی جائیں: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنی مسنون ہے۔ (نیل الأوطار: 3/354 و 4/361)

Marfat.com

فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ
جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں[1] (بشرطیکہ) وہ تقویٰ اختیار
عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ
کرے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا
تُحْشَرُوْنَ ﴿203﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی
جائے گا﴿203﴾ اور (اے نبی!) لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ آپ کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ
بہت بھلی لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے، حالانکہ وہ
الْخِصَامِ ﴿204﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا
سخت جھگڑالو ہے﴿204﴾[2] اور جب وہ پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے کھیتوں
وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿205﴾ وَاِذَا
اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا﴿205﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے: تو اللہ
قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
سے ڈر، تو اس کا غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے،[3] چنانچہ ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور
جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿206﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ
یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے﴿206﴾ اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے
نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿207﴾
کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے[4] اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفیق ہے﴿207﴾
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور تم
تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿208﴾
شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو،[5] بے شک شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے﴿208﴾

[1] رَمْیِ جِمَار (جمرات کو کنکریاں مارنا) 3 دن افضل ہیں لیکن اگر کوئی دو دن (12,11 ذوالحجہ) کو کنکریاں مار کر منیٰ سے واپس آ جائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ [2] بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت ایک منافق اَخْنَسْ بن شریق ثقفي کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مراد سارے ہی منافقین اور متکبرین ہیں، جن میں یہ مذموم اوصاف پائے جائیں جو قرآن نے اس کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔ [3] اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ "تکبر اور غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے۔" عزت کے معنی غرور و انانیت کے ہیں۔ [4] یہ آیت، کہتے ہیں: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو کافروں نے کہا کہ یہ مال سب یہاں کا کمایا ہوا ہے، اسے ہم ساتھ نہیں لے جانے دیں گے، حضرت صہیب نے وہ سارا مال ان کے حوالے کر دیا اور دین ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "صہیب نے نفع بخش تجارت کی ہے۔" دو مرتبہ فرمایا۔ (فتح القدیر) لیکن یہ آیت بھی عام ہے، جو تمام مومنین، متقین اور دنیا کے مقابلے میں دین کو اور آخرت کو ترجیح دینے والوں کو شامل ہے کیونکہ اس قسم کی تمام آیات کے بارے میں، جو کسی خاص شخص یا واقعے کے بارے میں نازل ہوئیں، یہ اصول ہے: اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہو گا، سبب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس اَخْنَسْ بن شریق (جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا) برے کردار کا ایک نمونہ ہے جو ہر اس شخص پر صادق آئے گا جو اس جیسے برے کردار کا حامل ہو گا اور صہیب رضی اللہ عنہ خیر اور کمال ایمان کی ایک مثال ہیں، ہر اس شخص کے لیے جو ان صفات خیر و کمال سے متصف ہو گا۔ [5] اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمھاری مصلحتوں اور خواہشات کے مطابق ہوں، ان پر تو عمل کر لو اور دوسرے حکموں کو نظر انداز کر دو۔ اسی طرح جو دین تم چھوڑ آئے ہو، اس کی باتیں اسلام میں شامل کرنے کی کوشش مت کرو بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ۔ اس سے دین میں بدعات کی بھی نفی کر دی گئی اور آج کل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی، جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لیے تیار نہیں بلکہ دین کو عبادات، یعنی مساجد تک محدود کرنا اور سیاست اور ایوان حکومت سے دیس نکالا دینا چاہتا ہے۔ اسی طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو شریعت مخالف رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انھیں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جیسے مرگ اور شادی بیاہ کی مسرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، جو تمھیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا، برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کراتا ہے تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمین میں پھنسے رہو۔

Marfat.com

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا
پھر اگر تمھارے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان لو کہ بے شک اللہ
اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
غالب خوب حکمت والا ہے (209) کیا اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں
يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ
ان کے سامنے چلا آئے اور فرشتے بھی اور (ان کے) معاملے کا فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟[1] آخر
25 ع 14 9 الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿210﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں (210) پوچھیے بنی اسرائیل سے! ہم نے
كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ ۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
انھیں کتنی واضح نشانیاں دیں[2] اور جو کوئی اللہ کی نعمت پا لینے کے بعد اسے بدل دیتا ہے[3] تو
اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾
بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (211) جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے دنیا کی زندگی
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ
سجا دی گئی ہے اور وہ ان لوگوں سے مذاق کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں[4] اور جو لوگ متقی
اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ
ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بلند مرتبہ ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً
رزق دیتا ہے (212)[5] لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے[6] (پھر ان میں اختلافات پیدا ہوگئے) تو
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ
اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ اس نے برحق
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ
کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے
وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
اختلاف کیا اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے آپس کی ضد سے کیا جنھیں کتاب دی گئی تھی،[7]

[1] یہ یا تو قیامت کا منظر ہے (جیسا کہ بعض تفسیری روایات میں ہے۔) (ابن کثیر) یعنی کیا یہ قیامت برپا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں اور بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے آئے اور فیصلہ چکائے، تب وہ ایمان لائیں گے۔ لیکن ایسا اسلام قابل قبول ہی نہیں، اس لیے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو اور فوراً اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔ [2] مثلاً: عصائے موسیٰ، جس کے ذریعے سے ہم نے جادوگروں کا توڑ کیا، سمندر سے راستہ بنایا، پتھر سے بارہ چشمے جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من و سلویٰ کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ہمارے پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے احکام الٰہی سے اعراض کیا۔ [3] نعمت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلے انھوں نے کفر اور اعراض کا راستہ اپنایا۔ [4] چونکہ مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم تھے، اس لیے کافر، یعنی قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے۔ [5] اہل ایمان کے فقر اور سادگی کا کفار جو استہزا و تمسخر اڑاتے، اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقراء اپنے تقویٰ کی بدولت بلند و بالا ہوں گے۔ ''بغیر حساب کے رزق'' کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقراء پر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیے، جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔ [6] یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم سے حضرت نوح علیہ السلام، یعنی دس قرون تک لوگ توحید پر، جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام دیتے رہے، قائم رہے۔ آیت میں مفسرین صحابہ نے فَاخْتَلَفُوا محذوف مانا ہے، یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاہر پرستی عام ہو گئی۔ فَبَعَثَ اس کا عطف فَاخْتَلَفُوا (جو محذوف ہے) پر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اور حق اور توحید کو قائم و واضح کریں۔ (ابن کثیر) [7] اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض و عناد بنتا ہے، امت مسلمہ میں بھی جب تک یہ انحراف نہیں آیا، یہ امت اپنی اصل پر قائم اور اختلافات کی شدت سے محفوظ رہی لیکن تقلید اور بدعات نے حق سے گریز کا جو راستہ کھولا، اس سے اختلافات کا دائرہ پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا، تا آنکہ اتحاد امت ایک ناممکن چیز بن کر رہ گیا ہے۔ فَهَدَى اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

Marfat.com

الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا
حالانکہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ گئی تھیں، پھر جو ایمان لے آئے انھیں اللہ نے اپنے حکم
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ
سے اس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا[1] اور اللہ جسے چاہتا ہے، سیدھا
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿213﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ
راستہ دکھا دیتا ہے﴿213﴾ (پھر) کیا تمھارا خیال ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟
وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ
حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں کے مانند (مشکلیں) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلے گزرے[2]
الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ
ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
لائے تھے، کہنے لگے: اللہ کی مدد کب (آئے گی؟) آگاہ رہو! بے شک اللہ کی مدد قریب
قَرِيْبٌ ﴿214﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ
ہے﴿214﴾[3] (اے نبی!) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے
مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
مال میں سے جو بھی خرچ کرو، تو اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿215﴾
لیے (خرچ کرو)[4] اور تم جو بھلائی بھی کرو گے، بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے﴿215﴾ تم
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا
پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمھارے لیے ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو
شَيْــــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْــــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ
اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری

[1] چنانچہ اہل کتاب نے جمعہ میں اختلاف کیا، یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعے کا دن اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہود نے ان کی تکذیب کی اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھا، اس کے برعکس عیسائیوں نے ان کو اللہ کا بیٹا اور الٰہ بنا دیا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے بارے میں صحیح موقف اپنانے کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے فرماں بردار بندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی انھوں نے اختلاف کیا، ایک نے یہودی اور دوسرے نے نصرانی کہا، مسلمانوں کو اللہ نے صحیح بات بتلائی کہ وہ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا تھے اور اس طرح کے دیگر کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن، یعنی اپنے فضل سے مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھائی۔ [2] ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں، منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی، جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور خود نبی ﷺ نے بھی فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سر سے لے کر پیروں تک آرے سے چیرا گیا اور لوہے کی کنگھی سے ان کے گوشت پوست کو نوچا گیا لیکن یہ ظلم و تشدد ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکا۔'' پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس معاملے کو مکمل (اسلام کو غالب) فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صَنْعَاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6943.) مقصد نبی ﷺ کا مسلمانوں کے اندر حوصلہ اور استقامت کا عزم پیدا کرنا تھا۔ [3] اس لیے کہ كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ ''ہر آنے والی چیز، قریب ہے۔'' اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد یقینی ہے، اس لیے وہ قریب ہی ہے۔ [4] بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کیے جا رہے ہیں، یعنی یہ سب سے زیادہ تمھارے مالی تعاون کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے، زکاۃ سے متعلق نہیں کیونکہ ماں باپ پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: ''مال خرچ کرنے کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سارنگی کا ذکر ہے اور نہ چوبی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے والے آرائشی پردوں کا۔'' مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا ناپسندیدہ اور اسراف ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ مسرفانہ اور ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی کا اس طرح لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ اس میں کراہت کا کوئی پہلو ہی ہماری نظروں میں نہیں رہا۔

Marfat.com

ع 26 6 10

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿216﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ

ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿216﴾ [1] (اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے

الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ

بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ

ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا)

مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ

اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے [2] اور وہ (کافر) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک

اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ

کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں [3] اور تم میں سے جو شخص اپنے

كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

دین سے پھر جائے، پھر وہ حالت کفر ہی پر مر جائے، تو انھی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿217﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

(دونوں) میں برباد ہو گئے اور وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [4] ﴿217﴾ بے شک

اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی

اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿218﴾

رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿218﴾ (اے نبی!) لوگ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ

آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے: ان دونوں میں بڑا

كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

گناہ ہے [5] اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے

---

1 جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمھیں وہ گراں اور ناگوار ہی لگے، اس لیے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے اس میں تمھارے لیے بہتری ہو۔ جیسے جہاد کے نتیجے میں تمھیں فتح وغلبہ، عزت وسربلندی اور مال واسباب مل سکتا ہے، اسی طرح تم جس کو پسند کرو، (جہاد کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا) اس کا نتیجہ تمھارے لیے خطرناک ہو، یعنی دشمن تم پر غالب آجائے اور تمھیں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔ 2 رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ یہ چار مہینے زمانۂ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قتال وجدال ناپسندیدہ تھا۔ اور اللہ نے تو روز آفرینش ہی سے ان کو حرمت والا قرار دیا ہے، اس لیے اسلام میں بھی ان کی حرمت کو ملحوظ رکھنے کی تاکید ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مہینے میں ایک کافر قتل ہوگیا اور بعض کافر قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہوگیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مہینے میں قتال بڑا گناہ ہے لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرائم کے مرتکب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر انھوں نے مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں کفر وشرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدھ قتل حرمت والے مہینے میں ہوگیا تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کی بجائے ان کو اپنا نامۂ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔ 3 جب یہ اپنی شرارتوں، سازشوں اور تمھیں مرتد بنانے کی کوششوں سے باز آنے والے نہیں تو پھر تم ان سے مقاتلہ کرنے میں ماہ حرام کی وجہ سے کیوں رکے رہو؟ 4 جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی مرتد ہو جائے (اگر وہ توبہ نہ کرے) تو اس کی دنیوی سزا قتل ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ» (صحیح البخاری، حدیث: 3017) آیت میں اس کی اخروی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حالت میں کیے گئے اعمال صالحہ بھی کفر وارتداد کی وجہ سے کالعدم ہو جائیں گے اور جس طرح ایمان قبول کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کفر وارتداد سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ تاہم قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ حَبطِ اعمال (عملوں کا ضائع ہونا) اسی وقت ہوگا جب خاتمہ کفر پر ہوگا، اگر موت سے پہلے تائب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہوگا، یعنی مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ 5 بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔

Marfat.com

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ

بہت بڑا ہے[1] اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو ضرورت سے زائد

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿219﴾

ہو[2] اللہ تمھارے لیے اپنے احکام اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو ﴿219﴾ دنیا اور آخرت

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ

دونوں کی بابت۔ اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں[3]، کہہ دیجیے: ان کی

اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ

اصلاح کرنا ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہن سہن اکٹھا رکھو تو وہ

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

تمھارے بھائی ہی ہیں اور اللہ اصلاح کرنے والے سے فسادی کو جانتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا

لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿220﴾ وَلَا تَنْكِحُوا

تو تمھیں تکلیف میں ڈال دیتا[4]، بے شک اللہ بہت زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿220﴾ اور تم

الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں[5]، البتہ ایک ایمان والی لونڈی

مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ

مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے، اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک

[1] فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً: شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی و مستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آجاتی ہے۔ جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی خرید و فروخت نفع بخش کاروبار ہے۔ جوا میں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے لیکن یہ فائدے ان نقصانات و مفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے پہنچتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ''ان کا گناہ، ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔'' اس طرح اس آیت میں شراب اور جوا کو حرام تو قرار نہیں دیا گیا، تاہم اس کے لیے تمہید باندھ دی گئی ہے۔ اس آیت سے ایک بہت اہم اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی بھی بری ہو، کچھ نہ کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں، مثلاً: ریڈیو، ٹی وی اور دیگر اس قسم کی ایجادات ہیں اور لوگ ان کے بعض فوائد بیان کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا تقابل کیا ہے۔ خاص طور پر دین و ایمان اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے۔ اگر دینی نقطۂ نظر سے نقصانات و مفاسد زیادہ ہیں تو تھوڑے سے دنیوی فائدوں کی خاطر اسے جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔ [2] اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا، جس پر فرضیت زکاۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے یا اس کے معنی ہیں: مَا سَهُلَ وَتَيَسَّرَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ (فتح القدير) ''جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے۔'' اسلام نے یقیناً انفاق کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے، اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع کیا ہے کہ کل کو تمھیں یا تمھارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔ [3] جب یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کے لیے وعید نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور یتیموں کی ہر چیز الگ کر دی حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو اسے بھی استعمال نہ کرتے اور وہ خراب ہو جاتی، اس ڈر سے کہ کہیں ہم بھی اس وعید کے مستحق نہ قرار پا جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن كثير) [4] یعنی تمھیں بغرض اصلاح و بہتری بھی ان کا مال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتا۔ [5] مشرکہ عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے، البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہو سکتا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے۔ (ابن كثير) مزید دیکھیے سورۃ المائدہ، آیت ⑤ کا حاشیہ۔ آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5090، و صحيح مسلم، حديث: 1466) اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» (صحيح مسلم، حديث: 1469) ''دنیا کا بہترین متاع، نیک عورت (بیوی) ہے۔''

Marfat.com

حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ
مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں[1] البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر
وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ
ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلا ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ
حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا
27 ع 5 11 وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾ۧ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ
ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (221) اور (اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال
عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ
کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ تو گندگی ہے۔ تم حیض (کی حالت) میں عورتوں سے الگ رہو[2] اور
فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا
ان سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ پاک ہو جائیں[3] تو ان
تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے،[4] بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے
يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿222﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ
اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے (222) تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، پس تم جس طرح
لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ
چاہو اپنی کھیتی میں آؤ[5] اور تم اپنی ذات کے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿223﴾
لو کہ بے شک (ایک دن) تمھیں اس سے ملنا ہے اور مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے (223) اور تم اللہ کا

[1] یہ عورت کے اولیاء (ولیوں) سے خطاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح ولی ہی کرے گا اور اگر عورت اپنا نکاح خود کرے گی تو وہ نکاح باطل ہوگا۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں'' مطبوعہ دارالسلام۔ [2] بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحاضہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کو نماز معاف ہے اور روزے رکھنے ممنوع ہیں، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ مرد کے لیے صرف ہم بستری منع ہے، البتہ بوس وکنار جائز ہے۔ اسی طرح عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کرسکتی ہے لیکن یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا تھا، وہ اس کے ساتھ اختلاط اور کھانا پینا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو یہ آیت اتری، جس میں صرف جماع کرنے سے روکا گیا۔ علیحدہ رہنے اور قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع سے ممانعت ہے۔ (ابن کثیر) [3] جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: ''ایک خون بند ہو جائے۔'' یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک ہیں، مرد کے لیے ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ دوسرے معنی ہیں: خون بند ہونے کے بعد غسل کرکے پاک ہو جائیں۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کرلے، اس سے مباشرت حرام رہے گی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر) ہمارے نزدیک یہی دوسرا قول راجح ہے۔ [4]۔ ''جہاں سے اللہ نے حکم دیا ہے۔'' یعنی شرمگاہ سے۔ کیونکہ حالت حیض میں بھی اسی کے استعمال سے روکا گیا تھا اور اب پاک ہونے کے بعد جو اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب اسی (فرج، شرمگاہ) کی اجازت ہے، نہ کہ کسی اور حصے کی۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی دبر کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی مزید صراحت کردی گئی ہے۔ [5] یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر (مُدْبِرَۃ) مباشرت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح چاہو، جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔ (صحيح البخاري: 4528، وصحيح مسلم، حديث 1435) بعض لوگوں نے اس سے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ (جس طرح چاہو) سے وطی فی الدبر کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جب قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لیے یہ کہا جا رہا ہے کہ ''اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو، آؤ۔'' اور یہ کھیتی (موضع ولد) صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔ بہرحال یہ غیر فطری فعل ہے۔ حدیث میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے: «مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا» (سنن أبي داود، حديث: 2162، و مسند أحمد: 479/2، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 5889)

Marfat.com

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

نام اپنی قسموں کے لیے استعمال نہ کرو، یہ کہ تم نیکی (نہیں) کرو گے اور تقویٰ (نہیں) اپناؤ گے

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿224﴾

اور لوگوں کے درمیان صلح (نہیں) کراؤ گے[1] اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿224﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا[2] لیکن وہ ان قسموں پر تمھیں ضرور پکڑے گا جن کا

كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿225﴾ لِلَّذِيْنَ

تمھارے دلوں نے ارادہ کیا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حوصلے والا ہے﴿225﴾ جو لوگ اپنی

يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں انھیں چاہیے کہ چار ماہ انتظار کریں[3]، پھر اگر وہ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿226﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم والا ہے﴿226﴾ اور اگر انھوں نے طلاق ہی

فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿227﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ

کی ٹھان لی[4] ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿227﴾ اور مطلقہ عورتیں تین

بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں[5] اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ

میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں[6]، اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (تو ایسا

[1] یعنی غصے میں اس طرح کی قسم مت کھاؤ کہ میں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں سے نہیں بولوں گا، فلاں کے درمیان صلح نہیں کراؤں گا۔ اس قسم کی قسموں کے لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کھا لو تو انھیں توڑ دو اور قسم کا کفارہ ادا کرو (کفارۂ قسم کے لیے دیکھیے سورۂ مائدہ، آیت: 89) [2] یعنی جو غیر ارادی اور عادت کے طور پر ہوں، البتہ عمداً جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ [3] ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھا لے کہ اپنی بیوی سے ایک مہینے یا دو مہینے (مثلاً) تعلق نہیں رکھوں گا، پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں، ہاں، اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کی تعیین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں یا پھر اسے طلاق دے دیں (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت (تعلق قائم کرنے) میں اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ وہ اس سے تعلق قائم کرے یا طلاق دے تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر) [4] ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی ازخود طلاق واقع نہیں ہوگی (جیسا کہ احناف وغیرہ کا مسلک ہے) بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہوگی، جس پر تعلق نہ قائم کرنے کی صورت میں اسے عدالت بھی مجبور کرے گی۔ جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔ (ابن کثیر) [5] اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ بھی نہ ہو (کیونکہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو، وہ بھی نہ ہو (کیونکہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے) آئسہ بھی نہ ہو، یعنی جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور صغیرہ بھی نہ ہو جس کو ابھی حیض نہیں آیا ہے (کیونکہ ان دونوں کی عدت تین مہینے ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخولہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے اور وہ ہے تین قروء۔ جس کے معنی طہر یا تین حیض کے ہیں، یعنی تین طہر یا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیے ہیں، اس لیے دونوں کی گنجائش ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) جبکہ راجح یہ ہے کہ قرء بمعنی حیض ہے۔ [6] اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں، مثلاً: کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، درآں حالیکہ اسے تینوں حیض آ چکے ہوں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آ چکے ہیں جبکہ واقعتاً ایسا نہ ہوتا کہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں کیونکہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اختلاط ہو جائے گا۔ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہو گا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

Marfat.com

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ

ہرگز نہ کریں) اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ

انھیں اس (مدت) میں لوٹا لیں[1] اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے مردوں پر ویسے ہی

عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ

حقوق ہیں جیسے مردوں کے لیے عورتوں پر ہیں[2] اور مردوں کے لیے ان پر ایک فضیلت ہے اور

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ ع 28/7/12

اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے﴿228﴾ طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے،[3] پھر یا تو (عورت کو) دستور

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا

کے مطابق روک لیا جائے[4] یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے[5] اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ

مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ

تم انھیں جو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو الا یہ کہ دونوں کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدیں

اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ

قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان

عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کر لے۔)[6] یہ اللہ کی

تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

حدیں ہیں، سو تم ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، وہی

[1] رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے ولی کو اس حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔ [2] یعنی دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں، تاہم مرد کو عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے، مثلاً: فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت اور حاکمیت میں اور اختیار طلاق و رجوع (وغیرہ) میں۔ [3] یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر) رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بساتا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔ اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے طَلقَتَانِ ''دو طلاقیں'' نہیں فرمایا بلکہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ''طلاق دو مرتبہ'' فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انھیں بیک وقت نافذ کر دینا حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے۔ حکمت الٰہیہ اسی بات کی مقتضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کیے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے، یہ حکمت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے جیسا کہ اہل حدیث کا مذہب ہے جو حدیث سے ثابت ہے، نہ کہ تینوں کو بیک وقت نافذ کر کے سوچنے اور غلطی کے ازالہ کرنے کی سہولت سے محروم کر دینے کی صورت میں، جیسا کہ بعض لوگوں کا نقطۂ نظر ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل۔'' مطبوعہ دارالسلام۔ [4] یعنی رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے بسایا جائے۔ [5] یعنی تیسری مرتبہ طلاق دے کر۔ [6] اس میں خُلع کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں خاوند عورت سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے۔ خاوند اگر علیحدگی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اگر وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔ گو خُلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔ دونوں صورتوں میں عدت ایک حیض ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 2229,2228، وجامع الترمذي، حديث: 1185، و سنن النسائي، حديث: 3492، والمستدرك للحاكم، حديث: 2825) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی، یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو نبی ﷺ نے ایسی عورتوں کے لیے یہ سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گی۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

الظّٰلِمُوْنَ ﴿229﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ
ظالم ہیں﴿229﴾ پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت)
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا
اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر
جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا
وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں
حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا
رجوع کر لیں[1] اگر وہ دونوں خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ
ہیں، وہ انھیں ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں﴿230﴾ اور جب تم عورتوں کو
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ
(پہلی یا دوسری) طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق
بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ
روک لو یا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو[2] اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا اور تم اللہ کی آیتوں
اٰيٰتِ اللّٰهِ ھُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ
کو ہنسی مذاق نہ بناؤ[3] اور اللہ کی طرف سے تم پر جو انعام ہوا اسے یاد کرو اور اس
اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ
کتاب اور حکمت کو بھی یاد کرو جو اس نے تم پر نازل کی، وہ تمھیں اس کی نصیحت
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿231﴾
کرتا ہے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے﴿231﴾ اور
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا
جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت
تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ
روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں
بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ
راضی ہوں[4] یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان

[1] اس طلاق سے تیسری طلاق مراد ہے، یعنی تیسری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح، البتہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد زوج اول سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ لیکن اس کے لیے ہمارے ملک میں جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے، یہ لعنتی فعل ہے۔ نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 1119. وسنن النسائي، حديث: 3445) حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں ہے، زنا کاری ہے۔ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ بعض حضرات اس آیت سے حلالۂ مروجہ کا، جسے حدیث میں لعنتی فعل قرار دیا گیا ہے، اثبات کرتے ہیں۔ ان کی یہ شوخ چشمانہ جسارت قرآن کریم کی معنوی تحریف ہے۔ فنعوذ باللہ من هذا. [2] اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ میں بتلایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ رجوع عدت کے اندر اندر ہو سکتا ہے، عدت گزرنے کے بعد نہیں، اس لیے یہ تکرار نہیں ہے جس طرح کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔ [3] بعض لوگ مذاق میں طلاق دے دیتے یا نکاح کر لیتے یا مملوک کو آزاد کر دیتے، پھر کہتے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اللہ نے اسے آیات الٰہی سے استہزا قرار دیا، جس سے مقصود اس سے روکنا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذاق سے بھی اگر کوئی مذکورہ کام کرے گا تو وہ حقیقت ہی سمجھا جائے گا اور مذاق کی طلاق یا نکاح یا آزادی نافذ ہو جائے گی۔ (سنن أبي داود، حديث: 2194، وجامع الترمذي، حديث: 1184، وسنن ابن ماجه، حديث: 2039) [4] اس میں مطلقہ عورت کی بابت ایک تیسرا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد (پہلی یا دوسری طلاق کے بعد) اگر سابقہ خاوند بیوی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مت روکو۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر یہ آیت اتری۔ (صحيح البخاري، حديث: 5130.) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ اس کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے

Marfat.com

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ

رکھتا ہے۔ تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾ وَالْوَالِدٰتُ

نہیں جانتے (232) اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے

يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ

لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے[1] (اس صورت میں) باپ کے ذمے ہے کہ

اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ

ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے[2]، کسی جان پر اس کی گنجائش سے بڑھ کر

وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے

لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى

کی وجہ سے (تنگ کیا جائے)[3] اور (اگر باپ مرجائے تو) اس کے وارث کا بھی یہی ذمہ ہے، پھر اگر

سے روکا ہے۔ اس کی مزید تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» مسند أحمد: 413/4، وسنن أبي داود، حديث: 2085، وجامع الترمذي، حديث: 1101، وسنن ابن ماجه، حديث: 1881، وإرواء الغليل: 235/6 صححه الألباني) ''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں۔'' ایک اور روایت میں ہے: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» (مسند أحمد: 165/6، 166، وسنن أبي داود، حديث: 2083، وجامع الترمذي، حديث: 1102، وسنن ابن ماجه، حديث: 1879، و إرواء الغليل: 243/6 وصححه أيضًا الألباني) ''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا، پس اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔'' ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی، دیگر محدثین کی طرح، صحیح اور حسن تسلیم کیا ہے۔ (فيض الباري، ج :4 كتاب النكاح) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت کے ولیوں کو بھی عورت پر جبر کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضامندی کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں۔ اگر ولی عورت کی رضامندی کو نظرانداز کر کے زبردستی نکاح کردے تو شریعت نے عورت کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے، کوئی ایک فریق بھی من مانی نہ کرے۔ اگر عورت من مانے طریقے سے ولی کی اجازت نظرانداز کرے گی تو وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا اور ولی زبردستی کرے گا اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے گا تو عدالت ایسے ولی کو حق ولایت سے محروم کر کے ولئ ابعد کے ذریعے سے یا خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فریضہ انجام دے گی۔ «فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا» (إرواء الغليل: 243/6) ''پس اگر ولی آپس میں لڑیں تو بادشاہ اس عورت کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔''

[1] اس آیت میں مسئلۂ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ پورے دو سال دودھ پلائے۔ ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسے کہ جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہ ؓ سے مرفوعاً روایت ہے: «لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ» (جامع الترمذي: 1152) ''وہی رضاع (دودھ پلانا) حرمت ثابت کرتا ہے، جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔'' چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی بچہ کسی عورت کا اس طریقہ سے دودھ پی لے گا، جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ رشتہ قائم ہو جائے گا، جس کے بعد رضاعی بہن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہوگا جس طرح نسبی بہن بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔ «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح البخاري: 2645) ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔'' [2] مَوْلُوْدٌ لَّهٗ سے مراد باپ ہے۔ طلاق ہو جانے کی صورت میں شیرخوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الٰہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق مطلقہ عورت کی روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو، جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ [3] ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً: ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے مگر مامتا کے جذبے کو نظرانداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کی ذمہ داری اٹھائے، اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کردے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا، اس سے مالی مطالبہ کرے۔

Marfat.com

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا
دونوں (ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو ان دونوں
وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
پر کچھ گناہ نہیں[1] اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ
نہیں جبکہ تم اس معاوضے کی ادائیگی کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا طے کیا ہو[2] اور اللہ سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾ وَالَّذِيْنَ
ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ تمھارے ہر عمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿233﴾ اور تم
يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا
کو انتظار میں رکھیں[3]، پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ
کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے)[4] اور اللہ تمھارے ہر عمل
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿234﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
سے خوب خبردار ہے جو تم کرتے ہو ﴿234﴾ اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی
عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ
عدت کے دوران میں انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں
عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ
میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ
خفیہ وعدہ نہ کرو[5]، مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو[6]، اور عقد نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو یہاں

[1] باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو اور نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متأثر ہو۔ [2] یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کا مَا وَجَب (معاوضہ) دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔ [3] یہ عدت وفات ہر عورت کے لیے ہے، چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جوان ہو یا بوڑھی، البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق 4:65) ''حمل والی عورتوں کی مدت وضع حمل ہے۔'' اس عدت وفات میں عورت کو زیب و زینت کی (حتیٰ کہ سرمہ لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے، البتہ مطلقہ رَجْعِیَّہ کے لیے عدت کے اندر زیب و زینت ممنوع نہیں ہے اور مطلقہ بائنہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر) [4] یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب و زینت اختیار کریں اور اولیاء کی اجازت و مشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے تم پر بھی (اے عورت کے ولیو!) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کے عقد ثانی کو برا سمجھنا چاہیے، نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

[5] یہ بیوہ یا وہ عورت جس کو تین طلاقیں مل چکی ہوں، یعنی طلاق بائنہ، ان کی بابت کہا جا رہا ہے کہ عدت کے دوران میں ان سے اشارے کنائے میں تو تم نکاح کا پیغام دے سکتے ہو (مثلاً: میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے یا میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں وغیرہ) لیکن ان سے کوئی خفیہ وعدہ مت لو اور نہ مدت گزرنے سے قبل عقد نکاح پختہ کرو۔ لیکن وہ عورت جس کو خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں، اس کو عدت کے اندر اشارے کنائے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں کیونکہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی، اس پر خاوند ہی کا حق ہے۔ ممکن ہے خاوند رجوع ہی کر لے۔ مسئلہ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل لوگ عدت کے اندر ہی نکاح کر لیتے ہیں، اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے اور اگر ہم بستری ہو گئی ہے تب بھی تفریق تو ضروری ہے، تاہم دوبارہ ان کے درمیان (عدت گزرنے کے بعد) نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان اب کبھی باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے ابدًا احرام ہیں لیکن جمہور علماء ان کے درمیان نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر) [6] اس سے مراد بھی وہی تعریض و کنایہ ہے جس کا حکم پہلے دیا گیا ہے، مثلاً: میں تیرے معاملے میں رغبت رکھتا ہوں یا ولی سے کہے کہ اس کے نکاح کی بابت فیصلہ کرنے سے قبل مجھے اطلاع ضرور کرنا وغیرہ۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

تک کہ عدت پوری ہو جائے، اور جان لو! بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے،

مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ ع 30/14

پس تم اس سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت بردبار ہے ﴿235﴾ تم پر کوئی

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ

گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جبکہ تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر

تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى

مقرر کیا ہو اور انھیں کچھ مال و متاع دے دو، وسعت والے آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے

الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق، فائدہ پہنچانا ہے معروف طریقے سے، (یہ) نیکی کرنے

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿236﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

والوں پر لازم ہے ﴿236﴾ [1] اور اگر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو جبکہ تم ان کے لیے

تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

مہر مقرر کر چکے ہو تو اس (مہر) کا نصف ادا کرنا ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہو۔ ہاں! وہ عورتیں چاہیں

مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ

تو (مہر) معاف کر سکتی ہیں [2] یا وہ شخص معاف کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں عقدِ نکاح ہے [3] اور تم معاف

عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا

کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم آپس میں بھلائی اور احسان کا برتاؤ کرنا مت بھولو، بے

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾ حٰفِظُوْا

شک اللہ تمھارے ہر عمل پر نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿237﴾ اور تم سب نمازوں اور خاص طور پر

[1] یہ اس عورت کی بابت حکم ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور خاوند نے خَلْوَتِ صَحِیحَہ یعنی ہم بستری کیے بغیر طلاق دے دی تو اسے کچھ نہ کچھ فائدہ دے کر رخصت کرو۔ یہ فائدہ (متعۂ طلاق) ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ خوش حال اپنی حیثیت اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دے۔ تاہم محسنین کے لیے ہے یہ ضروری۔ اس متعہ کی تعیین بھی کی گئی ہے، کسی نے کہا: خادم۔ کسی نے کہا: 500 درہم۔ کسی نے کہا: ایک یا چند سوٹ وغیرہ۔ بہرحال یہ تعیین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا ضروری ہے یا خاص اسی عورت کی بابت حکم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے لیے ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. اس حکم متعہ میں جو حکمت اور فوائد ہیں وہ محتاج وضاحت نہیں۔ تلخی، کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر، جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی و دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصومتوں کے سد باب کا نہایت اہم ذریعہ ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان وسلوک کی بجائے، مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔ [2] یہ دوسری صورت ہے کہ مساس (خَلْوَتِ صَحِیحَہ) سے قبل ہی طلاق دے دی اور حق مہر بھی مقرر تھا۔ اس صورت میں خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نصف مہر ادا کرے۔ الا یہ کہ عورت اپنا یہ حق معاف کر دے۔ اس صورت میں خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑے گا۔ [3] اس سے مراد خاوند ہے کیونکہ نکاح کی گرہ (اس کا توڑنا اور باقی رکھنا) اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نصف حق مہر معاف کر دے، یعنی طے شدہ حق مہر میں سے، جس کی ادائیگی ہو چکی ہے، نصف مہر واپس لینے کی بجائے، اپنا یہ حق (نصف مہر) معاف کر دے اور پورے کا پورا مہر عورت کو دے دے۔ اس سے آگے آپس میں فضل واحسان کو نہ بھولنے کی تاکید کر کے حق مہر میں بھی اسی فضل واحسان کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ملحوظہ: بعض نے ﴿بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ سے عورت کا ولی مراد لیا ہے کہ عورت معاف کر دے یا اس کا ولی معاف کر دے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک تو عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح نہیں، دوسرے مہر عورت کا حق اور اس کا مال ہے، اسے معاف کرنے کا حق بھی ولی کو حاصل نہیں، اس لیے وہی تفسیر صحیح ہے جو آغاز میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) ضروری وضاحت: طلاق یافتہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں: ① جن کا حق مہر بھی مقرر ہے، خاوند نے مجامعت بھی کی ہے ان کو پورا حق مہر دیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت: 229 میں اس کی تفصیل ہے۔ ② حق مہر بھی مقرر نہیں، مجامعت بھی نہیں کی گئی، ان کو صرف متعۂ طلاق دیا جائے گا۔ ③ حق مہر مقرر ہے لیکن مجامعت نہیں کی گئی، ان کو نصف مہر دینا ضروری ہے (ان دونوں کی تفصیل، زیر نظر آیت میں ہے) ④ مجامعت کی گئی ہے لیکن حق مہر مقرر نہیں، ان کے لیے مہر مثل ہے، مہر مثل کا مطلب ہے اس عورت کی قوم میں جو رواج ہے یا اس جیسی

Marfat.com

عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿238﴾
درمیان والی نماز کی حفاظت کرو[1] اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو﴿238﴾
فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا
پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیدل یا سوار ہی (نماز پڑھ لو)، پھر جب تم امن میں ہو
اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿239﴾ وَالَّذِيْنَ
جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے﴿239﴾[2] اور تم میں سے
يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ
جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا
مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا
(لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور ان کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے[3] پھر اگر وہ
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ
خود چلی جائیں تو تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿240﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
معاملے میں کریں اور اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا﴿240﴾ اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿241﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، (یہ) متقی لوگوں پر لازم ہے﴿241﴾[4]
ع 31 15 اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو﴿242﴾ (اے نبی!) کیا آپ
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ
نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے اور وہ کئی ہزار تھے، پس
لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى
اللہ نے ان سے کہا: تم مر جاؤ! پھر اس نے ان کو زندہ کر دیا،[5] بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے

عورت کے لیے بالعموم جتنا مہر مقرر کیا جاتا ہو۔ (نیل الأوطار: 194/6، و عون المعبود: 106/6)

[1] درمیان والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جس کو اس حدیث رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے جس میں نبی ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کو «صَلَاةِ وُسْطٰى» قرار دیا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2931، وصحیح مسلم حدیث: 627) [2] یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے، پیادہ چلتے ہوئے، سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو، تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھلایا گیا ہے۔ [3] یہ آیت، گو ترتیب میں مؤخر ہے مگر منسوخ ہے، ناسخ آیت پہلے گزر چکی ہے، جس میں عدت وفات 4 مہینے 10 دن بتلائی گئی۔ علاوہ ازیں آیت مواریث نے بیویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سکنی) کی اور نہ نان ونفقہ کی۔ [4] یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔ اس میں تفریق کے وقت جس حسن سلوک اور تَطْيِيبِ قُلُوب کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش! مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل کریں، جسے انھوں نے بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ آج کل کے بعض ''مجتہدین'' نے مَتَاعٌ اور مَتِّعُوْهُنَّ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ کو اپنی جائیداد میں سے باقاعدہ حصہ دو یا عمر بھر نان ونفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ سمجھ کر اپنی زندگی سے ہی خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہوگا؟ یا اپنی جائیداد میں سے اسے حصہ دے گا؟ [5] یہ واقعہ کسی سابقہ امت کا ہے، جس کی تفصیل کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں کی گئی۔ تفسیری روایات میں اسے بنی اسرائیل کے زمانے کا واقعہ اور اس پیغمبر کا نام، جس کی دعا سے انھیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرمایا، حزقیل بتلایا گیا ہے۔ یہ جہاد میں قتل کے ڈر سے یا وبائی بیماری طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے تاکہ موت کے منہ میں جانے سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مار کر ایک تو یہ بتلا دیا کہ اللہ کی تقدیر سے تم بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ دوسرا یہ کہ انسانوں کی آخری جائے پناہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ تمام انسانوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا جس طرح اللہ نے ان کو مار کر زندہ کر دیا۔ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے اس واقعے کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ جہاد سے جی مت چراؤ، موت وحیات تو اللہ کے قبضے میں ہے اور اس موت کا وقت بھی متعین ہے جسے جہاد سے گریز وفرار کر کے تم ٹال نہیں سکتے۔

Marfat.com

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿243﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ

والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے﴿243﴾اور تم اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ بے شک

اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿244﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ

اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿244﴾ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے؟[1]

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ

پھر اللہ وہ مال اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے اور اللہ ہی تنگی کرتا اور فراخی کرتا

وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿245﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ

ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے﴿245﴾ (اے نبی!) کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ

اسرائیل کی ایک جماعت نہیں دیکھی؟[2] جب انھوں نے اپنے نبی سے کہا: آپ ہمارے لیے

لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ

ایک بادشاہ مقرر کر دیں[3] تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اس نے کہا: ممکن ہے کہ اگر تم پر جہاد

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ

فرض کر دیا گیا تو تم جہاد نہ کرو، انھوں نے کہا: آخر ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں

فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا

نہ لڑیں جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے، پھر جب ان پر لڑنا

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ

فرض کر دیا گیا تو ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿246﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ

خوب جانتا ہے﴿246﴾ اور ان کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو

لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا

بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ہم پر اس کی بادشاہی کیسے ہوسکتی ہے جبکہ ہم بادشاہی کے

وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ

اس سے زیادہ حقدار ہیں؟ اور اسے مال کی وسعت نہیں ملی۔ اس نے کہا: بے شک اللہ نے

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ

اسے تم پر چن لیا ہے، اور اسے علم اور جسم (دونوں) میں زیادہ کشادگی دی ہے[4] اور اللہ جسے

[1] قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں اور جہاد میں مال خرچ کرنا ہے، یعنی جان کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل مت کرو۔ رزق کی کشادگی اور کمی بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ دونوں طریقوں سے تمھاری آزمائش کرتا ہے۔ کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی اس میں فراوانی کر کے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تو کمی بھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اس میں کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحانی طور پر اس میں برکت ڈال کر اور آخرت میں تو یقیناً اس میں اضافہ حیران کن ہوگا۔ [2] الْمَلَاِ کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل وعقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں۔ (مَلَا کے لغوی معنی بھرنے کے ہیں) (أیسر التفاسیر) جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے اس کا نام شمویل بتلایا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد کچھ عرصے تک تو ٹھیک رہے، پھر ان میں انحراف آ گیا، دین میں بدعات ایجاد کر لیں۔ حتیٰ کہ بعض نے بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء علیہم السلام ان کو روکتے رہے لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنھوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بھی بنا لیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شمویل نبی پیدا ہوئے، جنھوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انھوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہیں رہو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔ [3] نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت جائز ہی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبے کو رد فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو رد نہیں فرمایا بلکہ طالوت کو ان کے لیے بادشاہ مقرر کر دیا، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اگر مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ احکام الٰہی کا پابند اور عدل و انصاف کرنے والا ہے تو اس کی بادشاہت جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب و محبوب بھی ہے۔ مزید دیکھیے: سورۂ مائدہ، آیت: 20 کا حاشیہ۔ [4] حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ یہ غریب اور

Marfat.com

وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿247﴾

چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿247﴾ اور ان کے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

نبی نے ان سے کہا: بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق[1]

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

آئے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے تسکین اور وہ بقیہ چیزیں ہوں گی جنھیں آل

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے تھے، اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ بے شک اس میں

لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾ فَلَمَّا فَصَلَ

تمھارے لیے ایک عظیم نشانی ہے اگر تم مومن ہو ﴿248﴾ پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا تو اس

طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ

نے کہا: بے شک اللہ تمھیں ایک نہر کے ذریعے سے آزمائے گا،[2] پس جس نے اس سے (سیر ہو کر)

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ

پانی پیا وہ مجھ سے نہیں اور جس نے اس کا پانی نہ چکھا، تو یقیناً وہ میرا ہے، ہاں! کوئی اپنے ہاتھ

فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا

سے ایک آدھ چلو بھر لے (تو ہرج نہیں) پھر ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اس

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(نہر) کا پانی پی لیا،[3] پھر جب طالوت نے وہ نہر پار کر لی اور ان لوگوں نے (بھی) جو اس کے

ایک عام فوجی تھے، جس پر انھوں نے اعتراض کیا۔ پیغمبر نے کہا کہ یہ میرا انتخاب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں قیادت وسیادت کے لیے مال سے زیادہ عقل وعلم اور جسمانی قوت وطاقت کی ضرورت ہے اور طالوت اس میں تم سب میں ممتاز ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس منصب کے لیے چن لیا ہے۔ وہ واسع الفضل ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت وعنایات سے نوازتا ہے۔ ﴿عَلِيْمٌ﴾ ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ بادشاہت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں ہے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ جب انھیں بتلایا گیا کہ یہ تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے انھوں نے مزید کسی نشانی کا مطالبہ کیا تا کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں، چنانچہ اگلی آیت میں ایک اور نشانی کا بیان ہے۔)

[1] صندوق، یعنی ﴿التَّابُوْتُ﴾ جو توب سے ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (فتح القدیر) اس تابوت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، یہ تابوت بھی ان کے دشمن ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے سے حضرت طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔ جسے دیکھ کر بنو اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی کے لیے منجانب اللہ نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لیے ایک اعجاز (آیت) اور فتح وسکینت کا سبب قرار دیا۔ سکینت کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز معرکہ آرائیوں میں، جس سے بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ اٹھتے ہیں، اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور ہیبت سے خالی اور فتح وکامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت و افادیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں۔ جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں بن جاتی، جس طرح آج کل ''تبرکات'' کے نام پر کئی جگہوں پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں، جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس طرح بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھروں میں لٹکانے کو یا مخصوص طریقے سے اس کے استعمال کو قضائے حاجات اور دفع بلیات کے لیے اکسیر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے ناموں کی نذر و نیاز کی چیزوں کو اور لنگر کو متبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غیر اللہ کے نام کا چڑھاوا ہے جو شرک کے دائرے میں آتا ہے، اس کا کھانا قطعاً حرام ہے، قبروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، حالانکہ قبروں کو غسل دینا بھی خانہ کعبہ کے غسل کی نقل ہے، جس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ شرک آلود گندا پانی کیسے متبرک ہو سکتا ہے؟ بہر حال یہ سب باتیں غلط ہیں جن کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔ [2] یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان ہے۔ (ابن کثیر) [3] اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دو چند بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ دوسرے، جنگ میں کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی اس دوران میں بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نہایت صبر اور حوصلے سے

Marfat.com

مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ
ساتھ ایمان لائے تھے، تو انھوں نے (آپس میں) کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں کے

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ
خلاف لڑنے کی طاقت نہیں [1] وہ لوگ جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بے شک وہ اللہ سے ملنے

فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
والے ہیں، انھوں نے کہا: کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ
اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (249) اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
پر نکلے تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور اس

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۟ۙ
کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما (250) [2] پس مومنوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو شکست دی

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ
اور داود نے جالوت کو قتل کیا [3] اور اللہ نے داود کو بادشاہی اور حکمت عطا کی [4] اور جو چاہا اسے سکھایا

مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ
اور اگر اللہ انسانوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾ تِلْكَ
ساری زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے (251) [5] یہ اللہ کی آیتیں ہیں،

اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾
ہم حق کے ساتھ آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (252) [6]

برداشت کریں، چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لیے طالوت نے کہا کہ نہر پر تمھاری پہلی آزمائش ہوگی۔ جس نے پانی پی لیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن اس تنبیہ کے باوجود اکثریت نے پانی پی لیا۔ ان کی تعداد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ اسی طرح نہ پینے والوں کی تعداد 313 بتلائی گئی ہے، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] ان اہل ایمان نے بھی، ابتدا میں جب دشمن کی بڑی تعداد دیکھی تو اپنی قلیل تعداد کے پیش نظر اس رائے کا اظہار کیا، جس پر ان کے علماء اور ان سے زیادہ پختہ یقین رکھنے والوں نے کہا کہ کامیابی، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے اور اللہ کی تائید کے لیے صبر کا اہتمام ضروری ہے۔ [2] جَالُوْتَ اس دشمن قوم کا کمانڈر اور سربراہ تھا جس سے طالوت اور ان کے رفقاء کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم عمالقہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شہرت کے پیش نظر، عین معرکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الٰہی میں صبر و ثبات اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح و کامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الٰہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبگار رہیں، جیسے جنگ بدر میں نبی ﷺ نے نہایت الحاح وزاری سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔ [3] حضرت داود بھی، جو ابھی پیغمبر تھے نہ بادشاہ، اس لشکر طالوت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو شکست فاش دلوائی۔ [4] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داود کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی۔ حکمت سے بعض نے نبوت، بعض نے صنعت آہن گری اور بعض نے ان امور کی سمجھ مراد لی ہے، جو اس موقع جنگ پر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ [5] اس میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے کہ وہ انسانوں ہی کے ایک گروہ کے ذریعے سے، دوسرے انسانی گروہ کے ظلم اور اقتدار کا خاتمہ فرماتا رہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور کسی ایک ہی گروہ کو ہمیشہ قوت و اختیار سے بہرہ ور کیے رکھتا تو یہ زمین ظلم و فساد سے بھر جاتی، اس لیے یہ قانون الٰہی اہل دنیا کے لیے فضل الٰہی کا خاص مظہر ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کی آیت: 38 اور 40 میں بھی فرمایا ہے۔ [6] یہ گزشتہ واقعات، جو آپ پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد ﷺ! یقیناً آپ کی رسالت و صداقت کی دلیل ہیں، کیونکہ آپ نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں، نہ کسی سے سنے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرما رہا ہے۔ اور یہ آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔

Marfat.com

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ
یہ سب رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی[1] ان میں سے کچھ ایسے
كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى
ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ ابن
ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ
مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور روح القدس (جبریل) کے ساتھ اس کی مدد کی[2] اور اگر اللہ
شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ
چاہتا تو ان (رسولوں) کے بعد آنے والے لوگ باہم نہ لڑتے جبکہ ان کے پاس واضح
مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ
نشانیاں آ چکی تھیں لیکن انھوں نے (باہم) اختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو
اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
ایمان لائے اور کچھ وہ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے[3] لیکن اللہ جو
33 ع
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا
چاہتا ہے کرتا ہے ﴿253﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا اس میں سے خرچ
رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ
کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ
وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ
سفارش ہی کام آئے گی[4] اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں ﴿254﴾ وہ اللہ ہے، اس کے سوا
اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ
کوئی (سچا) معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو سنبھالے ہوئے ہے، اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو

[1] قرآن نے ایک دوسرے مقام پر بھی اسے بیان کیا ہے: وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی إسرآء یل 55:17) ''ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔'' اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے: «لاتُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ»(صحيح البخاري، حديث: 4638، و صحيح مسلم، حديث: 2373) ''تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔'' تو اس سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ یہ امت کو انبیاء کی بابت ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ تمھیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا، جن کی بنا پر انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے، اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسر شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کی فضیلت و اشرفیت مسلمہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر) [2] مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ کو دیے گئے تھے، مثلاً: احیائے موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنا) وغیرہ۔ جس کی تفصیل سورۂ آل عمران میں آئے گی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ [3] اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ مطلب اس کا یہ نہیں ہے کہ اللہ کو دین میں اختلاف کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس کی پسند (رضا) تو یہ ہے کہ تمام انسان اس کی نازل کردہ شریعت کو اپنا کر نار جہنم سے بچ جائیں، اسی لیے اس نے کتابیں اتاریں، انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم کیا تا آنکہ نبئ کریم ﷺ پر رسالت کا خاتمہ فرما دیا۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء اور علماء و دعاۃ کے ذریعے سے دعوت حق اور امر بالمعروف ونہی عن الْمُنْكَرِ کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور اس کی سخت اہمیت و تاکید بیان فرمائی گئی۔ کس لیے؟ اسی لیے تاکہ لوگ اللہ کے پسندیدہ راستے کو اختیار کریں۔ لیکن چونکہ اس نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسانوں کو کوئی ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ بطور امتحان اسے اختیار اور ارادہ کی آزادی سے نوازا ہے، اس لیے کوئی اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اس اختیار و آزادی کا غلط استعمال کر کے کافر۔ یہ اس کی حکمت و مشیت ہے جو اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔ [4] یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں، یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں۔ اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر اٹھیں گے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی تصور نہیں۔ پھر اس کے بعد آیت الکرسی میں اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے ہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی مگر

Marfat.com

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ
کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے اس
یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ
کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان
وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا
کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کو اپنے احاطے میں نہیں لا سکتے، سوائے اس
بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ
بات کے جو وہ چاہے[1] اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے[2] اور اسے ان دونوں
حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿255﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ
کی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند تر، نہایت عظمت والا ہے ﴿255﴾ دین میں کوئی زبردستی نہیں،
قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ
ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے[3] پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے
بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ
آئے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب
وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿256﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ
جاننے والا ہے ﴿256﴾ اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ ان کو اندھیروں سے نکال
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ
کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں، وہ

یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنھیں اللہ اجازت دے گا۔ اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیاء و رسل بھی اور شہداء و صالحین بھی۔ مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ (الأنبيآء 28:21)

[1] یہ آیت الکرسی ہے جس کی صحیح احادیث سے بڑی فضیلت ثابت ہے، مثلاً: یہ آیت قرآن کی اعظم آیت ہے۔ اس کے پڑھنے سے رات کو شیطان سے تحفظ رہتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے وغیرہ (ابن کثیر) یہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلال، اس کی علو شان اور اس کی قدرت وعظمت پر مبنی نہایت جامع آیت ہے۔ [2] كُرْسِیُّهٗ سے بعض نے مَوْضِعَ قَدَمَیْنِ (قدم رکھنے کی جگہ)، بعض نے علم، بعض نے قدرت و عظمت، بعض نے بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے، ان پر ایمان رکھا جائے۔ اس لیے یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش کے علاوہ چیز ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر وہ کس طرح مستوی ہے؟ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ [3] اس کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان ہو گئے تو انھوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی بن چکے تھے، زبردستی مسلمان بنانا چاہا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شان نزول کے اس اعتبار سے بعض مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے، یعنی مسلمان مملکت میں رہنے والے اہل کتاب اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انھیں قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر وشرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر واکراہ سے مختلف چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس قوت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہوتا کہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل ہو جائے۔ چونکہ رکاوٹ بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی، اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے: «لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّينُ قَائِمًا، يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ» (صحيح مسلم: 1922) ''یہ دین قائم رہے گا اور قیام قیامت تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے لیے لڑتی رہے گی۔'' خود نبی ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا ہے اور فرمایا ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ» (صحيح البخاري، حديث: 25) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں

Marfat.com

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ
انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس
أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿257﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي
میں ہمیشہ رہیں گے (257) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے
حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ
رب کے بارے میں اس لیے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی؟ جب ابراہیم
إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ
نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس (نمرود) نے کہا: میں بھی زندہ کرتا
قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ
ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے
بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
مغرب سے نکال کر دکھا، چنانچہ وہ ہکا بکا رہ گیا جس نے کفر کیا تھا اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿258﴾ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ
نہیں دیتا جو ظالم ہیں (258) یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ
وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ
اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا اس کی موت کے
اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ
بعد؟[1] تو اللہ نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو
ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ
کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ[2] اللہ نے فرمایا: (نہیں!)
بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ
بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی

جب تک کہ وہ [لا إله إلا الله] اور [محمد رسول الله] کا اقرار نہ کر لیں۔" اسی طرح سزائے ارتداد (قتل) سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ ایسا باور کراتے ہیں۔) کیونکہ ارتداد کی سزا 'قتل' سے مقصود جبر واکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہ جانے کی اجازت تو بے شک دی جا سکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس سے بغاوت وانحراف کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لہٰذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے۔ کیونکہ اگر یہ اجازت دے دی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی جو اسلامی معاشرے کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل، چوری، زنا، ڈاکہ اور حرابہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جا سکتی، اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ یہ جبر واکراہ نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارت گری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے۔ ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر وفساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد، ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج اسلامی ممالک ان دونوں ہی مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

[1] أَوْ كَالَّذِي کا عطف پہلے واقعہ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے (پہلے واقعہ کی طرح) اس شخص کے قصے پر نظر نہیں ڈالی جو ایک بستی سے گزرا...... یہ شخص کون تھا؟ اس کی بابت مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور حضرت عزیر کا نام ہے جس کے بعض صحابہ وتابعین قائل ہیں۔ واللہ أعلم۔ اس سے پہلے کے واقعے (حضرت ابراہیم علیہ السلام و نمرود) میں صانع، یعنی باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس دوسرے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت احیائے موتیٰ کا اثبات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اور اس کے گدھے کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا، حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ وہی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ جب وہ سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو ہزاروں سال کے بعد بھی زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔ [2] مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ شخص مذکور مرا تھا، اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا اور جب زندہ ہوا تو ابھی شام نہیں ہوئی تھی، اس سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن گزر گیا ہے اور اگر یہ آج ہی کا واقعہ ہے تو دن کا کچھ حصہ ہی گزرا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی موت پر سو سال گزر چکے تھے۔

Marfat.com

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى
طرف دیکھ وہ بالکل سڑا بسا نہیں، نیز دیکھ اپنے گدھے (کے ڈھانچے) کو، اور (یہ سب اس
حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانْظُرْ اِلَى
لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا
طرف دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھارتے (اور جوڑتے) ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر جب
تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اس کے سامنے (یہ سب) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر
قَدِيْرٌ ﴿259﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ
قدرت رکھتا ہے﴿259﴾ [1] اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ
قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ
کرے گا؟ [2] اللہ نے کہا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو
قَلْبِيْ ۖ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ
رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور ان کے
ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ
ٹکڑے ٹکڑے کر دے، پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو بلا، وہ تیرے پاس
يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿260﴾ ع مَثَلُ
دوڑے چلے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے﴿260﴾ ان لوگوں کی
الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ
مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس میں سے سات
سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ
بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے [3]

ع 35 / 3 / 3

[1] یعنی یقین تو مجھے پہلے بھی تھا لیکن اب عینی مشاہدے کے بعد میرے یقین اور علم میں مزید پختگی اور اضافہ ہو گیا ہے۔ [2] یہ احیائے موتیٰ، یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نہایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیے۔ بس یہ چار پرندے تھے۔ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کے ایک معنی اَمِلْهُنَّ کیے گئے ہیں، یعنی ان کو ''ہلا لے'' (مانوس کر لے) تاکہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان لے کہ یہ وہی پرندے ہیں اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ اس معنی کے اعتبار سے پھر اس کے بعد ثُمَّ قَطِّعْهُنَّ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) محذوف ماننا پڑے گا۔ دوسرے معنی قَطِّعْهُنَّ (ٹکڑے ٹکڑے کر لے) کیے گئے ہیں۔ اس صورت میں کچھ محذوف مانے بغیر معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر ان کے اجزاء باہم ملا کر رکھ دے، پھر تو آواز دے تو وہ زندہ ہو کر تیرے پاس آ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان پرندوں کے ذبح اور زندہ ہونے کی اجمالی کیفیت پر علمائے سلف کا اجماع ہے۔ اس اجماعی تفسیر کے خلاف سب سے پہلے ابو مسلم معتزلی نے اپنی ذاتی رائے سے ایک نیا مطلب نکال لیا جسے آج کل کے جدت پسند مغرب زدہ طبقے نے عمداً اختیار کیا ہے کہ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کا مطلب صرف ''ہلا لے'' ہے۔ اور ان کے ٹکڑے کرنے اور پہاڑوں پر ان کے اجزاء بکھیرنے اور پھر اللہ کی قدرت سے ان کے جڑنے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں، اس سے واقعے کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور مردے کو زندہ کر دکھانے کا سوال جوں کا توں قائم رہتا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت احیائے موتیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم کے اس واقعے کا تذکرہ کر کے فرمایا: «نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ» (صحيح البخاري، حديث: 4537) ''ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ حق دار ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے ہم اس معاملے میں شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور جب ہم نے شک نہیں کیا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطریق اولیٰ شک نہیں کیا ہے۔ مطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتیٰ کے مسئلے میں کوئی شک نہیں کیا۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: فتح القدير) [3] یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاد میں خرچ کی گئی رقم کا یہ ثواب ہو گا اور اگر اس سے مراد تمام مصارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات وصدقات نافلہ کی ہو گی اور دیگر نیکیاں «اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا» ''ایک نیکی کا اجر دس گنا'' کی ذیل میں آئیں گی۔ (فتح القدير) گویا

Marfat.com

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (261) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ
اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے (261) جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ
کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں[1] ان کے لیے
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (262)
ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (262) اچھی
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ
بات کہنا اور معاف کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ دیا جائے[2] اور اللہ بے پروا
وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (263) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا
نہایت بردبار ہے (263) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ
اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال چکنے پتھر کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ
اس پر زور کی بارش ہو تو (ساری مٹی بہہ جائے اور) صاف چٹان رہ جائے[3] وہ (ریاکار) جو
عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (264)
نیکی کرتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (264)
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی رضا جوئی اور پوری دلجمعی سے اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس
وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
باغ کی سی ہے جو کسی اونچی سطح پر ہو[4] اس پر زور کی بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے، پھر اگر اس

نَفَقَات وصدقات کا عام اجر وثواب دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اس اہمیت وفضیلت کی وجہ بھی واضح ہے کہ جب تک سامان واسلحہ جنگ کا انتظام نہیں ہوگا، فوج کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی اور سامان و اسلحہ رقم کے بغیر مہیا کرنا مشکل ہے۔

[1] انفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا نہ زبان سے ایسا کلمۂ تحقیر ادا کرتا ہے جس سے کسی غریب، محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا، ان میں ایک احسان جتلانے والا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 106) [2] سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا یا دعائیہ کلمات (اللہ تعالیٰ تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے نوازے وغیرہ) سے اس کو جواب دینا قول معروف ہے اور مَغْفِرَةٌ کا مطلب سائل کے فقر اور اس کی حاجت کا لوگوں کے سامنے عدم اظہار اور اس کی پردہ پوشی ہے اور اگر سائل کے منہ سے کوئی نازیبا بات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی سائل سے نرمی وشفقت اور چشم پوشی، پردہ پوشی، اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں ذلیل ورسوا کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے: "اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ" (صحیح مسلم، حدیث: 1009) "پاکیزہ کلمہ بھی صدقہ ہے۔" نیز نبی ﷺ نے فرمایا: "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ" "تم کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر مت سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2626) [3] اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کر کے احسان جتلانا اور تکلیف دہ باتیں کرنا، اہل ایمان کا شیوہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو منافق ہیں اور ریاکاری کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ دوسرے، ایسے خرچ کی مثال صاف چٹان کی سی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس میں بیج بو دے لیکن بارش کا ایک جھٹکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پتھر کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی، اسی طرح ریاکار کو بھی اس کے صدقے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ [4] یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کا خرچ کیا ہوا مال اس باغ کی مانند ہے جو پرفضا مقام اور بلند چوٹی پر ہو کہ اگر زوردار بارش ہو تو اپنا پھل دگنا دے ورنہ ہلکی سی پھوار اور شبنم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے نفقات بھی، چاہے کم ہوں یا زیادہ، عنداللہ کئی کئی گنا اجر وثواب کے باعث ہوں گے۔ جَنَّةٍ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانک لیں یا وہ باغ، جس کے چاروں طرف باڑھ ہو اور باڑھ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ

Marfat.com

وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ
پر زور کی بارش نہ بھی ہو تو پھوار ہی (کافی ہے) اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھنے
فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
والا ہے ﴿265﴾ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک
لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
باغ ہو، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس باغ میں اس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں اور
الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ
اسے بڑھاپا آ جائے جبکہ اس کی اولاد کمزور ہو، پھر (اچانک) اس باغ پر ایسا بگولا آ پڑے
ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ
جس میں آگ ہو اور وہ اسے جلا کر رکھ دے؟[1] اس طرح اللہ تمھارے لیے آیتیں کھول کر
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾
بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ﴿266﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ
خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں[2]
وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ
اور مت ارادہ کرو (اللہ کی راہ میں) ردی اور خراب چیز خرچ کرنے کا جبکہ تم (خود) تو وہ
تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا
(چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے الا یہ کہ اس کی بابت تم چشم پوشی کر جاؤ،[3] اور جان لو کہ بے شک
اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ
اللہ تعالیٰ بے پروا ہے، قابل تعریف ہے ﴿267﴾ شیطان تمھیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمھیں

36 ع 6 4

ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے، جن اس مخلوق کا نام ہے جو نظر نہیں آتی، پیٹ کے بچے کو جنین کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا، دیوانگی کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور جنت کو بھی اس لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور ہے۔ ◌ بِرَبْوَةٍ نرم اور زرخیز زمین کو کہتے ہیں۔ ◌ وَابِلٌ تیز بارش۔

[1] اسی ریاکاری کے نقصانات کو واضح کرنے اور اس سے بچنے کے لیے مزید مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح ایک شخص کا باغ ہو جس میں ہر طرح کے پھل ہوں (اس سے بھرپور آمدنی کی امید ہو)، وہ شخص بوڑھا ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں (وہ خود بھی ضعف پیری اور کبرسنی کی وجہ سے محنت و مشقت سے عاجز ہو چکا ہو اور اولاد بھی اس کے بڑھاپے کا سہارا تو کیا خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو) اس حالت میں تیز و تند ہوائیں چلیں اور اس کا سارا باغ جل جائے۔ اب نہ وہ خود دوبارہ اس باغ کو آباد کرنے کے قابل رہا نہ اس کی اولاد۔ یہی حال ان ریاکار خرچ کرنے والوں کا قیامت کے دن ہوگا کہ نفاق و ریاکاری کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت چلے جائیں گے جبکہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت و فرصت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا یہی حال ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4538، وفتح القدير، وتفسير الطبري) [2] صدقے کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ مَنٌّ وَاَذًى (احسان جتلانے اور تکلیف دینے) اور ریاکاری سے پاک ہو (جیسا کہ گزشتہ آیات میں بتایا گیا ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار (تجارت و صنعت) کے ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”خبیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد مت کرو“، تو خبیث سے ایک تو وہ چیزیں مراد ہیں جو غلط کمائی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ حدیث میں ہے: «إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا» ”اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک (حلال) چیز ہی قبول فرماتا ہے۔“ دوسرے خبیث کے معنی ردی اور نکمی چیز کے ہیں، ردی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کی جائیں جیسا کہ آیت ◌ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ◌ کا بھی مفاد ہے۔ اس کی شان نزول کی روایت میں بتلایا گیا ہے کہ بعض لوگ جو خیر کی طرف رغبت نہیں رکھتے تھے خراب اور نکمی کھجوریں اہل صفہ کے لیے مسجد میں لٹکا جاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث: 2987) [3] یعنی جس طرح تم خود ردی چیزیں لینا پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ کی راہ میں بھی اچھی چیز ہی خرچ کرو۔

Marfat.com

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ

بے حیائی کا حکم دیتا ہے[1] اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا،

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ

خوب جاننے والا ہے ﴿268﴾ اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس شخص کو حکمت دی گئی تو

فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾

اسے بہت بھلائی عطا کی گئی[2] اور (ان باتوں سے) عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿269﴾

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور تم کسی قسم کا خرچ کرو یا کوئی بھی نذر مانو[3] تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے، اور ظالموں کا

يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿270﴾ اِنْ تُبْدُوا

کوئی مددگار نہیں ﴿270﴾ اگر تم ظاہر کر کے صدقات دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر تم

الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ

اسے چھپا کر فقیروں کو دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے[4] وہ (اللہ) تم سے

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ

تمھارے گناہ دور کر دے گا اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ

ہے ﴿271﴾ (اے نبی!) لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ

ہدایت دیتا ہے اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو، وہ تمھارے اپنے فائدے کے لیے

خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

ہے اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لیے کرتے ہو اور تم

---

[1] یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے۔ لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہو تو ایسے اندیشوں کو نزدیک بھی نہیں پھٹکنے دیتا۔ بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے لیے خفتہ آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی سے بڑی رقم بے دھڑک خرچ کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد، مدرسے یا اور کسی کار خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دو سو کے لیے بار بار اپنے حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور مانگنے والے کو بسا اوقات کئی کئی بار دوڑاتا اور پلٹاتا ہے۔ لیکن یہی شخص سینما، ٹیلی ویژن، شراب، بدکاری اور مقدمے بازی وغیرہ کے جال میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور تردد کا ظہور نہیں ہوتا۔ [2] حکمت سے بعض کے نزدیک عقل وفہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناسخ ومنسوخ کا علم وفہم، قوت فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب وسنت کا علم وفہم ہے، یہ سارے ہی مفہوم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صحیحین وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ''دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 73، وصحيح مسلم، حديث: 815) [3] نذر کا مطلب ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں ابتلا سے نجات مل گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا یا فلاں نیک عمل کروں گا۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نافرمانی یا ناجائز کام کی نذر مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ پورا نہ کرنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں نذر بھی نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے، جیسا کہ آج کل مشہور قبروں پر نذر ونیاز کا یہ سلسلہ عام ہے، اللہ تعالیٰ اس شرک سے بچائے۔ [4] اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے کسی ایسی صورت کے کہ علانیہ صدقہ دینے میں لوگوں کے لیے ترغیب کا پہلو ہو۔ اگر ریاکاری کا جذبہ شامل نہ ہو تو ایسے موقعوں پر پہل کرنے والے جو خاص فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، وہ احادیث سے واضح ہے۔ تاہم اس قسم کی مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے صدقہ وخیرات کرنا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ صدقے میں اخفا کی افضلیت کو بعض علماء نے صرف نفلی صدقات تک محدود رکھا ہے اور زکاۃ کی ادائیگی میں اظہار کو بہتر سمجھا ہے۔ لیکن قرآن کا عموم صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں کو شامل ہے۔ (ابن کثیر) اور حدیث کا عموم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

Marfat.com

اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ
اپنے مال میں سے جو خرچ کرو گے اس کا تمھیں پورا پورا صلہ دیا جائے گا[1] اور تم پر ظلم نہیں
لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
کیا جائے گا ﴿272﴾ (صدقات تو) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کے کاموں میں ایسے
اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ
مشغول ہوں کہ (اپنے روزگار کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہ کر سکتے ہوں،[2] ناواقف شخص
الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ
ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انھیں مال دار خیال کرے، تم انھیں ان کے چہروں سے
لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
پہچان لو گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے[3] اور تم اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿273﴾ۧ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ
کرتے ہو، بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ﴿273﴾ جو لوگ اپنے مال خرچ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ
کرتے ہیں رات اور دن میں، چھپا کر اور ظاہر، ان کے رب کے ہاں
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾
ان کے لیے اجر ہے، نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿274﴾ جو
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ
لوگ سود کھاتے ہیں[4] وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر

[1] تفسیری روایات میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کی مدد کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر لگا دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تم لوجہ اللہ جو بھی خرچ کرو گے، اس کا پورا اجر ملے گا جس سے یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم رشتے داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔ تاہم زکاۃ (ودیگر صدقات واجبہ) صرف مسلمانوں کا حق ہے یہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیے جاسکتے۔ [2] اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جو مکہ سے مدینہ آئے اور اللہ کے راستے میں ہر چیز سے کٹ گئے۔ لوجہ اللہ دینی علوم حاصل کرنے والے طلباء اور علماء بھی اس کی ذیل میں آسکتے ہیں۔ [3] گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر وغربت کے باوجود وہ التَّعَفُّفِ ”سوال سے بچنا“ اختیار کرتے اور اِلْحَافًا ”چمٹ کر سوال کرنا“ سے گریز کرتے ہیں۔ بعض نے اِلحاف کے معنی کیے ہیں: بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت عفت بیان کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح وزاری نہیں کرتے اور جس چیز کی انھیں ضرورت نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیشہ) لوگوں سے مانگے، اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ”مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک، دو دو لقمے کے لیے در در پر جا کر سوال کرتا ہے، مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے۔“ پھر نبی ﷺ نے آیت لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کا حوالہ پیش فرمایا (صحيح البخاري، حديث: 4539 وحديث: 1476) اس لیے پیشہ ور گداگروں کی بجائے، مہاجرین، دین کے طلباء، علماء اور سفید پوش ضرورت مندوں کا پتا چلا کر ان کی امداد کرنی چاہیے۔ جو سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی عزت نفس اور خودداری کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے کہ جس کے پاس (مَا يُغْنِي) ہو (اتنا سامان ہو جو اس کو کفایت کرتا ہو) لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے گا تو قیامت والے دن اس کے چہرے پر زخم ہوں گے۔ (سنن أبي داود، حديث: 1626، وسنن النسائي، حديث: 2593، وسنن ابن ماجه، حديث: 1840، وجامع الترمذي، حديث: 650) اور بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ لوگوں سے ہمیشہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث: 1474، وصحيح مسلم، حديث: 1040) [4] الرِّبٰوا کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اور شریعت میں اس کا اطلاق ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر ہوتا ہے۔ ربا الفضل، اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیاء میں (یا کیلی و وزنی اشیاء میں) کمی بیشی یا نقد وادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے)، مثلاً: گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے (يَدًا بِيَدٍ) ”ہاتھوں ہاتھ“ ہو۔ اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کی بجائے، ایک نقد اور دوسری ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی سود ہے۔ رِبَا النَّسِيئَة کا مطلب ہے کسی کو، (مثلاً:) 6 مہینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا کہ واپسی 125 روپے

Marfat.com

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ
بدحواس کر دیا ہو[1] یہ (سزا) اس لیے (ملے گی) کہ وہ کہتے تھے: تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے[2]، حالانکہ
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ
اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت
مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ
آجائے اور وہ (سود کھانے سے) باز رہے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا[3] اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿275﴾
ہے[4] اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ) کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿275﴾
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے[5] اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں
كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا
کرتا ﴿276﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور وہ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
زکاۃ ادا کرتے رہے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿277﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ
وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ فَاِنْ لَّمْ
چھوڑ دو اگر تم مومن ہو ﴿278﴾ پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے
تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ
تیار ہو جاؤ[6] اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں، نہ تم کسی پر ظلم کرو

ہو گی۔ 25 روپے 6 مہینے کی مہلت کے لیے جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے: «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا» (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: 4487/9) ''قرض پر لیا گیا نفع سود ہے۔'' یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے، دونوں قسم کے قرضوں پر لیا گیا سود حرام ہے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا۔ شریعت نے بغیر کسی قسم کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضہ (جو عام طور پر بینک سے لیا جاتا ہے) اس پر اضافہ، سود نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بینک کو یا قرض دہندہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کی قباحت ان متجددین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں، مثلاً: قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے۔ بلکہ منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بنک ہو یا کوئی ساہوکار) کا منافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی اور خود غرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمایہ دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے، چاہے معاشرے میں ضرورت مند بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شقاوت و سنگدلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال سود مطلقاً حرام ہے، چاہے ذاتی ضرورت کی خاطر لیے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔

[1] سود خور کی یہ کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان حشر میں ہوگی۔ [2] حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا ہے، جبکہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، علاوہ ازیں بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ [3] قبول ایمان کے بعد یا علم ہو جانے پر توبہ کے بعد پچھلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔ [4] کہ وہ توبہ پر ثابت قدم رہتا ہے یا سوءِ عمل اور فساد نیت کی وجہ سے اسے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد دوبارہ سود لینے والے کے لیے وعید ہے۔ [5] یہ سود کی معنوی اور روحانی مضرتوں اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن معنوی حساب سے یا مآل (انجام) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اب یورپی ماہرین معیشت بھی کرنے لگے ہیں۔ [6] یہ ایسی سخت

Marfat.com

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿279﴾ وَإِنْ كَانَ
اور نہ تم پر ظلم کیا جائے[1] ﴿279﴾ اور اگر (تمھارا مقروض) تنگدست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دو
ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ
اور تمھارا صدقہ کرنا (قرض معاف کر دینا) تو تمھارے لیے بہت بہتر ہے[2] اگر تم علم رکھتے
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿280﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ
ہو ﴿280﴾ اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص نے جو کچھ کیا ہو
ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿281﴾
گا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہو گا[3] ﴿281﴾ اے لوگو جو ایمان لائے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى
ہو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو[4] اور لکھنے
فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ
والے کو چاہیے کہ تمھارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کر دے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار
أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ
نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے اسے لکھنا چاہیے، اور وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے
الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ
قرض ہو[5] اور اسے اپنے رب، اللہ سے ڈرنا چاہیے اور (لکھواتے وقت) وہ (مقروض) اس
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ
میں سے کوئی چیز کم نہ کرے لیکن اگر وہ جس کے ذمے قرض ہے نادان یا کمزور ہو یا لکھوا نہ
هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ
سکتا ہو تو اس کا مختار انصاف کے ساتھ لکھوائے، اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو گواہ بنا
رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
لو، پھر اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں) جنھیں تم گواہوں کے

وعید ہے کہ قرآن مجید میں اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔ (ابن کثیر)

[1] تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمھاری طرف سے ظلم ہوگا اور اگر تمھیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔ [2] زمانۂ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے مہلت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور پر رحمت نظام الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت و افادیت کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔ [3] بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ (ابن کثیر) [4] جب سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقات وخیرات کی تاکید بیان کی گئی تو پھر ایسے معاشرے میں دیون (قرضوں) کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سود تو ویسے ہی حرام ہے اور ہر شخص صدقہ وخیرات کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر شخص صدقہ لینا پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر اپنی ضروریات وحاجات پوری کرنے کے لیے قرض ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا باعث بھی ہے۔ اس لیے اس آیت میں، جسے آیت الدین کہا جاتا ہے اور جو قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں ضروری ہدایات دی ہیں تا کہ یہ ناگزیر ضرورت لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ مدت کا تعین کر لو، دوسرا یہ کہ اسے لکھ لو، تیسرا یہ کہ اس پر مسلمانوں میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو۔ [5] اس سے مراد مقروض ہے، یعنی وہ اللہ سے ڈرتا ہوا رقم کی صحیح تعداد لکھوائے، اس میں کمی نہ کرے۔ آگے کہا جا رہا ہے کہ یہ مقروض اگر کم عقل یا کمزور بچہ یا مجنون ہے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھوا لے تا کہ صاحب حق (قرض دینے والے) کو نقصان نہ ہو۔

Marfat.com

تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا

طور پر پسند کرو[1] (یہ اس لیے) کہ ایک عورت اگر بھول جائے تو ان میں سے دوسری اسے یاد

الْاُخْرٰى ؕ وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا

دلا دے،[2] اور گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے مقررہ

اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ

مدت کے ساتھ لکھوانے میں سستی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور

اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ

گواہی کے لیے زیادہ درست طریقہ ہے اور (اس طرح) تمھارے شک میں پڑنے کا امکان

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ

بھی کم رہ جاتا ہے۔[3] ہاں، تم آپس میں نقد جو تجارتی لین دین کرو، اسے نہ لکھا جائے تو تم پر

اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ۪ وَلَا یُضَآرَّ

کوئی حرج نہیں[4] اور جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ بنالیا کرو اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ

جائے[5] اور اگر تم (ایسا) کرو گے تو یقیناً یہ تمھاری طرف سے نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرتے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿282﴾

رہو[6] اور اللہ تمھیں (یہ احکام) سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿282﴾ اور اگر تم

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ

سفر میں ہو اور تمھیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز گروی (رہن کے طور پر) قبضے میں دے[7]

1 یعنی جن کی دین داری اور عدالت پر تم مطمئن ہو۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس نص سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، نیز مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں، سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوسکتا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جبکہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھالے۔ فقہائے احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، جبکہ محدثین اس کے قائل ہیں کیونکہ حدیث سے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے اور دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی جائز ہوگا۔ (فتح القدیر) 2 یہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے، یعنی عورت عقل اور یادداشت میں مرد سے کمزور ہے (جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 304 و صحیح مسلم، حدیث: 79 میں بھی عورت کو ناقص العقل کہا گیا ہے) اس میں عورت کے استخفاف اور فروتری کا اظہار نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر مبنی ہے۔ مکابرۃً کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے لیکن حقائق و واقعات کے اعتبار سے یہ ناقابل تردید ہے۔ 3 یہ لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے، گواہی بھی درست رہے گی کہ گواہ کے بھولنے، شک کرنے، فوت یا غائب ہونے کی صورت میں بھی تحریر کام آئے گی کہ اسے یاد آجائے گا اور بھول اور شک دور ہوجائے گا اور شک وشبہ واختلاف سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ شک و اختلاف پڑنے کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کرلیا جاسکتا ہے۔ 4 نقد سودے کو نہ لکھنے میں گناہ تو نہیں، تاہم اس پر گواہ بنانا ضروری ہے بالخصوص جب فروخت شدہ چیز زیادہ قدر و قیمت والی ہو، مثلاً: زمین، مکان، دکان، باغ، حیوانات، گاڑیاں وغیرہ۔ جبکہ بعض مفسرین نے اسے امر ارشادی (بہتر حکم) کہا ہے۔ (أیسر التفاسیر، وتفسیر اللباب: 504/4) 5 ان کو ستانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلایا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیات میں حرج یا کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو جھوٹی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔ 6 یعنی جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرو۔ 7 اگر سفر میں قرض کا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور وہاں لکھنے والا یا کاغذ پنسل وغیرہ نہ ملے تو اس کی متبادل صورت بتلائی جارہی ہے کہ قرض لینے والا کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس رہن (گروی) رکھ دے۔ اس سے گروی کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس جو کے بدلے گروی رکھی تھی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2513) تاہم اگر مَرْهُونَةٌ (گروی رکھی ہوئی چیز) ایسی ہے جس سے نفع موصول ہوتا ہے تو اس نفع کا حق دار مالک ہوگا نہ کہ دائن۔ البتہ اس پر دائن کا اگر کچھ خرچ ہوتا ہے تو اس سے وہ اپنا خرچہ وصول کرسکتا ہے۔ باقی نفع مالک کو ادا کرنا ضروری ہے اور اگر مرہونہ چیز دودھ والا جانور ہو یا سواری والا تو اس پر خرچہ کے بدلے اس جانور کا دودھ لے لینا اور اس پر سواری کرنا دائن (قرض دینے والے) کے لیے جائز ہے جیسا کہ

Marfat.com

مَقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى
دی جائے، اور اگر تم میں سے کوئی دوسرے پر اعتبار کرے تو جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہوا سے
اؤْتُمِنَ اَمٰنَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا
چاہیے کہ دوسرے کی امانت واپس ادا کردے اور اپنے رب، اللہ سے ڈرے[1] اور تم گواہی نہ
الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے[2] اور جو عمل تم کرتے ہو
ع 39 2 7 تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ
اللہ اسے خوب جانتا ہے (283) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے (سب) اللہ ہی کا ہے اور
وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ
تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، خواہ اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے
بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
گا،[3] پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر خوب

بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔

[1] یعنی اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو بغیر گروی رکھے بھی ادھار کا معاملہ کر سکتے ہو۔ امانت سے مراد یہاں قرض ہے، اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے صحیح طریقے سے ادا کرے۔ [2] گواہی کا چھپانا کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر سخت وعید یہاں قرآن میں اور احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی لیے صحیح گواہی دینے کی فضیلت بھی بڑی ہے، صحیح مسلم کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”وہ سب سے بہتر گواہ ہے جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی از خود گواہی کے لیے پیش ہو جائے۔“ «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا» (صحيح مسلم، حديث: 1719) ایک دوسری روایت میں بدترین گواہ کی نشاندہی بھی فرما دی گئی ہے۔ «اَلَّذِينَ يَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدُوا» (صحيح البخاري، حديث: 6428، و صحيح مسلم، حديث: 2534 واللفظ له) ”یہ وہ لوگ ہیں جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی گواہی دیتے ہیں۔“ مطلب ہے جھوٹی گواہی دے کر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، نیز آیت میں دل کا خاص ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ کتمان دل کا فعل ہے۔ علاوہ ازیں دل تمام اعضاء کا سردار ہے اور یہ (مُضْغَہ) گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر یہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں فساد آ جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے: «أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» (صحيح البخاري، حديث: 52) [3] احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام بڑے پریشان ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نماز، روزہ، زکاۃ اور جہاد وغیرہ یہ سارے اعمال، جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہم بجا لاتے ہیں کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت ہی سے ماورا ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرما دیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: فی الحال تم ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ہی کہو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ سمع و طاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“ سے منسوخ فرما دیا۔ (ابن كثير و فتح القدير) صحیحین و سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ» (صحيح البخاري، حديث: 2528، وصحيح مسلم، حديث: 127) ”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے، البتہ ان پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار زبان سے کر دیا جائے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر محاسبہ نہیں ہوگا، صرف ان پر محاسبہ ہوگا جو پختہ عزم و ارادہ میں ڈھل جائیں یا عمل کا قالب اختیار کر لیں۔ اس کے برعکس امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ محاسبہ معاقبہ کو لازم نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا بھی محاسبہ کرے، اس کو سزا بھی ضرور دے بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا کرے گا لیکن بہت سے لوگ ہوں گے کہ محاسبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا بلکہ بعض کے ساتھ تو یہ معاملہ فرمائے گا کہ اس کا ایک ایک گناہ یاد کرا کے ان کا اس سے اعتراف کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالے رکھا، جا آج بھی میں ان کو معاف کرتا ہوں ۔ یہ حدیث صحيح البخاري (حديث: 6070)، و صحيح مسلم (حديث: 2768) میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں نسخ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اسے وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے دل میں جو شبہ اس آیت سے پیدا ہوا تھا، اسے آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ اور

Marfat.com

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿284﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ
قادر ہے﴿284﴾ رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے
اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ
ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ
پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک
وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ
میں بھی فرق نہیں کرتے[1] اور وہ کہتے ہیں: ہم نے (حکم) سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم
الْمَصِيْرُ ﴿285﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا
تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے﴿285﴾ اللہ کسی کو اس کی برداشت سے
كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ
بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، کسی شخص نے جو نیکی کمائی اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو اس نے برائی
نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا
کی اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت
كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
نہ کر۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟
رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش
وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾
دے، اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما﴿286﴾

ع 40 / 8

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 200 | رُكُوْعَاتُهَا: 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿2﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ
الٓمّٓ ①وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے② [2] اسی

حدیث: «إنّ اللّٰہ تجاوز لي عن أمّتي ......» وغیرہ سے دور کر دیا گیا۔ اس طرح ناسخ منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

[1] اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی بات کا مکلف نہیں کیا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہو۔ ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں۔‘‘ (صحیح البخاري، حدیث: 4008، وصحیح مسلم، حدیث: 807) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب رات کے قیام سے کافی ہو جانا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: نبی ﷺ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: 173) کئی روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورت کی آخری آیات نبی ﷺ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ (مسند أحمد: 147/4، والسنن الکبرٰی للنسائي: 15/5، والمعجم الکبیر للطبراني: 283/17، وشعب الإیمان للبیهقي: 461/2، حدیث: 2404، والمستدرک للحاکم: 562/1، وسنن الدارمي: 321/2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔ (ابن کثیر) ❋ یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں مختلف اوقات میں ہجرت کے بعد اتری ہیں۔ اور اس کا ابتدائی حصہ، یعنی 83 آیات تک عیسائیوں کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے جو 9 ہجری میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ عیسائیوں نے آ کر نبی ﷺ سے اپنے عیسائی عقائد اور اسلام کے بارے میں مذاکرہ و مباحثہ کیا، جس کا رد کیا گیا، پھر جب جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اظہارِ حق اور دلائل کے باوجود وفد نجران نے راہ عناد اختیار کی تو آخری فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا اور انھیں دعوت مباہلہ دی گئی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ کیا جائے۔ [2] اَلْحَيُّ اور اَلْقَيُّوْمُ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں، حي کا مطلب وہ ازل سے زندہ ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔ قیوم کا مطلب ساری کائنات کا قائم رکھنے والا، محافظ اور نگران، ساری کائنات اس کی محتاج وہ کسی کا محتاج نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ یا ابن اللہ یا تین آلہہ (معبودوں)

Marfat.com

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ

نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے[1] جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی

التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (3) مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ

ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا (3) اس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت کے لیے[2] اور

الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

اسی نے فرقان (قرآن) نازل کیا[3] بے شک وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا

شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (4) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى

ان کے لیے شدید عذاب ہے اور اللہ انتہائی غالب، بدلہ لینے والا ہے (4) بے شک اللہ سے

عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (5) هُوَ الَّذِيْ

زمین اور آسمان میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں (5) وہی ہے جو (تمھاری ماؤں کے) پیٹوں میں

يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

تمھاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے[4] اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب، خوب حکمت

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (6) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ

والا ہے (6) وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں کچھ آیات محکم (واضح) ہیں جو

اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

اس کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور کچھ دوسری متشابہات (غیر واضح) ہیں،[5] پھر جن لوگوں کے دل

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ

میں ٹیڑھ ہے وہ ان میں سے انھی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ (غیر واضح) ہیں،

مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ؕ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ

ان کا مقصد محض فتنے اور تاویل کی تلاش ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کی تاویل

میں سے الٰہ (معبود) ایک مانتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانۂ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت عرصے بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمھارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انھیں مخلوق کی بجائے الوہی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا، نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے بھی ہمکنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے بقول ہمکنار ہو چکے۔ احادیث میں آتا ہے کہ تین آیتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی۔ ایک یہی آل عمران کی آیت۔ دوسری آیت الکرسی میں ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ تیسری سورۂ طٰہٰ میں ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ (ابن کثیر، تفسیر آیت الکرسی)

[1] یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ [2] اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے، یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں، ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر یہ کسی اور کی طرف سے یا انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا تو ان میں باہم مطابقت کی بجائے مخالفت ہوتی۔ [3] یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں، اس لیے کہ ان کے اتارنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ تاہم اس کے بعد ﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ دوبارہ کہہ کر وضاحت فرما دی کہ اب تورات و انجیل کا دور ختم ہو گیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے، وہ فرقان ہے اور اب صرف وہی حق و باطل کی پہچان ہے، اس پر ایمان لائے بغیر عند اللہ کوئی مسلمان اور مومن نہیں۔ [4] خوب صورت یا بد صورت، مذکر یا مؤنث، نیک بخت یا بد بخت، ناقص الخلقت یا تام الخلقت۔ جب رحم مادر میں یہ سارے تصرفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ کس طرح ہو سکتے ہیں جو خود بھی اسی مرحلۂ تخلیق سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں جس کا سلسلہ اللہ نے رحم مادر میں قائم فرمایا ہے۔ [5] ﴿مُّحْكَمٰتٌ﴾ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم بذاتِ خود واضح اور اٹل ہے یا دیگر دلائل سے اس کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہو اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس آیات متشابہات ہیں، مثلاً: حروف مقطعات، قضاء و قدر کے مسائل، حقیقت ملائکہ وغیرہ، یعنی ماورائے عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات: استوا، علو، قدم، چہرہ وغیرہ معنی کے لحاظ سے محکم اور کیفیت کے لحاظ سے متشابہ ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ: 26/5) وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے "فتنے" برپا کرتے ہیں، جیسے عیسائی ہیں۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبد اللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات

Marfat.com

اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ
نہیں جانتا[1] اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں: ہمارا ان (متشابہات) پر ایمان ہے، یہ
مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿7﴾
سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں⑦ (وہ
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ
دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر
لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿8﴾ رَبَّنَآ
اور عطا کر ہمیں اپنے پاس سے رحمت، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے⑧ اے ہمارے
اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
رب! یقیناً تو لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ اپنے
لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿9﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ
وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا⑨ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی
عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
اولاد اللہ (کے عذاب) سے (بچانے میں) ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گی اور وہی لوگ
هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿10﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ
آگ کا ایندھن ہیں⑩ (ان کا انجام) آل فرعون اور ان لوگوں کا سا ہوگا جو ان سے پہلے
قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
تھے، انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں پکڑ لیا اور
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿11﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ
اللہ سخت سزا دینے والا ہے⑪ (اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے کہہ دیجیے: عنقریب
وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿12﴾ قَدْ
تم مغلوب ہو جاؤ گے[2] اور تم جہنم کی طرف اکٹھے کیے (ہانکے) جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے⑫
كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ
تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو (بدر میں) باہم ٹکرائے۔ ایک گروہ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ
اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو اپنے سے دوگنا دیکھ
الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
رہے تھے[3] ظاہری آنکھوں سے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے، بے شک اس میں

ہے۔ لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے، اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں۔ یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے ہیں، وہ انھی متشابہات کو بنیاد بناتے ہیں اور بسا اوقات محکمات کو بھی اپنے فلسفیانہ استدلال کے گورکھ دھندے سے متشابہات بنا دیتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔ ان کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان محکمات پر عمل کرتا ہے اور متشابہات کے مفہوم کو بھی (اگر اس میں اشتباہ ہو) محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ قرآن نے انھی کو ''اصل کتاب'' قرار دیا ہے۔ جس سے وہ فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور عقائد کی گمراہی سے بھی۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ۔

[1] تاویل کے ایک معنی تو ہیں: ''کسی چیز کی اصل حقیقت۔'' اس معنی کے اعتبار سے اِلَّا اللّٰهُ پر وقف ضروری ہے، کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں: ''کسی چیز کی تفسیر و تعبیر اور بیان و توضیح۔'' اس اعتبار سے اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کی بجائے وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ پر بھی وقف درست ہے کیونکہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں۔ ''تاویل'' کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از ابن کثیر) [2] یہاں کافروں سے مراد یہودی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی جلد ہی پوری ہوگئی۔ چنانچہ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلاوطن کیے گئے، بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ پھر خیبر فتح ہوگیا اور تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔ (فتح القدیر) [3] بعض نے اس کے برعکس ترجمہ کیا ہے، یعنی مسلمان کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے دونوں صورتوں میں مسلمانوں کی مدد کرنے ہی کا اثبات ہوتا ہے۔ پہلے ترجمے کی رُو سے کافروں پر مسلمانوں کا رعب طاری ہوگیا کہ مسلمان ان کو دو ہزار نظر آئے۔ دوسرے ترجمے کی رُو سے مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ ہوگیا کہ ان کو کافر ہزار کے بجائے چھ یا سات سو کے قریب نظر آئے۔ بعض صحابہ نے اس کی تعبیر اس طرح سے کی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا 313) تھی، انھیں کافر 600 اور 700 کے درمیان نظر آتے تھے۔ درآں حالیکہ ان کی اصل تعداد ہزار کے قریب (3 گنا) تھی۔

Marfat.com

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ
بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے⑬ لوگوں کے لیے خواہشات نفس کی محبت مزین
مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
(پرکشش) کر دی گئی ہے[1] یعنی عورتوں کی، بیٹوں کی، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ
ڈھیروں کی، نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں کی، مویشیوں کی اور کھیتی کی، یہ سب دنیاوی
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ قُلْ
زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے⑭ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں
اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ
تمھیں ان سے بہتر چیز بتاؤں؟ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن

مقصد اس سے مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ اپنے سے تین گنا دیکھ کر ممکن تھا کہ مسلمان مرعوب ہو جاتے۔ جب وہ تین گنا کی بجائے دوگنا نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ یہ دگنا دیکھنے کی کیفیت اس وقت تھی جب دونوں گروہ آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔ جبکہ ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تاکہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریز نہ کرے بلکہ ہر ایک لڑائی کے لیے تیار ہو جائے۔ (تفسیر حدائق الروح والریحان) یہ تفصیل سورۂ انفال، آیت: 44 میں بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے جو ہجرت کے بعد دوسرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نہایت اہم جنگ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی۔ دوسرے، یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ تو بچا کر لے گیا لیکن کفار مکہ اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدر میں یہ پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تیسرے، اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی، چوتھے، اس میں کافروں کو عبرت ناک شکست ہوئی، جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

[1] الشَّهَوٰتِ سے مراد یہاں مُشْتَهَیَاتٌ ہیں، یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی لیے ان میں رغبت اور ان کی محبت ناپسندیدہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے۔ ان کی تزْیین بھی اللہ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ (الکھف 7:18) ''ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں۔'' سب سے پہلے عورت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر بالغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے زیادہ مرغوب بھی۔ خود نبی ﷺ کا فرمان ہے: «حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ وَالطِّيبُ» (مسند أحمد: 199/3) ''عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہیں۔'' اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو ''دنیا کی سب سے بہتر متاع'' قرار دیا ہے: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» اس لیے اس کی محبت شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے تو یہ بہترین رفیق زندگی بھی ہے اور زاد آخرت بھی۔ ورنہ یہی عورت مرد کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: «مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» (صحیح البخاري، حدیث: 5096) ''میرے بعد جو فتنے رونما ہوں گے، ان میں مردوں کے لیے سب سے بڑا مضر فتنہ عورتوں کا ہے۔'' اسی طرح بیٹوں کی محبت ہے۔ اگر اس سے مقصد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور بقاو تکثیر نسل ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں قیامت والے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔'' اس آیت سے رہبانیت کی بھی اور تحریک خاندانی منصوبہ بندی کی بھی تردید ہوتی ہے کیونکہ الْبَنِيْنَ جمع ہے۔ مال و دولت سے بھی مقصود قیام معیشت، صلہ رحمی، صدقہ وخیرات اور اسے امور خیر میں خرچ کرنا اور سوال سے بچنا ہے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو اس کی محبت بھی عین مطلوب ہے ورنہ مذموم۔ گھوڑوں سے مقصد جہاد کی تیاری، دیگر جانوروں سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لینا اور زمین سے اس کی پیداوار حاصل کرنا ہو تو یہ سب پسندیدہ ہیں اور اگر مقصود محض دنیا کمانا اور پھر اس پر فخر وغرور کا اظہار کرنا اور یاد الٰہی سے غافل ہو کر عیش وعشرت سے زندگی گزارنا ہے تو یہ سب مفید چیزیں اس کے لیے وبال جان ثابت ہوں گی۔ الْقَنَاطِيْر قِنطارٌ (خزانہ) کی جمع ہے۔ مراد ہے خزانے، یعنی سونے چاندی اور مال ودولت کی فراوانی اور کثرت۔ الْمُسَوَّمَةِ وہ گھوڑے جو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑے گئے ہوں یا جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں یا نشان زدہ، جن پر امتیاز کے لیے کوئی نشان یا نمبر لگا دیا جائے۔ (فتح القدیر وابن کثیر)

Marfat.com

جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ
کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں[1] گے اور وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں
مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿15﴾
گی[2] اور انھیں اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور اللہ اپنے بندوں پر خوب نظر رکھنے والا ہے ﴿15﴾ جو لوگ
اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے، پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿16﴾ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ
کے عذاب سے بچا ﴿16﴾ (یہ لوگ) صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، حکم بجا لانے والے، خرچ
وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿17﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ
کرنے والے اور سحری کے اوقات میں بخشش طلب کرنے والے ہیں ﴿17﴾ اللہ نے گواہی دی ہے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ
کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں فرشتوں اور اہل علم نے بھی (گواہی دی ہے)[3] درآں حالیکہ وہ انصاف
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿18﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ
کے ساتھ قائم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ انتہائی غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿18﴾ بے شک اللہ
الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
کے نزدیک دین صرف اسلام ہے[4] اور اہل کتاب نے (صحیح) علم آ جانے کے بعد صرف اس لیے

النصف

[1] اس آیت میں اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی مت کھو جانا بلکہ ان سے بہتر تو وہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہے، جس کے مستحق اہل تقویٰ ہی ہوں گے۔ اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو اگر یہ تمھارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین و دنیا کی بھلائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لو گے۔ [2] پاکیزہ، یعنی وہ دنیاوی میل کچیل، حیض و نفاس اور دیگر آلودگیوں سے پاک ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی۔ اس سے اگلی دو آیات میں اہل تقویٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔ [3] شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اس کے ذریعے سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (فتح القدیر) فرشتے اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے، تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب و سنت کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ (فتح القدیر) [4] اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا، یہ اسلام نہیں نہ اس سے ہی نجات آخرت ملے گی۔ ایمان و اسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے، محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا جائے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمانیات کے ساتھ ساتھ وہ عقائد و اعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عند اللہ قبول نہیں ہوگا۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ ... فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (آل عمران 85:3) نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔
... اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الأعراف 158:7) ''کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''
... الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○ (الفرقان 1:25) ''برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو۔'' اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنے، پھر مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا، وہ جہنمی ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 153) مزید فرمایا: بُعِثْتُ ... الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ» (مسند أحمد: 145/5، وصحیح مسلم، حدیث: 152) ''میں احمر و اسود (تمام انسانوں کے لیے) نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' اسی لیے آپ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ (صحیحین بحوالہ ابن کثیر)

Marfat.com

مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اختلاف کیا کہ وہ باہم ضد اور حسد رکھتے تھے[1] اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے[2] تو بے شک

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿19﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿19﴾ (اے نبی!) پھر اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجیے: میں

وَجْهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا ہے اور میرا اتباع کرنے والوں نے بھی، اور ان اہل کتاب اور ان

وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۚ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

پڑھ لوگوں[3] سے پوچھیں: کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿20﴾ اِنَّ

منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچانا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿20﴾

الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں

حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

کو بھی قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں[4] تو آپ انھیں دردناک عذاب کی

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿21﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ

خوشخبری سنا دیجیے! ﴿21﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے اور

اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿22﴾

ان کا کوئی مددگار نہیں ﴿22﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کے علم میں سے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ

کچھ حصہ ملا، انھیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے،

اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾

پھر ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے اور وہ حق سے پھرنے والے ہیں ﴿23﴾ یہ[5] اس وجہ سے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

ہے کہ انھوں نے کہا: ہمیں آگ چند دنوں کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ اور ان کو ان کے

مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ فَكَيْفَ

دین کی بابت ان باتوں نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جو وہ خود گھڑتے ہیں ﴿24﴾[6] پھر کیا حال ہو

اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

گا جب ہم انھیں اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور (اس روز) ہر شخص کو اس کی

[1] ان کے اس باہمی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں برپا کر رکھا تھا، مثلاً: یہودیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں، اسی طرح عیسائیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں۔ پھر وہ اختلاف بھی مراد ہے جو اہل کتاب کے درمیان آپس میں تھا۔ اور جس کی بنا پر یہودی نصرانیوں کو اور نصرانی یہودیوں کو کہا کرتے تھے: ''تم کسی چیز پر نہیں ہو۔'' نبوت محمدی اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ سارے اختلافات دلائل کی بنیاد پر نہیں تھے، محض حسد اور بغض وعناد کی وجہ سے تھے، یعنی وہ لوگ حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض اپنے خیالی دنیاوی مفاد کے چکر میں غلط بات پر جمے رہتے اور اس کو دین باور کراتے تھے۔ تاکہ ان کی ناک بھی اونچی رہے اور ان کا عوامی حلقۂ ارادت بھی قائم رہے۔ افسوس آج بعض علماء ان ہی غلط مقاصد کے لیے ٹھیک اسی غلط ڈگر پر چل رہے ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَ اِيَّانَا۔ [2] یہاں ان آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے دین الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ [3] ان پڑھ لوگوں سے مراد مشرکین عرب ہیں جو اہل کتاب کے مقابلے میں بالعموم ان پڑھ تھے۔ [4] یعنی ان کی سرکشی و بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی انھوں نے ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان تک کو بھی قتل کر ڈالا جو عدل وانصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ نبیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت وفضیلت بھی واضح کر دی۔ [5] ان اہل کتاب سے مراد مدینے کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام، مسلمانوں اور نبی ﷺ کے خلاف مکروہ سازشوں میں مصروف رہے تاآنکہ ان کے دو قبیلوں کو جلاوطن اور ایک قبیلے کو قتل کر دیا گیا۔ [6] یعنی کتاب اللہ کے ماننے سے گریز واعراض کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے۔ اور انھی من گھڑت باتوں نے انھیں دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے۔

Marfat.com

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ
کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿25﴾[1] آپ کہہ دیجیے: اے
تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ
اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ
لیتا ہے اور تو ہی جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ
ہی ہاتھ میں ہے،[2] بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿26﴾ تو رات کو دن میں اور دن کو رات
فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ
میں داخل کرتا ہے[3] اور تو مردے سے زندے کو اور زندے سے مردے کو نکالتا ہے[4] اور جسے تو
الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ
چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿27﴾ اہل ایمان، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
بنائیں[5] اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں الا یہ کہ تم ان (کافروں کے
فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ
شر) سے بچنا چاہو[6] اور اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تمھیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا
جانا ہے ﴿28﴾ آپ کہہ دیجیے: اگر تم وہ بات چھپاؤ جو تمھارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو،
فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
اللہ اسے جانتا ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز

[1] قیامت والے دن ان کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ بے لاگ انصاف کے ذریعے سے ہر نفس کو، اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا، کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ [2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات کا مالک وہی ہے۔ اَلْخَيْرُ بِيَدِكَ کی بجائے بِيَدِكَ الْخَيْرُ (خبر کی تقدیم) سے مقصود تخصیص ہے، یعنی تمام بھلائیاں صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔ ''شر'' کا خالق بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ذکر صرف خیر کا کیا گیا ہے، شر کا نہیں۔ اس لیے کہ خیر اللہ کا فضل محض ہے، بخلاف شر کے کہ یہ انسان کے اپنے عمل کا بدلہ ہے جو اسے پہنچتا ہے یا اس لیے کہ شر بھی اس کے قضا و قدر کا حصہ ہے جو خیر کو متضمن ہے، اس اعتبار سے اس کے تمام افعال خیر ہیں۔ فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا خَيْرٌ (فتح القدير) [3] رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب موسمی تغیرات ہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے تو دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور دوسرے موسم میں اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی رات کا حصہ دن میں اور کبھی دن کا حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات اور دن چھوٹے یا بڑے ہو جاتے ہیں۔ [4] جیسے نطفہ (مردہ) پہلے زندہ انسان سے نکالتا ہے پھر اس مردہ (نطفہ) سے انسان۔ اسی طرح مردہ انڈے سے پہلے مرغی اور پھر زندہ مرغی سے انڈہ (مردہ) یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا فرماتا ہے۔ [5] اَوْلِيَآءَ وَلِيٌّ کی جمع ہے۔ ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے محبت اور خصوصی تعلق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرة 2: 257) یعنی ''اللہ اہل ایمان کا ولی ہے۔'' مطلب یہ ہوا کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے محبت اور خصوصی تعلق ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔ کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تا کہ اہل ایمان کافروں کی موالات (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے (جس کی تفصیل سورۂ ممتحنہ میں ہے) کیونکہ یہ سارے معاملات، موالات (دوستی و محبت) سے مختلف ہیں۔ [6] یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿29﴾ يَوْمَ تَجِدُ
پر خوب قادر ہے ﴿29﴾ جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اچھے عمل کو اور اپنے کیے ہوئے برے
كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ
عمل کو اپنے سامنے پائے گا، وہ خواہش کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائی کے درمیان
تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ
دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں سے بڑی شفقت
وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿30﴾ ع قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
کرتا ہے ﴿30﴾ آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو،[1] اللہ تم سے محبت
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿31﴾
کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا[2] اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿31﴾
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
آپ کہہ دیجیے: تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک
الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿32﴾[3] بے شک اللہ نے آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم اور آل عمران کو
وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿33﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ
تمام جہانوں میں سے (نبوت کے لیے) چن لیا ہے ﴿33﴾[4] یہ ایک دوسرے کی اولاد تھے[5] اور اللہ

3 ع 10 11

[1] یہود اور نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعظیم و محبت میں جو اتنا غلو کیا کہ انھیں درجۂ الوہیت پر فائز کر دیا، اس کی بابت بھی ان کا خیال تھا کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دعووں اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کا اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبت الٰہی کا طالب اگر اتباع محمد ﷺ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یقیناً وہ کامیاب ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح مسلم، حديث: 1718) ”جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، یعنی ہمارے بتلائے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو وہ مسترد ہے۔“ [2] یعنی اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے تمھارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے۔ [3] اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں حجیت حدیث کے منکرین اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا. [4] انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے مریم علیہا السلام کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام مفسرین نے حنة بنت فاقوذ لکھا ہے۔ (تفسير القرطبي و ابن كثير) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آل عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انھیں مسجود ملائک بنایا، انھیں اسماء کا علم عطا کیا اور انھیں جنت میں رہائش پذیر کیا، جس سے پھر انھیں زمین میں بھیج دیا گیا جس میں اس کی بہت سی حکمتیں تھیں۔ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انھیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا گیا جب لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا، انھیں عمر طویل عطا کی گئی، انھوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی لیکن چند افراد کے سوا، کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بالآخر آپ کی بددعا سے اہل ایمان کے سوا، دوسرے تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا۔ آل ابراہیم کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان میں انبیاء و سلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ حتی کہ کائنات میں علی الاطلاق سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے، اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔ [5] یا دوسرے معنی ہیں دین میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ

خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿34﴾ جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں

اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ

نے منت مانی ہے کہ جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے، وہ تیرے ہی لیے وقف ہے[1] چنانچہ تو

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿35﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ

(اسے) مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿35﴾ پھر جب اس

رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ

نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی: میرے رب! بے شک میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے اور اللہ خوب جانتا

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ

تھا جو اس نے جنا تھا اور لڑکا (اس) لڑکی کی مثل نہیں[2] اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا[3]

اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿36﴾ فَتَقَبَّلَهَا

ہے اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ﴿36﴾[4] چنانچہ

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ

اس کے رب نے اس (لڑکی) کو اچھے طریقے سے قبول کرلیا اور اس کی بہت اچھی پرورش کی اور

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ

زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا[5] زکریا جب بھی محراب میں داخل ہوتے تو اس کے پاس کچھ کھانے

قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

پینے کی چیزیں پاتے،[6] وہ کہتے: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آئیں؟ وہ کہتی: یہ اللہ کی طرف

اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿37﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا

سے (آئی) ہیں، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿37﴾ وہیں زکریا نے اپنے

[1] مُحَرَّرًا ''تیرے ہی لیے وقف'' کا مطلب تیری عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف۔ [2] اس جملے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور اعتذار بھی۔ حسرت، اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور اعتذار اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقے سے کرسکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہی ہے۔ (فتح القدیر) [3] حافظ ابن کثیر نے اس آیت سے اور دیگر احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچے کا نام ولادت کے پہلے روز رکھنا درست ہے اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تمام احادیث پر بحث کر کے آخر میں لکھا ہے کہ پہلے روز، تیسرے روز یا ساتویں روز نام رکھا جا سکتا ہے، اس مسئلے میں گنجائش ہے۔ وَالْأَمْرُ فِيهِ وَاسِعٌ (تحفة المودود، ص: 110) اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مَس کرتا (چھوتا) ہے جس سے وہ چیختا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مس شیطان سے حضرت مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا ہے۔ مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِينَ يُولَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا (صحيح البخاري، حديث: 4548، وصحيح مسلم، حديث: 2366) حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھی، اس لیے بھی، علاوہ ازیں اپنے وقت کے پیغمبر ہونے کے لحاظ سے بھی وہی سب سے بہتر کفیل بن سکتے تھے جو حضرت مریم علیہا السلام کی مادی ضروریات اور علمی و اخلاقی تربیت کے تقاضوں کا صحیح اہتمام کر سکتے تھے، اس لیے قرعہ ان کے نام نکلا۔

الْمِحْرَابَ سے مراد حجرہ ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام رہائش پذیر تھیں۔ رزق سے مراد پھل فروٹ ہیں۔ یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے، گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں ان کے کمرے میں موجود ہوتے، دوسرے حضرت زکریا علیہ السلام یا کوئی اور شخص لاکر دینے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے از راہ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی طرف سے۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے، یعنی جو ظاہری، مخفی، اور عادی تمام اسباب کے خلاف ہو۔ یہ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں۔ تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ معجزہ اور کرامت، جب چاہے، صادر کر کے دکھا دے۔ اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی تو دلیل ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے، جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انھیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اس کی مزید وضاحت بعض معجزات کے ضمن میں آئے گی۔ إن شاء الله.

Marfat.com

رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ
رب سے دعا کی، کہا: میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو ہی دعا
اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿38﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ
سننے والا ہے (38) پھر جب وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو فرشتوں نے اُسے آواز دی:
يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ
بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے[1] وہ اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے
مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿39﴾ قَالَ
گا[2] اور سردار اور پارسا اور نیکوکاروں میں سے نبی ہوگا (39) زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے
رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۚ
ہاں لڑکا کیونکر ہوگا جبکہ میں خود بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرشتے نے کہا: اللہ اسی
قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿40﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ
طرح جو چاہے کرتا ہے (40) زکریا نے کہا: میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ
اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ
نے کہا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے اشارے کے سوا بات چیت نہ کر سکے گا
ع 4/11/12 وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿41﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ
اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کر اور صبح و شام اس کی تسبیح کر (41)[3] اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے
الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ
کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں
عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿42﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ
میں سے تجھے منتخب کیا ہے (42)[4] اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں
وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ
کے ساتھ رکوع کر (43) (اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ
آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا

1 بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ انھوں نے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ 2 اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ ایک قول کی رو سے دونوں آپس میں خالہ زاد تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے، سورۂ مریم، آیت: 8 کا حاشیہ) سَيِّدًا کے معنی ہیں سردار حَصُوْرًا کے معنی ہیں: گناہوں سے پاک، یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا کہ ان کو ان سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی حصور بمعنی محصور، بعض نے اس کے معنی نامرد کے کیے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک عیب ہے جبکہ یہاں ان کا ذکر مدح اور فضیلت کے طور پر کیا گیا ہے۔ 3 بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوش خبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے تو لوگوں سے ہم کلام نہیں ہو سکے گا جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تو اس خاموشی میں کثرت سے صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کیا کرتا کہ اس نعمت الٰہی کا، جو تجھے ملنے والی ہے، شکر ادا ہو۔ یہ گویا سبق دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری طلب کے مطابق تمھیں مزید نعمتوں سے نوازے تو اسی حساب سے اس کا شکر بھی زیادہ سے زیادہ کرو۔ 4 حضرت مریم علیہا السلام کا یہ شرف وفضل ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی خَيْرُ نِسَاءِهَا ''سب عورتوں میں بہتر'' کہا گیا ہے۔ (متفق علیہ) ایک اور روایت میں ہے: مردوں میں تو بہت کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ (فرعون کی بیوی) اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3411، وصحيح مسلم، حديث: 2431) اور سنن ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ بنت محمد ﷺ کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے (ابن کثیر) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی یا یہ کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں فضیلت رکھتی تھیں۔ واللہ أعلم.

Marfat.com

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

سرپرست ہو اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے ﴿44﴾ [1] جب فرشتوں

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ

نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے [2] اس کا نام

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، [3] وہ دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں

وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿45﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا

میں سے ہوگا ﴿45﴾ اور وہ لوگوں سے ماں کی گود میں اور بڑی عمر میں بھی کلام کرے گا [4] اور

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿46﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ

نیکوکاروں میں سے ہوگا ﴿46﴾ مریم نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ

يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا

مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا؟ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ

[1] آج کل کے اہل بدعت نے نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ان کے اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اس آیت سے ان دونوں عقیدوں کی واضح تردید ہوتی ہے۔ اگر نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ''ہم غیب کی خبریں آپ کو بیان کر رہے ہیں۔'' کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو، اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا اور اسی طرح حاضر و ناظر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب لوگ قرعہ اندازی کے لیے قلمیں ڈال رہے تھے۔ قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت مریم ؑ کی کفالت کے اور بھی کئی خواہش مند تھے۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی صداقت کا اثبات بھی ہے جس میں یہودی اور عیسائی شک کرتے تھے کیونکہ وحی شریعت پیغمبر ہی پر آتی ہے، غیر پیغمبر پر نہیں۔ [2] حضرت عیسیٰ ؑ کو کلمہ، یعنی کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس، باپ کے بغیر، اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمۂ کُن کی تخلیق ہے۔ [3] ﴿اَلْمَسِيْحُ﴾ مسح سے ہے أَيْ مَسِيحُ الْأَرْضِ یعنی کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا ہیں کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر مریضوں کو باذن اللہ شفایاب فرماتے تھے۔ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ یا تو بمعنی مفعول، یعنی مَمْسُوحُ الْعَيْنِ ''اس کی ایک آنکھ کانی ہوگی'' کے اعتبار سے ہے یا وہ بھی چونکہ کثرت سے دنیا میں پھرے گا اور مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے سوا ہر جگہ پہنچے گا، اس لیے اسے بھی اَلْمَسِيحُ الدَّجَّالِ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدير) عام اہل تفسیر نے عموماً یہی بات درج کی ہے۔ کچھ اور محققین کہتے ہیں کہ مسیح یہود و نصاریٰ کی اصطلاح میں بڑے مَاْمُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ پیغمبر کو کہتے ہیں، یعنی ان کی یہ اصطلاح تقریباً اولو العزم پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ دجال کو مسیح اس لیے کہا گیا ہے کہ یہود کو جس انقلاب آفریں مسیح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کے وہ غلط طور پر اب بھی منتظر ہیں، دجال اسی مسیح کے نام پر آئے گا، یعنی اپنے آپ کو وہی مسیح قرار دے گا۔ مگر وہ اپنے اس دعویٰ سمیت تمام دعووں میں دجل و فریب کا اتنا بڑا پیکر ہوگا کہ اولین و آخرین میں اس کی کوئی مثال نہ ہوگی اس لیے وہ الدجال کہلائے گا۔ اور عیسیٰ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عربی اور عَاسَ يَعُوسُ سے مشتق ہے جس کے معنی سیاست و قیادت کے ہیں۔ (تفسیر القرطبي، و فتح القدير) [4] حضرت عیسیٰ ؑ کے مہد (گہوارے) میں گفتگو کرنے کا ذکر اس آیت کے علاوہ سورۂ مریم میں بھی ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں دو اور بچوں کا ذکر ہے۔ ایک صاحب جریج اور ایک بنی اسرائیلی عورت کا بچہ۔ (صحيح البخاري، حديث: 3436) اس روایت میں جن تین بچوں کا ذکر ہے، ان سب کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے کیونکہ ان کے علاوہ صحیح مسلم میں اصحاب الاخدود کے قصے میں بھی شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ بعض نے ان کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ صحیحین کی روایت میں مذکور بچے گہوارے میں بولنے والے تھے، جبکہ کھائی میں گرنے والا بچہ گہوارے میں نہیں تھا۔ اس طرح ان کے مابین منافات نہیں رہتی۔ اور شاہد یوسف، حضرت ابن عباس ؓ سے مروی اثر کے مطابق بچہ نہیں تھا (جیسا کہ مشہور ہے) بلکہ وہ ذولحیہ (داڑھی والا) تھا۔ (السلسلة الضعيفة: 273/2) ﴿كَهْلًا﴾ (ادھیڑ عمر) میں کلام کرنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ بڑے ہو کر وحی اور رسالت سے سرفراز کیے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا قیامت کے قریب جب آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے تو اس وقت جو وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے، وہ کلام مراد ہے۔ (تفسیر ابن كثير و القرطبي)

Marfat.com

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿47﴾ وَيُعَلِّمُهُ
کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے﴿47﴾[1] اور اللہ اسے
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿48﴾ وَرَسُوْلًا
کتاب[2] وحکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا﴿48﴾ اور اسے بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول
اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ
مقرر کرے گا (وہ کہے گا:) بے شک میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانیاں لے کر آیا
اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ
ہوں، بے شک میں تمھارے لیے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں[3] پھر اس میں پھونک
فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ
مارتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے[4] پیدائشی اندھے
وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا
اور برص والے (کوڑھی) کو اچھا کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں بتاتا
تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، بے شک اس میں تمھارے
لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿49﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم مومن ہو﴿49﴾ اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں جو تورات مجھ
يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
سے پہلے (نازل کی گئی) ہے اور تاکہ میں تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر
حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
حرام کر دی گئی تھیں[5] اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں، چنانچہ تم اللہ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿50﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ
سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿50﴾ بے شک اللہ میرا اور تمھارا رب ہے، چنانچہ اسی کی عبادت
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ
کرو، یہی سیدھا راستہ ہے﴿51﴾ پھر[6] جب عیسیٰ نے ان میں کفر محسوس کیا[7] تو ان سے کہا: اللہ کی راہ

[1] تیرا تعجب بجا لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ وظاہریہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر دے۔ [2] کتاب سے مراد بعض کے نزدیک کتابت (لکھنا) ہے اور انھوں نے یہی ترجمہ کیا ہے یا انجیل وتورات کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا۔ (قرطبي) یا تورات وانجیل، الکتاب اور الحکمة کی تفسیر ہے۔ [3] اَخْلُقُ لَكُمْ أَيْ أُصَوِّرُ وَأُقَدِّرُ لَكُمْ (قرطبي) یعنی خلق یہاں پیدائش کے معنی میں نہیں ہے، اس پر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ یہاں اس کے معنی ظاہری شکل وصورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔ [4] دوبارہ بِاِذْنِ اللّٰهِ ''اللہ کے حکم سے'' کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں۔ نہیں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہی ہوں۔ یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے، معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا، انھیں ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے، جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہوگئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انھیں مردہ کو زندہ کر دینے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا گیا جو کوئی بھی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم ﷺ کے دور میں شعر وادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انھیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اور ادباء و شعراء عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ (ابن کثیر) [5] اس سے مراد یا تو وہ بعض چیزیں ہیں جو بطور سزا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی تھیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو ان کے علماء نے اپنے طور پر حرام کر رکھی تھیں، اللہ کا حکم نہیں تھا۔ (تفسیر القرطبي) یا ایسی چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو انھوں نے آپس کے جھگڑوں کے نتیجے میں غلط طور پر حرام قرار دے لی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس غلطی کا ازالہ کر کے انھیں حلال قرار دیا۔ (ابن کثیر) [6] یعنی میرا اور تمھارا خالق اور پرورش کرنے والا اللہ ہی ہے، لہٰذا جب خالق و مربی وہ ہے تو عبادت کے لائق بھی وہی ہے تو تم سب اسی کی عبادت کرو۔ اس لیے سیدھا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ [7] یعنی

Marfat.com

اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا
میں کون میرا مددگار بنے گا؟[1] حواریوں نے کہا:[2] ہم اللہ کے انصار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں
بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ
اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں ﴿52﴾ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو تو نے نازل
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾ وَمَكَرُوْا
کیا اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے، چنانچہ ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے ﴿53﴾ اور انھوں
وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾ ع اِذْ قَالَ اللّٰهُ
نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے[3] ﴿54﴾ جب اللہ نے
يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ
کہا: اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے پورا لے لونگا اور اپنی طرف اٹھا لونگا[4] اور ان کافروں
كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى
سے تجھے پاک کر دونگا[5] اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی، انھیں کافروں پر قیامت
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ
تک غالب رکھوں گا[6] پھر تمھیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور میں تمھارے درمیان

الربع 5 ع 13 13

ایسی گہری سازشیں اور مشکوک حرکتیں جو کفر، یعنی حضرت مسیح کی رسالت کے انکار پر مبنی تھیں۔

[1] بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں تنگ آ کر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشعور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتدا میں، جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے تاکہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کہا اور نبی ﷺ کی انھوں نے قبل ہجرت اور بعد ہجرت مدد کی۔ اسی طرح یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ یہ وہ مدد نہیں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے طلب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو شرک ہے اور ہر نبی شرک کے سدباب ہی کے لیے آتا رہا ہے، پھر وہ خود شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن قبر پرستوں کی غلط روش قابل افسوس ہے کہ وہ فوت شدہ اشخاص سے مدد مانگنے کے جواز کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول: ﴿ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ﴾ سے استدلال کرتے ہیں؟ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ [2] ﴿ اَلْحَوَارِیُّوْنَ ﴾ حَوَارِيّ کی جمع ہے بمعنی انصار (مددگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ» (صحيح البخاري، حديث: 2846) ”ہر نبی کا کوئی مددگار خاص ہوتا ہے اور میرا مددگار زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے۔“ [3] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیر نگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھا، وہ کافر تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھر دیے کہ یہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ بغیر باپ کے اور فسادی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی جگہ ان کے ہم شکل ایک آدمی کو انھوں نے سولی دے دی اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے ”مکر“ عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ کو خیر الماکرین کہا گیا ہے۔ گویا مکر، سَيِّءٌ (برا) بھی ہو سکتا ہے، اگر غلط مقصد کے لیے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لیے ہو۔ [4] (اَلْمُتَوَفِّي) کا مصدر تَوَفِّي اور مادہ وَفْيٌ ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسی لیے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیے جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ ﴿ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی اے عیسیٰ! میں تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعض نے اس کے مجازی معنی کے شہرت استعمال کے مطابق موت ہی کے معنی کیے ہیں لیکن اس کے ساتھ انھوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، یعنی لفظ ﴿ وَرَافِعُكَ ﴾ کو مؤخر رکھا گیا ہے اور ﴿ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ کو مقدم، یعنی ترتیب اس طرح ہے کہ میں تجھے اٹھانے والا ہوں اور (دوبارہ نزول کے بعد مقررہ وقت پر) فوت کرنے والا ہوں، یعنی یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدير و ابن كثير) [5] اس سے مراد ان الزامات سے پاکیزگی ہے جن

Marfat.com

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿55﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

ان باتوں کا فیصلہ کر دونگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿55﴾ پھر جن لوگوں نے کفر کیا،

شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿56﴾

انھیں میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دونگا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿56﴾

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ انھیں ان کا پورا پورا اجر دے

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿57﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿57﴾ (اے نبی!) یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں،

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿58﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ

آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ﴿58﴾ بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿59﴾ اَلْحَقُّ مِنْ

سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا ﴿59﴾ (یہ) آپ

رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿60﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ

کے رب کی طرف سے حق ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿60﴾ پھر علم

بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا

آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم

وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود بھی (حاضر ہوں)

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿61﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

پھر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو ﴿61﴾[1] بے شک یہی بیان سچا

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿62﴾

ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿62﴾

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿63﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ

ع 6 9 14

پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿63﴾ آپ کہہ

الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ

دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ

اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا

کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں[2] اور ہم

سے یہودی آپ کو متہم کرتے تھے، نبی ﷺ کے ذریعے سے آپ کی صفائی دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔ [6] اس سے مراد یا تو نصاریٰ کا وہ دنیاوی غلبہ ہے جو یہودیوں پر قیامت تک رہے گا، گو وہ اپنے غلط عقائد کی وجہ سے نجات اخروی سے محروم ہی رہیں گے۔ یا امت محمدیہ کے افراد کا غلبہ مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے اور ان کے صحیح اور غیر محرف دین کی پیروی کرتے ہیں۔

[1] یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں: دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت، یعنی بد دعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرما۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ 9 ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ جو غلو آمیز عقائد رکھتے تھے اس پر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ نبی ﷺ نے دلائل دیے لیکن وفد نجران نے عناد کی راہ اختیار کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلا لو اور پھر مل کر جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کریں۔ اس موقع پر بہت سے صحابہ بھی موجود تھے (صحیح البخاري، حديث: 4380) عیسائیوں نے باہم مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرما دیا جس کی وصولی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو، جنھیں آپ ﷺ نے امین امت کا خطاب عنایت فرمایا تھا، ان کے ساتھ بھیجا۔ (ملخص از تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر) اس سے اگلی آیت میں اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کو دعوت توحید دی جا رہی ہے۔ [2] کسی بت کو نہ صلیب کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت رہی ہے۔

Marfat.com

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا
میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے[1] پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات
مُسْلِمُوْنَ ﴿64﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ
کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ﴿64﴾[2] اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے
وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ
بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد ہی نازل
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ
کی گئی ہیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿65﴾[3] آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس
عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ
بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا
جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟[4] اور اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے ﴿66﴾ ابراہیم
وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ
نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ صرف حق پرست، فرمانبردار تھے[5] اور
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ
وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿67﴾ بے شک ابراہیم سے قریب تر وہی لوگ ہیں
اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ
جنھوں نے ان کی پیروی کی، اور یہ نبی اور مومن لوگ[6] اور اللہ مومنوں کا دوست

[1] یہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر کی ربوبیت (رب ہونے) کا جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے یہ غلط ہے، وہ رب نہیں ہیں انسان ہی ہیں۔ دوسرا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اپنے احبار و رہبان کو حلال و حرام کرنے کا جو اختیار دے رکھا ہے، یہ بھی ان کو رب بنانا ہے جیسا کہ آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ الآية (التوبة 9:31) اس پر شاہد ہے، تمھارا یہ عمل بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ حلال و حرام کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) [2] صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ہرقل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور اس میں اسے اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دہرا اجر ملے گا، ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا۔ «فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، أَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الأَرِيسِيِّينَ» (صحيح البخاري، حديث: 7) ''اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔ اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہو گا۔'' کیونکہ رعایا کے عدم قبول اسلام کا سبب تو ہی ہو گا۔ اس آیت میں مذکور تین نکات، یعنی ① صرف اللہ کی عبادت کرنا ② اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ③ اور کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا، وہ کلمۂ سواء ہے جس پر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ لہٰذا اس امت کے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے بھی ان ہی تینوں نکات اور اس کلمۂ سواء کو بدرجہ اولیٰ اساس و بنیاد بنانا چاہیے۔ [3] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات، جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے اور انجیل جسے عیسائی مانتے تھے، دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کس طرح ہو سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا اور حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ (تفسير القرطبي) [4] تمھارے علم و دیانت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمھیں علم ہے، یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت تمھارے جھگڑے (جس کا ذکر پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے) بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا مظہر بھی۔ تو پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں سرے سے علم ہی نہیں ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت حنیفیہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید و اخلاص پر ہے [5] حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ''یک طرفہ خالص مسلمان'' یا ''حق پرست، فرماں بردار'' یعنی شرک سے بیزار اور صرف خدائے واحد کے پرستار۔ [6] مراد نبی کریم ﷺ اور مومنین صادقین ہیں کیونکہ شریعت اسلامیہ، ملت حنیفیہ کے سب سے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیمی کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے: اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ (النحل 16:123) علاوہ ازیں حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ وَلِيِّي أَبِي وَخَلِيلُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ» (جامع الترمذي، حديث: 2995) ''ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ خاص دوست ہوتے ہیں، میرے ولی

Marfat.com

الْمُؤْمِنِينَ ﴿68﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ
ہے ﴿68﴾ اہل کتاب میں سے ایک گروہ تمھیں گمراہ کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ ہی
وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿69﴾ يَٰٓأَهْلَ
کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے ﴿69﴾ [1] اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا
الْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ اللَّهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿70﴾
انکار کیوں کرتے ہو، حالانکہ تم خود (ان کی سچائی کے) گواہ ہو؟ ﴿70﴾ [2] اے اہل
يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ
کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو؟ اور تم جانتے بوجھتے حق کو
وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿71﴾ ع وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ ءَامِنُوا۟ (ع 7/8/15)
کیوں چھپاتے ہو؟ ﴿71﴾ [3] اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے (اپنے لوگوں سے) کہا: مسلمانوں
بِالَّذِىٓ أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوٓا۟ ءَاخِرَهُۥ
پر جو چیز نازل کی گئی ہے اس پر تم صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو تاکہ وہ بھی
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿72﴾ وَلَا تُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ
(ایمان سے) پھر جائیں ﴿72﴾ [4] اور تم اسی کا یقین کرو جو تمھارے دین کا پیروکار ہے [5] آپ کہہ
قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰٓ أَحَدٌ مِّثْلَ
دیجیے: حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے [6] (اور کہتے ہیں: مت مانو) کہ کسی کو ویسی چیز مل
مَآ أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَآجُّوكُمْ عِندَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ إِنَّ
سکتی ہے جو تمھیں ملی ہے [7] یا (جس سے) وہ تمھارے رب کے ہاں تم پر حجت قائم کر سکیں۔ کہہ
الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۗ وَاللَّهُ وَٰسِعٌ
دیجیے: بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت
عَلِيمٌ ﴿73﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
والا، خوب جاننے والا ہے ﴿73﴾ وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل

(دوست) میرے باپ اور میرے رب کے خلیل (ابراہیم) ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

[1] یہ یہودیوں کے اس حسد وبغض کی وضاحت ہے جو وہ اہل ایمان سے رکھتے تھے اور اسی عناد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ [2] گواہ ہونے کا مطلب ہے کہ تمھیں نبی کریم ﷺ کی صداقت وحقانیت کا علم ہے۔ [3] اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کر کے انھیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے، پہلا جرم حق وباطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق اور باطل واضح نہ ہو سکے۔ دوسرا کِتمانِ حق، یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے، انھیں لوگوں سے چھپانا تاکہ نبی ﷺ کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے۔ اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بدبختی دو چند ہو گئی تھی۔ ان کے جرائم کی نشان دہی سورۂ بقرہ میں بھی کی گئی ہے: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (البقرۃ 2: 42) ''حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق مت چھپاؤ اور تم جانتے ہو۔'' اہل کتاب کے لفظ کو بعض مفسرین نے عام رکھا ہے، جس میں یہود ونصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یعنی دونوں کو ان جرائم مذکورہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف وہ قبائل یہود ہیں جو مدینے میں رہائش پذیر تھے۔ بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا براہ راست انھی سے معاملہ تھا اور یہی نبی ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بعد کے یہودیوں میں یہ اوصاف موجود نہیں ہوں گے۔ [4] یہ یہودیوں میں سے ایک فرقے کے ایک اور مکر کا ذکر ہے۔ جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے باہم طے کیا کہ صبح کو مسلمان ہو جائیں اور شام کو پھر اپنے دین میں واپس آ جائیں۔ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو کہ یہ لوگ قبول اسلام کے بعد دوبارہ اپنے دین میں واپس چلے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ اسلام میں ایسے عیوب اور خامیاں ہوں جو ان کے علم میں آئی ہوں۔ [5] یہ آپس میں انھوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب (یہود) کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت رکھنا۔ [6] یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے ان کے مکر وحیلہ کی اصل حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے حیلوں سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت دے دے یا دینا چاہے، تمھارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ [7] یہ بھی یہودیوں کا قول ہے اور اس کا عطف وَلَا تُؤْمِنُوٓا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمھارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے، یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور اس طرح یہودیت کے

Marfat.com

الْعَظِيْمِ ﴿74﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ
والا ہے﴿74﴾[1] اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس خزانے کا ڈھیر امانت
يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ
رکھیں تو وہ بھی آپ کو ادا کر دیں گے اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک
اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ
دینار امانت رکھیں تو وہ آپ کو ادا نہیں کریں گے الا یہ کہ آپ ہمیشہ ان (کے سر) پر کھڑے رہیں۔
عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ
یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہم پر اُمیوں (عربوں) کی بابت کوئی گناہ نہیں اور وہ جانتے بوجھتے اللہ پر
يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
جھوٹ باندھتے ہیں﴿75﴾[2] کیوں نہیں! (بلکہ مؤاخذہ ہوگا، البتہ) جو شخص اپنا عہد پورا کرے اور اللہ سے
الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ
ڈرے تو بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے﴿76﴾[3] بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی
ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت کے روز اللہ ان
اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ
سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک
اَلِيْمٌ ﴿77﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ
عذاب ہے﴿77﴾[4] اور بے شک ان میں سے ایک گروہ کتاب پڑھتے ہوئے زبان کو
لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
مروڑتا ہے تا کہ تم اسے کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور کہتے

سوا کوئی اور دین بھی حق ہوسکتا ہے۔

[1] اس آیت کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ دن چڑھتے ایمان لاؤ اور دن اترتے کفر کرو تا کہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذبذب ہو کر مرتد ہو جائیں تو ان شاگردوں کو مزید یہ تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہرًا مسلمان ہونا، حقیقتًا اور واقعتًا مسلمان نہ ہو جانا بلکہ یہودی ہی رہنا۔ اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمھیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے یا تمھارے بجائے کوئی اور حق پر ہے جو تمھارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے۔ اور تمھیں غلط ٹھہرا سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر يُؤْتٰى رَبِّكُمْ تک یہود کا قول ہوگا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمھیں اس بات کا غم اور جلن ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی و شریعت اور دین تمھیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو کیوں دے دیا گیا۔ دوسرا تمھیں یہ اندیشہ اور خطرہ بھی ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمھیں دنیا میں جو جاہ و وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا۔ بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمھارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے۔ حالانکہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے۔ اور یہ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے۔ [2] الْاُمِّيّٖنَ ''ان پڑھ، جاہل'' سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ان کا مال ہڑپ کر لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کا مال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی یہ سن کر فرمایا کہ ''اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا، زمانۂ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے ہیں، سوائے امانت کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی، چاہے وہ کسی نیکوکار کی ہو یا بدکار کی۔'' (ابن کثیر و فتح القدیر) افسوس ہے کہ یہود کی طرح آج بعض مسلمان بھی مشرکین کا مال ہڑپ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دارالحرب کا سود جائز ہے۔ لیکن ان کا علمی دوغلا پن دیکھیے کہ جس ملک کو دارالحرب کہہ کر اس طرح کا مال کھاتے ہیں اس سے لڑنے کے لیے کبھی تنکا بھی نہیں اٹھاتے۔ [3] ''اپنا عہد پورا کرے'' کا مطلب، وہ عہد پورا کرے جو اہل کتاب سے یا ہر نبی کے واسطے سے ان کی امتوں سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا ہے اور ''اللہ سے ڈرے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچے اور ان باتوں پر عمل کرے جو نبی ﷺ نے بیان فرمائیں۔ ایسے لوگ یقیناً مواخذۂ الٰہی سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ محبوب باری تعالیٰ ہوں گے۔ [4] مذکورہ افراد کے برعکس دوسرے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرح کے لوگوں کو شامل ہے ایک تو وہ لوگ

Marfat.com

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى
ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر
اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿78﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ
اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں (78) [1] کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت
اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا
اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے
عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ
بن جاؤ، بلکہ (وہ کہے گا:) تم رب والے بن جاؤ [2] کیونکہ تم اس کتاب کی
تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿79﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ
تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو (79) اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں
تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ
اور نبیوں کو رب بنالو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا جبکہ تم مسلمان ہو چکے؟ (80) [4] اور (یاد کرو) جب
8 9 16 بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿80﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ
اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر

جو عہد الٰہی اور اپنی قسموں کو پس پشت ڈال کر تھوڑے سے دینی مفادات کے لیے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2356، وصحيح مسلم، حديث: 138) نیز فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنا سودا بیچتا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 106) متعدد احادیث میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (ابن كثير و فتح القدير) [1] یہ یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے کتاب الٰہی (تورات) میں نہ صرف تحریف وتبدیلی کی بلکہ دو جرم اور بھی کیے ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف حقیقت تأثر دینے میں وہ کامیاب رہتے۔ دوسرے، وہ اپنی خود ساختہ باتوں کو من عند اللہ باور کراتے۔ بدقسمتی سے امت محمدیہ کے مذہبی پیشواؤں میں بھی، نبی ﷺ کی پیش گوئی «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» ''تم اپنے سے پہلی امتوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے۔'' کے مطابق بکثرت ایسے لوگ ہیں جو دنیوی اغراض یا جماعتی تعصب یا فقہی جمود کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں۔ پڑھتے قرآن کی آیت ہیں اور مسئلہ اپنا خود ساختہ بیان کرتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے مسئلہ قرآن سے بیان کیا ہے، درآں حالیکہ اس مسئلے کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یا پھر آیات میں معنوی تحریف و ملمع سازی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ باور یہی کرایا جائے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. [2] یہ عیسائیوں کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ بنایا ہوا ہے، حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنھیں کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پجاری اور بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ رَبّٰنِيّٖنَ، رَبَّانِي واحد جو رب کی طرف منسوب ہے، نون اور الف کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے بڑی داڑھی والے کو لِحْيَانِيٌّ، بڑی لٹوں والے کو جُمَّانِيٌّ اور موٹی گردن والے کو رَقَبَانِيٌّ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدير) [3] یعنی کتاب اللہ کی تعلیم وتدریس کے نتیجے میں رب کی شناخت اور رب سے خصوصی ربط وتعلق قائم ہونا چاہیے۔ اسی طرح کتاب اللہ کا علم رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیں تو کسی اور کو یہ حق کیوں کر حاصل ہوسکتا ہے؟ اس میں ان علماء و مشائخ کے لیے سخت زجر وتوبیخ ہے جو اپنی طرف سے شریعت سازی کرتے ہیں۔ (تفسير ابن كثير) [4] یعنی نبیوں اور فرشتوں (یا کسی اور) کو رب والی صفات کا حامل باور کرانا یہ کفر ہے۔ تمھارے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک نبی یہ کام بھلا کس طرح کرسکتا ہے؟ کیونکہ نبی کا کام تو ایمان کی دعوت دینا ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول میں یہ بات بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدير) اور بعض نے اس کی شان نزول میں یہ کہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت و پرستش کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ
ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی[1] اللہ نے فرمایا: کیا تم
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ
اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (81) فَمَنْ
اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں (81) پھر اس کے بعد
تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (82) اَفَغَيْرَ دِيْنِ
جو بھی منہ موڑے گا تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں (82)[2] کیا وہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی
اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ چاہتے اور نہ چاہتے
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (83) قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
ہوئے بھی اللہ کا فرمانبردار ہے[3] اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے (83) آپ کہہ دیجیے: ہم
وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا، اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
اور ان کی اولاد پر (نازل کیا گیا) اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں[4] کو

اللہ کی پناہ، اس بات سے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں، اللہ نے مجھے نہ اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن كثير بحواله سيرة ابن هشام)

[1] یعنی ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دور نبوت میں اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہوگا، جب نبی کی موجودگی میں آنے والے نئے نبی پر خود اس نبی کا ایمان لانا ضروری ہے تو ان کی امتوں کے لیے تو اس نئے نبی پر ایمان لانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ سے الرَّسُول کا مفہوم مراد لیا ہے، یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ اگر ان کے دور میں وہ آ جائیں تو اپنی نبوت ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلے معنی میں یہ دوسرا مفہوم از خود ہی آ جاتا ہے۔ اس لیے الفاظ قرآن کے اعتبار سے پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ نبوت محمدی کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے اوراق پڑھ رہے تھے تو نبی ﷺ یہ دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔“ (مسند أحمد: 266/4، و سنن الدارمي ايضًا: 78/1 وحسنه الألباني، تعليق المشكاة: 68/1) بہرحال اب قیامت تک واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور نجات انھی کی اطاعت میں منحصر ہے نہ کہ کسی امام کی تقلید یا کسی بزرگ کی بیعت میں۔ جب کسی پیغمبر کا سکہ اب نہیں چل سکتا تو کسی اور کی ذات غیر مشروط اطاعت کی مستحق کیونکر ہو سکتی ہے؟ اِصْر بمعنی عہد اور ذمہ ہے۔ [2] یہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اور دیگر اہل مذاہب کو تنبیہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد بھی ان پر ایمان لانے کی بجائے، اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عہد کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے واسطے سے ہر امت سے لیا اور اس عہد سے انحراف کفر ہے۔ فسق یہاں کفر کے معنی میں ہے کیونکہ نبوت محمدی سے انکار صرف فسق نہیں، سراسر کفر ہے۔ [3] جب آسمان اور زمین کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے باہر نہیں، چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ تو پھر تم اس کے سامنے سرافگندگی (قبول اسلام) سے کیوں گریز کرتے ہو؟ اگلی آیات میں ایمان لانے کا طریقہ بتلا کر (کہ ہر نبی اور ہر منزل کتاب پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے) پھر کہا جا رہا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہوگا، کسی اور دین کے پیروکاروں کے حصے میں سوائے گھاٹے کے اور کچھ نہیں آئے گا۔ [4] یعنی تمام سچے نبیوں پر ایمان لانا کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کی طرف سے مبعوث تھے، نیز ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی بابت بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمانی کتابیں تھیں جو واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، ضروری ہے۔ گو اب عمل صرف قرآن کریم ہی پر ہوگا کیونکہ قرآن نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔

Marfat.com

وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ
ان کے رب کی طرف سے دی گئیں، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿84﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا
اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں﴿84﴾ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿85﴾ كَيْفَ
اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگا﴿85﴾ اللہ
يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ
ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، جبکہ وہ گواہی
الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
دے چکے کہ بے شک رسول (ﷺ) برحق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکیں
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿86﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ
؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿86﴾ ان لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی،
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿87﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا
فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے﴿87﴾ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے نہ
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿88﴾ إِلَّا الَّذِينَ
تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی﴿88﴾ مگر جن لوگوں نے
تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا
رَّحِيمٌ ﴿89﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا
ہے﴿89﴾[1] بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا،[2] پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے، ان
لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿90﴾ إِنَّ الَّذِينَ
کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی[3] اور وہی لوگ گمراہ ہیں﴿90﴾ بے شک جن لوگوں نے
كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ
کفر اختیار کیا اور حالت کفر میں مرے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا
مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
جائے گا اگرچہ وہ فدیے میں دینا چاہے۔ انھی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور
أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿91﴾ ع
ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا﴿91﴾[4]

[1] انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ هَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ ''کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟'' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (سنن النسائي، حديث: 4073، وصحيح ابن حبان: 329/10، و المستدرك للحاكم: 366/4) ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے کیونکہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض وعناد اور سرکشی سے حق سے اعراض و انکار کیا۔ تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، اس کی توبہ قابل قبول ہے۔ [2] اس آیت میں ان کی سزا بیان کی جا رہی ہے جو مرتد ہونے کے بعد توبہ کی توفیق سے محروم رہیں اور کفر پر ان کا انتقال ہو۔ [3] اس سے وہ توبہ مراد ہے جو موت کے وقت ہو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں بھی قبولیت توبہ کا اثبات ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توبہ کی اہمیت اور قبولیت کو بیان فرمایا ہے: وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (الشورىٰ 25:42) أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (التوبة 104:9) ''کیا انھوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' اور احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت سے مراد آخری سانس کی توبہ ہے جو نامقبول ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ایک اور مقام پر ہے: وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ (النساء 18:4) ''ان کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو برائی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت آتی ہے تو کہتا ہے میری توبہ۔'' حدیث میں بھی ہے: «إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ» (مسند أحمد: 132/2، وجامع الترمذي، حديث: 3537، و صحيح الجامع الصغير: 386/1) ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اس پر حالت نزع طاری نہ ہو جائے۔'' یعنی جان کنی کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔ [4] حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہلکے ترین

Marfat.com

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ
تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک ان چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جنھیں تم
شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿92﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ
پسند کرتے ہو[1] اور تم جو بھی چیز خرچ کروگے تو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے﴿92﴾ [2] بنی
اِسۡرٰٓءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرٰٓءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ
اسرائیل کے لیے تمام کھانے حلال تھے سوائے ان چیزوں کے جنھیں تورات نازل ہونے سے
اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ
پہلے یعقوب نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ تم تورات لے آؤ اور
صٰدِقِيۡنَ ﴿93﴾ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ
اسے پڑھو اگر تم سچے ہو[3] ﴿93﴾ اس کے بعد جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا، وہی لوگ ظالم
ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿94﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوۡا
ہیں﴿94﴾ کہہ دیجیے: اللہ نے سچ کہا، پس تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو حق پرست تھا اور
مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿95﴾ اِنَّ اَوَّلَ
مشرکین میں سے نہ تھا﴿95﴾ بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے

عذاب والے جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا تو اس عذاب نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا: ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا جبکہ تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔" (صحيح البخاري، حديث: 6557) اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ اس نے اگر دنیا میں کچھ اچھے کام بھی کیے ہوں گے تو کفر کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہی جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن جدعان کی بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا، کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں، کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔" (صحيح مسلم، حديث: 214) دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر یہ چاہے کہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ اور اگر بالفرض اس کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں اور انھیں دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ اس سے وہ معاوضہ یا فدیہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ (البقرة 2:123) "اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش ہی اسے فائدہ پہنچائے گی۔" فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ ○ (إبراهيم 14:31) "اس دن میں کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی (ہی کام آئے گی۔)"

[1] اَلۡبِرَّ "نیکی بھلائی" سے مراد یہاں عمل صالح یا جنت ہے۔ (فتح القدير) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاری، جو مدینہ میں اصحاب حیثیت میں سے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بیرحاء باغ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "وہ تو بہت نفع بخش مال ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔" چنانچہ آپ کے مشورے سے انھوں نے اسے اپنے اقارب اور عم زادوں میں تقسیم کردیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4554، والفتح الرباني: 15/178) اسی طرح اور بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیں۔ مِمَّا تُحِبُّوۡنَ میں مِنۡ تَبۡعِيض کے لیے ہے، یعنی ساری پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ۔ اس لیے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اچھی چیز صدقہ کی جائے۔ یہ افضل اور اکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمتر چیز یا اپنی ضرورت سے زائد فالتو چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جاسکتا یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی یقیناً جائز اور باعث اجر ہے گو کمال و افضلیت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے۔ [2] تم جو کچھ بھی خرچ کروگے، اچھی یا بری چیز، اللہ اسے جانتا ہے، اس کے مطابق جزا سے نوازے گا۔ [3] یہ اور مابعد کی دو آیتیں یہود کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جبکہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ دین ابراہیمی میں حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہود کا دعویٰ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ ہاں، البتہ بعض چیزیں اسرائیل (حضرت یعقوب) نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں اور وہ یہی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا۔ (اس کی ایک وجہ نذر یا بیماری تھی)

Marfat.com

بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿96﴾
جو مکہ میں ہے[1] وہ تمام دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے﴿96﴾ اس میں واضح
فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ
نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوجائے، وہ امن والا ہو جاتا ہے[2]
وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ
، اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے
وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿97﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ
ہوں[3] اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بے پروا ہے﴿97﴾[4] (اے نبی!) کہہ
الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا
دیجیے: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ تم
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿98﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ
کرتے ہو﴿98﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اس شخص کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے
اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا وَّ اَنۡتُمۡ شُہَدَآءُ ؕ وَ مَا
ہو جو ایمان لے آیا؟ تم چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھے راستے پر چلے، حالانکہ تم خود اس (کے سیدھی
اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿99﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا
راہ پر ہونے) کے گواہ ہو[5] اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے﴿99﴾ اے لوگو جو
اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ
ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے
بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿100﴾ وَ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ
کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے﴿100﴾[6] اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تمھیں اللہ کی آیتیں پڑھ

اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فعل بھی نزول تورات سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر تم کس طرح مذکورہ دعویٰ کر سکتے ہو؟ علاوہ ازیں تورات میں بعض چیزیں تم (یہودیوں) پر تمھارے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ (الأنعام 146:6، والنسآء 160:4) اگر تمھیں یقین نہیں ہے تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور تم پر بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں تو اس کی وجہ تمھارا ظلم اور زیادتی تھی، یعنی ان کی حرمت بطور سزا تھی۔ (أیسر التفاسیر)

[1] یہ یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ تمھارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلا گھر، جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ [2] اس میں قتال، خوں ریزی، شکار حتیٰ کہ درخت تک کا کاٹنا ممنوع ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 1349، وصحیح مسلم، حدیث: 1353) [3] ''طاقت رکھتے ہوں'' کا مطلب زاد راہ کی استطاعت اور فراہمی ہے، یعنی اتنا خرچ کہ سفر کے اخراجات پورے ہو جائیں۔ علاوہ ازیں استطاعت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پر امن ہو اور جان و مال محفوظ رہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ صحت و تندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ نیز عورت کے لیے محرم بھی ضروری ہے۔ (فتح القدیر) یہ آیت ہر صاحب استطاعت کے لیے وجوب حج کی دلیل ہے اور احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) [4] استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے تلمیحًا ''کفر'' سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تاکید میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ احادیث و آثار میں بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) [5] یعنی تم جانتے ہو کہ یہ دین اسلام حق ہے، اس کے داعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ باتیں ان کتابوں میں درج ہیں جو تمھارے انبیاء پر اتریں اور جنھیں تم پڑھتے ہو۔ [6] یہودیوں کے مکر و فریب اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی ان کی سازشوں سے ہوشیار رہو اور قرآن کی تلاوت کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود کہیں یہود کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ اس کا پس منظر تفسیری روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ شاس بن قیس یہودی ان کے پاس سے گزرا اور ان کا باہمی پیار دیکھ کر جل بھن گیا کہ پہلے یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اس نے ایک

Marfat.com

تُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ
کر سنائی جاتی ہیں اور تمھارے اندر اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو شخص اللہ کے دین کو
ع 10/10 1 فَقَدۡ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿101﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ
مضبوطی سے پکڑ لے[1] تو اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے﴿101﴾ اے لوگو جو
اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ
ایمان لائے ہو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے[2] اور تمھیں موت
مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿102﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِیۡعًا وَّلَا
نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو﴿102﴾ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو[3]
تَفَرَّقُوۡا ۪ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً
اور جدا جدا نہ ہو[4] اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن
فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ
تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی)
عَلٰی شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ
بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے
یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿103﴾ وَلۡتَكُنۡ
بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ﴿103﴾ اور تم

نوجوان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان کے درمیان جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ کرے جو ہجرت سے ذرا پہلے ان کے درمیان برپا ہوئی تھی اور انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف جو رزمیہ اشعار کہے تھے وہ ان کو سنائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جس پر ان دونوں قبیلوں کے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے یہاں تک کہ ہتھیار اٹھانے کے لیے للکار اور پکار شروع ہوگئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں باہم قتال بھی شروع ہو جائے کہ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور انھیں سمجھایا اور وہ باز آ گئے۔ اس پر یہ آیات بھی اور جو آگے آ رہی ہیں وہ بھی نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ)

[1] اعتصام باللہ کے معنی ہیں: اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنا۔

[2] اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن 16:64) ”اللہ سے اپنی طاقت کے مطابق ڈرو۔“ نازل فرمادی۔ لیکن اسے ناسخ کی بجائے اس کی مُبَیِّن (بیان و توضیح کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے کیونکہ نسخ وہیں ماننا چاہیے جہاں دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں یہ تطبیق ممکن ہے۔ معنی یہ ہوں گے: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ مَا اسْتَطَعْتُمْ ”اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے۔“ (فتح القدیر) [3] تقویٰ کے بعد اِعْتِصَامْ بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیعًا ”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔“ کا درس دے کر واضح کر دیا کہ نجات بھی انھی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی انھی پر قائم ہو سکتا اور برقرار رہ سکتا ہے۔ [4] وَلَا تَفَرَّقُوا ”اور جدا جدا نہ ہو۔“ کے ذریعے سے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمھارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن و حدیث کے فہم اور اس کی توضیح و تعبیر میں کچھ باہم اختلاف یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا: قرآن اور حدیث رسول ﷺ، لیکن جب شخصیات کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولین حیثیت کے اور اللہ، رسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے المیے کا آغاز ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔ اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ فکر و نظر کی یہ کجی اتنی بڑھی کہ یہ اختلاف، جو تَحَزُّب و تفرق کی بنیاد ہے اور جس سے قرآن نے روکا ہے۔ اسے نعوذ باللہ ”رحمت“ قرار دیا جا رہا ہے اور اس کے لیے یہ موضوع روایت پیش کی جاتی ہے کہ ”میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔“ حالانکہ اگر یہ اختلاف رحمت ہوتا تو نبی ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، باقی سب جہنم میں۔ اب مسلمانوں کے تمام فرقے دعوے دار ہیں کہ جنتی فرقہ وہی ہیں۔ حالانکہ اس کا مصداق تو وہی ایک فرقہ ہوگا جس کی پہچان آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ”ما أنا علیه وأصحابي“ کہ جو

Marfat.com

مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿104﴾ وَلَا
برے کاموں سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں﴿104﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ
تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا
ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح دلیلیں آجانے کے بعد انھوں نے ایک
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿105﴾ يَوْمَ
دوسرے سے اختلاف کیا[1] اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿105﴾ جس دن کئی چہرے
تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ
سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے[2] پھر جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے
وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا
کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ پس اب عذاب چکھو اس کفر کے
كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿106﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي
بدلے جو تم کرتے رہے ہو﴿106﴾ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں
رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿107﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا
ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿107﴾ (اے نبی!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو حق
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿108﴾ وَلِلَّهِ
کے ساتھ سناتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا﴿108﴾ اور اللہ ہی کے
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ
لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور سب معاملے اللہ ہی کی طرف
الْأُمُورُ ﴿109﴾ ع كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
لوٹائے جاتے ہیں﴿109﴾ تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ
نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو[3] اور اگر

میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔ (سنن أبي داود، حديث: 4597، وجامع الترمذي، حديث: 2641، وسنن ابن ماجه، حديث: 3992، ومسند أحمد: 332/2)

[1] واضح دلیلیں آ جانے کے بعد اختلاف کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ کے باہمی اختلاف وتفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انھیں حق کا پتہ نہ تھا۔ اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف وتفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں انھیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جمے ہوئے ہیں اور اپنی عقل وذہانت کا سارا جوہر سابقہ امتوں کی طرح تاویل و تحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔ [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت وافتراق مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) جس سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اصلی اہل سنت والجماعت یعنی اہل حدیث عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت واہل افتراق اس نعمت اسلام سے محروم ہیں جو ذریعۂ نجات ہے۔ [3] اس آیت میں امت مسلمہ کو ''خیر امت'' قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''خیر امت'' ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بیان کی گئی ہے: كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ (المآئدة 5: 79) ''وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے۔'' اور یہاں اسی آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اکثر علماء کے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے، یعنی علماء کی ذمے داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف ومنکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضۂ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے، یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ تاہم ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں بھی «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً» کے تحت تبلیغ کا ذمے دار ہے۔

Marfat.com

اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ
اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ان میں بعض ایمان والے بھی ہیں[1] مگر
الْفٰسِقُوْنَ ﴿110﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ
ان کے اکثر نافرمان ہیں﴿110﴾ وہ تمھیں تھوڑی سی ایذا کے سوا ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے،
يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿111﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی﴿111﴾[2] وہ جہاں
اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ
کہیں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ وہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں تھے[3] وہ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ
اللہ کی طرف سے غضب کے حق دار ٹھہرے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ، یہ اس وجہ سے ہوا
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، اور اس وجہ سے بھی
حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿112﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ
کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے﴿112﴾[4] وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ
سے ایک گروہ حق پر قائم ہے، وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں، اور وہ
وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿113﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
سجدہ کرتے ہیں﴿113﴾ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ
اور برائی سے روکتے ہیں اور وہ بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور وہی
فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿114﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا
نیکوکاروں میں سے ہیں﴿114﴾ اور وہ جو بھی بھلائی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے
مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿115﴾
گی، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے﴿115﴾[5] بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں

[1] جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس لیے مِنْهُمْ میں مِنْ، تبعیض کے لیے ہے۔ [2] اَذًى (تھوڑی سی ایذا) سے مراد زبانی ایذا، بہتان تراشی اور افترا ہے جس سے دل کو وقتی طور پر ضرور تکلیف پہنچتی ہے، تاہم میدان حرب وضرب میں یہ تمھیں شکست نہیں دے سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ سے یہودیوں کو نکلنا پڑا، پھر خیبر فتح ہو گیا اور وہاں سے بھی نکلے، اسی طرح شام کے علاقوں میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تا آنکہ صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے مگر اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے 90 سال کے بعد واگزار کرا لیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کے نتیجہ میں یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازشوں اور کوششوں سے بیت المقدس پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تاہم ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد نصرانیت کا خاتمہ اور اسلام کا غلبہ یقینی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ (ابن کثیر) [3] یہودیوں پر جو ذلت ومسکنت، غضب الٰہی کے نتیجے میں مسلط کی گئی ہے، اس سے وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یا اسلامی مملکت میں جزیہ دے کر ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے، اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت کی بجائے عام مسلمان ان کو پناہ دے دیں جیسا کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ادنیٰ مسلمان کی دی گئی پناہ کو بھی رد نہ کریں۔ دوسرا یہ کہ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ (النَّاس) عام ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت (اسرائیل) امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کی حمایت سے قائم ہے۔ ان بڑی طاقتوں نے اپنے استعماری مقاصد اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اس یہودی مملکت کو وجود بھی بخشا ہے اور وہ اس کے مستقل پشت پناہ بھی ہیں۔ اس لیے یہودیوں کی اس مملکت کی وجہ سے جو دراصل امریکہ وغیرہ کی شرق اوسط میں ایک چھاؤنی ہے، اس شبہے اور مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اس ذلت ومسکنت کے خلاف ہے جو ان کی بابت قرآن میں بیان کیا گیا ہے بلکہ قرآن کی صداقت کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے۔ [4] یہ ان کے کرتوت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔ [5] یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں جن

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم
ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے ذرا بھی چھڑا نہ سکیں گے اور وہی
مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿116﴾
دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿116﴾ (کافر) اس دنیا میں جو کچھ خرچ
مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ
کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی آندھی کی سی ہے جس میں سخت پالا ہو، وہ ان لوگوں کی
فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ
کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو وہ اسے تباہ کر ڈالے[1] اور اللہ نے ان پر ظلم
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿117﴾ يَا أَيُّهَا
نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے﴿117﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ
کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ[2] دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے،
لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ
وہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں پڑو[3] ان کے دلوں کی دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی
مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ
ہے اور وہ اپنے سینوں میں جو (بغض و عناد) چھپاتے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے
بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿118﴾ هَا أَنتُمْ
تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو﴿118﴾ خبردار! تم لوگ ان سے
أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ
محبت رکھتے ہو[4] جبکہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (جبکہ وہ ایسا

کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، أسد بن عبید، ثعلبة بن سعية، أُسَيْد بن سعية وغیرہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا اور ان میں اہل ایمان و تقویٰ والی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ۔ قَآئِمَةٌ کے معنی ہیں: شریعت کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والے يَسْجُدُونَ کا مطلب رات کو قیام کرتے ہیں: اسی گروہ کا ذکر آگے بھی کیا گیا ہے۔ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ (آل عمران 3:199)

[1] قیامت والے دن کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد حتیٰ کہ رفاہی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر وہ جو خرچ کرتے ہیں، وہ بھی بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ایمان نہیں ہوگا، رفاہی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے، آخرت میں انھیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا، وہاں تو ان کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ [2] یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرایا جا رہا ہے۔ بِطَانَةً دلی دوست اور راز دار کو کہا جاتا ہے۔ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں جو جذبات وعزائم رکھتے ہیں، ان میں سے جن کا وہ اظہار کرتے اور جنھیں اپنے سینوں میں مخفی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نشاندہی فرما دی ہے یہ اور اس قسم کی دیگر آیات کے پیش نظر ہی علماء وفقہاء نے تحریر کیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی (غیر مسلم) کو کاتب (سیکرٹری) رکھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم انھیں اپنے قریب نہ کرو جبکہ اللہ نے انھیں دور کر دیا ہے، ان کو عزت نہ بخشو جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کر دیا ہے اور انھیں امین و راز دار مت بناؤ جبکہ اللہ نے انھیں خائن قرار دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: اس زمانے میں اہل کتاب کو سیکرٹری اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی لوگ سردار اور امراء بن گئے ہیں۔ (تفسير القرطبي) بدقسمتی سے آج کے اسلامی ممالک میں بھی قرآن کریم کے اس نہایت اہم حکم کو اہمیت نہیں دی جا رہی اور اس کے برعکس غیر مسلم بڑے بڑے اہم عہدوں اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں جن کے نقصانات واضح ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی داخلی اور خارجی دونوں پالیسیوں میں اس حکم کی رعایت کریں تو یقیناً بہت سے مفاسد اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ [3] لَا يَأْلُونَ کوتاہی اور کمی نہیں کرتے خَبَالًا کے معنی فساد اور ہلاکت کے ہیں مَا عَنِتُّمْ جس سے تم مشقت اور تکلیف میں پڑو۔ عَنَتَ بمعنی مشقت۔ [4] تم ان منافقین کی نماز اور اظہار ایمان کی

Marfat.com

كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا
نہیں کرتے) اور وہ تمھارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر جب تنہا ہوتے ہیں تو تم
عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ
پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں غصے کے مارے[1] (ان سے) کہیے: تم اپنے غصے ہی میں مرجاؤ،
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿119﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ
بے شک اللہ دلوں کے راز خوب جانتا ہے ﴿119﴾ اگر تمھیں کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انھیں بری لگتی
تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا
ہے اور اگر تمھیں کوئی برائی پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں[2] اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو
وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تو ان کا مکر تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا[3] بے شک اللہ نے ان کے اعمال کو گھیر رکھا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿120﴾ ۧ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ تُبَوِّئُ
ہے ﴿120﴾ اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور مومنوں کو
الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿121﴾
جنگ (احد) کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے[4] اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿121﴾

(ع 12/11/3)

وجہ سے ان کی بابت دھوکے کا شکار ہو جاتے ہو اور ان سے محبت رکھتے ہو۔

[1] عَضَّ یَعَضُّ کے معنی دانت سے کاٹنے کے ہیں۔ یہ ان کے غیظ و غضب کی شدت کا بیان ہے، جیسا کہ اگلی آیت اِنْ تَمْسَسْكُمْ میں بھی ان کی اسی کیفیت کا اظہار ہے۔ [2] اس میں منافقین کی اس شدید عداوت کا ذکر ہے جو انھیں مومنوں کے ساتھ تھی اور وہ یہ کہ جب مسلمانوں کو خوش حالی میسر آتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی اور مسلمانوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا تو منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سالی یا تنگدستی میں مبتلا ہوتے، یا اللہ کی مشیت و مصلحت سے دشمن، وقتی طور پر مسلمانوں پر غالب آ جاتے (جیسے جنگ احد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی پینگیں بڑھائیں اور انھیں اپنا راز دان اور دوست بنائیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر ہے) اس لیے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے، ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ [3] یہ ان کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہے۔ گویا منافقین اور دیگر اعدائے اسلام و مسلمین کی سازشوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ اس صبر اور تقویٰ کے فقدان نے غیر مسلموں کی سازشوں کو کامیاب بنا رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی یہ کامیابی مادی اسباب و وسائل کی فراوانی اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی و زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اپنے دین پر استقامت (جو صبر کا متقاضی ہے) سے محروم اور تقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں جو مسلمان کی کامیابی کی کلید اور تائید الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ [4] جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنگ احد کا واقعہ ہے جو شوال 3 ہجری میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر مختصراً یہ ہے کہ جب جنگ بدر 2 ہجری میں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے تو ان کفار کے لیے یہ بڑی بدنامی کا باعث اور ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست انتقامی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ کافر تین ہزار کی تعداد میں احد پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اندر رہ کر ہی مقابلہ کا مشورہ دیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے برعکس بعض پرجوش صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جنھیں جنگ بدر میں حصہ لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپ حجرے میں تشریف لے گئے اور ہتھیار پہن کر باہر آئے، دوسری رائے والوں کو ندامت ہوئی کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی خواہش کے برعکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا، چنانچہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند فرمائیں تو اندر ہی رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ چنانچہ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں روانہ ہو گئے مگر صبح دم جب مقام شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر واپس آ گیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی، خواہ مخواہ جان دینے کا کیا فائدہ؟ اس کے اس فیصلے سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے اور انھوں نے بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

اِذۡ هَمَّتۡ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى
جب تمھارے دوگروہوں نے کم ہمتی دکھانے کا ارادہ کیا[1] اور اللہ ان کا دوست تھا،[2] اور مومنوں
اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (122) وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ
کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے (122) اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم
وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ (123) اِذۡ تَقُوۡلُ
کمزور تھے[3] پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو (123) (اے نبی!) جب
لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ
آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ اللہ آسمان سے تین ہزار
مِّنَ الۡمَلٰٓىِٕكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ (124) بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا
فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ (124) کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن
وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ
تم پر فوراً چڑھ آئے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا[4] جن کے
مِّنَ الۡمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ (125) وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى
(خاص) نشان لگے ہوں گے (125)[5] اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوشخبری بنادیا، تاکہ اس سے
لَكُمۡ وَلِتَطۡمَىِٕنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ
تمھارے دلوں کو تسلی ہو۔ اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت
الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ (126) لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ
حکمت والا ہے (126) اللہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کردے یا انھیں
يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآىِٕبِيۡنَ (127) لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ
ذلیل کردے، پھر وہ نامراد ہوکر لوٹ جائیں (127)[6] (اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار
اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ (128) وَلِلّٰهِ
نہیں،[7] اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں (128)

[1] یہ اوس اور خزرج کے دو قبیلے (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) تھے۔ [2] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کی کمزوری کو دور فرما کر ان کی ہمت بندھا دی۔ [3] بہ اعتبار قلت تعداد اور قلت سامان کے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان 313 تھے اور یہ بھی بے سروسامان۔ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے۔ (ابن کثیر) [4] مسلمان بدر کی جانب محض قافلۂ قریش پر، جو تقریبًا نہتا تھا، چھاپہ مارنے نکلے تھے۔ مگر بدر پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ مکہ سے مشرکین کا ایک لشکر جرار پورے غیظ و غضب اور جوش وخروش کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی صف میں گھبراہٹ، تشویش اور جوش قتال کا ملا جلا ردعمل ہوا اور انھوں نے رب تعالیٰ سے دعا و فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتے اتارنے کی بشارت دی اور مزید وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے اور مشرکین اسی حالت غیظ و غضب میں آ دھمکے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا۔ (بدر پہنچنے سے پہلے ہی ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ مکہ پلٹ گیا اور باقی جو بدر آئے ان میں سے اکثر سرداروں کی رائے تھی کہ لڑائی نہ کی جائے) اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہ آ سکی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعداد پوری کی گئی۔ [5] یعنی پہچان کے لیے ان کی مخصوص علامت ہوگی۔ [6] یہ اللہ غالب و کارفرما کی مدد کا نتیجہ بتلایا جا رہا ہے۔ سورۂ انفال میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتلائی گئی ہے۔ ﴿اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓىِٕكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ﴾ (الأنفال 8:9) ''جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمھاری فریاد سنتے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔'' ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعتًا تو ایک ہزار ہی نازل ہوئے اور مسلمانوں کے حوصلے اور تسلی کے لیے تین ہزار کا اور پھر پانچ ہزار کا مزید مشروط وعدہ کیا گیا۔ پھر حسب حالات مسلمانوں کی تسلی کے نقطۂ نظر سے بھی ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا کیونکہ مقصد تو مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنا تھا، ورنہ اصل مددگار تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور وہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی، کفر کی طاقت کمزور ہوئی اور کافروں کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ (أیسر التفاسیر) [7] یعنی ان کافروں کو ہدایت دینا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے اور چہرۂ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی جس نے

Marfat.com

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ
اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿129﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (129) اے لوگو جو
لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
ایمان لائے ہو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ[1] اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمھیں نجات مل
تُفْلِحُوْنَ ﴿130﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿131﴾ وَاَطِيْعُوا
سکے (130) اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (131) اور اللہ اور اس کے
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿132﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ
رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (132) اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ
طرف دوڑو[2] جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿133﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ
گئی ہے (133) وہ لوگ جو خوشی اور تنگی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں[3] اور غصہ پی
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿134﴾
جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں[4] اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے (134) اور
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے،
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ
پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں[5] اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے؟ اور وہ اپنے کیے
يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے (135) وہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے

اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔'' گویا آپ نے ان کی ہدایت سے ناامیدی ظاہر فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ غزوۂ احد کے کچھ عرصے کے بعد واقعۂ بئر معونہ پیش آیا جس میں کافروں نے دھوکہ دہی سے قرآن کریم کے ستر قاری و مبلغ صحابۂ کرام کو اپنے علاقے میں لے جا کر شہید کر دیا۔ نبی ﷺ کو المناک واقعے پر شدید صدمہ ہوا اور ایک مہینے تک کافروں کے ان قبیلوں کا نام لے لے کر ان کے لیے بددعا فرمائی، یعنی قنوتِ نازلہ کا اہتمام فرمایا۔ یہ بالکل الگ واقعہ ہے جس کا کوئی تعلق نہ غزوۂ احد سے ہے اور نہ آیت مذکورہ کے نزول سے۔ لیکن بعض راویوں نے اس قنوتِ نازلہ کو بھی آیتِ مذکورہ کے نزول کا سبب قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے قنوتِ نازلہ بند کر دی۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ یہ راوی کا ادراج ہے، یعنی اس نے اپنی طرف سے یہ بات کہہ دی ہے ورنہ اس آیت کے نزول کا سبب قصۂ اُحد ہی ہے۔ اس بنا پر قنوتِ نازلہ کا اہتمام حسبِ ضرورت ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔

[1] چونکہ غزوۂ احد میں ناکامی رسول کی نافرمانی اور مال دنیا کے لالچ کے سبب ہوئی تھی اس لیے اب طمع کی سب سے زیادہ بھیانک شکل سود سے منع کیا جا رہا ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ، مفرد ہو یا مرکب، مطلقاً حرام ہے۔ یہ قید نہی (حرمت) کے لیے بطور شرط نہیں ہے بلکہ واقعے کی رعایت کے طور پر ہے، یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی، اس کا بیان و اظہار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آ جاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ سودخوری سے باز نہ آئے تو یہ فعل حرام تمھیں کفر تک پہنچا سکتا ہے کیونکہ یہ اللہ و رسول سے محاربہ ہے۔ [2] مال و دولت دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کی بجائے، اللہ و رسول کی اطاعت کا اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متقین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔ چنانچہ آگے متقین کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ [3] یعنی محض خوش حالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حال اور ہر موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ [4] یعنی جب غصہ انھیں بھڑکاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں، یعنی اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو معاف کر دیتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ [5] یعنی جب ان سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

Marfat.com

مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بخشش اور جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ (ان باغوں) میں ہمیشہ رہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿136﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ

گے اور عمل کرنے والوں کے لیے (اللہ کے ہاں) اچھا اجر ہے﴿136﴾ تم سے پہلے بھی ایسے

قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

واقعات گزر چکے ہیں، چنانچہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (نبیوں کو) جھٹلانے

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿137﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ

والوں کا انجام کیا ہوا؟﴿137﴾ [1] یہ (قرآن) لوگوں کے لیے وضاحت اور پرہیزگاروں کے لیے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿138﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

ہدایت اور نصیحت ہے﴿138﴾ اور تم سستی نہ کرو، اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

مومن ہو﴿139﴾ [2] اگر تمھیں (احد میں) زخم لگے ہیں تو ایسے ہی زخم (بدر میں) کافروں کو بھی لگ

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ

چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادل بدل کرتے رہتے ہیں[3] اور (تمھیں یہ زخم

النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ

اس لیے لگے کہ) اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں؟ اور وہ تم میں سے بعض کو

شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿140﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ

شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا﴿140﴾ اور (ایک وجہ یہ تھی کہ) اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿141﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ

ایمان والوں کو پاک صاف کر دینا اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا تھا﴿141﴾ [4] کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم

[1] جنگ احد میں مسلمانوں کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں سے 50 تیر اندازوں کا ایک دستہ آپ نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا اور انھیں تاکید کر دی کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست، تم یہاں سے نہ ہلنا اور تمھارا کام یہ ہے کہ جو گھڑ سوار تمھاری طرف آئے تیروں سے اسے پیچھے دھکیل دینا۔ لیکن جب مسلمان فتح یاب ہو گئے اور مال و اسباب سمیٹنے لگے تو اس دستے میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے یہیں جمے رہنا لیکن جب یہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں تو یہاں رہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی وہاں سے ہٹ کر مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں نبی کریم ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔ جس سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے گھڑ سوار پلٹ کر وہیں سے مسلمانوں کے عقب میں جا پہنچے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ غیر متوقع حملے سے سخت سراسیمہ ہو گئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دے رہا ہے کہ تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ تاہم بالآخر تباہی و بربادی اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والوں کا ہی مقدر بنی ہے۔ [2] گزشتہ جنگ میں تمھیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ سست ہوؤ اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمھارے اندر ایمانی قوت موجود رہی تو غالب و کامران تم ہی رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قوت کا اصل راز اور ان کی کامیابی کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد مسلمان ہر معرکے میں سرخرو ہی رہے ہیں۔ [3] ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر جنگ احد میں تمھارے کچھ لوگ زخمی ہوئے ہیں تو کیا ہوا؟ تمھارے مخالف بھی تو جنگ بدر میں اور احد کی ابتدا میں اسی طرح زخمی ہو چکے ہیں اور اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ فتح و شکست کے ایام کو ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔ [4] احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی، اس میں بھی کئی حکمتیں پنہاں تھیں جنھیں اللہ تعالیٰ آگے بیان فرما رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے (کیونکہ صبر و استقامت ایمان کا تقاضا ہے) جنگ کی شدتوں اور مصیبتوں میں جنھوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ سب مومن ہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ لوگوں کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ تیسری یہ کہ ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔ تمحیص کے معنی اختیار (چن لینا) کے کیے گئے ہیں۔ ایک معنی تطہیر اور ایک معنی تخلیص کے ہیں۔ آخری دونوں کا مطلب گناہوں سے پاکی اور خلاصی ہے۔ (فتح القدیر) بعض مترجمین نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ کافروں کو مٹا دے۔ وہ اس طرح کہ وقتی فتح یابی سے ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہوگا اور یہی چیز ان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بنے گی۔

Marfat.com

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

(سیدھے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے[1] حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے

مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (142) وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

کون لوگ اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور صبر کرنے والے ہیں (142) [2] تحقیق تم جنگ

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ

سے پہلے ہی (شہادت کی) موت کی خواہش کرتے تھے[3] چنانچہ پس اب تم نے اسے اپنی

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (143) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ

آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ہے (143) [4] اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں[5] ان سے پہلے

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ

بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ

سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا

اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (144) وَمَا كَانَ

کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا[6] اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا (144) [7] اور کوئی جاندار اللہ

[1] یعنی بغیر قتال و شدائد کی آزمائش کے تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ نہیں بلکہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آزمائش میں پورے اتریں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرة 2:214) ''کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی، انھیں تنگ دستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گئے۔'' مزید فرمایا: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ (العنکبوت 2:29) ''کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انھیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی؟'' [2] یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ جنت یوں ہی نہیں مل جائے گی، اس کے لیے پہلے تمھیں آزمائش کی بھٹی سے گزارا اور میدان جہاد میں آزمایا جائے گا وہاں نرغۂ اعداء میں گھر کر تم سرفروشی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہو یا نہیں؟ [3] یہ اشارہ ان صحابہ کی طرف ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ میدان کارزار گرم ہو تو وہ بھی کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ انھی صحابہ نے جنگ احد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح، کافروں کے اچانک حملے سے شکست میں تبدیل ہوگئی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) تو یہ پر جوش مجاہدین بھی سراسیمگی کا شکار ہوگئے اور بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے۔ (فتح القدير) اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''تم دشمن سے مڈھ بھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت طلب کیا کرو تاہم جب از خود حالات ایسے بن جائیں کہ تمھیں دشمن سے لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2966) [4] رَاَيْتُمُوْهُ اور تَنْظُرُوْنَ دونوں کے ایک ہی معنی، یعنی دیکھنے کے ہیں۔ تاکید اور مبالغے کے لیے دو لفظ لائے گئے ہیں، یعنی تلواروں کی چمک، نیزوں کی تیزی، تیروں کی یلغار اور جاں بازوں کی صف آرائی میں تم نے موت کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ (ابن كثير و فتح القدير) [5] محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انھیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ [6] جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا اس پر موت کا وارد ہو جانا، کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء بھی قتل اور موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اگر آپ بھی (بالفرض) اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحۂ وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدت جذبات میں وفات نبوی ﷺ کا انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے منبر رسول کے پہلو میں کھڑے ہو کر انھی آیات کی تلاوت کی، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی اتری ہیں۔ [7] یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو جنھوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ادا کیا۔

Marfat.com

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ
کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، اس نے موت کا وقت لکھا ہوا ہے اور جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہو تو
يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ
ہم اسے دنیا ہی میں کچھ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہو تو ہم اسے اس میں
نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ (145) وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ
سے کچھ دے دیتے ہیں[1] اور ہم شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دیں گے (145) اور کتنے ہی نبی
قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ
گزرے جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، انھیں اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ
پہنچیں انھوں نے ہمت نہ ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ وہ (کافروں سے) دبے، اور اللہ
يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (146) وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا
صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (146) [2] اور ان کا کہنا یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ
اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
بخش دے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ معاف کردے۔ اور ہمیں
وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (147) فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا
ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما (147) چنانچہ اللہ نے انھیں دنیا میں
وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (148) يٰٓاَيُّهَا
ثواب دیا اور آخرت میں بہت اچھا ثواب دیا۔ اور اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے (148) اے لوگو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي
جو ایمان لائے ہو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں پلٹا کر مرتد بنا دیں گے،
اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (149) بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ
پھر تم خسارہ پانے والے ہوگے (149) بلکہ اللہ تمھارا مولا ہے اور وہ بہترین مدد کرنے
وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (150) سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
والا ہے (150) [3] جن لوگوں نے کفر کیا، ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس لیے کہ
الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ
انھوں نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں
وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (151) وَلَقَدْ
کی،[4] اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے (151) یقیناً اللہ نے تم سے

15 ع 5 6

[1] یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جارہا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے کچھ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی، دنیا بھی اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے۔ آگے مزید حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے پچھلے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے صبر اور ثابت قدمی کی مثالیں دی جارہی ہیں۔ [2] یعنی ان کو جو جنگ کی شدتوں میں پست ہمت نہیں ہوتے اور ضعف اور کمزوری نہیں دکھاتے۔ [3] یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے، یہاں پھر دہرایا جارہا ہے کیونکہ احد کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار یا منافقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ایسے میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ کافروں کی اطاعت ہلاکت وخسران کا باعث ہے۔ کامیابی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور اس سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔ [4] مسلمانوں کی شکست دیکھتے ہوئے بعض کافروں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہ موقع مسلمانوں کے بالکلیہ خاتمے کے لیے بڑا اچھا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ پھر انھیں اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ (فتح القدیر) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ”نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ“ ”دشمن کے دل میں ایک مہینے کی مسافت پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا رعب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی امت، یعنی مسلمانوں کا رعب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کا شرک ہے۔ گویا شرک کرنے والوں کے دل دوسروں کی ہیبت سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مشرکانہ عقائد واعمال میں مبتلا ہوئی ہے، دشمن ان سے مرعوب ہونے کی بجائے، وہ دشمنوں سے مرعوب ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ

Marfat.com

صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا
اپنا وعدہ سچ کردکھایا جب تم (احد میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کررہے تھے[1] یہاں تک کہ
فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
جب تم نے کم ہمتی اختیار کی اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں جھگڑنے لگے[2] اور بعد اس کے جب اللہ
مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا
نے تمھیں وہ چیز (مال غنیمت کی جھلک) دکھائی جس سے تم محبت کرتے تھے[3] تو تم نے نافرمانی کی
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ
تم میں سے کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے[4] اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے[5] پھر اللہ نے تمھیں
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
کافروں کے مقابلے میں پسپا کردیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے[6] بلاشبہ (پھر بھی) اس نے تمھیں
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿152﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ
معاف کردیا[7] اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے (152) جب تم بھاگے چلے جارہے تھے[8] اور کسی
عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ
کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتے تھے، اور رسول (ﷺ) تمھارے پیچھے سے تمھیں آوازیں دے
فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى
رہے تھے[9] پھر اللہ نے تمھیں غم پر غم دیے[10] تاکہ تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ
مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر تمھیں غمگین نہیں ہونا چاہیے[11] اور تم جو عمل کرتے

[1] اس وعدے سے بعض مفسرین نے تین ہزار اور 5 ہزار فرشتوں کا نزول مراد لیا ہے لیکن یہ رائے سرے سے صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول صرف جنگ بدر کے ساتھ مخصوص تھا۔ باقی رہا وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور ہے تو اس سے مراد فتح و نصرت کا وہ عام وعدہ ہے جو اہل اسلام کے لیے اور اس کے رسول کی طرف سے بہت پہلے سے کیا جا چکا تھا۔ حتیٰ کہ بعض آیتیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مطابق ابتدائے جنگ میں مسلمان غالب و فاتح رہے جس کی طرف اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ [2] اس تنازع اور عصیان سے مراد 50 تیر اندازوں کا وہ اختلاف ہے جو فتح و غلبہ دیکھ کر ان کے اندر واقع ہوا اور جس کی وجہ سے کافروں کو پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع ملا۔ [3] اس سے مراد وہ فتح ہے جو ابتدا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ [4] یعنی مال غنیمت، جس کے لیے انھوں نے وہ پہاڑی چھوڑ دی جس کے نہ چھوڑنے کی انھیں تاکید کی گئی تھی۔ [5] یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مورچہ چھوڑنے سے منع کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ ڈٹے رہنے کا عزم ظاہر کیا۔ [6] یعنی غلبہ عطا کرنے کے بعد پھر تمھیں شکست دے کر ان کافروں سے پھیر دیا تاکہ تمھیں آزمائے۔ [7] اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس شرف و فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ نے ان پر فرمایا، یعنی ان کی غلطیوں کی وضاحت کر کے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ کریں، اللہ نے ان کے لیے معافی کا اعلان کر دیا تاکہ کوئی بد باطن ان پر زبان طعن دراز نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا تو اب کسی کے لیے طعن و تشنیع کی گنجائش کہاں رہ گئی؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے موقع پر ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر میں، بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے۔ نیز یوم احد میں فرار ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو ان کی اہلیہ (بنت رسول) بیمار تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر ہی مدینہ میں رہے، بیعت رضوان کے موقع پر آپ رسول اللہ ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور یہ بیعت آپ کی وجہ سے لی گئی اور یوم احد کے فرار کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3699 ملخصًا) [8] کفار کے یکبارگی اچانک حملے سے مسلمانوں میں جو بھگدڑ مچی اور مسلمانوں کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ اس کا نقشہ بیان کیا جا رہا ہے۔ تُصْعِدُوْنَ اِصْعَاد سے ہے جس کے معنی اپنی رو بھاگے جانے یا وادی کی طرف چڑھے جانے یا بھاگنے کے ہیں۔ (تفسير الطبري) [9] نبی کریم ﷺ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے: «إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!» ”اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ! اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ۔“ لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟ [10] فَاَثَابَكُمْ تمھاری کوتاہی کے بدلے میں تمھیں غم پر غم دیا۔ غَمًّاۢ بِغَمٍّ بمعنی غَمًّا عَلٰى غَمٍّ ابن جریر اور ابن کثیر کے اختیار کردہ راجح قول کے مطابق پہلے غم سے مراد ہے، مال غنیمت اور کفار پر فتح و ظفر سے محرومی کا غم اور دوسرے غم سے مراد ہے مسلمانوں کی شہادت، ان کے زخمی ہونے، نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپ کی خبر شہادت سے پہنچنے والا غم۔ [11] یعنی یہ غم پر غم اس لیے دیا تاکہ تمھارے اندر شدائد

Marfat.com

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿153﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

ہو اللہ اس کی خبر رکھتا ہے (153) پھر اس نے (غم کے بعد) تم پر سکون نازل کیا جس سے

الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ

تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہوگئی[1] اور دوسرا گروہ جس کے نزدیک ساری اہمیت

اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

اپنی ذات ہی کی تھی،[2] وہ اللہ کے بارے میں ناحق جاہلانہ طور پر گمان کرنے لگا۔[3] وہ کہتے

الْجَاهِلِیَّةِ ؕ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ

تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟[4] کہہ دیجیے: سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔[5] وہ

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا

اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ (ﷺ) کے سامنے ظاہر نہیں کرسکتے۔[6] وہ کہتے

لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ

ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔[7] کہہ

مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ

دیجیے: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا وہ اپنی قتل

عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ

گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔[8] اور یہ اس لیے ہوا کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں ہے اللہ

صُدُوْرِكُمْ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ

اسے آزمائے اور تاکہ تمھارے دلوں میں سے وسوسے صاف کردے۔[9] اور اللہ سینوں کے بھید

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿154﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ

خوب جانتا ہے (154) [10] بے شک جب دو لشکر (احد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن

الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ

لوگوں نے پسپائی اختیار کی یقیناً وہ اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب شیطان کے بہکاوے میں

مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

آگئے تھے[11] اور بلاشبہ اللہ نے انھیں معاف کردیا،[12] بے شک اللہ نہایت بخشنے والا، بہت حوصلے

برداشت کرنے کی قوت اور عزم وحوصلہ پیدا ہو۔ جب یہ قوت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو فوت شدہ چیز پر غم اور پہنچنے والے شدائد پر ملال نہیں ہوتا۔

[1] مذکورہ سراسیمگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر اونگھ مسلط کر دی۔ یہ اونگھ اللہ کی طرف سے سکینت اور نصرت کی دلیل تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ چھائی جا رہی تھی حتیٰ کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے گری میں اسے پکڑتا، وہ پھر گر جاتی، پھر پکڑتا اور پھر گر جاتی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4068) نُعَاسًا ، اَمَنَةً سے بدل ہے۔ طَآىِٕفَةً واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (فتح القدير) [2] اس سے مراد منافقین ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ان کو تو اپنی جانوں ہی کی فکر تھی۔ [3] وہ یہ تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا معاملہ باطل ہے، یہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں، اس کا مستقبل مخدوش ہے، انھیں اللہ کی مدد ہی حاصل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ [4] یعنی کیا اب ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فتح و نصرت کا امکان ہے؟ یا یہ کہ کیا ہماری بھی کوئی بات چل سکتی ہے اور مانی جا سکتی ہے؟ [5] تمھارے یا دشمن کے اختیار میں نہیں ہے، مدد بھی اسی کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اسی کے حکم سے ہوگی اور امر ونہی بھی اسی کا ہو گا۔ [6] اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں، ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کے طالب ہیں۔ [7] یہ وہ آپس میں کہتے یا اپنے دل میں کہتے تھے۔ [8] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ؟ موت تو ہر صورت میں آنی ہے اور اسی جگہ پر آنی ہے جہاں اللہ کی طرف سے لکھ دی گئی ہے۔ اگر تم گھروں میں بیٹھے ہوتے اور تمھاری موت کسی مقتل میں لکھی ہوتی تو تمھیں قضا ضرور وہاں کھینچ لے جاتی؟ [9] یہ جو کچھ ہوا اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمھارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے، یعنی ایمان، اسے آزمائے (تاکہ منافق الگ ہو جائیں) اور پھر تمھارے دلوں کو شیطانی وساوس سے پاک کر دے۔ [10] یعنی اس کو تو علم ہے کہ مخلص مسلمان کون ہے اور نفاق کا لبادہ کس نے اوڑھ رکھا ہے؟ جہاد کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے مومن اور منافق کھل کر سامنے آ جاتے ہیں جنھیں عام لوگ بھی پھر دیکھ اور پہچان لیتے ہیں۔ [11] یعنی احد میں مسلمانوں سے جو لغزش اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی پچھلی بعض کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے شیطان اس روز بھی انھیں پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس طرح بعض سلف کا قول ہے کہ ''نیکی کا بدلہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعد مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے بعد مزید برائی کا راستہ کھلتا اور ہموار ہوتا ہے۔'' [12] اللہ تعالیٰ صحابہ کی

Marfat.com

ع 16/7/7

حَلِيْمٌ ﴿155﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

والا ہے﴿155﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کیا اور

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى

اپنے بھائیوں کے بارے میں کہنے لگے جب وہ سفر کے لیے یا جہاد کے لیے نکلے کہ اگر وہ

لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے،[1] یہ اس لیے کہ اللہ ان کی ایسی باتوں کو ان

حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

کے دلوں کا پچھتاوا بنادے[2] اور اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے

بَصِيْرٌ ﴿156﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ

دیکھ رہا ہے﴿156﴾ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان

مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿157﴾ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ

چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں﴿157﴾[3] اور اگر تم مر جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو یقیناً تم

قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿158﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ

اللہ ہی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے﴿158﴾ پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان

لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ

حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں[4] اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم)

فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

معاملات میں مشورہ کریں،[5] پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں،[6] بے شک

لغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر اپنی طرف سے ان کی معافی کا اعلان فرما رہا ہے۔ جس سے ایک تو ان کا محبوب بارگاہ الٰہی ہونا واضح ہے اور دوسرے، عام مومنین کو تنبیہ ہے کہ ان مومنین صادقین کو جب اللہ نے معاف فرما دیا ہے تو اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انھیں ہدف ملامت یا نشانۂ تنقید بنائے۔ [1] اہل ایمان کو اس فسادِ عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیونکہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم وحوصلہ اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ [2] مذکورہ فسادِ عقیدہ دلی حسرت ہی کا سبب بنتا ہے کہ اگر وہ سفر پر یا میدان جنگ میں نہ جاتے بلکہ گھر میں ہی رہتے تو موت کی آغوش میں جانے سے بچ جاتے۔ درآں حالیکہ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آ جاتی ہے، اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النسآء 78:4) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمھیں پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔'' اس لیے اس حسرت سے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جن کے عقیدے صحیح ہیں۔ [3] موت تو ہر صورت میں آنی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت ورحمت کا مستحق قرار پا جائے تو یہ دنیا کے مال واسباب سے بہت بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے گریز نہیں، اس میں رغبت اور شوق ہونا چاہیے کہ اس طرح رحمت ومغفرت الٰہی یقینی ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔ [4] نبی ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی دعوت وتبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کی بجائے آپ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ درگزر سے ہی کام لیتے رہیے۔ [5] یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لیے مشورہ کر لیا کریں۔ اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی ضرورت ومشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔ (ابن کثیر) امام شوکانی لکھتے ہیں کہ حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انھیں علم نہیں ہے۔ یا ان کے بارے میں انھیں اشکال ہیں۔ فوج کے سربراہوں سے فوجی معاملات میں، سربرآوردہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام ووالیان سے ان کے علاقوں کی ضروریات وترجیحات کے سلسلے میں مشورہ کریں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمران کے وجوب عزل پر کوئی اختلاف نہیں ہے جو اہل علم واہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔ یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہوگا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ (فتح القدیر) (مزید دیکھیے سورۂ شوریٰ، آیت: 38 کا حاشیہ) [6] یعنی مشاورت کے بعد

Marfat.com

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿159﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ

اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (159) اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں

لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ

آسکتا، اور اگر وہ تمھیں بے یارومدد گار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿160﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ

کرسکے؟ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے (160) یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے[1]

اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جو اس نے خیانت کی ہوگی اس کے ساتھ قیامت کے دن حاضر

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿161﴾

ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (161)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

بھلا جو شخص اللہ کی رضا کے پیچھے چل رہا ہو، اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اللہ کی ناراضی لے کر

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿162﴾ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

لوٹے اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے؟ اور وہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے (162) ان کے لیے اللہ کے

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿163﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ

پاس درجے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے (163) بے شک اللہ نے مومنوں پر

اِذْ بَعَثَ فِيْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ يَتْلُوْا عَلَيْھِمْ اٰيٰتِهٖ

احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا،[2] وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا

وَيُزَكِّيْھِمْ وَيُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ

ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے[3] اور بے شک[4] وہ اس سے پہلے

جس پر آپ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کر گزریے۔ اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مشاورت کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمران ہی کا ہوگا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا کہ جمہوریت میں ہے۔ دوسری یہ کہ سارا اعتماد و توکل، اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

[1] جنگ احد کے دوران جو لوگ، مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے لوگ سمیٹ لے جائیں گے اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کرلیا کہ اس مال میں سے تمھارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ کیا تمھیں قائد غزوہ محمد ﷺ کی امانت پر اطمینان نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خیانت نبوت کے منافی ہے۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔ [2] نبی کے بشر اور انسانوں ہی میں سے ہونے کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان اور لہجے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگا۔ دوسرے، لوگ اسی کی جنس میں سے ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے۔ تیسرے، انسان کے لیے انسان، یعنی بشر کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان و شعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ اس لیے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے جتنے بھی انبیاء ﷺ آئے ہیں سب کے سب بشر ہی تھے۔ قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے، مثلاً، فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف 109:12) ''ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ مرد تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔'' وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان 20:25) ''ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔'' اور خود نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (حٰمٓ السجدۃ 6:41) ''آپ (ﷺ) کہہ دیجیے: میں بھی تو تمھاری طرح صرف بشر ہی ہوں، البتہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔'' آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔ [3] اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ (1) تلاوت آیات (2) تزکیہ (3) تعلیم کتاب و حکمت۔ تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آجاتی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا

Marfat.com

قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿164﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ
کھلی گمراہی میں تھے ﴿164﴾ بھلا تمھارا کیا حال ہے جب (احد میں) تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے
قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ
لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت کافروں کو پہنچائی تھی[1]۔
عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿165﴾ وَمَآ
کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے،[2] بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿165﴾ اور
اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
احد کے دن جب دونوں لشکر باہم ٹکرائے تو تمھیں جو (نقصان) پہنچا وہ اللہ کے حکم سے تھا،
وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿166﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ
اور اس لیے تھا کہ اللہ جان لے کہ مومن کون ہیں ﴿166﴾ اور یہ بھی جان لے کہ منافق کون ہیں[3]
وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ
اور ان منافقوں سے کہا گیا تھا: آؤ! اللہ کے راستے میں لڑو یا (شہر کا) دفاع کرو۔ انھوں نے
قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ
کہا: اگر ہمیں جنگ ہونے کا یقینی علم ہوتا تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے[4] وہ اس روز ایمان
اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے[5] وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿167﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا
دلوں میں نہیں تھی[6] اور اللہ وہ بات خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ﴿167﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ
خود تو پیچھے بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں سے (جو لڑائی میں مارے گئے) کہنے لگے: اگر وہ
قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ ان سے کہہ دیجیے: اگر تم اس بات میں سچے ہو تو اپنی
صٰدِقِيْنَ ﴿168﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
موت آنے پر اسے ٹال کر دکھانا ﴿168﴾[7] ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے

اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآن کے معنی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم واستعداد بہم نہ پہنچ جائے، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ تزکیے سے مراد عقائد اور اعمال واخلاق کی اصلاح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے انھیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بداخلاق اور بداطوار قوم کو اخلاق وکردار کی رفعتوں سے ہمکنار کر دیا، حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سنت ہے۔ [14] یہ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الْمُثَقَّلَةِ ہے، یعنی اِنَّ (تحقیق، یقیناً، بے شک) کے معنی میں۔

[1] یعنی احد میں تمھارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں تم نے ستر کافر قتل کیے تھے اور ستر قیدی بنائے تھے۔ [2] یعنی تمھاری اس غلطی کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے باوجود پہاڑی مورچہ چھوڑ کر تم نے کی تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری کہ اس غلطی کی وجہ سے کافروں کے ایک دستے کو اس درے سے دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ [3] یعنی احد میں تمھیں جو کچھ نقصان پہنچا، وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا ہے (تاکہ آئندہ تم اطاعت رسول کا کما حقہ اہتمام کرو) علاوہ ازیں اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا [4] لڑائی جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی آپ لوگ لڑائی لڑنے چل رہے ہوتے تو ہم بھی ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو لڑائی کی بجائے اپنے آپ کو تباہی کے دہانے میں جھونکنے جا رہے ہیں۔ ایسے غلط کام میں ہم کیوں آپ کا ساتھ دیں۔ یہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس لیے کہا کہ ان کی بات نہیں مانی گئی تھی اور اس وقت کہا جب وہ مقام شوط پر پہنچ کر واپس ہو رہے تھے اور عبداللہ بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ انھیں سمجھا بجھا کر شریک جنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ (قدرے تفصیل گزر چکی ہے) [5] اپنے نفاق اور ان باتوں کی وجہ سے جو انھوں نے کیں۔ [6] یعنی زبان سے تو ظاہر کیا جو مذکور ہوا لیکن دل میں یہ تھا کہ ہماری علیحدگی سے ایک تو مسلمانوں کے اندر بھی ضعف پیدا ہوگا۔ دوسرے، کافروں کو فائدہ ہوگا۔ مقصد اسلام، مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ کو نقصان پہنچانا تھا۔ [7] یہ منافقین کے اس قول کا رد ہے کہ ''اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر تم سچے ہو تو اپنے سے موت ٹال کر دکھاؤ۔'' مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ موت بھی جہاں اور جیسے مقدر ہے، وہاں اور اسی صورت میں آ کر رہے گی۔ اس لیے جہاد اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریز وفرار یہ کسی کو موت کے شکنجے سے نہیں بچا سکتا۔

Marfat.com

اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿169﴾ فَرِحِیْنَ

گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے ﴿169﴾ [1] جو کچھ اللہ نے

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ

اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس

لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ

کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں [2] کہ انھیں نہ

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿170﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿170﴾ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی

وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿171﴾ ع 17/16/8 اَلَّذِیْنَ

محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا [3] ﴿171﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں

اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا، ان میں سے جو لوگ نیکو کار

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿172﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ

اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے [4] ﴿172﴾ انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے

[1] شہداء کی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی، یقیناً حقیقی ہے لیکن برزخی ہے جس کا شعور اہل دنیا کو نہیں (جیسا کہ قرآن نے وضاحت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت نمبر: 154) پھر اس زندگی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں قبروں میں ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہاں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے پھلوں کی خوشبوئیں انھیں آتی ہیں جن سے ان کے مشام جان معطر رہتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ایک تیسری شکل معلوم ہوتی ہے اس لیے وہی صحیح ہے، وہ یہ کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کر دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی اور اس کی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر، و صحیح مسلم، حدیث: 1887) [2] یعنی وہ اہل اسلام جوان کے پیچھے دنیا میں زندہ ہیں یا مصروف جہاد ہیں، ان کی بابت وہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ بھی شہادت سے ہمکنار ہو کر یہاں ہم جیسی پر لطف زندگی حاصل کریں۔ شہدائے احد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انھیں ہمارے حالات اور پر مسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے تاکہ وہ جنگ و جہاد سے اعراض نہ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تمھاری یہ بات ان تک پہنچا دیتا ہوں۔'' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ علاوہ ازیں متعدد احادیث سے شہادت کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً: ایک حدیث میں فرمایا: «مَا مِنْ نَّفْسٍ تَمُوتُ، لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ يَسُرُّهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرٰى لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ» (مسند أحمد: 126/3، وصحيح مسلم، حديث: 1877) ''کوئی مرنے والی جان، جس کو اللہ کے ہاں اچھا مقام حاصل ہے، دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتی۔ البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ یہ آرزو وہ اس لیے کرتا ہے کہ شہادت کی فضیلت کا وہ مشاہدہ کر لیتا ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے کہا کہ مجھ سے اپنی کسی آرزو کا اظہار کر (تاکہ میں اسے پورا کردوں) تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جا سکتا۔'' (مسند أحمد: 361/3) [3] یہ اِسْتِبْشَار، پہلے استبشار کی تاکید اور اس بات کا بیان ہے کہ ان کی خوشی محض خوف و حزن کے فقدان ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے بے پایاں فضل و کرم کی وجہ سے بھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے پہلی خوشی کا تعلق دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کی وجہ سے اور یہ دوسری خوشی اس انعام و اکرام کی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خود ان پر ہوا۔ (فتح القدير)

[4] جب مشرکین جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستے میں انھیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک نہایت سنہری موقع ضائع کر دیا۔ مسلمان شکست خوردگی کی وجہ سے بے حوصلہ اور خوف زدہ تھے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر دینا چاہیے تھا تاکہ اسلام کا یہ پودا اپنی سرزمین (مدینہ) سے ہی نیست و نابود ہو جاتا۔ ادھر مدینہ پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اندیشہ ہوا کہ شاید وہ پھر پلٹ آئیں، لہٰذا آپ نے صحابہ کو لڑنے کے لیے آمادہ کیا، آپ کے کہنے پر صحابہ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے مقتولین و مجروحین کی وجہ سے دل گرفتہ اور محزون و مغموم تھے، تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ جب مدینہ سے 8 میل کے فاصلے پر واقع ''حمراء الاسد'' پر پہنچا تو مشرکین کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی بجائے

Marfat.com

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان
اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿173﴾ فَانْقَلَبُوْا
میں اضافہ کردیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے﴿173﴾[1] پھر وہ
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ
اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے[2] انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا، اور انھوں نے پیروی کی اللہ
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿174﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ
کی رضا کی، اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے﴿174﴾ یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے
اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿175﴾ وَلَا
ڈراتا ہے[3] پس تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو﴿175﴾[4] اور (اے نبی!) جو
يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
لوگ کفر میں تیزی دکھاتے ہیں ان کی سرگرمیاں آپ کو غمگین نہ کریں۔ بے شک وہ اللہ کا کچھ
شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ
نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے[5] اور ان کے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿176﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ
لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿176﴾ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا، وہ اللہ کا
يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿177﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ
کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿177﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا،
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ
وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انھیں جو ڈھیل دیتے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو انھیں صرف
لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿178﴾ مَا
اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں[6] اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے﴿178﴾

مکہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے رفقاء بھی مدینہ واپس آ گئے۔ آیت میں مسلمانوں کے اسی جذبۂ اطاعت اللہ و رسول کی تعریف کی گئی ہے۔ بعض نے اس کا سبب نزول ابوسفیان کی اس دھمکی کو بتلایا ہے کہ آئندہ سال بدر صغریٰ میں ہمارا تمھارا مقابلہ ہو گا۔ (ابوسفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جس پر مسلمانوں نے بھی اللہ و رسول کی اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جہاد میں بھرپور حصہ لینے کا عزم کر لیا۔ (ملخص از فتح القدیر و ابن کثیر) مگر یہ آخری قول سیاق سے میل نہیں کھاتا۔

[1] حمراء الاسد...... اور کہا جاتا ہے کہ بدر صغریٰ...... کے موقع پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل کیں اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین مکہ لڑائی کے لیے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے سے لیا۔ لیکن مسلمان اس قسم کی افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کی بجائے، مزید عزم و ولولہ سے سرشار ہو گئے اور ان کا ایمان مزید بڑھ گیا کیونکہ ایمان جتنا زیادہ ہو گا، جہاد کا عزم اور ولولہ بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان جامد قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتلاء و مصیبت کے وقت اہل ایمان کا شیوہ اللہ پر اعتماد و توکل ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ پڑھنے کی فضیلت وارد ہے۔ نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (فتح القدیر) [2] نعمت سے مراد سلامتی ہے اور فضل سے مراد وہ نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے بدر صغریٰ میں ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خرید کر فروخت کیا جس سے نفع حاصل ہوا اور آپ نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر) [3] یعنی تمھیں اس وسوسے اور وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں۔ [4] یعنی جب وہ تمھیں اس وہم میں مبتلا کرے تو تم صرف مجھ پر ہی بھروسا رکھو اور میری ہی طرف رجوع کرو، میں تمھیں کافی ہو جاؤں گا اور تمھارا ناصر رہوں گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (الزمر 36:39) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟'' مزید ملاحظہ ہوں: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (المجادلة 21:58) وغیرھا من الآیات [5] نبی ﷺ کے اندر اس بات کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، اسی لیے ان کے انکار اور تکذیب سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں، یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں۔ [6] اس میں اللہ کے قانون اِمْہال (مہلت دینے) کا بیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ
اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ
حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ
پاک کو ناپاک سے علیحدہ کردے[1] اور نہ اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ تم پر غیب ظاہر کرے[2] لیکن اللہ
عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪
اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) چن لیتا ہے[3] پس تم
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ
ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿179﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ
تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿179﴾ اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے
اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ
اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان
شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق
وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
پہنائے جائیں گے[4] اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ

اپنی حکمت و مشیت کے مطابق کافروں کو مہلت عطا فرماتا ہے، وقتی طور پر انھیں دنیا کی فراغت و خوش حالی سے، فتوحات سے اور مال واولاد سے نوازتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے والے نیکی اور اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار نہیں کرتے تو یہ دنیوی نعمتیں فضل الٰہی نہیں مہلت الٰہی ہے۔ جس سے ان کے کفر وفسوق میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بالآخر وہ جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق قرار پا جاتے ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا ہے، مثلاً: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ (المؤمنون 56,55:23) ''کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مال و اولاد میں اضافہ کرتے ہیں، یہ ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔''

[1] اس لیے اللہ تعالیٰ ابتلا کی بھٹی سے ضرور گزارتا ہے تا کہ اس کے دوست واضح اور دشمن ذلیل ہو جائیں۔ مومن صابر، منافق سے الگ ہو جائے جس طرح احد میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آزمایا جس سے ان کے ایمان، صبر وثبات اور جذبۂ اطاعت کا اظہار ہوا اور منافقین نے اپنے اوپر جو نفاق کا پردہ ڈال رکھا تھا، وہ بے نقاب ہوگیا۔ [2] یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح ابتلا کے ذریعے سے لوگوں کے حالات اور ان کے ظاہر و باطن کو نمایاں نہ کرے تو تمھارے پاس کوئی غیب کا علم تو ہے نہیں کہ جس سے تم پر یہ چیزیں منکشف ہو جائیں اور تم جان سکو کہ کون منافق ہے اور کون مومن خالص؟ [3] ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی باتوں پر مطلع فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے، یعنی یہ بھی کسی کسی وقت اور کسی کسی نبی پر ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نبی بھی (جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے) منافقین کے اندرونی نفاق اور ان کے مکر وکید سے بے خبر ہی رہتا ہے (جس طرح کہ سورۂ توبہ کی آیت:101 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اعراب اور اہل مدینہ میں جو منافق ہیں اے پیغمبر! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں) اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیب کی باتوں کا پتہ ہم صرف اپنے رسولوں کو ہی عطا کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی منصبی ضرورت ہے۔ اس وحیٔ الٰہی اور امور غیبیہ کے ذریعے سے ہی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اپنے کو اللہ کا رسول ثابت کرتے ہیں؟ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن 27,26:72) ''عالم الغیب (اللہ تعالیٰ ہے) اور وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی واقف نہیں کرتا مگر جس کو پسند کرلے رسولوں میں سے۔'' ظاہر بات ہے یہ امور غیبیہ وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق منصب و فرائض رسالت کی ادائیگی سے ہوتا ہے نہ کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ''جو کچھ ہو چکا اور آئندہ قیامت تک جو ہونے والا ہے۔'' کا علم۔ جیسا کہ بعض اہل باطل اس طرح کا علم غیب انبیاء علیہم السلام کے لیے اور کچھ لوگ اپنے ''ائمہ معصومین'' کے لیے باور کراتے ہیں۔ [4] اس میں اس بخیل کا حال بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکاۃ بھی نہیں نکالتا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اس کے مال کو ایک زہریلا اور نہایت خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ

Marfat.com

خَبِيْرٌ ﴿180﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ

اس سے خوب باخبر ہے⑱ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور

اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

ہم مالدار ہیں[1] یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے (وہ

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

بھی ان کے اعمال نامے میں درج ہے)[2] اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب

الْحَرِيْقِ ﴿181﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو⑱ یہ تمھارے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ہے اور بے شک اللہ

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿182﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ

اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں⑱ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا: بے شک اللہ نے ہم

اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ

سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے جسے

النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ

آگ کھا جائے۔ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمھارے پاس کئی رسول کھلی نشانیاں اور وہ (معجزہ) بھی

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿183﴾ فَاِنْ

لے کر آئے جس کا تم کہہ رہے ہو، پھر تم نے انھیں قتل کیوں کیا اگر تم سچے ہو؟⑱[3] (اے

كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ

نبی!) پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تھے جو کھلی

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿184﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ

نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے⑱[4] ہر کوئی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے، بے

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ

شک قیامت کے دن تمھیں پورے پورے اجر دیے جائیں گے۔ پھر جسے آگ سے دور رکھا

عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہوگیا، اور دنیا کی زندگی تو دھوکے ہی کا

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿185﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ

سامان ہے⑱[5] البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں ضرور آزمایا

مالُهُ شجاعا اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة» الحديث(صحيح البخاري، حديث: 4565)

[1] جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرة 245:2) ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے۔'' تو یہود نے کہا: اے محمد! تیرا رب فقیر ہوگیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

[2] یعنی مذکورہ قول جس میں اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اسی طرح ان کے (اسلاف) کا انبیاء ﷩ کو ناحق قتل کرنا، ان کے یہ سارے جرائم اللہ کی بارگاہ میں درج ہیں، جن پر وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔

[3] اس میں یہود کی ایک اور بات کی تکذیب کی جارہی ہے۔ وہ کہتے تھے: اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ تم صرف اس رسول کو ماننا جس کی دعا پر آسمان سے آگ آئے اور قربانی وصدقات کو جلا ڈالے۔ مطلب یہ تھا کہ اے محمد! آپ کے ذریعے سے اس معجزے کا چونکہ صدور نہیں ہوا۔ اس لیے بحکم الٰہی آپ کی رسالت پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، حالانکہ پہلے نبیوں میں ایسے نبی بھی آئے کہ جن کی دعا سے آسمان سے آگ آتی اور اہل ایمان کے صدقات اور قربانیوں کو کھا جاتی۔ جو ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ اللہ کی راہ میں پیش کردہ صدقہ یا قربانی بارگاہ الٰہی میں قبول ہوگئی۔ دوسری طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ نبی برحق ہے۔ لیکن ان یہودیوں نے ان نبیوں اور رسولوں کی بھی تکذیب ہی کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے ایسے پیغمبروں کو کیوں جھٹلایا اور انھیں کیوں قتل کیا جو تمھاری طلب کردہ نشانی ہی لے کر آئے تھے۔''

[4] نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ یہودیوں کی ان کٹ حجتیوں سے بد دل نہ ہوں۔ ایسا معاملہ صرف آپ کے ساتھ نہیں کیا جارہا ہے۔ آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے۔

[5] اس آیت میں ایک تو اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہوگا، اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تیسرا، کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کرلیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے دور اور جنت میں داخل کردیا گیا۔ چوتھا، یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے، جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام ونامراد ہے۔

Marfat.com

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿186﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿187﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿188﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

جائے گا[1] اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے ﴿186﴾[2] اور جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور اسے ہرگز نہیں چھپاؤ گے، پھر انھوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا، پھر کس قدر بری ہے وہ قیمت جو وہ وصول کر رہے ہیں ﴿187﴾[3] یہ لوگ جو اپنے کرتوت پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿188﴾[4] اور اللہ ہی کے لیے

[1] اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمانے کا بیان ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: 155 میں گزر چکا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مجلس میں مسلمان، مشرکین، یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ وہاں آئے اور سلام کہا۔ آپ کی سواری سے جو گرد اٹھی، ابن ابی نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا اور آپ نے انھیں ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ وہاں بعض مسلمان بھی تھے، انھوں نے اس کے برعکس آپ کی تحسین فرمائی، قریب تھا کہ ان کے مابین جھگڑا ہو جائے، آپ نے ان سب کو خاموش کرایا۔ پھر آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھیں بھی یہ واقعہ سنایا جس پر انھوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل، یہاں کے باشندگان نے اس کی تاج پوشی کرنی تھی، آپ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس کا اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض وعناد کا مظہر ہیں۔ اس لیے آپ درگزر ہی سے کام لیں۔ (صحيح البخاري ، حديث: 4566 [2] اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہ نبی ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے طعن وتشنیع کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب کا حال تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کا رئیس عبداللہ بن ابی بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا رہتا تھا۔ آپ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اسے اپنا سردار بنانے لگے تھے اور اس کے سر پر تاج سیادت رکھنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ آپ کے آنے سے اس کا یہ سارا خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا، چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف سب وشتم کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا (جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی ضروری تفصیل گزشتہ حاشیہ میں ہی بیان کی گئی ہے) ان حالات میں مسلمانوں کو عفو ودرگزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ داعیان حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت باللہ اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ (ابن كثير) [3] اس میں اہل کتاب کو زجر وتوبیخ کی جا رہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الٰہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی کی جو صفات ہیں، انھیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انھیں چھپائیں گے نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے اللہ کے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ گویا اہل علم کو تلقین وتنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے، جس سے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہو سکتی ہو، وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہیے اور دنیوی اغراض ومفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے۔ قیامت والے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ كما في الحديث (سنن أبي داود حديث: 3658، وجامع الترمذي، حديث: 2649 ، ومسند أحمد: 305/2) [4] اس میں ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو صرف اپنے واقعی کارناموں پر ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج یا ظاہر کیے جائیں جو انھوں نے نہیں کیے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عہد رسالت

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿189﴾ اِنَّ فِیْ ع 19 10
ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے﴿189﴾ بے شک
خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ
آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے
لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿190﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا
نشانیاں ہیں﴿190﴾ [1] جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب!
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ
تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب
النَّارِ ﴿191﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
سے بچا﴿191﴾ [2] اے ہمارے رب! بے شک جسے تو آگ میں داخل کرے یقیناً اسے تو نے رسوا کر
اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿192﴾ رَبَّنَاۤ
دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں﴿192﴾ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے
اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا
کو سنا، وہ ایمان کی طرف بلاتا ہے، یہ کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے۔
بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
اے ہمارے رب! پس تو ہمارے گناہ بخش دے، اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں
سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿193﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا
نیک لوگوں کے ساتھ فوت کر﴿193﴾ (اے) ہمارے رب! اور ہمیں وہ چیز دے جس کا تو نے

کے بعض لوگوں میں تھی جن کے پیش نظر آیات کا نزول ہوا۔ اسی طرح آج بھی جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ ۔ آیت کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کتاب الٰہی میں تحریف و کتمان کے مجرم تھے مگر وہ اپنے ان کرتوتوں پر خوش ہوتے تھے، یہی حال آج کے باطل گروہوں کا بھی ہے، وہ بھی لوگوں کو گمراہ کر کے، غلط رہنمائی کر کے اور آیات الٰہی میں معنوی تحریف و تلبیس کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل حق ہیں اور یہ کہ ان کے دجل و فریب کاری کی انھیں داد دی جائے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ۔

[1] یعنی جو لوگ زمین و آسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں، انھیں کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل و عریض کائنات کا یہ لگا بندھا نظام، جس میں ذرا خلل واقع نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ آگے انھی اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں..... حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے لے کر آخر سورت تک یہ آیات پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4569، وصحيح مسلم، حديث: 763) [2] ان دس آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں ضرور ہیں لیکن کن کے لیے؟ اہل عقل و دانش کے لیے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان عجائبات اور قدرت الٰہیہ کو دیکھ کر بھی جس شخص کو باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو، وہ اہل دانش ہی نہیں۔ لیکن یہ المیہ بھی بڑا عجیب ہے کہ آج کے عالم اسلام میں ''دانش ور'' سمجھا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو۔ «فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ» دوسری آیت میں اہل دانش کے ذوق ذکر الٰہی اور ان کا آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کا بیان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کروٹ کے بل لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1117) ایسے لوگ جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے اور رکھتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق کائنات کی عظمت و قدرت، اس کا علم و اختیار اور اس کی رحمت و ربوبیت کی صحیح معرفت انھیں حاصل ہوتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ رب کائنات نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد نہیں بنائی ہے بلکہ اس سے مقصد بندوں کا امتحان ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہو گیا، اس کے لیے ابد الآباد تک جنت کی نعمتیں ہیں اور جو ناکام ہوا اس کے لیے عذاب نار ہے۔ اس لیے وہ عذاب نار سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد والی تین آیات میں بھی مغفرت اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی دعائیں ہیں۔

Marfat.com

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ
اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا تھا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو
لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿194﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ
وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا (194) پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول[1] کی کہ تم میں سے
لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ
میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت[2]، تم آپس میں
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔[3] پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا
وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
اور انھیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انھوں نے جہاد کیا اور وہ قتل ہوئے تو میں ضرور ان
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿195﴾
نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ثواب (بدلہ) ہوگا، اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے (195)
لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿196﴾ مَتَاعٌ
جن لوگوں نے کفر کیا، ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے (196)[4] یہ تھوڑا
قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿197﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ
سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے (197)[5] لیکن جو لوگ اپنے رب سے
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
ڈرتے رہے، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں
فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿198﴾
گے، یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے (198)[6]

[1] فَاسْتَجَابَ یہاں اَجَابَ، یعنی ''قبول فرما لی'' کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر) [2] مرد ہو یا عورت کی وضاحت اس لیے کر دی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے، مثلاً: قوامیت و حاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے میں اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزا میں بھی شاید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا، وہ نیکی اگر ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا۔ [3] یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کا مقصد پچھلے نکتے ہی کی وضاحت ہے، یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو، یعنی ایک جیسے ہی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر الطبري و ابن کثیر و فتح القدیر) [4] خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت و کاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کے وسعت و فروغ کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے، اس سے اہل ایمان کو دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہیے، جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ○ (المؤمن 40:4) ''اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، پس ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔'' قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (یونس 10: 69،70) نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ○ (لقمٰن 31:24) [5] یعنی یہ دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں۔ کیونکہ بالآخر انھیں فنا ہونا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کیے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔ [6] ان کے برعکس جو تقویٰ اور خدا خوفی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ گو دنیا میں ان کے پاس رب فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہاں ان ابرار (نیک لوگوں) کو جو اجر و صلہ ملے گا، وہ اس سے

Marfat.com

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تمھاری طرف نازل کیا

اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ

گیا اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اس پر ایمان لاتے ہیں، وہ اللہ کے سامنے جھکنے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ

والے ہیں، وہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت کے بدلے نہیں بیچتے،[1] یہی ہیں جن کا اجر ان کے رب

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ١٩٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا

کے پاس ہے، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (199) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے

وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٢٠٠ ع

20
ع
11
11

کام لو، اور ثابت قدم رہو اور مورچوں پر ڈٹے رہو،[2] اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ (200)

اٰيَاتُهَا: 176 | سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 24

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا،[3] اور اسی سے

بہت بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو عارضی طور پر ملتا ہے۔

[1] اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا، جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا، آیات الٰہی میں تحریف وتلبیس کرنا اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے کتمان علم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء ومشائخ دنیوی اغراض کے لیے آیات الٰہی میں تحریف یا ان کے مفہوم کے بیان میں دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں، وہ ایمان وتقویٰ سے محروم ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی، البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور انھوں نے دین حق کو اپنایا۔ (تفسیر ابن کثیر) [2] صبر کرو، یعنی طاعات کے اختیار کرنے اور شہوات ولذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔ مُصَابَرَةٌ (صَابِرُوا) جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ اس لیے علیحدہ بیان فرمایا۔ رَابِطُوْا، میدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے لیے تیار رہنا مُرَابَطَه ہے۔ یہ بھی بڑے عزم وحوصلہ کا کام ہے۔ اسی لیے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے: رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا (صحيح البخاري، حديث: 2892) ''اللہ کے راستے (جہاد) میں اسلامی سرحد کا پہرہ دینا، (مورچہ بند ہونا) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' علاوہ ازیں حدیث میں مکارہ (ناگواری کے حالات میں) مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 251) ۞ نِسَآء کے معنی ہیں ''عورتیں'' اس سورت میں عورتوں کے بہت سے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس لیے اسے سورۂ نساء کہا جاتا ہے۔ [3] ''ایک جان'' سے مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں مِنْهَا سے وہی ''جان'' یعنی آدم مراد ہیں، یعنی آدم سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول مروی ہے کہ حضرت حوا، مرد (آدم) سے پیدا ہوئیں، یعنی ان کی بائیں پسلی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے: إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ...... (صحيح البخاري، حديث: 3331، وصحيح مسلم، حديث: 715، بعد الحديث: 1466) ''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔'' علماء مفسرین نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ خَلَقَ مِنْهَا سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم کہا جاتا ہے، تاہم بعض لوگ ''پسلی سے پیدا کی گئی۔'' کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ یہ عورت کی طبیعت اور فطرت کے اندر جو کجی ہے، حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے مگر یہ تاویل قرینے اور دلیل سے خالی ہے۔ والله أعلم بالصواب.

Marfat.com

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا

اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ

وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ

سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ

ڈرو،[1] بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ① اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوٓا اَمْوَالَهُمْ

برے مال سے نہ بدلو۔ اور تم ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، بیشک

اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ

یہ بہت بڑا گناہ ہے ②[2] اور اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ

اَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ

کرسکو گے تو ان کی بجائے ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو دو، تین تین اور چار

مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا

چار سے نکاح کرلو، پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا

تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا

اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو)[3] یہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم

تَعُولُوا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ

ناانصافی نہیں کرو گے ③[4] اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو پھر اگر وہ اپنی مرضی

1 وَالْاَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے، یعنی رحموں (رشتوں ناطوں) کو توڑنے سے بھی ڈرو۔ ارحام، رحم کی جمع ہے۔ مراد رشتے داریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ 2 یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ الْخَبِيثَ سے گھٹیا چیزیں اور بِالطَّيِّبِ سے عمدہ چیزیں مراد ہیں، یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لیے گھٹیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔ ان گھٹیا چیزوں کو خبیث (ناپاک) اور عمدہ چیزوں کو طیب (پاک) سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس طرح بدلا یا گیا مال، جو اگرچہ اصل میں تو طیب (پاک اور حلال) ہے لیکن تمھاری اس بددیانتی نے اس میں خباثت داخل کر دی اور وہ اب طیب نہیں رہا، بلکہ تمھارے حق میں وہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو گیا۔ اسی طرح بددیانتی سے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا بھی ممنوع ہے ورنہ اگر مقصد خیر خواہی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال میں ملانا جائز ہے۔ 3 اس کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری عورتوں کی طرح ان کا پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو، تمھارے لیے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا راستہ کھلا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4574) بلکہ ایک کی بجائے دو سے، تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں تک سے تم نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کرسکو۔ ورنہ ایک سے ہی نکاح کرو یا اس کی بجائے لونڈی پر گزارا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحت اور تحدید کر دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو چار سے زائد شادیاں کیں وہ آپ کے خصائص میں سے ہے جس پر کسی امتی کے لیے عمل کرنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر) 4 یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں انصاف کا اہتمام بہت مشکل ہے جس کی طرف قلبی میلان زیادہ ہوگا، ضروریات زندگی کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف ہوگی۔ یوں بیویوں کے درمیان وہ انصاف کرنے میں ناکام رہے گا اور اللہ کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ قرآن نے اس حقیقت کو دوسرے مقام پر نہایت بلیغانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا: وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النسآء 4:129) ”اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہ رکھو گے کہ بیویوں کے درمیان انصاف کرسکو اگرچہ تم حرص رکھو۔ (اس لیے یہ تو ضرور کرو) کہ ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیویوں کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو۔“ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ پتہ ہو کہ دوسری شادی کی صورت میں ایک ہی بیوی کی طرف مائل ہو جائے گا اور

Marfat.com

لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا (4) وَلَا تُؤْتُوا
سے تمھیں کچھ مہر چھوڑ دیں تو تم اسے شوق سے کھا سکتے ہو(4) اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں
السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں، البتہ ان میں سے انھیں
فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (5)
کھانے اور پہننے کے لیے دو۔ اور ان سے اچھی بات کہو(5) اور تم یتیموں کی جانچ پرکھ
وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ
کرو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم انھیں سمجھ دار پاؤ تو ان
مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ
کے مال ان کے سپرد کر دو، اور تم ان کے مال حد سے بڑھ کر اور جلدی کرتے ہوئے
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا
اس خیال سے نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (اور اپنا حق مانگیں گے)۔ اور جو
فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
(سرپرست) مال دار ہو وہ (یتیم کا مال کھانے سے) بچے، اور جو غریب ہو وہ جائز
فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ
طریقے سے (اس کا مال) کھا سکتا ہے، پھر جب تم ان کے مال ان کے سپرد کرو تو ان
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (6) لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ
پر کسی کو گواہ ٹھہرا لو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے(6) [1] مردوں کے لیے اس مال میں حصہ
الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا
ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ،
اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (7) وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ
اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے(7) [2] اور جب تقسیم کے وقت حاضر ہوں
اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ
(دور کے) رشتہ دار، یتیم اور مسکین تو انھیں بھی اس میں سے کچھ دے
مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (8) وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ
دو، اور ان سے اچھی بات کہو(8) [3] اور لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ

دوسری کو کالمعلقۃ "بیچ میں لٹکی ہوئی کی طرح" چھوڑ دے گا تو اس کے لیے ایک سے زائد شادیاں کرنا ناجائز اور نہایت خطرناک ہے۔

[1] یتیموں کے مال کے بارے میں ضروری ہدایات دینے کے بعد اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یتیم کا مال تمھارے پاس رہا، تم نے اس کی کس طرح حفاظت کی اور جب مال ان کے سپرد کیا تو اس میں کوئی کمی بیشی یا کسی قسم کی تبدیلی کی یا نہیں؟ عام لوگوں کو تو تمھاری امانت داری یا خیانت کا شاید پتہ نہ چلے۔ لیکن اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ یقیناً جب تم اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو تم سے حساب لے گا۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ابوذر! میں تمھیں ضعیف دیکھتا ہوں اور تمھارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں، جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا نہ کسی یتیم کے مال کا والی اور سرپرست۔" (صحیح مسلم، حدیث: 1826) [2] اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انھیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے (جیسا کہ 3 آیات کے بعد مذکور ہے) یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔ [3] اسے بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں، بلکہ ایک

Marfat.com

تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

مرتے وقت اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جائیں تو انھیں ان کے بارے میں کتنی فکر

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿9﴾ اِنَّ الَّذِينَ

ہوگی، چنانچہ انھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور سیدھی بات کہنی چاہیے[1] ⑨ بے شک جو

يَاْكُلُونَ اَمْوٰلَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُونَ فِي

لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے

بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿10﴾ يُوصِيكُمُ

ہیں اور وہ جلد دہکتی آگ میں داخل ہوں گے ⑩ اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے

اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

میں وصیت کرتا ہے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے[2] پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَاِنْ كَانَتْ

ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے[3] اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ)

وٰحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وٰحِدٍ مِّنْهُمَا

ہے، اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے[4] اگر اس

بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں، اسی طرح دیگر یتیم اور مسکین لوگ اگر تقسیم کے وقت آ جائیں تو انھیں بھی کچھ دے دو۔ نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔ دولت کو آتے ہوئے دیکھ کر قارون و فرعون نہ بنو۔

[1] بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیاء ہیں (جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تا کہ وہ نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کر سکے نہ حقوق بنی آدم میں اور وہ وصیت میں ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے۔ اگر وہ خوب صاحب حیثیت ہے تو اپنے مال کو ایسے لوگوں کو دینے کے حق میں ضرور وصیت کرے جو اس کے قریبی غیر وارث رشتہ داروں میں غریب اور مستحق امداد ہیں یا پھر کسی دینی مقصد اور ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کرے تا کہ یہ مال اس کے لیے زاد آخرت بن جائے لیکن یہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہ صاحب حیثیت نہیں ہے تو اسے تہائی مال میں وصیت کرنے سے روکا جائے تا کہ اس کے اہل خانہ بعد میں مفلسی اور احتیاج سے دوچار نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی اپنے ورثاء کو محروم کرنا چاہے تو اس سے بھی اس کو منع کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اگر ان کے بعد ان کے بچے فقر و فاقہ سے دوچار ہو جائیں تو اس کے تصور سے ان پر کیا گزرے گی۔ اس تفصیل سے مذکورہ سارے ہی مخاطبین اس کا مصداق ہیں۔ (تفسير القرطبي و فتح القدير) [2] اس کی حکمت اور اس کا مبنی بر عدل و انصاف ہونا ہم واضح کر آئے ہیں۔ ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر اس اصول کے مطابق تقسیم ہوگی۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث ہوں گی۔ حتی کہ جنین (ماں کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہوگا۔ البتہ کافر اولاد وارث نہ ہوگی۔ [3] یعنی بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی (کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے) دو سے زائد لڑکیوں کو دیے جائیں گے اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں، تب بھی انھیں دو تہائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے اور ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ مگر سعد رضی اللہ عنہ کے سارے مال پر ان کے ایک بھائی نے قبضہ کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے اپنے باپ کے ترکہ میں سے دو ثلث مال دلوایا۔ (جامع الترمذي، حديث: 2092، وسنن أبي داود، حديث: 2891، وسنن ابن ماجه، حديث: 2720) علاوہ ازیں سورۂ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے بھی دو تہائی حصہ ہے، لہٰذا جب دو بہنیں دو تہائی مال کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی مال کی وارث ہوں گی۔ جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انھیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے (فتح القدير) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو دونوں صورتوں میں مال متروکہ سے دو تہائی بیٹیوں کا حصہ ہوگا۔ باقی مال عصبہ میں تقسیم ہوگا۔ [4] ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پہلی صورت ہے کہ مرنے والے کی اگر اولاد بھی ہو تو مرنے والے کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اس میں سے چونکہ صرف نصف مال (چھ حصوں میں سے 3 حصے) بیٹی کے ہوں گے اور ایک

Marfat.com

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ
کی اولاد ہو۔ اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے
لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ
لیے تیسرا حصہ ہے[1] اور اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں
اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ
کے لیے چھٹا حصہ ہے[2] (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی تمھارے باپ
دَيْنٍ ۗ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ
اور تمھارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے[3]
نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (11)
(یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے (11)
وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ
اور تمھاری بیویوں کے ترکے میں تمھارا آدھا حصہ ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو
فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ
ان کے ترکے میں تمھارا چوتھا حصہ ہے[4] (یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد
وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا
ہوگی اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمھاری
تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے[5] (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا قرض ادا
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ
کرنے کے بعد ہوگی اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اس کا بیٹا ہو نہ باپ[6]، یا ایسی ہی

سدس (چھٹا حصہ) ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد مزید ایک سدس باقی بچ جائے گا اس لیے بچنے والا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائے گا، یعنی اس صورت میں باپ کو دو سدس ملیں گے، ایک ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے دوسرا عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

[1] یہ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں اجماعًا شامل ہیں) اس صورت میں ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے سے دوگنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لیے ثلث (تیسرا حصہ) اور باقی باپ کے لیے ہوگا۔ [2] یہ تیسری صورت ہے کہ ماں باپ کے ساتھ، مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے (عینی) ہوں، یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں۔ یا باپ ایک ہو، مائیں مختلف ہوں، یعنی علاتی بھائی بہن ہوں یا ماں ایک ہو، باپ مختلف ہوں، یعنی اَخْیَافِی بھائی بہن ہوں۔ اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے۔ لیکن ماں کے لیے حجب (نقصان کا سبب) بن جائیں گے، یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث (تیسرے حصے) کو سدس (چھٹے حصے) میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (5/6) باپ کے حصہ میں چلا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا مذکور ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو اس صورت میں مال میں ماں کا حصہ ثلث برقرار رہے گا۔ وہ سدس میں تبدیل نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر) [3] اس لیے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، وہ ان کو دو۔ [4] صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد، یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہیں، اس پر امت کے علماء کا اجماع ہے (فتح القدیر وابن کثیر) اسی طرح مرنے والے شوہر کی اولاد، خواہ اس کی وارث ہونے والی موجودہ بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح مرنے والی عورت کی اولاد اس کے وارث ہونے والے موجودہ خاوند سے ہو یا پہلے کے کسی خاوند سے۔ [5] بیوی اگر ایک ہوگی تب بھی اسے چوتھا یا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں گی تب بھی یہی حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا، ہر ایک کو الگ الگ چوتھائی یا آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ (فتح القدیر) [6] (کلالہ) سے مراد وہ میت ہے (مرد ہو یا عورت) جس کا باپ ہو نہ اولاد۔ یہ اکلیل سے مشتق ہے۔ اکلیل تاج کو کہتے ہیں جو کہ سر کو اس کے اطراف (کناروں) سے گھیر لیتا ہے۔ کلالہ کو بھی کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ اصول وفروع کے اعتبار سے تو اس کا وارث نہ بنے لیکن اطراف و جوانب سے وارث قرار پا جائے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر) اور کہا جاتا ہے کہ کلالہ کلل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھک جانا۔ گویا اس شخص تک پہنچتے پہنچتے سلسلۂ نسل ونسب تھک گیا اور آگے نہ چل سکا۔

Marfat.com

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ
عورت ہو۔ اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن[1] ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ
فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ
ہے۔ پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے[2] (یہ تقسیم)
شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ
اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی)[3] جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو[4] یہ
مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (12) تِلْكَ حُدُوْدُ
اللہ کی طرف سے تاکید ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے (12) یہ اللہ کی حدیں ہیں
اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی
الْعَظِيْمُ (13) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ
کامیابی ہے (13) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے
حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ
آگے نکلے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے
مُّهِيْنٌ (14) ع وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ
رسوا کرنے والا عذاب ہے (14) اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں، تو
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
تم ان پر اپنے میں سے چار مرد گواہ ٹھہرالو، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو

ع 2/4/13

[1] اس سے مراد اخیافی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو باپ الگ الگ۔ کیونکہ عینی بھائی بہن یا علاتی بہن بھائی کا حصۂ میراث اس طرح نہیں ہے اور اس کا بیان اسی سورت کے اخیر میں آ رہا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے (فتح القدير) دراصل نسل کے لیے مرد وزن میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کا قانون چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے لیے اس جگہ اور بہن بھائیوں کے لیے آخری آیت نساء میں ہر دو جگہ یہی قانون ہے، البتہ صرف ماں کی اولاد میں چونکہ نسل کا حصہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں ہر ایک کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بھائی یا ایک بہن کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ [2] ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ نیز ان میں مذکر اور مؤنث کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلا تفریق سب کو مساوی حصہ ملے گا، مرد ہو یا عورت۔ ملحوظہ: ماں زاد، یعنی اخیافی بھائی بعض احکام میں دوسرے وارثوں سے مختلف ہیں (1) یہ صرف اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں۔ (2) ان کے مرد اور عورت، حصے میں مساوی ہوں گے۔ (3) یہ اس وقت وارث ہوں گے جبکہ میت کلالہ ہو، پس باپ دادا بیٹا اور پوتے وغیرہ کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ (4) ان کے مرد و عورت کتنے بھی زیادہ ہوں، ان کا حصہ ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ ان کو اپنے مرنے والے اخیافی بھائی سے جو مال ملے گا اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہوگا، یہ نہیں کہ مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ یقیناً اسی صورت میں ہی کیا ہوگا جب ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہوگی۔ (ابن کثیر) [3] میراث کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تیسری مرتبہ کہا جا رہا ہے کہ ورثے کی تقسیم وصیت پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت پر عمل اس کے بعد کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے تینوں جگہ وصیت کا ذکر دَین (قرض) سے پہلے کیا، حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے دَین کا ذکر پہلے ہونا چاہیے تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کو تو لوگ اہمیت دیتے ہیں، نہ بھی دیں تو لینے والے زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن وصیت پر عمل کرنے کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس معاملے میں تساہل یا تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے وصیت کا پہلے ذکر فرما کر اس کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ (روح المعاني) ملحوظہ: اگر بیوی کا حق مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہوگا اور اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت کا حصہ شرعی اس مہر کے علاوہ ہوگا۔ [4] بایں طور کہ وصیت کے ذریعے سے کسی وارث کو محروم کر دیا جائے یا کسی کا حصہ گھٹا بڑھا دیا جائے یا یوں ہی وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کہہ دے کہ فلاں شخص سے میں نے اتنا قرض لیا ہوا ہے، درآں حالیکہ کچھ بھی نہ لیا ہو۔ گویا اضرار کا تعلق وصیت اور دَین دونوں سے

Marfat.com

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ

گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انھیں موت آجائے[1] یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ

يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (15) وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ

نکال دے[2] (15) اور تم میں سے جو دو مرد بے حیائی کا کام کریں[3] تو ان کو ایذا دو،[4] پھر اگر

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ

وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ بہت توبہ قبول

اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (16) اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ

کرنے والا، بڑا مہربان ہے (16) اللہ تو صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے

يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ

برا کام کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کرلیتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلیتا ہے، اور

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (17)

اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے (17) اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے، تو وہ کہتا ہے:

حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ

بے شک اب میں نے توبہ کی[5] اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو اس حال میں مرتے

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (18)

ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں، ان لوگوں کے لیے ہم نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے (18)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ،[6] اور تم

ہے اور دونوں کے ذریعے سے نقصان پہنچانا ممنوع اور کبیرہ گناہ ہے۔ نیز ایسی وصیت بھی باطل ہوگی۔

[1] یہ بدکار عورتوں کی بدکاری کی وہ سزا ہے جو ابتدائے اسلام میں، جبکہ زنا کی سزا متعین نہیں ہوئی تھی، عارضی طور پر مقرر کی گئی تھی۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں تین سے دس تک کی گنتی میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ معدود مذکر ہوگا تو عدد مؤنث اور معدود مؤنث ہوگا تو عدد مذکر۔ یہاں اربعة (معدود 4 کا عدد) مؤنث ہے، اس لیے اس کا معدود جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محذوف ہے، یقیناً مذکر آئے گا اور وہ ہے رجال، یعنی اَرْبَعَةُ رِجَالٍ جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اثبات زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے، اس کے اثبات کے لیے گواہوں کی کڑی شرط عائد کر دی گئی ہے، یعنی چار مسلمان مرد عینی گواہ، اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں ہوگا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب: ''عورتوں کے امتیازی مسائل'' ہیں، مسئلہ شہادتِ نسواں عقل ونقل کی روشنی میں) [2] اس راستے سے مراد زنا کی وہ سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی، یعنی شادی شدہ زنا کار مرد وعورت کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے سو سو کوڑوں کی سزا، جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1690) [3] بعض نے اس سے اغلام بازی مراد لی ہے، یعنی عمل لواطت۔ دو مردوں کا ہی آپس میں بدفعلی کرنا اور بعض نے اس سے باکرہ مرد وعورت مراد لیے ہیں اور اس سے قبل کی آیت کو انھوں نے محصنات، یعنی شادی شدہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض نے اس تثنیہ کے صیغے سے مرد اور عورت مراد لیے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باکرہ ہوں یا شادی شدہ۔ ابن جریر طبری نے دوسرے مفہوم، یعنی باکرہ (مرد و عورت) کو ترجیح دی ہے۔ اور پہلی آیت میں بیان کردہ سزا کو نبی ﷺ کی بتلائی ہوئی سزا ''سزائے رجم'' سے اور اس آیت میں بیان کردہ سزا کو سورۂ نور میں بیان کردہ ''سوکوڑوں کی سزا'' سے منسوخ قرار دیا ہے۔ (تفسیر الطبري) [4] یعنی زبان سے زجر وتوبیخ اور ملامت یا ہاتھ سے کچھ زدوکوب کر لینا۔ اب یہ منسوخ ہے، جیسا کہ گزرا۔ [5] اس سے واضح ہے کہ موت کے وقت (حالت نزع میں) کی گئی توبہ غیر مقبول ہے، جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ اس کی ضروری تفصیل آل عمران کی آیت: 90 میں گزر چکی ہے۔ [6] اسلام سے قبل عورت پر ایک یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ کسی شخص کے مرجانے پر اس کے گھر کے لوگ اس کے مال کی طرح اس کی عورت کے بھی زبردستی وارث بن بیٹھتے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح کر لیتے یا اپنے بھائی، بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیتے، حتی کہ سوتیلا بیٹا تک بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کر لیتا یا اگر چاہتے تو اسے کسی بھی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتے اور وہ ساری عمر یوں ہی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرمادیا۔

Marfat.com

كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

انھیں (اس مقصد سے) نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو[1] مگر اس

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں[2] اور تم ان کے ساتھ اچھے

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

طریقے سے گزر بسر کرو، پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿19﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ

میں بہت بہتری کر دے ﴿19﴾[3] اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم نے ان

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ

میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو[4] کیا تم اسے بہتان لگا کر

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿20﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى

اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟ ﴿20﴾ اور تم مہر میں سے کیسے واپس لو گے، حالانکہ تم ایک

بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿21﴾ وَلَا

دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو[5] اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہے؟ ﴿21﴾[6] اور جن عورتوں

تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ

سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو[7] مگر جو پہلے گزر گیا سو گزر گیا

[1] ایک ظلم یہ بھی عورت پر کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو وہ پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو ازخود اس کو طلاق نہ دیتا (جس طرح کہ ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے) بلکہ اسے خوب تنگ کرتا تاکہ وہ مجبور ہو کر حق مہر یا جو کچھ خاوند نے اسے دیا ہوتا، ازخود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے۔ اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔ [2] کھلی برائی سے مراد بدکاری یا بد زبانی اور نافرمانی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں البتہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ خاوند اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا حق مہر واپس کر کے خلع کرانے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ خلع کی صورت میں خاوند کو حق مہر واپس لینے کا حق دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ، آیت: 229) [3] یہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے: لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (صحیح مسلم، حدیث: 1467) ''مومن مرد (شوہر) مومنہ عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔'' مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشوز وعصیان کے سوا اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے خاوند اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر اور برداشت سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کے لیے خیر کثیر (بہت بہتری) پیدا فرما دے، یعنی نیک اولاد دے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس ہے کہ مسلمان قرآن وحدیث کی ان ہدایات کے برعکس ذرا ذرا سی باتوں کی وجہ سے اپنی بیویوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اس طرح اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو نہایت ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کے لیے دیا گیا تھا، نہ کہ گھر اجاڑنے، عورتوں پر ظلم کرنے اور بچوں کی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ علاوہ ازیں اس طرح یہ اسلام کی بدنامی کا بھی باعث بنتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دے کر اسے ظلم کرنے کا اختیار دے دیا۔ یوں اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی کو خرابی اور ظلم باور کرایا جاتا ہے۔ [4] خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ ﴿قِنْطَارًا﴾ خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں، یعنی کتنا بھی حق مہر دیا ہو واپس نہیں لے سکتے۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم (بہتان) اور کھلا گناہ ہوگا۔ [5] ''ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو'' کا مطلب ہم بستری ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنایۃً بیان فرمایا ہے۔ [6] ''پختہ عہد'' سے وہ عہد مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم ''اسے اچھے طریقے سے روک لینا (آباد رکھنا) یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا۔'' [7] زمانۂ جاہلیت میں سوتیلے بیٹے اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کر لیتے تھے، اس سے روکا جا رہا ہے کہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ﴾ کا عموم ایسی عورت سے بھی نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مروی ہے۔ اور علماء اسی کے قائل ہیں۔ (تفسیر الطبري)

Marfat.com

كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا ﴿22﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ

بے شک یہ بے حیائی کا کام، ناراضی کی بات اور برا طریقہ ہے﴿22﴾ تم پر حرام کی گئی ہیں[1] تمھاری

وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ

مائیں، اور تمھاری بیٹیاں، اور تمھاری بہنیں، اور تمھاری پھوپھیاں، اور تمھاری خالائیں، اور تمھاری

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

بھتیجیاں، اور تمھاری بھانجیاں، اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو، اور تمھاری

الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ

دودھ شریک بہنیں، اور تمھاری بیویوں کی مائیں، اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش

مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، پھر اگر تم نے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ

ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں، اور

مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا (بھی حرام ہے) مگر جو پہلے گزر گیا سو گزر گیا۔ بے شک

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿23﴾

اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے﴿23﴾

[1] جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ ان میں سات محرمات نسبی، سات رضاعی اور چار سسرالی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث رسول سے ثابت ہے کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ سات نسبی محرمات میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں اور سات رضاعی محرمات میں رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالائیں رضاعی بھتیجیاں اور رضاعی بھانجیاں ہیں اور سسرالی محرمات میں ساس، ربائب (مدخولہ بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیاں) بہو اور دو سگی بہنوں کا جمع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ باپ کی منکوحہ (جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے) اور حدیث کے مطابق بیوی جب تک عقد نکاح میں ہے، اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ اور اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔ محرمات نسبیہ کی تفصیل: أُمَّهَات (مائیں) میں ماؤں کی مائیں (نانیاں) ان کی دادیاں اور باپ کی مائیں (دادیاں، پردادیاں اور ان سے آگے تک) شامل ہیں۔ بَنَات (بیٹیاں) میں پوتیاں، نواسیاں اور پوتیوں، نواسیوں کی بیٹیاں (نیچے تک) شامل ہیں۔ زنا کے نتیجے میں زانی کے نطفے سے پیدا ہونے والی لڑکی، اس کی بیٹی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ ائمۂ ثلاثہ اسے بیٹی میں شامل کرتے ہیں اور اس سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں اور یہی حق ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ بنت شرعی نہیں ہے۔ پس جس طرح وہ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ تمھیں اولاد میں مال متروکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔" میں داخل نہیں اور بالاجماع وہ وارث نہیں۔ اسی طرح وہ اس آیت میں بھی داخل نہیں۔ واللہ أعلم (ابن کثیر) أَخَوَات (بہنیں) عینی ہوں یا اخیافی وعلاتی۔ عَمَّات (پھوپھیاں) اس میں باپ کی اور سب مذکر اصول (نانا، دادا) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ خَالَات (خالائیں) اس میں ماں کی اور سب مؤنث اصول (نانی، دادی) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ بھتیجیاں، اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ اور بلاواسطہ (یا صلبی وفرعی) شامل ہیں۔ بھانجیاں، اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ وبلاواسطہ (یا صلبی وفرعی) شامل ہیں۔

قسم دوم، محرمات رضاعیہ: رضاعی ماں، جس کا دودھ تم نے مدت رضاعت (دو سال) کے اندر پیا ہو۔ رضاعی بہن، وہ عورت جس کو تمھاری حقیقی یا رضاعی ماں نے دودھ پلایا، تمھارے ساتھ پلایا یا تم سے پہلے یا بعد تمھارے اور بہن بھائیوں کے ساتھ پلایا۔ یا جس عورت کی حقیقی یا رضاعی ماں نے تمھیں دودھ پلایا، چاہے مختلف اوقات میں پلایا ہو۔ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جائیں گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رضاعی ماں بننے والی عورت کی نسبی ورضاعی اولاد دودھ پینے والے بچے کے بہن بھائی، اس عورت کا شوہر اس کا باپ اور اس مرد کی بہنیں، اس کی پھوپھیاں، اس عورت کی بہنیں، خالائیں اور اس عورت کے جیٹھ، دیور، اس کے رضاعی چچا، تایا بن جائیں گے اور اس دودھ پینے والے بچے کے نسبی بہن بھائی وغیرہ اس گھرانے پر رضاعت کی بنا پر حرام نہ ہوں گے۔ قسم سوم، سسرالی محرمات: بیوی کی ماں، یعنی ساس (اس میں بیوی کی نانی دادی بھی داخل ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کر کے بغیر ہم بستری کے ہی طلاق دے دی ہو، تب بھی اس کی ماں (ساس) سے نکاح حرام ہوگا۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مباشرت کے طلاق دے دی ہو تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ (فتح القدیر) ربیبہ: بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی۔ اس کی

Marfat.com

حرمت مشروط ہے، یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہوگی تو ربیبہ سے نکاح حرام، بصورت دیگر حلال ہوگا۔ ﴿فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''وہ ربیبہ جو تمھاری گود میں پرورش پائیں۔'' یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، بطور شرط کے نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہوگی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہوگا۔ حلائل یہ حلیلة کی جمع ہے یہ حل یحل (اترنا) سے فعیلة کے وزن پر بمعنی فاعلة ہے۔ بیوی کو حلیلہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے، یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی داخل ہیں، یعنی ان کی بیویوں سے بھی نکاح حرام ہوگا۔ اسی طرح رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہوں گے۔ ﴿مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ ''تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں۔'' کی قید سے یہ واضح ہوگیا کہ لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام نہیں ہے۔ دو بہنیں (رضاعی ہوں یا نسبی) ان سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ البتہ ایک کی وفات کے بعد یا طلاق کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے سے پانچویں نکاح کی اجازت نہیں جب تک طلاق یافتہ عورت عدت سے فارغ نہ ہوجائے۔

ملحوظہ: زنا سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس بدکاری کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے یا اس کی بیٹی سے (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کر لے گا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی (دلائل کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر) احناف اور دیگر بعض علماء کی رائے میں زنا کاری سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ امام شوکانی اور صاحب ''فقه السنة'' نے جمہور کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ قرآن میں ایک تو یہ کہا گیا کہ ''تمھاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں۔'' اور انسان جس عورت سے بدکاری کرتا ہے تو وہ اس کی بیوی نہیں بن جاتی ہے کہ اس کی ماں سے یا اس کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے۔ ثانیاً محرمات کے ذکر کے بعد کہا گیا ہے: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ ''ان کے علاوہ سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔'' قرآن کے اس عموم نے محرمات کے علاوہ سب سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور اللہ نے زنا کو اسباب تحریم میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث میں بھی اس کا بیان نہیں ہے۔ حدیث «لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2015) ''حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔'' سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے، اس لیے صرف اسے مدار استدلال نہیں بنایا جاسکتا، تاہم مذکورہ دلائل کی تائید میں اسے پیش کیا جا سکتا ہے، بالخصوص جبکہ اس کے ہم معنی ایک اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے: «إِنَّ وَطْأَ الْحَرَامِ لَا يُحَرِّمُ» ''حرام (ناجائز) ہم بستری، کسی کو حرام نہیں کرتی۔'' (إرواء الغليل: 287/6) چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں: ''زنا، کسی حلال کو حرام نہیں کرے گا، اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس عورت کے ساتھ اس کا یا اس کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اپنی ساس کے ساتھ یا بیوی کی بیٹی کے ساتھ (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کر لے، تو وہ بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، اسی طرح سالی کے ساتھ بدکاری کرنے سے نہ بیوی حرام ہوگی اور نہ اس طرح وہ دونوں بہنوں کو (ایک نکاح میں) جمع کرنے والا شمار ہوگا۔'' (كتاب الأم: 98/6) **ایک نہایت غیر معقول فقہی مسئلہ:** مذکورہ رائے آپ نے ملاحظہ فرمائی جو قرآن و حدیث کے دلائل سے ثابت ہے، اب اس کے مقابلے میں فقہی آراء ہی کو اہمیت دینے والے علماء کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں، جو دو مرجع عوام و خواص بزرگوں کی طرف سے ایک سائل کے جواب میں دیا گیا ہے۔ بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۵ پر مسئلہ ''رات کو اپنی بی بی کے جگانے کے لئے اُٹھا۔ مگر غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا یا ساس پر ہاتھ پڑ گیا اور بی بی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تو اب وہ مرد اپنی بی بی پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگیا۔ اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں ہے۔ اور لازم ہے یہ مرد اس عورت کو طلاق دیدے، تو اب سوال یہ ہے کہ جب دونوں اس میں بے قصور ہیں تو طلاق دینے کی کیا وجہ ہے؟ جواب: بہشتی زیور...... سے جو مسئلہ آپ نے نقل کیا یہ مسئلہ حنفیہ کے نزدیک سای طرح ہے کہ اگر غلطی سے یا قصداً کوئی شخص اپنی لڑکی یا اپنی ساس کے بدن کو بغیر حائل ہاتھ لگا دے اور اس وقت اُس کو خواہش (شہوت) ہو تو اس کی لڑکی کی ماں یا ساس کی بیٹی (یعنی ہاتھ لگانے والے کی بیوی) اُس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس میں اگرچہ بیوی کا قصور نہیں اور غلطی ہو جانے کی صورت میں مرد کا بھی قصور نہیں مگر حُرمت کی وجہ دوسری ہے جس میں قصور ہونے نہ ہونے کو دخل نہیں ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے۔ واللہ اعلم

Marfat.com

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور تمھارے لیے شادی شدہ عورتیں بھی حرام ہیں سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک ہو[1] (یہ)

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا

اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے، اور ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں، وہ تمھارے لیے حلال کردی گئی

بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ

ہیں، (شرط یہ ہے) کہ تم اپنے مال (مہر) کے بدلے انھیں حاصل کرکے ان سے نکاح کرو اور

مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

تمھاری نیت بدکاری کی نہ ہو[2] پھر جن سے مہر کے عوض تم فائدہ اٹھاؤ، انھیں ان کے مقرر کیے ہوئے

فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

مہر دے دو[3] اگر تم مہر مقرر کرلینے کے بعد اس (میں کمی بیشی) پر راضی ہوجاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں[4]

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ

بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے (24) اور تم میں سے جو شخص آزاد مومن عورتوں

[1] قرآن کریم میں اِحْصَان چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے: (1) شادی شدہ ہونا (2) آزادی (3) پاک دامنی (4) اور اسلام۔ اس اعتبار سے مُحْصَنَاتٌ کے چار مطلب ہیں: (1) منکوحہ عورتیں (2) آزاد عورتیں (3) پاک دامن عورتیں اور (4) مسلمان عورتیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب بعض جنگوں میں کافروں کی عورتیں بھی مسلمانوں کی قید میں آکر لونڈیاں بنادی گئیں تو مسلمانوں نے ان سے ہم بستری کرنے میں کراہت محسوس کی کیونکہ وہ شوہر والیاں تھیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1456) جس سے یہ معلوم ہوا کہ جنگ میں حاصل ہونے والی کافر عورتیں، جب مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں تو شوہر والیاں ہونے کے باوجود ان سے مباشرت کرنا جائز ہے، البتہ استبرائے رحم ضروری ہے، یعنی ایک حیض آنے کے بعد یا حاملہ ہیں تو وضع حمل کے بعد ان سے جنسی تعلق قائم کیا جائے۔

لونڈی کا مسئلہ: نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ عام تھا جسے قرآن نے بند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے میں ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جس سے غلاموں اور لونڈیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل ہوں۔ اس کے دو ذریعے تھے۔ ایک تو بعض خاندان صدیوں سے ایسے قدیم روایتی جنگوں کے نتیجے میں غلام ہی چلے آرہے تھے کہ ان کی نسلوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ان کے مرد اور عورت فروخت کردیے جاتے تھے۔ یہی خریدے ہوئے مرد و عورت غلام اور لونڈی کہلاتے تھے۔ مالک کو ان سے ہر طرح کے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق حاصل ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ اسلامی جنگوں میں قیدیوں والا تھا کہ کافروں کی قیدی عورتوں کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا اور وہ ان کی لونڈیاں بن کر ان کے پاس رہتی تھیں۔ اس دور میں قیدیوں کے لیے کوئی بین الاقوامی قانون تو تھا نہیں، اس لیے یہ اس دور کے اعتبار سے قیدیوں کے لیے بہترین حل تھا۔ کیونکہ اگر انھیں معاشرے میں یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے ذریعے سے فساد پیدا ہوتا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب اَلرِّقُّ فِي الْإِسْلَامِ ''اسلام میں غلامی کی حقیقت۔'' از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) بہر حال مسلمان شادی شدہ عورتیں تو ویسے ہی حرام ہیں، تاہم کافر عورتیں بھی حرام ہی ہیں الا یہ کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ اس صورت میں استبرائے رحم کے بعد وہ ان کے لیے حلال ہیں۔ [2] یعنی مذکورہ محرمات قرآنی اور حدیثی کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ چار چیزیں اس میں ہوں۔ اول یہ کہ طلب کرو: اَنْ تَبْتَغُوْا یعنی دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو۔ دوسری یہ کہ مال، یعنی مہر ادا کرنا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان کو شادی کی قید (دائمی قبضے) میں لانا مقصود ہو، صرف شہوت رانی غرض نہ ہو (جیسے زنا میں یا اس متعہ میں ہوتا ہے جو شیعوں میں رائج ہے، یعنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے چند روز یا چند گھنٹوں کا نکاح۔) چوتھی یہ کہ چھپی یاری دوستی نہ ہو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔ یہ چاروں شرطیں اس آیت سے مستفاد ہیں۔ اس سے جہاں شیعوں کے متعہ کا بطلان ہوتا ہے وہیں مروجہ حلالہ کا بھی ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی عورت کو نکاح کی دائمی قید میں لانا نہیں ہوتا، بلکہ عرفاً یہ صرف ایک رات یا چند راتوں کے لیے مقرر اور معہود ذہنی ہے۔ [3] یہ اس امر کی تاکید ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح شرعی کے ذریعے سے استمتاع اور تلذذ کرو، انھیں ان کا مقرر کردہ مہر ضرور ادا کرو۔ [4] اس میں آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ملحوظہ: ''استمتاع'' کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد نکاح کے بعد صحبت و مباشرت کا استمتاع ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ متعہ ابتدائے اسلام میں جائز رہا ہے اور اس کا جواز اس آیت کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس رواج کی بنیاد پر تھا جو اسلام سے قبل چلا آرہا تھا۔ لیکن پھر اسے ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا۔

Marfat.com

يَنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ تمھاری ملکیت مومن لونڈیوں میں سے کسی لونڈی
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ
سے نکاح کرلے، اور اللہ تمھارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ
لوگ ہو (تم میں برتری کا معیار صرف ایمان ہے) پس تم ان کے مالکوں کی اجازت سے ان
اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا
سے نکاح کرلو[1] اور انھیں دستور کے مطابق ان کے مہر دو، جبکہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں،
مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ
بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے والی ہوں، پھر جب وہ نکاح میں
فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ
آجائیں اور اس کے بعد وہ بدکاری کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے[2] یہ (اجازت)
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ
تم میں سے اس کے لیے ہے جسے گناہ کی راہ پر چلنے کا اندیشہ ہو۔ اور یہ کہ تم صبر کرو، تمھارے لیے
لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (25) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ
بہتر ہے[3] اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (25) اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے (یہ معاملات)
وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
کھول کر بیان کرے اور تمھیں تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی راہ پر چلائے اور تم پر توجہ دے، اور
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (26) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ
اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (26) اور اللہ تم پر توجہ دینا چاہتا ہے، اور وہ لوگ جو
الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (27)
اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (حق سے) بہت دور ہو جاؤ (27)[4]
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (28) يٰٓاَيُّهَا
اللہ چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کردے، اور انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے[5] (28) اے لوگو جو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ
ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ،[6] مگر یہ کہ آپس کی رضا
تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
مندی سے تجارت ہو،[7] اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو،[8] بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا

[1] اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مالک ہی لونڈیوں کا ولی ہے، لونڈی کا کسی جگہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نکاح نہیں کرسکتا۔ [2] یعنی شوہر والی لونڈیوں کو سو (100) کی بجائے نصف، یعنی پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ گویا ان کے لیے سزائے رجم نہیں ہے کیونکہ وہ نصف نہیں ہوسکتی اور غیر شادی شدہ لونڈی کو تعزیری سزا ہو گی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) [3] یعنی لونڈیوں سے شادی کی اجازت ایسے لوگوں کے لیے ہے جو شہوانی جذبات پر کنٹرول رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اگر ایسا اندیشہ نہ ہو۔ تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائے۔ [4] «اَنْ تَمِيْلُوْا» یعنی حق سے باطل کی طرف جھک جاؤ۔ [5] اس کمزوری کی وجہ سے اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ممکن آسانیاں فراہم کی ہیں۔ انھیں میں سے لونڈیوں سے شادی کی اجازت ہے۔ بعض نے اس ضعف کا تعلق عورتوں سے بتلایا ہے، یعنی عورت کے بارے میں کمزور ہے، اسی لیے عورتیں بھی باوجود نقصان عقل کے اس کو آسانی سے اپنے دام میں پھنسا لیتی ہیں۔ [6] «بِالْبَاطِلِ» میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ وہ تمام کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے، جیسے قمار، ربا وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے، مثلاً: ناجائز فوٹو گرافی، ناجائز مقاصد کے لیے استعمال ہونے والا ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور غلط کیسٹیں وغیرہ۔ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔ [7] اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو۔ حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائز ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں رضامندی میں خیار مجلس کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے، یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا فسخ کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا» (صحيح البخاري، حديث: 2110، و صحيح مسلم، حديث: 1531) ''دونوں باہم سودا کرنے والوں کو،

Marfat.com

كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (29) وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ
ہے (29) اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسے (نافرمانی کے) کام کرے گا[1] تو اسے ہم جلد آگ
نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (30) اِنْ تَجْتَنِبُوْا
میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے (30) اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے جن
كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
سے تمھیں روکا جاتا ہے[2] تو ہم تمھاری (چھوٹی چھوٹی) برائیاں تم سے دور کردیں گے اور تمھیں
مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (31) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ
عزت کی جگہ میں داخل کریں گے (31) اور تم اس مقام و مرتبے کی خواہش نہ کرو جس کے
عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ
باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا
نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو،[3]
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (32) وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ
بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (32) ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں
وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ
اس میں ہم نے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں[4] اور جن سے تمھارا عہد بندھ چکا ہو انھیں
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (33) ع اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ
ان کا حصہ دو[5] بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (33) مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ

جب تک جدا نہ ہوں، اختیار ہے۔" [8] اس سے مراد خود کشی بھی ہو سکتی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

[1] یعنی منہیات کا ارتکاب، جانتے بوجھتے، ظلم و تعدی سے کرے گا۔ [2] کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ گناہ ہیں جن پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ جس پر قرآن میں یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے، بعض کہتے ہیں: ہر وہ کام جس سے اللہ نے یا اس کے رسول نے بطور تحریم کے روکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی گناہ میں پائی جائے تو وہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں مختلف کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جنھیں بعض علماء نے ایک کتاب میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے الكبائر للذهبي، و الزواجر عن اقتراف الكبائر للهيثمي وغیرہ۔ یہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان کبیرہ گناہوں، مثلاً: شرک، عقوق والدین اور جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کرے گا تو ہم اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ سورۂ نجم میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، البتہ وہاں کبائر کے ساتھ فواحش (بے حیائی کے کاموں) سے اجتناب کو بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صغیرہ گناہوں پر اصرار و مداومت بھی صغیرہ گناہوں کو کبائر بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اجتناب کبائر کے ساتھ احکام و فرائض اسلام کی پابندی اور اعمال صالحہ کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شریعت کے اس مزاج کو سمجھ لیا تھا، اس لیے انھوں نے صرف وعدۂ مغفرت ہی پر تکیہ نہیں کیا بلکہ مغفرت و رحمت الٰہی کے یقینی حصول کے لیے مذکورہ تمام ہی باتوں کا اہتمام کیا۔ جبکہ ہمارا دامن عمل سے تو خالی ہے لیکن ہمارے قلب امیدوں اور آرزوؤں سے معمور ہیں۔ [3] اس کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں۔ ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں۔ ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند أحمد: 6/322) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے، البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح ان کا پورا پورا صلہ انھیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد و صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ [4] مَوَالِيَ، مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ کے کئی معنی ہیں: وارث، دوست، آزاد کردہ غلام، چچا زاد، پڑوسی وغیرہ۔ لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں۔ یعنی ہر مرد عورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے، اس کے وارث ان کے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔ [5] اس آیت کے محکم

Marfat.com

عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ

نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مالوں

اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

میں سے خرچ کرتے ہیں،[1] چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار اور خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ کی

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

حفاظت سے (مال و آبرو کی) نگہبانی کرتی ہیں اور تمھیں جن عورتوں کی سرکشی کا خوف ہو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ

انھیں تم نصیحت کرو اور ان کو خواب گاہوں میں الگ کردو، اور انھیں ہلکی سزادو، پھر اگر وہ

فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾

فرمانبرداری کریں تو انھیں ستانے کی راہ نہ ڈھونڈو[2] بے شک اللہ بہت بلند اور نہایت بڑا ہے ﴿34﴾

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ

اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک

یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ (محکم) مانتے ہیں اور ﴿اَيْمَانُكُمْ﴾ (معاہدہ) سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے قبل دو اشخاص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی چلا آرہا تھا۔ ﴿نَصِيْبَهُمْ﴾ (حصہ) سے مراد اسی حلف اور معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے۔ اور ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ ﴿اَيْمَانُكُمْ﴾ سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو ہجرت کے بعد ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان اخوت کی صورت میں ہوا تھا۔ اس میں ایک مہاجر، انصاری کے مال کا اس کے رشتہ داروں کی بجائے وارث ہوتا تھا لیکن یہ چونکہ ایک عارضی انتظام تھا، اس لیے پھر ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (الأنفال 8:75) ”رشتے دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ نازل فرما کر اسے منسوخ کردیا گیا۔ اب ﴿فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ سے مراد دوستی و محبت اور ایک دوسرے کی مدد ہے اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ موالات عقد، موالات حلف یا موالات اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہوگا۔ اور اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو شخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لاوارث ہے۔ اور وہ ایک دوسرے شخص سے یہ طے کرتا ہے کہ میں تمھارا مولیٰ ہوں۔ اگر کوئی جنایت (جرم) کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لاوارث کی وفات کے بعد اس کا مال مذکورہ شخص لے گا۔ بشرطیکہ واقعتاً اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس آیت کا ایک اور معنی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ سے مراد بیوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف ﴿الْاَقْرَبُوْنَ﴾ پر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ”ماں باپ نے، قرابت داروں نے اور جن کو تمھارا عہد و پیمان آپس میں باندھ چکا ہے، یعنی شوہر یا بیوی انھوں نے جو کچھ چھوڑا اس کے حقدار، یعنی حصے دار ہم نے مقرر کر دیے ہیں، لہٰذا ان حقداروں کو ان کے حصے دے دو۔“ گویا پیچھے آیات میراث میں تفصیلاً جو حصے بیان کیے گئے تھے یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی مزید تاکید کی گئی ہے۔

[1] اس میں مرد کی حاکمیت و قوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہبی ہے جو مردانہ قوت و دماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسبی ہے، جس کا مکلّف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جو اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری بتلائی ہیں، عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً» (صحيح البخاري، حديث: 4425 و حديث: 7099) ”وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیے۔“ [2] نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کا نمبر ہے، دوسرے نمبر پر ان سے گھر کے اندر ہی بستر کی وقتی اور عارضی علیحدگی ہے جو سمجھ دار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو مارنے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی ہے۔ اگر وہ اصلاح کر لے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو، یعنی مار پیٹ نہ کرو، تنگ نہ کرو، یا طلاق نہ دو، گویا طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہے۔ لیکن مرد اس حق کو بھی بہت ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات میں فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں اور اپنی زندگی بھی برباد کرتے ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔ علاوہ ازیں اسلام کے بہترین حق طلاق کی بدنامی کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔

Marfat.com

وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَآ ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ

عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو،[1] اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں

بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (35) وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا

(میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا، خوب خبردار ہے (35) اور

تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ۖ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ

اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی،[2] پہلو کے ساتھی[3] اور مسافر کے

بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

ساتھ اور اپنی زیر ملکیت کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو[4] بے شک اللہ ہر اترانے والے،

مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ (36) الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ

فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا (36)[5] ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور

النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ

لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے اسے

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ (37) وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (37) اور ایسے لوگ

اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

(بھی اللہ کو پسند نہیں) جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ پر

الْاٰخِرِ ۗ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا (38)

اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جس شخص کا ساتھی شیطان[6] ہو تو وہ بہت برا ساتھی ہے (38)

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا

اور ان لوگوں کا کیا جاتا، اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے انھیں

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا (39) اِنَّ اللّٰهَ

جو مال دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے؟ اور اللہ انھیں خوب جاننے والا ہے (39) بے شک اللہ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ

ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر (کسی کی) کوئی نیکی ہو تو وہ اسے دگنی کر دیتا ہے اور اپنی

[1] گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں، تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حَکَمَیْن (فیصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً اس کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔ تاہم ناکامی کی صورت میں حَکَمَیْن کو تفریق بین الزوجین، یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل بالفرقہ (جدائی کے لیے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جمہور علماء اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر الطبري، وفتح القدیر، وتفسیر ابن کثیر) راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حَکَمَیْن قاضی یا حاکم مجاز کو صورت حال سے آگاہ کریں اور وہ اس کی روشنی میں طلاق یا عدم طلاق یا خلع کا فیصلہ کرے۔ واللہ اعلم۔ [2] اَلْجَارِ الْجُنُبِ قرابت دار پڑوسی کے مقابلے میں ہے جس کے معنی ہیں ایسا پڑوسی جس سے قرابت داری نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی سے بہ حیثیت پڑوسی کے حسن سلوک کیا جائے، وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار جس طرح کہ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔ [3] اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، بیوی اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت و ہم نشینی اختیار کرے۔ بلکہ اس کی تعریف میں وہ لوگ بھی آ سکتے ہیں جو تحصیل علم، تعلم صناعت (کوئی کام سیکھنے) کے لیے یا کسی کاروباری سلسلے میں آپ کے ہم پہلو بنیں۔ (فتح القدیر) [4] ایک لحاظ سے اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، ملوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی غلاموں سے ایک گونہ مشابہت رکھتے ہیں۔ احادیث میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ [5] فخر و غرور اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 91) یہاں کبر کی بطور خاص مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جن جن لوگوں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہوگا۔ متکبر اور مغرور شخص صحیح معنوں میں نہ حق عبادت ادا کر سکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام کر سکتا ہے۔ [6] بخل، یعنی حقوق مالیہ واجبہ ادا نہ کرنا (اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا) یا خرچ تو کرنا لیکن ریاکاری، یعنی نمود و نمائش کے لیے کرنا۔ یہ دونوں باتیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور ان کی مذمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہاں قرآن کریم میں ان

Marfat.com

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ

طرف سے بہت بڑا اجر دیتا ہے ﴿40﴾ پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ

بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿41﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ

لائیں گے اور آپ (ﷺ) کو اس امت پر گواہ بنائیں گے؟ ﴿41﴾ [1] اس دن وہ لوگ، جنھوں نے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ

کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، خواہش کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ برابر کردیا

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جاتا، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے ﴿42﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اس وقت

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا

نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں ہو، [2] یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کچھ تم کہتے ہو، اور

تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

نہ ناپاکی کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) یہاں تک کہ تم غسل کرلو [3] ہاں، اگر راہ

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ

چلتے گزرو تو اور بات ہے [4] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

سے (فارغ ہوکر) آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تمھیں پانی نہ ملے تو

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پاک مٹی سے تیمم کرلو اور اسے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مل لو، [5] بے شک اللہ بہت معاف

دونوں باتوں کو کافروں کا شیوہ اور ان لوگوں کا وطیرہ بتایا گیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

[1] ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گا کہ یا اللہ! ہم نے تو تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا، اب انھوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! یہ سچے ہیں۔ آپ ﷺ یہ گواہی اس قرآن کی وجہ سے دیں گے جو آپ پر نازل ہوا اور جس میں گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت بھی حسب ضرورت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک سخت مقام ہوگا، اس کا تصور ہی لرزہ براندام کر دینے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ سناتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: ''بس، اب کافی ہے۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 5050) بعض لوگ کہتے ہیں کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے وہ ''شہید'' (گواہ) کے معنی ''حاضر و ناظر'' کے کرتے ہیں اور یوں نبی ﷺ کو ''حاضر و ناظر'' باور کراتے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنا، یہ آپ کو اللہ کی صفت میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے کیونکہ علم کے لحاظ سے ہر جگہ حاضر اور ہر چیز کا ناظر، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ''شہید'' کے لفظ سے ان کا استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ شہادت یقینی علم کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بیان کردہ حقائق و واقعات سے زیادہ یقینی کس کا علم ہوسکتا ہے؟ اسی یقینی علم کی بنیاد پر خود امت محمدیہ کو بھی قرآن نے ﴿شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج 22:78) ''تمام کائنات کے لوگوں پر گواہ'' کہا ہے۔ اگر گواہی کے لیے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے تو پھر امت محمدیہ کے ہر فرد کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ بہر حال نبی ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ مشرکانہ اور بے بنیاد ہے۔ [2] یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جبکہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو نشے میں قرآن کے الفاظ بھی امام صاحب غلط پڑھ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، حديث: 3026) جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ گویا اس وقت صرف نماز کے وقت کے قریب شراب نوشی سے منع کیا گیا۔ بالکل ممانعت اور حرمت کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ (یہ شراب کی بابت دوسرا حکم ہے جو مشروط ہے) [3] یعنی ناپاکی کی حالت میں بھی نماز مت پڑھو۔ کیونکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے۔ [4] اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسافری کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) بلکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں تم مسجد کے اندر مت بیٹھو، البتہ مسجد کے اندر سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو۔ بعض صحابہ کے مکان اس طرح تھے کہ ہر صورت میں مسجد نبوی کے اندر سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ رخصت ان ہی کے پیش نظر دی گئی ہے۔ (ابن کثیر) ورنہ مسافر کا حکم آگے آرہا ہے۔ [5] بیمار سے مراد، وہ بیمار ہے جسے وضو کرنے سے نقصان ہوتا ہو اور بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو یا وضو نہ کرسکتا

Marfat.com

كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿43﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا
کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے﴿43﴾ (اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں
مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ
کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا؟ وہ گمراہی خریدتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ
تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿44﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى
ہو جاؤ﴿44﴾ اور اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ دوست اور مددگار کے طور پر کافی
بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۡ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿45﴾ مِنَ الَّذِيْنَ
ہے﴿45﴾ یہودیوں میں سے کچھ لوگ الفاظ کو ان کے موقع محل سے پھیر دیتے ہیں اور پھر اپنی زبانوں کو
هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ
توڑ موڑ کر سچے دین کے خلاف طعنہ زنی کرتے ہوئے (نبی ﷺ سے) کہتے ہیں: "ہم نے سنا اور ہم
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا
نے نافرمانی کی" اور کہتے ہیں: "سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنا جائے۔"[1] اور آپ سے
بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا
مخاطب ہو کر کہتے ہیں: [رَاعِنَا] یعنی "اے ہمارے چرواہے!" اور بے شک اگر وہ کہتے: "ہم نے سنا اور ہم
وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ
نے اطاعت کی، اور ہماری بات سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے" تو ان کے لیے بہتر اور نہایت مناسب
وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا
ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی، چنانچہ وہ سوائے چند لوگوں کے ایمان نہیں
قَلِيْلًا ﴿46﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا
لاتے﴿46﴾ [2] اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا
کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم چہرے
فَنَرُدَّهَا عَلٰٓي اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ
بگاڑ دیں اور انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں[3] یا ان پر اسی طرح لعنت بھیجیں جس طرح ہم نے
السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿47﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا
سبت والوں پر لعنت بھیجی تھی[4] اور (یاد رکھو!) اللہ کا حکم اٹل ہے﴿47﴾ [5] بے شک اللہ (یہ گناہ)

ہو۔ ② مسافر عام ہے، لمبا سفر کیا ہو یا مختصر۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یہ اجازت تو مقیم کو بھی حاصل ہے لیکن بیمار اور مسافر کو چونکہ اس قسم کی ضرورت عام طور پر پیش آتی تھی اس لیے بطور خاص ان کے لیے اجازت بیان کر دی گئی ہے۔ ③ قضائے حاجت سے آنے والا اور ④ بیوی سے مباشرت کرنے والا، ان کو بھی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر کلائی تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (کہنیوں تک ضروری نہیں) اور چہرے پر بھی پھیر لے «قال في التيمم ضربة للوجه والكفين» (مسند أحمد: 263/4) نبی ﷺ نے تیمم کے بارے میں فرمایا کہ "یہ دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے لیے ایک ہی مرتبہ مارنا ہے۔" صَعِيدًا طَيِّبًا سے مراد بعض علماء کے نزدیک صرف "پاک مٹی" ہے۔ حدیث میں اس کے لیے "تربت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے: «جعلت تربتها لنا طهورا إذا لم نجد الماء» (صحيح مسلم، حديث: 522) "جب ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔" جبکہ بعض نے صَعِید سے مراد وجہ الأرض لے کر ریت وغیرہ سے بھی تیمم کو جائز قرار دیا ہے۔ دیکھیے زاد المعاد لابن القیم رحمہ اللہ۔ امام ابن القیم کے علاوہ حافظ ابن حزم وغیرہ بھی مٹی کے علاوہ زمین کی جنس (جیسے ریت، پتھر اور چونے وغیرہ) سے بھی تیمم کرنا جائز قرار دیتے ہیں (المحلی، وفقه السنة)

[1] یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "ہم نے سنا" کے ساتھ ہی کہہ دیتے لیکن ہم نافرمانی کریں گے، یعنی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دل میں کہتے یا اپنے ساتھیوں سے کہتے یا شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب کرتے ہوئے منہ پر کہتے۔ اسی طرح غَيْرَ مُسْمَعٍ (تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں سنا جائے) یہ بددعا کے طور پر کہتے، یعنی آپ کی بات مقبول نہ ہو۔ رَاعِنَا کی بابت دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 104 کا حاشیہ۔ [2] یعنی ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں پہلے گزر چکا ہے کہ یہود میں سے نبی ﷺ پر آپ کی حیات میں ایمان لانے والوں کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچی۔ یا یہ معنی ہیں کہ بہت ہی کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جبکہ ایمان نافع یہ ہے کہ سب باتوں پر ایمان لایا جائے۔ [3] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمھارے کرتوتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔ [4] یہ قصہ سورۂ اعراف میں آئے گا، کچھ اشارہ پہلے بھی گزر چکا ہے، یعنی تم بھی ان کی طرح ملعون قرار پا سکتے ہو۔ [5] یعنی جب وہ

Marfat.com

يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے[1] اور
يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿48﴾
جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اس نے جھوٹ گھڑا اور بڑے گناہ کا کام کیا ﴿48﴾ [2] (اے نبی!)
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ
کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی خود بیان کرتے ہیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک
مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
کرتا ہے، اور لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿49﴾ [3] دیکھیے! وہ کس
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾
طرح اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں[4] اور ان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کھلا گناہ کافی ہے ﴿50﴾ [5] کیا
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ
آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ
بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ
بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان
اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿51﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ
لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں؟ ﴿51﴾ [6] وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس
اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿52﴾ اَمْ لَهُمْ
پر اللہ لعنت کرے تو اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے ﴿52﴾ [7] کیا (وہ سمجھتے ہیں

کسی بات کا حکم کر دے تو نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ اسے روک ہی سکتا ہے۔

[1] یعنی ایسے گناہ جن سے مومن توبہ کیے بغیر ہی مر جائیں، اللہ تعالیٰ اگر کسی کے لیے چاہے گا تو بغیر کسی قسم کی سزا دیے معاف فرما دے گا اور بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرما دے گا۔ لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہوگا کیونکہ مشرک پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔ [2] دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمٰن 13:31) ''شرک ظلم عظیم ہے۔'' حدیث میں اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے: «أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ ----» (جامع الترمذي، حديث: 3020) [3] یہود اپنے منہ میاں مٹھو بنتے تھے، مثلاً کہتے تھے: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں وغیرہ، اللہ نے فرمایا: تزکیہ کا اختیار بھی اللہ کو ہے اور اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کے کٹاؤ پر جو دھاگے یا سوت کی طرح نکلتا یا دکھائی دیتا ہے اس کو کہا جاتا ہے، یعنی اتنا سا ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ [4] یعنی مذکورہ دعوائے تزکیہ کر کے۔ [5] یعنی ان کی یہ حرکت (اپنی پاکیزگی کا ادعاء) ان کے کذب و افترا کے لیے کافی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا کہ اپنی مدح و توصیف بالخصوص تزکیۂ نفوس کا دعویٰ کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا: ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم 32:53) ''اپنے نفسوں کی پاکیزگی اور ستائش مت کرو، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم میں متقی کون ہے؟'' اسی طرح دوسروں کی بھی بلا ضرورت مدح و ستائش کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ «أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ» (صحيح مسلم، حديث: 3002) ''ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈال دیں۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ» ''افسوس ہے تجھ پر تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔'' پھر فرمایا کہ ''تم میں سے کسی نے کسی کی لامحالہ تعریف کرنی ہے تو اس طرح کہا کرے: «أَحْسِبُهُ كَذَا» ''میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں۔ اللہ پر کسی کا تزکیہ بیان نہ کرے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2662 و 6061، و صحيح مسلم، حديث: 3000) [6] اس آیت میں یہودیوں کے ایک اور فعل پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ جبت (بت، کاہن یا ساحر) اور طاغوت (جھوٹے معبودوں) پر ایمان رکھتے اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ جِبْت کے یہ سارے مذکورہ معنی کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ» (سنن أبي داود، حديث: 3907) ''پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر، کنکریاں مار کر فال گیری کرنا اور بدشگونی لینا یہ جبت سے ہیں۔'' یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں اور یہود میں بھی یہ چیزیں عام تھیں۔ طاغوت کے ایک معنی شیطان بھی کیے گئے ہیں۔ دراصل معبودانِ باطل کی پرستش، شیطان ہی کی پیروی ہے۔ اس لیے شیطان بھی یقیناً طاغوت میں شامل ہے۔

Marfat.com

نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿53﴾ أَمْ
کہ) انھیں بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے ﴿53﴾[1]
يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا
کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے؟[2] چنانچہ
آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿54﴾
ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی دی ﴿54﴾ تو ان میں سے
فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ
بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لانے سے باز رہے[3] اور
بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿55﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ
ان کے لیے دہکتا جہنم ہی کافی ہے ﴿55﴾ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم جلد
نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا
انھیں آگ میں ڈالیں گے[4] جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں
لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿56﴾ وَالَّذِينَ
چڑھادیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھیں[5] بلاشبہ اللہ بہت زبردست، بڑی حکمت والا ہے ﴿56﴾ اور جو
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن
لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے[6] انھیں ہم جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں
مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿57﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ
ہوں گی، اور ہم انھیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے[7] ﴿57﴾ بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم

[1] یہ استفہام انکاری ہے، یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اتنے بخیل ہیں کہ لوگوں کو اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جس سے کھجور کی گٹھلی کا شگاف ہی پر ہو جاتا۔ نقیر اس داغ (شگاف) کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) [2] ام، یا کے معنی میں بھی آتا ہے اور استفہام (کیا) کے لیے بھی اور بَلْ کے معنی میں بھی یعنی بلکہ یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر دوسروں میں آخری نبی کیوں بنایا؟ نبوت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔ [3] یعنی بنی اسرائیل کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور آل میں سے ہیں، ہم نے نبوت بھی دی اور بڑی سلطنت و بادشاہی بھی۔ پھر بھی یہود کے یہ سارے لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ کچھ ایمان لائے اور کچھ نے اعراض کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد! اگر یہ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ان کی تو تاریخ ہی نبیوں کی تکذیب سے بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ اپنی نسل کے نبیوں پر بھی یہ ایمان نہیں لائے۔ بعض نے آمَنَ بِهٖ میں "ہ" کا مرجع نبی ﷺ کو بتلایا ہے، یعنی ان یہود میں سے کچھ نبی ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ان منکرین نبوت کا انجام جہنم ہے۔ [4] یعنی جہنم میں اہل کتاب کے منکرین ہی نہیں جائیں گے بلکہ دیگر تمام کفار کا ٹھکانا بھی جہنم ہی ہے۔ [5] یہ جہنم کے عذاب کی سختی، تسلسل اور دوام کا بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول بعض آثار میں بتلایا گیا ہے۔ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عمل میں آئے گی اور مسند احمد کی روایت کی رو سے جہنمی جہنم میں اتنے فربہ ہو جائیں گے کہ ان کے کانوں کی لو سے پیچھے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت جتنا ہوگا، ان کی کھال کی موٹائی ستر بالشت اور داڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی۔ [6] کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے لیے جو ابدی نعمتیں ہیں، ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جو اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، یعنی لازم و ملزوم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے دوسرے مسلمانوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا، چنانچہ ان کی زندگیاں ایمان کے پھل، اعمال صالحہ سے مالا مال تھیں۔ اس دور میں بے عملی یا بد عملی کے ساتھ ایمان کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس آج ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام رہ گیا ہے۔ اعمال صالحہ سے دعوے داران ایمان کا دامن خالی ہے۔ هَدَانَا اللّٰهُ تَعَالٰى اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے عمل کرتا ہے جو اعمال صالحہ کی ذیل میں آتا ہے، مثلاً: راست بازی، امانت و دیانت، ہمدردی و غم گساری اور دیگر اخلاقی خوبیاں۔ لیکن ایمان کی دولت سے یہ محروم ہے تو اس کے یہ اعمال دنیا میں تو اس کی شہرت و نیک نامی کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں اور مفید بھی لیکن اخروی لحاظ سے اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ان کا سرچشمہ ایمان نہیں ہے جو اچھے اعمال کو عنداللہ بار آور بناتا ہے بلکہ صرف اور صرف دنیوی مفادات یا قومی اخلاق و عادات ان کی بنیاد ہے۔ [7] گھنی،

Marfat.com

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿58﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کردو،[1] اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو،[2] بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے،[3] بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿58﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔[4] پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت

گھری، عمدہ اور پاکیزہ چھاؤں۔ اور حدیث میں ایک درخت کے سائے کی درازی کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کا سایہ اتنا ہے کہ ایک سوار سو سال میں بھی اسے طے نہیں کر سکے گا یہ شجرۃ الخلد ہے۔'' (مسند أحمد: 455/2 وأصله في صحيح البخاري، حديث: 3251)

[1] اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں، جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان وکلید بردار چلے آ رہے تھے، نازل ہوئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف وغیرہ کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، طلب فرمایا اور انھیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا: ''یہ تمھاری چابیاں ہیں آج کا دن وفا اور نیکی کا دن ہے۔'' (ابن کثیر) آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔ دونوں کو تاکید ہے کہ امانتیں انھیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ یہ بحفاظت عند الطلب لوٹا دی جائیں۔ دوسرے عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیے جائیں، محض سیاسی بنیاد یا نسلی و وطنی بنیاد یا قرابت و خاندان کی بنیاد یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا (جبکہ وہ شخص اس منصب کے لیے اہل نہیں ہے) اس آیت کے خلاف ہے۔ [2] اس میں حکام کو بطور خاص عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''حاکم جب تک ظلم نہ کرے، اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 2312) [3] یعنی امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنا اور عدل وانصاف مہیا کرنا۔ [4] ﴿ اُولِي الْاَمْرِ ﴾ ''صاحب امر'' سے مراد بعض کے نزدیک امراء و حکام اور بعض کے نزدیک علماء وفقہاء ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ ہی کی ہے کیونکہ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ (الأعراف 7:54) ''خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے، حکم بھی اسی کا ہے۔'' ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ (يوسف 12:40) ''حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔'' لیکن چونکہ رسول خالص منشائے الٰہی کا ہی مظہر اور اس کی مرضیات کا نمائندہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النسآء 4:80) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح قرآن کریم۔ تاہم امراء و حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امراء و حکام کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ بالتبع ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی لیے ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ ﴾ کے بعد ﴿ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ تو کہا، کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل طور پر واجب ہیں۔ لیکن اَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ (اولی الامر کی اطاعت کرو) نہیں کہا کیونکہ اولی الامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے: «لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ» (صحيح مسلم، حديث: 1840) اور «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» (صحيح البخاري، حديث: 7145) «اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً» ''اللہ کی معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے، امام کی سمع و اطاعت لازم ہے جب تک یہ معصیت نہ ہو۔'' یہی حال علماء وفقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولو الامر میں ان کو بھی شامل کیا جائے) یعنی ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام وفرمودات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی طرف ارشاد و ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء وفقہاء بھی دینی امور و معاملات میں حکام کی طرح یقیناً مرجع عوام ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت بھی صرف اس وقت تک کی جائے

Marfat.com

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾ اَلَمْ
کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے﴿59﴾ [1] (اے نبی!) کیا
تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ
آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ بے شک وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا
طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات
اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ
کا فیصلہ شیطانی چیلوں سے کرائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ ایسے شیطانوں کا انکار کریں۔ اور
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿60﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے دور پھینک دے﴿60﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس
تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ
کی طرف جو اللہ نے نازل کیا، اور آؤ رسول کی طرف، تو آپ منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ
يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ
آپ کی طرف آنے سے کتراتے ہیں﴿61﴾ [2] پھر ان کا کیا حال ہوتا ہے جب ان کے ہاتھوں کی
مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ
لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ پھر وہ قسمیں کھاتے ہوئے آپ کے پاس آکر کہتے ہیں
بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿62﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اللہ کی قسم! ہم نے تو بھلائی اور صلح صفائی کا ارادہ کیا تھا!﴿62﴾ [3] یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے
يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ
ان کے دلوں میں کیا ہے، لہٰذا (اے نبی!) آپ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں اور انھیں
وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿63﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا
نصیحت کرتے رہیں اور ان سے دلوں پر اثر کرنے والی بات کہیں﴿63﴾ [4] اور ہم نے کوئی رسول نہیں
مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ
بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر بے شک وہ لوگ جب انھوں
اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ
نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ کے پاس آتے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے

گی جب تک کہ عوام کو صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات بتلائیں لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں بلکہ انحراف کی صورت میں جانتے بوجھتے ان کی اطاعت کرنا تحت معصیت اور گناہ ہے۔

[1] اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد، قرآن کریم اور الرَّسُوْلِ سے مراد اب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کے ختم کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتلا دیا گیا ہے۔ اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تیسری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں۔ جس طرح کہ تقلید شخصی معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو بھی واجب قرار دے رکھا ہے اور اسی تیسری اطاعت نے جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو امت متحدہ کی بجائے امت منتشرہ بنا رکھا ہے اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔ [2] یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنا فیصلہ عدالت میں لے جانے کی بجائے سرداران یہود یا سرداران قریش کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ تاہم اس کا حکم عام ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے لیے ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جاتے ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کا حال تو یہ ہوتا ہے: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا ''کہ جب انھیں اللہ و رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ''ہم نے سنا اور اطاعت کی۔'' ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور 24:51) ''یہی لوگ کامیاب ہیں۔'' [3] یعنی جب اپنے اس کرتوت کی وجہ سے عتاب الٰہی کا شکار ہو کر مصیبتوں میں پھنستے ہیں تو پھر آ کر کہتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ جانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ وہاں سے ہم فیصلہ کروائیں یا آپ ﷺ سے زیادہ ہمیں وہاں انصاف ملے گا بلکہ مقصد صلح اور ملاپ کرانا تھا۔ [4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کے دلوں کے تمام بھیدوں سے واقف ہیں (جس پر ہم انھیں جزا دیں گے) لیکن اے پیغمبر! آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگزر ہی فرمائیے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیے! جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو عفو و درگزر، وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے بھی ناکام بنانے کی سعی کی جانی چاہیے۔

Marfat.com

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾
لیے بخشش طلب کرتا[1] تو وہ یقیناً اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا پاتے ﴿64﴾
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی
وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿65﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ
نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں ﴿65﴾ [2] اور اگر بے شک ہم ان پر فرض کر دیتے کہ
اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ
تم اپنے آپ کو قتل کرو یا تم اپنے گھروں سے نکلو تو ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی بھی یہ
اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ
کام نہ کرتا۔ اور اگر بے شک وہ مان لیتے جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿66﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ
لیے بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا باعث ہوتا[3] ﴿66﴾ اور تب ہم ضرور انھیں اپنی
لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿67﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿68﴾
طرف سے بہت بڑا اجر دیتے ﴿67﴾ اور ہم ضرور انھیں سیدھے راستے پر چلاتے ﴿68﴾ اور
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے، تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ
نے انعام کیا، (یعنی) انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ، اور یہ لوگ

[1] مغفرت کے لیے بارگاہ الٰہی ہی میں توبہ و استغفار ضروری اور کافی ہے۔ لیکن یہاں ان کو کہا گیا کہ اے پیغمبر! آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے۔ یہ اس لیے کہ چونکہ انھوں نے فصل خصومات (جھگڑوں کے فیصلے) کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کر کے آپ ﷺ کا استخفاف کیا تھا۔ اس لیے اس کے ازالے کے لیے آپ کے پاس آنے کی تاکید کی۔ ظاہر بات ہے کہ اپنے پس منظر کے لحاظ سے بھی اور الفاظ کے اعتبار سے بھی اس ہدایت کا تعلق صرف آپ کی زندگی سے تھا، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ آج بھی روضۂ نبوی پر استغفار کے لیے حاضری ایسی ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہانہ تفسیر سے محفوظ رکھے۔ [2] اس آیت کی شان نزول میں ایک یہودی اور مسلمان کا واقعہ عموماً بیان کیا جاتا ہے جو بارگاہ رسالت سے فیصلے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانے گیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ لیکن سنداً یہ واقعہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی وضاحت کی ہے۔ صحیح واقعہ یہ ہے جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا، جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد تھے، اور ایک آدمی کا کھیت سیراب کرنے والے نالے (کھالا) کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا آپ نے صورت حال کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا تو وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا، جس پر دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4585) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی کسی بات یا فیصلے سے اختلاف تو کجا، دل میں انقباض بھی محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت بھی منکرین حدیث کے لیے تو ہے ہی دیگر افراد کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے جو قول امام کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ یا تو کھلے لفظوں میں اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس کی دور از کار تاویل کر کے یا ثقہ راویوں کو ضعیف باور کرا کے مسترد کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ [3] آیت میں انھی نافرمان قسم کے لوگوں کی جِبِلّتِ ردیئہ کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر انھیں حکم دیا جاتا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو جب یہ آسان باتوں پر عمل نہیں کر سکے تو اس پر عمل کس طرح کر سکتے تھے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق ان کی بابت فرمایا ہے جو یقیناً واقعات کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سخت حکموں پر عمل تو یقیناً مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہت شفیق اور مہربان ہے، اس کے احکامات بھی آسان ہیں۔ اس لیے اگر وہ ان حکموں پر چلیں جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور ثابت قدمی کا باعث ہو۔ کیونکہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہو جاتا ہے۔ نیکی سے نیکی کا راستہ کھلتا اور بدی سے بدی متولد (پیدا) ہوتی ہے، یعنی اس کا راستہ کشادہ اور آسان ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَحَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿69﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
اچھے رفیق ہوں گے ﴿69﴾ یہ[1] اللہ کی طرف سے فضل ہے، اور اللہ کافی ہے جاننے
عَلِيْمًا ﴿70﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا
والا ﴿70﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو،[2] پھر تم الگ الگ
ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ
دستوں کی شکل میں یا اکٹھے ہو کر نکلو ﴿71﴾ اور بے شک تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو
فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
نکلنے میں ضرور دیر کرتا ہے،[3] پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر
مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿72﴾ وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ
بڑی مہربانی کی کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا ﴿72﴾ اور اگر تمھیں اللہ کا فضل ملے[4] تو
لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
وہ گویا جیسے تمھارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہ ہو،[5] ضرور کہے گا: کاش میں ان
كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿73﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ
کے ساتھ ہوتا، پھر میں بڑی کامیابی حاصل کرتا ﴿73﴾ [6] پھر جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا
اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَنْ
کی زندگی بیچ چکے ہیں[7] انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کے راستے میں لڑیں، اور جو شخص اللہ
يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ
کے راستے میں لڑے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے تو ہم جلد اسے بہت بڑا
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿74﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اجر دیں گے ﴿74﴾ اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں کمزور
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ
مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے، جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں

[1] اللہ و رسول کی اطاعت کا صلہ بتلایا جا رہا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے: «المرء مع من أحب» (صحيح البخاري، حديث: 6168، وصحيح مسلم، حديث: 2640) ''آدمی انھی کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جتنی خوشی اس فرمان رسول کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔'' کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت پسند کرتے تھے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اس سے فروتر مقام ہی ملے گا اور یوں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کی تسلی کا سامان فرمایا۔ (ابن کثیر) بعض صحابۂ کرام نے بطور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں رفاقت کی درخواست کی: «أسألك مرافقتك في الجنة» جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کثرت سے نفلی نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی: «فأعني على نفسك بكثرة السجود» (صحيح مسلم، حديث: 489) ''پس تم کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔'' علاوہ ازیں ایک اور حدیث ہے: «التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء» (جامع الترمذي، حديث: 1209) ''راست باز، امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' صدیقیت، کمال ایمان و کمال اطاعت کا نام ہے، نبوت کے بعد اس کا مقام ہے، امت محمدیہ میں اس مقام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے ممتاز ہیں۔ اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ہیں، صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کامل طور پر ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے۔ [2] حِذْرَكُمْ (اپنا بچاؤ اختیار کرو) اسلحہ اور سامان جنگ اور دیگر ذرائع سے۔ [3] یہ منافقین کا ذکر ہے۔ نکلنے میں دیر کرنے کا مطلب، جہاد میں جانے سے گریز کرنا اور پیچھے رہنا ہے۔ [4] یعنی جنگ میں فتح و غلبہ اور غنیمت۔ [5] یعنی گویا وہ تمھارے اہل دین میں سے ہی نہیں بلکہ اجنبی ہے۔ [6] یعنی مال غنیمت سے حصہ حاصل کرتا جو اہل دنیا کا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔ [7] شَرٰی يَشْرِي کے معنی بیچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی۔ متن میں پہلا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے اس اعتبار سے فَلْيُقَاتِلْ کا فاعل الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ...... بنے گا لیکن اگر اس کے معنی خریدنے کے کیے جائیں تو اس صورت میں الَّذِيْنَ مفعول بنے گا اور فَلْيُقَاتِلْ کا فاعل، اَلْمُؤْمِنُ النَّافِرُ (راہ جہاد میں کوچ کرنے والے مومن) محذوف ہوگا۔ مطلب ہوگا، مومن ان لوگوں سے لڑیں جنھوں نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی، یعنی جنھوں نے دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ مراد منافقین اور کافر ہیں۔ (ابن کثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے)

Marfat.com

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ
اس بستی سے نکال کہ اس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی
وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿75﴾
حمایتی بھیج، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار مقرر فرما ﴿75﴾ [1] جو لوگ ایمان لائے وہ
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ
اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت (شیطان) کی راہ میں لڑتے
فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ
ہیں، [2] چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو، بے شک شیطان کی چال بڑی کمزور
ع 10/6/7 كَانَ ضَعِيْفًا ﴿76﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ
ہے ﴿76﴾ [3] (اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم (لڑائی
كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ
سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو؟ پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی تب ان
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ
میں سے ایک گروہ کافر لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے یا وہ
كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ
اس سے بھی بڑھ کر خوفزدہ تھا۔ اور وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جنگ فرض
كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ
کیوں کی؟ [4] تو نے ہمیں کچھ مدت تک مہلت کیوں نہ دی؟ [5] کہہ دیجیے: دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے
قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ
اور آخرت بہتر ہے اس شخص کے لیے جس نے پرہیز گاری اختیار کی اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے

[1] ظالموں کی بستی سے مراد (نزول کے اعتبار سے) مکہ ہے۔ ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان (کمزور لوگوں) کو کفار سے نجات دلانے کے لیے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور نرغۂ کفار میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے جہاد کریں اور یہ جہاد اسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب ایک نظم اور امیر کے ماتحت ہو۔ [2] مومن اور کافر، دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن اللہ کے لیے لڑتا ہے، محض طلب دنیا یا ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں۔ جبکہ کافر کا مقصد یہی دنیا اور اس کے مفادات ہوتے ہیں۔ [3] مومنوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ طاغوتی مقاصد کے لیے حیلے اور مکر کمزور ہوتے ہیں، ان کے ظاہری اسباب کی فراوانی اور کثرت تعداد سے مت ڈرو، تمھاری ایمانی قوت اور عزم جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ حیلے نہیں ٹھہر سکتے۔ [4] مکے میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لیے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انھیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی، ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ دوسرے یہ کہ نماز، زکاۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو گئی تو پھر انھیں قتال کی اجازت دے دی گئی اور جب اجازت دے دی گئی تو بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اس پر آیت میں مکی دور کی ان کی آرزو یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ اب یہ مسلمان حکم جہاد سن کر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں جبکہ یہ حکم جہاد خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔ آیت قرآن میں تحریف: آیت کا پہلا حصہ جس میں كَفِّ أَيْدِي (لڑائی سے ہاتھ روکے رکھنے) کا حکم ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کی حالت میں ہاتھوں کو روک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک انتہائی غلط اور واہیات استدلال ہے۔ اس کے لیے ان صاحب نے آیت کے الفاظ میں بھی تحریف کی اور معنی میں بھی، یعنی لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریف سے کام لیا ہے۔ (دیکھیے صفدر اوکاڑوی کی کتاب ''مسئلہ تحقیق رفع یدین'' در مجموعہ رسائل اوکاڑوی) أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ اس قسم کی گھٹیا حرکت کسی مسلمان عالم کے شایان شان نہیں۔ اس سے قبل ایک اور عالم نے اثباتِ تقلید کے لیے تحریف لفظی و معنوی کا ارتکاب کیا، دیکھیے ''ایضاح الادلۃ'' [5] اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس حکم کو کچھ اور مدت کے لیے مؤخر کیوں نہ کر دیا، یعنی اجل قریب سے مراد موت یا فرض جہاد کی مدت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

Marfat.com

اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿77﴾ اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ
دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿77﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، موت تمھیں پا لے گی،
وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا
خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو،[1] اور اگر انھیں کوئی بھلائی ملے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی
هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ
طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔[2]
مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ
کہہ دیجیے: یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، چنانچہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات
لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿78﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ
سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے! ﴿78﴾[3] (اے انسان!) تجھے جو بھی بھلائی ملے، وہ اللہ کی طرف
فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ
سے ہے،[4] اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے[5] اور (اے نبی!) ہم نے
وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾ مَنْ
آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ بطور گواہ کافی ہے ﴿79﴾ جس نے رسول کی
يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اطاعت کی، تو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان پر
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿80﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ
نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ﴿80﴾ اور منافق کہتے ہیں کہ (ہمارا کام تو) فرمانبرداری ہے، پھر جب وہ
عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ
آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو رات کو ان کا ایک گروہ اس بات کے خلاف جوڑ توڑ

[1] ایسے کمزور مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا فانی اور اس کا فائدہ عارضی ہے جس کے لیے تم کچھ مہلت طلب کر رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے تم اطاعت الٰہی کے صلے میں حق دار ہو گے۔ دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو، موت تو اپنے وقت پر آ کر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ، پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟ مضبوط برجوں سے مراد مضبوط اور بلند و بالا فصیلوں والے قلعے ہیں۔ ملحوظہ: بعض مسلمانوں کا چونکہ یہ خوف بھی طبعی تھا۔ اسی طرح تاخیر کی خواہش بھی بطور اعتراض یا انکار نہ تھی بلکہ طبعی خوف کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا اور نہایت مضبوط دلائل سے انھیں سہارا اور حوصلہ دیا۔ [2] یہاں سے پھر منافقین کی باتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سابقہ امت کے منکرین کی طرح انھوں نے بھی کہا کہ بھلائی (خوشحالی، غلے کی پیداوار، مال و اولاد کی فراوانی وغیرہ) اللہ کی طرف سے ہیں اور برائی (قحط سالی، مال و دولت میں کمی وغیرہ) اے محمد! تیری طرف سے ہے، یعنی تیرے دین اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ ابتلا آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جب ان کو بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے (ہم اس کے مستحق ہیں) اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں سے بدشگونی پکڑتے ہیں، (نعوذ باللہ ان کی نحوست کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔)'' (الأعراف 131:7) [3] یعنی بھلائی اور برائی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہے لیکن یہ لوگ قلت فہم و علم اور کثرت جہل و ظلم کی وجہ سے اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔ [4] یعنی اس کے فضل و کرم سے ہے، یعنی کسی نیکی یا اطاعت کا صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی کی توفیق بھی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی نعمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ایک انسان کی عبادت و طاعت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں جو بھی جائے گا، محض اللہ کی رحمت سے جائے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وَلَا أَنْتَ؟ آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، جب تک اللہ مجھے بھی اپنے دامان رحمت میں نہیں ڈھانک لے گا جنت میں نہیں جا سکوں گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6463) [5] یہ برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت ہی سے آتی ہے۔ جیسا کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے واضح ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ تمھارے نفس سے ہے، یعنی تمھاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ 30:42) ''تمھیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمھارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف ہی فرما دیتا ہے۔''

Marfat.com

يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

کرتا ہے جو آپ کہتے ہیں[1] اور اللہ لکھ لیتا ہے جو وہ رات کو سازش کرتے ہیں، چنانچہ آپ

اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿81﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ

انھیں جانے دیں اور اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ کارساز کے طور پر کافی ہے﴿81﴾ کیا پھر وہ

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس

اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿82﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ

میں بہت کچھ اختلاف پاتے﴿82﴾[2] اور جب ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے

اَذَاعُوْا بِهٖ ۚ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ

مشہور کردیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کے حوالے

مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ

کردیتے، تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے،[3] اور اگر تم پر اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿83﴾ فَقَاتِلْ

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے﴿83﴾

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ

اور آپ مومنوں کو (لڑائی پر) آمادہ کریں۔ امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کو لڑائی سے روک دے جنھوں

اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿84﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً

نے کفر کیا، اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بہت سخت ہے﴿84﴾ جو کوئی اچھی

يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً

سفارش کرے گا، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور جو کوئی بری سفارش کرے گا،

[1] یعنی یہ منافقین آپ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ راتوں کو ان کے برعکس باتیں کرتے اور سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ ان کی باتیں اور سازشیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی کیونکہ آپ کا وکیل اور کارساز اللہ ہے۔ [2] قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس میں غور وتدبر کی تاکید کی جارہی ہے اور اس کی صداقت جانچنے کے لیے ایک معیار بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا (جیسا کہ کفار کا خیال ہے) تو اس کے مضامین اور بیان کردہ واقعات میں تعارض و تناقض ہوتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی سی کتاب نہیں ہے۔ ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے، جس کا ہر حصہ اعجاز و بلاغت میں ممتاز ہے۔ حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور اس کی فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہتی۔ دوسرے، اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جنھیں اللہ علام الغیوب کے سوا کوئی اور بیان نہیں کرسکتا۔ تیسرے ان حکایات وقصص میں نہ باہمی تعارض وتضاد ہے اور نہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جزئیہ قرآن کی کسی اصل سے ٹکراتا ہے۔ حالانکہ ایک انسان گزشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات میں تعارض و تضاد واقع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ان تمام انسانی کوتاہیوں سے مبرا ہونے کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ یقیناً کلام الٰہی ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ [3] یہ بعض کمزور اور جلد باز مسلمانوں کا رویہ، ان کی اصلاح کی غرض سے بیان کیا جارہا ہے۔ امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت وشکست کی خبر ہے۔ (جس کو سن کر امن اور اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ پُر اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان کا باعث بن سکتی ہے) اور خوف کی خبر سے مراد مسلمانوں کی شکست اور ان کے قتل و ہلاکت کی خبر ہے (جس سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونے کا امکان ہوتا ہے) اس لیے انھیں کہا جارہا ہے کہ اس قسم کی خبریں، چاہے امن کی ہوں یا خوف کی، انھیں سن کر عام لوگوں میں پھیلانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا دو یا اہل علم وتحقیق میں انھیں پہنچا دو تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو اس وقت اس سے مسلمانوں کا باخبر ہونا مفید ہے یا بے خبر رہنا انفع ہے؟ یہ اصول ویسے تو عام حالات میں بھی بڑا اہم اور نہایت مفید ہے لیکن عین حالت جنگ میں تو اس کی اہمیت وافادیت بہت ہی زیادہ ہے۔ استنباط کا مادہ نَبْطٌ ہے، نَبْطٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت سب سے پہلے نکلتا ہے۔ اسی لیے استنباط، تحقیق اور بات کی تہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

Marfat.com

يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿85﴾
اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿85﴾ اور جب تمھیں سلام کیا
وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ
جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو،[1] بے شک اللہ ہر چیز کا خوب
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿86﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ
حساب لینے والا ہے ﴿86﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن اکٹھا
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ
کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اور بات کہنے میں اللہ سے زیادہ کون سچا
مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿87﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ
ہے؟ ﴿87﴾ پھر تمھیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو؟[2] حالانکہ اللہ
اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ
نے ان کے اعمال کی وجہ سے انھیں الٹا کر دیا ہے۔[3] کیا تم چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ
اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾ وَدُّوْا
نے گمراہ کیا ہو؟ اور جسے اللہ گمراہ کرے، پھر اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے ﴿88﴾[4] وہ
لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا
چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح کہ انھوں نے کفر کیا، پھر تم ان کے برابر ہو جاؤ، چنانچہ تم
مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا
ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں،[5] پھر اگر وہ (دین
فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا
سے) منہ موڑیں تو تم انھیں پکڑو[6] اور انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو[7] اور ان میں سے کسی کو اپنا
مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿89﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى
دوست اور مددگار نہ بناؤ ﴿89﴾ مگر وہ لوگ (اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن
قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ
سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے یا (وہ منافق بھی مستثنیٰ ہیں) جو تمھارے پاس اس حالت میں
صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ
آئیں کہ وہ لڑائی سے بیزار ہوں نہ تم سے لڑنا چاہتے ہوں اور نہ اپنی قوم سے[8] اور اگر اللہ چاہتا

النصف — ع 11

[1] تَحِيَّةٌ اصل میں تَحْيِيَةٌ (تَفْعِلَةٌ) ہے۔ یاء کے یاء میں ادغام کے بعد تحیّة ہو گیا۔ اس کے معنی ہیں: اَلدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ ''درازیٔ عمر کی دعا'' یہاں یہ سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر) زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں ورحمة اللّٰه کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمة اللّٰه کے جواب میں وبرکاته کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته کہے تو پھر اضافے کے بغیر انھی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ (ابن کثیر) ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں اس کے ساتھ ورحمة اللّٰه کہنے سے بیس نیکیاں اور وبرکاته بھی کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مسند أحمد: 439/4 و440) یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ لیکن اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایک تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ جبکہ ان کے سلام کے جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے۔ (صحیح البخاري، حدیث:6258، و صحیح مسلم، حدیث: 2163) [2] یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی تمھارے درمیان ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان منافقین سے مراد وہ ہیں جو احد کی جنگ میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آ گئے تھے کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ ان منافقین کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقین سے (بھی) لڑنا چاہیے۔ دوسرا گروہ اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔ [3] ... (اعمال) سے مراد، رسول کی مخالفت اور جہاد سے اعراض ہے۔ اَرْكَسَهُمْ: الٹا کر دیا، یعنی جس کفر و ضلالت سے نکلے تھے، اسی میں مبتلا کر دیا، یا اس کے سبب ہلاک کر دیا۔ [4] جس کو اللہ گمراہ کر دے، یعنی مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دے، انھیں کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا۔ [5] ہجرت (ترک وطن) اس بات کی دلیل ہو گی کہ اب یہ مخلص مسلمان بن گئے ہیں۔ اس صورت میں ان سے دوستی اور محبت جائز ہو گی۔ [6] یعنی جب تمھیں ان پر قدرت و طاقت حاصل ہو جائے۔ [7] حِل ہو یا حرم۔ (حدود حرم سے باہر کا علاقہ حِل کہلاتا ہے) [8] یعنی جن سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ لوگ، جو ایسی قوم سے ربط و تعلق رکھتے ہیں، یعنی ایسی قوم کے فرد ہیں یا اس کی پناہ میں ہیں جس قوم سے تمھارا معاہدہ ہے۔ دوسرے وہ جو

Marfat.com

اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ

تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے یقیناً لڑتے۔[1] لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور

فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ

تمھارے ساتھ لڑنے سے باز رہیں، اور تمھاری طرف صلح اور امن کا ہاتھ بڑھائیں[2] تو اللہ نے

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿90﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

تمھارے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی کہ تم ان سے لڑائی کرو (90) تمھیں ایک اور قسم کے منافق ملیں

يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ

گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی،[3] مگر جب کبھی وہ فتنے کا[4] موقع

اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

پاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگ اگر تم سے مقابلہ کرنے سے باز نہ آئیں

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

اور تمھیں صلح اور امن کی پیشکش نہ کریں اور لڑائی سے اپنے ہاتھ نہ روکیں[5] تو تم انھیں جہاں کہیں

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ

پاؤ، پکڑ کر قتل کر دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر (ہاتھ اٹھانے کے لیے) ہم نے تمھیں کھلی اجازت

ع 12 4 9 سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿91﴾ ع وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا

دے دی ہے (91)[6] اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے،[7] مگر غلطی سے

اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

(ہو جائے تو اور بات ہے)[8] اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر ایک مسلمان غلام آزاد

وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا لازم ہے۔[9] ہاں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں (تو اور

تمھارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی قوم سے مل کر تم سے یا تم سے مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں، یعنی تمھاری حمایت میں لڑنا پسند کرتے ہیں نہ تمھاری مخالفت میں۔

[1] یعنی یہ اللہ کا احسان ہے کہ ان کو لڑائی سے الگ کر دیا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کی حمایت میں لڑنے کا خیال پیدا کر دیتا تو یقیناً وہ بھی تم سے لڑتے۔ اس لیے اگر واقعی یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام مت کرو۔ [2] ﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ﴾ ”اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔“ ﴿وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ ”تمھارے ساتھ لڑنے سے باز رہیں۔“ ﴿وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ ”تمھاری جانب صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔“ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ تاکید اور وضاحت کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مقصد ان تین حالتوں اور شرطوں کو بیان کرنا ہے: ① الگ ہو جانا۔ ② تم سے نہ لڑنا۔ ③ صلح کے لیے درخواست دینا۔ تاکہ مسلمان ان کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ جو جنگ و قتال سے پہلے ہی علیحدہ ہیں اور ان کی یہ علیحدگی مسلمانوں کے مفاد میں بھی ہے، اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان اور احسان کے ذکر کیا ہے تو ان کے بارے میں چھیڑ چھاڑ کا رویہ یا غیر محتاط طرز عمل ان کے اندر بھی مخالفت و مخاصمت کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے جب تک وہ مذکورہ حال پر قائم رہیں، ان سے مت لڑو! ﴿السَّلَمَ﴾ یہاں مسالمت، یعنی صلح کے معنی میں ہے۔ [3] یہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جو منافقین کا تھا۔ یہ مسلمانوں کے پاس آتے تو اسلام کا اظہار کرتے تاکہ مسلمانوں سے محفوظ رہیں، اپنی قوم کے پاس جاتے تو شرک و بت پرستی کرتے تاکہ وہ انھیں اپنا ہی ہم مذہب سمجھیں اور یوں دونوں سے مفادات حاصل کرتے۔ [4] فتنہ سے مراد شرک بھی ہو سکتا ہے۔ ﴿اُرْكِسُوْا فِيْهَا﴾ اسی شرک میں لوٹا دیے جاتے۔ یا فتنہ سے مراد قتال ہے کہ جب انھیں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی طرف بلایا، یعنی لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ [5] ﴿يُلْقُوْٓا﴾ اور ﴿يَكُفُّوْٓا﴾ کا عطف ﴿لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پر ہے، یعنی سب نفی کے معنی میں ہیں، سب میں لَمْ لگے گا۔ [6] اس بات پر کہ واقعی ان کے دلوں میں نفاق اور ان کے سینوں میں تمھارے خلاف بغض و عناد ہے، تب ہی تو وہ یہ ادنیٰ کوشش دوبارہ فتنے (شرک یا تمھارے خلاف آمادۂ قتال ہونے) میں مبتلا ہو گئے۔ [7] یہ نفی، نہی کے معنی میں ہے جو حرمت کی متقاضی ہے، یعنی ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا ممنوع اور حرام ہے، جیسے ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (الأحزاب 53:33) ”تمھارے یہ لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ۔“ یعنی حرام ہے۔ [8] غلطی کے اسباب و وجوہ متعدد ہو سکتے ہیں۔ مقصد ہے کہ نیت اور ارادہ قتل کا نہ ہو۔ مگر بوجوہ قتل ہو جائے۔ [9] یہ قتل خطا کا جرمانہ بیان کیا جا رہا ہے جو دو چیزیں ہیں۔ ایک بطور کفارہ و استغفار ہے، یعنی مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور دوسری چیز بطور حق العباد کے ہے اور وہ ہے، دِیَت (خون بہا۔) مقتول کے خون کے بدلے میں جو چیز مقتول کے وارثوں کو دی جائے، وہ دیت ہے۔

Marfat.com

عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ

بات ہے۔[1] پھر اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مسلمان

مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

غلام آزاد کرنا لازم ہے۔[2] اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو

اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا،[3] پھر جو شخص غلام آزاد کرنے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے،[4] یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا

حَكِيْمًا ﴿92﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ

ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿92﴾ اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ

خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ

کر قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت

عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ

ہوگی[5] اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿93﴾ [6] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم

اور دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سو اونٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے، چاندی یا کرنسی کی شکل میں ہو گی۔ ملحوظہ: خیال رہے کہ قتل عمد میں قصاص یا دیت مُغَلَّظَہ ہے اور دیت مغلظہ کی مقدار سو اونٹ ہے جو عمر اور وصف کے لحاظ سے تین قسم یا تین معیار کے ہوں گے۔ جبکہ قتل خطا میں صرف دیت ہے۔ قصاص نہیں ہے۔ اس دیت کی مقدار سو اونٹ ہے مگر معیار اخماسًا ہے۔ علاوہ ازیں اس دیت کی قیمت سنن ابی داود کی حدیث میں 800 سو دینار یا 8 ہزار درہم اور سنن ترمذی کی روایت میں بارہ ہزار درہم بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قیمت دیت میں کمی بیشی اور مختلف پیشوں والوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر فرمائی تھیں۔ (إرواء الغليل: 305/7) جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت (سو اونٹ) کی بنیاد پر اس کی قیمت ہر دور کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی۔ (تفصیل کے لیے شروحات حدیث و کتب فقہ نیز ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور کی خصوصی اشاعت ''قانون قصاص و دیت'' ملاحظہ ہوں)

[1] معاف کر دینے کو صدقہ سے تعبیر کرنے سے مقصد معافی کی ترغیب دینا ہے۔ [2] یعنی اس صورت میں دیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ اس کے وارث حربی کافر ہیں، اس لیے وہ مسلمان کی دیت لینے کے حق دار نہیں۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مسلمان نے اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ ہجرت نہیں کی، جبکہ ہجرت کی اس وقت بڑی تاکید تھی۔ اس کوتاہی کی وجہ سے اس کے خون کی حرمت کم ہے۔ (فتح القدير) [3] یہ ایک تیسری صورت ہے، اس میں بھی وہی کفارہ اور دیت ہے جو پہلی صورت میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر مقتول معاہد (ذمی، غیر مسلم) ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہوگی کیونکہ حدیث میں کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف بیان کی گئی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس تیسری صورت میں بھی مقتول مسلمان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ [4] یعنی اگر گردن آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پہلی صورت اور اس آخری صورت میں دیت کے ساتھ مسلسل لگاتار (بغیر ناغہ کے) دو مہینے کے روزے رکھنے ہیں۔ اگر درمیان میں ناغہ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے، البتہ عذر شرعی کی وجہ سے ناغہ ہونے کی صورت میں نئے سرے سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے حیض، نفاس یا شدید بیماری، جو روزہ رکھنے میں مانع ہو۔ سفر کے عذر شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔ (ابن کثیر) [5] یہ قتل عمد کی سزا ہے۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ (1) قتل خطا (جس کا ذکر ماقبل کی آیت میں ہے) (2) قتل شبہ عمد جو حدیث سے ثابت ہے۔ (3) قتل عمد جس کا مطلب ہے، ارادہ اور نیت سے کسی کو قتل کرنا اور اس کے لیے وہ آلہ استعمال کرنا جس سے فی الواقع عادتاً قتل کیا جاتا ہے، جیسے تلوار، خنجر وغیرہ۔ آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید بیان کی گئی ہے، مثلاً: اس کی سزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ احادیث میں بھی اس کی سخت مذمت اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ [6] مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بعض علماء مذکورہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں لیکن قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الفرقان 25:70) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں۔ ہر گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، توبۃ النصوح سے اس کی معافی ممکن ہے۔ یہاں اس کی جو سزا جہنم بیان کی

Marfat.com

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

مومن نہیں[1] تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے مال

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

غنیمت ہیں[2] تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا،

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾ لَا

لہٰذا معاملے کی تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے﴿94﴾ کسی

يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

عذر کے بغیر (پیچھے) بیٹھ رہنے والے مومن اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے[3] اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ

کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب

اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے[4] اور اللہ نے مجاہدین کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿95﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ

بہت بڑا اجر دیا ہے﴿95﴾ ان کے لیے اللہ کی طرف سے درجے ہیں اور بخشش اور رحمت ہے۔

ع 13/5/10 اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ

اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿96﴾ جن لوگوں کی اس حالت میں فرشتے

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ

جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے

گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس جرم پر اسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود (ہمیشہ جہنم میں رہنے) کا مطلب بھی مکث طویل (لمبی مدت) ہے کیونکہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں کے لیے ہی ہے۔ علاوہ ازیں قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی بھی تلافی اور ازالہ فرما سکتا ہے، اس مقتول کو بھی بدلہ مل جائے گا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائے گی۔ (فتح القدير و ابن كثير)

[1] احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کسی علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے، چنانچہ انھوں نے بغیر تحقیق کیے اسے قتل کر ڈالا اور بکریاں (بطور مال غنیمت) لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4591، وجامع الترمذي، حديث: 3030) بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں پہلے تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6866) مطلب یہ تھا کہ اس قتل کا کوئی جواز نہیں تھا۔

[2] یعنی تمھیں چند بکریاں، اس مقتول سے حاصل ہو گئیں، یہ کچھ بھی نہیں، اللہ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ و رسول کی اطاعت کی وجہ سے تمھیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں تو ان کا ملنا یقینی ہے۔ [3] جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا صحابی) وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ لینے سے قاصر ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے جہاد میں حصہ لینے والوں کے برابر ہم اجر و ثواب حاصل نہیں کر سکیں گے، درآں حالیکہ ہمارا گھر میں بیٹھ رہنا بطور شوق، یا جان کی حفاظت کے لیے نہیں ہے بلکہ عذر کی وجہ سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ (بغیر عذر کے) کا استثنا نازل فرما دیا، یعنی عذر کے ساتھ بیٹھ رہنے والے، مجاہدین کے ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ ''ان کو عذر نے روکا ہوا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2839) [4] یعنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو جو فضیلت حاصل ہو گی، جہاد میں حصہ نہ لینے والے اگرچہ اس سے محروم رہیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ساتھ ہی بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے، یعنی اگر بقدر ضرورت آدمی جہاد میں حصہ لے لیں تو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی یہ فرض ادا شدہ سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ

ہوں، تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟[1] وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔[2]

اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ چنانچہ

جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿97﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے﴿97﴾ مگر وہ مرد، عورتیں اور

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا

بچے جو واقعی بے بس ہوں اور وہ اس جگہ سے نکلنے کا کوئی وسیلہ اور کوئی راستہ نہیں

يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿98﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ

پاتے﴿98﴾[3] اس لیے ان لوگوں کے بارے میں امید ہے کہ اللہ انھیں معاف کردے گا، اور اللہ

وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿99﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے﴿99﴾ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے

يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ

وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور گنجائش پائے گا[4] اور جو شخص اللہ اور اس

مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ

کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکلے، پھر اسے راستے میں

الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا[5] اور اللہ نہایت بخشنے والا،

[1] یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن انھوں نے اپنے آبائی علاقے اور خاندان چھوڑ کر ہجرت کرنے سے گریز کیا جبکہ مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ مجتمع کرنے کے لیے ہجرت کا نہایت تاکیدی حکم مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا، اس لیے جن لوگوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا، ان کو یہاں ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم بتلایا گیا ہے۔ جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حالات و ظروف کے اعتبار سے اسلام کے بعض احکام کفر یا اسلام کے مترادف بن جاتے ہیں، جیسے اس موقع پہ ہجرت اسلام اور اس سے گریز کفر کے مترادف قرار پایا۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ ایسے دارالکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل اور وہاں رہنا کفر اور اہل کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔ [2] یہاں اَرْضٌ سے مراد شان نزول کے اعتبار سے مکہ اور اس کا قرب و جوار ہے اور آگے أَرْضُ اللّٰهِ سے مراد مدینہ ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی پہلی جگہ سے مراد أَرْضُ كُفَّارٍ ہوگی۔ جہاں اسلام پر عمل مشکل ہو اور أرض اللّٰه سے مراد ہر وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اللہ کے دین پر عمل کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے جائے۔ [3] یہ ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہجرت سے مستثنیٰ کرنے کا حکم ہے جو اس کے وسائل سے محروم اور راستے سے بھی بے خبر تھے۔ بچے اگرچہ شرعی احکام کے مکلّف نہیں ہوتے لیکن یہاں ان کا ذکر ہجرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ بچے تک بھی ہجرت کریں یا پھر یہاں بچوں سے مراد قَرِيبُ الْبُلُوغَتْ بچے ہوں گے۔ [4] اس میں ہجرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ مُرٰغَمًا کے معنی جگہ، جائے قیام یا جائے پناہ ہے۔ اور سَعَةً سے رزق یا جگہوں اور ملکوں کی کشادگی و فراخی مراد ہے۔ [5] اس میں نیت کے مطابق اجر و ثواب ملنے کی یقین دہانی ہے چاہے موت کی وجہ سے وہ اس عمل کے مکمل کرنے سے قاصر رہا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ امتوں میں سے ایک سو افراد کے قاتل کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے، جو توبہ کے لیے نیکوں کی ایک بستی میں جا رہا تھا کہ راستے میں اسے موت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکوں کی بستی کو بہ نسبت دوسری بستی کے قریب تر کر دیا جس کی وجہ سے اسے رحمت کے فرشتے اپنے ساتھ لے گئے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3470، و صحيح مسلم، حديث: 2766) اسی طرح جو شخص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلے، راستے ہی میں اسے موت آ جائے تو اسے اللہ کی طرف سے ہجرت کا ثواب ضرور ملے گا، گو ابھی وہ ہجرت کے عمل کو پایۂ تکمیل تک بھی نہ پہنچا سکا ہو، جیسے حدیث میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ”عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔“ «وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى» ”آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی، پس اس کی ہجرت ان کے لیے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت کی، پس اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس نیت سے اس نے ہجرت کی۔“ (صحيح البخاري، حديث: 1، و صحيح مسلم، حديث: 1907) یہ حکم عام ہے جو دین کے ہر کام کو شامل ہے، یعنی اس کو کرتے وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہوگی تو وہ مقبول، ورنہ مردود ہوگا۔

Marfat.com

ع 14 4 11

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿100﴾ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ

بہت رحم کرنے والا ہے ﴿100﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ

گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرلو، اگر تمھیں ڈر ہوکہ کافر (حملہ

اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ

کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے،[1] بے شک کافر تمھارے

عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿101﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

کھلے دشمن ہیں ﴿101﴾ اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا

پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ

سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ

کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کرلے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ

يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ

جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ ساتھ لے

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ

اور اپنے ہتھیار (لگائے رکھے۔) کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ

سامان کی طرف سے ذرا غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں[2] اور اگر

[1] اس میں حالت سفر میں نماز قصر کرنے (دوگانہ ادا کرنے) کی اجازت دی جارہی ہے۔ اِنْ خِفْتُمْ ''اگر تمھیں ڈر ہو......'' غالب احوال کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس وقت پورا عرب دارالحرب بنا ہوا تھا۔ کسی طرف کا بھی سفر خطرات سے خالی نہیں تھا، یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ سفر میں خوف ہو تو قصر کی اجازت ہے، جیسے قرآن مجید میں اور بھی بعض مقامات پر اس قسم کی قیدیں بیان کی گئی ہیں جو اتفاقی، یعنی غالب احوال کے اعتبار سے ہیں، مثلاً: لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران 130:3) یا وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (النور 24: 33) ''تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے بچنا چاہیں۔'' چونکہ بچنا چاہتی تھیں، اس لیے اللہ نے اسے بیان فرمادیا۔ یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری پر آمادہ ہوں تو پھر تمھارے لیے یہ جائز ہے کہ تم ان سے بدکاری کروالیا کرو۔ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ (النساء 4: 23) وغیرھا من الآیات بعض صحابہ کے ذہن میں بھی امن قائم ہوجانے کے بعد یہ اشکال آیا کہ اب تو امن ہے، ہمیں سفر میں نماز قصر نہیں کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کی طرف سے تمھارے لیے صدقہ ہے، اس کے صدقے (فضل) کو قبول کرو۔'' (مسند أحمد: 25/1 و 36، و صحیح مسلم، حدیث: 686) اور دیگر کتب حدیث) ملحوظہ: سفر کی مسافت اور ایام تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے 3 فرسخ، یعنی 9 میل (ساڑھے بائیس کلومیٹر) والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (نیل الأوطار: 233/3) اسی طرح بہت سے محققین علمائے اہلحدیث اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ دوران سفر میں کسی ایک مقام پر تین یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر نماز قصر کی اجازت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح) [2] اس آیت میں صلاۃ الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جارہا ہے۔ صلاۃ الخوف کے معنی ہیں: خوف کی نماز۔ یہ اس وقت مشروع ہے جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لیے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمحے کی بھی غفلت مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوسکتی ہو۔ ایسے حالات میں اگر نماز کا وقت ہوجائے تو صلاۃ الخوف پڑھنے کا حکم ہے، جس کی مختلف صورتیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں، مثلاً: فوج دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک حصہ دشمن کے بالمقابل کھڑا رہا تاکہ کافروں کو حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو اور ایک حصے نے آکر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب یہ حصہ نماز سے فارغ ہوگیا تو پہلے کی جگہ مورچہ زن ہوگیا اور مورچہ زن حصہ نماز کے لیے آگیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں حصوں کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ کی دو رکعت اور باقی فوجیوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ بعض میں آتا ہے کہ دو دو رکعات پڑھائیں، اس طرح آپ کی چار رکعت اور فوجیوں کی دو دو رکعت ہوئیں اور بعض میں آتا ہے کہ ایک رکعت پڑھ کر التحیات کی طرح بیٹھے رہے، فوجیوں نے کھڑے ہوکر اپنے طور پر ایک رکعت اور پڑھ کر دو رکعات پوری کیں اور دشمن کے سامنے جا کر ڈٹ گئے۔ دوسرے حصے نے آکر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی اور التحیات میں بیٹھ گئے اور اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک فوجیوں نے دوسری رکعت پوری نہیں

Marfat.com

كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا
تمھیں بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار (ایک طرف)
اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ
رکھ دو، اور اپنا بچاؤ ساتھ لو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿102﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿102﴾ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور
قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا
لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے رہو،[1] پھر جب تمھیں اطمینان ہو جائے تو
الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿103﴾
(پوری) نماز پڑھو،[2] بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے ﴿103﴾[3] اور تم
وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ
دشمن قوم کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔[4] اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو بے شک وہ بھی
يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ
تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم تکلیف اٹھاتے ہو۔ اور تم اللہ سے جس چیز کی امید رکھتے ہو، وہ
15 ع 4 12 وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ
اس کی امید نہیں رکھتے[5] اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿104﴾ (اے نبی!) بے شک
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ
ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی
اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿105﴾ وَّاسْتَغْفِرِ
ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں،[6] اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں ﴿105﴾[7]

کر لی، پھر ان کے ساتھ آپ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح آپ کی بھی دو رکعت اور فوج کے دونوں حصوں کی بھی دو دو رکعات ہوئیں۔ (دیکھیے کتب حدیث)

[1] مراد یہی خوف کی نماز ہے، اس میں چونکہ تخفیف کر دی گئی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے کہا جا رہا کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ [2] اس سے مراد ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس کے اس طریقے کے مطابق پڑھنا ہے، جیسے عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔ [3] اس میں نماز کو مقررہ وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر وحج کے سوا اقامت کی حالت میں بغیر شرعی عذر وتنگی کے دو نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کم از کم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔ [4] یعنی اپنے دشمن کا تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ بلکہ ان کے خلاف بھرپور جد وجہد کرو اور گھات لگا کر بیٹھو! [5] یعنی زخم تو تمھیں بھی اور انھیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمھیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے لیکن وہ اس کی امید نہیں رکھتے، اس لیے اجر آخرت کے حصول کے لیے جو محنت و کاوش تم کر سکتے ہو، وہ کافر نہیں کر سکتے۔ [6] ان آیات (104 سے 113 تک) کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طُعْمَہ یا بَشِیر بن اُبَیْرِق نے ایک انصاری کی زرہ چرالی، جب اس کا چرچا ہوا اور اس کو اپنی چوری کے بے نقاب ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے وہ زرہ ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور بنی ظفر کے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، ان سب نے کہا کہ زرہ چوری کرنے والا فلاں یہودی ہے۔ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ بنی ابیرق نے زرہ چوری کر کے میرے گھر پھینک دی ہے۔ بنی ابیرق (طعمہ یا بشیر وغیرہ) ہشیار تھے اور نبی ﷺ کو باور کراتے رہے کہ چور یہودی ہی ہے اور وہ طُعْمَہ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ نبی ﷺ بھی ان کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو گئے اور قریب تھا کہ اس انصاری کو چوری کے الزام سے بری کر کے یہودی پر چوری کی فرد جرم عائد فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ جس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ بھی بہ حیثیت ایک انسان کے غلط فہمی میں پڑ سکتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ پر فوراً صورتحال واضح ہو جاتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی حق کے پوشیدہ رہ جانے اور اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا مرحلہ آ جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرما دیتا اور اس کی اصلاح فرما دیتا ہے جیسا کہ عصمت انبیاء کا تقاضا ہے۔ یہ وہ مقام عصمت ہے جو انبیاء کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ [7] اس سے مراد وہی بنی ابیرق ہیں جنھوں نے چوری خود کی لیکن اپنی چرب زبانی سے یہودی کو چور باور کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ اگلی آیات میں بھی ان کے اور ان کے حمایتیوں کے غلط کردار کو نمایاں کر کے نبی ﷺ کو خبردار کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿106﴾ وَلَا تُجَادِلْ

اور اللہ سے بخشش مانگیں[1] بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (106) اور آپ

عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ

مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿107﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ

اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت کرنے والا، گناہ گار ہو (107) وہ لوگوں سے (تو اپنی حرکتیں)

وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

چھپا سکتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے اور وہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

رات کو چھپ کر ایسا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں، اور وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ

مُحِيْطًا ﴿108﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

اسے گھیرے ہوئے ہے (108) ہاں، تم لوگوں نے یہاں دنیا کی زندگی میں تو ان (مجرموں) کی

الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ

طرف سے جھگڑا کرلیا، پھر قیامت کے دن اللہ کے ہاں ان کی طرف سے کون جھگڑے گا؟ یا

يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ

(وہاں) کون ان کا وکیل ہوگا؟ (109)[2] اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ

نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿110﴾ وَمَنْ

سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا پائے گا (110) اور جو شخص کوئی

يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

گناہ کرتا ہے تو بے شک اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی[3] اور اللہ خوب جاننے والا،

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿111﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ

بہت حکمت والا ہے (111) اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرتا ہے، پھر کسی بے گناہ پر اس کا الزام

بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿112﴾ؑ وَلَوْلَا

16 ع 8 13

لگا دیتا ہے تو (ایسا کرکے) وہ ایک بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے (112)[4] اور اگر آپ

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو لوگوں کے ایک گروہ نے یقیناً ارادہ کرلیا تھا

اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ

کہ وہ آپ کو بہکا دے،[5] اور وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو نہیں بہکاتے، اور وہ آپ کو ذرا

[1] یعنی بغیر تحقیق کیے آپ ﷺ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے، اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بابت پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے، اس کی حمایت و وکالت کرنا جائز نہیں، علاوہ ازیں اگر کوئی فریق دھوکے، فریب اور اپنی چرب زبانی سے عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گا، درآں حالیکہ وہ صاحب حق نہ ہو تو ایسے فیصلے کی عنداللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا: ''خبردار! میں ایک انسان ہوں اور جس طرح میں سنتا ہوں، اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک شخص اپنی دلیل و حجت پیش کرنے میں تیز طرار اور ہوشیار ہو اور میں اس کی گفتگو سے متأثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، حالانکہ وہ حق پر نہ ہو اور اس طرح میں دوسرے مسلمان کا حق اسے دے دوں، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2680 و 6967 و 7169، وصحيح مسلم، حديث: 1713) [2] یعنی جب اس گناہ کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ ہوگا تو کون اللہ کی گرفت سے اسے بچا سکے گا؟ [3] اس مضمون کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (بنیٓ إسرآءيل 17: 15) ''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یعنی کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، ہر نفس کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کما کر ساتھ لے گیا ہوگا۔ [4] جس طرح بنو ابیرق نے کیا کہ چوری خود کی اور تہمت کسی اور پر دھر دی۔ یہ زجر و توبیخ عام ہے۔ جو بنو ابیرق کو بھی شامل ہے اور ان کو بھی جو ان کی سی بدخصلتوں کے حامل اور ان جیسے برے کاموں کے مرتکب ہوں گے۔ [5] یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لیے فرمایا جاتا ہے جو انبیاء پر اللہ کے فضل خاص اور اس کی رحمت خاصہ کا مظہر ہے۔ ﴿طَّآئِفَةٌ﴾ (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنو ابیرق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو چوری کے الزام سے بری کر دیں گے، جو فی الواقع چور تھا۔

Marfat.com

شَیْءٍ ۚ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اللہ نے آپ پر یہ کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿113﴾

کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے[1] اور آپ پر اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے ﴿113﴾

لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ

ان کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں[2] ہوتی مگر جو شخص صدقے یا نیکی یا لوگوں

اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ

کے درمیان صلح کا حکم دے (تو یہ اچھی بات ہے[3]) اور جو کوئی اللہ کی رضا حاصل کرنے

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿114﴾ وَمَنْ

کے لیے ایسا کرے،[4] تو ہم اسے جلد بہت بڑا اجر عطا کریں گے ﴿114﴾ [5] اور جس شخص کے سامنے

یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ

واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اس کے بعد وہ رسول کی مخالفت کرے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ

غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ

کر دوسرے راستے کی پیروی کرے، تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور

وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿115﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ

ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے،[6] اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ﴿115﴾ بے شک اللہ یہ گناہ ہرگز نہیں بخشتا کہ اس

17 ع 3 14

[1] یہ دوسرے فضل و احسان کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ پر کتاب و حکمت (سنت) نازل فرما کر اور ضروری باتوں کا علم دے کر فرمایا گیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ......﴾ (الشورٰی 52:42) ''اور اسی طرح وحی کی ہم نے آپ کی طرف ایک روح (قرآن) کی اپنے حکم سے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟'' ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (القصص 86:28) ''آپ کو یہ توقع نہیں تھی کہ آپ پر کتاب اتاری جائے گی مگر آپ کے رب کی رحمت سے (یہ کتاب اتاری گئی۔)'' ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ پر فضل و احسان فرمایا اور کتاب و حکمت بھی عطا فرمائی، ان کے علاوہ دیگر بہت سی باتوں کا آپ کو علم دیا گیا جن سے آپ بے خبر تھے۔ یہ بھی گویا آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے کیونکہ جو خود عالم الغیب ہو، اسے تو کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جسے دوسرے سے معلومات حاصل ہوں، وحی کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ [2] ﴿نَّجْوٰىهُمْ﴾ (خفیہ مشورے) سے مراد وہ باتیں ہیں جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف یا ایک دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔ [3] یعنی صدقہ خیرات، معروف (جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے) کا حکم اور اصلاح بین الناس کے بارے میں مشورے، خیر پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ان امور کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ [4] کیونکہ اگر اخلاص (رضائے الٰہی کا مقصد) نہیں ہوگا تو بڑے سے بڑا عمل بھی نہ صرف ضائع جائے گا بلکہ وبال جان بن جائے گا۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الرِّيَاءِ وَالنِّفَاقِ [5] احادیث میں اعمال مذکورہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بھی احد پہاڑ جتنا ہو جائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: (1014) نیک بات کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح رشتے داروں، دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا بہت بڑا عمل ہے۔ ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات و خیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے۔ فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ قَالَ: وَ فَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ» (سنن أبي داود، حديث: 4919، وجامع الترمذي، حديث: 2509، ومسند أحمد: 445,444/6) حتیٰ کہ صلح کرانے والے کو جھوٹ تک بولنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ اسے ایک دوسرے کو قریب لانے کے لیے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تأمل نہ کرے۔ «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا، وَيَقُولُ خَيْرًا» (صحيح البخاري، حديث: 2692، وصحيح مسلم، حديث: (2605)، وجامع الترمذي، حديث: 1938، وسنن أبي داود، حديث: 4920) ''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اچھی بات پھیلاتا یا اچھی بات کرتا ہے۔'' [6] ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی دین اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ مومنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو، اس لیے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین

Marfat.com

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے سوا جسے چاہے معاف کردیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ

ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿116﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا

شرک کرتا ہے، تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ہے ﴿116﴾ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو

وَّاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿117﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ

پکارتے ہیں[1] اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں ﴿117﴾ [2] اللہ نے اس پر لعنت کی ہے،

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿118﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

اور اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور لے کر رہوں گا ﴿118﴾ [3] اور میں

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

انھیں گمراہ کروں گا، اور انھیں امیدیں دلاؤں گا[4] اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ

کان چیر دیں گے[5] اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں ردوبدل کر دیں گے[6] اور جو

وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾

شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے تو وہ یقیناً کھلے نقصان میں جا پڑا ﴿119﴾

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا

شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے وعدے فریب

غُرُوْرًا ﴿120﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا

کے سوا کچھ نہیں ﴿120﴾ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ

کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کے نام ہیں، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر وضلال ہی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت لیا، یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام ہم عصر علماء وفقہاء کا اتفاق یا کسی مسئلے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار اکثر علماء کے نزدیک کفر ہے۔ تاہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی صورت تو ملتی ہے۔ لیکن اجماع صحابہ کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع واتفاق کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کیے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل جو واقعتاً اجماعی ہوں، عدیم النظیر ہیں، بہرحال اجماع شرعاً حجت ہے، اس لیے کہ صحیح حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''
(جامع الترمذي، حديث: 2167)

[1] اِنٰثًا (عورتیں) سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کے نام مؤنث تھے جیسے لات، عزیٰ، مناۃ، نائلہ وغیرہ۔ یا مراد فرشتے ہیں کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ [2] بتوں، فرشتوں اور دیگر فوت شدہ ہستیوں کو پکارنا، ان کی عبادت ہے۔ جو دراصل شیطان کی عبادت ہے کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کے در سے چھڑا کر دوسروں کے آستانوں اور چوکھٹوں پر جھکاتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔ [3] مقرر شدہ حصہ، مراد وہ نذر ونیاز بھی ہوسکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفون اشخاص کے نام پر نکالتے ہیں اور جہنمیوں کا وہ کوٹہ بھی ہوسکتا ہے جنھیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔ [4] یہ وہ باطل امیدیں ہیں جو شیطان کے وسوسوں اور دخل اندازی سے پیدا ہوتی اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔ [5] یہ بحیرہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں۔ مشرکین ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے لیے ان کے کان وغیرہ چیر دیا کرتے تھے۔ [6] تَغْيِيرِ خَلْقِ اللّٰهِ ''اللہ کی تخلیق کو بدلنا'' کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی جس کا ابھی یہاں ذکر ہوا، یعنی کان وغیرہ کاٹنا، چیرنا، سوراخ کرنا، ان کے علاوہ اور کئی صورتیں ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پتھر اور آگ وغیرہ اشیاء مختلف مقاصد کے لیے بنائی ہیں، لیکن مشرکین نے ان کے مقصد تخلیق کو بدل کر انھیں معبود بنالیا۔ یا تغییر کا مطلب تغییر فطرت ہے، یا حلت وحرمت میں تبدیلی ہے وغیرہ۔ اسی تغییر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے آپریشن کر کے انھیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا۔ میک اپ کے نام پر ابروؤں کے بال وغیرہ اکھاڑنا جو درحقیقت اپنی صورتوں کو مسخ کرنا ہے اور وشم (گودنا گدوانا) اور بیوٹی پارلروں کا میک اپ اور دلہن سازی وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جن سے بچنا ضروری ہے، البتہ جانوروں کو اس لیے خصی کرنا کہ ان سے زیادہ انتفاع ہو سکے یا ان کا گوشت زیادہ بہتر ہو سکے یا اسی قسم کا کوئی اور صحیح مقصد ہو تو جائز ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور قربانی میں ذبح فرمائے ہیں۔ اگر جانور کو خصی کرنے کا جواز نہ ہوتا تو آپ ان کی قربانی نہ کرتے، تاہم بغیر مذکورہ ضرورت کے خصی کرنا ممنوع ہی ہوگا واللہ اعلم۔

Marfat.com

مَحِيْصًا ﴿121﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
پائیں گے ﴿121﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم جلد انھیں ایسے
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔
وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾ لَيْسَ
اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ سے بڑھ کر کون قول وقرار میں سچا ہے؟ ﴿122﴾[1] (انجام کا دارومدار)
بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ
نہ تمھاری خواہشات پر ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات پر، بلکہ جو کوئی برا عمل کرے گا،
بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿123﴾
اس کا اسے بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا ﴿123﴾
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ
اور جو کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو
مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿124﴾
ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿124﴾[2]
وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
اور دین میں اس شخص سے زیادہ اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا؟ اور وہ نیکی
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ
کرنے والا بھی ہو، اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے، جو صرف حق پرست تھا۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا
خَلِيْلًا ﴿125﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
خاص دوست بنایا تھا ﴿125﴾[3] اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو
18 ع 11 15 بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ
گھیرے ہوئے ہے ﴿126﴾ اور (اے نبی!) لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے
اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ
ہیں[4] کہہ دیجیے: اللہ خود ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور کتاب کی وہ آیتیں بھی، جو یتیم
يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ
لڑکیوں کے بارے میں تمھیں (پڑھ کر) سنائی جاتی ہیں جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے[5] اور

[1] شیطانی وعدے تو سراسر دھوکا اور فریب ہیں لیکن انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ سچوں کی بات کو کم مانتا ہے اور جھوٹوں کے پیچھے زیادہ چلتا ہے، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ شیطانی چیزوں کا چلن عام ہے اور ربانی کاموں کو اختیار کرنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ کم ہی رہے ہیں اور کم ہی ہیں ﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ (سبا 13:34) ”میرے شکر گزار بندے کم ہی ہیں۔“ [2] جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے متعلق بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی خوش فہمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی محض امیدوں اور آرزوؤں سے نہیں ملے گی۔ اس کے لیے تو ایمان اور عمل صالح کی پونجی ضروری ہے، اگر اس کے برعکس نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی، کفر ہوگا تو اسے ہر صورت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی، وہاں کوئی ایسا دوست یا مددگار نہیں ہوگا جو برائی کی سزا سے بچا سکے۔ آیت میں اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی سی غلط فہمیوں، خوش فہمیوں اور عمل سے خالی آرزوؤں اور تمناؤں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔ لیکن افسوس مسلمان اس تنبیہ کے باوجود انھی خام خیالیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں سابقہ امتیں گرفتار ہوئیں۔ اور آج بے عملی اور بدعملی مسلمان کا بھی شعار بنی ہوئی ہے اور اس کے باوجود وہ امت مرحومہ کہلانے پر مصر ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى [3] یہاں کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا جا رہا ہے۔ معیار یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے، محسن بن جائے اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے اور نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ ﴿ خَلِيْلًا ﴾ کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں محبت اس طرح خالص اور راسخ ہو کہ اس میں کوئی خلل و نقص نہ ہو۔ خلیل (بروزن فعیل) بمعنی فاعل ہے، جیسے علیم بمعنی عالم اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مفعول ہے، جیسے حبیب بمعنی محبوب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً اللہ کے محبّ بھی تھے اور محبوب بھی۔ (فتح القدیر) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اللہ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: (532) [4] عورتوں کے بارے میں جو سوالات ہوتے رہتے تھے، یہاں سے ان کے جوابات دیے جا رہے ہیں۔ [5] ﴿ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ اس کا عطف ﴿ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ ﴾ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بابت وضاحت فرماتا ہے اور کتاب اللہ کی وہ آیات بھی وضاحت کرتی ہیں جو اس سے قبل یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل

Marfat.com

اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ
تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو[1] اور (وہ) کمزور بچوں کے بارے میں (تمھیں حکم دے رہا
تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
ہے[2]) اور یہ کہ تم یتیموں سے انصاف کرو[3] اور تم جو بھی نیکی کرو، تو بے شک اللہ اس کا خوب
كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا
علم رکھتا ہے ﴿127﴾ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم و زیادتی یا نظر انداز کیے
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ
جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح کرلیں[4] اور صلح
وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا
ہی اچھی ہے، اور انسانی نفس میں بخیلی رکھی گئی ہے[5] اور اگر تم احسان کرو اور پرہیز گار بنو تو بے
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿128﴾ وَلَنْ
شک تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿128﴾ اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ
تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا
تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا
کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو[6] اور اگر تم اصلاح کا رویہ
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾ وَاِنْ
اختیار کرو اور پرہیز گار بنو تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿129﴾ اور اگر وہ دونوں

ہو چکی ہیں۔ مراد ہے سورۂ نساء کی آیت:3 جس میں ان لوگوں کو اس بے انصافی سے روکا گیا ہے کہ وہ یتیم لڑکی سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی تو کر لیتے تھے لیکن مہر مثل دینے سے گریز کرتے تھے۔

[1] اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں، ایک تو یہی جو یہاں اختیار کیا گیا ہے، اس میں فِي کا لفظ محذوف ہے جس نے اس کو رغبت کے معنی میں کر دیا ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ عَنْ کا لفظ محذوف مان کر کیا گیا ہے، یعنی تَرْغَبُونَ عَنْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ''تمھیں ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو۔'' رغب کا صلہ عن آئے تو معنی اعراض اور بے رغبتی کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ﴾ (البقرة 2:130) ''ملت ابراہیم سے بے رغبتی کون کرسکتا ہے۔'' میں ہے یہ گویا دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ یتیم لڑکی بعض دفعہ بدصورت ہوتی تو اس کے ولی یا اس کے ساتھ وراثت میں شریک دوسرے ورثاء خود بھی اس کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتے اور کسی دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہ کرتے...... تاکہ کوئی اور شخص اس کے حصۂ جائیداد میں شریک نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی صورت کی طرح ظلم کی اس دوسری صورت سے بھی منع فرمایا۔ [2] اس کا عطف ﴿ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ ﴾ پر ہے، یعنی وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ فِي الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ''یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر جو پڑھا جاتا ہے (سورۂ نساء کی آیت:3) اور کمزور بچوں کی بابت جو پڑھا جاتا ہے۔ اس سے مراد قرآن کا حکم ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ﴾ ہے جس میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ جبکہ زمانۂ جاہلیت میں صرف بڑے لڑکوں کو ہی وارث جاتا تھا، چھوٹے کمزور بچے اور عورتیں وراثت سے محروم ہوتی تھیں۔ شریعت نے سب کو وارث قرار دیا۔ [3] اس کا عطف بھی ﴿ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ ﴾ پر ہے، یعنی کتاب اللہ کا یہ حکم بھی تم پر پڑھا جاتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ یتیم بچی صاحب جمال ہو تب بھی اور بدصورت ہو تب بھی۔ دونوں صورتوں میں انصاف کرو۔ (جیسا کہ تفصیل گزری) [4] خاوند اگر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو ناپسند کرے اور اس سے دور رہنا (نُشُوز) اور اعراض کرنا معمول بنا لے یا ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی کم تر خوب صورت بیوی سے اعراض کرے تو عورت اپنا کچھ حق چھوڑ کر (مہر سے یا نان ونفقہ سے یا باری سے) خاوند سے مصالحت کر لے تو اس مصالحت میں خاوند یا بیوی پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ صلح بہر حال بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 2593، و صحيح مسلم، حديث: 1463) [5] ﴿ الشُّحَّ ﴾ بخل اور طمع کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے، یعنی ہر نفس اپنے مفاد میں بخل اور طمع سے کام لیتا ہے۔ [6] یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا کیونکہ محبت، فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو

Marfat.com

يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
(میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو (دوسرے سے)
وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
بے نیاز کر دے گا[1] اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب حکمت والا ہے﴿130﴾ اور آسمانوں اور زمین
الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور ہم نے تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی، ان کو اور
قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ
تمھیں بھی یہی حکم دیا کہ اللہ سے ڈرتے رہو، پھر اگر تم کفر کرو گے تو بے شک
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ بہت بے پروا، قابل تعریف
حَمِيْدًا ﴿131﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى
ہے﴿131﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ بطور کارساز
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ
کافی ہے﴿132﴾ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تمھیں ہٹا کر تمھاری جگہ دوسروں کو لے آئے
بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿133﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
اور اللہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے﴿133﴾[2] جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ کے
ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ
پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے[3] اور اللہ خوب سننے والا، خوب
اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿134﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا
دیکھنے والا ہے﴿134﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور
قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف یا تمھارے والدین اور
اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ؕ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا
رشتہ داروں کے خلاف ہو[4] معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب، دونوں صورتوں میں تمھاری نسبت اللہ تم

عنداللہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ جس طرح نبی ﷺ نے اس کا نہایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ''محبوب بیوی'' کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انھیں معلقہ (درمیان میں لٹکی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انھیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے: ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو (دوسری کو نظر انداز کیے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (نصف) ساقط ہوگا۔(جامع الترمذي، حديث:1141) [1] یہ تیسری صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر نباہ کی صورت نہ بنے تو پھر طلاق کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی بیوی اور عورت کو مطلوبہ صفات والا مرد مل جائے۔ اسلام میں طلاق کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: «أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ» (سنن أبي داود، حديث: 2178، و مشكاة المصابيح: 978/2) ''طلاق ایسا حلال کام ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔'' اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ قرآن وسنت کی نصوص سے یہ واضح ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمال کرنا چاہیے جب نباہ کی کوئی صورت کسی طرح بھی نہ بن سکے۔ ملحوظہ: حدیث مذکور «أَبْغَضُ الْحَلَالِ ...» کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (إرواء الغليل، حديث: 2040) تاہم عذر شرعی کے بغیر طلاق کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ [2] یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ وکاملہ کا اظہار ہے جبکہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد 38:47) ''اگر تم پھرو گے تو وہ تمھاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔'' [3] جیسے کوئی شخص صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے جہاد کرے تو کتنی نادانی کی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں کا ثواب عطا فرمانے پر قادر ہے تو پھر اس سے ایک ہی چیز کیوں طلب کی جائے؟ انسان دونوں ہی کا طلب گار کیوں نہ بنے؟ [4] اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل وانصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہا ہے، چاہے اس کی وجہ سے انھیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی

Marfat.com

فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

سے زیادہ ان کا حق دار ہے[1] پس تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو[2]

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو[3] بے شک تم جو بھی عمل کرتے

خَبِيْرًا ﴿135﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿135﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ، اس کے رسول اور اس

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ

کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے

مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

نازل کی[4] اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿136﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

دن کا انکار کرے تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ﴿136﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے،

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ

پھر انھوں نے کفر کیا، پھر ایمان لے آئے، پھر کفر کیا پھر کفر میں کہیں بڑھ گئے، اللہ

يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿137﴾ بَشِّرِ

انھیں ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انھیں ہدایت کا راستہ دکھائے گا ﴿137﴾ [5] (اے نبی!) منافقوں

الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿138﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

کو خبردار کر دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿138﴾ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں

اٹھانا پڑے، اس لیے کہ حق سب پر حاکم ہے اور سب پر مقدم ہے۔

[1] یعنی کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشہ تمھیں سچی بات کہنے سے روکے بلکہ اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ حق دار ہے اور ان کی بھلائی کو تم سے زیادہ جانتا ہے۔ [2] یعنی خواہش نفس، عصبیت یا بغض تمھیں انصاف کرنے سے نہ روک دے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المآئدۃ 5:8) ''تمھیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔'' [3] ﴿تَلْوٗٓا﴾ لَيٌّ سے ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شہادت میں تحریف و تغییر ہے اور اعراض سے مراد شہادت کا کتمان (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس آیت میں عدل و انصاف کی تاکید اور اس کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً: ① ہر حال میں عدل کرو اس سے سر مو انحراف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اور کوئی اور محرک اس میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معاون اور دست و بازو بنو۔ ② صرف اللہ کی رضا تمھارے پیش نظر ہو کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیلی اور کتمان سے گریز کرو گے اور تمھارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔ ③ عدل و انصاف کی زد اگر تم پر یا تمھارے والدین یا دیگر قریبی رشتے داروں پر بھی پڑے، تب بھی تم پروا مت کرو اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو۔ ④ کسی مال دار کو اس کی تونگری کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف مت کھاؤ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟ ⑤ فیصلے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمنی آڑے نہیں آنی چاہیے بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لاگ عدل کرو۔ عدل کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہوگا، وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے انھیں رشوت کی پیشکش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں، انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمھاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمھارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔'' یہ سن کر انھوں نے کہا: ''اسی عدل کی وجہ سے آسمان و زمین کا یہ نظام قائم ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر) [4] ایمان والوں کو ایمان لانے کی تاکید تحصیل حاصل والی بات نہیں بلکہ کمال ایمان اور اس پر استقرار و اثبات کا حکم ہے، جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا مفہوم ہے۔ [5] بعض مفسرین نے اس سے مراد یہود لیے ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کا انکار کیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی انکار کیا اور بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں، چونکہ مقصد ان کا مسلمانوں کو

Marfat.com

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

کو دوست بناتے ہیں،[1] کیا وہ ان کافروں کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں؟ پھر

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿139﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے ﴿139﴾ [2] اور اس نے اس کتاب میں تمھارے لیے

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہو یا ان کا مذاق اڑایا جارہا ہو تو

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں،

غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ

ورنہ تم بھی اس وقت یقیناً انھی جیسے ہوگے،[3] بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں

فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴿140﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ

جمع کرنے والا ہے ﴿140﴾ وہ لوگ تمھارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمھیں اللہ کی

لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ

طرف سے فتح حاصل ہو تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ

کچھ غلبہ ملے تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور (کیا) ہم

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ

نے تمھیں مومنوں سے نہیں بچایا؟[4] پھر قیامت کے دن اللہ تمھارے درمیان فیصلہ کر دے

20 ع 7 17 يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ۧ اِنَّ

گا،[5] اور اللہ کافروں کو مومنوں کے خلاف ہرگز کوئی راستہ نہیں دے گا ﴿141﴾ [6] بے شک منافقین

نقصان پہنچانا تھا، اس لیے وہ بار بار اپنی مسلمانی کا ڈھونگ رچاتے تھے بالآخر کفر وضلالت میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کی ہدایت کی امید منقطع ہوگئی۔

[1] جس طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ منافقین کافروں کے پاس جا کر یہی کہتے تھے کہ ہم تو حقیقت میں تمھارے ہی ساتھی ہیں، مسلمانوں سے تو ہم یوں ہی استہزا کرتے ہیں۔ [2] یعنی عزت کافروں کے ساتھ موالات ومحبت سے نہیں ملے گی کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت اپنے ماننے والوں ہی کو عطا فرماتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ (فاطر 10:35) ''جو عزت کا طالب ہے تو (اسے سمجھ لینا چاہیے کہ) عزت سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (المنٰفقون 8:63)، یعنی وہ نفاق کے ذریعے سے اور کافروں سے دوستی کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں، درآں حالیکہ یہ طریقہ ذلت وخواری کا ہے، عزت کا نہیں۔ [3] یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں، جہاں آیات الٰہی کا استہزا کیا جاتا ہو بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے، جیسے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔'' (مسند أحمد: 20/1 و 339/3) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ و رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے۔ [4] یعنی ہم تم پر غالب آنے لگے تھے لیکن تمھیں اپنا ساتھی سمجھ کر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے تمھیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ مطلب یہ کہ تمھیں غلبہ ہماری اس دوغلی پالیسی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے جو ہم نے مسلمانوں میں ظاہری طور پر شامل ہو کر اپنائے رکھی لیکن درپردہ ان کو نقصان پہنچانے میں ہم نے کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی تاآنکہ تم ان پر غالب آگئے۔ یہ منافقین کا قول ہے جو انھوں نے کافروں سے کہا۔ [5] یعنی دنیا میں تم نے دھوکے اور فریب سے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لی لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان باطنی جذبات وکیفیات کی روشنی میں ہوگا جنھیں تم سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں کو بھی خوب جانتا ہے اور پھر اس پر جو وہ سزا دے گا تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں منافقت اختیار کر کے نہایت خسارے کا سودا کیا تھا جس پر جہنم کا دائمی عذاب بھگتنا ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ [6] یعنی غلبہ نہ دے گا۔ اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ① اہل اسلام کا یہ غلبہ قیامت والے دن ہوگا۔ ② حجت اور دلائل کے اعتبار سے کافر مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے۔ ③ کافروں کا ایسا غلبہ نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کی دولت وشوکت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے اور وہ حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے ہی محو ہو جائیں۔ ایک حدیث صحیح سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ ④ جب تک مسلمان اپنے دین کے عامل، باطل سے غیر راضی

Marfat.com

الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے[1] اور جب وہ نماز
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ
کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو دل سے نہ چاہتے ہوئے[2] لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے
اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿142﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
ہیں[3] اور وہ اللہ کو بس تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں ﴿142﴾ [4] وہ کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ
(پورے) اس طرف نہ (پورے) اس طرف[5] اور (اے نبی!) جسے اللہ گمراہ کر دے، آپ اس کے لیے
لَهٗ سَبِيْلًا ﴿143﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا
ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے ﴿143﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا
دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی
لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿144﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ
حجت دے دو؟ ﴿144﴾ [6] بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے[7] اور
الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
وہاں آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے ﴿145﴾ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے
تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ
توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، اور تھام لیا اللہ (کے دین) کو اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا
کر لیا تو ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے[8] اور اللہ مومنوں کو جلد بہت بڑا اجر عطا کرے
عَظِيْمًا ﴿146﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ
گا ﴿146﴾ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟[9] اور اللہ بڑا
وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾
قدر دان، خوب جاننے والا ہے ﴿147﴾ [10]

اور منکرات سے روکنے والے رہیں گے، کافر ان پر غالب نہ آ سکیں گے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں کہ "یہ سب سے عمدہ معنی ہیں۔" کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ
(الشورٰی 30:42) "اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، سو تمھارے اپنے فعلوں کی وجہ سے۔" (فتح القدير) گویا مسلمانوں کی مغلوبیت ان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔

[1] اس کی مختصر توضیح سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔ [2] نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور اشرف ترین فرض ہے اور اس میں بھی وہ کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خشیت الٰہی اور خلوص سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عشاء اور فجر کی نماز بطور خاص ان پر بہت بھاری تھی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ» (صحيح البخاري، قبل حديث: 564) "منافق پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے زیادہ بھاری ہے۔" [3] یہ نماز بھی وہ صرف ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے پڑھتے تھے تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔ [4] اللہ کا ذکر تو برائے نام کرتے ہیں یا نماز مختصر سی پڑھتے ہیں۔ أَيْ لَا يُصَلُّونَ إِلَّا صَلَاةً قَلِيلَةً جب نماز اخلاص، خشیت الٰہی اور خشوع سے خالی ہو تو اطمینان سے نماز کی ادائیگی نہایت گراں ہوتی ہے جیسا کہ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (البقرة 45:2) سے واضح ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے......۔" (صحيح مسلم، حديث: (622) و الموطأ للإمام مالك: 207/1) [5] کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مومنوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہراً و باطناً وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہر ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر و ایمان کے درمیان متحیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو (جفتی کے لیے) دو ریوڑوں کے درمیان متردد رہتی ہے، (بکرے کی تلاش میں) کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی دوسرے کی طرف۔" (صحيح مسلم، حديث: 2784) [6] یعنی اللہ نے تمھیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمھیں بھی سزا دے۔ (معصیت الٰہی اور حکم عدولی کی وجہ سے) [7] جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہاویہ کہلاتا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا منافقین کی مذکورہ عادات سے ہم

Marfat.com

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ اونچی آواز میں برائی کی بات کرنے کو پسند نہیں کرتا، مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (اسے اجازت

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿148﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ

ہے)[1] اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿148﴾ اگر تم کھلے طور پر کوئی نیکی کرو یا چھپا کر

اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿149﴾ اِنَّ

کرو، یا برائی سے درگزر کردو،[2] تو اللہ بھی بہت معاف کرنے والا، بڑی قدرت والا ہے﴿149﴾

الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے

اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ

رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور وہ کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار

وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿150﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

کرتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ اختیار کریں﴿150﴾ وہی لوگ حقیقی کافر

الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿151﴾ وَالَّذِیْنَ

ہیں[3] اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے﴿151﴾ اور جو لوگ اللہ اور

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور انھوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی تفریق

اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

نہیں کی، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ جلد ان کا اجر دے گا[4] اور اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم کرنے

سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بچائے۔ [8] یعنی منافقین میں سے جو ان چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا، وہ جہنم میں جانے کی بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوگا۔ [9] شکر گزاری کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا۔ یہ گویا اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ہے اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید و ربوبیت پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔ [10] یعنی جو اس کا شکر کرے گا، وہ قدر کرے گا، جو دل سے ایمان لائے گا، وہ اس کو جان لے گا اور اس کے مطابق وہ بہترین جزا سے نوازے گا۔

[1] شریعت نے تاکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچا نہ کرو بلکہ تنہائی میں اس کو سمجھاؤ، الا یہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاعلان برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب ویسے ہی ممنوع ہے، چاہے پردے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے برسرعام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے اور اس کی وجہ سے اس برائی کا جرم بڑھ سکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ مذکورہ دونوں قسم کی برائیوں کے اظہار سے ممانعت کو شامل ہیں اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو اس کی کردہ یا ناکردہ حرکت پر برا بھلا کہا جائے، البتہ اس سے ایک استثنا ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کر سکتے ہو جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید وہ ظلم سے باز آجائے یا اس کی تلافی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے میرا پڑوسی ایذا دیتا ہے۔ آپ نے اولاً اسے صبر کی تلقین فرمائی، وہ پھر دو تین مرتبہ شکایت لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا: ''تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو۔'' اس نے ایسا ہی کیا، چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا، وہ پڑوسی کے ظالمانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر رہ گزر اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑوسی نے یہ صورت حال دیکھ کر معذرت کر لی اور اسے آئندہ کے لیے ایذا نہ پہنچانے کا وعدہ کر لیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی التجا کی۔ (سنن أبي داود، حديث: 5153) [2] کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم یا برائی کا ارتکاب کرے تو شریعت نے اس حد تک بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جس حد تک اس پر ظلم ہوا ہے۔ «اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ مَالَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ» (صحيح مسلم، حديث: 2587) ''آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص جو کچھ کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے (بشرطیکہ) مظلوم (جسے پہلے گالی دی گئی) زیادتی نہ کرے۔'' لیکن بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ معافی اور درگزر کو زیادہ پسند فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود باوجود قدرت کاملہ کے عفو و درگزر سے کام لینے والا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ 42:40) ''برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔'' اور حدیث میں بھی ہے: ''معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2589). [3] اہل کتاب کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بعض نبیوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں، جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسائیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء

Marfat.com

ع 21/1

رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ

والا ہے(152) (اے نبی!) اہل کتاب آپ سے تقاضا کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک

كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ

کتاب اتار لائیں[1] چنانچہ ان لوگوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑا تقاضا کیا تھا، انھوں نے

فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

کہا تھا: (اے موسیٰ!) ہمیں اللہ بالکل آنکھوں کے سامنے دکھا، پھر ان کے ظلم کی وجہ سے کڑا کے

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ

کی بجلی ان پر آپڑی، پھر ان کے پاس کھلی نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے بچھڑے کو

فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾

معبود بنالیا، پھر اس پر بھی ہم نے انھیں معاف کردیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا کیا(153)

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا

اور ہم نے ان سے اقرار لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ بلند کیا، اور ہم نے ان سے کہا: (شہر

الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ

کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوجاؤ، اور ہم نے ان سے کہا: ہفتے کے دن میں

وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ

زیادتی نہ کرو، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا(154) پھر (ہم نے ان پر لعنت کی) اس لیے کہ

وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ

انھوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے[2] اور انھوں نے

قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

یہ کہا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر

يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ

لگادی، چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے ہی(155) اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان کے

مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ

کفر کی وجہ سے، اور مریم پر بہت بڑا بہتان لگانے کی وجہ سے(156)[3] اور ان کے یہ کہنے کی وجہ

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ

سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا، حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور

وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي

نہ انھیں سولی پر چڑھایا[4] بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا[5] اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے

علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے والے یہ پکے کافر ہیں۔

[4] یہ ایمانداروں کا شیوہ بتلایا کہ وہ سب انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ہیں کہ وہ کسی بھی نبی کا انکار نہیں کرتے۔ اس آیت سے بھی ”وحدت ادیان“ کی نفی ہوتی ہے جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ ان غیر مسلموں کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کردیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ تمام رسولوں پر اور بالخصوص رسالت محمدیہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اگر اس آخری رسالت کا انکار ہوگا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ غیر معتبر اور نامقبول ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ کی آیت:62 کا حاشیہ)

[1] یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے، اسی طرح آپ بھی آسمان پر جاکر لکھا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں۔ یہ مطالبہ محض عناد، جحود اور تعنت کی بنا پر تھا۔ [2] تقدیری عبارت یوں ہوگی: فَبِنَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ یعنی ہم نے ان کے نقض میثاق، کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء وغیرہ کی وجہ سے ان پر لعنت کی یا سزا دی۔ [3] اس سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت ہے۔ آج بھی بعض نام نہاد محققین اس بہتان عظیم کو ایک ”حقیقت ثابتہ“ باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف نجار (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے معجزانہ ولادت کا انکار کرتے ہیں۔ [4] اس سے واضح ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی قتل کرنے میں کامیاب ہوسکے نہ سولی چڑھانے میں جیسا کہ ان کا منصوبہ تھا۔ اس کی مختصر وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت: 55 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ [5] اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے حواریوں کو، جن کی تعداد 12 یا 17 تھی، جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل وصورت میری جیسی بنادی جائے؟ ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہوگیا، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے

Marfat.com

شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ

میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (157) بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ

علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے،[1] اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا(157) بلکہ اللہ نے انھیں اپنی

اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (158) وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا

طرف اٹھالیا،[2] اور اللہ بڑا زبردست، بہت حکمت والا ہے(158)[3] اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہ

لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ

بچے گا جو عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے[4] اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہ

آسمان پر اٹھالیا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انھوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھا دیا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے، درآں حالیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے وہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

[1] عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو قتل کرنے کے بعد ایک گروہ تو یہی کہتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جبکہ دوسرا گروہ جسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مصلوب شخص عیسیٰ نہیں، کوئی اور ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب ہونے کا انکار کرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خود عیسائیوں کے درمیان ہوا۔ عیسائیوں کے نسطوریہ فرقے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم کے لحاظ سے تو سولی دے دیے گئے لیکن لاہوت (خداوندی) کے اعتبار سے نہیں۔ ملکانیہ فرقے نے کہا کہ یہ قتل وصلب ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے مکمل طور پر ہوا ہے۔ (فتح القدیر) بہرحال وہ اختلاف، تردد اور شک کا شکار رہے۔ [2] یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور متواتر صحیح احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہ احادیث صحیحین سمیت حدیث کی اکثر کتابوں میں بھی وارد ہیں۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3448، و صحیح مسلم، حدیث: 155) ان احادیث میں آسمان پر اٹھائے جانے کے علاوہ قیامت کے قریب ان کے نزول کا اور دیگر بہت سی باتوں کا تذکرہ ہے۔ امام ابن کثیر یہ تمام روایات ذکر کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابوامامہ، نواس بن سمعان، عبداللہ بن عمرو بن العاص، مجمع بن جاریہ، ابی سریحہ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان احادیث میں آپ کے نزول کی صفت اور جگہ کا بیان ہے، آپ دمشق میں منارۂ شرقیہ کے پاس اس وقت اتریں گے جب فجر کی نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہو گی، آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ معاف کر دیں گے، ان کے دور میں سب مسلمان ہو جائیں گے، دجال کا قتل بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو گا اور یاجوج و ماجوج کا ظہور و فساد بھی آپ کی موجودگی میں ہو گا، بالآخر آپ ہی کی بددعا سے ان کی ہلاکت واقع ہو گی۔ (ملخصاً) [3] زبردست اور غالب ہے، اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو اس کی پناہ میں آ جائے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ جو فیصلہ بھی کرتا ہے حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ [4] ﴿قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک اہل کتاب (نصاریٰ) ہیں اور مطلب یہ کہ ہر عیسائی موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ گو موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کا دوبارہ دنیا میں نزول ہو گا اور وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے تو اس وقت جتنے یہودی اور عیسائی ہوں گے ان کو بھی قتل کر ڈالیں گے اور روئے زمین پر مسلمان کے سوا کوئی اور باقی نہ بچے گا، اس طرح اس دنیا میں جتنے بھی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پہلے ان پر ایمان لا کر اس دنیا سے گزر چکیں گے، خواہ ان کا ایمان کسی بھی ڈھنگ کا ہو۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور ایک وقت آئے گا کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل بن کر نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھا دیں گے اور مال کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں ہو گا۔ (صدقہ خیرات لینے والا کوئی نہیں ہو گا) حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ”اہل کتاب میں سے ہر ایک اپنی وفات یا حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے ضرور ان پر ایمان لائے گا۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 3448) یہ احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ انھیں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور انھی متواتر صحیح روایات کی

Marfat.com

شَهِيدًا ﴿159﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ

ہوں گے ﴿159﴾ [1] پھر جو لوگ یہودی ہوئے ان کے ظلم کی وجہ سے اور ان کے، اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے

أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ﴿160﴾ وَأَخْذِهِمُ

روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں ﴿160﴾ [2] اور

الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوٰلَ النَّاسِ بِالْبٰطِلِ ۚ

اس وجہ سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں

وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿161﴾ لٰكِنِ

کا مال ناحق کھاتے تھے۔ اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿161﴾

الرّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ اور مومن ہیں [3] وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا

وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ ۚ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ

گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اور وہ نماز قائم کرتے ہیں [4] اور زکاۃ دیتے ہیں [5] اور اللہ

وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۭ أُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿162﴾ ع 22 10 2

اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، [6] وہی لوگ ہیں جنھیں ہم جلد بہت بڑا اجر دیں گے ﴿162﴾

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلٰى نُوحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ

(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد

بَعْدِهٖ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ

دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان

وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ

کی اولاد اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی [7] اور ہم نے داود کو

وَآتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا ﴿163﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ

زبور عطا کی ﴿163﴾ اور ہم نے کئی رسول بھیجے، اس سے پہلے ہم ان کا حال آپ کے سامنے بیان کر چکے

مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى

ہیں [8] اور کئی رسول ایسے ہیں کہ ان کا حال ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیا [9] اور اللہ نے موسیٰ

بنیاد پر اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں ان کا نزول ہوگا اور دجال کا اور تمام ادیان کا خاتمہ فرما کر اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ یاجوج ماجوج کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی موجودگی میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہی اس فتنے کا بھی خاتمہ ہوگا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ امام مہدی کا بھی یہی دور ہوگا۔

[1] یہ گواہی اپنی پہلی زندگی کے حالات سے متعلق ہوگی جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں وضاحت ہے: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ (المآئدة 5:117) ''میں جب تک ان میں موجود رہا، ان کے حالات سے باخبر رہا۔'' [2] یعنی ان کے ان جرائم و معاصی کی وجہ سے بطور سزا بہت سی حلال چیزیں ہم نے ان پر حرام کر دی تھیں۔ (جن کی تفصیل سورۂ انعام 6:146 میں ہے) [3] ان سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ [4] ان سے مراد بھی وہ اہل ایمان ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے یا پھر مہاجرین و انصار مراد ہیں، یعنی شریعت کا پختہ علم رکھنے والے اور کمال ایمان سے متصف لوگ ان معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ [5] اس سے مراد زکاۃ اموال ہے یا زکاۃ نفوس، یعنی اپنے اخلاق و کردار کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنا، یا دونوں ہی مراد ہیں۔ [6] یعنی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نیز بعث بعد الموت اور عملوں پر جزا و سزا کا یقین رکھتے ہیں۔ [7] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا اور یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی رسالت سے بھی انکار کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر) جس میں مذکورہ قول کا رد کرتے ہوئے رسالت محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کا اثبات کیا گیا ہے۔ [8] جن رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تعداد 24 یا 25 ہے۔ (1) آدم (2) ادریس (3) نوح (4) ہود (5) صالح (6) ابراہیم (7) لوط (8) اسماعیل (9) اسحاق (10) یعقوب (11) یوسف (12) ایوب (13) شعیب (14) موسیٰ (15) ہارون (16) یونس (17) داود (18) سلیمان (19) الیاس (20) الیسع (21) زکریا (22) یحییٰ (23) عیسیٰ (24) ذوالکفل (اکثر مفسرین کے نزدیک) (25) محمد۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ [9] جن انبیاء و رسل کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے، ان کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے ایک لاکھ 24 ہزار اور ایک حدیث میں 8 ہزار تعداد بتلائی گئی ہے لیکن ان روایات میں کلام ہے۔

Marfat.com

تَكْلِيْمًا ﴿164﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
سے (خاص طور پر) کلام کیا[1] ﴿164﴾ اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے[2] تاکہ
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کو الزام دینے کی کوئی گنجائش نہ رہے[3] اور اللہ بڑا
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿165﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ
زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿165﴾ لیکن اللہ نے آپ پر جو نازل کیا ہے، وہ اس کی بابت
اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں
شَهِيْدًا ﴿166﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور اللہ بطور گواہ کافی ہے ﴿166﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا،
قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿167﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا
یقیناً وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں ﴿167﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ کے
لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿168﴾ اِلَّا
شایان نہیں کہ وہ انھیں بخش دے اور نہ یہ شایان ہے کہ وہ انھیں سیدھی راہ دکھائے[4] ﴿168﴾ مگر وہ
طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى
انھیں جہنم کا راستہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان
اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿169﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ
ہے ﴿169﴾ اے لوگو! یقیناً یہ رسول تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر تمھارے پاس آیا ہے،
بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
لہٰذا تم ایمان لاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہوگا، اور اگر تم کفر کرو گے تو آسمانوں اور زمین میں جو
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿170﴾
کچھ ہے، اللہ ہی کے لیے ہے[5] اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ﴿170﴾ اے اہل

قرآن و حدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار و حالات میں مبشرین و منذرین (انبیاء) آتے رہے ہیں۔ بالآخر یہ سلسلۂ نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دیا گیا۔ آپ سے پہلے کتنے نبی آئے؟ ان کی صحیح تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، تاہم محمد ﷺ کے بعد جتنے بھی دعوے داران نبوت ہو گزرے یا ہوں گے، سب دجال اور کذاب ہیں اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور امت محمدیہ سے الگ ایک متوازی امت ہیں، جیسے امت بابیہ، بہائیہ اور امت مرزائیہ وغیرہ۔ اسی طرح مرزا قادیانی جھوٹے نبی کو مسیح موعود ماننے والے لاہوری مرزائی بھی۔

[1] یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیاء سے ممتاز ہیں۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت کی رو سے امام ابن کثیر نے اس صفت ہم کلامی میں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کو بھی شریک مانا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) زیر آیت تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرة 2:253)

[2] ایمان والوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور کافروں کو اللہ کے عذاب اور بھڑکتی ہوئی جہنم سے ڈرانا۔ [3] یعنی نبوت یا إنذار و تبشیر کا یہ سلسلہ ہم نے اس لیے قائم فرمایا کہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں تو اللہ کا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ (طٰهٰ 20:134) ”اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پیشتر تیری آیات کی پیروی کر لیتے۔“ [4] کیونکہ مسلسل کفر اور ظلم کا ارتکاب کر کے انھوں نے اپنے دلوں کو سیاہ کر لیا ہے جس سے اب ان کی ہدایت و مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ [5] یعنی تمھارے کفر سے اللہ کا کیا بگڑے گا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (ابراہیم 14:8) ”اگر تم اور روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب کفر کا راستہ اختیار کر لیں تو وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بے پروا تعریف کیا گیا ہے۔“ اور حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمھارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہو تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر

Marfat.com

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا
کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ[1] اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا
الۡحَقَّ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ
کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہی ہے جسے اس نے مریم
اَلۡقٰهَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ ۫ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ
کی طرف ڈالا، اور وہ اس کی طرف سے ایک روح ہے[2] چنانچہ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر
وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَیۡرًا لَّكُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ
ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ معبود تین ہیں[3] اس سے باز آجاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، بے شک
سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
اللہ ہی واحد معبود ہے، وہ اس (امر) سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، آسمانوں اور زمین
فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿171﴾ لَنۡ یَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِیۡحُ ع 23 9 3
میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور اللہ بطور کارساز کافی ہے﴿171﴾ مسیح (عیسیٰ ابن مریم) کو اللہ کا
اَنۡ یَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ
بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے[4] اور جو کوئی اللہ کی
یَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیَسۡتَكۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ اِلَیۡهِ
عبادت کو عار خیال کرے اور تکبر کرے، تو اللہ جلد ان سب کو اپنی طرف جمع کرے
جَمِیۡعًا ﴿172﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ
گا﴿172﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ انھیں ان کے پورے

نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2577)

[1] غُلُو کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہ انھیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نواز دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبة 9:31) ''انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔'' یہ رب بنانا حدیث کے مطابق، ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ درآں حالیکہ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ حق بھی اپنے علماء وغیرہ کو دے دیا۔ نبی ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا: «لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ» (صحيح البخاري، حديث: 3445، و مسند أحمد: 23/1 و 47) ''تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔'' لیکن افسوس امت محمدیہ اس کے باوجود بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا جو دراصل عیسائیوں کا وتیرہ تھا۔ اسی طرح علماء و فقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر ماننے کی بجائے ان کو شارع (شریعت سازی کا اختیار رکھنے والے) بنا دیا ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سچ فرمایا نبی ﷺ نے: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ ----» (صحيح البخاري، حديث: 7320، و صحيح مسلم، حديث: 2669) ''تم بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ ضرور پچھلی امتوں کی پیروی کرو گے۔'' یعنی ان کے قدم بہ قدم چلو گے۔ [2] كلمة الله کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کن سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچایا گیا۔ رُوحُ اللّٰه کا مطلب وہ نَفْخَه (پھونک) ہے جو حضرت جبریل نے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکا جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نطفہ کے قائم مقام کر دیا۔ یوں عیسیٰ اللہ کا کلمہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح ہیں جسے لے کر جبریل حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر) [3] عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، پھر جو اللہ مانتے ہیں وہ أَقَانِيمِ ثَلَاثَه (تین خداؤں) کے اور حضرت عیسیٰ کے ثَالِثُ ثَلَاثَه (تین میں سے ایک) ہونے کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تین الٰہ (معبود) کہنے سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔ [4] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بعض لوگوں نے فرشتوں کو بھی الوہی صفات میں شریک ٹھہرا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس سے انھیں قطعاً کوئی انکار نہیں ہے۔ تم انھیں اللہ یا اس کی الوہیت میں شریک کس بنیاد پر بناتے ہو؟

Marfat.com

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا
اجر دے گا اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ عطا کرے گا،[1] اور جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کو
وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ
عار خیال کیا اور تکبر کیا[2] تو وہ انھیں بہت دردناک عذاب دے گا[3] اور وہ اللہ کے سوا اپنے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿173﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
لیے کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہیں پائیں گے (173) اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے
جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿174﴾
تمھارے پاس ایک دلیل آگئی ہے،[4] اور ہم نے تمھاری طرف ایک واضح نور نازل کیا ہے (174)[5]
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ
پھر جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ضرور انھیں اپنی
رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿175﴾
رحمت اور فضل میں داخل کرے گا، اور انھیں اپنی طرف (پہنچنے کے لیے) سیدھا راستہ دکھائے گا (175)
يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا
(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ ''کلالہ'' کے بارے میں حکم دیتا
هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا
ہے، اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے
تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا
چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے،[6] اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو، تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا،[7]
اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً
پھر اگر بہنیں دو (یا دو سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔[8]

[1] بعض نے اس ''زیادہ'' سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا فرمائے گا، یہ اذن شفاعت پا کر جن کی بابت اللہ چاہے گا یہ شفاعت کریں گے۔ [2] یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت سے رکے رہے اور اس سے انکار و تکبر کرتے رہے۔ [3] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ (المؤمن 60:40) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے استکبار (انکار و تکبر) کرتے ہیں، یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' [4] برہان، ایسی دلیل قاطع جس کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش نہ رہے اور ایسی حجت جس سے ان کے شبہات زائل ہو جائیں، اسی لیے آگے اسے نور سے تعبیر فرمایا۔ [5] اس سے مراد قرآن کریم ہے جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔ ضلالت کی پگڈنڈیوں میں صراط مستقیم اور حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِين ہے، پس اس کے مطابق ایمان لانے والے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ [6] كَلَالَه کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ یا دادا نہ ہو اور اولاد بھی نہ ہو۔ یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کلالہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کی صرف اولاد نہ ہو، یعنی باپ موجود ہو لیکن یہ صحیح نہیں۔ کلالہ کی پہلی تعریف ہی صحیح ہے کیونکہ باپ کی موجودگی میں بہن سرے سے وراث ہی نہیں ہوتی۔ باپ اس کے حق میں حاجب بن جاتا ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر اس کی بہن ہو تو وہ اس کے نصف مال کی وارث ہوگی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ اولاد نہ ہونے کے ساتھ باپ دادا بھی نہ ہو، یوں اولاد کی نفی تو نص سے ثابت ہے اور باپ کی نفی اِشَارَةُ النَّص سے ثابت ہو جاتی ہے۔ ملحوظہ: اولاد سے مراد بیٹی، بیٹا اور بیٹے کی اولاد ہے۔ اسی طرح بہن سے مراد سگی بہن یا علاتی (باپ شریک) بہن ہے۔ (أیسر التفاسیر) احادیث سے ثابت ہے کہ اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء میں صرف بیٹی اور بہن ہے تو بیٹی کو نصف اور باقی بہن کو بوجہ عصبہ ہونے کے دے دیا جائے گا اور اگر پوتی بھی ہے تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس (چھٹا حصہ) اور بہن کو باقی مال بوجہ عصبہ ہونے کے دے دیا جائے گا۔ (فتح القدیر و ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اولاد موجود ہو تو بہن کو بحیثیت ذوی الفروض کچھ نہیں ملے گا۔ اب اگر وہ اولاد بیٹا ہو تو کسی اور حیثیت سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر بیٹی ہو تو بہن اس کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی۔ [7] اسی طرح باپ بھی نہ ہو، اس لیے کہ باپ، بھائی سے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کلالہ عورت کا خاوند یا کوئی ماں شریک بھائی ہوگا تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔ (ابن کثیر) [8] یہی حکم دو سے زائد بہنوں کی صورت میں بھی ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کلالہ شخص کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو انھیں کل مال کا دو تہائی (2/3) حصہ ملے گا۔

Marfat.com

رِجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ

اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا،[1] اللہ

اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿176﴾ ع

تمھارے لیے وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿176﴾

ع 24 · 5 · 4

آیاتها: 120 | سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتها: 16

(5) سورۃ المائدۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کیا کرو،[2] تمھارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ

ہیں،[3] سوائے ان کے جن کے نام تمھیں (ابھی) پڑھ کر سنائے جائیں گے،[4] جب تم احرام کی حالت

حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿1﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے ﴿1﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو!

اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو،[5] اور نہ حرمت والے مہینوں کی،[6] نہ حرم میں قربان ہونے والے

وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا

اور نہ پٹے پہنائے جانوروں کی،[7] اور نہ بیت الحرام کا قصد کرنے والوں کی وہ اپنے رب کا فضل

[1] یعنی کلالہ کے وارث مخلوط (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ''ایک مرد، دو عورتوں کے برابر'' کے اصول پر ورثے کی تقسیم ہوگی۔ [2] (عُقُوْدٌ) عَقْدٌ کی جمع ہے، جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں، اس کا استعمال کسی چیز میں گرہ لگانے کے لیے بھی ہوتا ہے اور پختہ عہد و پیمان کرنے کے لیے بھی۔ یہاں اس سے مراد احکام الٰہی ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو مکلف ٹھہرایا ہے اور وہ عہد و پیمان اور معاملات بھی ہیں جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ دونوں کا ایفا ضروری ہے۔ [3] ﴿بَهِيْمَةُ﴾ چوپائے (چار ٹانگوں والے جانور) کو کہا جاتا ہے، اس کا مادہ بهم، ابہام ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی گفتگو اور عقل وفہم میں چونکہ ابہام ہے، اس لیے ان کو بَهِيمَة کہا جاتا ہے۔ ﴿الْاَنْعَامِ﴾ اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی چال میں نرمی ہوتی ہے۔ یہ بَهِيمَةُ الْأَنْعَام نر اور مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہیں، جن کی تفصیل سورۂ انعام، آیت: 124 میں آئے گی، علاوہ ازیں جو جانور وحشی کہلاتے ہیں، مثلاً: ہرن، نیل گائے وغیرہ جن کا عموماً شکار کیا جاتا ہے، یہ بھی حلال ہیں، البتہ حالت احرام میں ان کا اور دیگر جانوروں اور پرندوں کا شکار ممنوع ہے۔ سنت میں بیان کردہ اصول کی رو سے جو جانور ذُوْنَاب (کچلی سے شکار کرنے والے) اور جو پرندے ذُومِخْلَبْ (پنجے سے شکار کرنے والے) نہیں ہیں، وہ سب حلال ہیں (سوائے ان کے جن کے بارے میں الگ نص آئی ہو جیسے گدھا وغیرہ) جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: 173 کے حاشیے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ ذوناب کا مطلب ہے وہ جانور جو اپنے کچلی کے دانتوں سے اپنا شکار پکڑتا اور چیرتا ہو، مثلاً: شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا وغیرہ اور ذُومِخلَب کا مطلب ہے: وہ پرندہ جو اپنے پنجے کے ذریعے سے اپنے شکار پر جھپٹتا اور اسے پکڑتا ہو، مثلاً: شکرہ، باز، شاہین، عقاب وغیرہ۔ [4] ان کی تفصیل آیت: 2 میں آرہی ہے۔ [5] ﴿شَعَآئِرَ﴾ شَعِيرَة کی جمع ہے، اس سے مراد حرمات اللہ ہیں (جن کی تعظیم وحرمت اللہ نے مقرر فرمائی ہے) بعض نے اسے عام رکھا ہے اور بعض کے نزدیک یہاں حج وعمرے کے مناسک مراد ہیں، یعنی ان کی بے حرمتی اور بے توقیری نہ کرو۔ اسی طرح حج وعمرے کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ بھی مت بنو کیونکہ یہ بھی بے حرمتی ہی ہے۔ [6] ﴿الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ الشهر میں الف لام جنس کا ہے، لہٰذا حرمت کے تمام مہینے مراد ہیں، یعنی حرمت والے چاروں مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) کی حرمت برقرار رکھو اور ان میں قتال مت کرو۔ بعض نے اس سے صرف ایک مہینہ، یعنی ماہ ذوالحجہ (حج کا مہینہ) مراد لیا ہے۔ بعض نے اس حکم کو ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (التوبة 9:5) سے منسوخ مانا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔ دونوں احکام کے اپنے اپنے دائرے ہیں جن میں تعارض نہیں۔ [7] ھدی ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا عمرہ کرنے والے حرم میں قربان کرنے کے لیے ساتھ لے جاتے تھے۔ قلائد، قَلَادَةٌ کی جمع ہے جو گلے کے پٹے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کیے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے جن کے گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پٹے ڈال دیے جاتے تھے، پس قلائد سے مقصود وہی جانور ہوئے جنھیں حرم لے جایا جاتا تھا۔ یہ ھَدْی کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھینا جائے نہ ان کے حرم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

Marfat.com

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں[1] اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو[2] اور کسی قوم کی دشمنی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تمھیں صرف اس لیے ان سے زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے
تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا
روک دیا تھا،[3] اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور
عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو،[4] اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب
الْعِقَابِ ﴿2﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ
دینے والا ہے ② تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ
وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے[5] اور گلا گھٹنے سے مرجانے والا،[6] چوٹ لگ کر
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَمَا ذُبِحَ
مرنے والا،[7] اوپر سے گر کر مرجانے والا،[8] کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا[9] اور وہ جانور بھی جسے

[1] یعنی حج وعمرے کی نیت سے یا تجارت وکاروبار کی غرض سے حرم جانے والوں کو مت روکو نہ انھیں تنگ کرو۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ احکام اس وقت کے ہیں جب مسلمان اور مشرک اکٹھے حج وعمرہ کرتے تھے لیکن جب آیت: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (التوبة 28:9) ”مشرکین تو پلید ہیں، پس اس برس کے بعد وہ خانۂ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔“ نازل ہو گئی تو مشرکین کی حد تک یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض کے نزدیک یہ آیت محکم، یعنی غیر منسوخ ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ (فتح القدیر) [2] یہاں امر اباحت اور جواز بتلانے کے لیے ہے، یعنی جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنا تمھارے لیے جائز ہے۔ [3] یعنی گو تمھیں ان مشرکین نے 6 ہجری میں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی حلم اور عفو کا سبق دیا جا رہا ہے۔ [4] یہ ایک نہایت اہم اصول بیان کر دیا گیا ہے جو ایک مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان اس اصول کو اپنا لیں! [5] یہاں سے ان محرمات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کا حوالہ سورت کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ آیت کا اتنا حصہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (دیکھیے بقرہ، آیت: 173) [6] گلا کوئی شخص گھونٹ دے یا کسی چیز میں پھنس کر خود گلا گھٹ جائے، دونوں صورتوں میں مردہ جانور حرام ہے۔ [7] کسی نے پتھر، لاٹھی یا کوئی اور چیز ماری جس سے وہ بغیر ذبح کیے مر گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں ایسے جانوروں کو کھا لیا جاتا تھا۔ شریعت نے منع کر دیا۔ بندوق کا شکار: بندوق کا شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ چند صدیوں قبل اس کی ایجاد ہوئی ہے، قرونِ اولیٰ میں اس کا وجود نہیں تھا۔ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ بُنْدُقَه سے مارا ہوا جانور، مَوْقُوْذَه ہے۔ تو اس سے مراد غلیل ہے، غلیل میں پتھر رکھ کر مارا جاتا ہے، اس پتھر سے مرنے والا جانور یقیناً مَوْقُوذَة ہے جسے اگر ذبح کرنے کا موقع نہیں ملا، تو وہ حرام ہوگا۔ لیکن بندوق کا چھرہ یا گولی، وہ جسم کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہے، اس لیے اس گولی یا چھرے سے ہلاک ہونے والا جانور امام شوکانی رحمہ اللہ، صاحب فقہ السنہ سید سابق مصری اور علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ بسم اللہ پڑھ کر بندوق کا فائر کیا گیا ہو۔ لیکن دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جسم پھاڑ کر پار ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی ہلاکت محض دباؤ کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ حَد، یعنی دھار سے واقع ہو۔ اس لیے کہ صحیح بخاری، حدیث: 5475 اور صحیح مسلم، حدیث: 1929 میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «مَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْهُ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيذٌ وَ زَادَ مُسْلِمٌ فَلَا تَأْكُلْهُ» ”جو تیر جانور کو دھار کی طرف سے لگے (اور اس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے) اسے کھا لو اور جو دھار کی بجائے عرض تیر (دھار کی بجائے اس کی چوڑائی) سے مرے، تو وہ موقوذہ ہے، اسے نہ کھاؤ۔“ اس حدیث کی رو سے یہ دیکھا جانا ضروری ہے کہ بندوق کے چھرے یا گولی سے جو ہلاکت ہوتی ہے، وہ محض دباؤ اور زور کی وجہ سے ہوتی ہے یا واقعی اس کی گولی، حد، یعنی دھار سے قتل کرنے کے مفہوم کو شامل ہے۔ اگر اول الذکر صورت ہے تو وہ شکار شدہ جانور مَوْقُوْذَة، یعنی حرام ہوگا اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ واللّٰه أعلم بالصواب. [8] چاہے خود گرا ہو یا کسی نے پہاڑ وغیرہ سے دھکا دے کر گرایا ہو۔ [9] النَّطِيْحَةُ منطوحة کے معنی میں ہے، یعنی کسی نے اسے ٹکر ماردی اور بغیر ذبح کیے وہ مرگیا۔

Marfat.com

عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

درندے کھا جائیں،[1] سوائے اس کے جسے تم ذبح کرلو،[2] اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیا

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

جائے[3] اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو،[4] یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج وہ

وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

لوگ ناامید ہو گئے جنھوں نے تمھارے دین کا انکار کیا، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھی سے

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ

ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور

اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

پس جو شخص بھوک سے بے بس ہو جائے جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو، تو یقیناً اللہ بہت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ

بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے③[5] (اے نبی!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے

اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

(کھانے کی) کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجیے: تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ فَكُلُوْا

ہیں[6] اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار حلال ہے) جنھیں تم سدھا لیتے ہو، اللہ نے تمھیں جو

مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ؗ

سکھایا ہے اس کے مطابق تم انھیں سکھاتے ہو،[7] پس وہ جس شکار کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس پر اللہ کا

[1] یعنی شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ جیسے ذو ناب (کچلیوں سے شکار کرنے والے درندوں میں سے کسی نے) اسے کھایا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں مر جانے کے باوجود ایسے جانور کو کھا لیا جاتا تھا۔ [2] جمہور مفسرین کے نزدیک یہ استثنا مذکورہ جانوروں میں سے آخری پانچ کے لیے ہے، یعنی مُنْخَنِقَه، مَوْقُوذَة، مُتَرَدِّيَة، نَطِيحَة اور درندوں کا کھایا ہوا اگر تم انھیں اس حال میں پالو کہ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوں اور پھر تم انھیں شرعی طریقے سے ذبح کرلو تو تمھارے لیے ان کا کھانا حلال ہوگا۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پھڑکے اور ٹانگیں مارے۔ اگر چھری پھیرتے وقت یہ اضطراب و حرکت نہ ہو تو سمجھ لو یہ مردہ ہے۔ ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لبّے پر چھری ماری جائے۔ اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے جبکہ اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کے لیے ذبح اولیٰ ہے۔ جس سے نرخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہیں اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔ [3] مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر یا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ بناتے تھے جسے النُّصُبِ (تھان یا آستانہ) کہتے تھے۔ اسی پر وہ بتوں کے نام نذر کیے گئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے، یعنی یہ ﴿ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں، مقبروں اور درگاہوں پر، جہاں لوگ طلب حاجات کے لیے جاتے ہیں اور وہاں مدفون افراد کی خوشنودی کے لیے جانور (مرغا، بکرا وغیرہ) ذبح کرتے ہیں، ان کا کھانا حرام ہے یہ ﴿ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ میں داخل ہیں یا پکی ہوئی دیگیں تقسیم کرتے ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے۔ [4] ﴿ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾ استقسام بالازلام کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک، تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرنا۔ دوسرے، تیروں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنا، پہلے معنی کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جوئے وغیرہ میں ذبح شدہ جانور کی تقسیم کے لیے یہ تیر ہوتے تھے جس میں کسی کو کچھ مل جاتا، کوئی محروم رہ جاتا۔ دوسرے معنی کی رو سے مطلب یہ ہے کہ ازلام سے مراد تیر ہیں جن سے وہ کسی کام کا آغاز کرتے وقت فال لیا کرتے تھے۔ انھوں نے تین قسم کے تیر بنا رکھے تھے۔ ایک اِفْعَلْ (کر) دوسرے میں لَا تَفْعَلْ (نہ کر) اور تیسرے میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اِفْعَلْ والا تیر نکل آتا تو وہ کام کرلیا جاتا، لَا تَفْعَلْ والا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ فال نکالتے۔ یہ بھی کہانت اور اِسْتِمْدَاد لِغَيْرِ اللّٰهِ کی شکل ہے، اس لیے اسے بھی حرام کردیا گیا۔ [5] یہ بھوک کی اضطراری کیفیت میں مذکورہ محرمات کے کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقصد اللہ کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، صرف جان بچانا مطلوب ہو۔ [6] اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حلال ہیں۔ ہر حلال طیب ہے اور ہر حرام خبیث۔ [7] جَوَارِح، جَارِحَةٌ کی جمع ہے جو کاسب (کمانے والا) کے معنی میں ہے یا زخمی کرنے والے کے، مراد شکاری کتا، باز، چیتا، شکرا اور دیگر شکاری پرندے اور درندے ہیں۔ ﴿ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ فاعل سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ تم ان شکاری جانوروں کو شکار کے لیے تعلیم دینے والے ہو۔ یا یہ بقول بعض کے مفعول بہ الجوارح سے حال ہے اور اس کا مطلب ہے: شکار پر چھوڑنے سے پہلے ان کو شکار کے لیے سدھایا گیا ہو۔

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۴ اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ

نام پڑھو اور اس میں سے کھاؤ[1] اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ④ آج

لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ‌ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ

تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے،[2]

لَّـكُمۡ وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ‌ ؗ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ

اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں، اور ان

وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ

لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی[3] جبکہ تم انھیں ان کے

اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا

مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی

مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ

آشنائی رکھنے والے، اور جو ایمان سے انکار کرے گا تو اس کا عمل یقیناً برباد ہو گیا اور وہ

عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ

آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ⑤ اے لوگو جو ایمان لائے ہو!

اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ

جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لو[4]

وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ

اور اپنے سروں کا مسح کرلو[5] اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو)[6] اور

سدھانے کا مطلب ہے جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو دوڑتا ہوا جائے، جب روک دیا جائے تو رک جائے اور شکار سے کچھ بھی نہ کھائے بلکہ اپنے مالک کے لیے روکے رکھے۔

[1] ایسے سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔ ایک یہ کہ اسے شکار کے لیے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ شکاری جانور شکار کر کے اپنے مالک کے لیے رکھ چھوڑے خود نہ کھائے حتی کہ اگر اس نے اسے مار بھی ڈالا ہو، تب بھی وہ مقتول شکار شدہ جانور حلال ہوگا بشرطیکہ اس کے شکار میں اس سدھائے اور شکار پر چھوڑے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کی شرکت نہ ہو۔ (صحیح البخاري، حدیث: 5483، و صحیح مسلم، حدیث: 1929)

[2] اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہوگا جس میں خون بہہ گیا ہو، گویا ان کا مشینی ذبیحہ حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں خون بہنے کی ایک بنیادی شرط مفقود ہے جبکہ بلاد مغرب (یورپ وغیرہ) میں آج کل مشینی ذبح ہی کا طریقہ ہے۔

[3] اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاک دامنی کی قید ہے جو آج کل اکثر اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے۔ دوسرے، اس کے بعد فرمایا گیا: جو ایمان کے ساتھ کفر کرے، اس کے عمل برباد ہو گئے۔ اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بہت ہی خسارے کا سودا ہوگا، نیز آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں، محتاج وضاحت نہیں۔ درآں حالیکہ ایمان کو بچانا فرض ہے۔ ایک جائز کام کے لیے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ لہٰذا اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح تب جائز ہوگا جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں، پاک دامنی اور ایمان کا ضائع نہ ہونا۔ [4] ''منہ دھوؤ'' یعنی ایک ایک، دو دو یا تین تین مرتبہ دونوں ہتھیلیاں دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنے کے بعد جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے۔ [5] مسح پورے سر کا کیا جائے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اپنے ہاتھ آگے سے پیچھے گدی تک لے جائے، پھر وہاں سے آگے کو لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لے۔ اگر سر پر پگڑی یا عمامہ ہو تو حدیث کی رو سے موزوں کی طرح، اس کے اوپر بھی مسح جائز ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 146) علاوہ ازیں ایک مرتبہ ہی اس طرح مسح کر لینا کافی ہے۔ امام شوکانی کے نزدیک سر کے کچھ حصے کا مسح کر لینا بھی کافی ہے لیکن امام ابن کثیر نے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر) تاہم سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر مسح اور باقی سر پر پگڑی ہو تو پگڑی پر مسح بھی درست ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث: (274) میں ہے۔ [6] اَرْجُلَكُمْ کا عطف وُجُوْهَكُمْ پر ہے، یعنی اپنے پیر ٹخنوں تک دھوؤ اور اگر موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہیں (بشرطیکہ وضو کی حالت میں پہنی ہوں) تو حدیث کی رو سے پیر دھونے کی بجائے موزوں، جرابوں پر مسح بھی جائز ہے۔ ملحوظہ: ① اگر پہلے سے باوضو ہو تو نیا وضو کرنا ضروری نہیں، تاہم ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ ② وضو سے پہلے نیت فرض ہے۔ ③ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی بھی ضروری ہے۔ ④ داڑھی کا خلال کیا جائے۔ ⑤ اعضاء کو ترتیب وار دھویا جائے۔ ⑥ ان کے درمیان وقفہ نہ کیا جائے، یعنی ایک

Marfat.com

إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم

اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو[1] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی

مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ

حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے (فارغ ہو کر) آیا

لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ

سے تیمم کر لو، پس اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو[2] اللہ نہیں چاہتا

لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ

کہ تمھیں تنگی میں ڈالے[3] بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کر دے، اور تم

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿6﴾ وَاذْكُرُوا

پر اپنی نعمت پوری کرے[4] تاکہ تم شکر کرو (6) اور تم پر اللہ کی جو نعمت ہوئی اسے

نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ

یاد رکھو، اور وہ عہد بھی یاد رکھو جو اس نے تم سے معاہدہ کیا، جب تم نے کہا کہ ہم نے

قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا

الصُّدُورِ ﴿7﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ

ہے (7) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی

شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ

گواہی دینے والے بنو[5] اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو،[6]

أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ

عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے[7] اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو

اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿8﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ اس سے خوب آگاہ ہے (8) اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے

عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے بلکہ سب اعضاء تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئے جائیں۔ (7) اعضائے وضو میں سے کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہوگا۔ (8) کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے، ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ (تفسير ابن كثير و فتح القدير وأيسر التفاسير)

[1] جنابت سے مراد وہ حالت ناپاکی ہے جو احتلام یا ہم بستری کرنے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور اسی حکم میں حیض اور نفاس بھی داخل ہے۔ جب حیض یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے طہارت، یعنی غسل ضروری ہے، البتہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح القدير وأيسر التفاسير) [2] اس کی مختصر تشریح اور تیمّم کا طریقہ سورۂ نساء کی آیت: 43 میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ ایک سفر میں بیداء کے مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں رکنا یا رکے رہنا پڑا۔ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا اور تلاش ہوئی تو پانی دستیاب بھی نہیں ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر کہا کہ اے آل ابی بکر! تمھاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائی ہیں اور یہ تمھاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے (تم لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔) (صحيح البخاري، حديث: 4607) [3] اسی لیے تیمّم کی اجازت مرحمت فرما دی ہے۔

[4] اسی لیے حدیث میں وضو کرنے کے بعد دعا کرنے کی ترغیب ہے۔ مسنون دعاؤں کی کتاب حصن المسلم وغیرہ سے یہ دعا یاد کر لی جائے۔ [5]

[6] پہلے جملے کی تشریح سورۂ نساء آیت: 135 میں اور دوسرے جملے کی سورۂ مائدہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ [7] نبی کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے جو حدیث میں آتا ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا کہ اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی، چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو۔'' اور فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2587، و صحيح مسلم، حديث: 1623) اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے درمیان بھی عدل و انصاف نہایت ضروری ہے۔

Marfat.com

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨
اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے⑨
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخی
الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
ہیں⑩ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب ایک قوم
عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ
اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
ڈالنے سے روک دیا[1] اور اللہ سے ڈرو، اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر
الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
بھروسا کریں⑪ اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا[2] اور ہم نے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ
ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے تھے[3] اور اللہ نے کہا: بے شک میں تمھارے
مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ
ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو گے، اور زکاۃ ادا کرو گے، اور میرے رسولوں
بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو اچھا قرض دو گے، تو
لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
میں ضرور تم سے تمھاری برائیاں دور کردوں گا، اور ضرور تمھیں ایسے باغوں میں
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پھر اس کے بعد جس نے کفر کیا تو
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ
یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا⑫ چنانچہ ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر
لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ
لعنت کی، اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلمات کو ان کے موقع ومحل سے بدل ڈالتے[4]

[1] اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں، مثلاً: اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سائے میں آرام فرما تھے، تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تلوار پکڑ کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا: اے محمد! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے بلا تأمل فرمایا: ''اللہ'' (اللہ بچائے گا) یہ کہنا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2910) بعض کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے خلاف، جبکہ آپ وہاں تشریف فرما تھے، دھوکہ اور فریب سے نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے جو دو عامری شخص قتل ہو گئے تھے، ان کی دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر سے حسب معاہدہ جو تعاون لینا تھا، اس کے لیے نبی کریم ﷺ اپنے رفقاء سمیت وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے یہ سازش تیار کی کہ اوپر سے چکی کا پتھر آپ ﷺ پر گرا دیا جائے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعۂ وحی مطلع فرما دیا۔ ممکن ہے کہ ان سارے ہی واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو کیونکہ ایک آیت کے نزول کے کئی اسباب وعوامل ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر و أیسر التفاسیر و فتح القدیر)

[2] جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ عہد اور میثاق پورا کرنے کی تاکید کی جو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے لیا اور انھیں قیام حق اور شہادت عدل کا حکم دیا اور انھیں وہ انعامات یاد کرائے جو ان پر ظاہراً و باطناً ہوئے اور بالخصوص یہ بات کہ انھیں حق وصواب کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو اب اس مقام پر اس عہد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور جس میں وہ ناکام رہے۔ یہ گویا بالواسطہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی کہیں بنی اسرائیل کی طرح عہد و میثاق کو پامال کرنا شروع نہ کر دینا۔ [3] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جبابرہ سے قتال کے لیے تیار ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں پر بارہ نقیب مقرر فرما دیے، تاکہ وہ انھیں جنگ کے لیے تیار بھی کریں، ان کی قیادت و رہنمائی بھی کریں اور دیگر معاملات کا انتظام بھی کریں۔ [4] یعنی اتنے انتظامات اور عہد و مواعید کے باوجود بنی اسرائیل نے عہد شکنی کی جس کی بنا پر وہ لعنت الٰہی کے مورد بنے، اس لعنت کے دنیوی نتائج یہ سامنے آئے کہ ایک، ان کے دل سخت کر دیے گئے جس سے ان کے دل اثر پذیری سے

Marfat.com

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ

ہیں، اور جس چیز کی انھیں تاکید کی گئی تھی اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا[1] اور آپ کو ان میں

تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

سے دوسروں کی خیانت کی اطلاع ملتی رہتی ہے[2] ان میں سے سوائے چند افراد کے[3] چنانچہ آپ

عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿13﴾

انھیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں،[4] بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿13﴾

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

اور جن لوگوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں،[5] ان سے ہم نے عہد لیا تھا، پھر

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

جس چیز کی انھیں تاکید کی گئی تھی، اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا، چنانچہ ہم

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ

نے روز قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا[6] اور وہ جو کچھ

يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿14﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

کرتے رہتے ہیں اللہ جلد انھیں اس سے آگاہ کرے گا ﴿14﴾ اے اہل کتاب!

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا

تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی

كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۚ

باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے[7] اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿15﴾

یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے ﴿15﴾[8]

محروم ہو گئے اور انبیاء کے وعظ و نصیحت ان کے لیے بے کار ہو گئے، دوسرے، یہ کہ وہ کلمات الٰہی میں تحریف کرنے لگ گئے۔ یہ تحریف لفظی اور معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی عقل و فہم میں کجی آ گئی ہے اور ان کی جسارتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں تک میں تصرف کرنے سے انھیں گریز نہیں۔ بدقسمتی سے اس قساوت قلبی اور کلمات الٰہی میں تحریف سے امت محمدیہ کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے۔ مسلمان کہلانے والے عوام ہی نہیں خواص بھی، جہلاء ہی نہیں علماء بھی ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی کی یاد دہانی ان کے لیے بیکار ہے، وہ سن کر ان سے ذرا اثر قبول نہیں کرتے اور جن غفلتوں اور کوتاہیوں کا وہ شکار ہیں، ان سے تائب نہیں ہوتے۔ اسی طرح اپنی بدعات، خود ساختہ مزعومات اور اپنی فقہی تاویل کے اثبات کے لیے کلام الٰہی میں تحریف کرنے میں بھی کوئی اندیشہ محسوس نہیں۔

[1] یہ تیسرا نتیجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے میں انھیں کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں رہی بلکہ بے عملی اور بدعملی ان کا شعار بن گئی اور وہ پستی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے دل سلیم رہے نہ ان کی فطرت مستقیم۔ [2] یعنی غدر، خیانت اور مکر، ان کے کردار کا جز بن گیا ہے جس کے نمونے ہر وقت آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔ [3] یہ چند افراد وہی ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ [4] عفو و درگزر کا یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اس کی جگہ حکم دیا گیا: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبة 29:9) "ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔" بعض کے نزدیک عفو و درگزر کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم حکم ہے، حالات و واقعات کے مطابق اسے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس سے بھی بعض دفعہ وہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جن کے لیے قتال کا حکم ہے۔ [5] ﴿نَصٰرٰى﴾ نَصْرَانِي کی جمع ہے جو نَصْرَان یا ناصرہ بستی کی طرف نسبت ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔ یہ بھی یہود کی طرح اہل کتاب ہیں، ان سے بھی اللہ نے عہد لیا لیکن انھوں نے بھی اس کی پروا نہیں کی، اس کے نتیجے میں ان کے دل بھی اثر پذیری سے خالی اور ان کے کردار کھوکھلے ہو گئے۔ [6] یہ عہد الٰہی سے انحراف اور بے عملی کی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قیامت تک کے لیے مسلط کر دی گئی، چنانچہ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے شدید نفرت و عناد رکھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے معبد میں عبادت نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر بھی یہ سزا مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ امت بھی کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے جن کے درمیان شدید اختلافات اور نفرت و عناد کی دیواریں حائل ہیں۔ [7] یعنی انھوں نے تورات و انجیل میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کیں، انھیں طشت از بام کیا اور جن کو وہ چھپاتے تھے، ظاہر کیا، جیسے سزائے رجم۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ [8] نور (روشنی) اور کتاب مبین (واضح کرنے والی کتاب) دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان واؤ، برائے مغایرت مصداق

Marfat.com

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
جس کے ذریعے سے اللہ اس شخص کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی
السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ
پیروی کرنا چاہتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال
وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ لَقَدْ كَفَرَ
لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے⑯ یقیناً ان لوگوں نے
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ
کفر کیا جنھوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ (اے نبی!)
قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ
کہہ دیجیے: پس کون ہے جو اللہ کے آگے کچھ اختیار رکھتا ہو اگر اللہ مسیح ابن مریم کو
الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرلے؟ اور اللہ ہی
جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ
کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰
ہے، وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے⑰ [1]
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ
اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں[2] (اے نبی!) کہہ
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ
دیجیے: پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟[3] (نہیں) بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے

نہیں، مغایرت معنی کے لیے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے جس میں کہا جا رہا ہے: يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ ”کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے۔“ اگر نور اور کتاب یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ يَهْدِي بِهِمَا اللّٰهُ ہوتے ”یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے سے ہدایت فرماتا ہے۔“ قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہوگیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد ایک ہی چیز، یعنی قرآن کریم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نور سے نبی ﷺ اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جیسا کہ وہ اہل بدعت باور کراتے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی بابت نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اور آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس خانہ ساز عقیدے کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات پیدا کی، حالانکہ یہ حدیث، حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ» یہ روایت جامع الترمذي، حديث: 2155 اور سنن أبي داود، حديث: 4700 میں ہے۔ محدث البانی لکھتے ہیں: فَالْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ بِلَارَيْبٍ وَّهُوَ مِنَ الْأَدِلَّةِ الظَّاهِرَةِ عَلٰى بُطْلَانِ الْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ! (تعليقات المشكاة: 34/1) ”مشہور زبان زد حدیث جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں سب سے پہلے قلم پیدا کرنے کا ذکر ہے۔“ (خلاصۂ ترجمہ)

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور ملکیت تامہ کا بیان فرمایا ہے۔ مقصد عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا رد و ابطال ہے۔ حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کے قائل پہلے تو کچھ ہی لوگ تھے، یعنی ایک ہی فرقہ، یعقوبیہ کا یہ عقیدہ تھا لیکن اب تقریباً تمام عیسائی الوہیت مسیح کے کسی نہ کسی انداز سے قائل ہیں۔ اسی لیے مسیحیت میں اب عقیدۂ تثلیث یا اقانیم ثلاثہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بہرحال قرآن نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ کسی پیغمبر اور رسول کو الوہی صفات سے متصف قرار دینا کفر صریح ہے۔ اس کفر کا ارتکاب عیسائیوں نے حضرت مسیح کو اللہ قرار دے کر کیا، اگر کوئی اور گروہ یا فرقہ کسی اور پیغمبر کو بشریت و رسالت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرے گا تو وہ بھی اسی کفر کا ارتکاب کرے گا۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْفَاسِدَةِ [2] یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہا۔ اور اپنے آپ کو بھی ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) اور اس کا محبوب قرار دے لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے: اَتْبَاعُ اَبْنَاءِ اللّٰهِ یعنی ہم ”اللہ کے بیٹوں (عزیر و مسیح) کے پیروکار ہیں۔“ دونوں مفہوموں میں سے کوئی سا بھی مفہوم مراد لیا جائے، اس سے ان کے تفاخر اور اللہ کے بارے میں بے جا اعتماد کا، نیز بدعقیدگی کا اظہار ہوتا ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔ [3] اس میں ان کے مذکورہ تفاخر کا

Marfat.com

خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ

انسان ہو، وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے[1] اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿18﴾

زمین کی بادشاہی ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿18﴾

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى

اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، جو رسولوں کے وقفے کے بعد تمھارے

فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ

لیے باتیں کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا اور

وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ پس یقیناً تمھارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿19﴾ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا (ع 3/8/7)

ہے[2] اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿19﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم!

نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ؗ

اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی، جب اس نے تم میں سے نبی بنائے اور تمھیں بادشاہ

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿20﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا

بنایا[3] اور تمھیں وہ کچھ دیا جو ساری دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا ﴿20﴾[4] اے میری قوم! مقدس زمین[5]

بے بنیاد ہونا واضح کر دیا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے یا محبوب ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس ہی نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے گناہوں کی پاداش میں سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ محض دعووں کی بنیاد پر نہیں ہوتا اور نہ قیامت والے دن ہوگا بلکہ وہ تو ایمان، تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتا ہے اور قیامت والے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہوگا۔

[1] تاہم یہ عذاب یا مغفرت کا فیصلہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہوگا، جس کی اس نے وضاحت فرما دی ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت اور اہل کفر وفسق کے لیے عذاب، تمام انسانوں کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوگا۔ اے اہل کتاب! تم بھی اسی کی پیدا کردہ مخلوق، یعنی انسان ہو۔ تمھاری بابت فیصلہ دیگر انسانی مخلوق سے مختلف کیونکر ہو گا؟ [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو تقریباً 570 یا 600 سال کا فاصلہ ہے یہ زمانہ فترت کہلاتا ہے۔ اہل کتاب کو کہا جا رہا ہے کہ اس فترت کے بعد ہم نے اپنا آخری رسول ﷺ بھیج دیا ہے۔ اب تم یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر ونذیر پیغمبر ہی نہیں آیا۔ [3] اس مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک تو اپنے اس احسان عظیم کا ذکر کیا جو اس نے انبیاء علیہم السلام کا وسیع سلسلہ ان کے اندر قائم کر کے بنی اسرائیل پر کیا، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ بیشتر انبیاء بنی اسرائیل ہی میں سے ہوئے جن کا سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم کر دیا گیا اور آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ بنو اسماعیل سے ہوئے۔ دوسرے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے تمھیں بادشاہ بنایا۔ بادشاہ کا مطلب یہاں خود مختار بنانا ہے، یعنی تمھیں فرعون کی غلامی سے نجات عطا فرما کر، جس نے تمھیں ذلت وخواری میں مبتلا کر رکھا تھا، تمھیں آزاد اور اپنے معاملات کا خود مختار بنایا۔ تیسرے احسان کا ذکر آیت کے اگلے ٹکڑے میں ہے۔ [4] یہ اشارہ ہے ان انعامات اور معجزات کی طرف، جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے، جیسے من وسلویٰ کا نزول، بادلوں کا سایہ، فرعون سے نجات کے لیے دریا سے راستہ بنا دینا وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانے میں فضیلت اور اونچے مقام کی حامل تھی لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت وبعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمرٰن 110:3) ”تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے بنایا گیا ہے۔“ لیکن یہ بھی مشروط ہے اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ جو اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے:

﴿تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمرٰن 110:3) ”تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے خیر امت ہونے کا اعزاز برقرار رکھ سکے۔ [5] بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن بیت المقدس تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی امارت مصر کے زمانے میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اور اس وقت سے بنی اسرائیل مصر ہی میں رہے، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام انھیں راتوں رات (فرعون سے چھپ کر) مصر سے نکال نہیں لے گئے۔ اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی حکمرانی تھی جو ایک جنگجو قوم تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بیت المقدس جا کر آباد ہونے کا عزم کیا تو اس کے لیے وہاں قابض عمالقہ سے جہاد ضروری تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور

Marfat.com

الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا
میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے نام لکھ دی ہے[1] اور تم اپنی پشت کے بل منہ نہ موڑو،[2] پھر
عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿21﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ
تم خسارہ اٹھانے والے ہو جاؤ گے (21) انھوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! بے شک اس زمین
فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا
میں ایک بڑی زورآور قوم ہے۔ اور ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ لوگ اس
مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿22﴾ قَالَ رَجُلٰنِ
میں سے نکل جائیں، پھر اگر وہ اس میں سے نکل گئے تو بے شک ہم داخل ہو جائیں گے (22)[3] جو لوگ
مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ
اللہ سے ڈرتے تھے، ان میں سے دو آدمی جن پر اللہ کا فضل تھا، وہ بولے: تم ان کے مقابلے کے
الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ
لیے دروازے میں داخل ہو جاؤ، پھر جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو بے شک تم غالب آ جاؤ
فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿23﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ
گے اور اگر تم مومن ہو تو تمھیں اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے (23)[4] وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم ہرگز
نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ
اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، چنانچہ تو اور تیرا رب
فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿24﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ
جائے، پھر تم دونوں ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (24)[5] موسیٰ نے کہا: اے میرے رب!
اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ
بے شک مجھے اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں، چنانچہ تو ہمیں اس نافرمان قوم
الْفٰسِقِيْنَ ﴿25﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
سے الگ کر دے (25)[6] اللہ نے فرمایا: بے شک وہ (مقدس زمین) ان لوگوں پر چالیس برس تک
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
حرام کر دی گئی ہے، وہ زمین میں چالیس برس تک ادھر ادھر بھٹکتے پھریں گے،[7] چنانچہ آپ اس
الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ
نافرمان قوم کا غم نہ کھائیں (26)[8] اور (اے نبی!) آپ انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک

نصرت الٰہی کی بشارت بھی سنائی لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل عمالقہ سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر) [1] اس سے مراد وہی فتح و نصرت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی صورت میں ان سے کر رکھا تھا۔ [2] یعنی جہاد سے اعراض مت کرو۔ [3] بنی اسرائیل عمالقہ کی بہادری کی شہرت سے مرعوب ہو گئے اور پہلے مرحلے پر ہی ہمت ہار بیٹھے۔ اور جہاد سے دست بردار ہو گئے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی کوئی پروا کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر یقین کیا۔ اور وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ [4] قوم موسیٰ میں سے صرف یہ دو شخص صحیح معنوں میں ایماندار نکلے جنھیں نصرت الٰہی پر یقین تھا، انھوں نے قوم کو سمجھایا کہ تم ہمت تو کرو، پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمھیں غلبہ عطا فرماتا ہے۔ [5] لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، سوء ادبی اور تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے۔ اس کے برعکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو انھوں نے قلت تعداد و قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لیے بھرپور عزم کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3952 و 4609) [6] اس میں نافرمان قوم کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی ہے اور براءت کا اعلان بھی۔ [7] یہ میدان تیہ کہلاتا ہے جس میں چالیس سال یہ قوم اپنی نافرمانی اور جہاد سے اعراض کی وجہ سے سرگرداں رہی۔ اس میدان میں اس کے باوجود ان پر من و سلویٰ کا نزول ہوا جس سے اکتا کر انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے۔ اپنے رب سے دعا کر کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دالیں ہمارے لیے پیدا فرمائے۔ یہیں ان پر بادلوں کا سایہ ہوا، پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہوئے، اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے۔ چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ یہ بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے۔ [8] پیغمبر، دعوت و تبلیغ کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ میری قوم سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں جس میں اس کے لیے دین و دنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں ہیں تو فطری طور پر اس کو سخت افسوس اور دلی قلق ہوتا ہے۔ یہی حال نبی ﷺ کا بھی ہوتا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے لیکن آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ

Marfat.com

قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ

سنائیں،[1] جب ان دونوں نے قربانی کی تھی، پھر ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کرلی گئی اور

الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ

دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔[2] دوسرا بولا: میں تجھے قتل کردوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: اللہ صرف

الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا۠

پرہیزگاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے ﴿27﴾ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف (اس ارادے سے) بڑھایا

بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ

کہ مجھے قتل کردے تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کردوں۔ بے شک میں

رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ

اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے ﴿28﴾ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾

اپنے سر لے لے[3] اور دوزخیوں میں شامل ہوجائے۔ اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے ﴿29﴾

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ

پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل کرنے پر اکسایا، چنانچہ اس نے اسے قتل کردیا اور

الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ

وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگیا ﴿30﴾ [4] پھر اللہ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا، وہ (اپنے پنجوں

جب تو نے فریضۂ تبلیغ ادا کردیا اور پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچا دیا اور اپنی قوم کو ایک عظیم الشان کامیابی کے نقطۂ آغاز پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اب وہ اپنی کم ہمتی اور بددماغی کے سبب تیری بات ماننے کو تیار نہیں تو تو اپنے فرض سے سبک دوش ہوگیا اور اب تجھے ان کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے موقع پر غمگینی تو ایک فطری چیز ہے لیکن مراد اس تسلی سے یہ ہے کہ تبلیغ ودعوت کے بعد اب تم عند اللہ بریٔ الذمہ ہو۔

[1] آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کا نام ہابیل اور قابیل بتلایا جاتا ہے۔ واللّٰه أعلم. [2] یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں، البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی۔ دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی، ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کردیا جاتا۔ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی، جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا لیکن قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی، نکاح کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ سمجھا، بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الٰہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہوجائے گی، قابیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کردیا جائے گا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی، یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی لیکن جیسا کہ بتایا گیا یہ بات ثابت نہیں ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی، ہابیل نے ایک عمدہ دنبے کی قربانی اور قابیل نے ایک سٹے کی، ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہوگیا۔ [3] میرے گناہ کا مطلب، قتل کا وہ گناہ ہے جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے، مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7083، و صحيح مسلم، حديث: 2888) [4] چنانچہ حدیث میں آتا ہے: «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ» (صحيح البخاري، حديث: 3335، و صحيح مسلم، حديث: 1677) ''جو قتل بھی ظلماً ہوتا ہے، (قاتل کے ساتھ) اس کے خون ناحق کا بوجھ آدم کے اس پہلے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام شروع کیا۔'' امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''ظاہر بات یہ ہے کہ قابیل کو قتل ناحق کی سزا دنیا میں ہی فوری طور پر دے دی گئی تھی۔'' حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لِصَاحِبِهِ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ» (سنن أبي داود، حديث: 4902، و سنن ابن ماجه، حديث: 4211، ومسند أحمد: 36/5 و38) ''بغی (ظلم وزیادتی) اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا ہی میں جلد سزا دے دے، تاہم آخرت کی سزا اس کے علاوہ اس کے لیے ذخیرہ ہوگی جو انھیں وہاں بھگتنی ہوگی۔'' اور قابیل میں یہ دونوں گناہ جمع ہوگئے تھے۔ فَإِنَّا

Marfat.com

لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ

سے) زمین کریدنے لگا، تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے، وہ کہنے

اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ

لگا: افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش دفنا دیتا، چنانچہ

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (31) مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي

وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا(31) اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ

شخص کسی کو قتل کردے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، تو

فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ

گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے)

اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ

بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی[1] اور ہمارے رسول واضح نشانیاں لے

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي

کر ان کے پاس آئے، پھر بے شک اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں

الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (32) اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ

حد سے نکل جانے والے ہیں(32) جو[2] لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ

اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں

يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ

قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے

يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ

جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے[3] یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں

لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (ابن کثیر)

[1] اس قتل ناحق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لیے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہیں تھا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن (بصری) سے پوچھا: یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بنی اسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) [2] اس میں یہود کو زجر و توبیخ ہے کہ ان کے پاس انبیاء دلائل و براہین لے کر آتے رہے لیکن ان کا رویہ ہمیشہ حد سے تجاوز کرنے والا ہی رہا۔ اس میں گویا نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کی ساری تاریخ ہی مکر و فساد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ بہرحال اللہ پر بھروسا رکھیں جو خیر الماکرین ہے۔ تمام سازشیوں سے بہتر تدبیر کرنے والا۔ [3] اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ عُکْل اور عُرَیْنَہ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انھیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو نبی ﷺ نے انھیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا، چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہوگئے لیکن اس کے بعد انھوں نے اونٹوں کے رکھوالے اور چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ جب نبی ﷺ کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انھیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کٹوا ڈالے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں (کیونکہ انھوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انھیں دھوپ میں ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہیں مر گئے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ انھوں نے چوری بھی کی، قتل بھی کیا، ایمان لانے کے بعد کفر بھی کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ محاربہ بھی۔ (صحيح البخاري، حديث: 233، وصحيح مسلم، حديث: 1671) یہ آیت محاربہ کہلاتی ہے۔ اس کا حکم عام ہے، یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ محاربہ کا مطلب ہے: کسی منظم اور مسلح جتھے کا اسلامی حکومت کے علاقے میں یا اس کے قریب صحرا وغیرہ میں راہ چلتے قافلوں اور افراد اور گروہوں پر حملے کرنا، قتل و غارت گری کرنا، سلب و نہب، اغوا اور آبروریزی کرنا وغیرہ اس کی جو 4 سزائیں بیان کی گئی ہیں، امام (خلیفۂ وقت) کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے وہ دے دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: اگر محاربین نے قتل

Marfat.com

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿33﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ
ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿33﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر
اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿34﴾
قابو پاؤ، توبہ کرلیں[1] پس تم جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے﴿34﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، اور اس کا قرب تلاش کرو[2] اور اس
وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿35﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے
كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہو تاکہ وہ قیامت کے
لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ
دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیے میں دے دیں تو بھی وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔
مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿36﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ
اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے﴿36﴾ وہ[3] آگ سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ اس میں
النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿37﴾
سے نہیں نکل سکیں گے، اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے﴿37﴾ [4] اور تم چوری کرنے
وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا
والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی

وسلب کیا اور دہشت گردی کی تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے گی اور جس نے صرف قتل کیا، مال نہیں لیا، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے قتل کیا اور مال بھی چھینا، اس کا ایک دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے نہ قتل کیا نہ مال لیا، صرف دہشت گردی کی اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلی بات صحیح ہے کہ سزا دینے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ (فتح القدیر)

[1] یعنی گرفتار ہونے سے پہلے اگر وہ توبہ کرکے اسلامی حکومت کی اطاعت کا اعلان کردیں تو پھر انھیں معاف کر دیا جائے گا، مذکورہ سزائیں نہیں دی جائیں گی لیکن پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ سزاؤں کی معافی کے ساتھ انھوں نے قتل کرکے یا مال لوٹ کر یا آبروریزی کرکے بندوں پر جو دست درازی کی یہ جرائم بھی معاف ہو جائیں گے یا ان کا بدلہ لیا جائے گا، بعض علماء کے نزدیک یہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ ان کا قصاص لیا جائے گا۔ امام شوکانی اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ مطلقاً انھیں معاف کر دیا جائے گا اور اسی کو ظاہر آیت کا مقتضی بتلایا ہے، البتہ گرفتاری کے بعد توبہ سے جرائم معاف نہیں ہوں گے۔ وہ مستحق سزا ہوں گے۔ (فتح القدیر وابن کثیر) [2] وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ ''اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔'' کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمھیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْوَسِيلَةَ: هِيَ الْقُرْبَةُ تَصْدُقُ عَلَى التَّقْوٰى وَعَلٰى غَيْرِهَا مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ الَّتِي يَتَقَرَّبُ الْعِبَادُ بِهَا إِلٰى رَبِّهِمْ ''وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں۔'' اسی طرح منہیات ومحرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے منہیات ومحرمات کا ترک بھی قرب الٰہی کا وسیلہ ہے لیکن جاہلوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، البتہ حدیث میں اس مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: ''جو اذان کے بعد میرے لیے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 614، وصحيح مسلم، حديث: 384) دعائے وسیلہ، جو اذان کے بعد پڑھنی مسنون ہے، یہ ہے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودَا الَّذِي وَعَدْتَّهُ (صحيح البخاري، حديث: 614) [3] حدیث میں آتا ہے کہ ایک کافر سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ''کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟'' وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا تو نے وہاں اس کی پروا نہیں کی اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6557، و صحيح مسلم، حديث: 2805) [4] یہ آیت کافروں کے حق میں ہے کیونکہ مومنوں کو بالآخر سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

Marfat.com

كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿38﴾ فَمَنْ
عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا،[1] اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿38﴾ پھر جو شخص اپنے
تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ
گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے،[2]
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿39﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ
بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿39﴾ کیا تمھیں علم نہیں کہ آسمانوں اور زمین
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿40﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا
ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے ﴿40﴾ اے رسول! آپ ان لوگوں کا غم نہ
يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
کھائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنے منہ سے یہ کہتے
اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ
ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لاتے،[3] اور کچھ ان لوگوں میں سے جو یہودی
هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ
ہوئے، وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور دوسری قوم کی جاسوسی کرنے والے ہیں جو (ابھی
لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ
اطاعت کے لیے) آپ کے پاس نہیں آئی۔ وہ کلمات کا موقع ومحل ثابت ہونے کے بعد اسے
يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ
بدل دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر تمھیں یہ حکم دیا جائے تو قبول کرلو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو ان
فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ
سے الگ تھلگ ہو جاؤ[4] اور جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو آپ اللہ کی طرف سے اس کے
مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ
بارے میں قطعاً کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے نہیں چاہا کہ ان
قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
کے دلوں کو پاک کرے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا

[1] بعض فقہائے ظاہریہ کے نزدیک سرقے کا یہ حکم عام ہے۔ چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی، اسی طرح وہ حرز (محفوظ جگہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں، ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی، جبکہ دوسرے فقہاء اس کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں، پھر نصاب کی تعیین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار (دینار کا چوتھا حصہ) یا تین درہم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے، اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ رسغ (پہنچوں) سے کاٹے جائیں گے، کہنی یا کندھے سے نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ (تفصیلات کے لیے کتب حدیث وفقہ اور تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے) [2] اس توبہ سے مراد عنداللہ قبول توبہ ہے، یہ نہیں کہ حاکم وقاضی کے پاس ثابت ہو جانے کے بعد توبہ سے چوری یا کسی اور قابل حد جرم کی سزا معاف ہو جائے گی۔ [3] نبی کریم ﷺ کو اہل کفر وشرک کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کا راستہ نہ اپنانے پر جو قلق اور افسوس ہوتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو زیادہ غم نہ کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے تاکہ اس اعتبار سے آپ کو تسلی رہے کہ ایسے لوگوں کی بابت اللہ کے ہاں آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔ [4] آیت نمبر 41 تا 44 کی شان نزول میں دو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک تو دو شادی شدہ یہودی زانیوں (مرد وعورت) کا۔ یہودیوں نے اپنی کتاب تورات میں تو ردوبدل کیا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی کئی باتوں پر عمل بھی نہیں کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک حکم رجم بھی تھا جو ان کی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے لیے تھا اور اب بھی موجود ہے لیکن وہ چونکہ اس سزا سے بچنا چاہتے تھے، اس لیے آپس میں فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انھوں نے ہمارے ایجاد کردہ طریقے کے مطابق کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا کا فیصلہ کیا تو مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ دیا تو نہیں مانیں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں رجم کی بابت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، جاؤ تورات لاؤ، تورات لا کر وہ پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: ہاتھ اٹھاؤ، ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم

Marfat.com

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿41﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

عذاب ہے﴿41﴾ وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں[1] اور جی بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ پھر اگر وہ

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ

آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ

اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تو بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر

حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

آپ ان کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں

الْمُقْسِطِيْنَ ﴿42﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ

کو پسند کرتا ہے﴿42﴾ اور وہ کیسے آپ سے فیصلے کرواتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات (موجود)

فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ

ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر وہ اس (حکم) سے منہ موڑتے ہیں۔ اور وہ ایمان لانے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿43﴾ ع اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ ع 6 9 10

والے نہیں﴿43﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا

اسی کے ذریعے سے فیصلے کرتے تھے انبیاء جو اللہ کی اطاعت کرنے والے تھے[2] ان لوگوں

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

لیے جو یہودی تھے[3] اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا

کے نگران بنائے گئے تھے[4] اور وہ اس پر گواہ تھے[5] چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو،

تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ

اور میری آیتیں تھوڑی قیمت پر نہ بیچو[6] اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق

تھی۔ بالآخر انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے، چنانچہ دونوں زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 6841، و صحيح مسلم، حديث: 1699) و دیگر کتب حدیث) ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے یہودی قبیلے سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتا تھا اور اسی کے مطابق اپنے مقتول کی دیت سو وسق اور دوسرے قبیلے کے مقتول کی پچاس وسق مقرر کر رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کے دوسرے قبیلے کو کچھ حوصلہ ہوا جس کے مقتول کی دیت نصف تھی اور اس نے دیت سو وسق دینے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان اس مسئلے پر لڑائی چھڑ جاتی لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی ﷺ سے فیصلہ کرانے پر رضا مند ہو گئے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مسند احمد میں ہے جس کی سند کو شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ مسند أحمد: 246/1) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے دونوں سبب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اور ان سب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا ہو۔ (ابن کثیر)

[1] ﴿سَمّٰعُوْنَ﴾ کے معنی ''بہت زیادہ سننے والے'' اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے زیادہ باتیں سننا یا دوسروں کی باتیں ماننے اور قبول کرنے کے لیے سننا۔ بعض مفسرین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں اور بعض نے دوسرے۔ [2] ﴿اَسْلَمُوْا﴾ یہ ﴿النَّبِيُّوْنَ﴾ کی صفت بیان کی کہ وہ سارے انبیاء دین اسلام ہی کے پیروکار تھے جس کی طرف محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں، یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اسلام۔ جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ہر نبی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت توحید واخلاص پیش کی۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ (الأنبيآء 25:21) ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔'' اسی کو قرآن میں ﴿الدِّيْنِ﴾ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ سورۂ شوریٰ کی آیت 13: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ...... الآية﴾ میں کہا گیا ہے جس میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو آپ سے قبل دیگر انبیاء کے لیے کیا تھا۔ [3] ﴿لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اس کا تعلق ﴿يَحْكُمُ﴾ سے ہے، یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔ [4] چنانچہ انھوں نے تورات میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کیا جس طرح بعد میں لوگوں نے کیا۔ [5] کہ یہ کتاب کمی بیشی سے محفوظ ہے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ [6] یعنی لوگوں سے ڈر

Marfat.com

اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ

فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں﴿44﴾[1] اور ہم نے تورات میں ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ

جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے

وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ

بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کا قصاص ہے[2]، پھر جو شخص اسے

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

معاف کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں﴿45﴾[3] اور ہم نے ان (رسولوں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے[4] اور ہم نے انھیں انجیل دی

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿46﴾ وَلْيَحْكُمْ

تھی اور پرہیزگاروں کے لیے (سراسر) ہدایت اور نصیحت تھی﴿46﴾[5] اور اہل انجیل کو چاہیے کہ

کر تورات کے اصل احکام پر پردہ مت ڈالو نہ دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے ان میں رد و بدل کرو۔

[1] پھر تم کیسے ایمان کے بدلے کفر پر راضی ہو گئے ہو؟ [2] جب تورات میں جان کے بدلے جان اور زخموں میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا تو پھر یہودیوں کے ایک قبیلے (بنونضیر) کا دوسرے قبیلے (بنوقریظہ) کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرنا اور اپنے مقتول کی دیت دوسرے قبیلے کے مقتول کی بہ نسبت دوگنا رکھنے کا کیا جواز ہے؟ جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزری۔

[3] یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس قبیلے نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا، یہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف تھا اور اس طرح انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا۔ گویا انسان اس بات کا مُکلّف ہے کہ وہ احکامات الٰہی کو اپنائے، اسی کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو بارگاہ الٰہی میں ظالم متصور ہوگا، فاسق متصور ہوگا اور کافر متصور ہوگا، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تینوں لفظ استعمال کر کے اپنے غضب اور ناراضی کا بھرپور اظہار فرما دیا۔ اس کے بعد بھی انسان اپنے ہی خود ساختہ قوانین یا اپنی خواہشات ہی کو اہمیت دے تو اس سے زیادہ بدقسمتی کیا ہوگی؟ ملحوظہ: علمائے اصولیین نے لکھا ہے کہ پچھلی شریعت کا حکم اگر اللہ نے برقرار رکھا ہے تو ہمارے لیے بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں بیان کردہ حکم غیر منسوخ ہے، اس لیے یہ بھی شریعت اسلامیہ ہی کے احکام ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ (جان، بدلے جان کے) کے عموم سے دو صورتیں خارج ہوں گی کہ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کافر کو قتل کر دے تو قصاص میں اس کافر کے بدلے مسلمان کو، اسی طرح غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ بعض علماء نے النفس بالنفس کو غلام کے حوالے سے عام رکھا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباري، تحت حديث: 6878، ونيل الأوطار: 10/7 وغیرہ) [4] یعنی انبیائے سابقین کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اس کی تکذیب کرنے والے نہیں جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی تو اس کے باوجود بھی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص و اہانت کی۔ [5] یعنی جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ تھی۔ اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہوگئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات و انجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر عمل منسوخ ہو گیا اور ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرما دیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاح و کامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس سے جڑ گیا، سرخرو رہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''وحدت ادیان'' کا فلسفہ یکسر غلط ہے، حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سوا دوسری چیزیں باطل ہیں۔ تورات اپنے دور کا حق تھی، اس کے بعد انجیل اپنے دور کا حق تھی، انجیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اور جب قرآن نازل ہو گیا تو انجیل منسوخ ہو گئی، انجیل پر عمل کرنا جائز نہیں رہا اور صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لیے قابل عمل رہ گیا۔ اس پر ایمان لائے بغیر، یعنی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو

Marfat.com

اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا اس کے مطابق فیصلے کریں[1] اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی نافرمان ہیں ﴿47﴾ اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ
حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
ہے[2] چنانچہ آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلے کریں[3] اور آپ کے پاس
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا
جو حق آیا ہے اسے نظر انداز کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں[4] ہم نے تم میں سے ہر ایک
مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً
کے لیے ایک دستور اور طریقہ بنایا[5] اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ضرور ایک امت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا
کہ تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے[6] چنانچہ تم نیکیوں میں
الْخَيْرٰتِ ۚ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں (اصل
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿48﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ
حقیقت) بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ﴿48﴾ اور (اے نبی!) آپ ان لوگوں کے
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی
يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۚ فَاِنْ
نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں وہ آپ کو کسی ایسے حکم سے ادھر ادھر نہ کردیں جو اللہ نے آپ پر
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
اتارا ہے، پھر اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو جان لیں کہ اللہ کا فقط یہی ارادہ ہے کہ ان کے بعض گناہوں

تسلیم کیے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مزید ملاحظہ ہو، سورۂ بقرہ آیت:62 کا حاشیہ۔

[1] اہل انجیل کو یہ حکم اس وقت تک تھا، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ تھا۔ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ کا دور نبوت بھی ختم ہو گیا اور انجیل کی پیروی کا حکم بھی۔ اب ایماندار وہی سمجھا جائے گا جو رسالت محمدی پر ایمان لائے گا اور قرآن کریم کا اتباع کرے گا۔ [2] ہر آسمانی کتاب اپنے سے ماقبل کتاب کی مصدق رہی ہے جس طرح قرآن پچھلی تمام کتابوں کا مصدق ہے اور تصدیق کا مطلب ہے کہ یہ ساری کتابیں فی الواقع اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ لیکن قرآن مصدق ہونے کے ساتھ ساتھ مُهَيْمِنًا ''محافظ، امین، شاہد اور حاکم'' بھی ہے، یعنی پچھلی کتابوں میں چونکہ تحریف وتغییر بھی ہوئی ہے، اس لیے قرآن کا فیصلہ ناطق ہوگا جس کو یہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح ہے۔ اور جس کو یہ باطل قرار دے وہ باطل ہے۔ [3] اس سے پہلے آیت 42: میں نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ ان کے معاملات کے فیصلے کریں یا نہ کریں۔ آپ کی مرضی ہے لیکن اب اس کی جگہ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے آپس کے معاملات میں بھی قرآن کریم کے مطابق فیصلے فرمائیں۔ [4] یہ دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر لوگوں کی خواہشات اور آراء یا ان کے خود ساختہ مزعومات وافکار کے مطابق فیصلے کرنا گمراہی ہے جس کی اجازت جب پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ [5] اس سے مراد پچھلی شریعتیں ہیں جن کے بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حرام تو دوسری میں حلال تھیں، بعض میں کسی مسئلے میں تشدید تھی تو دوسری میں تخفیف لیکن دین سب کا ایک، یعنی توحید پر مبنی تھا۔ اس لحاظ سے سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: «اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ» (صحيح البخاري، حديث: 3443) ''انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔'' علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں تو مختلف ہوں باپ ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف تھیں لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں بھی منسوخ ہو گئی ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک۔ [6] یعنی نزول قرآن کے بعد اب نجات تو اگرچہ اسی سے وابستہ ہے لیکن اس راہ نجات کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جبر نہیں کیا ہے۔ ورنہ وہ چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا لیکن اس طرح تمھاری آزمائش نہ ہوتی جبکہ وہ تمھیں آزمانا چاہتا ہے۔

Marfat.com

ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (49) اَفَحُكْمَ
کی وجہ سے انھیں سزا دے، اور بے شک ان لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں (49) کیا پھر وہ جاہلیت کا
الْجٰهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ
فیصلہ چاہتے ہیں؟[1] اور جو قوم اللہ پر یقین رکھتی ہے، اس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون
يُّوْقِنُوْنَ ؑ (50) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
ہے؟ (50) [2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ،[3] وہ
وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ
آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں،[4] اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی
مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (51)
رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (51) [5]
فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ
(اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کا) روگ[6] ہے کہ وہ دوڑ کر
يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ
ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں اور (ان سے) کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت (نہ)
اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا
پہنچے[7] پھر قریب ہے کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے[8] یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے،[9] تو یہ
عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ (52) وَيَقُوْلُ
لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں (52) اور (اس
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ
وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شدومد

[1] اب قرآن اور اسلام کے سوا، سب جاہلیت ہے، کیا یہ اب بھی روشنی اور ہدایت (اسلام) کو چھوڑ کر جاہلیت ہی کے متلاشی اور طالب ہیں؟ یہ استفہام، انکار اور توبیخ کے لیے ہے اور فاء لفظ مقدر پر عطف ہے اور معنی ہیں: أَيُعْرِضُونَ عَنْ حُكْمِكَ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَيَتَوَلَّوْنَ عَنْهُ وَ يَبْتَغُونَ حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ ”کیا آپ کے اس فیصلے سے جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے یہ اعراض کرتے اور پیٹھ پھیرتے ہیں اور جاہلیت کے طریقوں کے متلاشی ہیں؟“ (فتح القدير) یہ آیت اور اس کے ہم معنی حدیث نبوی ﷺ جو آگے آرہی ہے، آج کے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو اسلامی ملکوں میں اسلامی تعلیمات کی بجائے جاہلیت جدیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں اور اسی کو فروغ دے رہے ہیں، چنانچہ اسلامی ملکوں میں اسلام محبوس ومحکوم ہے اور جاہلیت غالب اور حکمران۔ یہ ظالم اور اسلام سے منحرف حکمران اللہ کے ہاں کس طرح سرخرو ہوں گے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس پر ان کا یقین ہی نہیں ہے۔ [2] حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 6882) ”اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین اشخاص ہیں، حرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی اور جو کسی کا ناحق خون بہانے کا طالب ہو۔“ [3] اس میں یہود ونصاریٰ سے موالات ومحبت کا رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور اس پر اتنی سخت وعید بیان فرمائی کہ جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ انھی میں سے سمجھا جائے گا۔ (مزید دیکھیے سورۂ آل عمران، آیت: 28 اور آیت: 118 کا حاشیہ) [4] قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کرسکتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کا اگرچہ آپس میں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض وعناد ہے لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون، بازو اور محافظ ہیں۔ [5] ان آیات کی شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی دونوں ہی عہد جاہلیت سے یہود کے حلیف چلے آرہے تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو عبداللہ بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ ادھر بنوقینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد فتنہ برپا کیا اور وہ کس لیے گئے، جس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو اپنے یہودی حلیفوں سے اعلان براءت کردیا لیکن عبداللہ بن ابی نے اس کے برعکس یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ [6] اس سے مراد نفاق ہے، یعنی منافقین یہودیوں سے محبت اور دوستی میں جلدی کر رہے ہیں۔ [7] یعنی مسلمانوں کو شکست ہوجائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ یہودیوں سے دوستی ہوگی تو ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔ [8] یعنی مسلمانوں کو۔ [9] یہ یہود ونصاریٰ پر جزیہ عائد کردے یا اشارہ ہے بنوقریظہ کے قتل اور ان کی اولاد کے قیدی بنائے جانے اور بنونضیر کی جلاوطنی وغیرہ کی

Marfat.com

اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہوگئے

خٰسِرِيْنَ ﴿53﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

چنانچہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگئے (53) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے

عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ

دین سے پھر جائے،[1] تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ

کرتے ہوں گے،[2] وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ

راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے،[3] یہ اللہ کا فضل ہے،

اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿54﴾ اِنَّمَا

وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے والا ہے (54) تمھارے

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے،[4] جو نماز قائم کرتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں (55) اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ

دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں، تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ

الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ

کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے (56)[5] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کو اپنا

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے، ان لوگوں میں

طرف، جس کا وقوع مستقبل قریب ہی میں ہوا۔

[1] قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیونکہ اسے پہلے سے یہ معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے عرب قبائل اسلام سے مرتد ہوجائیں گے، لہٰذا ایسے ہی ہوا اور اس فتنۂ ارتداد کے خاتمے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا۔ رضي الله عنهم ورضوا عنه.

[2] مرتدین کے مقابلے میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی چار نمایاں صفات بیان کی جارہی ہیں: (1) اللہ سے محبت کرنا اور اس کا محبوب ہونا (2) اہل ایمان کے لیے نرم اور کفار پر سخت ہونا (3) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا (4) اور اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان صفات اور خوبیوں کا مظہر اتم تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مشرف فرمایا اور دنیا ہی میں اپنی رضا مندی کی سند سے نواز دیا۔ [3] یہ ان اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے، یعنی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں انھیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ ہوگی۔ یہ بھی بڑی اہم صفت ہے۔ معاشرے میں جن برائیوں کا چلن عام ہو جائے، ان کے خلاف نیکی پر استقامت اور اللہ کے حکموں کی اطاعت اس صفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو برائی، معصیت الٰہی اور معاشرتی خرابیوں سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں لیکن اپنے اندر ملامت گروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے۔ نتیجتاً وہ ان برائیوں کی دلدل سے نکل نہیں پاتے اور باطل سے بچنے کی توفیق سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مذکورہ صفات حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ کا ان پر خاص فضل ہے۔ [4] جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو اب اس سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ پھر وہ دوستی کن سے کریں؟ فرمایا کہ اہل ایمان کے دوست سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے اہل ایمان ہیں۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کی جارہی ہیں۔ [5] یہ حِزْبُ اللّٰهِ (اللہ کی جماعت) کی نشاندہی اور اس کے غلبے کی نوید سنائی جارہی ہے۔ حزب اللہ وہی ہے جس کا تعلق صرف اللہ، رسول اور مومنین سے ہو اور کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے چاہے وہ ان کے قریبی رشتے دار ہوں، وہ محبت و موالات کا تعلق نہ رکھیں جیسا کہ سورۂ مجادلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ "تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہوں۔" پھر خوشخبری دی گئی کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جنھیں اللہ کی مدد حاصل ہے، انھیں ہی اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا...... اور یہی حزب اللہ ہے، کامیابی جس کا

Marfat.com

مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ
سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور جو کافر ہیں[1] اور اللہ سے ڈرتے رہو
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا
اگر تم مومن ہو﴿57﴾ اور جب تم انھیں نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل
وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿58﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ
بنالیتے ہیں[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے﴿58﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے:
الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ
اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو (چیز) ہماری
اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ
طرف نازل کی گئی اور (ہم سے) پہلے نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور بے شک تم میں
فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
سے اکثر نافرمان ہیں﴿59﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں (اس شخص کے بارے میں) نہ بتادوں
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ
جو جزا کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بدتر ہے؟ یہ وہ شخص ہے کہ اللہ نے اس پر لعنت کی
مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۚ اُولٰٓئِكَ
اور اس پر اپنا غضب نازل کیا، اور ان میں سے بعض کو بندر اور سؤر بنادیا، اور اس شخص نے شیطان کی
شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿60﴾ وَاِذَا
بندگی کی، وہی لوگ بدتر درجے میں ہیں اور سیدھی راہ سے وہ سب سے زیادہ گمراہ ہیں﴿60﴾[3] اور جب وہ
جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ
تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ کفر کے ساتھ ہی
خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿61﴾ وَتَرٰى
داخل ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ نکل گئے اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے

مقدر ہے۔'' (سورۂ مجادلہ آخری آیت)

[1] اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں۔ یہاں پھر یہی تاکید کی گئی ہے کہ دین کو کھیل مذاق بنانے والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اس لیے ان کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔ [2] حدیث میں آتا ہے کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے، تکبیر کے وقت پھر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ کر نمازیوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ الحديث (صحيح البخاري، حديث: 608، وصحيح مسلم، حديث: 389) شیطان ہی کی طرح شیطان کے پیروکاروں کو اذان کی آواز اچھی نہیں لگتی، اس لیے وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث رسول بھی قرآن کی طرح دین کا ماخذ اور اسی طرح حجت ہے کیونکہ قرآن نے نماز کے لیے ''نداء'' کا تو ذکر کیا ہے لیکن یہ ''نداء'' کس طرح دی جائے گی؟ اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہیں۔ یہ چیزیں حدیث سے ثابت ہیں جو اس کی حجیت اور ماخذ دین ہونے پر دلیل ہیں۔ حجیت حدیث کا مطلب: حدیث کے ماخذ دین اور حجت شرعیہ ہونے کا مطلب ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی نص سے ثابت ہونے والے احکام و فرائض پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونے والے احکام کا ماننا بھی فرض، ان پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے، تاہم حدیث کا صحیح، مقبول، مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے۔ صحیح حدیث چاہے متواتر ہو یا آحاد، قولی ہو، فعلی ہو یا تقریری۔ یہ سب قابل عمل ہیں۔ حدیث کا خبر واحد کی بنیاد پر، یا قرآن سے زائد ہونے کی بنیاد پر ائمہ کے قیاس و اجتہادات کی بنیاد پر یا راوی کی عدم فقاہت کے دعویٰ کی بنیاد پر یا عقلی استحالے کی بنیاد پر یا اسی قسم کے دیگر دعاوی کی بنیاد پر رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ سب حدیث سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں جو مختلف گروہوں نے اس کے رد و انکار کے لیے اختیار کر رکھی ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. [3] یعنی تم تو (اے اہل کتاب!) ہم سے یوں ہی ناراض ہو جبکہ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اللہ پر اور قرآن کریم اور اس سے قبل اتاری گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قصور یا عیب ہے؟ یعنی یہ عیب اور مذمت والی بات نہیں جیسا کہ تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ استثنا منقطع ہے، البتہ ہم تمھیں بتلاتے ہیں کہ بدترین لوگ اور گمراہ ترین لوگ، جو نفرت اور مذمت کے قابل ہیں، کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوا اور جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنا دیا اور جنھوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ اور اس آئینے میں تم اپنا چہرہ اور کردار دیکھ لو کہ یہ کن کی تاریخ ہے اور کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟

Marfat.com

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

ہیں (61) [1] اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ، زیادتی اور حرام کھانے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (62) لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ

میں جلدی کرتے ہیں، بہت برا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (62) رب والے اور ان کے علماء

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ

انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بہت برا ہے جو کچھ وہ (اپنے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (63) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ

لیے) تیار کررہے ہیں (63) [2] اور یہودیوں نے کہا: ”اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔“ [3] بندھ گئے انھی کے

مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ

ہاتھ، اور لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول (ان کی اس بکواس) کی وجہ سے، بلکہ اللہ کے تو دونوں

مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا

ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب

مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا

کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں ضرور اضافے

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا

کا باعث بنے گا۔ اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔

نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ

جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے [4] اور وہ زمین میں فساد کرنے کو

[1] یہ منافقین کا ذکر ہے جو نبی ﷺ کی خدمت میں کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں، آپ کی صحبت اور آپ کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا کیونکہ دل میں تو کفر چھپا ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے مقصد ہدایت کا حصول نہیں بلکہ دھوکہ اور فریب دینا ہوتا ہے تو پھر ایسی حاضری سے فائدہ بھی کیا ہوسکتا ہے؟ [2] یہ علماء و مشائخ دین اور عباد و زہاد پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمھارے سامنے فسق و فجور اور حرام خوری کا ارتکاب کرتی ہے لیکن تم انھیں منع نہیں کرتے، ایسے حالات میں تمھاری یہ خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتنی اہمیت اور اس کے ترک پر کتنی سخت وعید ہے جیسا کہ احادیث میں بھی یہ مضمون وضاحت اور کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔ [3] یہ وہی بات ہے جو سورۂ آل عمران کی آیت: 181 میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے۔“ لوگوں سے قرض مانگ رہا ہے اور تعبیر کے اس حسن کو عناداً نظر انداز کر دیا جو اس میں پنہاں تھا، یعنی سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا، کوئی قرض نہیں ہے لیکن یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ وہ اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سو دانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا تمھیں واپس لوٹائے گا۔ مَغْلُوْلَةٌ کے معنی بَخِيلَةٌ (بخل والے) کیے گئے ہیں، یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعتاً بندھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے اسے اس نے روک رکھا ہے۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاتھ تو انھی کے بندھے ہوئے ہیں، یعنی بخیلی انھی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ وہ واسع الفضل اور جزيل الْعَطَاء ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی مخلوقات کے لیے تمام حاجات و ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یا دن کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑسکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔ ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ (ابرٰهيم 34:14) ”تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمھیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناشکرا ہے۔“ حدیث میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کمی نہیں آتی، ذرا دیکھو تو جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں آئی......“ (صحيح البخاري، حديث: 7419، و صحيح مسلم، حديث: 993) [4] یعنی یہ جب بھی آپ کے خلاف کوئی سازش کرتے یا لڑائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باطل کر دیتا اور ان کی سازش کو انھی پر الٹا دیتا ہے اور ان کو ”چاہ کن را چاہ درپیش“ کی سی صورتحال سے دوچار کر دیتا ہے۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿64﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ

دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿64﴾[1] اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں اور پرہیز

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ

گاری اختیار کرلیں[2] تو یقیناً ہم ان سے ان کی برائیاں دور کردیں گے اور انھیں نعمت والے باغوں میں

النَّعِيْمِ ﴿65﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

ضرور داخل کریں گے ﴿65﴾ اور اگر یقیناً وہ تورات اور انجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی

اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

(دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے[3] تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے

اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ

(وافر رزق) کھاتے[4] ان میں سے ایک گروہ درمیانی راہ چلنے والا ہے۔ اور ان میں سے زیادہ تر لوگ جو

مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿66﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

ع 9 10 13

کچھ کررہے ہیں وہ برا ہے﴿66﴾[5] اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے وہ

رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا[6] اور

مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿67﴾ قُلْ

اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا[7] اور بلاشبہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿67﴾ (اے

[1] ان کی عادت ثانیہ ہے کہ ہمیشہ زمین میں فساد پھیلانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں، درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں فرماتا۔ [2] یعنی وہ ایمان جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، ان میں سب سے اہم محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہے، جیسا کہ ان پر نازل شدہ کتابوں میں بھی ان کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ وَاتَّقَوْا اور اللہ کی معاصی سے بچتے، جن میں سب سے اہم وہ شرک ہے جس میں وہ مبتلا ہیں اور وہ جُحُود ہے جو آخری رسول کے ساتھ وہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ [3] تورات اور انجیل کے پابند رہنے کا مطلب، ان کے ان احکام کی پابندی ہے جو ان میں انھیں دیے گئے، اور انھی میں ایک حکم آخری نبی پر ایمان لانا بھی تھا۔ اور وَمَآ اُنْزِلَ سے مراد تمام آسمانی کتب اور اللہ کی نازل کردہ وحی پر ایمان لانا ہے جن میں قرآن کریم بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیتے۔ [4] اوپر نیچے کا ایک مطلب یہ ہے کہ کثرت سے اور انواع و اقسام کے رزق اللہ تعالیٰ مہیا فرماتا۔ یا اوپر سے مراد آسمان ہے، یعنی حسب ضرورت خوب بارشیں برساتا اور ''نیچے'' سے مراد زمین ہے، یعنی زمین اس بارش کو اپنے اندر جذب کر کے خوب پیداوار دیتی، نتیجتاً شادابی اور خوش حالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الأعراف 96:7) ''اگر بستی والے ایمان لائے ہوتے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔'' [5] لیکن ان کی اکثریت نے ایمان کا یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر مصر اور رسالت محمدی سے انکار پر اڑے ہوئے ہیں۔ اسی اصرار اور انکار کو یہاں برے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درمیانہ روش کی ایک جماعت سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے 8،9 افراد ہیں جو یہود مدینہ میں سے مسلمان ہوئے۔ [6] اس حکم کا مفاد یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، بلاکم وکاست اور بلاخوف لومة لائم آپ لوگوں تک پہنچا دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ﷺ نے کچھ چھپا لیا، اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4612، و صحيح مسلم، حديث: 177) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جب سوال کیا گیا کہ تمھارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں «إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 111) ''صرف اللہ کی کتاب ہے یا کتاب اللہ کی وہ فہم ہے جو کسی مسلمان آدمی کو عطا کی جائے یا جو اس صحیفے میں ہیں۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیثیں جو دیت، قیدیوں اور قتل سے متعلق ہیں۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غفیر میں فرمایا: ''تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟'' انھوں نے کہا: «نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ أَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ» ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی فرما دی۔'' آپ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے لوگوں کی طرف اسے سیدھا کرتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ» (تین مرتبہ) (صحيح مسلم، حديث: 1218) ''یعنی اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ۔'' [7] یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقے پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی۔ دنیاوی اسباب کے تحت اس آیت کے نزول سے بہت قبل اللہ تعالیٰ نے پہلے

Marfat.com

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ

نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تم تورات و انجیل

وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ

اور جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

کرنے لگو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، ان میں سے اکثر

وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بنے گا،[1] اور آپ کافروں کی قوم کا غم نہ کھائیں (68) بے شک

اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ

جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ، ان میں سے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿69﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے (69) [2] یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی

وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

طرف کئی رسول بھیجے۔ جب ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز لے کر آیا جسے ان کے نفس پسند

اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا

نہیں کرتے تھے تو بعض نبیوں کو انھوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل ہی کر دیتے تھے (70) اور ان

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

لوگوں کا خیال تھا کہ (ان کی) کوئی آزمائش نہ ہوگی، چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ ان پر

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

مہربان ہوا، مگر ان میں سے زیادہ تر لوگ پھر اندھے اور بہرے ہوگئے،[3] اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو

آپ کے چچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی، اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کا کفر پر قائم رہنا بھی انھی اسباب کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو شاید سرداران قریش کے دل میں ان کی وہ ہیبت و عظمت نہ رہتی جو ان کے ہم مذہب ہونے کی صورت میں آخر وقت تک رہی، پھر ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض سرداران قریش کے ذریعے سے، پھر انصار مدینہ کے ذریعے سے آپ کا تحفظ فرمایا، پھر جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب (پہرے وغیرہ) اٹھوا دیے۔ اس کے بعد بارہا سنگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی، چنانچہ وحی کے ذریعے سے اللہ نے وقتاً فوقتاً یہودیوں کے مکر و کید سے مطلع فرما کر خاص خطرے کے مواقع پر بچایا اور گھمسان کی جنگوں میں کفار کے انتہائی پر خطر حملوں سے بھی آپ کو محفوظ رکھا۔ ذٰلِكَ مِنْ قُدْرَةِ اللّٰهِ وَ قَدْرِهِ بِمَا شَاءَ وَلَا يَرُدُّ قَدْرَ اللّٰهِ وَ قَضَاءَهُ أَحَدٌ وَلَا يَغْلِبُهُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ. یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت کے اندازے میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اندازے اور فیصلے کو نہ کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب علم والا ہے۔

[1] یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے، یعنی جس طرح بعض اعمال و اشیاء سے اہل ایمان کے ایمان و تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تمرد سے کفر و طغیان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے، مثلاً: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ”فرما دیجیے: یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔ گرانی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (بنیٓ إسرآءیل 82:17) ”اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔“ [2] یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت: 62 میں بیان ہوا ہے، یعنی اپنے اپنے دور میں جو اپنے اپنے آسمانی مذہب کے پیروکار رہے ہوں گے وہ آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ [3] یعنی سمجھے یہ تھے کہ کوئی سزا مترتب نہ ہوگی لیکن مذکورہ اصول الٰہی کے مطابق اس سزا کا ترتب ہوگیا کہ یہ حق کے دیکھنے سے مزید اندھے اور حق کے سننے سے مزید بہرے ہوگئے اور توبہ کے بعد پھر یہی عمل انھوں نے دہرایا ہے تو اس کی وہی سزا بھی دوبارہ واقع ہوئی۔

Marfat.com

یَعْمَلُوْنَ ﴿71﴾ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ
کچھ وہ کرتے ہیں﴿71﴾ یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن
ابْنُ مَرْیَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ
مریم ہے[1] اور مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے[2]،
وَرَبَّکُمْ ؕ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ
بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اور اس کا
الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾ لَقَدْ کَفَرَ
ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں﴿72﴾ [3] یقیناً کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا:
الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ
بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے[4] اور کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور وہ جو کچھ
وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ
کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں ضرور دردناک
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿73﴾ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ وَاللّٰہُ
عذاب ملے گا﴿73﴾ پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟ اور
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿74﴾ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ
اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿74﴾ مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ بلاشبہ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ کَانَا یَاْکُلٰنِ
ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ (نہایت راستباز) تھی[5]، وہ دونوں

[1] یہی مضمون آیت 71: میں بھی گزر چکا ہے، یہاں اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر میں اس کا پھر ذکر فرمایا۔ اس میں ان کے اس فرقے کے کفر کا اظہار ہے جو حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کا قائل ہے۔ [2] چنانچہ حضرت عیسیٰ، یعنی مسیح ابن مریم علیہ السلام نے عالم شیر خوارگی میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبکہ بچے اس عمر میں قوت گویائی نہیں رکھتے) سب سے پہلے اپنی زبان سے اپنی عبودیت ہی کا اظہار فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم 30:19) ”میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے اس نے کتاب بھی عطا کی ہے۔“ حضرت مسیح نے یہ نہیں کہا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں۔ صرف یہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور عمر کہولت میں بھی وہ یہی دعوت دیں گے: اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (آل عمران 51:3) ”یقیناً اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے۔ اس لیے اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔“ یہ وہی الفاظ ہیں جو ماں کی گود میں بھی کہے تھے۔ (ملاحظہ ہو، سورۂ مریم 36:19) اور جب قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا، جس کی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے اور جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، تب بھی وہ نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلائیں گے، نہ کہ اپنی عبادت کی طرف۔ [3] حضرت مسیح نے اپنی بندگی اور رسالت کا اظہار اللہ کے حکم اور مشیت سے اس وقت بھی فرمایا تھا جب وہ ماں کی گود میں، یعنی شیر خوارگی کی حالت میں تھے، پھر سن کہولت میں بھی یہ اعلان فرمائیں گے۔ اور ساتھ ہی شرک کی شناعت و قباحت بھی بیان فرما دی کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا جو اسے جہنم سے نکال لائے جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں۔ [4] یہ عیسائیوں کے دوسرے فرقے کا ذکر ہے جو تین خداؤں کا قائل ہے، جن کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان کی تعبیر و تشریح میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے، تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) قرار دے لیا ہے جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (المائدۃ 116:5) ”کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا؟“ اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام ان دونوں کو عیسائیوں نے الٰہ بنایا، اور اللہ تیسرا الٰہ ہوا، جو ثالث ثلاثہ (تین میں تیسرا) کہلایا۔ پہلے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر قرار دیا۔ [5] صِدِّیْقَۃٌ کے معنی مومنہ اور ولیہ کے ہیں، یعنی وہ بھی حضرت مسیح پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نَبِیَّہ (پیغمبر) نہیں تھیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام سمیت، حضرت سارہ (ام اسحاق) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نبیہ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آ کر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہ گفتگو اور وحی نبوت کی دلیل ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے، وہ مرد تھے۔ (سورۂ یوسف 109:12 مزید دیکھیے سورۂ قصص 7:28 کا حاشیہ)

Marfat.com

الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى
کھانا کھاتے تھے۔[1] دیکھیں ہم ان کے لیے کیسی کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھیں وہ کدھر
يُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
الٹے پھرے جاتے ہیں!﴿75﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے
يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۗ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ
ہو جو تمھارے لیے نقصان اور نفع کا کوئی اختیار نہیں رکھتی؟ اور اللہ ہی تو خوب سننے والا، خوب جاننے
الْعَلِيْمُ ﴿76﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ
والا ہے﴿76﴾[2] کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو[3] اور
الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں، اور
وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿77﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ
انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا[4] اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے﴿77﴾ بنی اسرائیل میں
كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ
سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی،[5] یہ اس وجہ سے
مَرْيَمَ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿78﴾ كَانُوْا لَا
ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے﴿78﴾[6] وہ ایک دوسرے کو برے کام
يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿79﴾
سے منع نہیں کرتے تھے[7] کیونکہ انھوں نے وہ خود کیا ہوتا تھا، بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے﴿79﴾
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ لَبِئْسَ
آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنھوں نے کفر

[1] یہ حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام دونوں کی الوہیت (الٰہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوائج وضروریات میں سے ہے۔ جو الٰہ ہو، وہ تو ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ [2] یہ مشرکوں کی کم عقلی کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ ایسوں کو انھوں نے معبود بنا رکھا ہے جو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان بلکہ نفع نقصان پہنچانا تو کجا، وہ تو کسی کی بات سننے اور کسی کا حال جاننے کی ہی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ قدرت صرف اللہ ہی کے پاس ہے، اس لیے حاجت روا مشکل کشا بھی صرف وہی ہے۔ [3] یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، اس میں مبالغہ کر کے انھیں منصب نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز مت کرو، جیسے حضرت مسیح کے معاملے میں تم نے کیا۔ غلو ہر دور میں شرک اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ انسان کو جس سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، وہ اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے۔ وہ امام اور دینی قائد ہے تو اس کو پیغمبر کی طرح معصوم سمجھنا اور پیغمبر کو خدائی صفات سے متصف ماننا عام بات ہے، بدقسمتی سے مسلمان بھی اس غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انھوں نے بعض ائمہ کی شان میں بھی غلو کیا اور ان کی رائے اور قول حتیٰ کہ ان کی طرف منسوب فتویٰ اور فقہ کو بھی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترجیح دی۔ [4] یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو جو ایک نبی کو الٰہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ [5] یعنی زبور میں جو حضرت داود علیہ السلام پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جا رہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری ہے۔ [6] یہ لعنت کے اسباب ہیں: ① عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی ② اور اعتدا، یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انھوں نے حد سے تجاوز کیا۔ [7] اس پر مستزاد یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ بعض مفسرین نے اسی ترک نہی عن المنکر کو عصیان اور اعتدا قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا۔ بہرحال دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت و غضب الٰہی کا سبب ہے۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں اس کی تاکید کرتے ہوئے کہا گیا ہے: «مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم، حدیث: 49) ''تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَهُمْ قَادِرُونَ عَلٰى أَنْ يُّنْكِرُوهُ فَلَا يُنْكِرُونَهُ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ» (مسند أحمد:

Marfat.com

مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي
کیا۔ بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے آگے بھیجا کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا
الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿80﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں﴿80﴾[1] اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ اللہ پر اور اس کے نبی پر اور
وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ
اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف نازل کیا گیا، تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان
وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿81﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ
میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں﴿81﴾[2] (اے نبی!) یقیناً آپ لوگوں میں اہل ایمان سے عداوت
عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ
رکھنے میں سخت ترین یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے[3] اور اہل ایمان سے دوستی رکھنے میں ضرور قریب
اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ
ترین ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ
بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾
بے شک ان میں کچھ عالم ہیں، کچھ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے﴿82﴾[4]

192/4) ''یقیناً اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل (گناہوں) کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب عام لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ برائی اپنے درمیان ہوتے دیکھیں اور وہ اس پر نکیر کرنے پر قادر بھی ہوں لیکن وہ اسے نشانۂ تنقید نہ بنائیں، جب ایسا ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب خاص اور عام سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔'' ایک دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہیں ہوں گی۔ (مسند أحمد: 389,388/5) اس حقیقت کو نبی ﷺ نے ایک تمثیل کے ذریعے سے بھی واضح فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی حدوں میں مداہنت (نرمی اور درگزر) کرنے والے اور حدوں کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جنھوں نے (ایک دو منزلہ) کشتی میں سفر کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض کے حصے میں بالائی منزل اور بعض کے حصے میں نچلی منزل آئی۔ نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے بالائی منزل پر آتے اور بالانشینوں کے پاس سے گزرتے تو وہ تکلیف محسوس کرتے، چنانچہ نچلی منزل والوں نے کلہاڑا پکڑ کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا تاکہ نیچے سے ہی پانی لے لیں اور اوپر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ سوراخ کرنے کی آواز سن کر اوپر والے آئے اور پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم پانی لینے اوپر جاتے ہیں تو تم ناگواری محسوس کرتے ہو، چنانچہ ہم نیچے ہی سوراخ کرنے لگے ہیں کیونکہ پانی کے بغیر تو چارہ نہیں۔ (نبی ﷺ نے فرمایا) اگر وہ اسی وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور سوراخ سے روک دیں تو وہ سوراخ کرنے والوں کو بھی بچا لیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچا لیں گے اور اگر وہ ان کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیں گے تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کر لیں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2686) اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہایت ضروری ہے جو نہ صرف منکرات سے باز رہنے والے ہوں بلکہ دوسروں کو بھی ان کے ارتکاب سے روکتے رہتے ہوں اور منکرات سے مفاہمت یا مداہنت کرنے والے نہ ہوں۔ ورنہ برائی سے مفاہمت یا اس کے معاملے میں مداہنت غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ أعاذنا الله منه.

[1] یہ اہل کفر سے دوستانہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور اسی ناراضی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ [2] اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر صحیح معنوں میں ایمان ہوگا، وہ کافروں سے کبھی دوستی نہیں کرے گا۔ [3] اس لیے کہ یہودیوں کے اندر عناد و جُحُود، حق سے اعراض و استکبار اور اہل علم و ایمان کی تنقیص کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے حتیٰ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی، آپ پر جادو بھی کیا اور ہر طرح نقصان پہنچانے کی مذموم سعی کی۔ اور اس معاملے میں مشرکین کا حال بھی یہی ہے۔ [4] رُهْبَانًا سے مراد نیک، عبادت گزار اور گوشہ نشین لوگ اور قِسِّيْسِيْنَ سے مراد علماء و خطباء ہیں، یعنی ان عیسائیوں میں علم و تواضع ہے، اس لیے ان میں یہودیوں کی طرح جو دو استکبار نہیں ہے، علاوہ ازیں دین مسیحی میں نرمی اور عفو و درگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے حتیٰ کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی تمھارے دائیں رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی ان کو پیش کر دو، یعنی لڑو مت۔ ان وجوہ سے یہ مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ عیسائیوں کا یہ وصف یہودیوں اور دیگر مشرکوں کے مقابلے میں ہے اور دائمی حقیقت ہے، آج بھی جو دشمنی یہودیوں اور مشرکوں کو مسلمانوں سے ہے وہ بہر حال نصرانیوں کو نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک نفس اسلام دشمنی کا تعلق ہے، اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے، جیسا کہ

Marfat.com

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ

اور جب وہ رسول پر نازل کیا گیا کلام سنتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم

اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ

ایمان لے آئے، لہٰذا تو ہمارے نام (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے (83) اور ہمارے

بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

پاس کیا عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق ہم تک پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں؟ اور ہم امید رکھتے ہیں

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿84﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں داخل کرے گا (84)[1] چنانچہ انھوں نے جو کہا اس کے عوض

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ

اللہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ

جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

نیکی کرنے والوں کی جزا ہے (85) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

جھٹلایا، وہی دوزخی ہیں (86) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت

تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ

ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں[2] اور تم حد سے نہ گزرو، بے شک اللہ حد سے

ع 11 9 1

صلیب و ہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے قرآن نے دونوں ہی سے دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

[1] حبشے میں، جہاں مسلمان مکی زندگی میں دو مرتبہ ہجرت کر کے گئے، اَصْحَمہ نجاشی کی حکومت تھی۔ یہ عیسائی مملکت تھی۔ یہ آیات حبشے میں رہنے والے عیسائیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تاہم روایات کی رو سے نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری ؓ کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا جو انھوں نے جا کر اسے سنایا، نجاشی نے وہ مکتوب سن کر حبشے میں موجود مہاجرین اور حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے علماء اور عباد و زہاد (قسیسین) کو بھی جمع کر لیا، پھر حضرت جعفر ؓ کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر ؓ نے سورۂ مریم پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ ؑ کی اعجازی ولادت اور ان کی عبدیت و رسالت کا ذکر ہے جسے سن کر وہ بڑے متاثر ہوئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے کچھ علماء نبی ﷺ کے پاس بھیجے تھے، جب آپ نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایمان لے آئے۔ (فتح القدیر) آیات میں قرآن کریم سن کر ان پر جو اثر ہوا اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ ہے، قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر بھی اس قسم کے عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران 3:199) ''یقیناً اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں۔'' وغیرها من الآیات. اور حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ حبشے میں تمھارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی نماز پڑھو! چنانچہ ایک صحرا میں آپ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 1320، وصحيح مسلم، حديث: 952) ایک اور حدیث میں ایسے اہل کتاب کی بابت جو نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے، بتلایا گیا ہے کہ انھیں دوگنا اجر ملے گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 97) [2] حدیث میں آتا ہے، ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي للألباني: 232/3، حديث: 3054) اسی طرح سبب نزول کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ زہد و عبادت کی غرض سے بعض حلال چیزوں سے (مثلاً: عورت سے نکاح کرنے، رات کے وقت سونے، دن کے وقت کھانے پینے سے) اجتناب کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں منع فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون ؓ نے بھی اپنی بیوی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، ان کی بیوی کی شکایت پر آپ نے انھیں بھی اس کنارہ کشی سے روکا۔ (سنن أبي داود، حديث: 1369، و مسند أحمد: 268/6) بہرحال

Marfat.com

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا

گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا⑻⑺ اور اللہ نے تمھیں جو حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اس

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ﴿88﴾ اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں[1] چنانچہ اس

الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ

کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو[2] یا

مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ

انھیں کپڑے پہنانا ہے[3] یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے[4] پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا

اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے[5] یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ)

حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿89﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ

تاکہ تم شکر کرو ﴿89﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال

وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، پس تم ان سے بچو، تاکہ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿90﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

تم فلاح پاؤ ﴿90﴾[6] بے شک شیطان چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوئے کے

اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو حرام کر کے اس سے پرہیز کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اس کا تعلق ماکولات ومشروبات سے ہو یا لباس سے ہو یا مرغوبات وجائز خواہشات سے۔ مسئلہ: اس طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا تو وہ حرام نہیں ہو گی، سوائے بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کے، البتہ اس صورت میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور بعض کے نزدیک کفارہ ضروری نہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو بھی کفارۂ یمین ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتوائے ابن عباس ودیگر آثار سے، نیز اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کے قسم کا کفارہ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام کر لینا، یہ قسم کھانے کے مرتبے میں ہے جو کفارہ ادا کرنے کا متقاضی ہے لیکن یہ استدلال احادیث صحیحہ کی موجودگی میں محل نظر ہے۔
فالصحيح ما قاله الشوكاني.

[1] قسم، جس کو عربی میں حلف یا یمین کہتے ہیں جن کی جمع اَحْلاف اور اَیْمان ہے، تین قسم کی ہیں۔ ① لغو ② غموس ③ معقدہ۔ لغو: وہ قسم ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ غموس: وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکا اور فریب دینے کے لیے کھائے۔ یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر الکبائر میں سے ہے، شرعاً اس کے لیے کفارہ نہیں۔ معقدہ: وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لیے ارادتاً اور نیتاً کھائے، ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ [2] اس کھانے کی مقدار میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، اس لیے اختلاف ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے والے کے کفارہ کا ذکر ہے، ایک مد (تقریباً 10 چھٹانک) فی مسکین خوراک قرار دی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کفارۂ جماع ادا کرنے کے لیے 15 صاع کھجوریں دی تھیں جنھیں ساٹھ مسکینوں پر تقسیم کرنا تھا۔ ایک صاع میں 4 مد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بغیر سالن کے دس مسکینوں کے لیے دس مد (چھ سیر یا چھ کلو) خوراک کفارہ ہوگی۔ (ابن کثیر) [3] لباس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بظاہر مراد جوڑا ہے جو نماز کے لیے ضروری ہے۔ بعض علماء خوراک اور لباس دونوں کے لیے عرف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ (ابن کثیر) [4] بعض علماء قتل خطا کی دیت پر قیاس کرتے ہوئے لونڈی، غلام کے لیے ایمان کی شرط عائد کرتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت میں عموم ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔ [5] یعنی جس کو مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ روزے اس کی قسم کا کفارہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء پے در پے روزے رکھنے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں طرح جائز ہیں۔ [6] یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے۔ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ، جوا، پرستش گاہوں یا تھانوں اور فال کے تیروں کو رِجْس

Marfat.com

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
ذریعے سے دشمنی اور بغض ڈال دے، اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے،[1]
وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿91﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟ ﴿91﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول
الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا
کی اطاعت کرو، اور احتیاط کرو، پس اگر تم حق سے پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿92﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
صرف کھول کر پہنچا دینا لازم ہے ﴿92﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے، انھوں نے جو
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
کچھ (پہلے) کھایا، اس پر انھیں کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیز گاری اختیار کریں اور ایمان پر قائم
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ
رہیں اور نیک عمل کریں، پھر وہ پرہیز گار ہی رہیں اور ایمان پر جمے رہیں، پھر وہ پرہیز گاری ہی
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿93﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ (ع 12/7/2)
اپنائیں اور نیکی کریں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿93﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ ضرور[2]
بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ
تمھیں کچھ اس چیز کے شکار کے ذریعے سے آزمائے گا[3] جس تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں،[4]
يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے گزر گیا، اس کے لیے
اَلِيْمٌ ﴿94﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ
دردناک عذاب ہے ﴿94﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو،[5] اور تم

(پلید) اور شیطانی کام قرار دے کر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں شراب اور جوا کے مزید نقصانات بیان کر کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ جس سے مقصود اہل ایمان کی آزمائش ہے، چنانچہ جو اہل ایمان تھے، وہ تو منشائے الٰہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہو گئے۔ اور کہا: «اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا» ''اے ہمارے رب! ہم باز آگئے۔'' (مسند أحمد: 351/2) لیکن آج کل کے بعض ''دانشور'' کہتے ہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کہاں قرار دیا ہے؟

ع...... بریں عقل و دانش بباید گریست

یعنی شراب کو رِجس (پلیدی) اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم دینا، نیز اس اجتناب کو باعث فلاح قرار دینا، ان ''مجتہدین'' کے نزدیک حرمت کے لیے کافی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک پلید کام بھی جائز ہے، شیطانی کام بھی جائز ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجتناب کا حکم دے، وہ بھی جائز ہے اور جس کی بابت کہے کہ اس کا ارتکاب عدم فلاح اور اس کا ترک فلاح کا باعث ہے، وہ بھی جائز ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کیا خوب ''اجتہاد'' اور ''فہم قرآن'' ہے؟

[1] یہ شراب اور جوا کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں جو محتاج وضاحت نہیں ہیں۔ اسی لیے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پشتنی جاگیرداروں کو مفلس و قلاش بنا دیتی ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا. [2] حرمت شراب کے بعد بعض صحابہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے کئی ساتھی جنگوں میں شہید یا ویسے ہی فوت ہو گئے جبکہ وہ شراب پیتے رہے ہیں تو اس آیت میں اس شبہے کا ازالہ کر دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان و تقویٰ ہی پر ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔ [3] شکار عربوں کی معاش کا ایک اہم عنصر تھا، اس لیے حالت احرام میں اس کی ممانعت کر کے ان کا امتحان لیا گیا۔ خاص طور پر حدیبیہ میں قیام کے دوران کثرت سے شکار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریب آتے لیکن انھی ایام میں ان 4 آیات کا نزول ہوا جن میں اس سے متعلقہ احکام بیان فرمائے گئے۔ [4] قریب کا شکار یا چھوٹے جانور عام طور پر ہاتھ ہی سے پکڑ لیے جاتے ہیں اور دور کے یا بڑے جانوروں کے لیے تیر اور نیزے استعمال ہوتے تھے، اس لیے صرف ان دونوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ جس طرح بھی اور جس چیز سے بھی شکار کیا جائے، احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ [5] امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سے مراد صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں، یعنی جو کھانے کے کام آتے ہیں۔ دوسرے بری جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں، ماکول اور غیر ماکول دونوں قسم کے جانور اس میں شامل ہیں، البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا استثنا احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1198، والموطأ للإمام مالك: 328/1) حضرت نافع سے سانپ کے

Marfat.com

حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا
میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے[1] تو جو جانور اس نے مارا ہو اسے اس کے
قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا
برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا[2] جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے[3]
بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ
یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا[4] یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر
صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ
روزے رکھنا ہے[5] تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کیا، اور جو
عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾ اُحِلَّ
کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے ﴿95﴾ تمھارے
لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ
لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے[6] یہ تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
ہے۔ اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔ اور تم اللہ
الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿96﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ
سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿96﴾ اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے
الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ
قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے اور (حرم والی) قربانی اور پٹوں والے جانوروں کو بھی[7]

بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اور امام احمد اور امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے بھیڑیے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عقور (کاٹنے والے کتے) میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

[1] ''جان بوجھ کر'' کے الفاظ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے، یعنی بھول کر قتل کر دے تو اس کے لیے فدیہ نہیں ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک بھول کر، یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ ﴿مُتَعَمِّدًا﴾ کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط نہیں ہے۔ [2] مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت، یعنی قد وقامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، مثلاً: اگر ہرن کو قتل کیا ہے تو اس کی مثل (مساوی) بکری ہے۔ نیل گائے کی مثل گائے ہے وغیرہ، البتہ جس جانور کا مثل نہ مل سکتا ہو، وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر مکہ پہنچا دی جائے گی۔ [3] کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مثلی ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین میں فی مسکین ایک مد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ احناف کے نزدیک فی مسکین دو مد ہیں۔ [4] یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت، کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے۔ (فتح القدیر) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ کی حدود میں رہنے والے مساکین پر ہوگی۔ [5] ﴿اَوْ﴾ (یا) تخییر کے لیے ہے، یعنی کفارہ، اطعام مساکین ہو یا اس کے برابر روزے، دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کمی بیشی ہوگی، روزوں میں بھی کمی بیشی ہوگی، مثلاً: محرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے، یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا اگر یہ نہ ملے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر اس نے بارہ سنگھا، سانبھر، یا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے، اگر یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس مسکینوں کو کھانا یا بیس دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ یا ایسا جانور (شتر مرغ یا گورخر وغیرہ) قتل کیا ہے جس کی مثل اونٹ ہے تو اس کی عدم دستیابی کی صورت میں 30 مساکین کو کھانا یا 30 دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ابن کثیر) [6] ﴿صَيْدُ﴾ سے مراد زندہ جانور مچھلی وغیرہ جو سمندر سے شکار کیا جائے اور ﴿طَعَامُهٗ﴾ سے مراد سمندر کا وہ مردہ جانور مچھلی وغیرہ جو سمندر میں رہتا ہو اور وہیں پر مر جائے اور پھر اسے سمندر یا دریا باہر پھینک دے یا پانی کے اوپر آ جائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ سمندر کا مردار حلال ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر اور نیل الأوطار: 165/8 وغیرہ) [7] کعبہ کو بیت الحرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا، درخت کاٹنا وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح اس میں اگر باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے قیام کا ذریعہ'' قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کا نظم وانصرام بھی صحیح ہے اور یہ ان کی معاشی ضروریات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح

Marfat.com

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
(حرمت دی ہے)، یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو
الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿97﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (97) جان لو! بے شک اللہ سخت
شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ
سزا دینے والا ہے، اور بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (98) رسول کے ذمے (اللہ
اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾ قُلْ
کا پیغام) پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں، اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو (99) (اے
لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ
نبی!) کہہ دیجیے: پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو حیرانی میں
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿100﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
ڈال دے [1] پس اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ (100) اے لوگو جو ایمان لائے ہو!
اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ
ایسی باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں بری لگیں، اور اگر تم ان
تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ
کے متعلق سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی [2] اللہ نے (تمھاری) اس
عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿101﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
حرکت کو معاف کردیا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت حوصلے والا ہے (101) ان کے بارے میں تم سے
ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿102﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا
پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا تھا، پھر ان (باتوں) کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے (102) [3] اللہ نے نہیں بنایا
سَاۗىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ
کسی کو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام [4] اور لیکن یہ کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور

ع 13 / 7 / 3

حرمت والے مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) اور حرم میں جانے والے جانور ﴿الْهَدْيَ﴾ اور ﴿الْقَلَاۗىِٕدَ﴾ بھی ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ہیں کہ ان تمام چیزوں سے بھی اہل مکہ کو مذکورہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔

[1] ﴿الْخَبِيْثُ﴾ (ناپاک) سے مراد حرام، یا کافر یا گناہ گار یا ردی۔ ﴿الطَّيِّبُ﴾ (پاک) سے مراد حلال، یا مومن یا فرماں بردار اور عمدہ چیز ہے یا یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث (ناپاکی) ہوگی، وہ کفر ہو، فسق و فجور ہو، اشیاء و اقوال ہوں، کثرت کے باوجود وہ ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جن میں پاکیزگی ہو۔ یہ دونوں کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ خبث کی وجہ سے اس چیز کی منفعت اور برکت ختم ہو جاتی ہے جبکہ جس چیز میں پاکیزگی ہوگی، اس سے اس کی منفعت اور برکت میں اضافہ ہوگا۔ [2] یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت تھی۔ خود نبی ﷺ بھی صحابہ کو زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: ”مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کر دی گئی، درآں حالیکہ اس سے قبل وہ حلال تھی۔“ (صحيح البخاري، حديث: 7289، وصحيح مسلم، حديث: 2358.

[3] کہیں اس کوتاہی کے مرتکب تم بھی نہ ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔“ ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمھاری استطاعت میں نہ ہوتا۔“ (صحيح مسلم، حديث: 1337، ومسند أحمد: 255/1، وسنن أبي داود، حديث: 1721، و سنن النسائي، حديث: 2620، و سنن ابن ماجه، حديث: 2885) اسی لیے بعض مفسرین نے عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے معاف کر دیا ہے، پس تم بھی ان کی بابت خاموش رہو، جس طرح وہ خاموش رہا۔ (ابن کثیر) ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس مفہوم کو بایں الفاظ بیان فرمایا: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ» (صحيح مسلم، حديث: 1337) ”تمھیں جن چیزوں کی بابت نہیں بتایا گیا، تم مجھ سے ان کی بابت سوال مت کرو، اس لیے کہ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف بھی تھا۔“ [4] یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب سے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر اس طرح نقل کی گئی ہے:

Marfat.com

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿103﴾ وَاِذَا قِيْلَ
ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ﴿103﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم آؤ اس چیز کی طرف
لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا
جو اللہ نے نازل کی ہے اور (آؤ) رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں: ہمیں وہ کافی ہے جس پر
حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ وہ ہدایت
يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿104﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ
یافتہ ہی ہوں (تو بھی وہ انھی کی پیروی کریں گے)؟ ﴿104﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی
اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ
جانوں کی فکر لازم ہے، جو شخص گمراہ ہو، وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو[1] تم
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾ يٰٓاَيُّهَا
سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو ﴿105﴾ اے لوگو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
جو ایمان لائے ہو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمھارے درمیان گواہی ہونی چاہیے اور
حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ
وصیت کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے[2] دو انصاف والے گواہ ہوں یا اگر تم زمین میں سفر پر نکلے

'' بَحِيْرَةٍ وہ جانور جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لیے ہے، چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ سَآئِبَةٍ وہ جانور جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اسے نہ سواری کے لیے استعمال کرتے اور نہ بار برداری کے لیے۔ وَصِيْلَةٍ وہ اونٹنی جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی) ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے اور حَامٍ وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے (اور نسل کافی بڑھ جاتی) تو اس سے بھی بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے اور بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اسے وہ حامی کہتے۔'' اسی روایت میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اسے جہنم میں انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4623) آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشروع نہیں کیا ہے کیونکہ اس نے تو نذر و نیاز صرف اپنے لیے خاص رکھی ہے۔ بتوں کے لیے یہ نذر و نیاز کے طریقے مشرکوں نے ایجاد کیے ہیں اور بتوں اور معبودان باطلہ کے نام پر جانور چھوڑنے اور نذر و نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکوں میں بلکہ بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی قائم و جاری ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[1] بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کر لی جائے تو کافی ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے۔ اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جبکہ قرآن نے اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ''جب تم خود ہدایت پر چل رہے ہو۔'' کی شرط عائد کی ہے، اسی لیے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جب لوگ برائی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔'' (مسند أحمد: 5/1، وجامع الترمذي، حديث: 2168، و سنن أبي داود، حديث: 4338) اس لیے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمھارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمھارے لیے یہ نقصان دہ نہیں ہے جبکہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو، البتہ ایک صورت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ترک جائز ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اس صورت میں «فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» کے تحت اس کی گنجائش ہے۔ آیت بھی اس صورت کی متحمل ہے۔ [2] ''اپنے میں سے۔'' کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ مُوصِي (وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں۔ اسی طرح اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ میں دو مفہوم ہوں گے، یعنی مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد یا غیر مسلم (اہل کتاب) ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

Marfat.com

غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ
ہو اور (راستے میں) موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر قوم کے دو گواہ بھی کافی ہوں گے،[1] پھر اگر
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ
تمھیں کوئی شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو، تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ
کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی قیمت نہیں لے رہے[2] اور کوئی ہمارا رشتے دار بھی ہو (تو ہم اس کی
كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ
رعایت کرنے والے نہیں) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے، اگر ہم ایسا کریں تو ہم گناہ گاروں میں
الْاٰثِمِيْنَ ﴿106﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ
شمار ہوں گے ﴿106﴾ پھر اگر پتا چل جائے کہ بے شک ان دونوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے[3] پھر ان دونوں
يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ؕ
کی جگہ دو قریبی رشتے دار (بطور) گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں، جو (میت کے ترکے کے) حقدار
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا
ہیں،[4] تو وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان (پہلے) دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، اور ہم
اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى
نے کوئی زیادتی نہیں کی، اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے ﴿107﴾ یہ (اسلوب) قریب تر ہے
اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ
کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے، یا (کم از کم اس بات ہی کا) خوف کریں گے کہ کہیں ان (ورثاء) کی
اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
قسموں کے بعد ان کی قسمیں رد نہ کردی جائیں،[5] اور تم اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ نافرمانی کرنے
ع 14 8 4 الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ
والوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿108﴾ اس دن (کو یاد کرو) جب اللہ رسولوں کو جمع کرے گا، پھر (ان سے) کہے

[1] یعنی سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جس سے زندہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت کرنا چاہے، کر دے۔ [2] یعنی مرنے والے (موصی) کے ورثاء کو شک پڑ جائے کہ ان اوصیاء نے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو وہ نماز کے بعد، یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں، یعنی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے ہیں۔ [3] یعنی جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔ [4] ﴿الْاَوْلَيٰنِ﴾ اَوْلٰی کا تثنیہ ہے، مراد ہے میت، یعنی (وصیت کرنے والے) کے قریب ترین دو رشتے دار۔ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ﴾ کا مطلب یہ ہے: جن کے مقابلے پر گناہ کا ارتکاب ہوا تھا، یعنی جھوٹی قسم کا ارتکاب کر کے ان کو ملنے والا مال ہڑپ کر لیا تھا۔ ﴿الْاَوْلَيٰنِ﴾ یہ یا تو هُمَا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا يَقُوْمَانِ یا آخَرَانِ کی ضمیر سے بدل ہے، یعنی یہ دو قریبی رشتے دار، ان کی جھوٹی قسموں کے مقابلے میں اپنی قسم دیں گے۔ [5] یہ اس فائدے کا ذکر ہے جو اس حکم میں پنہاں ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، وہ یہ کہ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اوصیاء صحیح صحیح گواہی دیں گے کیونکہ انھیں خطرہ ہوگا کہ اگر ہم نے خیانت یا دروغ گوئی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا تو یہ کارروائیاں خود ہم پر الٹ سکتی ہیں۔ اس کی شان نزول میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ بنو سہم کا ایک آدمی، تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں گیا۔ وہاں سہمی کا انتقال ہو گیا اور یہ علاقہ ایسا تھا کہ وہاں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا، (جبکہ اس کے دونوں ساتھی عیسائی تھے) پس یہ دونوں ساتھی اس کا چھوڑا ہوا مال لے کر اس کے ورثاء کے پاس آئے اور سارا سامان ان کے سپرد کر دیا لیکن اس سامان میں چاندی کا ایک پیالہ موجود نہیں تھا جس میں سونے کے باریک نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے حلف لیا، (انھوں نے جھوٹا حلف اٹھا لیا) پھر وہ پیالہ اس کے ورثاء نے مکے میں پا لیا، استفسار پر ان لوگوں نے بتلایا کہ یہ پیالہ انھوں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے، چنانچہ سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے حلف اٹھایا کہ وہ پیالہ ان (مرنے والے) کے رشتے دار کا ہے اور انھوں نے کہا کہ ان کی گواہی، ان (غیر مسلموں) کی گواہی سے زیادہ حق دار ہے، پس انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 2780) سہمی کا نام بدیل بن ابی مریم تھا رضی اللہ عنہ۔ یہ تجارت کے لیے مذکورہ دو عیسائیوں کے ساتھ شام کے علاقے میں گئے تھے، جہاں اس وقت کوئی مسلمان نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے وہاں مرتے وقت اپنا سامان ورثاء تک پہنچانے کی ان دونوں کو وصیت کر دی لیکن انھوں نے خیانت سے کام لیا اور ایک پیالہ بیچ کر رقم دونوں نے مل کر کھا لی۔ (مزید دیکھیے جامع الترمذي، حديث: 3059)

Marfat.com

مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

گا کہ تمھیں کیا جواب دیا گیا تھا تو وہ کہیں گے: ہمیں کوئی علم نہیں، [1] بے شک تو ہی غیب کی باتوں کو

الْغُيُوْبِ ﴿109﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

جاننے والا ہے ﴿109﴾ جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تو خود پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

کر، جب میں نے تجھے روح القدس [2] (جبریل) کے ساتھ قوت دی، تو (ماں کی) گود میں اور

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ

پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا، [3] اور جب میں نے تجھے کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ

کی تعلیم دی، [4] اور جب تو میرے حکم سے گارے سے پرندے کی سی مورت بناتا تھا، پھر تو اس

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ ۚ

میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور تو پیدائشی اندھے کو اور پھلبہری

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا، اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے (زندہ) نکالتا

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ

تھا، [5] اور جب میں نے تجھے بنی اسرائیل سے بچایا جب تو ان کے پاس واضح نشانیوں کے

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

ساتھ آیا تھا، [6] تب ان لوگوں میں سے جنھوں نے کفر کیا، انھوں نے کہا تھا: یہ تو کھلے جادو کے

مُّبِيْنٌ ﴿110﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ

سوا کچھ نہیں ﴿110﴾ [7] اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تب

[1] انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا یا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انھیں ہوگا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو محشر کی ہولناکیوں اور اللہ جل جلالہ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے کریں گے یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہوگا، علاوہ ازیں باطنی امور کا علم تو کلیتاً صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسی لیے وہ کہیں گے: علام الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء ورسل عالم الغیب نہیں ہوتے، عالم الغیب صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کو جتنا کچھ بھی علم ہوتا ہے، اولاً تو اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ثانیاً، ان سے بھی ان کو بذریعہ وحی ہی آگاہ کیا جاتا ہے، حالانکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ذاتی طور پر ہو، نہ کہ کسی کے بتلانے پر اور جس کو بتلانے پر کسی چیز کا علم حاصل ہوا سے عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ [2] اس سے مراد حضرت جبریل ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: 87 میں گزرا۔ [3] گود میں اس وقت کلام کیا، جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس نومولود (بچے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انھوں نے اس بچے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی کے عالم میں کلام کیا اور بڑی عمر میں کلام سے مراد، نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت وتبلیغ ہے یا آسمان سے اترنے کے بعد سن کہولت میں لوگوں سے کلام کرنا مراد ہے۔ [4] اس کی وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت: 48 میں گزر چکی ہے۔ [5] ان معجزات کا ذکر بھی مذکورہ سورت کی آیت: 49 میں گزر چکا ہے۔ [6] یہ اشارہ ہے اس سازش کی طرف جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی دینے کے لیے تیار کی تھی جس سے اللہ نے بچا کر انھیں آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ آل عمران، آیت: 54۔ [7] ہر نبی کے مخالفین، آیات الٰہی اور معجزات دیکھ کر انھیں جادو ہی قرار دیتے رہے ہیں، حالانکہ جادو تو شعبدہ بازی کا ایک فن ہے جس سے انبیاء علیہم السلام کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات قادر مطلق، اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت وطاقت کا مظہر ہوتے تھے کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے اور اس کی مشیت وقدرت سے ہوتے تھے۔ کسی نبی کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کوئی معجزہ صادر کر کے دکھا دیتا، اسی لیے یہاں بھی دیکھ لیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر معجزے کے ساتھ اللہ نے چار مرتبہ یہ فرمایا: ﴿بِاِذْنِيْ﴾ ''ہر معجزہ میرے حکم سے ہوا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین مکہ نے مختلف معجزات کے دکھانے کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 91-93 میں ذکر کی گئی ہے تو اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا: ﴿سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ ''میرا رب پاک ہے (وہ تو اس کمزوری سے پاک ہے کہ وہ یہ چیزیں نہ دکھا سکے، وہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی ہے یا نہیں؟ یا کب مقتضی ہوگی؟ اس کا علم اسی کو ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے) لیکن میں تو صرف بشر اور رسول ہوں۔'' یعنی میرے اندر یہ معجزات دکھانے کی اپنے طور پر طاقت نہیں ہے۔ بہر حال انبیاء کے معجزات کا

Marfat.com

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿111﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ
انھوں نے کہا: ہم ایمان لائے ہیں[1] اور تو گواہ رہ کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں (111) (اور) جب
يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ
حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب یہ طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ
آسمان سے ایک دستر خوان نازل کردے؟[2] انھوں نے جواب دیا: تم اللہ سے ڈرو
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
اگر تم مومن ہو (112)[3] وہ بولے: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو تسلی
قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ
ہوجائے، اور ہم یہ جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے
الشّٰهِدِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا
ہوجائیں (113) عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دستر خوان نازل فرما کہ
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً
وہ ہمارے پہلوں اور ہمارے بعد والوں کے لیے عید (خوشی کا موقع) بن جائے[4] اور وہ تیری طرف
مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿114﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ
سے خاص نشانی ہو، اور تو ہمیں رزق دے، اور تو بہترین رزق دینے والا ہے (114) اللہ نے فرمایا: بیشک
مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا
میں وہ دستر خوان تم پر نازل کروں گا، پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو میں یقینا

جادو سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جادوگر اس کا توڑ مہیا کر لیتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہے کہ ملک بھر کے جمع شدہ بڑے بڑے جادوگر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا توڑ نہ کر سکے اور جب ان کو معجزہ اور جادو کا فرق واضح طور پر معلوم ہو گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

[1] اَلْحَوَارِيِّيْنَ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مدد گار بنے، ان کی تعداد 12 بیان کی جاتی ہے۔ وحی سے مراد یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی بلکہ یہ وحی الہام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں القا کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام کو اسی قسم کا الہام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے وحی کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام نبیہ تھیں، اس لیے کہ ان پر بھی اللہ کی طرف سے وحی آئی تھی، صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وحی، وحیٔ الہام ہی تھی، جیسے یہاں ﴿ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ ﴾ میں یہ وحیٔ رسالت نہیں بلکہ وحیٔ الہام ہے۔ [2] ﴿ مَآئِدَةً ﴾ ایسے برتن (سینی، پلیٹ یا ٹرے وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کھانا ہو، اسی لیے دستر خوان بھی اس کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی کھانا چنا ہوتا ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے۔ حَوَارِيِّيْن نے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ مطالبہ کیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مشاہدے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ [3] یعنی یہ سوال مت کرو، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش کا سبب بن جائے کیونکہ حسب طلب معجزہ دکھائے جانے کے بعد اس قوم کی طرف سے ایمان نہ لانا عذاب کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں اس مطالبے سے روکا اور انھیں اللہ سے ڈرایا۔ [4] اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قومی تہوار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے، چراغاں کیا جائے اور جشن منایا جائے جیسا کہ آج کل اس کا یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق تہوار منائے جاتے ہیں بلکہ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے جس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر و تحمید کے زمزمے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنانے کی جس خواہش کا اظہار کیا ہے، اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف و تمجید اور تکبیر و تحمید کریں۔ بعض اہل بدعت اس ''عید مائدہ'' سے ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرتے ہیں، حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے جسے اگر اسلام نے برقرار رکھنا ہوتا تو وضاحت کر دی جاتی۔ دوسرے، یہ پیغمبر کی زبان سے ''عید'' بنانے کی خواہش کا اظہار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ تیسرے، عید کا مفہوم و مطلب بھی وہ ہوتا ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا ہے جبکہ ''عید میلاد'' میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے، لہٰذا ''عید میلاد'' کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان

Marfat.com

لَآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿115﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب دنیا بھر میں کسی اور کو نہیں دوں گا ﴿115﴾ [1] اور جب اللہ کہے گا: اے

ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ [2] تو وہ کہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ

گے: تو پاک ہے، میرے لیے (جائز) نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ

مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا

بات کہی ہو تو یقیناً تو اسے جانتا ہے۔ تو اسے بھی جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے، اور میں اسے

فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿116﴾

نہیں جانتا، جو کچھ تیرے نفس میں ہے۔ [3] بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے ﴿116﴾

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ تم اللہ کی

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ

عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ [4] اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر

اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿117﴾ اِنْ

جب تو نے مجھے اٹھا لیا [5] تو تو ہی ان پر نگران تھا، اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿117﴾ اگر تو انھیں

کے علاوہ کوئی تیسری عید نہیں ہے۔

[1] یہ مائدہ (خوان طعام) آسمان سے اترا یا نہیں؟ اس کی بابت کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نہیں۔ جمہور علماء (امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری سمیت) اس کے نزول کے قائل ہیں اور ان کا استدلال قرآن کے الفاظ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ سے ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً سچا ہے لیکن اسے اللہ کی طرف سے یقینی وعدہ قرار دینا اس لیے صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ اگلے الفاظ فَمَنْ يَّكْفُرْ اس وعدے کے مشروط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں، اس لیے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط سن کر انھوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کے بعد اس کا نزول نہیں ہوا۔ امام ابن کثیر نے ان آثار کی اسانید کو جو امام مجاہد اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہیں، صحیح قرار دیا ہے جن میں نزول مائدہ کی نفی کی گئی ہے۔ نیز کہا ہے کہ ان آثار کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نزول مائدہ کی کوئی شہرت عیسائیوں میں ہے نہ ان کی کتابوں میں درج ہے، حالانکہ اگر یہ نازل ہوا ہوتا تو اسے ان کے ہاں مشہور بھی ہونا چاہیے تھا اور کتابوں میں بھی تواتر سے یا کم از کم آحاد سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. [2] یہ سوال قیامت والے دن ہوگا اور مقصد اس سے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالینے والوں کو زجر و توبیخ ہے کہ جن کو تم معبود اور حاجت روا سمجھتے تھے، وہ تو خود اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) بنایا ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اللہ کے سوا معبود) صرف وہی نہیں ہیں جنھیں مشرکین نے پتھر یا لکڑی کی مورتیوں کی شکل میں بنا کر ان کی پوجا کی، جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست علماء اپنے عوام کو یہ باور کرا کے مغالطہ دیتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے نیک بندے بھی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی، جیسے حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی عیسائیوں نے کی۔ [3] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے واضح الفاظ میں اپنی بابت علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں۔ [4] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید و عبادت رب کی یہ دعوت عالم شیر خوارگی میں بھی دی جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے اور عمر جوانی وکہولت میں بھی۔ [5] تَوَفَّيْتَنِيْ کا مطلب ہے: جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ آل عمران کی آیت: 55 میں گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیغمبروں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیا جاتا ہے یا جسے وہ اپنی زندگی میں حواس کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا جبکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جسے بغیر کسی کے بتلائے ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہوتا ہے۔ یہ صفت علم اللہ کے سوا کسی اور کے اندر نہیں، اس لیے عالم الغیب صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے، اس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ میدان حشر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ فرمائیں گے کہ ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے: «إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ» ''اے محمد! آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انھوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔'' جب آپ یہ سنیں گے تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا: «وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ

Marfat.com

تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ
عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿118﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ
غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿118﴾ [1] اللہ فرمائے گا: یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، [2]
صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے
اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿119﴾ لِلّٰهِ
راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿119﴾ آسمانوں اور زمین کی اور جو
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿120﴾ ع 16 / 5 / 6
کچھ ان کے درمیان ہے، اس کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿120﴾

آیاتہا: 165 | سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا: 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ
تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، [3]
وَالنُّوْرَ ڛ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿1﴾ هُوَ الَّذِيْ
پھر جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں ﴿1﴾ [4] وہی اللہ ہے جس
خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ
نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، [5] پھر اس نے (تمھارے لیے) ایک وقت مقرر کیا [6] اور اس کے ہاں (قیامت
اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿2﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ
کا) ایک مقرر وقت بھی ہے، [7] پھر بھی تم شک کرتے ہو ﴿2﴾ [8] اور وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں وہ
يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿3﴾ وَمَا
تمھاری چھپی اور ظاہر (سب) باتیں جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کماتے (یا کرتے) ہو ﴿3﴾ [9] اور

عَلَيْهِمْ (صحيح البخاري، حديث: 4625، وصحيح مسلم، حديث: 2860)

[1] یعنی مطلب یہ کہ یا اللہ! ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے، اس لیے کہ تو ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ہے، (جو چاہے کر سکتا ہے) اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ﴿لَا يُسْــَٔـلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْــَٔـلُوْنَ﴾ (الأنبياء 21:23) ''اللہ جو کچھ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔'' گویا آیت میں اللہ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی اور پھر ان دونوں باتوں کے حوالے سے عفو ومغفرت کی التجا بھی۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ نوافل میں اس آیت کو پڑھتے رہے، بار بار ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔ (مسند أحمد: 149/5)

[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں: «يَنْفَعُ الْمُوَحِّدِينَ تَوْحِيدُهُمْ» ''وہ دن ایسا ہوگا کہ صرف توحید ہی موحدین کو نفع پہنچائے گی۔'' یعنی مشرکین کی معافی اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ [3] ﴿الظُّلُمٰتِ﴾ سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے مقابلے میں ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت سے ہیں اور اس کی انواع بھی متعدد ہیں اور نور کا ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام انواع کو شامل ہے۔ (فتح القدیر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ ہدایت اور ایمان کا راستہ ایک ہی ہے، چار یا پانچ یا متعدد نہیں ہیں، اس لیے نور کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔ [4] یعنی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ [5] یعنی تمھارے باپ آدم کو جو تمھاری اصل ہیں اور جن سے تم سب نکلے ہو۔ اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو خوراک اور غذائیں کھاتے ہو، سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور انھی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم مادر میں جا کر تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تمھاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔ [6] یعنی موت کا وقت۔ [7] یعنی آخرت کا وقت، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ گویا پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے اور دوسری اجل مسمی سے مراد انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے جس کے بعد وہ زوال وفنا سے دوچار ہو جائے گی اور ایک دوسری دنیا، یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔ [8] یعنی قیامت کے وقوع میں جیسا کہ کفار ومشرکین کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کیا جا سکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، دوبارہ بھی وہی اللہ تمھیں زندہ کرے گا۔'' (یٰس 36:79) [9] اہل سنت، یعنی سلف کا

Marfat.com

تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
ان (لوگوں) کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آئی جس سے
مُعْرِضِيْنَ ﴿4﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ
انھوں نے منہ نہ موڑ لیا ہو ④ ان کے پاس جب حق آ گیا تو اسے بھی انھوں نے جھٹلا دیا، چنانچہ
اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿5﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ
جلد ہی انھیں اس چیز کا پتہ چل جائے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ⑤[1] کیا انھوں نے نہیں
قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جنھیں ہم نے زمین میں ایسی طاقت
وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ
دی تھی جو تمھیں نہیں دی اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارش نازل کی اور نہریں بنائیں جو ان
مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ
کے نیچے بہتی تھیں، پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں ہلاک کر دیا[2] اور ان کے بعد
قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿6﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ
دوسری قومیں پیدا کیں ⑥[3] اور (اے نبی!) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب آپ پر نازل
فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ
کرتے، پھر وہ اپنے ہاتھوں سے اسے چھوتے تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہتے کہ یہ تو
مُّبِيْنٌ ﴿7﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا
کھلا جادو ہے ⑦[4] اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم
مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿8﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی ⑧[5] اور اگر ہم اس

عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو عرش پر ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے لیکن اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے، یعنی اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں، البتہ بعض گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ اس آیت سے اپنے اس عقیدے کا اثبات کرتے ہیں لیکن یہ عقیدہ جس طرح غلط ہے، یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کی حکمرانی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کو معبود برحق سمجھا اور مانا جاتا ہے، وہ اللہ تمھارے پوشیدہ اور ظاہر اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو، سب کو جانتا ہے۔ (فتح القدیر) اس کی اور بھی بعض توجیہات کی گئی ہیں جنھیں اہل علم تفسیروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، مثلاً: تفسیر الطبري وابن کثیر وغیرہ۔ (مزید ملاحظہ ہو، سورۂ اعراف، آیت: 180 کا حاشیہ)

[1] یعنی اس اعراض اور تکذیب کا وبال انھیں پہنچے گا، اس وقت انھیں احساس ہوگا کہ کاش! ہم اس کتاب برحق کی تکذیب اور اس کا استہزا نہ کرتے۔ [2] یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، درآں حالیکہ وہ طاقت و قوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھیں اور خوش حالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھ کر تھیں تو تمھیں ہلاک کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بہت کامیاب و کامران ہے۔ یہ استدراج و امہال کی وہ صورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے لیکن جب یہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوشحالیاں انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔ [3] تاکہ انھیں بھی پچھلی قوموں کی طرح آزمائیں۔ [4] یہ ان کے عناد و جُحُود اور مکابرہ کا اظہار ہے کہ اتنے واضح نوشتۂ الٰہی کے باوجود وہ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور اسے ایک ساحرانہ کرتب قرار دیں گے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15,14:15) ''اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی کہیں گے: ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔'' ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ ﴾ (الطور 44:52) ''اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا ٹکڑا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے کہ تہ بہ تہ بادل ہیں۔'' یعنی عذاب الٰہی کی کوئی نہ کوئی ایسی توجیہ کر لیں گے کہ جس میں مشیت الٰہی کا کوئی دخل انھیں تسلیم کرنا نہ پڑے، حالانکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے۔ [5] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے، وہ انسانوں ہی میں سے تھے اور بالعموم ہر قوم میں اسی کے ایک فرد کو وحی و رسالت سے نواز دیا جاتا تھا، چنانچہ اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو انسانوں ہی میں سے چن کر رسول مبعوث فرمایا لیکن کفار مکہ

Marfat.com

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا

(نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے

يَلْبِسُوْنَ ﴿9﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں⑨[1] اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے رسولوں سے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

بھی مذاق کیا گیا تھا، پھر ان میں سے جن لوگوں نے مذاق کیا تھا، انھیں اس عذاب نے آگھیرا جس

ع 1 10 7 يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿10﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ

کا وہ مذاق اڑاتے تھے⑩ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم زمین میں گھومو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿11﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ

والوں کا انجام کیا ہوا؟⑪ ان سے پوچھیے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کے لیے

وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس نے (مخلوق پر) مہربانی کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا ہے[2] وہ

آپ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے لیے فرشتہ اتارا جائے یا خود فرشتے کو بطور رسول بھیجا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بات کے حوالے سے فرمایا کہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی سے معجزہ طلب کرے اور وہ ان کو دکھا دیا جائے لیکن اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ دوسری بات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم ان کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو وہ ان کے پاس بصورت مرد، یعنی انسان ہی کی شکل میں آتا کیونکہ اصلی شکل میں یہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے اور جب وہ آدمی کی شکل میں آتا تو پھر یہی شبہ پیش کرتے جواب پیش کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں ہی کو نبی اور رسول بنایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران 164:3) ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ انھی کی جانوں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا۔'' لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لیے حیرت واستعجاب کا باعث رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں، فرشتوں میں سے ہونا چاہیے گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں۔ فَتَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ''ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے ہیں۔'' اہل کفر وشرک، رسولوں کی بشریت کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ان کے خاندان، حسب ونسب ہر چیز سے واقف ہوتے تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کر دیتے جبکہ آج کل کے اہل بدعت رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، بہرحال اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ اگر ہم کافروں کے مطالبے پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے یا اس رسول کی تصدیق کے لیے ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے (جیسا کہ یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے) اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو انھیں مہلت دیے بغیر ہلاک کر دیا جاتا۔

[1] یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ اگر اصل فرشتے کی شکل میں آتا تو انسان اسے نہ دیکھ پاتے یا انسان اس سے خوف زدہ ہو جاتے اور قریب ومانوس ہونے کی بجائے دور بھاگتے، اس لیے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا لیکن یہ تمھارے لیڈر پھر یہی اعتراض اور شبہ پیش کرتے کہ یہ تو انسان ہی ہے جو اس وقت بھی وہ رسول کی بشریت کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تو پھر فرشتے کے بھیجنے کا بھی کیا فائدہ؟ [2] جس طرح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش پر یہ لکھ دیا: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي «(صحيح البخاري، حديث: 7404، و صحيح مسلم، حديث: 2751) ''یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔'' لیکن یہ رحمت قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی، کافروں کے لیے رب سخت غضب ناک ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کی رحمت یقیناً عام ہے جس سے مومن اور کافر، نیک اور بد، فرماں بردار اور نافرمان سب ہی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بھی روزی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بند نہیں کرتا لیکن اس کی رحمت کا یہ عموم صرف دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت میں جو کہ دار الجزا ہے، وہاں اللہ کی صفت عدل کا کامل ظہور ہوگا جس کے نتیجے میں اہل ایمان دامان رحمت میں جگہ پائیں گے اور اہل کفر وفسق جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق ٹھہریں گے، اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الأعراف 156:7) ''اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

Marfat.com

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

قیامت کے دن تمھیں ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑫ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ

خسارے میں ڈالا ہے، تو وہ ایمان نہیں لاتے ⑫ رات (کے اندھیرے) اور دن (کے اجالے) میں جو

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑬ قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا

کچھ ٹھہرا ہوا ہے، وہ اللہ ہی کا ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور خوب جانتا ہے ⑬ (اے نبی!) کہہ دیجیے:

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ

کیا میں اس اللہ کے سوا اور معبود بنا لوں؟[1] جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اور وہ (سب کو)

إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ ۖ وَلَا

کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا،[1] کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں وہ پہلا شخص ہو

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ⑭ قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ

جاؤں جو اسلام لایا اور آپ ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں ⑭ کہہ دیجیے: بے شک اگر میں نے

رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑮ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ

اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ⑮[2] اس دن جس شخص

فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ⑯ وَإِنْ يَمْسَسْكَ

سے عذاب ہٹا لیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ نے رحم کر دیا اور یہی ہے واضح کامیابی ⑯[3] اور اگر اللہ آپ کو کوئی

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے، تو

فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ

وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑰[4] اور وہ اپنے بندوں پر زور آور اور غالب ہے[5] اور وہ خوب حکمت

الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ⑱ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهٰدَةً ۖ قُلِ

والا، نہایت باخبر ہے ⑱ (اے نبی! ان سے) کہیے: گواہی کے طور پر کون سی چیز سب سے بڑھ کر

اللّٰهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے[6] اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ

لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ

اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے (سب) کو ڈراؤں[7]۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے

مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُلْ لَآ أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا

ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ کہہ دیجیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا۔ (اور یہ بھی) کہہ دیجیے:

---

[1] ولی سے مراد یہاں معبود و کارساز ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے ورنہ عام دوست بنانا تو جائز ہے۔ [2] یعنی اگر میں نے بھی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے، اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنا لیا تو میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا۔ [3] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران 185:3) ''جو آگ سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔'' اس لیے کہ کامیابی، خسارے سے بچ جانے اور نفع حاصل کر لینے کا نام ہے۔ اور جنت سے بڑھ کر نفع کیا ہوگا؟ [4] یعنی نفع وضرر کا مالک، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے حکم وقضا کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: [illegible] (صحيح البخاري، حديث: 7292، و صحيح مسلم، حديث: 593) ''جو چیز تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی۔'' نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا: [illegible] سمیت پڑھا کرتے تھے۔ [5] یعنی تمام گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اس کی مطیع ہے، وہ اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، پس اسے معلوم ہے کہ اس کے احسان وعطا کا کون مستحق ہے اور کون غیر مستحق۔ [6] یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا سب سے بڑا گواہ ہے، اس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں۔ [7] ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اب جس کے پاس بھی یہ قرآن پہنچ جائے اگر وہ سچا متبع رسول ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف اسی طرح بلائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور اسی طرح ڈرائے جس طرح آپ نے لوگوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿19﴾ اَلَّذِيْنَ

کہ صرف وہی ایک معبود ہے، اور بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک ٹھہراتے ہو (19) جن

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِيْنَ

لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، تو وہ ایمان نہیں لاتے (20) [1] اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے؟ [2] بے شک ظالم فلاح نہیں

الظّٰلِمُوْنَ ﴿21﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

پائیں گے (21) [3] اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جو لوگ (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے تھے،

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾

ان سے ہم کہیں گے: تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جنھیں تم (اللہ کے ساتھ شریک) خیال کرتے تھے؟ (22)

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا

پھر اس (جواب طلبی) پر ان کی معذرت یہی ہوگی کہ وہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم مشرک

مُشْرِكِيْنَ ﴿23﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ

نہیں تھے (23) [4] دیکھیں وہ اپنے آپ پر کیسا جھوٹ گھڑیں گے اور جنھیں وہ جھوٹے معبود بنا لیتے تھے سب

[1] ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ ﴾ میں ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منتظر بھی تھے، اس لیے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ لَاتَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

”اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے۔“

[2] یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑنے والا (نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے، اسی طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے سچے رسول کی تکذیب کرے۔ جھوٹے دعوائے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کیے ہیں اور یوں یقیناً نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی کہ 30 جھوٹے دجال ہونگے، ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ گذشتہ صدی میں بھی قادیان کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اسے اس لیے سچا نبی اور بعض مسیح موعود مانتے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے، حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا، اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لیے تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔ اور اس میدان میں یہ ہمیشہ کے لیے ناکام رہیں گے، اس لیے کہ قرآن وسنت کے واضح دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین والرسل ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا کوئی رسول نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ یہ حقیقت ریکارڈ پر موجود ہے کہ مرزائیوں کے خلیفہ مرزا ناصر احمد قادیانی کو اپنا موقف واضح کرنے اور دلائل دینے کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا مگر وہ بری طرح ناکام رہا اور باطل کا مقدر ہی ناکام ہونا ہے۔ [3] جب یہ دونوں ہی ظالم ہیں تو نہ مُفْتَرِی (جھوٹ گھڑنے والا) کامیاب ہوگا اور نہ مُكَذِّب (جھٹلانے والا) اس لیے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے انجام پر اچھی طرح غور کرلے۔ [4] فِتْنَة کے ایک معنی حجت اور ایک معنی معذرت کے کیے گئے ہیں۔ بالآخر یہ حجت یا معذرت پیش کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔ اور امام ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں: «ثُمَّ لَمْ يَكُنْ قِيلُهُمْ عِنْدَ فِتْنَتِنَا إِيَّاهُمْ اعْتِذَارًا مِمَّا سَلَفَ مِنْهُمْ مِنَ الشِّرْكِ بِاللّٰهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا۔۔۔» ......الخ. ”جب ہم انھیں سوال کی بھٹی میں جھونکیں گے تو دنیا میں انھوں نے جو شرک کیا، اس کی معذرت کے لیے یہ کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہیں ہوگا کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔“ یہاں یہ اشکال پیش نہ آئے کہ وہاں تو انسانوں کے ہاتھ پیر گواہی دیں گے اور زبانوں پر تو مہریں لگا دی جائیں گی، پھر یہ انکار کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ دیا ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو یہ باہم مشورہ کر کے اپنے شرک کرنے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا اس کی گواہی دیں گے اور پھر یہ اللہ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ (ابن کثیر) یعنی مشرکین پہلے پہل اپنے شرک کا انکار کریں گے، پھر ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

Marfat.com

عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿24﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ ۚ

(وہاں) گم ہو جائیں گے ﴿24﴾ [1] اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں [2] جبکہ ہم

وَجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ

نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (بہرہ

وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا

پن) ہے [3] اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ جب وہ آپ

جَآءُوۡكَ يُجَادِلُوۡنَكَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ

کے پاس آتے ہیں (اور) آپ سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ

اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿25﴾ وَهُمۡ يَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَيَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ ۚ

تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿25﴾ [4] اور وہ دوسروں کو اس (ہدایت) سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور

وَاِنۡ يُّهۡلِكُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿26﴾ وَلَوۡ تَرٰٓى

رہتے ہیں [5] اور وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے ﴿26﴾ [6] اور اگر آپ انھیں اس

اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ فَقَالُوۡا يٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا

وقت دیکھیں جب وہ آتش پر کھڑے کیے جائیں گے [7] تو وہ کہیں گے: کاش! ایک بار ہمیں دنیا میں واپس

نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿27﴾ بَلۡ

بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کو ہرگز نہ جھٹلائیں گے، اور ہم مومنوں میں سے ہوں گے ﴿27﴾ [8] (نہیں)!

بَدَا لَهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَوۡ رُدُّوۡا

بلکہ [9] ان کے وہ کرتوت ظاہر ہو چکے ہوں گے جنھیں وہ پہلے چھپاتے تھے۔ اور اگر انھیں واپس (دنیا میں)

لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿28﴾

بھیج دیا جائے تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا، اور بے شک وہ جھوٹے ہیں ﴿28﴾ [10]

[1] لیکن وہاں انھیں اس کذب صریح کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جس طرح بعض دفعہ دنیا میں انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے معبودان باطلہ بھی، جن کو وہ اللہ کا شریک اپنا حمایتی ومددگار اور سفارشی سمجھتے تھے، غائب ہوں گے اور وہاں ان پر شرکاء کی حقیقت واضح ہوگی لیکن وہاں اس خرابی کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ [2] یعنی یہ مشرکین آپ کے پاس آ کر قرآن سنتے ہیں لیکن چونکہ مقصد طلب ہدایت نہیں، اس لیے بے فائدہ ہے۔ [3] علاوہ ازیں مَجَازَاةً عَلٰى كُفْرِهِمْ. ان کے کفر کے نتیجے میں ان کے دلوں پر بھی ہم نے پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ، جس کی وجہ سے ان کے دل حق بات سمجھنے سے قاصر اور ان کے کان حق کو سننے سے عاجز ہیں۔ [4] اب وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی دیکھ لیں، تب بھی ایمان لانے کی توفیق سے محروم رہیں گے اور ان کا عناد وجحود اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں کہتے ہیں۔ [5] یعنی عام لوگوں کو آپ ﷺ سے اور قرآن سے روکتے ہیں تاکہ وہ ایمان نہ لائیں اور خود بھی دور دور رہتے ہیں۔ [6] لیکن لوگوں کو روکنا اور خود بھی دور رہنا، اس سے ہمارا یا ہمارے پیغمبر کا کیا بگڑے گا؟ اس طرح کے کام کر کے وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ [7] یہاں لَوْ کا جواب محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "تو آپ کو ہولناک منظر نظر آئے گا۔" [8] لیکن وہاں سے دوبارہ دنیا میں آنا ممکن ہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکیں۔ کافروں کی اس آرزو کا قرآن نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے، مثلاً: رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ۝ (المؤمنون 108,107:23) "اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال لے اگر ہم دوبارہ تیری نافرمانی کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اسی میں ذلیل وخوار پڑے رہو، مجھ سے بات نہ کرو۔" رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ۝ (السجدة 12:32) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔" [9] بَلْ جو اِضْرَاب (پہلی بات سے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے) کے لیے آتا ہے۔ اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں: ① ان کے لیے وہ کفر اور عناد وتکذیب ظاہر ہو جائے گی، جو اس سے قبل وہ دنیا یا آخرت میں چھپاتے تھے، یعنی جس کا انکار کرتے تھے، جیسے وہاں بھی ابتداءً کہیں گے: مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ ۝ "ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔" ② یا پھر رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کا علم جو ان کے دلوں میں تھا لیکن اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ ③ یا منافقین کا وہ نفاق وہاں ظاہر ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے چھپاتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) [10] یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش ایمان لانے کے لیے نہیں، صرف عذاب سے بچنے کے لیے ہے جو ان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا اور جس کا وہ معائنہ کر لیں گے ورنہ اگر یہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیے جائیں، تب بھی یہ وہی کچھ

Marfat.com

وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ

اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری دنیا ہی کی زندگی ہے، اور ہمیں (دوبارہ) نہیں اٹھایا

بِمَبْعُوْثِیْنَ (29) وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ

جائے گا (29)[1] اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں

قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا قَالَ

گے تو وہ فرمائے گا: کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے: کیوں نہیں! (یہ حق ہے) ہمارے

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (30) ع قَدْ

رب کی قسم! تو اللہ فرمائے گا: پھر تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے (30)[2]

خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمُ

بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا حتی کہ جب ان کے پاس

السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا وَهُمْ

قیامت اچانک آجائے گی تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس! ہم سے اس معاملے میں کیسی کوتاہی ہوئی! اور

یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ (31)

وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خبردار! بہت برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھائیں گے (31)[3]

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ

اور دنیا کی زندگی بس کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے یقیناً

لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (32) قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ

بہتر ہے جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟ (32) (اے نبی!) تحقیق ہم

لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ

جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، پس بے شک وہ آپ کو

الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (33) وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ

نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں (33)[4] اور (اے نبی!) بے

مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰی

شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے، تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے

کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

[1] یہ بعث بَعْدَ الْمَوْتِ (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے) کا انکار ہے جو کافر کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ہی دراصل ان کے کفر وعصیان کی سب سے بڑی وجہ ہے ورنہ اگر انسان کے دل میں صحیح معنوں میں اس عقیدۂ آخرت کی صداقت راسخ ہو جائے تو کفر وعصیان کے راستے سے فوراً تائب ہو جائے۔ [2] یعنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کر لیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے لیکن وہاں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔ [3] اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے، اپنی کوتاہیوں پر جس طرح نادم ہوں گے اور برے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوں گے، آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فَرَّطْنَا فِیْهَا میں ضمیر الساعة کی طرف راجع ہے، یعنی قیامت کی تیاری اور تصدیق کے معاملے میں جو کوتاہی ہم سے ہوئی۔ یا اَلصَّفْقَةُ (سودا) کی طرف راجع ہے، جو اگرچہ عبارت میں موجود نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ نقصان (خسارہ) سودے میں ہی ہوتا ہے اور مراد اس سودے سے وہ ہے جو ایمان کے بدلے کفر خرید کر انھوں نے کیا، یعنی یہ سودا کر کے ہم نے سخت کوتاہی کی یا حَیَاة (زندگی) کی طرف راجع ہے، یعنی ہم نے اپنی زندگی میں برائیوں اور کفر وشرک کا ارتکاب کر کے جو کوتاہیاں کیں۔ (فتح القدیر) [4] نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنی تکذیب کی وجہ سے جو غم وحزن پہنچتا، اس کے ازالے اور آپ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تکذیب آپ کی نہیں۔ (آپ کو تو وہ صادق وامین مانتے ہیں) دراصل یہ آیات الٰہی کی تکذیب ہے اور یہ ایک ظلم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ جامع ترمذی کی روایت: 3064 میں ہے کہ ابوجہل نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! ہم تم کو نہیں بلکہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کی یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح روایات سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی امانت ودیانت اور صداقت کے قائل تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ آج بھی جو لوگ نبی ﷺ کے حسن اخلاق، رفعت کردار اور امانت وصداقت کو تو خوب جھوم جھوم کر بیان کرتے اور اس موضوع پر فصاحت وبلاغت کے دریا بہاتے ہیں لیکن اتباع رسول ﷺ میں وہ انقباض محسوس کرتے، آپ کی بات کے مقابلے میں فقہ وقیاس اور اقوال ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ یہ کس کا کردار ہے جسے انھوں نے اپنایا ہوا ہے؟

Marfat.com

اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ

جانے پر صبر کیا، حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی[1] اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں،[2] اور یقیناً

نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿34﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ

آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آچکی ہیں ﴿34﴾[3] اور اگر ان لوگوں (کافروں) کا حق سے منہ موڑنا

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی

آپ کو ناگوار ہے تو اگر آپ میں یہ طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی

السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی

ڈھونڈ لیں، پھر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں (تو ایسا کر گزریں) اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿35﴾ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ

ہدایت پر جمع کر دیتا،[4] چنانچہ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ﴿35﴾[5] حق کو قبول تو صرف وہ کرتے ہیں

یَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿36﴾

جو سنتے ہیں[6] اور جو مردے ہیں، اللہ انھیں اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿36﴾ اور

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ

انھوں نے کہا: اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (بڑی) نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟

اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

کہہ دیجیے: بے شک اللہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ کوئی (بڑی) نشانی نازل فرما دے[7] لیکن لوگوں میں

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿37﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓىِٕرٍ یَّطِیْرُ

سے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿37﴾[8] اور زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا کوئی

بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ

پرندہ ایسا نہیں جو تمھاری طرح (الگ) امت نہ ہو،[9] ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا

[1] نبی ﷺ کی مزید تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبر کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی ہے، پس آپ بھی ان کی اقتدا کرتے ہوئے اسی طرح صبر اور حوصلے سے کام لیں جس طرح انھوں نے تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا حتیٰ کہ آپ کے پاس بھی اسی طرح ہماری مدد آ جائے جس طرح پہلے رسولوں کی ہم نے مدد کی اور ہم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے: (المؤمن 40:51) ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور اہل ایمان کی مدد کریں گے۔'' (المجادلة 58:21) ''اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔'' وَغَیْرُهَا مِنَ الآیَاتِ. (مثلاً: الصّٰفّٰت 37: 172,171) بلکہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ آپ کافروں پر غالب و منصور رہیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جن سے واضح ہے کہ ابتدا میں گو ان کی قوموں نے انھیں جھٹلایا، انھیں ایذائیں پہنچائیں اور ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے کامیابی و کامرانی اور نجات ابدی انھی کا مقدر بنی۔ نبی ﷺ کو معاندین و کافرین کی تکذیب سے جو گرانی اور مشقت ہوتی تھی، اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہونا ہی تھا اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ ان کو قبول اسلام پر آمادہ نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اگر آپ کوئی سرنگ کھود کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر بھی کوئی نشانی ان کو لا کر دکھا دیں تو اول تو آپ کے لیے ایسا کرنا محال ہے اور اگر بالفرض آپ ایسا کر دکھائیں بھی تو یہ ایمان لانے کے نہیں کیونکہ ان کا ایمان نہ لانا، اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت ہے جس کا مکمل احاطہ انسانی عقل و فہم نہیں کر سکتے، البتہ جس کی ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اختیار و ارادے کی آزادی دے کر آزما رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو ہدایت کے ایک راستے پر لگا دینا مشکل کام نہ تھا، اس کے لیے لفظ کن سے پلک جھپکتے میں یہ کام ہو سکتا ہے۔ [5] یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ حسرت و افسوس نہ کریں کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر سے ہے، اس لیے اسے اللہ ہی کے سپرد کر دیں، وہی اس کی حکمت و مصلحت کو بہتر سمجھتا ہے۔ اور ان کافروں کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے مُردوں کی ہوتی ہے جس طرح وہ سننے اور سمجھنے کی قدرت سے محروم ہیں، یہ بھی چونکہ اپنی عقل و فہم سے حق کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اس لیے یہ بھی مردہ ہی ہیں۔ [7] یعنی ایسا معجزہ جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے، جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتہ اترے یا پہاڑ ان پر اٹھا کر بلند کر دیا جائے، جس طرح بنی اسرائیل پر کیا گیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ پھر انسانوں کے ابتلا کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مطالبے پر اگر کوئی معجزہ دکھلایا جاتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو پھر فوراً انھیں اس کی دنیا ہی میں سخت سزا دے دی جاتی، یوں گویا اللہ کی اس حکمت میں بھی انھی کا دنیاوی فائدہ ہے۔ [8] یعنی وہ اللہ کے حکم و مشیت کی حکمت بالغہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔ [9] یعنی انھیں بھی اللہ نے

Marfat.com

مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
ذکر نہ کیا ہو)،[1] پھر وہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے﴿38﴾[2] اور جن لوگوں نے ہماری
صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ
آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کردیتا ہے اور
يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ
جسے چاہے سیدھی راہ پر لے آتا ہے﴿39﴾[3] (اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب
عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ
آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو بتاؤ کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے
صٰدِقِيْنَ ﴿40﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ
ہو؟﴿40﴾ بلکہ تم صرف اسی کو پکارو گے، پھر اگر وہ چاہے گا تو وہ تکلیف دور کردے گا جس کے
ع 4/11/10
اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿41﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى
لیے تم اسے پکارو گے، اور تم انھیں بھول جاؤ گے جنھیں تم شریک ٹھہراتے تھے﴿41﴾[4] اور تحقیق ہم
اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان (امتوں) کو سختی اور تکلیف کے ساتھ
يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿42﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا
پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں﴿42﴾ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ

اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمھیں پیدا کیا، اسی طرح انھیں روزی دیتا ہے جس طرح تمھیں دیتا ہے اور تمھاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت وعلم کے تحت داخل ہیں۔

[1] الْكِتٰبِ (دفتر) سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل 89:16) ''ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔'' یہاں پر سیاق کے لحاظ سے پہلا معنی اقرب ہے۔ [2] یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح تمام انسانوں کو زندہ کرکے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا، جانوروں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی زندہ کرکے ان کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ جس طرح ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی سینگ والی بکری نے اگر بغیر سینگ والی بکری پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو قیامت والے دن سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2582) بعض علماء نے حشر سے مراد صرف موت لی ہے، یعنی سب کو موت آئے گی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حشر سے مراد کفار کا حشر ہے۔ اور درمیان میں مزید جو باتیں آئی ہیں، وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں۔ اور حدیث مذکور (جس میں بکری سے بدلہ لیے جانے کا ذکر ہے) بطور تمثیل ہے جس سے مقصد قیامت کے حساب وکتاب کی اہمیت وعظمت کو واضح کرنا ہے۔ یا یہ کہ حیوانات میں سے صرف ظالم اور مظلوم کو زندہ کرکے ظالم سے مظلوم کو بدلہ دلا دیا جائے گا، پھر دونوں معدوم کردیے جائیں گے۔ (فتح القدیر وغیرہ) اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ [3] آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والے چونکہ اپنے کانوں سے حق بات سنتے نہیں اور اپنی زبانوں سے حق بات بولتے نہیں، اس لیے وہ ایسے ہی ہیں جیسے گونگے اور بہرے ہوتے ہیں، علاوہ ازیں یہ کفر وضلالت کی تاریکیوں میں بھی گھرے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح ہوسکے، پس ان کے حواس گویا مسلوب ہوگئے جن سے کسی حال میں وہ فائدہ نہیں اٹھاسکتے، پھر فرمایا: تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگادے لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی الل ٹپ نہیں ہوجاتا بلکہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت:26 کا حاشیہ) [4] اَرَءَيْتَكُمْ کے معنی: اَخْبِرُوْنِي (مجھے بتلاؤ یا خبر دو) کے ہیں جبکہ كُمْ حرف خطاب ہے۔ اس مضمون کو بھی قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 165 کا حاشیہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید انسانی فطرت کی آواز ہے۔ انسان ماحول یا آباء واجداد کی تقلید ناسدید میں مشرکانہ عقائد واعمال میں مبتلا رہتا ہے اور غیر اللہ کو اپنا حاجت روا ومشکل کشا سمجھتا رہتا ہے، نذر ونیاز بھی انھی کے نام کی نکالتا ہے لیکن جب کسی ابتلا سے دوچار ہوتا ہے تو پھر یہ سب بھول جاتا ہے اور فطرت ان سب پر غالب آجاتی ہے اور بے اختیار انسان پھر اسی ذات کو پکارتا ہے جس کو پکارنا چاہیے۔ کاش! لوگ اسی فطرت پر قائم رہیں کہ نجات اخروی تو مکمل طور پر اسی صدائے فطرت، یعنی توحید کے اختیار کرنے ہی میں ہے۔

Marfat.com

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا

اختیار کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور جو عمل وہ کرتے تھے (ان کو) شیطان نے ان کے لیے

يَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

مزین (خوبصورت) بنا دیا ﴿43﴾ [1] پھر جب انھوں نے وہ نصیحت بھلا دی جو انھیں کی گئی تھی تو ہم نے

اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ

ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے حتی کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو انھیں دی گئی تھیں، تو

بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا، پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے ﴿44﴾ پھر اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جنھوں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

نے ظلم کیا تھا، اور تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿45﴾ [2] (اے نبی!

اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ

ان سے) کہہ دیجیے: اگر اللہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

تو بتاؤ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں یہ (چیزیں) لا دے؟ دیکھیے کس طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر

ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿46﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ

بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ منہ موڑتے ہیں ﴿46﴾ [3] کہیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا

اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿47﴾

آ جائے تو بتاؤ کیا ظالموں کے سوا کوئی اور لوگ بھی ہلاک کیے جائیں گے؟ ﴿47﴾ [4] اور

[1] قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کے عذاب بھی انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں، پھر ان کے ہاتھ طلب مغفرت کے لیے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے، ان کے دل اس کی بارگاہ میں نہیں جھکتے اور ان کے رخ اصلاح کی طرف نہیں مڑتے بلکہ اپنی بداعمالیوں پر تاویلات و توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لیے خوبصورت بنا دیا ہوتا ہے۔ [2] اس میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں خوب مگن ہو جاتی ہیں اور اپنی مادی خوش حالی و ترقی پر اترانے لگ جاتی ہیں تو پھر ہم اچانک انھیں اپنے مؤاخذے کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ اِسْتِدْرَاج (ڈھیل دینا) ہے۔'' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند أحمد: 145/4) قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس فرد یا قوم کو یہ حاصل ہو تو وہ اللہ کی چہیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے جیسا کہ بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو انھیں ﴿ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبياء 105:21) ''کہ یہ زمین، اس کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔'' کا مصداق قرار دے کر انھیں ''اللہ کے نیک بندے'' تک قرار دے دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا غلط ہے، گمراہ قوموں یا افراد کی دنیوی خوش حالی، ابتلا اور مہلت کے طور پر ہے نہ کہ یہ ان کے کفر و معاصی کا انعام اور صلہ ہے۔ [3] آنکھیں، کان اور دل، یہ انسان کے نہایت اہم اعضاء و جوارح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کی وہ خصوصیات سلب کر لے جو اللہ نے ان کے اندر رکھی ہیں، یعنی سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی خصوصیات، جس طرح کافروں کے یہ اعضاء ان خصوصیات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اعضاء کو ویسے ہی ختم کر دے، وہ دونوں ہی باتوں پر قادر ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا مگر یہ کہ وہ خود کسی کو بچانا چاہے۔ آیات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرنے کا مطلب ہے کبھی اِنْذار و تَبْشیر اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے اور کبھی کسی اور ذریعے سے۔ [4] ﴿ بَغْتَةً ﴾ (اچانک) سے مراد رات اور ﴿ جَهْرَةً ﴾ (کھلم کھلا) سے دن مراد ہے جسے سورۂ یونس میں ﴿ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا ﴾ (یونس 50:10) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی دن کو عذاب آ جائے یا رات کو۔ یا پھر ﴿ بَغْتَةً ﴾ وہ عذاب ہے جو اچانک بغیر تمہید اور مقدمات کے آ جائے اور ﴿ جَهْرَةً ﴾ وہ عذاب جو تمہید اور مقدمات کے بعد آئے۔ یہ عذاب جو قوموں کی ہلاکت کے لیے آتا ہے۔ ان ہی پر آتا ہے جو ظالم ہوتی ہیں، یعنی کفر و طغیان اور معصیت الٰہی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں۔

Marfat.com

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ
ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جسے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہ بنایا ہو،[1] پھر جو شخص
اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿48﴾
ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کرلے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿48﴾[2]
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا
اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انھیں اس (نافرمانی کی) وجہ سے عذاب پہنچے گا جو
يَفْسُقُوْنَ ﴿49﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ
نافرمانی وہ کرتے تھے ﴿49﴾[3] (اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے
اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ
ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی چیز کی
اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ
پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔[4] کہہ دیجیے: کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟[5] پھر کیا
اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿50﴾ ع وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ
تم غور نہیں کرتے؟ ﴿50﴾ اور (اے نبی!) آپ اس (قرآن) کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرائیں جنھیں
يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا
ڈر رہتا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس اکٹھے کیے جائیں گے، وہاں اس کے سوا ان کا کوئی دوست اور
شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿51﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
سفارشی نہ ہوگا، شاید کہ وہ پرہیز گاری اختیار کریں ﴿51﴾[6] اور ان لوگوں کو اپنے سے مت دور کریں جو اپنے
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ مَا عَلَيْكَ مِنْ
رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں، وہ اپنے رب کا چہرہ (رضامندی) چاہتے ہیں، ان کے حساب میں
حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ
سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر (اگر) آپ
شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿52﴾ وَكَذٰلِكَ
ان کو اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ﴿52﴾[7] اور ہم نے اسی طرح لوگوں

ع 5 / 9 / 11

[1] وہ اطاعت گزاروں کو ان نعمتوں اور اجر جزیل کی خوش خبری دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت کی صورت میں ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں کو ان عذابوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے جہنم کی صورت میں تیار کیے ہوئے ہیں۔ [2] مستقبل (آخرت) میں پیش آنے والے حالات کا انھیں اندیشہ نہیں اور اپنے پیچھے دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے یا دنیا کی جو آسودگیاں وہ حاصل نہ کر سکے، اس پر وہ مغموم نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا ولی اور کارساز وہ رب ہے جو دونوں ہی جہانوں کا رب ہے۔ [3] یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انھوں نے تکفیر وتکذیب کا راستہ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی پروا نہیں کی اور اس کے محارم ومناہی کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔ [4] میرے پاس اللہ کے خزانے بھی نہیں (جس سے مراد ہر طرح کی قدرت وطاقت ہے) کہ میں تمھیں اللہ کے اذن ومشیت کے بغیر کوئی ایسا بڑا معجزہ صادر کر کے دکھا سکوں جیسا کہ تم چاہتے ہو جسے دیکھ کر تمھیں میری صداقت کا یقین ہو جائے۔ میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے میں تمھیں مطلع کر دوں، مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے ایسے خرق عادات امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے بالا ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: «أَلَا ! إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ» (مسند أحمد: 131/4، و سنن أبي داود، حديث: 4604، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 2643) ”خبردار مجھے کتاب کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا۔“ یہ مثل حدیث رسول ﷺ ہی ہے۔ [5] یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی اندھا اور بینا، گمراہ اور ہدایت یافتہ اور مومن وکافر برابر نہیں ہو سکتے۔ [6] یعنی انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، ورنہ جو بعث بعد الموت اور حشر ونشر پر یقین ہی نہیں رکھتے، وہ اپنے کفر وجحود پر ہی قائم رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان اہل کتاب کا کافروں کا اور مشرکوں کا رد بھی ہے جو اپنے آباء اور اپنے بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ نیز کارساز اور سفارشی نہیں ہوگا کا مطلب، یعنی ان کے لیے جو عذاب جہنم کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے۔ ورنہ مومنوں کے لیے تو اللہ کے نیک بندے، اللہ کے حکم سے سفارش کریں گے، یعنی شفاعت کی نفی اہل کفر وشرک کے لیے ہے اور اس کا اثبات ان کے لیے ہے جو گناہ گار مومن وموحد ہوں گے، اس طرح دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا۔ [7] یعنی یہ بے سہارا اور غریب مسلمان، جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں، یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبہ سے کہ اے محمد!

Marfat.com

فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ

میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے، تاکہ وہ (انھیں دیکھ کر) کہیں: کیا ہم میں

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟[1] (ہاں) کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے)

بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿53﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ

زیادہ نہیں جانتا؟ ﴿53﴾ [2] اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ

کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو[3] تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے[4] بے شک تم

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

میں سے جو شخص جہالت سے برا عمل کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو یقیناً وہ

وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿54﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿54﴾ [5] اور ہم اسی طرح آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ

تاکہ مجرموں کا راستہ بالکل واضح ہوجائے ﴿55﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے منع کیا گیا ہے

اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ

کہ میں ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، کہہ دیجیے: میں تمھاری خواہشات کے پیچھے

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾

نہیں چلتا، اس صورت میں، میں گمراہ ہو جاؤں گا، اور میں ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا ﴿56﴾ [6]

ع 6 / 5 / 12

تمھارے اردگرد تو غرباء وفقراء ہی کا ہجوم رہتا ہے، ذرا انھیں ہٹاؤ تو ہم بھی تمھارے ساتھ بیٹھیں۔ ان غرباء کو اپنے سے دور نہ کرنا، بالخصوص جبکہ آپ کا کوئی حساب ان کے متعلق نہیں اور ان کا آپ کے متعلق نہیں اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہوگا جو آپ کے شایان شان نہیں۔ اس سے مقصد امت کو بھی سمجھانا ہے کہ بے وسائل مومن موحد لوگوں کو حقیر سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور ان سے وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے، اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں، چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔

[1] ابتدا میں اکثر غریب، غلام قسم کے لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے، اس لیے یہی چیز رؤسائے کفار کی آزمائش کا ذریعہ بن گئی اور وہ ان غریبوں کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا، انھیں تعذیب واذیت سے بھی دوچار کرتے اور کہتے کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی اللہ کا احسان ہوتا تو یہ سب سے پہلے ہم پر ہوتا جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الأحقاف 11:46) ''اگر یہ بہتر چیز ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں یہ ہم سے سبقت نہ کرتے۔'' یعنی ان ضعفاء کے مقابلے میں ہم پہلے مسلمان ہوتے۔ [2] یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ کروفر وغیرہ نہیں دیکھتا، وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گزار بندے اور حق شناس کون ہیں؟ پس اس نے جن کے اندر شکر گزاری کی خوبی دیکھی، انھیں ایمان کی سعادت سے سرفراز کردیا۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحيح مسلم، حديث: (2564)، وسنن ابن ماجه، حديث: 4143) ''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتیں اور تمھارے اموال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دل اور تمھارے عمل دیکھتا ہے۔'' [3] یعنی ان پر سلام کرکے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں۔ [4] اور انھیں خوشخبری دیں کہ تفضّل و اِحْسان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی رحمت کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہوگیا تو اس نے عرش پر لکھ دیا: «إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي» (صحيح البخاري، حديث: 7404، و صحيح مسلم، حديث: 2751) ''میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔'' [5] اس میں بھی اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کیونکہ ان ہی کی یہ صفت ہے کہ اگر نادانی سے یا بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیتے ہیں۔ گناہ پر اصرار اور دوام اور توبہ وانابت سے اعراض نہیں کرتے۔ [6] یعنی اگر میں بھی تمھاری طرح اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے، تمھاری خواہشات کے مطابق غیر اللہ کی عبادت شروع کردوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش، سب سے بڑی گمراہی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ گمراہی اتنی ہی عام بھی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

Marfat.com

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا

کہہ دیجیے: بے شک میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں[1] اور تم نے اس دلیل کو جھٹلایا

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ

ہے، میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو، فیصلے کا (سارا) اختیار اللہ ہی کو ہے،[2]

خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿57﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

وہ حق بات بیان کرتا ہے،[3] اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ﴿57﴾ کہہ دیجیے: بے شک اگر میرے پاس

بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

وہ چیز ہوتی جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان معاملہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا،[4]

بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿58﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ

اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿58﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں

وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا

جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، اور کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، اور زمین

یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ

کے اندھیروں میں کوئی دانہ (ایسا) نہیں (پھوٹتا جسے وہ جانتا نہ ہو) اور کوئی تر چیز اور کوئی خشک چیز ایسی

اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿59﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ

نہیں جو واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) نہ ہو[5] ﴿59﴾ اور وہی ہے (اللہ) جو رات کو تمھیں فوت کرتا ہے،[6]

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ

اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر (دوسرے) دن میں تمھیں اٹھاتا ہے[7] تاکہ (زندگی کی)

مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

مقررہ مدت پوری کی جائے،[8] پھر اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا جو تم کرتے

[1] مراد وہ شریعت ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ پر نازل کی گئی جس میں توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ [2] تمام کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے تم جو چاہتے ہو کہ جلد ہی اللہ کا عذاب تم پر آ جائے تاکہ تمھیں میری صداقت یا کذب کا پتہ چل جائے تو یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو تمھاری خواہش کے مطابق جلدی عذاب بھیج کر تمھیں متنبہ یا تباہ کر دے اور چاہے تو اس وقت تک تمھیں مہلت دے جب تک اس کی حکمت اس کی مقتضی ہو۔ [3] یَقُصُّ قصص سے ہے، یعنی یَقُصُّ قَصَصَ الْحَقِّ ''حق باتیں بیان کرتا یا بتلاتا ہے'' یا قَصَّ أَثَرَہ ''کسی کے پیچھے لگنا، پیروی کرنا'' سے ہے، یعنی یَتَّبِعُ الْحَقَّ فِیمَا یَحْکُمُ بِہِ ''اپنے فیصلوں میں وہ حق کی پیروی کرتا ہے، یعنی حق کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔'' (فتح القدیر) [4] یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دیتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دیتا تو پھر تمھاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلد ہی فیصلہ کر دیا جاتا لیکن یہ معاملہ چونکہ کلیتاً اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے مجھے اس کا اختیار بالکل نہیں ہے کہ میں عذاب فوراً نازل کر دوں یا میری درخواست پر فوراً عذاب نازل ہو جائے۔ ضروری وضاحت: حدیث میں جو آتا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ساری آبادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل دوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا فرمائے گا، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3231، وصحیح مسلم، حدیث: 1795) یہ حدیث آیت زیر وضاحت کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے پر عذاب دینے کا اظہار ہے جبکہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کیے بغیر صرف ان کی ایذا دہی کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے جس پر نبی ﷺ نے ان کی نسلوں میں سے مسلمانوں کے پیدا ہونے کی امید ظاہر فرمائی۔ اس لیے ان کے لیے عذاب پسند نہیں فرمایا۔ [5] كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (واضح کتاب) سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، غیب کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، اس لیے کفار و مشرکین اور معاندین کو کب عذاب دیا جائے؟ اس کا علم بھی صرف اسی کو ہے اور وہی اپنی حکمت کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں: قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل میں پیش آنے والے واقعات اور موت کہاں آئے گی۔ ان پانچوں امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4627) [6] یہاں نیند کو وفات سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی لیے اسے وفات اصغر اور موت کو وفات اکبر کہا جاتا ہے۔ (وفات کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ آل عمران کی آیت: 55 کا حاشیہ) [7] یعنی دن کے وقت روح واپس لوٹا کر زندہ کر لیتا ہے۔ [8] یعنی یہ سلسلہ شب و روز اور وفات اصغر سے

Marfat.com

تَعْمَلُوْنَ ﴿60﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ

رہے ہو﴿60﴾ اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے، اور تم پر محافظ (فرشتے) بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب

حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ

تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اسے فوت کرتے ہیں، اور وہ اس میں کوتاہی

لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿61﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ

نہیں کرتے ﴿61﴾ [2] پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا سچا مالک ہے۔[3] خبردار! فیصلے کا (سارا)

الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿62﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ

اختیار اسی کو ہے، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿62﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تمھیں خشکی اور تری کے

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ

اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ تم اسے عاجزی کرتے ہوئے اور راز داری سے پکارتے ہو (اور کہتے ہو)

اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿63﴾

کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿63﴾

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں اس (مصیبت) سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ

تُشْرِكُوْنَ ﴿64﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا

شرک کرتے ہو! ﴿64﴾ کہہ دیجیے: وہی اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تمھارے اوپر سے[4] یا تمھارے

مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا

پاؤں کے نیچے سے تم پر عذاب بھیجے،[5] یا تمھیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک (گروہ) کو

وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

دوسرے کی طاقت (کا مزہ) چکھائے۔[6] دیکھیے! ہم کس طرح آیتوں کو پھیر پھیر کر بیان کرتے

ہمکنار ہو کر دن کو پھر اٹھ کھڑے ہونے کا معمول انسان کی وفات اکبر تک جاری رہے گا۔

[1] یعنی پھر قیامت والے دن تمھارے زندگی بھر کے سارے عمل تمھارے سامنے کر دیے جائیں گے۔ [2] یعنی اپنے اس مفوضہ کام میں اور روح کی حفاظت میں بلکہ وہ فرشتہ، مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو اس کی روح عِلِّيِّيْنَ میں اور اگر بد ہوتا ہے تو سِجِّيْن میں، بھیج دیتا ہے۔ [3] آیت میں رُدُّوْٓا ”لوٹائے جائیں گے“ کا مرجع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے، یعنی قبض روح کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو بنایا ہے، یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے) اور پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائے گا۔ آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو رسل (جمع کے صیغے کے ساتھ) بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر 42:39) ”اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔“ اور اس کی نسبت ایک فرشتے (ملک الموت) کی طرف بھی کی گئی ہے۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدة 11:32) ”کہہ دو تمھاری روحیں وہ فرشتۂ موت قبض کرتا ہے جو تمھارے لیے مقرر کیا گیا ہے۔“ اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے اور اسی طرح سورۂ نساء، آیت: 97 اور سورۂ انعام، آیت: 93 میں بھی ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف اس کی نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل آمر (حکم دینے والا) بلکہ فاعل حقیقی ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مددگار ہیں، وہ رگوں، شریانوں، پٹھوں سے روح نکالنے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کاٹنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ (تفسير روح المعاني: 256/5) حافظ ابن کثیر، امام شوکانی رحمہما اللہ اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورۂ سجدہ کی آیت سے اور مسند أحمد: 287/4 میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جہاں جمع کے صیغے میں ان کا ذکر ہے تو وہ اس کے اعوان و انصار ہیں۔ اور بعض آثار میں ملک الموت کا نام ”عزرائیل“ بتلایا گیا ہے۔ (تفسير ابن كثير) لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے ان کی اسناد کو محل نظر قرار دیا ہے۔ دیکھیے: تعليقات الألباني على العقيدة الطحاوية. [4] یعنی آسمان سے، جیسے بارش کی کثرت، ہوا اور پتھروں کے ذریعے سے عذاب، یا امراء و حکام کی طرف سے ظلم و ستم۔ [5] جیسے دھنسایا جانا، طوفانی سیلاب، جس میں سب کچھ غرق ہو جائے، یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں کی طرف سے عذاب کہ وہ بد دیانت اور خائن ہو جائیں۔ [6] يَلْبِسَكُمْ: أَيْ يَخْلِطَ أَمْرَكُمْ تمھارے معاملے کو خلط ملط یا مشتبہ کر دے جس کی وجہ سے تم

Marfat.com

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ

ہیں، تاکہ وہ سمجھیں؟ ﴿65﴾ اور اس (قرآن) [1] کو آپ کی قوم نے جھٹلایا، حالانکہ وہ حق ہے، کہہ

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿66﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿67﴾

دیجیے: میں تم پر نگران نہیں ہوں ﴿66﴾ [2] ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تم جان لوگے ﴿67﴾ اور

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں پر نکتہ چینی کر رہے ہوتے ہیں، تو آپ ان کے پاس

حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ

سے ہٹ جائیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿68﴾ وَمَا عَلَي

آپ کو یہ بات بھلا دے تو یاد آنے پر (ان) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھیں ﴿68﴾ [3] ان کے حساب میں

الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي

سے کسی چیز کی ذمے داری ان لوگوں پر نہیں جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں [4] اور لیکن نصیحت کرنا (ان

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿69﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ

کا فرض) ہے، تاکہ وہ بھی پرہیزگاری اختیار کریں ﴿69﴾ [5] اور (اے نبی!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنھوں

لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهٖٓ

نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے اور دنیا کی زندگی نے انھیں دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور آپ اس

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ

(قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے، تاکہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال سے ہلاک نہ کیا

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ

جائے [6] اللہ کے سوا کوئی اس کا دوست اور سفارشی نہ ہوگا۔ اور اگر وہ بدلے میں ہر طرح کا فدیہ دے تو وہ

گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جاؤ۔ وَيُذِيْقَ أَيْ يَقْتُلَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَتُذِيقَ كُلُّ طَائِفَةٍ الْأُخْرٰى أَلَمَ الْحَرْبِ ''تمھارا ایک دوسرے کو قتل کرے۔ اس طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کو لڑائی کا مزہ چکھائے۔'' (أيسر التفاسير) حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں: ① میری امت غرق کے ذریعے سے ہلاک نہ کی جائے ② قحط عام کے ذریعے سے اس کی تباہی نہ ہو ③ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرما لیں۔ اور تیسری دعا سے مجھے روک دیا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2890) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ امت محمدیہ میں اِخْتلاف وانْشِقَاق واقع ہوگا اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور قرآن و حدیث سے اعراض ہوگا جس کے نتیجے میں عذاب کی اس صورت سے امت محمدیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ گویا اس کا تعلق اس سنت اللہ سے ہے جو قوموں کے اخلاق و کردار کے بارے میں ہمیشہ رہی ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○ (فاطر 43:35).

[1] بِهٖ کا مرجع قرآن ہے یا عذاب۔ (فتح القدير) [2] یعنی مجھے اس امر کا مکلّف نہیں کیا گیا ہے کہ میں تمھیں ہدایت کے راستے پر لگا کر ہی چھوڑوں بلکہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الكهف 29:18) ''پس (اسی کے بعد) جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔'' [3] آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء، آیت: 140 میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو یا عملاً ان کا استخفاف کیا جا رہا ہو یا اہل بدعت و اہل زیغ اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات سخیفہ کے ذریعے سے آیات الٰہی کو توڑ مروڑ رہے ہوں۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمۂ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے، بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔ [4] مِنْ حِسَابِهِمْ کا تعلق آیات الٰہی کا استہزا کرنے والوں سے ہے، یعنی جو لوگ ایسی مجالس سے اجتناب کریں گے تو اِسْتِهْزَاء بِآيَاتِ اللّٰه کا جو گناہ، استہزا کرنے والوں کو ملے گا، وہ اس گناہ سے محفوظ رہیں گے۔ [5] یعنی اجتناب و علیحدگی کے باوجود وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرتے رہیں، شاید وہ بھی اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں۔ [6] تُبْسَلَ: أَيْ لِئَلَّا تُبْسَلَ۔ بَسَل کے اصل معنی تو منع کے ہیں، اسی سے ہے شُجَاعٌ بَاسِلٌ۔ لیکن یہاں اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں: ① تُسْلَمَ ''سونپ دیے جائیں'' ② تُفْضَحَ ''رسوا کر دیا جائے'' ③ تُؤَاخَذَ ''مؤاخذہ کیا جائے'' ④ تُجَازٰى ''بدلہ دیا جائے'' امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سب کے معنی قریب قریب ایک ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انھیں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو، جو اس نے کمایا، اس کے بدلے ہلاکت کے سپرد کر دیا جائے۔ یا رسوائی اس کا مقدر بن جائے یا

Marfat.com

لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

بھی اس سے نہیں لیا جائے گا،[1] یہی وہ لوگ ہیں جو کچھ انھوں نے کمایا، اس کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا

گیا۔ اور جو وہ کفر کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے انھیں دوزخ میں تیز گرم پانی پینے کو ملے گا، او

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

ردردناک عذاب ہوگا ⑦⓪ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا ہم اللہ کے سوا ان کو پکاریں جو ہمیں نہ نفع دے

لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا

سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور جب اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اس کے بعد ہم

اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪

الٹے پاؤں پھر جائیں، اس شخص کی طرح جسے شیطانوں نے زمین میں بہکا دیا ہو، وہ زمین میں حیران

لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ

پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آجا؟[2] کہہ

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۚ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ

دیجیے: بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے[3] اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب جہانوں کے رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۚ وَهُوَ الَّذِىٓ

کے فرمانبردار ہو جائیں ⑦① اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس (اللہ) سے ڈرو[4] اور وہی ہے جس کی

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿72﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ⑦② اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا[5] اور

بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ

جس دن[6] وہ کہے گا ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا، قول اسی کا حق ہے، اور اسی کی حکومت ہوگی

وہ مؤاخذہ اور مجازات کی گرفت میں آجائے۔ ان تمام مفاہیم کو ترجمے میں ''ہلاک نہ کیا جائے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [1] دنیا میں انسان عام طور پر کسی دوست کی مدد یا کسی کی سفارش سے یا مالی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا ہے لیکن آخرت میں یہ تینوں ذریعے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ ہوگا جو انھیں اللہ کی گرفت سے بچا لے، نہ کوئی سفارشی ہوگا جو انھیں عذاب الٰہی سے نجات دلا دے اور نہ کسی کے پاس معاوضہ دینے کے لیے کچھ ہوگا اگر بالفرض ہو بھی تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ دے کر چھوٹ جائے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ [2] یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ان ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راستے پر جا رہے ہوں۔ اور بچھڑ جانے والا جنگلوں میں حیران و پریشان بھٹکتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ یا جنات کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف مراجعت اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔ [3] مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا کیونکہ ہدایت پر چلا دینا اسی کا کام ہے، جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (النحل 16:37) ''اگر آپ ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہیں (تو کیا؟) بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔'' لیکن یہ ہدایت اور گمراہی اسی اصول کے تحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنایا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یوں ہی جسے چاہے گمراہ اور جسے چاہے راہ یاب کر دے جیسا کہ اس کی وضاحت متعدد جگہ کی جا چکی ہے۔ [4] وَاَنْ اَقِيْمُوْا کا عطف لِنُسْلِمَ پر ہے، یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں اور اس سے ڈریں۔ تسلیم و انقیاد الٰہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامت صلاۃ کا دیا گیا ہے جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خشوع کے بغیر ممکن نہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (البقرۃ 2:45) ''نماز یقیناً بھاری ہے، مگر خشوع و خضوع کرنے والوں کے لیے نہیں۔'' [5] حق کے ساتھ یا ایک مقصد کے لیے پیدا کیا، یعنی ان کو عبث اور بے فائدہ (کھیل کود کے طور پر) پیدا نہیں کیا بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس اللہ کو یاد رکھا اور اس کا شکر ادا کیا جائے جس نے یہ سب کچھ بنایا۔ [6] يَوْمَ فعل محذوف وَاذْكُرْ یا وَاتَّقُوْا کی وجہ سے منصوب (اس پر زبر) ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو! کہ اس کے لفظ کُن (ہو جا) سے وہ جو چاہے گا، ہو جائے گا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حساب کتاب کے کٹھن مراحل بھی بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو جائیں گے لیکن کن کے

Marfat.com

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

جس دن صور پھونکا جائے گا،[1] وہ چھپی اور ظاہر (سب) باتوں کو جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا، خبر

الْخَبِيْرُ ﴿73﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا

رکھنے والا ہے ﴿73﴾ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر[2] سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو؟

اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿74﴾ وَكَذٰلِكَ

بے شک میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی گمراہی میں پڑے دیکھتا ہوں ﴿74﴾ اور اسی طرح ہم

نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے، اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ

جائے ﴿75﴾ [3] چنانچہ جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ ابراہیم نے کہا: یہ میرا

هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿76﴾ فَلَمَّا

رب ہے، پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا ﴿76﴾ [4] پھر

رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ

جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو اس نے کہا:

لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿77﴾ فَلَمَّا

اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا ﴿77﴾ پھر جب

رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ

اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: [5] یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب

اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿78﴾ اِنِّيْ

ہوگیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں ﴿78﴾ [6]

لیے؟ ایمان داروں کے لیے۔ دوسروں کو تو یہ دن ہزار سال یا پچاس ہزار سال کی طرح بھاری لگے گا۔

[1] الصُّوْرِ سے مراد وہ نرسنگا یا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ''اسرافیل اسے منہ میں لیے اور اپنی پیشانی جھکائے، حکم الٰہی کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب انھیں کہا جائے تو اس میں پھونک دیں۔'' (ابن کثیر) ابوداود اور ترمذی میں ہے: «اَلصُّوْرُ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ» (سنن أبي داود، حديث: 4742، و جامع الترمذي، حديث: 3244) ''صور ایک قرن (نرسنگا) ہے جس میں پھونکا جائے گا۔'' بعض علماء کے نزدیک تین نفخے ہوں گے، نفخة الصعق جس سے تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، نفخة الفنا جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے، نفخة الإنشاء جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء آخری دو نفخوں کے ہی قائل ہیں۔

[2] مؤرخین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے دو نام ذکر کرتے ہیں، آزر اور تارخ۔ ممکن ہے دوسرا نام لقب ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر آپ کے چچا کا نام تھا لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ قرآن نے آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے طور پر ذکر کیا ہے، لہٰذا یہی صحیح ہے۔

[3] مَلَكُوْتَ مبالغے کا صیغہ ہے، جیسے رَغْبَةٌ سے رَغَبُوت اور رَهْبَةٌ سے رَهَبُوت اس سے مراد مخلوقات ہے جیسا کہ ترجمہ میں اس مفہوم کو بادشاہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا ربوبیت و الوہیت ہے، یعنی ہم نے اس کو یہ دکھلائی اور اس کی معرفت کی توفیق دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح القدير) [4] یعنی غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ غروب، تغیر حال پر دلالت کرتا ہے جو حادث ہونے کی دلیل ہے اور جو حادث ہو معبود نہیں ہو سکتا۔ [5] الشَّمْسَ (سورج) عربی میں مؤنث ہے لیکن اسم اشارہ مذکر ہے۔ مراد الطالع ہے، یعنی یہ طلوع ہونے والا سورج میرا رب ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح کہ سورج پرستوں کو مغالطہ لگا اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اجرام سماویہ میں سورج سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن ہے اور انسانی زندگی کے بقا و وجود کے لیے اس کی اہمیت و افادیت محتاج وضاحت نہیں۔ اسی لیے مظاہر پرستوں میں سورج کی پرستش عام رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت لطیف پیرائے میں چاند سورج کے پجاریوں پر ان کے معبودوں کی بے حیثیتی کو واضح فرمایا۔ [6] یعنی ان تمام چیزوں سے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، میں بیزار ہوں، اس لیے کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی طلوع ہوتے، کبھی غروب ہوتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں۔ جب یہ خود مخلوق اور کسی کے تابع ہیں تو کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟

مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمرود نے اپنے ایک خواب اور تعبیر بتانے والوں کی تعبیر کی وجہ سے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی ایام میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے انھیں ایک غار میں رکھا گیا تا کہ نمرود اور اس کے کارندوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے

Marfat.com

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا

بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا،[1] میں

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (79) وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ

اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (79) اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا[2] تو

اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا

اس (ابراہیم) نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت دی

تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّيْ

ہے، اور میں ان سے نہیں ڈرتا جنھیں تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے (تو وہ

كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (80) وَكَيْفَ اَخَافُ

ضرور ہوسکتا ہے)، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (80) اور

مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ

میں ان سے کیوں ڈروں جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم

يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ

ان کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو جن کی اس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ پس دونوں

بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (81) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟[3] (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو (81) جو لوگ ایمان لائے اور

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ

انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا،[4] وہی لوگ ہیں جن کے لیے

9 ع 12 15 وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (82) وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ

امن ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں (82) اور یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے

عَلٰي قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

مقابلے میں دی تھی۔[5] ہم جسے چاہیں اس کے درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بہت حکمت

بچ جائیں۔ وہیں غار میں جب کچھ شعور آیا اور چاند سورج دیکھے تو یہ تأثرات ظاہر فرمائے لیکن یہ غار والی بات مستند نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے گفتگو اور مکالمے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں کی ہیں، اسی لیے آخر میں قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے بیزار ہوں۔ اور مقصد اس مکالمے سے معبودان باطل کی اصل حقیقت کی وضاحت تھی۔

[1] رخ یا چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے، مراد اس سے شخص ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود، اللہ عز وجل ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔

[2] جب قوم نے توحید کا یہ وعظ سنا جس میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی تردید بھی تھی تو انھوں نے بھی اپنے دلائل دینے شروع کیے جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بھی اپنے شرک کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھے تھے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔ جتنے بھی مشرکانہ عقائد رکھنے والے گروہ ہیں، سب نے اپنے اپنے عوام کو مطمئن کرنے اور رکھنے کے لیے ایسے ''سہارے'' تلاش کر رکھے ہیں جن کو وہ ''دلائل'' سمجھتے ہیں یا جن سے کم از کم دام تزویر میں پھنسے ہوئے عوام کو جال میں پھنسائے رکھا جا سکتا ہے۔ [3] یعنی مومن اور مشرک میں سے؟ مومن کے پاس تو توحید کے بھرپور دلائل ہیں، جبکہ مشرک کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی دلیل کوئی نہیں، صرف اوہام باطلہ ہیں یا دور از کار تاویلات، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امن اور نجات کا مستحق کون ہوگا؟ [4] آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے ظلم کا عام مطلب (کوتاہی، غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا جس سے وہ پریشان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ''ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جس طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا تھا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمٰن 13:31) ''یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4629) ظلم کا مطلب ہے، کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ پر رکھنا۔ اس اعتبار سے شرک یقیناً بڑا ظلم ہے۔ [5] یعنی توحید الٰہی پر ایسی حجت اور دلیل، جس کا کوئی جواب ابراہیم کی قوم سے نہ بن پڑا۔ اور وہ بعض کے نزدیک یہ قول تھا: وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور کہا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

Marfat.com

عَلِيمٌ ﴿83﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا

والا، خوب جاننے والا ہے﴿83﴾اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے[1]، ہم نے سب

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ

کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی تھی، اور اس کی اولاد میں سے[2] داود،

وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي

سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو

الْمُحْسِنِينَ ﴿84﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِنَ

بدلہ دیتے ہیں﴿84﴾اور (ہم نے) زکریا، یحییٰ، عیسیٰ[3] اور الیاس کو (بھی ہدایت دی)، وہ سب نیک

الصَّالِحِينَ ﴿85﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا

لوگوں میں سے تھے﴿85﴾اور (ہم نے) اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی)، اور

فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿86﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ

ان سب کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی﴿86﴾ اور کچھ کو ان کے باپ دادا، ان کی اولاد

وَإِخْوَانِهِمْ ۖ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿87﴾

اور ان کے بھائیوں میں سے[4] اور ہم نے انھیں چن لیا اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی﴿87﴾ یہ

ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ

اللہ کی ہدایت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿88﴾ أُولَٰئِكَ

اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے برباد ہو جاتے﴿88﴾[5] یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا

نے کتاب، حکمت اور نبوت دی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس (ہدایت کو ماننے) سے انکار کرتے

[1] یعنی بڑھاپے میں جبکہ وہ اولاد سے ناامید ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ ہود، آیت: 73,72 میں ہے، پھر بیٹے کے ساتھ ایسے پوتے کی بھی بشارت دی جو یعقوب ہوگا، جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ اس کے بعد ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اس لیے کہ یہ عقب (پیچھے) سے مشتق ہے۔ [2] ذُرِّيَّتِهِ میں ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ وہی اقرب ہیں، یعنی حضرت نوح کی اولاد میں سے داود اور سلیمان علیہما السلام کو۔ اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، اس لیے کہ ساری گفتگو انھی کے ضمن میں ہو رہی ہے لیکن اس صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ پھر ''لوط'' کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ذریت ابراہیم میں سے نہیں ہیں۔ وہ ان کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے، یعنی ابراہیم کے بھتیجے ہیں اور ابراہیم، لوط کے باپ نہیں، چچا ہیں۔ لیکن بطور تَغْلِیب انھیں بھی ذریت ابراہیم میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قرآن مجید ہے۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب کے آباء میں شمار کیا گیا ہے جبکہ وہ ان کے چچا تھے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 133) [3] عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت نوح یا حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ ان کا باپ نہیں تھا) کہ بیٹی کی اولاد بھی آدمی کی ذریت ہی میں شمار ہوتی ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ (اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) کو اپنا بیٹا فرمایا: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 2704) ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) [4] آباء سے اصول اور ذریات سے فروع مراد ہیں، یعنی ان کے اصول و فروع اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو ہم نے مقام اِجْتِباء اور ہدایت سے نوازا۔ اِجْتِباء کے معنی ہیں: چن لینا اور اپنے خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ ملا لینا۔ یہ جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ ''میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا'' سے مشتق ہے، پس اِجْتِباء کا مطلب ہوگا، اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اِصْطِفَاء، تخلیص اور اختیار بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں جس کے مفعول مُصْطَفٰى (مُجْتَبٰى)، مُخْلَص اور مُخْتَار ہیں۔ (فتح القدير) [5] اٹھارہ انبیاء کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے سارے اعمال برباد ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر 65:39) ''اے پیغمبر! اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے سارے عمل برباد ہو جائیں گے۔'' حالانکہ پیغمبر شرک سے محفوظ ہوتے ہیں۔ مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔ اس لیے کہ شرک ناقابل معافی گناہ ہے اور مشرک پر جنت حرام ہے۔

Marfat.com

هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ 89

ہیں تو بے شک ہم نے اس کے لیے ایسی قوم تیار کی ہے کہ وہ ان کا انکار کرنے والی نہیں ﴿89﴾ یہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ

لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، لہٰذا (اے نبی!) آپ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔

اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ 90

کہہ دیجیے: میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو تمام دنیا والوں کے لیے نصیحت ہے ﴿90﴾

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، جس وقت انھوں نے کہا:

عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ

اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، کہہ دیجیے: پھر وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے موسیٰ لائے

جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

تھے، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی، جسے تم متفرق اوراق میں نقل کرتے ہو، اس میں

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ

سے کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپا لیتے ہو۔ اور (اس کتاب کے ذریعے سے) تمھیں وہ علم

تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۗ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ

دیا گیا تھا جو نہ تمھیں حاصل تھا اور نہ تمھارے باپ دادا کو۔ کہہ دیجیے: وہ اللہ نے (نازل کی تھی)، پھر

1 اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین، مشرکین اور کفار ہیں۔ 2 اس سے مراد مہاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والے ایماندار ہیں۔ 3 اس سے مراد انبیائے مذکورین ہیں۔ ان کی اقتدا کا حکم مسئلہ توحید میں اور ان احکام و شرائع میں ہے جو منسوخ نہیں ہوئے۔ (فتح القدیر) کیونکہ اصول دین تمام شریعتوں میں ایک ہی رہے ہیں، گو شرائع اور مناہج میں کچھ کچھ اختلاف رہا جیسا کہ آیت: (الشوریٰ 13:42) سے واضح ہے۔ یعنی تبلیغ و دعوت کا کیونکہ مجھے اس کا وہ صلہ ہی کافی ہے جو آخرت میں عنداللہ ملے گا۔ جہان والے اس سے نصیحت حاصل کریں، پس یہ قرآن انھیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کرے گا اور ضلالت کی پگڈنڈیوں سے نکال کر ایمان کی صراط مستقیم پر گامزن کر دے گا بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے، ورنہ ع...... دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے ......والا معاملہ ہوگا۔ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ اِرْسَالِ رُسُل اور اِنْزَالِ کُتُب کا انکار کرتے ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انھیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں، ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے، علاوہ ازیں اسی عدم معرفت الٰہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قاصر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ (یونس 2:10) ''کیا یہ بات لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کر کے اسے لوگوں کو ڈرانے پر مامور کر دیا ہے؟'' دوسرے مقام پر فرمایا: إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسراءیل 94:17) ''ہدایت آ جانے کے بعد لوگ اسے قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ انھوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟'' اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل آیت 8 کے حاشیے میں بھی گزر چکی ہے۔ آیت زیر وضاحت میں بھی انھوں نے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر اس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان سے پوچھو! موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ (جس کو یہ بھی مانتے ہیں) آیت کی مذکورہ تفسیر کے مطابق اب یہود سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اوراق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو، ظاہر کر دیتے ہو اور جن کو چاہتے ہو، چھپا لیتے ہو، جیسے رجم کا مسئلہ یا نبی ﷺ کی صفات کا مسئلہ ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری رحمہما اللہ وغیرہ نے يَجْعَلُوْنَهٗ اور يُبْدُوْنَهَا صیغہ غائب کے ساتھ والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مکی آیت ہے۔ اس میں یہود سے خطاب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت کو ہی یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا جو انکار ہے، اسے یہود کی ہٹ دھرمی، ضد اور عناد پر مبنی قول قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں: ایک، پوری آیت کو یہود سے متعلق، دوسرے، پوری آیت کو مشرکین سے متعلق اور تیسرے، آیت کے ابتدائی حصے کو مشرکین سے متعلق اور تَجْعَلُوْنَهٗ سے یہود سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ 2 یہود سے متعلق ماننے کی

Marfat.com

فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿91﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ

انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے، وہ اپنی نکتہ چینیوں میں کھیلتے رہیں ﴿91﴾ اور یہ کتاب (قرآن مجید)

مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ

،ہم نے اسے نازل کیا ہے، یہ برکت والی، تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے آئی

الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

تھی، تاکہ آپ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾ وَمَنْ

ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿92﴾ اور اس

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ

شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اس

وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ

پر کوئی وحی نازل نہیں کی گئی، اور جس نے کہا کہ میں بھی ایسی چیز نازل کرسکتا ہوں جیسی اللہ نے نازل

اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

کی ہے۔ کاش! آپ ظالموں کو اس حال میں دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں،

بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ

بدلے میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا[1] کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتیں گھڑتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر

عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿93﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا

تکبر کرتے تھے ﴿93﴾ [2] اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو[3] جس طرح کہ ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا

خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ

کیا، اور ہم نے تمھیں جو کچھ عطا کیا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور اب ہمیں تمھارے ساتھ

ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰي مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

تمھارے وہ سفارشی نظر نہیں آتے جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ بے شک وہ (تمھاری

اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ

بندگی میں) اللہ کے شریک ہیں۔ ان سے تمھارا تعلق یقیناً ٹوٹ گیا ہے اور وہ تم سے کھو گئے ہیں

ع 11/4/17 مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ

جنھیں تم (اپنے معبود) خیال کرتے تھے ﴿94﴾ [4] بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے،

صورت میں اس کی تفسیر ہوگی کہ تورات کے ذریعے سے تمھیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعے سے۔ [9] یہ مَنْ اَنْزَلَ (کس نے اتارا)، کا جواب ہے۔

[1] ظَالِمٌ سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتاب الٰہی کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ غَمَرٰتِ سے موت کی سختیاں مراد ہیں۔ ''فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔'' یعنی جان نکالنے کے لیے۔ اَلْيَوْمَ (آج) سے مراد قبض روح کا دن ہے اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبدأ قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے، ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے، یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل، یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے، چاہے اسے کسی درندے نے کھا لیا ہو، اس کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہوگئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا ہو یا قبر میں دفنا دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ [2] اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے میں انزال کتب اور ارسال رسل کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعویٰ نبوت بھی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و استکبار ہے۔ ان دونوں وُجوہ سے انھیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔ [3] فُرَادٰى فرد کی جمع ہے جس طرح سُكَارٰى، سَكْرَان کی اور كُسَالٰى، كَسْلَان کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ تم علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ گے۔ تمھارے ساتھ مال ہوگا نہ اولاد اور نہ وہ معبود جن کو تم نے اللہ کا شریک اور اپنا مددگار سمجھا ہوا تھا، یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی تمھیں فائدہ پہنچانے پر قادر نہ ہوگی۔ اگلے جملوں میں انھی امور کی مزید وضاحت ہے۔ [4] یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کاریگری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ دانے (حب) اور گٹھلی (نواۃ، جمع نوی) کو، جسے کاشت کار زمین کی تہ میں دبا دیتا ہے، پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت اور انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ زمین ایک بوتی

Marfat.com

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى

زندہ کو مردہ سے نکالتا[1] اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے[2] یہ ہے اللہ، چنانچہ تم کہاں بہکائے جاتے

تُؤْفَكُوْنَ ﴿95﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ

ہو!﴿95﴾ وہ صبح کی سپیدی نکالتا ہے[3] اور اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا[4] اور سورج اور چاند کو اپنے

وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿96﴾ وَهُوَ

حساب سے چلنے والا (بنایا)،[5] یہ سب بہت زبردست، خوب علم رکھنے والے کا اندازہ ہے ﴿96﴾ اور وہی

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے سے خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ

وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾ وَهُوَ

پاؤ،[6] تحقیق ہم نے اپنی آیتیں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردی ہیں جو علم رکھتے ہیں ﴿97﴾ اور وہی

الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ

ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، پس ہر ایک کے لیے قرار پکڑنے کی ایک جگہ ہے اور ایک

وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اس کے سونپے جانے کی جگہ،[7] تحقیق ہم نے اپنی آیتیں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردی ہیں جو

يَّفْقَهُوْنَ ﴿98﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

سمجھ رکھتے ہیں ﴿98﴾ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پس ہم نے اس کے ذریعے سے ہر قسم

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

کی نباتات پیدا کیں،[8] پھر ہم نے اس سے ہری بھری کھیتیاں اگائیں[9] جن سے ہم ایک دوسرے سے جڑے

ہے، پانی بھی، جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ایک ہی ہوتا ہے لیکن جس جس چیز کے وہ دانے یا گٹھلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرما دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے، جو یہ کام کرتا ہو یا کرسکتا ہو؟

[1] یعنی دانے اور گٹھلیوں سے درخت اگا دیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھیلتا اور پھل یا غلہ دیتا ہے یا وہ خوشبودار، رنگ برنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سونگھ کر انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا یا نطفے اور انڈے سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔ [2] یعنی حیوانات سے انڈے جو مردہ کے حکم میں ہیں۔ حَيٌّ اور مَيِّت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے، یعنی مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیتا ہے۔ [3] اندھیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صبح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ [4] یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تاکہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کرسکیں۔ [5] یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقدر ہے جس میں کوئی تغیر و اضطراب نہیں ہوتا بلکہ دونوں کی اپنی اپنی منزلیں ہیں، جن پر وہ گرمی اور سردی میں مقررہ حساب سے رواں رہتے ہیں جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور گرمی میں اس کے برعکس دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں جس کی تفصیل سورۂ یونس 10:5، سورۂ یٰس 36:40 اور سورۂ اعراف 7:54 میں بھی بیان کی گئی ہے۔ [6] ستاروں کا یہاں یہ ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقصد اور ہیں جو سورۂ ملک، آیت:5 میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک آسمانوں کی زینت اور دوسرا مقصد شیطانوں کی مرمت۔ رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں تو کل تین مقصد ہیں۔ بعض سلف کا قول ہے: مَنِ اعْتَقَدَ فِي هٰذِهِ النُّجُومِ غَيْرَ ثَلَاثٍ فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ''ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ملک میں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی، چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادو ہی کا ایک شعبہ (حصہ) بتلایا گیا ہے: مَنِ اقْتَبَسَ [illegible] مَا زَادَ (حسنه الألباني في تحقيق سنن أبي داود، حديث: 3905) [7] اکثر مفسرین کے نزدیک مُسْتَقَرٌّ (قرار پکڑنے کی جگہ) سے رحم مادر اور مُسْتَوْدَعٌ (سونپے جانے کی جگہ) سے صلب پدر مراد ہے۔ (فتح القدير، ابن كثير) [8] یہاں سے اس کی ایک اور عجیب صنعت (کاریگری) کا بیان ہو رہا ہے، یعنی بارش کا پانی جس سے وہ ہر قسم کے نباتات پیدا فرماتا ہے۔ [9] اس سے مراد وہ سبز شاخیں اور کونپلیں ہیں جو زمین میں دبے ہوئے دانے سے اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر ظاہر فرماتا ہے، پھر وہ پودا یا درخت نشو و نما پاتا ہے۔

Marfat.com

نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ
ہوئے دانے نکالتے ہیں[1] اور کھجور کے شگوفے سے پھل کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ سے جھکے جاتے ہیں[2]
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ
اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے[3] جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، اور
وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
(بعض) نہیں ملتے جلتے[4] یہ درخت جب پھل دینے لگتے ہیں تو ان کے پھل دینے اور ان کے پکنے
اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿99﴾
کی حالت کو دیکھ کر غور کرو، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿99﴾[5]
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ
اور (اس پر بھی) لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرادیا، حالانکہ اسی نے تو انھیں پیدا کیا ہے، اور
بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
انھوں نے بغیر کسی علم کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیے، وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بلند ہے جو
ع 12/6/18 يَصِفُوْنَ ﴿100﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ
وہ بیان کرتے ہیں ﴿100﴾ وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے
وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ
جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا[6] اور وہی ہر چیز کو خوب جانے
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿101﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ
والا ہے ﴿101﴾ یہ ہے اللہ، تمھارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا
كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿102﴾
کرنے والا ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگران ہے ﴿102﴾ اس
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ
(کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پاسکتیں[7] اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ نہایت باریک بین، بہت

[1] یعنی ان سبز شاخوں سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ جس طرح گندم اور چاول کی بالیاں ہوتی ہیں۔ مراد یہ سب غلہ جات ہیں، مثلاً: جو، جوار، باجرہ، مکی، گندم اور چاول وغیرہ۔ [2] قِنْوَانٌ قِنْوٌ کی جمع ہے، جیسے صِنْوٌ اور صِنْوَانٌ ہے، مراد خوشے ہیں۔ طَلْعٌ وہ گابھا یا گپھا ہے جو کھجور کی ابتدائی شکل ہے، یہی بڑھ کر خوشہ بنتا ہے اور پھر وہ رطب کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ دَانِيَةٌ سے مراد وہ خوشے ہیں جو قریب ہوں۔ اور کچھ خوشے دور بھی ہوتے ہیں جن تک ہاتھ نہیں پہنچتے۔ بطور امتنان دَانِيَة کا ذکر فرما دیا ہے، مطلب ہے: مِنْهَا دَانِيَةٌ وَّمِنْهَا بَعِيدَةٌ (کچھ خوشے قریب ہیں اور کچھ دور) مِنْهَا بَعِيْدَةٌ محذوف ہے۔ (فتح القدیر) [3] جَنّٰتٍ زَیْتون اور رُمَّان یہ سب منصوب ہیں، جن کا عطف نبات پر ہے، یعنی فَأَخْرَجْنَا بِهٖ جَنَّاتٍ ---- یعنی بارش کے پانی سے ہم نے انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار پیدا کیے۔ [4] یعنی بعض اوصاف میں یہ باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض میں ملتے جلتے نہیں ہیں۔ یا ان کے پتے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، پھل نہیں ملتے، یا شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن مزے اور ذائقے میں باہم مختلف ہیں۔ [5] یعنی مذکورہ تمام چیزوں میں خالق کائنات کے کمال قدرت اور اس کی حکمت ورحمت کی نشانیاں ہیں۔ [6] یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اس لائق ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے لیکن لوگوں نے اس ذات واحد کو چھوڑ کر جنوں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مشرکین عبادت تو بتوں کی یا قبروں میں مدفون اشخاص کی کرتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ انھوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جنات سے مراد شیاطین ہیں اور شیاطین کے کہنے سے ہی شرک کیا جاتا ہے، اس لیے گویا شیطان ہی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ نساء 4:117 و سورۂ مریم 19:44 و سورۂ یٰسٓ 36:60 و سورۂ سبا 34:41) [7] الْاَبْصَار بَصَر (نگاہ) کی جمع ہے یعنی انسان کی آنکھیں اللہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتیں۔ اور اگر اس سے مراد رؤیت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہوگا، یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، تاہم یہ صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے، اس لیے معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا، دنیا میں نہ آخرت میں، صحیح نہیں کیونکہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی

Marfat.com

الْخَبِيْرُ ﴿103﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ
باخبر ہے﴿103﴾ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں آچکی ہیں،[1] چنانچہ جس نے
اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا
بصیرت سے کام لیا تو اس کے اپنے فائدے کے لیے ہے، اور جو اندھا بنا رہا اس کا (وبال) اسی پر
عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿104﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
ہے۔ اور (کہہ دیجیے) میں تم پر محافظ نہیں ہوں﴿104﴾ [2] اور ہم آیات کو اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں
وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿105﴾
تاکہ وہ (کافر) یہ کہیں کہ تو نے (کسی سے) پڑھ لیا ہے[3] اور جو لوگ علم رکھتے ہیں، ان پر ہم اس
اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
(حقیقت) کو واضح کر دیں﴿105﴾ (اے نبی!) آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ پر آپ کے رب کی
وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿106﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ
طرف سے (نازل) کی جاتی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مشرکین کی طرف دھیان نہ دیں﴿106﴾
وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے[4] اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ نہیں بنایا، اور آپ ان کے ذمے دار
بِوَكِيْلٍ ﴿107﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
نہیں﴿107﴾ [5] اور مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، تم انھیں گالی مت دو، پھر وہ بھی جہالت میں،
فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ
حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے۔[6] اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کے عمل میں

تھیں، جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، اس نے قطعاً جھوٹ بولا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4855) کیونکہ اس آیت کی رو سے پیغمبر سمیت کوئی بھی اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے، البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہوگا، جیسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس کا اثبات فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القيامة 22،21:75) ''کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' معلوم ہوا کہ آخرت میں اللہ کا دیدار ہوگا۔

[1] بَصَآئِرُ بَصِيرَةٌ کی جمع ہے۔ جو اصل میں دل کی روشنی کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو قرآن نے جگہ جگہ اور بار بار بیان کیے ہیں اور جنھیں نبی ﷺ نے بھی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اپنا لے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے، نہیں اپنائے گا تو اسی کا نقصان ہے، جیسے فرمایا: مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (بني إسرآءيل 15:17) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو زیر وضاحت آیت کا ہے۔ [2] بلکہ صرف مبلغ، داعی اور بشیر و نذیر ہوں۔ راہ دکھلانا میرا کام ہے، راہ پر چلا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ [3] یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کہیں سے پڑھ کر اور سیکھ کر آیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا (الفرقان 5،4:25) ''کافروں نے کہا: یہ قرآن تو اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے جس پر دوسروں نے بھی اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ایسا دعویٰ کر کے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ نیز انھوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے لکھ رکھا ہے......'' حالانکہ بات یہ نہیں ہے جس طرح یہ سمجھتے یا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مقصد اس تفصیل سے سمجھ دار لوگوں کے لیے تبیین و تشریح ہے تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔ [4] اس نکتے کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ اللہ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور، اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے، تاہم اس نے اس پر انسانوں کو مجبور نہیں کیا کیونکہ جبر کی صورت میں انسان کی آزمائش نہ ہوتی، ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسے اختیارات ہیں کہ وہ چاہے تو کوئی انسان شرک کرنے پر قادر ہی نہ ہو سکے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 253 اور سورۂ انعام، آیت: 35 کا حاشیہ) [5] یہ مضمون بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد نبی ﷺ کی داعیانہ اور مبلغانہ حیثیت کی وضاحت ہے جو منصب رسالت کا تقاضا ہے اور آپ صرف اسی حد تک مکلّف تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے پاس اگر اختیارات ہوتے تو آپ اپنے محسن چچا ابوطالب کو ضرور مسلمان کر لیتے جن کے قبول اسلام کی آپ شدید خواہش رکھتے تھے۔ [6] یہ سد ذریعہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ اگر ایک مباح کام، اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس مباح کام کا ترک راجح بلکہ ضروری ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ''تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لیے گالی کا سبب بن جاؤ گے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 90) امام شوکانی لکھتے ہیں: یہ آیت سد

Marfat.com

أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ

کشش پیدا کردی ہے، پھر انھیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ انھیں بتائے گا کہ وہ

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿108﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

کیا کچھ کرتے رہتے تھے ﴿108﴾ اور انھوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں[1] کھائیں کہ اگر ان کے پاس

لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ

(مخصوص) نشانی آجائے[2] تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے، (اے نبی!) کہہ دیجیے: نشانیاں تو

عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا

صرف اللہ کے پاس ہیں[3]، اور تمھیں یہ بات کون سمجھائے کہ بے شک جب وہ نشانی آجائے گی تو بھی

يُؤْمِنُونَ ﴿109﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا

وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿109﴾[4] اور ہم (اسی طرح) ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیتے ہیں

لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي

جس طرح یہ پہلی بار اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے تھے[5] اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿110﴾ ع

بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے ﴿110﴾[6]

ع 13 10 19

ذرائع کے لیے اصل اصیل ہے۔ (فتح القدیر)

[1] جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ أَيْ حَلَفُوا أَيْمَانًا مُّؤَكَّدَةً بڑی مؤکد قسمیں کھائیں۔ [2] یعنی کوئی بڑا معجزہ جوان کی خواہش کے مطابق ہو، جیسے عصائے موسیٰ، احیائے موتی اور ناقۂ ثمود وغیرہ کی قسم کا۔ [3] یعنی جس بڑی نشانی کا مطالبہ تم کر رہے ہو، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور تمام تر اللہ کے اختیار اور اس کی مشیت پر ہے، وہ چاہے تو ان کے مطالبے پر نشانی نازل فرمادے، نہ چاہے تو کسی پیغمبر کے اندر اس کی طاقت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض مرسل روایات میں ہے کہ کفار مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے جس پر جبریل نے آکر کہا کہ اگر اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو پھر انھیں ہلاک کر دیا جائے گا، لہٰذا آپ اگر چاہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان میں سے توبہ کرنے والا توبہ کرے، نبیٔ اکرم ﷺ نے اسے ہی پسند فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر) [4] یہ ایک امکانی شبہے کے جواب میں فرمایا جو بہت سے اہل ایمان کے دلوں میں پیدا ہو سکتا تھا کہ اگر ان کی خواہش کے مطابق ان کو کوئی خواہش دکھادی جائے تو شاید یہ ایمان لے ہی آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اس کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ [5] اس کا مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تو ان کا وبال ان پر اس طرح پڑا کہ آئندہ بھی ان کے ایمان لانے کا امکان ختم ہو گیا۔ دلوں اور نگاہوں کے پھیر دینے کا مطلب ہے کہ ان کے دل صحیح بات کو سمجھنے اور ان کی آنکھیں حق کو دیکھنے سے قاصر ہوں گی، پس وہ جیسے پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے، جب کہ ان کو قبول ایمان کی دعوت دی گئی تھی، آئندہ بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ گویا پہلی آیت کی علت ہے، یعنی وہ ایمان کیوں نہیں لائیں گے؟ اس لیے کہ اللہ ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دے گا۔ گویا ان کا یہ مطالبۂ خرق عادت، تعنت وعناد کے طور پر تھا، طلب ہدایت کی نیت سے نہیں۔ ان کا اصل مقصد رسول اللہ ﷺ کو تنگ کرنا اور اللہ کی آیات کے ساتھ استہزاء تھا۔ ورنہ جن کے اندر ہدایت پانے کی طلب صادق ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ انھیں ضرور ہدایت سے نواز دیتا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ راہر وِ منزل ہی نہیں

[6] یعنی ان کو ان کے شرک وظلم میں حیران وسرگرداں چھوڑ دیں گے، وہ حق کو باطل سے اور ہدایت کو گمراہی سے پہچان نہیں سکیں گے۔ یہ دلوں اور نگاہوں کے پھیر دینے کا منطقی نتیجہ ہے جس کی وضاحت اس سے پہلی آیت میں کی گئی ہے۔

Marfat.com

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ
اور اگر بے شک ہم ان کی طرف فرشتے نازل کرتے[1] اور ان سے مردے کلام کرتے[2] اور ہم (ان
وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا
کی) ہر (مطلوبہ) شے ان کے سامنے پیش کر دیتے[3] تو بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ ہاں اگر اللہ ایسا
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿111﴾ وَكَذَٰلِكَ
چاہتا (تو اور بات تھی) لیکن ان میں سے اکثر جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں ﴿111﴾ [4] اور اسی طرح ہم
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي
نے انسانوں اور جنوں[5] میں سے شیاطین، ہر نبی کے دشمن بنائے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان
بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ
میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا ہے تاکہ اسے دھوکے میں رکھے[6] اور (اے نبی!) اگر آپ کا رب چاہتا تو
رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿112﴾ وَلِتَصْغَىٰ
وہ یہ کام نہ کرتے[7] چنانچہ آپ ان لوگوں کو، اور جو کچھ یہ جھوٹ گھڑ رہے ہیں، اس کو رہنے دیجیے ﴿112﴾ اور
إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ
تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس جھوٹ کی طرف مائل ہو جائیں، اور وہ اس
وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿113﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي
(جھوٹ) کو پسند کرتے رہیں اور وہ جو (برے کام) کر رہے ہیں وہ کرتے رہیں ﴿113﴾ [8] (کہہ دیجیے:)
حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ
کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمھاری طرف یہ کتاب
وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ
تفصیل سے نازل کی، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ آپ کے رب کی
مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿114﴾
طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوں ﴿114﴾ [9]

[1] جیسا کہ وہ بار بار اس کا مطالبہ ہمارے پیغمبر سے کرتے ہیں۔ [2] اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دیتے۔ [3] دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نشانیاں وہ طلب کرتے ہیں، وہ سب ان کے روبرو پیش کر دیتے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جمع ہو کر گروہ در گروہ یہ گواہی دے کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو ان تمام نشانیوں اور مطالبوں کے پورا کر دینے کے باوجود یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے ہدایت دے۔ اسی مفہوم کی یہ آیت بھی ہے: إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (یونس 97,96:10) ''جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔'' [4] اور یہ جہالت کی باتیں ہی ان کے اور حق قبول کرنے کے درمیان حائل ہیں اگر جہالت کا پردہ اٹھ جائے تو شاید حق ان کی سمجھ میں آ جائے اور پھر اللہ کی مشیت سے حق کو اپنا بھی لیں۔ [5] یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے، ان کی تکذیب کی گئی، انھیں ایذائیں دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے صبر اور حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنان حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے پیروکار جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے سرکش، باغی اور متکبر قسم کے ہیں۔ [6] وحی، خفیہ بات کو کہتے ہیں۔ یعنی انسانوں اور جنوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چالبازیاں اور حیلے سکھاتے ہیں تاکہ لوگوں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر سکیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جس کی وجہ سے برائی بہت جلدی فروغ پا جاتی ہے۔ [7] یعنی اللہ تعالیٰ تو ان شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے لیکن وہ بالجبر ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کے نظام اور اصول کے خلاف ہے جو اس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے جس کی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے۔ [8] یعنی شیطانی وساوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدۂ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے، اسی حساب سے لوگ شیطانی جال میں پھنس رہے ہیں۔ [9] آپ کو خطاب کر کے دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

Marfat.com

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ
اور آپ کے رب کی بات صدق اور عدل میں مکمل ہے[1]، اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿115﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ
نہیں[2] اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿115﴾ [3] اور اگر آپ اہلِ زمین کی اکثریت کی
يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے، وہ اپنے گمان کے سوا کسی بات کی
وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ
پیروی نہیں کرتے، اور وہ انکل پچو باتیں ہی کرتے ہیں ﴿116﴾ [4] بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ
جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکتا ہے، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے ﴿117﴾ چنانچہ تم اس
اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ وَمَا
(جانور) کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو، اگر تم اس کی آیات پر ایمان لانے والے ہو ﴿118﴾ [5] اور
لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ
تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (حلال جانور) کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ
فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
نے ان (سب جانوروں) کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیے ہیں[6]، مگر جسے

[1] اللہ تعالیٰ اخبار و واقعات کے لحاظ سے سچا ہے اور احکام و مسائل کے اعتبار سے عادل ہے، یعنی اس کا ہر امر اور نہی عدل و انصاف پر مبنی ہے کیونکہ اس نے انھی باتوں کا حکم دیا ہے جن میں انسانوں کا فائدہ ہے اور انھی چیزوں سے روکا ہے جن میں نقصان اور فساد ہے۔ گو انسان اپنی نادانی یا اغوائے شیطانی کی وجہ سے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔ [2] یعنی کوئی ایسا نہیں جو رب کے کسی حکم میں تبدیلی کر دے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔ [3] یعنی بندوں کے اقوال سننے والا اور ان کی ایک ایک حرکت و ادا کو جاننے والا ہے اور وہ اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔ [4] قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی واقعے کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یوسف 103:12) ''آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔'' اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حق و باطل کا معیار دلائل و براہین ہیں، لوگوں کی اکثریت و اقلیت نہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہوا ہو، وہ حق ہو اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں بلکہ مذکورہ حقیقت قرآنی کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہلِ حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہلِ باطل اکثریت میں جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی۔ اور اس جنتی فرقے کی نشانی آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ جو «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» ''میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 4596، وجامع الترمذي، حديث: 2641 وقد حسنه الترمذي فى بعض النسخ وأقره الألباني في شرح الطحاوية، حديث: 263) اسی طرح آج کل مغربی جمہوریت کا بڑا چرچا ہے، قرآن کے بیان کردہ اس اصول سے ''جمہوریت'' کی بھی نفی ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جمہوریت اکثریت کی رائے اور ان کی خواہشات کا نام ہے اور اکثریت گمراہوں کی ہے، اس لیے ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہی ہو سکتے ہیں، ہدایت یافتہ نہیں۔ [5] یعنی جس جانور پر شکار کرتے وقت یا ذبح یا نحر کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھالو بشرطیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہوں جن کا کھانا مباح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر عمداً ان موقعوں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، وہ حلال و طیب نہیں، البتہ ایسی صورت کہ جس میں التباس (شک) ہو کہ ذبح کے وقت ذبح کرنے کے اہل شخص نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ ایسے لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوا» (صحيح البخاري، حديث: 5507) ''تم اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔'' یعنی اس صورت میں یہ حکم ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی منڈیوں اور دکانوں سے ملنے والا گوشت حلال ہے۔ اگر کسی کو کوئی وہم اور التباس ہو تو وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ البتہ جو مسلمان عمداً بسم اللہ نہ کہے، اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ [6] جس کی تفصیل اسی سورت میں آگے آ رہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور سورتوں، نیز احادیث میں محرمات کی تفصیل بیان کر دی

Marfat.com

إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ
تم کھانے پر مجبور ہو جاؤ (تو وہ بھی حلال ہیں) اور بے شک اکثر لوگ اپنی خواہشات سے، بغیر علم کے
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿119﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ
دوسروں کو بہکاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے (119) اور تم کھلے
الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ
اور چھپے گناہ چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان (عملوں) کی جلد سزا ملے گی
بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿120﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ
جو وہ کرتے رہے ہیں (120) اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا
اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ
ہو، کیونکہ یہ (کھانا) یقیناً نافرمانی ہے[1] اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے ذہنوں میں
أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ
شبہے ڈالتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں[2] اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم بھی
لَمُشْرِكُونَ ﴿121﴾ أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا
ضرور مشرک ہو گے (121) کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اس کے
لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ
لیے نور بنا دیا، وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے، (کیا) وہ اس شخص جیسا (ہو سکتا) ہے جس کا
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا
حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے، ان سے نکلنے والا نہیں؟[3] اسی طرح کافروں کے لیے ان کاموں
يَعْمَلُونَ ﴿122﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ
میں کشش رکھی گئی ہے جو وہ کرتے ہیں (122) اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے
مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۖ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ
مجرموں کو لگا دیا کہ وہ اس (بستی) میں اپنے مکر و فریب کا جال پھیلائیں[4] اور وہ اپنے آپ ہی سے مکر و

گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی حلال ہیں اور حرام جانور عند الاضطرار سدِ رمق کی حد تک جائز ہیں۔

[1] یعنی جس جانور پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کا کھانا فسق اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا'' اور امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے، تاہم امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے، چاہے وہ اللہ کا نام لے یا عمداً چھوڑ دے اور وہ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ [2] شیطان نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے سے یہ بات پھیلائی کہ یہ مسلمان اللہ کے ذبح کیے ہوئے جانور (مردہ) کو تو حرام اور اپنے ہاتھ سے ذبح شدہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان اور اس کے دوستوں کے وسوسوں کے پیچھے مت لگو جو جانور مردہ ہے، یعنی بغیر ذبح کیے مر گیا (سوائے سمندری میتہ کے کہ وہ حلال ہے) اس پر چونکہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ [3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو مَيْتًا (مردہ) اور مومن کو حَيٌّ (زندہ) قرار دیا ہے، اس لیے کہ کافر کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے اور مومن کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے سے زندہ فرما دیتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لیے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان و ہدایت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ کامیابی و کامرانی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے: اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم ... وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (البقرة 2:257)، مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا (ہود 11:24) اور وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (فاطر 35:19-22) [4] أَكَابِرَ اکبر کی جمع ہے، مراد کافروں اور فاسقوں کے سرغنے اور کھڑپینچ ہیں کیونکہ یہی انبیاء اور داعیانِ حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے لگنے والے ہوتے ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے مخالفتِ حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں (یہی مضمون سورۂ سبا کی آیات: 31 تا 33، سورۂ زخرف کی آیت: 23 اور سورۂ نوح کی آیت: 22 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔)

Marfat.com

وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿123﴾ وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
فریب کرتے ہیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے (123)[1] اور جب ان کے پاس نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم
حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ
ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ ایسی ہی چیز خود ہمیں دی جائے جیسی رسولوں کو دی گئی۔[2] اللہ زیادہ
يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ
بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔[3] جن لوگوں نے جرم کیے انھیں جلد ہی اللہ کے ہاں
وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿124﴾ فَمَنْ يُّرِدِ
ذلت ملے گی، اور اس مکروفریب کی وجہ سے شدید عذاب ہوگا جو وہ کرتے رہے (124) چنانچہ اللہ جسے
اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ
ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے
اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا
گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ آسمان میں چڑھ
يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى
رہا ہو،[4] اسی طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی (مسلط) کر دیتا ہے جو ایمان
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿125﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ
نہیں لاتے (125)[5] اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ
کھول کر بیان کردی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں (126) انھی کے لیے ان کے رب کے ہاں
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾ وَيَوْمَ
سلامتی کا گھر ہے، اور وہ ان کاموں کی وجہ سے ان کا دوست ہے جو وہ کرتے رہے (127)[6] اور
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ
جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا (تو فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں میں سے
مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
بہت زیادہ (گمراہ) کیے تھے،[7] اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ
نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا،[8] اور ہم اس میعاد کو پہنچے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی،[9] اللہ

[1] یعنی ان کی اپنی شرارت کا وبال اور اسی طرح ان کے پیچھے لگنے والے لوگوں کا وبال، انھی پر پڑے گا۔ مزید دیکھیے سورۂ عنکبوت کی آیت: 13 اور سورۂ نحل کی آیت: 25. [2] یعنی ان کے پاس بھی فرشتے وحی لے کر آئیں اور ان کے سروں پر بھی نبوت و رسالت کا تاج رکھا جائے۔ [3] یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے؟ مکے کا کوئی چودھری اور رئیس یا مکے کا در یتیم محمد رسول اللہ ﷺ؟ [4] یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں ہے، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا سینہ اس کے لیے کھول دے۔ [5] یعنی جس طرح سینہ تنگ کر دیتا ہے، اسی طرح رجس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ رجس سے مراد پلیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ [6] یعنی جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر و ضلالت کے کج راستوں سے بچ کر ایمان و ہدایت کی صراط مستقیم پر گامزن رہے، اب آخرت میں بھی ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا، ان کے نیک عملوں کی وجہ سے دوست اور کارساز ہے۔ [7] یعنی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تم نے گمراہ کر کے اپنا پیروکار بنالیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے بنی آدم کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کر دیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا مت کرنا، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے اور اس شیطان نے تمھاری ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا ہے کیا پس تم سمجھتے نہیں؟'' (یٰسٓ 36:60-62) [8] جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں: جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا، ان کو اپنا پیروکار بنا کر ان سے تلذذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ شیطانوں نے گناہوں کو ان کے لیے خوبصورت بنا دیا جسے انھوں نے قبول کیا اور گناہوں کی لذت میں پھنسے رہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ان غیبی خبروں کی تصدیق کرتے رہے جو شیاطین و جنات کی طرف سے کہانت کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں۔ یہ گویا جنات نے انسانوں کو بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی یا اٹکل پچو باتوں سے لطف اندوز ہوتے اور کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہے۔

Marfat.com

اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا
فرمائے گا: آگ ہی تمھارا ٹھکانا ہے، تم اس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ چاہے (تو دوسری بات
مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿128﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ
ہے)،[1] بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے (128) اور اسی طرح ہم بعض ظالموں
بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿129﴾ يٰمَعْشَرَ
کو بعض پر ان کاموں کی وجہ سے مسلط کر دیتے ہیں جو وہ کرتے رہے (129) [2] اے جنوں اور انسانوں
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
کے گروہ! کیا تمھارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے؟[3] وہ تم سے میری آیات بیان کرتے
اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا شَهِدْنَا
تھے، اور تمھیں تمھاری اس آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ (تب) وہ کہیں گے: ہم اپنے
عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى
آپ پر گواہی دیتے ہیں۔ اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا، اور وہ اپنے آپ پر گواہی
اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿130﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ
دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے (130) [4] یہ (رسول) اس لیے (بھیجے گئے) کہ آپ کا رب
رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾
بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں، جبکہ ان کے باشندے[5] غافل ہوں (131) اور
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انھوں نے کیے،[6] اور آپ کا رب اس سے
عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿132﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ اِنْ يَّشَاْ
غافل نہیں جو وہ کرتے ہیں (132) اور آپ کا رب بے نیاز ہے رحمت والا ہے،[7] اگر وہ
يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ
چاہے تو تمھیں لے جائے، اور تمھارے بعد جنھیں چاہے جانشین بنا دے،
اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿133﴾ اِنَّ مَا
جیسے اس نے تمھیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا (133) [8] بے شک جس چیز کا تم سے

[9] یعنی قیامت واقع ہوگئی جسے ہم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب جہنم تمھارا دائمی ٹھکانہ ہے۔

[1] اللہ کی مشیت کفار کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہی ہے جس کی اس نے بار بار قرآن کریم میں وضاحت کی ہے۔ بنا بریں اس سے کسی کو مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ استثنا اللہ تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے بیان کے لیے ہے جسے کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اگر وہ کفار کو جہنم سے نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، اس سے نہ وہ عاجز ہے نہ کوئی دوسرا روکنے والا۔ (أیسر التفاسیر) [2] یعنی جہنم میں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور مددگار بنایا (جیسا کہ گزشتہ آیت میں گزرا) اسی طرح ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر ہم مسلط کر دیتے ہیں، اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک و تباہ کرتا ہے اور ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم کے ذریعے سے لے لیتے ہیں۔ [3] رسالت و نبوت کے معاملے میں جنات انسانوں کے ہی تابع ہیں ورنہ جنات میں الگ نبی نہیں آئے، البتہ رسولوں کا پیغام پہنچانے والے اور منذرین جنات میں ہوتے رہے ہیں جو اپنی قوم کے جنوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور دیتے ہیں۔ [4] میدان حشر میں کافر مختلف پینترے بدلیں گے، کبھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے (الأنعام 23:6) اور کبھی اقرار کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا، جیسے یہاں ان کا اقرار نقل کیا گیا ہے۔ [5] یعنی رسولوں کے ذریعے سے جب تک اپنی حجت قائم نہیں کر دیتا، ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ یہی بات سورۂ فاطر، آیت: 24، وسورۂ نحل، آیت: 26، وسورۂ بنی اسرائیل، آیت: 15 اور سورۂ ملک، آیت: 9،8 وغیرہ میں بیان کی گئی ہے۔ [6] یعنی ہر انسان اور جن کے باہمی درجات میں عملوں کے مطابق فرق ہوگا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے۔ [7] وہ غنی (بے نیاز) ہے اپنی مخلوقات سے۔ ان کا محتاج ہے نہ ان کی عبادتوں کا ضرورت مند ہے، ان کا ایمان اس کے لیے نفع مند ہے نہ ان کا کفر اس کے لیے ضرر رساں۔ لیکن اس شان غنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لیے رحیم بھی ہے، اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔ [8] یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے۔ جس طرح پچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا، وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمھیں نیست و نابود کر دے اور تمھاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔ (مزید ملاحظہ ہو النسآء

Marfat.com

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿134﴾ قُلْ

وعدہ کیا جاتا ہے، وہ ضرور آنے والی ہے، اور تم عاجز کرنے والے نہیں ﴿134﴾ [1] (اے نبی!) کہہ

يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ

دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، [2]

تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ

چنانچہ جلد ہی تم جان لوگے کہ کس شخص کے لیے آخرت کا (اچھا) انجام ہے۔ اور بے شک

الظّٰلِمُوْنَ ﴿135﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ

ظالم فلاح نہیں پائیں گے ﴿135﴾ [3] اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ ٹھہرایا جو اس نے

نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ

کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ (حصہ) اللہ کے لیے

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَمَا

ہے، اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے ہے، [4] پھر ان کے دیوتاؤں کا جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں

كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰی شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا

پہنچتا [5] اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، [6] کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ

یَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾ وَكَذٰلِكَ زَیَّنَ لِكَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ

کرتے ہیں ﴿136﴾ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے دیوتاؤں نے ان کی اولاد کا

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِیُرْدُوْهُمْ وَلِیَلْبِسُوْا

قتل پسندیدہ بنا رکھا ہے، [7] تاکہ وہ انھیں ہلاک کردیں اور ان کے لیے ان کا دین مشکوک بنادیں [8]

عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ ۚ فَذَرْهُمْ

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے، [9] چنانچہ انھیں اور ان کے جھوٹ کو (ان کے حال پر)

وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۚ

چھوڑ دیجیے جو وہ گھڑتے ہیں ﴿137﴾ اور اپنے (جھوٹے) خیال کے مطابق انھوں نے کہا: یہ چوپائے

لَّا یَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

اور کھیتی ممنوع ہیں، انھیں بس وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں، [10] اور بعض چوپائے ہیں جن کی پشت (پر

133:4 وابراہیم 14: 20,19 وفاطر 17,16:35 ومحمد 38:47)

[1] اس سے مراد قیامت ہے۔ ''اور تم عاجز کرنے والے نہیں'' کا مطلب ہے کہ وہ تمھیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے چاہے تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکے ہو۔ [2] یہ کفر اور معصیت پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سخت وعید ہے جیسا کہ اگلے الفاظ سے بھی واضح ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ (ہود 11: 121،122) ''جو ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، ہم بھی عمل کرتے ہیں اور انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔'' [3] جیسا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کر دکھایا، 8 ہجری میں مکہ فتح ہوگیا اور فتح کے بعد عرب قبائل فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا اور یہ دائرہ پھر پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ [4] اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ وعمل کا ایک نمونہ بتلایا گیا ہے جو انھوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھے تھے۔ وہ زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ اپنے خود ساختہ معبودوں کے لیے مقرر کر لیتے۔ اللہ کے حصے کو مہمانوں، فقراء اور صلہ رحمی پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصے کو بتوں کے مجاورین اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے، پھر اگر بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں شامل کر لیتے اور اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے نہ نکالتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے۔ [5] یعنی اللہ کے حصے میں کمی کی صورت میں بتوں کے مقررہ حصے میں سے تو صدقات وخیرات نہ کرتے۔ [6] ہاں، اگر بتوں کے مقررہ حصے میں کمی ہو جاتی تو وہ اللہ کے مقررہ حصے سے لے کر بتوں کے مصالح اور ضروریات پر خرچ کر لیتے، یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عظمت اور ان کا خوف ان کے دلوں میں زیادہ تھا جس کا مشاہدہ آج کے مشرکین کے رویے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ [7] یہ اشارہ ہے ان کے بچیوں کے زندہ درگور کردینے یا بتوں کی بھینٹ چڑھانے کی طرف۔ [8] یعنی ان کے دین میں شرک کی آمیزش کردیں۔ [9] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات اور قدرت سے ان کے ارادہ واختیار کی آزادی کو سلب کر لیتا تو پھر یقیناً یہ وہ کام نہ کرتے جو مذکور ہوئے لیکن ایسا کرنا چونکہ جبر ہوتا جس میں انسان کی آزمائش نہیں ہو سکتی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دے کر آزمانا چاہتا ہے، اس لیے اللہ نے جبر نہیں فرمایا۔ [10] اس میں ان کی جاہلی شریعت اور اباطیل کی تین صورتیں اور بیان فرمائی ہیں۔

Marfat.com

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

سواری) حرام کردی گئی،[1] اور بعض چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں پڑھتے ، یہ سب وہ اللہ پر جھوٹ

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿138﴾

گھڑتے ہوئے کرتے ہیں،[2] وہ جلد ہی انھیں اس جھوٹ کی سزا دے گا جو وہ گھڑتے رہے ہیں ﴿138﴾ اور

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ

انھوں نے کہا: ان (حرام کیے ہوئے) چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہو وہ خالص ہمارے مردوں کے

لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً

لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ مردہ ہوتو (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہیں۔[3]

فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ

جلد ہی اللہ انھیں اس طرح (خود ہی حلال اور حرام) طے کرنے کی سزا دے گا،[4] بے شک وہ بڑا حکمت

حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿139﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ

والا، خوب جاننے والا ہے ﴿139﴾ بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اپنی اولاد کو علم

سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً

کے بغیر بیوقوفی سے قتل کیا، اور اللہ نے انھیں جو رزق دیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر اسے حرام ٹھہرایا،

عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿140﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ

تحقیق وہ گمراہ ہوگئے، اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے ﴿140﴾ اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے،

اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ

ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے ، اور کھجور اور فصلیں (پیدا کیں) ان کے

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

پھل (مزے میں) مختلف ہیں،[5] اور زیتون اور انار (پیدا کیے)، ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ

بھی،[6] ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق

يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿141﴾

دے دیا کرو،[7] اور فضول خرچی[8] نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿141﴾[9]

حِجْرٌ (بمعنی منع) اگرچہ مصدر ہے لیکن مفعول، یعنی مَحْجُوْرٌ (ممنوع) کے معنی میں ہے۔ یہ پہلی صورت ہے کہ یہ جانور یا فلاں کھیت کی پیداوار، ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسے صرف وہی کھائے گا جسے ہم اجازت دیں گے۔ یہ اجازت بتوں کے خادم اور مجاورین ہی کے لیے ہوتی۔

[1] یہ دوسری صورت ہے کہ وہ مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے بتوں کے نام، آزاد چھوڑ دیتے جن سے وہ بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے، جیسے بَحِيْرَة، سَائِبَة وغیرہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ مائدہ 103:5 کا حاشیہ) [2] یہ تیسری صورت ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت صرف اپنے بتوں کا نام لیتے، اللہ کا نام نہ لیتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان جانوروں پر بیٹھ کر وہ حج کے لیے نہ جاتے۔ بہرحال یہ ساری صورتیں گھڑی ہوئی تو ان کی اپنی تھیں لیکن وہ اللہ پر افترا باندھتے، یعنی یہ باور کراتے کہ اللہ کے حکم سے ہی ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔ [3] یہ ایک اور شکل ہے کہ جو جانور وہ اپنے بتوں کے نام وقف کرتے، ان میں سے بعض کے بارے میں کہتے کہ ان کا دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے، عورتوں کے لیے حرام ہے۔ ہاں، اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت برابر سمجھے جاتے۔ [4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو غلط بیانی کرتے ہیں اور اللہ پر افترا باندھتے ہیں، ان پر عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے گا۔ وہ اپنے فیصلوں میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح علم رکھنے والا ہے اور اپنے علم و حکمت کے مطابق وہ جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا۔ [5] مَعْرُوْشٰتٍ کا مادہ عرش ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔ مراد معروشات سے بعض درختوں کی وہ بیلیں ہیں جو ٹٹیوں (چھپروں، منڈیروں وغیرہ) پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور اور بعض ترکاریوں کی بیلیں ہیں۔ اور غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وہ درخت ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں بلکہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں، جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ کی بیلیں ہیں یا وہ تنے دار درخت ہیں جو بیل کی شکل میں نہیں ہوتے۔ یہ تمام بیلیں، درخت اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں، جن کے ذائقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون و انار، ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ [6] اس کے لیے دیکھیے آیت: 99 کا حاشیہ۔ [7] یعنی جب کھیتی سے غلہ کاٹ کر صاف کرلو اور پھل درختوں سے توڑ لو تو اس کا حق ادا کرو۔ اس حق سے مراد بعض علماء کے نزدیک نفلی صدقہ ہے اور بعض کے نزدیک صدقہ واجبہ، یعنی عشر، دسواں حصہ (اگر زمین بارانی اور نہری ہو) یا نصف عشر، یعنی بیسواں حصہ (اگر زمین کنویں، ٹیوب ویل سے

Marfat.com

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۚ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ
اور (پیدا کیے) اس نے چوپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے (پست قد)،[1] اللہ
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ
نے تمھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ[2] اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔[3] بے شک وہ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ
تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿142﴾ یہ آٹھ قسمیں (پیدا کی) ہیں[4] دو بھیڑ میں سے اور دو بکری میں سے،[5]
وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ
(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا اس (اللہ) نے دونوں کے نر حرام کیے ہیں یا دونوں کی مادائیں یا
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ
وہ بچے جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوں؟[6] (ٹھیک ٹھیک) علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿143﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ
سچے ہو ﴿143﴾[7] اور دو اونٹوں میں سے اور دو گایوں میں سے۔[8] کہہ دیجیے: کیا اللہ نے
اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ
دونوں کے نر حرام کیے ہیں یا دونوں کی مادائیں یا وہ بچے جو دونوں ماداؤں کے
عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ
پیٹ میں ہوں؟ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمھیں یہ تاکیدی حکم دیا تھا؟[9]
اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا[10] تاکہ وہ بغیر علم

سیراب کی جاتی ہو۔) [8] یعنی صدقہ وخیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق حکام سے ہے، یعنی صدقات وزکاۃ کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کرو اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کی رو سے زیادہ صحیح یہ بات لگتی ہے کہ کھانے میں اسراف مت کرو کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔ اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اس لیے سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا ہے جس سے واضح ہے کہ کھانے پینے میں بھی اعتدال بہت ضروری اور اس سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہے۔ آج کل مسلمانوں نے اس اسراف کو اپنی امارت کے اظہار کی علامت بنا لیا ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [9] اس لیے اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے، صدقہ وخیرات دینے میں نہ کسی اور چیز میں۔ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی مطلوب ومحبوب ہے اور اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

[1] حَمُوْلَةً (بوجھ اٹھانے والے) سے مراد اونٹ، گدھا اور خچر وغیرہ ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں اور فَرْشًا سے مراد زمین سے لگے ہوئے جانور، جیسے بکری وغیرہ جس کا تم دودھ پیتے یا گوشت کھاتے ہو۔ [2] یعنی پھلوں، کھیتوں اور چوپایوں سے۔ ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان کو تمھارے لیے خوراک بنایا ہے۔ [3] جس طرح مشرکین اس کے پیچھے لگ گئے اور حلال جانوروں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا گویا اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کو حلال کر لینا، یہ شیطان کی پیروی ہے۔ [4] یعنی أَنْشَأَ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ''اسی اللہ نے آٹھ زوج پیدا کیے۔'' اَزْوَاج زَوْجٌ کی جمع ہے۔ ایک ہی جنس کے نر اور مادہ کو زَوْج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک ایک فرد کو بھی زَوْج کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لیے زوج ہوتا ہے۔ قرآن کے اس مقام پر بھی ازواج، افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی 8 افراد اللہ نے پیدا کیے جو باہم ایک دوسرے کا جوڑا ہیں۔ یہ نہیں کہ زوج (بمعنی جوڑے) پیدا کیے کیونکہ اس طرح تعداد 8 کی بجائے 16 ہو جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔ [5] یہ ثَمَانِيَة سے بدل ہے اور مراد دو قسم سے نر اور مادہ ہے، یعنی بھیڑ سے نر اور مادہ اور بکری سے نر اور مادہ پیدا کیے۔ (بھیڑ میں دنبہ اور چھترا بھی شامل ہے۔) [6] مشرکین جو بعض جانوروں کو اپنے طور پر ہی حرام کر لیتے تھے، اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا اس بچے کو جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو کسی کو بھی حرام نہیں کیا ہے۔ [7] تمھارے پاس حرام قرار دینے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو پیش کرو کہ بَحِیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ اس دلیل کی بنیاد پر حرام ہیں۔
[8] یہ بھی ثمانیة سے بدل ہے اور یہاں بھی دو دو قسم سے دونوں کے نر اور مادہ مراد ہیں اور یوں یہ آٹھ قسمیں پوری ہو گئیں۔ [9] یعنی تم جو بعض جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، کیا جب اللہ نے ان کی حرمت کا حکم دیا تو تم اس کے پاس موجود تھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی حرمت کا کوئی حکم ہی نہیں دیا، یہ سب تمھارا افترا ہے اور تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ [10] یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ

Marfat.com

لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بے شک اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں
الظّٰلِمِيْنَ ۠ (144) قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا
دیتا(144) (اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو
عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا
کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت،
مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ
کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو،[1]
لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ
پھر جو شخص مجبور ہو جائے، (بشرطیکہ) وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو بے شک آپ
رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (145) وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا
کا رب بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے(145) اور جو لوگ یہودی ہوئے ان پر ہم نے ہر
كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
ناخن والا (جانور) حرام کیا تھا[2] اور گائے اور بکری میں سے ان پر ان کی چربی حرام کی
شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ
تھی، سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں کے ساتھ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی
بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۚ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (146)
ہوئی ہو،[3] یہ سزا ہم نے انھیں ان کی سرکشی کے باعث دی تھی[4] اور بے شک ہم سچے ہیں(146)[5]

میں نے عمرو بن لُحی کو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا، اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر وصیلہ اور حام وغیرہ جانور چھوڑنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4623، وصحيح مسلم، حديث: 2856) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عمرو بن لُحی خزاعہ قبیلے کے سرداروں میں سے تھا جو جرہم قبیلے کے بعد خانہ کعبہ کا والی بنا تھا، اس نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی اور حجاز میں بت قائم کر کے لوگوں کو ان کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور مشرکانہ رسمیں جاری کیں۔ (ابن کثیر) بہرحال مقصود آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آٹھ قسم کے جانور پیدا کر کے بندوں پر احسان فرمایا ہے، ان میں سے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر لینا، اللہ کے احسان کو رد کرنا بھی ہے اور شرک کا ارتکاب بھی۔

[1] اس آیت میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اس کی ضروری تفصیل سورۂ بقرہ، آیت: 173 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ مزید قابل وضاحت ہے کہ ان چار محرمات کا ذکر کلمہ حصر سے کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار قسموں کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے قبل مشرکین کے جاہلانہ طریقوں اور ان کے رد کا بیان چلا آ رہا ہے۔ ان ہی میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا ہے جو انھوں نے اپنے طور پر حرام کر رکھے تھے، اس سیاق اور ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے، اس میں تو اس سے مقصود مشرکین کے حرام کردہ جانوروں کی حلت ہے، یعنی وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے جن محرمات کا ذکر کیا ہے، ان میں تو وہ شامل ہی نہیں ہیں اگر وہ حرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی ذکر ضرور کرتا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ اگر یہ آیت مکی نہ ہوتی تو پھر یقیناً محرمات کا حصر قابل تسلیم تھا لیکن چونکہ اس کے بعد خود قرآن نے سورۂ مائدہ میں بعض اور محرمات کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے پرندوں اور درندوں کی حلت وحرمت معلوم کرنے کے لیے دو اصول بیان فرما دیے ہیں جن کی وضاحت بھی مذکورہ محولہ حاشیہ میں موجود ہے۔ فِسْقًا کا عطف لَحْمَ خِنْزِيْرٍ پر ہے، اس لیے منصوب ہے۔ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ معنی ہیں: أَيْ ذُبِحَ عَلَى الْأَصْنَامِ "وہ جانور جو بتوں کے نام پر یا ان کے تھانوں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیے جائیں۔" یعنی ایسے جانوروں پر گو عند الذبح اللہ کا نام لیا جائے، تب بھی حرام ہوں گے کیونکہ ان سے اللہ کا تقرب نہیں، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہے۔ فسق رب کی اطاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لیے کیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو یہی فسق اور شرک ہے۔ [2] ناخن والے جانور سے مراد وہ ہاتھ والے جانور ہیں جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی، یعنی جدا جدا نہ ہوں، جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ، قاز وغیرہ۔ ایسے سب چرند پرند ان پر حرام تھے۔ گویا صرف وہ جانور اور پرندے ان کے لیے حلال تھے جن کے پنجے کھلے ہوں۔ [3] یعنی جو چربی گائے یا بکری کی پشت پر ہو (یا دنبے کی چکتی ہو) یا انتڑیوں (یا اوجھ) یا ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ چربی کی یہ مقدار حلال تھی۔ [4] یہ چیزیں ہم نے بطور سزا ان پر حرام کی تھیں، یعنی یہود کا

Marfat.com

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ
پھر اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے[1] اور اس کا
بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿147﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
عذاب مجرم قوم سے ٹالا نہیں جاتا ﴿147﴾ [2] جن لوگوں نے شرک کیا وہ جلد ہی کہیں گے: اگر اللہ
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ
چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے[3] اسی طرح ان
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ
لوگوں نے (حق کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا عذاب چکھ
عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
لیا[4] کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو؟[5] تم تو گمان ہی کی
وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿148﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ
پیروی کرتے ہو، اور تم اٹکل پچو ہی سے کام لیتے ہو ﴿148﴾ کہہ دیجیے: پھر مضبوط دلیل تو اللہ ہی
فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿149﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ
کی ہے، لہٰذا اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا ﴿149﴾ کہہ دیجیے: تم اپنے گواہ لے آؤ جو اس بات
الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
کی گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے ان (چیزوں) کو حرام کیا ہے[6] پھر اگر وہ گواہی دیں تو بھی آپ ان
فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
کے ساتھ گواہی[7] نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جنھوں نے ہماری آیات
بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ
جھٹلائیں اور (نہ) ان لوگوں کی (پیروی کریں) جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ دوسروں کو اپنے
يَعْدِلُوْنَ ﴿150﴾ ع قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (ع 18 6 5)
رب کے برابر ٹھہراتے ہیں ﴿150﴾ [8] کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمہارے رب نے تم
اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ۚ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا
پر حرام کیا ہے[9] یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ[10] اور ماں باپ کے ساتھ نیکی
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
کرو[11] اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے

یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں اور ہم تو ان کے اتباع میں ان کو حرام سمجھتے ہیں۔ [5] اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود یقیناً اپنے مذکورہ دعوے میں جھوٹے ہیں۔

[1] اس لیے تکذیب کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ [2] یعنی مہلت دینے کا مطلب ہمیشہ کے لیے عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا نہیں ہے۔ وہ جب بھی عذاب دینے کا فیصلہ کرے گا تو پھر اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ [3] یہ وہی مغالطہ ہے جو مشیت الٰہی اور رضائے الٰہی کو ہم معنی سمجھ لینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، حالانکہ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔ [4] اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ اگر یہ شرک اللہ کی رضا کا مظہر تھا تو پھر ان پر عذاب کیوں آیا؟ عذاب الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضائے الٰہی اور چیز۔ [5] یعنی اپنے دعوے پر تمھارے پاس دلیل ہے تو پیش کرو! لیکن ان کے پاس دلیل کہاں؟ وہاں تو صرف اوہام وظنون ہی ہیں۔ [6] یعنی وہ جانور جن کو مشرکین حرام قرار دیے ہوئے تھے۔ [7] کیونکہ ان کے پاس سوائے کذب وافترا کے کچھ نہیں۔ [8] یعنی اس کا عدیل (برابر کا) ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔ [9] یعنی حرام وہ نہیں ہیں جن کو تم نے بلا دلیل مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ محض اپنے اوہام باطلہ اور ظنونِ فاسدہ کی بنیاد پر حرام قرار دے رکھا ہے بلکہ حرام تو وہ چیزیں ہیں جن کو تمھارے رب نے حرام کیا ہے کیونکہ تمھارا پیدا کرنے والا اور تمھارا پالنہار وہی ہے اور ہر چیز کا علم بھی اسی کے پاس ہے، اس لیے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس چیز کو چاہے حرام کرے، چنانچہ میں تمھیں ان باتوں کی تفصیل بتلاتا ہوں جن کی تاکید تمھارے رب نے کی ہے۔ [10] اَلَّا تُشْرِكُوْا سے پہلے أَوْصَاكُمْ محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو تم شریک مت ٹھہراؤ۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے لیے معافی نہیں، مشرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ قرآن مجید میں یہ ساری چیزیں مختلف انداز سے بار بار بیان ہوئی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں ان کو تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمادیا ہے۔ اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آ کر شرک کا عام ارتکاب کرتے ہیں۔ [11] اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی) والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی

Marfat.com

وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
ہیں[1] اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، اور کسی
بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ
ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو، سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو[2] ان
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿151﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ
ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو(151) اور تم یتیم کے مال کے
الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا
قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ پختگی کی عمر کو پہنچ جائے[3]
الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا
اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا دو[4] ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں
وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ
دیتے[5] اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتے دار
وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ
(کا) ہو، اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے، تاکہ تم نصیحت
تَذَكَّرُونَ ﴿152﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ
حاصل کرو(152) اور یقیناً یہ[6] میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو[7] اور تم دوسرے

ہے کہ اطاعتِ رب کے بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی نے والدین کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کے تقاضے پورے نہیں کیے تو وہ رب تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے تقاضے بھی پورے کرنے میں ناکام رہے گا۔

[1] زمانۂ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور وشور سے جاری ہے۔ یہ افراد یا حکومتیں سمجھتی ہیں کہ وسائل رزق ہمارے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہیں، قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔ [2] یعنی قصاص کے طور پر نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر مقتول کے وارث معاف نہ کریں تو یہ قتل نہایت ضروری ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرۃ 2:179) ''قصاص میں تمھاری زندگی ہے۔'' [3] جس یتیم کی کفالت تمھاری ذمہ داری قرار پائے تو اس کی ہر طرح خیر خواہی کرنا تمھارا فرض ہے۔ اسی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے، یعنی وراثت میں سے اس کو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے مال کی اس وقت تک پورے خلوص سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ [4] ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا ناپ یا تول کر لینا مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا، یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے من جملہ اسباب میں سے تھی۔ آج کل یہ اخلاقی کمزوری بھی عام ہوتی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ [5] یہاں اس بات کے بیان سے یہ مقصد ہے کہ جن باتوں کی تاکید کر رہے ہیں، یہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے، اس لیے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو مکلف ہی نہیں ٹھہراتے، اس لیے اگر نجات اخروی اور دنیا میں بھی عزت وسرفرازی چاہتے ہو تو ان احکام الٰہی پر عمل کرو اور ان سے گریز مت کرو۔ [6] هٰذَا (یہ) سے مراد قرآن مجید یا دین اسلام یا وہ احکام ہیں جو بطور خاص اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ ہیں: توحید، رسالت اور معاد۔ اور یہی اسلام کے اصول ثلاثہ ہیں جن کے گرد پورا دین گھومتا ہے، اس لیے جو بھی مراد لیا جائے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ [7] صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی یا قرآن کی یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں، اس لیے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملت مسلمہ کی وحدت واجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے، حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ ''دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔'' دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ 42:13) ''دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔'' یعنی اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ''یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔'' اور چند خطوط اس کی دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: ''یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے۔ (مسند أحمد: 1/435 احمد شاکر

Marfat.com

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (153) ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى

اس کی تاکید کی ہے، تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو (153) پھر ہم نے موسیٰ کو اس لیے کتاب دی کہ

الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ

جو شخص اچھے کام کرے اس پر ہماری نعمتیں پوری ہوں، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے۔

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (154) ع 19 4 6

اور یہ ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے[1]، تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں (154)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا

اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے، ہم نے اسے نازل کیا ہے، (یہ) برکت والی ہے[2]، پس تم اس کی

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (155) اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ

پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (155) تاکہ تم[3] یہ نہ کہو کہ صرف ہم سے پہلے

الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ

دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم تو ان کے پڑھنے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ (156) اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

پڑھانے سے بے خبر تھے (156)[4] یا تم (یہ نہ) کہو کہ اگر بے شک ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم

الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ

ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، چنانچہ یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

ایک واضح کتاب اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے[5]، پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ

کی آیتوں کو جھٹلایا، اور ان سے منہ موڑا؟[6] جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انھیں جلد ہم

اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ (157) هَلْ

سخت عذاب کی شکل میں سزا دیں گے، اس لیے کہ وہ حق سے منہ موڑتے ہیں (157) کیا وہ صرف اس

يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ

بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ

بعض نشانیاں آئیں؟[7] جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا

نے اسے صحیح کہا ہے دیکھیے مسند أحمد: 4142 بتعليق أحمد شاكر رحمہ اللہ) بلکہ ابن ماجہ کی حدیث: 11 میں صراحت ہے کہ دو دو خط دائیں اور بائیں کھینچے، یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انھیں شیطان کا راستہ بتلایا لیکن پھر بھی آج کل لوگ کہتے ہیں کہ حق کا راستہ ایک نہیں ہے، چار ہیں اور چاروں ہی برحق ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (صٓ 38:5) حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس 10:32) ''حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔''

[1] قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے جو متعدد جگہ دہرایا گیا ہے کہ جہاں قرآن کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں تورات کا اور جہاں تورات کا ذکر ہو، وہاں قرآن کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں تورات کا اور اس کے اس وصف کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں ان کی دینی ضروریات کی تمام باتیں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں اور وہ ہدایت و رحمت کا باعث تھی۔ [2] اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں دین و دنیا کی برکتیں اور بھلائیاں ہیں۔ [3] یعنی یہ قرآن اس لیے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہو۔ دو گروہوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ [4] اس لیے کہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی، چنانچہ اس عذر کو قرآن عربی میں اتار کر ختم کر دیا۔ [5] گویا یہ عذر بھی تم نہیں کر سکتے۔ [6] یعنی کتاب ہدایت و رحمت کے نزول کے بعد اب جو شخص ہدایت (اسلام) کا راستہ اختیار کر کے رحمت الٰہی کا مستحق نہیں بنتا بلکہ تکذیب و اعراض کا راستہ اپناتا ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ صَدَفَ جب لازم ہو تو اس کے معنی اعراض کرنے کے کیے گئے ہیں اور متعدی ہو تو دوسروں کو روکنے کے ہیں۔ [7] قرآن مجید کے نزول اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی ہے۔ اب بھی اگر یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یعنی ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے، اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کا رب ان کے پاس آئے، یعنی قیامت برپا ہو جائے اور وہ اللہ کے روبرو پیش کیے جائیں۔ اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کے رب کی کوئی

Marfat.com

نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ
اسے فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا،[1] یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل
اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿158﴾ اِنَّ
نہیں کیا تھا[2] کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿158﴾ [3] بے شک جن
الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ
لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی کی، اور وہ گروہوں میں بٹ گئے،[4] آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں،
شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا
بے شک ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، پھر وہ انھیں ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو وہ کرتے
يَفْعَلُوْنَ ﴿159﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ
رہے تھے ﴿159﴾ جو شخص (وہاں) ایک نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہوگا،[5]
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا
اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا تو اسے بس اس کے برابر ہی سزا دی جائے گی[6] اور ان
يُظْلَمُوْنَ ﴿160﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿160﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی
دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ
طرف ہدایت دی ہے صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کی، ایک رب کے پرستار ابراہیم کے طریقے کی،
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿161﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ
اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ﴿161﴾ کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری
وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿162﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ
موت، (سب کچھ) اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے ﴿162﴾ اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی (بات
اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿163﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ
یعنی توحید) کا حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ﴿163﴾ [7] کہہ دیجیے: کیا میں اللہ کے

بڑی نشانی آئے، جیسے قیامت کے قریب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا تو اس قسم کی بڑی نشانی دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے؟ اگلے جملے میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر یہ اس انتظار میں ہیں تو بہت ہی نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں کیونکہ بڑی نشانی کے ظہور کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق و فاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ صحیح حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ سورج (مشرق کی بجائے) مغرب سے طلوع ہو، پس جب ایسا ہوگا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔'' پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ''یعنی اس وقت ایمان لانا کسی کو نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4635)

[1] یعنی کافر کا ایمان فائدہ مند اور مقبول نہیں ہوگا۔ [2] اس کا مطلب ہے کہ کوئی گناہ گار مومن گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کے بعد عمل صالح غیر مقبول ہوگا جیسا کہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ [3] یہ ایمان نہ لانے والوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لیے تہدید و وعید ہے۔ قرآنِ کریم میں یہی مضمون سورۂ محمد، آیت: 18 اور سورۂ مؤمن، آیت: 85,84 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [4] اس سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے ہیں کہ کچھ مشرک ملائکہ کی، کچھ ستاروں کی، کچھ مختلف بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن یہ آیت عام ہے، کفار و مشرکین سمیت وہ سب لوگ اس میں داخل ہیں جو اللہ کے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے دین یا دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفرق و تحزّب کا راستہ اپناتے ہیں۔ شِيَعًا کے معنی ہیں: فرقے اور گروہ۔ اور یہ بات ہر اس قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی مستند اور حرف آخر قرار دے کر اپنا راستہ الگ کر لیا، چاہے وہ رائے حق و صواب کے خلاف ہی ہو۔ (فتح القدير) [5] یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان ہے جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی کئی سو گنا بلکہ بے حساب اور ان گنت ملے گا۔ [6] یعنی جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں یا اللہ نے اپنے فضل خاص سے اسے معاف نہیں فرما دیا (کیونکہ ان تمام صورتوں میں مجازات کا قانون بروئے عمل نہیں آئے گا) تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی برائی کی سزا دے گا اور اس کے برابر ہی دے گا۔ [7] توحید الوہیت کی یہی دعوت تمام انبیاء نے

Marfat.com

رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

علاوہ کوئی اور رب تلاش کروں؟ جبکہ وہی ہر چیز کا رب ہے[1] اور کوئی شخص ایسا (گناہ) نہیں کماتا جس کا

عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

وبال اسی پر نہ ہو، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا[2] پھر اپنے رب ہی کی طرف

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿164﴾ وَهُوَ

تمھیں لوٹنا ہے چنانچہ وہ تمھیں ان باتوں سے آگاہ کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے ﴿164﴾[3] اور

الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا[4] اور تم میں سے بعض کو بعض پر اونچے

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۗ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ

درجے عطا کیے تاکہ وہ تمھیں ان نعمتوں میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیں[5] بے شک آپ کا رب

الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾

جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿165﴾

رکوعاتها: 24 | سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ | اٰیاتها: 206

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ﴿1﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ

الٓمّٓصٓ ① (اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم

صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

کی تنگی نہیں ہونی چاہیے[6] تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں اور (یہ) مومنوں کے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿2﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

لیے نصیحت ہے ② تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف

رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا

نازل کی گئی ہے[7] اور تم اس کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت ہی کم نصیحت حاصل

دی جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ ''مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔'' دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔'' (الأنبیآء 25:21) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا: وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس 72:10) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں کہا کہ أَسْلِمْ (فرمانبردار ہو جا) تو انھوں نے فرمایا: أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرة 131:2) ''میں رب العالمین کے لیے مسلمان، یعنی فرمانبردار ہو گیا۔'' حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی: فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرة 132:2) ''تمھیں موت اسلام ہی پر آنی چاہیے۔'' حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی: تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (یوسف 101:12) ''مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھانا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا إِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس 84:10) ''اگر تم مسلمان ہو تو اسی اللہ پر بھروسا کرو۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا: وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (المآئدة 111:5) اسی طرح اور بھی انبیاء اور ان کے مخلص پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید الوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گو بعض بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

[1] یہاں رب سے مراد وہی الٰہ ماننا ہے جس کا انکار مشرکین کرتے رہے ہیں اور جو اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے لیکن مشرکین اس کی ربوبیت کو تو مانتے تھے اور اس میں کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔ [2] یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا اہتمام فرمائے گا اور جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہوگا، اس کے مطابق جزا و سزا دے گا، نیکی پر اچھی جزا اور بدی پر سزا دے گا اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔ [3] اس لیے اگر تم اس دعوت توحید کو نہیں مانتے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت رہی ہے تو تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کیے جاتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں ہی ہمارا تمھارا فیصلہ ہوگا۔ [4] یعنی حکمران بنا کر اختیارات سے نوازا۔ یا ایک کے بعد دوسرے کو اس کا وارث (خلیفہ) بنایا۔ [5] یعنی فقر و غنا، علم و جہل، صحت اور بیماری جس کو جو کچھ دیا ہے، اسی میں اس کی آزمائش ہے۔ [6] یعنی اس کے ابلاغ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کہیں کافر میری تکذیب نہ کریں اور مجھے ایذا نہ پہنچائیں، اس لیے کہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا حرج شک کے معنی میں ہے، یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں آپ اپنے سینے میں شک محسوس نہ کریں۔ یہ نہی بطور تعریض ہے اور اصل مخاطب امت ہے کہ وہ شک نہ کرے۔ [7] جو اللہ کی طرف

Marfat.com

تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا
کرتے ہو③اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں کہ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، تو ان کے پاس ہمارا عذاب
بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ
اس وقت آیا، جب وہ رات کو سوئے ہوئے تھے یا وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے④ پھر جب ان کے
اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا
پاس ہمارا عذاب آگیا تو ان کی پکار بس یہی تھی کہ وہ کہہ اٹھے: بے شک ہم ہی ظالم تھے⑤
ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ
چنانچہ ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی
الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا
ضرور سوال کریں گے⑥ پھر ہم (سب کچھ اپنے) علم سے ان کے سامنے ضرور بیان کریں گے، اور
كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ
ہم (دنیا میں) غائب (غیر حاضر) تو نہ تھے⑦ اور اس دن (اعمال کا) وزن کیا جانا برحق ہے، پھر جس
ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ
شخص کے (نیک اعمال کے) وزن بھاری ہو گئے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں⑧ اور جس شخص
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
کے (نیک اعمال کے) وزن ہلکے ہو گئے، تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا،
بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ
اس لیے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے⑨ اور بلاشبہ ہم نے تمھیں زمین میں

سے نازل کیا گیا ہے، یعنی قرآن اور جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یعنی حدیث کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔'' ان دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع ضروری نہیں بلکہ ان کا انکار لازمی ہے جیسا کہ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی مت کرو جس طرح زمانۂ جاہلیت میں سرداروں، نجومیوں اور کاہنوں کی بات کو ہی اہمیت دی جاتی حتی کہ حلال و حرام میں بھی ان کو سند تسلیم کیا جاتا تھا۔

[4] قیلولہ سے ہے جو دوپہر کے وقت استراحت (آرام کرنے) کو کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عذاب اچانک ایسے وقتوں میں آیا جب وہ آرام و راحت کے لیے بے خبر بستروں میں آسودہ خواب یا حالتِ استراحت میں تھے۔ [5] لیکن عذاب آ جانے کے بعد ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے (المؤمن 85:40) ''جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کے لیے نفع مند نہیں ہوا۔'' [6] امتوں سے پوچھا جائے گا کہ تمھارے پاس پیغمبروں نے آ کر تمھیں ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا تھا؟ پیغمبر اس سوال کا جواب دیں گے کہ ہاں، اللہ! ہم نے تیرا پیغام ان کو پہنچا دیا تھا۔ جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے جبکہ کفار کہہ دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی پیغام پہنچانے والا نہیں آیا، پھر امت محمدیہ انبیاء کے لیے ان کفار کے خلاف گواہی دے گی جیسا کہ سورۂ بقرہ 143:2 میں ذکر ہے اور دیکھیے صحيح البخاري، مع فتح الباري: 216/8، حدیث: 4487 جبکہ جہنم میں جانے کے بعد جب داروغۂ جہنم پوچھے گا تو پھر اقرار کر لیں گے کہ ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے لیکن ہم پر کلمۂ عذاب ثابت ہو گیا تھا جیسا کہ سورۂ زمر 71:39 اور سورۂ ملک 10:67 میں ہے۔ [7] ہم چونکہ ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کا علم رکھتے ہیں، اس لیے ہم پھر دونوں (امتیوں اور پیغمبروں) کے سامنے ساری باتیں بیان کریں گے اور جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، ان کے سامنے رکھ دیں گے۔ [8] ان آیات میں وزن اعمال کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت والے دن ہوگا اور جسے قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ اور احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ کامیاب ہوگا اور جس کا بدیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ ناکام ہوگا۔ یہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے جبکہ یہ اعراض ہیں، یعنی ان کا ظاہری وجود اور جسم نہیں ہے؟ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کو اجسام میں تبدیل فرما دے گا اور ان کا وزن ہوگا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجسٹر تولے جائیں گے جن میں انسان کے اعمال درج ہوں گے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا۔ تینوں مسلکوں والوں کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صحیح احادیث و آثار موجود ہیں، اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں ہی باتیں صحیح ہو سکتی ہیں، ممکن ہے کبھی اعمال، کبھی صحیفے اور کبھی صاحب عمل کو تولا جائے (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) بہر حال میزان اور وزن اعمال کا مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار یا اس کی تاویل گمراہی

Marfat.com

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿10﴾

قدرت دی اور اس میں تمھارے لیے گذران کے اسباب فراہم کردیے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو (10)

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا

اور بلاشبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا[1] پھر تمھاری صورتیں بنائیں، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ

لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿11﴾

کرو، چنانچہ انھوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا (11) اللہ

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

نے کہا: تجھے کس چیز نے روکا[2] کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ وہ بولا: میں اس سے

خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿12﴾ قَالَ فَاهْبِطْ

بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (12)[3] اللہ نے کہا: پھر تو اس

مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ

(آسمان) سے اتر جا[4] کیونکہ تیرے لائق یہ نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرتا، لہٰذا تو نکل جا، بے شک تو

الصَّاغِرِينَ ﴿13﴾ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿14﴾

ذلیلوں میں سے ہے (13)[5] اس نے کہا: تو مجھے (اس دن تک) مہلت دے دے، جب لوگ قبروں سے

قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿15﴾ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي

اٹھائے جائیں گے (14) اللہ نے کہا: بے شک تو مہلت دیے گئے لوگوں میں سے ہے (15)[6] وہ بولا:

لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿16﴾ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم

پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا[7] تو میں ان (لوگوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستے

مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ

پر ضرور بیٹھوں گا (16) پھر میں ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے ان کے پاس ضرور آؤں گا، اور

ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اس کے انکار کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اب تو بے وزن چیزیں بھی تولی جانے لگی ہیں۔ (مزید دیکھیے سورۂ انبیاء 21: 47 کا حاشیہ)

[1] خَلَقْنٰكُمْ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابوالبشر حضرت آدم ہیں۔ [2] اَلَّا تَسْجُدَ میں لا زائد ہے، یعنی أَنْ تَسْجُدَ (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟) یا عبارت محذوف ہے، یعنی ''تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے۔'' (ابن کثیر وفتح القدیر) شیطان، فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا۔ (الکہف 18:50) لیکن فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا مستقلاً حکم تھا۔ اسی لیے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا۔ اگر اسے حکم نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی نہ وہ راندۂ درگاہ قرار پاتا۔ [3] شیطان کا یہ عذر ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس کا یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جا سکتا، غلط ہے، اس لیے کہ اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل وغیر افضل کی بحث اللہ سے سرتابی ہے۔ دوسرا، اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے لیکن اس نے اس شرف وعظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی ہوسکتی ہے؟ تیسرا، نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا جو کسی بھی اللہ کو ماننے والے کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔ آگ، مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے کیا ہے؟ جبکہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے، اس میں نبات ونمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہرحال بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''فرشتے نور سے، ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2996) [4] مِنْهَا کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور جنت آسمان کے اوپر ہے، اسی لیے ترجمے میں اس مفہوم کے مطابق آسمان لایا گیا ہے۔ [5] اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام وتعظیم کا نہیں، ذلت وخواری کا مستحق ہے۔ [6] اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مہلت عطا فرما دی جو اس کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق تھی جس کا پورا علم اسی کو ہے، تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کر سکے گا کہ کون رحمان کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا پجاری؟ [7] گمراہ تو وہ اللہ کی تکوینی مشیت کے تحت ہوا لیکن اس نے اسے بھی مشرکوں کی طرح الزام بنا لیا جس طرح وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

Marfat.com

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿17﴾ قَالَ

ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے بھی،[1] اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا (17)[2] اللہ

اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

نے فرمایا: نکل جا اس سے ذلیل دھتکارا ہوا، پھر ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا، تو یقیناً میں

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿18﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ

جہنم کو تم سب سے ضرور بھر دوں گا (18) اور اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو، اور تم دونوں

الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

جہاں سے چاہو کھاؤ، اور تم دونوں اس درخت کے قریب مت جانا[3] ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿19﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ

ہو جاؤ گے (19) پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکانے کے لیے (ان کے دل میں) وسوسہ ڈالا،[4] تاکہ ان

لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا

کے لیے ان کی شرم گاہیں ظاہر کر دے[5] جو ان سے چھپائی گئی تھیں۔ اور شیطان نے کہا: تمھارے رب

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ

نے تمھیں صرف اس لیے روکا ہے کہ (کہیں) تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، یا (کہیں) تم دونوں ہمیشہ

تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿20﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ

رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ (20) اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بے شک میں تم

النّٰصِحِيْنَ ﴿21﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ

دونوں کے خیر خواہوں میں سے ہوں (21)[6] چنانچہ شیطان نے ان دونوں کو دھوکا دے کر پھسلا دیا،[7] پھر

بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

جب ان دونوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان دونوں کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں، اور وہ دونوں

وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے (تاکہ ستر ڈھانک سکیں)،[8] اور ان کے رب نے ان کو آواز دی:

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

کیا میں نے تمھیں اس درخت سے روکا نہیں تھا؟ اور میں نے تمھیں یہ (نہیں) کہا تھا کہ شیطان تم

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿22﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ

دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ (22)[9] انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور اگر تو نے

[1] مطلب یہ ہے کہ میں ہر خیر اور شر کے راستے پر بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔ [2] شٰكِرِيْنَ کے دوسرے معنی مُوَحِّدِيْنَ کے کیے گئے ہیں، یعنی اکثر لوگوں کو میں شرک میں مبتلا کر دوں گا۔ شیطان نے اپنا یہ گمان فی الواقع سچا کر دکھایا وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سبا 20:34) ''شیطان نے اپنا گمان سچا کر دکھایا اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔'' اسی لیے احادیث میں شیطان سے پناہ مانگنے کی اور قرآن میں اس کے مکر و فریب سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ [3] یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کر جہاں سے اور جتنا چاہو، کھاؤ۔ ایک درخت کا پھل کھانے کی پابندی آزمائش کے طور پر عائد کر دی۔ [4] وَسْوَسَةٌ اور وِسْوَاس، زَلْزَلَةٌ اور زِلْزَال کے وزن پر ہے، اس کا معنیٰ ہے، پست آواز اور نفس کی بات، شیطان دل میں جو بری باتیں ڈالتا ہے، اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ [5] یعنی شیطان کا مقصد اس بہکاوے سے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو اس لباس جنت سے محروم کر کے انھیں شرمندہ کرنا تھا جو انھیں جنت میں پہننے کے لیے دیا گیا تھا۔ سَوْاٰتِهِمَا سَوْءَةٌ (شرم گاہ) کی جمع ہے۔ شرم گاہ کو سَوْءَةٌ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھا جاتا ہے۔ [6] جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو حاصل تھیں، اس کے حوالے سے شیطان نے دونوں کو بہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تمھیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اسی لیے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تاثیر ہی یہ ہے کہ جو اسے کھا لیتا ہے، وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا دائمی زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے، پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا جس سے حضرت آدم و حواء علیہما السلام متاثر ہو گئے، اس لیے کہ اللہ والے اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ [7] تدلیة اور ادلاء کے معنی ہیں: کسی چیز کو اوپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ یعنی شیطان نے ان کو ممنوعہ درخت کے پھل کی طرف راغب کر کے انھیں مرتبۂ علیا سے نیچے اتار لیا۔ [8] یہ اس معصیت کا اثر ظاہر ہوا جو آدم و حواء علیہما السلام سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس سے قبل انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نورانی لباس ملا ہوا تھا جو اگرچہ غیر مرئی تھا لیکن ایک دوسرے کی شرم گاہ کے لیے ساتر (پردہ پوش) تھا۔ (ابن کثیر) [9] یعنی

Marfat.com

تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾ قَالَ

ہمیں نہ بخشا اور تو نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے ﴿23﴾[1] اللہ

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

نے کہا: تم اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھیں زمین میں ٹھہرنا اور ایک (مقررہ)

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا

وقت تک فائدہ (اٹھانا) ہے ﴿24﴾ اور فرمایا: تم اسی (زمین) میں زندہ رہو گے، اور اسی میں تم مرو گے

تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ

اور (قیامت کے دن) اسی سے تم نکالے جاؤ گے ﴿25﴾ اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا

اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى

لباس نازل کیا جو تمھاری شرمگاہیں چھپاتا ہے اور زینت کا باعث ہے[2] اور پرہیز گاری کا لباس[3]

ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿26﴾

بہت بہتر ہے۔[4] یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿26﴾ اے بنی آدم!

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ

کہیں شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت

الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ

سے نکلوایا تھا جب اس نے ان دونوں کا لباس اتروایا تھا، تاکہ ان کو ان کی شرم گاہیں

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا

دکھادے۔ بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمھیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔[5]

اس تنبیہ کے باوجود تم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور دلفریب ہوتے ہیں اور جن سے بچنے کے لیے بڑی کاوش و محنت اور ہر وقت اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

[1] توبہ واستغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سیکھے جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: 37 میں اس کی طرف اشارہ ہے (دیکھیے مذکورہ آیت کا حاشیہ) گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ اس پر نہ صرف اڑ گیا بلکہ اس کے جواز واثبات میں عقلی وقیاسی دلائل دینے لگا۔ نیتجتاً وہ راندۂ درگاہ اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار اور بارگاہِ الٰہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے، یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہوگئی، شیطانی راستے کی بھی اور اللہ والوں کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترانا، اصرار کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ''دلائل'' کے انبار فراہم کرنا، شیطانی راستہ ہے۔ اور گناہ کے بعد احساسِ ندامت سے مغلوب ہو کر بارگاہِ الٰہی میں جھک جانا اور توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا، بندگانِ الٰہی کا راستہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ. [2] سَوْاٰتِكُمْ جسم کے وہ حصے جنھیں چھپانا ضروری ہے، جیسے شرم گاہ اور رِيْشًا وہ لباس جو حسن ورعنائی کے لیے پہنا جائے۔ گویا لباس کی پہلی قسم ضروریات سے اور دوسری قسم تکملہ واضافہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے لباس کے لیے سامان اور مواد پیدا فرمایا۔ [3] اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ لباس ہے جو مُتَّقِین قیامت والے دن پہنیں گے۔ بعض کے نزدیک ایمان، بعض کے نزدیک عملِ صالح اور خشیتِ الٰہی وغیرہ ہیں۔ مفہوم سب کا تقریباً ایک ہے کہ ایسا لباس جسے پہن کر انسان تکبر کرنے کی بجائے اللہ سے ڈرے اور ایمان و عملِ صالح کے تقاضوں کا اہتمام کرے۔ [4] حدیث: «إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهٖ» (جامع الترمذي، حديث: 2819) ''بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت ظاہر ہو۔'' اور حدیث: «إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ» (صحيح مسلم، حديث: 91) ''یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔'' کی بنا پر عمدہ اور اچھا زیب و زینت والا لباس پہننا بہتر اور پسندیدہ ہے لیکن اگر ایک شخص عمدہ لباس پہننے کی طاقت کے باوجود اللہ کی رضا کے لیے لباس میں سادگی اختیار کرتا ہے تو اس صورت میں یہ بھی قابلِ ستائش ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ» (صحيح الجامع، حديث: 2879، والسلسلة الصحيحة، حديث: 341) ''بذاذت ایمان کا حصہ ہے۔'' بذاذت کا مطلب، عاجزی و خاکساری کے نقطۂ نظر سے بیش قیمت لباس کی بجائے سادہ لباس پہننا ہے۔ (لباس کے بارے میں اسلامی ہدایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب ''لباس اور پردہ'' مطبوعہ دارالسلام) [5] اس میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبیلے، یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمھاری غفلت اور سستی سے فائدہ اٹھا کر تمھیں بھی اس طرح فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دے جس طرح تمھارے ماں باپ (آدم وحوا علیہما السلام) کو اس نے جنت سے نکلوا دیا اور لباسِ جنت بھی اتروا دیا۔ بالخصوص جبکہ وہ نظر بھی نہیں آتے تو اس سے بچنے کا اہتمام اور فکر بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

Marfat.com

جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿27﴾ وَاِذَا
بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کے دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے ﴿27﴾ [1] اور جب وہ کوئی
فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ
بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے پایا اور اللہ نے ہمیں اس
اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ
کا حکم دیا ہے۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اللہ قطعاً بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے ذمے
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ
ایسی باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ ﴿28﴾ [2] کہہ دیجیے: میرے رب نے انصاف (کرنے) [3] کا حکم دیا
وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ
ہے، اور (یہ کہ) ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے (قبلہ رخ) کر لو، [4] اور خالص اسی کی اطاعت کرتے
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾
ہوئے اسی کو پکارو، جیسے اس نے تمھیں (پہلے) پیدا کیا (ویسے ہی) تم (اس کی طرف) لوٹو گے ﴿29﴾
فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
ایک فریق کو اس نے ہدایت دی، اور دوسرے فریق پر گمراہی ثابت ہو گئی ہے، یقیناً انھوں نے اللہ کو
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿30﴾
چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں ﴿30﴾ اے
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو، [5] اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی نہ کرو،
ع 3 6 10 وَلَا تُسْرِفُوْا ڌ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ
بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿31﴾ [6] (اے نبی!) کہہ دیجیے: جو زینت اور کھانے

[1] یعنی بے ایمان قسم کے لوگ ہی اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں، تاہم اہل ایمان پر بھی وہ ڈورے ڈالتا رہتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو شرک خفی، (ریا کاری) حتی کہ بعض کو شرک جلی میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اور یوں ان کو بھی ایمان کے بعد ایمان صحیح کی پونجی سے محروم کر دیتا ہے۔ [2] اسلام سے قبل مشرکین بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کر کے طواف کرتے ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماؤں نے جنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اس کی یہ تاویل کرتے تھے کہ ہم نے جو لباس پہنا ہوتا ہے، اس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، اس لیے اس لباس میں طواف کرنا مناسب نہیں، چنانچہ وہ لباس اتار کر طواف کرتے اور عورتیں بھی ننگی طواف کرتیں، صرف اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا یا چمڑے کا ٹکڑا رکھ لیتیں۔ اپنے اس شرمناک فعل کے لیے دو عذر انھوں نے اور پیش کیے۔ ایک تو یہ کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس طرح ہی کرتے پایا ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے؟ یعنی تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو اس نے نہیں کہی۔ اس آیت میں ان مقلدین کے لیے بڑی زجر و توبیخ ہے جو آباء پرستی، پیر پرستی اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں، جب انھیں بھی حق کی بات بتلائی جاتی ہے تو اس کے مقابلے میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے یہی کرتے آئے ہیں یا ہمارے امام اور پیر و شیخ کا یہی حکم ہے۔ یہی وہ خصلت ہے جس کی وجہ سے یہودی یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اور بدعتی بدعتوں پر قائم رہے۔ (فتح القدير) [3] انصاف سے مراد یہاں بعض کے نزدیک [illegible] اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ [illegible] یعنی توحید ہے۔ [4] امام شوکانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اپنی نمازوں میں اپنا رخ قبلے کی طرف کر لو، چاہے تم کسی بھی مسجد میں ہو۔“ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مراد لی ہے اور اگلے جملے سے اخلاص للہ۔ اور کہا ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ خالص رضائے الٰہی کے لیے ہو۔ آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔ [illegible] آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اس کا سبب نزول بھی مشرکین کے ننگے طواف سے متعلق ہے، اس لیے انھیں کہا گیا کہ لباس پہن کر اللہ کی عبادت کرو اور طواف کرو۔ بعض کہتے ہیں: زینت سے وہ لباس مراد ہے جو آرائش کے لیے پہنا جائے جس سے ان کے نزدیک نماز اور طواف کے وقت تزئین کا حکم نکلتا ہے۔ اس آیت سے نماز میں ستر عورت کے وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے بلکہ احادیث کی رو سے ستر عورت (مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصے کو ڈھانپنا) ہر حال میں ضروری ہے، چاہے آدمی خلوت میں ہی ہو۔ (فتح القدير) جمعہ اور عید کے دن خوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے کہ یہ بھی زینت کا حصہ ہے۔ (ابن كثير) [6] اسراف (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہو، کھاؤ۔ جو چاہو پہنو، البتہ دو باتوں سے گریز کرو: اسراف اور تکبر سے۔“ (صحيح البخاري، قبل حديث:

Marfat.com

زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، وہ کس نے حرام کی ہیں؟ کہہ دیجیے:

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

یہ (پاکیزہ چیزیں) دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو ایمان لائے، جبکہ قیامت کے دن

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

یہ خالص مومنوں ہی کے لیے ہوں گی۔[1] اسی طرح ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے

يَّعْلَمُوْنَ (32) قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا

ہیں جو علم رکھتے ہیں (32) کہہ دیجیے: بے شک میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے،

ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

چاہے وہ ظاہر ہوں[2] یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو بھی[3] اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا

ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (33) وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا

کے متعلق وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے (33) اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے،[4] تو جب

جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (34)

ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو وہ (اس سے) لمحہ بھر پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے (34)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

اے بنی آدم! اگر تمھارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تمھارے سامنے میری آیتیں بیان

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

کریں، تو جنھوں نے پرہیز گاری اختیار کی اور اپنی اصلاح کرلی، تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا

5783) بعض سلف کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اس آدھی آیت میں ساری طب جمع فرمادی ہے۔ (ابن کثیر)

[1] مشرکین نے جس طرح طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا، اسی طرح بعض حلال چیزیں بھی بطور تقرب الٰہی اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ (جیسا کہ بعض صوفیاء بھی ایسا کرتے ہیں) نیز بہت سی حلال چیزیں اپنے بتوں کے نام وقف کردینے کی وجہ سے حرام گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کی زینت کے لیے (مثلاً: لباس وغیرہ) اور کھانے کی عمدہ چیزیں بنائی ہیں، انھیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حرام کرلینے سے اللہ کی حلال کردہ چیزیں حرام نہیں ہوجائیں گی، وہ حلال ہی رہیں گی۔ یہ حلال وطیب چیزیں اصلاً اللہ نے اہل ایمان ہی کے لیے بنائی ہیں۔ گو کفار بھی ان سے فیض یاب اور متمتع ہو لیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ بالتبع اور عارضی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت اور حکمت ہے، تاہم قیامت والے دن یہ نعمتیں صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی کیونکہ کافروں پر جس طرح جنت حرام ہوگی، اسی طرح ماکولات ومشروبات بھی حرام ہوں گے۔ [2] علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈوں پر جاکر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد کسی ''گرل فرینڈ'' سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محارم سے نکاح کرنا ہے جو سخت ممنوع ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے، جیسے فلمیں، ڈرامے، ٹی وی، وی سی آر، فحش اخبارات ورسائل، رقص وسرود اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہر وغیرہ، یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ. [3] گناہ، اللہ کی نافرمانی کا نام ہے اور ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو تو برا سمجھے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2553) بعض کہتے ہیں کہ گناہ وہ ہے جس کا اثر، کرنے والے کی اپنی ذات تک محدود ہو اور بغی یہ ہے کہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچیں، یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق کا مطلب، ناحق ظلم وزیادتی، مثلاً: لوگوں کا حق غصب کرلینا، کسی کا مال ہتھیا لینا، ناجائز مارنا پیٹنا اور سب وشتم کرکے بے عزتی کرنا وغیرہ ہے۔ [4] میعاد معین سے مراد وہ مہلت عمل ہے جو اللہ تعالیٰ ہر گروہ کو آزمانے کے لیے عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت وسرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مہلت بعض دفعہ ان کی پوری زندگیوں تک ممتد ہوتی ہے، یعنی دنیوی زندگی میں وہ گرفت نہیں فرماتا بلکہ صرف آخرت میں ہی وہ سزا دے گا، ان کی اجل مسمی قیامت کا دن ہی ہے اور جن کو دنیا میں وہ عذاب سے دوچار کردیتا ہے، ان کی اجل مسمی وہ ہے جب ان کا مؤاخذہ فرماتا ہے۔

Marfat.com

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ
اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿35﴾ [1] اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، وہی لوگ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿36﴾ [2] چنانچہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ
کے بارے میں جھوٹ گھڑا، یا اس کی آیات کو جھٹلایا؟ یہی لوگ ہیں جن کا لکھا ہوا نصیب
نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا
انھیں مل جائے گا۔ [3] یہاں تک کہ ان کے پاس جب ہمارے فرشتے پہنچیں گے، جو ان کو فوت
يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ
کریں گے، تو وہ ان سے کہیں گے: آج وہ کہاں ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟ وہ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ
جواب دیں گے: وہ ہم سے کھو گئے، اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿37﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
کرنے والے تھے ﴿37﴾ اللہ فرمائے گا: تم ان امتوں [4] کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ، جو جنوں
مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا
اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزر چکی ہیں، جب بھی ایک امت آگ میں داخل ہوگی تو وہ اپنی
دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا
بہن (اپنے جیسی دوسری امت) پر لعنت کرے گی، [5] یہاں تک کہ جب اس میں وہ سب اکٹھے ہوں
جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا
گے [6] تو ان کی دوسری جماعت ان کی پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی: [7] اے ہمارے رب! ان
فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ
لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو انھیں آگ کا دوگنا عذاب دے۔ [8] اللہ فرمائے گا: (تم میں سے) ہر

[1] یہ ان اہل ایمان کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ اکثر جگہ عمل صالح کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔ اسی طرح عمل خیر بھی تب فائدہ مند ہوگا جب اس کے ساتھ ایمان ہوگا، یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان۔ [2] اس میں اہل ایمان کے برعکس ان لوگوں کا برا انجام بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے احکام کی تکذیب اور ان کے مقابلے میں استکبار کرتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کا انجام بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کردار کو اپنائیں جس کا انجام اچھا ہے اور اس کردار سے بچیں جس کا انجام برا ہے۔ [3] اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی عمل، رزق اور عمر کے کیے گئے ہیں، یعنی ان کے مقدر میں جو عمر اور رزق ہے، اسے پورا کر لینے اور جتنی عمر ہے، اسے گزار لینے کے بعد بالآخر موت سے ہمکنار ہوں گے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے:
اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ الآية (یونس 70,69:10) ”جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے، دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا کر بالآخر ہمارے پاس ہی انھیں لوٹ کر آنا ہے۔“ [4] أُمَمٍ أُمَّةٌ کی جمع ہے۔ مراد وہ فرقے اور گروہ ہیں جو کفر وشقاق اور شرک وتکذیب میں ایک جیسے ہوں گے۔ فِيْ بمعنی مع بھی ہوسکتا ہے، یعنی تم سے پہلے انسانوں اور جنوں میں جو گروہ تم جیسے یہاں آچکے ہیں، ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ یا ان میں جا شامل ہو۔ [5] لَعَنَتْ أُخْتَهَا ”اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔“ أُخت بہن کو کہتے ہیں۔ ایک جماعت (امت) کو دوسری جماعت (امت) کی بہن بہ اعتبار دین یا گمراہی کے کہا گیا، یعنی دونوں ہی ایک غلط مذہب کے پیرو یا گمراہ تھے یا جہنم کے ساتھی ہونے کے اعتبار سے ان کو ایک دوسری کی بہن قرار دیا گیا ہے۔ [6] اِدَّارَكُوْا کے معنی ہیں: تَدَارَكُوا جب ایک دوسرے کو ملیں گے اور باہم اکٹھے ہوں گے۔ [7] أُخْرٰی (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور أُولٰی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ یا أُخْرٰی سے أَتْبَاع (پیروکار) اور أُولٰی سے مَتْبُوع لیڈر اور سردار ہیں۔ ان کا جرم چونکہ زیادہ شدید ہے کہ خود بھی راہ حق سے دور رہے اور دوسروں کو بھی کوشش کر کے اس سے دور رکھا، اس لیے یہ اپنے أتباع سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔ [8] جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا، جہنمی کہیں گے: رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○ (الأحزاب 68,67:33) ”اے ہمارے رب! ہم تو اپنے سرداروں اور بڑوں کے پیچھے لگے رہے، پس انھوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کیا،

Marfat.com

ضِعۡفٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿38﴾ وَقَالَتۡ اُوۡلٰىهُمۡ لِاُخۡرٰىهُمۡ

ایک کے لیے دوگنا (عذاب)[1] ہے، مگر تم نہیں جانتے (38) اور ان کی پہلی جماعت ان کی دوسری

فَمَا كَانَ لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ

جماعت سے کہے گی: تمھیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، چنانچہ تم اس کے بدلے میں

بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿39﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا

عذاب (کا مزہ) چکھو جو کچھ تم کماتے رہے تھے (39) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو

وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ

جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے،[2] اور نہ وہ

وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ

جنت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے،[3] اور ہم مجرموں

نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿40﴾ لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ

کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں (40) ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا، اور ان کے اوپر (اسی کا)

غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿41﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

اوڑھنا ہوگا،[4] اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں (41) اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں

الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ

نے نیک عمل کیے تو ہم کسی شخص کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے،[5] وہی لوگ جنت

الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿42﴾ وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ

والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (42) اور ان کے دلوں میں جو کینہ ہوگا وہ ہم نکال پھینکیں

مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ

گے،[6] ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ کہیں گے: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس

اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو بڑی لعنت کر۔"

[1] یعنی اب ایک دوسرے کو طعنے دینے، کوسنے اور ایک دوسرے پر الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دو گنے عذاب کے مستحق ہو۔ أَتْبَاع اور مَتْبُوعِین کا یہ مکالمہ سورۂ سبا 34: 32,31 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [2] اس سے بعض نے اعمال، بعض نے ارواح اور بعض نے دعا مراد لی ہے، یعنی ان کے عملوں یا روحوں یا دعا کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، یعنی اعمال اور دعا قبول نہیں ہوتی اور روحیں واپس زمین میں لوٹا دی جاتی ہیں جیسا کہ مسند أحمد: (365,364/2) کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں ہی چیزیں مراد ہوسکتی ہیں۔ [3] یہ تعلیق بالمحال ہے، جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا ممکن نہیں، اسی طرح اہل کفر کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ اونٹ کی مثال بیان فرمائی، اس لیے کہ اونٹ عربوں میں متعارف تھا اور جسمانی اعتبار سے ایک بڑا جانور تھا۔ اور سوئی کا ناکہ (سوراخ) یہ اپنے باریک اور تنگ ہونے کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ان دونوں کے ذکر نے اس تعلیق بالمحال کے مفہوم کو غایت درجے واضح کر دیا ہے۔ تعلیق بالمحال کا مطلب ہے، ایسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا، جو ناممکن ہو، جیسے اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اب کسی چیز کے وقوع کو، اونٹ کے سوئی کے ناکے میں داخل ہونے کے ساتھ مشروط کر دینا، تعلیق بالمحال ہے۔ [4] غَوَاشٍ غَاشِيَةٌ کی جمع ہے۔ ڈھانپ لینے والی، یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا ہوگا، یعنی اوپر سے بھی آگ نے ان کو ڈھانپا، یعنی گھیرا ہوگا۔ [5] یہ جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ایمان اور عمل صالح، یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی طاقت سے زیادہ ہوں اور انسان ان پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں بلکہ ہر انسان ان کو بہ آسانی اپنا سکتا ہے اور ان کے مقتضیات کو بروئے عمل لا سکتا ہے۔ [6] غِلّ اس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر یہ انعام بھی فرمائے گا کہ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض و عداوت کے جو جذبات ہوں گے، وہ دور کر دے گا، پھر ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں آئینے کی طرح صاف ہو جائیں گے، کسی کے بارے میں دل میں کوئی کدورت اور عداوت نہیں رہے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات و منازل کا جو تفاوت ہوگا، اس پر وہ ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے۔ پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوں گی، ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دیا دلایا جائے گا حتی کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انھیں جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 2440) جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی رنجشیں ہیں جو سیاسی رقابت میں ان کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ

Marfat.com

الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ
نے ہمیں یہ سیدھی راہ دکھائی اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی تو ہم ہرگز ایسے نہ
هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا
تھے کہ ہدایت پاتے[1] بلاشبہ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے اور انھیں آواز دی جائے گی
اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾
کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم ان اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے ہو جو تم کرتے تھے (43) [2] اور
وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا
جنت والے دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ
رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ
ہم نے سچا پایا، تو کیا تم نے بھی وہ وعدہ سچا پایا جو تمھارے رب نے تم سے کیا تھا؟[3] وہ (دوزخی) کہیں
فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿44﴾
گے: ہاں، پھر ایک اعلان کرنے والا ان میں اعلان کرے گا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (44) جو
الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ
اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اس میں ٹیڑھ ڈھونڈتے تھے، اور وہ آخرت کا انکار کرنے
بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿45﴾ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الْاَعْرَافِ
والے تھے (45) اور ان دونوں (گروہوں) کے درمیان پردہ ہوگا[4] اور اعراف پر کچھ لوگ[5] ہوں
رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِیْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ
گے جو ہر ایک (جنتی ودوزخی) کو ان کی خاص علامتوں سے پہچانتے ہوں گے[6] اور وہ جنتیوں کو
الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۟ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ
پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو، اعراف والے (ابھی) جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے
یَطْمَعُوْنَ ﴿46﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ
جب کہ وہ اس کی امید رکھتے ہوں گے (46) [7] اور جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری

اور زبیر رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (ابن کثیر)

[1] یعنی یہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انھیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر یہ رحمت اور فضل الٰہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو گی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ رحمت الٰہی مجھے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ لے گی۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 6463، وصحیح مسلم، حدیث: 2816) [2] یہ تصریح پچھلی بات اور حدیث مذکور کے منافی نہیں، اس لیے کہ نیک عمل کی توفیق بھی بجائے خود اللہ کا فضل و احسان ہے۔ [3] یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کافر مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنویں میں پھینک دی گئی تھیں۔ انھیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں انھیں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ اس وقت تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن اب وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3981،3980، وصحیح مسلم، حدیث: 2874) مقتول کافروں کا یہ سننا، نبی ﷺ کا معجزہ تھا۔ [4] ''ان دونوں کے درمیان'' سے مراد جنت ودوزخ کے درمیان یا کافروں اور مومنوں کے درمیان ہے۔ حِجَابٌ (آڑ) سے وہ فصیل (دیوار) مراد ہے جس کا ذکر سورۂ حدید میں ہے: فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ (الحدید 13:57) ''پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔'' یہی اعراف کی دیوار ہے۔ [5] یہ کون ہوں گے؟ ان کی تعیین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں جہنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں گی اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ درمیان میں معلق رہیں گے۔ [6] سِیْمَا کے معنی علامت کے ہیں۔ جنتیوں کے چہرے روشن اور تروتازہ اور جہنمیوں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اس طرح وہ دونوں قسم کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔ [7] یہاں یَطْمَعُوْنَ کے معنی بعض لوگوں نے یَعْلَمُوْنَ کے کیے ہیں، یعنی ان کو علم ہوگا کہ وہ عنقریب جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

Marfat.com

ع 5 8 12 قَالُوْا رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (47) ع وَنَادٰۤى
جائیں گی تو کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر (47) اور اعراف
اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا
والے کچھ ایسے لوگوں کو پکاریں گے جنھیں وہ ان کی خاص علامتوں سے پہچانتے ہوں گے، وہ کہیں
مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ (48)
گے کہ تمھیں تمھارے گروہ نے کوئی فائدہ نہیں دیا اور نہ اس تکبر نے (فائدہ دیا) جو تم کرتے تھے (48)[1]
اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَايَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ
کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر[2] رحمت نہیں کرے گا؟ (ان
اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (49)
سے تو کہہ دیا گیا کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے (49) اور دوزخ
وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا
والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم کچھ پانی ہم پر انڈیل دو یا اس رزق میں سے، جو اللہ نے
مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا
تمھیں دیا ہے، (کچھ ہمیں عطا کردو) جنتی کہیں گے: بے شک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (50) الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا
حرام کردی ہیں (50)[3] وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا، اور انھیں دنیاوی زندگی نے
وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا
دھوکے میں ڈالے رکھا، چنانچہ آج ہم انھیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انھوں نے اپنی
لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (51) وَلَقَدْ
اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا[4] اور جیسے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے (51) اور ہم ان
جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً
کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جسے ہم نے (اپنے) علم سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے،[5] جبکہ وہ

[1] یہ اہل دوزخ ہوں گے جن کو اصحاب الاعراف ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے اور وہ اپنے جتھے اور دوسری چیزوں پر جو گھمنڈ کرتے تھے، اس کے حوالے سے انھیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں تمھارے کچھ کام نہ آئیں۔ [2] اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دنیا میں غریب و مسکین اور مفلس و نادار قسم کے تھے جن کا استہزا مذکورہ متکبرین اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے محبوب ہوتے تو ان کا دنیا میں یہ حال ہوتا؟ پھر مزید جسارت کرتے ہوئے دعویٰ کرتے کہ قیامت والے دن بھی اللہ کی رحمت ہم پر ہوگی (جس طرح دنیا میں ہو رہی ہے) نہ کہ ان پر۔ بعض نے اس کا قائل اصحاب الاعراف کو بتلایا ہے اور بعض کہتے ہیں: جب اصحاب الاعراف جہنمیوں کو یہ کہیں گے کہ ''تمھارا جتھہ اور تمھارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا تمھارے کچھ کام نہ آیا۔'' تو اس وقت اللہ کی طرف سے جنتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ''یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں ہو گی۔'' (تفسیر ابن کثیر) [3] جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ کھانے پینے کی نعمتیں قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی۔ ﴿ خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (الأعراف 32:7) یہاں اس کی مزید وضاحت جنتیوں کی زبان سے کر دی گئی ہے۔ [4] حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا: ''کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیے تھے؟ تجھے عزت و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیے تھے؟ اور کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے چنگی وصول نہیں کرتا تھا؟'' وہ کہے گا: کیوں نہیں؟ اے اللہ! یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟'' وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا، آج میں تجھے بھول جاتا ہوں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2968) قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کو لہو و لعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جاتا ہے، اس لیے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں، اضافہ کر لیتے ہیں اور دین کے جس حصے کو چاہتے ہیں، عملاً کالعدم کر دیتے ہیں یا انھیں کھیل کود کا رنگ دے دیتے ہیں، اس لیے دین میں اپنی طرف سے بدعات کا اضافہ کر کے انھی کو اصل اہمیت دینا (جیسا کہ اہل بدعت کا شیوہ ہے) یہ بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس سے دین کھیل تماشا بن کر رہ جاتا ہے اور احکام و فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ [5] یہ اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے ضمن میں ہی فرما رہا ہے کہ ہم نے تو اپنے علم کامل کے مطابق ایسی کتاب بھیج دی تھی جس میں ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کی بدقسمتی ورنہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے، وہ ہدایت و رحمت الٰہی سے فیض یاب ہوئے گویا ہم نے تو

Marfat.com

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ
ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں ﴿52﴾ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں،
يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ
صرف اس کے انجام (قیامت) کا انتظار ہے،[1] جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ جو اس
جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ
سے پہلے اس دن کو بھولے ہوئے تھے کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے،
فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ
تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ ہمارے حق میں سفارش کریں؟ یا ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے
قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
تو ہم ان اعمال سے ہٹ کر عمل کریں جو ہم (پہلے) کیا کرتے تھے؟ بے شک انھوں نے اپنے آپ
يَفْتَرُوْنَ ﴿53﴾ ع اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
کو خسارے میں ڈالا اور وہ ساری باتیں ہوا ہو گئیں جو وہ گھڑتے رہتے تھے ﴿53﴾ [2] بے شک تمھارا رب وہ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا،[3] پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا،[4] وہ دن کو
عَلَي الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ
رات سے اس طرح ڈھانپتا ہے کہ وہ (رات) جلدی سے اس (دن) کو آلیتی ہے،[5] اور اس نے
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا
سورج، چاند اور تارے اس طرح پیدا کیے کہ وہ سب اس (اللہ) کے حکم کے پابند کر دیے گئے ہیں۔
لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾
آگاہ رہو! پیدا کرنا اور حکم صادر کرنا اسی کے لیے روا ہے، اللہ رب العالمین بہت بابرکت ہے ﴿54﴾

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿﴾ (بنی إسرآءیل 17:15) ''جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہیں کر دیتے، ہم عذاب نہیں دیتے۔'' کے مطابق اہتمام کر دیا تھا۔

[1] تَاْوِيْلَهٗ کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام، یعنی کتاب الٰہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آ گیا۔ [2] یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے، اس کے سامنے آ جانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ ان کی مدد کر سکیں گے نہ سفارش اور نہ عذاب جہنم سے چھڑا ہی سکیں گے۔ [3] یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ سلسلۂ تخلیق اتوار سے شروع ہو کر جمعے تک جاری رہا، ہفتے کے دن عمل تخلیق قطع ہوا۔ اسی لیے اسے یَوْمُ السَّبْت کہا جاتا ہے کیونکہ سبت کے معنی قطع (کاٹنے) کے ہیں، یعنی اس دن تخلیق کا کام قطع ہو گیا، پھر اس دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن جو طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے۔ یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے؟ جس طرح کہ اللہ کے یہاں کے دن کی گنتی ہے یا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے۔ بظاہر یہ دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو اس وقت سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد ہی یہ نظام قائم ہوا۔ دوسرا، یہ عالم بالا کا واقعہ ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس لیے اس دن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تو لفظ کُنْ سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا۔ اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تاہم بعض علماء نے اس کی ایک حکمت لوگوں کو آرام، وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے۔ واللہ أعلم. [4] اِسْتِوَاءٌ کے معنی علو اور استقرار کے ہیں۔ سلف نے بلا کیف و بلا تشبیہ یہی معنی مراد لیے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند اور مستقر ہے۔ لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کیفیت کا ہمیں علم ہی نہیں۔ نہ کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے ہیں۔ نعیم بن حماد کا قول ہے کہ جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے، اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اللہ کی اپنے بارے میں بیان کردہ کسی بات کا انکار کیا، اس نے بھی کفر کیا اور اللہ کے بارے میں اس کی یا اس کے رسول کی بیان کردہ بات کو بیان کرنا تشبیہ نہیں ہے، اس لیے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں نص سے ثابت ہیں، ان پر بلا تاویل کیے اور بلا کیف و تشبیہ بیان کیے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ (ابن کثیر) [5] حَثِيْثًا کے معنی ہیں: نہایت تیزی سے۔ اور مطلب ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آ جاتا ہے، یعنی دن کی روشنی آتی ہے تو رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور سب دور و نزدیک پر سیاہی چھا جاتی ہے۔

Marfat.com

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

تم اپنے رب کو آہ وزاری کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ

پسند نہیں کرتا ﴿55﴾ اور زمین کی اصلاح کے بعد تم اس میں فساد نہ کرو، اور اللہ کو خوف سے

خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾

اور طمع کرتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے ﴿56﴾[1] اور

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ

وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری[2] دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے حتی کہ جب وہ (ہوائیں)

حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں[3] تو ہم انھیں کسی مردہ شہر کی طرف ہانک دیتے ہیں، پھر ہم ان کے ذریعے

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ

سے پانی نازل کرتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے (زمین سے) ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں[4]

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَالْبَلَدُ

اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿57﴾[5] اور جو ستھری زمین ہوتی

الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ

ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے (خوب) نکلتی ہے، اور جو خراب ہوتی ہے اس کی پیداوار

لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

ناقص ہی نکلتی ہے[6] اسی طرح ہم (اپنی) آیات کو ان لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں جو

[1] ان آیات میں چار چیزوں کی تلقین کی گئی ہے: ① اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری اور خفیہ طریقے سے دعا کی جائے جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (آواز پست رکھو) تم جس کو پکار رہے ہو، وہ بہرا ہے نہ غائب، وہ تمھاری دعائیں سننے والا اور قریب ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6384، وصحيح مسلم، حديث: 2704) ② دعا میں زیادتی نہ کی جائے، یعنی دُعا میں تکلف نہ کیا جائے اور بے جا شرطیں نہ لگائی جائیں جیسا کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے بیٹے نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں جب میں اس میں داخل ہو جاؤں۔ ابن مغفل نے فرمایا: بیٹے! اللہ سے جنت مانگ اور جہنم سے اللہ کی پناہ طلب کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «سَيَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالدُّعَاءِ» (سنن أبي داود، حديث: 96) ''عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں زیادتی کریں گے۔'' ③ اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا جائے، یعنی اللہ کی نافرمانیاں کر کے فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا جائے۔ ④ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی۔ اس طریقے سے دعا کرنے والے محسنین ہیں۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے۔ [2] اپنی ربوبیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ مزید مثالیں بیان فرما کر پھر اس سے اِحْيَاءِ مَوْتٰى کا اثبات فرما رہا ہے۔ ﴿بُشْرًا﴾ بشیر کی جمع ہے۔ رحمت سے مراد یہاں مطر (بارش) ہے، یعنی بارش سے پہلے وہ ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی نوید ہوتی ہیں۔ [3] بھاری بادل سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں۔ [4] ہر قسم کے پھل جو رنگوں میں، ذائقوں میں، خوشبوؤں میں اور شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ [5] جس طرح ہم پانی کے ذریعے سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ انواع واقسام کے غلے اور پھل پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن تمام انسانوں کو جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ہم دوبارہ زندہ کریں گے، پھر ان کا حساب لیں گے۔ [6] علاوہ ازیں یہ تمثیل بھی ہو سکتی ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ سے مراد سریع الفہم اور اَلْبَلَدُ الْخَبِيْثُ سے کند ذہن، وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل اور اس کے برعکس دل۔ قلب مومن یا قلب منافق یا پاکیزہ انسان اور ناپاک انسان۔ مومن، پاکیزہ انسان اور وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل بارش کو قبول کرنے والی زمین کی طرح آیات الٰہی کو سن کر ایمان وعمل صالح میں مزید پختہ ہوتا ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس شور زمین کی طرح ہے جو بارش کا پانی قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکمی اور برائے نام ہوتی ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم وہدایت دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ اس کے جو حصے زرخیز تھے، انھوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ اور گھاس خوب اگایا (بھرپور پیداوار دی) اور اس کے بعض حصے سخت تھے، جنھوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب نہیں ہوا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیا۔ کھیتیوں کو بھی سیراب کیا اور کاشت کاری کی اور زمین کا کچھ حصہ بالکل چٹیل تھا جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا۔ پس یہ اس

Marfat.com

يَشْكُرُوْنَ ﴿58﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ
شکر کرتے ہیں (58) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، چنانچہ اس نے کہا: اے میری قوم!
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ
تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، بے شک میں تم پر بہت
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿59﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ
بڑے دن کا عذاب آنے سے ڈرتا ہوں (59) اس کی قوم میں سے بعض سرداروں نے کہا: بے
قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿60﴾ قَالَ يٰقَوْمِ
شک ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (60)[1] نوح نے کہا: اے میری قوم! میں گمراہ
لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿61﴾
نہیں ہوں بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں (61) میں
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿62﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ
باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (62) کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پاس تمھارے رب
مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا
کی طرف سے ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آگئی جو تم میں سے ہے؟ تاکہ وہ تمھیں ڈرائے
وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ
اور تاکہ تم ڈر جاؤ[2] اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے (63) پھر انھوں نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں
مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ
کو جو اس کے ساتھ (ایمان لانے والے) تھے کشتی میں بچا لیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جو
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ
ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، بے شک وہ لوگ (دل کے) اندھے تھے (64)[3] اور ہم نے قوم عاد کی طرف
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ
ان کے بھائی ہود کو بھیجا[4] اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿65﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا
کوئی معبود نہیں، کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟ (65) اس کی قوم میں سے کافر چودھری کہنے لگے: بے شک

شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا، اس سے اس نے نفع اٹھایا، پس خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔" (صحيح البخاري، حديث: 79)

[1] شرک اس طرح انسانی عقل کو ماؤف کر دیتا ہے کہ انسان کو ہدایت، گمراہی اور گمراہی، ہدایت نظر آتی ہے، چنانچہ قوم نوح کی بھی یہی قلب ماہیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ گمراہ نظر آتے تھے۔

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

[2] حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں یا دس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آرہے تھے، پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالحین فوت ہوگئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیں اور ان کی تصویریں بھی وہاں لٹکا دیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الٰہی میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انھوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنا دیے اور پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد یہ مجسمے بتوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی پوجا پاٹ شروع ہوگئی اور قوم نوح کے یہ صالحین وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر معبود بنا لیے گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جنھوں نے ساڑھے نوسو سال تبلیغ کی۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا۔ بالآخر اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ قوم نوح نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ انھی میں سے ایک آدمی نبی بن کر آگیا ہے جو انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے؟ یعنی ان کے خیال میں نبوت کے لیے ان جیسا عام انسان موزوں نہیں۔ [3] یعنی حق کو دیکھتے تھے نہ اسے اپنانے کے لیے تیار تھے۔ [4] یہ قوم عاد، عاد اولیٰ ہے جن کی رہائش یمن میں ریتلے پہاڑوں میں تھی اور یہ قوم اپنی قوت وطاقت میں بے مثال تھی۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام جو اسی قوم کے ایک فرد تھے، نبی بن کر آئے۔

Marfat.com

لَنَرٰىكَ فِیۡ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ (66)
ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں[1] اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں (66)
قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ
(ہود نے) کہا: اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب
رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (67) اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنَا لَكُمۡ نَاصِحٌ
کی طرف سے رسول ہوں (67) میں اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا خیر
اَمِیۡنٌ (68) اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰی
خواہ اور امین ہوں (68) کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے
رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِیُنۡذِرَكُمۡ ؕ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ
پاس ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آئی ہے جو تمھی میں سے ہے، تاکہ وہ تمھیں ڈرائے۔ اور
مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَكُمۡ فِی الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً ۚ
یاد کرو، جب اس نے قوم نوح کے بعد تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تمھیں
فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (69) قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا
قدوقامت میں بڑھوتری دی[2] لہٰذا تم اللہ کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (69) انھوں نے کہا: کیا تو
لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعۡبُدُ
ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم ایک اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے
اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ
باپ عبادت کرتے تھے؟[3] چنانچہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں
الصّٰدِقِیۡنَ (70) قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَیۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ
ڈراتا ہے (70)[4] ہود نے کہا: تمھارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب[5] نازل ہوا ہی چاہتا

[1] یہ کم عقلی ان کے نزدیک یہ تھی کہ بتوں کو چھوڑ کر، جن کی عبادت ان کے آباء واجداد سے ہوتی آ رہی تھی، الٰہ واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ [2] ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا: لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۝ (الفجر 89 : 8) ”اس جیسی قوت والی قوم پیدا نہیں کی گئی۔“ اپنی اسی قوت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اس نے کہا: مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ”ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جس نے انھیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ قوت والا ہے“ (حٰمٓ السجدة 41:15) [3] آباء و اجداد کی تقلید، ہر دور میں گمراہی کی بنیاد رہی ہے۔ قوم عاد نے بھی یہی ”دلیل“ پیش کی اور شرک چھوڑ کر توحید کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی اپنے بڑوں کی تقلید کی یہ بیماری عام ہے۔ ان کا ایک طبقہ تو وہ ہے جو دین کا کچھ شعور رکھتا ہے۔ اور دینی علوم میں بھی اسے ایک حد تک دسترس حاصل ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی خاص فقہ اور متعین امام کی رائے کا پابند کر رکھا ہے۔ اور اس ”تقلید“ کو اپنے طور پر واجب قرار دیا ہوا ہے، حالانکہ سرے سے یہ حکم شرعی ہے ہی نہیں چہ جائیکہ یہ واجب ہو۔ اس تقلید نے ان مقلدین کو کئی سنتوں پر عمل کرنے سے روک رکھا ہے کیونکہ وہ سنتیں ان کی فقہ میں درج نہیں ہیں یا ان کے امام کو ان کا پتہ نہیں چلا جس کی بنا پر ان کی کتب میں وہ ہے ہی نہیں۔ ایک دوسرا طبقہ وہ ہے جو دینی شعور اور دینی علوم سے ہی بے بہرہ ہے۔ اس کا تو مذہب ہی رسم ورواج پرستی ہے، چنانچہ یہ طبقہ شادی ہو یا مرگ، ہر موقع پر جاہلانہ رسموں کی پابندی کرتا ہے اور بدعات پر عمل کرنے کو فرائض وسنن سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ ان کے ہاں فرائض کا ترک عام ہے لیکن بدعات ورسومات کی پابندی کا غایت درجہ اہتمام۔ ”دلیل“ ان کی بھی یہی ہے کہ یہ کام ہمارے ”بڑے“ کرتے آئے ہیں۔ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ ۝ (البقرة 2:170) ”اگرچہ ان کے باپ دادے کسی چیز کو نہیں سمجھتے تھے نہ وہ ہدایت پر ہی تھے۔“ هداهم الله تعالى. [4] جس طرح قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں کہا تھا: اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ (الأنفال 8:32) ”اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا، یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے۔“ یعنی شرک کرتے کرتے مشرک کی مت بھی ماری جاتی ہے، حالانکہ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کہا جاتا: اے اللہ! اگر یہ سچ ہے اور تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہرحال قوم عاد نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اگر تو سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے، بھیج دے۔ [5] رِجۡسٌ کے معنی تو پلیدی اور عذاب کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رِجۡزٌ سے مقلوب (بدلا ہوا) ہے۔ جس کے معنی عذاب کے ہیں۔ یا پھر رِجۡسٌ یہاں ناراضی اور غضب کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

وَغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ

ہے۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمھارے آباء واجداد

اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ

نے رکھ لیے ہیں؟[1] اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿71﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿71﴾ پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ

جو اس کے ہمراہ تھے، اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی

ع 9/16 كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿72﴾ وَاِلٰي ثَمُوْدَ

جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ﴿72﴾[2] اور ہم نے (قوم) ثمود

اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،[3] صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو،

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ

اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، تحقیق تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ

دلیل آگئی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے خاص نشانی ہے، چنانچہ تم اسے چھوڑ دو کہ

اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمھیں بہت درد

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ

ناک عذاب پکڑ لے گا ﴿73﴾ اور یاد کرو، جب اس نے تمھیں قوم عاد کے بعد ایک

عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

دوسرے کا جانشین بنایا، اور تمھیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم مٹی سے

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ

محلات بناتے ہو[4] اور پہاڑوں سے گھر تراشتے ہو،[5] چنانچہ تم اللہ کی نعمتیں یاد کرو،

[1] اس سے مراد وہ نام ہیں جو انھوں نے اپنے معبودوں کے رکھے ہوئے تھے، مثلاً: صداء، صمود، ہباء وغیرہ جیسے قوم نوح کے پانچ بت تھے جن کے نام اللہ نے قرآن میں ذکر کیے ہیں اور جیسے مشرکین عرب کے بتوں کے نام تھے۔ لات، عزیٰ، منات، ہبل وغیرہ یا جیسے آج کل کے مشرکانہ عقائد واعمال میں ملوث لوگوں نے نام رکھے ہوئے ہیں، مثلاً: ''داتا گنج بخش''، ''خواجہ غریب نواز''، ''بابا فرید شکر گنج''، ''مشکل کشا'' وغیرہ جن کے معبود یا مشکل کشا وگنج بخش وغیرہ ہونے کی ان لوگوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ [2] اس قوم پر بادِ تند کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور یہ عادی، جنھیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، ان کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر پڑے نظر آتے تھے۔ (دیکھیے سورۂ حاقہ 69: 6-8، سورۂ ہود 11: 58,53 اور سورۂ احقاف 46: 25,24 وغيرها من الآيات) [3] ثَمُوْدَ حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھے۔ 9 ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا ان کے مساکن اور وادی سے گزر ہوا جس پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''معذب قوموں کے علاقے سے گزرو تو روتے ہوئے، یعنی عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہوئے گزرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 433، وصحيح مسلم، حديث: 2980) ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ بعض روایات میں ہے، انھوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکال کر دکھائی جائے جسے نکلتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیے جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرما دی۔ (تفسير ابن أبي حاتم، وتفسير الطبري) اس اونٹنی کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی کہ اسے بری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے لیکن ظالموں نے اس اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا، جس کے تین دن بعد انھیں چنگھاڑ (صَيْحَة، سخت چیخ اور رَجْفَة، زلزلہ) کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ [4] اس کا مطلب ہے کہ نرم زمین سے مٹی لے لے کر اینٹیں تیار کرتے ہو اور ان اینٹوں سے محل، جیسے آج بھی بھٹوں پر اسی طرح مٹی سے اینٹیں تیار کی جاتی ہیں۔ [5] یہ ان کی قوت، صلابت بدن اور مہارت فن کا اظہار ہے۔

Marfat.com

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿74﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ

اور زمین میں فسادی بن کر مت پھرو ﴿74﴾ [1] اس کی قوم کے وڈیرے جنھوں نے تکبر کیا،

اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ

کمزور سمجھے جانے والے ایمان داروں سے کہنے لگے: کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ واقعی صالح

مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا

اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: (ہاں) بلاشبہ ہم اس چیز پر ایمان لانے

اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿75﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا

والے ہیں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے ﴿75﴾ [2] ان لوگوں نے کہا جنھوں نے تکبر کیا: بے شک ہم

اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿76﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

اس چیز کا انکار کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو ﴿76﴾ [3] چنانچہ انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ

وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا

ڈالیں، اور انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: اے صالح! اگر تو رسولوں میں

بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿77﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے ﴿77﴾ پھر انھیں زلزلے نے

الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿78﴾ فَتَوَلّٰی

آلیا، [4] چنانچہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (مردہ) گرے پڑے تھے ﴿78﴾ تب صالح نے

عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ

ان سے منہ پھیرا اور کہا: [5] اے میری قوم! بے شک میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچا

وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿79﴾

دیا تھا، اور میں نے تمھیں نصیحت کی تھی، لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ﴿79﴾

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

اور لوط کو بھیجا، [6] جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿80﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

دنیا والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی؟ ﴿80﴾ بے شک تم مردوں کے پاس آتے ہو [7] جنسی خواہش

[1] یعنی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو، نہ کہ کفران نعمت اور معصیت کا ارتکاب کر کے فساد پھیلاؤ۔ [2] یعنی جو دعوت وہ لے کر آئے ہیں، وہ چونکہ فطرت کی آواز ہے، ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ صالح واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ جوان کا سوال تھا، اس سے ان اہل ایمان نے تعرض ہی نہیں کیا کیونکہ ان کے رسول من اللہ ہونے کو وہ بحث کے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ فی الواقع ان کی رسالت ایک مسلمہ حقیقت وصداقت تھی۔ [3] اس معقول جواب کے باوجود وہ اپنے استکبار اور انکار پر اڑے رہے۔ [4] یہاں اَلرَّجْفَةُ (زلزلے) کا ذکر ہے۔ دوسرے مقام پر صَیْحَة (چیخ) کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسم کا عذاب ان پر آیا۔ اوپر سے سخت چیخ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ [5] یہ یا تو ہلاکت سے قبل کا خطاب ہے یا پھر ہلاکت کے بعد اسی طرح کا خطاب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر ختم ہونے کے بعد قلیب بدر میں پھینکے گئے مشرکین کی لاشوں سے خطاب فرمایا تھا۔ [6] حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے، پھر خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے میں نبی بنا کر بھیجا۔ یہ علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ زمین سرسبز و شاداب تھی اور یہاں ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔ قرآن نے اس جگہ کو مُؤتَفِكَة یا مُؤتَفِكَات کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انھیں اولاً دعوت توحید دی، دوسری بڑی خرابی، قوم لوط میں تھی، یعنی مردوں کے ساتھ بدفعلی، اس کی شناعت وقباحت بیان فرمائی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم لوط نے کیا، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے قوم کو اس جرم کی خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ لواطت کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے، یعنی مجرم اگر شادی شدہ ہو تو رجم، غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے۔ بعض کے نزدیک اس کی سزا رجم ہے چاہے مجرم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور بعض کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دینا چاہیے، البتہ امام ابوحنیفہ تعزیر کے قائل ہیں، حد مذکورہ کے نہیں۔ (تحفة الأحوذي: 625/4) [7] یعنی مردوں کے پاس تم اس بے حیائی کے کام کے لیے محض شہوت رانی کی غرض سے آتے ہو، اس کے علاوہ تمھاری اور کوئی غرض ایسی نہیں ہوتی جو موافق عقل ہو۔ یہ جرم سب سے پہلے اسی قوم نے شروع کیا تھا حتیٰ کہ جانور بھی اس فعل قبیح سے اجتناب کرتے ہیں۔

Marfat.com

شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ (81)
پوری کرنے کے لیے عورتوں[1] کو چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو(81)[2]
وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ
اور اس کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا: انھیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک
قَرۡيَتِكُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ (82) فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ
یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں(82)[3] پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، سوائے
اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ (83) وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ
اس کی بیوی کے، وہ پیچھے رہنے (ہلاک ہونے) والوں میں شامل ہوگئی(83)[4] اور ہم نے ان پر
10 ع 12 17 مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ (84) وَاِلٰى
پتھروں کی بارش برسائی[5] چنانچہ دیکھ لیجیے مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟(84)[6] اور ہم نے
مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ
اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا[7] اس نے کہا: اے میری قوم! تم
مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ
اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، تمھارے پاس
رَّبِّكُمۡ فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ
تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی ہے، لہٰذا تم ناپ اور تول کو پورا
اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ
کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو،[8] اور تم زمین کی اصلاح کے بعد
ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (85) وَلَا تَقۡعُدُوۡا
اس میں فساد نہ کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو(85) اور تم ہر ایک

[1] جو قضائے شہوت کا اصل محل اور حصول لذت کی اصل جگہ ہے۔ یہ ان کی فطرت کے مسخ ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ نے مرد کی جنسی لذت کی تسکین کے لیے عورت کو اس کا محل اور موضع بنایا ہے اور ان ظالموں نے اس سے تجاوز کر کے مرد کی دبر کو اس کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ [2] لیکن اب اسی فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدود الٰہی سے تجاوز کو مغرب کی ''مہذب'' قوموں نے اختیار کر لیا ہے تو یہ انسانوں کا ''بنیادی حق'' قرار پا گیا ہے جس سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے، چنانچہ اب وہاں لواطت کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ سرے سے جرم ہی نہیں رہا۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. [3] یہ حضرت لوط کو بستی سے نکالنے کی علت ہے۔ باقی ان کی پاکیزگی کا اظہار تو حقیقت کے طور پر ہے اور مقصد ان کا یہ ہوا کہ یہ لوگ اس برائی سے بچنا چاہتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہماری بستی ہی میں نہ رہیں یا استہزا اور تمسخر کے طور پر انھوں نے ایسا کہا۔ [4] إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْبَاقِينَ فِي عَذَابِ اللّٰهِ، یعنی وہ ان لوگوں میں باقی رہ گئی جن پر اللہ کا عذاب آیا کیونکہ وہ بھی مسلمان نہیں تھی اور اس کی ہمدردیاں بھی مجرمین کے ساتھ تھیں۔ بعض نے اس کا ترجمہ ''ہلاک ہونے والوں میں سے'' کیا ہے۔ لیکن یہ لازمی معنی ہیں اصل معنی وہی ہیں۔ [5] یہ خاص طرح کا مینہ کیا تھا؟ پتھروں کا مینہ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۬ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ (ھود 82:11) ''ہم نے ان پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش برسائی۔'' اس سے پہلے فرمایا: جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ''ہم نے اس بستی کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔'' [6] یعنی اے محمد! دیکھیے تو سہی، جو لوگ علانیہ اللہ کی معاصی کا ارتکاب اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں، ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟ [7] مدین حضرت ابراہیم کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا، پھر انھی کی نسل پر مبنی قبیلے کا نام بھی مدین اور جس بستی میں یہ رہائش پذیر تھے، اس کا نام بھی مدین پڑ گیا۔ یوں اس کا اطلاق قبیلے اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ بستی حجاز کے راستے میں ''معان'' کے قریب ہے۔ انھی کو قرآن میں دوسرے مقام پر اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ (بن کے رہنے والے) بھی کہا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ (دیکھیے سورۂ شعراء 176:26 کا حاشیہ) ملحوظہ: ہر نبی کو اس قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب اسی قوم اور قبیلے کا فرد ہے، جس کو بعض جگہ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب ان سب کا ہے کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے چن لیتا ہے اور وحی کے ذریعے سے اس پر اپنی کتاب اور احکام نازل فرماتا ہے۔ [8] دعوت توحید کے بعد، اس قوم میں ناپ تول میں کمی کی جو بڑی خرابی تھی، اس سے اسے منع فرمایا اور پورا پورا ناپ اور تول کر دینے کی تلقین کی۔ یہ کوتاہی بھی بہت خطرناک ہے جس سے اس قوم کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا پتہ چلتا ہے جس کے اندر یہ ہو۔ بدترین خیانت ہے کہ پیسے پورے لیے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ اسی لیے سورۂ مطففین میں ایسے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔

Marfat.com

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

راستے پر مت بیٹھو، تم اس شخص کو ڈراتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو جو

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ

اس پر ایمان لے آئے، اور تم اس راہ میں ٹیڑھ تلاش کرتے ہو[1] اور یاد کرو

قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

جب تم تھوڑے تھے، پھر اس نے تمھیں زیادہ کر دیا۔ اور دیکھو! فسادیوں کا

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿86﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا

انجام کیسا ہوا تھا؟ ﴿86﴾ اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر ایمان لے آئے ہیں جو

بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور کچھ دوسرے ایمان نہیں لائے ہیں تو تم ذرا صبر کرو، یہاں

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿87﴾

تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿87﴾ [2]

[1] اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے اللہ کے راستے میں کجیاں تلاش کرنا۔ یہ ہر دور کے نافرمانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے جس کے نمونے آج کل کے متجددین اور فرنگیت زدہ لوگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. علاوہ ازیں راستے میں بیٹھنے کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: لوگوں کو ستانے کے لیے بیٹھنا، جیسے عام طور پر اوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے۔ یا حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانے والے راستوں میں بیٹھنا تا کہ ان کے پاس جانے والوں کو روکیں اور ان سے انھیں بدظن کریں، جیسے قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والوں سے کرتے تھے یا دین کے راستوں پر بیٹھنا اور اس راہ پر چلنے والوں کو روکنا۔ یوں لوٹ مار کی غرض سے ناکوں پر بیٹھنا تا کہ آنے جانے والوں کا مال سلب کر لیں۔ یا بعض کے نزدیک محصول اور چنگی وصول کرنے کے لیے ان کا راستوں پر بیٹھنا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارے ہی مفہوم صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ یہ سب کچھ کرتے ہوں۔ (فتح القدیر) [2] یہ کفر پر صبر کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان کے لیے تہدید اور سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اہل حق کا اہل باطل پر فتح و غلبہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ (التوبة 9:52) ”پس تم بھی انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔“

Marfat.com

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ

اس کی قوم میں سے جو سردار تکبر کرتے تھے، انھوں نے کہا: اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو

يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ

تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے[1]

لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ

شعیب نے کہا: کیا (ہم تمھارے دین میں آ جائیں) اگرچہ ہم (اس سے) کراہت کرتے ہیں؟ (88)[2] ہم

افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ

نے (گویا) اللہ پر جھوٹ باندھا اگر ہم تمھارے دین میں لوٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات

نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ

دے چکا ہے[3] اور ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ اللہ، ہمارا رب چاہے۔[4] ہمارے

اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ

رب نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے۔[5] (اور ہم دعا کرتے

تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ

ہیں) اے ہمارے رب! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر، اور تو بہترین

خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

فیصلہ کرنے والا ہے (89)[6] اور اس کی قوم میں سے وہ سردار جنھوں نے کفر کیا تھا، کہنے لگے: اگر تم

لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ

نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم ضرور خسارہ پانے والے ہو گے (90)[7] پھر انھیں زلزلے

الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

نے آ پکڑا، چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (91)[8] جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا

[1] ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ کیجیے کہ انھوں نے ایمان و توحید کی دعوت ہی کو رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب پر واپس آ جاؤ، نہیں تو ہم تمھیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے کیونکہ انھوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی آبائی ملت کی طرف لوٹنے کی دعوت اس لحاظ سے تھی کہ وہ انھیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے، گو حقیقتاً ایسا نہ ہو۔ یا بطور تغلیب انھیں بھی شامل کر لیا ہو۔ [2] یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ہمزہ انکار کے لیے اور واؤ حالیہ ہے، یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے یا ہمیں اپنی بستی سے نکال دو گے، درآں حالیکہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹنا اور اس بستی سے نکلنا پسند نہ کرتے ہوں؟ مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم ہمیں ان میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرو۔ [3] یعنی اگر ہم دوبارہ اس آبائی دین کی طرف لوٹ آئے جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایمان و توحید کی دعوت دے کر اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے ایسا ہو۔ [4] اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا، یعنی ہم تو اپنی رضامندی سے اب کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں، اگر اللہ چاہے تو بات اور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ مفروضے کے طور پر ہے، یعنی تمھارے جبر و اکراہ سے تو ہم کفر اختیار نہیں کر سکتے۔ ہاں، بالفرض اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی (معاذ اللہ) یہی ہو تو دوسری بات ہے۔ [5] کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت رکھے گا اور ہمارے اور کفر و اہل کفر کے درمیان حائل رہے گا، ہم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ [6] اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچا کر مُکَذِّبِیْن اور مُسْتَکْبِرِیْن کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ گویا عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔ [7] اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا اور ناپ تول میں کمی نہ کرنا، یہ ان کے نزدیک خسارے والی بات تھی، درآں حالیکہ ان دونوں باتوں میں ان ہی کا فائدہ تھا۔ لیکن دنیا والوں کی نظر میں تو نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہو جانے والا نفع) ہی سب کچھ ہوتا ہے جو ناپ تول میں ڈنڈی مار کر انھیں حاصل ہو رہا تھا، وہ اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجل (دیر میں ملنے والے نفع) کے لیے اسے کیوں چھوڑتے؟ [8] یہاں ﴿الرَّجْفَةُ﴾ (زلزلہ) کا لفظ آیا ہے اور سورۂ ہود، آیت: 94 میں ﴿الصَّيْحَةُ﴾ (چیخ) کا لفظ ہے اور سورۂ شعراء، آیت: 189 میں ﴿الظُّلَّةِ﴾ (بادل کا سایہ) کے الفاظ ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی چیزوں کا اجتماع ہوا، یعنی سائے والے دن ان پر عذاب آیا۔ پہلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے، چنگاریاں اور آگ کے بھبوکے تھے، پھر آسمان سے سخت چیخ آئی اور زمین سے بھونچال، جس سے ان کی روحیں نکل گئیں اور بے جان لاشے ہو کر پرندوں کی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

Marfat.com

شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا
وہ (یوں ہوگئے) جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے[1] جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ
هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
پانے والے تھے ﴿92﴾ [2] پھر شعیب نے ان سے منہ پھیر کر کہا: اے میری قوم! یقیناً میں نے تو
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ
اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچا دیے اور تمھاری خیرخواہی کی، پھر میں کافر قوم پر غم کیوں
ع 11 9 1 كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾ ع وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ
کھاؤں؟ ﴿93﴾ [3] اور جب بھی ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی والوں کو تنگی
اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا
اور سختی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں ﴿94﴾ [4] پھر ہم نے (ان کی) بدحالی کو
مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا
خوشحالی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے: ہمارے باپ دادا کو
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿95﴾
بھی سختی اور راحت پیش آئی تھی، تب ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا[5] اور انھیں خبر تک نہ ہوسکی ﴿95﴾ اور
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی
بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا
برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے (دین حق کو) جھٹلایا تو ہم نے انھیں (ان کے
فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿96﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ
برے عملوں کے باعث) پکڑ لیا جو وہ کرتے رہے تھے ﴿96﴾ کیا پھر بستیوں والے اس (بات) سے
الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿97﴾
بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟ ﴿97﴾ یا
اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى
بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے اور وہ
وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿98﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ
کھیل تماشے میں مصروف ہوں؟ ﴿98﴾ کیا پھر وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ اللہ کی تدبیر
ع 12 6 2 مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿99﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ
سے بے خوف تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں ﴿99﴾ [6] کیا ان لوگوں پر واضح نہیں

[1] یعنی جس بستی سے یہ اللہ کے رسول اور ان کے پیروکاروں کو نکالنے پر تلے ہوئے تھے، اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہونے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے وہ یہاں رہتے ہی نہ تھے۔ [2] یعنی خسارے میں وہی لوگ رہے جنھوں نے پیغمبر کی تکذیب کی، نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خسارہ بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لیے تیار ہے۔ [3] عذاب و تباہی کے بعد جب وہ وہاں سے چلے تو انھوں نے وفور جذبات میں یہ باتیں کہیں۔ اور ساتھ ہی کہا کہ جب میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا تو اس کے باوجود اپنے کفر اور شرک پر ڈٹے رہے تو اب میں ایسے لوگوں پر افسوس کروں تو کیوں کروں؟ [4] بِالْبَاْسَآءِ وہ تکلیفیں جو انسان کے بدن کو لاحق ہوں، یعنی بیماری اور وَالضَّرَّآءِ سے مراد فقر و تنگ دستی۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی بستی میں بھی ہم نے رسول بھیجا، انھوں نے اس کی تکذیب کی جس کی پاداش میں ہم نے ان کو بیماری اور محتاجی میں مبتلا کر دیا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑائیں۔ [5] یعنی فقر و بیماری کے ابتلا سے بھی جب ان کے اندر رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تو ہم نے ان کی تنگ دستی کو خوش حالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت سے بدل دیا تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اس انقلاب حال سے بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انھوں نے کہا کہ یہ تو ہمیشہ ہی سے ہوتا چلا آرہا ہے کہ کبھی تنگی آگئی، کبھی خوش حالی، کبھی بیماری تو کبھی صحت، کبھی فقیری تو کبھی امیری، یعنی تنگ دستی کا پہلا علاج ان کے لیے مؤثر ثابت ہوا نہ خوش حالی ان کے اصلاح احوال کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔ وہ اسے لیل و نہار کی گردش ہی سمجھتے رہے اور اس کے پیچھے کارفرما قدرت الٰہی اور اس کے ارادے کو سمجھنے میں ناکام رہے تو پھر ہم نے انھیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ اسی لیے حدیث میں مومنوں کا معاملہ اس کے برعکس بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ آرام و راحت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لیتے ہیں، یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی ہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2999) [6] ان آیات

Marfat.com

لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ

ہوا جو زمین میں (پہلے) بسنے والوں (کی ہلاکت) کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں

نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں مصیبتوں میں مبتلا کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں، پھر وہ

فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿100﴾ تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ

(کچھ) نہ سن پائیں؟﴿100﴾[1] (اے نبی!) یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ سے بیان

مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

کرتے ہیں اور یقیناً ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے،[2] چنانچہ جس چیز کو

كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ

وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اس پر ایمان لانے کے روادار نہ ہوئے۔[3] اللہ اسی طرح کافروں کے

عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿101﴾ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ

دلوں پر مہر لگا دیتا ہے﴿101﴾ اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد (کا پاس) نہیں پایا[4]

عَهۡدٍ ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ﴿102﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ

اور بلاشبہ ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا﴿102﴾ پھر ان (نبیوں) کے بعد ہم

میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان وتقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنا لیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، یعنی حسب ضرورت انھیں آسمان سے بارش مہیا فرماتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ نتیجتاً خوش حالی وفراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں، پھر پتہ نہیں ہوتا کہ شب وروز کی کس گھڑی میں عذاب آ جائے اور ہنستی کھیلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے، اس لیے اللہ کی ان تدبیروں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔ مَكْرَ کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ آل عمران، آیت: 54 کا حاشیہ۔

[1] یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر بھی قفل لگ جاتے ہیں، پھر بڑے بڑے عذاب بھی انھیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کر پاتے۔ دیگر بعض مقامات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا، ہم چاہیں تو تمھیں بھی تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز کے لیے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں، پھر انذار اور وعظ ونصیحت ان کے لیے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تَبَیُّن (وضاحت) کے معنی میں ہے، اسی لیے لام کے ساتھ متعدی ہے۔ ﴿اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ﴾ یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔ [2] جس طرح گزشتہ صفحات میں چند انبیاء کا ذکر گزرا۔ ﴿بِالۡبَيِّنٰتِ﴾ سے مراد دلائل وبراہین اور معجزات دونوں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے جب تک ہم نے حجت تمام نہیں کر دی، ہم نے انھیں ہلاک نہیں کیا کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا﴾ (بنيٓ إسرآءيل 15:17) ''جب تک ہم رسول نہیں بھیج دیتے، عذاب نازل نہیں کرتے۔''

[3] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یوم میثاق کو جب ان سے عہد لیا گیا تھا تو یہ اللہ کے علم کے مطابق ایمان لانے والے نہ تھے، اس لیے جب ان کے پاس رسول آئے تو یہ لوگ ایمان نہیں لائے کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایمان نہیں تھا جسے اللہ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا تھا جس کو حدیث میں [illegible] «كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ» ''ہر کسی کے لیے وہ کام آسان ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4949) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے۔ گویا ابتداءً جس چیز کی وہ تکذیب کر چکے تھے، یہی گناہ ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو اگلے جملے میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا يُشۡعِرُكُمۡ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ○ وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ○﴾ (الأنعام 6:109، 110) ''اور تمھیں کیا معلوم؟ یہ تو ایسے (بدبخت) ہیں کہ ان کے پاس نشانیاں بھی آ جائیں، تب بھی ایمان نہ لائیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے۔'' [4] اس سے بعض نے عہد اَلَستُ، جو عالم ارواح میں لیا گیا تھا، بعض نے عذاب ٹالنے کے لیے پیغمبروں سے جو عہد کرتے تھے، وہ عہد اور بعض نے عام عہد مراد لیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اور یہ عہد شکنی، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو، فسق ہی ہے۔

Marfat.com

بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ
نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا[1] تو انھوں نے
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (103) وَقَالَ مُوْسٰى
ان (نشانیوں) کو نہ مانا، پھر دیکھیے فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟(103) [2] اور موسیٰ نے کہا:
يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (104) حَقِيْقٌ
اے فرعون! بے شک میں سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں(104) مجھ پر واجب
عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ
ہے کہ میں اللہ کی طرف سے حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ تحقیق میں تمھارے پاس تمھارے رب
بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (105) قَالَ اِنْ
کی طرف سے واضح دلیل لایا ہوں،[3] لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے(105) [4] فرعون
كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (106)
نے کہا: اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ پیش کر، اگر تو سچوں میں سے ہے(106) تب موسیٰ
فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (107) وَّنَزَعَ
نے اپنا عصا (زمین پر) ڈالا تو وہ اسی وقت اژدہا (بن کر) ظاہر ہوا(107) اور موسیٰ نے (بغل
13 ع 3 يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ (108) ع قَالَ الْمَلَاُ مِنْ
سے) اپنا ہاتھ (باہر) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا سفید تھا(108) [5] فرعون کی قوم کے
قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ (109) يُّرِيْدُ اَنْ
سرداروں نے کہا: بے شک یہ تو ماہر جادوگر ہے(109) [6] یہ چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (110) قَالُوْٓا اَرْجِهْ
نکال دے، پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟(110) انھوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی (ہارون) کو
وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ (111) يَاْتُوْكَ بِكُلِّ
مہلت دے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دے(111) (تاکہ) وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے
سٰحِرٍ عَلِيْمٍ (112) وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا
آئیں(112) [7] اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آئے، تو انھوں نے کہا: یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا
اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (113) قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ
اگر ہم غالب آگئے؟(113) فرعون نے کہا: ہاں، اور بے شک تم (میرے) مقرب لوگوں میں

[1] یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے جو جلیل القدر پیغمبر تھے، جنھیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دے کر بھیجا گیا تھا۔ [2] یعنی انھیں غرق کر دیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔ [3] جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول ہوں۔ اس معجزے اور بڑی دلیل کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔ [4] بنی اسرائیل، جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنا لیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا، جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ فرعون اور اس کے درباری امراء نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ دوسرا مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تا کہ یہ اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت و احترام کی زندگی گزاریں اور اللہ کی عبادت کریں۔ [5] یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دو بڑے معجزے انھیں عطا فرمائے تھے، اپنی صداقت کے لیے انھیں پیش کر دیا۔ [6] معجزے دیکھ کر، ایمان لانے کی بجائے، فرعون اور اس کے درباریوں نے اسے جادو قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے جس سے اس کا مقصد تمھاری حکومت ختم کرنا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا زور اور اس کا عام چلن تھا، اس لیے انھوں نے معجزات کو جن میں سرے سے انسان کا دخل ہی نہیں ہوتا، خالص اللہ کی مشیت سے ظہور میں آتے ہیں، جادو بتایا۔ تاہم اس عنوان سے فرعون اور اس کے درباریوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قوم فرعون کو بہکانے کا موقع مل گیا۔ [7] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو بھی انھوں نے جادو سمجھا اور جادو کے ذریعے سے اس کا توڑ مہیا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے۔ پس ہم بھی اس جیسا جادو تیرے مقابلے میں لائیں گے، اس کے لیے کسی ہموار جگہ اور وقت کا ہم تعین کر لیں جس کی دونوں پابندی کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ نوروز کا دن اور چاشت کا وقت ہے، اس حساب سے لوگ جمع ہو جائیں۔'' (طٰہٰ 20:57-59)

Marfat.com

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿114﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ
سے ہو گے﴿114﴾ [1] جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تو ڈال یا (پہلے) ہم ہی (اپنا جادو)
نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿115﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا
ڈالیں﴿115﴾ [2] موسیٰ نے کہا: (پہلے) تم ڈالو۔[3] پھر جب انھوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) ڈالیں تو
سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ
لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپوں سے) ڈرایا، اور وہ بہت بڑا
عَظِيْمٍ ﴿116﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ
جادو لائے تھے﴿116﴾ [4] اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو (بھی) اپنا عصا ڈال۔ (جب اس نے ڈالا)
فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿117﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ
تو وہ دیکھتے دیکھتے (اژدہا بن کر ان سانپوں کو) نگلنے لگا جو وہ (جادوگر) گھڑتے تھے﴿117﴾ [5] بالآخر حق
وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿118﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ
ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، باطل ٹھہرا﴿118﴾ تب وہ جادوگر وہیں مغلوب ہو گئے
وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿119﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿120﴾
اور ذلیل وخوار ہو کر پیچھے ہٹ آئے﴿119﴾ اور جادوگر (بے اختیار) سجدے میں گر پڑے﴿120﴾
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿121﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿122﴾
انھوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے﴿121﴾ [6] موسیٰ اور ہارون کے رب پر﴿122﴾ [7]
قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ
فرعون نے کہا: (کیا) تم میرے اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک
هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا
یہ مکر ہے، تم نے اس شہر میں (مل کر) یہ مکر کیا ہے تاکہ یہاں رہنے والوں کو اس (شہر) سے
مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿123﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
نکال دو، پھر جلد ہی (اس کا نتیجہ) تم جان لو گے﴿123﴾ [8] میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف

[1] جادوگر چونکہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لیے ہی شعبدہ بازی کا فن سیکھتے تھے، اس لیے انھوں نے موقع غنیمت جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کی جائے، چنانچہ انھوں نے اپنا مطالبۂ اجرت، کامیابی کی صورت میں پیش کر دیا، جس پر فرعون نے کہا کہ اجرت ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔ [2] جادوگروں نے یہ اختیار اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کی وجہ سے دیا۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ، جسے وہ ایک کرتب ہی سمجھتے تھے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ بہر صورت مہیا کر لیں گے۔ [3] لیکن موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی تائید انھیں حاصل تھی، اس لیے انھیں اپنے اللہ کی مدد کا یقین تھا، لہٰذا انھوں نے بغیر کسی خوف اور تامل کے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم جو دکھانا چاہتے ہو، دکھاؤ۔ علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ جادوگروں کے پیش کردہ جادو کا توڑ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزانہ انداز میں پیش ہو گا تو یہ لوگوں کے لیے زیادہ متاثر کن ہو گا جس سے ان کی صداقت واضح تر ہو گی اور لوگوں کے لیے ایمان لانا آسان ہو جائے گا۔ [4] بعض آثار میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادوگر 70 ہزار کی تعداد میں تھے۔ بظاہر یہ تعداد مبالغے سے خالی نہیں جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی میدان میں پھینکی جو دیکھنے والوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ یہ گویا بزعم خویش بہت بڑا جادو تھا جو انھوں نے پیش کیا۔ [5] لیکن یہ جو کچھ بھی تھا، ایک تخیل، شعبدہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور لاٹھی نے ایک خوفناک اژدھے کی شکل اختیار کر کے سب کچھ نگل لیا۔ [6] جادوگروں نے، جو جادو کے فن اور اس کی اصل حقیقت کو جانتے تھے، یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ یہاں پیش کیا ہے، جادو نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی مدد ہی سے اس نے یہ معجزہ پیش کیا ہے۔ جس نے آن واحد میں ہم سب کے کرتبوں پر پانی پھیر دیا، چنانچہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ باطل، باطل ہے، چاہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھا لیے جائیں اور حق حق ہے، چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیے جائیں، تاہم حق کا ڈنکا بج کر رہتا ہے۔ [7] سجدے میں گر کر انھوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا جس سے فرعونیوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے جس کی ربوبیت کے وہ قائل تھے، اس لیے انھوں نے موسیٰ اور ہارون کا رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب ہی کو کر رہے ہیں۔ لوگوں کے خود ساختہ کسی رب کو نہیں۔ [8] یہ جو کچھ ہوا، فرعون کے لیے

Marfat.com

مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿124﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰى

سے ضرور کاٹ دوں گا، پھر میں تم سب کو ضرور سولی پر لٹکاؤں گا﴿124﴾ [1] انھوں نے کہا: بے شک

رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿125﴾ وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا

ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں﴿125﴾ [2] اور (اے فرعون!) تو ہمیں صرف اس بات کی سزا

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا

دے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے ہیں، [3] جب وہ ہمارے پاس آ گئیں۔ اے

صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿126﴾ ع وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ

ع 14 18 4

ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے [4] اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں﴿126﴾ [5] اور فرعون کی

قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَقَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى

قوم کے چودھریوں نے (اس سے) کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا، تاکہ وہ زمین میں

الۡاَرۡضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ

فساد کریں [6] اور وہ (موسیٰ) تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ [7] فرعون نے کہا: ہم ان کے (نومولود)

وَنَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ ﴿127﴾

بیٹے قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیاں چھوڑ دیں گے اور بے شک ہم ان پر پورا غلبہ رکھتے ہیں﴿127﴾ [8]

قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ الۡاَرۡضَ

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ

لِلّٰهِ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ

اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں

لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿128﴾ قَالُوۡۤا اُوۡذِيۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِيَنَا

ہی کے لیے ہے﴿128﴾ [9] انھوں نے (موسیٰ سے) کہا: ہمارے پاس تمھارے آنے سے پہلے بھی

وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّهۡلِكَ

ہمیں تکلیفیں دی گئیں [10] اور تمھارے آنے کے بعد بھی۔ [11] موسیٰ نے کہا: امید ہے کہ تمھارا رب

بڑا حیران کن اور تعجب زا تھا، اس لیے اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا، اس نے یہی کہہ دیا کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اور اس کا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ اچھا! اس کا انجام عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا۔

[1] یعنی دایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ، پھر یہی نہیں، سولی پر چڑھا کر تمھیں نشان عبرت بھی بنا دوں گا۔ [2] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سخت سزا دے گا، اس لیے کہ ہم سب کو مر کر اسی کے پاس جانا ہے، اس کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا فرعون کے عذاب دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آنی ہی آنی ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا کہ موت سولی پر آئے یا کسی اور طریقے سے؟ [3] یعنی تیرے نزدیک ہمارا یہی عیب ہے جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر تل گیا ہے، دراں حالیکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں ہے۔ یہ تو خوبی ہے، بہت بڑی خوبی کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آ گئی تو ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات ٹھکرا دیے اور حقیقت کو اپنا لیا، پھر انھوں نے اپنا روئے سخن فرعون سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔ [4] تاکہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو برداشت کر لیں اور حق میں مُتَصَلِّب اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ [5] اس دنیاوی آزمائش سے ہمارے اندر ایمان سے انحراف آئے نہ کسی اور فتنے میں ہم مبتلا ہوں۔ [6] یہ ہر دور کے مفسدین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ والوں کو فسادی اور ان کی دعوت ایمان و توحید کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرعونیوں نے بھی یہی کہا۔ [7] فرعون کو بھی اگرچہ دعوائے ربوبیت تھا، وہ کہا کرتا تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ۝﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ”میں تمھارا بڑا رب ہوں۔“ لیکن دوسرے چھوٹے چھوٹے معبود بھی تھے جن کے ذریعے سے لوگ فرعون کا تقرب حاصل کرتے تھے۔ [8] ہمارے اس انتظام میں یہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ قتل ابناء (بیٹوں کے قتل کرنے) کا یہ پروگرام دوبارہ فرعونیوں کے کہنے سے بنایا گیا۔ اس سے قبل بھی، جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی تھی، موسیٰ علیہ السلام کے بعد از ولادت خاتمے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد ان کو بچانے کی یہ تدبیر کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو خود فرعون کے محل میں پہنچوا کر اسی کی گود میں ان کی پرورش کروائی۔ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا [9] جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمھیں ہی ملے گا۔ [10] یہ ان مظالم کی طرف اشارہ ہے جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ان پر ہوتے رہے۔ [11] جادوگروں کے واقعے کے بعد ظلم وستم کا یہ نیا دور ہے جو موسیٰ

Marfat.com

عَدُوَّكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرَ كَيۡفَ
تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمھیں زمین میں جانشین بنا دے گا، پھر دیکھے گا کہ تم
تَعۡمَلُوۡنَ ع ﴿129﴾ وَلَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ بِالسِّنِيۡنَ (ع 15 3 5)
کیسے عمل کرتے ہو ﴿129﴾ [1] اور بلاشبہ ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان میں
وَنَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿130﴾ فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ
پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿130﴾ [2] پھر جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے: یہ ہمارے
الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا
ہی لیے ہے، اور اگر انھیں بدحالی آلیتی تو اسے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی
بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ
نحوست ٹھہراتے [3] خبردار! ان کی نحوست اللہ کے پاس (مقدر) ہے [4] اور لیکن ان میں
اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿131﴾ وَقَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ
اکثر (لوگ) نہیں جانتے ﴿131﴾ اور انھوں نے (موسیٰ سے) کہا: خواہ تم ہمارے پاس کوئی نشانی لے
اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿132﴾ فَاَرۡسَلۡنَا
آؤ تاکہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو کر دو تو بھی ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿132﴾ [5] پھر ہم نے
عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ
ان پر طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈکوں اور خون (کا عذاب) بھیجا (یہ) الگ
مُّفَصَّلٰتٍ ۚ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿133﴾ وَلَمَّا
الگ نشانیاں تھیں [6] پھر بھی انھوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی مجرم ﴿133﴾ اور جب ان

علیہ السلام کے آنے کے بعد شروع ہوا۔

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، بہت جلد اللہ تمھارے دشمن کو ہلاک کر کے زمین میں تمھیں اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور پھر تمھاری آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ ابھی تو تکلیفوں کے ذریعے سے آزمائے جا رہے ہو، پھر انعام واکرام کی بارش کر کے اور اختیار و اقتدار سے بہرہ مند کر کے تمھیں آزمایا جائے گا۔ [2] اٰلَ فِرۡعَوۡنَ سے مراد، فرعون کی قوم ہے۔ اور سنین سے قحط سالی، یعنی بارش کے فقدان اور درختوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ مقصد اس آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور استکبار سے باز آ جائیں جس میں وہ مبتلا تھے۔ [3] اَلۡحَسَنَةُ (بھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فراوانی اور سَيِّئَةٌ (برائی) سے اس کے برعکس قحط سالی اور پیداوار میں کمی۔ حَسَنَة کا سارا کریڈٹ خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور بدحالی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی نحوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑ رہے ہیں۔ [4] طٰٓئِرٌ کے معنی ہیں ''اڑنے والا'' یعنی پرندہ۔ چونکہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فالی یا بد فالی لیا کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ مطلق فال کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر یا شر، جو خوش حالی یا قحط سالی کی وجہ سے انھیں پہنچتا ہے، اس کے اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار اس کا سبب نہیں۔ طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ کا مطلب ہوگا کہ ان کی بدشگونی کا سبب اللہ کے علم میں ہے اور وہ ان کا کفر و انکار ہے نہ کہ کچھ اور، یا اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ ان کا کفر ہے۔ [5] یہ اسی کفر و جحود کا اظہار ہے جس میں وہ مبتلا تھے اور معجزات و آیات الٰہی کو اب بھی وہ جادوگری باور کرتے یا کراتے تھے۔ [6] الطُّوۡفَانَ سے سیلاب یا کثرت بارش، جس سے ہر چیز غرق ہوگئی یا کثرت اموات مراد ہے، جس سے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ الۡجَرَادَ ٹڈی کو کہتے ہیں، ٹڈی دل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لیے مشہور ہے۔ یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا کر چٹ کر جاتیں۔ الۡقُمَّلَ سے مراد جوئیں ہیں جو انسان کے جسم، کپڑے اور بالوں میں ہو جاتی ہیں یا گھن کا کیڑا ہے جو غلے میں لگ جاتا ہے تو اس کے بیشتر حصے کو ختم کر دیتا ہے۔ جوؤں سے انسان کو گھن بھی آتی ہے اور اس کی کثرت سے سخت پریشانی بھی۔ اور جب یہ بطور عذاب ہوں تو اس سے لاحق ہونے والی پریشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح گھن کا عذاب بھی معیشت کو کھوکھلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ الضَّفَادِعَ ضِفۡدَعٌ کی جمع ہے، یہ مینڈک کو کہتے ہیں جو پانی اور جوہڑوں، چھپڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ مینڈک ان کے کھانوں میں، بستروں میں، رکھے ہوئے غلوں میں غرض ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے، جس سے ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا حرام ہو گیا۔ الدَّمَ سے مراد ہے پانی کا خون بن جانا، یوں پانی پینا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ بعض نے خون سے مراد نکسیر کی بیماری لی ہے، یعنی ہر شخص کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ یہ کھلے کھلے اور جدا جدا معجزے تھے جو وقفے وقفے سے ان کے پاس آئے۔

Marfat.com

وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

پر کوئی عذاب آتا تو کہتے: اے موسیٰ! تو اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے

عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

تجھ سے عہد کر رکھا ہے، اگر تو ہم سے عذاب ہٹا دے تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے

مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿134﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى

اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے ﴿134﴾ پھر جب ہم ان سے ایک مقرر وقت تک

اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿135﴾ فَانْتَقَمْنَا

عذاب ہٹا لیتے، جس تک وہ بہرحال پہنچنے والے ہوتے، تو یکایک وہ عہد توڑ دیتے ﴿135﴾ [1] پھر ہم

مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا

نے ان سے انتقام لیا تو انھیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ان

عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿136﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا

سے بے پروا ہو گئے تھے ﴿136﴾ [2] اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے [3] اس زمین کے

يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا

مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی [4] اور (اے نبی! اس طرح)

فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہوا، اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا تھا [5]

بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ

اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ تباہ کر دیا جو (کارخانے) وہ بناتے اور جو

وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ

(محلات کی عمارتیں) وہ اٹھاتے تھے [6] ﴿137﴾ اور (جب) ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار

فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى

دیا، تو ان کا ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے

[1] یعنی ایک عذاب آتا تو اس سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے، ان کی دعا سے وہ ٹل جاتا تو ایمان لانے کی بجائے پھر اس کفر و شرک پر جمے رہتے، پھر دوسرا عذاب آ جاتا تو پھر اسی طرح کرتے۔ یوں کچھ کچھ وقفوں سے پانچ عذاب ان پر آئے۔ لیکن ان کے دلوں میں جو رعونت اور دماغوں میں جو تکبر تھا، وہ حق کی راہ میں ان کے لیے زنجیر پا بنا رہا اور اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔ [2] اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بالآخر انھیں دریا میں غرق کر دیا گیا، جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔ [3] یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھتا تھا۔ اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ﴾ (آل عمران 26:3) ''اللہ جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلیل کر دے۔'' [4] زمین سے مراد شام کا علاقہ فلسطین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا، شام میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عمالقہ کو شکست دے کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ اور اللہ نے زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں، یعنی شام کے علاقے میں۔ جو معنوی اور ظاہری شادابی و خوش حالی میں بھی ممتاز ہے، یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کی برکتوں سے یہ زمین مالا مال رہی ہے۔ ﴿مَشَارِقَ﴾ مشرق کی جمع اور ﴿مَغَارِبَهَا﴾ مغرب کی جمع ہے۔ حالانکہ مشرق اور مغرب ایک ایک ہی ہیں۔ جمع سے مراد اس ارض بابرکت کے مشرقی اور مغربی حصے ہیں، یعنی جہات مشرق و مغرب۔ [5] یہ وعدہ وہی ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی آیت: 129,128 میں فرمایا گیا ہے اور سورہ قصص میں بھی: ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَي الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝﴾ (القصص 6,5:28) ''ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت و طاقت دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے ہیں۔'' اور یہ فضل و احسان اس صبر کی وجہ سے ہوا جس کا مظاہرہ انھوں نے فرعونی مظالم کے مقابلے میں کیا۔ [6] ﴿مَصْنُوْعَات﴾ سے مراد کارخانے، عمارتیں اور ہتھیار وغیرہ ہیں اور ﴿يَعْرِشُوْنَ﴾ ''جو وہ بلند کرتے تھے۔'' سے مراد اونچی اونچی عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں اور انگوروں وغیرہ کے باغات بھی جو وہ چھپروں پر پھیلاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شہری عمارتیں، ہتھیار اور دیگر سامان بھی تباہ کر دیا اور ان کے باغات بھی۔

Marfat.com

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

کہا: اے موسیٰ ! تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح کہ ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ

تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ

نے کہا: بے شک تم لوگ تو (نرے) جاہل ہو ﴿138﴾[1] یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یقیناً وہ تباہ

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ

ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ باطل ہے ﴿139﴾[2] موسیٰ نے کہا: کیا میں تمھارے لیے اللہ

اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿140﴾

کے سوا کوئی (اور) معبود تلاش کروں، جبکہ اسی نے تمھیں سب جہانوں پر فضیلت دی ہے؟ ﴿140﴾[3] اور

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ

(اے بنی اسرائیل! یاد کرو) جب ہم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دی، وہ تمھیں برا عذاب

الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ

چکھاتے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمھاری عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتے

16 ع 12 6 ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿141﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى

تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿141﴾[4] اور ہم نے موسیٰ سے تیس

ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

راتوں کا وعدہ کیا (کہ وہ اتنی راتیں کوہ طور پر گزارے) اور ہم نے انھیں (مزید) دس راتوں کے ساتھ

رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ

پورا کیا، یوں اس کے رب کی (مقرر کی ہوئی) چالیس راتوں کی مدت پوری ہوگئی۔[5] اور موسیٰ نے اپنے

هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ

بھائی ہارون سے کہا: تو میری قوم میں میرے پیچھے جانشین بن جا، اور (ان کی) اصلاح کرنا اور فساد

سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿142﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا

کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا ﴿142﴾[6] اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت کے لیے آیا اور اس

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

سے اس کے رب نے کلام کیا تو موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے (اپنی جھلک) دکھا کہ میں تجھے

لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ

دیکھ سکوں۔ اللہ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے[7] لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ، پھر اگر وہ اپنی

[1] اس سے بڑی جہالت اور نادانی کیا ہوگی کہ جس اللہ نے انھیں فرعون جیسے بڑے دشمن سے نہ صرف نجات دی بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا اور انھیں معجزانہ طریق سے دریا عبور کروایا، وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبود تلاش کرنے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ پتھر کے یہ بت گائے کی شکل کے تھے۔ [2] یعنی یہ مورتیوں کے پجاری جن کے حال نے تمھیں بھی دھوکے میں ڈال دیا، ان کا مقدر تباہی اور ان کا یہ فعل باطل اور خسارے کا باعث ہے۔ [3] کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمھیں جہانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمھارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ ہے۔ [4] یہ وہی آزمائشیں ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں بھی گزرا اور سورۂ ابراہیم میں بھی آئے گا۔ [5] فرعون اور اس کے لشکر کے غرق کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی کتاب انھیں دی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو نبی تھے اور ان کے بھائی بھی، اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انھیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ [6] حضرت ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں محض تذکیر و تنبیہ کے طور پر یہ نصیحتیں کیں، میقات سے یہاں مراد وقت معین ہے۔ [7] جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا اور اپنے اس شوق کا اظہار ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ﴾ کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ ''تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔'' اس سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے کہا کہ لن نفی تابید (ہمیشہ کی نفی) کے لیے آتا ہے، اس لیے اللہ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ لیکن معتزلہ کا یہ مسلک صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے اور قواعد عربیہ کے بھی۔ متواتر، صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے۔ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔

Marfat.com

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ

جگہ ٹھہرا رہا، تو تم مجھے بھی ضرور دیکھ سکو گے۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ ڈالا تو

جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ

اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[1] پھر جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے عرض

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿143﴾

کی: (اے اللہ!) تو پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں ﴿143﴾[2]

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ

اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک میں نے اپنے پیغامات پہنچانے اور اپنی ہم کلامی کے لیے لوگوں میں

وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾

سے تجھے چن لیا ہے، چنانچہ تو لے لے جو میں نے تجھے دیا ہے اور شکر گزاروں میں (شامل) ہو جا ﴿144﴾[3]

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً

اور ہم نے اس (موسیٰ) کے لیے (تورات کی) تختیوں میں (زندگی کے) ہر معاملے کے بارے میں نصیحت

وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ

اور ہر پہلو کے متعلق تفصیل لکھ کر دے دی ہے[4] چنانچہ تو ان (ہدایات) کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿145﴾

قوم کو حکم دے کہ ان کی اچھی اچھی باتوں پر کاربند رہیں۔[5] جلد ہی میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا ﴿145﴾[6]

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ

اور جلد ہی میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی نگاہوں) کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق

الْحَقِّ ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا

تکبر کرتے ہیں، اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے[7] اور

سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ

اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو اسے اختیار نہیں کریں گے، اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ

الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا

لیں تو اسے اختیار کر لیں گے۔[8] یہ اس لیے کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور وہ ان

اس نفیٔ رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے اور حرف لَنْ نفیٔ تابید کے لیے نہیں، تابید خارجی دلیل سے معلوم ہوتی ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرما دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکے۔ [1] یعنی وہ پہاڑ بھی رب کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''قیامت والے دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے، (یہ بے ہوشی امام ابن کثیر کے بقول میدان محشر میں اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے نزول اجلال فرمائے گا) اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انھیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں میدان محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4638، وصحيح مسلم، حديث: 2373) [2] تیری عظمت و جلالت کا اور اس بات کا کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، دنیا میں تیرے دیدار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ [3] یہ ہم کلامی کا دوسرا موقع تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشرف کیا گیا۔ اس سے قبل جب آگ لینے گئے تھے تو اللہ نے ہم کلامی سے نوازا تھا اور پیغمبری عطا فرمائی تھی۔ [4] گویا تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی جس میں ان کے لیے دینی احکام، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کی پوری تفصیل تھی۔ [5] اللہ تعالیٰ کے احکام تمام ہی اچھے اور خوب تر ہوتے ہیں، مراد یہ کہ اس کے احکام پر عمل کرو جو نہایت اچھے اور خوب تر ہیں۔ [6] مقام (گھر) سے مراد یا تو انجام، یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمھیں حکمرانی عطا کروں گا اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عمالقہ کی حکمرانی تھی۔ جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر) [7] تکبر کا مطلب ہے اللہ کی آیات واحکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گرداننا۔ یہ تکبر انسان کے لیے زیبا نہیں۔ کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام وہدایات سے اعراض وغفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی لیے تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر کا نتیجہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں آیات الٰہی سے دور ہی رکھتا ہے، پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انھیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ (یونس 10:96،97) ''جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی، وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے ان کے

Marfat.com

عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿146﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ
سے غافل رہے ﴿146﴾[1] اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو
الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا
جھٹلایا، ان کے عمل برباد ہو گئے۔ انھیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو کچھ وہ (دنیا میں)
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿147﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ
کرتے رہے تھے ﴿147﴾[2] اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات
حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ
سے ایک بچھڑا بنا لیا، وہ ایک جسم تھا جس کی آواز گائے کی تھی۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ وہ
لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا
ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انھیں کوئی راستہ بتاتا ہے؟ (پھر بھی) انھوں نے اسے (معبود) بنا لیا
ظٰلِمِيۡنَ ﴿148﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِىۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ
اور وہ ظالم تھے ﴿148﴾[3] اور جب انھیں شرمندگی ہوئی[4] اور انھوں نے دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو
قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا
کہنے لگے: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں
لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿149﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى
میں (شامل) ہو جائیں گے ﴿149﴾ اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے اپنی قوم کے پاس واپس
قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِىۡ مِنۡۢ
آئے تو (ان سے) کہا: میرے (جانے کے) بعد تم بہت برے جانشین ہوئے ہو! کیا تم نے
بَعۡدِىۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ
اپنے رب کے حکم سے (منہ موڑنے میں) جلدی کی؟ اور انھوں نے (تورات کی) تختیاں (زمین
بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ
پر) ڈال دیں[5] اور اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگے۔ (اس پر) ہارون نے کہا:
الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِىۡ وَكَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِىۡ ۖ فَلَا
اے ماں جائے![6] بے شک ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور وہ مجھے قتل کرنے پر اتر آئے تھے[7]

پاس ہر طرح کی نشانی آ جائے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔" [8] اس میں احکام الٰہی سے اعراض کرنے والوں کی ایک اور عادت یا نفسیات کا بیان ہے کہ ہدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے، البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا لیتے اور راہ عمل بنا لیتے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی یہی کچھ دیکھ رہے ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو ہر کوئی لپک لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

[1] یہ اس بات کا سبب بتلایا جا رہا ہے کہ لوگ نیکی کے مقابلے میں بدی کو اور حق کے مقابلے میں باطل کو کیوں زیادہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سبب ہے آیات الٰہی کی تکذیب اور ان سے غفلت و اعراض کا۔ یہ ہر معاشرے میں عام ہے۔ [2] اس میں آیات الٰہی کی تکذیب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس عدل وحق نہیں، ظلم و باطل ہے، اس لیے ان کے نامۂ اعمال میں شر ہی شر ہوگا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہوگی۔ ہاں، اس شر کا بدلہ ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔ [3] موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک بچھڑا تیار کیا جس میں اس نے جبریل کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی بھی، جو اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی، شامل کر دی، جس میں اللہ نے زندگی کی تاثیر رکھی تھی، جس کی وجہ سے بچھڑا کچھ کچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ فی الواقع گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا تھا یا تھا وہ سونے کا ہی لیکن کسی طریقے سے اس میں ہوا داخل ہوتی تو گائے، بیل کی سی آواز اس میں سے نکلتی۔ (ابن کثیر) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ تمھارا معبود تو یہ ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں اور وہ معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔ (یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ میں آئے گا۔) [4] سُقِطَ فِىۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ محاورہ ہے جس کے معنی نادم ہونا ہیں۔ یہ ندامت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوئی، جب انھوں نے آ کر اس پر ان کی زجر و توبیخ کی، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ یہاں اسے مقدم اس لیے کر دیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول اکٹھا ہو جائے۔ (فتح القدیر) [5] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو سخت غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تورات کی تختیاں بھی، جو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر عطا کی تھیں، نیچے ڈال دیں اور ایسی حالت میں یہ فعل سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا بلکہ دینی غیرت و حمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔ [6] حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام آپس میں سگے بھائی تھے لیکن یہاں

Marfat.com

تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾

چنانچہ تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے[1] اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر جو ظالم ہیں ﴿150﴾[2]

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما

18 ع 4 8 اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ

اور تو سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿151﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا،

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ

جلد ہی ان کے رب کا غضب ان پر آن پہنچے گا اور (انھیں) دنیا کی زندگی میں ذلت نصیب ہوگی[3] اور

نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ

ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿152﴾[4] اور وہ لوگ جنھوں نے برے عمل کیے، پھر

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لے آئے، بے شک آپ کا رب اس کے بعد (ضرور انھیں بخش دے گا

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿153﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ

کیونکہ وہ) بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿153﴾[5] اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے

الْاَلْوَاحَ ښ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ

(تورات کی) تختیاں اٹھالیں اور ان کے مضامین میں[6] ان کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب

يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ

سے ڈرتے تھے ﴿154﴾[7] اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت (پر کوہ طور پر توبہ و

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ

استغفار) کے لیے چنے، پھر جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا[8] تو موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! اگر تو

مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ

چاہتا تو اس سے پہلے ہی انھیں اور مجھے بھی ہلاک کر دیتا، کیا تو اس کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتا ہے جو

مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ

ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا؟ یہ تیری طرف سے آزمائش کے سوا کچھ نہیں تو اس (آزمائش) سے

حضرت ہارون علیہ السلام نے ''ماں جائے'' اس لیے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔ [7] حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اپنا عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے جرم عظیم سے روکنے میں ناکام رہے۔ ایک اپنی کمزوری اور دوسرا بنی اسرائیل کا عناد اور سرکشی کہ وہ انھیں قتل تک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے اور انھیں اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہونا پڑا، جس کی اجازت ایسے موقعوں پر اللہ نے دی ہے۔

[1] میری ہی سرزنش کرنے سے دشمن خوش ہوں گے جبکہ یہ موقع تو دشمنوں کی سرکوبی اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کا ہے۔ [2] اور ویسے بھی عقیدہ وعمل میں مجھے کس طرح ان کے ساتھ شمار کیا جا سکتا ہے؟ میں نے نہ شرک کا ارتکاب کیا، نہ اس کی اجازت دی، نہ اس پر خوش ہوا، صرف خاموش رہا اور اس کے لیے بھی میرے پاس معقول عذر موجود ہے، پھر میرا اشمار ظالموں (مشرکوں) کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا مانگی۔ [3] اللہ کا غضب یہ تھا کہ توبہ کے لیے قتل ضروری قرار پایا۔ اور اس سے قبل جب تک جیتے رہے، ذلت و رسوائی کے وہ مستحق قرار پائے۔ [4] اور یہ سزا ان ہی کے لیے خاص نہیں ہے، جو بھی اللہ پر افترا کرتا ہے، اس کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔ [5] ہاں، جنھوں نے توبہ کر لی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔ [6] نُسْخَتِهَا فُعْلَة کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔ یہ اس اصل کو بھی کہتے ہیں جس سے نقل کیا جائے اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں نسخہ سے مراد یا تو وہ اصل الواح ہیں جن پر تورات لکھی گئی تھی اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ تختیاں ڈالنے سے نہیں ٹوٹی تھیں کیونکہ آگے چل کر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ''تختیوں کو اٹھا لیا'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں۔ بہر حال اس کا مرادی مفہوم ''مضامین'' ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ [7] تورات کو بھی، قرآن کریم کی طرح، انھی لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ اصل فائدہ آسمانی کتابوں سے ایسے ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے تو چونکہ اپنے کانوں کو حق کے سننے سے، آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے بند کیا ہوا ہوتا ہے، اس لیے اس چشمۂ فیض سے وہ بالعموم محروم ہی رہتے ہیں۔ [8] ان ستر آدمیوں کی تفصیل اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے اور انھیں کوہ طور پر لے گئے، جہاں پر انھیں کسی جرم کی وجہ سے بطور عذاب ہلاک کر دیا گیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا......

Marfat.com

وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے، لہٰذا ہمیں بخش
وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی بہترین بخشنے والا ہے ﴿155﴾[1] اور تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت
حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ
میں بھی بھلائی لکھ دے، بے شک ہم نے تیری ہی طرف رجوع کیا ہے[2] اللہ نے کہا: میں جسے
اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ
چاہتا ہوں اپنا عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے[3] چنانچہ جلد ہی میں اس
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ
(رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے بھی)
هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿156﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ
جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿156﴾ (یعنی) وہ لوگ جو اس رسول اُمّی نبی (محمد ﷺ)
الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں[4]
وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ
وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برے کاموں سے روکتا ہے[5] اور وہ
وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ
ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے
وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ
اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے[6] جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ

[1] بنی اسرائیل کے یہ ستر آدمی کون تھے اور کس جرم کی وجہ سے ہلاک کیے گئے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے احکام انھیں سنائے تو انھوں نے کہا: ہم کیسے یقین کرلیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے؟ ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں، اسے نہیں مانیں گے، چنانچہ انھوں نے ستر برگزیدہ آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا جسے ان لوگوں نے بھی سنا۔ لیکن وہاں انھوں نے ایک نیا مطالبہ کردیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے بچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لیے کوہ طور پر لے جائے گئے تھے اور وہاں جا کر انھوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنھوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن انھیں اس سے منع نہیں کیا۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنھیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کے لیے چنا گیا تھا، وہاں جا کر انھوں نے اللہ سے دعائیں کیں۔ جن میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ ''یا اللہ ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما جو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا نہیں کیا اور نہ آئندہ وہ کسی کو عطا کرنا۔'' اللہ تعالیٰ کو یہ دعا پسند نہیں آئی، جس پر وہ زلزلے کے ذریعے سے ہلاک کردیے گئے۔ زیادہ مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں اور اسے انھوں نے وہی واقعہ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ، آیت: 56 میں آیا ہے۔ جہاں ان پر صَاعقہ (بجلی کی کڑک) سے موت وارد ہونے کا ذکر ہے اور یہاں رجفۃ (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا و التجا کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے قبل اس وقت ہلاک کرتا جب یہ بچھڑے کی عبادت میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کردیا۔ [2] یعنی توبہ کرتے ہیں۔ [3] یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے 100 حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے 99 حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2752، و سنن ابن ماجہ، حدیث: 4293) [4] یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کے لیے نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں اور ایمان وہی معتبر ہے جس کی تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے بھی تصور ''وحدت ادیان'' کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ [5] معروف وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔ [6] یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں جو پچھلی شریعت میں تھے، مثلاً: نفس کے بدلے نفس کا قتل

Marfat.com

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ

اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور

الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾

(ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں ﴿157﴾[1] کہہ

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ

دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے پاس آسمانوں

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۠

اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ

لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول اُمی نبی پر ایمان لاؤ، جو (خود بھی) اللہ اور اس کے

بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿158﴾ وَمِنْ

(تمام) کلمات پر ایمان لاتا ہے، اور تم اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿158﴾[2] اور موسیٰ کی

قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ

قوم میں سے ایک گروہ (ایسا) ہے جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور اسی (حق) کے ساتھ عدل

یَعْدِلُوْنَ ﴿159﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ

کرتے ہیں ﴿159﴾[3] اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو بارہ قبیلوں کے لحاظ سے (بارہ) گروہوں

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

میں بانٹ دیا تھا[4] اور جب موسیٰ کی قوم نے اس سے پانی مانگا تو ہم نے اس کی طرف وحی کی

ضروری تھا، (دیت یا معافی نہیں تھی) یا جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی، اس کا قطع کرنا ضروری تھا، شریعت اسلامیہ نے اسے صرف دھونے کا حکم دیا۔ جس طرح قصاص میں دیت اور معافی کی بھی اجازت دی، اس طرح دیگر احکام میں بھی آسانی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ ''مجھے آسان دین حنفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔'' (مسند أحمد: 266/5) لیکن افسوس! اس امت نے اپنے طور پر رسوم و رواج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب گلو کر لیے ہیں، جن سے شادی اور مرگ دونوں عذاب بن گئے ہیں۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰی۔

[1] ان آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ کامیاب نہیں، خاسر اور ناکام ہوں گے۔ علاوہ ازیں کامیابی سے مراد بھی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم رسالت محمدیہ پر ایمان نہ رکھتی ہو اور اسے دنیاوی خوش حالی و فراوانی حاصل ہو۔ جس طرح اس وقت مغربی اور یورپی اور دیگر بعض قوموں کا حال ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی یا کافر و مشرک ہونے کے باوجود مادی ترقی اور خوش حالی میں ممتاز ہیں۔ لیکن ان کی یہ ترقی عارضی و بطور امتحان و استدراج ہے۔ یہ ان کی اخروی کامیابی کی ضمانت یا علامت نہیں۔ اسی طرح وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ المائدہ کی آیت: 15 میں نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ (جیسا کہ وہاں بھی وضاحت کی گئی تھی) کیونکہ جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہی ہے، اس لیے اس ''نور'' سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مراد نہیں ہے۔ ہاں، یہ الگ بات ہے کہ ہدایت کے لحاظ سے آپ کی صفات میں ایک صفت نور بھی ہے۔ جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ لیکن اس سے آپ کا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل بدعت یہ ثابت کرتے ہیں۔ اہل بدعت کا یہ عقیدہ عیسائیوں کے عقیدۂ اِبْنِیَّت مسیح کے مشابہ اور اسی طرح باطل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُمَا (مزید دیکھیے سورہ مائدہ، آیت: 15 کا حاشیہ) [2] یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجیے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ پوری بنی نوع انسانی کے راہ نما اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ کو النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں: ان پڑھ، یعنی آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیے، کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء عاجز آ گئے اور آپ نے جو تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی ایک دنیا معترف ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے ورنہ ایک امی نہ ایسا قرآن پیش کر سکتا ہے اور نہ ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو

Marfat.com

بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ
کہ تو اپنا عصا (اس) پتھر پر مار۔ (اس نے مارا) تو اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے،
قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ
تب ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے ان پر
الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ
منّ اور سلویٰ نازل کیا (اور کہا:) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں دی ہیں، ان میں سے
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
کھاؤ۔ اور (اس کے بعد) انھوں نے (جو کچھ کیا تو) ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے آپ ہی
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿160﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ
پر ظلم کرتے رہے﴿160﴾ اور جب ان سے کہا گیا: تم اس بستی میں ٹھہرو اور اس میں جہاں سے جی
الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا
چاہے کھاؤ پیو (رزق حاصل کرو) اور کہو: [حِطَّةٌ] ”ہمیں معاف کر دے“، اور (شہر کے)
حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْۗـٰٔتِكُمْ ۭ
دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمھاری خاطر تمھاری خطائیں معاف کر دیں
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿161﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
گے، پھر ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے﴿161﴾ پھر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا
قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
تھا، انھوں نے اس لفظ کو، جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا، اس کے برعکس بدل ڈالا، تب ہم نے
رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿162﴾ ع وَسْــَٔـلْهُمْ
20 ع 5 10
آسمان سے ان پر عذاب بھیجا، اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے﴿162﴾[1] اور (اے نبی!) ان (یہود مدینہ)
عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ
سے[2] اس بستی (ایلہ)[3] کے بارے میں پوچھیں جو سمندر کے ساحل پر واقع تھی، جب وہ لوگ سبت
يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ
(ہفتے کے دن) کے بارے میں حد سے گزر جاتے تھے، جبکہ ان کے یوم سبت کو ان کی (شکار کی)
يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا
مچھلیاں ان کے پاس ظاہر (پانی کے اوپر) آجاتی تھیں، اور جس دن ان کا ہفتہ نہ ہوتا وہ (ان کے
تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾
پاس) نہیں آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انھیں آزماتے تھے، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے﴿163﴾[4] اور

عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انھیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن و سکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ [3] اس سے مراد وہی چند لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ رضی اللہ عنہم [4] اَسْبَاطًا سِبط کی جمع ہے، جس کے ایک معنی اولاد کی اولاد ہیں جبکہ یہاں اسباط قبائل کے معنی میں ہے، یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے معرض وجود میں آئے، ہر قبیلے پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نقیب (نگران) مقرر فرما دیا۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا (المآئدۃ 12:5) یہاں اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کے بعض صفات میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ گروہ ہونے کو بطور امتنان کے ذکر فرما رہا ہے۔

[1] 160 تا 162 آیات میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، یہ وہ ہیں جو پارہ الم، سورۂ بقرہ کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ فرما لی جائے۔ [2] وَسْــَٔـلْهُمْ میں ھم ضمیر سے مراد یہود ہیں، یعنی ان سے پوچھیے۔ اس میں یہودیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس واقعے کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی ہے جو آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر آپ کو اس واقعے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ [3] اس بستی کی تعیین میں اختلاف ہے، کوئی اس کا نام ایلہ کوئی طبریہ کوئی ایلیاء اور کوئی شام کی کوئی بستی، جو سمندر کے قریب تھی، بتلاتا ہے۔ مفسرین کا زیادہ رجحان ''ایلہ'' کی طرف ہے جو مدین اور کوہ طور کے درمیان بحر قلزم کے ساحل پر تھی۔

حِيْتَانُهُمْ حوت (مچھلی) کی جمع ہے۔ شُرَّعًا شارع کی جمع ہے۔ معنی ہیں: پانی کے اوپر ابھر ابھر کر آنے والیاں۔ یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں انھیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو ہو کر چلتی تھیں۔ اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آتیں۔ بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انھیں پکڑ لیتے۔

Marfat.com

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ

جب ان میں سے ایک گروہ نے (دوسرے سے) کہا: تم ایسے لوگوں کو وعظ کیوں کرتے ہو جنھیں اللہ

مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً

ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟[1] انھوں نے جواب دیا: اس لیے کہ (ہم) تمھارے

اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿164﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا

رب کے حضور عذر کر سکیں اور شاید کہ وہ (اللہ سے) ڈریں (164) پھر جب انھوں نے وہ باتیں بھلا دیں

ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ

جن کی انھیں نصیحت کی گئی تھی[2] تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برے کام سے روکتے تھے، اور ہم

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا

نے ان لوگوں کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا جنھوں نے زیادتی کی تھی، اس لیے کہ وہ نافرمانی

يَفْسُقُوْنَ ﴿165﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ

کرتے تھے (165)[3] پھر جب انھوں نے اس معاملے میں سرکشی کی جس سے انھیں روکا گیا تھا تو ہم

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿166﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ

نے ان سے کہا: ہو جاؤ ذلیل بندر (166)[4] اور (اے نبی! یاد کرو) جب آپ کے رب نے (یہود کو)

عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ

خبردار کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے شخص کو ضرور مسلط رکھے گا جو انھیں سخت عذاب (کا مزہ)

الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ

چکھاتا رہے گا[5] بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا،

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿167﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِّنْهُمُ

نہایت رحم کرنے والا ہے (167)[6] اور ہم نے انھیں قبیلوں میں بانٹ کر زمین میں پھیلا دیا۔ ان میں سے

[1] جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ اس بستی کے لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے: ایک ظالم جو حیلہ سازی سے ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کرتے تھے، دوسرا گروہ جو ان کو ایسا کرنے سے منع کرتا تھا اور تیسرا گروہ جو خود اگرچہ نیک تھا لیکن اس ظالم گروہ کو اس برائی سے منع نہیں کرتا تھا، یہاں پر اُمۃ سے مراد یہی تیسرا گروہ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین اس جماعت سے وہی نافرمان اور تجاوز کرنے والے مراد لیتے ہیں، جب ان کو وعظ کرنے والے نصیحت کرتے تو یہ کہتے کہ جب تمھارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الٰہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں کیوں وعظ کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے معذرت پیش کرنے کے لیے تاکہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں کیونکہ معصیت الٰہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی جرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آ جائیں۔ پہلی تفسیر کی رو سے یہ تین جماعتیں ہوئیں: ① نافرمان اور شکار کرنے والی جماعت ② وہ جماعت جو بالکل کنارہ کش ہو گئی، نہ وہ نافرمانوں میں تھی نہ منع کرنے والوں میں ③ وہ جماعت جو نافرمان بھی نہیں تھی۔ اور بالکل کنارہ کش بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ نافرمانوں کو منع کرتی تھی۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک نافرمانوں کی اور دوسری منع کرنے والوں کی۔ [2] یعنی وعظ و نصیحت کی انھوں نے کوئی پروا نہیں کی اور نافرمانی پر اڑے رہے۔ [3] یعنی وہ ظالم بھی تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انھیں جہنم کا ایندھن بنا لیا اور فاسق بھی کہ اللہ کے حکموں سے سرتابی کو انھوں نے اپنا شیوہ اور وتیرہ بنا لیا۔ [4] ﴿عَتَوْا﴾ کے معنی ہیں، جنھوں نے اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ نجات پانے والے صرف وہی تھے جو منع کرتے تھے اور باقی دونوں عذاب الٰہی کی زد میں آئے؟ یا زد میں آنے والے صرف معصیت کار تھے؟ اور باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں؟ امام ابن کثیر نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔ [5] ﴿تَاَذَّنَ﴾ إيذان بمعنی اعلام، (خبر دینا، جتلا دینا) سے باب تفعل ہے، یعنی وہ وقت بھی یاد کرو! جب آپ کے رب نے ان یہودیوں کو اچھی طرح باخبر کر دیا یا جتلا دیا تھا۔ ﴿لَيَبْعَثَنَّ﴾ میں لام قسم کے لیے ہے جو تاکید کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گے، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و مسکنت اور غلامی و محکومی کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے۔ اسرائیل کی موجودہ حکومت قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ وہ قرآن ہی کے بیان کردہ استثنا ﴿وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کی مظہر ہے اور اس حقیقت کی مؤید ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے آل عمران، آیت 112 کا حاشیہ) [6] یعنی اگر ان میں سے کوئی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس ذلت و سوء عذاب سے بچ جائے گا۔

Marfat.com

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ

کچھ نیک تھے اور ان میں سے کچھ اس کے سوا (بداعمال) تھے۔ اور ہم نے انھیں خوش حالی اور بدحالی

وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿168﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

کے ساتھ آزمایا، شاید کہ وہ (اللہ کی طرف) لوٹ آئیں ﴿168﴾ [1] پھر ان کے بعد نا اہل ان کے جانشین

خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى

بنے [2] جو کتاب (تورات) کے وارث ہوئے، وہ ادنیٰ (دنیا کا) سامان لے لیتے ہیں [3] اور کہتے ہیں کہ جلد

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

ہمیں بخش دیا جائے گا [4] (مگر ان کا حال یہ ہے) کہ اگر اس جیسا گھٹیا (دنیا کا) سامان (دوبارہ) ان کے

يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا

پاس آئے تو (بغیر کسی عار کے) لے لیں، کیا ان سے کتاب (تورات) میں پختہ وعدہ نہیں لیا گیا تھا

يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ

کہ وہ اللہ کے بارے میں حق کے سوا (کچھ) نہ کہیں؟ [5] حالانکہ انھوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے [6]

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾

اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟ ﴿169﴾

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (انھیں ہم اجر دیں گے)،

لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ

بے شک ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿170﴾ [7] اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا

فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ

کھڑا کیا گویا وہ ایک سائبان تھا، اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گرنے والا ہے۔ (ہم نے

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ

کہا:) اس (تورات) کو جو ہم نے تمھیں دی، قوت کے ساتھ پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو

21 ع 9 11 لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿171﴾ ۧ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ

تاکہ تم (برے کاموں سے) بچ جاؤ ﴿171﴾ [8] اور (اے نبی! یاد کرو) جب آپ کے رب نے بنی آدم کی

[1] اس میں یہود کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے اور ان میں سے بعض کے نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کو دونوں طریقوں سے آزمائے جانے کا بیان ہے کہ شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔ [2] خَلَفٌ (لام پر فتح کے ساتھ) اولاد صالح کو اور خَلْفٌ (لام کے سکون کے ساتھ) نالائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی ناخلف کی ترکیب نالائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔ [3] اَلْاَدْنٰی دُنُوٌّ (قریب ہونا) سے ماخوذ ہے، یعنی قریب کا مال حاصل کرتے ہیں جس سے دنیا مراد ہے یا یہ دَنَاءَۃٌ (حقارت) سے ماخوذ ہے جس سے مراد حقیر اور ردی مال ہے۔ مطلب دونوں سے ان کے دنیا کے مال و متاع کے حرص کی وضاحت ہے۔ [4] یعنی طالب دنیا ہونے کے باوجود مغفرت کی امید رکھتے ہیں، جیسے آج کل کے مسلمانوں کا بھی حال ہے۔ [5] اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آتے، مثلاً: وہی مغفرت کی بات، جو اوپر گزری۔ [6] اس کا ایک دوسرا مفہوم مٹانا بھی ہو سکتا ہے، جیسے: دَرَسَتِ الرِّیحُ الْاٰثَارَ ''ہوا نے نشانات مٹا ڈالے۔'' یعنی کتاب کی باتوں کو مٹا ڈالا، محو کر دیا، یعنی ان پر عمل ترک کر دیا۔ [7] ان لوگوں میں سے جو تقویٰ کا راستہ اختیار کر لیں، کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں، جس سے مراد اصلی تورات ہے اور جس پر عمل کرتے ہوئے نبوت محمدی پر ایمان لے آئیں، نماز وغیرہ کی پابندی کریں تو اللہ ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اس میں ان اہل کتاب (سیاق کلام سے یہاں بطور خاص یہود) کا ذکر ہے جو تقویٰ، تمسک بالکتاب اور اقامت صلاۃ کا اہتمام کریں اور ان کے لیے آخرت کی خوش خبری ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجاتِ اخروی ممکن نہیں۔ [8] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے تو انھوں نے پھر حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا کہ تم پر گرا کر تمھیں کچل دیا جائے گا، جس سے ڈرتے ہوئے انھوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبے پر پیش آیا، جب انھوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کو ہمارے اوپر بلند کر کے دکھائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں مطلق پہاڑ کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے قبل سورۂ بقرہ، آیت: 63 اور آیت: 93 میں دو جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کا نام صراحت کے ساتھ طور بتلایا گیا ہے۔

Marfat.com

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمھارا رب نہیں
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
ہوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں[1] (اللہ نے فرمایا: یہ اس لیے) کہ تم قیامت
الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ
کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے ﴿172﴾ یا تم (یہ نہ) کہو کہ بے شک ہم سے
اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ
پہلے ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم ان کے بعد (ان کی) اولاد تھے، پھر کیا تو ہمیں
اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿173﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
اس (فعل) کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو گمراہ لوگوں نے کیا تھا؟ ﴿173﴾[2] اور اسی طرح ہم آیتیں
الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿174﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ
کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، شاید کہ وہ (لوگ ہماری طرف) لوٹ آئیں ﴿174﴾ اور (اے نبی!) انھیں
الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ
اس شخص کی خبر پڑھ سنائیں جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں مگر وہ ان (کی پابندی) سے نکل بھاگا تو
الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿175﴾ وَلَوْ شِئْنَا
اسے شیطان نے پیچھے لگا لیا، پھر وہ گمراہوں میں (شامل) ہو گیا ﴿175﴾[3] اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیتوں)
لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ
کے ذریعے سے اسے بلند درجہ دیتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک پڑا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا،
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ
چنانچہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور اگر تو اسے چھوڑ دے
تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
تو بھی ہانپتا ہے[4] یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، چنانچہ (اے نبی!)

[1] یہ عہد اَلَست کہلاتا ہے جو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک صحیح حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ''میدان عرفات کے قریب نعمان جگہ میں اللہ تعالیٰ نے اصلاب آدم سے عہد (میثاق) لیا۔ پس آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے پوچھا: ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟'' سب نے کہا: بَلٰى شَهِدْنَا ''کیوں نہیں! تیرے رب ہونے کی ہم سب گواہی دیتے ہیں۔'' (مسند أحمد: 272/1، والمستدرك للحاكم: 544/2 وصححه ووافقه الذهبي) امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں: وإسناده لا مطعن فيه (فتح القدير) ''اس کی سند میں کوئی طعن نہیں۔'' نیز امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ عالم ذر کہلاتا ہے اس کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول اور کسی اور مفہوم کی طرف جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرفوع حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر بھی محمول کرنا جائز نہیں ہے۔'' بہر حال اللہ کی ربوبیت کی یہ گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کا ناک، کان کٹا نہیں ہوتا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1358، وصحيح مسلم، حديث: 2658) اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فطری) سے گمراہ کر دیتا ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2865) یہ فطرت یا دین فطرت، یہی رب کی توحید اور اس کی نازل کردہ شریعت ہے جو اب اسلام کی صورت میں محفوظ اور موجود ہے۔ [2] یعنی ہم نے یہ اخذ عہد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی تاکہ تم یہ عذر پیش نہ کر سکو کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ دادا شرک کرتے آئے تھے، یہ عذر قیامت والے دن بارگاہ الٰہی میں مسموع نہیں ہوں گے۔ [3] مفسرین نے اسے کسی ایک متعین شخص سے متعلق قرار دیا ہے جسے کتاب الٰہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گیا۔ تاہم اس کی تعیین میں کوئی مستند بات مروی نہیں، اس لیے اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عام ہے اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، جو بھی اس صفت کا حامل ہوگا، وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔ [4] لَهَث کہتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان باہر نکال کر ہانپنے کو۔ کتے کی یہ عادت ہے کہ وہ شکم سیر ہو یا بھوکا، تندرست ہو یا بیمار، تھکا ماندہ ہو یا توانا، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال ایسے شخص کا ہے، اسے وعظ کرو یا نہ کرو، اس کا حال ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال و متاع کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔

Marfat.com

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (176) سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ
آپ (یہود سے) یہ قصہ بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں (176) [1] ان لوگوں کی مثال بری ہے [2]
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ (177) مَنْ
جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (177) جسے اللہ ہدایت
يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
دے، تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے (اللہ) گمراہ کر دے تو یہی لوگ خسارہ پانے
الْخٰسِرُوْنَ (178) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ
والے ہیں (178) [3] اور تحقیق ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔ [4] ان
وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ
کے دل تو ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں تو ہیں (مگر) وہ ان
لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ
سے (حق کو) دیکھتے نہیں، اور ان کے کان تو ہیں (مگر) وہ ان سے (حق بات) سنتے نہیں،
كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (179)
وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ گمراہ ہیں، [5] یہی لوگ غافل ہیں (179) اور اللہ
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ
ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، لہٰذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو، [6] اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس
يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (180)
کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ [7] وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے (180) اور

[1] اور اس قسم کے لوگوں سے عبرت حاصل کر کے گمراہی سے بچیں اور حق کو اپنائیں۔ [2] مَثَلًا تمییز ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی سَاءَ مَثَلًا مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا. الخ [3] یہ اس کے قانون مشیت کا بیان ہے جس کی وضاحت پہلے دو تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے بقرہ، آیت:253 کا حاشیہ) [4] اس کا تعلق تقدیر سے ہے، یعنی ہر جن وانسان کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا برے کیا عمل کرے گا، اس کے مطابق اس نے لکھ رکھا ہے۔ یہاں انھی دوزخیوں کا ذکر ہے جنھیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ والے ہی کام کرنے تھے۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کر کے بتا دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اسی انداز میں ہوں جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا انجام برا ہے۔ [5] یعنی دل، آنکھ، کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے، اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان مشاعر سے یہ کام نہیں لیتا، وہ ان سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے، اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے مفید چیز کون سی ہے اور مضر کون سی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انھیں غافل بھی کہا گیا ہے۔ [6] اَلْحُسْنٰى، أَحْسَن اسم تفضیل کی تانیث ہے۔ اللہ کے ان بہترین ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات، اس کی عظمت وجلالت اور اس کی قدرت وطاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ان کی تعداد 99 (ایک کم سو) بتائی گئی۔ اور فرمایا کہ ”جو ان کو شمار کرے گا، جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ طاق ہے، طاق کو پسند فرماتا ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6410، وصحيح مسلم، حديث: 2677) شمار کرنے کا مطلب ہے، ان پر ایمان لانا یا ان کو گننا اور انھیں ایک ایک کر کے بطور تبرک اخلاص کے ساتھ پڑھنا یا ان کا حفظ کرنا، ان کے معانی کا جاننا اور ان سے اپنے کو متصف کرنا۔ (مرقاة شرح مشكاة: 71/5) بعض روایات میں ان 99 ناموں کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں اور علماء نے انھیں مدرج قرار دیا ہے، یعنی راویوں کا اضافہ۔ وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ نیز علماء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ کے ناموں کی تعداد 99 میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ (ابن كثير و فتح القدير) [7] إِلْحَاد کے معنی ہیں: کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو قبر کے گھڑے کے اندر ایک طرف بنائی جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کج روی) کی تین صورتیں ہیں: ① اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے۔ جیسے مشرکین نے کیا، مثلاً: اللہ کے ذاتی نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی ناموں عَزِيز سے عُزّٰى بنا لیا۔ ② یا اللہ کے ناموں پر اپنی طرف سے اضافے کر لینا، یعنی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے نام گھڑ لینا جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔ ③ یا اس کے ناموں

Marfat.com

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ

جنھیں ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ (ان لوگوں کا) ہے جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی

يَعْدِلُوْنَ ﴿181﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

کے ساتھ انصاف کرتے ہیں (181) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم ضرور انھیں بتدریج

میں کمی کر دی جائے، مثلاً: اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔ (فتح القدیر) اللہ کے ناموں میں الحاد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں تاویل، تعطیل یا تشبیہ سے کام لیا جائے۔ (أيسر التفاسير) جس طرح معتزلہ، مُعطِّلہ اور مُشَبِّہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سب سے بچ کر رہو۔ یعنی اللہ کے اسماء و صفات میں تاویل نہ کرو، جیسے کہا جائے کہ یَدٌ (ہاتھ) سے مراد قدرت ہے۔ یا استواء على العرش کا مطلب اِستیلاء (غلبہ) ہے، وغیرہ۔ بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ ہیں جیسا کہ اس کی عظمت و جلالت کے لائق ہیں، اس لیے کہ ہاتھ کو اگر قدرت کے معنی میں لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ میں نے آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، ﴿ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (صٓ 38:75) تو حضرت آدم علیہ السلام کا یہ اختصاص ختم ہو جائے گا کیونکہ قدرت الٰہی سے تو ساری ہی مخلوق پیدا ہوئی ہے تو پھر حضرت آدم کی کیا خصوصیت ہوئی جسے اللہ نے بطور خاص بیان فرمایا ہے؟ اس طرح سے ایک حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔ اِسْتَوٰی کے معنی ہیں صَعِدَ، عَلَا، اِرْتَفَعَ، اِسْتَقَرَّ (سلف سے یہ چاروں الفاظ منقول ہیں) جس کا مطلب عرش پر بلند ہونا اور اس پر استقرار پکڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود اور مستقر صرف عرش پر ہے، البتہ اس کا علم ہر جگہ ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ (الحديد 57:4) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمھارے ساتھ ہے۔'' میں یہی معیتِ علمی اور احاطۂ علمی مراد ہے نہ کہ معیت ذات۔ ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ (البقرة 2:115) ''پس جس جس طرف بھی تم پھرو، ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔'' کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو محیط ہے، انسان جس طرف بھی اپنا رخ کر لے، اللہ تعالیٰ اس کو گھیر لینے والا ہے، وہ اس کے حیطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ اور بعض نے ﴿ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ سے مراد قبلہ لیا ہے۔ بہر حال اللہ کے عرش پر جلوہ گر ہونے کے دلائل قرآن و حدیث میں بکثرت ہیں، اس لیے سلف کا عقیدہ یہی ہے کہ اس پر ایمان رکھا جائے اور اس کی تاویل نہ کی جائے۔ تعطیل کا مطلب ہے اللہ کی صفات کو معانی و مطالب سے خالی اور معرا قرار دینا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسے سب سے بڑا الحاد کہا ہے: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جو اس کی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اسماء، صفات ہی سے مشتق ہیں اور وہی اس کے اوصاف ہیں اور انھی اوصاف کی وجہ سے وہ حسنیٰ ہو سکتے ہیں اگر اسمائے الٰہی صرف الفاظ ہوں، ان کے معانی نہ ہوں تو وہ حسنیٰ ہو سکتے ہیں اور نہ مدح و کمال پر دلالت کرنے والے، اس طرح اسمائے انتقام و غضب کا استعمال، رحمت و احسان کے موقع پر اور اسمائے رحمت و احسان کا استعمال، انتقام و غضب کے موقع پر جائز ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اس طرح نہیں کہتا اور نہ کہنا جائز ہی ہے کہ یا اللہ! مجھے بخش دے، اس لیے کہ تو مُنْتَقِم ہے۔ یا، اے اللہ! مجھے عطا کر، اس لیے کہ تو ضار و مانع ہے بلکہ جس طرح کی دعا کی جاتی ہے، اسی صفت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یا اللہ مجھے بخش دے، بے شک تو غفور و رحیم ہے، اے اللہ! مجھے عطا کر کیونکہ تو وَهَّاب اور مُعْطِي ہے، وغیرہ، اس لیے اللہ نے اپنے آپ کو قَوِيّ کہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ قوت والا ہے، عزیز ہے، یعنی عزت والا ہے، وہ علیم و قدیر ہے تو یقیناً وہ علم و قدرت سے موصوف ہے، وہ عظیم ہے تو مطلب ہے، عظمت والا۔ سمیع و بصیر ہے تو مطلب ہے سننے اور دیکھنے والا۔ وعلی هذا القياس دوسرے اسماء و صفات ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اسمائے الٰہی معانی کے بغیر ہوں تو غفور رحیم اور شدید العقاب کے مابین کوئی فرق نہیں ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، وہ غفور رحیم بھی ہے اور شدید العقاب بھی۔ غفور رحیم ہے اہل ایمان و تقویٰ کے لیے اور شدید العقاب ہے نافرمانوں اور سرکشوں کے لیے۔ بہر حال یہ تعطیل بھی بڑی گمراہی ہے۔ تشبیہ کا مطلب ہے اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات جیسا قرار دینا، جیسے کہا جائے: اللہ کے عرش پر استوا کا مطلب ایسے ہی ہے جیسے مخلوق کا تخت و کرسی پر بیٹھنا اور مستوی ہونا یا اس کا ہاتھ فلاں کے ہاتھ کی طرح ہے وغیرہ۔ اس طرح کی تشبیہ اللہ کے وصف میں کمی کو مستلزم ہے جو اس کی عظمت و شان کے منافی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات جو قرآن حدیث میں بیان ہوئے ہیں، ان پر ایمان رکھا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے یقیناً متصف ہے جیسا کہ اس کی عظمت و جلالت کے لائق ہے۔ تاہم ان کی کیفیت کیا ہے؟ اس کا ہمیں علم نہیں، اس لیے ہم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ اس کا کوئی مثیل، نظیر، ہمسر اور مشابہ نہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ ضروری وضاحت: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسئلہ صفات باری تعالیٰ میں سلف کا مسلک تفویض

Marfat.com

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ
پکڑیں گے جہاں سے انھیں علم تک نہ ہو گا ﴿182﴾ اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں، بے شک میری
مَتِيْنٌ ﴿183﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ
تدبیر نہایت مضبوط ہے ﴿183﴾ [1] کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (نبی) کو کوئی جنون (لاحق)
اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ
نہیں؟ وہ تو صاف صاف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں ﴿184﴾ [2] کیا انھوں نے آسمانوں اور
وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ
زمین کی بادشاہی میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر نظر نہیں ڈالی، اور (اس پر غور نہیں کیا
يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ
کہ) شاید ان کی موت قریب آ گئی ہو؟ [3] پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں
يُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ
گے؟ ﴿185﴾ [4] جسے اللہ گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور وہ انھیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿186﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ
سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿186﴾ (اے نبی!) وہ لوگ آپ سے قیامت [5] کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ
مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ
اس کے واقع ہونے کا وقت کونسا ہے؟ [6] کہہ دیجیے: اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے [7] وہی اسے
اِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا
اس کے وقت ہی پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہوگی [8] وہ (قیامت)
بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
تمھارے پاس بس اچانک ہی آئے گی۔ وہ (لوگ) آپ سے سوال کرتے ہیں جیسے آپ اس (کے
عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿187﴾
وقت) سے بخوبی واقف ہیں [9] کہہ دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿187﴾

اور توقف کا تھا اور اسی اعتبار سے انھیں مفوضہ کہا گیا ہے۔ یہ بات ایک اعتبار سے صحیح اور ایک اعتبار سے غلط ہے۔ صحیح اس اعتبار سے کہ وہ صفات الٰہی اور ان کی حقیقت کا تو اثبات کرتے تھے، البتہ ان کی کیفیت کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے گویا کیفیت صفات میں ان کا مسلک توقف و تفویض کا تھا نہ کہ صفات الٰہی کی حقیقت اور ان کے معانی و مطالب کی وضاحت میں، اس لیے سلف کی بابت یہ باور کرانا کہ وہ صفات الٰہی کے معنی و مطالب پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے، یہ ان پر اتہام ہے اور اس اعتبار سے انھیں مفوضہ قرار دینا بھی غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ڈاکٹر شمس الدین افغانی رحمہ اللہ کی کتاب الماتريدية: 125/2) سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ.

[1] یہ وہی اِسْتِدْرَاج و اِمْهَال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے، پھر جب اس کی مشیت مؤاخذہ کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی اس سے بچانے پر قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ [2] صَاحِب سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی مجنون (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمھارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ وہ تو ہمارا پیغامبر ہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت و اعراض کرنے والوں کو ڈرانے والا ہے۔ [3] مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر بھی اگر یہ غور کریں تو یقیناً یہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کے رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت اختیار کر لیں اور انھوں نے جو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں، انھیں چھوڑ دیں اور اس بات سے ڈریں کہ انھیں موت اس حال میں آ جائے کہ وہ کفر پر قائم ہوں۔ [4] حدیث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے، یعنی نبی ﷺ کے انذار و تہدید اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر انھیں ڈرانے والی چیز اور کیا ہوگی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لائیں؟ [5] سَاعَة کے معنی گھڑی (لمحہ یا پل) کے ہیں۔ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آ جائے گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھڑی کو ساعة سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [6] اَرْسٰی يُرْسِي کے معنی اثبات و وقوع کے ہیں، یعنی کب یہ قیامت ثابت یا واقع ہوگی؟ [7] یعنی اس کا یقینی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔ [8] اس کے ایک دوسرے معنی ہیں۔ اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفی چیز دلوں پر بھاری ہوتی ہے۔ [9] حَفِيٌّ کہتے ہیں: پیچھے پڑ کر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کو، یعنی یہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ نے رب کے پیچھے پڑ کر اس کی بابت ضروری علم حاصل کر رکھا ہے۔

Marfat.com

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ
کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر
اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ
میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿188﴾ ع هُوَ الَّذِيْ
ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ﴿188﴾ وہ[1] (اللہ) ہی تو ہے

ع 23 7 13

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ
جس نے تمھیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا[2] اور اس سے اس کا جوڑا بنایا،[3] تاکہ وہ اس سے سکون
اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ
حاصل کرے،[4] پھر جب اس (کسی مرد) نے بیوی سے صحبت کی[5] تو اسے ہلکا سا حمل ہو گیا، تو وہ اسے
بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا
لیے پھرتی رہی،[6] پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب، اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے
صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿189﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا
ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم ضرور (تیرے) شکرگزاروں میں سے ہوں گے ﴿189﴾ چنانچہ[7] جب اللہ نے
صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ
انھیں تندرست بچہ دیا تو انھوں نے اس (بچے) میں، جو اللہ نے انھیں دیا تھا، اس کے شریک ٹھہرا
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿190﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا
لیے،[8] اللہ تو اس سے بہت اونچا ہے جو وہ شرک کرتے ہیں ﴿190﴾ کیا وہ ان کو (اللہ کے) شریک ٹھہراتے

[1] یہ آیت اس بات میں کتنی واضح ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ظلم اور جہالت کی انتہا ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ کو عالم الغیب باور کراتے ہیں۔ حالانکہ بعض جنگوں میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ قوم کیسے فلاح یاب ہو گی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا (کتب حدیث میں یہ واقعات بھی اور ذیل کے واقعات بھی درج ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو نبی ﷺ پورا ایک مہینہ سخت مضطرب اور نہایت پریشان رہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا جسے آپ نے بھی تناول فرمایا اور صحابہ نے بھی حتیٰ کہ بعض صحابہ تو کھانے کی سُمِّيَّتْ (زہریلے پن) سے وفات ہی پا گئے اور خود نبی ﷺ عمر بھر اس زہر کے اثرات محسوس فرماتے رہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہے کہ آپ کو عدم علم کی وجہ سے تکلیف پہنچی، نقصان اٹھانا پڑا جس سے قرآن کی بیان کردہ حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ ''اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی۔'' [2] یعنی حضرت آدم سے۔ اسی لیے ان کو انسان اول اور ابوالبشر کہا جاتا ہے۔ [3] اس سے مراد حضرت حواء ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوج بنیں۔ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جس طرح کہ ﴿مِنْهَا﴾ کی ضمیر سے، جو نفس واحدہ کی طرف راجع ہے، واضح ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ نساء، آیت: 1 کا حاشیہ) [4] یعنی اس سے اطمینان وسکون حاصل کرے، اس لیے کہ ایک جنس اپنے ہی ہم جنس سے صحیح معنوں میں مانوس اور قریب ہو سکتی ہے جو سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ غیر سے اس سکون کا حصول ممکن ہی نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (الروم 30:21) ''اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم ہی میں سے (یا تمھاری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان اس نے پیار ومحبت رکھ دی۔'' یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب وانس حاصل کرتے ہیں، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جو باہمی پیار میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔ [5] یعنی یہ نسل انسانی اس طرح بڑھی اور آگے چل کر جب ان میں سے ایک زوج، یعنی میاں بیوی نے ایک دوسرے سے قربت کی۔ ﴿تَغَشّٰىهَا﴾ کے معنی بیوی سے ہم بستری کرنا ہیں، یعنی وطی کرنے کے لیے ڈھانپا۔ [6] یعنی حمل کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ نطفے سے عَلَقه اور عَلَقه سے مُضْغَه بننے تک حمل خفیف ہی رہتا ہے، محسوس بھی نہیں ہوتا اور عورت کو زیادہ گرانی بھی نہیں ہوتی۔ [7] بوجھل ہو جانے سے مراد، جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے، والدین کے دل میں خطرات اور توہمات پیدا ہوتے جاتے ہیں (بالخصوص جب عورت کو اٹھرا کی بیماری ہو) تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔ [8] شریک قرار دینے سے مراد یا تو بچے کا

Marfat.com

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (191) وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا
ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے جبکہ وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں(191) اور وہ ان (مشرکین) کی
وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (192) وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى
مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اپنی مدد ہی کر سکتے ہیں(192) اور اگر تم انھیں ہدایت کی
الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ
طرف بلاؤ تو وہ تمھاری پیروی نہیں کریں گے[1] تمھارے لیے برابر ہے کہ تم انھیں (ہدایت کی
اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ (193) اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
طرف) بلاؤ یا خاموش ہو رہو(193) (اے مشرکو!) بے شک وہ لوگ، جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے
عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ
ہو، وہ تمھی جیسے بندے ہیں[2] (اچھا تو) جب تم ان کو پکارو تو انھیں تمھاری پکار کا جواب دینا
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (194) اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ
چاہیے اگر تم سچے ہو(194) (اے نبی! مشرکین سے پوچھیے) کیا ان کے (معبودوں کے) ایسے پاؤں ہیں
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ
کہ وہ ان سے چلتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ وہ ان سے پکڑتے ہوں؟[3] کیا ان کی ایسی آنکھیں
يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ
ہیں کہ وہ ان سے دیکھتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے کان ہیں کہ وہ ان سے سنتے ہوں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے
بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا
شریکوں کو بلاؤ، پھر تم میرے خلاف (جو چاہو) تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو (پھر دیکھو وہ میرا کیا
تُنْظِرُوْنِ (195) اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ
بگاڑتے ہیں؟)(195)[4] (کہہ دیجیے:) بے شک میرا کارساز تو اللہ ہی ہے جس نے یہ کتاب نازل
يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (196) وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
کی، اور وہی نیک لوگوں کی کارسازی کرتا ہے(196) اور جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (197) وَاِنْ
تمھاری مدد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں(197)[5] اور اگر تم انھیں
تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ
ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ سن نہ پائیں گے[6] اور (اے نبی!) آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ

نام ایسا رکھنا ہے، مثلاً: امام بخش، پیراں دتہ، عبد شمس، بندہ علی وغیرہ، جس سے یہ اظہار ہوتا ہو کہ یہ بچہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کی (نَعُوذُ بِاللّٰہ) نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں قبر پر گئے تھے جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ یا کسی مردہ کے نام کی نذر نیاز دے یا بچے کو کسی قبر پر لے جا کر اس کا ماتھا وہاں ٹکائے کہ ان کے طفیل بچہ ہوا ہے۔ یہ ساری صورتیں اللہ کا شریک ٹھہرانے کی ہیں جو بد قسمتی سے مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرما رہا ہے۔

[1] یعنی تمھاری بتلائی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اگر تم ان سے رشد و ہدایت طلب کرو تو وہ تمھاری بات نہیں مانیں گے، نہ تمھیں کوئی جواب ہی دیں گے۔ (فتح القدیر) [2] یعنی جب وہ زندہ تھے۔ بلکہ اب تو تم خود ان سے زیادہ کامل ہو، اب وہ دیکھ نہیں سکتے، تم دیکھتے ہو۔ وہ سن نہیں سکتے، تم سنتے ہو۔ وہ کسی کی بات سمجھ نہیں سکتے، تم سمجھتے ہو۔ وہ جواب نہیں دے سکتے، تم دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین جن کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، وہ بھی پہلے اللہ کے بندے، یعنی انسان ہی تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بتوں کی بابت صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4920) [3] یعنی اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی طاقت ختم ہو گئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پتھر یا لکڑی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد، قبے اور آستانے ہیں جو ان کی قبروں پر بنا لیے گئے اور یوں استخواں فروشی کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ ع ......اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات۔ [4] یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ تمھارے مددگار ہیں تو ان سے مدد طلب کر کے میرے خلاف تدبیر کرو۔ [5] جو اپنی مدد آپ کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

[6] اس کا وہی مفہوم ہے جو آیت: 193 کا ہے۔

Marfat.com

اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (198) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ

(بظاہر) وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے (198) آپ (ان سے) درگزر

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (199) وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ

کیجیے[1] اور نیک کام کا حکم دیجیے[2] اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے (199)[3] اور اگر آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ

نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (200) اِنَّ الَّذِيْنَ

ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے،[4] بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (200) بے شک جن

اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آلیتا ہے تو وہ چونک پڑتے

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (201) وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

ہیں، پھر وہ یکایک سوجھ بوجھ والے ہو جاتے ہیں (201)[5] اور ان کے بھائی (شیطان) انھیں گمراہی میں

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ (202) وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ

کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے (202)[6] اور (اے نبی!) جب آپ ان کے پاس

قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا

کوئی نشانی نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں: تم خود کیوں نہیں بنا لائے؟ کہہ دیجیے: میں تو صرف اس چیز کا

يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ؕ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ

اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ تمھارے رب کی طرف

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (203) وَاِذَا قُرِئَ

سے روشن دلائل ہیں، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (203)[7] اور جب

الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (204)

قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (204)[8] اور

[1] بعض علماء نے اس کے معنی کیے ہیں: خُذْ مَا عَفَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ أَيْ مَا فَضَلَ یعنی ”جو ضرورت سے زائد مال ہو، وہ لے لو۔“ اور یہ زکاۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ (فتح الباري: 388/8) لیکن دوسرے مفسرین نے اس سے اخلاقی ہدایت، یعنی عفو و درگزر مراد لیا ہے اور امام ابن جریر اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عُیَیْنَہ بن حِصْن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر ان پر تنقید کرنے لگے کہ آپ ہمیں نہ پوری عطا دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہیں جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر کے مشیر حُر بن قیس نے (جو عیینہ کے بھتیجے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۝﴾ ”درگزر کو اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔“ اور یہ بھی جاہلوں میں سے ہے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درگزر فرما دیا۔ «وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ» ”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب کا حکم سن کر فوراً گردن خم کر دینے والے تھے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4642) اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کے مقابلے میں معاف کر دینے، قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی اور برائی کے بدلے احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ [2] ﴿بِالْعُرْفِ﴾ سے مراد معروف، یعنی نیکی ہے۔ [3] یعنی جب آپ نیکی کا حکم دینے میں اتمام حجت کر چکیں اور پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان سے اعراض فرما لیں اور ان کے جھگڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیں۔ [4] اور اس موقع پر اگر آپ کو شیطان اشتعال میں لانے کی کوشش کرے تو آپ اللہ سے پناہ طلب فرمائیں۔ [5] اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنا رہتے ہیں۔ ﴿طٰٓئِفٌ﴾ یا طَيْف، اس تخیل کو کہتے ہیں جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ یہاں اسے شیطانی وسوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا کیونکہ وسوسۂ شیطانی بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔ (فتح القدير) [6] یعنی شیطان کافروں کو گمراہی کی طرف کھینچے لے جاتے ہیں، پھر وہ کافر (گمراہی کی طرف جانے میں) یا شیطان ان کو لے جانے میں کمی کوتاہی نہیں کرتے، یعنی ﴿لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ کا فاعل کافر بھی بن سکتے ہیں اور اخوانُ الْكُفَّار شیاطین بھی۔ [7] مراد ایسا معجزہ ہے جو ان کے کہنے پر ان کی خواہش کے مطابق ظاہر کر کے دکھایا جائے، جیسے ان کے بعض مطالبات سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 93,90 میں بیان کیے گئے ہیں۔ ﴿لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ کے معنی ہیں، تو اپنے پاس سے ہی کیوں نہیں بنا لاتا؟ اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ آپ فرما دیں، معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو صرف وحیٔ الٰہی کا پیروکار ہوں۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے، یہ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس میں تمھارے رب کی طرف سے بصائر (دلائل و براہین) اور ہدایت و رحمت ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایمان لانے والا ہو۔ [8] یہ ان کافروں کو کہا جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے وقت شور کرتے تھے

Marfat.com

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

(اے نبی!) اپنے رب کو صبح اور شام اپنے دل میں یاد کیجیے، عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے،

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿205﴾

پست اور ہلکی آواز سے۔ اور آپ غافلوں میں (شامل) نہ ہوں﴿205﴾ بے شک جو (فرشتے)

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، وہ اس کی تسبیح بیان

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿206﴾

کرتے ہیں اور اسی کو وہ سجدہ کرتے ہیں﴿206﴾

اٰيَاتُهَا: 75 — سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ — رُكُوْعَاتُهَا: 10

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

(اے نبی!) وہ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں[1] کہہ دیجیے: مال غنیمت اللہ

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ

اور اس کے رسول کے لیے ہے[2] لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور باہمی اصلاح کرلو اور اللہ اور اس

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿1﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو﴿1﴾ [3] (سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی

اور اپنے ساتھیوں کو کہتے تھے: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (حمٓ السجدۃ 26:41) ''یہ قرآن مت سنو اور شور کرو۔'' ان سے کہا گیا کہ اس کی بجائے تم اگر غور سے سنو اور خاموش رہو تو شاید اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت سے نواز دے۔ اور یوں تم رحمت الٰہی کے مستحق بن جاؤ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے، چاہے نماز ہو یا غیر نماز، سب کو خاموشی سے قرآن سننے کا حکم ہے اور پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جہری نمازوں میں مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف باور کراتے ہیں۔ درآں حالیکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اول تو اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے جیسا کہ اس کے مکی ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے عام سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح وقوی احادیث سے ثابت ہے۔ بنا بریں جس طرح اور بعض عمومات قرآنی کی تخصیص احادیث کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے، مثلاً: آیت اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا (النور 2:24) کے عموم سے شادی شدہ زانی کا اخراج اور وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ (المآئدۃ 38:5) کے عموم سے ایسے چور کا اخراج یا تخصیص جس نے رُبع دینار سے کم مالیت کی چیز چوری کی ہو یا چوری شدہ چیز حرز میں نہ رکھی ہو وغیرہ۔ اسی طرح فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے عمومی حکم سے مقتدی خارج ہوں گے اور ان کے لیے جہری نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوگا کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے (جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں یہ احادیث بیان کی گئی ہیں)

[1] اَلْاَنْفَالُ نَفَل کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں، یہ اس مال واسباب کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے جسے غنیمت بھی کہا جاتا ہے یا اسے نَفَل (زیادہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔ یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے یا اس لیے کہ یہ جہاد کے اجر سے (جو آخرت کو ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو بعض دفعہ دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ [2] یعنی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ اللہ کا رسول، اللہ کے حکم سے اسے تقسیم فرمائے گا، نہ کہ تم آپس میں جس طرح چاہو اسے تقسیم کرلو۔ [3] اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ تینوں باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے۔ خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت ضروری ہے کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے، اس کے علاج کے لیے اصلاح ذات البین پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکان رہتا ہے، اس کے لیے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مضمر ہے۔

Marfat.com

وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں② [1] وہ لوگ جو

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں③ یہی لوگ

حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ④

سچے مومن ہیں، ان کے لیے اپنے رب کے ہاں درجے ہیں اور بخشش ہے اور باعزت رزق ہے④

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

جیسے (بدر کے موقع پر) آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر (مدینہ) سے حق (بہترین تدبیر)

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ ⑤

کے ساتھ نکالا تھا، [2] اور بے شک (اس وقت) مومنوں کا ایک گروہ (اس نکلنے کو) ناپسند کرتا تھا⑤ [3] وہ

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ

آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے [4] کے بعد جھگڑتے تھے، گویا کہ انھیں

اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ ⑥ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ

موت کی طرف ہانکا جا رہا تھا، اور وہ (اسے) دیکھ رہے تھے⑥ [5] اور جب اللہ تم سے دو

[1] ان آیات میں اہل ایمان کی 4 صفات بیان کی گئی ہیں: ① وہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعت کرتے ہیں ② اللہ کا ذکر سن کر، اللہ کی جلالت و عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں ③ تلاوت قرآن سے ان کے ایمانوں میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے) ④ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں، یعنی اسباب سے اعراض و گریز بھی نہیں کرتے کیونکہ انھیں اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے، لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھ لیتے بلکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل کارفرما مشیت الٰہی ہی ہے، اس لیے جب تک اللہ کی مشیت نہیں ہوگی، یہ ظاہری اسباب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اس یقین و اعتماد کی بنیاد پر پھر وہ اللہ کی مدد و اعانت حاصل کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے ان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لیے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ اور مغفرت و رحمت الٰہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ. (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شمار فرما لے) جنگ بدر کا پس منظر: جنگ بدر، جو 2 ہجری میں ہوئی، کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔ علاوہ ازیں یہ منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اچانک ہوئی۔ نیز بے سروسامانی کی وجہ سے بعض مسلمان ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی نہیں تھے۔ مختصراً اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ حضرت ابوسفیان ؓ کی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس آ رہا تھا، چونکہ مسلمانوں کا بھی بہت سا مال و اسباب ہجرت کی وجہ سے مکہ رہ گیا تھا یا کافروں نے چھین لیا تھا، نیز کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا بھی مقتضائے وقت تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور مسلمان اس نیت سے مدینہ سے چل پڑے۔ ابوسفیان کو بھی اس امر کی اطلاع مل گئی، چنانچہ انھوں نے ایک تو اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ دوسرے، مکہ اطلاع بھجوا دی جس کی بنا پر ابوجہل ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے بدر کی جانب چل پڑا، نبی ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابۂ کرام ؓ کے سامنے معاملہ رکھ دیا اور اللہ کا وعدہ بھی بتلایا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے ایک چیز تمھیں ضرور حاصل ہوگی۔ تاہم پھر بھی لڑائی میں بعض صحابہ نے تردد کا اظہار اور تجارتی قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا جبکہ دوسرے تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ [2] یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا، پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے نکلنا اور آگے چل کر تجارتی قافلے کی بجائے لشکر قریش سے مڈبھیڑ ہو جانا، گو بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا تھا۔ [3] یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند ایک افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ طبعی خوف اور بے سروسامانی تھی۔ اس کا تعلق مدینہ سے نکلنے سے نہیں ہے۔ [4] یعنی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اور اب لشکر قریش ہی سامنے ہے جس سے لڑائی ناگزیر ہے۔ [5] یہ بے سروسامانی کی حالت میں لڑنے کی وجہ سے یا طبعی خوف کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی جو کیفیت تھی، اس کا اظہار ہے۔

Marfat.com

إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ
گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے[1]، اور تم چاہتے تھے کہ جو
ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ
غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے وہی تمھارے ہاتھ لگے[2]، اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ 7 لِيُحِقَّ الْحَقَّ
کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے⑦ تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے
وَيُبْطِلَ الْبٰطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ 8
اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ (اسے) ناپسند ہی کریں⑧[3] (یاد کرو) جب تم اپنے
إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ
رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ 9 وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى
کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا⑨[4] اور اس (مدد) کو اللہ نے
وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
خوشخبری بنا دیا تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو جائے اور مدد تو اللہ ہی کے پاس ہے[5]،
ع 10 15 إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ 10 إِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ
بے شک اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا⑩ (یاد کرو) جب وہ (اللہ) اپنی طرف سے تمھیں امن و
وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ
سکون دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا[6] اور آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ
کے ذریعے سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسوں کو لے جائے[7] اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط
وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ 11 إِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ
کر دے، اور تاکہ اس کی وجہ سے (تمھیں) ثابت قدم رکھے⑪[8] (اے نبی!) جب آپ کا رب
أَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَأُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ
فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو
الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ
جو ایمان لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا[9] جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ

[1] یعنی یا تو تجارتی قافلے کو تم پا لو گے، جس سے تمھیں بغیر لڑائی کے وافر مال و اسباب مل جائے گا، بصورت دیگر لشکر قریش سے تمھارا مقابلہ ہوگا اور تمھیں غلبہ ہوگا اور مال غنیمت ملے گا۔ [2] یعنی تجارتی قافلہ، تاکہ بغیر لڑے مال ہاتھ آ جائے۔ [3] لیکن اللہ اس کے برعکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمھاری جنگ ہو تاکہ کفر کی قوت و شوکت ٹوٹ جائے گو یہ امر مجرموں (مشرکوں) کے لیے ناگوار ہی ہو۔ [4] اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی جبکہ کافر اس سے 3 گنا (ہزار کے قریب) تھے، پھر مسلمان نہتے اور بے سرو سامان تھے جبکہ کافروں کے پاس اسلحے کی بھی فراوانی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا سہارا صرف اللہ ہی کی ذات تھی، جس سے وہ گڑگڑا کر مدد کی فریادیں کر رہے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ الگ ایک خیمے میں نہایت الحاح و زاری سے مصروف دعا تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3953 و 3957) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کیں اور ایک ہزار فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل لگاتار مسلمانوں کی مدد کے لیے آ گئے۔ [5] یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوش خبری اور تمھارے دلوں کے اطمینان کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے تھی جو فرشتوں کے بغیر بھی تمھاری مدد کر سکتا تھا، تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فرشتوں نے عملاً جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں فرشتوں نے عملی حصہ لیا اور کئی کافروں کو انھوں نے تہ تیغ کیا۔ (دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 3995) [6] جنگ احد کی طرح جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی، جس سے ان کے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو گئے اور اطمینان و سکون کی ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہو گئی۔ [7] تیسرا انعام یہ کیا کہ بارش نازل فرما دی، جس سے ایک تو ریتلی زمین میں نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ دوسرے، وضو و طہارت میں آسانی ہو گئی۔ تیسرے، اس سے شیطانی وسوسوں کا ازالہ فرما دیا گیا جو وہ اہل ایمان کے دلوں میں ڈال رہا تھا کہ تم اللہ کے نیک بندے ہوتے ہوئے بھی پانی سے دور ہو، دوسرے، جنابت کی حالت میں تم لڑو گے تو کیسے اللہ کی رحمت و نصرت تمھیں حاصل ہو گی؟ تیسرے، تم پیاسے ہو جبکہ تمھارے دشمن سیراب ہیں وغیرہ وغیرہ۔ [8] یہ چوتھا انعام ہے جو دلوں اور قدموں کو مضبوط کر کے کیا گیا۔ [9] یہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اور خاص اپنی طرف سے جس جس طریقے سے مسلمانوں کی بدر میں مدد فرمائی، اس کا بیان ہے۔

Marfat.com

وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا
تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ⑫ [1] یہ اس لیے کہ بے شک
اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۚ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ
انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت
فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمۡ فَذُوۡقُوۡهُ وَاَنَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ
کرے گا تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے⑬ پس تم یہ (سزا) چکھو اور بے شک کافروں
عَذَابَ النَّارِ ⑭ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ
کے لیے دوزخ کا عذاب (تیار) ہے⑭ اے ایمان والو! جب تمھارا ان لوگوں کے لشکر سے
كَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ ⑮ وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ
مقابلہ ہو جنھوں نے کفر کیا تو تم ان سے پیٹھیں نہ پھیرو⑮ [2] اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے
دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ
گا، سوائے اس شخص کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو یا (اپنے) کسی گروہ کی پناہ لینے والا ہو، [3] تو
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ⑯
یقیناً وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے⑯ [4]
فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۚ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ
چنانچہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ ہی نے انھیں قتل کیا، [5] اور (اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر
رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبۡلِىَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡهُ
خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی [6] اور تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف
بَلَآءً حَسَنًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ⑰ ذٰلِكُمۡ
سے اچھے انعام سے نوازے، [7] بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے⑰ یہ تھی بات (ہماری
وَاَنَّ اللّٰهَ مُوۡهِنُ كَيۡدِ الۡكٰفِرِيۡنَ ⑱ اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا
حکمت) اور بے شک اللہ کافروں کی چال کمزور کرنے والا ہے⑱ [8] (کافروں سے کہہ دیجیے:) اگر

[1] بَنَانٍ ہاتھوں اور پیروں کے پور، یعنی ان کی انگلیوں کے اطراف (کنارے) یہ اطراف کاٹ دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ ہاتھوں سے تلوار چلانے کے اور پیروں سے بھاگنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ [2] زَحۡفًا کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے مقابل اور دو بدو ہونا، یعنی مسلمان اور کافر جب ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے: «اِجۡتَنِبُوا السَّبۡعَ الۡمُوبِقَاتِ» "ہلاک کر دینے والی سات چیزوں سے بچو!" ان سات میں ایک «وَالتَّوَلِّي يَوۡمَ الزَّحۡفِ» "مقابلے والے دن پیٹھ پھیر جانا ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 2766، وصحيح مسلم، حديث: 89) [3] گزشتہ آیت میں پیٹھ پھیرنے سے جو منع کیا گیا ہے، دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک تَحَرُّف کی اور دوسری تَحَیُّز کی۔ تحرف کے معنی ہیں، ایک طرف پھر جانا، یعنی لڑائی میں جنگی چال کے طور پر یا دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے لڑتا لڑتا ایک طرف پھر جائے، دشمن یہ سمجھے کہ شاید یہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ رہا ہے لیکن پھر وہ ایک دم پینترا بدل کر اچانک دشمن پر حملہ کر دے۔ یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے بلکہ یہ جنگی چال ہے جو بعض دفعہ ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ تَحَیُّز کے معنی ملنے اور پناہ لینے کے ہیں۔ کوئی مجاہد لڑتا لڑتا تنہا رہ جائے تو بہ لطائف الحیل میدان جنگ سے ایک طرف ہو جائے تاکہ وہ اپنی جماعت کی طرف پناہ حاصل کرے اور اس کی مدد سے دوبارہ حملہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ [4] یعنی مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ کوئی شخص میدان جنگ سے پیٹھ پھیرے گا، اس کے لیے یہ سخت وعید ہے۔ [5] یعنی جنگ بدر کی ساری صورت حال تمھارے سامنے رکھ دی گئی ہے اور جس جس طرح اللہ نے تمھاری وہاں مدد فرمائی، اس کی وضاحت کے بعد تم یہ نہ سمجھ لینا کہ کافروں کا قتل، یہ تمھارا کارنامہ ہے۔ نہیں، بلکہ یہ اللہ کی اس مدد کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے تمھیں یہ طاقت حاصل ہوئی، اس لیے دراصل انھیں قتل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ [6] جنگ بدر میں نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی تھی، جسے ایک تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے چہروں اور آنکھوں تک پہنچا دیا اور دوسرے، اس میں یہ تاثیر پیدا فرما دی کہ اس سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، یہ معجزہ بھی، جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیغمبر! کنکریاں بے شک آپ نے پھینکی تھیں لیکن اس میں تاثیر ہم نے پیدا کی تھی اگر ہم اس میں یہ تاثیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنکریاں کیا کر سکتی تھیں؟ اس لیے یہ بھی دراصل ہمارا ہی کام تھا نہ کہ آپ کا۔ [7] بَلَآءً یہاں نعمت کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی یہ تائید و نصرت، اللہ کا انعام ہے جو مومنوں پر ہوا۔ [8] دوسرا مقصد اس کا کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنا تھا۔

Marfat.com

فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
تم فیصلہ مانگتے تھے تو فیصلہ تمھارے سامنے آ گیا[1] اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ تمھارے حق میں بہتر ہے،
وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ
اور اگر تم دوبارہ (پہلے کی طرح) کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح کریں گے (تمھیں سزا دیں گے) اور
فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ
تمھاری جماعت اگرچہ زیادہ ہی ہو وہ تمھیں ہرگز کچھ فائدہ نہ دے گی، اور بے شک اللہ مومنوں کے
الْمُؤْمِنِيْنَ ۧ 19 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ع 2/16
ساتھ ہے (19) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور
وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ 20 وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
اس سے نہ پھرو، حالانکہ تم سن رہے ہو (20) اور تم ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ 21 اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ
جنھوں نے کہا: ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے نہیں تھے (21) بے[2] شک اللہ کے نزدیک چلنے
عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ 22 وَلَوْ عَلِمَ
پھرنے والوں میں بدترین وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے (22) اور[3] اگر اللہ ان میں کوئی
اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۗ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سنا دیتا،[4] اور اگر وہ انھیں سنا دیتا تو بھی وہ ضرور پھرتے اور وہ
وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ 23 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا
اعراض کرنے والے ہیں (23) اے ایمان والو![5] تم اللہ اور رسول (کی بات) کو قبول کرو
لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا
جب وہ تمھیں اس (امر) کے لیے بلائے جو تمھیں زندگی بخشتا ہے[6] اور تم جان لو کہ یقیناً
اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ
اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے[7] اور یہ بھی کہ تم اسی کی طرف

[1] ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش نے مکہ سے نکلتے وقت دعا کی تھی کہ ''یا اللہ ہم میں سے جو تیرا زیادہ نافرمان اور قاطع رحم ہے، کل تو اسے ہلاک کر دے۔'' اپنے طور پر وہ مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لیے اس قسم کی دعا کی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرما دی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم فتح، یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو وہ فیصلہ تو سامنے آ چکا ہے، اس لیے اب تم کفر سے باز آ جاؤ، تو تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر پھر تم دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں آ ؤ گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمھاری جماعت، کثرت کے باوجود تمھارے کچھ کام نہ آئے گی۔ [2] یعنی سن لینے کے باوجود، عمل نہ کرنا، یہ کافروں کا طریقہ ہے، تم اس رویے سے بچو۔ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بہرہ، گونگا، لایعقل اور بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے۔ اَلدَّوَآبّ دَابَّةٌ کی جمع ہے، جو بھی زمین پر چلنے پھرنے والی چیز ہے، وہ دَابَّة ہے۔ مراد مخلوقات ہے، یعنی یہ سب سے بدتر ہیں جو حق کے معاملے میں بہرے، گونگے اور غیر عاقل ہیں۔ [3] اسی بات کو قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الأعراف 7:179) ''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ (اللہ سے) بے خبر ہیں۔'' [4] یعنی ان کے سماع کو نافع بنا کر ان کو فہم صحیح عطا فرما دیتا، جس سے وہ حق کو قبول کر لیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر خیر یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ فہم صحیح سے ہی محروم ہیں۔ [5] پہلے سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ اس دوسرے سماع سے مراد مطلق سماع ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ انھیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

[6] لِمَا يُحْيِيْكُمْ ایسی چیزوں کی طرف جس سے تمھیں زندگی ملے۔ بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے کہ اس میں تمھاری زندگی کا سروسامان ہے۔ بعض نے قرآن کے اوامر ونواہی اور احکام شرعیہ مراد لیے ہیں، جن میں جہاد بھی آ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو، اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمھارے لیے زندگی ہے۔ [7] یعنی موت وارد کر کے، جس کا مزہ ہر نفس کو چکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمھیں موت آ جائے، اللہ اور رسول کی بات مان لو اور اس پر عمل کر لو۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم یہ

Marfat.com

تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿24﴾ اور اس فتنے سے ڈرو جو تم میں سے خاص طور پر (صرف) ان لوگوں کو

مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

نہیں پہنچے گا جنھوں نے ظلم کیا[1] (بلکہ سب اس کی زد میں آ سکتے ہیں) اور تم جان لو کہ

الْعِقَابِ ﴿25﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي

بے شک اللہ سخت سزا والا ہے ﴿25﴾ اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے

الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ

تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے

وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ

تمھیں ٹھکانا دیا، اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی، اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے

تَشْكُرُوْنَ ﴿26﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ

رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو ﴿26﴾[2] اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے

وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿27﴾

خیانت نہ کرو، اور نہ تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو ﴿27﴾[3]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ

اور جان لو یقیناً تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ ہیں[4] اور (جان لو) بے شک اللہ ہی کے پاس

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ

اجر عظیم ہے ﴿28﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمھارے لیے نکلنے کی راہ بنا

لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

دے گا اور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔ اور اللہ بہت

ع 3/9/17

بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انسان اس کی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پا نہیں سکتا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ (فتح القدیر) امام ابن جریر رحمہ اللہ کے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے، جن میں دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرنے کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے دل، ایک دل کی طرح رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، انھیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے۔'' پھر آپ نے یہ دعا پڑھی: «اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ» (صحيح مسلم، حديث: 2654) ''اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔'' بعض روایات میں «ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِيْنِكَ» (جامع الترمذي، حديث: 2140) کے الفاظ ہیں۔ ''اے اللہ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔''

[1] اس سے مراد یا تو بندوں کا ایک دوسرے پر تسلط ہے جو بلا تخصیص، عام و خاص پر ظلم کرتے ہیں یا وہ عام عذاب ہیں جو کثرت بارش یا سیلاب وغیرہ ارضی و سماوی آفات کی صورت میں آتے ہیں اور نیک و بد سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں یا بعض احادیث میں أمر بالمعروف و نهي عن المنكر کے ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے، وہ مراد ہے۔ [2] اس میں مکی زندگی کے شدائد و خطرات کا بیان اور اس کے بعد مدنی زندگی میں مسلمان جس آرام و راحت اور آسودگی سے بفضل الٰہی ہمکنار ہوئے، اس کا تذکرہ ہے۔ [3] اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ﷺ کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں اس کے برعکس معصیت کار۔ اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرائض میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی بات کا ارتکاب کیا جائے۔ اور تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ کا مطلب ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔ نبی ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: «لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ، وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ» (مسند أحمد: 135/3 وقال الألباني حديث جيد، تعليقات الألباني على المشكاة: 17/1) ''اس کا ایمان نہیں، جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں، جس کے اندر عہد کی پابندی کا احساس نہیں۔'' [4] مال اور اولاد کی محبت ہی عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہے، اس لیے ان کو فتنہ (آزمائش) قرار دیا گیا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں امانت اور اطاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پورے کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے، بصورت دیگر ناکام۔ اس صورت میں یہی مال

Marfat.com

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ
بڑے فضل والا ہے ﴿29﴾[1] اور (اے نبی! یاد کیجیے) جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا آپ کے بارے
كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ
میں تدبیر کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو (مکہ سے) نکال دیں[2]
وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے ﴿30﴾[3] اور جب
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ
ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیں اگر ہم چاہیں تو اس
هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذْ قَالُوا
طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں، یہ تو اگلے لوگوں ہی کی داستانیں ہیں ﴿31﴾ اور جب
اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا
انھوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر
حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿32﴾ وَمَا كَانَ
آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ ﴿32﴾ اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہیں
اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ
کہ انھیں عذاب دے[4] جبکہ آپ بھی ان کے درمیان (موجود) ہوں، اور اللہ انھیں عذاب
وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ
دینے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگتے ہوں ﴿33﴾[5] اور (اب) ان کے لیے کونسی وجہ ہے کہ
وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا
اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ
اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
وہ اس کے متولی نہیں، اس کے متولی تو متقی لوگ ہی ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
(اس حقیقت کو) نہیں جانتے ﴿34﴾[6] اور بیت اللہ کے پاس ان (مشرکین)

اور اولاد اس کے لیے عذاب الٰہی کا باعث بن جائیں گے۔

[1] تقویٰ کا مطلب ہے، اوامر الٰہی کی مخالفت اور اس کے مناہی کے ارتکاب سے بچنا۔ اور فرقان کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: ایسی چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز تر اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر، جب عام انسان التباس و اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں، صراط مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں فتح و نصرت اور نجات و مخرج بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور سارے ہی معانی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ تقویٰ سے یقیناً یہ سارے ہی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ تکفیر سیئات، مغفرت ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔ [2] یہ اس سازش کا تذکرہ ہے جو رؤسائے مکہ نے ایک رات دارالندوہ میں تیار کی تھی اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو نبی ﷺ کے قتل پر مامور کیا جائے تاکہ کسی ایک کو قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بلکہ دیت دے کر جان چھوٹ جائے۔ [3] چنانچہ اس سازش کے تحت ایک رات یہ نوجوان نبی ﷺ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپ باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور آپ نے گھر سے باہر نکلتے وقت مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے، کسی کو آپ کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں لگا، حتیٰ کہ آپ غار ثور میں پہنچ گئے۔ یہ کافروں کے مقابلے میں اللہ کی تدبیر تھی جس سے بہتر تدبیر کوئی نہیں کر سکتا۔ (مزید معنی کے لیے دیکھیے: آل عمران، آیت: 54 کا حاشیہ) [4] یعنی پیغمبر کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا، اس لحاظ سے آپ کا وجود گرامی بھی ان کے حفظ و امان کا سبب تھا۔ [5] اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ مسلمان ہو کر استغفار کریں گے یا یہ کہ طواف کرتے وقت مشرکین غُفْرَانَكَ رَبَّنَا غُفْرَانَكَ کہا کرتے تھے۔ [6] یعنی وہ مشرکین اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی سمجھتے تھے اور اس اعتبار سے جس کو چاہتے طواف کی اجازت دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے، چنانچہ مسلمانوں کو بھی وہ مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے۔ درآں حالیکہ وہ اس کے متولی ہی نہیں تھے، تَحَكُّمًا (زبردستی) بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے متولی تو متقی افراد ہی بن سکتے ہیں نہ کہ مشرک۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے، اس سے مراد فتح مکہ ہے جو مشرکین کے لیے عذاب الیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نفی ہے، جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے نہیں آتا، اس سے مراد عذاب استیصال اور ہلاکت کلی ہے۔ عبرت و تنبیہ کے طور پر چھوٹے موٹے عذاب اس کے منافی نہیں۔

Marfat.com

اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا

کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں تھی،[1] چنانچہ تم

كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ (35) اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ

عذاب چکھو اس کفر کی وجہ سے جو تم کرتے تھے (35) بے شک جن لوگوں نے

اَمۡوَالَهُمۡ لِيَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنۡفِقُوۡنَهَا

کفر کیا وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں تو وہ ابھی

ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ؕ

(اور) مال خرچ کریں گے، پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحۡشَرُوۡنَ (36) لِيَمِيۡزَ اللّٰهُ

گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے (36)[2] تاکہ اللہ ناپاک

الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجۡعَلَ الۡخَبِيۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰى

کو پاک سے الگ کر دے[3] اور ناپاک (لوگوں) کو (ایک دوسرے پر)

بَعۡضٍ فَيَرۡكُمَهٗ جَمِيۡعًا فَيَجۡعَلَهٗ فِىۡ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰۤئِكَ

اوپر تلے رکھ کر سب کا ڈھیر لگا دے، پھر اسے جہنم میں ڈال دے، یہی لوگ

ع 4/9/18 هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (37) قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّنۡتَهُوۡا

خسارہ پانے والے ہیں (37) (اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز

يُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ وَاِنۡ يَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ

آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ انھیں معاف کر دیا جائے گا،[4] اور اگر وہ دوبارہ وہی کریں گے تو بلاشبہ

مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِيۡنَ (38) وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ

اگلے لوگوں کا (جو) طریقہ گزر چکا ہے (وہی ان کا انجام ہوگا) (38)[5] اور تم ان سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ

فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوۡا

(شرک) نہ رہے[6] اور (ہر کہیں) سارے کا سارا دین اللہ ہی کا ہو،[7] پھر اگر وہ (کافر) باز

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ (39) وَاِنۡ تَوَلَّوۡا

آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہا ہے (39)[8] اور اگر وہ پھریں[9] تو جان لو کہ

فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ (40)

یقیناً اللہ ہی تمھارا کار ساز ہے،[10] وہ بہترین کار ساز اور بہترین مددگار ہے (40)

[1] مشرکین جس طرح بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے، اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے، جس طرح آج بھی جاہل صوفی مسجدوں اور آستانوں میں رقص کرتے، ڈھول پیٹتے اور دھمالیں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی ہماری نماز اور عبادت ہے۔ ناچ ناچ کر ہم اپنے یار (اللہ) کو منالیں گے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ. [2] جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے۔ ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابوسفیان اور جن کا اس تجارتی سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے، اس لیے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انھی لوگوں یا اسی قسم کا کردار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کرلیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ [3] یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہوگی کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ (یٰسٓ 59:36)

''اے گناہ گارو! آج الگ ہو جاؤ۔'' یعنی نیک لوگوں سے۔ اور مجرموں، یعنی کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو اکٹھا کر کے سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر اس کا تعلق دنیا سے ہے اور لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی کافر اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جو مال خرچ کر رہے ہیں، ہم ان کو ایسا کرنے کا موقع دیں گے تاکہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے علیحدہ کر دے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: کفار کے ذریعے سے ہم تمھاری آزمائش کریں گے، وہ تم سے لڑیں گے اور ہم انھیں ان کے مال بھی لڑائی پر خرچ کرنے کی قدرت دیں گے تاکہ خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے، پھر وہ خبیث کو ایک دوسرے سے ملا دے گا، یعنی سب کو جمع کر دے گا۔ (ابن کثیر) [4] باز آ جانے کا مطلب، مسلمان ہونا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے: ''جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا، اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس

Marfat.com

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو[1] اس میں سے پانچواں حصہ

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

مسافروں کے لیے ہے[2] اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر[3] فیصلے

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿41﴾

کے دن اتارا[4] جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا[5] اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے ﴿41﴾

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ

جبکہ تم (میدان بدر کے) قریب والے کنارے پر تھے اور وہ (کافر) دور والے کنارے پر تھے[6] اور

الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ

(قریش کا تجارتی) قافلہ تم سے بہت نیچے[7] (بحیرہ قلزم کے ساحل کی طرف) تھا۔ اور اگر تم (دونوں

نہیں ہوگی جو اس نے جاہلیت میں کیے ہوں گے اور جس نے اسلام لا کر بھی برائی نہ چھوڑی، اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مؤاخذہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6921، وصحيح مسلم، حديث: 120) ایک اور حدیث میں ہے: «الْإِسْلَامُ يَجُبُّ مَا قَبْلَهُ» (مسند أحمد: 199/4) ''اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' [5] یعنی اگر وہ اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جلد یا بہ دیر عذاب الٰہی کے مورد بن کر رہیں گے۔ [6] فِتْنَةٌ سے مراد شرک ہے یا شرک و کفر کی قوت، یعنی اس وقت تک جہاد جاری رکھو، جب تک شرک اور شرک کی قوت کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ [7] یعنی اللہ کی توحید کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا جائے۔ [8] یعنی تمھارے لیے ان کا ظاہری اسلام ہی کافی ہے، باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو کیونکہ اس کو ظاہر و باطن ہر چیز کا علم ہے۔ [9] یعنی اسلام قبول نہ کریں اور اپنے کفر اور تمھاری مخالفت پر مصر رہیں۔ [10] یعنی تمھارے دشمنوں پر تمھارا مددگار اور تمھارا حامی و محافظ ہے۔ [11] پس کامیاب بھی وہی ہوگا جس کا مولیٰ اللہ ہو اور غالب بھی وہی ہوگا جس کا مددگار وہ ہو۔

[1] غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے لڑائی کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہو۔ پہلی امتوں میں اس کے لیے یہ طریقہ تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں سے حاصل کردہ سارا مال ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر بھسم کر ڈالتی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے یہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ اور جو مال بغیر لڑائی کے صلح کے ذریعے یا جزیہ و خراج سے وصول ہو، اسے فیٔ کہا جاتا ہے۔ کبھی غنیمت کو بھی فیٔ سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔ ﴿مِّنْ شَيْءٍ﴾ سے مراد جو کچھ بھی ہو، یعنی تھوڑا ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا معمولی، سب کو جمع کر کے اس کی تقسیم حسب ضابطہ کی جائے گی۔ کسی سپاہی کو اس میں سے کوئی چیز تقسیم سے قبل اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ [2] اللہ کا لفظ تو بطور تبرک، نیز اس لیے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ مراد اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے ایک ہی ہے، یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ، جسے عربی میں خُمُس کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ حصہ اپنی ضروریات، ازواج مطہرات کی ضروریات اور مسلمانوں کے مفاد عامہ میں لگاتے تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: «وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ» (سنن النسائي، حديث: 4143 وصححه الألباني في صحيح سنن النسائي، حديث: 3140، ومسند أحمد: 319/5) یعنی ''میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے مصالح پر ہی خرچ ہوتا ہے۔'' دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کا، پھر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ خمس حسب ضرورت خرچ کیا جائے گا۔ [3] اس نزول سے مراد فرشتوں کا اور آیات الٰہی (معجزات وغیرہ) کا نزول ہے جو بدر میں ہوا۔ [4] بدر کی جنگ 2 ہجری 17 رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس دن کو یوم الفرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی اور مسلمانوں کو فتح و غلبہ دے کر واضح کر دیا گیا کہ اسلام حق ہے اور کفر و شرک باطل ہے۔ [5] یعنی مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں۔ [6] ﴿الدُّنْيَا﴾ دُنُوٌّ سے ہے بمعنی قریب۔ مراد ہے: وہ کنارہ جو مدینہ شہر کے قریب تھا۔ ﴿الْقُصْوٰى﴾ کہتے ہیں دور کو۔ کافر اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے نسبتاً دور تھا۔ [7] اس سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے ہی دراصل مسلمان اس طرف آئے تھے۔ یہ پہاڑ سے بہت دور مغرب کی طرف نشیب میں تھا جبکہ بدر کا مقام، جہاں جنگ ہوئی، بلندی پر تھا۔

Marfat.com

تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ

فریق جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر ضرور اختلاف کرتے[1] اور لیکن (ہوا یہ کہ

اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

دونوں گروہ آمنے سامنے آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ

عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ

حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے (حق پہچان کر) زندہ رہے[2] اور

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (42) اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ

بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (42) (اے نبی! یاد کریں) جب اللہ نے آپ کے

مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَّلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ

خواب میں آپ کو ان کی تعداد کم دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

ہمت ہار دیتے اور اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچالیا۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (43) وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ

بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے (43) [3] اور (اے مسلمانو! یاد کرو) جب تم (کافروں

فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ

کے) آمنے سامنے ہوئے تو اللہ نے انھیں تمھاری نظروں میں تھوڑا دکھایا اور تمھیں ان کی

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

نظروں میں تھوڑا دکھایا[4] تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا[5] اور سب کام اللہ ہی

ع 5/7/1 تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (44) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً

کی طرف لوٹتے ہیں (44) اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمھارا آمنا سامنا

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (45)

ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (45) [6] اور

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور

[1] یعنی اگر جنگ کے لیے باقاعدہ دن اور تاریخ کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ یا اعلان ہوتا تو یقین تھا کہ تم لڑائی کی تاریخ میں مختلف ہو جاتے لیکن چونکہ اس جنگ کا ہونا اللہ نے لکھ رکھا تھا، اس لیے ایسے اسباب پیدا کر دیے گئے کہ دونوں فریق بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل بغیر پیشگی وعدہ وعید کے صف آرا ہو جائیں۔ [2] یہ علت ہے اللہ کی اس تقدیری مشیت کی جس کے تحت بدر میں فریقین کا اجتماع ہوا تاکہ جو ایمان پر زندہ رہے تو وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ اسلام حق ہے کیونکہ اس کی حقانیت کا مشاہدہ وہ بدر میں کر چکا ہے اور جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کیونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین کا راستہ گمراہی اور باطل کا راستہ ہے۔ [3] اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھائی اور وہی تعداد آپ نے صحابۂ کرام کے سامنے بیان فرمائی، جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے اگر اس کے برعکس کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہ میں پست ہمتی پیدا ہونے اور باہمی اختلاف کا اندیشہ تھا۔ لیکن اللہ نے ان دونوں باتوں سے بچالیا۔ [4] تاکہ وہ کافر بھی تم سے خوف کھا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ پہلا واقعہ خواب کا تھا اور یہ دکھلانا عین قتال کے وقت تھا جیسا کہ الفاظ قرآنی سے واضح ہے۔ تاہم یہ معاملہ ابتدا میں تھا۔ لیکن جب باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی تو پھر کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت:13 سے معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں زیادہ دکھانے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ کثرت دیکھ کر ان کے اندر مسلمانوں کا خوف اور دہشت بیٹھ جائے جس سے ان کے اندر بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہو، اس کے برعکس پہلے کم دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ لڑنے سے گریز نہ کریں۔ [5] اس سب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے معرکۂ حق و باطل واقع ہونے کا جو فیصلہ کیا ہوا تھا، وہ پورا ہو جائے، اس لیے اس نے اس کے اسباب پیدا فرما دیے۔ [6] اب مسلمانوں کو لڑائی کے وہ آداب بتائے جا رہے ہیں جن کو دشمن سے مقابلے کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلی بات ثابت قدمی اور استقلال ہے تاہم اس سے تَحَرُّف اور تَحَيُّز کی وہ دونوں صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ثابت قدمی کے لیے بھی تحرف یا تحیز ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ مسلمان اگر تھوڑے ہوں تو اللہ کی مدد کے طالب رہیں اور اگر مسلمان تعداد میں زیادہ ہوں تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب اور غرور پیدا نہ ہو بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر ہی رہے۔

Marfat.com

رِيۡحُكُمۡ‌ وَاصۡبِرُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚ‏ ﴿46﴾ وَلَا

تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿46﴾ [1] اور تم

تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بَطَرًا

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان)

وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ وَاللّٰهُ

دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے [2] اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں

بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ‏ ﴿47﴾ وَاِذۡ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ

اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے ﴿47﴾ اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے سجا

اَعۡمَالَهُمۡ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَـكُمُ الۡيَوۡمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىۡ

کر پیش کیے اور وہ کہنے لگا: آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمھارا

جَارٌ لَّـكُمۡ‌ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الۡفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيۡهِ

ساتھی ہوں، پھر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا: بے شک

وَقَالَ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّنۡكُمۡ اِنِّىۡۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوۡنَ اِنِّىۡۤ

میں تم سے بری ہوں۔ بے شک میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے [3] بے شک

اَخَافُ اللّٰهَ‌ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ‏﴿48﴾ اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ

میں اللہ سے ڈرتا ہوں [4] اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿48﴾ [5] جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں

وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيۡنُهُمۡ‌ ؕ وَمَنۡ

روگ تھا [6] کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے [7] اور جو کوئی اللہ

يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ‏ ﴿49﴾ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ

پر بھروسا کرے تو بے شک اللہ زبردست خوب حکمت والا ہے ﴿49﴾ [8] اور کاش! آپ دیکھیں، جبکہ فرشتے

يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا‌ ۙ الۡمَلٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ

کافروں کو فوت کرتے ہیں، وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (کہتے

[1] تیسری ہدایت، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، ظاہر بات ہے ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کتنی سخت خطرناک ہو سکتی ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے ویسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ تاہم میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور اس موقع پر تھوڑی سی بھی نافرمانی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ چوتھی ہدایت کہ آپس میں تنازع اور اختلاف نہ کرو، اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور پانچویں ہدایت کہ صبر کرو، یعنی جنگ میں کتنی بھی شدت آ جائے اور تمھیں کتنے بھی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ نبی ﷺ نے بھی ایک حدیث میں فرمایا: ''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو، تاہم جب کبھی دشمن سے لڑائی کا موقع پیدا ہو جائے تو صبر کرو (جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2966) [2] مشرکین مکہ جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے تو بڑے اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کو اس کافرانہ شیوے سے روکا گیا ہے۔ [3] مشرکین جب مکہ سے روانہ ہوئے تو انھیں اپنے حریف قبیلے بنی بکر بن کنانہ سے اندیشہ تھا کہ وہ پیچھے سے انھیں نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ شیطان سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر آیا جو بنی بکر بن کنانہ کے ایک سردار تھے اور انھیں نہ صرف فتح و نصرت کی بشارت دی بلکہ اپنی حمایت کا بھی پورا یقین دلایا۔ لیکن جب ملائکہ کی صورت میں امداد الٰہی اسے نظر آئی تو ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔ [4] ... خوف تو اس کے دل میں کیا ہونا تھا؟ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ کی خاص مدد حاصل ہے۔ مشرکین ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ [5] ممکن ہے یہ شیطان کے کلام کا حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہو، یعنی ماقبل سے الگ مستقل جملہ۔ [6] اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کے بارے میں انھیں شک تھا اگرچہ وہ منافق نہ تھے یا اس سے مراد مشرکین ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہودی مراد ہوں۔ [7] یعنی ان کی تعداد تو دیکھو اور سروسامان کا جو حال ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ مقابلہ کرنے چلے ہیں مشرکین مکہ سے جو تعداد میں بھی ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر طرح کے سامان حرب اور وسائل سے مالا مال بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ [8] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اہل دنیا کو اہل ایمان کے عزم و ثبات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جن کا توکل اللہ کی ذات پر ہے جو غالب ہے، یعنی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ بے سہارا نہیں چھوڑتا اور حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل میں حکمت بالغہ ہے جس کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں۔

Marfat.com

وَ اَدْبَارَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

ہیں کہ) تم جلا دینے والا عذاب چکھو﴿50﴾[1] یہ اسی کا بدلہ ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور

اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿51﴾ كَدَاْبِ اٰلِ

یہ (جان لو) کہ بے شک اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں﴿51﴾[2] ان کی عادت آل فرعون اور

فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ان لوگوں کی عادت جیسی ہے جو ان سے پہلے تھے،[3] انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿52﴾

ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں پکڑ لیا۔ بے شک اللہ بہت طاقتور، سخت سزا والا ہے﴿52﴾ یہ اس

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى

لیے کہ بے شک اللہ کوئی نعمت، جو اس نے کسی قوم کو بخشی ہو، نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿53﴾ كَدَاْبِ اٰلِ

اپنے نفسوں کی حالت بدلیں[4] اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿53﴾ ان کی

فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

عادت آلِ فرعون اور ان لوگوں کی عادت جیسی ہے جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے اپنے رب کی آیات

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

کو جھٹلایا تو ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔

ظٰلِمِيْنَ ﴿54﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

اور وہ سب ظالم تھے﴿54﴾[5] بے شک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سے، اللہ کے نزدیک، بدترین وہ

كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿55﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا، پھر وہ ایمان نہیں لاتے﴿55﴾[6] وہ جن سے آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ

[1] بعض مفسرین نے اسے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی بابت قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف آتے تو مسلمان ان کے چہروں پر تلواریں مارتے، جس سے بچنے کے لیے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے تو فرشتے ان کی دبروں پر تلواریں مارتے۔ لیکن یہ آیت عام ہے جو ہر کافر و مشرک کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں (یا دبروں، یعنی چوتڑوں) پر مارتے ہیں، جس طرح سورۂ انعام میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ﴾ (الأنعام 93:6) ”فرشتے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ دراز کرتے ہیں۔“ اور بعض کے نزدیک فرشتوں کی یہ مار قیامت والے دن جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے ہوگی اور داروغۂ جہنم کہے گا: ”تم جلنے کا عذاب چکھو۔“ [2] یہ ضرب و عذاب تمھارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ تو عادل ہے جو ہر قسم کے ظلم و جور سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا ہے اور تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جو میں نے شمار کر کے رکھے ہوئے ہیں، پس جو اپنے اعمال میں بھلائی پائے، اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2577) [3] ﴿كَدَاْبِ﴾ کے معنی ہیں: عادت۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے، یعنی ان مشرکین کی عادت یا حال، اللہ کے پیغمبروں کے جھٹلانے میں، اسی طرح ہے جس طرح فرعون اور اس سے قبل دیگر مکذبین کی عادت یا حال تھا۔ [4] اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم کفران نعمت کا راستہ اختیار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے اعراض کر کے اپنے احوال و اخلاق کو نہیں بدل لیتی، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اپنی نعمتیں سلب فرما لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب یہی ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کرے۔ [5] یہ اس بات کی تاکید ہے جو پہلے گزری، البتہ اس میں ہلاکت کی صورت کا اضافہ ہے کہ انھیں غرق کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ واضح کر دیا کہ اللہ نے ان کو غرق کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ”اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“ [6] شَرُّ النَّاسِ (لوگوں میں سب سے بدتر) کے بجائے انھیں ﴿شَرَّ الدَّوَآبِّ﴾ کہا گیا ہے۔ جو لغوی معنی کے لحاظ سے تو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال چوپایوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا کافروں کا تعلق ہی انسانوں سے نہیں۔ کفر کا ارتکاب کر کے وہ جانور بلکہ جانوروں میں بھی سب سے بدتر جانور بن گئے ہیں۔

Marfat.com

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾ فَاِمَّا
ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے ﴿56﴾ [1] پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں
تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ
پائیں تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہوں [2] شاید کہ وہ نصیحت
يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً
پکڑیں ﴿57﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی
فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں [3] بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں
الْخَآئِنِيْنَ ﴿58﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ
کو پسند نہیں کرتا ﴿58﴾ [4] اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ سبقت لے گئے ہیں۔
اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
بے شک وہ (اپنی چالوں سے اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿59﴾ اور ان (کافروں کے مقابلے) کے
قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ
لیے تم مقدور بھر قوت [5] (تیر و تفنگ) اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے
وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ
دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو ڈرائے رکھو جنھیں تم نہیں جانتے (مگر)
يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ
اللہ انھیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمھیں (اس کا) پورا پورا ثواب دیا
اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ
جائے گا۔ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿60﴾ اور (اے نبی!) اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ
فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسا رکھیں [6] بے شک وہی خوب سننے والا، خوب

[1] یہ مذکورہ کافروں ہی کی ایک عادت بیان کی گئی ہے کہ ہر بار نقض عہد کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے عواقب سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کو مراد لیا ہے، جن سے رسول اللہ ﷺ کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ کافروں کی مدد نہیں کریں گے لیکن انھوں نے اس کی پاسداری نہیں کی۔ [2] فَشَرِّدْ بِهِمْ کا مطلب ہے کہ ان کو ایسی مار مار کہ جس سے ان کے پیچھے، ان کے حامیوں اور ساتھیوں میں بھگدڑ مچ جائے حتی کہ وہ آپ کی طرف اس اندیشے سے رخ ہی نہ کریں کہ کہیں ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ان کے پیش رووں کا ہوا ہے۔ [3] خیانت سے مراد ہے، معاہد قوم سے نقض عہد کا خطرہ۔ اور عَلٰى سَوَآءٍ "برابری کی حالت میں" کا مطلب ہے کہ انھیں باقاعدہ مطلع کیا جائے کہ آئندہ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ تاکہ دونوں فریق اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، کوئی ایک فریق لاعلمی اور مغالطے میں نہ مارا جائے۔ [4] یعنی یہ نقض عہد اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہو تو یہ خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ جب معاہدے کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کی سرزمین کے قریب اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی رومیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات آئی تو انھوں نے اسے غدر سے تعبیر فرمایا اور ایک حدیث رسول بیان فرما کر اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ (مسند أحمد: 111/4، وسنن أبي داود، حديث: 2759، وجامع الترمذي، حديث: 1580) [5] قُوَّةٍ کی تفسیر نبی ﷺ نے رَمْيٌ (پھینکنے) سے کی ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 1917. اور دیگر کتب حدیث) نبی ﷺ کے دور میں رَمْيٌ کی شکل تیراندازی، منجنیق وغیرہ کے ذریعے سے پتھر کی گولہ باری وغیرہ تھی اور یہ اس دور میں بہت بڑے جنگی ہتھیار تھے، جس طرح گھوڑے جنگ کے لیے ناگزیر ضرورت تھی اور ہے جبکہ آج کے دور میں رَمْيٌ (پھینکنے) کی مزید جدید شکلیں وجود میں آ گئی ہیں، لہٰذا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ کے تحت آج کل کے رَمْيٌ والے جنگی ہتھیاروں مشین گن، میزائل اور علاوہ ازیں ٹینک، بم اور جنگی جہاز اور بحری جنگ کے لیے آبدوزیں وغیرہ کی تیاری نہایت ضروری ہے۔ [6] یعنی اگر حالات جنگ کی بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، یقیناً اللہ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کو کافی ہے۔ لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو،

Marfat.com

اَلْعَلِیْمُ ﴿61﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ

جاننے والا ہے﴿61﴾اور اگر وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو بے شک آپ کے لیے اللہ کافی

اللّٰهُ ۚ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿62﴾ وَاَلَّفَ بَیْنَ

ہے،وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی ﴿62﴾اور اس نے ان

قُلُوْبِهِمْ ۚ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ

(مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کردیتے تو بھی ان

بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۚ اِنَّهٗ

کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی[1] بے شک وہ زبردست (اور)

عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿63﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

خوب حکمت والا ہے﴿63﴾اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اوران لوگوں کے لیے بھی جو مومنوں

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿64﴾ ع یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى ع 8 6 4

میں سے آپ کی پیروی کرتے ہیں﴿64﴾ اے نبی! مومنوں کو جہاد پر ابھاریں[2] اگر تم میں

الْقِتَالِ ۚ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ

بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم

وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

میں ایک سو (صابر) ہوں تو وہ ہزار (کافر) پر غالب آئیں گے[3] اس لیے کہ وہ

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ

لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے ﴿65﴾ اب اللہ نے تم سے تخفیف کردی اوراس نے جان لیا کہ

مسلمان قوت و وسائل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خوردہ تو اس صورت میں صلح کی بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا ضروری ہے۔ (سورة محمد 47:35) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الأنفال 8:39)

[1] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی، اسے محبت و الفت میں تبدیل فرما دیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جانثار بن گئے، پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے، باہم پیار اور محبت پیدا کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کارفرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت: 103 اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ میں بھی فرمایا ہے اور نبی ﷺ نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں آپس میں جوڑ دیا۔'' نبی ﷺ جو بات کہتے، انصار اس کے جواب میں یہی کہتے: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمَنُّ ''اللہ اور اس کے رسول کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4330، وصحیح مسلم، حدیث: 1061) [2] تَحْرِیضٌ کے معنی ہیں: ترغیب میں مبالغہ کرنا، یعنی خوب رغبت دلانا اور شوق پیدا کرنا، چنانچہ اس کے مطابق نبی ﷺ جنگ سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے جیسا کہ بدر کے موقع پر جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آموجود ہوئے، آپ نے فرمایا: ''ایسی جنت میں جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' ایک صحابی عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' اس پر انھوں نے بخ بخ کہا، یعنی خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ''تم اس میں جانے والوں میں سے ہو گے۔'' چنانچہ انھوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور چند کھجوریں جو ان کے پاس تھیں نکال کر کھانے لگے لیکن جلد ہی اپنے پاس سے تمام کھجوریں پھینک دیں اور کہا: ان کے کھانے تک میں زندہ رہا، یہ تو طویل زندگی ہوگی۔ پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے حتیٰ کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1901) [3] یہ مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ تمھارے ثابت قدمی سے لڑنے والے 20 مجاہد دو سو پر اور سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے، اس لیے مسلمان تھوڑے ہوں، تب بھی گھبرانا نہیں چاہیے۔

Marfat.com

وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ
تمھارے اندر کچھ کمزوری ہے، چنانچہ اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر
يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ
غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے ایک ہزار (ایسے) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (66) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ
آئیں گے[1] اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (66) [2] کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس
لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۚ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ
قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامان
الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (67)
دنیا چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے[3] اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے (67) اگر اللہ
لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ
کی طرف سے پہلے ہی (ایک بات) لکھی ہوئی نہ ہوتی[4] تو تم نے (بدر کے قیدیوں سے) جو (فدیہ) لیا
عَذَابٌ عَظِيْمٌ (68) فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا
اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا (68) پھر جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس میں
اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (69) ع يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ
سے کھاؤ[5] اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (69) اے نبی! جو

[1] پچھلا حکم صحابہ پر گراں گزرا کیونکہ اس کا مطلب تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے میں، 20 دو سو کے مقابلے میں اور سو ایک ہزار کے مقابلے میں کافی ہیں اور جب کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو تو میدانِ جنگ سے بھاگنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرما کر ایک اور دس کا تناسب کم کر کے ایک اور دو کا تناسب کر دیا۔ (صحیح البخاري، حديث: 4653) اب اس تناسب پر کفر کے سامنے ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگنا حرام ہے اور اگر کفار دو چند سے زیادہ ہوں تو بھاگنا گناہ نہیں لیکن لڑنا اور جمے رہنا بہرحال افضل ہے۔ [2] یہ کہہ کر صبر و ثابت قدمی کی اہمیت بیان فرما دی کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے۔ [3] جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنا لیے گئے۔ یہ کفر و اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا، اس لیے قیدیوں کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اسی لیے دونوں ہی باتیں زیرِ غور آئیں۔ لیکن بعض دفعہ جواز و عدمِ جواز سے قطع نظر حالات و ظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں بھی ضرورت زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی تھی۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ مشورے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ مشورہ دیا کہ کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ کفر اور کافروں کے سرغنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ سازشیں کریں گے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے اس کے برعکس یہ تھی کہ فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے۔ نبی ﷺ نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں۔ ﴿حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ کا مطلب ہے کہ اگر ملک میں کفر کا غلبہ ہے (جیسا کہ اس وقت عرب میں کفر کا غلبہ تھا) تو کافروں کی خوں ریزی کر کے کفر کی قوت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نکتے کو نظر انداز کر کے تم نے جو فدیہ قبول کیا ہے تو گویا زیادہ بہتر صورت کو چھوڑ کر کم تر صورت کو اختیار کیا ہے جو تمھاری غلطی ہے۔ بعد میں جب کفر کا غلبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے، فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے اور چاہے تو ان کو غلام بنا لے، حالات و ظروف کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔ [4] اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ لکھی ہوئی بات کیا تھی؟ بعض نے کہا کہ اس سے مالِ غنیمت کی حلت مراد ہے، یعنی چونکہ یہ نوشتۂ تقدیر تھا کہ مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت حلال ہوگا، اس لیے تم نے فدیہ لے کر ایک جائز کام ہی کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فدیہ لینے کی وجہ سے تمھیں عذابِ عظیم پہنچتا۔ بعض نے اہل بدر کی مغفرت اس سے مراد لی ہے، بعض نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب میں مانع ہونا مراد لیا ہے وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر) [5] اس میں مالِ غنیمت کی حلت و پاکیزگی کو بیان کر کے فدیے کا جواز بیان فرما دیا گیا۔ جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ''لکھی ہوئی بات'' سے مراد شاید یہی حلتِ غنائم ہے۔

Marfat.com

لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ

قیدی تمھارے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا[1]

فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ

تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے[2] اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿70﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ

بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (70) اور (اے نبی!) اگر وہ آپ سے خیانت (دغا) کرنا چاہیں تو

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ

وہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، پھر اس نے انھیں تمھارے قبضے میں دے دیا[3] اور اللہ خوب

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (71) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا[4] اور جنھوں نے (مہاجروں کو اپنے ہاں) جگہ

اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا

دی اور (ان کی) مدد کی[5] وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں[6] اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر

مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ

انھوں نے ہجرت نہیں کی، ان کی دوستی سے تمھیں کوئی غرض نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں[7] اور اگر

اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

وہ تم سے دین (کے معاملے) میں مدد مانگیں تو تم پر مدد لازم ہے[8] مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿72﴾ وَالَّذِيْنَ

جن کے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ ہو[9] اور تم جو کام کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے (72) اور جن

كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ

لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (اے مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں

فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿73﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد مچے گا (73)[10] اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی

[1] یعنی ایمان و اسلام لانے کی نیت اور اسے قبول کرنے کا جذبہ۔ [2] یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمھیں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کے بعد عطا فرما دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو ان قیدیوں میں تھے، مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اللہ نے انھیں دنیوی مال و دولت سے بھی خوب نوازا۔ [3] یعنی زبان سے تو اظہار اسلام کر دیں لیکن مقصد دھوکا دینا ہو تو اس سے قبل انھوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے کیا حاصل کیا؟ یہی کہ وہ مسلمانوں کے قیدی بن گئے، اس لیے آئندہ بھی اگر وہ شرک کے راستے پر قائم رہے تو اس سے مزید ذلت و رسوائی کے سوا انھیں کچھ اور حاصل نہیں ہوگا۔ [4] یہ صحابہ اولین مہاجرین کہلاتے ہیں جو فضیلت میں صحابہ میں اول نمبر پر ہیں۔ [5] یہ انصار کہلاتے ہیں۔ یہ فضیلت میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ [6] یعنی ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرما دیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی قرار پائے۔ (بعد میں وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا) [7] یہ صحابہ کی تیسری قسم ہے جو مہاجرین و انصار کے علاوہ ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے ہی علاقوں اور قبیلوں میں مقیم رہے، اس لیے فرمایا کہ تمھاری حمایت یا وراثت کے وہ مستحق نہیں۔ [8] مشرکین کے خلاف اگر ان کو تمھاری مدد کی ضرورت پیش آ جائے تو پھر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ [9] ہاں، اگر وہ تم سے ایسی قوم کے خلاف مدد کے خواہش مند ہوں کہ تمھارے اور ان کے درمیان صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے تو پھر ان مسلمانوں کی حمایت کے مقابلے میں، معاہدے کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔ [10] یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حامی ہیں، اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدم موالات نہ کی تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اور وہ یہ کہ مومن اور کافر کے باہمی اختلاط اور محبت و موالات سے دین کے معاملے میں اشتباہ اور مداہنت پیدا ہوگی۔ بعض نے ﴿ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ﴾ سے وارث ہونا مراد لیا ہے، یعنی کافر ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہے جیسا کہ احادیث میں اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تم وراثت میں کفر و ایمان کو نظر انداز کر کے محض قرابت کو سامنے رکھو گے تو اس سے بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہوگا۔

Marfat.com

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿74﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے ﴿74﴾ [1] اور جو لوگ بعد میں ایمان

مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ

لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ (مل کر) جہاد کیا تو وہ بھی تمھی میں سے ہیں [2]

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں [3]

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿75﴾

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿75﴾

اٰيَاتُهَا: 129 | سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 16

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ

(اے مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے عہد کر رکھا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿1﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا

سے ان سے (اعلان) براءت ہے ﴿1﴾ [4] چنانچہ (اے مشرکو!) تم زمین میں چار ماہ چل پھر

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿2﴾

لو [5] اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ﴿2﴾ [6]

[1] یہ مہاجرین وانصار کے انھی دو گروہوں کا تذکرہ ہے جو پہلے بھی گزرا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر ان کی فضیلت کے سلسلے میں ہے جبکہ پہلے ان کا ذکر آپس میں ایک دوسرے کی حمایت ونصرت کا وجوب بیان کرنے کے لیے تھا۔ [2] یہ ایک چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو فضیلت میں پہلے دو گروہوں کے بعد اور تیسرے گروہ سے، جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی، پہلے ہے۔ [3] اخوت یا حلف کی بنیاد پر وراثت میں جو حصہ دار بنتے تھے، اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اب وارث صرف وہی ہوں گے جو نسبی اور سسرالی رشتوں میں منسلک ہوں گے۔ اللہ کی کتاب یا اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اصل حکم یہی تھا۔ لیکن اخوت کی بنیاد پر صرف عارضی طور پر ایک دوسرے کا وارث بنا دیا گیا تھا، جو اب ضرورت ختم ہونے پر غیر ضروری ہو گیا اور اصل حکم نافذ کر دیا گیا۔ ❁ وجہ تسمیہ: مفسرین نے اس کے متعدد نام ذکر کیے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ ایک توبہ، اس لیے کہ اس میں بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا نام براءت ہے، اس لیے کہ اس میں مشرکین سے براءت کا اعلان عام ہے۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ درج نہیں ہے۔ اس کی بھی متعدد وجوہات کتب تفسیر میں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ ان دونوں کے مضامین میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ سورت گویا سورۂ انفال کا تتمہ یا بقیہ ہے۔ غالباً اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں کروائی اور آپ کی متابعت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس میں بسم اللہ تحریر نہیں کی۔ یہ سات بڑی سورتوں میں ساتویں بڑی سورت ہے جنھیں سبع طوال کہا جاتا ہے۔ [4] فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کی یہ آیات اور یہ احکام دے کر بھیجا تا کہ وہ مکے میں ان کا عام اعلان کر دیں۔ انھوں نے آپ کے فرمان کے مطابق اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا عریاں طواف نہیں کرے گا بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی ہی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحيح البخاري، حديث: 369، وصحيح مسلم، حديث: 1347) [5] یہ اعلان براءت ان مشرکین کے لیے تھا جن سے غیر مؤقت معاہدہ تھا یا چار مہینے سے کم کا تھا یا جن سے چار مہینے سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ ان سب کو 4 مہینے مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انھیں یہاں رہنے کی اجازت ہوگی، بصورت دیگر ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ 4 مہینے کے بعد ہمارے ملک سے نکل جائیں، اگر دونوں صورتوں میں سے وہ کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا تا کہ جزیرۂ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے۔ [6] یعنی یہ مہلت اس لیے نہیں دی جا رہی ہے کہ فی الحال تمھارے خلاف کارروائی ممکن نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد صرف تمھاری بھلائی اور خیر خواہی ہے تا کہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہے، وہ مسلمان ہو جائے ورنہ یاد رکھو کہ تمھاری بابت اللہ کی جو تقدیر و مشیت ہے، اسے تم ٹال نہیں سکتے اور اللہ کی طرف سے مسلط ذلت و رسوائی سے تم بچ نہیں سکتے۔

Marfat.com

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ

اور حج اکبر کے دن[1] اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ

بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بریٔ الذمہ ہیں، لہٰذا (اے مشرکو!) اگر تم توبہ

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

کرلو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (حق سے) منہ موڑے رکھا تو جان لو

غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور (اے نبی!) آپ ان کافروں کو درد ناک

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ 3 اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ

عذاب کی خبر سنا دیں ③ لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ہے، پھر انھوں

يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ

نے تمھارے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان سے

عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ 4 فَاِذَا

(مقررہ) مدت تک ان کا عہد پورا کرو[2] بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ④ پھر جب

انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

حرمت والے مہینے[3] گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کردو[4] اور انھیں پکڑ لو[5]

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ

اور ان کا محاصرہ کرلو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو[6] پھر اگر وہ توبہ کر

مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَــلُّوْا

لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو[7] بے شک اللہ بہت بخشنے

سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ 5 وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑤ اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ

[1] صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر (10 ذوالحجہ) کا دن ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4657، و صحيح مسلم، حديث: 1347، و جامع الترمذي، حديث: 957) اسی دن منیٰ میں اعلان براءت سنایا گیا۔ 10 ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اسی لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے جاتے ہیں۔ عمرہ چونکہ حج اصغر ہے، اس لیے اس سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جمعہ والے دن آئے، وہ حج اکبر ہوتا ہے، یہ بے اصل بات ہے۔ [2] یہ مشرکین کی چوتھی قسم ہے۔ ان سے جتنی مدت کا معاہدہ تھا، اس مدت تک انھیں رہنے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ انھوں نے معاہدے کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔ [3] ان حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی چار مہینے ہیں جو حرمت والے ہیں، یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور اعلان براءت 10 ذوالحجہ کو کیا گیا۔ اس اعتبار سے گویا اعلان کے بعد 50 دن کی مہلت انھیں دی گئی کیونکہ حرمت والے مہینوں کے گزرنے کے بعد مشرکین کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں أَشْهُرِ حُرُم سے مراد وہ حرمت والے مہینے نہیں ہیں بلکہ 10 ذوالحجہ سے لے کر 10 ربیع الثانی تک کے 4 مہینے مراد ہیں۔ انھیں أَشْهُرِ حُرُم اس لیے کہا گیا ہے کہ اعلان براءت کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں تھی۔ اعلان براءت کی رو سے یہ تفسیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔ [4] بعض مفسرین نے اس حکم کو عام رکھا ہے، یعنی حِلّ یا حَرَم میں، جہاں بھی پاؤ، قتل کرو۔ اور بعض مفسرین نے آیت: ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ (البقرة 191:2) ''مسجد حرام کے پاس ان سے مت لڑو یہاں تک کہ وہ خود تم سے لڑیں، اگر وہ لڑیں تو پھر تمھیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔'' سے اس آیت کی تخصیص کی ہے اور صرف حدود حَرَم سے باہر حِلّ میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر) [5] یعنی انھیں قیدی بنالو یا قتل کردو۔ [6] یعنی اس بات پر اکتفا نہ کرو کہ وہ تمھیں کہیں ملیں تو تم کارروائی کرو بلکہ جہاں جہاں ان کے حصار، قلعے اور پناہ گاہیں ہیں، ان کا محاصرہ کرلو اور ہر جگہ ان کی گھات میں رہو حتیٰ کہ تمھاری اجازت کے بغیر ان کے لیے نقل و حرکت ممکن نہ رہے۔ [7] یعنی کوئی کارروائی ان کے خلاف نہ کی جائے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ گویا قبول اسلام کے بعد اقامت صلاۃ اور ادائے زکاۃ کا اہتمام ضروری ہے اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ترک کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ
مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۠ ﴿6﴾ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ
دیں[1] اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے ﴿6﴾ [2] بھلا مشرکوں کے لیے اللہ اور
عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیونکر ہو سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا
کے قریب عہد لیا تھا،[3] پھر (جب تک) وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ
لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿7﴾ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا
سیدھے رہو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ﴿7﴾ [4] کس طرح (مشرکوں سے عہد رہ سکتا ہے؟)
عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ
جبکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا لیں تو وہ تمھارے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کریں گے
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ
نہ کسی عہد کا۔[5] وہ اپنے مونھوں (زبانوں) سے تمھیں خوش کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں
فٰسِقُوْنَ ﴿8﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا
اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ﴿8﴾ انھوں نے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت میں بیچا، پھر
عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿9﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ
(لوگوں کو) اس کے راستے سے روکا، بے شک برا ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿9﴾ وہ کسی مومن کے
فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿10﴾
معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ کسی عہد کا، اور وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں ﴿10﴾ [6]
فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ
پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں[7] اور

نے مانعین زکاۃ کے خلاف، اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کیا۔ اور فرمایا: «وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ» (صحيح البخاري، حديث: 1400، وصحيح مسلم، حديث: 20) ''اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کریں گے۔'' یعنی نماز تو پڑھیں لیکن زکاۃ ادا کرنے سے گریز کریں۔

[1] اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو، یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو تاکہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے اور تاکہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی امان کی پاسداری آخر تک کرنی ہے جب تک وہ اپنے مستقر تک بخیریت واپس نہیں پہنچ جاتا، اس کی جان کی حفاظت تمھاری ذمہ داری ہے۔ [2] یعنی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ ممکن ہے اللہ اور رسول کی باتیں ان کے علم میں آئیں اور وہ مسلمانوں کا اخلاق و کردار دیکھیں تو اسلام کی حقانیت و صداقت کے وہ قائل ہو جائیں۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے کافر مدینہ آتے جاتے رہے تو انھیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے مشاہدے سے اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ [3] یہ استفہام نفی کے لیے ہے، یعنی جن مشرکین سے تمھارا معاہدہ ہے، ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔ [4] یعنی عہد کی پاسداری، اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ امر ہے، اس لیے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔ [5] كَيْفَ پھر بطور تاکید، نفی کے لیے ہے۔ اِلًّا کے معنی قرابت (رشتہ داری) اور ذِمَّةً کے معنی عہد کے ہیں، یعنی ان مشرکین کی زبانی باتوں کا کیا اعتبار جبکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر یہ تم پر غالب آ جائیں تو کسی قرابت اور عہد کا پاس نہیں کریں گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کیف مشرکین کے لیے ہے اور دوسرے سے یہودی مراد ہیں کیونکہ ان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ اور یہ وتیرہ یہودیوں ہی کا رہا ہے۔ [6] بار بار وضاحت سے مقصود مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔ [7] نماز، توحید و رسالت کے اقرار کے بعد اسلام کا سب سے اہم رکن ہے جو اللہ کا حق ہے، اس میں اللہ کی عبادت کے مختلف پہلو ہیں۔ اس میں دست بستہ قیام ہے، رکوع و سجود ہے، دعا و مناجات ہے، اللہ کی عظمت و جلالت کا اور اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار ہے۔ عبادت کی یہ ساری صورتیں اور قسمیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ نماز کے بعد دوسرا اہم فریضہ زکاۃ ہے، جس میں عبادتی پہلو کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی شامل

Marfat.com

فِي الدِّيۡنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿11﴾ وَ اِنۡ نَّكَثُوۡۤا

ہم (اپنی) نشانیاں ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ⑪ اور اگر

اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَ طَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ

وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمھارے دین میں طعن کریں تو کفر کے

فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ

(ان) سرداروں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسموں[1] کا کوئی اعتبار نہیں، شاید کہ وہ

يَنۡتَهُوۡنَ ﴿12﴾ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَ هَمُّوۡا

باز آئیں ⑫ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے[2] جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول

بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ

کو (مکہ سے) نکالنے کا ارادہ کیا[3] اور انھوں نے ہی پہلے پہل تم سے لڑائی شروع کی؟[4] کیا

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿13﴾

تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو ⑬

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَ يُخۡزِهِمۡ وَ يَنۡصُرۡكُمۡ

ان سے (خوب) لڑائی کرو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان

عَلَيۡهِمۡ وَ يَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿14﴾ وَ يُذۡهِبۡ

کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا (ٹھنڈک) بخشے گا ⑭ اور وہ ان کے

غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ

دلوں کا غصہ دور کرے گا[5] اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب

حَكِيۡمٌ ﴿15﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَ لَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ

حکمت والا ہے ⑮ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمھیں (یونہی) چھوڑ دیا جائے گا؟[6] جبکہ ابھی

ہیں۔ زکاۃ سے معاشرے کے اور اس کے قبیلے کے ضرورت مند، مفلس و نادار اور معذور ومحتاج لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی شہادت کے بعد ان ہی دو چیزوں کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 25، وصحیح مسلم، حدیث: 22) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: «وَمَنْ لَّمْ يُزَكِّ فَلَا صَلَاةَ لَهُ» (جامع العلوم والحکم: 150/1) ''جس نے زکاۃ نہیں دی، اس کی نماز بھی نہیں۔''

[1] اَيْمَانٌ يَمِين کی جمع ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔ اَئِمَّةٌ امام کی جمع ہے۔ مراد پیشوا اور لیڈر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں اور دین میں طعن کریں تو ظاہری طور پر یہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کفر کے ان پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ ممکن ہے اس طرح اپنے کفر سے یہ باز آجائیں۔ اس سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ ذمی (اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم) اگر نقض عہد نہیں کرتا، البتہ دین اسلام میں طعن کرتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن نے ان سے قتال کے لیے دو چیزیں ذکر کی ہیں، اس لیے جب تک دونوں چیزوں کا صدور نہیں ہوگا، وہ قتل کا مستحق نہیں ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء طعن فی الدین کو بھی نقض عہد قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک اس میں دونوں ہی چیزیں آجاتی ہیں، لہٰذا اس ذمی کا قتل جائز ہے، اسی طرح نقض عہد کی صورت میں بھی قتل جائز ہے۔ (فتح القدیر) [2] اَلَا حرف تحضیض ہے، جس سے رغبت دلائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے۔ [3] اس سے مراد دارالندوہ کی وہ مشاورت ہے جس میں رؤسائے مکہ نے نبی ﷺ کے جلاوطن کرنے، قید کرنے یا قتل کرنے کی تجویزوں پر غور کیا۔ [4] اس سے مراد یا تو بدر کی جنگ میں مشرکین مکہ کا رویہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے گئے لیکن اس کے باوجود کہ انھوں نے دیکھ لیا کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے چھیڑ خانی کرتے اور لڑنے کی تیاری کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بالآخر جنگ ہو کر رہی۔ یا اس سے مراد قبیلۂ بنی بکر کی وہ امداد ہے جو قریش نے ان کے لیے کی جبکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف قبیلے خزاعہ پر چڑھائی کی تھی، درآں حالیکہ قریش کی یہ امداد معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ [5] یعنی جب مسلمان کمزور تھے تو یہ مشرکین ان پر ظلم وستم کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے بڑے دکھی اور مجروح تھے۔ جب تمھارے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے اور ذلت ورسوائی ان کے حصے میں آئے گی تو فطری بات ہے کہ اس سے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے اور دلوں کا غصہ فرو ہوگا۔ [6] یعنی بغیر امتحان اور آزمائش کے۔

Marfat.com

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ
اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنھوں نے جہاد کیا[1] اور اللہ اور اس کے رسول اور
وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿16﴾
مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا[2] اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ ان کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿16﴾[3]
مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى
مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی
اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ
گواہی دے رہے ہوں[4] انھی لوگوں کے (سب) اعمال برباد ہو گئے اور وہ ہمیشہ
خٰلِدُوْنَ ﴿17﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
دوزخ میں رہیں گے ﴿17﴾[5] اللہ کی مسجدیں تو صرف وہ آباد کرتا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر
الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ
ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکاۃ دی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرا، لہٰذا امید ہے
فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿18﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ
کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے ﴿18﴾[6] کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد
الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
حرام کو آباد کرنا اس شخص کے (اعمال کے) مانند قرار دے رکھا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر
الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے[7] اور اللہ

[1] گویا جہاد کے ذریعے سے امتحان لیا گیا۔ [2] وَلِيْجَةً گہرے اور دلی دوست کو کہتے ہیں مسلمانوں کو چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا، لہٰذا یہ بھی آزمائش کا ایک ذریعہ تھا، جس سے مخلص مومنوں کو دوسروں سے ممتاز کیا گیا۔ [3] مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے ہی ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن جہاد کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلص اور غیر مخلص، فرماں بردار اور نافرمان بندے نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جنھیں ہر شخص دیکھ اور پہچان لیتا ہے۔ [4] مَسٰجِدَ اللّٰهِ سے مراد مسجد حرام ہے۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ و مرکز ہے یا عربوں میں واحد کے لیے بھی جمع کا استعمال جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر و شرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کرتے ہیں، جیسے مشرک تلبیہ میں کہا کرتے تھے: «لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ...... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ» (صحيح مسلم، حديث: 1185) یا اس سے مراد وہ اعتراف ہے جو ہر مذہب والا کرتا ہے کہ میں یہودی، نصرانی، صابی یا مشرک ہوں۔ (فتح القدير) [5] یعنی ان کے وہ عمل جو بظاہر نیک لگتے ہیں، جیسے طواف و عمرہ اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ کیونکہ ایمان کے بغیر یہ اعمال ایسے درخت کی طرح ہیں جو بے ثمر ہے یا ان پھولوں کی طرح ہیں جن میں خوشبو نہیں ہے۔ [6] جس طرح حدیث میں بھی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ» (جامع الترمذي، حديث: 3093) ''جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں پابندی سے آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔'' یہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم صحیح احادیث میں بھی یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نماز، زکاۃ اور خشیت الٰہی ہے۔ جس سے نماز، زکاۃ اور تقویٰ کی اہمیت واضح ہے۔ [7] مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے، اس پر انھیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم سقایت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو! اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں، چاہے وہ صورتاً خیر ہی ہو جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے جملے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایات میں اس کا سبب نزول مسلمانوں کی آپس میں ایک گفتگو کو بتلایا گیا ہے کہ ایک روز منبر نبوی کے قریب کچھ مسلمان جمع تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ مسجد حرام کو آباد کرنا ہے۔ تیسرے نے کہا بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام عملوں سے بہتر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں اس طرح باہم تکرار کرتے ہوئے سنا تو انھیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول کے پاس آوازیں اونچی مت کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راویِ حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی اس گفتگو کی بابت استفسار کیا، جس

Marfat.com

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿19﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿19﴾ [1] وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً

کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں (وہ) سب سے

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿20﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

بڑھ کر ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں ﴿20﴾ ان کا رب انھیں اپنی طرف سے رحمت اور

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ

رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں

مُّقِيْمٌ ﴿21﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ

ہوں گی ﴿21﴾ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر

عَظِيْمٌ ﴿22﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ

ہے ﴿22﴾ [2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمھارے باپ اور بھائی ایمان

وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ

پر کفر کو پسند کریں تو تم (ہرگز) انھیں دوست نہ بناؤ۔ اور تم میں سے جو

يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾ قُلْ اِنْ

ان کو دوست بنائیں گے، تو وہی لوگ ظالم ہیں ﴿23﴾ [3] (اے نبی!) کہہ دیں:

كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو

وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ

اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا

بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿24﴾ لَقَدْ

حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿24﴾ [4] یقیناً اللہ نے

ع 3/8 9

پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1879) جس میں گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ سب سے زیادہ اہمیت وفضیلت والے عمل ہیں۔ گفتگو کے حوالے سے اصل اہمیت وفضیلت تو جہاد کی بیان کرنی تھی لیکن ایمان باللہ کے بغیر چونکہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اس لیے پہلے اسے بیان کیا گیا۔ بہرحال اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر سے بڑھ کر عمل ہے۔ دوسرا، یہ معلوم ہوا کہ اس کا سبب نزول مشرکین کے مزعومات فاسدہ کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی اپنے اپنے طور پر بعض عملوں کو بعض پر زیادہ اہمیت دینا تھا جبکہ یہ کام شارع کا ہے نہ کہ مومنوں کا۔ مومنوں کا کام تو ہر اس بات پر عمل کرنا ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے انھیں بتلائی جائے۔

[1] یعنی یہ لوگ چاہے کیسے بھی دعوے کریں، حقیقت میں ظالم ہیں، یعنی مشرک ہیں، اس لیے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم کی وجہ سے یہ ہدایت الٰہی سے محروم ہیں، اس لیے ان کا اور مسلمانوں کا، جو ہدایت الٰہی سے بہرہ ور ہیں، آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ [2] ان آیات میں ان اہل ایمان کی فضیلت بیان کی گئی جنھوں نے ہجرت کی اور اپنی جان مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ فرمایا: اللہ کے ہاں انھی کا درجہ سب سے بلند ہے اور یہی کامیاب ہیں، یہی اللہ کی رحمت و رضامندی اور دائمی نعمتوں کے مستحق ہیں نہ کہ وہ جو خود اپنے منہ میاں مٹھو بنتے اور اپنے آبائی طور طریقوں کو ہی ایمان باللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے ہیں۔ [3] یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ آل عمران، آیت: 28-118 و سورۂ مائدہ، آیت: 51 اور سورۂ مجادلہ، آیت: 22) یہاں جہاد وہجرت کے موضوع کے ضمن میں بھی چونکہ اس کی اہمیت واضح ہے، اس لیے اسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، یعنی جہاد وہجرت میں تمھارے لیے تمھارے باپوں اور بھائیوں وغیرہ کی محبت آڑے نہ آئے کیونکہ اگر وہ ابھی تک کافر ہیں تو پھر وہ تمھارے دوست ہو ہی نہیں سکتے بلکہ وہ تو تمھارے دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے محبت کا تعلق رکھو گے تو یاد رکھو تم ظالم قرار پاؤ گے۔ [4] اس آیت میں بھی سابقہ مضمون کو بڑے مؤکد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿عَشِيْرَتُكُمْ﴾ اسم جمع ہے، وہ قریب ترین رشتے دار جن کے ساتھ آدمی زندگی کے شب وروز گزارتا ہے، یعنی کنبہ، قبیلہ۔ ﴿اقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾ کسب (کمائی) کے معنی کے لیے آتا ہے۔ ﴿تِجَارَةٌ﴾ سودے کی خرید وفروخت کو کہتے ہیں جس سے

Marfat.com

نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی،

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (25) ثُمَّ اَنْزَلَ

اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے (25) پھر اللہ نے

اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا

اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں

لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ (26)

تم نے نہیں دیکھا اور جن لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے (26) پھر

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا مہربانی فرمائے گا[1] اور اللہ بہت بخشنے والا،

مقصد نفع کا حصول ہو۔ كَسَادَ مندے کو کہتے ہیں، یعنی سامان فروخت موجود ہو لیکن خریدار نہ ہوں یا اس چیز کا وقت گزر چکا ہو جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے۔ دونوں صورتیں مندے کی ہیں۔ مَسٰكِنُ سے مراد وہ گھر ہیں جنھیں انسان موسم کے شدائد و حوادث سے بچنے، آبرومندانہ طریقے سے رہنے سہنے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کرتا ہے، یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اور ان کی اہمیت و افادیت بھی ناگزیر اور قلوب انسانی میں ان سب کی محبت بھی طبعی ہے (جو مذموم نہیں) لیکن اگر ان کی محبت اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مانع ہو جائے تو یہ بات اللہ کو سخت ناپسندیدہ اور اس کی ناراضی کا باعث ہے اور یہ وہ فسق (نافرمانی) ہے جس سے انسان اللہ کی ہدایت سے محروم ہو سکتا ہے جس طرح کہ آخری الفاظ تہدید سے واضح ہے۔ احادیث میں نبی ﷺ نے بھی اس مضمون کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، مثلاً: ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے آپ، اپنے نفس کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تک میں تمھارے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس وقت تک تم مومن نہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اے عمر! اب (بات بن گئی)۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6632) ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں، جب تک میں اس کو اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 14، وصحيح مسلم، حديث: 44) ایک اور حدیث میں جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”جب تم بَيْع عِينَه (کسی کو مدت معینہ کے لیے چیز ادھار دے کر پھر اس سے نقد کم قیمت پر خرید لینا) اختیار کر لو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی و قانع ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط فرما دے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے جب تک اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے۔“ (سنن أبي داود، حديث: 3462، ومسند أحمد: 42/2)

[1] حُنَيْن: مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں ہوازن اور ثقیف رہتے تھے، یہ دونوں قبیلے تیر اندازی میں مشہور تھے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے جس کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہوا تو آپ 12 ہزار کا لشکر لے کر ان قبیلوں سے جنگ کے لیے حنین تشریف لے گئے، یہ فتح مکہ کے 19,18 دن بعد شوال کا واقعہ ہے۔ مذکورہ قبیلوں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور مختلف کمین گاہوں میں تیر اندازوں کو مقرر کر دیا تھا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ عجب پیدا ہو گیا کہ آج کم از کم قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوں گے، یعنی اللہ کی مدد کی بجائے اپنی کثرت تعداد پر اعتماد زیادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عجب اور یہ کلمہ پسند نہیں آیا۔ نتیجتاً جب ہوازن کے تیر اندازوں نے مختلف کمین گاہوں سے مسلمانوں کے لشکر پر یک بارگی تیر اندازی کی تو اس غیر متوقع اور اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان میں صرف رسول اللہ ﷺ اور سو کے قریب مسلمان رہ گئے۔ آپ مسلمانوں کو پکار رہے تھے: ”اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔“ کبھی یہ رجزیہ کلمہ پڑھتے: « أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ » پھر آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (جو نہایت بلند آواز تھے) حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے آوازیں دیں، چنانچہ ان کی ندا سن کر مسلمان سخت پشیمان ہوئے اور دوبارہ میدان میں آ گئے اور پھر اس طرح جم کر لڑے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی بھی مدد پھر اس طرح حاصل ہوئی کہ ایک تو ان پر سکینت نازل فرمائی گئی جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا۔ دوسرا،

Marfat.com

وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿27﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا

نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿27﴾ اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی پلید[1]

الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ

لہٰذا وہ اپنے اس برس کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں[2] اور

بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ

اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے، تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے

يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ

فضل سے غنی کر دے گا۔[3] بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خوب

حَكِيۡمٌ ﴿28﴾ قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ

حکمت والا ہے ﴿28﴾ ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں

الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ

لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام

وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى

ٹھہرایا ہے، اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں، (ان

يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿29﴾ ع وَ قَالَتِ (ع 4 / 5 / 10)

سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ﴿29﴾ [4]اور یہودیوں

الۡيَهُوۡدُ عُزَيۡرُ ۨابۡنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الۡمَسِيۡحُ

نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہ

فرشتوں کا نزول ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے چھ ہزار کافروں کو قیدی بنایا (جنھیں بعد میں نبی ﷺ کی درخواست پر چھوڑ دیا گیا) اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ جنگ کے بعد ان کے بہت سے سردار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہاں 3 آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا مختصراً ذکر فرمایا ہے۔

[1] مشرک کے نجس (پلید، ناپاک) ہونے کا مطلب، عقائد و اعمال کے لحاظ سے ناپاک ہونا ہے بعض کے نزدیک مشرک ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہے کیونکہ وہ طہارت (صفائی و پاکیزگی) کا اس طرح اہتمام نہیں کرتا جس کا حکم شریعت نے دیا ہے۔ لیکن پہلی بات ہی درست ہے۔ [2] یہ وہی حکم ہے جو نو ہجری میں اعلان براءت کے ساتھ کیا گیا تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی ﷺ کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے، یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اپنے دور حکومت میں یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلے سے ممانعت کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ابن کثیر) [3] مشرکین کی ممانعت سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی ہے، یہ متاثر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مفلسی (کاروبار کی کمی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمھیں غنی کر دے گا، چنانچہ فتوحات کی وجہ سے کثرت سے مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا، پھر بتدریج سارا عرب بھی مسلمان ہو گیا اور حج کے موسم میں حاجیوں کی ریل پیل پھر اسی طرح ہو گئی جس طرح پہلے تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہو گئی اور جو مسلسل روز افزوں ہی ہے۔ [4] مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جا رہا ہے (اگر وہ اسلام قبول نہ کریں) یا پھر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔

الجِزۡيَة ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں۔ اس کے بدلے میں ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمے داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، ان کی بابت کہا گیا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان جب تک اللہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بتلایا ہے، اس وقت تک اس کا ایمان باللہ قابل اعتبار نہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ ان کے ایمان باللہ کو غیر معتبر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر و حضرت مسیح علیہما السلام کی ابنیت (بیٹا ہونے کا) اور الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے۔

Marfat.com

ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ
ان کے مونہوں کی بات ہے، یہ اس سے پہلے کے کافروں کی بات کی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (30)
ریس کرتے ہیں، اللہ انھیں ہلاک کرے یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (30)
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنا لیا[1] اور مسیح ابن مریم
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا
کو (بھی)، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت
وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (31)
کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں (31)
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى
وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ انکار
اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (32) هُوَ
کرتا ہے مگر یہ کہ اپنا نور پورا کرے، خواہ کافروں کو برا ہی لگے (32)[2] وہی
الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
(اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (33) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اسے سب دینوں پر غالب کرے[3]، خواہ مشرکین کو برا ہی لگے (33) اے ایمان والو!
اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ
بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ
وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں[4] اور جو لوگ سونا

[1] اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انھوں نے ان کو رب بنا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ لیکن یہ بات تو ہے نا کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انھوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا، اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔'' (صحيح سنن الترمذي للألباني: 247/3، حديث: 3095) کیونکہ حرام و حلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنھوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن و حدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. [2] یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، یہود و نصاریٰ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال و افترا سے اسے مٹا دیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھائے۔ پس جس طرح یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تمام دینوں پر غالب آ کر رہے گا جیسا کہ اگلے جملے میں اللہ نے فرمایا۔ کافر کے لغوی معنی ہیں: چھپانے والا۔ اسی لیے رات کو بھی ''کافر'' کہا جاتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اندھیرے میں چھپا لیتی ہے۔ کاشت کار کو بھی ''کافر'' کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ گویا کافر بھی اللہ کے نور کو چھپانا چاہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کفر و نفاق اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں کافر کہا جاتا ہے۔ [3] دلائل و براہین کے لحاظ سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے۔ تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انھیں دنیوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے دین کے عامل بن جائیں تو ان کا غلبہ یقینی ہے، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب و فاتح ہوگا۔ شرط یہی ہے کہ مسلمان واقعی حزب اللہ بن جائیں۔ [4] ◊ الْاَحْبَارِ: حبر کی جمع ہے۔ یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقے سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ خوبصورت اور منقش کپڑے کو ثوب محبر کہا جاتا ہے، مراد علمائے یہود ہیں۔ ◊ الرُّهْبَانِ: راهب کی جمع ہے جو رهبة سے مشتق ہے۔ اس سے مراد علمائے نصاریٰ ہیں، بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاریٰ ہیں۔ علماء کے لیے ان کے ہاں قِسِّيْسِيْنَ کا لفظ ہے۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے۔ دوسرا، اس طرح لوگوں سے مال اینٹھتے جو

Marfat.com

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا
اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے،
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿34﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى
تو آپ انھیں درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں ﴿34﴾ [1] جس دن وہ
عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ
مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں
وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا
کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ
اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے ﴿35﴾ بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے
اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
ہی ہے اللہ کی کتاب میں، جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین کو
وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۬ۙ
پیدا کیا، ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں، [2] یہی سیدھا
فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
دین ہے [3] چنانچہ تم ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو [4] اور تمام
كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
مشرکین سے لڑو جیسے وہ سارے تم سے لڑتے ہیں [5] اور جان لو کہ بے شک اللہ

ان کے لیے باطل اور حرام تھا۔ بدقسمتی سے علمائے مسلمین کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی ﷺ کی پیش گوئی کا مصداق ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» (صحيح البخاري، حديث: 7320) صحيح البخاري، کتاب الاعتصام میں نبی ﷺ کا یہ فرمان اس باب کے عنوان کے تحت ذکر ہے کہ ''تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔'' اور اسی باب میں یہ پوری حدیث بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زکاۃ کے حکم سے پہلے کا حکم ہے۔ زکاۃ کا حکم نازل ہونے کے بعد زکاۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی طہارت کا ذریعہ بنا دیا ہے، اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکاۃ ادا کر دی جائے، وہ کنز نہیں ہے اور جس مال سے زکاۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز (خزانہ) ہے جس پر یہ قرآنی وعید ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا، قیامت والے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا دیا جائے گا جس سے اس کے دونوں پہلوؤں کو، پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا۔ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک اس کا یہی حال رہے گا، اس کے بعد جنت یا جہنم میں اسے لے جایا جائے گا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 987) یہ بگڑے ہوئے علماء اور صوفیاء کے بعد بگڑے ہوئے اہل سرمایہ ہیں۔ تینوں طبقے عوام کے بگاڑ میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ ایک عربی شاعر نے کیا ٹھیک کہا ہے:

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ ۔۔۔ وَأَحْبَارُ سُوءٍ وَرُهْبَانُهَا

بادشاہ (حکمران)، علمائے سوء اور صوفیاء دین میں خرابی کے ذمے دار صرف یہ تین طبقے ہیں۔

[2] فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں، ان میں قتال و جدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4662، وصحيح مسلم، حديث: 1679) زمانہ اسی حالت پر آ گیا ہے کا مطلب، مشرکین عرب مہینوں میں جو تاخیر و تقدیم کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اس کا خاتمہ ہے۔ [3] یعنی ان مہینوں کا اسی ترتیب سے ہونا جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں اور یہی حساب صحیح اور ان کا عدد مکمل ہے اور اب یہ گھوم گھما کر اسی ترتیب پر آ گئے ہیں جو ابتدائے کائنات کے وقت تھی۔ [4] یعنی ان حرمت والے مہینوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔ [5] لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد، الا یہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں، پھر حرمت والے مہینوں میں بھی تمھارے لیے لڑنا جائز ہوگا۔

Marfat.com

الْمُتَّقِيْنَ ﴿36﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ
متقیوں کے ساتھ ہے ﴿36﴾ بلاشبہ (کسی مہینے کو) آگے پیچھے کردینا کفر میں زیادتی ہے[1] اس کی وجہ سے
بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا
کافر گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ ایک سال اسے حلال کرلیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام (خیال
لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ
کرتے ہیں) تاکہ ان (مہینوں) کی تعداد پوری کریں[2] جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں، پھر وہ حلال ٹھہرا
زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
لیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے۔ اور اللہ کافروں کو
الْكٰفِرِيْنَ ﴿37﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ
ہدایت نہیں دیتا ﴿37﴾ اے ایمان والو! تمھیں کیا ہوگیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ
انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ
میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے
فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿38﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا
مقابلے) میں بہت ہی حقیر ہے ﴿38﴾ اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب
اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰى
دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے[3]
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ
اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿39﴾ اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ
(اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ
يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ
وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ
اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا
ہمارے ساتھ ہے[4] پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم

[1] النَّسِیْٓءُ کے معنی، پیچھے کرنے کے ہیں۔ عربوں میں بھی حرمت والے مہینوں میں قتال وجدال اور لوٹ مار کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین مہینوں کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قتل و غارت سے اجتناب ان کے لیے بہت مشکل تھا، اس لیے اس کا حل انھوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے، اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہوگا، مثلاً: محرم کے مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے مہینوں میں وہ تقدیم وتاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے۔ اس کو نسیٔ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس ادل بدل سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں اور نبیٔ کریم ﷺ نے بھی اس کے خاتمے کا اعلان یہ کہہ کر فرما دیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آ گیا ہے، یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آ رہی ہے۔ [2] یعنی ایک مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں، ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے تھے لیکن اللہ نے قتال و جدال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا، اس کی انھیں کوئی پروا نہ تھی بلکہ انھی ظالمانہ کارروائیوں کے لیے ہی وہ ادل بدل کرتے تھے۔ [3] روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ شوال 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ سخت گرمی کا موسم تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ بعض مسلمانوں اور منافقین پر یہ حکم گراں گزرا جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انھیں زجر وتوبیخ کی گئی ہے۔ یہ غزوۂ تبوک کہلاتا ہے جس میں لڑائی ہوئی ہی نہیں، 20 روز مسلمان ملک شام کے قریب تبوک میں رہ کر واپس آ گئے۔ اس کو جیش العسرۃ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس لمبے سفر میں اس لشکر کو کافی دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اثَّاقَلْتُمْ یعنی سستی کرتے اور پیچھے رہنا چاہتے ہو۔ اس کا مظاہرہ بعض لوگوں کی طرف سے ہوا لیکن اس کو منسوب سب کی طرف کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

[4] جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ

نے نہیں دیکھا،[1] اور اس نے کافروں کی بات کو پست کردیا، اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے[2] اور اللہ بہت

الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿40﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا

زبردست ہے، خوب حکمت والا ہے ﴿40﴾ تم ہلکے (بھی) نکلو اور بوجھل (بھی)،[3] اور اپنے مال اور

وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ

اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا

ہے اگر تم علم رکھتے ہو ﴿41﴾ اگر مال (غنیمت)[4] قریب الحصول

وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ

اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے،[5] اور لیکن کٹھن منزل ان پر

الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

دور ہو گئی، اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ

ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں[6] اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر

لَكٰذِبُوْنَ ﴿42﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ع 6 5 12

جھوٹے ہیں ﴿42﴾ (اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان (منافقین) کو اجازت

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ

کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتے سچے لوگ اور آپ

الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

جھوٹوں کو جان لیتے ﴿43﴾ [7] (اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے

نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور انھوں نے اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا: ''غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' اس کی تفصیل حدیث میں یوں آتی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا» (صحيح البخاري، حديث: 4663) ''اے ابوبکر! تمھارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' یعنی اللہ کی مدد اور اس کی معیت جن کے شامل حال ہے۔

1 یہ مدد کی وہ دو صورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی گئی۔ ایک سکینت، دوسری فرشتوں کی تائید۔ 2 کافروں کے کلمے سے شرک اور کلمۃ اللہ سے توحید مراد ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ایک شخص بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے لڑتا ہے ایک قبائلی عصبیت وحمیت میں لڑتا ہے اور ایک ریاکاری کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، وہ فی سبیل اللہ ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 123، وصحيح مسلم، حديث: 1904) 3 اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر، خوشی سے یا ناخوشی سے، غریب ہو یا امیر، جوان ہو یا بوڑھا پیادہ ہو یا سوار، عیال دار ہو یا اہل وعیال کے بغیر، وہ پیش قدمی کرنے والوں میں سے ہو یا پیچھے لشکر میں شامل۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت کا حمل تمام معانی پر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ''تم کوچ کرو، چاہے نقل وحرکت تم پر بھاری ہو یا ہلکی۔'' اور اس مفہوم میں مذکورہ تمام مفاہیم آجاتے ہیں۔ 4 یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جنھوں نے عذر معذرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی، درآں حالیکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں تھا۔ ﴿عَرَضًا﴾ سے مراد ہے: جو دنیوی منافع سامنے آئیں، مطلب ہے، مال غنیمت۔ 5 یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد ہوتے۔ لیکن سفر کی دوری نے انھیں حیلے تراشنے پر مجبور کر دیا۔ 6 یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر کیونکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ 7 یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جا رہا ہے کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والوں کو تو نے کیوں یہ تحقیق کیے بغیر کہ اس کے پاس معقول عذر بھی ہے یا نہیں، اجازت دے دی؟ لیکن اس توبیخ میں بھی پیار کا پہلو غالب ہے، اس لیے اس کوتاہی پر معافی کی وضاحت پہلے کر دی گئی ہے۔ یاد رہے! یہ تنبیہ اس لیے کی گئی ہے کہ اجازت دینے میں عجلت کی گئی اور پورے طور پر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ورنہ تحقیق کے بعد ضرورت مندوں کو اجازت دینے کی آپ کو اجازت حاصل تھی جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ (النور 24:62) ''جب یہ لوگ تجھ سے اپنے بعض کاموں کی وجہ سے اجازت مانگیں تو جس

Marfat.com

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ
اجازت نہیں مانگتے[1] اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا
پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿44﴾ آپ سے اجازت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ
اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک
رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا
میں پڑے تردد کر رہے ہیں ﴿45﴾[2] اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور
لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ
تیار کرتے[3] لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس لیے اس نے انھیں ہلنے نہ دیا[4] اور (ان سے)
وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿46﴾ لَوْ خَرَجُوْا
کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ﴿46﴾[5] اگر وہ (منافق) تمھارے
فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ
ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں خرابی ہی میں زیادہ کرتے[6] اور تمھارے اندر فتنہ (کھڑا کرنے)
يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ
کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے[7] اور تم میں بعض ان کے جاسوس ہیں[8] اور اللہ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ
ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿47﴾ (اے نبی!) یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا
وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ
تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب

کو تو چاہے اجازت دے دے۔ ''جس کو تو چاہے'' کا مطلب یہ ہے جس کے پاس معقول عذر ہو، اسے اجازت دینے کا حق تجھے حاصل ہے۔

[1] یہ مخلص ایمان داروں کا کردار بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی تو عادت یہ ہے کہ وہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اور بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔ [2] یہ ان منافقین کا بیان ہے جنھوں نے جھوٹے حیلے تراش کر رسول کریم ﷺ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی عدم ایمان نے انھیں جہاد سے گریز پر آمادہ کیا ہے۔ اگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو نہ جہاد سے یہ بھاگتے نہ شکوک وشبہات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ اس جہاد میں شرکت کے معاملے میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں: پہلے وہ مسلمان جو بلا تامل تیار ہو گئے۔ دوسرے، وہ جنھیں ابتداءً تردد ہوا اور ان کے دل ڈولے لیکن پھر جلد ہی اس تردد سے نکل آئے۔ تیسرے، وہ جو ضعف اور بیماری یا سواری اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے فی الواقع جانے سے معذور تھے اور جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تھی۔ (ان کا ذکر آیت: 92,91 میں ہے) چوتھی قسم، وہ جو محض کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے اور جب نبی ﷺ واپس آئے تو انھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو توبہ اور سزا کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے علاوہ باقی منافقین اور ان کے جاسوس تھے۔ یہاں مسلمانوں کے پہلے گروہ اور منافقین کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کی باقی تین قسموں کا بیان آگے چل کر آئے گا۔ [3] یہ انھی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے جنھوں نے جھوٹ بول کر اجازت حاصل کی تھی کہ اگر وہ جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتے تو یقیناً اس کے لیے تیاری کرتے۔ [4] فَثَبَّطَهُمْ کے معنی ہیں، پیچھے رہنا ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا گیا، پس وہ سست ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ (أیسر التفاسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ان کی شرارتیں اور سازشیں تھیں، اس لیے اللہ کی تقدیری مشیت یہی تھی کہ وہ نہ جائیں۔ [5] یہ یا تو اسی مشیت الٰہی کی تعبیر ہے جو تقدیراً لکھی ہوئی تھی یا بطور ناراضی اور غضب کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے، تم عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کی صف میں شامل ہو کر ان کی طرح گھروں میں بیٹھ رہو۔ [6] یہ منافقین اگر اسلامی لشکر کے ساتھ شریک ہوتے تو یہ غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔ [7] إیضاعٌ کے معنی ہوتے ہیں، اپنی سواری کو تیزی سے دوڑانا۔ مطلب یہ ہے کہ چغل خوری وغیرہ کے ذریعے سے تمھارے اندر فتنہ برپا کرنے میں وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور فتنے سے مطلب اتحاد کو پارہ پارہ کر دینا اور ان کے مابین باہمی عداوت ونفرت پیدا کر دینا ہے۔ [8] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی جاسوسی کرنے والے کچھ لوگ مومنین کے ساتھ بھی لشکر میں موجود تھے جو منافقین کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔

Marfat.com

وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿48﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا

ٹھہرا،[1] جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے ﴿48﴾ [2] اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت

تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ

دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے میں تو پڑ چکے ہیں۔ اور بے شک جہنم یقیناً

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿49﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ

کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿49﴾ [3] (اے نبی!) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انھیں بری لگتی

مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ

ہے۔ اور اگر آپ پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے معاملے میں پہلے

وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿50﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا

ہی احتیاط برتی تھی۔ اور وہ خوش خوش لوٹ جاتے ہیں ﴿50﴾ [4] (اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو

مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

صرف وہی (مصیبت) پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی، وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ﴿51﴾ [5] (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں

الْحُسْنَيَيْنِ ۚ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ

میں سے بس ایک (فتح یا شہادت) کا انتظار کرتے ہو[6] اور ہم تمھارے حق میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ

بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا

تمھیں اپنے پاس سے عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں (عذاب دلوائے)،[7] چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک

مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿52﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ

ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں ﴿52﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی

يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿53﴾ وَمَا

سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا،[8] بے شک تم نافرمان لوگ ہو ﴿53﴾ اور ان کے

[1] اسی لیے اس نے گزشتہ اور آئندہ امور کی تمھیں اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ منافقین جو ساتھ نہیں گئے تو تمھارے حق میں اچھا ہی ہوا اگر یہ جاتے تو یہ یہ خرابیاں ان کی وجہ سے پیدا ہوتیں۔ [2] یعنی یہ منافقین تو جب سے آپ مدینہ میں آئے ہیں، آپ کے خلاف فتنے تلاش کرنے اور معاملات کو بگاڑنے میں سرگرم رہے ہیں حتیٰ کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و غلبہ عطا فرما دیا جو ان کے لیے بہت ہی ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ احد کے موقع پر بھی ان منافقین نے راستے سے ہی واپس ہو کر مشکلات پیدا کرنے کی اور اس کے بعد بھی ہر موقع پر بگاڑ کی کوششیں کرتے رہے حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا اور اکثر عرب مسلمان ہو گئے جس پر کف حسرت و افسوس مل رہے ہیں۔ [3] ''مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو مجھے بغیر اجازت رکنے پر سخت گناہ ہو گا۔ اس اعتبار سے فتنہ، گناہ کے معنی میں ہو گا، یعنی مجھے گناہ میں نہ ڈالیے، دوسرا مطلب فتنے کا ہلاکت ہے، یعنی مجھے ساتھ لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ کہا جاتا ہے کہ جُدّ بن قیس (منافق) نے کہا کہ مجھے ساتھ نہ لے جائیں، روم کی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے رخ پھیر لیا اور اجازت دے دی۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فتنے میں تو وہ گر چکے ہیں۔'' یعنی جہاد سے پیچھے رہنا اور اس سے گریز کرنا بجائے خود ایک فتنہ اور سخت گناہ کا کام ہے جس میں یہ ملوث ہی ہیں اور مرنے کے بعد جہنم انھیں گھیر لینے والی ہے جس سے فرار کا کوئی راستہ ان کے لیے نہیں ہو گا۔ [4] سیاق کلام کے اعتبار سے ﴿ حَسَنَةٌ ﴾ سے یہاں کامیابی اور غنیمت اور ﴿ مُصِيْبَةٌ ﴾ سے ناکامی، شکست اور اسی قسم کے نقصانات جو جنگ میں متوقع ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ اس میں ان کے اس خبث باطنی کا اظہار ہے جو منافقین کے دلوں میں تھا، اس لیے کہ مصیبت پر خوش ہونا اور بھلائی حاصل ہونے پر رنج و تکلیف محسوس کرنا، غایت عداوت کی دلیل ہے۔ [5] یہ منافقین کے جواب میں مسلمانوں کے صبر و ثبات اور حوصلے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے مقدر کام ہر صورت میں ہونا ہے اور جو بھی مصیبت یا بھلائی ہمیں پہنچتی ہے، اسی تقدیر الٰہی کا حصہ ہے تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان اور اس کے حوصلے میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔ [6] یعنی کامیابی یا شہادت، ان دونوں میں سے جو چیز بھی ہمیں حاصل ہو، ہمارے لیے حسنہ (بھلائی) ہے۔ [7] یعنی ہم تمھارے بارے میں دو برائیوں میں سے ایک برائی کا انتظار کر رہے ہیں کہ یا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ تمھیں (قتل کرنے یا قیدی بننے وغیرہ قسم کی) سزائیں دے، وہ دونوں باتوں پر قادر ہے۔ [8] ﴿ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ﴾ یہ امر ہے اور یہاں یہ شرط اور جزا کے معنی میں ہے، یعنی اگر

Marfat.com

مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا
خرچ کیے ہوئے مال قبول کیے جانے میں صرف یہ (امر) مانع ہے کہ انھوں نے اللہ
بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى
کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور وہ نماز کے لیے سست ہو کر ہی
وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿54﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ
آتے ہیں اور وہ ناگواری ہی سے خرچ کرتے ہیں ﴿54﴾ [1] چنانچہ ان کے مال اور ان کی
اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں، [2] یقیناً اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں
بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿55﴾
دنیاوی زندگی ہی میں عذاب دے [3] اور ان کی جانیں حالت کفر ہی میں نکلیں ﴿55﴾ [4]
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ
اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں،
قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿56﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ
بلکہ وہ تو ڈرپوک لوگ ہیں ﴿56﴾ [5] اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ یا غاریں یا کوئی اور گھس بیٹھنے کی جگہ
مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿57﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
پائیں تو اس کی طرف رسیاں تڑا کر ضرور بھاگ نکلیں ﴿57﴾ [6] اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ پر
يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ
صدقات (کی تقسیم) میں عیب جوئی کرتے ہیں، [7] چنانچہ اگر انھیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو

خرچ کرو گے تو قبول نہیں کیا جائے گا یا یہ امر بمعنی خبر ہے، یعنی جو کچھ تم نے خوشی یا ناخوشی سے خرچ کیا ہے، وہ ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں برابر ہیں، خرچ کرو یا نہ کرو۔ اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تب بھی نامقبول ہے کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان شرط اول ہے اور وہ تمھارے اندر مفقود ہے اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال اللہ کے ہاں ویسے ہی مردود ہے، اس لیے کہ وہاں قصد صحیح موجود نہیں ہے جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (التوبة 9:80) ”آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔“ (دونوں باتیں برابر ہیں)

[1] اس میں ان کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں: ایک، ان کا کفر و فسق۔ دوسرا، کاہلی سے نماز پڑھنا، اس لیے کہ وہ اس پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ان کی سزا سے انھیں کوئی خوف ہے کیونکہ رجا اور خوف، یہ بھی ایمان کی علامت ہے جس سے یہ محروم ہیں اور تیسرا، کراہت سے خرچ کرنا۔ جس کام میں دل کی رضا نہ ہو، وہ قبول کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہرحال یہ تینوں وجوہات ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وجہ بھی عمل کی نامقبولیت کے لیے کافی ہے، چہ جائیکہ تینوں وجوہات جہاں جمع ہو جائیں تو اس عمل کے مردود بارگاہ الٰہی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ [2] اس لیے کہ یہ سب بطور آزمائش ہے جس طرح فرمایا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ڏ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ (طٰہٰ 20:131) ”اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تاکہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا۔“ اور فرمایا: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون 23:55، 56) ”کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں ہم جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔“ یعنی یہ آل اولاد اور مال و دولت بطور آزمائش ہیں نہ کہ فضل الٰہی کے طور پر۔ [3] امام ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری نے اس سے زکاۃ اور انفاق فی سبیل اللہ مراد لیا ہے، یعنی ان منافقین سے زکاۃ و صدقات تو (جو وہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے دیتے ہیں) دنیا میں قبول کر لیے جائیں تاکہ اس طریقے سے ان کو مالی مار بھی دنیا میں دی جائے۔ [4] ان کی موت کفر ہی کی حالت میں آئے گی، اس لیے کہ وہ اللہ کے پیغمبر کو صدق دل سے ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے کفر و نفاق پر ہی بدستور قائم و مصر ہیں۔ [5] اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھا کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم ہی میں سے ہیں۔ [6] یعنی نہایت تیزی سے دوڑ کر وہ ان پناہ گاہوں میں چلے جائیں، اس لیے کہ تم سے ان کا جتنا کچھ بھی تعلق ہے، وہ محبت و خلوص پر نہیں، عناد، نفرت اور کراہت پر ہے۔ [7] یہ ان کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو (نعوذ باللہ) صدقات و غنائم کی تقسیم میں غیر منصف باور کراتے، جس طرح ابن ذی الخویصرہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ تقسیم فرما رہے تھے کہ اس نے کہا: انصاف سے کام لیجیے! آپ نے فرمایا: ”افسوس ہے تجھ پر! اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا؟“ (صحيح البخاري،

Marfat.com

لَمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَآ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ﴿58﴾ وَلَوۡ

راضی رہتے ہیں اور اگر اس میں سے نہ دیا جائے تو وہ جھٹ ناراض ہوجاتے ہیں ﴿58﴾[1] اور (کیا ہی اچھا

اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا

ہوتا) اگر وہ اس پر راضی رہتے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے انھیں دیا۔ اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے

اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ

کافی ہے، جلد ہی اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی، بے شک ہم اللہ ہی کی طرف

رٰغِبُوۡنَ ﴿59﴾ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ

راغب ہیں ﴿59﴾ زکاۃ تو صرف فقیروں[2] اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی)

عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ

پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض

سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں[3] (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور

حدیث:3610، وصحیح مسلم، حدیث:1064)

[1] گویا اس الزام تراشی کا مقصد محض مالی مفادات کا حصول تھا کہ اس طرح ان سے ڈرتے ہوئے انھیں زیادہ حصہ دیا جائے یا وہ مستحق ہوں یا نہ ہوں، انھیں حصہ ضرور دیا جائے۔ [2] اس آیت میں اس طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے صدقات کے مستحق لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ صدقات سے مراد یہاں صدقات واجبہ، یعنی زکاۃ ہے۔ آیت کا آغاز ﴿ اِنَّمَا ﴾ سے کیا گیا ہے جو قصر کے صیغوں میں سے ہے اور الصدقات میں لام تعریف جنس کے لیے ہے، یعنی ان صدقات کی جنس ان آٹھ قسموں میں مقصور ہے جن کا ذکر آیت میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور پر صدقے کی رقم کا استعمال صحیح نہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ان آٹھوں مصارف پر تقسیم کرنا ضروری ہے یا ان میں سے جس مصرف یا مصارف پر امام یا زکاۃ ادا کرنے والا، مناسب سمجھے، حسب ضرورت خرچ کرسکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ پہلی رائے کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ وغیرہما دوسری رائے کے۔ اور یہ دوسری رائے ہی زیادہ صحیح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کی رو سے زکاۃ کی رقم آٹھوں مصارف پر خرچ کرنا ضروری ہے، یعنی اقتضائے ضرورت اور مصالح دیکھے بغیر رقم کے آٹھ حصے کرکے آٹھوں جگہ پر کچھ کچھ رقم خرچ کی جائے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق ضرورت اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے۔ جس مصرف پر رقم خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت یا مصالح کسی ایک مصرف پر خرچ کرنے کے مقتضی ہوں تو وہاں ضرورت اور مصالح کے لحاظ سے زکاۃ کی رقم خرچ کی جائے گی، چاہے دوسرے مصارف پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہ بچے۔ اس رائے میں جو معقولیت ہے، وہ پہلی رائے میں نہیں ہے۔ [3] ان مصارف ثمانیہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے: ① فقیر اور مسکین چونکہ قریب قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے، یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے، اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاصا اختلاف ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات وضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں، ان کو فقیر اور مسکین کہا جاتا ہے۔ ② مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مسکین وہ گھومنے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یا دو دو لقمے یا کھجور کے لیے گھر گھر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کردے، نہ اسے غریب اور فقیر سمجھا جاتا ہے کہ لوگ مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔“ (صحیح البخاري، حدیث:1479، و صحیح مسلم، حدیث:1039)) حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو قرار دیا گیا ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مسکین کی یہ تعریف بھی نقل کی گئی ہے کہ جو گداگر ہو، گھوم پھر کر اور لوگوں کے پیچھے پڑ کر مانگتا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ (ابن کثیر) ③ ﴿ الۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا ﴾ سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکاۃ وصدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب وکتاب پر مامور ہوں۔ ④ ﴿ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ﴾ ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہوجائے گا۔ دوسرے، وہ نو مسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیسرے، وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، چاہے مذکورہ افراد مال دار ہی ہوں۔ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہوگیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات وظروف کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکاۃ کی

Marfat.com

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ
اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے ⑥⓪ اور ان (منافقوں) میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کو تکلیف
وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ
دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ (تو صرف) کان ہے۔ (ہر ایک کی سن اور مان لیتا ہے) آپ کہہ دیجیے:
بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وہ تمھارے لیے خیر کا کان ہے[1] وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں (کی باتوں) پر یقین رکھتا ہے،
مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ
اور تم میں سے جو ایمان لائے ان کے لیے رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں
اَلِيْمٌ ﴿61﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ
ان کے لیے دردناک عذاب ہے ⑥① (اے مسلمانو!) وہ (منافقین) تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں
وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا
کھاتے ہیں، تاکہ تمھیں راضی رکھیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انھیں راضی
مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ
رکھیں اگر یہ لوگ مومن ہیں ⑥② کیا انھیں معلوم نہیں ہوا کہ بے شک جو شخص اللہ اور اس کے
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ
رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، یہ
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿63﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ
بہت بڑی رسوائی ہے ⑥③ منافقین (اس بات سے) ڈرتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی سورت
عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ
نازل کردی جائے جو انھیں (ہر بات) بتادے، جو ان (منافقوں) کے دلوں میں ہے۔ کہہ دیجیے:
اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿64﴾ وَلَئِنْ
تم مذاق کرتے رہو، بے شک اللہ وہ باتیں ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو ⑥④ اور البتہ
سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ
اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے
وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿65﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا
تھے۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے؟[2] ⑥⑤ (اب)

رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ ⑤ گردنیں آزاد کرانے میں۔ بعض علماء نے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیے ہیں، اور دیگر علماء نے مکاتب وغیر مکاتب ہر قسم کے غلام مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ⑥ ﴿الْغٰرِمِيْنَ﴾ سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل وعیال کے نان ونفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہو گئے اور ان کے پاس نقد رقم بھی نہیں ہے اور ایسا سامان بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کر سکیں۔ دوسرے، وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنھوں نے کسی کی ضمانت دی اور پھر وہ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے یا کسی کی فصل تباہ یا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا اور اس بنیاد پر وہ مقروض ہو گیا۔ ان سب افراد کی زکاۃ کی مد سے امداد کرنا جائز ہے۔ ⑦ ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے مراد جہاد ہے، یعنی جنگی سامان وضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک تبلیغ ودعوت بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد، جہاد کی طرح، اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ⑧ ﴿ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ سے مراد مسافر ہے، یعنی اگر کوئی مسافر سفر میں مستحق امداد ہو گیا ہے تو چاہے وہ اپنے گھر یا وطن میں صاحب حیثیت ہی ہو، اس کی امداد زکاۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے۔

[1] یہاں سے پھر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔ انھوں نے نبی ﷺ کے خلاف ایک ہرزہ سرائی یہ کی کہ یہ کان کا کچا (ہلکا) ہے، مطلب ہے کہ یہ ہر ایک کی بات سن لیتا ہے (یہ گویا آپ کے حلم وکرم اور عفو وصفح کی صفت سے ان کو دھوکہ ہوا) اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا پیغمبر شر وفساد کی کوئی بات نہیں سنتا جو بھی سنتا ہے، تمھارے لیے اس میں خیر اور بھلائی ہے۔ [2] منافقین آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے، مومنین کا استہزا کرتے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو، پھر رسول اللہ ﷺ کو ہو جاتی۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہنسی مذاق کے لیے کیا تمھارے سامنے اللہ، اس کی آیات اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے؟'' مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمھارا آپس میں ہنسی مذاق ہی ہوتا تو اس میں اللہ، اس کی آیات اور رسول کا ذکر درمیان میں کیوں آتا؟ یہ یقیناً تمھارے اس خبث اور نفاق کا اظہار ہے جو آیات الٰہی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمھارے دلوں میں موجود ہے۔

Marfat.com

قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے[1] اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو

نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿66﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ

معاف بھی کر دیں[2] تو دوسرے گروہ کو اس وجہ سے عذاب دیں گے کہ وہ مجرم تھے ﴿66﴾[3] منافق مرد

وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

اور منافق عورتیں ان کے بعض بعض سے ہیں (سب ایک جیسے ہیں)[4] وہ برے کام کا حکم دیتے

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

ہیں اور نیک کام سے روکتے ہیں اور (خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھ روک کے رکھتے ہیں[5] انھوں

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿67﴾ وَعَدَ اللّٰهُ

نے اللہ کو بھلا دیا تو اس نے بھی انھیں بھلا دیا[6] بے شک منافقین ہی نافرمان ہیں ﴿67﴾ اللہ نے منافق

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿68﴾

وہ (دوزخ) انھیں کافی ہے۔ اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ﴿68﴾

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا

(منافقو!) تم ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے[7] وہ قوت میں تم سے کہیں زبردست اور مال و

وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا

اولاد میں کہیں زیادہ تھے، چنانچہ وہ (دنیا میں) اپنا حصہ برت چکے، پس تم نے (بھی) اپنا حصہ برت لیا[8]

اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ

جس طرح ان لوگوں نے اپنا حصہ برت لیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور تم (بھی) فضول باتوں میں الجھے

خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

رہے جس طرح وہ فضول باتوں میں الجھے رہے[9] یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں

---

[1] یعنی تم جو ایمان لائے تھے اللہ اور رسول کے استہزا کے بعد اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے، تم کافر ہو گئے ہو۔ [2] اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جنھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انھوں نے توبہ کر لی اور مخلص مسلمان بن گئے۔ [3] یہ وہ لوگ ہیں جنھیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر و نفاق پر اڑے رہے۔ اسی لیے اس عذاب کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ وہ مجرم تھے۔ [4] منافقین جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو باور کراتے تھے کہ ''ہم تم ہی میں سے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ ایمان والوں سے ان کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں، یعنی کفر و نفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ آگے ان کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو مومنین کی صفات کے بالکل الٹ ہیں۔ [5] اس سے مراد بخل ہے، یعنی مومن کی صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور منافق کی اس کے برعکس بخل، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔ [6] یعنی اللہ بھی ان سے ایسا معاملہ کرے گا کہ گویا اس نے انھیں بھلا دیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (الجاثية 34:45) ''آج ہم تمھیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے۔'' مطلب یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو چھوڑے رکھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل و کرم سے محروم کر کے چھوڑے رکھے گا۔ نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی ترک و چھوڑ دینے کے ہوتا ہے جبکہ نسیان بمعنی بھولنے اور یاد نہ رہنے کے، اس سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ (فتح القدير) [7] یعنی تمھارا حال بھی اعمال اور انجام کے اعتبار سے امم ماضیہ کے کافروں جیسا ہی ہے۔ اب غائب کی بجائے منافقین سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ [8] خَلَاقٌ کا دوسرا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے، یعنی تمھاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ برت لو، جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ برتا اور پھر موت یا عذاب سے ہمکنار ہو گئے۔ [9] یعنی آیات الٰہی اور اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے یا دوسرا مفہوم ہے کہ دنیا کے اسباب اور لہو و لعب میں جس طرح وہ مگن رہے، تمھارا بھی یہی حال ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ ہیں، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرور متابعت کرو گے۔ بالشت بہ بالشت، ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی ضرور گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا: کیا اس سے آپ کی مراد اہل کتاب ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اور کون؟'' (صحيح البخاري، حديث: 7320 وصحيح مسلم، حديث: 2669) البتہ ہاتھ بہ ہاتھ کے الفاظ ان میں نہیں ہیں۔ یہ تفسیر طبری میں منقول ایک اثر میں ہیں۔

Marfat.com

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿69﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ

برباد ہو گئے اور یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿69﴾ [1] کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو

مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

ان سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین

وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

والے اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کی۔[2] ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

لے کر آئے۔[3] پھر اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿70﴾ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ

ظلم کرتے تھے ﴿70﴾ [4] مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔[5] وہ نیکی

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ

کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں[6] اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے

الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۘ

ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔[7] یہی لوگ ہیں جن پر

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾ وَعَدَ

اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿71﴾ اللہ نے

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی

[1] اُولٰٓئِكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات و عادات کے حامل ہیں، مُشَبَّهِين بھی اور مُشَبَّه بِهِمْ بھی، یعنی جس طرح وہ خاسر و نامراد رہے، تم بھی اسی طرح رہو گے، حالانکہ وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے تو تم، جو ان سے ہر لحاظ سے کم ہو، کس طرح اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہو۔ [2] یہاں ان چھ قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے۔ یہ بلاد عرب کے قریب ہے اور ان کی کچھ باتیں انھوں نے شاید آباء و اجداد سے سنی بھی ہوں۔ قوم نوح جو طوفان میں غرق کر دی گئی۔ قوم عاد جو قوت و طاقت میں ممتاز ہونے کے باوجود باد تند سے ہلاک کر دی گئی۔ قوم ثمود جسے آسمانی چیخ سے ہلاک کیا گیا۔ قوم ابراہیم جس کے بادشاہ نمرود بن کنعان بن کوش کو مچھر سے مروا دیا گیا۔ اصحاب مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) جنھیں چیخ، زلزلہ اور بادلوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا اور اہل مؤتفکات، اس سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستی کا نام ''سدوم'' تھا۔ ائتکاف کے معنی ہیں: انقلاب، الٹ پلٹ دینا۔ ان پر ایک تو آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ دوسرا، ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے پھینکا گیا جس سے پوری بستی اوپر نیچے ہو گئی۔ اس اعتبار سے انھیں اصحاب مؤتفکات کہا جاتا ہے۔ [3] ان سب قوموں کے پاس ان کے پیغمبر، جو ان ہی کی قوم کے ایک فرد ہوتے تھے، آئے لیکن انھوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی بلکہ تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا جس کا نتیجہ بالآخر عذاب الٰہی کی شکل میں نکلا۔ [4] یعنی یہ عذاب، ان کے ظلم پر استمرار اور دوام کا نتیجہ ہے، یوں ہی بلا وجہ عذاب الٰہی کا شکار نہیں ہوئے۔ [5] منافقین کی صفات مذمومہ کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت، وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون و غم خوار ہیں جس طرح حدیث میں ہے: «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» (صحيح البخاري، حديث:481، وصحيح مسلم، حديث:2585) ''مومن، مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔'' دوسری حدیث میں فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى» (صحيح البخاري، حديث:6011، وصحيح مسلم، حديث:2586) ''مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے، رحم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔'' [6] یہ اہل ایمان کی دوسری خاص صفت ہے۔ معروف وہ ہے جسے شریعت نے معروف (نیکی اور بھلائی) اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے منکر (برا) قرار دیا ہے، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا یا برا کہیں۔ [7] نماز، حقوق اللہ میں نمایاں ترین عبادت ہے اور زکاۃ، حقوق العباد کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ان دونوں کا بطور خاص تذکرہ کر کے فرمایا گیا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

Marfat.com

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

ہوں گی، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور سدا بہار باغوں میں پاکیزہ محلات کا[1] (وعدہ

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿72﴾ ع 9/6/15

ہے) اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑھ کر (نعمت) ہوگی[2] یہی عظیم کامیابی ہے ﴿72﴾

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے[3] اور ان پر سختی کیجیے[4] اور ان کا (اصل)

وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿73﴾ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بدترین جگہ ہے ﴿73﴾ وہ[5] (منافقین) اللہ کی

مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کوئی بات) نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے ضرور کلمۂ کفر کہا تھا اور

وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ

وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے[6] اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے[7] اور

وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ

انھوں نے غصہ نہیں نکالا، مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر

وَ اِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

دیا،[8] پھر اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں

[1] جو موتی اور یاقوت سے تیار کیے گئے ہوں گے۔ عَدْنٍ کے کئی معنی کیے گئے ہیں: ایک معنی ہیشگی کے ہیں۔ [2] حدیث میں بھی آتا ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں کے بعد اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی کی صورت میں ملے گی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 6549، وصحیح مسلم، حدیث: 2829) [3] اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ نبی ﷺ کے بعد اس کی مخاطب آپ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا جو حکم ہے، اس کی بابت اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہی ہے کہ اگر منافقین کا نفاق اور ان کی سازشیں بے نقاب ہو جائیں تو ان سے بھی اسی طرح جہاد کیا جائے جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ انھیں زبان سے وعظ و نصیحت کی جائے یا وہ اخلاقی جرائم کا ارتکاب کریں تو ان پر حدود نافذ کی جائیں۔ تیسری رائے یہ ہے کہ جہاد کا حکم کفار سے متعلق ہے اور سختی کرنے کا منافقین سے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آراء میں آپس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں، اس لیے کہ حالات و ظروف کے مطابق ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔ [4] غِلْظَةٌ رأفت کی ضد ہے، جس کے معنی نرمی اور شفقت کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے غلظت کے معنی سختی اور قوت سے دشمنوں کے خلاف اقدام ہے۔ محض زبان کی سختی مراد نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو نبیٔ کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہی کے خلاف ہے، اسے آپ اختیار کر سکتے تھے نہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کا حکم آپ کو مل سکتا تھا۔ [5] جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔ [6] مفسرین نے اس کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جنھیں بعض مسلمانوں نے سن لیا اور انھوں نے آ کر نبی ﷺ کو بتلایا لیکن آپ کے استفسار پر مکر گئے بلکہ حلف تک اٹھالیا کہ انھوں نے ایسی بات نہیں کی جس پر یہ آیت اتری۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔ [7] اس کی بابت بھی بعض واقعات نقل کیے گئے ہیں، مثلاً: تبوک سے واپسی پر منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک سازش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے کہ دس بارہ منافقین ایک گھاٹی میں آپ کے پیچھے لگ گئے جہاں رسول اللہ ﷺ باقی لشکر سے الگ تقریباً تنہا گزر رہے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ پر حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں گے، اس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے آپ کو دے دی گئی جس سے آپ نے بچاؤ کر لیا۔ [8] مسلمانوں کی ہجرت کے بعد مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہاں تجارت اور کاروبار کو بھی فروغ ملا اور اہل مدینہ کی معاشی حالت بہت اچھی ہوگئی۔ منافقین مدینہ کو بھی اس سے خوب فائدہ حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہی فرما رہا ہے کہ کیا ان کو اس بات کی ناراضی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے غنی بنا دیا ہے؟ یعنی یہ ناراضی اور غضب والی بات تو نہیں بلکہ ان کو تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے انھیں فقر و تنگ دستی سے نکال کر خوش حال بنا دیا۔ ملحوظہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اس لیے ہے کہ اس غنا اور تونگری کا ظاہری سبب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی بنی تھی ورنہ حقیقت میں غنی بنانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی تھا، اس لیے آیت میں من فضله واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا۔

Marfat.com

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴿74﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

دردناک عذاب دے گا اور ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہ ہوگا (74) اور ان میں سے

عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا کیا تو ہم ضرور صدقہ

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ

خیرات کریں گے اور ہم ضرور صالحین میں سے ہو جائیں گے (75) پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے

مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

انھیں عطا کیا تو انھوں نے اس میں بخل کیا اور انھوں نے (حق سے) منہ موڑ لیا، اور وہ (اپنے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿76﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى

عہد سے) منحرف ہوگئے (76)[1] پھر اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال کر انھیں اس دن تک کے لیے

يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا

سزا دی (جس دن) وہ اللہ سے ملیں گے، اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿77﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

ورزی کی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے (77) کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ان کے

سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿78﴾

بھیدوں اور ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ اور بے شک اللہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے (78)[2]

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي

جو لوگ عیب جوئی کرتے ہیں کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات

الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ

کی بابت اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا

مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿79﴾

مذاق اڑاتے ہیں[3] اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا[4] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (79) (اے

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے۔) اگر آپ ان کے لیے ستر بار (بھی)

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ

بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا[5] یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے

ع 10 16 لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿80﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ

ساتھ کفر کیا[6] اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (80)[7] جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول

---

[1] اس آیت کو بعض مفسرین نے ایک صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی منافقین کا ایک اور کردار بیان کیا گیا ہے۔ [2] اس میں ان منافقین کے لیے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے۔ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔ [3] اَلْمُطَّوِّعِيْنَ کے معنی ہیں، صدقات واجبہ کے علاوہ اپنی خوشی سے مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔ (جھد) کے معنی محنت و مشقت کے ہیں، یعنی وہ لوگ جو مال دار تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے تھوڑے سے مال میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنگ وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں سے چندے کی اپیل فرماتے تو مسلمان آپ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت اس میں حصہ لیتے۔ کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا، وہ زیادہ صدقہ دیتا جس کے پاس تھوڑا ہوتا، وہ تھوڑا دیتا۔ یہ منافقین دونوں قسم کے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے۔ زیادہ دینے والوں کی بابت کہتے کہ اس کا مقصد ریاکاری اور نمود و نمائش ہے اور تھوڑا دینے والوں کو کہتے کہ تیرے اس مال سے کیا بنے گا؟ یا اللہ تعالیٰ تیرے اس صدقے سے بے نیاز ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4668، وصحیح مسلم، حدیث: 1018) یوں وہ منافقین مسلمانوں کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے۔ [4] یعنی مومنین سے استہزا کا بدلہ انھیں اس طرح دیتا ہے کہ ان سے اپنی شان کے لائق استہزا کرتا ہے اور انھیں ذلیل و رسوا کرتا ہے یا یہ بددعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسی طرح استہزا کا معاملہ کرے جس طرح یہ مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے ہیں۔ (فتح القدیر) [5] ستر (70) کا عدد مبالغے اور تکثیر کے لیے ہے، یعنی تو کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کر لے، اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔ [6] یہ

Marfat.com

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے[1] اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ

سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿81﴾

نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے ﴿81﴾ [2] چنانچہ

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾

انھیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں[3] ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ﴿82﴾

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ

(اے نبی!) پھر اگر اللہ آپ کو واپس لے آئے ان (منافقین) میں سے کسی گروہ[4] کی طرف پھر وہ آپ

لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا

سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں[5] تو کہہ دیجیے: تم اب میرے ساتھ کبھی بھی (جہاد پر) نہیں نکلو

مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ

گے اور نہ کبھی میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے لڑو گے، یقیناً تم پہلی بار (پیچھے) بیٹھ رہنے پر راضی

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ

ہوگئے تھے[6] تو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ﴿83﴾ [7] اور (اے نبی!) ان میں سے جو

مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

مرجائے آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔[8]

عدم مغفرت کی علت بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش کی امید پر نہ رہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زاد آخرت کسی کے پاس نہیں ہوگا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی شفاعت ہی نہیں کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت ہی نہیں دے گا۔ 7 اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کو مطلوب (ایمان) تک پہنچا دیتی ہے ورنہ ہدایت بمعنی رہنمائی، یعنی راستے کی نشاندہی۔ اس کا اہتمام تو دنیا میں ہر مومن و کافر کے لیے کر دیا گیا ہے: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدهر 76: 3) ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد 90: 10) ”اور ہم نے اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔“

1 یہ ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک میں نہیں گئے اور جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ ﴿خِلٰفَ﴾ کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت، یعنی رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد آپ کے پیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔ 2 یعنی اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ جہنم کی آگ کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا 70 واں حصہ ہے، یعنی جہنم کی آگ کی شدت دنیا کی آگ سے 69 حصے زیادہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3265) اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهَا. 3 ﴿قَلِيْلًا﴾ اور ﴿كَثِيْرًا﴾ یا تو مصدریت (یعنی ضِحْكًا قَلِيْلًا اور بُكَاءً كَثِيْرًا یا ظرفیت (یعنی زَمَانًا قَلِيْلًا وَّزَمَانًا كَثِيْرًا) کی بنیاد پر منصوب ہیں۔ اور امر کے دونوں صیغے بمعنی خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہنسیں گے تھوڑا اور روئیں گے بہت زیادہ۔ 4 منافقین کی جماعت مراد ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت تبوک سے مدینہ واپس لے آئے جہاں یہ پیچھے رہ جانے والے منافقین بھی ہیں۔ 5 یعنی کسی اور جنگ کے لیے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کریں۔ 6 یہ آئندہ ساتھ نہ لے جانے کی علت ہے کہ تم پہلی مرتبہ ساتھ نہیں گئے، لہٰذا اب تم اس لائق نہیں کہ تمھیں کسی بھی جنگ میں ساتھ لے جایا جائے۔ 7 یعنی اب تمھاری اوقات یہی ہے کہ تم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو کہ عورتیں جنگ میں شرکت نہیں کرتیں۔ انھیں گھروں کی چار دیواری تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے تاکہ ان کے اس رنج و ملال اور حسرت میں مزید اضافہ ہو جو انھیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے تھا۔ (اگر تھا) 8 یہ آیت نبی ﷺ کی طرف سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر و نفاق پر ہو، وہ اس میں شامل ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن اُبَی مرگیا تو اس کے بیٹے عبداللہ (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک تو آپ (بطور تبرک) اپنی قمیص عنایت فرما دیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنا دوں۔ دوسرے، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ نے قمیص بھی عنایت فرما دی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ کیوں اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے

Marfat.com

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿84﴾ وَلَا

بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت فسق میں مرے ﴿84﴾[1] اور

تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

(اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ بے شک اللہ تو چاہتا

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿85﴾ وَاِذَآ

ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں ﴿85﴾ اور

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو

اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ

تو ان کے دولت مند آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم

مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿86﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ

(گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں ﴿86﴾[2] وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی

وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿87﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ

عورتوں کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے ﴿87﴾[3] لیکن

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ

رسول (ﷺ) اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے، انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے

وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾

ساتھ جہاد کیا، اور بھلائیاں بھی انھی لوگوں کے لیے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿88﴾ اللہ

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ

رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے ﴿89﴾[4] اور دیہاتیوں میں سے بہانے باز آئے کہ انھیں اجازت

الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

دی جائے، اور وہ لوگ بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا،

وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿90﴾

ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں جلد ہی دردناک عذاب آپکڑے گا ﴿90﴾[5]

ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے (روکا نہیں ہے۔) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کرلوں گا۔'' چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھا دی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعائے مغفرت اور نماز جنازہ کی قطعی ممانعت فرما دی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4670، و صحیح مسلم، حدیث: 2774)

[1] یہ نماز جنازہ اور دعائے مغفرت نہ کرنے کی علت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا خاتمہ کفر وشرک پر ہو، ان کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب نبی ﷺ قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کو دفنایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ نے اسے قبر سے نکلوایا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب دہن تھوکا، اپنی قمیص اسے پہنائی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 1270، وصحیح مسلم، حدیث: 2773) جس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہوگا، اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ [2] یہ انھی منافقین کا ذکر ہے جنھوں نے حیلے تراش کر پیچھے رہنا پسند کیا۔ أُولُوا الطَّوْلِ سے مراد ہے، صاحب حیثیت، مال دار طبقہ، یعنی اس طبقے کو پیچھے تو نہیں رہنا چاہیے تھا کیونکہ اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ الْقٰعِدِيْنَ سے مراد بعض مجبوریوں کے تحت گھروں میں رک جانے والے افراد ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ان کو خَوَالِف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خَالِفَةٌ کی جمع ہے، یعنی ''پیچھے رہنے والی عورتیں۔'' [3] دلوں پر مہر لگ جانا، یہ مسلسل گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے، اس کے بعد انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ [4] ان منافقین کے برعکس اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں انھیں اپنی جانوں کی پروا ہے اور نہ مالوں کی۔ ان کے نزدیک اللہ کا حکم سب پر بالاتر ہے۔ انھی کے لیے خیرات ہیں، یعنی آخرت کی بھلائیاں اور جنت کی نعمتیں۔ اور بعض کے نزدیک دین ودنیا کے منافع اور یہی لوگ فلاح یاب اور فوز عظیم کے حامل ہوں گے۔ [5] ان معذوروں کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی ہیں جنھوں نے جھوٹے عذر

Marfat.com

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ

ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے

لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ

میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہیں۔ نیکی کرنے

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿91﴾

والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (91)[1] اور

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا

(اے نبی!) نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے)

أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ

سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی

مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿92﴾

آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں (92)[2]

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ

(اے نبی!) (گرفت کی) راہ ان لوگوں پر ہے جو آپ سے رخصت مانگتے ہیں، حالانکہ وہ

رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ

مال دار ہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے (گھروں میں) رہنے والی عورتوں کے ساتھ

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿93﴾

رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، چنانچہ وہ نہیں جانتے (93)[3]

پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ دوسری قسم ان میں وہ تھی جنھوں نے آ کر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھے رہے۔ اس طرح گویا آیت میں منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذاب الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور مِنْهُمْ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے دونوں مراد ہوں گے اور دوسرے مفسرین نے الْمُعَذِّرُوْنَ سے مراد ایسے بادیہ نشین مسلمان لیے ہیں جنھوں نے معقول عذر پیش کر کے اجازت لی تھی۔ اور مُعَذِّرُوْنَ ان کے نزدیک اصل میں مُعْتَذِرُوْنَ ہے۔ تاء کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے اور معتذر کے معنی ہیں، واقعی عذر رکھنے والا۔ اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے میں منافقین کا جو بغیر عذر پیش کیے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصے میں جو وعید ہے، اسی دوسرے گروہ کے لیے ہے۔ (واللہ أعلم)

[1] اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور ان کا عذر بھی واضح تھا، مثلاً: ① ضعیف و ناتواں، یعنی بوڑھے قسم کے لوگ اور نابینا یا لنگڑے وغیرہ معذورین بھی اسی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ بعض نے ان کو بیماروں میں شامل کیا ہے۔ ② بیمار ③ جن کے پاس جہاد کے اخراجات نہیں تھے اور بیت المال بھی ان کے اخراجات کا متحمل نہیں تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی سے مراد ان کے دلوں میں جہاد کی تڑپ ہے، مجاہدین سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے عداوت اور حتی الامکان اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے محسنین اگر جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ [2] یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جن کے پاس اپنی سواریاں بھی نہیں تھیں اور نبی ﷺ نے بھی انھیں سواریاں پیش کرنے سے معذرت کی جس پر انھیں اتنا صدمہ ہوا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ گویا مخلص مسلمان جو کسی بھی لحاظ سے معقول عذر رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جو کہ ہر ظاہر و باطن سے باخبر ہے، ان کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان معذورین کے بارے میں جہاد میں شریک لوگوں سے فرمایا کہ "تمھارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمھارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔" صحابۂ کرام نے پوچھا: مدینے میں ہوتے ہوئے؟ آپ نے فرمایا: «حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ» (صحیح البخاري، حدیث: 2839، وصحیح مسلم، حدیث: 1911) "ہاں! کیونکہ عذر نے ان کو وہاں روک دیا ہے۔" [3] یہ منافقین ہیں جن کا تذکرہ آیت 87,86 میں گزرا۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر مخلص مسلمانوں کے مقابلے میں ہوا ہے۔ [تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا] کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ الْخَوَالِفِ خالِفَةٌ کی جمع ہے (پیچھے رہنے والی) مراد عورتیں، بچے، معذور اور شدید بیمار اور بوڑھے ہیں جو جنگ میں شرکت سے معذور ہیں۔ لَا يَعْلَمُونَ کا مطلب ہے، وہ نہیں جانتے کہ پیچھے رہنا کتنا بڑا جرم ہے ورنہ شاید وہ رسول ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔

Marfat.com

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا
وہ (منافق) تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (اے نبی!) ان
لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى
سے) کہہ دیجیے: تم عذر پیش نہ کرو، ہم ہرگز تم پر یقین نہیں کریں گے، اللہ نے تمھارے حالات سے
اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ
ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اور اللہ جلد تمھارے عمل دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی، پھر تم چھپی اور کھلی
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾
(باتیں) جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمھیں بتا دے گا جو تم عمل کرتے رہے ﴿94﴾
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا
عنقریب وہ تمھارے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹو گے تاکہ تم ان
عَنْهُمْ ۗ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۗ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ
سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم
جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿95﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ
ہے، ان (کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ﴿95﴾ وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے
لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى
تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ ان (لوگوں) سے
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿96﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا
راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں ﴿96﴾ دیہاتی[1] کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں[2] اور اس امر کے
وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ
زیادہ لائق ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ جان پائیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے[3] اور اللہ

[1] ان تین آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی بخیریت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم ان کے پاس آؤ گے تو یہ عذر پیش کریں گے، تم ان سے کہہ دو کہ ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اصل حالات سے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ اب تمھارے جھوٹے عذروں کا ہم اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں؟ البتہ ان عذروں کی حقیقت مستقبل قریب میں مزید واضح ہو جائے گی، تمھارا عمل، جسے اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور رسول کی نظر بھی اس پر ہے، تمھارے عذروں کی حقیقت کو خود بے نقاب کر دے گا۔ اور اگر تم رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو پھر بھی فریب اور مغالطہ دینے میں کامیاب رہے تو بالآخر ایک وقت آئے گا ہی، جب تم ایسی ذات کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو خوب جانتی ہے، اسے تو تم بہرصورت دھوکا نہیں دے سکتے، وہ اللہ تمھارا سارا کچا چٹھا تمھارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ تمھارے لوٹنے پر یہ قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض، یعنی درگزر کر دو، پس تم انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ اپنے عقائد واعمال کے لحاظ سے پلید ہیں، انھوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدلہ جہنم ہی ہے۔ تیسری آیت میں فرمایا: یہ تمھیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ لیکن ان نادانوں کو یہ پتا نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو انھوں نے جس فسق، یعنی اطاعت الٰہی سے گریز وفرار کا راستہ اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں کر ہو سکتا ہے؟ [2] مذکورہ آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو بادیہ نشین، یعنی مدینہ کے باہر دیہاتوں میں رہتے تھے، دیہات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے۔ شہریوں کے اخلاق وکردار کے مقابلے میں جس طرح ان کے اخلاق وکردار میں درشتی اور کھردراپن زیادہ پایا جاتا ہے، اسی طرح ان میں جو کافر و منافق تھے، وہ کفر ونفاق میں بھی شہریوں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے۔ اس آیت میں انھی کا تذکرہ اور ان کے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً: ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا: «أَتُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ؟» ''کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''ہاں'' انھوں نے کہا: ''واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''اگر اللہ نے تمھارے دلوں سے رحم وشفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟'' (صحيح البخاري، حديث: 5998، وصحيح مسلم، حديث: 2317) [3] اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ شہر سے دور رہتے ہیں اور انھیں اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سننے کا موقع نہیں ملتا۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿97﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا

خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے﴿97﴾ اور کچھ دیہاتی[1] اس کو تاوان سمجھتے ہیں[2] جو وہ (اللہ کی راہ

يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ

میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ تمھارے خلاف زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں[3] (مگر) منحوس گردش

دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿98﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ

انھی کے خلاف ہے[4] اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿98﴾ اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو اللہ اور

مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا

یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قربتوں کا ذریعہ اور رسول

يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا

کی دعاؤں (کے حصول) کا ذریعہ سمجھتے ہیں[5] آگاہ رہو! یقیناً یہ (خرچ کرنا) ان کے لیے قربت

قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کا ذریعہ ہے، اللہ جلد انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا،[6] بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿99﴾ ع 12/10/1 وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ

کرنے والا ہے﴿99﴾ اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے

وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ

اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی،[7] اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس

وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ

سے راضی ہو گئے[8] اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿100﴾ وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ

ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے﴿100﴾ اور تمھارے آس پاس جو

[1] اب ان دیہاتیوں کی دو قسمیں بیان کی جارہی ہیں۔ یہ پہلی قسم ہے۔ [2] مَغْرَمًا : تاوان اور جرمانے کو کہتے ہیں، یعنی ایسا خرچ ہو جو انسان کو نہایت ناگواری سے ناچار کرنا پڑ جاتا ہے۔ [3] الدَّوَآئِرَ : دَآئِرَةٌ کی جمع ہے، گردش زمانہ، یعنی مصائب و آلام، یعنی وہ منتظر رہتے ہیں کہ مسلمان زمانے کی گردشوں، یعنی مصائب کا شکار ہوں۔ [4] یہ بددعا یا خبر ہے کہ زمانے کی گردش ان ہی پر پڑے یا ان ہی پر پڑے گی کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔ [5]۔ یہ اعراب کی دوسری قسم ہے جن کو اللہ نے شہر سے دور رہنے کے باوجود اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی اور اس ایمان کی بدولت ان سے وہ جہالت بھی دور فرما دی جو بدویت کی وجہ سے اہل بادیہ میں عام طور پر ہوتی ہے، چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردہ مال کو جرمانہ سمجھنے کی بجائے اللہ کے قرب کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کی طرف جو صدقہ دینے والوں کے بارے میں آپ کا تھا، یعنی آپ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صدقہ لانے والے کے لیے آپ نے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى» (صحيح البخاري، حديث: 1497، وصحيح مسلم، حديث: 1078) ”اے اللہ! ابو اوفی کی آل پر رحمت نازل فرما۔“ [6] یہ خوش خبری ہے کہ اللہ کا قرب انھیں حاصل ہے اور اللہ کی رحمت کے وہ مستحق ہیں۔ [7] اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک مہاجرین کا جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر مکہ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آ گئے۔ دوسرے انصار کا جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مہاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور تواضع کی اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقون اولون کا ذکر فرمایا ہے، یعنی دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سابقون اولون وہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، یعنی تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہونے والے مہاجرین و انصار۔ بعض کے نزدیک یہ وہ صحابہ ہیں جو حدیبیہ میں بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ بعض کے نزدیک یہ اہل بدر ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو خلوص اور احسان کے ساتھ ان مہاجرین و انصار کے پیروکار ہیں۔ اس گروہ سے مراد بعض کے نزدیک تابعین ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے، یعنی قیامت تک جتنے بھی انصار و مہاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں، وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں تابعین بھی آ جاتے ہیں۔ [8] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ رضا اور غضب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہیں، تاہم قرآن کریم کے ان الفاظ اور دیگر نصوص کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں قبول فرما لیں، ان کی

Marfat.com

الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ

دیہاتی ہیں ان میں بعض منافق ہیں، اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں[1] (اے

لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ

نبی!) آپ انھیں نہیں جانتے،[2] ہم انھیں جانتے ہیں۔ ہم جلد انھیں دوہری سزا دیں گے،[3] پھر وہ

یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ﴿101﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ

بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿101﴾ اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ

اقرار کیا،[4] انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا،[5] امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول

یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿102﴾ خُذْ مِنْ

فرمائے گا،[6] یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿102﴾ (اے نبی!) ان کے مالوں میں

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ

سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے

عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ

لیے دعا کریں،[7] بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے، اور اللہ خوب سننے والا،

عَلِیْمٌ ﴿103﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ

خوب جاننے والا ہے ﴿103﴾ کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا

عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ

ہے[8] اور وہی صدقات لیتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا

بشری لغزشوں کو معاف فرما دیا اور وہ ان پر ناراض نہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی جاتی جو اس آیت میں دی گئی ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الٰہی موقت اور عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت نے مرتد ہو جانا تھا، بالخصوص تعیین نام کے ساتھ مُبَشَّرِينَ بِالْجَنَّةِ (جیسا کہ ایک باطل ٹولے کا عقیدہ ہے) تو اللہ تعالیٰ انھیں جنت کی بشارت سے نہ نوازتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف فرما دیں تو اب تنقیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے لائق نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الٰہی سے محرومی کا باعث ہے۔ ﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 6:81) ”پس (محبت اور عداوت رکھنے والے) دونوں گروہوں میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے اگر تمھیں علم ہو۔“

[1] مَرَد اور تَمَرَّدَ کے اصل لغوی معنی ہیں: نرمی، سپاٹ ہونا اور تجرد، چنانچہ اس شاخ کو جو بغیر پتے کے ہو، وہ گھوڑا جو بغیر بال کے ہو، وہ لڑکا جس کے چہرے پر بال نہ ہوں، ان سب کو اَمْرَد کہا جاتا ہے اور شیشے کو صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ أَيْ مُجَرَّدٌ کہا جاتا ہے۔ ﴿مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ﴾ کے معنی ہوں گے: تَجَرَّدُوا لِلنِّفَاقِ گویا انھوں نے نفاق کے لیے اپنے آپ کو خالص اور تنہا کر لیا، یعنی اس پر ان کا اصرار اور استمرار ہے۔ [2] کتنے واضح الفاظ میں نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی ہے۔ کاش اہل بدعت کو قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب ہو! [3] اس سے مراد بعض کے نزدیک دنیا میں ہی دوہری سزا ہے۔ [4] یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جو بغیر عذر کے محض تساہل کی وجہ سے تبوک میں نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے بلکہ بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اعتراف گناہ کر لیا۔ [5] بھلے سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو جہاد میں پیچھے رہ جانے سے پہلے وہ کرتے رہے ہیں جن میں مختلف جنگوں میں شرکت بھی ہے اور ”پیچھے برے“ سے مراد یہی تبوک کے موقع پر ان کا پیچھے رہنا ہے۔ [6] اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید یقین کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع فرما کر ان کے اعتراف گناہ کو توبہ کے قائم مقام قرار دے کر انھیں معاف فرما دیا۔ [7] یہ عام ہے۔ جرم کا اعتراف کرنے والے مذکورہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ نبی ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرما دیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکاۃ و صدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دعا کرنے کا حکم دیا اور آپ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکاۃ کی وصولی امام وقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر) [8] صدقات قبول فرماتا ہے کا مطلب

Marfat.com

الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ

ہے ﴿104﴾ اور (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو عنقریب دیکھے گا اور اس کا

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

رسول اور مومنین بھی اور تم جلد اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی (باتیں) جاننے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ

والا ہے، پھر وہ تمھیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ﴿105﴾ [1] اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ

لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ

اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کر دیا گیا ہے[2] یا تو وہ انھیں سزا دے گا[3] یا ان کی توبہ قبول کر لے گا اور اللہ خوب

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿106﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا

جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ﴿106﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تاکہ (مسلمانوں کو)

ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ

ضرر پہنچائیں اور کفر پھیلائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے گھات

حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ

لگائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے[4] اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ

اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿107﴾ لَا تَقُمْ

ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں ﴿107﴾ [5] (اے نبی!)

(بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہو) اس میں اضافہ فرماتا ہے جس طرح حدیث میں آیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے صدقے کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ ایک کھجور کے برابر صدقہ (بڑھ بڑھ کر) احد پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1410، و جامع الترمذي، حديث: 662)

[1] یہاں رؤیت (دیکھنا) سے مراد علم ہے، یعنی تمھارے عملوں کو اللہ تعالیٰ ہی نہیں دیکھتا بلکہ ان کا علم اللہ کے رسول اور مومنوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ (یہ منافقین ہی کے ضمن میں کہا جا رہا ہے) اس مفہوم کی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ یہاں مومنین کا بھی اضافہ ہے جن کو اللہ کے رسول کے بتلانے سے اور خود بھی حالات کے دیکھنے سے علم ہو جاتا ہے۔ [2] غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے تین گروہ تھے: ایک تو منافق تھے، دوسرے وہ جو بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ دو قسم کے لوگ تھے، دونوں مخلص مسلمان تھے، اس لیے دونوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ ایک گروہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھ دیگر 6 افراد کا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس مدینہ آئے تو ان ساتوں صحابہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا، رسول اللہ ﷺ کا گزر جب ان کے پاس سے ہوا تو ان کو ستونوں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھ کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ سفر تبوک سے پیچھے رہ جانے والے لوگ ہیں، انھوں نے اپنے آپ کو اس لیے باندھا ہے کہ آپ ان کی معذرت قبول فرما کر انھیں اپنے دست مبارک سے کھول دیں۔ آپ نے فرمایا: میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کھولنے کا حکم نازل نہیں ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیت: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا﴾ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھول دیا۔ انھوں نے قبولِ توبہ کی خوشی میں اپنا مال بھی آپ کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کر دیا جسے آپ نے لینے سے انکار کر دیا جس پر آیت: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ نازل ہوئی، چنانچہ آپ نے ان کا مال بھی لے کر صدقہ کر دیا۔ (تفسير الطبري و تفسير ابن أبي حاتم) دوسرا ان مخلص مسلمانوں کا گروہ تھا جنھوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اس آیت میں اسی گروہ کا ذکر ہے جن کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ (یہ تین افراد تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) [3] اگر وہ اپنی غلطی پر مصر رہے۔ [4] اس میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مسجد بنائی اور نبی ﷺ کو یہ باور کرایا کہ بارش، سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور جانے میں دقت پیش آتی ہے۔ ان کی سہولت کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ آپ وہاں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ آپ اس وقت تبوک کے لیے پابہ رکاب تھے، آپ نے واپسی پر نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن واپسی پر وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اصل مقاصد کو بے نقاب کر دیا کہ اس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، کفر پھیلانا، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لیے کمین گاہ مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ [5] یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر وہ نبی ﷺ کو فریب دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکروفریب سے بچا لیا اور فرمایا کہ ان کی نیت صحیح نہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں، اس میں جھوٹے ہیں۔

Marfat.com

فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ

آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں[1] البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقوے

يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ

پر رکھی گئی ہے اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں[2] اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس

يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿108﴾

بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں[3] اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿108﴾

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ

کیا بھلا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقوی اور (اس کی) رضا پر رکھی، (وہ)

اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ

بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد (دریا کے) ایک کھوکھلے گرنے والے کنارے

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿109﴾ لَا

پر رکھی؟ پھر وہ اسے جہنم کی آگ میں لے گرا؟[4] اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿109﴾ انھوں

يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ

نے جو عمارت بنائی تھی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک ڈالے رکھے گی الا یہ کہ ان کے دل

ع 13 2

تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿110﴾ اِنَّ اللّٰهَ

ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں[5] اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ﴿110﴾ بے شک اللہ نے

اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ

مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں،[6]

لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں،

وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ

وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟[7] لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ

[1] یعنی اے نبی! آپ اس مسجد میں کبھی بھی نماز نہ پڑھیں، چنانچہ آپ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے چند ساتھیوں کو بھیج کر وہ مسجد ڈھا دی اور اسے ختم کر دیا۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جو مسجد اللہ کی عبادت کی بجائے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہے، حاکم وقت اس کو ڈھا دے تاکہ مسلمانوں میں تفریق وانتشار پیدا نہ ہو۔ [2] اس سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مسجد قبا اور بعض نے مسجد نبوی قرار دیا ہے۔ سلف کی ایک جماعت دونوں کی قائل رہی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت سے اگر مسجد قبا مراد ہے تو بعض احادیث میں مسجد نبوی کو اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى کا مصداق قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ اگر مسجد قبا کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ اول یوم ہی سے اس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے تو مسجد نبوی تو بطریق اولی اس صفت کی حامل اور اس کی مصداق ہے۔ [3] حدیث میں آتا ہے کہ اس سے مراد اہل قبا ہیں۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری طہارت کی تعریف فرمائی ہے، تم کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں۔ (سنن أبي داود، حديث: 44، وابن كثير) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی گئی ہوں، نیز صالحین کی جماعت اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے جو مکمل وضو کرنے اور طہارت و پاکیزگی کا صحیح اہتمام کرنے والے ہوں۔ [4] اس میں مومن اور منافق کے عمل کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مومن کا عمل اللہ کے تقوی پر اور اس کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے جبکہ منافق کا عمل ریاکاری اور فساد پر مبنی ہوتا ہے جو اس حصہ زمین کی طرح ہے جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے اور مٹی کو ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ وہ حصہ نیچے سے کھوکھلا رہ جاتا ہے جس پر کوئی تعمیر کر لی جائے تو فوراً گر پڑے گی۔ ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انھیں جہنم میں ساتھ لے گرے گا۔ [5] دل پاش پاش ہو جائیں، کا مطلب موت سے ہم کنار ہونا ہے، یعنی موت تک یہ عمارت ان کے دلوں میں مزید شک ونفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنی رہے گی جس طرح کہ بچھڑے کے پجاریوں میں بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی۔ [6] یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل وکرم کا بیان ہے کہ اس نے مومنوں کو ان کے جان ومال کے عوض جو انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے، جنت عطا فرما دی جبکہ یہ جان ومال بھی اسی کا عطیہ ہے، پھر قیمت اور معاوضہ بھی جو عطا کیا، یعنی جنت، وہ نہایت ہی بیش قیمت ہے۔ [7] یہ اسی سودے کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچا

Marfat.com

بِبَيۡعِكُمُ الَّذِيۡ بَايَعۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿111﴾

جو تم نے اس (اللہ) سے کیا ہے[1] اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿111﴾

اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ

وہ (مومن) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع

السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی

وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿112﴾ مَا كَانَ

حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں[2]، اور (اے نبی!) مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿112﴾ [3] نبی اور ایمان

لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ

والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے

كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ

قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان کے متعلق یہ واضح ہوجانے کے بعد کہ

اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿113﴾ وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ

وہ بلاشبہ دوزخی ہیں ﴿113﴾ [4] اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا کرنا بس

وعدہ پچھلی کتابوں میں بھی اور قرآن میں بھی کیا ہے اور اللہ سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

[1] یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے۔ لیکن یہ خوشی اسی وقت منائی جاسکتی ہے جب مسلمان کو بھی یہ سودا منظور ہو، یعنی اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے انھیں دریغ نہ ہو۔

[2] یہ انھی مومنوں کی مزید صفات بیان کی جارہی ہیں جن کی جانوں اور مالوں کا سودا اللہ نے کرلیا ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، یعنی گناہوں اور فواحش سے، پابندی سے اپنے رب کی عبادت کرنے والے، زبان سے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے والے اور دیگر ان صفات کے حامل ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ سِيَاحَةٌ سے مراد اکثر مفسرین نے روزے لیے ہیں اور اسی کو ابن کثیر نے صحیح ترین اور مشہور ترین قول قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ ایک حسن حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، «سِيَاحَةُ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ» (سنن أبي داود، حديث: 2486) ''میری امت کی سیاحت، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا ہی ہے تو اس کے لیے بہترین عمل جہاد ہے جس میں ہر وقت موت انسان کے تعاقب میں رہتی ہے۔ جب موت ہر وقت انسان کے سامنے رہے تو کون لذتوں میں الجھنا پسند کرتا ہے؟ بہرحال سیاحت سے زمین کی سیاحت مراد نہیں ہے جس طرح کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ اسی طرح اللہ کی عبادت کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں، غاروں اور سنسان بیابانوں میں جا کر ڈیرے لگا لینا بھی اس سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ رہبانیت اور جوگی پن کا ایک حصہ ہے جو اسلام میں نہیں ہے، البتہ فتنوں کے ایام میں اپنے دین کو بچانے کے لیے شہروں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں جا کر رہنے کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 19) [3] مطلب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جو قول و عمل میں اسلام کی تعلیمات کا عمدہ نمونہ ہو اور ان چیزوں سے بچنے والا ہو جن سے اللہ نے اسے روک دیا ہے اور یوں اللہ کی حدوں کو پامال نہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ ایسے ہی کامل مومن خوشخبری کے مستحق ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن میں اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کی قدرے تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

[4] اس کا شان نزول صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ جب نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس گئے جبکہ ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''چچا جان! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے حجت پیش کرسکوں۔'' ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے مذہب سے انحراف کرو گے؟ (مرتے وقت یہ کیا کرنے لگے ہو؟) تو ابوطالب نے آخری بات یہ کہی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے روک نہیں دیا جائے گا، میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔'' جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1360) اور آیت ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِيۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ﴾ (القصص 56:28) بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب فرمائی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند أحمد: 355/5) اور نبی ﷺ نے اپنی مشرک قوم کے لیے جو دعا فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ» ''یا اللہ! میری قوم بے علم ہے، اس کی مغفرت فرما دے۔'' یہ آیت کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب ان کے لیے

Marfat.com

إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ أَنَّهٗ
ایک وعدے کے باعث تھا جو وعدہ انھوں نے اس سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم پر واضح ہوگیا کہ یقینا
عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿114﴾ وَمَا
وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہوگئے۔[1] بے شک ابراہیم بڑے نرم دل، بہت تحمل والے تھے ﴿114﴾ [2]
كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ
اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان کے لیے وہ
لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ إِنَّ اللّٰهَ
چیزیں واضح نہ کر دے جن سے وہ بچیں۔[3] بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ بے شک
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَمَا لَكُمْ
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿116﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ
ہے، اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ﴿116﴾ یقینا اللہ نے نبی اور ان
عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ
مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی،[4] بعد
سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ
اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے،[5] پھر اللہ نے ان پر
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿117﴾
مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿117﴾
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۚ حَتّٰٓى إِذَا ضَاقَتْ
اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا،[6] حتی کہ جب

ہدایت کی دعا ہے، یعنی وہ میرے مقام و مرتبہ سے ناآشنا ہے، اسے ہدایت سے نواز دے تاکہ وہ مغفرت کی اہل ہو جائے۔ اور زندہ کفار و مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔

[1] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی جب یہ بات واضح ہو گئی کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے اور جہنمی ہے تو انھوں نے اس سے اظہار براءت کر دیا اور اس کے بعد مغفرت کی دعا نہیں کی۔ [2] اور ابتدا میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا بھی اپنے اسی مزاج کی نرمی اور حلیمی کی وجہ سے کی تھی۔ [3] جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے روکا تو بعض صحابہ کو جنھوں نے ایسا کیا تھا، یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایسا کر کے انھوں نے گمراہی کا کام تو نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک بچنے والے کاموں کی وضاحت نہیں فرما دیتا، اس وقت تک اس پر مؤاخذہ بھی نہیں فرماتا نہ اسے گمراہی قرار دیتا ہے، البتہ جب ان کاموں سے نہیں بچتا جن سے روکا جا چکا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے، اس لیے جن لوگوں نے اس حکم سے قبل اپنے فوت شدہ مشرک رشتے داروں کے لیے مغفرت کی دعائیں کی ہیں، ان سے مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ انھیں مسئلے کا اس وقت علم ہی نہیں تھا۔ [4] جنگ تبوک کے سفر کو "تنگی کا وقت" قرار دیا، اس لیے کہ ایک تو موسم سخت گرمی کا تھا۔ دوسرے، فصلیں تیار تھیں۔ تیسرے، سفر خاصا لمبا تھا اور چوتھے، وسائل کی بھی کمی تھی۔ اسی لیے اسے جَيْشُ الْعُسْرَةِ (تنگی کا لشکر) کہا جاتا ہے۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی، توبہ قبول فرمائی۔" توبہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے گناہ یا غلطی کا ارتکاب ہو۔ اس کے بغیر بھی رفع درجات کے لیے توبہ ہوتی ہے۔ یہاں مہاجرین و انصار کے اس پہلے گروہ کی توبہ اسی مفہوم میں ہے جنھوں نے بلا تامل (سوچے سمجھے بغیر) نبی ﷺ کے حکم جہاد پر لبیک کہا۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ کچھ لغزشیں اور غیر شعوری کوتاہیاں ان سے سرزد ہو گئی ہوں، اس لیے توبہ کا ذکر فرمایا اور نبی ﷺ کو ملانے سے غرض ان صحابۂ کرام کی عظمت و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر اللباب) [5] یہ اس دوسرے گروہ کا ذکر ہے جسے مذکورہ وجوہ سے ابتداءً تردد ہوا۔ لیکن پھر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا اور بخوشی جہاد میں شریک ہوا۔ دلوں میں تزلزل سے مراد دین کے بارے میں کوئی تزلزل یا شبہ نہیں ہے بلکہ مذکورہ دنیاوی اسباب کی وجہ سے شریک جہاد ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا، وہ مراد ہے۔ [6] خُلِّفُوْا کا وہی مطلب ہے جو مُرْجَوْنَ کا ہے، یعنی جن کا معاملہ مؤخر اور ملتوی کر دیا گیا تھا اور پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ تین صحابہ تھے۔ کعب بن مالک، مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہم۔ یہ تینوں نہایت مخلص مسلمان تھے۔ اس سے قبل غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ اس غزوۂ تبوک میں صرف تساہلاً شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سوچا کہ ایک غلطی (پیچھے رہنے کی) تو ہو ہی گئی ہے۔ لیکن اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے، چنانچہ حاضر خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف اعتراف کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے

Marfat.com

عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ
زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں،[1] اور انھوں نے
اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ
سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی
تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿118﴾ ع 14 8 3
کی، تاکہ وہ توبہ کریں۔[2] بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿118﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿119﴾
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ ﴿119﴾[3]
مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ
اہل مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں)
اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ
رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں[4] اور نہ یہ (جائز) کہ اپنی جانوں کو نبی کی جان سے زیادہ عزیز
نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا
رکھیں،[5] یہ اس لیے کہ یہ[6] بلاشبہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور
مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ
تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے، اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں، جو کافروں
وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ
کو سخت ناگوار ہو،[7] اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں،[8] اس کے بدلے میں ان

ان کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا، تاہم اس دوران میں آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے حتیٰ کہ بات چیت تک کرنے سے روک دیا۔ چالیس راتوں کے بعد انھیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں، چنانچہ بیویوں سے بھی جدائی عمل میں آ گئی مزید دس دن گزرے تو توبہ قبول کر لی گئی اور مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس واقعے کی پوری تفصیل حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: (صحيح البخاري، حديث: 4418، وصحيح مسلم، حديث: 2769)

[1] یہ ان ایام کی کیفیت کا بیان ہے جس سے سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انھیں گزرنا پڑا۔ [2] یعنی پچاس دن کے بعد اللہ نے ان کی آہ و زاری اور توبہ قبول فرمائی۔ [3] سچائی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرما دی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (اللہ کا خوف) ہوگا، وہ سچا بھی ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ [4] جنگ تبوک میں شرکت کے لیے چونکہ عام منادی کر دی گئی تھی، اس لیے معذورین، بوڑھے اور دیگر شرعی عذر رکھنے والوں کے سوا، سب کے لیے اس میں شرکت ضروری تھی لیکن پھر بھی جو سُکان مدینہ یا حوالیٔ مدینہ میں سے اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔ [5] یعنی یہ بھی ان کے لیے زیبا نہیں کہ خود اپنی جانوں کا تو تحفظ کر لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے تحفظ کا انھیں خیال نہ ہو۔ بلکہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اپنے سے زیادہ ان کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ [6] ﴿ذٰلِكَ﴾ سے پیچھے نہ رہنے کی علت بیان کی جا رہی ہے، یعنی انھیں اس لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں انھیں جو پیاس، تھکاوٹ اور بھوک پہنچے گی یا ایسے اقدامات جن سے کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوگا، اسی طرح دشمنوں کے آدمیوں کو قتل یا ان کو قیدی بناؤ گے، یہ سب کے سب کام عمل صالح لکھے جائیں گے، یعنی عمل صالح صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی مسجد میں یا کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر نوافل، تلاوت اور ذکر الٰہی وغیرہ کرے بلکہ جہاد میں پیش آنے والی ہر تکلیف اور پریشانی حتیٰ کہ وہ کارروائیاں بھی جن سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہو یا غیظ بھڑکے، ان میں سے ہر ایک چیز اللہ کے ہاں عمل صالح لکھی جائے گی، اس لیے محض شوق عبادت میں بھی جہاد سے گریز صحیح نہیں، چہ جائیکہ بغیر عذر کے ہی آدمی جہاد سے جی چرائے؟ [7] اس سے مراد پیادہ یا گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر ایسے علاقوں سے گزرنا ہے کہ ان کے قدموں کی چاپوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشمن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے اور ان کی آتش غیظ بھڑک اٹھے۔ [8] ﴿وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا﴾ (دشمن سے کوئی چیز لیتے ہیں یا ان کی خبر لیتے ہیں) سے مراد، ان کے آدمیوں کو قتل یا قیدی کرتے ہیں یا انھیں شکست سے دوچار کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔

Marfat.com

صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ

کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿120﴾ اور وہ جو بھی

نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا

چھوٹا اور بڑا خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں[1] وہ (سب) ان کے

كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾

لیے لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ انھیں ان کاموں کی بہترین جزا دے جو وہ کرتے ہیں ﴿121﴾

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ

اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی نکل کھڑے ہوں، تو ہر فرقے میں سے

مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ نکلا، تاکہ وہ جب اپنے قبیلے

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾ ع

میں واپس جائیں تو انھیں خبردار کریں، تاکہ وہ (پیچھے والے بھی اللہ سے) ڈریں ﴿122﴾[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب وجوار

الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

میں ہیں[3] اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں[4] اور جان لو کہ یقیناً اللہ

مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿123﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ

متقیوں کے ساتھ ہے ﴿123﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی

مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ

ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض ایسے ہیں جو (طنزاً) کہتے ہیں: تم میں سے کس کو اس (سورت)

[1] پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پانی کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق وادیاں اور علاقے ہیں، یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی خرچ کرو گے اسی طرح جتنے بھی میدان یا علاقے طے کرو گے، (جہاد میں تھوڑا یا زیادہ سفر کرو گے) یہ سب نیکیاں تمھارے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی جن پر اللہ تعالیٰ اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ [2] بعض مفسرین کے نزدیک اس کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیات میں جب پیچھے رہنے والوں کے لیے سخت وعید اور زجر وتوبیخ بیان کی گئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا مرحلہ آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ آیت میں انھیں حکم دیا گیا کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ جس میں ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک گروہ کی ہی شرکت کافی ہے۔ ان کے نزدیک لِّيَتَفَقَّهُوْا کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا گروہ ہے، یعنی ایک گروہ جہاد پر چلا جائے وَتَبْقٰى طَائِفَةٌ (یہ محذوف ہوگا) ''اور ایک گروہ پیچھے رہے۔'' جو دین کا علم حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آئیں تو انھیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے انھیں ڈرائیں۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان، اس کی ترغیب اور طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت یا قبیلے میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑیں اور مدارس ومراکز علم میں جا کر اسے حاصل کریں اور پھر آ کر اپنی قوم میں وعظ ونصیحت کریں۔ دین میں تفقہ حاصل کرنے کا مطلب اوامر ونواہی کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اوامر الٰہی کو بجا لا سکے اور نواہی سے دامن کشاں رہے اور اپنی قوم کے اندر بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ [3] اس میں کافروں سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ، اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے جزیرۂ عرب میں آباد مشرکین سے قتال کیا، جب ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر اور حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا اور عرب کے سارے قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اور 9 ہجری میں رومیوں سے قتال کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو اس وقت بلاد اسلامیہ سے قریب تھا اور اب الحمد للہ یہ سعودی عرب میں شامل ہے۔ اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال فرمایا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔ [4] یعنی کافروں کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں نرمی نہیں سختی ہونی چاہیے جیسا کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح 29:48) ''وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔'' صحابہ کی صفت بیان کی گئی۔ اسی طرح اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المآئدة 54:5) ''وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔'' اہل ایمان کی صفت ہے۔

Marfat.com

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ

نے ایمان میں زیادہ کیا ہے؟[1] چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اس (سورت) نے ان کو ایمان میں

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿124﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

زیادہ کیا ہے، اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿124﴾ [2] لیکن جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، تو اس

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ

(سورت) نے ان کی (پہلی) پلیدی پر مزید پلیدی کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک

كٰفِرُوْنَ ﴿125﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ

کافر ہی رہے ﴿125﴾ [3] کیا وہ (مومن) نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ (منافق) ہر سال ایک یا

عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ

دو بار فتنے میں مبتلا کیے جاتے ہیں[4] پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

پکڑتے ہیں ﴿126﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے

اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا

ہیں کہ کہیں کوئی (مسلمان) تمھیں دیکھ تو نہیں رہا، پھر (چپکے سے) کھسک جاتے ہیں[5] اللہ

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾ لَقَدْ

نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس لیے کہ بے شک وہ لوگ سمجھتے نہیں ﴿127﴾ [6] (لوگو!) یقیناً

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے،[7] اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا)

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿128﴾

ہے،[8] وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے،[9] مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾ [10]

[1] اس سورت میں منافقین کے کردار کی جو نقاب کشائی کی گئی ہے، یہ آیات اس کا بقیہ اور تتمہ ہیں۔ اس میں بتلایا جا رہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا اور ان کے علم میں بات آتی تو وہ استہزا اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟ [2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو بھی سورت اترتی ہے اس سے اہل ایمان کے ایمان میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ایمان کے اضافے پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جس طرح کہ محدثین کا مسلک ہے۔ [3] روگ سے مراد نفاق اور آیات الٰہی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔ فرمایا: ''البتہ یہ سورت منافقین کو ان کے نفاق اور خبث میں اور بڑھاتی ہے اور وہ اپنے کفر و نفاق میں اس طرح پختہ تر ہو جاتے ہیں کہ انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے۔'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ''ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ظالموں کے خسارے ہی میں اضافہ فرماتا ہے۔'' (بنیٓ إسرآئيل 82:17) یہ گویا ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ جس سے لوگوں کے دل ہدایت پاتے ہیں۔ وہی باتیں ان کی ضلالت و ہلاکت کا باعث ثابت ہوتی ہیں جس طرح کسی شخص کا مزاج اور معدہ بگڑ جائے تو وہی غذائیں جن سے لوگ قوت اور لذت حاصل کرتے ہیں، اس کی بیماری میں مزید بگاڑ اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔ [4] يُفْتَنُوْنَ کے معنی ہیں: آزمائے جاتے ہیں۔ آفت سے مراد یا تو آسمانی آفات ہیں، مثلاً: قحط سالی وغیرہ (مگر یہ بعید ہے) یا جسمانی بیماریاں اور تکالیف ہیں یا غزوات ہیں جن میں شرکت کے موقع پر ان کی آزمائش ہوتی تھی۔ سیاق کلام کے اعتبار سے یہ مفہوم زیادہ صحیح ہے۔ [5] یعنی ان کی موجودگی میں سورت نازل ہوتی جس میں منافقین کی شرارتوں اور سازشوں کی طرف اشارہ ہوتا تو پھر یہ دیکھ کر کہ مسلمان انھیں دیکھ تو نہیں رہے، خاموشی سے کھسک جاتے۔ [6] یعنی آیات الٰہی میں غور و تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو خیر اور ہدایت سے پھیر دیا ہے۔ [7] سورت کے آخر میں مسلمانوں پر نبی ﷺ کی صورت میں جو احسان عظیم فرمایا گیا، اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ تمھاری جنس، یعنی جنس بشریت سے ہیں (وہ نور یا کچھ اور نہیں) جیسا کہ فسادِ عقیدہ کے شکار لوگ عوام کو اس قسم کے گورکھ دھندے میں پھنساتے ہیں۔ [8] عَنَتٌ ایسی چیزیں جن سے انسان کو تکلیف ہو، اس میں دنیاوی مشقتیں اور اخروی عذاب دونوں آ جاتے ہیں۔ اس پیغمبر پر تمھاری ہر قسم کی تکلیف و مشقت گراں گزرتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ ''میں آسان دین حنفی دے کر بھیجا گیا ہوں۔'' (مسند أحمد: 266/5 و 233/6) ایک اور حدیث میں فرمایا: «إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ» ''بے شک یہ دین آسان ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 39) [9] تمھاری ہدایت اور تمھاری دنیوی و اخروی منفعت کے خواہش مند ہیں۔ اور تمھارا جہنم میں جانا پسند نہیں فرماتے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ

Marfat.com

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ
پھر بھی اگر وہ پھریں[1] تو کہہ دیجیے: مجھے اللہ کافی ہے،[2] اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اسی
تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿129﴾
پر میں نے بھروسا کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے ﴿129﴾[3]

رکوعاتہا: 11	سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَكِّیَّةٌ	آیاتہا: 109

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ﴿1﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ
الٓرٰ، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ①[4] کیا لوگوں کے لیے یہ تعجب (کی بات) ہے[5] کہ ہم
اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ
نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور ان لوگوں کو خوشخبری دیں جو
اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ
ایمان لائے کہ بے شک ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کا مرتبہ ہے۔[6] کافروں نے کہا: بے
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ﴿2﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ
شک یہ تو یقیناً صاف جادوگر ہے ②[7] بے شک تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ
چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوگیا،[8] وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔[9] کوئی سفارشی
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
نہیں (بن سکتا) بغیر اس کی اجازت کے۔[10] یہی اللہ ہے تمھارا رب، چنانچہ تم اسی کی عبادت

''میں تمھیں تمھاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نار جہنم میں داخل ہوتے ہو۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 6483) [10] یہ آپ کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً آپ صاحب خلق عظیم ہیں۔ ﷺ

[1] یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین رحمت سے۔ [2] جو کفر و اعراض کرنے والوں کے مکر و کید سے مجھے بچالے گا۔ [3] حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت حَسْبِیَ اللّٰهُ ...... الْعَظِیْمِ صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہموم (فکر و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن أبي داود، حدیث: 5081) ❊ یہ سورت مکی ہے، البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر) [4] الْحَكِیْمِ کتاب، یعنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجمے میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس کے اور بھی کئی معنی کیے گئے ہیں، مثلاً: اَلْمُحْكَمُ یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی حاکم، یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب۔ حکیم بمعنی محکوم فیہ، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔ سارے مفہوم ہی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ [5] ان کے تعجب کرنے پر استفہام انکار ہے جس میں توبیخ کا پہلو بھی شامل ہے، یعنی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں سے ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کی بجائے وحشت محسوس کرتے۔ دوسرے، ان کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجتے تو پھر وہی اعتراض آتا کہ یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے، اس لیے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔ [6] قَدَمَ صِدْقٍ کا مطلب: جنت، بلند مرتبہ، اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجتا ہے۔ [7] کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سوجھتی تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللّٰہ. [8] اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 84:7 کا حاشیہ۔ [9] یعنی آسمان و زمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساری کائنات کا نظم و تدبیر وہ اس طرح کر رہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا، ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔ [10] مشرکین و کفار جو اصل مخاطب تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انھی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (الأنبیاء 28:21) لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ ...... وَیَرْضٰی ○ (النجم 26:53) یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ○ (طٰه 109:20) مزید دیکھیے سورۂ سبا 23:34، سورۂ نبا 38:78 اور آیت الکرسی۔

Marfat.com

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝3 اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ
کرو[1] پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ؟③ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ کا وعدہ سچا
اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ
ہے، بے شک وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے (زندہ کرے) گا، تاکہ ان لوگوں
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ
کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا
مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝4 هُوَ الَّذِيْ
ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا، اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے ④[2] وہی ہے
جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا
(اللہ) جس نے سورج کو نہایت روشن بنایا اور چاند کو نور[3] اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کی
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ
گنتی اور حساب معلوم کر سکو[4] یہ (سب کچھ) اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی آیتیں
يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝5 اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ
تفصیل سے ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں ⑤ بے شک رات اور دن کے (بدل
وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
بدل کر) آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے (اس میں
لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝6 اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا
بھی)، البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ⑥ بے شک وہ لوگ جو ہماری
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ
ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہیں اور وہ لوگ جو

[1] یعنی ایسا اللہ جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی۔ علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی مالک ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ [2] اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الٰہی میں سب کی حاضری، اور جزا و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا جس میں اللہ کے عدل و انصاف کا اہتمام ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک شخص جو اللہ کا سخت نافرمان ہوتا ہے، وہ عیش و عشرت اور آرام کی زندگی گزار کر دنیا سے چلا جاتا ہے اور دنیا میں اسے کوئی سزا نہیں ملتی۔ اسی طرح ایک نیک آدمی کو اس کی نیکیوں کی جزا دنیا میں نہیں ملتی۔ قیامت والے دن ہر نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا ملے گی۔ اگر جزا و سزا کا یہ دن نہ ہوتا تو یقیناً ظلم ہوتا کہ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا ہی نہ ملتی جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ [3] ضِيَآءً ضَوْءٌ کے ہم معنی ہے۔ مضاف یہاں محذوف ہے۔ ذَاتَ ضِيَاءٍ وَّالْقَمَرَ ذَا نُوْرٍ، سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا۔ یا پھر انھیں مبالغے پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذات خود ضیا اور نور ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کی تدبیر کے ذکر کے بعد بطور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورج کی حرارت و تپش اور اس کی روشنی، کس قدر ناگزیر ہے، اس سے ہر باشعور آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکماء کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ (فتح القدير) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. [4] یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں، ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ 28 منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کامل) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑنا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے اور پھر ہلال بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو، یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے تمھیں ہر چیز کا حساب کرنے میں آسانی رہتی ہے، یعنی سال 12 مہینے کا، مہینہ 29، 30 دن کا۔ ایک دن 24 گھنٹے کا، یعنی رات اور دن۔ جو ایام استوا میں 12، 12 گھنٹے اور سردی گرمی میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ نہیں۔ دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوع ہلال سے حج، صیام رمضان، اَشْهُرِ حُرُمٌ، عیدین اور دیگر عبادات کی تعیین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

Marfat.com

اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا
ہماری نشانیوں سے غافل ہیں⑦ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان (عملوں) کی وجہ سے
يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جو وہ کماتے تھے⑧ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کا رب ان
يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ
کے ایمان کی وجہ سے انھیں (جنت کے باغوں کی) راہ دکھائے گا[1] جن کے نیچے نہریں بہتی
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ
ہوں گی، نعمتوں کے باغات میں⑨ اس (جنت) میں ان کی پکار ہوگی: اے اللہ! تو پاک
وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
ہے[2] اور اس میں ان کی دعا ہوگی: سلام[3] اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ ع وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ
رب العالمین ہی کے لیے ہیں⑩ اور اگر اللہ لوگوں کو برائی پہنچانے میں جلدی کرتا جیسے وہ
بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا
بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی[4] چنانچہ ہم ان لوگوں کو جو ہماری
يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١١ وَاِذَا مَسَّ
ملاقات کی امید نہیں رکھتے، چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں⑪ اور جب انسان کو تکلیف
الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ
پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، اپنے پہلو پر (لیٹے) یا بیٹھے یا کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ
تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ (یوں) گزر جاتا ہے جیسے اس نے خود کو تکلیف پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ
مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٢
تھا[5] اسی طرح حد سے گزر جانے والوں کے لیے ان کے (برے) عمل پرکشش بنا دیے گئے⑫[6] اور

[1] اس کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان فرما دے گا، اس صورت میں یہ "با" سَبَبِیَّت کے لیے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے جیسا کہ سورۂ حدید میں اس کا ذکر آتا ہے۔ [2] یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ "اہل جنت کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہو گا جس طرح سانس الہام کیا جاتا ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2835) یعنی جس طرح بے اختیار سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الٰہی کے ترانے رہیں گے۔ [3] یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، نیز فرشتے بھی انھیں سلام عرض کریں گے۔

[4] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مہلت دے کر انھیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنھیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بددعائیں کرتا ہے، جنھیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انھیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ "تم اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال اور ماتحتوں کے لیے بددعائیں مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری بددعائیں، اس گھڑی کو پا لیں جس میں اللہ کی طرف سے دعائیں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمھاری بددعائیں قبول فرما لے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 3009، وسنن أبي داود، حدیث: 1532) [5] یہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کوتاہی کا عام ارتکاب کرتے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہو رہی ہے، دعائیں کی جا رہی ہیں، توبہ و استغفار کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ کڑا وقت نکال دیتا ہے تو پھر بارگاہ الٰہی میں دعا و تضرع سے بھی غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ نے ان کی دعائیں قبول کر کے انھیں جس ابتلا اور مصیبت سے نجات دی، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق انھیں نصیب نہیں ہوتی۔ [6] یہ تزئین عمل بطور آزمائش

Marfat.com

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ
البتہ ہم نے ان امتوں کو ہلاک کردیا جو تم سے پہلے تھیں، جب انھوں نے ظلم کیا، اور ان کے
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی
پاس ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ آئے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ مجرم لوگوں کو
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿13﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ
ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿13﴾ [1] پھر ان کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں جانشین بنایا، [2] تاکہ ہم
بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿14﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿14﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں [3] تو وہ
اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ
لوگ، جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: تو اس کے علاوہ کوئی (دوسرا) قرآن
بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ
لے آیا اسے (کچھ) بدل دے۔ [4] کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل
اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى
دوں، [5] میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک اگر میں
اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿15﴾
اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے ﴿15﴾ [6] کہہ
قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۚ فَقَدْ
دیجیے: اگر اللہ چاہتا تو میں اس (قرآن) کی تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمھیں اس کی خبر دیتا، [7]
لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿16﴾ فَمَنْ
چنانچہ میں اس (نبوت) سے پہلے تمھارے اندر ایک مدت ٹھہرا ہوں، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿16﴾ [8]
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ
پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا؟
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿17﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے ﴿17﴾ اور وہ اللہ کے سوا [9] ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو
مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا
انھیں نہ نقصان دیتی ہیں اور نہ نفع دیتی ہیں، [10] اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں ہمارے

اور مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، وسوسوں کے ذریعے سے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور انسان کے اس نفس کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف 12:53) ''بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔'' تاہم اس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ یہاں معنی یہ ہوئے کہ ان کے لیے دعا سے اعراض، شکر الٰہی سے غفلت اور شہوات و خواہشات کے ساتھ اشتغال کو مزین کر دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

[1] یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہو۔ [2] ﴿خَلٰٓئِفَ﴾ خَلِيفَةٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: گزشتہ امتوں کا جانشین یا ایک دوسرے کا جانشین۔ [3] یعنی جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ [4] مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قرآن مجید کی جگہ قرآن ہی دوسرا لائیں یا پھر اس میں ہماری حسب خواہش تبدیلی کر دیں۔ [5] یعنی مجھ سے دونوں باتیں ممکن نہیں، میرے اختیار ہی میں نہیں۔ [6] یہ اس کی مزید تاکید ہے۔ میں تو صرف اسی بات کا پیرو ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا میں ارتکاب کروں گا تو یوم عظیم کے عذاب سے میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔ [7] یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہتا تو میں نہ انھیں پڑھ کر سناتا نہ تمھیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی۔ بعض نے ﴿وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ﴾ کے معنی کیے ہیں: مَاأَعْلَمَكُمْ بِهِ عَلٰى لِسَانِي کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بابت کچھ نہ بتلاتا۔ [8] اور تم بھی جانتے ہو کہ دعوائے نبوت سے قبل چالیس سال میں نے تمھارے اندر گزارے ہیں۔ کیا میں نے کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہے؟ اسی طرح تم میری امانت و صداقت کے بھی قائل رہے ہو۔ کیا اب یہ ممکن ہے کہ میں اللہ پر افترا باندھنا شروع کر دوں؟ مطلب ان دونوں باتوں کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے نہ میں نے کسی سے سن یا سیکھ کر اسے بیان کیا ہے اور نہ یوں ہی جھوٹ موٹ اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ [9] یعنی اللہ کی عبادت سے تجاوز کر کے نہ کہ بالکلیہ اللہ کی عبادت ترک کر کے کیونکہ مشرکین اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے اور غیر اللہ کی بھی۔ [10] جبکہ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو بدلہ اور اپنے نافرمانوں کو سزا دینے پر قادر ہو۔

Marfat.com

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ
سفارشی ہیں[1] کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں میں نہیں جانتا
وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (18) وَمَا
اور نہ زمین میں؟[2] وہ پاک اور بلند ہے ان سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں (18)[3] اور پہلے لوگ
كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا
ایک ہی امت تھے، پھر انھوں نے (باہم) اختلاف کیا،[4] اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو آپ کے رب کی
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا
طرف سے پہلے سے طے ہو چکی ہے تو ان میں اس چیز کے متعلق یقیناً فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (19) وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ
اختلاف کر رہے ہیں (19)[5] اور وہ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں
مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ
نازل کی گئی؟[6] تو آپ کہہ دیجیے: یقیناً غیب تو اللہ ہی کے لیے ہے،[7] پھر تم انتظار کرو، بے شک میں
ع 2 10 7 مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (20) ع وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً
(بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (20) اور جب ہم ان (کافر) لوگوں کو تکلیف
مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ
پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں[8] تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں میں ان کے لیے چالیں
قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ
ہوتی ہیں (جو وہ چلتے ہیں)۔[9] کہہ دیجیے: اللہ سب سے تیز تر ہے چال (چلنے) میں۔[10] بے شک ہمارے بھیجے

[1] یعنی ان کی سفارش سے اللہ ہماری ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ ہماری بگڑی بنا دیتا ہے یا ہمارے دشمن کی بنی ہوئی بگاڑ دیتا ہے، یعنی مشرکین بھی اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان کو نفع وضرر میں مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ [2] یعنی اللہ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اس کا کوئی شریک بھی ہے یا اس کی بارگاہ میں سفارشی بھی ہوں گے؟ گویا یہ مشرکین اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ تجھے گو خبر نہیں۔ لیکن ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ تیرے شریک بھی ہیں اور سفارشی بھی ہیں جو اپنے عقیدت مندوں کی سفارش کریں گے۔ [3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کی یہ باتیں بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے۔ [4] یعنی یہ شرک، لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے پہل اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تمام لوگ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقے پر تھے اور وہ اسلام ہے جس میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے تمام لوگ اسی توحید پر قائم رہے، قومِ نوح نے اختلاف کر کے شرک شروع کیا، چنانچہ لوگوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا۔ [5] یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دینا ہے، اسی طرح اس نے مخلوق کے لیے ایک وقت موعود کا تعین نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ان کے مابین اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کو سعادت مند اور کافروں کو عذاب ومشقت میں مبتلا کر چکا ہوتا۔ [6] اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم ثمود کے لیے اونٹنی کا ظہور ہوا۔ ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا یا مکے کے پہاڑوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نہریں اور باغات بنانے کا یا اور اس قسم کا کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلایا جائے۔ [7] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی خواہشات کے مطابق وہ معجزے تو ظاہر کر کے دکھلا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو وہ فوراً ہلاک کر دیتا ہے، اس لیے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ کسی قوم کے لیے اس کی خواہشات کے مطابق معجزے ظاہر کر دینا، اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو نہ دکھائے گئے تو انھیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لیے آگے فرمایا: ''تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔'' [8] مصیبت کے بعد نعمت کا مطلب ہے: تنگی، قحط سالی اور آلام ومصائب کے بعد رزق کی فراوانی، اسباب معیشت کی ارزانی، صحت وعافیت اور فراغت وخوش حالی وغیرہ۔ [9] اس کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر اور ان پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کفر وشرک کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی یہ ان کی وہ بری تدبیر ہے جو وہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں۔ [10] یعنی اللہ کی تدبیر، ان سے کہیں زیادہ تیز ہے جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہے ان کی گرفت کر سکتا ہے، فوراً ابھی اور اگر اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہو تو بعد میں بھی۔ مَكْرٌ عربی زبان میں لغوی لحاظ سے شر والی خفیہ تدبیر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں لیکن فاعل اور مقصد کے اعتبار سے اچھی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ مکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو جائے تو اس کا مطلب اچھی خفیہ تدبیر ہے۔ یہاں اللہ کی عقوبت اور گرفت کو مکر سے تعبیر گیا گیا ہے۔

Marfat.com

مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿21﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

ہوئے فرشتے لکھتے جاتے ہیں جو تم مکر وفریب کرتے ہو ﴿21﴾ وہی ہے (اللہ) جو تمھیں خشکی اور تری

حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ

میں چلاتا ہے[1] حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں (سواروں کو) پاکیزہ (موافق) ہوا کے

وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ

ساتھ لیے چلتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں، تو اچانک ان (کشتیوں) پر طوفانی ہوا آپہنچتی ہے

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا

اور لہریں ان پر ہر طرف سے امڈ آتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ (طوفان میں) گھیر

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ

لیے گئے ہیں[2] (تو اس وقت) خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں[3] کہ اگر تو نے

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿22﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا

ہمیں اس (طوفان) سے نجات دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ﴿22﴾ پھر جب اس

هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

(اللہ) نے انھیں نجات دے دی تو وہ فوراً ہی زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں[4] اے

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ

لوگو! تمھاری سرکشی (کا وبال) تمھاری (اپنی ہی) جانوں پر ہے[5] (تم) دنیاوی زندگی کا فائدہ

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿23﴾

(اٹھالو)، پھر تمھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم تمھیں بتائیں گے جو عمل تم کیا کرتے تھے ﴿23﴾

[1] يُسَيِّرُكُمْ وہ تمھیں چلاتا یا چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ ''خشکی میں'' یعنی اس نے تمھیں قدم عطا کیے جن سے تم چلتے ہو، سواریاں مہیا کیں جن پر سوار ہو کر دور دراز کے سفر کرتے ہو۔ ''اور سمندر میں'' یعنی اللہ نے تمھیں کشتیاں اور جہاز بنانے کی عقل اور سمجھ دی، تم نے وہ بنائیں اور ان کے ذریعے سے سمندروں کا سفر کرتے ہو۔ [2] أُحِيطَ بِهِمْ کا مطلب ہے، جس طرح دشمن کسی قوم یا شہر کا احاطہ، یعنی محاصرہ کر لیتا ہے اور پھر وہ دشمن کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں، اسی طرح وہ جب سخت ہواؤں کے تھپیڑوں اور تلاطم خیز موجوں میں گھر جاتے ہیں اور موت ان کو سامنے نظر آتی ہے۔ [3] یعنی پھر وہ دعا میں غیر اللہ کی ملاوٹ نہیں کرتے جس طرح عام حالات میں کرتے ہیں۔ عام حالات میں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ بھی اللہ کے بندے ہیں، انھیں بھی اللہ نے اختیارات سے نواز رکھا ہے اور انھی کے ذریعے سے ہم اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں لیکن جب اس طرح شدائد میں گھر جاتے ہیں تو یہ سارے شیطانی فلسفے بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ یاد رہ جاتا ہے اور پھر صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فطرت میں اللہ واحد کی طرف رجوع کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اس جذبے یا فطرت کو دبا دیتا ہے لیکن مصیبت میں یہ جذبہ ابھر آتا ہے اور یہ فطرت عود کر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توحید، فطرت انسانی کی آواز اور اصل چیز ہے جس سے انسان کو انحراف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے انحراف فطرت سے انحراف ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین جب اس طرح مصائب میں گھر جاتے تو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کی بجائے، صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے، چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آ گئی جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا کہ آج اللہ واحد سے دعا کرو، تمھیں اس طوفان سے اس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کر لیا اگر یہاں سے میں زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا، چنانچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ (سنن النسائي، حديث:4072، وسنن أبي داود، حديث:2683 وذكره الألباني في الصحيحة، حديث:1723) لیکن افسوس! امت محمدیہ کے عوام اس طرح شرک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ شدائد وآلام میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا سمجھتے اور انھی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ آه! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا [4] یہ انسان کی اسی ناشکری کی عادت کا ذکر ہے جس کا تذکرہ ابھی آیت: 12 میں بھی گزرا، اور قرآن میں اور بھی متعدد مقامات پر اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ [5] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم یہ ناشکری اور سرکشی کر لو، چار روزہ متاع زندگی سے فائدہ اٹھا کر بالآخر تمھیں ہمارے ہی پاس آنا ہے، پھر ہم تمھیں، جو کچھ تم کرتے رہے ہو گے، بتلائیں گے، یعنی ان کو سزا دیں گے۔

Marfat.com

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

بے شک دنیاوی زندگی کی مثال تو اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى

زمین کی نباتات مل جل گئیں جس میں سے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، حتیٰ کہ جب زمین نے اپنی

اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ

رونق پکڑی اور مزین ہوگئی اور زمین والوں نے سمجھا کہ بے شک وہ اس (فصل کاٹنے) پر قادر ہیں تو

اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا

ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کو (اچانک) آ گیا، چنانچہ ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا،[1] گویا

فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

کل وہ تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ

فکر کرتے ہیں ﴿24﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے، اور وہ جسے چاہتا ہے صراط

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿25﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا

مستقیم کی ہدایت دیتا ہے ﴿25﴾ جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے بھلائی ہے

الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور مزید (دیدار الٰہی) ہے،[2] اور ان کے چہروں کو سیاہی اور ذلت نہیں ڈھانپے گی، یہی لوگ جنتی

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿26﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ

ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿26﴾ اور جن لوگوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ اس (برائی)

جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

کے برابر ہی ہے[3] اور انھیں ذلت ڈھانپ لے گی۔ کوئی انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا

مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ

نہیں ہوگا،[4] یوں لگے گا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں،[5] یہی

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿27﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ

(لوگ) دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿27﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے،[6] پھر

جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ

ہم ان لوگوں سے، جنھوں نے شرک کیا، کہیں گے: تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو،[7] پھر

---

[1] حَصِيْدًا فعیل بمعنی مفعول ہے أَيْ مَحْصُوْدًا یعنی ایسی کھیتی جسے کاٹ کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہو اور کھیت صاف ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کو اس طرح کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کے عارضی پن اور ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی بھی بارش کے پانی سے نشوونما پاتی اور سرسبز و شاداب ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اسے کاٹ کر فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ [2] اس زِيَادَةٌ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن حدیث میں اس کی تفسیر دیدار باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جس سے اہل جنت کو جنت اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد مشرف کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 181) [3] گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ انھیں ان کے نیک عملوں کی جزا کئی گنا ملے گی اور پھر مزید دیدار الٰہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا۔ السَّيِّاٰتِ سے مراد کفر و شرک اور اس کے ساتھ دیگر معاصی ہیں۔ [4] جس طرح کہ اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہوگا وہ انھیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا۔ علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو بھی شفاعت کی اجازت دے گا جن کی شفاعت وہ قبول فرمائے گا۔ [5] یہ مبالغہ ہے کہ ان کے چہرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے تر و تازہ اور روشن ہوں گے جس طرح سورۂ آل عمران 3:106 يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ سورۂ عبس 80:38-41 اور سورۂ قیامہ 75:22-24 میں ہے۔ [6] جَمِيْعًا سے مراد شروع سے آخر تک کے تمام اہل زمین انسان اور جنات ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا۔ جس طرح کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (الکہف 18:47) ''ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' [7] ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو دوسری طرف کر دیا جائے گا، یعنی اہل ایمان اور اہل کفر و شرک دونوں کو الگ الگ ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا، جیسے فرمایا: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسٓ 36:59) يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم 30:43) ''اس دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔'' یعنی دو گروہوں میں۔ أَيْ يَصِيْرُوْنَ صِدْعَيْنِ (ابن کثیر) ''لوگ دو گروہوں میں ہو جائیں گے۔''

Marfat.com

وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ

ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے[1] اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی

اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿28﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

نہیں تھے ﴿28﴾ چنانچہ ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے، بے شک ہم

اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿29﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ

تمھاری عبادت سے بالکل غافل تھے ﴿29﴾ [2] وہاں ہر نفس (شخص) جانچ لے گا

نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۖ

جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا[3] اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے، اور (وہ

ع 3 10 8

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ

سب کچھ) ان سے گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے ﴿30﴾ [4] (اے نبی!) کہہ دیجیے: تمھیں

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ

آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور کون زندہ کو مردہ

يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ

سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور کون ہے جو (دنیا کے) کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟

يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ

تو وہ (کافر) ضرور کہیں گے: اللہ![5] تو کہہ دیجیے: کیا پھر تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ ﴿31﴾ یہی تو اللہ

رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾

جو تمھارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو؟ ﴿32﴾ [6]

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ

اسی طرح آپ کے رب کا کلمہ ان لوگوں کے بارے میں ثابت ہوکر رہا جنھوں نے نافرمانی کی کہ بے شک

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا

وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿33﴾ [7] کہہ دیجیے: کیا تمھارے (بناوٹی) شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار

[1] یعنی دنیا میں ان کے درمیان آپس میں جو خصوصی تعلق تھا، وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے معبودین اس بات کا انکار کریں گے کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے، ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔ [2] یہ انکار کی وجہ ہے کہ ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں، تم کیا کچھ کرتے تھے، اور ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ کافی ہے، اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے، وہ محض پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں (جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات تو بتوں کے لیے ہیں) بلکہ وہ عقل و شعور رکھنے والے افراد ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجسمے اور بت بنا کر پوجنے شروع کر دیتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے جس کی تصریح صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد، انسان کتنا بھی نیک ہو حتیٰ کہ نبی و رسول ہو، اسے دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے متبعین اور عقیدت مند اسے مدد کے لیے پکارتے ہیں، اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، اس کی قبر پر میلے ٹھیلے کا انتظام کرتے ہیں لیکن وہ بے خبر ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا انکار ایسے لوگ قیامت والے دن کریں گے۔ یہی بات سورۂ احقاف 46:5، 6 میں بھی بیان کی گئی ہے۔ [3] یعنی جان لے گا یا مزہ چکھ لے گا۔ [4] یعنی کوئی معبود اور ''مشکل کشا'' وہاں کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کی مشکل کشائی پر قادر نہیں ہوگا۔ [5] اس آیت سے بھی واضح ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اس کے مدبر الامور ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم کا ایندھن قرار دیا۔ آج کل کے بہت سے مدعیان ایمان بھی اسی توحید الوہیت کے منکر ہیں۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى) [6] یعنی رب اور الہ (معبود) تو یہی ہے جس کے بارے میں تمھیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور مدبر وہی ہے، پھر اس معبود کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبود بنائے پھرتے ہو، وہ گمراہی کے سوا کیا ہے؟ تمھاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ [7] یعنی جس طرح یہ مشرکین تمام تر اعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اسی طرح تیرے رب کی یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو ہدایت اور ایمان انھیں کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الزمر 39:71) ''لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔''

Marfat.com

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
مخلوق کو پیدا کرے، پھر اسے لوٹا (دوبارہ پیدا کر) دے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے،
يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (34) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ
پھر وہی لوٹائے گا، لہٰذا تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟ (34) [1] کہہ دیجیے: کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی
يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ
ہے جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہو؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے،[2] پھر کیا جو حق کی طرف
يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ
ہدایت دیتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ (حق دار) ہے جو خود ہدایت
اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (35)
یافتہ نہیں، مگر یہ کہ اسے (حق کی) ہدایت دی جائے؟[3] چنانچہ تمھیں کیا ہوا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ (35) [4]
وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ
اور ان (کافروں) میں سے اکثر گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ بے شک گمان حق کے مقابلے
مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (36)
میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔[5] بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں (36) [6]
وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ
اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ
جو اس سے پہلے کی ہیں[7] اور ان تمام کتابوں کی تفصیل (بیان کرتا) ہے،[8] اس میں کوئی شک نہیں،[9] (یہ)
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (37) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
رب العالمین کی طرف سے ہے (37) [10] کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے گھڑ لیا ہے؟
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ
(اے نبی!) کہہ دیجیے: تو تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (38) بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ
جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو (38) [11] بلکہ انھوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا اپنے علم سے وہ

[1] مشرکین کے شرک کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لیے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتلاؤ جنھیں تم اللہ کا شریک گردانتے ہو، کیا انھوں نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے؟ یا دوبارہ اسے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ پہلی مرتبہ بھی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور روز قیامت دوبارہ وہی سب کو زندہ کرے گا تو پھر تم ہدایت کا راستہ چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو؟ [2] یعنی بھٹکے ہوئے مسافرین راہ کو راستہ بتانے والا اور دلوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان کے شرکاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہ کام کر سکے۔ [3] یعنی پھر پیروی کے لائق کون ہے؟ وہ شخص جو دیکھتا سنتا اور لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ یا وہ جو اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود راستے پر چل بھی نہیں سکتا، جب تک کہ دوسرے لوگ اسے راستے پر نہ ڈال دیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائیں؟ [4] یعنی تمھاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کس طرح اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہرائے جا رہے ہو؟ اور اللہ کے ساتھ تم دوسروں کو بھی شریک عبادت بنا رہے ہو؟ جبکہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود مانا جائے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لیے خاص مانی جائیں۔ [5] لیکن بات یہ ہے کہ لوگ محض اٹکل پچو باتوں پر چلنے والے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلے میں اوہام و خیالات اور ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن میں ظن، یقین اور گمان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ [6] یعنی اس ہٹ دھرمی کی وہ سزا دے گا کہ دلائل نہ رکھنے کے باوجود یہ محض اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کے پیچھے لگے رہے اور عقل و فہم سے ذرا کام نہ لیا۔ [7] جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔ [8] یعنی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تفصیل بیان کرنے والا۔ [9] اس کی تعلیمات میں، اس کے بیان کردہ قصص و واقعات میں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں۔ [10] یہ سب باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔ [11] ان تمام حقائق و دلائل کے بعد بھی اگر تمھارا دعویٰ یہی ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا گھڑا ہوا ہے، تو وہ بھی تمھاری ہی طرح کا ایک انسان ہے، تمھاری زبان بھی اسی کی طرح عربی ہے۔ وہ تو ایک ہے، تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم دنیا بھر کے ادیبوں، فصحاء و بلغاء کو اور اہل علم و اہل قلم کو جمع کر لو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل بنا کر پیش کر دو۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج تک باقی ہے، اس کا جواب نہیں ملا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن، کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فی الواقع

Marfat.com

وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ
احاطہ نہ کر سکے[1] اور ابھی تک اس کی اصل حقیقت بھی ان پر نہیں کھلی تھی،[2] اسی طرح ان
قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿39﴾
لوگوں نے (بھی) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے، پھر دیکھیے ظالموں کا انجام کیسا ہوا! ﴿39﴾ [3]
وَمِنْهُمْ مَّنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ
اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس
بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿40﴾ ع وَاِنْ كَذَّبُوْكَ
پر ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب ان فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿40﴾ [4] اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں
فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ
تو کہہ دیجیے: میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ تم اس سے بری ہو جو میں عمل
اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿41﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ
کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم عمل کرتے ہو ﴿41﴾ [5] اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ
اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿42﴾
کی طرف کان لگاتے ہیں، پھر کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ عقل نہ رکھتے ہوں؟ ﴿42﴾ [6]
وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ
اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے
وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿43﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْــًٔا وَّلٰكِنَّ
ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں؟ ﴿43﴾ [7] بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، مگر لوگ اپنے آپ

کلام الٰہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا ہے۔

[1] یعنی قرآن پر تدبر اور اس کے معانی پر غور کیے بغیر اس کی تکذیب پر تل گئے جس طرح مقلدین کا حال ہوتا ہے۔ [2] یعنی قرآن نے جو پچھلے واقعات اور مستقبل کے امکانات بیان کیے ہیں، اس کی پوری سچائی اور حقیقت بھی ان پر واضح نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہی تکذیب شروع کر دی یا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے قرآن پر کماحقہ تدبر کیے بغیر ہی اس کی تکذیب کر دی، حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں اس پر تدبر کرتے اور ان امور پر غور کرتے جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یقیناً اس کے فہم اور معانی کے دروازے ان پر کھل جاتے۔ اس صورت میں تاویل کے معنی، قرآن کریم کے اسرار و معارف اور لطائف و معانی کے واضح ہو جانے کے ہوں گے۔ [3] یہ ان کفار و مشرکین کو تنبیہ و تہدید ہے کہ تمھاری طرح پچھلی قوموں نے بھی آیات الٰہی کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ اگر تم اس تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ [4] وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ اور گمراہی کا مستحق کون ہے؟ اس کے لیے گمراہی کا راستہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔ وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں ظلم کا شائبہ نہیں۔ جو جس بات کا مستحق ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے۔ [5] یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں کہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے، سو وہ میں کر چکا ہوں۔ اب نہ تم میرے عمل کے ذمے دار ہو، نہ میں تمھارے عمل کا۔ سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا برے عمل کی باز پرس ہوگی۔ یہ وہی بات ہے جو ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○﴾ (الکٰفرون 2,1:109) میں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں کہی تھی: ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ (الممتحنة 4:60) ”بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی ہم تمھارے ساتھ انکار کرتے ہیں۔“ [6] یعنی ظاہری طور پر وہ قرآن تو سنتے ہیں لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں، اس لیے انھیں اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب بہرا غیر عاقل بھی ہو کیونکہ عقل مند بہرہ پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ان کی مثال تو غیر عاقل بہرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے بہرہ رہتا ہے۔ [7] اسی طرح بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں لیکن مقصد ان کا بھی چونکہ کچھ اور ہوتا ہے، اس لیے انھیں بھی اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔ بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہو کیونکہ بعض اندھے جنھیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے باوجود بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔ مقصد ان باتوں سے نبی ﷺ کی تسلی ہے۔ جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج کرانے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پروا نہیں کرتا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور وہ اس پر اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

Marfat.com

النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿44﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا

پر (خود ہی) ظلم کرتے ہیں ﴿44﴾ [1] اور جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا (تو انھیں یوں لگے گا) جیسے وہ

إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ

(دنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہ رہے تھے [2] وہ باہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ [3]

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿45﴾

یقیناً وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا، اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے ﴿45﴾ اور

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

(اے نبی!) اگر ہم ایسا کوئی عذاب آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو

فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿46﴾

وفات دے دیں، تو انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ ان کاموں پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿46﴾ [4]

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم

اور ہر امت کا ایک رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آ گیا تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿47﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ

گیا، [5] اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ﴿47﴾ اور وہ (کافر) کہتے ہیں یہ (عذاب کا) وعدہ کب (پورا)

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿48﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا

ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ ﴿48﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: میں اپنی ذات کے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا

[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انھیں ساری صلاحیتوں سے نوازا ہے، آنکھیں بھی دی ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں، کان دیے ہیں جن سے سن سکتے ہیں، عقل و بصیرت دی ہے جن سے حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے وہ حق کا راستہ نہیں اپناتے تو پھر یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔ [2] یعنی محشر کی سختیاں دیکھ کر انھیں دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور دنیا کی زندگی انھیں ایسے معلوم ہوگی گویا وہ دنیا میں ایک آدھ گھڑی ہی رہے ہیں۔ ﴿لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾ (النّٰزعٰت 79:46) ''وہ (دنیا میں) ٹھہرے ہی نہیں مگر دن کا ایک پچھلا حصہ یا اس کا پہلا حصہ۔'' [3] محشر میں مختلف حالتیں ہوں گی، جنھیں قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک وقت یہ بھی ہوگا جب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام دھریں گے، اور بعض موقعوں پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ ﴿فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ (المؤمنون 23:101) کہ ''آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ داریوں کا پتا ہوگا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' [4] اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم ان کفار کے بارے میں جو وعدہ کر رہے ہیں کہ اگر انھوں نے کفر و شرک پر اصرار جاری رکھا تو ان پر بھی اسی طرح عذاب الٰہی آ سکتا ہے جس طرح پچھلی قوموں پر آیا، ان میں سے بعض اگر ہم آپ کی زندگی میں بھیج دیں تو یہ بھی ممکن ہے، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اگر آپ اس سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیے گئے، تب بھی کوئی بات نہیں، ان کافروں کو بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ ان کے سارے اعمال و احوال کی ہمیں اطلاع ہے، وہاں یہ ہمارے عذاب سے کس طرح بچ سکیں گے؟ یعنی دنیا میں تو ہماری مخصوص حکمت کی وجہ سے ممکن ہے کہ عذاب سے بچ جائیں لیکن آخرت میں تو ان کے لیے ہمارے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا کیونکہ قیامت کے وقوع کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں اطاعت گزاروں کو ان کی اطاعت کا صلہ اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کی سزا دی جائے۔ [5] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہر امت میں ہم رسول بھیجتے رہے۔ اور جب رسول اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر چکتا تو پھر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتے، یعنی پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے اور دوسروں کو ہلاک کر دیتے کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرآءیل 17:15) ''اور ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔'' اور اس فیصلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا کیونکہ ظلم تو تب ہوتا جب بغیر گناہ کے ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا بغیر حجت تمام کیے ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا۔ (فتح القدیر) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی قیامت والے دن ہر امت جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی تو اس امت میں بھیجا گیا رسول بھی ساتھ ہوگا۔ سب کے اعمال نامے بھی ہوں گے اور فرشتے بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور یوں ہر امت اور اس کے رسول کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ امت محمدیہ کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ''ہم اگرچہ سب کے بعد آنے والے ہیں لیکن قیامت کو سب سے آگے ہوں گے، اور تمام مخلوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔''

(صحیح مسلم، حدیث: 856) (تفسیر ابن کثیر)

Marfat.com

مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

اور نہ نفع کا مگر جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک مقررہ وقت ہے۔ جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿49﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

تو وہ (اس سے) ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے ﴿49﴾ [1] کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اگر اس کا عذاب

عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

تم پر رات کو یا دن کو آجائے (تو کیا بچاؤ کر لو گے؟ آخر) کیا چیز ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچا

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿50﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ

رہے ہیں؟ ﴿50﴾ [2] کیا پھر جب (عذاب) واقع ہو جائے گا (تب) اس پر ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت کہا

وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ

جائے گا:) کیا اب (ایمان لاتے ہو؟) [3] حالانکہ تم تو یقیناً اسے جلدی مانگتے تھے ﴿51﴾ پھر جنھوں نے ظلم

ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا

کیا ان سے کہا جائے گا: تم دائمی عذاب (کا مزہ) چکھو، تمھیں انھی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا

كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿52﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ

میں) کماتے رہے ﴿52﴾ اور (اے نبی!) وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا وہ (عذاب) واقعی سچ ہے؟ [4]

اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ وَلَوْ

(آپ) کہہ دیجیے: ہاں! میرے رب کی قسم! وہ سچ ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿53﴾ اور اگر

اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ

بلاشبہ ہو ہر ظالم شخص کے پاس جو کچھ زمین میں ہے تو وہ اسے (عذاب سے بچنے کے لیے) ضرور

بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ

فدیہ دے دے گا [5] اور مجرم جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

فیصلہ کیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ﴿54﴾ آگاہ رہو! بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾

اور زمین میں ہے، آگاہ رہو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے ﴿55﴾ وہی

هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿56﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

زندہ کرتا اور (وہی) مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿56﴾ [6] اے لوگو! یقیناً تمھارے

ع 5 13 10

[1] یہ مشرکین کے عذاب الٰہی مانگنے پر کہا جا رہا ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، چہ جائیکہ کہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ ہاں، یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے، اس وقت موعود تک وہ مہلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے سرک سکتے ہیں۔ تنبیہ: یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ جب افضل الخلائق، سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو آپ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت برآری اور مشکل کشائی پر قادر ہو؟ اسی طرح خود اللہ کے پیغمبر سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ''یا رسول اللہ مدد'' اور ''أَغِثْنِي يَارَسُولَ اللّٰهِ'' وغیرہ الفاظ سے استغاثہ و استعانت کرنا، کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت اور اس قسم کی دیگر واضح تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ شرک کی ذیل میں آتا ہے۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا [2] یعنی عذاب تو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے جس سے دل نفرت کرتے اور طبیعتیں انکار کرتی ہیں، پھر یہ اس میں کیا خوبی دیکھتے ہیں کہ اسے جلدی طلب کرتے ہیں؟ [3] لیکن عذاب آنے کے بعد ماننے کا کیا فائدہ؟ [4] یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ یہ معاد و قیامت اور انسانوں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا ایک برحق بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجیے کہ تمھارا مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا، اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں کر سکتا، اس لیے یقیناً یہ ہو کر رہے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظیر قرآن میں مزید صرف 2 آیتیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ قسم کھا کر معاد کے وقوع کا اعلان کریں۔ (ایک سورۂ سبا 34:3 اور دوسرے سورۂ تغابن 64:7) [5] یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لیے آمادہ ہو گا۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہو گا ہی کیا؟ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔ [6] ان آیات میں آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ، وعدۂ الٰہی کے برحق ہونے، زندگی اور موت پر اس کے اختیار اور اس کی بارگاہ میں سب کی حاضری کا بیان ہے جس سے مقصد گزشتہ باتوں ہی کی تائید و توضیح ہے کہ جو ذات اتنے اختیارات کی مالک ہے، اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہاں

Marfat.com

جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ
پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت[1] اور شفا[2] ان (بیماریوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں،
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ
اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آگئی ہے ﴿57﴾[3] (اے نبی!) کہہ دیجیے: (یہ) اللہ کے فضل
وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا
اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہٰذا (لوگوں کو) چاہیے کہ وہ اسی کے ساتھ خوش ہوں،[4] یہ ان
يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ
چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ﴿58﴾ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمھارے لیے جو
رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ
رزق نازل کیا، پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرا لیا[5] کہہ دیجیے: کیا اللہ نے تمھیں
لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿59﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
(یہ) حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟ ﴿59﴾ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
باندھتے ہیں، روز قیامت کے بارے میں؟[6] بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے[7] لیکن ان
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿60﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا
میں سے اکثر شکر نہیں کرتے ﴿60﴾[8] اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف
مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ
سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں، اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت
شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ
ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے ذرہ بھر کوئی
ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ
چیز بھی چھپی نہیں ہوتی، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہ کوئی اس سے چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی مگر

جا سکتا ہے؟ اور اس نے حساب کتاب کے لیے جو ایک دن مقرر کیا ہوا ہے، اسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ ایک دن ضرور آئے گا اور ہر نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔

[1] یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ کے اصل معنی ہیں، عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ اور واعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔ [2] یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو گندگی و پلیدی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔ [3] یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انھی کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کو قرآن کریم میں سورۂ بنی اسرائیل 82:17 اور سورۂ حٰمٓ سجدہ 44:41 میں بھی بیان کیا گیا ہے، نیز ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرة 2:2) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ [4] خوشی، اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے، یعنی ان کے دلوں میں فرحت اور اطمینان کی کیفیت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشی کے اظہار کے لیے جلسے جلوسوں کا، چراغاں کا اور اس قسم کے دیگر غلط کاموں اور اسراف بے جا کا اہتمام کرو جیسا کہ آج کل اہل بدعت اس آیت سے "جشن عید میلاد" اور اس کی غلط رسوم کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ [5] اس سے مراد وہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے ناموں پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے جس کی تفصیل سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔ [6] یعنی قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے کیا معاملہ فرمائے گا۔ [7] کہ وہ انسانوں کا دنیا میں فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں بلاتفریق مومن و کافر، سب کو دیتا ہے۔ یا جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں، انھیں حلال اور جائز قرار دیا ہے، انھیں حرام نہیں کیا۔ [8] یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے یا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿61﴾ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ

(وہ) واضح کتاب میں (درج) ہے ﴿61﴾ [1] آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ [2] پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ

وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿62﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿63﴾

وہ غمگین ہوں گے ﴿62﴾ [3] (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے ﴿63﴾ ان

لَهُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ

کے لیے دنیاوی زندگی میں خوشخبری ہے [4] اور آخرت میں (بھی)، اللہ کی باتوں

لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿64﴾ وَلَا یَحۡزُنۡکَ

میں تبدیلی نہیں ہوتی، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿64﴾ اور (اے نبی!) ان کی

قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا ؕ هُوَ السَّمِیۡعُ

باتیں آپ کو غمگین نہ کریں، بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے، وہی خوب سننے والا، خوب

الۡعَلِیۡمُ ﴿65﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی

جاننے والا ہے ﴿65﴾ آگاہ رہو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں میں جو (مخلوق) ہے اور

الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

جو زمین میں ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں، وہ (کسی اور چیز کی)

شُرَکَآءَ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا

پیروی نہیں کرتے مگر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ محض قیاس کے گھوڑے

یَخۡرُصُوۡنَ ﴿66﴾ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا

دوڑاتے ہیں ﴿66﴾ [5] وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے رات بنائی، تاکہ اس میں سکون

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی انسانوں پر اس کی نظر ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۂ انعام 59:6 میں گزر چکا ہے کہ ''اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنھیں وہی جانتا ہے۔ اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے، اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اسی طرح سورۂ انعام 38:6 اور سورۂ ہود 6:11 میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جب واقعہ یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین میں موجود اشیاء کی حرکتوں کو جانتا ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی ان حرکات و اعمال سے کیوں کر بے خبر رہ سکتا ہے جو اللہ کی عبادت کے مکلف اور مامور بہ ہیں؟ [2] نافرمانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کا ذکر فرما رہا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے، وہ سچے اور مخلص مومن جنھوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اسی لیے اگلی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان و تقویٰ ہی اللہ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے، اس لحاظ سے ہر مومن متقی اللہ کا ولی ہے۔ لوگ ولایت کے لیے اظہار کرامت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے ولیوں کے لیے جھوٹی سچی کرامتیں مشہور کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کرامت ولایت کے لیے نہ لازم ہے اور نہ اس کے لیے شرط۔ یہ ایک الگ چیز ہے اگر کسی سے کرامت ظاہر ہو جائے تو اللہ کی مشیت ہے، اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لیکن کسی متقی مومن اور متبع سنت سے کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔ [3] ﴿خَوۡفٌ﴾ کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم ﴿یَحۡزَنُوۡنَ﴾ کا ماضی سے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے زندگی خدا خوفی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے، اس لیے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہوگا، جس طرح دوسروں کو ہوگا بلکہ وہ اپنے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اللہ کی رحمت و فضل خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے والے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی لذتیں انھیں حاصل نہ ہو سکی ہوں گی، ان پر انھیں کوئی حزن و ملال نہیں ہوگا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انھیں نہ ملیں، اس پر وہ غم و حزن کا مظاہرہ نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی قضا و تقدیر ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل قضائے الٰہی پر مسرور و مطمئن رہتے ہیں۔ [4] دنیا میں خوشخبری سے مراد رؤیائے صادقہ ہیں یا وہ خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ایک مومن کو دیتے ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ [5] یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ محض ظن و تخمین اور رائے و قیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ آج اگر انسان اپنے قوائے عقل و فہم کو صحیح طریقے سے استعمال میں لائے تو یقیناً اس پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور

Marfat.com

فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
(حاصل) کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک اس میں یقیناً بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں
لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿67﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ
کے لیے جو سنتے ہیں ﴿67﴾ انھوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ وہ (اولاد سے) پاک ہے، وہ
هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ
بے پرواہے، [1] اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، [2]
عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا
تمھارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
تم جانتے نہیں؟ ﴿68﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، [3]
لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ
وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿69﴾ [4] دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے، پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا
ع 7/10/12 نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ ع
ہے، پھر ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ہم انھیں شدید عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے ﴿70﴾
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ
اور (اے نبی!) آپ انھیں نوح کا قصہ سنا دیجیے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر
عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ
تمھیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے،
فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ
چنانچہ تم اور تمھارے شریک مل کر (میرے خلاف) فیصلہ کرلو، [5] پھر تمھارا فیصلہ تم میں (کسی سے) پوشیدہ
غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿71﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا
نہ رہے، [6] پھر مجھ پر تم وہ نافذ کردو اور مجھے مہلت نہ دو ﴿71﴾ پھر اگر تم (حق سے) پھر جاؤ، تو میں نے

جس طرح وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسرے کیوں کر اس کے شریک ہو سکتے ہیں؟

[1] اور جو کسی کا محتاج نہ ہو، اسے اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اولاد تو سہارے کے لیے ہی ہوتی ہے اور جب وہ سہارے کا محتاج نہیں تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت؟ [2] جب آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے تو ہر چیز اسی کی مملوک اور غلام ہوئی، پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جسے کچھ مدد اور سہارے کی ضرورت ہو، نیز اولاد کا ہونا خود محتاجی کی دلیل ہے اور جس کا حکم آسمان و زمین کی ہر چیز پر چلتا ہو، اسے کیا ضرورت لاحق ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اولاد کی ضرورت وہ شخص بھی محسوس کرتا ہے جو اپنے بعد مملوکات کا وارث دیکھنا یا بنانا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو فنا ہی نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ازلی اور قدیم ہے، اس لیے اللہ کے لیے اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (مریم 19:90، 91) ''اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں رحمٰن کی اولاد ہے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔'' [3] اِفْتِرَاء کے معنی جھوٹی بات کہنے کے ہیں۔ اس کے بعد مزید ''جھوٹ'' کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔ [4] اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی، یعنی اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی عارضی خوش حالی، کامیابی نہیں جیسا کہ بہت سے لوگ کافروں کی عارضی خوش حالی سے مغالطے کا اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ ''یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں، پھر ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے۔'' یعنی یہ دنیا کا عیش، آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد انھیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں، ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہیں جو اسباب ظاہری کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہیں جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوہ ازیں یہ عارضی کامیابیاں اللہ کے قانون مہلت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی وضاحت ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ [5] یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کرلو، (اگر وہ تمھارے زعم کے مطابق تمھاری مدد کر سکتے ہیں) [6] غُمَّةً کے دوسرے معنی ہیں، ابہام اور پوشیدگی، یعنی میرے خلاف تمھاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہیے۔

Marfat.com

سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ
تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کیا،[1] میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں
اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿72﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ
فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں (72) [2] پھر انھوں نے اسے جھٹلایا[3] تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو
مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا
نجات دی جو اس کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے، اور ہم نے انھیں (ان کا) جانشین بنادیا،[4] اور ہم نے ان
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
لوگوں کو غرق کردیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر (اے نبی!) دیکھیے ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ
جنھیں ڈرایا گیا تھا؟ (73) پھر ہم نے اس (نوح) کے بعد کئی رسول ان کی (اپنی اپنی) قوم کی طرف بھیجے،
فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ
چنانچہ وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے،[5] تو (پھر بھی) نہ ہوئے کہ وہ اس (ہدایت) پر ایمان لے
مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿74﴾
آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔[6] اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں (74) [7]
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون[8] کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے
بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ
سرداروں کی طرف بھیجا[9] تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے (75) [10] پھر جب ان کے پاس
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾ قَالَ مُوْسٰٓی
ہماری طرف سے حق آ گیا تو انھوں نے کہا: بے شک یہ تو یقیناً کھلا جادو ہے (76) [11] موسیٰ نے
اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا
کہا: کیا تم حق کے بارے میں (یہ) کہتے ہو جب وہ تمھارے پاس آ گیا؟ کیا یہ جادو ہے؟

[1] کہ جس کی وجہ سے تم یہ تہمت لگا سکو کہ دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو مال و دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔ [2] حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ گو شرائع مختلف اور مناہج متعدد رہے۔ جیسا کہ آیت: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المآئدة 48:5) سے واضح ہے۔ لیکن دین سب کا اسلام تھا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ 2: 132,131، سورۂ مائدہ 5: 44 و 111، سورۂ انعام 6: 162, 163، سورۂ اعراف 7: 126، سورۂ یونس 10: 84، سورۂ یوسف 12: 101 اور سورۂ نمل 27: 44 و 91) [3] یعنی قوم نوح نے تمام تر وعظ و نصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور باقی سب کو حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کو بھی غرق کر دیا۔ [4] یعنی زمین میں ان بچنے والوں کو پچھلے لوگوں کا جانشین بنایا، پھر انسانوں کی آئندہ نسل انھی لوگوں بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ ان بیٹوں کے نام تھے، حام، سام اور یافث۔ [5] یعنی ایسے دلائل و معجزات لے کر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ واقعی یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ [6] لیکن یہ امتیں رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں، محض اس لیے کہ جب اول اول یہ رسول ان کے پاس آئے تو فوراً بغیر غور و فکر کیے، ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ پہلی مرتبہ کا انکار ان کے لیے مستقل حجاب بن گیا۔ اور وہ یہی سوچتے رہے کہ ہم تو پہلے انکار کر چکے ہیں، اب اس کو کیا ماننا؟ نتیجتاً ایمان سے وہ محروم رہے۔ [7] یعنی جس طرح ان گزشتہ قوموں پر ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے مہریں لگتی رہی ہیں اسی طرح آئندہ بھی جو قوم رسولوں کو جھٹلائے گی اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گی، ان کے دلوں پر مہر لگتی رہے گی اور وہ ہدایت سے اسی طرح محروم رہے گی جس طرح گزشتہ قومیں محروم رہیں۔ [8] رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے، درآں حالیکہ رسول کے تحت میں وہ بھی آ جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا شمار جلیل القدر رسولوں میں ہوتا ہے، اس لیے خصوصی طور پر ان کا الگ ذکر فرمایا۔ [9] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات، بالخصوص نو آیات بینات، جن کا ذکر اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل 17: 101 میں کیا ہے، مشہور ہیں۔ [10] یعنی چونکہ وہ بڑے بڑے جرائم اور گناہوں کے عادی تھے، اس لیے انھوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے ساتھ بھی استکبار کا معاملہ کیا کیونکہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا اور گناہوں پر اصرار بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی جرأت پیدا کر دیتا ہے۔ [11] جب انکار کے لیے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے، حالانکہ جادو تو سراسر دھوکا اور فریب ہے، انبیاء علیہم السلام کا اس سے کیا تعلق؟

Marfat.com

يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا
حالانکہ جادو گر تو فلاح نہیں پاتے ﴿77﴾[1] انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ
اس (طریقے) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور تم دونوں کے لیے زمین میں
وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿78﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ
اقتدار ہو؟[2] جبکہ ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ﴿78﴾ اور فرعون نے کہا: تم میرے پاس ہر ماہر
سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿79﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا
جادوگر کو لے آؤ ﴿79﴾ پھر جب تمام جادوگر آگئے تو ان سے موسیٰ نے کہا: ڈالو جو کچھ تم ڈالنے
مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿80﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ
والے ہو ﴿80﴾ پھر جب انھوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا: جو کچھ تم لائے ہو (یہ) جادو
السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ
ہے۔ بے شک اللہ جلد اسے باطل کر دے گا۔[3] بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ
کام نہیں سنوارتا ﴿81﴾[4] اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ساتھ ثابت کرتا ہے،[5] اگرچہ مجرم لوگ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿82﴾ ع 8/12/13 فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ
ناپسند کریں ﴿82﴾ چنانچہ موسیٰ پر اس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا،[6] فرعون
عَلٰي خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ
اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انھیں فتنے میں نہ ڈال دے،[7] اور بے شک فرعون

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ذرا سوچو تو سہی، حق کی دعوت اور صحیح بات کو تم جادو کہتے ہو، بھلا یہ جادو ہے؟ جادوگر تو کامیاب ہی نہیں ہوتے، یعنی مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے اور ناپسندیدہ انجام سے بچنے میں وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ اور میں تو اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کی مدد حاصل ہے اور اس کی طرف سے مجھے معجزات اور آیات بینات عطا کی گئی ہیں مجھے سحر وساحری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اللہ کے عطا کردہ معجزات کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟ [2] یہ منکرین کی دیگر کٹ حجتیاں ہیں جو دلائل سے عاجز آکر پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو، دوسرے یہ کہ ہمیں جاہ و ریاست حاصل ہے، اسے ہم سے چھین کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس لیے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے، یعنی تقلید آباء پر اصرار اور دنیوی جاہ و مرتبت کی خواہش نے انھیں ایمان لانے سے روکے رکھا۔ اس کے بعد آگے وہی قصہ ہے کہ فرعون نے ماہر جادوگروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:115-126 میں گزرا اور سورۂ طٰہٰ 20:65-70 میں بھی اس کی کچھ تفصیل آئے گی۔ [3] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بھلا جھوٹ بھی سچ کے مقابلے میں کامیاب ہوسکتا ہے؟ جادوگروں نے، چاہے وہ اپنے فن میں کتنے ہی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، جو کچھ پیش کیا، وہ جادو ہی تھا اور نظر کی شعبدہ بازی ہی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پھینکا تو اس نے ساری شعبدہ بازیوں کو آن واحد میں ختم کر دیا۔ [4] اور یہ جادوگر بھی مفسدین تھے جنھوں نے محض دنیا کمانے کے لیے جادوگری کا فن سیکھا ہوا تھا اور جادو کے کرتب دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل فساد کو کس طرح سنوار سکتا تھا؟ [5] یا کلمات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں اتارتا رہا ہے جو پیغمبروں کو وہ عطا فرماتا تھا۔ یا وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کے ہاتھوں سے صادر ہوتے تھے یا اللہ کا وہ حکم ہے جو وہ لفظ کُنْ سے صادر فرماتا ہے۔ [6] قَوْمِهٖ کی ضمیر کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ آیت میں ضمیر سے پہلے انھی کا ذکر ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے، یعنی فرعون کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تو ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں انھیں مل گئے اور اس اعتبار سے سارے بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے تھے، اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سے مراد فرعون کی قوم سے تھوڑے سے لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ انھی میں سے اس کی بیوی (حضرت آسیہ) بھی ہیں۔ [7] قرآن کریم کی یہ صراحت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ فرعون کی قوم میں سے تھے کیونکہ انھی کو فرعون اور اس کے درباریوں اور حکام سے تکلیف پہنچائے جانے کا ڈر تھا۔ بنی اسرائیل، ویسے تو فرعون کی غلامی ومحکومی کی ذلت ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا نہ انھیں اس وجہ سے مزید تکالیف کا اندیشہ تھا۔

Marfat.com

فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿83﴾ وَقَالَ

سرزمین (مصر) میں سرکش (بنا ہوا) تھا، اور بے شک وہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا﴿83﴾[1] اور

مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن

موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم

كُنتُم مُّسْلِمِينَ ﴿84﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

فرماں بردار ہو﴿84﴾[2] چنانچہ انھوں نے کہا: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ اے ہمارے رب! تو

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿85﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

ہمیں ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال﴿85﴾ اور تو ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم

الْكَافِرِينَ ﴿86﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا

سے نجات دے﴿86﴾[3] اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم اپنی قوم کے لیے

بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ

مصر میں کچھ گھر بناؤ، اور تم اپنے گھروں کو قبلہ (رو) بناؤ[4] اور نماز قائم کرو، اور مومنوں کو

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿87﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ

خوشخبری دے دیجیے﴿87﴾ اور موسیٰ نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس (کی

فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا

قوم) کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں شان وشوکت اور مال وزر دے رکھا ہے، اے ہمارے رب!

لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

تاکہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب! ان کے مال وزر غارت کر دے اور

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿88﴾

ان کے دل سخت کر دے[5] پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ درد ناک عذاب (نہ) دیکھ لیں﴿88﴾[6]

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ

اللہ نے کہا: یقیناً تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، چنانچہ تم دونوں ثابت قدم رہو[7] اور ان

[1] اور ایمان لانے والے اس کے اسی ظلم وستم کی عادت سے خوف زدہ تھے۔ [2] بنی اسرائیل، فرعون کی طرف سے جس ذلت ورسوائی کا شکار تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی اس میں کمی نہیں آئی، اس لیے وہ سخت پریشان تھے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انھوں نے یہ تک کہہ دیا، اے موسیٰ! جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے تکلیفوں میں مبتلا تھے، تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں کہا تھا کہ امید ہے کہ میرا رب جلد ہی تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم صرف ایک اللہ سے مدد چاہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ اعراف 129,128:7) یہاں بھی حضرت موسیٰ نے انھیں تلقین کی کہ اگر تم اللہ کے سچے فرمانبردار ہو تو اسی پر توکل کرو، اس لیے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ [3] اللہ پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعائیں بھی کیں۔ اور یقیناً اہل ایمان کے لیے یہ ایک بہت بڑا ہتھیار بھی ہے اور سہارا بھی۔ [4] اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنا لو اور ان کا رخ اپنے قبلے (بیت المقدس) کی طرف کر لو تاکہ تمھیں عبادت کرنے کے لیے باہر کنیسوں وغیرہ میں جانے کی ضرورت ہی نہ رہے، جہاں تمھیں فرعون کے کارندوں کے ظلم وستم کا ڈر رہتا ہے۔ [5] جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ ونصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح معجزات دیکھ کر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی تو پھر ان کے حق میں بددعا فرمائی جسے اللہ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔ [6] یعنی اگر یہ ایمان لائیں بھی تو عذاب دیکھنے کے بعد لائیں گے جو ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ یہاں ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہیے کہ پیغمبر تو ہدایت کی دعا کرتے ہیں نہ کہ ہلاکت کی بددعا، اس لیے کہ دعوت وتبلیغ اور ہر طرح سے اتمام حجت کے بعد جب یہ واضح ہو جائے کہ اب ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو پھر آخری چارۂ کار یہی رہ جاتا ہے کہ اس قوم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اللہ کی مشیت ہی سے پیغمبر کی زبان پر بددعا جاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے بارے میں بددعا فرمائی: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح 26:71) ''اے رب زمین پر ایک کافر کو بھی بسا نہ رہنے دے۔'' اس لیے کہ اگر تو ان کو باقی چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور خود ان سے پیدا ہونے والی نسل کافر و فاجر ہوگی۔ [7] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی بددعا پر قائم رہنا، چاہے اس کے ظہور میں تاخیر ہو جائے کیونکہ تمھاری دعا تو یقیناً قبول کر لی گئی ہے لیکن ہم اسے عملی جامہ کب پہنائیں گے؟ یہ خالص ہماری مشیت وحکمت پر موقوف ہے، چنانچہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس بددعا کے چالیس سال بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک کی گئی اور بددعا کے مطابق فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس وقت اس نے ایمان لانے کا اعلان کیا

Marfat.com

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿89﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

لوگوں کے راستے کی پیروی مت کرو جو علم نہیں رکھتے ﴿89﴾[1] اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے

الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى

پار کردیا،[2] پھر فرعون اور اس کی فوجوں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، حتی کہ

اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ

جب اسے غرق ہونے نے پالیا،[3] تو پکار اٹھا: میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک اس ذات کے سوا

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿90﴾ آٰلْـٰٔنَ

کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ﴿90﴾ (اللہ

وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿91﴾

نے فرمایا:) کیا اب (ایمان لاتا ہے؟) جبکہ تو پہلے نافرمان تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا ﴿91﴾[4]

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ

چنانچہ آج ہم تجھے نجات دیں گے تیرے بدن سمیت (تیرا جسم بچا کر سمندر سے باہر نکال پھینکیں

اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

گے)، تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نشان (عبرت) ہو،[5] اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں

لَغٰفِلُوْنَ ﴿92﴾ ع وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ

سے البتہ غافل ہیں ﴿92﴾ اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ

وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ

چیزوں سے رزق دیا، پھر انھوں نے (باہم) اختلاف نہیں کیا حتی کہ ان کے پاس علم آگیا[6]

الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(اے نبی!) بے شک آپ کا رب ان کے درمیان روز قیامت کو ان باتوں کا فیصلہ کرے گا

فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ

جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿93﴾ پھر اگر آپ (اس کتاب کے متعلق) شک میں ہوں جو ہم نے

اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ

آپ کی طرف نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، یقیناً آپ کے

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿94﴾ وَلَا

پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آگیا ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿94﴾[7] اور

جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی تبلیغ و دعوت، بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی اور اس کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی جدوجہد جاری رکھو۔

[1] یعنی جو لوگ اللہ کی سنت، اس کے قانون اور اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو نہیں جانتے، تم ان کی طرح مت ہونا بلکہ اب انتظار اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جلد یا بدیر اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا کیونکہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ [2] یعنی سمندر کو پھاڑ کر اس میں خشک راستہ بنا دیا۔ (جس طرح کہ سورۂ بقرہ 2:50 میں گزرا اور مزید تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی) اور تمھیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

[3] یعنی اللہ کے حکم سے معجزانہ طریق پر بنے ہوئے خشک راستے پر، جس پر چل کر موسیٰ اور ان کی قوم نے سمندر پار کیا تھا، فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر پار کرنے کی غرض سے چلنا شروع ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جو میری غلامی سے نجات دلانے کے لیے راتوں رات لے آیا تو اسے دوبارہ قید غلامی میں لایا جائے۔ جب فرعون اور اس کا لشکر اس سمندری راستے میں داخل ہو گیا تو اللہ نے سمندر کو حسب سابق جاری ہو جانے کا حکم دے دیا۔ نتیجتاً فرعون سمیت سب کے سب غرق دریا ہو گئے۔ [4] اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت تو نافرمانیوں اور فساد انگیزیوں میں مبتلا رہا۔ [5] جب فرعون غرق ہو گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا، اس نے اس کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دیا جس کا مشاہدہ پھر سب نے کیا۔ مشہور ہے کہ آج بھی یہ لاش مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَاب [6] یعنی ایک تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپس میں اختلاف شروع کر دیا، پھر یہ اختلاف بھی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ علم آ جانے کے بعد کیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اختلاف محض عناد اور تکبر کی بنیاد پر تھا۔ [7] یہ خطاب یا تو عام انسانوں کو ہے یا پھر نبی ﷺ کے واسطے سے امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کیونکہ نبی ﷺ کو تو وحی کے بارے میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ''جو کتاب پڑھتے ہیں، ان سے پوچھ لیں۔'' کا مطلب ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں، (تورات و انجیل وغیرہ) یعنی جن کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں، ان سے اس قرآن کی بابت معلوم کریں کیونکہ ان میں اس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

Marfat.com

تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ
آپ ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، ورنہ آپ خسارہ پانے والوں
الْخٰسِرِيْنَ ﴿95﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
میں سے ہوں گے ﴿95﴾ [1] بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) صادر ہو چکا
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا
وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿96﴾ خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں، حتی کہ وہ دردناک عذاب
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿97﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
(بھی) دیکھ لیں ﴿97﴾ [2] پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی کہ وہ (عذاب سے پہلے) ایمان لائی ہو، پھر اس
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا
کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو، سوائے قوم یونس کے [3] جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے
عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ
دنیاوی زندگی میں ذلت کا عذاب ٹال دیا، اور ہم نے ایک (مقرر) وقت تک انھیں (اس سے) فائدہ
اِلٰى حِيْنٍ ﴿98﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ
(اٹھانے) دیا ﴿98﴾ [4] اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب، سارے
جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿99﴾
ہی ایمان لے آتے، [5] پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ مومن ہو جائیں؟ ﴿99﴾

[1] یہاں بھی دراصل نبی ﷺ کو مخاطب کر کے امت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تکذیب کا راستہ خسران اور تباہی کا راستہ ہے۔ [2] یہ وہی لوگ ہیں جو کفر و معصیت الٰہی میں اتنے غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی وعظ ان پر اثر نہیں کرتا اور کوئی دلیل ان کے لیے کارگر نہیں ہوتی، اس لیے کہ نافرمانیاں کر کر کے قبول حق کی فطری استعداد و صلاحیت کو انھوں نے ختم کر لیا ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں اگر کھلتی ہیں تو اس وقت جب عذاب الٰہی ان کے سروں پر آ جاتا ہے، تب وہ ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (المؤمن 85:40) ”جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے انھیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔“ [3] لَوْلَا یہاں تحضیض کے لیے، هَلَّا کے معنی میں ہے، یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایسا ایمان لاتی جو اس کے لیے فائدے مند ہوتا، ہاں! صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب دور کر دیا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ و دعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہو رہی تو انھوں نے اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آ جائے گا اور خود وہاں سے نکل گئے۔ جب عذاب بادل کی طرح ان پر امڈ آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتیٰ کہ جانوروں سمیت ایک میدان میں جمع ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و انکسار اور توبہ و استغفار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان سے عذاب ٹال دیا، حضرت یونس علیہ السلام آنے جانے والے مسافروں سے اپنی قوم کا حال معلوم کرتے رہتے تھے، انھیں جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب ٹال دیا ہے تو انھوں نے اپنی تکذیب کے بعد اس قوم میں جانا پسند نہیں کیا بلکہ ان سے ناراض ہو کر وہ کسی اور طرف روانہ ہو گئے جس پر وہ کشتی کا واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔) (فتح القدیر)، البتہ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قوم یونس ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی، جبکہ ایمان لانا نافع نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قانون سے مستثنیٰ کر کے اس کے ایمان کو قبول کر لیا۔ یا ابھی عذاب نہیں آیا تھا، یعنی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم نے قوم یونس کا اِلَّا کے ساتھ جو استثنا کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ [4] قرآن نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے، اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی، اس لیے بعض مفسرین کے خیال میں اخروی عذاب ان سے ختم نہیں کیا گیا۔ لیکن جب قرآن نے یہ وضاحت کر دی کہ دنیوی عذاب ایمان لانے کی وجہ سے ٹالا گیا تھا تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے کیونکہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان کی بنیاد پر ہی ہونا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس اپنے ایمان پر قائم رہی ہوگی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی، البتہ بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہوگا۔ [5] لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے جسے مکمل طور پر وہی جانتا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مشیت الٰہی، جو حکمت بالغہ اور مصلحت راجحہ پر مبنی ہے، اس کی مقتضی نہیں، اس لیے آگے فرمایا کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟ جبکہ آپ کے اندر اس

Marfat.com

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ
اور کسی شخص کے لیے (ممکن) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے، اور وہ (اللہ) ان
الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿100﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا
لوگوں پر پلیدی (عذاب) ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے ﴿100﴾ [1] (اے نبی!) کہہ دیجیے:
فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ
دیکھو (اور غور کرو) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں
قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿101﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ
دیتے جو ایمان نہیں لاتے ﴿101﴾ تو یہ لوگ بھی (گویا) ان لوگوں کے سے دنوں کا انتظار کر رہے
اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ
ہیں جو ان سے پہلے گزرے۔ کہہ دیجیے: پھر تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ
مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿102﴾ ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ
انتظار کرنے والوں میں ہوں ﴿102﴾ [2] پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو
10 ع 15 اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ ع قُلْ يٰۤاَيُّهَا
ایمان لائے، اسی طرح ہم پر لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں ﴿103﴾ کہہ دیجیے: [3] اے لوگو!
النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ
اگر تم میرے دین سے (متعلق) شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ
سوا عبادت کرتے ہو، [4] لیکن میں تو اللہ کی عبادت کرتا ہوں وہ جو تمھیں وفات دیتا ہے [5] اور مجھے
يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿104﴾ وَاَنْ اَقِمْ
اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہو جاؤں ﴿104﴾ اور یہ کہ آپ یکسو ہو کر اپنا
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿105﴾ وَلَا
چہرہ دین (اسلام) کی طرف سیدھا رکھیں [6] اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں ﴿105﴾ اور آپ اللہ کے
تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ
سوا انھیں مت پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، پھر اگر آپ
فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿106﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ
نے ایسا کیا تو بے شک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے ﴿106﴾ [7] اور اگر اللہ آپ کو کوئی
بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ
تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی بھی اسے دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ آپ کے ساتھ کسی بھلائی

کی طاقت ہے نہ اس کے آپ مکلف ہی ہیں۔

[1] گندگی سے مراد عذاب یا کفر ہے، یعنی جو لوگ اللہ کی آیات پر غور نہیں کرتے، وہ کفر میں ہی مبتلا رہتے ہیں اور یوں عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ [2] یعنی یہ لوگ جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی، لہٰذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جس سے پچھلی امتیں گزر چکی ہیں، یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو ٹھیک ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ [3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ میرا طریقہ اور مشرکین کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ [4] یعنی اگر تم میرے دین کے بارے میں شک کرتے ہو، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے اور یہی دین حق ہے نہ کہ کوئی اور، تو یاد رکھو کہ میں ان معبودوں کی کبھی اور کسی حال میں عبادت نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو۔ [5] یعنی موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے جب وہ چاہے تمھیں ہلاک کر سکتا ہے کیونکہ انسانوں کی جانیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ [6] حَنِيْفًا کے معنی ہیں: یکسو ہونا، یعنی ہر دین کو چھوڑ کر صرف دین اسلام کو اپنانا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا۔ [7] یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں تو یہ ظلم کا ارتکاب ہوگا۔ ظلم کے معنی ہیں: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ ”کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔“ عبادت چونکہ صرف اس اللہ کا حق ہے جس نے تمام کائنات بنائی ہے اور تمام اسباب حیات بھی وہی مہیا کرتا ہے تو اس مستحق عبادت ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، عبادت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے، اسی لیے شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی ﷺ کو ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔

Marfat.com

فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ ؕ يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ

کا ارادہ کرے تو کوئی بھی اس کے فضل کو رد کرنے والا نہیں [1] وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿107﴾ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

اس (فضل) سے نوازتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿107﴾ کہہ دیجیے: اے لوگو!

قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا

یقینا تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے،[2] چنانچہ جس (شخص) نے ہدایت پائی تو

يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ

یقیناوہ اپنے ہی لیے ہدایت پاتا ہے،[3] اور جس نے گمراہی اختیار کی تو یقیناوہ اپنے ہی لیے گمراہی اختیار

وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿108﴾ وَاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَاصۡبِرۡ

کرتا ہے[4] اور میں تمھارا وکیل نہیں ہوں ﴿108﴾ [5] اور آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے آپ اس کی

حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿109﴾ ع 11/6/16

اتباع کیجیے[6] اور صبر کیجیے، حتی کہ اللہ فیصلہ کردے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿109﴾ [7]

سُوۡرَةُ هُوۡدٍ مَّكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 123 | رُكُوۡعَاتُهَا: 10

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ

الرٰ، (یہ وہ) کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں،[8] پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں،[9] بڑی حکمت

حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۙ﴿1﴾ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَكُمۡ

والے، بہت خبر رکھنے والے کی طرف سے ﴿1﴾ [10] یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک

[1] خیر کو یہاں فضل سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگرچہ بندے اس کے مستحق نہیں لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ اعمال سے قطع نظر کرتے ہوئے، انسانوں پر پھر بھی رحم و کرم فرماتا ہے۔ [2] حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے جس میں توحید الٰہی اور رسالت محمدیہ پر ایمان نہایت ضروری ہے جیسا کہ اس نکتے کی وضاحت اس سے قبل متعدد مرتبہ کی جا چکی ہے۔ [3] یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہوگا جو قیامت والے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔ [4] یعنی اس کا نقصان اور وبال اسی پر پڑے گا جو قیامت کو جہنم کی آگ میں جلے گا۔ گویا کوئی ہدایت کا راستہ اپنائے گا تو اس سے کوئی اللہ کی طاقت میں اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی کفر وضلالت کو اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کی حکومت و طاقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو جائے گا۔ گویا ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر وضلالت سے بچنے کی تاکید وترہیب، دونوں سے مقصد انسانوں ہی کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ کی اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔ [5] یعنی یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تمھیں مسلمان بنا کر چھوڑوں بلکہ میں تو صرف بشیر اور نذیر اور مبلغ اور داعی ہوں۔ میرا کام صرف اہل ایمان کو خوشخبری دینا، نافرمانوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے ڈرانا اور اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ کرنا ہے۔ کوئی اس دعوت کو مان کر ایمان لاتا ہے تو ٹھیک ہے، کوئی نہیں مانتا تو میں اس بات کا مکلف نہیں ہوں کہ اس سے زبردستی منوا کر چھوڑوں۔ [6] اللہ تعالیٰ جس چیز کی وحی کرے، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، جس کا امر کرے، اسے عمل میں لائیں، جس سے روکے، رک جائیں اور کسی چیز میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وحی کی اطاعت واتباع میں جو تکلیفیں آئیں، مخالفین کی طرف سے جو ایذائیں پہنچیں اور تبلیغ و دعوت کی راہ میں جن دشواریوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر کریں اور ثابت قدمی سے سب کا مقابلہ کریں۔ [7] کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت و طاقت بھی وسیع ہے اور اس کی رحمت بھی عام ہے، اس لیے اس سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ ※ اس سورت میں بھی ان قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الٰہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں اور اللہ کی زمین سے حرف غلط کی طرح مٹ گئیں اور اوراق تاریخ پر عبرت کا نمونہ بنی موجود ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ (کیا بات ہے) آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے سورۂ ھود، وَاقِعَہ، وَالْمُرْسَلَاتُ، عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ اور إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3297، وصحيح جامع الترمذي للألباني: 343/3) [8] یعنی الفاظ ونظم کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ ان کی ترکیب اور معنی میں کوئی خلل نہیں۔ [9] پھر اس میں احکام وشرائع، مواعظ وقصص، عقائد وایمانیات اور آداب واخلاق جس طرح وضاحت اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، پچھلی کتابیں اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ [10] یعنی اپنے اقوال میں حکیم ہے، اس لیے اس کی طرف سے نازل کردہ باتیں حکمت سے خالی نہیں اور وہ خبیر بھی ہے، یعنی تمام معاملات اور ان کے انجام سے باخبر ہے، اس لیے اس کی باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان برے انجام سے بچ سکتا ہے۔

Marfat.com

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿2﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا
میں تمھارے لیے اسی کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ② اور یہ کہ تم اپنے رب

اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ
سے بخشش مانگو، پھر تم اسی کی طرف توبہ کرو، وہ تمھیں بہت اچھا فائدہ دے گا[1] ایک مقرر وقت

كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
تک، اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل بخشے گا۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو بے شک میں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿3﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ
ایک بڑے[2] (ہولناک) دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ③ تمھارا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿4﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا
اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ④ آگاہ رہو! بے شک وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں تاکہ اس

مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
(اللہ) سے چھپ جائیں[3] آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) وہ (اللہ) جانتا

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿5﴾
ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے ⑤

[1] یہاں اس سامان دنیا کو جس کو قرآن نے عام طور پر ''متاع غرور'' دھوکے کا سامان کہا ہے، یہاں اسے ''متاع حسن'' قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کرے گا، اس کے لیے یہ متاع غرور ہے کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھائے گا، اس کے لیے یہ چندروزہ سامان زندگی متاع حسن ہے کیونکہ اس نے اسے اللہ کے احکام کے مطابق برتا ہے۔ [2] بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ [3] اس کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے، تاہم صحیح بخاری (تفسیر سورۂ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غلبۂ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہم بستری کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر وہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ رات کو اندھیرے میں جب وہ بستروں میں اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے تھے، تو اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا اور ان کی چھپی اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ شرم وحیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ جس ذات کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے تو پھر اس طرح کے تکلف کا کیا فائدہ؟

Marfat.com

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ
اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے[1] اور وہ جانتا ہے اس کی قرار گاہ
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ⑥ وَهُوَ الَّذِیْ
اور اس کے دفن ہونے[2] کی جگہ کو۔ ہر چیز واضح کتاب میں (تحریر) ہے ⑥ اور وہی تو ہے جس
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ
نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور اس کا عرش پانی پر تھا[3] تاکہ وہ
عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ
تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے[4] اور (اے نبی!) اگر آپ کہیں
مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ
کہ تمھیں موت کے بعد زندہ کیا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہیں گے کہ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑦ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤی اُمَّةٍ
یہ تو کھلا جادو ہے ⑦ اور اگر ہم ان سے گنی چنی مدت تک عذاب مؤخر کر دیں تو البتہ وہ (کافر)
مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ
ضرور کہیں گے کہ کیا چیز اسے روکے ہوئے ہے۔ خبردار! جس دن وہ (عذاب) ان کے پاس آئے
مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑧ ع 1/8
گا (پھر) ان سے ٹلے گا نہیں اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ⑧[5]

[1] یعنی وہ کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری۔ ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔ [2] مُسْتَقَر اور مُسْتَوْدَع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک منتہائے سیر (زمین میں چل پھر کر جہاں اس کے چلنے کی انتہا ہو) مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے۔ بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور باپ کی صلب مستودع ہے اور بعض کے نزدیک زندگی میں انسان یا حیوان جہاں رہائش پذیر ہو، وہ اس کا مستقر ہے اور جہاں وفات پا جائے، وہ مستودع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد زمین پر محلِ استقرار اور مستودع سے مراد رحم مادر یا جو اس کے قائم مقام ہو جیسے انڈا وغیرہ ہے اور مستقر سے زمین کے اوپر استقرار مراد لینے کے لیے انھوں نے آیت کریمہ: ﴿وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○﴾ (البقرة 36:2) سے استدلال کیا ہے۔ بہر حال جو بھی مطلب لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے مستقر و مستودع کا علم ہے، اس لیے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے اور ذمے دار ہے اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرتا ہے۔ [3] یہی بات صحیح احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2653) نیز دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 3191 [4] یعنی یہ آسمان و زمین یوں ہی عبث اور بلا مقصد نہیں بنائے بلکہ اس سے مقصود انسانوں (اور جنوں) کی آزمائش ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے؟ ملحوظہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا: کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے، اس لیے کہ اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ (ابن کثیر) [5] یہاں استعجال (جلد طلب کرنے) کو استہزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ استعجال، بطور استہزا ہی ہوتا تھا۔ بہر حال مقصود یہ سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، اس کی گرفت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ (فتح القدير) اُمَّةٌ کے مختلف مفہوم: آیت میں اُمَّةٌ کا لفظ آیا ہے۔ یہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اُمٌّ سے مشتق ہے، جس کے معنی قصد کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اس وقت اور مدت کے ہیں جو نزول عذاب کے لیے مقصود ہے۔ (فتح القدير) سورۂ یوسف کی آیت: 45 ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ میں بھی بمعنی مدت و وقت ہے اس کے علاوہ جن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے، ان میں ایک امام و پیشوا ہے، جیسے ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ (النحل 120:16) ملت اور دین ہے، جیسے ﴿اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ﴾ (الزخرف 23:43) جماعت اور طائفہ ہے، جیسے ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ﴾ (القصص 23:28) ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤی اُمَّةٌ﴾ (الأعراف 159:7) وغیرہ۔ وہ مخصوص گروہ یا قوم ہے، جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہو۔ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ (یونس 47:10) اس کو امت دعوت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح پیغمبر پر ایمان لانے والوں کو بھی امت یا امت اَتباع یا امت اجابت کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ
اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائیں، پھر وہ اس سے چھین لیں، تو بے شک البتہ
اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿9﴾ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ
وہ بڑا ناامید، بہت ناشکرا ہو جاتا ہے ⑨[1] اور اگر ہم اسے تکلیف پہنچنے کے بعد نعمتیں چکھائیں تو وہ
ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ
ضرور کہے گا: مجھ سے سختیاں دور ہو گئیں،[2] بے شک وہ (اس وقت) اترانے والا اور فخر جتانے والا ہو
فَخُوْرٌ ﴿10﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ
جاتا ہے ⑩[3] مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے، انھی کے لیے بخشش
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿11﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا
اور بہت بڑا اجر ہے ⑪[4] تو (اے نبی!) شاید کہ آپ اس وحی سے کچھ چھوڑنے والے ہوں جو آپ
يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
کی طرف (نازل) کی جاتی ہے اور آپ کا سینہ اس سے تنگ ہونے والا ہو کہ وہ (کافر) کہیں گے
عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ
کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ (کیوں نہیں) آیا۔ آپ تو صرف
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿12﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ
ڈرانے والے ہیں[5] اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے ⑫ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ
فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
لیا ہے؟ کہہ دیجیے: پھر تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جنھیں
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿13﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا
(مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو ⑬[6] پھر اگر وہ تمھیں جواب نہ دیں تو جان لو کہ

[1] انسانوں میں عام طور پر جو مذموم صفات پائی جاتی ہیں اس میں اور اگلی آیت میں ان کا بیان ہے۔ ناامیدی کا تعلق مستقبل سے ہے اور ناشکری کا ماضی و حال سے۔ [2] یعنی سمجھتا ہے کہ سختیوں کا دور گزر گیا ہے، اب اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔ [3] یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے، اس پر اتراتا اور دوسروں پر فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے، تاہم ان صفات مذمومہ سے اہل ایمان اور صاحب اعمال صالحہ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔ [4] یعنی اہل ایمان، راحت و فراغت ہو یا تنگی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں اللہ کے احکام کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، اس میں اس کے لیے بہتری کا پہلو ہوتا ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر (اجر کا باعث) ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر (اجر و ثواب کا باعث) ہے یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2999) ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''مومن کو جو بھی فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی غلطیاں معاف فرما دیتا ہے۔'' (مسند أحمد: 4/3) سورۂ معارج کی آیات: 19-22 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ [5] مشرکین نبی ﷺ کی بابت کہتے رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا یا اس کی طرف کوئی خزانہ کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ (الفرقان 25: 8،7) ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ''ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ کی بابت جو باتیں کہتے ہیں، ان سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔'' (الحجر 15: 97) اس آیت میں انھی باتوں کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ شاید آپ کا سینہ تنگ ہو اور کچھ باتیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ مشرکین پر گراں گزرتی ہیں، ممکن ہے آپ وہ انھیں سنانا پسند نہ کریں۔ آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ آپ ہر صورت میں کیے جائیں۔ [6] امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا قرآن ہے تو اس کی نظیر پیش کر کے دکھلا دو اور تم جس کی چاہو، مدد حاصل کر لو لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ فرمایا: ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی إسرآءیل 17: 88) ''اعلان کر دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو وہ سب اس کا مثل نہیں لا سکیں گے، گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو جیسا کہ اس مقام پر ہے، پھر تیسرے نمبر پر چیلنج دیا کہ چلو ایک سورت بنا کر پیش کر دو جیسا کہ سورۂ یونس کی آیت: 39 اور سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ یونس، آیت: 39 کے تحت)

Marfat.com

لَكُمْ فَاعْلَمُوٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا
یقیناً یہ (قرآن) اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر (اے
هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿14﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ
لوگو!) کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟ ﴿14﴾ [1] جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم
الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ
انھیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق
فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿15﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
تلفی نہیں کی جاتی ﴿15﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور
اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿16﴾
برباد ہو گیا جو کچھ انھوں نے اس (دنیا) میں کیا تھا اور جو عمل وہ کرتے رہے، ضائع ہو گئے ﴿16﴾ [2]
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ
کیا بھلا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کے بعد اللہ کی طرف سے ایک
مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۗ اُولٰٓئِكَ
گواہ (قرآن) بھی آجائے، جبکہ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی رہنما اور رحمت (رہی) ہو (وہ قرآن
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ
کا انکار کر سکتا ہے؟) [3] ایسے لوگ ہی تو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں [4] اور ان گروہوں میں سے جو کوئی
فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ
اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔ [5] چنانچہ (اے نبی!) آپ اس سے شک میں نہ پڑیں،

[1] یعنی اس کے بعد بھی کہ تم اس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہو، یہ ماننے کے لیے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، آمادہ نہیں ہوا اور نہ ہی مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو؟ [2] یہ دو آیات کفار اور مشرکین کے بارے میں ہیں کیونکہ آخر میں ﴿ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾ ہے، یعنی ان کے لیے آخرت میں آگ ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کفار یہاں دنیا طلبی کے لیے صدقہ، خیرات وغیرہ کرتے ہیں جن کا تعلق رفاہِ عامہ سے ہے انھیں ان کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیا جاتا ہے جبکہ بعض علمائے تفسیر نے ان آیات کو عام مانا ہے اور ان میں منافق اور ریاکار کو بھی شامل کیا ہے کہ ان کے اعمال بھی آخرت میں اکارت جائیں گے۔ واضح رہے کہ اگر اس آیت کو عام رکھا جائے تو ﴿ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾ میں تفصیل کی جائے گی کہ کفار اور منافقین کے لیے تو جہنم کی آگ دائمی ہے جبکہ مسلمان گناہ گار سزا کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے اور بعض کو اللہ تعالیٰ معاف بھی فرما دے گا۔ قرآن مجید میں اس مضمون کو سورۂ بنی اسرائیل، آیات: 18-21 اور سورۂ شوریٰ، آیت: 20 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [3] منکرین اور کافرین کے مقابلے میں اہل فطرت اور اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ''اپنے رب کی طرف سے دلیل'' سے مراد وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے الٰہ واحد کا اعتراف اور اسی کی عبادت۔ جس طرح کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں......۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1359، وصحيح مسلم، حديث: 2658) ﴿ يَتْلُوْهُ ﴾ کے معنی ہیں، اس کے پیچھے، یعنی اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو، گواہ سے مراد قرآن یا محمد ﷺ ہیں جو اس فطرت صحیحہ کی طرف دعوت دیتے اور اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تورات بھی جو پیشوا بھی ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے، یعنی یہ کتاب موسیٰ بھی قرآن پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منکر و کافر ہے اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر قائم ہے، اس پر ایک گواہ (قرآن یا پیغمبر اسلام) بھی ہے، اسی طرح اس سے قبل نازل ہونے والی کتاب تورات، میں بھی اس کے لیے پیشوائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور وہ ایمان لے آتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک مومن ہے اور دوسرا کافر۔ ایک ہر طرح کے دلائل سے لیس ہے دوسرا بالکل خالی ہے۔ [4] یعنی جن کے اندر مذکورہ اوصاف پائے جائیں گے وہ قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ [5] تمام فرقوں سے مراد روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں، یہودی، عیسائی، زرتشتی، بدھ مت، مجوسی اور مشرکین و کفار وغیرہ جو بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت کے جس یہودی یا عیسائی نے بھی میرے بارے میں سنا اور پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا، وہ جہنم میں جائے گا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 153) یہ مضمون اس سے قبل سورۂ بقرہ، آیت: 62 اور سورۂ نساء، آیت: 150-152 میں بھی گزر چکا ہے۔

Marfat.com

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿17﴾
بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ⑰ [1] اور
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ
اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا؟ [2] یہی لوگ اپنے رب
عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي
کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ (فرشتے) کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے
رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿18﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ
اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا، سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ⑱ [3] وہ جو اللہ کی راہ سے
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿19﴾
روکتے ہیں اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں، [4] اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں ⑲
اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ
یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے اور ان کے لیے اللہ کے سوا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا
کوئی حمایتی نہ تھا۔ ان کے لیے عذاب دوگنا کردیا جائے گا۔ ان میں
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿20﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
(حق) سننے کی تاب نہیں تھی اور نہ وہ دیکھتے تھے ⑳ [5] یہی لوگ ہیں
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿21﴾ لَا جَرَمَ
جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور ان سے گم ہوگیا جو وہ افترا باندھتے تھے ㉑ بلاشبہ
اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿22﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
یقیناً وہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں ㉒ بے شک جو لوگ ایمان لائے
الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
اور انھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کے حضور عاجزی کی، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں
خٰلِدُوْنَ ﴿23﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ
ہمیشہ رہیں گے ㉓ دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے جیسے اندھا اور بہرا، اور دیکھنے والا اور سننے
وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ وَلَقَدْ
والا [6] کیا (اس) وصف میں دونوں برابر ہیں؟ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ㉔ اور البتہ

[1] یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف 103:12) ”آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔“ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سبا 20:34) ”ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، مومنوں کے ایک گروہ کے سوا، سب اس کے پیروکار بن گئے۔“ [2] یعنی جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کرنے کا یا آخرت میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا ہے، ان کی بابت یہ کہا جائے کہ اللہ نے انھیں یہ اختیار دیا ہے۔ [3] حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے کہ ”قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن سے اس کے گناہوں کا اقرار و اعتراف کروائے گا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو نے فلاں گناہ بھی کیا تھا، فلاں بھی کیا تھا، وہ مومن کہے گا کہ ہاں، میرے رب اور یہ بندہ سمجھ بیٹھے گا کہ بس ہلاک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ ڈالے رکھا تھا، جا آج بھی انھیں معاف کرتا ہوں...... لیکن دوسرے لوگ یا کافروں کا معاملہ ایسا ہوگا کہ انھیں گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 2441) [4] یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے، اس میں کجیاں تلاش کرتے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہیں۔ [5] یعنی ان کا حق سے اعراض اور بغض اس انتہا پر پہنچا ہوا تھا کہ یہ اسے سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو کان اور آنکھیں تو دی تھیں لیکن انھوں نے ان سے حق کی بات نہ سنی اور نہ دیکھی۔ گویا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ (الأحقاف 26:46) ”نہ ان کے کانوں نے انھیں کوئی فائدہ پہنچایا، نہ ان کی آنکھوں اور دلوں نے۔“ کیونکہ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے دیکھنے سے اندھے بنے رہے، جس طرح کہ وہ جہنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملك 10:67) ”اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ جاتے۔“ [6] پچھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بدبختوں، دونوں گروہوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی مثال بیان فرما کر حقیقت کو مزید واضح کیا جارہا ہے۔ فرمایا کہ ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور دوسرے کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا روئے

Marfat.com

اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا:) بے شک میں تمھیں صاف صاف ڈرانے

مُّبِیْنٌ ﴿25﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ

والا ہوں ﴿25﴾ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔[1] بے شک میں تم پر دردناک دن کے

عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿26﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿26﴾ [2] پھر اس کی قوم کے وڈیرے بولے: ہم تجھے بس اپنے ہی جیسا بشر

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ

دیکھتے ہیں[3] اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بس انھی لوگوں نے بے سوچے سمجھے تیری پیروی

هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ

کی ہے[4] جو ہمارے کمی کمین[5] ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمھیں ہم پر کوئی فضیلت

فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿27﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ

نہیں بلکہ ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں ﴿27﴾ نوح نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو

كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ

اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (نبوت)

عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ

بخشی ہو،[6] پھر وہ تم (اندھوں) سے[7] چھپا دی گئی ہو، تو کیا ہم تم پر (زبردستی) چپکا دیں گے اسے جبکہ تم

زیادیکھنے سے اندھا تو آخرت میں نجات سے محروم، اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بہرا بنتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھ دار، حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے، چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے، دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○﴾ (الحشر 59:20) ”جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں۔“ ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا: ”اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں۔“ (فاطر 35:19-22)

[1] یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر نبی نے آ کر اپنی اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○﴾ (الأنبياء 21:25) ”جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔“ [2] یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکو گے۔ [3] یہ وہی شبہ ہے جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع ناممکن اور قابل تعجب تھا، جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔ [4] حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتدا میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے جنھیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ یہ چیز پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی، چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ ”اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟“ تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ”کمزور لوگ۔“ جس پر ہرقل نے کہا: ”رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 7) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش حال متکبر طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرتا رہا ہے۔ (الزخرف 43:23) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی جس کے اعتبار سے اہل کفر انھیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروتر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں۔ [5] اہل ایمان چونکہ اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے، اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موٹی عقل والے ہیں کہ اللہ کا رسول انھیں جس طرف موڑ دیتا ہے، یہ مڑ جاتے ہیں جس چیز سے روک دیتا ہے، رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی ”عیب“ ہے۔ [6] ﴿بَیِّنَةٍ﴾ سے مراد ایمان و یقین ہے اور رحمت سے مراد نبوت۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو سرفراز کیا تھا۔ [7] یعنی تم اس کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے، چنانچہ تم نے نہ اس کی قدر پہچانی اور نہ اسے اپنانے پر آمادہ ہوئے بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے۔

Marfat.com

لَهَا كٰرِهُوْنَ (28) وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ
اسے ناپسند کرتے ہو؟ (28) [1] اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا، [2] میرا اجر تو
اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ
اللہ ہی پر ہے۔ اور میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لے آئے، [3] بے شک وہ اپنے
مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ (29) وَيٰقَوْمِ
رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو (29) [4] اور اے میری
مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا
قوم! اگر میں انھیں دھتکار دوں تو کون مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچائے گا؟ [5] کیا پھر تم نصیحت
تَذَكَّرُوْنَ (30) وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ
حاصل نہیں کرتے؟ (30) اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
جانتا ہوں، اور نہ میں کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں اور نہ میں انھیں، جنھیں تمھاری آنکھیں حقیر
تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ
دیکھتی ہیں، (یہ) کہتا ہوں کہ اللہ انھیں کوئی بھلائی نہیں دے گا۔ [6] اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے
بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (31)
نفسوں میں ہے۔ بے شک (اگر میں نے یہ باتیں کہیں) تب میں ضرور ظالموں میں سے ہوں گا (31) [7]
قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا
انھوں نے کہا: اے نوح! تو ہم سے جھگڑ چکا ہے اور ہمارے ساتھ بہت زیادہ جھگڑا کر چکا ہے، [8]
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (32) قَالَ
چنانچہ تو ہم پر وہ (عذاب) لے ہی آ جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے (32) [9] نوح نے
اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (33)
کہا: یقیناً اللہ ہی تم پر وہ (عذاب) لائے گا اگر اس نے چاہا، اور تم (اسے) عاجز کرنے والے نہیں (33) [10]
وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ
اور تمھیں میری نصیحت نفع نہیں دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں جبکہ اللہ تمھیں

[1] جب یہ بات ہے تو یہ ہدایت و رحمت تمھارے حصے میں کس طرح آ سکتی ہے؟ [2] تاکہ تمھارے دماغوں میں یہ شبہ نہ آ جائے کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو دولت دنیا اکٹھا کرنا ہے۔ میں تو یہ کام صرف اللہ کے حکم پر اور اسی کی رضا کے لیے کر رہا ہوں، وہی مجھے اس کا اجر بھی دے گا۔ [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے بھی معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو حضرت نوح علیہ السلام سے اپنی مجلس یا اپنے قرب سے دور رکھنے کا مطالبہ کیا تھا، جس طرح رؤسائے مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا مطالبہ کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیات نازل فرمائی تھیں: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (الأنعام 52:6) ''اے پیغمبر! ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کرنا جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔'' وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (الکہف 28:18) ''اپنے نفسوں کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیے! جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سے (گزر کر کسی اور کی طرف) تجاوز نہ کریں۔'' [4] یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا اور پھر انھیں قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا، یہ تمھاری جہالت ہے۔ یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے نہ کہ دور دھتکارا جائے۔ [5] گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، اللہ کے غضب اور ناراضی کا باعث ہے۔ [6] بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمھارا ان کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں، البتہ تم ہی عند اللہ مجرم ٹھہرو گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو، جن کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے، تم حقیر اور فرومایہ سمجھتے ہو۔ [7] کیونکہ میں اگر ان کی بابت ایسی بات کہوں گا جس کا مجھے علم نہیں اور اسے صرف اللہ جانتا ہے تو یہ ظلم ہوگا۔ [8] لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔ [9] یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کہتی رہی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا کر ہمیں تباہ کروا دے، حالانکہ ان میں عقل ہوتی تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول ہے تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھول دے تاکہ ہم اسے اپنا لیں۔ [10] یعنی عذاب کا آنا خالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں، تم پر عذاب آ جائے، تاہم جب اللہ عذاب کا فیصلہ کر لے گا یا بھیج دے گا تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

Marfat.com

اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

گمراہ کرنا چاہتا ہو،[1] وہی تمھارا رب ہے[2] اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿34﴾ کیا وہ کہتے ہیں

افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا

کہ اس نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر میں نے اسے خود گھڑا ہے تو میرا

ع 3 11 3

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿35﴾ ع وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ

جرم مجھ ہی پر ہے، اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو ﴿35﴾[3] اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ

لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا

تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا، سوائے اس کے جو (پہلے) ایمان لا چکا ہے،

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ

چنانچہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں تو اس پر غم نہ کھا ﴿36﴾[4] اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے

بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

مطابق ایک کشتی بنا،[5] اور مجھ سے ان لوگوں کے متعلق بات مت کرنا جنھوں نے ظلم (کفر) کیا، بے

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ

شک وہ غرق کیے جانے والے ہیں ﴿37﴾[6] اور نوح کشتی بناتا تھا، اور جب بھی اس کی قوم کے وڈیرے

عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ

اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس سے مذاق کرتے،[7] نوح نے کہا: اگر تم (آج) ہم سے مذاق

تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿38﴾

کرتے ہو تو بے شک (ایک روز) ہم بھی تم سے مذاق کریں گے جیسے تم مذاق کرتے ہو ﴿38﴾ پھر

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ

تم جلد جان لو گے کہ کس شخص پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے (دنیا میں) رسوا کر دے گا

عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿39﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ

اور (آخرت میں) اس پر ہمیشہ کا عذاب[8] نازل ہوگا ﴿39﴾ حتی کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور نے جوش

[1] اِغْوَاءَ بمعنی اِضْلَال (گمراہ کرنا) ہے، یعنی تمھارا کفر و جحود اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں سے کسی انسان کا پلٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنا لینا، ناممکن ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمھاری گمراہی اور ہلاکت کا ارادہ کر لیا ہے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو اب اگر میں تمھاری خیر خواہی بھی کرنی چاہوں، یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں تو یہ کوشش اور خیر خواہی تمھارے لیے مفید نہیں کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔ [2] ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ تمھیں تمھارے عملوں کی جزا دے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزا اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔ [3] بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالمہ قوم نوح اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا گھڑا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا میں ہی بھگتوں گا۔ لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو جس سے میں بری ہوں، اس کا بھی تمھیں پتہ ہے؟ اس کا وبال تو مجھ پر نہیں، تم پر ہی پڑے گا، کیا اس کی بھی تمھیں کچھ فکر ہے؟ [4] جب نوح علیہ السلام مسلسل ساڑھے نو سو سال دعوت و تبلیغ کرتے رہے لیکن اس کے باوجود قوم کی تکذیب اور ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی یہاں تک کہ مطالبۂ عذاب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو یہ وحی کی کہ آپ کی قوم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں وہ تو لے آئے ہیں ان کے بعد اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اور نوح علیہ السلام کو قوم سے کلیتاً مایوس کر دیا تو پھر نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ یا رب! زمین پر ایک کافر بھی بسنے والا نہ رہنے دے۔ [5] ''ہماری آنکھوں کے سامنے'' اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہیں لیکن اس طرح آنکھیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہیں، یعنی آنکھ ثابت ہے، اس کی کیفیت کا ہمیں پتہ نہیں۔ اور ''ہماری وحی سے'' کا مطلب، اس کے طول عرض وغیرہ کی جو کیفیات ہم نے بتلائی ہیں، اس طرح اسے بنا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول و عرض، اس کی منزلوں اور کس قسم کی لکڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا، اس کی تفصیل بیان کی ہے جو ظاہر بات ہے کہ کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ [6] بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی مہلت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آ گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے جلدی نہ کریں، وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے۔ (فتح القدير) [7] مثلاً: کہتے کہ نوح! نبوت کے بعد اب بڑھئی بن گئے ہو؟ یا اے نوح! خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟ [8] اس سے مراد جہنم کا دائمی عذاب ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

Marfat.com

الۡتَّنُّوۡرُ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ
مارا[1] توہم نے (نوح سے) کہا: اس (کشتی) میں ہر قسم (کے جانوروں) کا جوڑا، دو (نر اور مادہ) سوار
وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ
کرلے[2] اور اپنے گھر والوں کو، سوائے اس شخص کے جس کی بابت پہلے حکم ہو چکا[3] اور ان کو بھی جو ایمان
اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿40﴾ وَقَالَ ارۡكَبُوۡا
لاچکے ہیں[4] اور اس پر تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے ﴿40﴾[5] اور نوح نے کہا: اس (کشتی) میں سوار
فِيۡهَا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮهَا وَمُرۡسٰٮهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ
ہوجاؤ، اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے[6] بے شک میرا رب البتہ بہت بخشنے والا،
لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿41﴾ وَهِىَ تَجۡرِىۡ بِهِمۡ فِىۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ
نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿41﴾ اور وہ (کشتی) انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلتی جاتی
وَنَادٰى نُوۡحُ ۨابۡنَهٗ وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ
تھی[7] اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا، اور وہ (سب سے) الگ تھلگ تھا: پیارے بیٹے! تو
مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿42﴾ قَالَ سَاٰوِىۡۤ اِلٰى
(بھی) ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں میں شامل نہ ہو ﴿42﴾[8] وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی
جَبَلٍ يَّعۡصِمُنِىۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ
طرف پناہ لے لیتا ہوں، وہ مجھے پانی سے بچالے گا[9] نوح نے کہا: آج اللہ کے حکم (عذاب)

[1] اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تنور، بعض نے مخصوص جگہیں، مثلاً: جزیرہ میں ایک چشمہ جسے عین الوردہ کہا جاتا ہے اور بعض نے سطح زمین مراد لی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے، یعنی ساری زمین ہی چشموں کی طرح ابل پڑی یہاں تک کہ تنور بھی، اوپر آسمان سے بھی خوب پانی برسا۔ [2] اس سے مراد مذکر اور مؤنث، یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نباتات بھی رکھے گئے تھے۔ واللّٰہ أعلم. [3] یعنی جن کا غرق ہونا اللہ کے ہاں طے ہے۔ اس سے مراد اگر سارے کفار ہیں تو یہ اِحۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ سے استثنا ہے اور اگر اس سے مراد نوح علیہ السلام کی بیوی واعلة اور بیٹا بنام ''کنعان'' یا ''یام'' ہے، جو دونوں کافر تھے تو پھر یہ استثنا اَهۡلَكَ سے ہے، یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرلے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے۔ [4] یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرلے۔ [5] بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملا کر) 80 اور بعض نے اس سے بھی کم بتلائی ہے۔ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے، جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے، سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی یام کی تھی جو کافر تھا لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر) [6] یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلنا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف وخطر کشتی میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے، اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ اے نوح! ''جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کہو: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰٮنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ۝ (المؤمنون 29,28:23) ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے اتارنا بابرکت اتارنا اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔'' بعض علماء نے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮهَا وَمُرۡسٰٮهَا کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ اور حدیث سے سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ۝ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ۝ (الزخرف 14,13:43) تا آخر دعا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ [7] یعنی جب زمین پر پانی تھا حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ جیسی موجوں میں رواں دواں تھی ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ فِى الۡجَارِيَةِ ۝ لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝ (الحاقة 12,11:69) وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجۡرِىۡ بِاَعۡيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ۝ (القمر 14,13:54) ''اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کرلیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔'' [8] یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام ''یام'' تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔ [9] اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کرلوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟

Marfat.com

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ
سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر جس پر اللہ رحم فرمائے، اور ان دونوں کے درمیان لہر حائل ہوگئی،
فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ
تو وہ غرق ہونے والوں میں سے ہوگیا﴿43﴾[1] اور کہا گیا: اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے[2] اور اے
وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ
آسمان! تو (برسنے سے) تھم جا، اور پانی اتار (کر غائب کر) دیا گیا، اور (کافروں کا) کام تمام کردیا
عَلَى الْجُوْدِيِّ ۖ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾
گیا،[3] اور (کشتی) جودی[4] (پہاڑ) پر جا ٹھہری، اور کہا گیا: ظالم قوم کے لیے دوری (لعنت) ہے﴿44﴾[5] اور نوح
وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ
نے اپنے رب کو پکارا، چنانچہ اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے
وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿45﴾
ہے، اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلے کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے﴿45﴾[6]
قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۖ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ
اللہ نے کہا: اے نوح! بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں،[7] بے شک اس کا عمل نیک نہیں،[8] لہٰذا تو
صٰلِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ
مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں[9] بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو
اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿46﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ
جاہلوں میں سے (نہ) ہوجائے﴿46﴾[10] نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں تیری پناہ میں آتا
اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ
ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اور اگر تو نے میری بخشش
اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿47﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ
نہ کی اور مجھ پر رحم (نہ) کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوجاؤں گا﴿47﴾[11] کہا گیا: اے نوح! اتر تو
مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ
ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ[12] (جو) تجھ پر اور تیرے ساتھ کی جماعتوں پر[13] (نازل کی

[1] باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔ [2] نگلنا، کا استعمال حیوان کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل جانے سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بتدریج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا پانی دفعتاً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح حیوان لقمہ نگل جاتا ہے۔ [3] یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔ [4] الْجُوْدِيِّ پہاڑ کا نام ہے جو بقول بعض، موصل کے قریب ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔ [5] بُعْدًا یہ ہلاکت اور لعنت الٰہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غضب الٰہی کی مستحق بننے والی قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ [6] حضرت نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ان خطرات واحوال کو دیکھتے ہوئے بیٹا ایمان قبول کرلے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ استدعا کی یا شفقت پدری کے جذبے سے مغلوب ہوکر بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔ [7] حضرت نوح علیہ السلام نے قرابت نسبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بیٹا قرار دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر قرابت دینی کے اعتبار سے اس بات کی نفی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو وہی ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بیوی، وہ نبی کے گھرانے کا فرد نہیں۔ [8] یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہوگا، اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے نسبی قرابت بھی کام نہیں آتی تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟ [9] اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوتا کہ ان کی درخواست کی پذیرائی نہیں ہوگی تو یقیناً وہ اس سے پرہیز فرماتے۔ [10] یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو نصیحت ہے جس کا مقصد ان کو اس بلند مقام پر فائز کرنا ہے جو انبیائے کرام کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔ [11] جب حضرت نوح علیہ السلام یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا تو فوراً اس سے رجوع فرمالیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفرت کے طالب ہوئے۔ [12] یہ اترنا کشتی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جا کر ٹھہر گئی تھی۔ [13] اس سے مراد یا تو وہ گروہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں

Marfat.com

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
گئی) ہیں، اور کچھ جماعتیں ہوں گی کہ ہم انھیں (دنیا میں) فائدہ دیں گے، پھر انھیں ہماری طرف
اَلِيْمٌ (48) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ
سے دردناک عذاب پہنچے گا (48) [1] (اے نبی!) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف
مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا
وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم [2] اس لیے آپ صبر
فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (49) وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ
کریں، بے شک (بہترین) انجام متقین ہی کے لیے ہے (49) [3] اور (ہم نے) عاد کی طرف ان
هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
کے بھائی ہود کو (بھیجا)، [4] اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، تمھارے لیے اس
غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (50) يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ
کے سوا کوئی معبود نہیں، تم تو محض جھوٹ گھڑنے والے ہو (50) [5] اے میری قوم! میں تم سے اس
عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ
(تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی ذات کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر کیا
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (51) وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ
تم عقل نہیں رکھتے؟ (51) [6] اور اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف توبہ
يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ
کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمھاری قوت پر قوت بڑھائے گا [7] اور تم مجرم
وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ (52) قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ
بن کر (حق سے) منہ نہ موڑو (52) [8] انھوں نے کہا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں

سوار تھے یا آئندہ ہونے والے وہ گروہ ہیں جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے۔ اگلے فقرے کے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

[1] یہ وہ گروہ ہیں جو کشتی میں بچ جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا سازوسامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب الیم سے دوچار ہوں گے۔ [2] یہ نبی ﷺ سے خطاب ہے اور آپ سے علم غیب کی نفی کی جارہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم آپ کو خبردار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لاعلم تھی۔ [3] یعنی آپ کی قوم آپ کی جو تکذیب کر رہی ہے اور آپ کو ایذائیں پہنچا رہی ہے، اس پر صبر سے کام لیجیے، اس لیے کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور حسن انجام آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے، جو تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں۔ عاقبت دنیا و آخرت کے اچھے انجام کو کہتے ہیں۔ اس میں متقین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ ابتدا میں چاہے انھیں کتنا بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے، تاہم بالآخر اللہ کی مدد و نصرت اور حسن انجام کے مستحق وہی ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○ (المؤمن 40:51) ”یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔“ اور فرمایا: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ”اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر رہے گا۔“ [4] بھائی سے مراد انھی کی قوم کا ایک فرد۔ [5] یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔ [6] اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو بغیر اجرت اور لالچ کے تمھیں اللہ کی طرف بلا رہا ہے، وہ تمھارا خیر خواہ ہے۔ آیت میں يٰقَوْمِ سے دعوت کا ایک طریق کار معلوم ہوتا ہے، یعنی بجائے یہ کہنے کے ”اے کافرو!“ ”اے مشرکو!“ ”اے میری قوم!“ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ [7] حضرت ہود علیہ السلام نے توبہ و استغفار کی تلقین اپنی امت، یعنی اپنی قوم کو کی اور اس کے وہ فوائد بیان فرمائے جو توبہ و استغفار کرنے والی قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں اور بھی بعض مقامات پر یہ فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ نوح 11:) اور اسی طرح سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ الآیة (الطلاق 65:2,3) ”جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتی۔“ توبہ و استغفار وہی شخص کرتا ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔ [8] یعنی میں تمھیں جو دعوت دے رہا ہوں، اس سے اعراض اور اپنے کفر پر اصرار مت کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی بارگاہ میں مجرم اور گناہ گار بن کر پیش ہو گے۔

Marfat.com

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ

لایا اور ہم (صرف) تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تجھ پر ایمان

لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ

لانے والے (بھی) نہیں ﴿53﴾ [1] ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے (دماغی) خرابی میں

اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ

مبتلا کردیا ہے [2] ہود نے کہا: بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں بری

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا

ہوں ان سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو ﴿54﴾ [3] سوائے اللہ کے، چنانچہ تم سب مل کر مجھے نقصان

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

پہنچانے کی تدبیر کرلو، پھر تم مجھے مہلت نہ دو ﴿55﴾ [4] بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى

رب ہے اور تمھارا رب ہے، (زمین پر) چلنے پھرنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جسے اس نے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿56﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ

اس کی پیشانی سے نہ پکڑ رکھا ہو [5] بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے ﴿56﴾ [6] پھر اگر تم (حق سے)

اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

منہ موڑو گے تو میں نے وہ (پیغام) تمھیں پہنچادیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا تھا [7]

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور میرا رب تمھارے سوا ایک اور قوم کو (تمھارا) جانشین بنادے گا، اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو

حَفِيْظٌ ﴿57﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ

گے [8] بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿57﴾ [9] اور جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے ہود

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ

اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے انھیں شدید

غَلِيْظٍ ﴿58﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا

عذاب سے نجات دی ﴿58﴾ [10] اور (دیکھو) یہ عاد ہیں، انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا تھا،

[1] ایک نبی دلائل و براہین کی پوری قوت اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن شپرہ چشموں (چمگادڑ والی آنکھ رکھنے والوں) کو وہ نظر نہیں آتے۔ قوم ہود نے بھی اسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم بغیر دلیل کے محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو کس طرح چھوڑ دیں؟ [2] یعنی تو جو ہمارے معبودوں کی توہین اور گستاخی کرتا ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبودوں نے ہی تیری اس گستاخی پر تجھے کچھ کر دیا ہے۔ اور تیرا دماغ ماؤف ہوگیا ہے، جیسے آج کل کے نام نہاد مسلمان بھی اس قسم کے توہمات کا شکار ہیں جب انھیں کہا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ اشخاص اور بزرگ کچھ نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ یہ ان کی شان میں گستاخی ہے اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کا وہ بیڑا غرق کر دیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ وَالْأَكَاذِيبِ.

[3] یعنی میں ان تمام بتوں اور معبودوں سے بیزار ہوں اور تمھارا یہ عقیدہ کہ انھوں نے مجھے کچھ کر دیا ہے، بالکل غلط ہے، ان کے اندر یہ قدرت ہی نہیں کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ [4] اور اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں ہے بلکہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت کچھ کر سکتے ہیں تو لو! میں حاضر ہوں، تم اور تمھارے معبود سب مل کر میرے خلاف کچھ کر کے دکھاؤ۔ [5] یعنی جس ذات کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ و تصرف ہے، وہ وہی ذات ہے جو میرا اور تمھارا رب ہے، میرا توکل اسی پر ہے۔ مقصد ان الفاظ سے حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان پر بھی اللہ ہی کا قبضہ و تصرف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے، وہ کسی کا کچھ نہیں کر سکتے۔ [6] یعنی وہ جو توحید کی دعوت دے رہا ہے یقیناً یہ دعوت ہی صراط مستقیم ہے، اسی پر چل کر نجات اور کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہو اور اس صراط مستقیم سے اعراض و انحراف تباہی و بربادی کا باعث ہے۔ [7] یعنی اس کے بعد میری ذمے داری ختم اور تم پر حجت تمام ہوگئی۔ [8] یعنی تمھیں تباہ کر کے تمھاری زمینوں اور املاک کا وہ دوسروں کو مالک بنادے تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی مشیت و حکمت کے مطابق ایسا کرتا رہتا ہے۔ [9] یقیناً وہ مجھے تمھارے مکر و فریب اور سازشوں سے بھی محفوظ رکھے گا اور شیطانی چالوں سے بھی بچائے گا۔ علاوہ ازیں ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق اچھی اور بری جزا بھی دے گا۔ [10] سخت عذاب سے مراد وہی اَلرِّيْحَ الْعَقِيْمَ تیز آندھی کا عذاب ہے جس کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا اور جس سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا گیا۔

Marfat.com

رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾

اور اللہ کے رسولوں کی[1] نافرمانی کی، اور ہر سرکش (اور حق سے) عناد رکھنے والے کے حکم کی پیروی کی ﴿59﴾[2]

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ

اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور روزِ قیامت کو بھی[3] (لگی رہے گی۔) آگاہ رہو!

عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾

بے شک (قوم) عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ خبردار! دوری ہے ہود کی قوم عاد کے لیے ﴿60﴾[4] اور

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

(ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا)[5] اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں،[6] اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا[7] اور اسی نے تمھیں اس میں

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ

آباد کیا،[8] چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو۔ بے شک میرا رب بہت قریب ہے،

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿61﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ

(دعائیں) قبول کرنے والا ہے ﴿61﴾ انھوں نے کہا: اے صالح! تحقیق تو اس سے پہلے ہم میں امیدوں

فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ

کا مرکز تھا۔ کیا تو ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی ہمارے باپ دادا

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

عبادت کرتے تھے۔ اور بلاشبہ جس چیز (توحید) کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ہم اس کے متعلق ایسے

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿62﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى

شک میں ہیں جو اضطراب میں ڈالنے والا ہے ﴿62﴾[9] صالح نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو، اگر میں

[1] عاد کی طرف صرف ایک نبی حضرت ہود علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے یا تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک رسول کی تکذیب، یہ تمام رسولوں کی تکذیب ہے کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے کفر وانکار میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام کے بعد اگر ہم اس قوم میں متعدد رسول بھی بھیجتے تو یہ قوم ان سب کی تکذیب ہی کرتی۔ اور اس سے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی رسول پر ایمان لے آتی۔ [2] یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تو تکذیب کی لیکن جو لوگ اللہ کے حکموں سے سرکشی کرنے والے اور نافرمان تھے، ان کی اس قوم نے پیروی کی۔ [3] لَعْنَةً کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری، امورِ خیر سے محرومی اور لوگوں کی طرف سے ملامت و بیزاری۔ دنیا میں یہ لعنت اس طرح کہ اہل ایمان میں ان کا ذکر ہمیشہ ملامت و بیزاری کے انداز میں ہوگا اور قیامت میں اس طرح کہ وہاں عَلٰى رُءُوْسِ الْاَشْهَادِ (تمام لوگوں کے سامنے) ذلت و رسوائی سے دوچار اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔ [4] بُعْدًا کا یہ لفظ رحمت سے دوری اور لعنت ہلاکت کے معنی کے لیے ہے جیسا کہ اس سے قبل بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔ [5] وَاِلٰى ثَمُوْدَ عطف ہے ماقبل پر، یعنی وَاَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ ہم نے ثمود کی طرف بھیجا۔ یہ قوم تبوک اور مدینہ کے درمیان مدائن صالح (حجر) میں رہائش پذیر تھی اور یہ قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہاں بھی ثمود کا بھائی کہا ہے، یعنی یہ انھی کے خاندان اور قبیلے کا ایک فرد ہے جسے بعض جگہ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران 3: 174) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی انھی کی جانوں میں سے ایک رسول، مطلب ہے: انسانوں میں سے۔ [6] حضرت صالح علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی جس طرح کہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے۔ [7] یعنی ابتداءً تمھیں زمین سے پیدا کیا، وہ اس طرح کہ تمھارے باپ آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور سلسلۂ نسل انسانی آدم سے چلا، یوں تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو کچھ کھاتے ہو، سب زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں جا کر وجود انسانی کا باعث ہوتا ہے۔ [8] یعنی تمھارے اندر زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کی، جس سے تم رہائش کے لیے مکان تعمیر کرتے، خوراک کے لیے کاشت کاری کرتے اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیے صنعت وحرفت سے کام لیتے ہو۔ [9] یعنی پیغمبر اپنی قوم میں چونکہ اخلاق و کردار اور امانت و دیانت میں ممتاز ہوتا ہے، اس لیے قوم کی اس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان سے یہ کہا۔ لیکن دعوت توحید دیتے ہی ان کی امیدوں کا یہ مرکز ان کی آنکھوں کا کانٹا بن گیا اور اس دین میں شک کا اظہار کیا جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام انھیں بلا رہے تھے، یعنی دین توحید۔ گویا توحید کا درس ہر دور کے لوگوں کے لیے جرعۂ تلخ (کڑوا گھونٹ) ہی رہا ہے۔

Marfat.com

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ
اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اوراس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (نبوت) دی ہو،[1]
مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ
پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں[2] تو اللہ (کے عذاب) سے میری مدد کون کرے گا؟ تم تو میرا نقصان
تَخْسِيْرٍ ﴿63﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا
ہی بڑھا رہے ہو﴿63﴾ [3] اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے بطور نشانی ہے، لہٰذا تم اسے
تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
چھوڑ دو کہ کھاتی (چرتی) پھرے اللہ کی زمین میں اور تم اسے برائی سے نہ چھونا، ورنہ تمھیں
عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿64﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ
جلد عذاب پکڑ لے گا﴿64﴾ [4] پھر انھوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، تو (صالح نے) کہا: تم اپنے
ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۗ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿65﴾
گھروں میں تین دن فائدہ اٹھا لو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں بولا گیا﴿65﴾ [5] پھر جب
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ہمارا حکم (عذاب) آگیا[6] تو ہم نے صالح اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۚ اِنَّ رَبَّكَ
نجات دی، اوراس (قیامت کے) دن کی رسوائی سے بھی (نجات دی)، بے شک آپ کا رب، وہی
هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿66﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ
ہے نہایت قوی، بہت زبردست ﴿66﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آپکڑا،[7]
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيٰرِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿67﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ
پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے﴿67﴾ [8] جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔[9] آگاہ رہو!
اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿68﴾ ع 6 8 6
بے شک ثمود (قوم) نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سن لو! پھٹکار (لعنت) ہے ثمود کے لیے﴿68﴾
وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا
اور البتہ تحقیق ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کرآئے[10] انھوں نے کہا: (آپ پر)

[1] بَيِّنَةٍ سے مراد کھلی دلیل اور رَحْمَةً سے مراد نبوت ہے جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ علاوہ ازیں بینہ سے مراد وہ معجزہ یا معجزات بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے پیغمبر کے ذریعے سے پیغمبر کی تصدیق و تائید کے لیے ظاہر کرواتا ہے۔ یہ حجت و برہان اور نبوت اگرچہ یقینی اور متحقق الوقوع تھی لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے اسے یہاں شک کے لفظ (اگر) میں بیان کیا ہے تو یہ دراصل مخاطب قوم کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ شک میں مبتلا تھی ورنہ حضرت صالح علیہ السلام کو کوئی شک نہیں تھا۔ (فتح القدیر) [2] نافرمانی سے مراد یہ ہے کہ اگر میں تمھیں حق کی طرف اور الٰہ واحد کی عبادت کی طرف بلانا چھوڑ دوں جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ [3] یعنی اگر میں ایسا کروں تو تم مجھے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچا سکتے، البتہ اس طرح تم میرے نقصان و خسارے میں ہی اضافہ کرو گے۔ [4] یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کہنے پر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پہاڑ یا ایک چٹان سے برآمد فرمائی۔ اسی لیے اسے نَاقَةُ اللّٰهِ (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا ہے کیونکہ یہ خالص اللہ کے حکم سے معجزانہ طور پر (خلاف عادت طریقے سے) ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی تھی کہ اسے ایذا نہ پہنچانا ورنہ تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے۔ [5] لیکن ان ظالموں نے اس زبردست معجزے کے باوجود نہ صرف ایمان لانے سے گریز کیا بلکہ حکم الٰہی سے صریح سرتابی کرتے ہوئے اونٹنی کو مار ڈالا، جس کے بعد انھیں تین دن کی مہلت دے دی گئی کہ تین دن کے بعد تمھیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔ [6] اس سے مراد وہی عذاب ہے جو وعدے کے مطابق چوتھے دن آیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ [7] یہ عذاب الصَّيْحَةُ (چیخ، زور کی کڑک) کی صورت میں آیا، بعض کے نزدیک یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی اور بعض کے نزدیک آسمان سے آئی تھی جس سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی، اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بھونچال (رَجْفَةٌ) بھی آیا، جس نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:78 کے الفاظ ہیں: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی بھونچال زلزلے نے ان کو پکڑ لیا۔ [8] جس طرح پرندہ مرنے کے بعد زمین پر سینے اور منہ کے بل پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ موت سے ہم کنار ہو کر منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔ [9] ان کی بستی یا خود یہ لوگ یا دونوں ہی، اس طرح حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے، گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔ [10] یہ دراصل حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا زاد بھائی یا بقول بعض برادر زاد تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی بحیرۂ مردار کے جنوب مشرق میں تھی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

Marfat.com

سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ؕ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾
سلام ہو[1] ابراہیم نے کہا: (تم پر بھی) سلام ہو[2] پھر دیر کیے بغیر وہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا﴿69﴾[3]
فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ
پھر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (بچھڑے) کی طرف نہیں پہنچے تو انھیں اجنبی سمجھا
اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ
اور (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا[4] انھوں نے کہا: (ہم سے) نہ ڈر، بے شک ہمیں تو قوم لوط کی
اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿70﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا
طرف بھیجا گیا ہے﴿70﴾[5] اور ابراہیم کی بیوی (قریب) کھڑی تھی تو وہ ہنس پڑی،[6] پھر ہم نے اسے
بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿71﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى
اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب (پوتے) کی﴿71﴾ وہ بولی: ہائے ہائے! کیا (اب)
ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ
میں بچہ جنوں گی، حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے؟ بے شک یہ تو بہت
عَجِيْبٌ ﴿72﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ
ہی عجیب چیز ہے﴿72﴾[7] انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے![8] اللہ کی رحمت اور
وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾
برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت![9] بے شک اللہ قابل تعریف ہے، نہایت بزرگی والا﴿73﴾

فلسطین میں مقیم تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو ان کی طرف فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور انھیں بیٹے کی بشارت دی۔

[1] یعنی سَلَّمْنَا عَلَيْكَ سَلَامًا ''ہم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔'' [2] جس طرح پہلا سلام ایک فعل مقدر کے ساتھ منصوب تھا۔ اسی طرح یہ سلام مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، عبارت ہو گی۔ أَمْرُكُمْ سَلَامٌ یا عَلَيْكُمْ سَلَامٌ [3] حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے کی ان کو حاجت نہیں بلکہ انھوں نے انھیں انسان سمجھ کر فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو (بلاتکلف) حاضر خدمت کر دیا جائے۔ [4] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انھیں خوف محسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا بچھڑا ابھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔ [5] اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں یا اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اظہار فرمایا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (الحجر 52:15) ''ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔'' چنانچہ فرشتوں نے کہا: ڈرو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں، ہم وہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف جا رہے ہیں۔ [6] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ اہلیہ کیوں ہنسیں؟ بعض کہتے ہیں کہ قوم لوط کی فساد انگیزیوں سے وہ بھی آگاہ تھیں، ان کی ہلاکت کی خبر سے انھوں نے مسرت ظاہر کی۔ بعض کہتے ہیں: اس لیے ہنسی آئی کہ دیکھو آسمانوں سے ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ قوم غفلت کا شکار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہے۔ اور اس ہنسنے کا تعلق اس بشارت سے ہے جو فرشتوں نے اس بوڑھے جوڑے کو دی۔ واللہ أعلم. [7] یہ اہلیہ حضرت سارہ تھیں، جو خود بھی بوڑھی تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے، اس لیے تعجب ایک فطری امر تھا جس کا اظہار ان سے ہوا۔ [8] یہ استفہام ہے اور اس سے مقصود نہی ہے، یعنی تو اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر تعجب نہ کر کیونکہ اس کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب عادیہ ہی کا محتاج ہے، وہ تو جو چاہے، اس کے لفظ کُنْ (ہو جا) سے معرض وجود میں آ جاتا ہے۔ [9] حضرت ابراہیم کی اہلیہ محترمہ کو یہاں فرشتوں نے ''اہل بیت'' سے یاد کیا اور دوسرے ان کے لیے جمع مذکر مخاطب عَلَيْكُمْ کا صیغہ استعمال کیا۔ جس سے ایک بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ ''اہل بیت'' میں انسان کی بیوی شامل ہوتی ہے۔ دوسری، یہ کہ ''اہل بیت'' کے لیے لفظ أَهْلٌ کی وجہ سے جو اسم جمع ہے اور واحد و جمع کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ جمع مذکر کے صیغے کا استعمال بھی جائز ہے جیسا کہ سورۂ احزاب، آیت: 33 میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا ہے اور انھیں جمع مذکر کے صیغے سے مخاطب بھی کیا ہے۔

Marfat.com

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى

پھر جب ابراہیم سے خوف چلا گیا اور اس کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کی بابت

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (74) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ

جھگڑنے لگا (74) [1] بے شک ابراہیم بہت بردبار، بہت زیادہ آہ وزاری کرنے والا اور (ہماری طرف) بہت

اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (75) يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ

رجوع کرنے والا تھا (75) (ہم نے کہا:) اے ابراہیم! اس (بات) کو جانے دو، بے شک

قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ

تمھارے رب کا حکم آ پہنچا ہے اور بے شک ان لوگوں پر (ایسا) عذاب آنے والا ہے جو (ان

مَرْدُوْدٍ (76) وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

سے) پھیرا نہیں جائے گا (76) [2] اور جب ہمارے قاصد (فرشتے) لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی

بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ (77) وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ

وجہ سے غمگین ہوا اور ان سے دل میں تنگ ہوا اور بولا: یہ انتہائی سخت دن [3] ہے (77) اور اس کی قوم

يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ

کے لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے، جبکہ وہ پہلے ہی سے برے عمل کرتے تھے [4] اس نے

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کرلو)، یہ تمھارے لیے پاکیزہ تر ہیں، [5]

وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (78)

لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟ (78) [6]

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ

انھوں نے کہا: یقیناً تو جانتا ہے کہ ہمارے لیے تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی حق (دلچسپی)

وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (79) قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ

نہیں اور بلاشبہ تو یقیناً جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں (79) [7] اس (لوط) نے کہا: کاش! میرے لیے

قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (80) قَالُوْا يٰلُوْطُ

تمھارے مقابلے میں کوئی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا (80) [8] (فرشتوں نے) کہا: اے

[1] اس مجادلے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ جس بستی کو تم ہلاک کرنے جا رہے ہو، اسی میں حضرت لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں جس پر فرشتوں نے کہا: ''ہم جانتے ہیں کہ لوط علیہ السلام بھی وہاں رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچا لیں گے۔'' (العنکبوت 29: 32) [2] یہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اب اس بحث وتکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیے! اللہ کا وہ حکم (ہلاکت کا) آ چکا ہے، جو اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ٹلے گا۔ [3] حضرت لوط علیہ السلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے نوعمر نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے جو بے ریش تھے جس سے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی عادت قبیحہ کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس کیا کیونکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آنے والے یہ نوجوان، مہمان نہیں ہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو اس قوم کو ہلاک کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔ [4] اغلام بازی کے ان مریضوں کو پتہ چلا کہ چند خوبرو نوجوان لوط علیہ السلام کے گھر آئے ہیں تو دوڑے ہوئے آئے اور انھیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تاکہ ان سے اپنی غلط خواہشات پوری کریں۔ [5] یعنی تمھیں اگر جنسی خواہش ہی کی تسکین مقصود ہے تو اس کے لیے میری اپنی بیٹیاں موجود ہیں، جن سے تم نکاح کرلو اور اپنا مقصد پورا کرلو۔ یہ تمھارے لیے ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ بنات سے مراد عام عورتیں ہیں اور انھیں اپنی لڑکیاں اس لیے کہا ہے کہ پیغمبر اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے عورتیں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور اپنا مقصد پورا کرو! (ابن کثیر) [6] یعنی میرے گھر آئے مہمانوں کے ساتھ زیادتی اور زبردستی کر کے مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا سمجھدار نہیں ہے جو میزبانی کے تقاضوں اور اس کی نزاکت کو سمجھ سکے؟ اور تمھیں اپنے برے ارادوں سے روک سکے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ساری باتیں اس بنیاد پر کیں کہ وہ ان فرشتوں کو فی الواقع نووارد مسافر اور مہمان ہی سمجھتے رہے، اس لیے وہ بجا طور پر ان کی حفاظت کو اپنی عزت ووقار کے لیے ضروری سمجھتے رہے۔ اگر ان کو پتہ چل جاتا یا وہ عالم الغیب ہوتے تو ظاہر بات ہے کہ انھیں یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی جو انھیں ہوئی اور جس کا نقشہ یہاں قرآن مجید نے کھینچا ہے۔ [7] یعنی ایک جائز اور فطری طریقے کو انھوں نے بالکل رد کر دیا اور غیر فطری کام اور بے حیائی پر اصرار کیا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قوم اپنی اس بے حیائی کی عادت خبیثہ میں کتنی آگے جا چکی تھی اور کس قدر اندھی ہو گئی تھی۔ [8] قُوَّةً سے اپنے دست وبازو اور اپنے وسائل کی قوت یا اولاد کی قوت مراد ہے اور

Marfat.com

إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوٓا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ
لوط! بے شک ہم تیرے رب کے قاصد ہیں، وہ تیری طرف ہرگز نہیں پہنچیں گے، چنانچہ تو اپنے گھر
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا
والوں کو رات کے کسی حصے میں لے چل، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، سوائے تیری بیوی
امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ
کے، بے شک اسے (وہ عذاب) پہنچنے والا ہے جو ان (لوگوں) کو پہنچے گا۔ بے شک ان کے وعدے
الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿81﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا
(عذاب) کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ ﴿81﴾ [1] پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے
عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ
اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو نیچے والا (حصہ) کر دیا، اور ان پر کھنگر کے پتھر تہ بہ تہ
مَّنضُودٍ ﴿82﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ
برسائے ﴿82﴾ جو تمھارے رب کے ہاں سے نشان زدہ تھے۔ اور وہ (پتھر یا سزا یا بستی) ان
7 15 7 الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿83﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ
ظالموں (قریش مکہ) سے دور نہیں ﴿83﴾ [2] اور (ہم نے) مدین (والوں) [3] کی طرف ان کے بھائی
قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ
شعیب کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی
وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي
معبود نہیں، اور تم ناپ تول کم نہ کرو، [4] بے شک میں تمھیں خوشحال دیکھتا ہوں، [5] اور بے شک مجھے
أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿84﴾ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ
تم پر گھیرنے والے عذاب کے دن سے خوف آتا ہے ﴿84﴾ [6] اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول

رُكْنٍ شَدِيدٍ (مضبوط آسرا) سے خاندان، قبیلہ یا اسی قسم کا کوئی مضبوط سہارا مراد ہے، یعنی نہایت بے بسی کے عالم میں آرزو کر رہے ہیں کہ کاش! میرے اپنے پاس کوئی قوت ہوتی یا کسی خاندان اور قبیلے کی پناہ اور مدد مجھے حاصل ہوتی تو آج مجھے مہمانوں کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی نہ ہوتی، میں ان بد قماشوں سے نمٹ لیتا اور مہمانوں کی حفاظت کر لیتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ پر توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ ظاہری اسباب کے مطابق ہے۔ اور توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم و مطلب بھی یہی ہے کہ پہلے تمام ظاہری اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور پھر اللہ پر توکل کیا جائے۔ یہ توکل کا نہایت غلط مفہوم ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے جو کچھ کہا، ظاہری اسباب کے اعتبار سے بالکل بجا کہا۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا پیغمبر جس طرح عالم الغیب نہیں ہوتا، اسی طرح وہ مختار کل بھی نہیں ہوتا (جیسا کہ آج کل لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے) اگر نبی دنیا میں اس طرح کے اختیارات سے بہرہ ور ہوتے تو یقیناً حضرت لوط علیہ السلام اپنی بے بسی کا اور اس آرزو کا اظہار نہ کرتے جو انھوں نے مذکورہ الفاظ میں کی۔

[1] جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی اور ان کی قوم کی سرکشی کا مشاہدہ کر لیا تو بولے: اے لوط! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تک تو کیا، اب یہ تجھ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب رات کے ایک حصے میں، سوائے بیوی کے، اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جا! صبح ہوتے ہی اس بستی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ [2] اس آیت میں هِيَ کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک وہ نشان زدہ کنکریلے پتھر ہیں اور الظَّالِمِينَ سے مراد قوم لوط ہے کہ یہ نشان زدہ پتھر ان ظالموں سے دور نہیں۔ یا الظَّالِمِينَ سے مراد اس امت کے ظالم ہیں، یعنی پتھروں کا عذاب ان ظالموں سے بھی دور نہیں یا هِيَ ضمیر کا مرجع قوم لوط کی بستی ہے جو ہلاک کی گئی اور وہ ان کفار سے دور نہیں بلکہ وہ شام اور مدینہ کے درمیان ہے۔ مقصد ان کو ڈرانا ہے کہ تمھارا حشر بھی ویسا ہو سکتا ہے جس سے گزشتہ قومیں دوچار ہوئیں۔ [3] مدین کی تحقیق کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف، آیت: 85 کا حاشیہ۔ [4] توحید کی دعوت دینے کے بعد، اس قوم میں جو نمایاں اخلاقی خرابی (ناپ تول میں کمی کی) تھی، اس سے انھیں منع فرمایا۔ ان کا معمول یہ بن چکا تھا کہ جب ان کے پاس فروخت کنندہ (بائع) اپنی چیز لے کر آتا تو اس سے ناپ اور تول میں زیادہ لیتے اور جب خریدار (مشتری) کو کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ میں کمی کر کے دیتے اور تول میں بھی ڈنڈی مار لیتے۔ [5] یہ اس منع کرنے کی علت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل کر رہا ہے اور اس نے تمھیں آسودگی اور مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر تم یہ قبیح حرکت کیوں کرتے ہو؟ [6] یہ دوسری علت ہے کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو پھر اندیشہ ہے کہ قیامت والے دن کے عذاب سے تم نہ بچ سکو۔ گھیرنے والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کوئی گناہ گار مؤاخذۂ الٰہی سے بچ سکے گا نہ بھاگ کر کہیں چھپ سکے گا۔

Marfat.com

وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا

انصاف سے پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو[1] اور تم زمین میں

فِي الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿85﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ

فسادی بن کر نہ پھرو﴿85﴾ [2] اللہ کی بچت (جائز نفع) تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم

مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿86﴾ قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ

مومن ہو[3] اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں﴿86﴾ [4] انھوں نے کہا: اے شعیب!

اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ

کیا تیری نماز[5] تجھے یہ حکم کرتی (سکھاتی) ہے کہ ہم ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے

نَّفۡعَلَ فِيۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَلِيۡمُ

باپ دادا پوجتے رہے یا اپنے مالوں میں وہ نہ کریں جو کرنا چاہیں؟[6] بلاشبہ تو تو بڑا نرم مزاج، بڑا

الرَّشِيۡدُ ﴿87﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى

سمجھ دار ہے﴿87﴾ [7] اس (شعیب) نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے

بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ

واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا ہو[8] (تو کیسے اس کی نافرمانی کروں؟) اور

اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ ؕ اِنۡ

میں یہ نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کروں (اس طرح کہ) وہ کام کروں جن سے تمھیں روکتا ہوں[9] میں

اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ

کچھ نہیں چاہتا سوائے (تمھاری) اصلاح کے[10] جہاں تک مجھ سے ہو سکے۔ اور مجھے (اس کی) توفیق ملنا

اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ﴿88﴾

اللہ کی مدد کے سوا (ممکن) نہیں[11] میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں﴿88﴾ اور

[1] انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد توحید، یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے، پھر اس کے بعد قوم کے اندر جو بھی خرابی ہوتی ہے اس کی نشاندہی فرماتے ہیں جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے اولاً دعوت توحید پیش کی اس کے بعد اس اخلاقی خرابی سے منع کیا جو ان کے اندر تھی اور وہ حقوق العباد سے متعلق تھی۔ اول الذکر کی طرف لفظ اُعۡبُدُوا اللّٰهَ اور آخر الذکر کے لیے وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ سے اشارہ کیا گیا اور اب تاکید کے طور پر انھیں انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کا حکم دیا جا رہا ہے اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے دینے سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی ایک بہت بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ مطففین میں بھی اس جرم کی شناعت وقباحت اور اس کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے: وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ۝ (المطففین 83: 1-3) ”ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں۔“ [2] اللہ کی نافرمانی سے، بالخصوص شرک کر کے اور وہ گناہ کر کے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے یہاں ناپ تول کی کمی بیشی میں ہے، زمین میں یقیناً فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے انھیں منع کیا گیا، اس لیے حقوق العباد کی ادائیگی بھی نہایت ضروری ہے۔ [3] بَقِيَّتُ اللّٰهِ سے مراد وہ نفع ہے جو ناپ تول میں کسی قسم کی کمی کیے بغیر، دیانت داری کے ساتھ سودا دینے کے بعد حاصل ہو۔ یہ چونکہ حلال وطیب ہے اور خیر وبرکت بھی اسی میں ہے، اس لیے اللہ کا بقیہ قرار دیا گیا ہے۔ [4] یعنی میں تمھیں صرف تبلیغ کر سکتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔ [5] صلاۃ سے مراد عبادت، دین یا تلاوت ہے۔ [6] اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک زکاۃ وصدقات ہیں جس کا حکم ہر آسمانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم سے زکاۃ وصدقات کا اخراج، اللہ کے نافرمانوں پر نہایت شاق گزرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اپنی محنت ولیاقت سے مال کماتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں ہم پر پابندی کیوں ہو؟ اور اس کا کچھ حصہ ایک مخصوص مد کے لیے نکالنے پر ہمیں مجبور کیوں کیا جائے؟ اسی طریقے سے کمائی اور تجارت میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کی پابندی بھی ایسے لوگوں پر نہایت گراں گزرتی ہے، ممکن ہے ناپ تول میں کمی سے روکنے کو بھی انھوں نے اپنے مالی تصرفات میں دخل اندازی سمجھا ہو۔ اور ان الفاظ میں اس سے انکار کیا ہو۔ دونوں ہی مفہوم اس کے صحیح ہیں۔ [7] حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے یہ الفاظ انھوں نے بطور استہزا کہے۔ [8] رِزۡقًا حَسَنًا کا دوسرا مفہوم نبوت بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) [9] یعنی جس کام سے میں تمھیں روکوں، تمھاری مخالفت کر کے، وہ میں خود کروں ایسا نہیں ہو سکتا۔ [10] میں تمھیں جس کام کے کرنے یا جس سے رکنے کا حکم دیتا ہوں، اس سے مقصد اپنی مقدور بھر، تمھاری اصلاح ہی ہے۔ [11] یعنی حق تک پہنچنے کا جو میرا ارادہ ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اس لیے تمام معاملات میں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

Marfat.com

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ
اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں (ایسے کام پر) نہ اکسائے کہ تم پر ویسا عذاب آئے جیسا
قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ
قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا، اور لوط کی قوم (کا علاقہ بھی) تم سے کچھ دور
بِبَعِيْدٍ ﴿89﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ
نہیں﴿89﴾ [1] اور تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب بڑا رحم
رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿90﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا
کرنے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے﴿90﴾ انھوں نے کہا: اے شعیب! جو تو کہتا ہے ہم اس
مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ
میں سے بہت کچھ نہیں سمجھتے [2] اور بے شک ہم تجھے اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں [3] اور اگر تیرا
لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿91﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ
قبیلہ نہ ہوتا تو ہم یقینا تجھے سنگسار کر دیتے [4] اور تو ہم پر کوئی غلبہ نہیں رکھتا﴿91﴾ [5] شعیب نے کہا: اے
اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ
میری قوم! کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ دباؤ والا ہے؟ اور تم نے اس (اللہ) کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال رکھا
اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
ہے [6] بے شک تم جو عمل کرتے ہو میرا رب انھیں گھیرنے والا ہے﴿92﴾ اور اے میری قوم! تم اپنی
مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ جلد تم جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب
يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿93﴾
آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں﴿93﴾ [7] اور
وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
جب ہمارا حکم (عذاب) آیا تو ہم نے نجات دی شعیب کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ
والوں کو اپنی رحمت سے، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا [8] تو وہ اپنے

[1] یعنی ان کی جگہ تم سے دور نہیں یا اس سبب میں تم سے دور نہیں جو ان کے عذاب کا موجب بنا۔ [2] یہ بات انھوں نے تحقیر اور استہزا کے طور پر جھوٹ کہتے ہوئے کہی ورنہ شعیب علیہ السلام کی باتیں ان کے لیے ناقابل فہم نہیں تھیں یا حقیقتاً ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں کیونکہ وہ آپ کے کلام کی طرف شدت نفرت کی وجہ سے توجہ ہی نہیں دیتے تھے۔ (تفسیر اللباب) اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے کرتے ان کے ذہن اس قدر مسخ ہو چکے تھے کہ خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام کی سیدھی اور فصیح باتیں بھی ان کے ذہن میں نہ آتی تھیں، حالانکہ شعیب علیہ السلام نہ کسی غیر زبان میں گفتگو کرتے تھے اور نہ ان کا اندازِ بیان ہی پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔ [3] اور بعض کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے انھیں کمزور کہا کہ وہ خود تنہا مخالفین سے مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ یہ کمزوری جسمانی لحاظ سے تھی جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی کمزور تھی یا وہ نحیف و لاغر جسم کے تھے لیکن یہ بات درست نہیں۔ (تفسیر اللباب) [4] کہا جاتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ باقی کفار کے مقابلے میں کمزور اور تعداد میں کم تھا لیکن وہ قبیلہ چونکہ کفر و شرک میں اپنی ہی قوم کے ساتھ تھا، اس لیے اپنے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کا لحاظ، بہرحال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے میں مانع تھا۔ [5] لیکن چونکہ تیرے قبیلے کی حیثیت بہرحال ہمارے دلوں میں موجود ہے، اس لیے ہم درگزر سے کام لے رہے ہیں۔ [6] کہ تم مجھے تو میرے قبیلے کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچا رہے ہو لیکن جس اللہ نے مجھے منصب نبوت سے نوازا ہے، اس کی کوئی عظمت اور اس منصب کا کوئی احترام تمھارے دلوں میں نہیں ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنِّي (مجھ سے زیادہ ذی عزت) کی بجائے اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (اللہ سے زیادہ ذی عزت) کہا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی کی توہین، دراصل اللہ کی توہین ہے۔ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ میں "ہ" ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی کی پروا نہ کر کے اور ان کی باتوں پر عمل نہ کر کے تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی تم نے کوئی پروا نہیں کی۔ [7] جب انھوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے کفر و شرک پر مصر ہے اور وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا تو کہا: اچھا تم اپنی ڈگر پر چلتے رہو، عنقریب تمھیں جھوٹے سچے کا اور اس بات کا کہ رسوا کن عذاب کا مستحق کون ہے؟ علم ہو جائے گا۔ [8] اس چیخ سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور اس کے معاً بعد ہی بھونچال بھی آیا جیسا کہ سورۂ اعراف، آیت: 91 اور سورۂ عنکبوت، آیت: 37 میں ہے۔

Marfat.com

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا

گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿94﴾ جیسے وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو! پھٹکار ہے

بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿95﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى

(اہل) مدین پر جیسے ثمود پر پھٹکار پڑی ﴿95﴾ [1] اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿96﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا

دلیل کے ساتھ بھیجا ﴿96﴾ [2] فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں [3] کی طرف، پھر انھوں نے فرعون

اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾ يَقْدُمُ

کے حکم کی اتباع کی، اور فرعون کا حکم کوئی رشد و بھلائی والا نہیں تھا ﴿97﴾ [4] وہ قیامت کے دن اپنی قوم

قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ

کے آگے آگے ہوگا، پھر انھیں آگ میں جا داخل کرے گا، [5] اور برا ہے وہ گھاٹ [6] جس پر (پینے کے

الْمَوْرُوْدُ ﴿98﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

لیے) آیا جائے ﴿98﴾ اور اس (دنیا) میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی، [7] اور

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى

برا ہے وہ انعام جو دیا جائے ﴿99﴾ [8] (اے نبی!) یہ کچھ خبریں ان (تباہ شدہ) بستیوں کی ہیں جو ہم آپ کو

نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿100﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

سناتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ تہس نہس کردی گئیں ﴿100﴾ [9] اور ہم نے ان پر ظلم نہیں

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ

کیا [10] لیکن انھوں نے (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، [11] تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کے سوا

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

پکارتے تھے ان کے کسی کام نہ آئے، جب آپ کے رب کا حکم (عذاب) آ پہنچا بلکہ انھوں

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ

نے ان کو تباہی میں ہی زیادہ کیا ﴿101﴾ [12] اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ

[1] یعنی لعنت، پھٹکار، اللہ کی رحمت سے محرومی اور دوری۔ [2] آیاتٌ سے تورات اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ سے وہ عظیم اور کھلے معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیات سے، آیات تسعة (نو نشانیاں) اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے۔ عصا، اگرچہ آیات تسعة میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ نہایت ہی عظیم الشان تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ [3] ملأ قوم کے اشراف اور ممتاز قسم کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ (اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے) فرعون کے ساتھ اس کے دربار کے ممتاز لوگوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اشراف قوم ہی ہر معاملے کے ذمے دار ہوتے تھے اور قوم ان ہی کے پیچھے چلتی تھی۔ اگر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یقیناً فرعون کی ساری قوم ایمان لے آتی۔ [4] ﴿بِرَشِیْدٍ﴾ مُرْشِدٌ کے معنی میں ہے، یعنی خیر کی طرف راہنمائی کرنے والا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذُورُشْد رشد والا کے معنی میں ہے، یعنی بات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشد و ہدایت والی تھی لیکن اسے ان لوگوں نے رد کر دیا اور فرعون کی بات جو رشد و ہدایت سے دور تھی، اس کی انھوں نے پیروی کی۔ [5] یعنی فرعون، جس طرح دنیا میں ان کا رہبر اور پیش رو تھا، قیامت والے دن بھی یہ آگے آگے ہی ہوگا اور اپنی قوم کو اپنی قیادت میں جہنم میں لے کر جائے گا۔ [6] ﴿اَلْوِرْدُ﴾ پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں سے پانی پیا جاتا ہے مراد جہنم ہے۔ ﴿اَلْمَوْرُوْدُ﴾ وہ مقام جس پر پینے کے لیے آیا جاتا ہے، یعنی یہ گھاٹ بری جگہ ہے جس پر ورود ہوتا ہے۔ مراد جہنم ہے۔ اَعاذَنَا اللّٰہُ مِنْھا. [7] لعنت سے مراد پھٹکار اور رحمت الٰہی سے دوری و محرومی ہے، گویا دنیا میں بھی وہ رحمت الٰہیہ سے محروم اور آخرت میں بھی اس سے محروم ہی رہیں گے، اگر ایمان نہ لائے۔ [8] ﴿اَلرِّفْدُ﴾ انعام اور عطیے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں لعنت کو رفد کہا گیا ہے۔ اسی لیے اسے برا انعام قرار دیا گیا۔ ﴿اَلْمَرْفُوْدُ﴾ سے مراد وہ انعام جو کسی کو دیا جائے۔ یہ الرفد کی تاکید ہے۔ [9] ﴿قَآئِمٌ﴾ سے مراد وہ بستیاں جو اپنی چھتوں پر قائم ہیں اور ﴿حَصِیْدٌ﴾ بمعنی محصود سے مراد وہ بستیاں جو کٹی ہوئی کھیتیوں کی طرح نابود ہوگئیں، یعنی جن گزشتہ بستیوں کے واقعات ہم بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض تو اب بھی موجود ہیں جن کے آثار و کھنڈرات نشان عبرت ہیں اور بعض بالکل ہی صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئیں اور ان کا وجود صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا ہے۔ [10] ان کو عذاب اور ہلاکت سے دوچار کر کے۔ [11] کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے۔ [12] جبکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انھیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو واضح ہوگیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

Marfat.com

اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾

بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک [1] (اور) شدید ہے ﴿102﴾ بے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ

شک اس میں [2] اس شخص کے لیے یقیناً نشان (عبرت) ہے جو عذاب آخرت سے ڈر گیا۔ وہ (یوم آخرت) ایسا

يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿103﴾

دن ہے جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے، اور وہ ایسا دن ہے جب (سب) حاضر کیے جائیں گے ﴿103﴾ [3]

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿104﴾ يَوْمَ يَاْتِ

اور صرف ہم ایک مقرر وقت تک ہی اس میں تاخیر کر رہے ہیں ﴿104﴾ [4] (جب) وہ دن آجائے گا تو کوئی

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿105﴾

نفس اللہ کے اذن کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا [5] پھر ان میں سے کوئی تو بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ﴿105﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ

چنانچہ جو لوگ بدبخت ہوں گے تو (وہ) آگ میں ہوں گے، ان کے لیے اس (آگ) میں بس چیخنا

وَّشَهِيْقٌ ﴿106﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

چلانا اور دھاڑنا ہوگا ﴿106﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے، [6] مگر یہ

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿107﴾

کہ آپ کا رب (کچھ اور) چاہے۔ [7] بے شک آپ کا رب جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے ﴿107﴾ اور

[1] یعنی جس طرح گزشتہ بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا، آئندہ بھی وہ ظالموں کی اسی طرح گرفت کرنے پر قادر ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ» ''اللہ تعالیٰ یقیناً ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔'' پھر نبی ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4686، وصحیح مسلم، حدیث: 2583) [2] یعنی مواخذہ الٰہی میں یا ان واقعات میں جو عبرت و موعظت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ [3] یعنی حساب اور بدلے کے لیے۔ اور اول سے آخر تک، تمام لوگ جمع ہوں گے، کوئی باقی نہیں رہے گا، جیسے فرمایا: وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (الکہف 47:18) ''ہم ان کو اکٹھا کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔'' فرشتے بھی، انبیاء و رسل بھی اور مخلوقات عالم بھی، جیسے انسان، جن، چرند و پرند اور دیگر حیوانات اور پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ [4] یعنی قیامت کے دن میں تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت معین کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجائے گا تو ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوگی۔ [5] گفتگو نہ کرنے سے مراد، کسی کو اللہ تعالیٰ سے بحث و تکرار کی یا شفاعت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔ طویل حدیث شفاعت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ» (صحیح البخاري، حدیث: 806، وصحیح مسلم، حدیث: 182) ''اس دن انبیاء کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہ ہوگی اور انبیاء کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ! ہمیں بچا لے، ہمیں بچا لے۔'' [6] ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب دائمی نہیں ہے بلکہ موقت ہے، یعنی اس وقت تک رہے گا، جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہاں مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے الفاظ اہل عرب کے روزمرہ اور محاورے کے مطابق کہے گئے ہیں۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کا دوام ثابت کرنا مقصود ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ هٰذَا دَائِمٌ دَوَامَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''یہ چیز اسی طرح ہمیشہ رہے گی جس طرح آسمان و زمین کا دوام ہے۔'' اسی محاورے کو قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کفر و شرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جس کو قرآن نے متعدد جگہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین سے مراد، جنس ہے، یعنی دنیا کے آسمان و زمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان و زمین ان کے علاوہ اور ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم 48:14) ''اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے)۔'' اور آخرت کے یہ آسمان و زمین، جنت اور دوزخ کی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان و زمین مراد ہے نہ کہ دنیا کے آسمان و زمین جو فنا ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر) ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا جو مذکور ہوا۔ امام شوکانی ؒ نے اس کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے ہیں جنھیں اہل علم ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (فتح القدیر) [7] اس استثنا کے بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب

Marfat.com

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

لیکن جو نیک بخت بنائے گئے ہوں گے تو (وہ) جنت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً

جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے مگر یہ کہ آپ کا رب (کچھ اور) چاہے،[1] (یہ اللہ کا) نہ ختم

غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿108﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ

ہونے والا انعام ہے ﴿108﴾ [2] چنانچہ آپ ان کے متعلق تردد میں نہ پڑیں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں،

مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا

یہ لوگ تو ویسے ہی عبادت کرتے ہیں جیسے اس سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور بے

ع 14 9 لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿109﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

شک ہم انھیں ان کا حصہ بغیر کسی کمی کے پورا پورا دیں گے ﴿109﴾ [3] اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی،

الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

تو اس میں اختلاف کیا گیا [4] اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے (طے) ہو چکی

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ

ہے تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا [5] اور بلاشبہ وہ اس کے متعلق البتہ بے چین کرنے والے شک

مُرِيْبٍ ﴿110﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ

میں ہیں ﴿110﴾ اور بے شک آپ کا رب ضرور ہر ایک کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ بے

اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿111﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ

شک وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ ان سے خوب باخبر ہے ﴿111﴾ چنانچہ (اے نبی!) آپ ثابت قدم رہیں

اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا

جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی (ایمان لائے) اور تم

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿112﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

سرکشی نہ کرو، [6] بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ (اللہ) انھیں دیکھ رہا ہے ﴿112﴾ اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ

جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، [7] اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر

سے زیادہ صحیح مفہوم یہی ہے کہ یہ استثنا ان گناہ گاروں کے لیے ہے جو اہل توحید و اہل ایمان ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس سے ماقبل آیت میں شَقِيٌّ کا لفظ عام، یعنی کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہوگا اور اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ سے عاصی مومنوں کا استثنا ہو جائے گا۔ اور مَاشَآءَ میں مَا، مَنْ کے معنی میں ہے۔

[1] یہ استثنا بھی عُصَاةِ اہل ایمان کے لیے ہے، یعنی دیگر جنتیوں کی طرح یہ نافرمان مومن ہمیشہ جنہم میں نہیں رہیں گے بلکہ ابتدا میں ان کا کچھ عرصہ جہنم میں گزرے گا اور پھر انبیاء اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے یہ باتیں ثابت ہیں۔ [2] غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کے معنی ہیں: غَيْرَ مَقْطُوعٍ، یعنی نہ ختم ہونے والی عطا۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہوگا اور تمام جنتی ہمیشہ اللہ کی عطا اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوگا۔ [3] اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وہ مستحق ہوں گے، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ [4] یعنی کسی نے اس کتاب کو مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، کچھ لوگ ان پر ایمان لانے والے ہوتے اور دوسرے تکذیب کرنے والے، اس لیے آپ اپنی تکذیب سے نہ گھبرائیں۔ [5] اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو وہ انھیں فوراً ہلاک کر ڈالتا۔ [6] اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ ''استقامت'' نہایت جامع لفظ ہے جو شریعت کے پورے نظام کی پابندی سے عبارت ہے اور یہ پابندی نہایت کٹھن ہے، اسی صعوبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: «شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا» ''سورۂ ہود اور اس کے نظائر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔'' دوسرے طُغْيَان، یعنی بغي (حد سے بڑھ جانے) سے روکا گیا ہے، یعنی شریعت نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان کی پابندی کرو اور ان سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرو، یہ اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کے لیے بہت ضروری ہے حتیٰ کہ یہ تجاوز دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔ [7] اس کا مطلب ہے کہ ظالموں کے ساتھ نرمی اور مداہنت کرتے ہوئے ان سے مدد حاصل مت کرو۔ اس سے ان کو یہ تاثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو۔ اس طرح یہ تمھارا ایک بڑا جرم بن جائے گا جو تمھیں بھی ان کے ساتھ نار جہنم کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ رہ

Marfat.com

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (113) وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا

تمھاری مدد نہ کی جائے گی (113) اور آپ نماز قائم کریں دن کی دونوں طرفوں (صبح و شام) اور رات کی

مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى

کچھ گھڑیوں میں، [1] بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ [2] یہ (اللہ کا) ذکر کرنے والوں کے لیے

لِلذّٰكِرِيْنَ (114) وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (115)

نصیحت ہے (114) اور آپ صبر کریں، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا (115) پھر ان

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ

امتوں میں، جو تم سے پہلے گزریں، ایسے عقل و بصیرت والے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں (لوگوں کو)

عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ

فساد (پھیلانے) سے روکتے مگر تھوڑے ہی ان میں سے جنھیں ہم نے نجات دی [3] اور جن لوگوں نے ظلم

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (116)

کیا وہ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہے جن میں وہ (ظالم) آسودگی دیے گئے تھے، اور وہ مجرم تھے (116) [4]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا

اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے جبکہ ان کے باشندے اصلاح

مُصْلِحُوْنَ (117) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً

کرنے والے ہوں (117) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یقیناً تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا،

وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (118) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ

لیکن وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے (118) سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کے

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

رب نے رحم کیا، اور اسی لیے اس نے انھیں پیدا کیا، [5] اور آپ کے رب کی بات پوری ہوئی کہ

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (119) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ

میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے ضرور بھروں گا (119) [6] اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے آپ

تعلق کی بھی ممانعت نکلتی ہے۔ اِلَّا یہ کہ مصلحت عامہ یا دینی منافع متقاضی ہوں۔ ایسی صورت میں دل سے نفرت رکھتے ہوئے ان سے ربط و تعلق کی اجازت ہوگی جیسا کہ بعض احادیث سے واضح ہے۔

[1] ''دونوں طرفوں'' سے بعض نے صبح اور مغرب، بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت مراد لیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ آیت معراج سے قبل نازل ہوئی ہو جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں، ایک طلوع شمس سے قبل اور ایک غروب سے قبل اور رات کے پچھلے پہر میں نماز تہجد، پھر نماز تہجد امت سے معاف کر دی گئی اور بعض کے مطابق اس کا وجوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ساقط کر دیا گیا۔ (ابن کثیر) والله أعلم. [2] جس طرح کہ احادیث میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: پانچ نمازیں، جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 233) ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بتلاؤ! اگر تمھارے کسی کے دروازے پر بڑی نہر ہو، وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسی طرح پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 528، وصحيح مسلم، حديث: 667) [3] یعنی گزشتہ امتوں میں سے ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو اہل شر اور اہل منکر کو شَر، مُنْکَرات اور فساد سے روکتے؟ پھر فرمایا: ایسے لوگ ہوتے تو تھے لیکن بہت تھوڑے۔ جنھیں ہم نے اس وقت نجات دے دی، جب دوسروں کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔ [4] یعنی یہ ظالم اپنے ظلم پر قائم اور اپنی مدہوشیوں میں مست رہے حتیٰ کہ عذاب نے انھیں آلیا۔ [5] ''اسی لیے'' کا مطلب بعض نے اختلاف اور بعض نے رحمت لیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے انسانوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو دین حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے گا، وہ آزمائش میں ناکام اور جو اسے اپنا لے گا، وہ کامیاب اور رحمت الٰہی کا مستحق ہوگا۔ [6] یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا میں یہ بات ثبت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور جنت و جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑیں، جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا: میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت کا مظہر ہے، تیرے ذریعے سے

Marfat.com

مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ
کو وہ (خبر) سناتے ہیں جس سے ہم آپ کا دل مضبوط رکھتے ہیں، اور اس (سورت) میں آپ
الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿120﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ
کے پاس حق آ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی بھی ﴿120﴾ اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے
لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿121﴾ وَانْتَظِرُوْا
جو ایمان نہیں لاتے: تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں ﴿121﴾ اور تم انتظار کرو،
اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿122﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ
بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿122﴾ [1] اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب، اور
يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ
سب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر توکل کریں،
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿123﴾ ع
اور آپ کا رب اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿123﴾

10 ع 14 10

اٰيَاتُهَا: 111 | سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿1﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا
الٓرٰ، یہ واضح کتاب کی آیات ہیں ﴿1﴾ بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا
لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿2﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ
تاکہ تم سمجھو ﴿2﴾ [2] (اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو
بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ
ایک بہترین داستان سناتے ہیں [3] جبکہ یقیناً اس سے پہلے آپ بے خبروں میں
لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿3﴾ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ
سے تھے ﴿3﴾ [4] جب یوسف [5] نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا جان! بے شک میں نے

میں جس پر چاہوں اپنا رحم کروں۔ اور جہنم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو میرے عذاب کا مظہر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزا دوں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھر دے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی۔ اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۝ (قٓ 30:50) کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ ''بس، بس، تیری عزت کی قسم!'' (صحيح البخاري، حديث: 4850، وصحيح مسلم، حديث: 2846 و2848)

[1] یعنی عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے، چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیر نگین آ گیا۔ [2] آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ کتاب اسی زبان میں نازل ہو جس کو وہ سمجھ سکیں۔ قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے، اس لیے قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ علاوہ ازیں عربی زبان اپنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اور ادائے معانی کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بہتر زبان ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف الکتب (قرآن مجید) کو اشرف اللغات (عربی) میں اشرف الرسل (حضرت محمد ﷺ) پر اشرف الملائکہ (جبرائیل) کے ذریعے سے نازل فرمایا اور مکہ، جہاں اس کا آغاز ہوا، دنیا کا اشرف ترین مقام ہے اور جس مہینے میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی وہ بھی اشرف ترین مہینہ رمضان ہے۔ اور اس پر ایمان لانے والی امت کو بھی خیر امت قرار دیا گیا ہے۔ [3] ﴿الْقَصَصِ﴾ یہ مصدر ہے، معنی ہیں: کسی چیز کے پیچھے لگنا، مطلب بہترین واقعہ ہے۔ یہ اخبار ماضیہ کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعے میں حسد کا انجام، صبر کا بہترین نتیجہ، تائید الٰہی کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ کی شورشیں اور سرکشیوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض و حوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور بڑے عبرت انگیز پہلو ہیں، اس لیے اسے قرآن نے احسن القصص ''بہترین بیان'' سے تعبیر کیا ہے۔ [4] قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خبر قرار نہ دیتا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ پر وحی کے ذریعے سے ہی یہ سچا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نہ کسی کے شاگرد تھے کہ کسی استاذ سے سیکھ کر بیان فرما دیتے، نہ کسی اور سے ہی ایسا تعلق تھا کہ جس سے سن کر تاریخ کا یہ واقعہ اپنی اہم جزئیات کے ساتھ آپ نشر کر دیتے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے سے آپ پر نازل فرمایا ہے جیسا کہ اس مقام پر صراحت کی گئی ہے۔ [5] یعنی اے پیغمبر! اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ

Marfat.com

رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ

(خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند ہیں[1] میں نے انھیں دیکھا کہ مجھے سجدہ

سٰجِدِيْنَ ﴿4﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ

کررہے ہیں④ اس (یعقوب) نے کہا: میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا،

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿5﴾

ورنہ وہ تیرے لیے کوئی (بری) تدبیر کریں گے،[2] بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے⑤[3] اور اسی

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

طرح[4] تیرا رب تجھے ممتاز (مقام عطا) کرے گا اور تجھے باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے کی صلاحیت میں سے

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا

کچھ سکھائے گا، اور تجھ پر[5] اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا[6] جس طرح اس نے اس سے پہلے

عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ

اسے تیرے باپ، دادا ابراہیم اور اسحٰق پر پورا کیا تھا، بے شک تیرا رب خوب جاننے والا، بڑی حکمت

حَكِيْمٌ ﴿6﴾ ع لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ

والا ہے ⑥ البتہ تحقیق یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعے) میں سائلوں کے لیے نشانیاں[7]

لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿7﴾ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى

ہیں⑦ جب انھوں نے (آپس میں) کہا: یوسف اور اس کا بھائی[8] (بنیامین) تو ہمارے باپ کو ہم سے

اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ

زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں،[9] بے شک ہمارا باپ البتہ واضح غلطی پر

مُّبِيْنِ ﴿8﴾ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ

ہے⑧[10] تم یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو کہ تمھارے باپ کا چہرہ تمھارے

وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿9﴾ قَالَ

لیے خالی (مخصوص) ہو جائے، اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا⑨[11] ان میں سے ایک

بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ باپ یعقوب علیہ السلام تھے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے: «اَلْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ» (مسند أحمد: 96/2)

[1] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند سورج سے مراد ماں اور باپ ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے جیسا کہ یہ تفصیل سورت کے آخر میں آئے گی۔ [2] یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگا لیا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہوگا، اس لیے انھیں اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں، بنابریں انھوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرما دیا۔ [3] یہ بھائیوں کے مکروفریب کی وجہ بیان فرما دی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے، اس لیے وہ انسانوں کو بہکانے، گمراہ کرنے اور انھیں حسد و بغض میں مبتلا کرنے میں ہر وقت کوشاں اور تاک میں رہتا ہے، چنانچہ یہ شیطان کے لیے بڑا اچھا موقع ہوگا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ بھڑکا دے جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ [4] یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نہایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے چن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ کے اصل معنی باتوں کی تہ تک پہنچنا ہے۔ یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔ [5] اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یا وہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام نوازے گئے۔ [6] اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الٰہی کے مستحق بنے۔ [7] یعنی اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ [8] ''اس کا بھائی'' سے مراد بنیامین ہے اور یہ ان کے سگے بھائی تھے۔ [9] یعنی ہم دس بھائی طاقتور جماعت اور اکثریت میں ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین صرف دو ہیں، اس کے باوجود باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ [10] یہاں ضَلٰلٍ سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت میں صادر ہوئی۔ [11] اس سے مراد تائب ہو جانا ہے، یعنی کنویں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔ یہ دین داروں کو شیطان کے بہکانے کا ایک طریقہ ہے۔

Marfat.com

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ

کہنے والے نے کہا: تم یوسف کو قتل نہ کرو اور تم اسے کنویں کی تہ (گہرائی) میں ڈال دو[1] کہ

يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿10﴾ قَالُوۡا

اسے کوئی مسافر اٹھا لے (جائے)، اگر تم (کچھ) کرنے ہی والے ہو ⑩[2] انھوں نے کہا: اے

يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ

ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ ہم پر یوسف کی بابت اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ یقیناً ہم اس

لَنٰصِحُوۡنَ ﴿11﴾ اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا

کے خیر خواہ ہی ہیں ⑪[3] آپ کل اسے ہمارے ساتھ بھیجیں کہ خوب (پھل) کھائے (پیے) اور کھیلے

لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿12﴾ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ

کودے[4] اور ہم یقیناً اس کے محافظ ہیں ⑫ اس (یعقوب) نے کہا: بے شک مجھے تو یہ بات غمگین کیے

وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿13﴾

دیتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ، اور مجھے خوف آتا ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو ⑬

قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا

انھوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے[5] جبکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم تو تب خسارہ

لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿14﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ

پانے والے ہوئے ⑭ پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کرلیا کہ اسے کنویں کی تہ

غَيٰبَتِ الۡجُبِّ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا

میں ڈال دیں، تب ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تو انھیں ان کا یہ کام ضرور بتائے گا جبکہ

وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿15﴾ وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ﴿16﴾

وہ نہیں سمجھتے ہوں گے ⑮[6] اور وہ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے ⑯

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ

انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے تھے اور یوسف کو اپنے

عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ‌ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا

سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا، اور آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں

وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ﴿17﴾ وَجَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ‌ؕ

اگر چہ ہم سچے ہی ہوں ⑰[7] اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگالائے، اس (یعقوب) نے

[1] الۡجُبِّ کنویں کو اور غَيٰبَتِ سے یہاں مراد اس کی تہ اور گہرائی ہے۔ کنواں ویسے بھی گہرا ہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنویں کی گہرائی کا بھی ذکر کیا تو گویا مبالغے کا اظہار کیا۔ [2] یعنی آنے جانے والے نو وارد مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنویں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنویں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے ازراہ شفقت پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعتاً ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔ [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہوگی اور باپ نے انکار کر دیا ہو گا۔ [4] کھیل اور تفریح کا رجحان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط، یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں شرعی قباحت ہو نہ وہ محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ بنیں، چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا، البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو اور اسے بھیڑیا کھا جائے کیونکہ وہاں کے کھلے میدانوں اور صحراؤں میں بھیڑیے عام تھے۔ [5] یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف کو کھا جائے۔ [6] قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انھوں نے یوسف کو کنویں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لیے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی اپنی حاجت لے کر تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انھیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ بچے تھے لیکن جو بچے، نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آجاتی ہے، جیسے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام وغیرہما پر آئی۔ [7] یعنی اگر ہم ثقہ اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متہم اور مشکوک افراد کی سی ہے، پھر آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کرلیں گے؟

Marfat.com

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ

کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے نفسوں نے تمھارے لیے ایک (بری) بات آراستہ کر دی ہے، لہٰذا

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ

صبر ہی بہتر ہے[1] اور اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے جو تم بیان کرتے ہو ﴿18﴾[2] اور ایک قافلہ آیا، پھر

فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا

انھوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ وہ (دیکھتے ہی) پکار اٹھا: واہ خوشخبری ہے! یہ

غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿19﴾

تو لڑکا ہے[3] اور انھوں نے اسے پونجی سمجھ کر چھپا لیا[4] اور اللہ اسے خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے ﴿19﴾[5] اور

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ

انھوں[6] نے اسے معمولی سی قیمت (یعنی) گنتی کے چند درہموں میں بیچ دیا، اور انھیں اس میں

ع 2/14/12 مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿20﴾ ع وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ

کوئی رغبت ہی نہ تھی ﴿20﴾[7] اور وہ شخص جس نے یوسف کو مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی

[1] کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف کی قمیص خون میں لت پت کر لی اور یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف کو کھاتا تو قمیص کو بھی تو پھٹنا تھا، قمیص ثابت کی ثابت ہی تھی جس کو دیکھ کر، علاوہ ازیں یوسف علیہ السلام کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنا لی ہے، تاہم چونکہ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا، یعقوب علیہ السلام اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سہارا نہ تھا۔ [2] منافقین نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انھوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افہام و ارشاد کے جواب میں فرمایا تھا: «واللّٰه لا أجد لي ولكم مثلا إلا أبا يوسف إذ قال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾» (صحيح البخاري، حدیث: 2661) ''اللہ کی قسم! میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انھوں نے فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا۔'' یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ [3] وَارِدَهُمْ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرتا ہے۔ یہ وارد (قافلے کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی، وارد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔ [4] بِضَاعَةً سامان تجارت کو کہتے ہیں اَسَرُّوْهُ کا فاعل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپانے والا کون ہے؟ بعض نے برادران یوسف کو فاعل قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے، تاہم انھوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انھیں فروختنی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا، چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ اور بعض نے اَسَرُّوْهُ کا فاعل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انھوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس ''سامان تجارت'' میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انھوں نے جا کر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے سپرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جا کر بیچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپا لیا کہ کہیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آ پہنچیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پایا جانا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ کہیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھیلتے کودتے آ گرا ہے۔ [5] یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، اللہ کو اس کا علم تھا لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الٰہی بروئے کار آئے۔ علاوہ ازیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتلا رہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پہنچا رہے ہیں اور میں انھیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں لیکن میں اسی طرح انھیں مہلت دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف کو مہلت دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جا بٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز و لاچار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اے پیغمبر! ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارۂ ابرو اور جنبش لب کے منتظر ہوں گے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آ پہنچا۔ [6] بھائیوں نے یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیچا۔ [7] کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے، اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو، اس کی صحیح قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

Marfat.com

لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ

سے کہا:[1] اس کی رہائش اچھی رکھو، امید ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا یہ کہ ہم اسے بیٹا

وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ

بنالیں، اوراسی طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں جگہ دی[2] تاکہ ہم اسے باتوں

تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

کی تاویل (خوابوں کی تعبیر) سکھائیں، اوراللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿21﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اکثر لوگ نہیں جانتے﴿21﴾ اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا[3]

وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿22﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ

اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں﴿22﴾ اور جس عورت کے گھر میں وہ

فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ

(یوسف) تھا اس عورت نے اس کے جی سے پھسلایا، اور دروازے بند کردیے اور بولی: لو آجاؤ، یوسف

لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ

نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا، بے شک ظالم لوگ

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا

فلاح نہیں پاتے﴿23﴾[4] اور البتہ اس (عورت) نے یوسف کا ارادہ کیا، اور وہ (یوسف) بھی اس کا[5]

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ

ارادہ کرلیتا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھ لیتا[6] اسی طرح (ہوا) تاکہ ہم اس سے برائی اور بے

وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾ وَاسْتَبَقَا

حیائی کو پھیر دیں،[7] بے شک وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا﴿24﴾ اور وہ دونوں

الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا

دروازے کی طرف دوڑے،[8] اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی، اور دونوں

لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ

نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، تو وہ (جھٹ سے) بولی: اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی

سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾

سے برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب (دیا جائے)﴿25﴾[9] یوسف

[1] کہا جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا اور یہ عزیز مصر جس نے یوسف کو خریدا، اس کا وزیر خزانہ تھا۔ واللہ أعلم۔ [2] یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔ [3] یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی دانائی اور قوت فیصلہ۔ [4] یہاں سے یوسف علیہ السلام کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اکرام واحترام کے ساتھ رکھے، وہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور انھیں دعوت گناہ دینے لگی جسے یوسف علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔ [5] یہ ترجمہ ان مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ جنھوں نے اسے لَوْلَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا جبکہ بعض دیگر مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قصد تو یوسف علیہ السلام نے بھی کرلیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا۔ دوسرے، یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے (فتح القدیر، ابن کثیر) مگر پہلا معنی ہی راجح ہے کہ یوسف علیہ السلام بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے ہوتے، یعنی انھوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی، اس لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی پکار اٹھے: معاذ اللہ...... الخ، یوں کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔ [6] یہاں بعض کی تفسیر کی بنا پر لَوْلَا کا جواب محذوف ہے، [لَفَعَلَ مَاهَمَّ بِهِ] یعنی اگر یوسف علیہ السلام رب کی برہان نہ دیکھتے تو جو قصد کیا تھا، کر گزرتے۔ یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔ [7] یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو برہان دکھا کر، برائی یا اس کے ارادے سے بچالیا، اسی طرح ہم نے اسے ہر معاملے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا کیونکہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ [8] جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف علیہ السلام کے پیچھے انھیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔ [9] یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود معصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف کو قرار دے۔

Marfat.com

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا
نے کہا: اسی نے مجھے میرے جی سے پھسلایا[1] اور اس (عورت) کے خاندان میں سے ایک شاہد نے
اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ
گواہی دی[2] کہ اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ (عورت) سچی ہے اور وہ (یوسف)
الْكٰذِبِيْنَ ﴿26﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ
جھوٹوں میں سے ہے ﴿26﴾ اور اگر اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو وہ (عورت)
وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ
جھوٹی ہے اور وہ (یوسف) سچا ہے ﴿27﴾ پھر جب اس (عزیز) نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی
مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ
ہوئی دیکھی تو وہ کہنے لگا: بے شک یہ تم عورتوں کے مکروفریب میں سے ہے، بے شک تمھارا مکر بہت
عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ
بڑا (خطرناک) ہے ﴿28﴾[3] اے یوسف! اس (بات) سے درگزر کر[4] اور (بیوی سے کہا:) تو اپنے
اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿29﴾ ؏ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ (ع 3 9 13)
گناہ کی بخشش مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے ﴿29﴾[5] اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی
امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا
بیوی اپنے غلام کو اس کے جی سے پھسلاتی ہے، اس کے دل میں (یوسف کی) محبت گھر کر گئی
حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ
ہے۔ بے شک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھتی ہیں ﴿30﴾[6] چنانچہ جب اس (عورت) نے ان کی پرمکر
بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً
باتیں سنیں تو اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا[7] اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں[8] اور اس نے ان میں

کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی، حالانکہ صورت حال اس کے برعکس تھی، مجرم خود تھی جبکہ یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ اور اس برائی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں تھے۔

[1] یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور کہا کہ مجھے برائی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔ [2] یہ انھی کے خاندان کا کوئی سمجھ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کیونکہ معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ بعض نے کہا کہ گواہی دینے والا شیر خوار بچہ تھا لیکن یہ بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 3436، و صحيح مسلم، حديث: 2550) میں تین شیر خوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم، حدیث: 3005 میں اصحاب الاخدود میں سے بھی ایک عورت کے بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ ان صحیح احادیث میں شاہد یوسف کے بچے ہونے کی صراحت نہیں ہے، اس لیے جن روایات میں شاہد یوسف کو بھی معجزانہ طور پر گھوارے میں بولنے والے بچوں میں شمار کیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ السلسلة الضعيفة للألباني: 2/272، 273، حديث: 880) [3] یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ اس سے مراد وہی مخاطب عورت یا عورتیں تھیں، اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر تمام عورتوں کو مکروفریب کا پتلا باور کرانا درست نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے ہر ہر عورت کے بارے میں یہ تأثر دیتے ہیں۔ [4] یعنی اس کا چرچا مت کرو۔ [5] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر پر یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہو گئی تھی۔ [6] گو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو اسے نظر انداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ نے اس کی پاسداری کی، اس کے باوجود کسی نہ کسی طریقے سے زنان مصر میں اس واقعہ کا چرچا عام ہو گیا، عورتیں تعجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی تھا تو کسی صاحب حیثیت سے کیا جاتا، یہ کیا اپنے ہی غلام پر یہ عورت فریفتہ ہو گئی، یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے۔ [7] زنان مصر کی غائبانہ باتوں اور طعن و ملامت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ اور وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں، چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خفیہ تدبیر) میں کامیاب ہو گئیں اور امرأۃ العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفتہ ہوئی ہوں، محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انہونی بات نہیں، ان عورتوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اور انھیں دعوت طعام دی۔ [8] یعنی ایسی نشست گاہیں بنائیں جن میں تکیے لگے ہوئے تھے جیسا کہ آج کل عربوں اور افغانیوں میں ایسی فرشی نشست گاہیں عام ہیں حتی کہ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

Marfat.com

وَّاٰتَتْ كُلَّ وٰحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ
سے ہر ایک (عورت) کو ایک چھری دی اور (پھر یوسف سے) کہا: ان کے سامنے نکل آ[1] پھر جب
فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ
انھوں نے اسے دیکھا تو انھوں نے اس (کی شان) کو بڑا خیال کیا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے[2] اور
مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿31﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ
بولیں: [حَاشَ لِلّٰهِ] "اللہ کی پناہ!" یہ بشر نہیں، یہ تو نہایت معزز فرشتہ ہے ﴿31﴾ [3] اس نے کہا: یہی تو ہے وہ
الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں[4] اور میں نے ہی اسے اس کے جی سے پھسلایا
فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ
تھا، لیکن اس نے (خود کو) بچا لیا، اب اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور قید
وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ
کیا جائے گا اور یقیناً وہ بے عزت ہونے والوں میں سے ہوگا ﴿32﴾ [5] یوسف نے کہا: اے میرے رب!
اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ
مجھے قید خانہ اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ (عورتیں) مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو نے ان کا مکر
كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿33﴾ فَاسْتَجَابَ
مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿33﴾ [6] چنانچہ
لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی، پھر اس نے اس سے ان (عورتوں) کا مکر دور کردیا، بے شک وہی
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا
خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿34﴾ پھر نشانیاں دیکھ لینے کے بعد ان لوگوں کو یہی سوجھا کہ وہ
ع 4 6 14 الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿35﴾ ع وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ
اس (یوسف) کو کچھ عرصے تک بہرحال قید رکھیں ﴿35﴾ [7] اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو جوان بھی
فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ
داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرا
اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا
بولا: بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، ان میں سے پرندے

[1] یعنی یوسف علیہ السلام کو پہلے گھر کے اندر رکھا، جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں تو امرأۃ العزیز (زلیخا) نے یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ [2] یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلالت شان کا اعتراف کیا اور دوسرے، ان پر بے خودی و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھریاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلا لیں، جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آلودہ ہوگئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 162) [3] اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے شکل و صورت میں انسان سے بہتر یا افضل ہیں بلکہ ان عورتوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ عالم شباب میں ہونے کے باوجود اور اپنی صاحب حیثیت مالکہ کے تقاضے کے باوصف وہ آمادۂ گناہ نہ ہوئے تو انھوں نے یہی سمجھا کہ جنسی خواہشات سے مبرا تو فرشتے ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بھی ایک معزز فرشتہ ہے انسان نہیں۔ [4] جب امرأۃ العزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف علیہ السلام کے جلوۂ حسن آرا سے مبہوت و مدہوش ہوگئیں تو کہنے لگی کہ اس کی ایک جھلک سے تمھارا یہ حال ہوگیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کروگی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ [5] عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہوگیا اور شرم و حیا کے سارے حجاب دور کر کے اس نے اپنے برے ارادے کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا۔ [6] یوسف علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی، اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک ہتھیار ہے۔ حدیث میں آتا ہے، سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایک ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حامل ہو لیکن وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو "اللہ سے ڈرتا ہوں۔" (صحیح البخاري، حدیث: 660، صحیح مسلم، حدیث: 1031) [7] عفت و پاک دامنی واضح ہوجانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کو حوالۂ زندان کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر یوسف علیہ السلام کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ دوبارہ یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

Marfat.com

بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (36) قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا

کھا رہے ہیں، تو ہمیں ان کی تعبیر بتا، بے شک ہم تجھے نیک سمجھتے ہیں (36)[1] یوسف نے کہا: جو کھانا

طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۚ

تمھیں (یہاں) ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمھیں ان کی تعبیر بتلادوں گا۔ یہ ان

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۚ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

چیزوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائیں۔[2] بے شک میں نے ان لوگوں کا دین

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (37) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں (37)[3] اور میں نے اتباع کی

اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ

ہے اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے دین کی[4] ہمارے لیے (جائز)

بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں[5] یہ اللہ کا ہم پر اور (سب) لوگوں

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (38) يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

پر فضل ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے (38) میرے قید خانے کے دو ساتھیو![6]

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (39) مَا

بھلا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں[7] یا ایک زبردست اللہ؟ (39) تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ

ہو وہ نام ہی تو ہیں جو خود تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں،

وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی[8] اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اس نے

لِلّٰهِ ۚ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ

حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے،[9] مگر اکثر

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (40) يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا

لوگ علم نہیں رکھتے (40)[10] میرے قید خانے کے دو ساتھیو![11] تم دونوں میں

[1] یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان بائی تھا۔ کسی حرکت پر دونوں کو پسِ دیوارِ زنداں کر دیا (جیل میں ڈال دیا) گیا۔ یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت، تقویٰ و راست بازی اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے جیل میں دیگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو قدرتی طور پر یوسف علیہ السلام کی طرف انھوں نے رجوع کیا اور کہا: ہمیں آپ محسنین میں سے نظر آتے ہیں، یعنی قیدیوں سے احسان کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محسن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کیے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔ [2] یعنی میں جو تعبیر بتلاؤں گا، وہ کاہنوں اور نجومیوں کی طرح ظن و تخمین پر مبنی نہیں ہوگی جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہوگی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔ [3] یہ نیا کلام ہے جس میں یہ الہام اور علم الٰہی (جن سے آپ کو نوازا گیا) کی وجہ بھی ضمناً شامل ہے کہ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہوئے۔ [4] اجداد کو بھی آباء کہا، اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں، پھر ترتیب میں بھی جدِ اعلیٰ (ابراہیم علیہ السلام) پھر جدِ اقرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔ [5] وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔ [6] قید خانے کے ساتھی اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آ رہے تھے۔ [7] یہ تفرق ذوات، صفات اور عدد کے لحاظ سے ہے، یعنی وہ رب جو ذوات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفرق، صفات میں ایک دوسرے سے مختلف اور تعداد میں باہم متنافی ہیں۔ وہ بہتر ہیں یا وہ اللہ جو اپنی ذات و صفات میں متفرد ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟ (فتح القدیر) [8] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو تم نے نام رکھے ہیں یہ خالی نام ہی ہیں ان کے مسمّی نہیں ہیں اگرچہ تم یہ باطل عقیدہ رکھتے ہو کہ ان کے مسمیات ہیں، یعنی وہ جن کو تم معبود قرار دیتے ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں، مثلاً: خواجہ غریب نواز، گنج بخش، کرنی والا، کرماں والا وغیرہ۔ یہ سب تمھارے خود ساختہ ہیں، صرف نام ہیں اور حقیقت میں ان کے لیے کوئی حقِ الوہیت و عبادت نہیں۔ [9] یہی دین جس کی طرف میں تمھیں بلا رہا ہوں جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ [10] جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب

Marfat.com

فَيَسْقِي رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ

سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا[1] اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور اس کے سر میں سے پرندے

مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿41﴾ وَقَالَ

(گوشت) کھائیں گے[2] اس معاملے کا فیصلہ کیا جاچکا جس کی بابت تم مجھ سے پوچھتے ہو﴿41﴾[3] اور

لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ

یوسف نے ان دونوں میں سے جس کے متعلق سمجھا تھا کہ وہ نجات پانے والا ہے اسے کہا: تو اپنے

فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ

مالک سے میرا ذکر کرنا، پھر شیطان نے اسے اپنے مالک سے (یوسف کا) ذکر کرنا بھلا دیا، چنانچہ

بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿42﴾ ع وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ

5/7/15

یوسف قید خانے میں کئی سال ٹھہرا رہا﴿42﴾[4] اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں (خواب میں) سات

سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات سبز بالیاں

وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ

اور دوسری خشک۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر کرسکتے ہو تو مجھے میرے خواب

لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿43﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ

کی تعبیر بتاؤ﴿43﴾ انھوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں اور ہم (ایسے) خوابوں کی تعبیر جاننے

الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ

والے نہیں﴿44﴾[5] اور وہ (شخص) جس نے دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پائی تھی اسے (یوسف)

بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿45﴾ يُوْسُفُ

مدت کے بعد یاد آیا، بولا: میں تمھیں اس کی تعبیر بتاؤں گا، لہٰذا تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو﴿45﴾[6] (اس

اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ

نے جا کر کہا:) اے یوسف! اے بہت ہی سچے! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتلایئے کہ سات

سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ

موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیاں ہیں اور دوسری

کرتے ہیں ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف 106:12) ''اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت مشرک ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف 103:12) ''اے پیغمبر! آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' [11] توحید کا وعظ کرنے کے بعد اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرما رہے ہیں۔

[1] یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا، تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی تاکہ مرنے والا پہلے ہی غم و حزن میں مبتلا نہ ہو جائے۔ [2] یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے آپ کو روٹیاں سر پر اٹھائے دیکھا تھا۔ [3] یعنی تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ بات ثبت ہے اور جو تعبیر میں نے بتلائی ہے، لامحالہ واقع ہو کر رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خواب، جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب اس کی (صحیح) تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔'' (مسند أحمد: 10/4) [4] ﴿بِضْعَ﴾ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ایوب علیہ السلام آزمائش میں اور یوسف علیہ السلام قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک یوسف علیہ السلام بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ أعلم. [5] ﴿اَضْغَاثُ﴾ ضِغْثٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گٹھے کے ہیں۔ ﴿اَحْلَامٍ﴾ حِلْمٌ (بمعنی خواب) کی جمع ہے۔ اضغاث احلام کے معنی ہوں گے: خواب ہائے پریشان یا خیالات منتشرہ، جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا، عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے ذریعے سے یوسف کی رہائی عمل میں لانی تھی، چنانچہ بادشاہ کے درباریوں اور معبرین نے اس خواب پریشاں کی تعبیر بتلانے سے عجز کا اظہار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ درباروالوں کے اس قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انھوں نے نفی کی، انھوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ [6] یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا جسے یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں تمھیں آکر اس کی تعبیر بتلاتا ہوں، چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور خواب کی تفصیل بتلا کر اس کی تعبیر کی بابت پوچھا۔ ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ (تم مجھے بھیجو) جمع کا صیغہ بادشاہ کے لیے بطور تعظیم استعمال کیا یا بادشاہ سمیت دربار میں موجود درباریوں کو مخاطب

Marfat.com

اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ (46) قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ

خشک، تاکہ میں لوگوں کی طرف لوٹوں تاکہ وہ جان لیں (46) یوسف نے کہا: تم سات سال لگا تار

دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا

کاشت کرو گے، چنانچہ تم جو (فصل) کاٹو تو وہ اس کی بالیوں ہی میں رہنے دو، سوائے تھوڑی (مقدار)

تَاْكُلُوْنَ (47) ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ

کے جو تم کھاؤ (47) پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے، وہ کھا جائیں گے اسے جو تم نے

يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ (48)

ان کے لیے ذخیرہ کیا ہوگا،[1] سوائے تھوڑے سے غلے کے جو تم (بطور بیج) محفوظ رکھو گے (48) [2]

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ

پھر اس (قحط سالی) کے بعد ایک سال آئے گا، اس میں لوگ بارش پائیں گے اور وہ اس میں

يَعْصِرُوْنَ (49) وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ

رس نچوڑیں گے (49) [3] اور بادشاہ نے کہا: تم اسے میرے پاس لے آؤ،[4] پھر جب اس (یوسف) کے

الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

پاس قاصد آیا تو اس نے کہا: تو اپنے مالک کے پاس لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں (کے

النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ

معاملے) کی کیا حقیقت ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔[5] بے شک میرا رب ان کا مکر خوب

عَلِيْمٌ (50) قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ

جانتا ہے (50) بادشاہ نے (عورتوں سے) کہا: تمھارا معاملہ کیا ہے جب تم نے یوسف کو اس کے جی

نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ

سے پھسلایا تھا؟ وہ بولیں: [حَاشَ لِلّٰهِ!] ''اللہ کی پناہ!'' ہمیں اس (کی ذات) میں کوئی برائی معلوم

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

نہیں۔[6] عزیز (مصر) کی بیوی نے کہا: اب حق واضح ہو گیا ہے، میں نے ہی اسے اس کے جی سے

عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (51) ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ

پھسلایا تھا، اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے (51) [7] (یوسف نے کہا:) یہ اس لیے کہ وہ (عزیز)

اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

جان لے کہ بے شک میں نے درپردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی،[8] اور یہ کہ بے شک اللہ

كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ (52)

خائنوں کا مکر نہیں چلنے دیتا (52) [9]

کر کے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔

[1] یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا، اس لیے وہ اس خواب کی تہ تک فوراً پہنچ گئے۔ انھوں نے موٹی تازہ سات گایوں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہوگی اور سات دبلی پتلی گایوں سے اس کے برعکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہوگی۔ اور پھر اس کے لیے تدبیر بھی بتلائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو، اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو تاکہ ان میں غلہ زیادہ محفوظ رہے، پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمھارے کام آئے گا جس کا ذخیرہ تم اب کرو گے۔ [2] تُحْصِنُوْنَ سے مراد وہ دانے ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں، یعنی بیج۔ [3] یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہوگی جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہوگی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے، زیتون سے تیل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دوہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کیسی لطیف مناسبت حاصل ہے جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان، ذوق سلیم اور ملکۂ راسخہ عطا فرما دے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ [4] مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتلائی تو وہ اس تعبیر سے اور یوسف علیہ السلام کی بتلائی ہوئی تدبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص جسے ایک عرصے سے حوالۂ زنداں کیا ہوا ہے، غیر معمولی علم و فضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے، چنانچہ بادشاہ نے انھیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ [5] یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے تو انھوں نے اس طرح محض عنایت شاہی سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔ [6] بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے

Marfat.com

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ
اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا،[1] بے شک نفس تو برائی پر اکساتا ہے[2] مگر جس پر میرا رب رحم کرے،[3]
رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿53﴾ وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ
بے شک میرا رب غفور (اور) رحیم ہے ﴿53﴾ اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنی
اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ
ذات کے لیے مخصوص کروں گا،[4] پھر جب اس نے یوسف سے گفتگو کی تو کہا: یقیناً آج تو ہمارے
لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿54﴾ قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ
ہاں مرتبے والا، امین ہے ﴿54﴾ [5] (یوسف نے) کہا: مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر (نگران) مقرر
الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿55﴾ وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ
کر دیجیے،[6] بے شک میں خوب نگہبانی کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں ﴿55﴾ [7] اور اس طرح ہم نے یوسف

یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔ [7] اب امرأۃ العزیز (زلیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی، اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغزش سے کوئی تعلق نہیں۔ [8] بعض مفسرین کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور یہ انھوں نے اس وقت کہا جب جیل میں ان کو یہ ساری تفصیل بتلائی گئی یا بقول بعض، بادشاہ کے پاس جا کر انھوں نے یہ کہا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی عزیز مصر کی بیوی ہی کا قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یوسف کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر متہم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش تو ضرور کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اسے سیاق و معانی کے اعتبار سے انسب و الیق قرار دیا ہے۔ [9] اسے حضرت یوسف کے قول کا حصہ سمجھا جائے تو مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو ان کے مکر و فریب میں ہمیشہ کے لیے کامیاب نہیں ہونے دیتا بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے، بالآخر جیت حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے، گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے، (جیسے خود یوسف کو بھی قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی) تاہم ذلت و رسوائی انھی کا مقدر بنی جو خیانت کار تھے اور جنھوں نے ان کی پشت پناہی کر کے یوسف علیہ السلام کو پس دیوارِ زنداں رکھا۔ اور اسے زلیخا کا قول ہی سمجھا جائے تب بھی مفہوم واضح ہے کہ اس نے اعتراف کیا کہ مکر و فن کا ارتکاب کرنے والے بالآخر ناکام ہی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی عارضی کامیابی کو ناکامی سے دوچار کر کے دائمی ذلت و خسارے میں بدل دیتا ہے۔

[1] اسے اگر یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ برائی سے میرا بچ نکلنا اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے تھا۔ اور اگر یہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو وہ حقیقت پر مبنی گفتگو کر رہی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بہلانے اور پھسلانے کا اعتراف کر لیا۔ [2] یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔ [3] یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ [4] جب بادشاہ (ریان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کردار کی رفعت اور پاک دامنی بھی واضح ہو گئی تو اس نے حکم دیا کہ انھیں میرے سامنے پیش کرو میں انھیں اپنے لیے منتخب کرنا، یعنی اپنا مصاحب اور مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔ [5] ﴿مَکِیۡنٌ﴾ مرتبہ والا ﴿اَمِیۡنٌ﴾ امور مملکت کے لیے قابل اعتماد اور راز دان۔ [6] ﴿خَزَآئِنِ﴾ ﴿خِزَانَۃٌ﴾ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں، اس سے نمٹنے کے لیے مناسب انتظامات کیے جا سکیں اور غلے کی معقول مقدار بچا کر رکھی جا سکے۔ عام حالات میں اگرچہ عہدہ و منصب کی طلب جائز نہیں ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں اور ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں تو وہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام نے تو سرے سے عہدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا، البتہ جب بادشاہ مصر نے انھیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عہدے کی خواہش کی جس میں انھوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نمایاں دیکھا۔ [7] ﴿حَفِیۡظٌ﴾ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا۔ ﴿عَلِیۡمٌ﴾ اس

Marfat.com

فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا
کو زمین (مصر) میں اقتدار دیا، وہ اس میں جہاں چاہتا قیام کرتا،[1] ہم اپنی رحمت سے جسے
مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ
چاہیں نوازتے ہیں، اور ہم نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿56﴾ [2] اور یقیناً آخرت کا اجر بہتر ہے
ع 7 8 1 خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ
ان کے لیے جو ایمان لائے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا ﴿57﴾ اور یوسف کے بھائی (غلہ لینے)
فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿58﴾ وَلَمَّا
آئے اور اس کے پاس پہنچے، تو اس نے انھیں پہچان لیا اور وہ اسے نہیں پہچانتے تھے ﴿58﴾ [3] اور
جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ
جب اس نے ان کا سامان تیار کروایا تو کہا: میرے پاس اپنا پدری بھائی (بنیامین) لانا، کیا تم دیکھتے
اَنِّىْۤ اُوْفِى الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِىْ بِهٖ
نہیں کہ میں پورا ماپ (غلہ) دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں ﴿59﴾ [4] پھر اگر تم اسے میرے
فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِىْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾ قَالُوْا
پاس نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس کوئی ماپ (غلہ) نہیں، اور نہ تم میرے قریب آنا ﴿60﴾ [5] انھوں
سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾
نے کہا: ہم عنقریب اس کے باپ کو اس کے بارے میں آمادہ کریں گے اور یقیناً ہم (یہ) کرنے والے
وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِىْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ
ہیں ﴿61﴾ [6] اور یوسف نے اپنے خادموں[7] سے کہا: ان کی پونجی (نقدی) ان کے سامان میں رکھ دو[8]

کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کے طریقوں کا بخوبی عالم ہوں۔

[1] یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے اور سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے وہ رہتے پورا مصر ان کے زیر نگیں تھا۔ [2] یہ گویا اجر تھا ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انھوں نے کیا اور اس ثابت قدمی کا جو امرأۃ العزیز (زلیخا) کی دعوت گناہ کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولوالعزمی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ یوسف علیہ السلام کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا جس کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر جس کا نام اطفیر تھا، فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کی بیوی (زلیخا) کا نکاح یوسف علیہ السلام سے ہو گیا اور دو بچے بھی ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام میشا تھا، افرائیم ہی نون (یوشع کے والد) اور ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، اس لیے نکاح والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عورت سے جس کردار کا مظاہرہ ہوا اس کے ہوتے ہوئے ایک نبی کے حرم سے اس کی وابستگی نہایت نامناسب بات لگتی ہے۔ [3] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر کے تمام علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے جہاں یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام اور بھائی رہائش پذیر تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آ رہے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے، چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے جہاں یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے جنھیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔ [4] یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باتیں پوچھیں تو انھوں نے جہاں اور سب کچھ بتایا یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے دو علاتی بھائی (دوسری ماں سے) اور بھی ہیں، ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ماپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارات بھی خوب کرتا ہوں۔ [5] ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارہویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمھیں غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر مدارات کا اہتمام ہوگا۔ [6] یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کے لانے کے لیے پھسلائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔ [7] فِتْيَانٌ (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم و غلام ہیں جو دربار شاہی میں مامور تھے۔ [8] اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ

Marfat.com

يَعۡرِفُوۡنَهَاۤ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰۤى اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿62﴾

تاکہ جب وہ اپنے اہل و عیال کی طرف پلٹیں تو اسے پہچان لیں، شاید وہ واپس آئیں ﴿62﴾

فَلَمَّا رَجَعُوۡۤا اِلٰۤى اَبِيۡهِمۡ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹے تو بولے: اے ہمارے ابا جان! (آیندہ) ہمارے لیے ماپ

مِنَّا الۡكَيۡلُ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكۡتَلۡ وَاِنَّا لَهٗ

(غلہ) ممنوع ٹھہرا ہے،[1] لہٰذا تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج کہ ہم ماپ (غلہ) لائیں اور بے شک

لَحٰفِظُوۡنَ ﴿63﴾ قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ

ہم اس کے محافظ ہیں ﴿63﴾ اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں تمھیں اس کی بابت امین سمجھ لوں جیسے پہلے

اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰۤى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا ۖ

اس کے بھائی کی بابت میں نے تمھیں امین سمجھا تھا؟[2] چنانچہ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب مہربانوں

وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿64﴾ وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ

سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿64﴾[3] اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی پونجی پائی جو انھیں لوٹا دی

وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا

گئی تھی۔ وہ بولے: اے ہمارے ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے؟[4] یہ ہماری پونجی ہمیں لوٹا دی گئی

نَبۡغِىۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَيۡنَا ۚ وَنَمِيۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ

ہے، اور ہم اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ہم

اَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَيۡلَ بَعِيۡرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيۡلٌ يَّسِيۡرٌ ﴿65﴾ قَالَ لَنۡ

ایک اونٹ کا ماپ (غلہ) زیادہ لائیں گے،[5] یہ ماپ (غلہ ملنا) تو بہت آسان ہے ﴿65﴾[6] اس (یعقوب)

اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَـتَاۡتُنَّنِىۡ

نے کہا: میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتی کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد دو کہ تم اسے ضرور

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

میرے پاس لاؤ گے، سوائے اس کے کہ تم گھیر لیے جاؤ۔[7] پھر جب انھوں نے اسے اپنا پختہ عہد دیا تو

مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ﴿66﴾ وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ

وہ بولا: جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ اس پر ضامن ہے ﴿66﴾ اور اس نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ایک ہی

وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغۡنِىۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ

دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا،[8] اور میں تمھیں اللہ (کے حکم) سے ذرا

خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے۔ رِحَالُ (کجاوے) سے مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی چپکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوا دی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آ جائیں۔

[1] مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامین کے بھیجنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا، اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے جس طرح اس دفعہ ملا ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے کیا تھا، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ [2] یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا وہ سامنے ہے۔ اب میں تمھارا کس طرح اعتبار کروں؟ [3] تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی، اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ [4] یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی اور ہمیں کیا چاہیے؟ [5] کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا غلہ دیا جاتا تھا، بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کی بھرتی مزید ملتی۔ [6] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے ایک اونٹ کی مزید بھرتی کوئی مشکل بات نہیں ہے آسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ذٰلِكَ کا اشارہ اس غلے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور ﴿يَسِيۡرٌ﴾ بمعنی قلیل ہے، یعنی جو غلہ ہم ساتھ لائے ہیں قلیل ہے، بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے، ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔ [7] یعنی تمھیں اجتماعی مصیبت پیش آ جائے یا تم سب ہلاک یا گرفتار ہو جاؤ جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو تو اور بات ہے اس صورت میں تم معذور ہو گے۔ [8] جب بنیامین سمیت گیارہ بھائی مصر جانے لگے تو یہ ہدایت دی کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے جو قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کہیں سے گزریں تو عموماً انھیں لوگ تعجب یا حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے، چنانچہ انھیں نظر سے بچانے کے لیے بطور تدبیر یہ حکم دیا۔ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 5740، وصحيح مسلم، حديث: 2188) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر سے بچنے کے لیے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں، مثلاً: فرمایا: ”جب تمھیں کوئی چیز اچھی لگے تو

Marfat.com

شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ

بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے،[1] اسی پر میں نے توکل کیا ہے، اور توکل کرنے والوں کو

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ

اسی پر توکل کرنا چاہیے ﴿67﴾ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے انھیں حکم دیا تھا،

یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ

وہ انھیں اللہ (کے حکم) سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا تھا، مگر یعقوب کے دل میں ایک حاجت

قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

(خواہش) تھی سو وہ پوری کر چکا،[2] اور بلاشبہ ہمارے تعلیم دینے کی وجہ سے وہ صاحب علم تھا، لیکن

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ

اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿68﴾[3] اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین)

اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا

کو اپنے پاس جگہ دی (اور) کہا: بے شک میں تیرا بھائی ہوں، لہٰذا تو اس کا غم نہ کر جو کچھ وہ

یَعْمَلُوْنَ ﴿69﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ

کرتے رہے ﴿69﴾[4] پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں

رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿70﴾

ایک پیالہ رکھ دیا،[5] پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: اے قافلے والو![6] یقیناً تم چور ہو ﴿70﴾[7]

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿71﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ

وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے: تم کیا چیز گم پاتے ہو؟ ﴿71﴾ انھوں نے کہا: ہم بادشاہ کا پیالہ گم

الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿72﴾

پاتے ہیں، اور جو شخص اسے لائے اس کے لیے اونٹ بھر (غلہ) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں ﴿72﴾[8] وہ

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا

بولے: اللہ کی قسم! یقیناً تمھیں علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ

كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿74﴾

ہم چور ہیں ﴿73﴾[9] انھوں نے کہا: پھر اس (چور) کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے؟ ﴿74﴾[10]

"بَارَكَ اللّٰهُ فِيهِ" کہو۔" (موطأ إمام مالك: 428/2، وهداية الرواة للألباني: 281/4، حديث: 4487) جس کی نظر لگے اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔ (حوالۂ مذکور) اسی طرح مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (الكهف 18:39) پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہیے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2058)

[1] یعنی یہ تاکید بطور ظاہری اسباب احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے، تاہم اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضا میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ ہو گا وہی جو اس کی قضا کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔ [2] یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا، تاہم یعقوب علیہ السلام کے جی میں جو (نظر لگ جانے کا) اندیشہ تھا، اس کے پیش نظر انھوں نے ایسا کہا۔ [3] یعنی یہ تدبیر وحی الٰہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی، اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علم پر مبنی تھا جس سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں۔ [4] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ یوں بنیامین جب اکیلے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انھیں تنہا الگ ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باتیں کیں اور انھیں پچھلی باتیں بتلا کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اس پر رنج نہ کر اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا، اس سے بھی انھیں آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن کثیر) [5] مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ اَلسِّقَایَةَ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا۔ پانی پینے کے علاوہ غلہ ماپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا۔ اسے چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھ دیا گیا۔ [6] اَلْعِیْرُ اصلاً ان اونٹوں، گدھوں یا خچروں کے قافلے کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد أصحابُ العِیرِ یعنی قافلے والے ہیں۔ [7] چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ مُنادِی یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگاہ نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ بادشاہ کی رضامندی کے بغیر تمھارے سامان کے اندر ہے۔ [8] یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شاہی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔ [9] برادران یوسف علیہ السلام چونکہ اس منصوبے سے بے خبر تھے جو یوسف علیہ السلام نے تیار کیا تھا، اس لیے قسم کھا کر انھوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نفی کی۔ [10] یعنی اگر تمھارے سامان میں وہ شاہی پیالہ مل گیا تو پھر

Marfat.com

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ

وہ بولے: اس کی سزا یہ ہے (کہ) جس کے سامان میں وہ (پیالہ) پایا جائے وہی شخص اس کا بدلہ ہے[1]

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿75﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ

ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں﴿75﴾[2] چنانچہ یوسف اپنے بھائی کے بورے سے پہلے ان کے

وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ

بوروں کی تلاشی لینے لگا، پھر اس نے اپنے بھائی کے بورے سے وہ (پیالہ) نکال لیا،[3] اسی

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ

طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی،[4] وہ اس بادشاہ کے قانون کی رو سے تو اپنے بھائی کو

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ

نہیں رکھ سکتا تھا[5] مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں۔[6] اور ہر

نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿76﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ

صاحب علم کے اوپر ایک زیادہ علم والا ہے﴿76﴾[7] انھوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس

فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ

سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی،[8] چنانچہ یوسف نے یہ (بات) اپنے دل

وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

میں چھپائی اور ان پر ظاہر نہ کی (اور دل میں) کہا: تم بدترین درجے پر ہو،[9] اور اللہ خوب جانتا

بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا

ہے جو تم بیان کرتے ہو﴿77﴾ انھوں نے کہا: اے عزیز![10] بے شک اس کا باپ بوڑھا بڑی عمر کا

شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ

ہے، چنانچہ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں۔ بے شک ہم آپ کو احسان کرنے

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿78﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ

والوں میں سے دیکھتے ہیں﴿78﴾[11] یوسف نے کہا: اللہ پناہ دے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی

اس کی کیا سزا ہوگی؟

[1] یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا تھا جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ سزا یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں تھی جس کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔ [2] یہ قول بھی برادران یوسف ہی کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کے مُصَاحِبِین کا قول ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا ٹکڑا کہ ”بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہ سکتے تھے۔“ اس قول کی نفی کرتا ہے۔ [3] پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی آخر میں بنیامین کا سامان دیکھا تاکہ انھیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ [4] یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔ (فتح القدیر) [5] یعنی بادشاہ کا مصر میں جو قانون اور دستور رائج تھا اس کی رو سے بنیامین کو اس طرح روکنا جائز نہیں تھا، اس لیے انھوں نے اہل قافلہ ہی سے پوچھا کہ بتلاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟ [6] جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔ [7] یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے، اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ذات، یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔ [8] یہ انھوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ان کے سگے اور حقیقی بھائی نہیں تھے علاتی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی چوری کے لیے دور از کار باتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو تو نہایت بااخلاق اور باکردار باور کرایا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو کمزور کردار کا۔ اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے انھیں چور ثابت کرنے کی کوشش کی۔ [9] یوسف علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یوسف کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔ [10] یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اس لیے کہا کہ اس وقت عزیز مصر یوسف علیہ السلام ہی تھے۔ [11] باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامین کو چھڑانا تھا۔ ان کے ذہن میں وہی یوسف علیہ السلام والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامین کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامین کو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح کہیں گم کر دیا، اس لیے یوسف علیہ السلام کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامین کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیں۔

Marfat.com

وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿79﴾ فَلَمَّا
چیز پائی اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں، تب تو بے شک ہم ظالم ہوئے ﴿79﴾ [1] پھر جب وہ اس سے
اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا
ناامید ہوگئے تو الگ ہوکر مشورہ کیا، [2] ان کے بڑے نے کہا: کیا تمھیں علم نہیں کہ
اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ
بے شک تمھارے باپ نے تم سے اللہ کا پختہ عہد لیا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کی
قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى
بابت تم کوتاہی کرچکے ہو؟ چنانچہ میں تو اس سرزمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا حتی کہ میرا
يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿80﴾
باپ مجھے حکم دے [3] یا اللہ میرے لیے فیصلہ کردے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ﴿80﴾ [4]
اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا
تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: اے ہمارے ابا جان! بے شک آپ کے بیٹے نے
شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿81﴾
چوری کی، اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہمیں علم تھا، [5] اور ہمیں غیب کی خبر نہ تھی ﴿81﴾ [6] اور آپ
وَسْـَٔـلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا
اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم رہے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے
فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿82﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
ہیں، اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿82﴾ [7] اس (یعقوب) نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے لیے
اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ
تمھارے دلوں نے ایک (بری) بات آراستہ کردی ہے، [8] چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ ان
بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿83﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
سب کو میرے پاس لے آئے، [9] بے شک وہی علیم و حکیم ہے ﴿83﴾ اور وہ ان سے پھرا

[1] یہ جواب اس لیے دیا کہ یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد تو بنیامین ہی کو روکنا تھا۔ [2] کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا ان کے لیے نہایت کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے، اس لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ [3] اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنا کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی تو صاف کہہ دیا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تفتیش کر کے میری بے گناہی کا یقین نہ کر لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دے دیں۔ [4] اللہ میرے لیے معاملے کا فیصلہ کر دے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) بنیامین کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامین کو تلوار، یعنی طاقت کے ذریعے سے چھڑوا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔ [5] یعنی ہم نے جو عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو بہ حفاظت واپس لے آئیں گے تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عہد کیا تھا بعد میں جو واقعہ پیش آ گیا اور جس کی وجہ سے بنیامین کو ہمیں چھوڑنا پڑا یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بدلے میں رکھ لیا جائے تو یہ سزا ہم نے اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی اس میں کسی قسم کی بدنیتی شامل نہیں تھی لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو مسروقہ کٹورا بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔ [6] یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔ [7] الْقَرْيَةَ سے مراد مصر ہے جہاں وہ غلہ لینے گئے تھے مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح الْعِيْرَ سے مراد أصحابُ العِير، یعنی اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلہ والوں سے جو ہمارے ساتھ آیا ہے پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ سچ ہے۔ اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔ [8] یعقوب علیہ السلام چونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعے سے انھیں حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا، اس لیے وہ یہی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی اب پھر اسی طرح انھوں نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے۔ بنیامین کے ساتھ انھوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو یعقوب علیہ السلام کے پاس نہیں تھا، تاہم یوسف کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے یعقوب علیہ السلام کے دل میں بجا طور پر شکوک و شبہات تھے۔ [9] اب پھر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم صبر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔ جَمِيْعًا سے مراد یوسف، بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

Marfat.com

وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ

اور بولا: ہائے افسوس یوسف پر![1] اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں[2] اور وہ غم سے

فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ

بھرا ہوا تھا ﴿84﴾ بیٹے بولے: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو سدا یاد کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ آپ (غم

حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿85﴾ قَالَ

سے) گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں ﴿85﴾[3] اس

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ

نے کہا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے جانتا

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ

ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿86﴾[4] اے میرے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو

وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ

ڈھونڈو[5] اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر

رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿87﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا

ہی مایوس ہوا کرتے ہیں ﴿87﴾[6] پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے[7] تو انھوں نے کہا: اے عزیز!

يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

ہمیں [10] ہمارے اہل و عیال کو تکلیف پہنچی ہے[8] اور ہم ناقص پونجی لائے ہیں، چنانچہ

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي

آپ ہمیں پورا ماپ دیں[9] اور ہم پر صدقہ خیرات کریں،[10] یقیناً اللہ صدقہ خیرات کرنے

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿88﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ

والوں کو جزا دیتا ہے ﴿88﴾ اس نے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس

وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿89﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ

کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم نادان تھے؟ ﴿89﴾[11] وہ بولے: کیا واقعی تو یوسف ہی ہے؟[12]

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ

اس نے کہا: (ہاں) میں یوسف ہی ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ یقیناً اللہ نے ہم پر احسان کیا

مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿90﴾

ہے۔ بے شک جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿90﴾[13]

[1] یعنی اس تازہ صدمے نے یوسف کی جدائی کے قدیم صدمے کو بھی تازہ کر دیا۔ [2] یعنی آنکھوں کی سیاہی مارے غم کے سفیدی میں بدل گئی تھی۔ [3] حَرَضًا اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھاپے یا پے درپے صدمات کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بھڑک اٹھی اور اپنے باپ کو یہ کہا۔ [4] اس سے مراد یا تو وہ خواب ہے جس کی بابت انھیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف کو سجدہ کریں گے یا ان کا یہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہے اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔ [5] چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انھوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔ [6] جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○ (الحجر 15:56) ''گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت واسعہ کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ [7] یہ تیسری مرتبہ ان کا مصر جانا ہے۔ [8] یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو ثمن (قیمت) لے کر آئے ہیں، وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔ [9] یعنی ہماری حقیر پونجی کو نہ دیکھیں ہمیں اس کے بدلے میں پورا ماپ دیں۔ یعنی ہماری حقیر پونجی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ہمارے بھائی بنیامین کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔ [11] جب انھوں نے نہایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے، ضعف اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا جس سے یوسف کا دل بھر آیا آنکھیں نمناک ہوگئیں اور انکشاف حال پر مجبور ہوگئے، تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرما دیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔ [12] بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف کا تذکرہ سنا جسے انھوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام شخص یوسف ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انھوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف ہی تو نہیں؟ [13] سوال کے جواب میں اقرار و اعتراف کے ساتھ اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر و تقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلا دیا کہ تم نے تو میرے ساتھ جو کرنا چاہا کیا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس

Marfat.com

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿91﴾
انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دی، اور بلاشبہ ہم ہی خطا کار تھے ﴿91﴾ [1]
قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ
یوسف نے کہا: تم پر آج کوئی ملامت نہیں،[2] اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین
الرّٰحِمِيْنَ ﴿92﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ
ہے ﴿92﴾ تم میری یہ قمیص لے جاؤ، اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو،
10 ع 14 4 اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾ ع
وہ بینا ہوجائیں گے،[3] اور تم اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ ﴿93﴾ [4]
وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ
اور جب قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے باپ نے کہا: بے شک میں یوسف کی مہک پاتا ہوں
يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ
اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو ﴿94﴾ [5] (ان کے پاس موجود لوگ) بولے: اللہ کی قسم! بلاشبہ آپ اپنی
ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى
قدیم غلطی[6] پر ہیں ﴿95﴾ پھر جب بشارت دینے والا آیا، اس نے وہ (قمیص) اس کے چہرے پر ڈالی تو
وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ
وہ (یعقوب) پھر سے بینا ہوگیا،[7] اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک
اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا
میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ ﴿96﴾ [8] انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان!
اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿97﴾ قَالَ
ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیں، بے شک ہم ہی خطا کار تھے ﴿97﴾ اس (یعقوب) نے
سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
کہا: عنقریب میں اپنے رب سے تمھارے لیے مغفرت مانگوں گا،[9] بے شک وہی خوب بخشنے والا (اور)
الرَّحِيْمُ ﴿98﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ
خوب رحم کرنے والا ہے ﴿98﴾ چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے
وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿99﴾
پاس جگہ دی اور کہا:[10] تم مصر میں داخل ہو جاؤ دراں حالیکہ تم امن سے ہو، اگر اللہ نے چاہا ﴿99﴾ اور
وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ
اس نے اپنے ماں باپ[11] کو تخت پر اونچا بٹھایا، اور سب اس کے آگے سجدے میں گر گئے[12] اور

نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرما دی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

[1] بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کرلیا۔ [2] یوسف علیہ السلام نے بھی پیغمبرانہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرما دیا کہ جو ہوا سو ہوا۔ آج تمھیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو، جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں، یہی الفاظ ارشاد فرما کر انھیں معاف فرما دیا تھا۔

[3] قمیص کے چہرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا معجزے اور کرامت کے طور پر تھا۔ [4] یہ یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر آنے کی دعوت دی۔ [5] ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگ گئی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، چاہے بیٹا اپنے شہر کے کسی کنویں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ انتظام فرما دے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوشبو آجاتی ہے۔ [6] ضَلٰلٌ سے مراد محبت وجنون کی وہ وارفتگی ہے جو یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے: ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی، یعنی یوسف کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسف کی محبت دل سے نہیں گئی۔ [7] یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آ گیا اور آ کر وہ قمیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دی تو اس سے معجزانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔ [8] کیونکہ میرے پاس ایک ذریعۂ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔ [9] فی الفور مغفرت کی دعا کرنے کی بجائے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصد یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر میں، جو اللہ کے خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ [10] یعنی عزت واحترام کے ساتھ انھیں اپنے پاس جگہ

Marfat.com

هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ
یوسف نے کہا: اے میرے ابا جان! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے۔[1] میرے رب نے
وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ
اسے سچا کردیا ہے، اور تحقیق اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید سے نکالا[2] اور تمھیں
بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ
دیہات سے (یہاں) لے آیا،[3] اس کے بعد کہ شیطان نے (ورغلا کر) میرے اور میرے
بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ
بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی تھی،[4] بے شک میرا رب نہایت باریک بینی سے جو چاہے
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿100﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ
تدبیر کرتا ہے، بے شک وہی علیم وحکیم ہے ﴿100﴾ اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ حکومت دی
وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ہے[5] اور مجھے باتوں (خوابوں) کی تعبیر سکھائی ہے،[6] اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے
اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے
بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿101﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ
صالحین کے ساتھ ملا ﴿101﴾ [7] یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، یہ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور
اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ
آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس نہیں تھے جب انھوں نے اپنی ایک بات پر اتفاق کیا تھا اور
يَمْكُرُوْنَ ﴿102﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾
وہ مکر کر رہے تھے ﴿102﴾ [8] اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ حرص کریں، ایمان لانے والے نہیں ﴿103﴾ [9] اور آپ

دی اور ان کا خوب اکرام کیا۔ [11] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی خالہ تھیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہوگئی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہی خالہ اب یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر گئی تھیں۔ (فتح القدیر) لیکن امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یوسف کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر) اور یہی حق ہے۔ [12] بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب و تعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے لیکن وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، یعنی یہ سجدہ، سجدہ ہی کے معنی میں ہے، تاہم یہ سجدہ، سجدۂ تعظیمی ہے سجدۂ عبادت نہیں اور سجدۂ تعظیمی یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سدباب کے لیے سجدۂ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدۂ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں حتیٰ کہ سر جھکا کر ملنا بھی صحیح نہیں۔

[1] یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا۔ [2] اللہ کے احسانات میں کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔ [3] مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرا کی تھی، اس لیے اسے بَدْو سے تعبیر کیا۔ [4] یہ بھی اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا مورد الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کارستانی کا باعث قرار دیا۔ [5] یعنی ملک مصر کی فرماں روائی عطا فرمائی جیسا کہ تفصیل گزری۔ [6] حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص خاص باتوں کا علم انھیں عطا کیا جاتا تھا، چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گائیوں کے خواب کی تعبیر پہلے گزری۔ خواب کی تعبیر کا یہ ملکہ اب بھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ [7] اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے انھیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرما رہے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد یوسف علیہ السلام کے آباء و اجداد ابراہیم و اسحاق علیہما السلام وغیرہ مراد ہیں۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی، حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔ [8] یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ جبکہ انھیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد یعقوب علیہ السلام ہیں، یعنی ان کو یہ کہہ کر کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قمیص ہے جو خون میں لت پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے

Marfat.com

11 ع 11 5

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (104)

اس (تبلیغ) پر ان (مشرکینِ مکہ) سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔[1] یہ (قرآن) تو سارے عالم کے لیے نصیحت

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ

ہے(104)[2] اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر سے گزرتے ہیں اور ان

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (105) وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ

سے بے دھیانی کرتے ہیں(105)[3] اور ان کے اکثر اللہ پر (اس طرح) ایمان لاتے ہیں کہ وہ

مُّشْرِكُوْنَ (106) اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ

مشرک ہی ہوتے ہیں(106)[4] کیا پھر وہ بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب کی کوئی

اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (107) قُلْ هٰذِهٖ

آفت آئے، یا اچانک ان پر قیامت آجائے، اور انھیں خبر بھی نہ ہو(107) (اے نبی!) کہہ دیجیے:

سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

یہی میری راہ ہے، میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میری اتباع

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (108) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

کی، بصیرت پر ہیں[5] اور اللہ پاک ہے[6] اور میں مشرکوں میں سے نہیں(108) اور آپ سے پہلے ہم نے

قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ

مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے[7] (اور) وہ بستیوں کے رہنے والوں

سے آپ کو آگاہ فرما دیا۔ یہ نفی مشاہدے کی ہے کہ اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے سنا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعۂ غیب کی خبر دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً: ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران 3:7 و 44، سورۂ قصص 46,45:28، سورۂ صٓ 70,69:38) [9] یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں صرف دلچسپی اور لذت کے لیے، اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

[1] کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعوائے نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔ [2] تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا قصور اور ان کی بدقسمتی ہے قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

[3] آسمان و زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا ایسا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے لیکن ان میں کبھی آپس میں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں، ان پر نہ غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ [4] یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان و زمین کا خالق، مالک رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشرک ہیں، یعنی ہر دور میں لوگ توحید ربوبیت کے تو قائل رہے ہیں لیکن توحید الوہیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انھیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجا لاتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

[5] یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ رہی ہے اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین اور دلائل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔ [6] یعنی میں اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، مثیل یا وزیر و مشیر یا اولاد اور بیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ [7] یہ آیت اس بات پر نَص ہے کہ تمام رسول مرد ہی ہوئے ہیں، عورتوں میں سے کسی کو رسالت و نبوت کا مقام نہیں ملا۔ اسی طرح ان انبیائے کرام کا تعلق قریہ سے تھا جو قصبہ اور شہر کو شامل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرا نشینوں) میں سے نہیں تھا کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت نرم، دھیمے اور بااخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لیے ضروری ہیں۔

Marfat.com

يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
میں سے تھے۔ کیا پھر وہ زمین میں نہیں چلے پھرے کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان
قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿109﴾
سے پہلے تھے؟ اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟ ﴿109﴾
حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ
حتی کہ جب رسول مایوس ہو گئے[1] اور وہ (لوگ) گمان کرنے لگے کہ انھیں خلاف واقعہ خبر دی
نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ
گئی ہے[2] تو ان (انبیاء و رسل) کے پاس ہماری مدد آ پہنچی،[3] پھر نجات ملی اسے جسے ہم نے چاہا[4]
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿110﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ
اور مجرم قوم سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاتا ﴿110﴾ البتہ یقیناً ان کے قصوں میں عقل والوں کے
مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور
وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿111﴾ ع
ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ﴿111﴾[5]

(ع 12/7/6)

ایاتہا:43 | سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا:6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
الٓمّٓرٰ (اے نبی!) یہ کتاب کی آیات ہیں، اور جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿1﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ
نازل کیا گیا وہی حق ہے، اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿1﴾ اللہ وہ ذات ہے جس نے
بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
ستونوں کے بغیر آسمان بلند کیے، تم انھیں دیکھتے ہو،[6] پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اور سورج اور چاند کو کام پر

[1] یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں ہوئی کہ اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ [2] ظن بمعنی یقین، گمان غالب اور خیال و وسوسہ کے لیے آتا ہے، یہاں وَظَنُّوْٓا کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہے اگر اس کا فاعل رسول یا مومن ہیں تو ظَنُّوْٓا بمعنی خیال و وسوسہ ہے اور كُذِبُوْا (مخفف) کا نائب فاعل بھی یہی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان پیغمبروں یا ان کے ماننے والوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ ان سے یوں ہی عذاب کا جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے عذاب شاید تاخیر سے آئے یا ہمارے بعد آئے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسوسے کا پیدا ہو جانا ایمان کے منافی نہیں ہے اور اگر كُذِّبوا مشدد ہے تو پھر ظَنُّوا بمعنی یقین یا گمان غالب ہے، فاعل رسول ہیں اور كُذِّبوا کا نائب فاعل بھی رسول ہیں اور معنی یہ ہے کہ رسولوں نے یقین کیا کہ قوم کی طرف سے ان کی تکذیب کی گئی ہے۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 4695 میں ہے۔ بعض نے وَظَنُّوْٓا کا فاعل قوم، یعنی کفار کو قرار دیا ہے، یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پہلے تو ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے۔ (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظر ہی آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق انھیں خوب خوب مہلت دی گئی حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انھیں عذاب کی بس یوں ہی دھمکی دے دی گئی ہے۔ [3] جب ان کی مایوسی اس خطرناک اندیشے اور وسوسے تک پہنچ گئی تو فوراً ہماری مدد ان کے پاس پہنچ گئی اور ان کے دلوں سے شبہات کے کانٹے نکل گئے۔ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مہلت کا بیان ہے جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے حتیٰ کہ اس بارے میں وہ اپنے پیغمبروں کی خواہش کے برعکس بھی زیادہ سے زیادہ مہلت عطا کرتا ہے جلدی نہیں کرتا یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ [4] یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔ [5] یعنی یہ قرآن جس میں یہ قصہ یوسف اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت۔ [6] اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا مفہوم اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محدثین کا یہی مسلک ہے، وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الٰہی میں تاویل کرتے ہیں، تاہم محدثین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جا سکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لگایا، ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے[1] وہ کام کی تدبیر کرتا ہے، (اپنی) نشانیاں تفصیل سے
لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ
بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب سے ملاقات پر یقین کرلو ② اور وہی ہے جس نے زمین پھیلائی
فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ
اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں[2] اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے،[3] وہ
اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
دن کو رات سے ڈھانپتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں جو غور و
يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ
فکر کرتے ہیں ③ اور زمین میں باہم ملے ہوئے قطعات ہیں[4] اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں اور
وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ
کھجور کے درخت ہیں ایک جڑ سے کئی تنوں والے اور ایک تنے والے،[5] جو ایک ہی پانی سے سیراب
بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
کیے جاتے ہیں، اور ہم ان کے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں۔[6] بے شک اس میں ان
يَّعْقِلُوْنَ ④ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا
لوگوں کے لیے البتہ نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں ④ اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا عجیب تر ہے کہ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ 11:42) ''اس کی مثل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔'' امام مالک کا مشہور قول ہے: ''الاستواء معلوم والكيف مجهول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة'' (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: 441/3، ومجموع الفتاویٰ لابن تيمية: 365/5) یعنی ''اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب اور اس کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔''

[1] اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک وقت مقرر تک، یعنی قیامت تک اللہ کے حکم سے چلتے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰسٓ 38:36) ''اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چل رہا ہے یہ غالب، جاننے والے کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔'' دوسرے معنی یہ ہیں کہ چاند اور سورج دونوں اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں مکمل کر لیتا ہے۔ جس طرح فرمایا: وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (یٰسٓ 39:36) ''ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔'' سات بڑے بڑے سیارے ہیں جن میں سے دو چاند اور سورج ہیں۔ یہاں صرف ان دو کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہی دو سب سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں۔ جب یہ دونوں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو دوسرے سیارے تو بطریق اولیٰ اس کے تابع ہیں۔ اور جب یہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو یہ معبود نہیں ہو سکتے، معبود تو وہی ہے جس نے ان کو مسخر کیا ہوا ہے، اس لیے فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حٰمٓ السجدة 37:41) ''سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم صرف اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔'' وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ (الأعراف 54:7) ''سورج، چاند اور تارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔'' [2] زمین کے طول و عرض کا اندازہ بھی عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعے سے زمین میں میخیں گاڑ دی ہیں، نہروں، دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ [3] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان میں نر اور مادہ دونوں بنائے جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ دوسرا مطلب (جوڑے جوڑے کا) یہ ہے کہ میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ اور سفید اور ذائقہ دار و بدذائقہ، اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔ [4] مُتَجٰوِرٰتٌ ایک دوسرے کے قریب اور متصل، یعنی زمین کا ایک حصہ شاداب اور زرخیز ہے۔ خوب پیداوار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زمین شور ہے جس میں کسی قسم کی بھی پیداوار نہیں ہوتی۔ [5] صِنْوَانٌ کے ایک معنی: درخت ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے اور غَيْرُ صِنْوَانٍ کے جدا جدا، متفرق کے کیے گئے ہیں۔ دوسرے معنی صِنْوَانٌ ایک درخت، جس کی جڑ ایک اور شاخیں کئی ہوں۔ اور غَيْرُ صِنْوَانٍ جو اس طرح نہ ہو بلکہ ایک ہی جڑ اور ایک ہی تنے والا ہو کوئی شاخیں نہ ہوں۔ [6] یعنی زمین بھی ایک، پانی، ہوا بھی ایک لیکن پھل اور غلہ مختلف قسم کے اور ان کے ذائقے اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

Marfat.com

ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ

کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم البتہ نئی پیدائش میں ہوں گے؟[1] یہی لوگ ہیں جنھوں نے

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اور یہی ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی دوزخ والے

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ

ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ⑤ اور وہ آپ سے بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب)

الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ

جلدی چاہتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (عذاب کی) مثالیں گزر چکی ہیں،[2] اور بے شک آپ

لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ

کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود البتہ انھیں بخشنے والا ہے[3] اور یقیناً آپ کا رب البتہ سخت سزا

الْعِقَابِ ⑥ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ

دینے والا ہے ⑥ [4] اور کافر لوگ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری

اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

گئی؟ (اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں[5] اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے ⑦ [6] اللہ

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا

جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے[7] اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ

[1] یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کے لیے دوبارہ اس چیز کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں لیکن کفار یہ عجیب بات کہتے ہیں کہ دوبارہ ہم کیسے پیدا کیے جائیں گے؟ [2] یعنی عذاب الٰہی سے قوموں اور بستیوں کی تباہی کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں، اس کے باوجود یہ عذاب جلدی مانگتے ہیں؟ یہ کفار کے جواب میں کہا گیا جو کہتے تھے کہ اے پیغمبر! اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ [3] یعنی لوگوں کے ظلم و معصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی تاخیر کرتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کے حلم و کرم اور عفو و درگزر کا نتیجہ ہے ورنہ اگر وہ فوراً مؤاخذہ کرنے اور عذاب دینے پر آ جائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر 45:35) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب مؤاخذہ (دار و گیر) فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا۔'' [4] یہ اللہ کی دوسری صفت کا بیان ہے تاکہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے، اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھتا رہے کیونکہ ایک ہی رخ اور ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں اوجھل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں اللہ کی صفت رحیمی و غفوری کا بیان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت انتقام و عذاب کا بیان بھی ملتا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے تاکہ رجا (امید) اور خوف دونوں پہلو سامنے رہیں کیونکہ اگر امید ہی امید سامنے رہے تو انسان معصیت الٰہی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر خوف ہی خوف ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے تو اللہ کی رحمت سے مایوسی ہو جاتی ہے اور دونوں ہی باتیں غلط اور انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: اَلْإِیمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔'' یعنی دونوں باتوں کے درمیان اعتدال و توازن کا نام ایمان ہے۔ انسان اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پروا ہو نہ اس کی رحمت سے مایوس۔ (اس مضمون کے لیے دیکھیے: سورۂ انعام 47:6، سورۂ اعراف 167:7، سورۂ حجر 50,49:15) [5] ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات و ضروریات اور اپنی مشیت و مصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے لیکن کافر اپنے حسب منشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں، جیسے کفار مکہ نبی ﷺ کو کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔ جب ان کی خواہش کے مطابق معجزہ صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشان (معجزہ) نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! تیرا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ تو کرتا رہ۔ کوئی مانے نہ مانے، اس سے تجھے کوئی غرض نہیں، اس لیے کہ ہدایت دینا یہ ہمارا کام ہے۔ تیرا کام راستہ دکھانا ہے۔ اس راستے پر چلا دینا یہ تیرا نہیں، ہمارا کام ہے۔ [6] یعنی ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا راستہ اپنایا یا نہیں اپنایا۔ لیکن سیدھے راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ○ (فاطر 24:35) ''ہر امت میں ایک ڈرانے والا ضرور آیا ہے۔'' [7] رحم مادر میں کیا ہے نر ہے یا مادہ، خوب صورت ہے یا بد صورت، نیک ہے یا بد، طویل العمر ہے یا قصیر العمر؟ یہ سب باتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

Marfat.com

تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿8﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ
کرتے ہیں،[1] اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار (مقرر) ہے ⑧ [2] وہ غیب اور ظاہر کا جاننے
الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ﴿9﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ
والا، بہت بڑا، نہایت بلند ہے ⑨ (اللہ کے نزدیک) مساوی ہے تم میں سے جو کوئی آہستہ بات
وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ
کہے یا بلند آواز سے کہے، اور جو رات (کی تاریکی) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں چلنے
بِالنَّهَارِ ﴿10﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ
والا ہو ⑩ اس (انسان) کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے
یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ
(فرشتے) ہیں،[3] وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے،
حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا
حتی کہ وہ اسے بدل لیں جو ان کے نفسوں میں ہے،[4] اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی (عذاب) کا
فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿11﴾ هُوَ الَّذِیْ
ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی واپسی نہیں، اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں ⑪ وہی
یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿12﴾
ہے جو تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے[5] اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے ⑫ [6]
وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ
اور (بادل کی) گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے، اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (تسبیح
الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ
پڑھتے ہیں)[7] اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جن پر چاہے گراتا ہے،[8] جبکہ وہ اللہ کی بابت
فِی اللّٰهِ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿13﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ
جھگڑ رہے ہوتے ہیں، اور وہ شدید قوت والا ہے ⑬ [9] اسی کو پکارنا برحق ہے،[10] اور جو لوگ اس کے
وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ
سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ انھیں کسی بات کا جواب نہیں دیتے، مگر جیسے کوئی شخص اپنے
بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ
دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ میں آ پہنچے، جبکہ وہ اس (کے منہ)
بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿14﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ
تک پہنچنے والا نہیں۔[11] اور کافروں کی پکار سراسر گمراہی میں ہے ⑭ [12] اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو

[1] اس سے مراد حمل کی مدت ہے جو عام طور پر تو 9 مہینے ہوتی ہے لیکن گھٹتی بڑھتی بھی ہے کسی وقت یہ مدت 10 مہینے اور کسی وقت 8،7 مہینے ہو جاتی ہے اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ [2] یعنی کسی کی زندگی کتنی ہے؟ اسے رزق سے کتنا حصہ ملے گا؟ اس کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے۔ [3] مُعَقِّبٰتٌ مُعَقِّبَۃٌ کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آجاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔ [4] اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورۂ انفال 53:8 کا حاشیہ۔ [5] جس سے راہ گیر مسافر ڈرتے ہیں اور گھروں میں مقیم کسان اور کاشت کار اس سے برکت و منفعت کی امید رکھتے ہیں۔ [6] بھاری بادلوں سے مراد وہ بادل ہیں جن میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔ [7] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: [illegible] (بنی اسرآءیل 44:17) ”ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔“ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: 44 کا حاشیہ) [8] یعنی اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ [9] [illegible] کے معنی قوت، مؤاخذہ اور تدبیر وغیرہ کے کیے گئے ہیں، یعنی وہ بڑی قوت والا، نہایت مؤاخذہ کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے۔ [10] یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا اور قبول فرماتا ہے یا دعوت، عبادت کے معنی میں ہے، یعنی اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں کیونکہ کائنات کا خالق مالک اور مدبر صرف وہی ہے، اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔ [11] یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آجا، ظاہر بات ہے کہ پانی ایک بے شعور مائع چیز ہے، اسے پتہ ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ مشرک، اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں،

Marfat.com

مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ
کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی سے اور ناخوشی سے، اور ان کے سائے بھی صبح اور شام
وَالۡاٰصَالِ ⑮ السجدة قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ
(سجدہ کرتے ہیں) ⑮ [1] (اے نبی!) کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دیجیے:
قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ
اللہ![2] (اور) کہیے: پھر کیا تم نے اللہ کے سوا (ایسے) حمایتی بنا رکھے ہیں جو خود اپنے نفع نقصان
نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ
کے بھی مالک نہیں[3] کہہ دیجیے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی
هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ
برابر ہو سکتے ہیں؟[4] کیا انھوں نے اللہ کے لیے (ایسے) شریک ٹھہرا رکھے ہیں (کہ) انھوں نے
خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ
اللہ کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے، پھر وہ مخلوق ان پر مشتبہ ہو گئی ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی ہر چیز
كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ⑯ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
کا خالق ہے اور وہ یکتا ہے،[5] نہایت غالب ⑯ اس (اللہ) نے آسمان سے پانی نازل کیا، تو ندی
فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ
نالے اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلے،[6] پھر سیلاب ابھرا ہوا جھاگ اوپر لے آیا۔[7]
وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ
اور ان (دھاتوں) میں سے بھی جنھیں زیور یا سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے
زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ
ہیں، اسی طرح کا جھاگ (اٹھتا) ہے۔[8] اللہ اسی طرح حق اور باطل (کی مثال) بیان

اندھیر، نہ یہ پتہ ہے کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔ [12] اور بے فائدہ بھی ہے کیونکہ اس سے ان کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔

[1] اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا بیان ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہے، چاہے مومنوں کی طرح خوشی سے کرے یا مشرکوں کی طرح ناخوشی سے۔ اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ ۝ (النحل 48:16) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ان کے سائے داہنے اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔'' اس سجدے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یا دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کافر سمیت تمام مخلوق اللہ کے حکم کے تابع ہے، کسی میں اس سے سرتابی کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صحت دے، بیمار کرے، غنی کر دے یا فقیر بنا دے، زندگی دے یا موت سے ہمکنار کرے۔ ان تکوینی احکام میں کسی کافر کو بھی مجال انکار نہیں۔ [2] یہاں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار ہے۔ لیکن قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ مشرکین کا جواب بھی یہی ہوتا تھا۔ [3] یعنی جب تمھیں اقرار و اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا رب اللہ ہے جو تمام اختیارات کا بلاشرکت غیرے مالک ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر ایسوں کو کیوں اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہو جو اپنی بابت بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ [4] یعنی جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح موحد اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ موحد کا دل توحید کی بصیرت سے معمور ہے جبکہ مشرک اس سے محروم ہے۔ موحد کی آنکھیں ہیں، وہ توحید کا نور دیکھتا ہے اور مشرک کو یہ نور توحید نظر نہیں آتا، اس لیے وہ اندھا ہے۔ اسی طرح، جیسے اندھیرے اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کا پجاری جس کا دل نورانیت سے بھرا ہوا ہے اور ایک مشرک جو جہالت و توہمات کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے، برابر نہیں ہو سکتے۔ [5] یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ یہ کسی شبہے کا شکار ہو گئے ہوں بلکہ یہ مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔ [6] بِقَدَرِهَا (اپنے اندازے کے مطابق) کا مطلب ہے: نالے، یعنی وادی (دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ) کے لیے جتنا پانی مقدر تھا اتنا اس نے لے لیا، یعنی نزول قرآن کو، جو ہدایت اور بیان کا جامع ہے، بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے، اس لیے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے۔ اور وادیوں کو تشبیہ دی ہے دلوں کے ساتھ، اس لیے کہ وادیوں (نالوں) میں پانی جا کر ٹھہرتا ہے جس طرح قرآن اور ایمان مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔ [7] اس جھاگ سے جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے اور جو مضمحل ہو جاتا ہے اور ہوائیں جسے اڑا لے جاتی ہیں، کفر مراد ہے جو جھاگ ہی کی طرح اڑ جانے والا اور ختم ہو جانے والا ہے۔ [8] یہ دوسری مثال ہے کہ تانبے، پیتل، سیسے یا سونے چاندی کو زیور یا سامان وغیرہ بنانے

Marfat.com

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

کرتا ہے[1] چنانچہ جو جھاگ ہے وہ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے،[2] اور جو چیز انسانوں

فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿17﴾

کو فائدہ دیتی ہے سو وہ زمین میں باقی رہتی ہے[3] اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے ⑰[4]

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ

جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا، ان کے لیے بھلائی ہے۔ اور جنھوں نے اس کا حکم نہ مانا، بلاشبہ اگر ان کے

لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ

پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی کی مثل اس کے ساتھ (اور بھی) تو وہ ضرور اسے فدیے میں

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿18﴾

دے دیں[5] یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے بُرا حساب ہے[6] اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ⑱

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ

کیا پھر وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہی حق

هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿19﴾ الَّذِيْنَ

ہے، وہ اس شخص کے مانند (ہوسکتا) ہے جو اندھا ہے؟[7] بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں ⑲[8] وہ

يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿20﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں[9] اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے ⑳[10] اور جو جوڑتے ہیں وہ چیز جسے

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ

اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا،[11] اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے

الْحِسَابِ ﴿21﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

گھبراتے ہیں ㉑ اور جنھوں نے اپنے رب کے چہرے کی طلب کے لیے صبر کیا[12] اور نماز قائم

ع 2/11 8 النصف

کے لیے آگ میں تپایا جاتا ہے تو اس پر بھی جھاگ آ جاتا ہے۔ اس جھاگ سے مراد میل کچیل ہے جو ان دھاتوں کے اندر ہوتا ہے۔ آگ میں تپانے سے وہ جھاگ کی شکل میں اوپر آ جاتا ہے، پھر یہ جھاگ بھی دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتا ہے اور دھات اصلی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

[1] یعنی جب حق اور باطل کا آپس میں اجتماع اور ٹکراؤ ہوتا ہے تو باطل کو اسی طرح ثبات اور دوام نہیں ہوتا جس طرح سیلابی ریلے کا جھاگ پانی کے ساتھ دھاتوں کا جھاگ، جن کو آگ میں تپایا جاتا ہے، دھاتوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا بلکہ مضمحل اور ختم ہو جاتا ہے۔ [2] یعنی اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا کیونکہ جھاگ پانی یا دھات کے ساتھ باقی رہتا ہی نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھ جاتا ہے یا ہوائیں اسے اڑا لے جاتی ہیں۔ باطل کی مثال بھی جھاگ ہی کی طرح ہے۔ [3] یعنی پانی اور سونا چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ یہ باقی رہتی ہیں جن سے لوگ متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق باقی رہتا ہے جس کے وجود کو بھی زوال نہیں اور جس کا نفع بھی دائمی ہے۔ [4] یعنی بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، جیسے یہاں دو مثالیں بیان فرمائیں اور اسی طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ اسی طرح سورۂ نور 24:39، 40 میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے مثالوں کے ذریعے سے لوگوں کو بہت سی باتیں سمجھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر) [5] یہ مضمون اس سے قبل بھی دو تین جگہ گزر چکا ہے۔ [6] کیونکہ ان سے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیا جائے گا اور ان کا معاملہ [illegible] (صحیح البخاري، حدیث: 6536) ''جس سے حساب میں جرح کی گئی (اس کا بچنا مشکل ہوگا)، وہ عذاب سے دوچار ہو کر رہے گا'' کا آئینہ دار ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ [7] یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت وصداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو، یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی یہ دونوں اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح جھاگ اور پانی یا سونا، تانبا اور اس کی میل کچیل برابر نہیں ہو سکتے۔ [8] یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جنھوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کے زنگ سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو، وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ [9] یہ ان اہل دانش کی صفات بیان کی جارہی ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد، اس کے احکام (اوامر ونواہی) ہیں جنھیں وہ بجالاتے ہیں۔ یا وہ عہد ہے جو عہد اَلَسْتُ کہلاتا ہے جس کی تفصیل سورۂ اعراف 7:172 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ [10] اس سے مراد وہ باہمی معاہدے اور وعدے ہیں جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں یا وہ جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہیں۔ [11] یعنی رشتوں اور رحموں کو توڑتے نہیں ہیں بلکہ ان کو جوڑتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ [12] اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ صبر کی ایک قسم ہے۔ تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے۔ اللہ کی اطاعت میں لذتوں اور

Marfat.com

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ

کی[1] اور ہمارے دیے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کیا[2] اور وہ برائی کو بھلائی سے

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (22) جَنّٰتُ عَدْنٍ

دفع کرتے ہیں،[3] انھی لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے (22)[4] جو کہ ہمیشہ کے باغ ہیں[5] جن میں وہ

يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ

داخل ہوں گے، اور وہ بھی جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوئے[6]

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (23) سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (23) (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو، اس

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (24) وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ

لیے کہ تم نے صبر کیا، لہٰذا آخرت کا گھر بہت خوب ہے (24) اور جو لوگ اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے

مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ چیز قطع کرتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ زمین میں فساد

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (25)

کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) بہت برا گھر ہے (25)[7] اللہ

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ

جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے) تنگ کر دیتا ہے[8] اور وہ (کافر) دنیا کی زندگی

ع 3 8 9 الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (26) وَيَقُوْلُ

پر اتراتے ہیں،[9] حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نسبت (حقیر) متاع ہی تو ہے (26)[10] اور کافر

مفادات کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ یہ صبر کی تیسری قسم ہے۔ اہل دانش تینوں قسم کا صبر کرتے ہیں۔

[1] ان کی حدود و مواقیت، خشوع و خضوع اور اعتدال ارکان کے ساتھ، نہ کہ اپنے من مانے طریقے سے۔ [2] یعنی جہاں جہاں اور جب جب بھی خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اپنوں اور بیگانوں میں خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ [3] یعنی ان کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں یا عفو و درگزر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ (حٰمٓ السجدة 41:34) ''برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا ہو (اگر تم ایسا کرو گے) تو وہ شخص جو تمھارا دشمن ہے ایسا ہو جائے گا گویا وہ تمھارا گہرا دوست ہے۔'' [4] یعنی جو ان اعلیٰ اخلاق کے حامل اور مذکورہ خوبیوں سے متصف ہوں گے۔ ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔ [5] عَدْنٍ کے معنی ہیں اقامت، یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات۔ [6] یعنی اس طرح نیک قرابت داروں کو آپس میں جمع کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتیٰ کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرما دے گا تاکہ وہ اپنے قرابت دار کے ساتھ جمع ہو جائے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور 52:21) ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ان کے عملوں سے ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔'' اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ صالح رشتے داروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرما دے گا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایمان کی پونجی نہیں ہوگی تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، چاہے اس کے دوسرے نہایت قریبی رشتے دار جنت میں چلے گئے ہوں کیونکہ جنت میں داخلہ حسب و نسب کی بنیاد پر نہیں ایمان و عمل کی بنیاد پر ہوگا۔ مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (صحیح مسلم، حدیث:2699) ''جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔'' [7] یہ نیکوں کے بعد بروں کا حشر بیان فرما دیا تاکہ انسان اس حشر سے بچنے کی کوشش کرے۔ [8] جب کافروں اور مشرکوں کے لیے یہ کہا کہ ان کے لیے برا گھر ہے تو ذہن میں یہ اشکال آ سکتا ہے کہ دنیا میں تو انھیں ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں مہیا ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے فرمایا کہ دنیوی اسباب اور رزق کی کمی بیشی یہ اللہ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت و مشیت، جس کو صرف وہی جانتا ہے، کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔ رزق کی فراوانی، اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور کمی کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے۔ [9] کسی کو اگر دنیا کا مال زیادہ مل رہا ہے، باوجود اس کے کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے تو یہ مقام فرحت و مسرت نہیں کیونکہ یہ استدراج ہے، مہلت ہے، پتہ نہیں کب یہ مہلت ختم ہو جائے اور اللہ کی پکڑ کے شکنجے میں آ جائے۔ [10] حدیث میں آتا ہے کہ ''دنیا کی حیثیت، آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے تو دیکھے سمندر کے پانی کے مقابلے میں اس کی انگلی میں کتنا پانی آیا ہے؟'' (صحیح مسلم، حدیث:2858) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

Marfat.com

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ

کہتے ہیں: اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی (بڑی) نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ کہہ دیجیے:

اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾

بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور اس شخص کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو رجوع کرے ﴿27﴾

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں، آگاہ رہو! اللہ کے

تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿28﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى

ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں ﴿28﴾ [1] جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے

لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ

خوشحالی[2] اور اچھا ٹھکانا ہے ﴿29﴾ (جیسے پہلے رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں

مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

رسول بنا کر بھیجا[3] جس سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، تاکہ آپ انھیں وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

کی طرف وحی کی، اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں[4] کہہ دیجیے: وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿30﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ

(برحق) نہیں،[5] میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ﴿30﴾ اور اگر بلاشبہ (قرآن ایسا

بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ

ہوتا) کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین قطع کی جاتی یا اس سے مردے

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ

بلوائے جاتے (تو بھی کفار ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا معاملہ (اختیار) اللہ ہی کے پاس ہے،[6] کیا

يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پھر ایمان والوں نے (ابھی تک) نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب ہی لوگوں کو ہدایت دے دیتا؟ اور

تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ

جنھوں نے کفر کیا ان کے کرتوتوں پر انھیں آفت پہنچتی ہی رہے گی، یا ان کے گھروں کے قریب

حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿31﴾ وَلَقَدِ

اترے گی،[7] حتی کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے[8] بے شک اللہ (اپنے) وعدے کے خلاف نہیں کرتا ﴿31﴾ اور

رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے ہوا تو اسے کان سے پکڑ کر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ تمھارے نزدیک حقیر ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2957) [1] اللہ کے ذکر سے مراد اس کی توحید کا بیان ہے جس سے مشرکوں کے دلوں میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے یا اس کی عبادت، تلاوت قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے یا اس کے احکام و فرامین کی اطاعت و بجا آوری ہے جس کے بغیر اہل ایمان وتقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔ [2] طُوْبٰى کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: خیر، حسنیٰ، کرامت، رشک، جنت میں مخصوص درخت یا مخصوص مقام وغیرہ۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے، یعنی جنت میں اچھا مقام اور اس کی نعمتیں اور لذتیں۔ [3] جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لیے بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے، ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی جس طرح آپ کی کی گئی اور جس طرح تکذیب کے نتیجے میں وہ قومیں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں، انھیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔ [4] مشرکین مکہ رحمٰن کے لفظ سے بڑا بدکتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے الفاظ لکھے گئے تو انھوں نے کہا: یہ رَحْمٰن رحیم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ آپ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھیں جو ہم جانتے ہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1784) [5] یعنی رحمٰن ہی میرا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ [6] امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے جس طرح کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''حضرت داود ؑ سواریوں پر زین ڈالنے اور تیار کرنے کا حکم دیتے اور سواریوں پر زین ڈالے جانے سے قبل ہی ایک مرتبہ قرآن پڑھ لیتے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3417) یہاں ظاہر بات ہے قرآن سے مراد زبور ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر پہلے کوئی آسمانی کتاب ایسی نازل ہوئی ہوتی کہ جس سے پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا مردے بلوا دیے جاتے تو قرآن کریم کے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوتی کیونکہ یہ اعجاز و بلاغت میں پچھلی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعے سے یہ معجزات ظاہر ہوتے، تب بھی یہ کفار ایمان نہ لاتے کیونکہ ایمان لانا نہ لانا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، معجزوں پر نہیں، اسی لیے فرمایا: سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ [7] جو ان کے مشاہدے یا علم میں ضرور آئے گی تاکہ وہ عبرت پکڑ سکیں۔ [8] یعنی

Marfat.com

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ

(اے نبی!) بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر

أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿32﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ

میں نے انھیں پکڑ لیا، پھر میرا عذاب کیسا (عبرتناک) تھا؟ ﴿32﴾ [1] کیا پھر وہ (اللہ) جو ہر نفس (کے

كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ

اعمال) [2] پر نگران ہے جو اس نے کمائے، (اس کے مانند کوئی غیر اللہ ہو سکتا ہے؟) اور انھوں نے اللہ کے

سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ

شریک ٹھہرائے ہیں۔ کہہ دیجیے: ان کے (کمالات اور) نام تو لو، [3] کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے

بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

وہ زمین میں نہیں جانتا؟ بلکہ ظاہر لفظ (کے اعتبار) سے [4] (تم شریک ٹھہراتے ہو)، بلکہ کافروں کے لیے

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ

ان کا مکر خوشنما بنا دیا گیا، [5] اور انھیں راہ (حق) سے روک دیا گیا۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی

مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ

ہادی نہیں ﴿33﴾ [6] ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے [7] اور آخرت کا عذاب تو سخت ترین ہے، [8]

أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿34﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

اور انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہیں ﴿34﴾ جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا

الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ

گیا اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس کے پھل اور اس کے سائے

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿35﴾

دائمی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہوئے، [9] اور کافروں کا انجام آگ ہے ﴿35﴾

قیامت واقع ہو جائے یا اہل اسلام کو قطعی فتح و غلبہ حاصل ہو جائے۔

[1] حدیث میں بھی آتا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ» ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے جاتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔'' اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ (ھود 11:102) ''اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کی مرتکب بستیوں کو پکڑتا ہے، یقیناً اس کی پکڑ بہت ہی الم ناک اور سخت ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4686، وصحیح مسلم، حدیث: 2583) [2] یہاں اس کا جواب محذوف ہے، یعنی کیا وہ ان معبودان باطل کے برابر ہو سکتا ہے جن کی یہ عبادت کرتے ہیں جو کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر، نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں۔ [3] یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انھیں پہچان سکیں، اس لیے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے، اس لیے آگے فرمایا: کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یعنی ان کا وجود ہی نہیں، اس لیے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا، اس پر تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ [4] یہاں ظاہر، ظن (غیر حقیقی بات) کے معنی میں ہے، یعنی یا یہ صرف ان کی ظنی (خلاف حقیقت) باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کی عبادت اس گمان پر کرتے ہو کہ یہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم نے ان کے نام بھی معبود رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ ''یہ تمھارے اور تمھارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ یہ صرف گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔'' (النجم 53:23) [5] مکر سے مراد ان کے وہ غلط عقائد و اعمال ہیں جن میں شیطان نے ان کو پھنسا رکھا ہے، شیطان نے گمراہیوں پر بھی حسین غلاف چڑھا رکھے ہیں۔ [6] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ (المآئدة 5:41) ''جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے تو تو اللہ سے اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔'' اور فرمایا: ﴿إِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ﴾ (النحل 16:37) ''اگر تم ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہو تو (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔'' [7] اس سے مراد قتل اور اسیری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ان کافروں کے حصے میں آتی ہے۔ [8] جس طرح نبی ﷺ نے بھی لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا تھا: «أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ» (صحیح مسلم، حدیث: 1493) ''دنیا کا عذاب، عذاب آخرت سے بہت ہلکا ہے۔'' علاوہ ازیں دنیا کا عذاب (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو) عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے اسے زوال و فنا نہیں۔ مزید برآں جہنم کی آگ، دنیا کی آگ کی نسبت 69 گنا تیز ہے۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، اس لیے عذاب کے سخت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ [9] اہل کفار کے انجام بد

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ صلے

اور جنھیں ہم نے کتاب دی[1] وہ اس (قرآن) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا،[2] اور کچھ

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ

گروہ ہیں جو اس کے بعض (احکام) کا انکار کرتے ہیں۔[3] کہہ دیجیے: مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ

اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ

میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں۔ اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں اور اسی کی

مَاٰبِ ﴿36﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ

طرف میری واپسی ہے ﴿36﴾ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی (زبان) میں حکم (بنا کر) نازل

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا

کیا[4] اور اگر واقعی آپ اس کے بعد بھی ان کی خواہشات[5] کے پیچھے چلے کہ آپ کے پاس علم آچکا[6] تو آپ

ع 5 6 11 لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

کے لیے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ﴿37﴾ [7] اور بے شک ہم نے آپ

رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا

سے پہلے کئی رسول بھیجے، اور ہم نے انھیں بیوی بچوں والے بنایا۔[8] اور کسی رسول کو یہ اختیار نہ تھا

كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ

کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لائے مگر اللہ کے اذن سے۔[9] ہر مقررہ وقت کے لیے ایک کتاب (لکھا

كِتَابٌ ﴿38﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ

ہوا وقت) ہے ﴿38﴾ [10] اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور (جسے چاہے) ثابت رکھتا ہے، اور اسی کے

کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرما دیا تاکہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو۔ اس مقام پر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جنت کی نعمتوں، لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی ہیں، جنھیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

[1] اس سے مراد مسلمان ہیں اور مطلب ہے جو قرآن کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں۔ [2] یعنی قرآن کے صدق کے دلائل و شواہد دیکھ کر مزید خوش ہوتے ہیں۔ [3] اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین ہیں۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد تورات و انجیل ہے، ان میں سے جو مسلمان ہوئے، وہ خوش ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔ [4] یعنی جس طرح آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں مقامی زبانوں میں نازل کیں، اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں اتارا، اس لیے کہ آپ کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں جن کی زبان عربی ہے۔ اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو سمجھ میں نہ آنے کا بہانہ بنا کر قبول ہدایت کے لیے اسے عذر بنا لیتے۔ ہم نے قرآن کو عربی میں اتار کر یہ عذر ہی دور کر دیا۔ [5] اس سے مراد اہل کتاب کی بعض وہ خواہشیں ہیں جو وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان انھیں اختیار کریں، مثلاً: بیت المقدس کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنائے رکھنا اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کرنا وغیرہ۔ [6] اس سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ کو عطا کیا گیا جس میں اہل کتاب کے معتقدات کی حقیقت بھی آپ پر واضح کر دی گئی۔ [7] یہ دراصل امت کے اہل علم کو تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں اگر وہ ایسا کریں گے تو انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ [8] یعنی آپ سمیت جتنے بھی رسول اور نبی آئے، سب بشر ہی تھے، جن کا خاندان اور قبیلہ تھا اور بیوی بچے تھے، وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق بلکہ جنس بشر ہی میں سے تھے کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان سے مانوس ہونا اور ان کے قریب ہونا مشکل تھا جس سے ان کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے بشری جامے میں آتے تو یہ لوگ پھر بھی اسی اشتباہ میں پڑ جاتے جس میں وہ اب پڑے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بہ حیثیت جنس کے بشر ہی تھے، بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے، مذکورہ آیت میں ﴿اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ سے رہبانیت اور ضبط تولید کی تردید بھی ہوتی ہے۔ [9] یعنی معجزات کا صدور رسولوں کے اختیار میں نہیں کہ جب ان سے مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے صادر کر کے دکھا دیں بلکہ یہ کلیتاً اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ معجزے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس طرح اور کب دکھایا جائے؟ [10] یعنی اللہ نے جس چیز کا بھی وعدہ کیا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت موعود پر اس کا وقوع ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت: لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ ہے۔ اور مطلب ہے کہ ہر وہ امر جسے اللہ نے لکھ رکھا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، یعنی معاملہ کفار کے ارادے اور منشا پر نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی ہے۔

Marfat.com

أُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ

پاس اصل کتاب ہے ﴿39﴾[1] اور (اے نبی!) اگر ہم واقعی آپ کو اس (عذاب) کا کچھ حصہ دکھا دیں جس

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا

کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کو وفات دے دیں، آپ کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہی ہے،

الْحِسَابُ ﴿40﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے ﴿40﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم (کفر کی) زمین کو اس حال

مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ

میں آتے ہیں، کہ اسے اس کے اطراف سے گھٹاتے جاتے ہیں[2] (یعنی اسلام پھیل رہا ہے) اور اللہ حکم

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿41﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ

کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں،[3] اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿41﴾ اور بے شک وہ لوگ

قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ

بڑی تدبیریں کر چکے جو ان سے پہلے تھے، بس اللہ ہی کے لیے ساری تدبیریں ہیں[4] وہی جانتا ہے جو

نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾

کچھ ہر نفس کماتا ہے،[5] اور جلد ہی کفار جان لیں گے کہ آخرت کا (اچھا) گھر کس کے لیے ہے ﴿42﴾ اور

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا

کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿43﴾

کافی ہے[6] اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس کتاب کا علم ہے ﴿43﴾[7]

ع 6 | 6 | 12

آیاتہا: 52 — سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۣ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الٓرٰ (اے نبی!) (یہ) عظیم الشان کتاب ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو

[1] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس نے جو تقدیر لکھ رکھی ہے، اس میں وہ محو و اثبات کرتا رہتا ہے، اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اس کی تائید بعض احادیث و آثار سے ہوتی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، دعا ہی سے تقدیر بدل جاتی ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔'' (مسند أحمد: 277/5) بعض صحابہ سے یہ دعا منقول ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا أَشْقِيَاءَ فَامْحُهُ وَاكْتُبْنَا سُعَدَاءَ، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَأَثْبِتْنَا فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ» حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دوران طواف روتے ہوئے یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً» (ابن كثير) ''اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر بدبختی اور گناہ لکھا ہے تو اسے مٹا دے، اس لیے کہ تو جو چاہے مٹائے اور جو چاہے باقی رکھے، تیرے پاس ہی لوح محفوظ ہے، پس تو بدبختی کو سعادت اور مغفرت سے بدل دے۔'' اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو آتا ہے: «جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ» (صحيح البخاري، حديث: 5076) ''اے ابوہریرہ! جس سے تو دو چار ہونے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔'' اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ محو و اثبات بھی منجملہ قضا و تقدیر ہی کے ہے۔ (فتح القدير) [2] یعنی عرب کی سرزمین مشرکین پر بتدریج تنگ ہو رہی ہے اور اسلام کو غلبہ و عروج حاصل ہو رہا ہے۔ [3] یعنی کوئی اللہ کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا۔ [4] یعنی مشرکین مکہ سے قبل بھی لوگ رسولوں کے مقابلے میں مکر کرتے رہے ہیں لیکن اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہوا، اسی طرح آئندہ بھی ان کا کوئی مکر اللہ کی مشیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔ [5] وہ اس کے مطابق جزا اور سزا دے گا، نیک کو اس کی نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔ [6] پس وہ جانتا ہے کہ میں اس کا سچا رسول اور اس کے پیغام کا داعی ہوں اور تم جھوٹے ہو۔ [7] مراد جنس کتاب کا علم ہے، مثلاً: تورات اور انجیل، یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہم رضی اللہ عنہم، یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرب کے مشرکین اہم معاملات میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ اہل کتاب جانتے ہیں، تم ان سے پوچھ لو۔ بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حاملین علم کتاب مسلمان ہیں۔ اور بعض نے کتاب سے مراد لوح محفوظ لی ہے، یعنی جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ مگر پہلا مفہوم زیادہ درست ہے۔

Marfat.com

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لائیں،[1] ان کے رب کے اذن سے[2] غالب (اور) لائق تعریف کے راستے
الْحَمِيْدِ ﴿1﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
کی طرف ① (یعنی) اللہ کی طرف جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے،
وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿2﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ
اور کافروں کے لیے شدید عذاب سے تباہی ہے ② جو آخرت پر دنیاوی زندگی کو محبوب رکھتے
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
ہیں، اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور اس میں ٹیڑھا پن ڈھونڈتے ہیں،[3] وہی دور کی
عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿3﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
گمراہی میں ہیں ③[4] اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان بولنے والا بھیجا، تاکہ ان کے
بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
لیے کھول کر بیان کرے۔[5] پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿4﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ
وہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ④[6] اور بلاشک وشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ
اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ
بھیجا کہ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال[7] اور انھیں اللہ کے ایام (احسان)[8] یاد دلا۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿5﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
بے شک ان میں البتہ ہر صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں ⑤[9] اور جب موسیٰ نے اپنی

[1] جس طرح دوسرے مقام پر بھی اللہ نے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الحدید 9:57) ''وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتی ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔'' اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرۃ 257:2) ''اللہ ایمان داروں کا دوست ہے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔'' [2] یعنی پیغمبر کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا ہے لیکن اگر کوئی اس راستے کو اختیار کر لیتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے کیونکہ اصل ہادی وہی ہے۔ اس کی مشیت اگر نہ ہو تو پیغمبر کتنا بھی وعظ و نصیحت کر لے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس کی متعدد مثالیں انبیائے سابقین میں موجود ہیں اور خود نبی ﷺ باوجود شدید خواہش کے اپنے مہربان چچا ابوطالب کو مسلمان نہ کر سکے۔ [3] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے مین میکھ نکالتے اور انھیں مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض وخواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔ [4] اس لیے کہ ان میں مذکورہ متعدد خرابیاں جمع ہوگئی ہیں، مثلاً: آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں کجی تلاش کرنا۔ [5] پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو قومی زبان میں بھیجا تاکہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ [6] لیکن اس بیان وتشریح کے باوجود ہدایت اسے ملے گی جسے اللہ چاہے گا۔ [7] یعنی جس طرح اے محمد! ہم نے آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی تاکہ آپ اپنی قوم کو کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔ اسی طرح ہم نے موسیٰ کو معجزات و دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ وہ انھیں کفر وجہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کریں۔ آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے یا وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے۔ [8] أَيَّامُ اللّٰهِ سے مراد اللہ کے وہ احسانات ہیں جو بنی اسرائیل پر کیے گئے جن کی تفصیل پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ یا ایام وقائع کے معنی میں ہے، یعنی وہ واقعات ان کو یاد دلا جن سے وہ گزر چکے ہیں جن میں ان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں بھی آ رہا ہے۔ [9] صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اور ایمان کی تکمیل کے لیے مدد ومعاون ہیں، اس لیے یہاں صرف ان دو کا تذکرہ کیا گیا ہے دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ صَبَّارٍ ''بہت صبر کرنے والا'' شَكُوْرٍ ''بہت شکر کرنے والا'' اور صبر کو شکر پر مقدم کیا ہے، اس لیے کہ شکر، صبر کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ ہی اس کے لیے بہتر ہے اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2999)

Marfat.com

لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ

قوم سے کہا: اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب اس نے تمھیں آل فرعون

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ

سے نجات دی، وہ تمھیں سخت عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹے ذبح کرتے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

اور تمھاری بیٹیاں زندہ چھوڑتے تھے، اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ

عظیم آزمائش تھی ⑥ [1] اور جب تمھارے رب نے آگاہ کردیا[2] کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں

لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦ وَقَالَ

تمھیں مزید دوں گا[3] اور اگر تم کفر کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب بہت شدید ہے ⑦ [4] اور موسیٰ نے

مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ

کہا: اگر تم کفر کرو گے اور وہ سب لوگ بھی جو زمین میں ہیں تو بے شک اللہ بے پروا اور لائق

لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ

تعریف[5] ہے ⑧ کیا تمھیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، (یعنی) قوم نوح اور عاد اور

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ

ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے؟ جنھیں صرف اللہ جانتا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی

اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ

نشانیاں لائے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹا لیے[6] اور بولے: بے شک ہم

ع 1/6 13

[1] یعنی جس طرح یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی، اس سے نجات اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اسی لیے بعض مترجمین نے بَلَآءٌ کا ترجمہ آزمائش اور بعض نے احسان کیا ہے۔ [2] تَاَذَّنَ کے معنی ہیں: أَعْلَمَكُمْ بِوَعْدِهِ لَكُمْ اس نے اپنے وعدے کے ساتھ تمھیں آگاہ اور خبردار کردیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قسم کے معنی میں ہو، یعنی جب تمھارے رب نے اپنی عزت و جلال اور کبریائی کی قسم کھا کر کہا۔ (ابن کثیر) [3] نعمت پر شکر کرنے پر مزید انعامات سے نوازوں گا۔ [4] اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفران نعمت (ناشکری) اللہ کو سخت ناپسند ہے جس پر اس نے سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بھی فرمایا کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 885) [5] مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ ناشکری کرے گا تو اللہ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے۔ سارا جہان ناشکر گزار ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟ جس طرح حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّازَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ» (صحیح مسلم، حدیث: 2577) ''اے میرے بندو! اگر تمھارے اول اور آخر اور اسی طرح تمام انسان اور جن، اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو (کوئی بھی نافرمان نہ رہے) تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر اور انسان و جن، سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کردوں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔'' فَسُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى شَأْنُهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

[6] مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں، مثلاً: ① انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں رکھ لیے اور کہا کہ ہمارا تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمھاری رسالت کے منکر ہیں۔ ② انھوں نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔ ③ انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر استہزا اور تعجب کے طور پر رکھ لیے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ ④ انھوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔ ⑤ بطور غیظ و غضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں

Marfat.com

فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا

اسے نہیں مانتے جو تمھارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو

لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

اس میں ہمیں اضطراب میں ڈالنے والا شک ہے⑨[1] ان کے رسولوں نے کہا: کیا (تمھیں)

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ

اس اللہ کی بابت شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمھیں بلاتا ہے

لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

کہ تمھارے گناہ معاف کر دے[2] اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ وہ کہنے لگے:

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا

تم ہمارے جیسے بشر[3] ہی تو ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان (معبودوں) سے روک دو جنکی

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩

ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے،[4] لہٰذا ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل (معجزہ) لے آؤ⑩[5]

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

ان کے رسولوں نے ان سے کہا: واقعی ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے

عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا

جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے[6] اور ہمیں یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہم تمھارے پاس

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ

کوئی نشانی (یا دلیل) لاسکیں،[7] اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے⑪[8] اور ہمارے پاس کیا عذر

اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ

ہے کہ ہم اللہ پر توکل نہ کریں، جبکہ وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے؟ اور ہم ان ایذاؤں پر ضرور صبر

عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫ ع

کریں گے جو تم ہمیں دیتے ہو۔ اور پس توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے⑫[9] اور کافروں

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ

نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم تمھیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا تم ضرور بالضرور ہمارے

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ

دین میں لوٹ آؤ گے، چنانچہ ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں

الظّٰلِمِيْنَ ⑬ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ

گے⑬[10] اور ان کے بعد ہم ضرور تمھیں (اس) سرزمین میں آباد کریں گے،[11] یہ (انعام) اس کے

لے لیے۔ جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے: عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران 3:119) ''وہ تم پر اپنی انگلیاں غیظ وغضب سے کاٹتے ہیں۔'' امام شوکانی اور امام طبری ﷭ نے اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔

[1] مُرِيْبٍ یعنی ایسا شک کہ جس سے نفس سخت قلق اور اضطراب میں مبتلا ہے۔ [2] یعنی تمھیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمان وزمین کا خالق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایمان وتوحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمھیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالقِ ارض وسما کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کی دعوت سے تمھیں انکار ہے؟ [3] یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحیِ الٰہی اور نبوت ورسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ اور یہی اشکال بہ انداز دگر آج کل کے بعض مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر بشر نہیں نور تھے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى [4] یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کرتے رہے ہیں؟ جبکہ تمھارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر الٰہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔ [5] دلائل ومعجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے، اس سے مراد ایسی دلیل یا معجزہ ہے جس کے دیکھنے کے وہ آرزومند ہوتے تھے، جیسے مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے تھے جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل میں آئے گا۔ [6] رسولوں نے پہلے اشکال کا جواب دیا کہ یقیناً ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن تمھارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی بعض انسانوں کو وحی و رسالت کے لیے چن لیتا ہے اور تم سب میں سے یہ احسان اللہ نے ہم پر فرمایا ہے۔ [7] ان کے حسب منشا معجزے کے سلسلے میں رسولوں نے جواب دیا کہ معجزے کا صدور ہمارے اختیار میں نہیں یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ [8] یہاں مومنین سے مراد اولاً خود انبیاء ہیں، یعنی ہمیں سارا بھروسہ اللہ ہی پر رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ آگے فرمایا: ''آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں۔'' [9] کہ وہی کفار کی شرارتوں اور سفاہتوں سے بچانے والا ہے۔ [10] جیسے اور بھی کئی

Marfat.com

لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿14﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ

لیے ہے کہ جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا⑭[1] اور انھوں نے فتح مانگی[2]

كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿15﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ

اور ہر سرکش، عناد رکھنے والا ناکام ہوا⑮اس کے آگے جہنم ہے اور (وہاں) اسے پیپ کا پانی پلایا

صَدِيْدٍ ﴿16﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ

جائے گا⑯[3] جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا مگر حلق سے نہ اتار سکے گا، اور ہر طرف سے

كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿17﴾

اس کو موت آئے گی، جبکہ وہ مرے گا نہیں[4] اور اس کے آگے نہایت سخت عذاب ہوگا⑰

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے (نیک) اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جس

الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ

پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلی[5] جو کچھ انھوں نے کمایا وہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھیں

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿18﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے⑱ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿19﴾

زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے⑲ اور اللہ کے

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿20﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا

لیے یہ (کام) کچھ بھی مشکل نہیں⑳[6] اور وہ سب (لوگ) اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے[7] تو

مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ”اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں کہ بے شک وہ منصور اور کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۔“ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلة 58:21) ”اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔“ [11] یہ مضمون بھی اللہ نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے، مثلاً: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (الأنبياء 21:105) ”ہم نے لکھ دیا زبور میں، نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین کے وارث ہوں گے میرے صالح بندے۔“ (مزید دیکھیے: سورة الأعراف 7:128-137) چنانچہ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائی، آپ کو بادل نخواستہ مکے سے نکلنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے کھڑے سزا کے منتظر تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ کہہ کر چند ایک کے سوا سب کو معاف فرما دیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

[1] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (النّٰزعٰت 79:40,41) ”جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو اس نے خواہش سے روکے رکھا، یقیناً جنت اس کا ٹھکانا ہے۔“ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن 55:46) ”جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔“ [2] اس کا فاعل ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے بالآخر اللہ سے فیصلہ طلب کیا، یعنی اگر یہ رسول سچے ہیں تو یا اللہ ہم کو اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے، جیسے مشرکین مکہ نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (الأنفال 8:32) ”اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔“ یا جس طرح جنگ بدر کے موقع پر بھی مشرکین مکہ نے اسی قسم کی آرزو کی تھی جس کا ذکر اللہ نے سورۂ انفال آیت: 19 میں کیا ہے۔ یا اس کا فاعل رسول اللہ ﷺ ہوں کہ انھوں نے اللہ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیں جنھیں اللہ نے قبول کیا۔ [3] صَدِيْدٍ پیپ اور خون جو جہنمیوں کے گوشت اور ان کی کھالوں سے بہا ہوگا۔ بعض احادیث میں اسے «عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ» (مسند أحمد: 5/171) ”جہنمیوں کے جسم سے نچوڑا ہوا۔“ کہا گیا ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ یہ صدید اتنا گرم اور کھولتا ہوا ہوگا کہ ان کے منہ کے قریب پہنچتے ہی ان کے چہرے کی کھال جھلس کر گر پڑے گی اور اس کا ایک گھونٹ پیتے ہی ان کے پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ [4] یعنی انواع و اقسام کے عذاب چکھ چکھ کر وہ موت کی آرزو کرے گا لیکن موت وہاں کہاں؟ وہاں تو اسی طرح دائمی عذاب ہوگا۔ [5] قیامت والے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال

Marfat.com

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا

کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو (دنیا میں) تکبر کرتے تھے: بے شک ہم تو تمھارے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

تابع تھے، پھر کیا تم ہم سے اللہ کا کچھ عذاب دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ

دیتا تو ہم ضرور تمھیں بھی ہدایت کرتے۔ اب ہمارے لیے برابر ہے، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا

صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿21﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ

صبر کریں، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں﴿21﴾ [1] اور جب (جنت یا جہنم کے) معاملے کا فیصلہ کر

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ

دیا جائے گا تو شیطان [2] کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ

اس کی میں نے خلاف ورزی کی [3] اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا [4] مگر یہ کہ میں نے تمھیں دعوت دی تو تم نے

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ

میری بات مان لی، [5] چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو [6] میں تمھارا فریاد رس نہیں اور نہ

بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

تم میرے فریاد رس ہو [7] بلاشبہ میں تو اس کا انکار کرتا ہوں جو تم اس سے پہلے مجھے (اللہ کا) شریک

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿22﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ٹھہراتے تھے [8] بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے﴿22﴾ [9] اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

نیک عمل کیے وہ ایسی جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اپنے

ہوگا کہ اس کا کوئی اجر وثواب انھیں نہیں ملے گا۔ [6] یعنی اگر تم نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمھیں ہلاک کر کے تمھاری جگہ نئی مخلوق پیدا کر دے۔ (یہی مضمون اللہ نے سورۂ فاطر 35:15-17، سورۂ محمد 47:38، سورۂ مائدہ 5:54 اور سورۂ نساء 4:133 میں بھی بیان کیا ہے۔) [7] یعنی سب میدان حشر میں اللہ کے روبرو ہوں گے کوئی کہیں چھپ نہ سکے گا۔

[1] بعض کہتے ہیں کہ جہنمی آپس میں کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لیے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے، آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں، چنانچہ وہ روئیں گے اور خوب آہ وزاری کریں گے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ملی، چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں، پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پس اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع وفزع، اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ ان کی باہمی گفتگو جہنم کے اندر ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کو اور بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ مؤمن 40:47,48، سورۂ اعراف 7:38,39، سورۂ احزاب 33:66-68) اس کے علاوہ وہ آپس میں جھگڑیں گے بھی اور ایک دوسرے پر گمراہ کرنے کا الزام دھریں گے۔ امام ابن کثیر ﷫ فرماتے ہیں کہ جھگڑا میدان حشر میں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۂ سبا 34:31-33 میں بیان فرمائی ہے۔ [2] یعنی اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر وشرک جہنم میں چلے جائیں گے تو شیطان جہنمیوں سے کہے گا۔ [3] اللہ نے جو وعدے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے کیے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق تھے، ان کے مقابلے میں میرے وعدے تو سراسر دھوکا اور فریب تھے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا: الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿﴾ (النسآء 4:120) ''شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ وعدے اور آرزوئیں محض دھوکا ہیں۔'' [4] دوسرا یہ کہ میری باتوں میں کوئی دلیل وحجت نہیں ہوتی تھی، نہ میرا کوئی دباؤ تم پر تھا۔ [5] ہاں میری صرف دعوت اور پکار تھی، تم نے میری بے دلیل پکار کو تو مان لیا اور پیغمبروں کی دلیل وحجت سے بھرپور باتوں کو رد کر دیا۔ [6] اس لیے کہ قصور سارا تمھارا اپنا ہی ہے، تم نے عقل وشعور سے ذرا کام نہ لیا، دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کر دیا اور مجرد دعوے کے پیچھے لگے رہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی۔ [7] یعنی نہ میں تمھیں اس عذاب سے نکلوا سکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس قہر وغضب سے مجھے بچا سکتے ہو جو اللہ کی طرف سے مجھ پر ہے۔ [8] مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک گردانتے رہے تو تمھاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی تھی اور اس کی تدبیر بھی وہی کرتا رہا بھلا اس کا کوئی شریک کیوں کر ہو سکتا تھا؟ [9] بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی شیطان ہی کا ہے اور یہ اس کے مذکورہ بیان کا تتمہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا کلام مِنْ قَبْلُ پر ختم ہوگیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مستقلاً کلام ہے۔

Marfat.com

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾ اَلَمْ تَرَ
رب کے اذن [1] سے ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا "سلام" ہوگی ﴿23﴾ [2] (اے نبی!)
كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿24﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا
درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں ﴿24﴾ وہ ہر وقت اپنے
كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ
رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے [3] اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، تاکہ وہ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿25﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ
نصیحت پکڑیں ﴿25﴾ اور کلمۂ خبیثہ (کفر وشرک) کی مثال ایک خبیث درخت کی سی ہے کہ اسے
اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾ يُثَبِّتُ
زمین پر سے اکھاڑ دیا جاتا ہے، اس کے لیے کوئی قرار نہیں ﴿26﴾ [4] اللہ ایمان والوں کو
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
قولِ ثابت (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے، [5]
الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿27﴾
اور اللہ ظالموں کو گمراہ کردیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿27﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا
کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنھوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ
کو ہلاکت کے گھر میں لے جا اتارا؟ ﴿28﴾ [6] (یعنی) جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ

ع 4/6/16

[1] یہ اہل شقاوت و اہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنانے کا شوق ورغبت پیدا ہو۔ [2] یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر ہر دروازے سے داخل ہو ہو کر انھیں سلام عرض کیا کریں گے۔ [3] اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ سے اسلام یا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ سے کھجور کا درخت مراد ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 72، وصحيح مسلم، حديث: 2811) [4] ﴿كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ سے مراد کفر اور ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ سے حنظل (اندرائن) کا درخت مراد ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے، یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں، نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔ [5] اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ "موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان کا: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......﴾ (صحيح البخاري، حديث: 4699، وصحيح مسلم، حديث: 2871) ایک اور حدیث میں ہے کہ "جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے، وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جہنم کا ٹھکانا دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانا بنا دیا ہے، پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک سرسبز کردیا جاتا ہے۔" (صحيح مسلم، حديث: 2870) ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے: «مَنْ رَبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟» "تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے؟" پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے: رَبِّيَ اللّٰهُ "میرا رب اللہ ہے۔" وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ "میرا دین اسلام ہے۔" وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ "اور میرے پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔" (تفسير ابن كثير) [6] اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4700) جنھوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کروایا، تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور لوگوں کے لیے نعمت الٰہیہ بنا کر بھیجا، پس جس نے اس نعمت کی قدر کی، اسے قبو

Marfat.com

الْقَرَارُ ﴿29﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ

بدترین ٹھکانا ہے ﴿29﴾ اور انھوں نے اللہ کے شریک بنائے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے بھٹکا

تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ

دیں، کہہ دیجیے: تم فائدہ اٹھاؤ (دنیا میں) پھر یقیناً تمھاری واپسی آگ کی طرف ہے ﴿30﴾ [1] کہہ دیجیے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

اس میں سے چھپا کر اور علانیہ خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا بازی

وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ

ہوگی نہ دوستی (کام آئے گی) ﴿31﴾ [2] اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمھارے لیے بطور رزق پھل

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ

نکالے اور تمھارے لیے کشتیاں مسخر کیں، تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں، اور تمھارے لیے

الْاَنْهٰرَ ﴿32﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ

دریا مسخر کیے ﴿32﴾ [3] اور تمھارے لیے سورج اور چاند مسخر کیے جو مسلسل چل رہے ہیں، [4] اور تمھارے

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿33﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا

لیے رات اور دن کو مسخر کیا ﴿33﴾ [5] اور اس نے تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی، [6] اور اگر تم

نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿34﴾ ع 5/7/17

اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کرسکو گے [7] بے شک انسان بڑا ظالم، نہایت ناشکرا ہے ﴿34﴾ [8] اور جب

کیا، اس نے شکر ادا کیا، وہ جنتی ہوگیا اور جس نے اس نعمت کو رد کردیا اور کفر اختیار کیے رکھا، وہ جہنمی قرار پایا۔

[1] یہ تہدید و توبیخ ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کرلو مگر کب تک؟ بالآخر تمھارا ٹھکانا جہنم ہے۔ [2] نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تعدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے جس طرح کہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ انفاق کا مطلب ہے کہ زکاۃ ادا کی جائے، اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلا دریغ خوب خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (البقرۃ 2:254) ''اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے قبل (اللہ کی راہ میں) خرچ کرلو جس میں کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور سفارش ہی کام آئے گی۔'' [3] اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جو انعامات کیے ان میں بعض کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے۔ فرمایا: آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں جن میں لذت و قوت کے لیے میوے اور فروٹ بھی ہیں اور انواع و اقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ذائقے، خوشبو اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کو خدمت میں لگا دیا کہ وہ تلاطم خیز موجوں پر چلتے ہیں، انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نہریں جاری کردیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔ [4] یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں، کبھی ٹھہرتے نہیں رات کو نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں لیکن کبھی ان کا باہمی تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ [5] رات اور دن، ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات، دن کا کچھ حصہ لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن، رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کائنات کے آغاز سے چل رہا ہے، اس میں یک سر مو فرق نہیں آیا۔ [6] یعنی اس نے تمھاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جسے تم طلب کرتے ہو، وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں مانگتے لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمھاری ضرورت ہے، وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمھیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ [7] یعنی اللہ کی نعمتیں ان گنت ہیں انھیں کوئی حیطۂ شمار ہی میں نہیں لاسکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کرسکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: ''اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جبکہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کردیا جبکہ تو نے یہ اعتراف کرلیا کہ یا اللہ! میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر) [8] اللہ کی نعمتوں پر

Marfat.com

فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿23﴾ أَلَمْ تَرَ

رب کے اذن[1] سے ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا "سلام" ہوگی ﴿23﴾ [2] (اے نبی!)

كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ

طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿24﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا

درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں ﴿24﴾ وہ ہر وقت اپنے

كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ

رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے[3] اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿25﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ

نصیحت پکڑیں ﴿25﴾ اور کلمۂ خبیثہ (کفر وشرک) کی مثال ایک خبیث درخت کی سی ہے کہ اسے

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾ يُثَبِّتُ

زمین پر سے اکھاڑ دیا جاتا ہے، اس کے لیے کوئی قرار نہیں ﴿26﴾ [4] اللہ ایمان والوں کو

اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

قولِ ثابت (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے،[5]

الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿27﴾ ع 4/6/16

اور اللہ ظالموں کو گمراہ کردیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿27﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا

کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنھوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم

قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ

کو ہلاکت کے گھر میں لے جا اتارا؟ ﴿28﴾ [6] (یعنی) جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ

[1] یہ اہل شقاوت و اہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنانے کا شوق ورغبت پیدا ہو۔ [2] یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر ہر دروازے سے داخل ہو ہو کر انھیں سلام عرض کیا کریں گے۔ [3] اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ سے اسلام یا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ سے کھجور کا درخت مراد ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 72، وصحيح مسلم، حديث: 2811) [4] ﴿كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ سے مراد کفر اور ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ سے حنظل (اندرائن) کا درخت مراد ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے، یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں، نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔ [5] اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ''موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان کا: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا......﴾ (صحيح البخاري، حديث: 4699، وصحيح مسلم، حديث: 2871) ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے، وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جہنم کا ٹھکانا دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانا بنا دیا ہے، پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک سرسبز کردیا جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2870) ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے: «مَنْ رَبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟» ''تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے؟'' پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے: رَبِّيَ اللّٰهُ ''میرا رب اللہ ہے۔'' وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ ''میرا دین اسلام ہے۔'' وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ ''اور میرے پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔'' (تفسير ابن كثير) [6] اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4700) جنھوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کروایا، تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور لوگوں کے لیے نعمت الٰہیہ بنا کر بھیجا، پس جس نے اس نعمت کی قدر کی، اسے قبول

Marfat.com

اَلْقَرَارُ ﴿29﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ
بدترین ٹھکانا ہے (29) اور انھوں نے اللہ کے شریک بنائے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے بھٹکا
تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ
دیں، کہہ دیجیے: تم فائدہ اٹھاؤ (دنیا میں) پھر یقیناً تمھاری واپسی آگ کی طرف ہے (30) [1] کہہ دیجیے:
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے
سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ
اس میں سے چھپا کر اور علانیہ خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا بازی
وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ
ہوگی نہ دوستی (کام آئے گی) (31) [2] اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ
آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمھارے لیے بطور رزق پھل
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
نکالے اور تمھارے لیے کشتیاں مسخر کیں، تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں، اور تمھارے لیے
الْاَنْهٰرَ ﴿32﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
دریا مسخر کیے (32) [3] اور تمھارے لیے سورج اور چاند مسخر کیے جو مسلسل چل رہے ہیں، [4] اور تمھارے
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿33﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا
لیے رات اور دن کو مسخر کیا (33) [5] اور اس نے تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی، [6] اور اگر تم
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿34﴾ ع
اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے [7] بے شک انسان بڑا ظالم، نہایت ناشکرا ہے (34) [8] اور جب

ع 5/7 17

کیا، اس نے شکر ادا کیا، وہ جنتی ہو گیا اور جس نے اس نعمت کو رد کر دیا اور کفر اختیار کیے رکھا، وہ جہنمی قرار پایا۔

[1] یہ تہدید و توبیخ ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کر لو مگر کب تک؟ بالآخر تمھارا ٹھکانا جہنم ہے۔ [2] نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تعدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے جس طرح کہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ انفاق کا مطلب ہے کہ زکاۃ ادا کی جائے، اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلا دریغ خوب خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (البقرۃ 2:254) ''اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے قبل (اللہ کی راہ میں) خرچ کر لو جس میں کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور سفارش ہی کام آئے گی۔'' [3] اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جو انعامات کیے ان میں بعض کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں جن میں لذت و قوت کے لیے میوے اور فروٹ بھی ہیں اور انواع و اقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ذائقے، خوشبو اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کو خدمت میں لگا دیا کہ وہ تلاطم خیز موجوں پر چلتے ہیں، انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نہریں جاری کر دیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔ [4] یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں، کبھی ٹھہرتے نہیں رات کو نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں لیکن کبھی ان کا باہمی تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ [5] رات اور دن، ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات، دن کا کچھ حصہ لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن، رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کائنات کے آغاز سے چل رہا ہے، اس میں یک سر مو فرق نہیں آیا۔ [6] یعنی اس نے تمھاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جسے تم طلب کرتے ہو، وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں [مانگتے] لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمھاری ضرورت ہے، وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمھیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ [7] یعنی اللہ کی نعمتیں اتنی ان گنت ہیں انھیں کوئی حیطۂ شمار ہی میں نہیں لا سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: ''اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جبکہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جبکہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ یا اللہ! میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر) [8] اللہ کی نعمتوں پر

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ
ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے[1] اور مجھے اور میری اولاد
وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿35﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا
کو بت پرستی سے بچائے رکھنا ﴿35﴾ اے میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگ گمراہ
مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ
کیے ہیں[2] پھر جو میری اتباع کرے، تو یقیناً وہ میرا ہے، اور جو میری نافرمانی کرے، تو بلاشبہ تو
فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿36﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ
غفور (اور) رحیم ہے ﴿36﴾ اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد[3] ایک
بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا
بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس، اے ہمارے رب!
لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ
تاکہ وہ نماز قائم کریں[4] چنانچہ تو بعض لوگوں[5] کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿37﴾
کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے[6] تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں ﴿37﴾
رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى
اے ہمارے رب! بے شک تو سب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے اور جو کچھ
عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿38﴾
ظاہر کرتے ہیں۔ اور زمین اور آسمان میں کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں ﴿38﴾ ع

شکر ادا کرنے سے غفلت کی وجہ سے انسان اپنے نفس کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے۔ بالخصوص کافر جو بالکل ہی اللہ سے غافل ہے۔

[1] ''اس شہر'' سے مراد مکہ ہے۔ دیگر دعاؤں سے قبل یہ دعا کی کہ اسے امن والا بنا دے، اس لیے کہ امن ہوگا تو لوگ دوسری نعمتوں سے بھی صحیح معنوں میں متمتع ہو سکیں گے، ورنہ امن و سکون کے بغیر تمام آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود خوف اور دہشت کے سائے انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتے ہیں، جیسے آج کل کے عام معاشروں کا حال ہے۔ سوائے سعودی عرب کے۔ وہاں اس دعا کی برکت سے اور اسلامی حدود کے نفاذ سے آج بھی ایک مثالی امن قائم ہے۔ صَانَهَا اللّٰهُ عَنِ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ یہاں انعاماتِ اِلٰہیہ کے ضمن میں اسے بیان فرما کر اشارہ کر دیا کہ قریش جہاں اللہ کے دیگر انعامات سے غافل ہیں۔ اس خصوصی انعام سے بھی غافل ہیں کہ اس نے انھیں مکہ جیسے امن والے شہر کا باشندہ بنایا۔ [2] صَنَم دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ① وہ جثہ جو چاندی، پیتل، لکڑی یا پتھر وغیرہ سے بنایا جائے، مشرکین اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لیے اس کی پوجا کرتے تھے۔ ② اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جائے، وہ بھی صنم ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں: ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں مراد یہی دوسرا معنیٰ ہے۔ (مفردات ألفاظ القرآن: 493، مادہ صنم) گمراہ کرنے کی نسبت ان اصنام کی طرف کی اس لیے کہ یہ گمراہی کے اسباب و بواعث ہیں۔ [3] مِنْ ذُرِّيَّتِيْ میں مِنْ تَبْعِیض کے لیے ہے، یعنی بعض اولاد کو جو کہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صلبی بیٹے تھے جن میں سے صرف اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا۔ (فتح القدیر) [4] عبادات میں سے صرف نماز کا ذکر کیا، جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے۔ [5] یہاں بھی مِنْ تبعیض کے لیے ہے کہ کچھ لوگ، مراد اس سے مسلمان ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ کس طرح دنیا بھر کے مسلمان مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے علاوہ بھی سارا سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم اَفْئِدَةَ النَّاسِ (لوگوں کے دلوں) کہتے تو عیسائی، یہودی، مجوسی اور دیگر تمام لوگوں کے دل بھی مکہ کی طرف مائل ہوتے اور اس کی طرف ازدحام کرتے۔ لیکن اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ کہہ کر اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ (ابن کثیر) [6] اس دعا کی تاثیر بھی دیکھ لی جائے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاہ سرزمین میں، جہاں کوئی پھل دار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ مہیا ہیں اور حج کے موقع پر بھی جبکہ پچاس ساٹھ لاکھ افراد مزید وہاں پہنچ جاتے ہیں، پھلوں کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں آتی وَهٰذَا مِنْ لُطْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكَرَمِهٖ وَرَحْمَتِهٖ وَبَرَكَتِهٖ اِسْتِجَابَةً لِدُعَاءِ خَلِيْلِهٖ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دعاؤں کی مذکورہ ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مانگی، جبکہ پہلی دعا (امن والا بنا دے) اس وقت مانگی، جب اپنی اہلیہ اور شیرخوار بچے اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ (ابن کثیر) [7] مطلب یہ ہے کہ میری دعا کے مقصد کو تو بخوبی جانتا ہے اس شہر والوں کے لیے دعا سے اصل مقصد تیری رضا ہے تو تو ہر چیز کی حقیقت کو خوب جانتا ہے، آسمان و زمین کی کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے،

وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿39﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ

بے شک میرا رب دعا خوب سننے والا ہے (39) اے میرے رب! مجھے اور میری

مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿40﴾

اولاد کو بھی نماز قائم کرنے والا بنا[1] اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما (40)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ

اے ہمارے رب! جس دن حساب قائم ہوگا اس دن مجھے، میرے والدین کو[2] اور تمام مومنوں کو

الْحِسَابُ ﴿41﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ

معاف فرمانا (41) اور (اے نبی!) آپ مت خیال کریں کہ اللہ ان کاموں سے غافل ہے جو ظالم

الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ

کرتے ہیں، وہ تو انھیں صرف اس دن تک مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ

الْاَبْصَارُ ﴿42﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

جائیں گی (42)[3] وہ اپنے سر اٹھائے (محشر کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے،[4] ان کی نگاہ اپنی طرف

اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ ﴿43﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ

بھی نہ پھر سکے گی، اور ان کے دل خالی ہوں گے (43)[5] اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے

يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ

ڈرائیں جب انھیں عذاب آلے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک

اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ

مہلت دے (تاکہ) ہم تیری دعوت قبول کریں اور رسولوں کی اتباع کریں۔ (ان سے کہا جائے

تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿44﴾ وَّسَكَنْتُمْ

گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں؟ (44)[6] اور تم ان

فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد تھے جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہو چکا تھا کہ ہم

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿45﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ

نے ان سے کیا سلوک کیا تھا، اور ہم نے تمھارے لیے مثالیں بیان کی تھیں (45)[7] اور یقیناً وہ اپنی چالیں

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ

چل چکے اور ان کی سب چالیں اللہ کے پاس ہیں[8] اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ

ع 6/7 18

[1] اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا مانگی، جیسے اس سے قبل بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی یہ دعا مانگی کہ انھیں اصنام کو پوجنے سے بچا کر رکھنا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے دین کے داعیوں کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ تبلیغ و دعوت میں انھیں اولیت دینی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر محمد ﷺ کو بھی حکم دیا: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعرآء 26: 214) ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔'' [2] ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جبکہ ابھی ان پر اپنے باپ کا عَدُوُّ اللّٰہِ (اللہ کا دشمن) ہونا واضح نہیں ہوا تھا، جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اظہار براءت کر دیا، اس لیے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز نہیں، چاہے وہ قرابت قریبہ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ [3] یعنی قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ مہلت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مؤاخذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مؤاخذہ الٰہی سے نہیں بچ سکے گا، جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ [4] مُهْطِعِيْنَ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر 54: 8) ''بلانے والے کی طرف دوڑیں گے۔'' مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ ''حیرت سے اپنے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔'' [5] جو ہولناکیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انھیں ہوگا ان کے پیش نظر ان کی آنکھیں ایک لحظہ کے لیے بھی پست نہیں ہوں گی اور کثرت خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔ [6] یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ کوئی حساب کتاب اور جنت و دوزخ نہیں اور دوبارہ کسے زندہ ہونا ہے۔ [7] یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان پچھلی قوموں کے واقعات بیان کر دیے ہیں جن کے گھروں میں اب تم آباد ہو اور ان کے کھنڈرات بھی تمھیں دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے سے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمھاری مرضی، پھر تم بھی اسی انجام کے لیے تیار رہو۔ [8] یہ جملہ حالیہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ جو کیا وہ کیا، درآں حالیکہ انھوں نے

Marfat.com

الْجِبَالُ (46) فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ

ٹل جاتے (46)[1] چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا[2]

اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (47) يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ

بے شک اللہ غالب ہے، انتقام لینے والا (47)[3] جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے

وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (48) وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

گی، اور آسمان[4] بھی، اور لوگ اللہ، واحد، قہر والے کے سامنے (پیش) ہوں گے (48) اور اس دن آپ

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (49) سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

تمام مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے (49) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے[5]

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (50) لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا

اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپتی ہوگی (50) تاکہ اللہ ہر نفس کو (اس عمل کی) جزا دے جو اس

كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (51) هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

نے کمایا۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (51) یہ (قرآن)[6] لوگوں کے لیے ایک

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ

پیغام ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے، اور تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ

اُولُوا الْاَلْبَابِ (52) ع 7/11/19

بے شک وہی (اللہ) معبود واحد ہے، اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں (52)

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 99 — رُكُوْعَاتُهَا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (1)

الٓرٰ، یہ آیات ہیں کتاب اور قرآن مبین کی (1)[7]

باطل کے اثبات اور حق کے رد کرنے کے لیے مقدور بھر حیلے اور مکر کیے اور اللہ کو ان تمام چالوں کا علم ہے، یعنی اس کے پاس درج ہے جس کی وہ ان کو جزا دے گا۔

[1] کیونکہ اگر پہاڑ ٹل گئے ہوتے تو اپنی جگہ برقرار نہ ہوتے، جبکہ سب پہاڑ اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار ہیں۔ یہ اِنْ نافیہ کی صورت میں ہے۔ دوسرے معنی اِنْ مُخَفَّفَه مِنَ الْمُثَقَّلَه کے لیے گئے ہیں، یعنی یقیناً ان کے مکر تو اتنے بڑے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان کے مکروں کو کامیاب نہیں ہونے دیا، جیسے مشرکین کے اللہ کے لیے دعوائے ولد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝﴾ (مریم 19:90,91) ”قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر کہ انھوں نے کہا: رحمٰن (اللہ) کی اولاد ہے۔“ [2] یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے دنیا اور آخرت میں مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً سچا ہے، اس سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔ [3] یعنی اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہے۔ [4] امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ تبدیلی صفات کے لحاظ سے ہو یا ذات کے لحاظ سے، یعنی یہ آسمان و زمین ذاتاً موجود ہوتے ہوئے اپنے صفات کے اعتبار سے بدل جائیں گے یا ذات کے لحاظ سے تبدیلی آئے گی، نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان۔ زمین بھی کوئی اور ہو گی اور آسمان بھی کوئی اور۔ حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيهَا عَلَمٌ لِّأَحَدٍ» (صحیح مسلم، حدیث: 2790) ”قیامت والے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے ہوں گے جو میدہ کی روٹی کی طرح ہوگی۔ اس میں کسی کا کوئی جھنڈا (یا علامتی نشان) نہیں ہوگا۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جب یہ آسمان و زمین بدل دیے جائیں گے تو پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”صراط پر“ یعنی پل صراط پر۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2791) ایک یہودی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ ”لوگ اس دن پل کے قریب اندھیرے میں ہوں گے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 315) [5] جو آگ سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ جہنمیوں کو یہ لباس بھی اسی لیے پہنایا جائے گا تاکہ وہ آگ کی پوری شدت کا مزہ چکھیں۔ علاوہ ازیں آگ نے ان کے چہروں کو بھی ڈھانپا ہوا ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے۔ جاہلیت کی چار خصلتیں میری امت نہیں چھوڑے گی: ① خاندانی شرف و فضل پر فخر ② نسبوں میں طعن ③ ستاروں کے ذریعے سے بارش کی طلب (ان کی نقل و حرکت کو بارش کا سبب سمجھنا) ④ اور نوحہ و ماتم کرنا۔ اور فرمایا: نوحہ (بین) کرنے والی عورت نے اگر وفات سے قبل توبہ نہ کی تو اس پر گندھک کی شلوار اور خارش والی قمیص ہوگی۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 934) [6] یہ اشارہ قرآن کی طرف ہے یا پچھلی تفصیلات کی طرف جو ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا﴾ سے بیان کی گئی ہیں۔ [7] کتاب اور قرآن مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل

Marfat.com

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿2﴾ ذَرْهُمْ
کسی وقت کافر چاہیں گے کاش کہ وہ مسلمان ہوتے ② [1](اے نبی!) انھیں چھوڑ دیجیے، وہ کھائیں (پئیں)
يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿3﴾
اور فائدہ اٹھائیں، اور (جھوٹی) امید انھیں غفلت میں ڈالے رکھے، پھر جلد ان کو معلوم ہو جائے گا ③ [2]
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿4﴾
اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس (کی تباہی) کے لیے لکھی ہوئی (میعاد) مقرر تھی ④
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿5﴾ وَقَالُوْا
کوئی امت اپنے (مقرر) وقت سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ⑤ [3]اور انھوں
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿6﴾ لَوْ مَا
نے کہا: اے وہ شخص! جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے، یقیناً تو تو مجنون ہے ⑥ تو
تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿7﴾ مَا نُنَزِّلُ
ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں میں سے ہے؟ ⑦ [4]فرشتے تو ہم صرف
الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿8﴾ اِنَّا
(عذاب) کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور پھر اس وقت ان (کفار) کو ڈھیل نہیں دی جاتی ⑧ [5]بے شک
نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿9﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں ⑨ [6]اور یقیناً آپ

ہوا۔ جس طرح قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المآئدة 5: 15) میں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت وشان والا ہے۔

1 یہ آرزو کب کریں گے؟ موت کے وقت، جب فرشتے انھیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں یا جب جہنم میں چلے جائیں گے یا اس وقت جب گناہ گار ایمانداروں کو کچھ عرصہ بطور سزا جہنم میں رکھنے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا یا میدان محشر میں جہاں حساب کتاب ہو رہا ہوگا اور کافر دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی مسلمان ہوتے۔ رُبَمَا: رُبَّ/رُبَمَا اصل میں تو تقلیل کے لیے ہے لیکن کبھی تکثیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یا سیاق کلام کے لحاظ سے کبھی تقلیل کے لیے اور کبھی تکثیر کے لیے استعمال ہوتا ہے، اگر بمعنی تقلیل ہے تو مطلب یہ ہے کہ بعض مواقع پر وہ مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے اور اگر تکثیر کے لیے ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ آرزو ہر موقع پر ہوتی رہے گی لیکن وہ آرزو کثرت سے کریں یا قلت سے اس کا انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ 2 یہ کفار کے لیے تہدید و توبیخ ہے کہ یہ اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آ رہے ہیں تو انھیں چھوڑ دیجیے، یہ دنیاوی لذتوں سے محظوظ ہو لیں اور اپنی امیدوں کی دنیا میں غافل رہیں۔ عنقریب انھیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ 3 جس بستی کو بھی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں تو بے وقت نہیں ہلاک کرتے بلکہ ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوتا ہے، اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے تو انھیں ہلاک کر دیا جاتا ہے، پھر وہ اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتے۔ 4 یہ کافروں کے کفر و عناد کا بیان ہے کہ وہ نبی ﷺ کو دیوانہ کہتے اور کہتے کہ (اے محمد!) اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ مطلب یہ کہ وہ تیری رسالت کی تصدیق کریں یا ہمیں ہلاک کر دیں۔ 5 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے ہم حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں، یعنی جب ہماری حکمت و مشیت عذاب بھیجنے کی مقتضی ہوتی ہے تو پھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور پھر وہ مہلت نہیں دیے جاتے، فوراً ہلاک کر دیے جاتے ہیں۔ 6 یعنی اس کو دست بُرد زمانہ سے اور تحریف و تغییر سے بچانا یہ ہمارا کام ہے، چنانچہ قرآن آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اترا تھا، گمراہ فرقے اپنے اپنے گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف تو کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں لیکن پچھلی کتابوں کی طرح یہ لفظی تحریف اور تغییر سے محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں اہل حق کی ایک جماعت بھی تحریفات معنوی کا پردہ چاک کرنے کے لیے ہر دور میں موجود رہی ہے جو ان کے گمراہانہ عقائد اور غلط استدلالات کے تار و پود بکھیرتی رہی ہے اور آج بھی وہ اس محاذ پر سرگرم عمل ہے۔ علاوہ ازیں یہاں مُنزَّل وحی کو ''ذکر'' (نصیحت) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن کریم کو محفوظ کیا گیا ہے اسی طرح نبی ﷺ کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کر کے قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم اور سیرت نبوی کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور کسی اور پیغمبر کے فرامین کو حاصل نہیں ہوا۔

Marfat.com

مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ
سے پہلے ہم کئی گروہوں میں رسول بھیج چکے ہیں⑩ اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا
اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ
وہ اس سے مذاق کرتے تھے⑪[1] ہم اسی طرح مجرموں کے دلوں میں ہنسی مذاق
الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
ڈالتے ہیں⑫[2] وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور (یہی) پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا
الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا
ہے⑬[3] اور اگر ہم ان پر آسمان سے ایک دروازہ کھول دیں، پھر وہ اس پر
فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ
چڑھنے لگیں⑭ تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظریں ہی بند کر دی گئی ہیں،
قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا
بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے⑮[4] اور یقیناً ہم نے آسمان میں ستارے بنائے[5] اور
وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰
اسے ناظرین کے لیے زینت دی⑯ اور ہم نے انھیں ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا⑰[6]
اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ
مگر جو چوری چھپے سنے تو چمکتا شہاب (دہکتا شعلہ) اس کا پیچھا کرتا ہے⑱[7] اور ہم نے زمین

ع 1/15/1

[1] نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی، ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ [2] یعنی کفر اور رسولوں کا استہزا ہم مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں یا رچا دیتے ہیں، یہ نسبت اللہ نے اپنی طرف اس لیے کی کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے گو ان کا یہ فعل ان کی مسلسل معصیت کے نتیجے میں اللہ کی مشیت سے رونما ہوا۔ [3] یعنی ان کے ہلاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اللہ نے جاری کر رکھا ہے کہ تکذیب و استہزا کے بعد وہ قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ اللہ کا قدیم لوگوں میں طریقہ گزر چکا ہے کہ وہ مجرموں کے دلوں میں کفر و شرک داخل کرتا ہے۔ [4] یعنی ان کا کفر و عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف، اگر خود ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آ جائیں، تب بھی انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں بلکہ یہ کہیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آ جا رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ [5] بُرُوْجًا: بُرْجٌ کی جمع ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں۔ اسی سے تَبَرُّجٌ ہے جو عورت کے اظہارِ زینت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آسمان کے ستاروں کو بُروج کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ بُروج سے مراد شمس و قمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں جو ان کے لیے مقرر ہیں۔ اور یہ 12 ہیں: حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ عرب ان سیاروں کی منزلوں کے ذریعے سے موسم کا حال معلوم کرتے تھے۔ لیکن یاد رہے کہ ان سے انسانوں کے متعلق تغیر پذیر ہونے والے واقعات و حوادث جاننے کا دعویٰ کرنا باطل ہے، جیسے آج کل بھی جاہلوں میں اس کا خاصا چرچا ہے۔ اور لوگوں کی قسمتوں کو ان کے ذریعے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کوئی تعلق دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث سے نہیں ہوتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف مشیت الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برجوں یا ستاروں کا ذکر اپنی قدرت اور بے مثال صنعت کے طور پر کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واضح کیا ہے کہ یہ آسمان کی زینت بھی ہیں۔ [6] رَجِيْمٍ: مَرْجُوْمٌ کے معنی میں ہے۔ رجم کے معنی سنگسار کرنے، یعنی پتھر مارنے کے ہیں۔ شیطان کو رجیم اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جب آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو آسمان سے شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ کر گرتے، پھر رجیم ہونے کے ساتھ ملعون و مردود ہونا بھی لازم آتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانوں کی حفاظت فرمائی ہر شیطان رجیم سے، یعنی ان ستاروں کے ذریعے سے کیونکہ شیطان کو یہ مار کر قتل کر دیا جاتا ہے یا اسے بدحواس و پاگل کر دیا جاتا ہے یا وہ بچ کر واپس زمین پر آ جاتا ہے۔ [7] اس کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں پر چوری چھپے باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں جن پر شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرتے ہیں جن سے کچھ تو جل مر جاتے ہیں اور کچھ بچ جاتے ہیں اور بعض سن آتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اسے سن کر اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں، اللہ کے حکم کے سامنے عجز و مسکنت کے اظہار کے طور پر گویا وہ کسی چٹان پر زنجیر کی آواز ہے، پھر جب فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے جو کہا، حق کہا اور وہ بلند اور بڑا

Marfat.com

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

پھیلا دی اور اس میں پہاڑ ڈال (گاڑ) دیے اور اس میں ہر چیز مناسب مقدار

مَّوْزُوْنٍ 19 وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ

میں اگائی ⑲ [1] اور ہم نے تمھارے لیے زمین میں معاش کے اسباب بنا دیے [2] اور ان کے لیے

بِرٰزِقِيْنَ 20 وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ

بھی جن کے رازق تم نہیں ہو⑳ [3] اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہی ہیں، [4] اور ہم ہر چیز

اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ 21 وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا

معلوم مقدار ہی میں اتارتے ہیں ㉑ اور ہم نے بوجھل (بارآور) ہوائیں [5] بھیجیں، پھر آسمان

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ 22

سے پانی نازل کیا، پھر وہ تمھیں پلایا، اور اس (پانی) کا ذخیرہ کرنے والے تم نہیں ہو㉒ [6] اور

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ 23 وَلَقَدْ عَلِمْنَا

بلاشبہ ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں، اور بے شک ہم ہی (سب کے) وارث ہیں ㉓ اور

الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ 24

یقیناً ہمیں ان کا علم ہے جو تم میں سے پہلے گزر چکے اور ان کا (بھی) علم ہے جو پیچھے رہنے والے ہیں ㉔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ 25 وَلَقَدْ

اور (اے نبی!) بے شک آپ کا رب ہی انھیں اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ حکیم و علیم ہے ㉕ اور

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ 26 وَالْجَآنَّ

یقیناً ہم نے انسان کو سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے تخلیق کیا ہے ㉖ [7] اور اس سے پہلے

ہے (اس کے بعد اللہ کا وہ فیصلہ اوپر سے نیچے تک کے بعد دیگرے سنایا جاتا ہے۔) اس موقع پر شیطان چوری چھپے بات سنتے ہیں۔ اور یہ چوری چھپے بات سننے والے ایک دوسرے کے اوپر آسمان دنیا تک چڑھے ہوتے ہیں اور وہ ایک آدھ کلمہ سن لیتے ہیں تو ان کو تو شہاب ثاقب مارا جاتا ہے، اکثر دفعہ دوسرے کو بات منتقل کردینے سے پہلے ہلاک ہوجاتا ہے اور کبھی اپنے نیچے والے کو بات پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے دوست نجومی یا کاہن کے کان میں پھونک دیتا ہے، وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بیان کرتا ہے۔'' (مُلخصاً۔ صحیح البخاري، حدیث:4701)

[1] مَّوْزُوْنٍ بمعنی معلوم یا بہ اندازہ، یعنی حسب ضرورت۔ [2] مَعَايِشَ مَعِيشَةٌ کی جمع ہے، یعنی زمین میں تمھاری معیشت اور گزران کے لیے بے شمار اسباب و وسائل پیدا کر دیے۔ [3] اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں، یعنی جانوروں کو تمھارے تابع کر دیا ہے، جن پر تم سواری بھی کرتے ہو، سامان بھی لاد کر لے جاتے ہو اور انھیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ اور غلام اور لونڈیاں جن سے تم خدمت گزاری کا کام لیتے ہو۔ یہ اگرچہ سب تمھارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، تم نہیں ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم ان کے رازق ہو، اگر تم انھیں کھانا نہیں دو گے تو بھوکے مر جائیں گے۔ [4] جمہور نے یہاں خزائن سے مراد بارش لی ہے کیونکہ بارش ہی پیداوار اور معیشت کا ذریعہ ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کائنات کے خزانے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ حسب مشیت و ارادہ عدم سے وجود میں لاتا رہتا ہے۔ [5] ہواؤں کو بوجھل اس لیے کہا کہ یہ ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن میں پانی ہوتا ہے۔ جس طرح لَقِحَةٌ اُس حاملہ اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس نے پیٹ میں بچہ اٹھایا ہوتا ہے۔ [6] یعنی یہ پانی جو ہم اتارتے ہیں، اسے تم ذخیرہ کر کے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہو۔ یہ ہماری ہی قدرت و رحمت ہے کہ ہم اس پانی کو چشموں، کنوؤں اور نہروں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں، ورنہ اگر ہم چاہیں تو پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ چشموں اور کنوؤں سے پانی لینا تمھارے لیے ممکن نہ رہے، جس طرح بعض علاقوں میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ! احْفَظْنَا مِنْهُ. [7] مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ خشک مٹی تُرَابٌ بھیگی ہوئی طِيْنٌ گوندھی ہوئی بدبودار حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، جب یہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ خشک ہو کر کھن کھن کرنے لگے تو صَلْصَالٍ اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو فَخَّار (ٹھیکری) کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا پتلا حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار مٹی) سے بنایا گیا، جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا تو صَلْصَالٍ ہو گیا۔ تو اس میں روح پھونکی گئی، اسی صَلْصَالٍ کو قرآن میں دوسری جگہ كَالْفَخَّارِ (فخار کی مانند) کہا گیا ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (الرحمٰن 55:14) ''پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔''

Marfat.com

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ
جنوں کو ہم نے سخت حرارت والی آگ[1] سے تخلیق کیا ﴿27﴾ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿28﴾
سے کہا: بے شک میں سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر تخلیق کرنے والا ہوں ﴿28﴾
فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ
پھر جب میں اسے درست کرلوں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ
سٰجِدِيْنَ ﴿29﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿30﴾ اِلَّآ
کرتے گر پڑنا ﴿29﴾ [2] پھر سارے فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا ﴿30﴾ سوائے ابلیس کے، اس نے انکار
اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿31﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ
کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو ﴿31﴾ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہے کہ تو سجدہ
مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ
کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟ ﴿32﴾ اس نے کہا: میں ایسا نہیں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں
لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾ قَالَ فَاخْرُجْ
جسے تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ﴿33﴾ [3] اللہ نے فرمایا: پھر تو یہاں سے نکل
مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿34﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿35﴾
جا، چنانچہ بلاشبہ تو مردود ہے ﴿34﴾ اور بے شک تجھ پر یوم جزا تک لعنت ہے ﴿35﴾
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿36﴾ قَالَ
اس نے کہا: میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جب (لوگ) دوبارہ اٹھائے جائیں ﴿36﴾
فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿37﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿38﴾ قَالَ
اللہ نے فرمایا: بے شک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے ﴿37﴾ مقرر وقت کے دن تک ﴿38﴾ اس
رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ
نے کہا: میرے رب! مجھ کو تیرے گمراہ کرنے کے سبب یقیناً میں ان (لوگوں) کے لیے زمین
وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿39﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
میں (گناہ) خوش نما بنادوں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا ﴿39﴾ تیرے ان بندوں کے سوا جو
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿41﴾
ان میں سے چنے ہوئے ہیں ﴿40﴾ اللہ نے فرمایا: یہی مجھ تک (پہنچانے والی) سیدھی راہ ہے ﴿41﴾ [4]
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ
بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، [5] مگر گمراہوں میں سے (تیرا زور اس پر چلے گا)

[1] جِنّ کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ سورۂ رحمٰن میں جنات کی تخلیق مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ... سے بتلائی گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی یہی کہا گیا ہے: «خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ، وَخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ» (صحیح مسلم، حدیث: 2996) اس اعتبار سے لو والی آگ یا آگ کے شعلے یا حرارت والی آگ، سب کا ایک ہی مطلب ہوگا۔ [2] سجدے کا یہ حکم بطور تعظیم تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں تھا، تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ [3] شیطان نے انکار کی وجہ آدم علیہ السلام کا خاکی اور بشر ہونا بتلایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور بشر کو اس کی بشریت کی بنا پر حقیر اور کم تر سمجھنا یہ شیطان کا فلسفہ ہے جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے اہل حق انبیاء کی بشریت کے منکر نہیں، اس لیے کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں بشریت سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ [4] یعنی تم سب کو بالآخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، جس نے میری اور میرے رسولوں کی اطاعت کی ہوگی، میں انھیں اچھی جزا دوں گا اور جو شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ہوگا اسے سخت سزا دوں گا جو جہنم کی صورت میں تیار ہے۔ [5] یعنی میرے نیک بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے ایسا گناہ نہیں ہوگا کہ جس کے بعد وہ نادم اور تائب نہ ہوں کیونکہ وہی گناہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہے کہ جس کے بعد انسان کے اندر ندامت کا احساس اور توبہ و انابت الی اللہ کا داعیہ پیدا نہ ہو۔ ایسے گناہ کے بعد ہی انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر دائمی تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

Marfat.com

مِنَ الْغَاوِيْنَ (42) وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (43)
جس نے تیری اتباع کی (42) اور یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے (43) [1] اس کے سات
لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ
دروازے ہیں، ان (گمراہوں) میں سے ہر دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ
مَّقْسُوْمٌ (44) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (45) اُدْخُلُوْهَا
ہے (44) [2] بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے (45) [3] (کہا جائے گا:) تم ان میں
بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ (46) وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
سلامتی سے باامن داخل ہو جاؤ (46) [4] اور ان کے سینوں میں جو کینہ حسد ہوگا ہم نکال دیں گے، [5]
غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (47) لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا
(وہ) تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) بھائی بھائی ہوں گے (47) انھیں نہ وہاں کوئی تھکاوٹ
نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (48) نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ
(تکلیف) پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے (48) (اے نبی!) میرے بندوں کو خبر سنا
اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (49) وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ
دیجیے کہ یقیناً میں خوب بخشنے والا (اور) خوب رحم کرنے والا ہوں (49) اور بے شک میرا عذاب بھی
الْاَلِيْمُ (50) وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ (51) اِذْ دَخَلُوْا
بڑا دردناک عذاب ہے (50) اور انھیں ابراہیم کے مہمانوں کی خبر سنا دیجیے (51) جب وہ اس کے
عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (52) قَالُوْا
پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کیا، اس نے کہا: بے شک ہم تم سے ڈرتے ہیں (52) [6] وہ بولے: ڈر
لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (53) قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ
مت، بے شک ہم تجھے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں (53) ابراہیم نے کہا: کیا تم
عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ (54) قَالُوْا
مجھے بشارت دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا؟ چنانچہ (اب) کس بنا پر بشارت دیتے ہو؟ (54)
بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (55) قَالَ وَمَنْ
وہ بولے: ہم نے تجھے حق (امر واقعی) کی بشارت دی ہے، چنانچہ تو ناامیدوں میں سے نہ ہو (55) [7] ابراہیم
يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (56) قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ
نے کہا: اور اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں (56) [8] ابراہیم نے کہا: پھر تمھارا

[1] یعنی جتنے بھی تیرے پیروکار ہوں گے، سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ [2] یعنی ہر دروازہ مخصوص قسم کے لوگوں کے لیے خاص ہوگا، مثلاً: ایک دروازہ یہودیوں کے لیے، ایک عیسائیوں کے لیے، اسی طرح ایک ایک دروازہ صابیوں، مجوسیوں، مشرکوں، منافقوں کے لیے اور ایک عاصی موحدین کے لیے ہوگا، موحدین کو بالآخر بخش دیا جائے گا جبکہ دوسرے لوگ کبھی بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر) یا سات دروازوں سے مراد سات طبقے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ سب سے اوپر والا طبقہ جہنم ہے، دوسرا لظی، پھر اسی طرح حطمة، سعیر، سقر، جحیم اور ہاویة ہے۔ اور سب سے اوپر والا درجہ موحدین کے لیے ہوگا جنھیں کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد یا سفارش پر نکال لیا جائے گا۔ دوسرے میں یہودی، اسی طرح بالترتیب نصرانی، صابئی، مجوسی، مشرکین اور منافقین ہوں گے۔ سب سے اوپر والے درجے کا نام جہنم ہے، اس کے بعد اسی ترتیب سے نام ہیں۔ (فتح القدیر) [3] جہنم اور اہل جہنم کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ جنت میں جانے کی ترغیب ہو۔ متقین سے مراد شرک سے بچنے والے موحدین ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان جو تمام معاصی سے بچتے رہے۔ جَنّٰتٍ سے باغات اور عُيُوْنٍ سے نہریں مراد ہیں۔ یہ باغات اور نہریں یا تو تمام متقین کے لیے ہوں گی یا ہر ایک کے لیے الگ الگ باغات اور نہریں یا ایک ایک باغ اور نہر ہوگی۔ [4] سلامتی ہر قسم کی آفات سے اور امن ہر قسم کے خوف سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا فرشتے اہل جنت کو سلامتی کی دعا دیں گے۔ یا اللہ کی طرف سے ان کی سلامتی اور امن کا اعلان ہوگا۔ [5] دنیا میں ان کے درمیان جو حسد اور بغض و عداوت کے جذبات رہے ہوں گے، وہ ان کے سینوں سے نکال دیے جائیں گے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دل آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں گے۔ [6] ابراہیم علیہ السلام کو ان فرشتوں سے ڈر اس لیے محسوس ہوا کہ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کا تیار کردہ بھنا ہوا بچھڑا نہیں کھایا، جیسا کہ سورۂ ہود میں تفصیل گزری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا اگر پیغمبر عالم الغیب ہوتے تو ابراہیم سمجھ جاتے کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ فرشتے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔ [7] کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں وہ ہر بات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لیے ناممکن نہیں۔ [8] یعنی اولاد کے ہونے پر میں جو تعجب اور حیرت کا اظہار کر رہا

Marfat.com

اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿57﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ
مقصد کیا ہے؟ اے بھیجے ہوئے (فرشتو!) ﴿57﴾ [1] انھوں نے کہا: بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف
مُّجْرِمِيْنَ ﴿58﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿59﴾
بھیجے گئے ہیں ﴿58﴾ سوائے آلِ لوط کے، بے شک ہم ان سب کو نجات دینے والے ہیں ﴿59﴾
اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿60﴾ ع فَلَمَّا
سوائے اس کی بیوی کے، ہم نے مقدر کر دیا کہ بے شک وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی ﴿60﴾
جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿61﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿62﴾
پھر جب فرشتے آل لوط کے ہاں پہنچے ﴿61﴾ تو لوط نے کہا: بے شک تم لوگ تو اجنبی ہو ﴿62﴾ [2] وہ
قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿63﴾
بولے: بلکہ ہم تیرے پاس وہ (عذاب) لائے ہیں جس میں یہ (لوگ) شک کرتے تھے ﴿63﴾ [3]
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿64﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ
اور ہم تیرے پاس حق (یقینی چیز) لائے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿64﴾ [4] چنانچہ تو رات کے
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ
کسی حصے میں اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل، اور تو ان کے پیچھے چل، [5] اور تم میں سے کوئی پیچھے
اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿65﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ
مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿65﴾ اور ہم نے اسے اس امر کا فیصلہ سنا
الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿66﴾ وَجَآءَ اَهْلُ
دیا کہ بے شک صبح ہوتے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی ﴿66﴾ [6] اور شہر (سدوم) والے
الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿67﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ
خوشیاں مناتے ہوئے آئے ﴿67﴾ [7] لوط نے کہا: بے شک یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا تم مجھے
فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿68﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿69﴾ قَالُوْٓا
رسوا نہ کرو ﴿68﴾ [8] اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو ﴿69﴾ وہ بولے: کیا ہم نے تجھے دنیا والوں
اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿70﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ
(کی حمایت) سے روکا نہیں تھا؟ ﴿70﴾ [9] لوط نے کہا: یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿71﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ
کرلو) اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو ﴿71﴾ [10] (اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی

ہوں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کر رہا ہوں، یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوں۔ رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

[1] غالباً ابراہیم علیہ السلام نے قرائن سے اندازہ لگا لیا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے ہیں بلکہ ان کی آمد کا مقصد کوئی اور بھی ہے، چنانچہ انھوں نے یہ پوچھا۔ [2] یہ فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام کے لیے بالکل انجان تھے، اس لیے انھوں نے ان کے اجنبی ہونے کی بات کی۔ [3] یعنی عذاب الٰہی جس کے آنے میں تیری قوم کو شک ہے۔ [4] اس صریح حق سے بھی عذاب مراد ہے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے، اس لیے انھوں نے کہا: ہم ہیں بھی بالکل سچے، یعنی عذاب کی جو بات ہم کر رہے ہیں، اس میں سچے ہیں۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ [5] تاکہ کوئی مومن پیچھے نہ رہے تو ان کو آگے کرتا رہے۔ [6] یعنی لوط علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہونے تک ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی یا دَابِرَ سے مراد وہ آخری آدمی ہے جو باقی رہ جائے گا، فرمایا: وہ بھی صبح ہونے تک ہلاک کر دیا جائے گا۔ [7] ایک طرف تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر لیا تھا، دوسری طرف یہ حال تھا کہ جب قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو اپنی امرد پرستی کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور خوشی خوشی لوط کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ان نوجوانوں کو ان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے بے حیائی کا ارتکاب کر کے اپنی تسکین کر سکیں۔ [8] لوط علیہ السلام نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مہمان ہیں، انھیں میں کس طرح تمھارے سپرد کر سکتا ہوں، اس میں تو میری رسوائی ہے۔ [9] انھوں نے ڈھٹائی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط! تو ان اجنبیوں کا کیا لگتا ہے؟ اور کیوں ان کی حمایت کرتا ہے؟ کیا ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہے کہ اجنبیوں کی حمایت نہ کیا کر یا ان کو اپنا مہمان نہ بنایا کر؟ یہ ساری گفتگو اس وقت ہوئی جبکہ لوط علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ اجنبی مہمان اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور وہ اسی نابکار قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو ان کے ساتھ بدفعلی کے لیے مصر تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں یہ تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں ان کے فرشتے ہونے کا ذکر پہلے آ گیا ہے۔ [10] یعنی ان سے تم نکاح کر لو یا پھر اپنی قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا یعنی تم ان عورتوں سے نکاح کر و یا جن کے حبالۂ عقد میں عورتیں ہیں، وہ ان سے اپنی خواہش پوری کریں۔

Marfat.com

يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿73﴾ فَجَعَلْنَا

(گمراہی) میں بھٹک رہے تھے ﴿72﴾ [1] پھر سورج نکلتے انھیں ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿73﴾ [2] پھر ہم نے

عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ

اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو اس کے نیچے والا (حصہ) کر دیا [3] اور ان پر کھنگر کے

سِجِّيْلٍ ﴿74﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿75﴾ وَاِنَّهَا

پتھر [4] برسائے ﴿74﴾ بے شک اس میں گہری نظر سے غور وفکر کرنے والوں کے لیے [5] نشانیاں ہیں ﴿75﴾ اور

لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿76﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿77﴾

بے شک وہ بستی سیدھی راہ پر موجود ہے ﴿76﴾ [6] اور بے شک اس میں مومنوں کے لیے یقیناً نشانی ہے ﴿77﴾

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿78﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

اور بے شک ایکہ (بستی) والے بھی البتہ ظالم تھے ﴿78﴾ [7] چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا، اور

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿79﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ

بے شک وہ دونوں (تباہ شدہ بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں ﴿79﴾ [8] اور یقیناً حجر والوں (ثمود) نے رسولوں

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿80﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿81﴾

کی تکذیب کی ﴿80﴾ [9] اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں، پھر وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے ﴿81﴾ [10]

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

اور وہ پہاڑوں سے بے خوف ہو کر گھر تراشتے تھے ﴿82﴾ [11] چنانچہ انھیں صبح ہوتے

[1] اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب فرما کر ان کی زندگی کی قسم کھا رہا ہے جس سے آپ کا شرف وفضل واضح ہے، تاہم کسی اور کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حاکم مطلق ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح شراب کے نشے میں دھت انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ اپنی بدمستی اور گمراہی میں اتنے سرگرداں تھے کہ لوط علیہ السلام کی اتنی معقول بات کی طرف ذرا توجہ نہیں کی۔ [2] ایک چنگھاڑ نے، جبکہ سورج طلوع ہو رہا تھا، ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زور دار آواز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تھی۔ [3] کہا جاتا ہے کہ ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر آسمان تک لے جایا گیا اور وہاں سے ان کو الٹا کر زمین پر پھینک دیا گیا۔ یوں اوپر والا حصہ نیچے اور نچلا حصہ اوپر کر کے تہ و بالا کر دیا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد محض اس بستی کا چھتوں سمیت زمین بوس ہو جانا ہے۔ [4] اس کے بعد ان پر کھنگر قسم کے مخصوص پتھر برسائے گئے۔ اس طرح تین قسم کے عذابوں سے انھیں دوچار کر کے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ [5] گہری نظر سے جائزہ لینے اور غور وفکر کرنے والوں کو مُتَوَسِّمِیْنَ کہا جاتا ہے۔ مُتَوَسِّمِیْنَ کے لیے اس واقعے میں عبرت کے پہلو اور نشانیاں ہیں۔ [6] مراد شاہراہِ عام ہے، یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینے سے شام کو جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہیں۔ اس راستے پر آنے جانے والے کو انھی بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ [7] الْاَيْكَةِ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اس بستی میں گھنے درخت ہونے کی وجہ سے انھیں اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ (بن یا جنگل والے) کہا گیا ہے۔ مراد اس سے قوم شعیب ہے اور ان کا زمانہ لوط علیہ السلام کے بعد ہے اور ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا، اسے مدین کہا جاتا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام پڑ گیا تھا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، رہزنی ان کا شیوہ اور کم تولنا اور کم ناپنا ان کا وتیرہ تھا، ان پر جب عذاب آیا تو ایک تو بادل ان پر سایہ فگن ہو گیا، پھر چنگھاڑ اور بھونچال نے مل کر ان کو ہلاک کر دیا۔ [8] لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ کے معنی بھی شاہراہِ عام کے ہیں، جہاں سے شب و روز لوگ گزرتے ہیں۔ دونوں شہروں سے قوم لوط کا شہر (سدوم) اور قوم شعیب کا مسکن (مدین) مراد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔ [9] الْحِجْرِ صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) کی بستی کا نام تھا۔ انھیں اَصْحٰبُ الْحِجْرِ (حجر والے) کہا گیا ہے۔ یہ بستی مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ (آج کل اس بستی کے قریب اَلْعُلا نام کا ایک بڑا شہر آباد ہے۔ اور حجر ''مدائن صالح'' کے نام سے معروف ہے) انھوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' یہ اس لیے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ایسے ہی ہے جیسے سارے پیغمبروں کی تکذیب۔ [10] ان نشانیوں میں وہ اونٹنی بھی تھی جو ان کے کہنے پر ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی لیکن ظالموں نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ [11] یعنی بغیر کسی خوف یا احتیاج کے پہاڑ تراش لیا کرتے تھے۔ 9 ہجری میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اس بستی سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ ''روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گزرو۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4419 وصحیح مسلم، حدیث: (2980) اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے اس بستی کے کنوؤں سے پانی لیا اور اس سے آٹا گوندھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ پانی پھینک دو اور آٹا

Marfat.com

الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾

ہی چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿83﴾ [1] پھر ان کے کام نہ آیا وہ (مال) جو وہ کماتے تھے ﴿84﴾

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے حق ہی کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔[2] اور یقیناً

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿85﴾

قیامت آنے والی ہے، تو (اے نبی!) آپ (کافروں سے) خوبصورت انداز سے درگزر کریں ﴿85﴾

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿86﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ

بلاشبہ آپ کا رب ہی سب کو تخلیق کرنے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿86﴾ بے شک ہم نے آپ

الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿87﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

کو بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات[3] اور قرآن عظیم دیا ہے ﴿87﴾ اور ہم نے مختلف قسم کے

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

لوگوں کو جو مال و متاع دیا ہے اس کی طرف آپ اپنی نظریں نہ اٹھائیں اور نہ ان (کی حالت)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ

پر غم کھائیں اور اپنے (پُر شفقت) بازو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں ﴿88﴾ [4] اور کہہ دیجیے:

اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿89﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى

بے شک میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿89﴾ (ایسے ہی عذاب سے) جیسا کہ ہم نے قسمیں کھانے

الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿90﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿91﴾

والوں پر نازل کیا تھا ﴿90﴾ [5] جنھوں نے (اپنے) قرآن (تورات) کو پارہ پارہ کر دیا ﴿91﴾ چنانچہ

اونٹوں کو کھلا دو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2981) [1] صالح علیہ السلام نے انھیں کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، چنانچہ چوتھے روز ان پر یہ عذاب آ گیا۔ [2] حق سے مراد وہ فوائد و مصالح ہیں جو آسمان و زمین میں موجود ہیں، یا حق سے مراد محسن (نیکوکار) کو اس کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ دینا ہے۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ بروں کو ان کی برائیوں کا اور نیکوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دے۔'' (النجم 53:31) [3] ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور جو ہر نماز اور نماز کی ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (مثانی کے معنی بار بار دہرانے کے کیے گئے ہیں) حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4703) ایک اور حدیث میں فرمایا: «أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ» (صحیح البخاري، حدیث: 4704) سورۂ فاتحہ قرآن کا ایک جز ہے، اس لیے قرآن عظیم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ [4] یعنی ہم نے سورۂ فاتحہ اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، اس لیے دنیا اور اس کی زینتیں اور ان مختلف قسم کے اہل دنیا کی طرف نظر نہ دوڑائیں جن کو دنیائے فانی کی عارضی چیزیں ہم نے دی ہیں۔ اور وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اس پر غم نہ کھائیں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں، یعنی ان کے لیے نرمی اور محبت کا رویہ اپنائیں۔ اس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پاس بلاتا ہے تو اپنے بازوؤں، یعنی پروں کو کھول لیتا ہے، بچے جب پروں کے نیچے آجاتے ہیں تو پھر پرندہ اپنے پروں کو ان کے اوپر جھکا لیتا ہے۔ یوں یہ ترکیب نرمی، پیار و محبت کا رویہ اپنانے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ [5] بعض مفسرین کے نزدیک ﴿اَنْزَلْنَا﴾ کا مفعول اَلْعَذَاب محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمھیں کھول کر ڈرانے والا ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کے جو ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ پر نازل ہوا۔ ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ کون ہیں؟ جنھوں نے کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کی قوم مراد ہے جنھوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، اس کے بعض حصے کو شعر، بعض کو سحر (جادو)، بعض کو کہانت اور بعض کو ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (پہلوں کی کہانیاں) قرار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ سے اہل کتاب اور قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ انھوں نے ان آسمانی کتابوں کو متفرق اجزاء میں تحریف کر کے بانٹ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے، جنھوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح اور ان کے گھر والوں کو رات کے اندھیرے میں قتل کر دیں گے۔ ﴿تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ (النمل 27:49) ''انھوں نے اللہ کے نام پر آپس میں قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو رات میں قتل کریں گے۔'' اور آسمانی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ﴿عِضِيْنَ﴾ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

Marfat.com

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿92﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾
آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ﴿92﴾ ان عملوں کی جو وہ کرتے تھے ﴿93﴾
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿94﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ
چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے کھول کر سنا دیں[1] اور مشرکین سے بے رخی برتیں ﴿94﴾ بلاشبہ ہم ٹھٹھا
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿95﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں ﴿95﴾ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ
ہیں، چنانچہ وہ (اپنا انجام) جلد جان لیں گے ﴿96﴾ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں
بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿97﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ
اس سے آپ کا سینہ (دل) تنگ ہوتا ہے ﴿97﴾ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ گزاروں
السّٰجِدِيْنَ ﴿98﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿99﴾
میں ہو جائیں ﴿98﴾ اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے ﴿99﴾[2]

اٰیَاتُهَا 128 — سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ — رُکُوْعَاتُهَا 16

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
اللہ کا حکم آپہنچا، لہٰذا تم اسے عجلت سے نہ مانگو[3] وہ پاک اور ان (معبودانِ باطلہ) سے برتر ہے
يُشْرِكُوْنَ ﴿1﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى
جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں ① وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے[4] اپنے حکم سے وحی[5]
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
دے کر فرشتے نازل کرتا ہے کہ تم (لوگوں کو) اس بات سے آگاہ کر دو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی
اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿2﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
الٰہ نہیں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو ② اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ تخلیق کیے،[6] وہ ان
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿3﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا
سے برتر ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں ③ اس نے انسان کو نطفے سے تخلیق کیا تو یکایک وہ
هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿4﴾ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ
کھلا جھگڑالو ہو گیا ④[7] اور اس نے چوپائے بھی پیدا کیے، ان میں تمھارے لیے گرمی حاصل کرنے کا
فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿5﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا
سامان اور دیگر منافع ہیں[8] اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو ⑤ اور ان میں تمھارے لیے

---

[1] فَاصْدَعْ کے معنی ہیں کھول کر بیان کرنا، اس آیت کے نزول سے قبل آپ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے، اس کے بعد آپ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ (فتح القدیر) [2] مشرکین آپ کو ساحر، مجنون اور کاہن وغیرہ کہتے جس سے بشری جبلت کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہوتے، اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ حمد و ثنا کریں، نماز پڑھیں اور اپنے رب کی عبادت کریں، اس سے آپ کو قلبی سکون بھی ملے گا اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہو گی، سجدے سے یہاں نماز اور یقین سے مراد موت ہے۔ [3] اس سے مراد قیامت ہے، یعنی وہ قیامت قریب آگئی ہے جسے تم دور سمجھتے تھے، پس جلدی نہ مچاؤ یا وہ عذاب مراد ہے جسے مشرکین طلب کرتے تھے۔ اسے مستقبل کی بجائے ماضی کے صیغے سے بیان کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے۔ [4] مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جن پر وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا:
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الأنعام 6:124)
''اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔''
يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ (المؤمن 40:15) ''وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی ڈالتا (نازل فرماتا ہے) تاکہ وہ ملاقات والے (قیامت کے) دن سے لوگوں کو ڈرائے۔'' [5] روح سے مراد وحی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ 42:52) ''اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے وحی کی، اس سے پہلے آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے ...... الخ۔'' [6] یعنی محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے جزا و سزا جیسا کہ ابھی تفصیل گزری ہے۔ [7] یعنی ایک پانی سے جو ایک جاندار کے اندر سے نکلتا ہے جسے منی کہا جاتا ہے۔ اسے مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل صورت دی جاتی ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے اور ماں کے پیٹ سے نکال کر اس دنیا میں لاتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے لیکن جب اسے شعور آتا ہے تو اسی رب کے معاملے میں جھگڑتا، اس کا انکار کرتا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ [8] اسی احسان کے ساتھ دوسرے

Marfat.com

جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿6﴾ وَتَحْمِلُ

خوب صورتی (بھی) ہے جب تم انھیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور صبح چرانے لے جاتے ہو⑥[1] اور وہ

اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ

تمھارے بوجھ اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم جسمانی مشقت کے بغیر نہیں پہنچ

الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿7﴾ وَّالْخَيْلَ

پاتے تھے۔ بے شک تمھارا رب بڑا شفقت والا، بہت رحم والا ہے⑦ اور (اسی نے) گھوڑے،

وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ

خچر اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے (انھیں پیدا کیا)،[2] اور وہ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿8﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا

پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے⑧[3] اور سیدھی راہ اللہ ہی پر (جا پہنچتی) ہے،[4] اور بعض (راہیں)

جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿9﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ

ان میں سے ٹیڑھی ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا⑨[5] وہی ہے جس نے آسمان

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ

سے تمھارے لیے پانی نازل کیا، اسی سے پینا ہے اور اسی سے درخت (اگتے) ہیں جن میں

تُسِيْمُوْنَ ﴿10﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ

تم (جانور) چراتے ہو⑩ وہ اسی (پانی) سے تمھارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور

ع 1/9/7

احسان کا ذکر فرمایا کہ چوپائے (اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے، جن کے بالوں اور اون سے تم گرم کپڑے تیار کر کے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو، مثلاً: ان سے دودھ حاصل کرتے ہو، اونٹوں پر سواری کرتے اور سامان لادتے ہو، گائے بیل کے ذریعے سے ہل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

[1] تُرِيْحُوْنَ جب شام کو چراگاہوں سے گھر لاؤ، تَسْرَحُوْنَ جب صبح چرانے کے لیے لے جاؤ، ان دونوں وقتوں میں یہ لوگوں کی نظروں میں آتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں حسن و جمال کا ایک اچھا منظر ہوتا ہے۔ ان دونوں اوقات کے علاوہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے یا باڑوں میں بند رہتے ہیں۔ [2] یعنی ان کی پیدائش کا اصل مقصد اور فائدہ تو ان پر سواری کرنا ہے، تاہم یہ زینت کے اسباب بھی ہیں۔ گھوڑے کا خچر اور گدھوں کے ساتھ یکجا ذکر کرنے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر۔ علاوہ ازیں کھانے والے چوپایوں کا پہلے ذکر آچکا ہے، اس لیے اس آیت میں جن تین جانوروں کا ذکر ہے، یہ صرف رکوب (سواری) کے لیے ہیں لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ صحیح احادیث سے گھوڑے کی حلت ثابت ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے: «أَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ» (صحيح البخاري، حديث: 5520، وصحيح مسلم ، حديث: 1941) علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں خیبر اور مدینہ میں گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو: (صحيح مسلم، حديث: 1941) ، ومسند أحمد: 356/3، وسنن أبي داود ، حديث: 3789) اسی لیے جمہور علماء، ائمۂ ثلاثہ اور سلف و خلف کی اکثریت گھوڑے کی حلت کی قائل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) علاوہ ازیں خود حنفی فقہی کتابوں میں بھی گھوڑے کی حلت کی صراحت موجود ہے۔ یہاں گھوڑے کا ذکر محض سواری کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا غالب ترین استعمال اسی مقصد کے لیے ہے، وہ ساری دنیا میں ہمیشہ اتنا گراں اور قیمتی ہوا کرتا ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت ہی نادر ہے۔ بھیڑ بکری کی طرح اس کو خوراک کے لیے ذبح نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو بلا دلیل حرام ٹھہرا دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کے دو شاگرد ابو یوسف اور محمد بن حسن اس کی حلت کے قائل ہیں اور امام صاحب نے بھی آخر میں رجوع کر لیا تھا۔ (مظاہر حق، رد المختار) پھر معلوم نہیں بعض حنفی حضرات گھوڑے کی حلت سے کیوں انکار کرتے ہیں؟ [3] زمین کے زیریں حصے میں، اسی طرح سمندر میں اور بے آب و گیاہ صحراؤں اور جنگلوں میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرماتا رہتا ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، علاوہ ازیں اس میں انسان کی بنائی ہوئی وہ چیزیں بھی آجاتی ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے دماغ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کی پیدا کردہ چیزوں کو مختلف انداز میں جوڑ کر وہ تیار کرتا ہے، مثلاً: بس، کار، ریل گاڑی، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور اس طرح کی بے شمار چیزیں اور جو مستقبل میں متوقع ہیں۔ [4] اس کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں ”اور اللہ ہی پر ہے سیدھی راہ“۔ یعنی اس کا بیان کرنا، چنانچہ اس نے اسے بیان فرما دیا اور ہدایت اور ضلالت دونوں کو واضح کر دیا، اسی لیے آگے فرمایا کہ بعض راہیں ٹیڑھی ہیں، یعنی گمراہی کی ہیں۔ [5] لیکن اس میں چونکہ جبر ہوتا اور انسان کی آزمائش نہ ہوتی، اس لیے اللہ نے اپنی

Marfat.com

وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لیے بہت

يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

بڑی نشانی ہے [1] ⑪ اور اس نے تمھارے لیے مسخر کیے رات اور دن اور سورج اور چاند، اور

وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تمام تارے بھی اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند لوگوں کے لیے البتہ

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي

کئی نشانیاں ہیں ⑫ [2] اور رنگ برنگ کی وہ چیزیں بھی (تابع کر دیں) جو اس (اللہ) نے

الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

تمھارے لیے زمین میں پیدا کیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے

لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ

ہیں بہت بڑی نشانی ہے ⑬ [3] اور وہی ہے جس نے سمندر مسخر کیا تاکہ تم اس میں سے

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

تروتازہ (مچھلی کا) گوشت کھاؤ، اور اس میں سے زیور (موتی) نکالو جو تم پہنتے ہو۔

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

اور تو کشتیاں دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں، اور تاکہ تم اس (اللہ) کا

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ

فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو ⑭ [4] اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال (گاڑ) دیے کہ وہ

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮

تمھیں لے کر جھک (نہ) پڑیں، [5] اور نہریں اور راستے بنائے، تاکہ تم راہ پاؤ ⑮ [6] اور (دیگر)

وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ⑯ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ

نشانیاں (بنائیں) اور تاروں سے بھی لوگ راہ پاتے ہیں ⑯ بھلا جو (اللہ سب کچھ) تخلیق کرتا

كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰ وَاِنْ تَعُدُّوْا

ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) تخلیق نہیں کرتا؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ ⑰ [7] اور اگر تم

نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑱ وَاللّٰهُ

اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو انھیں گن نہ سکو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑱ اور

مشیت سے سب کو مجبور نہیں کیا بلکہ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے۔

[1] اس میں بارش کے وہ فوائد بیان کیے گئے ہیں جو ہر شخص کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ نیز ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ [2] کہ کس طرح رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، چاند اور سورج کس طرح اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں رہتے ہیں اور ان میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا، ستارے کس طرح آسمان کی زینت اور رات کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے دلیل راہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔ [3] یعنی زمین میں اللہ نے جو معدنیات، نباتات، جمادات اور حیوانات اور ان کے منافع اور خواص پیدا کیے ہیں، ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [4] اس میں سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو انسان کے تابع کر دینے کے بیان کے ساتھ، اس کے تین فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے مچھلی کی شکل میں تازہ گوشت کھاتے ہو (اور مچھلی مردہ بھی ہو تب بھی حلال ہے۔ علاوہ ازیں حالت احرام میں بھی اس کا شکار کرنا حلال ہے۔) دوسرے، اس سے تم موتی، سیپیاں اور جواہر نکالتے ہو جن سے تم زیور بناتے ہو۔ تیسرے، اس میں تم کشتیاں اور جہاز چلاتے ہو جن کے ذریعے سے تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہو، تجارتی سامان بھی لاتے، لے جاتے ہو، جس سے تمھیں اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے جس پر تمھیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ [5] یہ پہاڑوں کا فائدہ بیان کیا جا رہا ہے اور اللہ کا ایک احسان عظیم بھی کیونکہ اگر زمین ہلتی رہتی تو اس میں سکونت ممکن ہی نہ رہتی۔ اس کا اندازہ ان زلزلوں سے کیا جا سکتا ہے جو چند سیکنڈوں اور لمحوں کے لیے آتے ہیں لیکن کس طرح وہ بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو پیوند زمین اور شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ [6] نہروں کا سلسلہ بھی عجیب ہے، کہاں سے وہ شروع ہوتی ہیں اور کہاں کہاں، دائیں بائیں، شمال جنوب، مشرق مغرب ہر جہت کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی طرح راستے بنائے جن کے ذریعے سے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔ [7] ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان تمام چیزوں کا خالق ہے لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، انھوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں، پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ تم نے انھیں معبود بنا کر اللہ کے برابر ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا بھی نہیں سوچتے؟

Marfat.com

يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ⑲ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو⑲ [1] اور لوگ جنھیں اللہ کے سوا پکارتے
دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ⑳ اَمْوَاتٌ
ہیں وہ کوئی چیز تخلیق نہیں کرتے، جبکہ وہ خود تخلیق کیے گئے ہیں⑳ [2] (وہ) مردے ہیں،
غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ㉑ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
زندہ نہیں [3] اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے㉑ [4] تمھارا معبود بس ایک ہی
وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ
معبود ہے، چنانچہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل منکر ہیں، اور وہ تکبر
وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ㉒ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
کرنے والے ہیں㉒ [5] بلاشبہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں،
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ㉓ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ
بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا㉓ [6] اور جب ان سے کہا جائے کہ تمھارے رب
اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ㉔ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ
نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں㉔ [7] تاکہ یوم قیامت وہ
كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ
اپنے کامل بوجھ اُٹھائیں اور کچھ ان کے بوجھ بھی جنھیں وہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، جان لو!
عِلْمٍ ۗ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ㉕ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
برا بوجھ ہے جو وہ اٹھاتے ہیں㉕ [8] تحقیق وہ لوگ مکر کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر اللہ
فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ
نے ان (کے مکر) کی عمارت کو بنیادوں سے آلیا، چنانچہ ان کے اوپر چھت

[1] اور اس کے مطابق وہ قیامت والے دن جزا اور سزا دے گا۔ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔ [2] اس آیت میں مزید وضاحت ہے، یعنی صفت کمال (خالقیت) کی نفی کے ساتھ صفت نقصان، یعنی کمی (مخلوق ہونے) کا اثبات بخلاف آیت اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ کے کیونکہ اس میں صرف صفت کمال کی نفی کی گئی ہے۔ (فتح القدير) [3] اس آیت میں مردہ سے مراد، فوت شدہ صالح وغیر صالح لوگ ہیں جن کی یہ مشرک لوگ عبادت کرتے تھے کیونکہ مرنے کے بعد اٹھایا جانا (جس کا انھیں شعور نہیں) جمادات کے بجائے ذی عقل جانداروں، انسانوں اور جنوں (خواہ صالح ہوں یا غیر صالح) ہی پر صادق آ سکتا ہے۔ ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ مزید وضاحت فرما دی کہ ”وہ زندہ نہیں ہیں۔“ اس سے قبر پرستوں کا بھی دو طرح سے واضح رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ قبروں میں مدفون مردہ نہیں، زندہ ہیں۔ اور ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے کے بعد دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی، نہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہی باقی رہتا ہے۔ [4] پھر ان سے نفع کی اور ثواب وجزا کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ [5] یعنی ایک الٰہ کا ماننا منکرین اور مشرکین کے لیے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ (ص 38:5) ”اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔“ دوسرے مقام پر فرمایا: وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (الزمر 39:45) ”جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرینِ آخرت کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔“

[6] اِسْتِكْبَارٌ کا مطلب ہوتا ہے: اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر وکمتر سمجھنا۔ کبر کی یہی تعریف حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 91) یہ کبر وغرور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ» (صحيح مسلم، حديث: 91) ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہوگا۔“

[7] یعنی اعراض اور استہزا کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مکذبین جواب دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نہیں اتارا اور یہ محمد (ﷺ) ہمیں جو پڑھ کر سناتا ہے، وہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو کہیں سے سن کر بیان کرتا ہے۔ [8] یعنی ان کی زبانوں سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے نکلوائی تاکہ وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بار بھی اٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے۔“ (سنن أبي داود، حديث: 4609)

Marfat.com

مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾

گر پڑی [1] اور ان پر عذاب آیا جہاں سے وہ شعور نہ رکھتے تھے ﴿26﴾ [2]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

پھر یوم قیامت اللہ انھیں رسوا کرے گا اور کہے گا: میرے شریک کہاں ہیں جن کی بابت تم

كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ

(مومنوں سے) جھگڑتے تھے؟ [3] وہ لوگ کہیں گے جنھیں علم دیا گیا تھا: [4] بے شک آج کا دن

الْيَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿27﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

کافروں کے لیے رسوائی اور بدبختی ہے ﴿27﴾ وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ

اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے، تو وہ (یہ کہتے ہوئے) سرتسلیم خم کردیتے ہیں کہ ہم تو کوئی برا عمل نہیں

سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾

کرتے تھے [5] (فرشتے کہتے ہیں:) کیوں نہیں! بے شک اللہ کو معلوم ہے جو تم عمل کرتے تھے ﴿28﴾ [6]

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى

چنانچہ تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، [7] اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سو کیسا برا ٹھکانا ہے تکبر

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿29﴾ وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ

کرنے والوں کا! ﴿29﴾ اور (جب) پوچھا جاتا ہے متقی لوگوں سے کہ تمھارے رب نے کیا نازل

قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ

کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: خیر ہی خیر۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی

وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿30﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

بھلائی ہے اور دار آخرت تو یقیناً بہترین ہے اور کیا خوب ہے متقی لوگوں کا گھر! ﴿30﴾ (یعنی) ہمیشہ

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا

کے باغات ہیں، وہ ان میں داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں ان کے

مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿31﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

لیے وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اللہ اسی طرح متقی لوگوں کو جزا دیتا ہے ﴿31﴾ جن کو فرشتے اس حال

[1] اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے جس نے آسمان پر چڑھنے کے لیے ایک بلند عمارت تعمیر کی جس پر چڑھ کر مکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی عمارت کو گرا دیا۔ بعض مفسرین کے خیال میں یہ ایک تمثیل ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی کے مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھت سمیت گر پڑے۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت عام ہے اور اس سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً: قوم عاد و قوم لوط وغیرہ۔

[2] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا (الحشر 2:59) ”پس اللہ (کا عذاب) ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔“ [3] یعنی یہ تو وہ عذاب تھے جو دنیا میں ان پر آئے اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اس طرح ذلیل و رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا: تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جو تم نے میرے لیے ٹھہرا رکھے تھے اور جن کی وجہ سے تم مومنوں سے لڑتے جھگڑتے تھے؟

[4] یعنی جن کو دین کا علم تھا اور دین کے پابند تھے وہ جواب دیں گے۔ [5] یہ مشرک ظالموں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات ڈالتے ہیں، یعنی سمع و طاعت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ جس طرح میدان حشر میں اللہ کے روبرو بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الأنعام 23:6) ”اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے۔“ دوسرے مقام پر فرمایا: ”جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کر (اپنے پاس جمع کرے گا) تو اللہ کے سامنے بھی یہ اسی طرح (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔“ (المجادلة 18:58) [6] فرشتے جواب دیں گے: کیوں نہیں! یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمھاری تو ساری عمر ہی برائیوں میں گزری ہے اور اللہ کے پاس تمھارے سارے عملوں کا ریکارڈ محفوظ ہے، تمھارے اس انکار سے اب کیا بنے گا! [7] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی موت کے فوراً بعد ان کی روحیں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں رہتے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جسم و روح میں بُعد کے باوجود ان میں ایک گونا تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے۔ (اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے۔) پھر جب قیامت برپا ہوگی تو ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹ آئیں گی اور ہمیشہ کے لیے یہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

Marfat.com

الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا

میں فوت کرتے ہیں کہ وہ (کفروشرک سے) پاک ہوتے ہیں تو (فرشتے) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو،[1] تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿32﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

جنت میں داخل ہوجاؤ اس کے بدلے جو تم عمل کرتے تھے ﴿32﴾ [2]وہ (کافر) یہی انتظار تو کرتے ہیں کہ

اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آئے[3] اسی طرح کیا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿33﴾ فَاَصَابَهُمْ

تھے[4] اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا،[5] لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿33﴾ [6]پھر انھوں نے جو کیا تھا

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿34﴾

اس کے برے نتائج انھیں پہنچے، اور انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿34﴾ [7]اور

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ

مشرک لوگوں نے کہا: اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ

شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ

ہمارے باپ دادا ہی، اور ہم اس (کے حکم) کے بغیر کوئی چیز حرام (بھی) نہ ٹھہراتے۔ اسی

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا

طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ رسولوں کے ذمے تو صرف صاف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿35﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا

صاف پہنچا دینا ہے ﴿35﴾ [8]اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو

[1] ان آیات میں ظالم مشرکوں کے مقابلے میں اہل ایمان وتقویٰ کا کردار اور ان کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ [2] سورۂ اعراف کی آیت: 43 کے تحت یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ تو ان میں دراصل کوئی منافات نہیں کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمال صالحہ ضروری ہیں، یعنی عمل صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلم ہے، اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی، اس لیے حدیث مذکور کا مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور عمل کی اہمیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحیح مسلم، حدیث: 2564) ”اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔“ [3] یعنی کیا یہ بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے یا رب کا حکم (عذاب یا قیامت) آجائے۔ [4] یعنی اس طرح سرکشی اور معصیت ان سے پہلے لوگوں نے بھی اختیار کیے رکھی جس پر وہ غضب الٰہی کے مستحق بنے۔ [5] اس لیے کہ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی عذر ہی باقی نہیں چھوڑا۔ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ان پر حجت تمام کر دی۔ [6] یعنی رسولوں کی مخالفت اور ان کی تکذیب کر کے خود ہی انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ [7] یعنی جب رسول ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ کا عذاب آجائے گا تو یہ استہزا کے طور پر کہتے کہ جا اپنے اللہ سے کہہ وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کر دے، چنانچہ اس عذاب نے انھیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔ [8] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطے کا ازالہ فرمایا ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ان چیزوں سے روک کیوں نہیں دیتا؟ وہ اگر چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہیں روکتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی رضا کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہے کا ازالہ ”رسولوں کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔“ کہہ کر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمھیں ان مشرکانہ امور سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اسی لیے وہ ہر قوم میں رسول بھیجتا اور کتابیں نازل کرتا رہا ہے اور ہر نبی نے آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ شرک کریں کیونکہ اگر اسے یہ پسند ہوتا تو اس کی تردید کے لیے وہ رسول کیوں بھیجتا؟ لیکن اس کے باوجود اگر تم نے رسولوں کی تکذیب کر کے شرک کا راستہ اختیار کیا اور اللہ نے اپنی مشیت تکوینیہ کے تحت قہراً وجبراً تمھیں اس سے نہیں روکا تو یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کا ایک حصہ ہے، جس کے تحت اس نے انسانوں کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے کیونکہ اس سے ان کی آزمائش مقصود ہے۔ ہمارے رسول ہمارا

Marfat.com

اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ
اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی، اور ان میں سے بعض
مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
پر ضلالت ثابت ہوگئی،1 لہٰذا تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿36﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ
انجام کیسا (عبرتناک) ہوا؟ (36) (اے نبی!) خواہ آپ ان کی ہدایت کے لیے کتنی ہی حرص
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
کریں، تو بے شک اللہ جسے گمراہ کرے اسے ہدایت نہیں دیتا، اور ان (گمراہوں) کا
نّٰصِرِيْنَ ﴿37﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ
مددگار کوئی بھی نہیں (37) 2 اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے دوبارہ
مَنْ يَّمُوْتُ ۚ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
نہیں اٹھائے گا،3 کیوں نہیں! (بلکہ وہ اٹھائے گا) یہ اس کے ذمے سچا وعدہ ہے اور لیکن اکثر
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ
لوگ علم نہیں رکھتے (38) 4 تاکہ ان کے لیے وہ بات واضح کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿39﴾ اِنَّمَا
تھے، اور تاکہ معلوم ہو جائے کافروں کو کہ بے شک وہی جھوٹے تھے (39) 5 جب ہم کسی چیز کا
قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
ارادہ کرلیں تو اس کے لیے ہمارا صرف یہی قول ہوتا ہے کہ ہم اس سے کہتے ہیں: ہوجا! تو وہ
فَيَكُوْنُ ﴿40﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
ہوجاتی ہے (40) 6 اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی،7 البتہ ہم
ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ
انھیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے،8 اور یقیناً آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے،9 کاش!

پیغام تم تک پہنچا کر یہی سمجھاتے رہے کہ اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرو بلکہ اللہ کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرو! ہمارے رسول یہی کچھ کر سکتے تھے جو انھوں نے کیا۔ اور تم نے شرک کر کے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

[1] مذکورہ شبہے کے ازالے کے لیے مزید فرمایا کہ ہم نے تو ہر امت میں رسول بھیجا اور یہ پیغام ان کے ذریعے سے پہنچایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو لیکن جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی، انھوں نے اس کی پروا ہی نہ کی۔ [2] اس میں اللہ فرما رہا ہے: اے پیغمبر! آپ کی خواہش یقیناً یہی ہے کہ یہ سب ہدایت کا راستہ اپنا لیں لیکن قوانین الٰہیہ کے تحت جو گمراہ ہوگئے ہیں، ان کو آپ ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتے، یہ تو اپنے آخری انجام کو پہنچ کر ہی رہیں گے، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

[3] کیونکہ مٹی میں مل جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا انھیں مشکل اور ناممکن نظر آتا تھا۔ اسی لیے رسول جب انھیں بعث بعد الموت کی بابت کہتا ہے تو اسے جھٹلاتے ہیں، اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس، یعنی دوبارہ زندہ نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں بھی بڑی تاکید اور یقین کے ساتھ۔ [4] اسی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب و مخالفت کرتے ہوئے دریائے کفر میں ڈوب جاتے ہیں۔ [5] یہ وقوع قیامت کی حکمت وعلت بیان کی جارہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے اور اہل حق اور اہل تقویٰ کو اچھی جزا اور اہل کفر وفسق کو ان کے برے عملوں کی سزا دے گا۔ نیز اس دن اہل کفر پر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ قیامت کے عدم وقوع پر جو قسمیں کھاتے تھے، ان میں وہ جھوٹے تھے۔ [6] یعنی لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو مگر اللہ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں، اسے زمین و آسمان ڈھانے کے لیے مزدوروں، انجینئروں اور مستریوں اور دیگر آلات و وسائل کی ضرورت نہیں۔ اسے تو صرف لفظ ”کُنْ“ کہنا ہے، اس کے لفظ ”کُنْ“ سے پلک جھپکنے میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ ﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾ (النحل 16:77) ”قیامت کا معاملہ پلک جھپکنے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہو جائے گا۔“ [7] ہجرت کا مطلب ہے: اللہ کے دین کے لیے، اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن، اپنے رشتے دار اور دوست احباب چھوڑ کر ایسے علاقے میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے۔ اس آیت میں ان ہی مہاجرین کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے زیادہ تھی جن میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ (دختر رسول ﷺ) رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ [8] اس سے رزق طیب اور بعض نے مدینہ مراد لیا ہے جو مسلمانوں کا مرکز بنا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں

Marfat.com

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾

وہ علم رکھتے (41) وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں (42)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرد ہی (نبی) بھیجے تھے، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے، لہٰذا تم

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿43﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ

اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو اگر تم علم نہیں رکھتے (43) [1] (ہم نے انھیں) واضح دلائل اور کتابوں

اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

کے ساتھ (بھیجا تھا)، اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿44﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ

کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اور شاید کہ وہ غور و فکر کریں (44) کیا بے خوف ہوگئے ہیں وہ

اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

لوگ جنھوں نے برے مکر کیے کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر (وہاں سے) عذاب لے آئے

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿45﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

جہاں سے وہ شعور نہیں رکھتے (45) یا ان کے چلنے پھرنے کے دوران میں وہ انھیں پکڑ لے،[2] پھر وہ

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿46﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ

اسے عاجز کرنے والے نہیں (46) یا انھیں حالتِ خوف میں مبتلا کر کے پکڑ لے،[3] پھر بلاشبہ تمھارا رب

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿47﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ

بہت شفقت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (47) [4] کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھتے

يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ

کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں جانب سے ڈھلتے ہیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے، اور (اس کے

دٰخِرُوْنَ ﴿48﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ

سامنے) وہ سب عاجز ہیں (48) [5] اور آسمانوں اور زمین کے تمام جاندار اللہ کو سجدہ کرتے

دَاۗبَّةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ

ہیں اور تمام فرشتے بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے (49) وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے

فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿50﴾ ۧ السجدة وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ

ڈرتے ہیں،[6] اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے (50) [7] اور اللہ نے فرمایا: دو الٰہ مت بناؤ،

ع 6 10 12 السجدة 3

قولوں میں منافات نہیں ہے، اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انھیں ان کا نعم البدل عطا فرما دیا۔ رزق طیب بھی دیا اور پورے عرب پر انھیں اقتدار و تمکن عطا فرما دیا۔ [9] کہا گیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب مہاجرین و انصار کے وظیفے مقرر کیے تو ہر مہاجر کو وظیفہ دیتے ہوئے فرماتے: «هٰذَا مَا وَعَدَكَ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا» ”یہ وہ ہے جس کا اللہ نے تجھ سے دنیا میں وعدہ کیا ہے۔“ «وَمَا ادَّخَرَ لَكَ فِي الْاٰخِرَةِ أَفْضَلُ» ”اور آخرت میں تیرے لیے جو ذخیرہ ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔“ (ابن کثیر)

[1] اَهْلَ الذِّكْرِ سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے، وہ انسان ہی تھے، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کر دو۔ اگر تمھیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا ملائکہ؟ وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟ (مزید دیکھیے: سورۂ انبیاء 21:7 کا حاشیہ) [2] اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں، مثلاً: ① جب تم تجارت اور کاروبار کے لیے سفر پر جاؤ ② جب تم کاروبار کو فروغ دینے کے لیے مختلف حیلے اور طریقے اختیار کرو ③ یا رات کو آرام کرنے کے لیے اپنے بستروں پر جاؤ۔ یہ تَقَلُّبْ کے مختلف مفہوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان صورتوں میں بھی تمھارا مؤاخذہ کر سکتا ہے۔ [3] تَخَوُّفٍ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہی دل میں عذاب اور مؤاخذے کا ڈر ہو۔ جس طرح بعض دفعہ انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں اللہ میری گرفت نہ کر لے، چنانچہ بعض دفعہ اس طرح بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔ [4] کہ وہ گناہوں پر فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور اس مہلت سے بہت سے لوگوں کو توبہ و استغفار کی توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ [5] اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت شان کا بیان ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور مطیع ہے۔ جمادات ہوں یا حیوانات یا جن و انسان اور ملائکہ۔ ہر وہ چیز جس کا سایہ ہے جو دائیں بائیں جھکتا ہے تو وہ صبح و شام اپنے سائے کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ (ابن کثیر) [6] اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ [7] اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ جس کا حکم دیا جاتا ہے، بجا لاتے ہیں جس سے منع کیا جاتا ہے، اس

Marfat.com

اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿51﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
بس وہ اکیلا الٰہ ہے،[1] لہٰذا تم مجھی سے ڈرو (51) اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں
وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۚ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿52﴾ وَمَا
ہے، اور اسی کی اطاعت دائمی ہے۔[2] کیا پھر تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ (52) اور تمھارے پاس جو
بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ
بھی نعمت ہے وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہے،[3] پھر جب تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے
فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿53﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
تم آہ و فغان کرتے ہو (53) [4] پھر جب وہ تم سے تکلیف ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک فریق اپنے رب
مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا
کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے (54) تاکہ ان (نعمتوں) کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دیں،[5] چنانچہ تم
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ
فائدہ اٹھا لو، پھر جلد تم جان لوگے (55) [6] اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے ان (باطل
نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۗ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ
معبودوں) کا حصہ ٹھہراتے ہیں[7] جنھیں یہ جانتے بھی نہیں، اللہ کی قسم! تم سے تمھاری افترا پردازیوں کا
تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ
ضرور سوال ہوگا (56) [8] اور وہ اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ (اولاد سے) پاک ہے، اور ان کے
مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ
لیے ہے جو وہ چاہیں (یعنی بیٹے) (57) [9] اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا

سے دور رہتے ہیں۔

[1] کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق ہے ہی نہیں۔ اگر آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا، یہ فساد اور خرابی کا شکار ہو چکا ہوتا ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الأنبیآء 22:21)، اس لیے ثَنَوِیَّتْ (دو خداؤں) کا عقیدہ جس کے مجوسی حامل رہے ہیں یا تَعَدُّدِ اِلٰه (بہت سارے معبودوں) کا عقیدہ جس کے اکثر مشرکین قائل رہے ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ جب کائنات کا خالق ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیرے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔ [2] اسی کی عبادت و اطاعت دائمی اور لازم ہے۔ ﴿وَاصِبًا﴾ کے معنی ہمیشگی کے ہیں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ﴾ (الصّٰفّٰت 9:37) "اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کا۔" اور اس کا وہی مطلب ہے جو دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر 39: 3،2) "پس اللہ کی عبادت کرو اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اسی اللہ کے لیے خالص بندگی ہے۔" [3] جب سب نعمتوں کا دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں؟ [4] اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب و وجدان کی گہرائیوں میں راسخ ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آجاتا ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گھرے ہو جاتے ہیں۔ [5] لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف (بیماری، تنگ دستی اور نقصان وغیرہ) کے دور ہوتے ہی وہ پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے یا اترانے اور اکڑنے لگتا ہے۔ (ھود 11:10) یا کہتا ہے: یہ تو میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے۔ (الزمر 39: 49) یا کہتا ہے: میں تو نعمتوں ہی کا مستحق تھا۔ (حٰمٓ السجدۃ 41:50) [6] یہ اس طرح ہی ہے جیسے اس سے قبل فرمایا تھا: ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ﴾ ○ (إبراهیم 14:30) "کہہ دیجیے: چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھا لو! بالآخر تمھارا ٹھکانا جہنم ہے۔" یعنی یہ زجر و توبیخ اور تہدید ہے۔ [7] یعنی جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا اور معبود سمجھتے ہیں، وہ پتھر کی مورتیاں ہیں یا جنات و شیاطین ہیں جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں۔ اسی طرح قبروں میں مدفون لوگوں کی حقیقت بھی کوئی نہیں جانتا، لیکن ان ظالم لوگوں نے ان کی حقیقت سے ناآشنا ہونے کے باوجود انھیں اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کے لیے بھی (نذر و نیاز کے طور پر) حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کا حصہ رہ جائے تو بے شک رہ جائے، ان کے حصے میں کمی نہیں کرتے جیسا کہ سورۂ انعام 6:136 میں بیان کیا گیا ہے۔ [8] تم جو اللہ پر افترا کرتے ہو کہ اس کا شریک یا شرکاء ہیں، اس کی بابت قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا۔ [9] عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کنانہ) فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی، جبکہ اس کی کوئی اولاد نہیں، پھر اولاد بھی مؤنث جسے وہ اپنے لیے پسند ہی نہیں کرتے، اللہ کے لیے اسے پسند کیا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ ○ (النجم 53: 22،21) "کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔" یہاں فرمایا کہ تم تو یہ خواہش رکھتے ہو کہ بیٹے ہوں، بیٹی کوئی نہ ہو۔

Marfat.com

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (58) يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا

چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے (58) وہ اس عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے

بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ

جس کی اسے بشارت دی گئی ہے، (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی

اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (59) لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ

میں دبا دے؟ آگاہ رہو! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں (59) [1] جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان

السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (60) ع 7/10/13

کے لیے بری مثال ہے، [2] اور اللہ کے لیے اعلیٰ مثال ہے، اور وہ غالب، خوب حکمت والا ہے (60) [3]

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ

اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم پر ان کا مواخذہ کرے تو اس (زمین) پر کوئی چلنے پھرنے

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

والا نہ چھوڑے، [4] لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انھیں ڈھیل دیتا ہے، [5] پھر جب ان کا مقرر

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (61) وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ

وقت آپہنچتا ہے تو وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے (61) اور وہ اللہ کے لیے وہ چیز

مَا يَكْرَهُوْنَ ؕ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ

ٹھہراتے ہیں جس سے خود کراہت کرتے ہیں، [6] اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ بے شک ان کے

لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ

لیے بھلائی ہے۔ [7] بلاشبہ یقیناً ان کے لیے آگ ہے اور بے شک وہ (اس میں) سب سے آگے بھیجے

مُّفْرَطُوْنَ (62) تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

جائیں گے (62) [8] اللہ کی قسم! البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے

[1] یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو مذکور ہوا اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ کیسا برا یہ فیصلہ کرتے ہیں! یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ نہیں، اللہ کے نزدیک لڑکے، لڑکی میں اس حوالے سے کوئی تمیز نہیں ہے، نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔ یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے جو انھوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کیا تھا، درآں حالیکہ اللہ کی برتری اور فوقیت کے وہ قائل بھی تھے جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیز یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انھوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔ [2] یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں، انھی کے لیے بری مثال یا صفت ہے، یعنی جہل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی جو بیوی اور اولاد یہ ٹھہراتے ہیں، یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔ [3] یعنی اس کی ہر صفت مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً: اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت لامتناہی ہے، اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔ وعلٰی هذا القیاس. یا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے، خالق ہے، رازق اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ۔ (فتح القدیر) یا بری مثال کا مطلب نقص، کوتاہی ہے اور مثل اعلیٰ کا مطلب کمال مطلق ہر لحاظ سے اللہ کے لیے ہے۔ ابن کثیر) [4] یہ اس کا حلم اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مؤاخذہ ہی کرتا ہے، حالانکہ اگر ارتکابِ معصیت کے ساتھ ہی وہ مؤاخذہ کرنا شروع کر دے تو ظلم و معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے کیونکہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں نیک لوگ عنداللہ سرخرو رہیں گے، جیسا کہ حدیث میں وضاحت آتی ہے: «إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا، أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بُعِثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ» (صحيح البخاري، حديث: 7108، وصحيح مسلم، حديث: 2879) [5] اللہ تعالیٰ انھیں ایک خاص وقت تک مہلت دیتا ہے اور اس میں کئی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دوسری یہ کہ ان کی اولاد جو اللہ کے علم کے مطابق پیدا ہونی ہے، وہ پیدا ہو جائے۔ [6] یعنی بیٹیاں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ [7] یہ ان کی دوسری خرابی کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرتے ہیں لیکن ان کی زبانیں یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کا انجام اچھا ہے، ان کے لیے بھلائیاں ہیں اور دنیا کی طرح ان کی آخرت بھی اچھی ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، نہ یہ ممکن ہی ہے۔ [8] یعنی یقیناً ان کا انجام اچھا نہیں، برا ہے اور وہ ہے جہنم کی آگ، جس میں وہ دوزخیوں کے پیش رو، یعنی پہلے جانے والے ہوں گے۔ فَرَط کے یہی معنی حدیث سے بھی ثابت ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ» (صحيح البخاري، حديث: 6575، وصحيح مسلم، حديث: 2290) ''میں

Marfat.com

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ
ان کے (برے) اعمال ان کے لیے خوش نما کر دیے[1] چنانچہ آج وہی ان کا دوست ہے[2] اور ان کے لیے
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا
دردناک عذاب ہے ﴿63﴾ اور ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ان پر
لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً
وہ چیز واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں،[3] اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿64﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ
ہدایت اور رحمت ہے ﴿64﴾ اور اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿65﴾
موت کے بعد زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ نشانی ہے جو سنتے ہیں ﴿65﴾ اور
وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ
بے شک تمھارے لیے چوپایوں[4] میں بھی عبرت (غور و فکر کا سامان) ہے۔ ہم تمھیں پلاتے ہیں اس
مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور لہو کے بیچ سے خالص دودھ، پینے والوں کے لیے آسانی سے
لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿66﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ
(حلق میں) اتر جانے والا ہے ﴿66﴾[5] اور کھجوروں اور انگوروں کے کچھ پھل وہ ہیں جن سے تم نشہ (آور
مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
شراب)[6] اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل
يَّعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ
رکھتے ہیں ﴿67﴾ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو الہام[7] کیا کہ تو پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنا اور
بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿68﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ
درختوں میں اور ان میں، جو لوگ چھپر بناتے ہیں ﴿68﴾ پھر ہر قسم کے پھلوں (اور پھولوں) سے کھا
الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا
(رس چوس)، پھر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر چل۔ ان کے پیٹوں سے مختلف رنگوں[8]
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ
کا مشروب (شہد)[9] نکلتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے،[10] بے شک اس میں بھی غور و فکر

حوض کوثر پر تمھارا پیش رو ہوں گا۔" مُّفْرَطُوْنَ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ انھیں جہنم میں ڈالنے کے بعد چھوڑ کر فراموش کر دیا جائے گا۔

[1] جس کی وجہ سے انھوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جس طرح اے پیغمبر! قریش مکہ تیری تکذیب کر رہے ہیں۔ [2] اَلْيَوْمَ سے یا تو زمانۂ دنیا مراد ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے یا اس سے مراد یوم آخرت ہے کہ وہاں بھی یہ ان کا ساتھی ہوگا اور اس کا ساتھی ہونا فائدہ کی بجائے نقصان و حرمان کا باعث ہے۔ یا وَلِيُّهُمْ میں هُمْ کا مرجع کفار مکہ ہیں، یعنی یہی شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا، آج وہ ان کفارِ مکہ کا دوست ہے اور انھیں تکذیبِ رسالت پر مجبور کر رہا ہے۔ [3] اس میں نبی ﷺ کے فرائض منصبیہ کو بیان کیا گیا ہے کہ عقائد و احکام شرعیہ کے سلسلے میں یہود و نصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلاف ہے، اس کی اس طرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تاکہ لوگ حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کریں۔ [4] الْاَنْعَامِ (چوپائے) سے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری مراد ہوتے ہیں۔ [5] یہ چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گوبر اور پیشاب بنتا ہے۔ خون، رگوں میں اور دودھ تھنوں میں اسی طرح گوبر اور پیشاب اپنے اپنے مخرج میں منتقل ہو جاتے ہیں اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گوبر، پیشاب کی بدبو۔ سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔ [6] یہ آیت اس وقت اتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لیے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس میں سَكَرًا کے بعد وَرِزْقًا حَسَنًا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رزق حسن نہیں ہے، نیز یہ سورت مکی ہے جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اشارہ ہے، پھر مدنی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہوگئی۔ [7] وحی سے مراد الہام اور وہ سمجھ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طبعی ضروریات کی تکمیل کے لیے حیوانات کو بھی عطا کی ہے۔ [8] کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی نیلا اور کوئی زرد رنگ کا۔ جس قسم کے پھلوں اور کھیتوں سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے، اسی حساب سے اس کا رنگ اور ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ [9] شہد کی مکھی پہلے پہاڑوں میں، درختوں میں اور انسانی عمارتوں کی بلندیوں پر اپنا مسدس خانہ اور چھتہ اس طرح بناتی ہے کہ درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہتا، پھر وہ

Marfat.com

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۣ

کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے ﴿69﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا، پھر وہی تمھیں وفات

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ

دیتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ناکارہ عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ علم کے بعد کچھ نہ جانے۔[1] بے شک

اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿70﴾ ع وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ

اللہ خوب جاننے والا، خوب قدرت والا ہے ﴿70﴾ اور اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر

فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا

فضیلت دی، پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق ان لوگوں کی طرف نہیں لوٹانے والے جو ان

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

کے دائیں ہاتھ کی ملکیت میں (غلام) ہیں کہ وہ اس (رزق) میں برابر ہوں۔[2] کیا پھر وہ اللہ کی نعمتوں

يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ

ہی کے منکر ہیں؟ ﴿71﴾ [3] اور اللہ نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمھارے

لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ

لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿72﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں[4] اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿72﴾ اور وہ اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

ان کی عبادت کرتے ہیں جنھیں آسمانوں اور زمین سے ان کے لیے کسی رزق کا کوئی اختیار نہیں

وَالْاَرْضِ شَيْـــًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿73﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ

اور نہ وہ (اس کی) استطاعت ہی رکھتے ہیں ﴿73﴾ [5] چنانچہ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔

باغوں، جنگلوں، وادیوں اور پہاڑوں میں گھومتی پھرتی ہے اور ہر قسم کے اچھے پھلوں کا جوس اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے اور پھر انھی راہوں سے، جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے، واپس لوٹتی ہے اور اپنے چھتے میں آکر بیٹھ جاتی ہے، جہاں اس کے پیٹ سے وہ شہد نکلتا ہے جسے قرآن نے ”شراب“ سے تعبیر کیا ہے، یعنی مشروب روح افزا۔ [10] شِفَاۗءٌ میں تنوین تعظیم کے لیے ہے تعمیم کے لیے نہیں، یعنی شہد میں بیماری یا بیماریوں کے لیے عظیم شفا ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً ہر بیماری کا علاج ہے۔ علمائے طب نے بھی صراحت کی ہے کہ شہد یقیناً ایک شفا بخش قدرتی مشروب ہے۔ لیکن مخصوص بیماریوں کے لیے نہ کہ ہر بیماری کے لیے جبکہ بعض نے اسے عموم پر رکھا ہے، یعنی ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو حلوا (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 5614) ایک دوسری روایت میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”تین چیزوں میں شفا ہے۔ فصد کھلوانے (پچھنے لگانے) میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 5683) حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ ”اسہال (دست) کے مرض میں آپ ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا جس سے دستوں میں اضافہ ہوگیا، آکر بتلایا گیا تو دوبارہ آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا جس سے مزید دست آنے لگے (اور گھر والے سمجھے کہ شاید مرض میں اضافہ ہوگیا ہے) پھر نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا اور اسے شہد پلا، چنانچہ تیسری مرتبہ شہد پلایا تو اسے شفائے کاملہ حاصل ہوگئی۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 5716، وصحیح مسلم، حدیث: 2217)

[1] جب انسان طبعی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کا حافظہ بھی کمزور ہو جاتا اور بعض دفعہ عقل بھی ماؤف اور وہ نادان بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی ارذل العمر ہے جس سے نبی ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے۔ [2] یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اتنا مال اور اسباب دنیا نہیں دیتے کہ وہ تمھارے برابر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کب یہ پسند کرے گا کہ تم کچھ لوگوں کو جو اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں، اللہ کا شریک اور اس کے برابر قرار دے دو؟ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشی لحاظ سے انسانوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری نظام کے مطابق ہے۔ اسے جبری قوانین کے ذریعے سے ختم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے، یعنی معاشی مساوات کی غیر فطری کوشش کے بجائے ہر کسی کو معاشی میدان میں کسب معاش کے لیے مساوی طور پر دوڑ دھوپ کے مواقع میسر ہونے چاہئیں۔ [3] کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز نکالتے ہیں اور یوں کفران نعمت کرتے ہیں۔ [4] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان انعامات کا تذکرہ کر کے جو آیت میں مذکور ہیں، سوال کر رہا ہے کہ سب کچھ دینے والا تو اللہ ہے لیکن یہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں کا ہی کہنا مانتے ہیں۔ [5] یعنی اللہ کو چھوڑ کر عبادت بھی ایسے لوگوں کی کرتے ہیں جن کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿74﴾[1] اللہ نے مثال بیان کی ایک غلام مملوک کی جو کسی
عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا
چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اور (دوسرا) وہ جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا، چنانچہ وہ
رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۗ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۚ
اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا وہ دونوں برابر ہیں؟[2] تمام حمد اللہ ہی کے لیے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ
ہے، بلکہ ان کے اکثر لوگ (یہ حقیقت بھی) نہیں جانتے ﴿75﴾ اور اللہ نے دو شخصوں کی (ایک
مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ
اور) مثال بیان کی،[3] ان میں سے ایک گونگا (اور بہرا) ہے، وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا،
كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۗ هَلْ يَسْتَوِيْ
جبکہ وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے، جہاں کہیں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی خیر اور بھلائی نہیں لاتا۔
10 ع 6 16 هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿76﴾ ع
کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے[4] اور وہ صراط مستقیم پر ہے؟ ﴿76﴾
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ
اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا غیب ہے،[5] اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی
الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿77﴾
طرح ہے بلکہ اس سے بھی قریب تر، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿77﴾[6]
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا
اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا
وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصٰرَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ
کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے تھے،[7] اور اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے[8]

[1] جس طرح مشرکین مثالیں دیتے ہیں کہ بادشاہ سے ملنا ہو یا اس سے کوئی کام ہو تو کوئی براہ راست بادشاہ سے نہیں مل سکتا، اسے پہلے بادشاہ کے مقربین سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر بادشاہ تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی ذات بھی بہت اعلیٰ اور اونچی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کو ذریعہ بناتے ہیں یا بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اللہ کو اپنے پر قیاس مت کرو نہ اس قسم کی مثالیں دو، اس لیے کہ وہ تو واحد ہے، اس کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، پھر بادشاہ نہ تو عالم الغیب ہے، نہ حاضر و ناظر، نہ سمیع و بصیر کہ وہ بغیر کسی ذریعے کے رعایا کے حالات و ضروریات سے آگاہ ہو جائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے، رات کی تاریکیوں میں ہونے والے کاموں کو بھی دیکھتا ہے اور ہر ایک کی فریاد سننے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ اور حاکم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تقابل اور موازنہ؟ [2] یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پہلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو جب یہ دونوں مخلوق ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمھارے معبودان باطلہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور تمھارے معبودان باطلہ مخلوق۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پہلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اَصْنَام (مَعْبُودَانِ بَاطِلَة) اور عابد الصنم کی مثال ہے، پہلے سے مراد اصنام اور دوسرے سے عابد الصنم (بتوں کا پجاری) ہے۔ (فتح القدیر) [3] یہ ایک اور مثال ہے جس میں مزید وضاحت ہے۔ [4] اور کام کرنے پر قادر ہے کیونکہ ہر بات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، یعنی دین قویم اور سیرت صالحہ پر، یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں اشخاص برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں جن کو لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے۔ [5] یعنی آسمان و زمین میں جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں اور وہ بے شمار ہیں، ان کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں، یا آسمان و زمین کے غیب سے مراد قیامت کا علم ہے کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف ایک اللہ ہے نہ کہ وہ اصنام یا زندہ و فوت شدہ اشخاص جن کو کسی چیز کا علم نہیں، نہ وہ کسی کو نفع و نقصان پہنچانے پر ہی قادر ہیں۔ [6] یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ یہ وسیع و عریض کائنات اس کے حکم سے پلک جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی کم لمحے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ بات بطور مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر متناہی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے، اس کے ایک لفظ کُنْ سے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تو یہ قیامت بھی اس کے کُنْ (ہو جا) کہنے سے برپا ہو جائے گی۔ [7] شَيْـًٔا سیاق نفی میں واقع نکرہ ہے جس سے تعمیم مستفاد ہے، یعنی تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، نہ سعادت و شقاوت کو، نہ فائدے اور نقصان کو۔ [8] تاکہ کانوں کے

Marfat.com

تَشْكُرُوْنَ (78) اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ
تا کہ تم شکر کرو (78) [1] کیا انھوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، وہ آسمانی فضا میں مسخر (تابع فرمان)
جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
ہیں۔ اللہ کے سوا، انھیں (فضا میں) کوئی نہیں تھام رہا۔ [2] بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (79) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں (79) اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھر جائے سکونت بنائے اور
بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا
تمھارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) بنائے جنھیں تم ہلکا سمجھتے ہو اپنے کوچ کے
تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا
دن اور اپنے قیام کے دن [3] اور ان (بھیڑوں) کی اون سے اور ان (اونٹوں) کی پشم سے اور ان
وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (80)
(بکریوں) کے بالوں سے (گھریلو) اثاثے اور ایک مدت تک برتنے کی چیزیں (بنائیں) (80) [4]
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
اور اللہ نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں سے تمھارے لیے سائے بنائے، [5] اور تمھارے لیے پہاڑوں
الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ
میں چھپنے کے مقام (غار) بنائے، اور تمھارے لیے کرتے بنائے جو تمھیں گرمی سے بچاتے
وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
ہیں اور کرتے (زرہ بکتر) جو تمھاری لڑائی میں تمھیں بچاتے ہیں [6] اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں

ذریعے سے تم آوازیں سنو، آنکھوں کے ذریعے سے چیزوں کو دیکھو اور دل، یعنی عقل (کیونکہ عقل کا مرکز دل ہے) دی جس سے چیزوں کے درمیان تمیز کر سکو اور نفع و نقصان پہچان سکو، جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے، ان قویٰ و حواس میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ جب انسان شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی یہ صلاحیتیں بھی قوی ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ پھر کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

[1] یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کی ہیں کہ انسان ان اعضاء و جوارح کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ ان سے اللہ کی عبادت و اطاعت کرے۔ یہی اللہ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل کے ذریعے سے بھی وہ میرا زیادہ قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 6502) اس حدیث کا بعض لوگ غلط مفہوم لے کر اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں یا حلول کا کفریہ عقیدہ اختیار کرتے ہیں، حالانکہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی اطاعت و عبادت اللہ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے، جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے۔ وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اگر اطاعت الٰہی سے وہ خدائی اختیارات کا حامل ہو جاتا یا حلول ہوتا تو پھر اسے اللہ سے سوال کرنے کی اور اس سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ جبکہ اس حدیث میں کہا جا رہا ہے کہ میں اس کا سوال سنتا اور اسے پناہ دیتا ہوں، یعنی وہ سوال بھی اللہ ہی سے کرتا ہے اور پناہ بھی اسی سے ہی مانگتا ہے، یعنی مانگنے والا محتاج اور الگ ہے اور جس سے مانگ رہا ہے وہ اللہ کی ذات اعلیٰ برتر و بالا اور الگ ہے۔ [2] یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پرندوں کو اس طرح اڑنے کی اور ہواؤں کو انھیں اپنے دوش پر اٹھائے رکھنے کی طاقت بخشی۔ [3] یعنی چمڑے کے خیمے جنھیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تان کر موسم کی شدتوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہو۔ [4] أَصْوَافٌ، صُوفٌ کی جمع۔ بھیڑ کی اون۔ أَوْبَارٌ، وَبَرٌ کی جمع، اونٹ کے بال أَشْعَارٌ، شَعْرٌ کی جمع۔ بکری کے بال۔ ان سے کئی قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں جن سے انسان کو مال بھی حاصل ہوتا ہے اور ان سے ایک وقت تک فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔ [5] یعنی درخت جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔ [6] یعنی اون اور روئی کے کرتے جو عام پہننے میں آتے ہیں اور لوہے کی زرہیں اور خود جو جنگوں میں پہنی جاتی ہیں۔

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿81﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
تمام کرتا ہے، تاکہ تم مطیع ہو جاؤ﴿81﴾ پھر اگر وہ پھریں تو آپ کے ذمے تو صرف صاف صاف
الْمُبِيْنُ ﴿82﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ
پہنچا دینا ہے﴿82﴾ وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر
الْكٰفِرُوْنَ ﴿83﴾ ع وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ
ناشکرے ہیں﴿83﴾ [1] اور (یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، [2] پھر جنھوں
لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿84﴾ وَ اِذَا
نے کفر کیا، انھیں اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ ہی کا مطالبہ کیا جائے گا﴿84﴾ اور جن
رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ
لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی اور نہ
يُنْظَرُوْنَ ﴿85﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ
ان کو ڈھیل دی جائے گی﴿85﴾ [3] اور جن لوگوں نے شرک کیا جب وہ اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو دیکھیں
قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا
گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک ہیں جنھیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔ تب وہ
مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿86﴾
(شریک) ان کی بات ان کی طرف پھینک ماریں گے (اور کہیں گے:) بلاشبہ تم تو یقیناً جھوٹے ہو﴿86﴾ [4] اور
وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ
اس دن وہ اللہ کے حضور میں اپنی فرماں برداری (عاجزی) پیش کریں گے، اور ان سے وہ سب کچھ گم
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿87﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
ہو جائے گا جو وہ جھوٹ گھڑتے تھے﴿87﴾ جنھوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا،

[1] یعنی اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں پیدا کرنے والا اور ان کو استعمال میں لانے کی صلاحیتیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر بھی اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ناشکری کرتے ہیں، یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ [2] یعنی ہر امت پر اس امت کا پیغمبر گواہی دے گا کہ انھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی۔ اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے: (آیت:98 اور سورۂ نساء 41:4 کا حاشیہ) ان کافروں کو عذر پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر یا حجت ہوگی ہی نہیں۔ نہ ان سے کفر سے رجوع کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ اس کی ضرورت بھی اس وقت پیش آتی ہے جب کسی کو گنجائش دینا مقصود ہو اور اب اس کا وقت نہیں یا معنی یہ ہے کہ ان سے عتاب دور نہیں کیا جائے گا۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ انھیں اپنے رب کو راضی کرنے کا نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ موقع تو ان کو دنیا میں دیا جا چکا ہے جو دار العمل ہے۔ آخرت تو دار العمل نہیں، وہ تو دار الجزا ہے، وہاں تو اس چیز کا بدلہ ملے گا جو انسان دنیا سے کر کے گیا ہوگا، وہاں کچھ کرنے کا موقع کسی کو نہیں ملے گا۔ [3] ہلکا نہ کرنے کا مطلب، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا، عذاب اور مسلسل، بلا توقف عذاب ہوگا۔ اور نہ ڈھیل ہی دیے جائیں گے، یعنی ان کو فوراً لگاموں سے پکڑ کر اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا، توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا کیونکہ آخرت عمل کی جگہ نہیں، جزا کا مقام ہے۔ [4] معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے اپنے اس دعوے میں جھوٹے تو نہیں ہوں گے لیکن وہ شرکا، جن کو یہ اللہ کا شریک گردانتے تھے، کہیں گے: یہ جھوٹے ہیں۔ یہ یا تو شرکت کی نفی ہے، یعنی ہمیں اللہ کا شریک ٹھہرانے میں یہ جھوٹے ہیں، بھلا اللہ کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ یا اس لیے انھیں جھوٹا قرار دیں گے کہ وہ ان کی عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ جس طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے، مثلاً: فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ (یونس 29:10) ”ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے۔“ (مزید دیکھیے: الأحقاف 6,5:46، مریم 82,81:19، العنکبوت 25:29، الکہف 52:18 وغیرھا من الآیات۔) ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تمھیں اپنی عبادت کرنے کے لیے کبھی نہیں کہا تھا، اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکا اگر حجر و شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں قوت گویائی عطا فرمائے گا، جنات و شیاطین ہوں گے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے اور اگر اللہ کے نیک بندے ہوں گے جس طرح کہ متعدد صلحاء و اتقیاء اور اولیاء اللہ کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح کسی معبود کی خوف و رجا کے جذبات کے ساتھ کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو میدان حشر ہی میں بری فرما دے گا اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور ان کا جواب سورۂ مائدہ کے آخر میں مذکور ہے۔

Marfat.com

زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿88﴾ وَيَوْمَ
هم انھیں عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے[1] اس لیے کہ وہ فساد کرتے تھے ⑧⑧ اور (اے نبی! یاد
نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا
کرو) جس دن ہم ہر امت میں ان پر انھی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، اور آپ
بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا
کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے[2] اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿89﴾ اِنَّ
یہ کتاب نازل کی ہے[3] جو مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے ⑧⑨ بے شک
اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى
اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی،
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ
برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے[4] وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم
تَذَكَّرُوْنَ ﴿90﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا
نصیحت پکڑو ⑨⓪ اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کر لو اور قسمیں

ع 12 / 6 / 18

[1] جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے، اسی طرح جہنم میں کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا، جو گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے، ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہو گا۔ [2] یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور نبی ﷺ اور آپ کی امت اجابت کے لوگ انبیاء کی بابت گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں، انھوں نے یقیناً تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4487 و 4582) [3] الْكِتٰبَ سے مراد اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ اپنی احادیث کو بھی اللہ کے رسول ﷺ نے ''کتاب اللہ'' قرار دیا ہے جیسا کہ قصۂ عسیف وغیرہ میں ہے (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 6859) اور ہر چیز کے لیے تبیان، یعنی بیان ہے، کا مطلب ہے: ماضی اور مستقبل کی وہ خبریں جن کا علم ضروری اور مفید ہے۔ اسی طرح حرام وحلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن کے دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔ قرآن وحدیث دونوں میں، یہ سب چیزیں واضح کردی گئی ہیں۔ [4] عَدْل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں، یعنی اپنوں اور بیگانوں، سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد اور محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں، یعنی کسی معاملے میں بھی افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی کیونکہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو ہے جو سخت مذموم ہے اور تفریط، دین میں کوتاہی ہے، یہ بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ إِحْسَان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو ودرگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تَفَضُّل کے ہیں، یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا، مثلاً: کسی کام کی مزدوری سو روپے طے ہے لیکن دیتے وقت 10،20 روپے زیادہ دے دینا، طے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے۔ مزید 10،20 روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوش گواری اور اپنائیت وفدائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے ایک تیسرے معنی اخلاص عمل اور حسنِ عبادت کے ہیں جس کو حدیث میں «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ» ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى رشتے داروں کا حق ادا کرنا، یعنی ان کی امداد کرنا، اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور احادیث میں اس کی نہایت تاکید بیان کی گئی ہے۔ عدل واحسان کے بعد، اس کا الگ سے ذکر، یہ بھی صلہ رحمی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ الْفَحْشَآءِ سے مراد بے حیائی کے کام ہیں۔ آج کل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی اور آرٹ قرار پا گیا ہے یا ''تفریح'' کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے، تاہم محض خوشنما لیبل لگا لینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے مقدمات کو، رقص وسرود، بے پردگی اور فیشن پرستی کو اور مرد وزن کے بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، ان کا کتنا بھی اچھا نام رکھ لیا جائے، مغرب سے درآمد شدہ یہ خباثتیں جائز قرار نہیں پا سکتیں۔ الْمُنْكَرِ ہر وہ کام ہے جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور الْبَغْيِ کا مطلب ہے: ظلم وزیادتی کا ارتکاب۔ ایک حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ قطع رحمی اور الْبَغْيِ یہ دونوں جرم اللہ کو اتنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 4211)

Marfat.com

تَنْقُضُوا الْاَيْمٰنَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ
پکی کرنے کے بعدنہ توڑو جبکہ تم نے اللہ کو اپنا کفیل بنایا ہو،[1]
كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿91﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ
بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو (91) اور تم اس عورت کی طرح
نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمٰنَكُمْ
نہ ہوجاؤ جس نے اپنا سوت محنت سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔[2] تم اپنی قسموں کو باہم
دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا
فریب کا ذریعہ بناتے ہو[3] کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے (مال وافر میں) بڑھ جائے۔[4]
يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ
بے شک اللہ اس (عہدوپیماں) سے تمھیں آزماتا ہے۔ اور یوم قیامت وہ تم پر ضرور واضح کر دے گا
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿92﴾ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
جس میں تم اختلاف کرتے تھے (92) اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا،
وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم سے ضرور
وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمٰنَكُمْ
اس کا سوال ہوگا جو تم عمل کرتے تھے (93) اور تم اپنی قسموں کو باہم فریب دینے کا
دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ
ذریعہ نہ بناؤ کہ (اسلام پر کسی کا) قدم جمنے کے بعد ڈگمگا جائے، اور تم (دنیا میں) اس کی سزا چکھو
بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿94﴾
کہ تم نے (اسے) اللہ کی راہ سے روکا، اور (آخرت میں) تمھارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا (94) [5]
وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
اور اللہ کے عہد کے بدلے میں تھوڑی قیمت (دنیوی فائدے) نہ خریدو، بے شک جو اللہ کے
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿95﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ
ہاں (اجر) ہے وہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو (95) جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا،
وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا
اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور انھیں ان کا
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
اجروثواب ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے (96) جس نے نیک عمل کیے،

[1] قسم، ایک تو وہ ہے جو کسی عہد و پیمان کے وقت اسے مزید پختہ کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو انسان اپنے طور پر کسی وقت کھا لیتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ یہاں آیت میں اول الذکر قسم مراد ہے کہ تم نے قسم کھا کر اللہ کو ضامن بنا لیا ہے۔ اب اسے نہیں توڑنا، بلکہ اس عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے جس پر تم نے قسم کھائی ہے، کیونکہ ثانی الذکر قسم کی بابت تو حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ ''کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھا لے، پھر وہ دیکھے کہ زیادہ خیر دوسری چیز میں ہے (قسم کے خلاف کرنے میں ہے) تو وہ بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1650) نبی ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6649، و صحيح مسلم، حديث: 1649) [2] یعنی مؤکد بہ حلف عہد کو توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عورت سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ تمثیل ہے۔ [3] یعنی دھوکا اور فریب دینے کا ذریعہ بناؤ۔ [4] اَرْبٰی کے معنی اکثر کے ہیں، یعنی جب تم دیکھو کہ اب تم زیادہ ہو گئے ہو تو اپنے زعمِ کثرت میں حلف توڑ دو، جبکہ قسم اور معاہدے کے وقت وہ گروہ کمزور تھا لیکن کمزوری کے باوجود وہ مطمئن تھا کہ معاہدے کی وجہ سے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن تم غدر اور نقضِ عہد کر کے نقصان پہنچاؤ۔ زمانۂ جاہلیت میں اخلاقی پستی کی وجہ سے اس قسم کی عہد شکنی عام تھی، مسلمانوں کو اس اخلاقی پستی سے روکا گیا ہے۔ [5] مسلمانوں کو دوبارہ زورِ عہد شکنی سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری اس اخلاقی پستی سے کسی کے قدم ڈگمگا جائیں اور کافر تمھارا یہ رویہ دیکھ کر قبول اسلام سے رک جائیں اور یوں تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے مجرم اور سزا کے مستحق بن جاؤ۔ بعض مفسرین نے أَيْمَانٌ، يَمِينٌ (بمعنی قسم) کی جمع سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت مراد لی ہے، یعنی نبی ﷺ کی بیعت توڑ کر پھر مرتد نہ ہو جانا، تمھارے ارتداد کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی قبول اسلام سے رک جائیں گے اور یوں تم دگنے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (فتح القدير)

Marfat.com

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ
مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے[1] اور ہم انھیں
وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (97) فَاِذَا
ضرور ان کا اجروثواب ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے (97) پھر
قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (98)
جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں (98) [2]
اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ
بے شک ان لوگوں پر اس کا کوئی زور نہیں (چلتا) جو ایمان لائے اور اپنے رب پر
يَتَوَكَّلُوْنَ (99) اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
توکل کرتے ہیں (99) بس اس کا زور تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور (ان پر) جو
ع 13 11 19
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (100) ع وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ
اس (اللہ) کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں (100) اور جب ہم ایک آیت کی جگہ بدل کر دوسری آیت لائیں،
اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
اور اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل کرتا ہے، تو وہ (کافر) کہتے ہیں: یقیناً تو گھڑ لانے والا ہے،
لَا يَعْلَمُوْنَ (101) قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ
لیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے (101) [3] کہہ دیجیے: اس (قرآن) کو روح القدس (جبریل) نے آپ کے
بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى
رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے[4] تاکہ اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے[5] اور مسلمانوں کے
لِلْمُسْلِمِيْنَ (102) وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ
لیے ہدایت اور بشارت ہو (102) [6] اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں: یقیناً اس (نبی) کو ایک آدمی
بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا
سکھاتا ہے[7] اس شخص کی زبان عجمی ہے جس کی طرف یہ غلط نسبت کرتے ہیں، جبکہ یہ (قرآن
لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (103) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
تو) فصیح عربی زبان ہے (103) [8] بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انھیں ہدایت

[1] حَيٰوةً طَيِّبَةً (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک مومن جب عمل صالح اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں پاکیزہ زندگی عطا فرما دیتا ہے، پاک زندگی میں حلال روزی، قناعت، سچی عزت، سکون واطمینان، دل کی تونگری، اللہ کی محبت اور لذت سبھی چیزیں شامل ہیں، یعنی ایمان اور عمل صالح سے اخروی زندگی ہی نہیں بلکہ دنیوی زندگی بھی نہایت سکھ اور چین سے گزرے گی جو ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی، بلکہ وہ ایک گونہ قلق واضطراب کا شکار رہتا ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ 124:20) ”جس نے میری یاد سے اعراض کیا، اس کا گزران تنگی والا ہوگا۔“ [2] خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب ساری امت ہے، یعنی تلاوت کے آغاز میں أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ پڑھا جائے۔ [3] یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتے ہیں جس کی حکمت ومصلحت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کے مطابق وہ احکام میں ردوبدل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ اے محمد! یہ کلام تیرا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ بے علم ہیں، اس لیے یہ نسخ کی حکمتیں اور مصلحتیں کیا جانیں۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۂ بقرہ 2:106 کا حاشیہ) [4] یعنی یہ قرآن محمد ﷺ کا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے جبریل علیہ السلام جیسے پاکیزہ شخص نے سچائی کے ساتھ رب کی طرف سے اتارا ہے، جیسے دوسرے مقام پر ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعرآء 26:193، 194) ”اسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) آپ کے دل پر لے کر اترا ہے۔“ [5] اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناسخ اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں۔ علاوہ ازیں نسخ کے مصالح بھی جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثابت قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔ [6] اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے کیونکہ قرآن بھی بارش کی طرح ہے جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خاروخس کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ مومن کا دل طاہر اور شفاف ہے جو قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کا دل زمینِ شور کی طرح ہے جو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے، جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔ [7] بعض غلام تھے جو تورات وانجیل سے واقف تھے، پہلے وہ عیسائی یا یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے ان کی زبان بھی غیر فصیح تھی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فلاں غلام، محمد (ﷺ) کو قرآن سکھاتا ہے۔ [8] اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ

Marfat.com

لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي
نہیں دیتا، اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے ﴿104﴾ جھوٹ تو صرف
الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
وہ لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ
الْكٰذِبُوْنَ ﴿105﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ
جھوٹے ہیں ﴿105﴾ [1] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر
اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ
جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، [2] لیکن جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول
بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
دیا (راضی خوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا
عَظِيْمٌ ﴿106﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى
عذاب ہے ﴿106﴾ [3] یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں (زیادہ)
الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿107﴾ اُولٰٓئِكَ
محبوب رکھا، اور بے شک اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا ﴿107﴾ [4] یہی وہ لوگ ہیں
الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ
جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿108﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ
یہی لوگ غافل ہیں ﴿108﴾ [5] بلاشبہ یقیناً آخرت میں یہی لوگ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿109﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا
خسارہ پانے والے ہیں ﴿109﴾ پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے (مہربان ہے) جنھوں
مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ
نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿110﴾ ع يَوْمَ
(آزمائشوں) کے بعد (ان لوگوں کے لیے) البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿110﴾ [6] جس

14 ع 10 20

یہ جس آدمی یا آدمیوں کا نام لیتے ہیں وہ تو عربی زبان بھی فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتے جبکہ قرآن تو ایسی صاف عربی زبان میں ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجازِ بیان میں بے نظیر ہے اور چیلنج کے باوجود اس کی مثل ایک سورت بھی بنا کر پیش نہیں کی جاسکتی، دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب اس شخص کو عجمی (گونگا) کہتے ہیں جو فصیح و بلیغ زبان بولنے سے قاصر ہو اور غیر عربی کو بھی عجمی کہا جاتا ہے کہ عجمی زبانیں بھی فصاحت و بلاغت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

[1] اور ہمارا پیغمبر تو ایمانداروں کا سردار اور ان کا قائد ہے، وہ کس طرح اللہ پر افترا باندھ سکتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اس پر نازل نہ ہوئی ہو اور وہ یوں ہی کہہ دے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اس لیے جھوٹا ہمارا پیغمبر نہیں، یہ خود جھوٹے ہیں جو قرآن کے مُنَزَّل من اللہ ہونے کے منکر ہیں۔ [2] اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کر لے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے۔ قاله القرطبي. (فتح القدير) [3] یہ ارتداد کی سزا ہے کہ وہ غضب الٰہی اور عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس کی دنیوی سزا قتل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ بقرہ 2:217 و256 کا حاشیہ) [4] یہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے (مرتد ہو جانے) کی علت ہے کہ انھیں ایک تو دنیا محبوب ہے۔ دوسرے، اللہ کے ہاں یہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی ان کا دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کو فراموش کر دینا ہی ہے۔ انسان جب اللہ کو فراموش کر دیتا ہے تو پھر سرتا پا گناہوں میں ڈوب جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بطور سزا ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے، جس کے بعد ہدایت کا راستہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ یہ دراصل انسان کے اپنے ہی عمل کا نتیجہ ہے۔ [5] پس یہ وعظ و نصیحت کی باتیں سنتے ہیں، نہ انھیں سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں ہی دیکھتے ہیں جو انھیں حق کی طرف لے جانے والی ہیں بلکہ یہ ایسی غفلت میں مبتلا ہیں جس نے ہدایت کے راستے ان کے لیے مسدود کر دیے ہیں۔ [6] یہ مکے کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبولِ اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے۔ بالآخر انھیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو اپنے خویش و اقارب، وطن مالوف اور مال و جائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وار لڑے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور پھر اس کی راہ کی شدتوں اور الم ناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً آپ کا رب ان کے لیے غفور و رحیم ہے، یعنی رب کی

Marfat.com

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ

دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا [1] اور ہر کسی نے جو عمل کیے ان کا اسے پورا پورا

مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿111﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿111﴾ [2] اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے

قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا

جوامن واطمینان سے (آباد) تھی، اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا،

مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ

پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے

لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿112﴾ وَلَقَدْ

کرتوتوں کی وجہ سے بھوک چکھائی اور خوف کا لباس (پہنایا) ﴿112﴾ [3] اور یقینا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

ان کے پاس ایک رسول انھی میں سے آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی تب انھیں عذاب نے آ پکڑا [4]

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿113﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا

اور وہ ہی ظالم تھے ﴿113﴾ چنانچہ اس میں سے کھاؤ (پیو) جو اللہ نے تمھیں حلال پاکیزہ

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿114﴾

رزق دیا ہے اور اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو تو اللہ کی نعمت کا شکر کرو ﴿114﴾ [5]

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اللہ نے تو بس تم پر حرام کیا ہے: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

کا نام لیا گیا ہو [6] پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ نہ وہ باغی ہو اور نہ حد سے بڑھنے

مغفرت و رحمت کے حصول کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے جیسا کہ مذکورہ مہاجرین نے ایمان و عمل کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو رب کی رحمت و مغفرت سے وہ شادکام ہوئے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ.

[1] یعنی کوئی اور کسی کی حمایت میں آگے نہیں آئے گا نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیوی نہ کوئی اور بلکہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ بھائی بھائی سے، بیٹے ماں باپ سے، خاوند بیوی سے بھاگے گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی جو اسے دوسرے سے بے پروا کر دے گی۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس 37:80) ''ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہوگا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہوگا۔'' [2] یعنی نیکی کے ثواب میں کمی کر دی جائے اور برائی کے بدلے میں زیادتی کر دی جائے، ایسا نہیں ہوگا۔ کسی پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہیں ہوگا۔ برائی کا اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا کسی برائی کا ہو گا، البتہ نیکی کی جزا اللہ تعالیٰ خوب بڑھا چڑھا کر دے گا اور یہ اس کے فضل و کرم کا مظاہرہ ہوگا جو قیامت والے دن اہل ایمان کے لیے ہوگا۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

[3] اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے، یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے بددعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ! سَبْعًا كَسَبْعِ يُوسُفَ» (صحيح البخاري، حديث: 1007، وصحيح مسلم، حديث: 2798) یعنی اے اللہ! ان پر اس طرح قحط سالی مسلط کر دے جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے امن کو خوف سے اور خوش حالی کو بھوک سے بدل دیا حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا کر انھیں گزارا کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کفران نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہوگا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔ اس کے اس عموم سے جمہور مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔ وَالْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ. [4] اس عذاب سے مراد وہی خوف اور بھوک کا عذاب ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے، یا اس سے مراد کافروں کا وہ قتل ہے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔ [5] اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال و طیب چیزوں سے تجاوز کر کے حرام اور خبیث چیزوں کا استعمال اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔ اسی طرح ناجائز کاروبار اور حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنا بھی کفران نعمت ہے۔ علاوہ ازیں اللہ پر عدم اعتماد اور عدم توکل کی علامت ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا. [6] ان محرمات کا ذکر تین مرتبہ (البقرة 173:2، المآئدة 3:5، الأنعام 145:6 میں) پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہ چوتھا مقام ہے جہاں اللہ نے اسے پھر بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ ﴿اِنَّمَا﴾ حصر کے لیے ہے لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے، یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کو سامنے رکھتے ہوئے حصر لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو

Marfat.com

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿115﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا
والا، تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ﴿115﴾ اور اپنی زبانوں کے
لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا
جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے،
حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔[1] تاکہ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿116﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ
ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿116﴾ (ان کے لیے) تھوڑا سا
وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿117﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا
فائدہ ہے اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿117﴾ اور جو لوگ یہودی ہوئے ان

نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔ اس کی ضروری تشریح گزشتہ مقامات پر کی جا چکی ہے، تاہم اس میں وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے) جو چوتھی قسم ہے۔ اس کے مفہوم میں تاویلات رکیکہ اور توجیہات بعیدہ سے کام لے کر شرک کے لیے چور دروازہ تلاش کیا جاتا ہے، اس لیے اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے، بزعم خویش جس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کا نام لے کر ہی کیا جائے جس طرح کہ قبر پرستوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے لیے نامزد تو کرتے ہیں، مثلاً: یہ بکرا فلاں پیر کا ہے، یہ گائے فلاں پیر کی ہے، یہ جانور گیارہویں کے لیے، یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو وہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں بلکہ جائز ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہے اور یوں شرک کا راستہ کھول دیا گیا ہے، حالانکہ فقہاء نے اس دوسری صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ بھی وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں داخل ہے، چنانچہ حاشیۂ بیضاوی میں ہے: ''ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے، اس لیے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔'' اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے: ''کسی حاکم اور اسی طرح کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا، اس لیے کہ وہ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو اور علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے۔'' (كتاب الذبائح طبع قديم: 1277ھ، ص: 277 وفتاوٰی شامي: 203/5 مطبع ميمنية مصر) البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مدلول اور اس میں داخل نہیں سمجھتے، البتہ اشتراک علت (تقرب لغیر اللہ) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف استدلال واحتجاج کے طریقے میں اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسری صورت وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (جو بتوں کے پاس یا تھانوں پر ذبح کیے جائیں) میں بھی داخل ہے، جسے سورۃ المائدہ میں محرمات میں ذکر کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آستانوں، درباروں اور تھانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں، اس لیے کہ وہاں ذبح کرنے کا یا وہاں لے جا کر تقسیم کرنے کا مقصد تقرب لغیر اللہ (اللہ کے سوا دوسروں کی رضا اور تقرب حاصل کرنا) ہی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں ''بوانہ'' جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا: نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی تو آپ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دے دیا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 3313) اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے ہٹائے جانے کے بعد بھی غیر آباد آستانوں پر جا کر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر جا کر ذبح کیے جائیں جو پرستش اور نذر و نیاز کے لیے مرجع عوام ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[1] یہ اشارہ ہے ان جانوروں کی طرف جو وہ بتوں کے نام وقف کر کے ان کو اپنے لیے حرام کر لیتے تھے، جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ۔ (دیکھیے: المائدة 5:103 اور الأنعام 6:139-141 کے حواشی)

Marfat.com

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ
پر ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں[1] اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿118﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا
لیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿118﴾ پھر بے شک آپ کا رب ان پر (مہربان ہے) جنھوں
السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا
نے جہالت سے برے عمل کیے، پھر اس کے بعد انھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی،
اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿119﴾ ع 15/9/21
بے شک اس کے بعد آپ کا رب (ان لوگوں کے لیے) البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿119﴾
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۗ وَلَمْ يَكُ مِنَ
بلاشبہ ابراہیم ایک امت تھا،[2] اللہ کا فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو، اور وہ مشرکوں میں سے
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿120﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ
نہ تھا ﴿120﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والا تھا، اس (اللہ) نے اسے چن لیا اور اس کو صراط مستقیم کی
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿121﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
طرف ہدایت دی ﴿121﴾ اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی، اور بلاشبہ وہ آخرت میں ضرور
الصّٰلِحِيْنَ ﴿122﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
صالحین میں سے ہوگا ﴿122﴾ (اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع
حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿123﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ
کریں جو (اللہ کی طرف) یکسو تھا[3] اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا ﴿123﴾ ہفتے کے دن (کی تعظیم) کو تو
عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
صرف ان لوگوں پر ضروری قرار دیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا[4] اور بے شک آپ کا رب
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿124﴾ اُدْعُ
ان کے مابین قیامت کے دن اس امر کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿124﴾ (اے
اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
احسن طریقے سے بحث کیجیے۔[5] بے شک آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی

[1] دیکھیے: سورۂ انعام 146:6 کا حاشیہ، نیز سورۂ نساء 160:4 میں بھی اس کا ذکر ہے۔ [2] اُمَّةً کے معنی پیشوا اور قائد کے بھی ہیں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے اور امت بمعنی امت بھی ہے، اس اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کا وجود ایک امت کے برابر تھا۔ (امت کے معانی کے لیے سورۂ ہود 8:11 کا حاشیہ دیکھیے) [3] مِلَّةَ کے معنی ہیں: ایسا دین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیاء سمیت اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جس سے ابراہیم کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے اصول میں تمام انبیاء کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ [4] اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا لیکن بنی اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتے کا دن تعظیم و عبادت کے لیے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! انھوں نے جو دن پسند کیا ہے، وہی دن ان کے لیے رہنے دو۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ تعظیم کے لیے ہفتے میں کوئی ایک دن متعین کر لو۔ جس کی تعیین میں ان کے درمیان اختلاف ہوا، پس یہود نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ اور جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے اتوار کا دن یہودیوں کی مخالفت کے جذبے سے اپنے لیے مقرر کیا تھا، اسی طرح عبادت کے لیے انھوں نے اپنے کو یہودیوں سے الگ رکھنے کے لیے صخرۂ بیت المقدس کی شرقی جانب کو بطور قبلہ اختیار کیا۔ جمعے کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیے جانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 876، وصحيح مسلم، حديث: 855) [5] اس میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت، موعظۂ حسنہ اور رفق و ملائمت پر مبنی ہیں۔ حکمت سے مراد قرآن و حدیث ہیں کیونکہ یہ اللہ کی نازل کردہ باتیں ہیں، ان سے زیادہ پُرحکمت بات اور کوئی نہیں ہو سکتی گویا دعوت کی اصل بنیاد صرف اور صرف قرآن و حدیث ہونی چاہیے نہ کہ اقوال الرجال یا فلسفیانہ اصول و استدلالات۔ موعظۂ حسنہ سے مراد وہ زجر و توبیخ اور تہدید و وعید ہے جو قرآن کریم میں اللہ کے نافرمانوں کے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ قصص و واقعات ہیں جو

Marfat.com

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿125﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ

راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿125﴾[1] اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہو، اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے

خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿126﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ

بہت بہتر ہے ﴿126﴾[2] اور (اے نبی!) آپ صبر کریں، اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿127﴾

اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں اور نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں) کرتے ہیں ﴿127﴾[3]

16 ع 9 22 اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿128﴾

بلاشبہ اللہ ان کے ساتھ ہے جنھوں نے پرہیزگاری کی اور وہ احسان کرتے ہوں ﴿128﴾[4]

تکذیب کا راستہ اختیار کرنے والی قوموں سے متعلق ہیں تاکہ لوگ انھیں سن کر عبرت پکڑیں اور اس برے انجام سے بچنے کی سعی کریں جن سے پچھلی قومیں صرف اللہ کے دین سے اعراض کرنے کی وجہ سے، دوچار ہوئیں۔ جدال بالاحسن (اچھے طریقے سے جدال) کا مطلب ہے کہ بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو عام حالات میں یہ کام نرمی اور پیار محبت سے کیا جائے جس میں سب و شتم اور طعن و تشنیع نہ ہو، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت 46:29) ''اہل کتاب سے بحث و مناظرہ اچھے انداز سے کرو۔'' یعنی لہجے میں تلخی اور تندی ہو نہ بدتمیزی و ناشائستگی۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے بھی اللہ نے ان کو نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی تھی: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ 44:20) ''تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔''

[1] اس لیے مذکورہ اصولوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ اختیار کرنے کی، اسی طرح تبلیغ و دعوت کے بعد زیادہ فکرمندی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہدایت کے راستے پر چلا دینے کا کام صرف اللہ کا ہے، یہ کسی داعی یا پیغمبر کے اختیار میں نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (القصص 56:28) ''آپ جس کو چاہیں ہدایات نہیں دے سکتے، لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، ہدایت پانے والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔'' اور یہ آیت بھی اس موقع پر نازل ہوئی جب نبی ﷺ کی خواہش اور کوشش کے باوجود آپ کے غمخوار اور ہمدرد چچا سردار ابو طالب مسلمان نہ ہوئے اور اپنے آبائی دین ہی پر فوت ہوئے، جس پر آپ سخت غمگین ہوئے (صحیح البخاری، حدیث: 4772، وصحیح مسلم، حدیث: 24) [2] اس میں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو ورنہ یہ خود ظالم ہو جائے گا، تاہم معاف کر دینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔ وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ (الشوریٰ 40:42) ''اور برائی کا بدلہ، اسی کی مثل برائی ہے، اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔'' [3] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تیرا حامی و ناصر ہے، وہ تجھے ان کے شر کے مقابلے میں کافی ہے اور وہی تجھے ان پر غالب کرنے والا اور کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ ضَيْقٍ (بالفتح) اور ضِيق (بالکسر) دونوں طرح صحیح ہے۔ (أیسر التفاسیر)۔ [4] یہ اللہ کی وہ معیت خاصہ ہے جو اہل ایمان و تقویٰ اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے جس سے اہل ایمان کو آزمائشوں میں صبر اور ثابت قدمی کی توفیق ملتی اور بالآخر کامیابی و سرخروئی ان کا مقدر بنتی ہے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

Marfat.com

اٰیَاتُہَا: 111 — سُوۡرَۃُ بَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ ❊ — رُکُوۡعَاتُہَا: 12

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

پاک ہے[1] وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے[2] میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ[3] تک لے گیا

اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ

جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی[4] ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔[5] بے شک وہی

اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿1﴾ وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰہُ

خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے (1) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اسے

ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ﴿2﴾

بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اور انھیں حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ (2) اے

❊ یہ سورت مکی ہے۔ اسے سورۂ اسراء بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نبی ﷺ کے اسرا (رات کو مسجد اقصیٰ لے جانے) کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ کہف، سورۂ مریم اور سورۂ بنی اسرائیل یہ عتاق اول میں سے ہیں اور میرے تلاد میں سے ہیں۔" (صحيح البخاري، حديث: 4708) عِتَاق، عتیق (قدیم) کی جمع ہے اور تلاد تالد کی جمع ہے۔ تالد بھی قدیم مال کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورتیں ان قدیم سورتوں میں سے ہیں جو مکے میں اول اول نازل ہوئیں اور میری قدیم حفظ کردہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند أحمد: 68/6 و 122، وجامع الترمذي، حديث: 3405 وصححه الألباني في الصحيحة: 240/2، حديث: 641)

[1] سُبۡحٰنَ: سَبَّحَ یُسَبِّحُ کا اسم مصدر ہے۔ معنی ہیں: أُنَزِّہُ اللّٰہَ تَنْزِیہًا یعنی "میں اللہ کی ہر نقص سے تنزیہ اور براءت بیان کرتا ہوں۔" عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تو لفظ کُنْ سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔ [2] اَسۡرٰی: کے معنی ہوتے ہیں، رات کو لے جانا۔ آگے لَیۡلًا: اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے، اسی لیے وہ نکرہ ہے اور اس میں تنوین تقلیل کے لیے ہے، یعنی رات کے ایک حصے یا تھوڑے سے حصے میں، یعنی چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔ یہ نبی ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ [3] الۡاَقۡصَا: دور تر کو کہتے ہیں، یعنی مسجد بیت المقدس جو القدس یا ایلیا (قدیم نام) شہر میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے، مکے سے القدس تک کی مسافت 40 دن کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ، یعنی دور تر مسجد کہا گیا ہے۔ [4] یہ علاقہ قدرتی نہروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ [5] یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے اس بندے کو عجائبات اور آیات کبریٰ دکھائیں۔ جن میں سے ایک آیت اور معجزہ یہ سفر بھی ہے کہ اتنا لمبا سفر رات کے ایک قلیل حصے میں ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کو جو معراج ہوئی، یعنی آسمانوں پر لے جایا گیا، وہاں مختلف آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور سدرۃ المنتہیٰ پر، جو عرش سے نیچے ساتویں آسمان پر ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نماز اور دیگر چیزیں عطا کیں۔ جس کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں اور صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک امت کے تمام علماء و فقہاء اس بات کے قائل چلے آ رہے ہیں کہ یہ معراج بجسده العنصري، حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ حالت بیداری کا مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ "اسرا" کہلاتا ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے، یہاں پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے "معراج" کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورۂ نجم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس پورے سفر کو "معراج" سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج، سیڑھی کو کہتے ہیں۔ یہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ: «عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ» "مجھے آسمان پر لے جایا یا چڑھایا گیا" سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سفر کا یہ دوسرا حصہ پہلے سے بھی زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے، اس لیے معراج کا لفظ ہی زیادہ مشہور ہو گیا۔ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے، تاہم اس میں اتفاق ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں: ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں: کئی سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مہینے اور اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول

Marfat.com

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (3)

ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، بے شک وہ شکر گزار بندہ

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ

تھا(3) [1] اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) میں فیصلہ سنا دیا کہ تم زمین میں دوبار ضرور

مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (4) فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا

فساد کرو گے اور ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے (4) پھر جب دونوں میں سے پہلا وعدہ آیا تو

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ

ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے بھیج دیے، چنانچہ وہ (فساد انگیزی کے لیے) شہروں کے

الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (5) ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ

درمیان گھس (پھیل) گئے اور یہ وعدہ (پورا) کیا ہوا تھا(5) [2] پھر ہم نے پھیر کر تمھیں ان پر

عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ

غلبہ دیا اور تمھیں مال اور بیٹوں کے ساتھ مدد دی اور ہم نے تمھیں نفری میں خوب زیادہ

نَفِيْرًا (6) اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ

کردیا(6) [3] اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی نفس کے لیے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو (وہ بھی) اسی کے

اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ

لیے ہوگی پھر جب آخری بار کا وعدہ آیا (تو ایک اور قوم تم پر غالب آئی) تاکہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا

دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہو جائیں جیسے پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے، اور تاکہ وہ جس پر غلبہ

مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (7) عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ

پائیں اسے یکسر تباہ کردیں(7) [4] قریب ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر دوبارہ (سرکشی) کرو

عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا (8)

گے تو ہم بھی دوبارہ (وہی معاملہ) کریں [5] گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے(8) [6]

کی 17 یا 27، کوئی رجب کی 27 اور بعض کوئی اور مہینہ اور اس کی تاریخ بتلاتے ہیں۔ (فتح القدیر) لیکن معراج یقینی ہے اور قبل از ہجرت ہوئی ہے لیکن مہینے کی تعیین ثابت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات، ایک تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دارالسلام، لاہور)

[1] طوفان نوح کے بعد نسل انسانی نوح کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتی نوح میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے، اس لیے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمھارا باپ، نوح اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا، تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے جو محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا انکار کر کے کفرانِ نعمت مت کرو! [2] یہ اشارہ ہے اس ذلت و تباہی کی طرف جو بابل کے فرماں روا بخت نصر کے ہاتھوں، مسیح عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی۔ اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا اور یہ اس وقت ہوا جب انھوں نے اللہ کے نبی شعیا علیہ السلام کو قتل یا ارمیا علیہ السلام کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساد في الأرض کے مجرم بنے۔ بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کی بجائے جالوت کو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطور سزا مسلط کیا جس نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے حتیٰ کہ طالوت کی قیادت میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا جیسا کہ سورۂ بقرہ 2:251 میں اس کا ذکر ہے۔ [3] یعنی بخت نصر یا جالوت کے قتل کے بعد ہم نے تمھیں پھر مال اور دولت، بیٹوں اور جاہ و حشمت سے نوازا جبکہ یہ ساری چیزیں تم سے چھن چکی تھیں۔ اور تمھیں پھر زیادہ جتھے والا اور طاقت ور بنا دیا۔ [4] یہود نے دوسری مرتبہ انھوں نے فساد برپا کیا کہ زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچالیا۔ اس کے نتیجے میں پھر رومی بادشاہ ٹیٹس کو اللہ نے ان پر مسلط کر دیا، اس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور بہت سوں کو قیدی بنالیا، ان کے اموال لوٹ لیے، مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا اور انھیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلاوطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔ یہ تباہی 70ء میں ان پر آئی۔ [5] یہ انھیں تنبیہ کی کہ اگر تم نے اصلاح کر لی تو اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جس کا مطلب دنیا و آخرت کی سرخ روئی اور کامیابی ہے اور اگر دوبارہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے تم نے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا تو ہم پھر تمھیں اسی طرح ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں گے جیسے اس سے قبل دو مرتبہ ہم تمھارے ساتھ یہ معاملہ کر چکے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ یہود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وہی کردار رسالت محمدیہ کے بارے میں دہرایا جو رسالت موسوی اور رسالت عیسوی میں ادا کر چکے تھے جس کے نتیجے میں یہ یہودی تیسری مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے اور بصد رسوائی انھیں مدینے اور خیبر سے نکلنا پڑا۔ [6] یعنی اس دنیا کی

Marfat.com

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ⑨ وَّاَنَّ

نیک کام کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ⑨ اور یہ کہ بلاشبہ جو لوگ آخرت

ع 1 10 1 الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ⑩

پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے نہایت دردناک عذاب تیار کیا ہے ⑩ اور انسان

وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

برائی کی دعا ایسے مانگتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دعا ہو۔ اور انسان بہت عجلت والا ہے ⑪ [1]

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰیَةَ

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی تو محو (بے نور) کر دی اور دن کی

النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ

نشانی روشن بنائی تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔ [2]

وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ⑫ وَكُلَّ اِنْسَانٍ

اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کر دی ہے ⑫ [3] اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نامہ) اس کی

اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا

گردن سے لگا دیا ہے [4] اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جس سے وہ

یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ

ملے گا جبکہ وہ کھلی ہو گی ⑬ (کہا جائے گا:) اپنا اعمال نامہ پڑھ، آج تیرا نفس ہی تیرا حساب

عَلَیْكَ حَسِیْبًا ⑭ مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ

لینے والا کافی ہے ⑭ جس نے ہدایت پائی تو بس وہ اپنے نفس کے لیے ہدایت پاتا ہے، اور جو گمراہ

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

ہوا تو بس وہ اپنے نفس ہی پر گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا [5]

اُخْرٰی ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮ وَاِذَاۤ

اور ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ ہم کوئی رسول بھیج دیں ⑮ [6] اور جب ہم کسی

رسوائی کے بعد آخرت میں جہنم کی سزا اور اس کا عذاب الگ ہے جو وہاں انھیں بھگتنا ہوگا۔

[1] انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ ہے، اس لیے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بددعا کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے۔ یہ تو رب کا فضل و کرم ہے کہ وہ اس کی بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ یہی مضمون سورۂ یونس 11:10 میں گزر چکا ہے۔ [2] یعنی رات کو بے نور، یعنی تاریک کر دیا تاکہ تم آرام کر سکو اور تمھاری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش کے ذریعے سے تم رب کا فضل تلاش کرو۔ علاوہ ازیں رات اور دن کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو، اس حساب کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا تو تمھیں آرام و سکون کا یا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اسی طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ رہتا۔ [3] یعنی انسان کے لیے دین اور دنیا کی ضروری باتیں سب کھول کر ہم نے بیان کر دی ہیں تاکہ ان سے انسان فائدہ اٹھائیں، اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت کی بھی فکر اور اس کے لیے تیاری کریں۔ [4] ﴿ طٰٓئِرَهٗ ﴾ کے معنی پرندے کے ہیں اور ﴿ عُنُقِهٖ ﴾ کے معنی گردن کے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے طائر سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔ ﴿ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ﴾ کا مطلب ہے: اس کے اچھے یا برے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بری جزا دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے، یعنی اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہوگا۔ قیامت والے دن اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے طائر سے مراد انسان کی قسمت لی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے لکھ دی ہے جسے سعادت مند اور اللہ کا مطیع ہونا تھا وہ اللہ کو معلوم تھا اور جسے نافرمان ہونا تھا وہ بھی اس کے علم میں تھا، یہی قسمت (سعادت مندی یا بدبختی، عقل، عمر، عمل اور رزق) ہر انسان کے ساتھ گلے کے ہار کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔ اسی کے مطابق اس کے عمل ہوں گے اور قیامت والے دن اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ [5] البتہ جو ضَالٌّ (گمراہ) مُضِلٌّ (گمراہ کرنے والے) بھی ہوں گے، انھیں اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ، ان کے گناہوں کا بار بھی (بغیر ان کے گناہوں میں کمی کیے) اٹھانا پڑے گا جو ان کی کوششوں سے گمراہ ہوئے ہوں گے جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات اور احادیث سے واضح ہے۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی گناہوں کا بار ہوگا جو دوسروں کو گمراہ کر کے انھوں نے کمایا ہوگا۔ [6] بعض مفسرین نے اس سے صرف دنیوی عذاب مراد لیا ہے، یعنی آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ

Marfat.com

اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا
بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متکبر امراء کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں،
فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿16﴾
چنانچہ اس بستی پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں ⑯ [1]
وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ
اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں [2] اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں
بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿17﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ
کی خوب خبر رکھنے والا، (انھیں) خوب دیکھنے والا ⑰ جو کوئی جلدی والی (دنیا) چاہے تو ہم اسی (دنیا)
عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ
میں جس کے لیے چاہیں جس قدر چاہیں جلد عطا کرتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم جہنم ٹھہرا دیتے
يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿18﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا
ہیں، وہ اس میں مذموم اور دھتکارا ہوا داخل ہوگا ⑱ [3] اور جو آخرت چاہے اور اس کے لیے پوری
سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿19﴾ كُلًّا
پوری سعی کرے، جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ ہیں جن کی سعی قابل قدر ہے ⑲ [4] ہم ہر ایک کو
نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ
آپ کے رب کی عطا سے نوازتے ہیں، اُن کو بھی اور ان کو بھی، اور تیرے رب کی عطا (کسی
رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿20﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ
سے) روکی ہوئی نہیں ⑳ [5] دیکھیے! کس طرح ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی؟ اور یقیناً

نہیں ہوں گے لیکن قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پوچھے گا کہ کیا تمھارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے؟ جس پر وہ اثبات میں جواب دیں گے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسال رسل اور انزال کتب کے بغیر وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا، تاہم اس کا فیصلہ کہ کس قوم یا کس فرد تک اس کا پیغام نہیں پہنچا، قیامت والے دن وہ خود ہی فرمائے گا، وہاں یقیناً کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا۔ اسی طرح بہرا، پاگل، فاتر العقل اور زمانۂ فترت میں فوت ہونے والے لوگوں کا مسئلہ ہے، ان کی بابت بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انھیں کہیں گے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ اگر وہ اللہ کے اس حکم کو مان کر جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو جہنم ان کے لیے گل وگلزار بن جائے گی، بصورت دیگر انھیں گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسند أحمد: 24/4، وصحیح ابن حبان (ابن بلبان): 356/16 علامہ البانی نے صحیح الجامع الصغیر، حدیث: 881 میں اسے ذکر کیا ہے۔) لیکن بہت سے محدثین کے نزدیک اس کے برعکس اہل فترت کے جہنم میں جانے کی روایت صریح بھی ہے اور اس کے مخالف بھی۔ چھوٹے بچوں کی بابت اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے بچے تو جنت میں ہی جائیں گے، البتہ کفار ومشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے، کوئی توقف کا، کوئی جنت میں جانے کا اور کوئی جہنم میں جانے کا قائل ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میدان محشر میں ان کا امتحان لیا جائے گا جو اللہ کے حکم کی اطاعت اختیار کرے گا، وہ جنت میں اور جو نافرمانی کرے گا، جہنم میں جائے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے متضاد روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کیجیے مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ (ملاحظہ ہو صحیح البخاري مع فتح الباري: 312/3، حدیث: 1385)

[1] اس میں وہ اصول بتلایا گیا ہے جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوش حال متکبر طبقہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور پھر دوسرے لوگ انھی کی تقلید کرتے ہیں، یوں اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پا جاتی ہے۔ [2] وہ بھی اسی اصول ہلاکت کے تحت ہی ہلاک ہوئیں۔ [3] یعنی دنیا کے ہر طالب کو دنیا نہیں ملتی، صرف اسی کو ملتی ہے جس کو ہم چاہیں، پھر اس کو بھی اتنی دنیا نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی ہم اس کے لیے فیصلہ کریں۔ لیکن اس دنیا طلبی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب اور اس کی رسوائی ہے۔ اس لیے انسان کو آخرت کا طالب بننا چاہیے نہ کہ طالب دنیا، جس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ [4] اللہ تعالیٰ کے ہاں قدردانی کے لیے تین چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں: ① ارادۂ آخرت، یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی ② ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو، یعنی سنت کے مطابق ③ ایمان کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی عمل بھی قابل التفات نہیں، یعنی قبولیت عمل کے لیے ایمان کے ساتھ اخلاص اور سنت نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ [5] یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلاتفریق مومن اور کافر، طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں۔

Marfat.com

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿21﴾ لَا تَجْعَلْ

آخرت درجوں میں بڑھ کر ہے اور فضیلت دینے میں (بھی) بڑھ کر ہے ﴿21﴾ [1] آپ اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿22﴾

ع 2/12/2

کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرائیں، (ورنہ) پھر آپ مذمت کیے ہوئے اور بے کس ہو کر بیٹھے رہیں گے ﴿22﴾

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ

اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ

کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تو ان سے ''اف''

لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿23﴾

تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر ﴿23﴾ [2] اور ان

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ [3] اور کہہ: میرے رب! ان دونوں پر

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿24﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا

رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی ﴿24﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمھارے نفسوں

صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿25﴾ وَاٰتِ

میں ہے، اگر تم صالح ہو گے تو بلاشبہ وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿25﴾

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿26﴾

اور قرابت دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی [4] اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا ﴿26﴾

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿27﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ

سخت ناشکرا ہے ﴿27﴾ [5] اور اگر تو اپنے رب کی رحمت تلاش کرنے کے لیے، جس کی تو امید رکھتا ہے، ان

[1] تاہم دنیا کی یہ چیزیں کسی کو کم، کسی کو زیادہ ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا ہے، تاہم آخرت میں درجات کا یہ تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں جائیں گے۔ [2] اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب و احترام کی اہمیت واضح ہے، یعنی ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کر دیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ''ہوں'' تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور، بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، جبکہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض و متصرف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے دیوانے جذبات اور بڑھاپے کے سرد و گرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔ ان حالات میں والدین کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی ضروری ہے، تاہم اللہ کے ہاں سرخ رو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔ اور ہر وقت اور ہر حال میں والدین کی خدمت و اطاعت کا فریضہ کما حقہ ادا کرے گا۔ [3] پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایۂ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لیے اپنے بازو پست کر دیتا ہے، یعنی تو بھی والدین کے ساتھ اسی طرح اچھا اور پر شفقت معاملہ کرنا اور ان کی اسی طرح کفالت کرنا جس طرح انھوں نے بچپن میں تیری کی۔ یا یہ معنی ہیں کہ جب پرندہ اڑنے اور بلند ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا اور جب نیچے اترتا ہے تو بازوؤں کو پست کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے بازوؤں کے پست کرنے کے معنی والدین کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے کے ہوں گے۔ [4] قرآن کریم کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ غریب رشتے داروں، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کر کے ان پر احسان نہیں جتلانا چاہیے کیونکہ یہ ان پر احسان نہیں ہے بلکہ مال کا وہ حق ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب مال کے مالوں میں مذکورہ ضرورت مندوں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہیں کرے گا تو عند اللہ مجرم ہوگا، یعنی یہ حق کی ادائیگی ہے، نہ کہ کسی پر احسان۔ علاوہ ازیں رشتے داروں کے پہلے ذکر سے ان کی اولویت اور احقیت بھی واضح ہوتی ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے جس کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔ [5] ﴿تَبْذِيْرًا﴾ کی اصل بذر (بیج) ہے جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے کسی خاص موقع وجگہ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ جدھر پڑے سو پڑے۔ تبذیر (فضول خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج کی طرح اڑاتا پھرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے اور بعض کہتے ہیں کہ تبذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تھوڑا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تبذیر

Marfat.com

رَبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿28﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ
(عزیز واقارب) سے اعراض ہی کرے تو تُو ان سے ایسی بات کہہ جس میں آسانی ہو﴿28﴾ [1] اور اپنا ہاتھ
مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
اپنی گردن کے ساتھ بندھا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ پھر ملامت زدہ، تھکا ہارا
مَّحْسُوْرًا ﴿29﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
ہو کر بیٹھ رہے﴿29﴾ [2] بلاشبہ آپ کا رب جس کے لیے چاہے رزق کھول دیتا ہے اور تنگ (بھی) کر
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿30﴾ ع وَلَا تَقْتُلُوْٓا
دیتا ہے،[3] بے شک وہ اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے﴿30﴾ اور تم اپنی اولاد
اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ
کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی، بے شک ان
كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿31﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ
کا قتل کبیرہ گناہ ہے﴿31﴾ [4] اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور
سَبِيْلًا ﴿32﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ
بری راہ ہے﴿32﴾ [5] اور تم اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے [6] اور جو

میں آجاتی ہیں۔ اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان سے مماثلت تامہ ہے۔ اور شیطان کی مماثلت سے بچنا، چاہے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو، انسان کے لیے واجب ہے، پھر شیطان کو کَفُور (بہت ناشکرا) کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کر دی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اس کی طرح کَفُور (بہت ناشکرے) قرار دیے جاؤ گے۔ (فتح القدیر)

[1] یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے، جس کے دور ہونے کی اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتا ہے۔ اگر تجھے غریب رشتے داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں سے اعراض کرنا، یعنی اظہار معذرت کرنا پڑے تو نرمی اور عمدگی کے ساتھ معذرت کر، یعنی جواب بھی دیا جائے تو نرمی اور پیار و محبت کے لہجے میں نہ کہ ترشی اور بداخلاقی کے ساتھ جیسا کہ عام طور پر لوگ ضرورت مندوں اور غریبوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ [2] گزشتہ آیت میں انکار کرنے کا ادب بیان فرمایا۔ اب انفاق کا ادب بیان کیا جارہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور دیگر مالی حقوق واجبہ بھی ادا نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملوم، یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ہارا اور پچھتانے والا) محسور، اسے کہتے ہیں جو چلنے سے عاجز ہو چکا ہو۔ فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ''نہ اسے بالکل ہی کھول دے۔'' یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا لَفّ و نَشْر مُرَتَّب ہے، یعنی ملوم، بخل کا اور محسور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔ [3] اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی ہے کہ ان کے پاس اگر وسائل رزق کی فراوانی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام نہیں ہے بلکہ یہ رزق کی وسعت یا کمی، اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مصلحت سے ہے جسے صرف وہی جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنا دے اور اپنوں کو اتنا ہی دے کہ جس سے بہ مشکل وہ اپنا گزارہ کر سکیں۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جس کو وہ زیادہ دے، وہ اس کا محبوب نہیں اور قُوتِ لَا یَمُوت کا مالک اس کا مبغوض نہیں۔ [4] یہ حکم سورۂ انعام 6:151 میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا قرار دیا وہ یہی ہے:

خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ» (صحيح البخاري، حديث:4761، و صحيح مسلم، حديث: 86) ''کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' آج کل قتل اولاد کی ایک دوسری شکل کا گناہ نہایت منظم طریقے سے اور خاندانی منصوبہ بندی کے حسین عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے اور مرد حضرات ''بہتر تعلیم و تربیت'' کے نام پر اور خواتین اپنے ''حسن'' کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ [5] اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کر لے، پھر شرعی طریقے سے جرم ثابت ہو جائے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب مت جاؤ، یعنی اس کے دواعی اور اسباب سے بھی بچ کر رہو، مثلاً: غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط و کلام کی راہیں پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔ [6] حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ

Marfat.com

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ

ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے، چنانچہ وہ قتل (قصاص) میں زیادتی

فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿33﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے ﴿33﴾ 1 اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، سوائے اس کے جو

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

احسن طریقہ ہو، حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے 2 اور تم عہد پورا کرو، بے شک عہد کی بابت سوال

مَسْـُٔوْلًا ﴿34﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ

کیا جائے گا ﴿34﴾ 3 اور جب ماپ کر دو تو تم ماپ پورا کرو اور سیدھی ترازو سے تولو، یہ بہترین 4 اور

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿35﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ

انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے ﴿35﴾ اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں اس کے پیچھے نہ 5

السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿36﴾ وَلَا

لگیں، بے شک کان، آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کی بابت سوال کیا جائے گا ﴿36﴾ 6 اور

تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

زمین پر اکڑ کر مت چل، بلاشبہ تُو نہ تو کبھی زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچ

طُوْلًا ﴿37﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿38﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ

سکتا ہے ﴿37﴾ 7 یہ سارے (مذکورہ) کام، ان کی برائی آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ﴿38﴾ 8 یہ

اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ

وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور

فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿39﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

معبود نہ ٹھہراؤ، ورنہ جہنم میں ملامت زدہ، دھتکارے ہوئے ڈالے جاؤ گے ﴿39﴾ کیا پھر تمہارے رب

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ

نے تمہیں بیٹوں کے لیے چن لیا اور (اپنے لیے) فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں؟ بلاشبہ تم بہت

قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿40﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (ع 4/10/4)

بڑی (نازیبا اور خطرناک) بات کہتے ہو ﴿40﴾ اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر (حقائق کو) بیان 9 کیا

زانی اور مرتد کو قتل کرنا بھی حق کے ساتھ قتل کرنا ہے۔

1 یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق یا غلبہ یا طاقت دی گئی ہے کہ وہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں یا اس سے دیت لے لیں یا معاف کر دیں۔ اور اگر قصاص ہی لینا ہے تو اس میں زیادتی نہ کریں کہ ایک کے بدلے میں دو، تین یا چار کو مار دیں یا اس کا مثلہ کر کے یا عذاب دے دے کر ماریں، مقتول کا وارث منصور ہے، یعنی امراء و حکام کو اس کی مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ زیادتی کا ارتکاب کر کے اللہ کی ناشکری کی جائے۔ 2 کسی کی جان کو ناجائز طریقے سے ضائع کرنے کی ممانعت کے بعد اتلاف مال (مال کے ضائع کرنے) سے روکا جا رہا ہے اور اس میں یتیم کا مال سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے فرمایا کہ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کو ایسے طریقے سے استعمال کرو جس میں اس کا فائدہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ سوچے سمجھے بغیر ایسے کاروبار میں لگا دو کہ وہ ضائع یا خسارے سے دوچار ہو جائے۔ یا اس کے عمر شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی تم اسے اڑا ڈالو۔ 3 عہد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور وہ بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور نقض عہد کی صورت میں بازپرس ہوگی۔ 4 اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں بھی ناپ تول میں دیانت داری مفید ہے۔ 5 قَفَا یَقْفُو کے معنی ہیں: پیچھے لگنا، یعنی جس چیز کا علم نہیں، اس کے پیچھے مت لگو، یعنی بدگمانی مت کرو، کسی کی ٹوہ میں مت رہو، اسی طرح جس چیز کا علم نہیں، اس پر عمل مت کرو۔ 6 یعنی جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے سنا تھا، آنکھ سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے دیکھا تھا اور دل سے سوال ہوگا کیا اس نے جانا تھا؟ کیونکہ یہی تینوں اعضاء علم کا ذریعہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن قوت گویائی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔ 7 اترا کر اور اکڑ کر چلنا، اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ قارون کو اسی بنا پر اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (القصص 28:81) حدیث میں آتا ہے: ''ایک شخص نہایت قیمتی جوڑا پہنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5789، وصحيح مسلم، حديث: 2088) اللہ تعالیٰ کو تواضع اور عاجزی پسند ہے۔ تواضع اختیار کرنے والے کو اللہ بلندی عطا فرماتا ہے۔ 8 یعنی جو باتیں مذکور ہوئیں، ان میں جو بری ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے، وہ ناپسندیدہ ہیں۔ 9 ہر ہر طرح کا مطلب ہے: وعظ و نصیحت، دلائل و بینات، ترغیب و ترہیب اور امثال و واقعات، ہر طریقے سے بار بار سمجھایا گیا

Marfat.com

لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿41﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ
ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں، لیکن (یہ چیز) ان کو نفرت ہی میں زیادہ کرتی ہے ﴿41﴾ کہہ دیجیے: اگر اس
مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ
کے ساتھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ وہ (مشرک) کہتے ہیں، تو وہ صاحب عرش (اللہ) تک پہنچنے کے
سَبِيْلًا ﴿42﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا
لیے ضرور کوئی راہ تلاش کرتے ﴿42﴾ [1] وہ پاک ہے اور وہ (مشرک) جو کچھ کہتے ہیں اس سے کہیں
كَبِيْرًا ﴿43﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ
زیادہ اعلیٰ و بلند تر ہے ﴿43﴾ [2] ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے اس (اللہ) کی تسبیح
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
کرتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں
تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿44﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ
سمجھتے، [3] بے شک وہ نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ہے ﴿44﴾ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو
جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا
ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک مخفی پردہ ڈال دیتے
مَّسْتُوْرًا ﴿45﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ
ہیں ﴿45﴾ [4] اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور ان کے

ہے تا کہ وہ سمجھ جائیں لیکن وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کی بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں، اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن جادو، کہانت اور شاعری ہے، پھر وہ اس قرآن سے کس طرح راہ یاب ہوں؟

[1] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ و قوت حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا جبکہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، کوئی بااختیار ہستی ہی نہیں، کوئی نافع و ضار ہی نہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انھیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔ [2] یعنی واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی بابت جو کہتے ہیں کہ اس کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بہت بلند ہے۔ [3] یعنی سب اسی کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہیں۔ گو ہم ان کی تسبیح و تحمید کو نہ سمجھ سکیں۔ یہی بات دیگر آیات قرآنی میں بھی بیان کی گئی ہے، مثلاً: داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ (ص 18:38) ''ہم نے پہاڑوں کو داود کے تابع کر دیا، بس وہ شام کو اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح (پاکی) بیان کرتے ہیں۔'' بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (البقرۃ 74:2) ''اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔'' صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (بعض دفعہ) کھانے سے تسبیح کی آواز سنتے جبکہ کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3579) ایک اور حدیث سے ثابت ہے کہ چیونٹیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 3019، و صحيح مسلم، حديث: 2241) اس طرح کھجور کے جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اسے آپ نے چھوڑ دیا تو بچے کی طرح اس سے رونے کی آواز آئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 3584) مکے میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2277) ان آیات و صحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے جسے گو ہم نہ سمجھ سکیں مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تسبیح دلالت ہے، یعنی یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے ؎

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

''ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔'' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ تسبیح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔

[4] مَسْتُوْرًا بمعنی اسم فاعل سَاتِرٌ (مانع اور حائل) ہے یا اپنی اصل پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ حجاب ایسا ہے جو مَسْتُوْرٌ عَنِ الْاَبْصَارِ (آنکھوں سے اوجھل) ہے پس وہ اسے دیکھتے نہیں۔ اس کے ذریعے سے ان کے اور ہدایت کے درمیان حجاب ہے۔

Marfat.com

وَفِیٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ
کانوں میں گرانی ڈال دیتے ہیں۔ اور جب آپ قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ
وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿46﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ
نفرت سے اپنی پیٹھوں کے بل پھر جاتے ہیں⑯[1] ہم خوب جانتے ہیں جس (غرض) سے وہ اس
بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ
(قرآن) کو سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ خفیہ مشورے کرتے ہیں
الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿47﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ
(تب بھی) جبکہ ظالم کہتے ہیں: تم جس کی اتباع کرتے ہو وہ تو جادو[2] مارا شخص ہے ﴿47﴾ دیکھیے! انھوں
ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿48﴾
نے آپ کے لیے کس طرح مثالیں بیان کیں؟ وہ گمراہ ہو گئے، لہٰذا وہ راستہ نہیں پا سکتے ﴿48﴾[3] اور
وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
انھوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ از سرِ نو پیدا کر کے
خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿49﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿50﴾ اَوْ خَلْقًا
اُٹھائے جانے والے ہیں؟ ﴿49﴾ کہیے: تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ ﴿50﴾[4] یا کوئی مخلوق جو
مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ
تمھارے سینوں میں بڑی معلوم ہوتی ہو[5] پھر وہ کہیں گے: کون ہمیں دوبارہ لوٹائے (پیدا کرے)
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ
گا؟ کہیے: وہی جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ آپ کی طرف (تعجب سے) اپنے سر ہلائیں گے[6]
مَتٰی هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ﴿51﴾ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ
اور کہیں گے: وہ کب ہوگا؟ کہہ دیجیے: امید ہے کہ وہ قریب ہو ﴿51﴾[7] جس دن وہ (اللہ) تمھیں بلائے گا[8]
فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿52﴾ (ع 5/12/5)
تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور تم خیال کرو گے کہ بس تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو ﴿52﴾[9] اور
وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ
میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بات کہیں جو احسن ہو،[10] بے شک شیطان ان کے درمیان

1 اَکِنَّۃً کِنان کی جمع ہے، پردہ۔ وَقْرًا کانوں میں ثقل یا ڈاٹ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اللہ کی توحید سے تو انھیں اتنی نفرت ہے کہ اسے سن کر تو بھاگ ہی کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے عناد، جمود اور تمرد کے نتیجے میں بطور سزا ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے۔ 2 یعنی نبی ﷺ کو یہ سحر زدہ سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے قرآن سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔ 3 کبھی ساحر، کبھی مسحور، کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہتے ہیں، پس اس طرح گمراہ ہو رہے ہیں، ہدایت کا راستہ انھیں کس طرح ملے؟ 4 جو مٹی اور ہڈیوں سے زیادہ سخت ہے اور جس میں زندگی کے آثار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔ 5 یعنی اس سے بھی زیادہ سخت چیز جو تمھارے علم میں ہو، وہ بن جاؤ، پھر بھی اللہ تعالیٰ تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ 6 اَنْغَضَ یُنْغِضُ کے معنی ہیں: سر ہلانا، یعنی استہزا کے طور پر سر ہلا کر وہ کہیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہوگی؟ 7 قریب کا مطلب ہے، واقع ہونے والی چیز کیونکہ کُلُّ مَا هُوَ آتٍ، فَهُوَ قَرِيْبٌ ”ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز، قریب ہے۔“ اور عَسٰی اللہ کے کلام میں یقینی اور واجب الوقوع ہوتا ہے، یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔ 8 ”بلائے گا“ کا مطلب ہے قبروں سے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے یا اسے پہچانتے ہوئے اس کے پاس حاضر ہو جاؤ گے۔ 9 وہاں یہ دنیا کی زندگی بالکل تھوڑی معلوم ہوگی، كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝ (النّٰزِعٰت 46:79) یعنی جب قیامت کو دیکھ لیں گے تو دنیا کی زندگی انھیں ایسے لگے گی گویا اس میں ایک شام یا ایک صبح رہے ہیں۔ اسی مضمون کو دیگر مقامات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: طٰہٰ 20:102-104، الروم 30:55، المؤمنون 23:112-114) بعض کہتے ہیں کہ پہلا نفخہ ہوگا تو سب مردے قبروں میں زندہ ہو جائیں گے، پھر دوسرے نفخے پر میدان محشر میں حساب کتاب کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا اور اس فاصلے میں انھیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، وہ سو جائیں گے۔ دوسرے نفخے پر اٹھیں گے تو کہیں گے: ”افسوس! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا ہے؟“ (یٰسٓ 36:52) (دیکھیے: فتح القدیر) پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ 10 یعنی آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، اچھے کلمات بولیں، اسی طرح کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر مخاطبت کی ضرورت پیش آ جائے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں۔

Marfat.com

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا 53 رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ یَّشَاْ

فساد ڈالتا ہے،[1] بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے (53) تمھارا رب تمھیں بہتر جانتا ہے، اگر وہ چاہے

یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا 54 وَرَبُّكَ

تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے[2] اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا[3] (54)

اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی

اور آپ کا رب انھیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض

بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا 55 قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

پر فضیلت دی[4] اور ہم نے داود کو زبور دی (55) کہہ دیجیے: انھیں پکارو جنھیں تم اس کے سوا (معبود) سمجھتے ہو،

فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا 56 اُولٰٓىِٕكَ

نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو ہٹانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ (اسے) بدلنے ہی کا (56) جنھیں

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ

یہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون

اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ

(اللہ سے) قریب تر (ہوسکتا) ہے، اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے

رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا 57 وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ

ہیں[5] بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے (57) اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم یوم قیامت

[1] زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان، جو تمھارا کھلا اور ازلی دشمن ہے، تمھارے درمیان آپس میں فساد ڈلوا سکتا ہے یا کفار و مشرکین کے دلوں میں تمھارے لیے زیادہ بغض و عناد پیدا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان بھائی کی طرف) ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان شاید اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلوا دے (اور وہ اس مسلمان بھائی کو جا لگے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7072، وصحيح مسلم، حديث: 2617) [2] اگر خطاب مشرکین سے ہو تو رحم کے معنی قبول اسلام کی توفیق کے ہوں گے اور عذاب سے مراد شرک پر ہی موت ہے جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہو تو رحم کے معنی ہوں گے کہ وہ کفار سے تمھاری حفاظت فرمائے گا اور عذاب کا مطلب ہے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط۔ [3] کہ آپ انھیں ضرور کفر کی دلدل سے نکالیں یا ان کے کفر پر جمے رہنے پر آپ سے باز پرس ہو۔ [4] یہ مضمون تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرة 2:253) میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں یہ مضمون دہرایا گیا ہے جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لیے یہ محمد (ﷺ) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا، یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ [5] آیت میں اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ سے ان مشرکین کا رد ہے جو مجسموں کی اس خیال سے عبادت کرتے تھے کہ یہ فرشتوں کی تصویریں ہیں، اسی طرح ان اہل کتاب کا بھی رد ہے جو عیسیٰ اور عزیر علیہم السلام کی الوہیت کے قائل تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے کہو کہ تم انھیں پکارو جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ سے مراد وہ جنات ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے: كَانَ نَاسٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُونَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ فَأَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هٰؤُلَاءِ بِدِيْنِهِمْ (صحيح البخاري، حديث: 4714) ''کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، پس وہ جن مسلمان ہو گئے لیکن یہ لوگ جنوں کے (سابقہ) دین پر ہی قائم رہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں: ''وہ لوگ جو جنوں کی عبادت کرتے تھے، بدستور جنوں کی عبادت پر قائم رہے جبکہ جن یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ (اعمال صالحہ کے ذریعے سے تقرب) تلاش کرنے والے ہو گئے تھے۔'' (فتح الباري: 505/8، تحت حديث: 4714) اس بات کی تائید اگلی آیت سے بھی ہو رہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ خود تو اپنے رب کا قرب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ صفات جمادات (پتھروں) میں نہیں ہو سکتیں۔ ان دونوں آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ من دون اللہ (اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے) وہ صرف پتھر کی مورتیاں ہی نہیں تھیں بلکہ وہ اللہ کے بندے بھی تھے جن میں سے کچھ فرشتے، کچھ صالحین، کچھ انبیاء اور کچھ جنات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی بابت فرمایا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی سے تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ کسی کی حالت بدل سکتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنات کی عبادت کرتے تھے، پس

Marfat.com

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ

سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے شدید عذاب نہ دیں، یہ کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا

مَسْطُوْرًا ﴿58﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا

ہے⁽⁵⁸⁾ [1] اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا

الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا

تھا [2] اور ہم نے ثمود کو ایک اونٹنی (بطور) واضح نشانی دی تھی، پھر انھوں نے اس پر ظلم کیا، [3] اور ہم

نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿59﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ

تو صرف ڈرانے کے لیے نشانیاں بھیجتے ہیں⁽⁵⁹⁾ اور (یاد کریں) جب ہم نے آپ سے کہا: بے شک

وہ جن تو مسلمان ہو گئے لیکن ان کے پجاری اس بات سے بے خبر رہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4715، و صحیح مسلم، حدیث: 3030) مطلب یہ ہے کہ جنوں کے پجاری تو جنوں سے پناہ طلب کرتے اور ان سے خوف اور امید وابستہ کرتے تھے لیکن خود ان جنوں کا (مسلمان ہونے کے بعد) یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے قرب کی تلاش میں رہتے، اس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے۔ اس میں گویا مشرکوں کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کی عقل وفہم کی نارسائی کا یہ حال ہے کہ یہ ایسے جنوں کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں جو خود اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کے قرب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ''وسیلہ'' سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جن کے ذریعے سے اللہ کی رضامندی اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، ابو وائل، حسن، عبداللہ بن کثیر، امام سدی، ابن زید اور دیگر ائمۂ تفسیر نے وسیلے کے معنی ہی قربت کے کیے ہیں، یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عملوں کے ذریعے سے اس کا قرب حاصل کرنا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ هٰؤُلَاءِ الْأَئِمَّةُ لَاخِلَافَ بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِيهِ------ وَالْوَسِيلَةُ هِيَ الَّتِي يُتَوَصَّلُ بِهَا إِلٰى تَحْصِيلِ الْمَقْصُودِ» (تفسیر ابن کثیر: 535/2) ''ان ائمہ نے جو کچھ کہا ہے، اس کی بابت مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں...... وسیلہ ایسی ہی چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے مقصود تک پہنچا جا سکے۔'' ظاہر بات ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اعمال صالحہ ہی ہے، اس لیے اعمال صالحہ ہی اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ نہ کہ وہ جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر ونیاز دو، ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ اور میلے ٹھیلے جماؤ اور ان سے استمداد واستغاثہ کرو کیونکہ یہ وسیلہ نہیں، یہ تو ان کی عبادت ہے جو شرک ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اسی طرح ایک وسیلہ یہ بھی ہے کہ کسی زندہ نیک شخص یا بزرگ سے دعا کروائی جائے، جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قحط سالی دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑا، یعنی ان سے بارش کی دعا کروائی اور یہ فرمایا: «اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ» (صحیح البخاري، حدیث: 1010) ''اے اللہ! پہلے ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرواتے تھے (جب وہ زندہ تھے) تو تُو ہم پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرما دیتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ (دعا کے لیے) پیش کر رہے ہیں، پس اے اللہ! (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کہتا ہے) کہ اس پر بارش ہو جاتی۔'' اگر فوت شدہ بزرگوں سے وسیلے کے طور پر دعا کروانی جائز ہوتی تو صحابۂ کرام قحط سالی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کرتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ زندہ بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کو وسیلہ پکڑا، یعنی ان سے دعا کروائی، یہ وسیلہ جائز ہے، چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: ''کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے، اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، بشرطیکہ جس سے درخواست کی جائے وہ زندہ ہو...... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مردہ ہو یا غائب تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں۔ اور مردوں سے مدد مانگنا ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔'' (تفسیر روح المعاني: 183/4) آیت میں یَدْعُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔ تقدیری عبارت ہے: «أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَهُمْ آلِهَةً يَبْتَغُونَ»...... ''یہ لوگ جن کو معبود سمجھ کر (مدد کے لیے) پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں......'' (فتح الباري: 506/8، تحت حدیث: 4715) [1] کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے، جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے کہ ہم کافروں کی ہر بستی کو یا تو موت کے ذریعے سے ہلاک کر دیں گے اور بستی سے مراد بستی کے باشندگان ہیں اور ہلاکت کی وجہ ان کا کفر وشرک اور ظلم وطغیان ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہلاکت قیامت سے قبل وقوع پذیر ہوگی، ورنہ قیامت کے دن تو بلا تفریق ہر بستی ہی شکست وریخت کا شکار ہو جائے گی۔ [2] یہ آیت اس وقت اتری جب کفار مکہ

Marfat.com

بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً

آپ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے[1] اور ہم نے آپ کو (معراج میں) جو مشاہدہ کرایا اسے لوگوں

لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا

کے لیے بس ایک آزمائش ہی بنا دیا اور اس درخت (زقوم) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی[2] اور ہم

يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝60ۧ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ

انھیں ڈراتے ہیں تو یہ (ڈرانا) ان کی بڑی سرکشی ہی کو زیادہ کرتا ہے ⑥⓪[3] اور جب ہم نے فرشتوں سے

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

کہا: آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا ان سب نے سجدہ کیا، وہ بولا: کیا میں اسے سجدہ کروں

خَلَقْتَ طِيْنًا ۝61ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ

جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ ⑥① کہنے لگا: بھلا دیکھ تو اسے جسے تو نے مجھ پر عزت دی ہے،

لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا

اگر تو مجھے یوم قیامت تک ڈھیل دے، تو تھوڑے لوگوں کے سوا[4] میں اس کی تمام نسل کی جڑ

قَلِيْلًا ۝62 قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاۗؤُكُمْ

کاٹ دوں گا ⑥② اللہ نے فرمایا: جا! پھر ان میں سے جو تیری اتباع کرے گا تو بلاشبہ تمھاری

جَزَاۗءً مَّوْفُوْرًا ۝63 وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ

سزا جہنم ہے، پوری پوری سزا ⑥③ اور ان میں سے جن پر بھی تیرا بس چل سکے انھیں اپنی آواز

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ

سے بہکا لے،[5] اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا،[6] اور مال اور اولاد میں ان کا شریک بن

نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکے کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جائیں تاکہ وہاں کاشت کاری ممکن ہو سکے جس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ ان کے مطالبات ہم پورے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہے، پھر انھیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ نبی ﷺ نے بھی اسی بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔ (مسند أحمد: 258/1، وقال أحمد شاکر في تعليقه على المسند: 258/1، حديث: 2333 إسناده صحيح) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں اتار دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن ہم اس سے گریز اس لیے کر رہے ہیں کہ پہلی قوموں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق نشانیاں مانگیں جو انھیں دکھا دی گئیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائیں جس کے نتیجے میں وہ ہلاک کر دی گئیں۔ [3] قوم ثمود کا بطور مثال تذکرہ کیا کیونکہ ان کی خواہش پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی ظاہر کر کے دکھائی گئی تھی لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا جس پر تین دن کے بعد ان پر عذاب آ گیا۔ [1] یعنی لوگ اللہ کے غلبہ و تصرف میں ہیں اور جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا نہ کہ وہ جو وہ چاہیں گے یا مراد اہل مکہ ہیں کہ وہ اللہ کے زیر اقتدار ہیں، آپ بے خوفی سے تبلیغ رسالت کیجیے، وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ہم ان سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ یا جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر جس طرح اللہ نے کفار مکہ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا، اس کو واضح کیا جا رہا ہے۔ [2] صحابہ و تابعین نے اس رؤیا کی تفسیر بیداری کی عینی رؤیت سے کی ہے اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے جو بہت سے کمزور لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گیا اور وہ مرتد ہو گئے۔ اور درخت سے مراد زَقُّوم (تھوہر) کا درخت ہے جس کا مشاہدہ نبی ﷺ نے معراج کی رات جہنم میں کیا۔ اَلْمَلْعُوْنَةَ سے مراد کھانے والے، یعنی ملعون جہنمی اَلشَّجَرَةُ الْمَلْعُوْنُ آكِلُھَا (فتح التفاسير) جیسے دوسرے مقام پر ہے: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ (الدخان 44:43،44) ''زقوم کا درخت، سخت گناہ گاروں کا کھانا ہے۔'' [3] یعنی کافروں کے دلوں میں جو خبث و عناد ہے، اس کی وجہ سے نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے ان کی سرکشی و طغیانی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ [4] یعنی اس پر غلبہ حاصل کر لوں گا اور اسے جس طرح چاہوں گا، گمراہ کر لوں گا، البتہ تھوڑے سے لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ آدم علیہ السلام و ابلیس کا یہ قصہ اس سے قبل (سورۂ بقرہ 2:34-36، سورۂ اعراف 7:11-18 اور سورۂ حجر 15:29-39 میں) گزر چکا ہے۔ یہاں چوتھی مرتبہ اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ کہف 18:50، سورۂ طٰہٰ 20:116،117 اور سورۂ ص 38:73-85 میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔ [5] آواز سے مراد پرفریب دعوت یا گانے، موسیقی اور لہو و لعب کے دیگر آلات ہیں جن کے ذریعے سے شیطان بکثرت لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اسی طرح قوالی ہے جس کے ذریعے سے دینی شعور سے بے بہرہ مذہبی عوام کو خوب گمراہ کیا جا رہا ہے۔ [6] ان لشکروں سے مراد انسانوں اور جنوں کے وہ سوار اور پیادے لشکر ہیں جو شیطان کے چیلے اور اس کے پیروکار ہیں اور شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں یا مراد ہے ہر ممکن ذرائع جو شیطان گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

Marfat.com

وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿64﴾ اِنَّ

جا،[1] اور انھیں (جھوٹے) وعدے دے،[2] اور شیطان تو انھیں بس فریب ہی کا وعدہ دیتا ہے ﴿64﴾ [3]

عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿65﴾ رَبُّكُمُ

بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں[4] اور آپ کا رب کارساز کافی ہے ﴿65﴾ [5] تمھارا رب

الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ

وہی تو ہے جو تمھارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے، تاکہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کرو، بے شک

كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿66﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ

وہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿66﴾ [6] اور جب سمندر میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ جنھیں تم اس (اللہ)

تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ

کے سوا پکارتے ہو، گم جاتے ہیں پھر جب وہ (اللہ) تمھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ

وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿67﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ

لیتے ہو، اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿67﴾ [7] کیا پھر تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمھیں خشکی

جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا

کی جانب (زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں والی سخت آندھی بھیج دے،[8] پھر تم

لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿68﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً

اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاسکو ﴿68﴾ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمھیں دوبارہ اس (سمندر)

اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ

میں لوٹا دے، پھر تم پر توڑ دینے والی طوفانی ہوا بھیجے، تو وہ تمھارے کفر کے سبب تمھیں غرق

بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿69﴾

کردے، پھر تم اپنے لیے ہمارے خلاف اس پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا بھی نہ پاؤ ﴿69﴾ [9] اور

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ

بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے[10] اور انھیں بر و بحر میں سواریاں دیں،[11] اور انھیں پاکیزہ

[1] مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح مویشیوں کو بتوں کے ناموں پر وقف کر دینا، مثلاً: بحیرہ، سائبہ وغیرہ۔ اور اولاد میں شرکت کا مطلب زناکاری، عبداللات اور عبدالعزیٰ وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو تنگ دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو مجوسی، یہودی اور نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر مسنون دعا پڑھے بیوی سے ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔ [2] کہ کوئی جنت دوزخ نہیں ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے وغیرہ۔ [3] غُرُوْرًا (فریب) کا مطلب ہوتا ہے غلط کام کو اس طرح مزین کر کے دکھانا کہ وہ اچھا اور درست لگے۔ [4] بندوں کی نسبت اپنی طرف کی، یہ بطور شرف اور اعزاز کے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خاص بندوں کو شیطان بہکانے میں ناکام رہتا ہے۔ [5] یعنی جو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اسی پر اعتماد اور توکل کرتا ہے تو اللہ بھی اس کا دوست اور کارساز بن جاتا ہے۔ [6] یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے کہ اس نے سمندر کو انسانوں کے تابع کر دیا ہے اور وہ اس پر کشتیاں اور جہاز چلا کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے اور کاروبار کرتے ہیں، نیز اس نے ان چیزوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی جن میں بندوں کے لیے منافع اور مصالح ہیں۔ [7] یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے، مثلاً: دیکھیے سورۂ یونس 23,22:10 اور ان کے حواشی۔ [8] یعنی سمندر سے نکلنے کے بعد تم جو اللہ کو بھول جاتے ہو تو کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ خشکی میں بھی تمھاری گرفت کر سکتا ہے، تمھیں وہ زمین میں دھنسا سکتا ہے یا پتھروں کی بارش کر کے تمھیں ہلاک کر سکتا ہے، جس طرح بعض گزشتہ قوموں کو اس نے اس طرح ہلاک کیا۔ [9] قَاصِفًا ایسی تند و تیز سمندری ہوا جو کشتیوں کو توڑ دے۔ تَبِيْعًا انتقام لینے والا، پیچھا کرنے والا، یعنی تمھارے ڈوب جانے کے بعد ہم سے پوچھے کہ تو نے ہمارے بندوں کو کیوں ڈبویا؟ مطلب یہ ہے کہ کیا تمھیں ایک مرتبہ سمندر سے بخیریت نکلنے کے بعد دوبارہ سمندر میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ اور وہاں وہ تمھیں گرداب بلا میں نہیں پھنسا سکتا؟ [10] یہ شرف اور فضل، بحیثیت انسان کے، ہر انسان کو حاصل ہے، چاہے مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط و صحیح، مفید و مضر اور حسین و قبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ

Marfat.com

ع 10 7

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۧ 70 يَوْمَ

چیزوں میں سے رزق [1] دیا اور انھیں اپنی کثیر مخلوقات پر جنھیں ہم نے پیدا کیا، فضیلت دی (70)

نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

جس دن ہم تمام انسانوں کوان کے امام کے ساتھ [4] بلائیں گے، پھر جسے اس کا اعمال نامہ اس کے

بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے، اور ان پر (گٹھلی کے) دھاگے برابر (بھی) ظلم

فَتِيْلًا 71 وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

نہ کیا جائے گا (71) [5] اور جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ سے بہت زیادہ

وَاَضَلُّ سَبِيْلًا 72 وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ

بھٹکا ہوا رہے گا (72) [6] اور بلاشبہ قریب تھا کہ ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے کافر آپ کو اس

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ

سے پھسلا دیتے، تاکہ آپ ہم پر اس کے علاوہ کچھ اور گھڑ لیں، اور تب وہ ضرور آپ کو اپنا دلی

خَلِيْلًا 73 وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ

دوست بنا لیتے (73) اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف

شَيْـًٔا قَلِيْلًا 74 اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ

تھوڑا سا جھک جاتے (74) [7] (اگر ایسا ہوتا) تو ہم آپ کو زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی دوگنا

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا 75 وَاِنْ كَادُوْا

(عذاب) چکھاتے، [7] پھر آپ اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتے (75) اور بلاشبہ قریب

لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا ۖ وَاِذًا

تھا کہ وہ آپ کو اس زمین (مکہ) سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں، [8] اور تب

لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا 76 سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا

آپ کے پیچھے وہ تھوڑا ہی ٹھہر پاتے (76) [9] ان رسولوں کے طریقے کی مانند جنھیں ہم نے آپ سے

اٹھاتا اور انھیں اپنے تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل وشعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔ [2] خشکی میں وہ گھوڑوں، خچروں، گدھوں، اونٹوں اور اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز، سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جہاز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور سامان لاتا، لے جاتا ہے۔

[1] انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کیے ہیں اور ان میں جو جو لذتیں، ذائقے اور قوتیں رکھی ہیں۔ انواع واقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ ومرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات و مشروبات اور خمیرے اور معجونات، انسان کے علاوہ کس اور مخلوق کو حاصل ہیں؟ [3] مذکورہ تفصیل سے انسان کی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور برتری واضح ہے۔ [4] اِمَام کے معنی پیشوا، لیڈر اور قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پیغمبر ہے، یعنی ہر امت کو اس کے پیغمبر کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے آسمانی کتاب مراد ہے جو انبیاء کے ساتھ نازل ہوتی، یعنی اے اہل تورات! اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہہ کے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں: یہاں ''امام'' سے مراد نامۂ اعمال ہے، یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائے گا تو اس کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ ہوگا اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی رائے کو امام ابن کثیر اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے۔ [4] فَتِيْلًا اس جھلی یا تاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے، یعنی ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ [5] (اندھا) سے مراد دل کا اندھا ہے، یعنی جو دنیا میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے محروم رہا، وہ آخرت میں اندھا، یعنی رب کے خصوصی فضل وکرم سے محروم رہے گا۔ [6] اس میں اس عصمت کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ نے آپ کو ان سے بچایا اور آپ ذرا بھی ان کی طرف نہیں جھکے۔ یہ مقام عصمت وتحفظ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ [7] اس سے معلوم ہوا کہ سزا قدر ومنزلت کے مطابق ہوتی ہے۔ [8] یہ اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکالنے کے لیے قریش مکہ نے تیار کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ [9] یعنی اگر اپنے منصوبے کے مطابق یہ آپ کو مکے سے نکال دیتے تو یہ بھی اس کے بعد زیادہ دیر نہ رہتے، یعنی عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے۔

Marfat.com

قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ﴿77﴾ اَقِمِ

پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا[1] اور آپ ہمارے طریقے (قانون) میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے ﴿77﴾ [2]

الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ

سورج ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجیے[3] اور نماز فجر بھی، بے شک فجر

اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴿78﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ

کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے ﴿78﴾ [4] اور رات کے کچھ حصے میں بھی آپ اس

بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا

(قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں،[5] (یہ) آپ کے لیے زائد ہے[6] امید ہے کہ آپ کا رب آپ

مَّحۡمُوۡدًا ﴿79﴾ وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِىۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِىۡ مُخۡرَجَ

کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا ﴿79﴾ [7] اور کہیے: اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال

صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا ﴿80﴾ وَقُلۡ جَآءَ

مجھے سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ (عطا) کر ﴿80﴾ [8] اور کہیے:

[1] یعنی یہ دستور پرانا چلا آرہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے بھی برتا جاتا رہا ہے کہ جب ان کی قوموں نے انھیں اپنے وطن سے نکال دیا یا انھیں نکلنے پر مجبور کر دیا تو پھر وہ قومیں بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں۔ [2] چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی میدان بدر میں وہ عبرت ناک ذلت وشکست سے دوچار ہوئے اور چھ سال بعد 8 ہجری میں مکہ ہی فتح ہوگیا اور اس ذلت و ہزیمت کے بعد وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ [3] لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور غَسَقِ کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن، نماز کے معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آجاتا ہے۔ جس کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جوامت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہیں۔ [4] یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے فرشتوں اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (صحیح البخاري، حديث: 4717) ایک اور حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود خوب جانتا ہے: ”تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟“ فرشتے کہتے ہیں کہ ”جب ہم ان کے پاس گئے تھے، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔“ (صحیح البخاري، حديث: 555، و صحیح مسلم، حديث: 632) [5] تہجد ہجود سے ہے اور بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ اضداد میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور رات کو بیدار رہنے کے بھی۔ یہاں اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ هُجود کے اصل معنی تو رات کے سونے کے ہی ہیں لیکن تَفَعُّل میں جانے سے اس میں تَجَنُّب کے معنی پیدا ہوگئے، جیسے تَاَثُّمْ کے معنی ہیں: گناہ سے اجتناب کرنا یا بچنا۔ اسی طرح تَهَجُّدْ کے معنی ہوں گے: سونے سے بچنا اور مُتَهَجِّدْ وہ ہوگا جو رات کو سونے سے بچا اور قیام کیا۔ بہرحال تہجد کا مفہوم عشاء کے بعد رات کے کسی حصے میں نوافل پڑھنا ہے۔ عموماً ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ بالعموم رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ زیادہ افضل ہے۔ [6] بعض نے اس کے معنی کیے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لیے خاص ہے، اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر تہجد بھی اسی طرح فرض تھی جس طرح پانچ نمازیں فرض تھیں، البتہ امت کے لیے تہجد کی نماز فرض نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نَافِلَةً (زائد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے رفع درجات کے لیے زائد چیز ہے کیونکہ آپ تو مغفور الذنب ہیں جبکہ امتیوں کے لیے یہ اور دیگر اعمال خیر کَفَّارۂ سَيِّئَات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نَافِلَةً نافلہ ہی ہے، یعنی نہ آپ ﷺ پر فرض تھی نہ آپ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس کی فضیلت یقیناً بہت ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے بڑا خوش ہوتا ہے، تاہم یہ نماز فرض وواجب نہ نبی ﷺ پر تھی اور نہ آپ کی امت پر ہی فرض ہے۔ [7] یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ وہ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔ [8] بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ آپ کو مدینے میں داخل ہونے اور مکے سے نکلنے کا مسئلہ درپیش تھا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: مجھے سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ قیامت والے دن اٹھانا۔ بعض کہتے ہیں کہ مجھے قبر میں سچا داخل کرنا اور قیامت کے دن جب قبر سے اٹھائے تو سچائی کے ساتھ قبر سے نکالنا وغیرہ۔

Marfat.com

الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿81﴾ وَنُنَزِّلُ
حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے﴿81﴾[1] اور ہم قرآن میں
مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ
سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، اور وہ ظالموں
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ
کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے﴿82﴾[2] اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے
وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَــُٔوْسًا ﴿83﴾ قُلْ
اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے، اور جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت مایوس ہو جاتا ہے﴿83﴾[3] کہہ دیجیے:
كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى
ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، چنانچہ تمھارا رب خوب جانتا[4] ہے کہ کون زیادہ سیدھے
سَبِيْلًا ﴿84﴾ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ
راستے پر ہے﴿84﴾ اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہیے: روح میرے رب
وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿85﴾ وَلَىِٕنْ شِئْنَا
کے حکم سے ہے، اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے﴿85﴾[5] اور البتہ اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور
لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ
لے جائیں جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے،[6] پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی
عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿86﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ
حمایتی نہ پائیں گے﴿86﴾[7] سوائے آپ کے رب کی رحمت کے،[8] بے شک آپ پر اس کا فضل
كَبِيْرًا ﴿87﴾ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي
بہت زیادہ ہے﴿87﴾[9] کہہ دیجیے: البتہ اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس
اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن
لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿88﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ
جائیں﴿88﴾ اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے، پھر بھی

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ دعا ہے، اس لیے اس کے عموم میں یہ سب باتیں آ جاتی ہیں۔

[1] حدیث میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت تھے، آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ چھڑی کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ "اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔" اور ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ (سبا 49:34) "حق آ گیا اور باطل پہلی بار ابھر سکا نہ دوبارہ ہی ابھرے گا۔" پڑھتے جاتے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4720، و صحیح مسلم، حدیث: 1781) [2] اس مفہوم کی آیت سورۂ یونس 57:10 میں گزر چکی ہے، اس کا حاشیہ ملاحظہ فرما لیا جائے۔ [3] اس میں انسان کی اس حالت و کیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوش حالی کے وقت اور تکلیف کے وقت مبتلا ہوتا ہے۔ خوش حالی میں وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف میں مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں اس سے مختلف ہوتا ہے۔ (دیکھیے: سورۂ ہود 11: 9-11 کے حواشی) [4] اس میں مشرکین کے لیے تہدید و وعید ہے اور اس کا وہی مفہوم ہے جو سورۂ ہود 122,121:11 کا ہے ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴾ شَاكِلَةٌ کے معنی نیت، دین، طریقے اور مزاج و طبیعت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کافر کے لیے ذم اور مومن کے لیے مدح کا پہلو ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر انسان ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے اس اخلاق و کردار پر مبنی ہوتا ہے جو اس کی عادت و طبیعت ہوتی ہے۔ [5] الرُّوْح وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت اتری۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4721، وصحیح مسلم، حدیث: 2794) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا علم، اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے اور یہ روح جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ بس اتنا سمجھو کہ یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے۔ یا میرے رب کی شان میں سے ہے جس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔ [6] یعنی وحی کے ذریعے سے جو تھوڑا بہت علم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بھی سلب کر لے، یعنی دل سے محو کر دے یا کتاب سے ہی مٹا دے۔ [7] جو دوبارہ اس وحی کو آپ کی طرف لوٹا دے۔ [8] کہ اس نے نازل کردہ وحی کو سلب نہیں کیا یا وحی الٰہی سے آپ کو مشرف فرمایا۔ [9] قرآن مجید سے متعلق یہ چیلنج اس سے قبل بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہ چیلنج آج

Marfat.com

كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿89﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ
اکثر لوگوں نے انکار کیا مگر کفر کرنے سے (انکار نہیں کیا) ﴿89﴾ [1] اور وہ بولے: [2] ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں
حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿90﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ
لائیں گے، حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے ﴿90﴾ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگور کا
نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿91﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ
ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) نہریں جاری کر دے ﴿91﴾ یا تو آسمان ٹکڑے
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿92﴾
ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے جیسے تو کہا کرتا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ ﴿92﴾ [3] یا
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
تیرے لیے سونے [4] کا گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے، اور ہم تیرے چڑھنے پر ہرگز ایمان
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ
نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، [5] کہیے: میرا رب پاک
10 ع 9 10 اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿93﴾ ع وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ
ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں ﴿93﴾ [6] اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد ان کو ایمان
الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿94﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ
لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے بشر رسول بھیجا ہے؟ ﴿94﴾ [7] کہہ دیجیے: اگر
فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ
زمین میں فرشتے ہوتے جو یہاں مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول
السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿95﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ
بنا کر نازل کرتے ﴿95﴾ [8] کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ (بطور) گواہ کافی ہے۔ [9] بے شک وہ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿96﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ
اپنے بندوں سے خوب باخبر اور (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے ﴿96﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے تو وہی
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ
ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ کرے تو آپ ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی دوست
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ
ہرگز نہ پائیں گے [10] اور ہم انھیں یوم قیامت چہرے کے بل، [11] اندھے، گونگے اور بہرے اٹھائیں

تک تشنۂ جواب ہے اور قیامت تک تشنۂ جواب ہی رہے گا۔ [1] یہ مفہوم اس سورت کی آیت: 41 میں بھی گزر چکا ہے۔ [2] ایمان لانے کے لیے قریش مکہ نے یہ مطالبات پیش کیے۔ [3] یعنی ہمارے روبرو آ کر کھڑے ہو جائیں اور ہم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ [4] زُخْرُف کے اصل معنی زینت کے ہیں۔ مُزَخْرَفْ مزین چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنی سونے کے ہیں۔ [5] یعنی ہم میں سے ہر شخص اسے صاف صاف خود پڑھ سکتا ہو۔ [6] مطلب یہ ہے کہ میرا رب تو ہر طرح کی طاقت رکھتا ہے، وہ چاہے تو تمھارے مطالبے آن واحد میں لفظ کُنْ سے پورے فرما دے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمھاری طرح) ایک بشر ہی ہوں۔ کیا کوئی بشر ان چیزوں پر قادر ہے؟ جو مجھ سے ان کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا رسول بھی ہوں لیکن رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، سو وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ رسالت کا حصہ نہیں ہے، البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر اگر معجزے دکھانے شروع کر دیے جائیں تو یہ سلسلہ تو کہیں بھی جا کر نہیں رک سکے گا، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا معجزہ دیکھنے کا آرزومند ہوگا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا، تبلیغ و دعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا، اس لیے معجزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے اور اس کی مشیت اس حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کر ہی نہیں سکتا۔ [7] یعنی کسی بشر کا رسول ہونا، کفار و مشرکین کے لیے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بات مانتے ہی نہیں تھے کہ ہمارے جیسا انسان جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتوں میں منسلک ہے، وہ رسول بن جائے۔ یہی استعجاب ان کے ایمان میں مانع رہا۔ [8] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب زمین میں انسان بستے ہیں تو ان کی ہدایت کے لیے رسول بھی انسان ہی ہوں گے۔ غیر انسان رسول، انسانوں کی ہدایت کا فریضہ کیسے سرانجام دے۔ ہاں! اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ان کے لیے رسول بھی یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔ [9] یعنی میرے ذمے جو تبلیغ و دعوت تھی، وہ میں نے پہنچا دی، اس بارے میں میرے اور تمھارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔ [10] میری تبلیغ و دعوت سے کون ایمان لاتا ہے، کون نہیں، یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہی ہے۔ [11] حدیث میں آتا ہے کہ

Marfat.com

جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا 97 ذٰلِكَ

گے؛[1] انکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے (97) یہ

جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا

ان کی سزا ہے، کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا

عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا 98

ہوجائیں گے تو کیا یقیناً ہم دوبارہ از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جانے والے ہیں؟ (98) [2] کیا انھوں

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ

نے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ نے آسمان اور زمین تخلیق کیے، وہ اس پر قادر ہے کہ ان

عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

جیسے پھر تخلیق کر دے؛[3] اور اس (اللہ) نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک

فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا 99 قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ

نہیں؛[4] پھر ان ظالموں نے انکار کیا مگر کفر کرنے سے (انکار نہ کیا) (99) کہہ دیجیے: اگر تم میرے رب کی

رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ

رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم انھیں خرچ ہوجانے[5] کے ڈر سے ضرور روک لیتے۔

الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا 100 ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ فَسْـَٔلْ

اور انسان نہایت ہی بخیل ہے (100) اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں،[6] چنانچہ آپ بنی اسرائیل

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب کا اظہار کیا کہ اوندھے منہ کس طرح حشر ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس اللہ نے ان کو پیروں سے چلنے کی قوت عطا کی ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انھیں منہ کے بل چلا دے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4760، و صحیح مسلم، حدیث: 2806)

[1] یعنی جس طرح وہ دنیا میں حق کے معاملے میں اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، قیامت والے دن بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے۔ [2] یعنی جہنم کی یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ انھوں نے ہماری نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی اور کائنات میں پھیلی ہوئی تکوینی آیات پر غور و فکر نہیں کیا جس کی وجہ سے انھوں نے وقوعِ قیامت اور بعث بعد الموت کو محال خیال کیا اور کہا کہ ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد ہمیں ایک نئی پیدائش کس طرح مل سکتی ہے؟ [3] اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، وہ ان جیسوں کی پیدائش یا دوبارہ انھیں زندگی دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ یہ تو آسمان و زمین کی تخلیق سے زیادہ آسان ہے، لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المؤمن 57:40) ''آسمان اور زمین کی پیدائش انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑا اور مشکل کام ہے۔'' اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے (سورۂ احقاف 33:46 میں اور سورۂ یٰسٓ 82,81:36) میں بھی بیان فرمایا ہے۔ [4] اس اَجَلًا (وقت مقرر) سے مراد موت یا قیامت ہے۔ یہاں سیاق کلام کے اعتبار سے قیامت مراد لینا زیادہ صحیح ہے، یعنی ہم نے انھیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ○ (ھود 104:11) ''ہم ان کے معاملے کو ایک وقت مقرر تک کے لیے مؤخر کر رہے ہیں۔'' [5] خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ کا مطلب ہے: خَشْيَةَ اَنْ يُّنْفِقُوْا فَيَفْتَقِرُوْا ''اس خوف سے کہ خرچ کر کے فقیر ہوجائیں گے۔'' حالانکہ یہ خزانۂ الٰہی ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔ لیکن چونکہ انسان تنگ دل واقع ہوا ہے، اس لیے بخل سے کام لیتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ (النسآء 53:4) یعنی ان کو اگر بادشاہی میں سے کچھ حصہ مل جائے تو یہ لوگوں کو کچھ نہ دیں۔ نقیر کھجور کی گٹھلی کی پشت میں جو نکتہ یا داغ سا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، تل برابر بھی کسی کو نہ دیں۔ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے خزانوں کے منہ لوگوں کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے: ''اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن خرچ کرتا ہے لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو سہی، جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں، کس قدر خرچ کیا ہوگا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں۔ (وہ بھرے کے بھرے ہیں۔)'' (صحیح البخاري، حدیث: 7419، و صحیح مسلم، حدیث: 993) [6] وہ نو معجزے یہ ہیں: ہاتھ کا سفید ہونا، لاٹھی کا سانپ بن جانا، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، جَرَادٌ (ٹڈی دل) قُمَّلٌ (کھٹمل، جوئیں) ضَفَادِعُ (مینڈک) اور خون۔ امام حسن بصری کہتے ہیں، کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ لاٹھی کا جادوگروں کی شعبدہ بازی کو نگل جانا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ بھی معجزات دیے گئے تھے، مثلاً: لاٹھی کا پتھر پر مار کر اس سے بارہ چشمے ظاہر ہونا، بادلوں کا سایہ ہونا، من و سلویٰ وغیرہ۔ لیکن یہاں آیات تسعہ سے صرف وہی نو معجزات مراد ہیں جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا، اسی لیے حضرت

Marfat.com

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ

سے پوچھیں، جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا: اے موسٰی! بے شک میں تجھے

یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿101﴾ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ

سحر زدہ سمجھتا ہوں ﴿101﴾ اس (موسٰی) نے کہا: تو یقینا جان چکا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ

رب ہی نے واضح دلائل بنا کر (غور کرنے کے لیے) نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! میں تو تجھے

یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿102﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ

ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں ﴿102﴾ پھر اس (فرعون) نے ارادہ کیا کہ انھیں اس زمین سے اکھاڑ دے تو ہم

وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿103﴾ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا ﴿103﴾ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا

اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِیۡفًا ﴿104﴾

کہ اس زمین[1] میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے ﴿104﴾ اور

وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ

ہم نے اس (قرآن) کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا،[2] اور ہم

اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿105﴾ وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ

نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا[3] بنا کر بھیجا ہے ﴿105﴾ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر

عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا ﴿106﴾ قُلۡ

کے (نازل) کیا،[4] تاکہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے

اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ

﴿106﴾ کہہ دیجیے: اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، بلاشبہ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان

اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿107﴾ وَّیَقُوۡلُوۡنَ

پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ﴿107﴾[5] اور وہ کہتے ہیں:

سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿108﴾ وَیَخِرُّوۡنَ

پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے ﴿108﴾[6] اور وہ روتے ہوئے

لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَیَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ﴿109﴾ قُلِ ادۡعُوا

اپنی ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے ﴿109﴾[7] کہہ دیجیے:

اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ

(اللہ کو) ''اللہ'' کہہ کر پکارو یا ''رحمٰن'' کہہ کر، تم جس نام سے بھی پکارو تو اسی کے لیے اچھے سے

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انفلاق بحر (سمندر کا پھٹ کر راستہ بن جانا) کو بھی ان نو معجزات میں شمار کیا ہے، قحط سالی اور نقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت (3144) میں آیات تسعہ (نو نشانیاں) کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن سنداً وہ روایت ضعیف ہے، اس لیے آیات تسعہ سے مراد یہی مذکورہ معجزات ہیں۔

[1] اس سرزمین سے مراد شام و مصر ہے کہ بنی اسرائیل چالیس سال میدان تیہ میں گزار کر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس کی شہادت سورۂ اعراف 7:137 وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے اور پھر داود اور سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں مصر کے وارث بھی بن گئے۔

[2] یعنی بحفاظت آپ تک پہنچ گیا، اس میں راستے میں کوئی کمی بیشی اور کوئی تبدیلی اور آمیزش نہیں کی گئی، اس لیے کہ اس کو لانے والا فرشتہ شَدِیدُ الْقُوٰی، اَلْاَمِینُ، مَکِینٌ اور مُطَاعٌ ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ [3] مُبَشِّرًا اطاعت گزاروں کے لیے اور وَنَذِیرًا نافرمانوں کے لیے۔ [4] فَرَقْنٰهُ کے ایک دوسرے معنی بَیَّنَّاهُ وَأَضَحْنَاهُ ''ہم نے اسے کھول کر اور وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔'' بھی کیے گئے ہیں۔ [5] یعنی وہ علماء جنھوں نے نزول قرآن سے قبل کی کتب پڑھی ہیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف ہیں، وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ انھیں آخری رسول کی پہچان کی توفیق دی اور قرآن و رسالت پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی۔

[6] مطلب یہ ہے کہ یہ کفار مکہ جو ہر چیز سے ناواقف ہیں اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ پروانہ کریں، اس لیے کہ جو اہل علم ہیں اور وحی و رسالت کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ قرآن سن کر وہ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے اور رب کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔ [7] ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑنے کا دوبارہ ذکر کیا کیونکہ پہلا سجدہ اللہ کی تعظیم و تنزیہ کے لیے اور بطور شکر تھا اور قرآن سن کر جو خشیت و رقت ان پر طاری ہوئی اور اس کی تاثیر و اعجاز سے جس درجہ وہ متاثر ہوئے، اس نے دوبارہ انھیں سجدہ ریز کر دیا۔

Marfat.com

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ
اچھے نام ہیں، [1] اور اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں نہ بالکل پست آواز سے، بلکہ اس کے بین بین
ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿110﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ
راستہ اختیار کریں ﴿110﴾ [2] اور کہہ دیجیے: ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے (اپنے لیے) کوئی
وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ
اولاد نہیں بنائی اور نہ بادشاہی میں اس کے لیے کوئی شریک ہے اور نہ اسے ناتوانی (وکمزوری) کی
لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿111﴾ ع 12/11/12
وجہ سے کوئی حمایتی درکار ہے اور آپ اس (اللہ) کی بڑائی بیان کریں، کمال درجے کی بڑائی ﴿111﴾

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 110 | رُكُوْعَاتُهَا: 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ
ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی
عِوَجًا ﴿1﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ
نہیں رکھی ﴿1﴾ [3] نہایت سیدھی (بغیر افراط وتفریط کے اتاری) تاکہ وہ اس (اللہ) [4] کی طرف سے
وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ
سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان
لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿2﴾ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿3﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ
کے لیے اچھا اجر ہے ﴿2﴾ اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿3﴾ لوگوں کو ڈرائے جنھوں

[1] جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے اللہ کا صفاتی نام "رحمٰن" یا "رحیم" نامانوس تھا اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بعض مشرکین نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یا رحمٰن یا رحیم کے الفاظ سنے تو کہا کہ ہمیں تو یہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

[2] اس کی شان نزول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ چھپ کر رہتے تھے، جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قدرے بلند فرما لیتے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو اور اللہ کو سب وشتم کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی آواز کو اتنا اونچا نہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ آواز اتنی پست کرو کہ صحابہ بھی نہ سن سکیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 7490، و صحيح مسلم، حديث: 446) خود نبی ﷺ کا واقعہ ہے کہ ایک رات نبی ﷺ کا گزر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے قراءت کر رہے ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جس سے مصروف مناجات تھا، وہ میری آواز سن رہا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اپنی آواز قدرے بلند کرو۔" اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: "اپنی آواز کچھ پست رکھو۔" (سنن أبي داود، حديث: 1329) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل) یعنی صلاۃ سے مراد دعا ہے جو درمیانی آواز سے مانگی جائے، آواز زیادہ اونچی ہو نہ بالکل پست۔ صلاۃ کے لغوی معنی دعا بھی ہیں۔ یا کل بول کر جز مراد لیا ہے۔ ※ کہف کے معنی غار کے ہیں۔ اس میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورۂ کہف کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ جو ان کو یاد کرے اور پڑھے گا، وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: 809) صحیح مسلم میں اول وآخر کی دونوں روایتیں ہیں۔ لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے پہلی دس آیات والی روایت کو محفوظ اور راجح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 123/2، حديث: 582، و رياض الصالحين، تحقيق شيخ ألباني، ص: 393) اور جو اس کی تلاوت جمعے کے دن کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی۔ (المستدرك للحاكم: 368/2، وصححه الألباني في صحيح الجامع الصغير: 1104/2، حديث: 6470) اس کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سورۂ کہف پڑھی، گھر میں گھوڑا بھی تھا، وہ بدکنا شروع ہو گیا، انھوں نے غور سے اوپر کی طرف دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انھیں ایک بادل نظر آیا جس نے انھیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی نے اس واقعے کا ذکر جب نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: "(قرآن) پڑھا کرو۔ قرآن پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 5011، وصحيح مسلم، حديث: 795) [3] یا کوئی کجی اور راہ اعتدال سے انحراف اس میں نہیں رکھا بلکہ اسے قیم، یعنی سیدھا رکھا۔ یا قیم کے معنی، بندوں کے دینی و دنیوی مصالح کی رعایت وحفاظت کرنے والی کتاب۔ [4] مِنْ لَّدُنْهُ جو اس اللہ کی طرف سے صادر اور نازل ہونے والا ہے۔

Marfat.com

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿4﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا

نے کہا کہ اللہ نے کوئی اولاد بنائی ہے④[1] نہ انھیں اس (بات) کا کوئی علم ہے اور نہ ان کے

لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ

باپ دادا کو، بڑی (ہی خطرناک) بات[2] ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، وہ تو سراسر جھوٹ

اِلَّا كَذِبًا ﴿5﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ

ہی بکتے ہیں⑤ پھر شاید آپ تو خود کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کرنے والے ہیں اگر یہ

لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿6﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي

(کافر) اس بات (قرآن)[3] پر ایمان نہ لائیں⑥ بلاشبہ ہم نے جو کچھ روئے زمین پر ہے،[4] اسے

الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿7﴾

اس کی زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے⑦

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿8﴾ اَمْ

اور جو کچھ اس (زمین) پر ہے، بلاشبہ یقیناً ہم اسے چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں⑧[5] کیا

حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ

آپ نے خیال کیا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب (نشانی)

اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿9﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ

تھے؟⑨[6] جب ان نوجوانوں نے غار کی طرف پناہ لی، تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب!

اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿10﴾

ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح رہنمائی مہیا فرما⑩[7]

فَضَرَبْنَا عَلٰٓي اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿11﴾

پھر ہم نے غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپک دیے⑪[8]

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا

پھر ہم نے انھیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ[9] یاد رکھنے

لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿12﴾ ع نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ

والا ہے جو انھوں نے گزاری⑫ ہم ان کا حال ٹھیک ٹھیک آپ سے بیان کرتے ہیں، بے شک

ع 1 12 13

[1] جیسے یہودیوں، عیسائیوں اور بعض مشرکین (کے خیال میں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) کا عقیدہ ہے۔ [2] اس کلمہ (تہمت) سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جو نرا جھوٹ ہے۔ [3] بِهٰذَا الْحَدِيْثِ (اس بات) سے مراد قرآن کریم ہے۔ کفار کے ایمان لانے کی جتنی شدید خواہش نبی ﷺ رکھتے تھے اور ان کے اعراض و گریز سے آپ کو جو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس میں آپ کی اسی کیفیت اور جذبے کا اظہار ہے۔ [4] روئے زمین پر جو کچھ ہے، حیوانات، جمادات، نباتات، معدنیات اور دیگر مدفون خزانے یہ سب دنیا کی زینت اور اس کی رونق ہیں۔ [5] صَعِيْدًا سطح زمین جُرُزًا بالکل ہموار، جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو، یعنی ایک وقت آئے گا کہ یہ دنیا اپنی تمام تر رونقوں سمیت فنا ہو جائے گی اور روئے زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی، اس کے بعد ہم نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔ [6] یعنی یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کا نظام، شمس و قمر اور کواکب کی تسخیر، رات اور دن کا آنا جانا اور دیگر بے شمار نشانیاں کیا کم تعجب انگیز ہیں۔ اَلْكَهْفِ اس غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتا ہے۔ وَالرَّقِيْمِ بعض کے نزدیک اس بستی کا نام ہے جہاں سے یہ نوجوان گئے تھے، بعض کہتے ہیں: اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار واقع تھا۔ بعض کہتے ہیں: رقیم بمعنی مرقوم ہے اور یہ ایک تختی ہے لوہے یا سیسے کی، جس میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اسے رقیم اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس پر نام تحریر ہیں۔ حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے اس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے اب (الرقیب) کہا جاتا ہے جو مرور زمانہ کے سبب (الرقیم) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ [7] یہ وہی نوجوان ہیں جنھیں اصحاب کہف کہا گیا، (تفصیل آگے آ رہی ہے) انھوں نے جب اپنے دین کو بچاتے ہوئے غار میں پناہ لی تو یہ دعا مانگی۔ اصحاب کہف کے اس قصے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے، آج کل کے نوجوانوں کا بیشتر وقت فضولیات میں برباد ہوتا ہے اور اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ کاش! آج کے مسلمان نوجوان ''در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری'' کے مصداق اپنی جوانیوں کو اللہ کی عبادت میں صرف کریں۔ [8] یعنی کانوں پر پردے ڈال کر ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ باہر کی آوازوں سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انھیں گہری نیند سلا دیا۔ [9] ان دو گروہوں سے مراد کون ہیں؟ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ اصحاب کہف ہی میں سے دو گروہ ہیں جن کو اپنی نیند کی مقدار کا صحیح علم نہ ہو سکا، یہی قول راجح ہے اور آیت: 19 سے اس کی تائید ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے

Marfat.com

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿13﴾ وَرَبَطْنَا
وہ چند نوجوان[1] تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ کیا ﴿13﴾ اور
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ
ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے[2] جب وہ کھڑے ہوئے[3] تو بولے: ہمارا رب تو آسمانوں اور
وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَا مِنْ دُونِهِ إِلٰهًا لَقَدْ
زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے، (اگر پکارا) تو یقیناً اس
قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ﴿14﴾ هٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً
وقت ہم نے ظلم وزیادتی والی بات کہی[4] ﴿14﴾ یہ ہماری قوم ہے، انھوں نے اللہ کے سوا کئی الٰہ بنا
لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ
رکھے ہیں وہ ان (کی عبادت) پر واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ پھر اس شخص سے زیادہ ظالم
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿15﴾ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ
کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ﴿15﴾ اور جب تم ان (لوگوں) سے اور جن کی وہ اللہ کے
إِلَّا اللّٰهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ
سوا عبادت کرتے ہیں ان سے الگ ہو گئے ہو تو غار میں[5] پناہ لو، کہ تمھارا رب اپنی رحمت (میں
رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ﴿16﴾ وَتَرَى
سے) تم پر پھیلا دے گا اور تمھارے لیے تمھارے کام میں آسانی پیدا کر دے گا ﴿16﴾ اور آپ
الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ
سورج کو دیکھیں گے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے
وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ
اور جب غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف کترا (کر نکل) جاتا ہے اور وہ اس (غار) کی
مِنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ
کھلی جگہ میں ہیں[6] یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے[7] جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ

کہ اولیاء اللہ عالم الغیب نہیں ہوتے۔ جبکہ بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ ایک حزب سے مراد اصحاب کہف اور دوسرے حزب سے شہر والے جن کے زمانے میں اصحاب کہف جگائے گئے۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں جماعتیں کافر تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ مومنوں کی جماعتیں تھیں۔
(روح المعاني، تفسير اللباب، تفسير القرطبي)

[1] اب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یہ نوجوان، بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، دقیانوس، جو لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دینے کی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور کائنات کا رب ہے۔ فِتْيَةٌ جمع قلت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد 9 یا اس سے بھی کم تھی۔ یہ الگ ہو کر کسی ایک جگہ اللہ واحد کی عبادت کرتے، آہستہ آہستہ لوگوں میں ان کے عقیدۂ توحید کا چرچا ہوا تو بادشاہ تک بات پہنچ گئی اور اس نے انھیں اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے پوچھا تو وہاں انھوں نے برملا اللہ کی توحید بیان کی۔ بالآخر پھر بادشاہ اور اپنی مشرک قوم کے ڈر سے اپنے دین کو بچانے کے لیے آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو گئے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور وہ تین سو نو (309) سال وہاں سوئے رہے۔ [2] یعنی ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے خویش و اقارب کی جدائی اور عیش و راحت کی زندگی سے محرومی کا جو صدمہ انھیں اٹھانا پڑا، ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا تا کہ وہ ان شدائد کو برداشت کر لیں۔ نیز حق گوئی کا فریضہ بھی جرأت اور حوصلے سے ادا کر سکیں۔

[3] اس قیام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک وہ طلبی ہے جو بادشاہ کے دربار میں ان کی ہوئی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر انھوں نے توحید کا یہ وعظ بیان کیا، بعض کہتے ہیں کہ شہر سے باہر آپس میں ہی کھڑے ایک دوسرے کو توحید کی وہ بات سنائی جو فرداً فرداً اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالی گئی اور یوں اہل توحید باہم اکٹھے ہو گئے۔ [4] شَطَطًا کے معنی جھوٹ، ظلم، حد سے تجاوز کرنے اور حق سے دور ہونے کے ہیں۔ [5] یعنی جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ یہ اصحاب کہف نے آپس میں کہا، چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو تلاش کیا گیا لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے جس طرح نبی ﷺ کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود، جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے تھے۔ [6] یعنی سورج طلوع کے وقت دائیں جانب کو اور غروب کے وقت بائیں جانب کو کترا کے نکل جاتا اور یوں دونوں وقتوں میں ان پر دھوپ نہ پڑتی، حالانکہ وہ غار میں کشادہ جگہ پر محو استراحت

Marfat.com

ع 2/14

الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿17﴾

ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی رہنما دوست نہیں پائیں گے ﴿17﴾ 1 اور

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ

آپ انھیں جاگتے ہوئے خیال کریں گے، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں 2 اور ہم ان کی دائیں

الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

طرف اور بائیں طرف کروٹیں بدلتے ہیں 3 اور ان کا کتا (غار کے) دہانے پر اپنے دونوں بازو

بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

پھیلائے ہوئے ہے، اگر آپ انھیں جھانک کر دیکھیں تو ان سے ضرور بھاگتے ہوئے پیٹھ پھیر

وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿18﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا

لیں اور آپ ضرور ان سے رعب میں بھر دیے جائیں ﴿18﴾ 4 اور اسی طرح ہم نے انھیں جگایا، 5 تاکہ وہ

بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوْا لَبِثْنَا

آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنا (عرصہ) ٹھہرے

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ

ہو؟ وہ بولے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ 6 پھر بولے: تمھارا رب خوب جانتا ہے 7 جتنی

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

دیر تم ٹھہرے، چنانچہ اب تم اپنی یہ چاندی (کے سکے) دے کر اپنا ایک آدمی شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ

دیکھے کہ اس (شہر) کا کون سا شخص طعام کے لحاظ سے پاکیزہ تر ہے، 8 تو وہ اس میں سے تمھارے

مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿19﴾ اِنَّهُمْ اِنْ

لیے کچھ کھانا لے آئے، اور وہ خوب نرمی (سے بات) کرے اور تمھارے متعلق بالکل کسی کو نہ بتائے ﴿19﴾ 9

يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

بلاشبہ اگر وہ تم پر مطلع ہو گئے تو تمھیں رجم کر دیں گے یا تمھیں اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿20﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

پھر اس وقت تم ہرگز فلاح نہیں پا سکو گے کبھی بھی ﴿20﴾ 10 اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان پر

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا

مطلع کر دیا 11 تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یقیناً قیامت، اس میں کوئی

تھے۔ فَجْوَةٍ کے معنی ہیں: کشادہ جگہ۔ [7] یعنی سورج کا اس طرح نکل جانا کہ باوجود کھلی جگہ ہونے کے وہاں دھوپ نہ پڑے، اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

[1] جیسے دقیانوس بادشاہ اور اس کے پیروکار ہدایت سے محروم رہے تو کوئی انھیں راہ یاب نہیں کر سکا۔ [2] اَيْقَاظًا يَقِظٌ (ق کے کسرے اور ضمے کے ساتھ) کی جمع اور رُقُوْدٌ رَاقِدٌ کی جمع ہے۔ وہ بیدار اس لیے محسوس ہوتے تھے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں، جس طرح جاگنے والے شخص کی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زیادہ کروٹیں بدلنے کی وجہ سے وہ بیدار بیدار نظر آتے تھے۔ [3] تاکہ ان کے جسموں کو مٹی نہ کھا جائے۔

[4] یہ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جا سکے۔ [5] یعنی جس طرح ہم نے انھیں اپنی قدرت سے سلا دیا تھا، اسی طرح تین سو نو سال کے بعد ہم نے انھیں اٹھا دیا اور اس حال میں اٹھایا کہ ان کے جسم اسی طرح صحیح تھے جس طرح تین سو سال قبل سوتے وقت تھے، اسی لیے آپس میں ایک دوسرے سے انھوں نے سوال کیا۔ [6] گویا جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے، صبح کا پہلا پہر تھا اور جب بیدار ہوئے تو دن کا آخری پہر تھا، یوں وہ سمجھے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے بھی کم، دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔ [7] تاہم کثرت نوم کی وجہ سے وہ سخت تردد میں رہے اور بالآخر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہی صحیح مدت جانتا ہے۔ [8] بیدار ہونے کے بعد خوراک، جو انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے، کا سروسامان کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔ [9] احتیاط اور نرمی کی تاکید اسی اندیشے کے پیش نظر کی، جس کی وجہ سے وہ شہر سے نکل کر ایک ویرانے میں آئے تھے۔ اسے تاکید کی کہ کہیں اس کے رویے سے شہر والوں کو ہمارا علم نہ ہو جائے اور کوئی نئی افتاد ہم پر نہ آ پڑے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔ [10] یعنی آخرت کی جس کامیابی کے لیے ہم نے یہ صعوبت، مشقت برداشت کی، ظاہر بات ہے کہ اگر اہل شہر نے ہمیں مجبور کر کے پھر آبائی دین کی طرف لوٹا دیا تو ہمارا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، ہماری محنت بھی برباد جائے گی اور ہم نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔ [11] یعنی جس طرح ہم نے انھیں سلایا اور جگایا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا۔ یہ آگاہی اس طرح ہوئی کہ جب اصحاب کہف کا ایک ساتھی چاندی کا وہ سکہ لے کر شہر گیا، جو تین سو سال قبل کے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا تھا اور وہ سکہ اس نے ایک دکاندار کو دیا تو وہ حیران ہوا، اس نے ساتھ کی دکان والے کو دکھایا، وہ بھی دیکھ کر حیران ہوا، جبکہ اصحاب کہف

Marfat.com

اِذۡ یَتَنَازَعُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ اَمۡرَہُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَیۡہِمۡ

شک نہیں[1] جب (لوگ) ان کے معاملے میں باہم جھگڑ رہے تھے،[2] تو انھوں نے کہا: ان پر

بُنۡیَانًا ؕ رَبُّہُمۡ اَعۡلَمُ بِہِمۡ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ

ایک عمارت بنا دو،[3] ان کا رب انھیں بہتر جانتا ہے[4] جو ان کے معاملے پر غالب ہو گئے تھے،

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡہِمۡ مَّسۡجِدًا ﴿21﴾ سَیَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَۃٌ رَّابِعُہُمۡ

وہ بولے: ہم ان پر ضرور ضرور ایک عبادت گاہ بنائیں گے[5] ﴿21﴾ عنقریب (کچھ لوگ) کہیں گے:

کَلۡبُہُمۡ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَۃٌ سَادِسُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ

وہ تین ہیں ان کا چوتھا ان کا کتا ہے۔ اور (کچھ دوسرے) کہیں گے: وہ پانچ ہیں، ان کا چھٹا ان کا

رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَۃٌ وَّ ثَامِنُہُمۡ کَلۡبُہُمۡ ؕ

کتا ہے،[6] بن دیکھے پتھر مارتے ہوئے،[7] اور (کچھ لوگ یہ بھی) کہیں گے: وہ سات ہیں، ان کا آٹھواں

قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِہِمۡ مَّا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا

ان کا کتا ہے۔[8] آپ کہہ دیجیے: میرا رب ہی ان کی گنتی سے خوب واقف ہے، بہت تھوڑے لوگ ہی

قَلِیۡلٌ ۬۟ فَلَا تُمَارِ فِیۡہِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا ۪ وَّ لَا تَسۡتَفۡتِ

ان (کے حال) کو جانتے ہیں،[9] لہٰذا آپ ان کی بابت بحث نہ کریں، سوائے سرسری بحث کے۔[10] اور

ساتھی یہ کہتا رہا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں اور کل ہی یہاں سے گیا ہوں لیکن اس ''کل'' کو تین صدیاں گزر چکی تھیں، لوگ کس طرح اس کی بات مان لیتے؟ لوگوں کو شبہ گزرا کہ کہیں اس شخص کو مدفون خزانہ نہ ملا ہو۔ شدہ شدہ بات بادشاہ یا حاکم مجاز تک پہنچی اور اس ساتھی کی مدد سے وہ غار تک پہنچا اور اصحاب کہف سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دے دی۔ (ابن کثیر)

[1] یعنی اصحاب کہف کے اس واقعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کا وعدۂ الٰہی سچا ہے۔ منکرین کے لیے اس واقعے میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔ [2] اِذۡ یا تو ظرف ہے اَعۡثَرۡنَا کا، یعنی ہم نے انھیں اس وقت ان کے حال سے آگاہ کیا، جب وہ بعث بعد الموت یا وقوع قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے یا لِیَعۡلَمُوۡۤا کا، یعنی تاکہ وہ جان لیں جب وہ اس معاملے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ [3] یہ کہنے والے کون تھے، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کے اہل ایمان تھے، بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی تھے، جب جا کر انھوں نے ملاقات کی اور اس کے بعد اللہ نے انھیں پھر وفات دے دی تو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک عمارت بنا دی جائے۔ [4] جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بابت صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ [5] یہ غلبہ حاصل کرنے والے اہل ایمان تھے یا اہل کفر و شرک؟ امام شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں واللہ أعلم (اللہ ہی خوب جانتا ہے) کہنے کے بعد فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ بات کہنے والے فرماں روا اور ارباب اختیار تھے اور کیا ان کا یہ فعل محمود ہے؟ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبياءهم مساجد» (صحيح البخاري، حديث: 1330، وصحيح مسلم، حديث: 529) ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔'' صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ''پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تمھیں اس سے روکتا ہوں۔'' (صحيح مسلم، حديث: 532) عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق میں دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ اسے لوگوں سے مخفی رکھا جائے (چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔) (تفسیر ابن کثیر) [6] یہ کہنے والے اور ان کی مختلف تعداد بتلانے والے عہد رسالت کے مومن اور کافر تھے اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب تھے جو کتب سماویہ سے آگاہی اور علم کا دعویٰ رکھتے تھے۔ [7] یعنی علم ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے، جس طرح بغیر دیکھے کوئی پتھر مارے، یہ بھی اسی طرح اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔ [8] اللہ تعالیٰ نے صرف تین قول بیان فرمائے، پہلے دو قولوں کو رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ (ظن و تخمین) کہہ کر ان کو کمزور رائے قرار دیا اور اس تیسرے قول کا ذکر اس کے بعد کیا جس سے بعض اہل تفسیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ انداز اس قول کی صحت کی دلیل ہے اور فی الواقع ان کی تعداد اتنی ہی تھی۔ (ابن کثیر) [9] بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے: میں بھی ان کم لوگوں میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی؟ وہ صرف سات تھے جیسا کہ تیسرے قول میں بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر) [10] یعنی صرف ان ہی باتوں پر اکتفا کریں جن کی اطلاع آپ کو وحی کے ذریعے سے کر دی گئی ہے۔ یا تعیین عدد میں بحث و تکرار نہ کریں، صرف یہ کہہ دیں کہ اس تعیین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

Marfat.com

ع 3 15

فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿22﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ

آپ ان کی بابت ان میں سے کسی سے بھی نہ پوچھیں﴿22﴾[1] اور آپ کسی شے کے متعلق کبھی یہ نہ کہیں:

فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿23﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

بے شک میں اسے کل کرنے والا ہوں﴿23﴾ مگر یہ کہ اللہ چاہے[2] اور جب آپ بھول جائیں تو

اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ

اپنے رب کو یاد کریں[3] اور کہیں: امید ہے کہ میرا رب اس معاملے میں رشد و بھلائی

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿24﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ

سے قریب تر بات کی طرف میری رہنمائی کرے گا﴿24﴾[4] اور وہ اپنے غار میں

سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

تین سو سال رہے اور مزید نو (سال)﴿25﴾[5] کہہ دیجیے: اللہ ہی خوب جاننے

لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ

والا ہے اس مدت کو جتنا (عرصہ) وہ رہے، آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے لیے ہے۔ وہ کیا ہی

وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ

خوب ہے دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا![6] ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں، اور

فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ

وہ اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا﴿26﴾ اور آپ اس کی تلاوت کیجیے جو کچھ آپ کے رب کی

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ

کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے،[7] اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ اس

دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿27﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

کے سوا کوئی جائے پناہ ہرگز نہیں پائیں گے﴿27﴾[8] اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں

رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے

[1] یعنی بحث کرنے والوں سے ان کی بابت کچھ نہ پوچھیں، اس لیے کہ جس سے پوچھا جائے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم ہونا چاہیے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ کے پاس تو پھر بھی یقینی علم کا ایک ذریعہ (وحی) موجود ہے، جبکہ دوسروں کے پاس ظنون و اوہام کے سوا کچھ نہیں۔ [2] مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی ﷺ سے تین باتیں پوچھی تھیں، روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کون تھے؟ کہتے ہیں کہ یہی سوالات اس سورت کے نزول کا سبب بنے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں کل جواب دوں گا لیکن اس کے بعد 15 دن تک جبریل وحی لے کر نہیں آئے، پھر جب آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان شاء اللہ کہنے کا یہ حکم دیا۔ آیت میں کل (غد) سے مراد مستقبل ہے، یعنی جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کرو تو ان شاء اللہ ضرور کہا کرو کیونکہ انسان کو تو پتا نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملنی ہے یا نہیں؟ [3] یعنی اگر کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آ جائے ان شاء اللہ کہہ لو یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب اس کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار ہے، اس لیے کہ نسیان بوجۂ شیطان ہے اور اللہ کے ذکر سے بات یاد آ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) [4] یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔ [5] جمہور مفسرین نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ شمسی حساب سے 300 اور قمری حساب سے 309 سال بنتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ انھی لوگوں کا قول ہے جو ان کی مختلف تعداد بتلاتے تھے، جس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے: ''اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے۔'' جس کا مطلب وہ مذکورہ مدت کی نفی لیتے ہیں۔ لیکن جمہور کی تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب یا کوئی اور، اس بتلائی ہوئی مدت سے اختلاف کرے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ جب اس نے تین سو نو سال مدت بتلائی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟ [6] یہ اللہ کی صفت بصارت و سماعت کی وضاحت ہے۔ [7] ویسے تو یہ حکم عام ہے کہ جس چیز کی بھی وحی آپ کی طرف کی جائے، اس کی تلاوت فرمائیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ لیکن اصحاب کہف کے قصے کے خاتمے پر اس حکم سے مراد یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں لوگ جو چاہیں، کہتے پھریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ اور جتنا کچھ بیان فرما دیا ہے، وہی صحیح ہے، وہی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیجیے، اس سے زیادہ دیگر باتوں کی طرف دھیان نہ دیجیے۔ [8] یعنی اگر اسے بیان کرنے سے گریز و انحراف کیا یا اس کے کلمات میں تغیر و تبدیلی کی کوشش کی تو اللہ سے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن اصل مخاطب امت ہے۔

Marfat.com

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
تجاوز نہ کریں[1] کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں[2] اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا معاملہ حد
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (28) وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ
سے بڑھا ہوا ہے (28)[3] اور کہہ دیجیے: حق تو تمھارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے ایمان
شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا
لائے اور جو چاہے کفر کرے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی
لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ
قناتوں نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ایسے پانی کے
يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ
ساتھ ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا، وہ (ان کے) چہرے بھون
بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (29) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ڈالے گا وہ برا مشروب ہے اور وہ بری آرام گاہ ہے (29) بے شک جو لوگ ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ
اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے اچھا
عَمَلًا (30) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
عمل کیا (30)[4] انھی لوگوں کے لیے ابدی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری
الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ
ہیں، وہاں انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے[5] اور وہ باریک اور
ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى
موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے،[6] وہاں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔
الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا (31) وَاضْرِبْ لَهُمْ
کیا اچھا بدلہ ہے اور وہ اچھی آرام گاہ ہے! (31) اور (اے نبی!)
مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ
ان کے لیے ایک مثال بیان کیجیے، دو آدمی ہیں،[7] ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا (32)
باغ عطا کیے اور ان کے گرد کھجوروں کی باڑ لگا دی[8] اور ان دونوں کے درمیان کھیتی اگائی (32)[9]

ع 4 / 9 / 16

[1] یہ وہی حکم ہے جو اس سے قبل (الأنعام 52:6) میں گزر چکا ہے۔ مراد ان سے وہ صحابۂ کرام ہیں جو غریب اور کمزور تھے جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہُذیل قبیلے کا صحابی اور دو صحابہ اور تھے رضی اللہ عنہم۔ قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بات سنیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2413) [2] یعنی ان کو دور کر کے آپ اصحاب شرف واہل ثروت کو اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں؟ [3] فُرُطًا بمعنی افراط ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا معاملہ اسراف وحد سے تجاوز والا ہے اور اگر بمعنی تفریط ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ ان کا کام تفریط اور تضییع پر مبنی ہے، جس کا نتیجہ ضیاع اور ہلاکت ہے۔ [4] قرآن کے انداز بیان کے مطابق جہنمیوں کے ذکر کے بعد اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگوں کے اندر جنت حاصل کرنے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔ [5] زمانۂ نزول قرآن اور اس سے ماقبل رواج تھا کہ بادشاہ، رؤساء اور سرداران قبائل اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنتے تھے، جس سے ان کی امتیازی حیثیت نمایاں ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی جنت میں کڑے پہنائے جائیں گے۔ [6] سُنْدُسٍ باریک ریشم اور موٹا ریشم۔ دنیا میں مردوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس ممنوع ہیں، جو لوگ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں ان محرمات سے اجتناب کریں گے، انھیں جنت میں یہ ساری چیزیں میسر ہوں گی۔ وہاں کوئی چیز ممنوع نہیں ہو گی بلکہ اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے، وہ موجود ہو گی۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدة 31:41) ''جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب جنت میں موجود ہے۔'' [7] مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے لیے بطور مثال ان کا تذکرہ کیا ہے یا واقعی دو شخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں

Marfat.com

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا
دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا [1] اور ان کے درمیان ہم نے
خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿33﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصٰحِبِهٖ وَهُوَ
ایک نہر بہائی ﴿33﴾ [2] اور اس کے لیے پھل تھے تو وہ اپنے ساتھی [3] سے کہنے لگا، جبکہ اس سے بحث
يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿34﴾ وَدَخَلَ
کر رہا تھا: میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور جتھے [4] میں (بھی) زیادہ معزز ہوں ﴿34﴾ اور وہ
جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ
اپنے باغ میں داخل ہوا، جبکہ وہ اپنی جان کے لیے ظالم تھا، اس نے کہا: میں گمان نہیں کرتا کہ
هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿35﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ
یہ (باغ) کبھی تباہ ہوگا ﴿35﴾ اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، اور اگر
رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا
(بالفرض) واقعی مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً ضرور میں وہاں ان (باغوں) سے
مُنْقَلَبًا ﴿36﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ
بہتر [5] لوٹنے کی جگہ پاؤں گا ﴿36﴾ اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا، جبکہ اسے جواب دے
بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ
رہا تھا: کیا تو اس (ذات) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے،
ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿37﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ
پھر تجھے ٹھیک پورا مرد بنا دیا؟ ﴿37﴾ [6] لیکن (میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ) وہ اللہ ہی میرا رب ہے،
وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿38﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ
اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا ﴿38﴾ [7] اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو

یا اہل مکہ میں سے تھے، ان میں ایک مومن اور دوسرا کافر تھا۔ [8] جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے، جو باڑ اور چار دیواری کا کام دیتے تھے۔ [9] یعنی دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی جس سے غلہ جات کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں۔ یوں دونوں باغ غلے اور میووں کے جامع تھے۔

[1] یعنی اپنی پیداوار میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے بلکہ بھرپور پیداوار دیتے تھے۔ [2] تاکہ باغوں کو سیراب کرنے میں کوئی انقطاع واقع نہ ہو۔ یا بارانی علاقوں کی طرح بارش کے محتاج نہ رہیں۔ [3] یعنی باغوں کے مالک نے، جو کافر تھا، اپنے ساتھی سے کہا جو مومن تھا۔ [4] نَفَرًا (جتھے) سے مراد اولاد، پیروکار اور نوکر چاکر ہیں۔

[5] یعنی وہ کافر عجب اور غرور میں ہی مبتلا نہیں ہوا بلکہ اس کی مدہوشی اور مستقبل کی حسین اور لمبی امیدوں نے اسے اللہ کی گرفت اور مکافات عمل سے بالکل غافل کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے قیامت کا ہی انکار کر دیا، پھر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوئی بھی تو وہاں بھی حسن انجام میرا مقدر ہوگا۔ جن کا کفر وطغیان حد سے تجاوز کر جاتا ہے، وہ مست مئے پندار ہو کر ایسے ہی متکبرانہ دعوے کرتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (حٰمٓ السجدۃ 41:50) "اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے اچھائیاں ہی ہیں۔" اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ (مریم 19:77) "کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور دعویٰ کیا کہ آخرت میں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا" [6] اس کی یہ باتیں سن کر اس کے مومن ساتھی نے اس کو وعظ و تبلیغ کے انداز میں سمجھایا کہ تو اپنے خالق کے ساتھ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے، جس نے تجھے مٹی اور قطرۂ پانی (منی) سے پیدا کیا۔ ابو البشر آدم علیہ السلام چونکہ مٹی سے بنائے گئے تھے، اس لیے انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی، پھر قریبی سبب وہ نطفہ بنا جو باپ کی صلب سے نکل کر رحم مادر میں گیا، وہاں نو مہینے اس کی پرورش کی، پھر اسے پورا انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا۔ بعض کے نزدیک مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے، وہ سب زمین سے، یعنی مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے، اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے جو عورت کے رحم میں جا کر انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں بھی ہر انسان کی اصل مٹی ہی قرار پاتی ہے۔ ناشکرے انسان کو اس کی اصل یاد دلا کر اسے اس کے خالق اور رب کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تو اپنی حقیقت اور اصل پر غور کر اور پھر رب کے ان احسانات کو دیکھ کہ تجھے اس نے کیا کچھ بنا دیا اور اس عمل تخلیق میں کوئی اس کا شریک اور مددگار نہیں ہے، یہ سب کچھ کرنے والا صرف اور صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کو ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہے۔ آہ، کس قدر یہ انسان ناشکرا ہے؟ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرآءیل 17:67) [7] یعنی میں تیری طرح کی بات نہیں کروں گا بلکہ میں تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار واعتراف کرتا ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی مشرک ہی تھا۔

Marfat.com

جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ
کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ[1] (جو اللہ نے چاہا، کوئی قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے)؟
اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا 39 فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ
اگر تو مجھے مال اوراولاد میں کمتر دیکھتا ہے(39) تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ
خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ
سے بہتر دے[2] اور اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیجے تو وہ (باغ)
فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا 40 اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ
چٹیل پھسلنا میدان ہو جائے(40)[3] یا اس کا پانی گہرا ہو جائے، پھر تو ہرگز اسے تلاش کرنے
تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا 41 وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ
کی استطاعت نہیں رکھے گا(41)[4] اوراس کا پھل گھیر لیا (تباہ کردیا) گیا،[5] پھر وہ (ایسے) ہوگیا کہ
یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی
اس (مال) پر اپنی ہتھیلیاں ملتا تھا جو اس نے اس میں خرچ کیا تھا،[6] جبکہ وہ (باغ) اپنی
عُرُوْشِهَا وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا 42
چھتریوں پر گرا ہوا تھا[7] اور وہ کہتا تھا: اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ
وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا
کرتا(42)[8] اوراس کے لیے کوئی ایسا گروہ نہیں تھا[9] جو اللہ کے سوا اس کی مدد کرتے اور نہ وہ (خود
كَانَ مُنْتَصِرًا 43 هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ
ہم سے) بدلہ لینے والا تھا(43) وہاں تو تمام اختیار[10] اللہ سچے ہی کے لیے ہے، وہ ثواب (دینے)

[1] اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت سرکشی اور غرور کا مظاہرہ کرنے کی بجائے یہ کہا ہوتا: مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہے تو اسے باقی رکھے اور چاہے تو فنا کر دے، اسی لیے بعض سلف نے کہا کہ جس کو اپنا مال، اولاد یا حال اچھا لگے تو وہ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔ (تفسیر ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی میں خوش کن چیز دیکھے تو اسے برکت کی دعا دے کیونکہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3509، وصحیح الجامع الصغیر، حدیث: 4020) [2] دنیا میں یا آخرت میں۔ یا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں۔ [3] حُسْبَانٌ غُفران اور بُطلان کی طرح مصدر ہے حساب کے معنی میں ہے، یعنی وہ مقدار جس کا حساب اللہ نے کیا ہے اور اسے مقدر کیا ہے اور وہ ہے اس باغ کی تخریب کا فیصلہ۔ زجاج نے کہا: یہ حساب سے ہے، یعنی حساب کا عذاب اور وہ تیرے کرتوتوں کا حساب ہے، یعنی آسمانی عذاب کے ذریعے سے وہ محاسبہ کر لے۔ اور یہ جگہ جہاں اس وقت سرسبز و شاداب باغ ہے، چٹیل اور چکنا میدان بن جائے۔ [4] اس پانی کو اتنی گہرائی میں کر دے کہ پانی کا حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جہاں پانی زیادہ گہرائی میں چلا جائے تو پھر وہاں بڑے بڑے ہارس پاور کی موٹریں اور مشینیں بھی پانی کو اوپر کھینچ لانے میں ناکام رہتی ہیں۔ [5] یہ عبارت ہے ہلاکت وفنا سے، یعنی اس کا سارا باغ ہلاک کر ڈالا گیا۔ [6] یعنی باغ کی تعمیر واصلاح اور کاشت کاری کے اخراجات پر کف افسوس ملنے لگا۔ ہاتھ ملنا کنایہ ہے ندامت سے۔ [7] یعنی جن چھتوں، چھپروں پر انگوروں کی بیلیں تھیں، وہ سب زمین پر آ رہیں اور انگوروں کی ساری فصل تباہ ہوگئی۔ [8] اب اسے احساس ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اس کے احکام کا انکار کرنا اور اس کے مقابلے میں سرکشی کسی طرح بھی ایک انسان کے لیے زیبا نہیں لیکن اب حسرت وافسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ [9] جس جتھے پر اس کو ناز تھا، وہ بھی اس کے کام نہیں آیا نہ وہ خود ہی اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی انتظام کر سکا۔ [10] اَلْوَلَایَةُ کے معنی موالات اور نصرت کے ہیں، یعنی اس مقام پر مومن وکافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد کرنے پر اور اس کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر اس موقع پر بڑے بڑے سرکش اور جبار بھی اظہار ایمان پر مجبور ہو جاتے ہیں، گو اس وقت کا ایمان نافع اور مقبول نہیں۔ جس طرح قرآن نے فرعون کی بابت نقل کیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس 10:90) ''میں اس اللہ پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' دوسرے کفار کی بابت فرمایا گیا: ''جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، ان کا انکار کرتے ہیں۔'' (المؤمن 40:84) اگر ولایت، واؤ کے کسرے کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی حکم اور اختیارات کے ہیں جیسا کہ ترجمے میں یہی معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

ع 5 13 17

خَیۡرٌ ثَوَابًا وَّخَیۡرٌ عُقۡبًا ﴿44﴾ وَاضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلَ الۡحَیٰوۃِ
میں بہتر اور انجام کے لحاظ سے زیادہ[1] اچھا ہے ﴿44﴾ اور ان کے لیے دنیاوی زندگی کی مثال بیان
الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ
کیجیے: جیسے پانی (مینہ)، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا، پھر اس سے زمین کی نباتات خوب
الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ ہَشِیۡمًا تَذۡرُوۡہُ الرِّیٰحُ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی
مل جل گئی، پھر وہ چورا چورا ہوگئی جسے ہوائیں اڑالے جاتی ہیں، اور اللہ ہر شے پر بہت
کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿45﴾ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ
قدرت رکھنے والا ہے ﴿45﴾ [2]مال اور بیٹے تو دنیاوی زندگی کی زینت ہیں،[3] اور آپ کے رب کے
الدُّنۡیَا ۚ وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا
ہاں باقی رہنے والی نیکیاں[4] ہی ثواب میں بہتر ہیں اور امید لگانے کے اعتبار سے (بھی)
وَّخَیۡرٌ اَمَلًا ﴿46﴾ وَیَوۡمَ نُسَیِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَی الۡاَرۡضَ
بہتر ہیں ﴿46﴾ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے[5] اور آپ زمین کو صاف کھلی (میدان کی طرح)
بَارِزَۃً ۙ وَّحَشَرۡنٰہُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡہُمۡ اَحَدًا ﴿47﴾
دیکھیں گے، اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے ﴿47﴾ [6]
وَعُرِضُوۡا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا کَمَا
اور وہ آپ کے رب کے سامنے صف بستہ[7] پیش کیے جائیں گے (کہا جائے گا:) یقینا تم ہمارے
خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ۫ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ
پاس (ایسے) آئے ہو جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا، بلکہ تم سمجھتے تھے کہ ہم تمھارے لیے وعدے

[1] یعنی وہی اپنے دوستوں کو بہتر بدلہ دینے والا اور حسن عاقبت سے مشرف کرنے والا ہے۔ [2] اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو کھیتی کی ایک مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی میں لگے ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے تو پانی سے مل کر کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ جاتی ہے۔ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا فصل پک جانے کے سبب۔ تو پھر ہوائیں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا کبھی اسے دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلبلے یا کھیتی ہی کی طرح ہے جو اپنی چند روزہ بہار دکھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے (مثلاً: سورۂ یونس 10:24، سورۂ زمر 39:21، سورۂ حدید 57:20 وغیرھا من الآیات) [3] اس میں ان اہل دنیا کا رد ہے جو دنیا کے مال و اسباب، قبیلہ و خاندان اور آل اولاد پر فخر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ چیزیں تو دنیائے فانی کی عارضی زینت ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ اسی لیے اس سے آگے فرمایا کہ آخرت میں کام آنے والے عمل تو وہ ہیں جو باقی رہنے والے ہیں۔ [4] اَلۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ (باقی رہنے والی نیکیاں) کون سی یا کون کون سی ہیں؟ کسی نے نماز کو، کسی نے تحمید و تسبیح اور تکبیر و تہلیل کو اور کسی نے بعض اور اعمال خیر کو اس کا مصداق قرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے اور تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ تمام فرائض و واجبات اور سنن و نوافل سب باقیات صالحات ہیں بلکہ مَنۡہِیَّات (منع کردہ چیزوں) سے اجتناب بھی ایک عمل صالح ہے، جس پر عند اللہ اجر و ثواب کی امید ہے۔ [5] یہ قیامت کی ہولناکیوں اور بڑے بڑے واقعات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کو چلائیں گے کا مطلب ہے: پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ جائیں گے۔ وَتَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝ (القارعۃ 101:5) ''اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔'' (مزید دیکھیے: سورۂ طور 52:9، 10، سورۂ نمل 27:88 اور سورۂ طٰہٰ 20:105-107) زمین سے جب پہاڑ جیسی مضبوط چیزیں ختم ہو جائیں گی تو مکانات، درخت اور اسی طرح کی دیگر چیزیں کس طرح اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گی؟ اسی لیے آگے فرمایا: ''تو زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا۔'' [6] یعنی اولین و آخرین، چھوٹے بڑے، کافر و مومن سب کو جمع کریں گے، کوئی زمین کی تہ میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کسی جگہ چھپ سکے گا۔ [7] صَفًّا عُرِضُوۡا کی ضمیر مرفوع سے حال ہے اور صف اگرچہ مفرد ہے لیکن اس سے مراد جمع ہی ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے: أَہْلُ الْجَنَّۃِ عِشْرُونَ وَمِائَۃُ صَفٍّ ثَمَانُونَ مِنْہَا مِنْ ہٰذِہِ الْأُمَّۃِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ ''اہل جنت کی 120 صفیں ہوں گی جن میں سے اَسّی صفیں اس امت کی ہونگی اور چالیس صفیں باقی امتوں سے۔'' (جامع الترمذي، حدیث: 2546) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مفرد ہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک ہی صف میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

Marfat.com

لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿48﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے ﴿48﴾ اور (ہر ایک کا) اعمال نامہ (سامنے) رکھ دیا جائے گا، پھر آپ
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَا
مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس کے مندرجات (تحریر) سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے
لِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ
ہماری کم بختی! کیسا ہے یہ اعمال نامہ جو نہیں چھوڑ رہا کسی چھوٹے اور نہ بڑے (عمل) کو مگر اس نے
اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ
اسے شمار کر رکھا ہے۔ اور انھوں نے جو عمل کیے تھے حاضر پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم
رَبُّكَ اَحَدًا ﴿49﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
نہیں کرے گا ﴿49﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ
نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا،[1] چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی،[2] کیا پھر
رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ
(بھی) تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو جبکہ وہ تمھارے دشمن
لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿50﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ
ہیں؟[3] وہ (شیطان) ظالموں کے لیے بطور بدل برا ہے ﴿50﴾[4] میں نے انھیں نہ
خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ
آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں گواہ حاضر کیا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے میں،[5] اور میں
مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿51﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا
گمراہ کرنے والوں کو بازو (مددگار) بنانے والا نہیں ﴿51﴾[6] اور جس دن وہ (اللہ) کہے گا: پکارو
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا
میرے ان شریکوں کو جنھیں تم (میرا شریک) سمجھتے تھے، پھر وہ انھیں پکاریں گے مگر وہ انھیں
لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿52﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ
کوئی جواب نہ دیں گے، اور ہم ان کے درمیان ہلاکت گاہ بنا دیں گے ﴿52﴾[7] اور مجرم آگ کو
النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا
دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ بے شک وہ اس میں گرنے والے ہیں، اور وہ اس سے پھرنے کی

[1] قرآن کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ شیطان فرشتہ نہیں تھا، فرشتہ اگر ہوتا تو حکم الٰہی سے سرتابی کی اسے مجال ہی نہ ہوتی کیونکہ فرشتوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿﴾ (التحریم 6:66) ''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔'' اس صورت میں یہ اشکال رہتا ہے، اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا کیونکہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے، انھی کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے علاوہ شیطان کو بھی مستقلاً حکم تھا اور سجدۂ آدم کے حکم کے ساتھ اس کا مخاطب کیا جانا قطعی ہے۔ ارشاد باری ہے: قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ (الأعراف 12:7) ''جب میں نے تجھے حکم دے دیا تو پھر تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا؟'' [2] فَفَسَقَ کے معنی ہوتے ہیں نکلنا، چوہا جب اپنے بل سے نکلتا ہے تو کہتے ہیں: فَسَقَتِ الْفَارَةُ مِنْ جُحْرِهَا (چوہا اپنے بل سے نکل آیا) شیطان بھی سجدۂ تعظیم وتحیہ کا انکار کر کے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔ [3] یعنی کیا تمھارے لیے یہ صحیح ہے کہ تم ایسے شخص کو اور اس کی ذریت کو دوست بناؤ جو تمھارے باپ آدم کا دشمن، تمھارا دشمن اور تمھارے رب کا نافرمان ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اس شیطان کی اطاعت کرو؟ [4] یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کی دوستی کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اور اس کی دوستی جو اختیار کی ہے تو یہ بہت ہی برا بدل ہے، جسے ان ظالموں نے اپنایا ہے۔ [5] یعنی آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کی تدبیر میں بلکہ خود ان شیاطین کی پیدائش میں، میں نے ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، یہ تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے، پھر تم اس شیطان اور اس کی ذریت کی پوجا یا ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور میری عبادت واطاعت سے تمھیں گریز کیوں ہے؟ جبکہ یہ مخلوق ہیں اور میں ان سب کا خالق ہوں۔ [6] اور میں ان کو مددگار بھی کیسے بناؤں، جبکہ یہ میرے بندوں کو گمراہ کر کے میری جنت اور میری رضا سے روکتے ہیں۔ [7] مَوْبِقًا کے ایک معنی حجاب (پردے اور آڑ) کے ہیں، یعنی ان کے درمیان پردہ اور فاصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ ان کے مابین آپس میں عداوت ہوگی، نیز اس لیے کہ عرصۂ محشر میں یہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں پیپ اور خون کی مخصوص وادی ہے جس کے ذریعے سے ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ مَهْلِك (جائے ہلاکت یا ہلاکت) کیا ہے جیسا کہ

Marfat.com

عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿53﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ

کوئی جگہ نہ پائیں گے﴿53﴾ [1] اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر ہر قسم کی مثال

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿54﴾

بیان کی ہے، اور انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے﴿54﴾ [2] اور لوگوں کو ایمان لانے سے نہیں

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا

روکا جب ان کے پاس ہدایت آگئی اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے مگر (اس بات نے)

رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

کہ (وہ چاہتے ہیں) انھیں پہلے لوگوں کا (سا) معاملہ پیش آئے، [3] یا ان پر عذاب بالکل سامنے

قُبُلًا ﴿55﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ

آجائے﴿55﴾ [4] اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر (لوگوں کو) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے، اور کافر

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

لوگ تو باطل طریقے سے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ساتھ حق کو باطل کر دیں اور انھوں نے ہماری

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿56﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

آیات کو اور جس چیز سے ڈرائے گئے اس کو استہزا بنالیا﴿56﴾ [5] اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس

ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ

کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے اور جو کچھ اس کے دونوں ہاتھوں نے

يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

آگے بھیجا ہے اسے بھول جائے، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس سے

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ

کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی (ڈال دی)۔ اور اگر آپ انھیں ہدایت کی

يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ

طرف بلائیں تو تب وہ ہرگز ہدایت نہ پائیں گے کبھی بھی﴿57﴾ [6] اور آپ کا رب خوب بخشنے والا، رحمت والا

يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ

ہے۔ اگر وہ ان کے کیے پر انھیں پکڑے تو یقیناً ان کے لیے عذاب جلدی لائے، بلکہ ان کے لیے

مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿58﴾ وَتِلْكَ

وعدے کا (مقرر) وقت ہے، وہ ہرگز اس سے (بچنے کی) کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے﴿58﴾ [7] اور یہ

الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ

بستیاں ہم نے انھیں ہلاک کیا جب انھوں نے ظلم کیا، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر

ترجمے سے واضح ہے، یعنی یہ مشرک اور ان کے مزعومہ معبود، یہ ایک دوسرے کو مل ہی نہیں سکیں گے کیونکہ ان کے درمیان ہلاکت کا سامان اور ہولناک چیزیں ہوں گی۔

[1] جس طرح بعض روایات میں ہے کہ کافر ابھی چالیس سال کی مسافت پر ہوگا تو جب جہنم کو دیکھ لے گا تو یقین کر لے گا کہ جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ (مسند أحمد: 75/3) [2] یعنی ہم نے انسانوں کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے، وعظ و تذکیر، امثال و واقعات اور دلائل و براہین، علاوہ ازیں انھیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو ہے، اس لیے وعظ و نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل و براہین اس کے لیے کارگر۔ [3] یعنی تکذیب کی صورت میں ان پر بھی اسی طرح عذاب آئے، جیسے پہلے لوگوں پر آیا۔ [4] یعنی یہ اہل مکہ ایمان لانے کے لیے ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ پتا نہیں کہ اس کے بعد ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس کے بعد ایمان لانے کا ان کو موقع ہی کب ملے گا؟ [5] اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا تکذیب کی بدترین قسم ہے۔ اسی طرح باطل کے ذریعے سے جدال، یعنی باطل طریقے اختیار کر کے حق کو باطل ثابت کرنے کی سعی کرنا بھی نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی مجادلہ بالباطل کی ایک صورت یہ ہے جو کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے رہے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو ﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (یٰس 15:36) ہم تمھیں رسول کس طرح تسلیم کر لیں؟ ﴿لِيُدْحِضُوْا﴾ کے اصل معنی پھسلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: دَحَضَتْ رِجْلُهُ (اس کا پیر پھسل گیا) یہاں سے یہ کسی چیز کے زوال (ٹلنے) اور بطلان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں: دَحَضَتْ حُجَّتُهُ دُحُوضًا أي بَطَلَتْ (اس کی حجت باطل ہوگئی) اس لحاظ سے أَدْحَضَ يُدْحِضُ کے معنی ہوں گے: باطل کرنا۔ (فتح القدیر) [6] یعنی ان کے اس ظلم عظیم کی وجہ سے کہ انھوں نے رب کی آیات سے اعراض کیا اور اپنے کرتوتوں کو بھولے رہے، ان کے دلوں پر ایسے پردے اور ان کے کانوں پر ایسے بوجھ ڈال دیے گئے ہیں، جس سے قرآن کا سمجھنا، سننا اور اس سے ہدایت قبول کرنا ان کے لیے ناممکن

Marfat.com

مَّوْعِدًا ۝59 وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ
وقت طے کیا تھا۝59 اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (یوشع بن نون) سے کہا: میں تو چلتا ہی رہوں گا،
حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ
حتی کہ [مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ] "دو دریاؤں کے سنگم" پر پہنچ جاؤں، یا میں مدت ہائے دراز گزاروں
حُقُبًا ۝60 فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا
(چلتا رہوں)۝60 پھر جب وہ دونوں ان دونوں (دریاؤں) کی آپس میں ملنے کی جگہ پر پہنچے،
فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝61 فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ
(تو) وہ اپنی مچھلی بھول گئے، سو اس نے دریا میں سرنگ نما اپنا راستہ بنا لیا۝61 پھر جب وہ دونوں
لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا
آگے گزر گئے تو اس (موسیٰ) نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمیں ہمارا ناشتہ دے، بلاشبہ یقیناً اپنے اس
هٰذَا نَصَبًا ۝62 قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ
سفر سے ہم تھکاوٹ سے دوچار ہوئے ہیں۝62 وہ بولا: بھلا آپ نے دیکھا جب ہم چٹان کے
فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ
پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا، اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان ہی نے کہ
اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝63 قَالَ ذٰلِكَ
میں اسے یاد رکھوں، اور اس نے عجیب طرح دریا میں اپنا راستہ بنایا۝63 اس نے کہا: یہی تو ہے
مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓي اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝64 فَوَجَدَا
جو ہم تلاش کر رہے تھے، پھر وہ اپنے قدموں کے نشانات کی اتباع کرتے ہوئے لوٹے۝64 چنانچہ ان

گیا۔ ان کو کتنا بھی ہدایت کی طرف بلالو، یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ [7] یعنی یہ تو رب غفور کی رحمت ہے کہ وہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پاداش عمل میں ہر شخص ہی عذاب الٰہی کے شکنجے میں کسا ہوتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور ہلاکت کا وہ وقت آ جاتا ہے، جو اللہ نے مقرر کیا ہوا ہوتا ہے تو پھر فرار کا کوئی راستہ اور بچاؤ کی کوئی سبیل ان کے لیے نہیں رہتی۔ مَوْئِلًا کے معنی ہیں: جائے پناہ، راہ فرار۔

[1] اس سے مراد عاد، ثمود اور شعیب علیہ السلام اور لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں ہیں جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں ہی تھیں۔ انھیں بھی اگرچہ ان کے ظلم کے سبب ہی ہلاک کیا گیا لیکن ہلاکت سے پہلے انھیں پورا موقع دیا گیا اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا ظلم و طغیان اس حد کو پہنچ گیا ہے، جہاں سے ہدایت کے راستے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے خیر اور بھلائی کی امید باقی نہیں رہی تو پھر ان کی مہلت عمل ختم اور تباہی کا وقت شروع ہو گیا، پھر انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ یا اہل دنیا کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیا گیا۔ یہ دراصل اہل مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے آخری پیغمبر اور اشرف الرسل محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر رہے ہو، تم یہ نہ سمجھنا کہ تمھیں جو مہلت مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟ بلکہ یہ مہلت تو سنت اللہ ہے جو ایک وقت موعود تک ہر فرد، گروہ اور قوم کو وہ عطا کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے کفر و عناد سے باز نہیں آؤ گے تو پھر تمھارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ [2] نوجوان سے مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ [3] اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے، تاہم قرائن کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آ کر ملتے اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقامات جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے ان پر سرے سے مجمع البحرین کی تعبیر ہی صادق نہیں آتی۔ [4] حُقُب کے ایک معنی 70 یا 80 سال اور دوسرے معنی غیر معین مدت کے ہیں۔ یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی جب تک میں مجمع البحرین (جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں) نہیں پہنچ جاؤں گا، چلتا رہوں گا اور سفر جاری رکھوں گا، چاہے کتنا بھی عرصہ لگ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ایک موقع پر ان سے ایک آدمی نے پوچھا: لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جملہ پسند نہیں آیا، اس لیے کہ انھوں نے اس کا علم اللہ کی طرف سپرد نہیں کیا۔ اور وحی کے ذریعے سے انھیں مطلع کیا کہ ہمارا ایک بندہ (خضر) ہے جو تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ! اس سے ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں، وہیں ہمارا وہ بندہ بھی ہوگا۔ نیز فرمایا کہ مچھلی ساتھ لے جاؤ، جہاں مچھلی تمھاری ٹوکری (زنبیل) سے نکل کر غائب ہو جائے تو سمجھ لینا کہ یہی مقام ہے (صحیح البخاري، حدیث: 4725) چنانچہ اس حکم کے مطابق انھوں نے ایک مچھلی لی اور سفر شروع کر دیا۔ [5] یعنی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ

Marfat.com

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے[1] (خضر) کو پایا، جسے ہم نے اپنی طرف سے

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (65) قَالَ لَهٗ مُوْسٰى

رحمت[2] دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے (خاص) علم[3] سکھایا تھا (65) موسیٰ نے اس سے کہا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

کیا اس (شرط) پر میں تیری اتباع کروں کہ تو مجھے اس میں سے سکھائے جو تجھے بھلائی سکھائی

رُشْدًا (66) قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (67) وَكَيْفَ

گئی ہے؟ (66) وہ بولا: بے شک تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا (67) اور جو چیز تیرے احاطۂ

تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (68) قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ

علم ہی میں نہیں،[4] تو اس پر صبر کیسے کرے گا؟ (68) اس (موسیٰ) نے کہا: یقیناً ان شاء اللہ تو مجھے

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (69) قَالَ فَاِنِ

صابر پائے گا اور میں کسی بھی حکم میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا (69) اس (خضر) نے کہا: پھر

اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ

اگر تو نے میری اتباع کرنی ہے تو کسی شے کی بابت مجھ سے سوال نہ کرنا، حتی کہ میں خود ہی اس کا

مِنْهُ ذِكْرًا (70) ع فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ

ذکر تجھ سے شروع کروں (70) پھر وہ دونوں چلے حتی کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے

خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ

کشتی میں شگاف کردیا، اس (موسیٰ) نے کہا: کیا تو نے اس میں شگاف کیا کہ اس کشتی والوں کو غرق

شَيْــــًٔا اِمْرًا (71) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ

کردے؟ تو نے بڑا ہولناک (اور انوکھا) کام کیا ہے (71) [5] اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تو

مَعِيَ صَبْرًا (72) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ

یقیناً میرے ساتھ صبر کرنے کی استطاعت ہرگز نہیں رکھے گا (72) اس (موسیٰ) نے کہا: میری بھول چوک

وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا (73) فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا

پر تو مجھے نہ پکڑ، اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ ڈال (73) [6] پھر وہ دونوں چلے، حتی کہ جب وہ

لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ

دونوں ایک لڑکے[7] سے ملے، تو اس (خضر) نے اسے قتل کردیا، اس (موسیٰ) نے کہا: کیا تو نے ایک پاک

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــــًٔا نُّكْرًا (74)

(بے گناہ) نفس کو کسی جان کے (قصاص کے) بغیر قتل کردیا ہے؟ یقیناً تو نے تو بہت ہی برا کام کیا ہے! (74) ع

9 ع 11 21

تعالیٰ نے سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بنا دیا۔ یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو سمندر میں جاتے اور راستہ بنتے ہوئے دیکھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔ حتیٰ کہ آرام کر کے وہاں سے پھر سفر شروع کر دیا، اس دن اور اس کے بعد رات سفر کر کے جب دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوئی تو اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاؤ بھئی ناشتہ، ناشتہ کر لیں۔ اس نے کہا: مچھلی تو جہاں ہم نے پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کیا تھا، وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اور وہاں عجب طریقے سے اس نے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا۔ اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ [6] موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کے بندے! جہاں مچھلی نے زندہ ہو کر غائب ہونا تھا، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں، چنانچہ اپنے نشانات قدم دیکھتے ہوئے پیچھے لوٹے اور اسی مجمع البحرین پر واپس آ گئے۔ قَصَصًا کے معنی ہیں: پیچھے لگنا، پیچھے پیچھے چلنا، یعنی نشانات قدم کو دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

[1] اس بندے سے مراد خضر ہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحت ہے۔ خضر کے معنی سرسبز اور شاداب کے ہیں، یہ ایک مرتبہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین ان کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا، اسی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3402) [2] رحمت سے بعض مفسرین نے وہ خصوصی انعامات مراد لیے ہیں جو اللہ نے اپنے اس خاص بندے پر فرمائے اور اکثر مفسرین نے اس سے مراد نبوت لی ہے۔ [3] اس سے علم نبوت کے علاوہ جس سے موسیٰ علیہ السلام بھی بہرہ ور تھے، بعض تکوینی امور کا علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف خضر علیہ السلام کو نوازا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وہ علم نہیں تھا۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض صوفیاء دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو، جو نبی نہیں ہوتے، علم لدنی سے نوازتا ہے، جو بغیر استاذ کے محض اللہ تعالیٰ کی فیض بخشی کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ باطنی علم، شریعت کے ظاہری علم سے، جو قرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہے، مختلف بلکہ بعض دفعہ اس کے مخالف اور معارض ہوتا ہے لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ خضر علیہ السلام کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو علم خاص دیے جانے کی صراحت کر دی ہے،

Marfat.com

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ
اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکے
صَبۡرًا ﴿75﴾ قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا
گا؟ ﴿75﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر اس کے بعد میں تجھ سے کسی چیز کی بابت سوال کروں تو پھر مجھے
فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ‌ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ﴿76﴾ فَانۡطَلَقَا حَتّٰٓى
ہرگز صحبت میں نہ رکھنا، یقیناً میری طرف سے تو عذر[1] کو پہنچ چکا ہے ﴿76﴾ پھر وہ دونوں چلے حتی کہ ایک
اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهۡلَ قَرۡيَةِ اۨسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ
گاؤں والوں کے پاس پہنچے، اس کے رہنے والوں سے طعام مانگا، تو انھوں نے ان کی ضیافت
يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ
کرنے سے انکار کر دیا،[2] پھر ان دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی، تو اس (خضر) نے وہ
فَاَقَامَهٗ‌ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَـتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ﴿77﴾ قَالَ
سیدھی[3] کر دی۔ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر تو چاہتا تو اس پر ضرور اجرت لے لیتا ﴿77﴾[4] اس (خضر)
هٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنِكَ‌ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاۡوِيۡلِ مَا لَمۡ
نے کہا: یہ (اب) میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے،[5] یقیناً میں تجھے ان (باتوں) کی
تَسۡتَطِعْ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ﴿78﴾ اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ
حقیقت بتاتا ہوں جن پر تو صبر نہ کر سکا ﴿78﴾ [6] رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام

جبکہ کسی اور کے لیے ایسی صراحت کہیں نہیں اگر اس کو عام کر دیا جائے تو پھر ہر شعبدہ باز اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، چنانچہ اس طبقے میں یہ دعوے عام ہی ہیں، اس لیے ایسے دعووں کی کوئی حیثیت نہیں۔ [4] یعنی جس کا پورا علم نہ ہو۔ [5] موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اس علم خاص کی خبر نہیں تھی جس کی بنا پر خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختے توڑ دیے تھے، اس لیے صبر نہ کر سکے اور اپنے علم و فہم کے مطابق اسے نہایت ہولناک کام قرار دیا۔ اِمۡرًا کے معنی ہیں: الداهية العظيمة ''بڑا ہیبت ناک کام۔'' [6] یعنی میرے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں، سختی کا نہیں۔ [7] غُلٰمًا سے مراد بالغ جوان بھی ہو سکتا ہے اور نابالغ بچہ بھی۔ [8] نُّكۡرًا فَظِيعًا مُنْكَرًا لَا يُعْرَفُ فِي الشَّرْعِ ایسا بڑا برا کام جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں: أَنْكَرُ مِنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ، پہلے کام (کشتی کے تختے توڑنے) سے زیادہ برا کام، اس لیے کہ قتل ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ ممکن نہیں۔ جبکہ کشتی کے تختے اکھیڑ دینا، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں، پہلے کام سے کم تر أَقَلُّ مِنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ اس لیے کہ ایک جان کو قتل کرنا سارے کشتی والوں کو ڈبو دینے سے کم تر ہے۔ (فتح القدير) لیکن پہلا مفہوم ہی انسب ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو جو علم شریعت حاصل تھا، اس کی رو سے خضر علیہ السلام کا یہ کام بہر حال خلاف شرع تھا، جس کی وجہ سے انھوں نے اعتراض کیا اور اسے نہایت برا کام قرار دیا، تاہم خضر علیہ السلام امر الٰہی کی وجہ سے اس کے کرنے کے پابند تھے اور موسیٰ علیہ السلام اس سے بے خبر تھے۔

[1] یعنی اب اگر سوال کروں تو مجھے اپنی مصاحبت کے شرف سے محروم کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ کے پاس معقول عذر ہوگا۔

[2] یعنی یہ بخیلوں اور لئیموں کی بستی تھی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، درآں حالیکہ مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہر شریعت و قوم کی اخلاقی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»(صحيح البخاري، حديث: 6476، و صحيح مسلم، حديث: 48، قبل حديث: 1727) ''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت و تکریم کرے۔'' [3] خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے معجزانہ طور پر سیدھی ہوگئی جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث: 4726 سے واضح ہے۔ [4] موسیٰ علیہ السلام جو اہل بستی کے رویے سے پہلے ہی کبیدہ خاطر تھے، خضر علیہ السلام کے اس بلا معاوضہ احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان بستی والوں نے ہماری مسافرت اور ضرورت مندی کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا تو یہ لوگ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے؟ [5] خضر علیہ السلام نے کہا کہ موسیٰ! یہ تیسرا موقع ہے کہ تو صبر نہیں کر سکا اور اب خود تیرے کہنے کے مطابق میں تجھے ساتھ رکھنے سے معذور ہوں۔ [6] لیکن جدائی سے قبل خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت سے انھیں آگاہ اور باخبر کرنا ضروری خیال کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کسی مغالطے کا شکار نہ رہیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ علم نبوت اور ہے جس سے انھیں نوازا گیا ہے اور بعض تکوینی امور کا علم اور ہے جو اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت، جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، خضر علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انھوں نے جو کام کیے، ان میں بعض شریعت موسوی کی رو سے جائز نہیں تھے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بجا طور پر ان پر خاموش نہیں رہ سکے تھے۔ انھی تکوینی امور کی انجام دہی کی وجہ سے بعض اہل علم کی

Marfat.com

يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

کرتے تھے، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں جبکہ ان کے آگے ایک بادشاہ

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ

تھا جو ہر کشتی زبردستی لے لیتا تھا ﴿79﴾ اور رہا لڑکا، تو اس کے ماں باپ مومن تھے، چنانچہ ہم

مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿80﴾ فَاَرَدْنَآ

ڈرے کہ وہ سرکشی اور کفر کی وجہ سے انھیں مشقت میں ڈال دے گا ﴿80﴾ چنانچہ ہم نے چاہا کہ ان

اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿81﴾

دونوں کا رب انھیں (ایسا) بدل دے جو اس سے پاکیزگی میں بہتر اور مہربانی میں قریب تر ہو ﴿81﴾

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ

اور رہی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کے لیے خزانہ تھا

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ

اور ان کا باپ صالح تھا، چنانچہ تیرے رب نے چاہا کہ وہ دونوں (یتیم) اپنی جوانی

اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ

کو پہنچیں اور تیرے رب کی رحمت کے سبب اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ اپنی

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿82﴾ ع 10/12 1

رائے سے نہیں کیا،[1] یہ ان (باتوں) کی حقیقت ہے جن پر تو صبر نہ کر سکا ﴿82﴾

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ

اور (یہ لوگ) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں۔[2] آپ کہہ دیجیے: عنقریب میں اس کا کچھ

رائے ہے کہ خضر علیہ السلام انسانوں میں سے نہیں تھے اور اسی لیے وہ ان کی نبوت و رسالت یا ولایت کی بحث میں نہیں پڑتے کیونکہ یہ سارے مناصب تو انسانوں کے ساتھ ہی خاص رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بعض تکوینی امور سے مطلع کر کے ان کے ذریعے سے وہ کام کروا لے تو اس میں بھی کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ جب وہ صاحبِ وحی خود اس امر کی وضاحت کر دے کہ میں نے یہ کام اللہ کے حکم ہی سے کیے ہیں تو گو بظاہر وہ خلاف شریعت ہی نظر آتے ہوں لیکن جب ان کا تعلق ہی تکوینی امور سے ہے تو وہاں جواز اور عدم جواز کی بحث ہی غیر ضروری ہے، جیسے تکوینی احکامات کے تحت کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی مرتا ہے، کسی کا کاروبار تباہ ہو جاتا ہے، قوموں پر عذاب آتا ہے، ان میں سے بعض کام بعض دفعہ باذن الٰہی فرشتے ہی کرتے ہیں تو جس طرح یہ امور آج تک کسی کو خلاف شریعت نظر نہیں آئے۔ اسی طرح خضر علیہ السلام کے ذریعے سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا تعلق بھی چونکہ امور تکوینیہ سے ہے، اس لیے انھیں شریعت کی ترازو میں تولنا ہی غیر صحیح ہے، البتہ چونکہ جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام نبی تھے اور یہی راجح ہے۔ اور اب وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کسی شخص کا اس قسم کا دعویٰ ہرگز صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہوگا جیسا کہ خضر علیہ السلام سے منقول ہے کیونکہ خضر علیہ السلام کا معاملہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے، اس لیے مجال انکار نہیں لیکن اب جو بھی اس قسم کا دعویٰ یا عمل کرے گا، اس کا انکار لازمی اور ضروری ہے کیونکہ اب وہ یقینی ذریعۂ علم موجود نہیں ہے جس سے اس کے دعوے اور عمل کی حقیقت واضح ہو سکے۔

[1] خضر کی نبوت کے قائلین کی یہ دوسری دلیل ہے جس سے وہ نبوت خضر کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ کسی بھی غیر نبی کے پاس اس قسم کی وحی نہیں آتی کہ وہ اتنے اتنے اہم کام کسی اشارۂ غیبی پر کر دے، نہ کسی غیر نبی کا ایسا اشارۂ غیبی قابل عمل ہی ہے۔ نبوت خضر کی طرح حیات خضر بھی ایک حلقے میں مختلف فیہ ہے اور حیات خضر کے قائلین بہت سے لوگوں کی ملاقاتیں خضر سے ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے ان کے اب تک زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن جس طرح خضر کی زندگی پر کوئی نص شرعی نہیں ہے، اسی طریقے سے لوگوں کے مکاشفات یا حالت بیداری یا نوم میں خضر سے ملنے کے دعوے بھی قابل تسلیم نہیں۔ جب ان کا حلیہ ہی مستند ذریعے سے منقول نہیں ہے تو ان کی شناخت کس طرح ممکن ہے؟ اور کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ جن بزرگوں نے ملنے کے دعوے کیے ہیں، واقعی ان کی ملاقات خضر علیہ السلام ہی سے ہوئی ہے، خضر کے نام سے انھیں کسی نے دھوکے اور فریب میں مبتلا نہیں کیا۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم کی حدیث کی رُو سے خضر علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 2537 اور یہی حق ہے کہ خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اس کے بارے میں اچھی تفصیل روح المعانی میں مذکورہ آیات کے تحت ہے۔ [2] یہ مشرکین کے اس تیسرے سوال کا جواب ہے جو یہودیوں کے کہنے پر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے۔ ذوالقرنین کے لفظی معنی دو سینگوں والے کے ہیں۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سینگ تھے یا اس لیے کہ اس نے مشرق میں جا کر طلوع شمس کی جگہ پر قرنِ شمس کو دیکھا اور پھر مغرب میں جا کر غروب شمس کی جگہ میں قرنِ شمس کا

Marfat.com

مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿83﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ

ذکر تمھارے سامنے تلاوت کروں گا﴿83﴾ بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا اور اسے ہر چیز

شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ

سے اسباب[1] دیے ﴿84﴾ چنانچہ وہ سامان لے کر چلا ﴿85﴾ [2] حتی کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا،

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا

اس نے اسے پایا کہ وہ سیاہ کیچڑ (دلدل) والے چشمے میں غروب ہو رہا ہے[3] اور اس نے اس کے

قَوْمًا ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ

پاس ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا:[4] اے ذوالقرنین! (تجھے اختیار ہے) خواہ تو (انھیں) سزا دے، خواہ

فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿86﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

ان سے اچھا برتاؤ کرے ﴿86﴾ [5] اس نے کہا: رہا وہ جس نے ظلم کیا، تو اسے ہم عنقریب سزا دیں

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿87﴾ وَاَمَّا مَنْ

گے،[6] پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، چنانچہ وہ اسے سخت ترین عذاب دے گا ﴿87﴾ اور رہا وہ

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ

جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو اس کے لیے (اللہ کے ہاں) بدلے میں خوب تر بھلائی ہے، اور ہم لازما

لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿88﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿89﴾

اپنے کام میں سے اس کے لیے نہایت آسانی کا حکم دیں گے ﴿88﴾ پھر وہ (اور) سامان لے کر چلا ﴿89﴾ [7]

مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں، قرن بالوں کی لٹ کو بھی کہتے ہیں، یعنی دولٹوں یا دو مینڈھیوں، دو زلفوں والا۔ قدیم مفسرین نے بالعموم اس کا مصداق سکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا تھا، لیکن جدید مفسرین جدید تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس پر جو داد تحقیق دی ہے اور اس شخص کی دریافت میں جو محنت و کاوش کی ہے، وہ نہایت قابل قدر ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے: ① اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمران تھا، جس کو اللہ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ ② وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے۔ ③ اس نے وہاں یاجوج ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک نہایت محکم بند تعمیر کیا۔ ④ وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا۔ ⑤ وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمران ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور عرب کَیْخُسْرو کے نام سے پکارتے ہیں، اس کا دور حکمرانی 539 قبل مسیح ہے، نیز فرماتے ہیں کہ 1838ء میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن: 430-399/1 طبع قدیم) واللّٰہ أعلم بالصواب۔

[1] سَبَبًا کے اصلی معنی رسی کے ہیں، اس کا اطلاق ایسے ذریعے اور وسیلے پر ہوتا ہے جو حصول مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے سَبَبًا کے معنی ہیں، ہم نے اسے ایسے ساز و سامان اور وسائل مہیا کیے جن سے کام لے کر اس نے فتوحات حاصل کیں، دشمنوں کا غرور خاک میں ملایا اور ظالم حکمرانوں کو نیست و نابود کیا۔ [2] دوسرے سبب کے معنی راستے کے کیے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے مزید وسائل تیار اور مہیا کیے، جس طرح اللہ کے پیدا کردہ لوہے سے مختلف قسم کے ہتھیار اور اسی طرح دیگر خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔ [3] عَيْنٍ سے مراد "چشمہ یا سمندر" ہے۔ حَمِئَةٍ "کیچڑ، دلدل یا گرم" وَجَدَ (پایا) یعنی دیکھا یا محسوس کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین جب مغربی جہت میں ملک پر ملک فتح کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں آخری آبادی تھی وہاں گدلے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو نیچے سے سیاہ معلوم ہوتا تھا، اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سورج اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ ساحل سمندر سے یا دور سے جس کے آگے حد نظر تک کچھ نہ ہو، غروب شمس کا نظارہ کرنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں یا زمین میں ڈوب رہا ہے، حالانکہ وہ اپنے مقام آسمان پر ہی ہوتا ہے۔ [4] قُلْنَا "ہم نے کہا" بذریعۂ وحی، اسی سے بعض علماء نے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور جو ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے پیغمبر کے ذریعے سے ہم نے اس سے کہا۔ [5] یعنی ہم نے اس قوم پر غلبہ دے کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اسے قتل کرے یا قیدی بنا لے یا فدیہ لے کر یا بطور احسان چھوڑ دے۔ [6] یعنی جو کفر و شرک پر جما رہے گا، اسے ہم سزا دیں گے، یعنی پچھلی غلطیوں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ [7] یعنی اب مغرب سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا۔

Marfat.com

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ

حتی کہ جب وہ طلوع شمس کی جگہ پہنچا، اس نے اسے پایا کہ وہ ایسی قوم پر طلوع ہورہا ہے جس کے

لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿90﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا

لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں رکھا (90) [1] (واقعہ) ایسا ہی ہے اور یقیناً اس کے پاس جو کچھ

بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿91﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿92﴾ حَتّٰۤى اِذَا

تھا علم کے اعتبار سے ہم نے اس کا احاطہ[2] کر لیا تھا (91) پھر وہ (دیگر) سامان لے کر چلا (92) [3] حتی کہ

بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا

جب وہ دو دیواروں[4] کے درمیان پہنچا تو اس نے ان دونوں کے اس طرف ایک قوم پائی جو

لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿93﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ

قریب نہ تھا کہ وہ کوئی بات سمجھیں (93) [5] وہ کہنے لگے: اے ذوالقرنین! [6] بے شک یاجوج اور

اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ

ماجوج اس سرزمین میں فساد کرنے والے ہیں[7] تو کیا ہم تیرے لیے کچھ پیداوار طے کر دیں

لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿94﴾ قَالَ مَا

اس (شرط) پر کہ تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادے (94) اس نے کہا: میرے رب

مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ

نے مجھے اس میں جو قدرت دی ہے بہت بہتر ہے، چنانچہ تم میری (افرادی) قوت[8] سے مدد کرو، میں

وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿95﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى

تمھارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط بند بنادوں گا (95) تم مجھے لوہے کے تختے لا دو حتی کہ جب

بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ

اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو برابر کر دیا[9] (تو) کہا: (اب اس میں) دھونکو حتی کہ جب

نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿96﴾

اس نے اسے آگ (جیسا) بنادیا تو کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں[10] (96) پھر

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ

وہ (یاجوج ماجوج) استطاعت نہ رکھتے تھے کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ استطاعت رکھتے تھے

نَقْبًا ﴿97﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ

کہ اس میں نقب لگائیں (97) ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی طرف سے رحمت ہے، پھر

رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ﴿98﴾

جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے ہموار کر دے گا،[11] اور میرے رب کا وعدہ حق ہے (98)

[1] یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو مشرقی جانب کی آخری آبادی تھی، اسی کو مطلع الشمس کہا گیا ہے۔ جہاں اس نے ایسی قوم دیکھی جن کے مکانات نہیں تھے اور وہ میدانوں اور صحراؤں میں بسیرا کیے ہوئے تھی۔ ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ اور اوٹ نہیں تھی، یعنی وہاں پر کوئی درخت، پہاڑ اور عمارتیں نہیں تھیں جو ان پر سورج کی شعاعوں کے پڑنے سے مانع ہوتیں۔ [2] یعنی ذوالقرنین کی بابت ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اسی طرح ہے کہ پہلے وہ منتہائے مغرب اور پھر منتہائے مشرق میں پہنچا اور ہمیں اس کی تمام صلاحیتوں، اسباب و وسائل اور دیگر تمام باتوں کا پورا علم ہے۔ [3] یعنی اب اس کا رخ کسی اور طرف کو ہو گیا۔ [4] اس سے مراد دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے، ان کے درمیان کھائی تھی جس سے یاجوج و ماجوج اس طرف کی آبادی میں آجاتے اور اودھم مچاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔ [5] یعنی اپنی زبان کے سوا کسی اور کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔ [6] ذوالقرنین سے یہ خطاب یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوا ہوگا یا اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی اسباب و وسائل مہیا فرمائے تھے، انھی میں مختلف زبانوں کا علم بھی تھا اور یوں یہ خطاب براہ راست تھا۔ [7] یاجوج و ماجوج نہایت فسادی قومیں ہیں اور حدیث صحیح کے مطابق نسل انسانی میں سے ہیں اور ان کی تعداد، دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی اور انھی سے زیادہ جہنم بھرے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6530، و صحيح مسلم، حديث: 222) [8] قوت سے مراد، یعنی تم مجھے تعمیراتی سامان اور رجال کار مہیا کرو۔ [9] ﴿بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ یعنی دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان جو خلا تھا، اسے لوہے کی چھوٹی چھوٹی چادروں سے پر کر دیا۔ [10] ﴿قِطْرًا﴾ پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ یا لوہا، یعنی لوہے کی چادروں کو خوب گرم کر کے ان پر پگھلا ہوا لوہا، تانبا یا سیسہ ڈالنے سے وہ پہاڑی درہ یا راستہ ایسا مضبوط ہو گیا کہ اسے عبور کر کے یا توڑ کر یاجوج و ماجوج کا ادھر دوسری انسانی آبادیوں میں آنا ناممکن ہو گیا۔ [11] یعنی یہ دیوار اگرچہ بڑی مضبوط بنا دی گئی جس کے اوپر چڑھ کر یا اس میں سوراخ کر کے یاجوج و ماجوج کا ادھر آنا ممکن نہیں ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ

Marfat.com

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ
اور اس روز ہم ان کے کچھ کو چھوڑ دیں گے، وہ دوسروں میں گھس جائیں گے، اور صور میں
فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ
پھونکا جائے گا، پھر ہم ان (سب) کو جمع کریں گے جمع کرنا ﴿99﴾ اور اس دن ہم جہنم کو کافروں
عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ
کے روبرو لے آئیں گے ﴿100﴾ وہ لوگ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے
وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ
کی استطاعت نہ رکھتے تھے ﴿101﴾ کیا پھر ان لوگوں نے جو کافر ہوئے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ مجھے
يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ
چھوڑ کر میرے بندوں کو (اپنا) کارساز بنالیں گے؟ بے شک ہم نے کافروں کے لیے بطور
لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ
مہمانی جہنم تیار کر رکھا ہے ﴿102﴾ [1] کہیے: کیا ہم تمھیں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے
اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ
والے بتائیں؟ ﴿103﴾ جن کی سعی دنیاوی زندگی میں اکارت گئی، جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً وہ اچھے
يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کام کر رہے ہیں ﴿104﴾ [2] یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ
انکار کیا، [3] چنانچہ ان کے اعمال برباد ہوگئے، لہٰذا روز قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم

کر کے زمین کے برابر کر دے گا، اس وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج وماجوج کا ظہور ہے جیسا کہ احادیث میں ہے، مثلاً: ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس دیوار میں تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3346 وصحيح مسلم، حديث: 2880) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ''وہ ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں جب کھلنے کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کا بڑا کہہ دیتا ہے کہ کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ اسے پہلے کی طرح کر دیتا ہے لیکن جب اللہ کی مشیت ان کے خروج کی ہوگی تو پھر وہ کہیں گے: کل ان شاء اللہ اس کو کھودیں گے اور پھر دوسرے دن وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلائیں گے حتی کہ لوگ قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے جو خون آلودہ لوٹیں گے، بالآخر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں میں ایسا کیڑا پیدا فرما دے گا جس سے ان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔'' (مسند أحمد: 511/2، وجامع الترمذي، حديث: 3153، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 313/4) صحیح مسلم میں نواس بن سمعان ؓ کی روایت میں صراحت ہے کہ یاجوج وماجوج کا ظہور عیسیٰ ؑ کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2937) جس سے ان حضرات کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ تاتاریوں کا مسلمانوں پر حملہ یا منگول ترک جن میں سے چنگیز بھی تھا یا روسی یا چینی قومیں یہی یاجوج وماجوج ہیں جن کا ظہور ہو چکا۔ یا مغربی قومیں ان کا مصداق ہیں کہ پوری دنیا میں ان کا غلبہ وتسلط ہے۔ یہ سب باتیں غلط ہیں کیونکہ ان کے غلبے سے سیاسی غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ قتل وغارت گری اور شر وفساد کا وہ عارضی غلبہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہوگی، تاہم پھر وبائی مرض سے سب کے سب آن واحد میں لقمۂ اجل بن جائیں گے۔

[1] حَسِبَ بمعنی ظَنَّ (گمان کیا) ہے اور عِبَادِيْ ''میرے بندوں'' سے مراد ملائکہ، مسیح ؑ اور دیگر صالحین ہیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیاطین وجنات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور استفہام زجر وتوبیخ کے لیے ہے، یعنی غیر اللہ کے یہ پجاری کیا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر اور میرے بندوں کی عبادت کر کے ان کی حمایت سے میرے عذاب سے بچ جائیں گے؟ یہ ناممکن ہے، ہم نے تو ان کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں جانے سے ان کو وہ بندے نہیں روک سکیں گے جن کی یہ عبادت کرتے اور ان کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں۔ [2] یعنی اعمال ان کے ایسے ہیں جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں لیکن بزعم خویش سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس سے مراد کون ہیں؟ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ صحیح بخاری (حديث: 4728) میں سعد بن ابی وقاص ؓ سے ایک روایت آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں، یہ قول راجح ہے، اس کی تائید مابعد والی آیت سے بھی ہو رہی ہے، یعنی مصداق اول تو کفار ہی ہیں، پھر اس کے عموم میں خوارج، اہل بدعت اور ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر مذکورہ صفات ہوں گی۔ آگے ایسے ہی لوگوں کی بابت مزید وعیدیں بیان کی جارہی ہیں۔ [3] رب کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات تشریعي ہیں جو اس نے اپنی کتابوں

Marfat.com

الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿105﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا

نہیں کریں گے ﴿105﴾ [1] یہ ہے ان کی سزا جہنم، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا، اور میری آیات

اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿106﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا بنایا ﴿106﴾ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان

كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿107﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ

کے لیے بطور مہمانی فردوس [2] کے باغات ہیں ﴿107﴾ اس حال میں کہ وہ ان میں ہمیشہ مقیم ہوں

عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ

گے، وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے ﴿108﴾ [3] کہہ دیجیے: اگر میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے [4]

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

لیے سمندر روشنائی ہو تو یقیناً میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اور اگرچہ ہم

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى

اس کے مثل (اور سمندر) بطور مدد لے آئیں ﴿109﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تو بس تمھاری ہی طرح بشر

اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ

ہوں [5] میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا الٰہ صرف ایک الٰہ ہے [6] پھر جو شخص کہ اپنے رب کی ملاقات

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿110﴾ ع 12/9/3

کی امید رکھتا ہو تو وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت [7] میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے ﴿110﴾

آیاتھا: 98 | سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿1﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿2﴾ اِذْ نَادٰى

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿1﴾ (یہ) آپ کے رب کی اپنے بندے زکریا [8] پر رحمت کا ذکر ہے ﴿2﴾ جب اس نے

میں نازل کیں اور پیغمبروں نے ان کی تبلیغ و توضیح کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی اور دوبارہ جی اٹھنے سے انکار ہے۔

[1] یعنی ہمارے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کریں گے کہ جس میں ان کے اعمال تولے جائیں، اس لیے کہ اعمال تو ان موحدین کے تولے جائیں گے جن کے نامۂ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی جبکہ ان کے نامۂ اعمال حسنات سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”قیامت والے دن موٹا تازہ آدمی آئے گا، اللہ کے ہاں اس کا اتنا وزن بھی نہیں ہوگا جتنا مچھر کے پر کا ہوتا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4729) [2] الْفِرْدَوْسِ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ اور اوسط حصہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 7423)

[3] یعنی اہل جنت، جنت اور اس کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتائیں گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کریں۔ [4] کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے کلمات، اس کی حکمتیں اور وہ دلائل و براہین ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں۔ انسانی عقلیں ان سب کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ ان کی مثل اور بھی سمندر ہوں، وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، قلم گھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں گی۔ [5] اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ [6] البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحیٔ الٰہی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن پر مرور ایام کی دبیز تہیں پڑی ہوئی تھیں یا ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے۔ [7] عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی حَبْطِ اعمال (عملوں کے ضائع ہونے) کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ ❁ ہجرت حبشہ کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور اس کے مُصاحبین اور امراء کے سامنے جب سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا تو ان سب کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور نجاشی نے کہا کہ یہ قرآن اور عیسیٰ علیہ السلام جو لے کر آئے ہیں، یہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں۔ (فتح القدير) [8] زکریا علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ بڑھئی تھے اور یہی پیشہ ان کا ذریعۂ آمدنی تھا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2379)

Marfat.com

رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿3﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ
اپنے رب کو نہایت آہستہ آواز سے پکارا ③ [1]اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! بے شک میری
مِنِّىۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ
ہڈیاں کمزور ہوگئیں، اور میرا سر بڑھاپے (کی سفیدی) سے بھڑک اٹھا، [2]اور اے میرے رب! میں تجھ
رَبِّ شَقِيًّا ﴿4﴾ وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ وَكَانَتِ
سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا ④ [3]اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابت داروں سے ڈرتا ہوں، [4]اور
امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ﴿5﴾ يَّرِثُنِىۡ وَيَرِثُ
میری بیوی بانجھ آرہی ہے، چنانچہ تو مجھے اپنے پاس سے [5]ایک وارث عطا کر ⑤ جو میرا وارث
مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿6﴾ يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا
بنے اور آل یعقوب سے وارث بنے اور اے میرے رب! تو اسے پسندیدہ بنا ⑥ (اللہ نے
نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسۡمُهٗ يَحۡيٰى لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ
فرمایا:) اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں، اس کا نام یحیٰی ہے، ہم نے اس
قَبۡلُ سَمِيًّا ﴿7﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ
سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا ⑦ [6]اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا
امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡكِبَرِ عِتِيًّا ﴿8﴾
کیسے ہوگا، جبکہ میری بیوی بانجھ آرہی ہے، اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں؟ ⑧ [7]
قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ
(فرشتے نے) کہا: ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا: وہ مجھ پر نہایت آسان ہے، اور میں نے اس
قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـئًا ﴿9﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ
سے پہلے تجھے پیدا کیا، جبکہ تو کچھ بھی نہیں تھا ⑨ [8]اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے
اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ
کوئی نشانی ٹھہرا، فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہونے کے باوجود تین دن اور تین راتیں لوگوں
سَوِيًّا ﴿10﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ
سے کلام نہیں کرے گا ⑩ [9]چنانچہ وہ حجرے [10]سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، تو اس نے انھیں

[1] خفیہ خفیہ دعا اس لیے کی کہ ایک تو یہ اللہ کو زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں تضرع وانابت اور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ انھیں بیوقوف نہ قرار دیں کہ یہ بڈھا اب بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے جبکہ اولاد کے تمام ظاہری امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ [2] یعنی جس طرح لکڑی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح میرا سر بالوں کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے مراد ضعف وکبر (بڑھاپے) کا اظہار ہے۔ [3] اور اسی لیے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود تجھ سے اولاد مانگ رہا ہوں۔ [4] اس ڈر سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری مسند وعظ وارشاد نہیں سنبھالے گا تو میرے قرابت داروں میں اور تو کوئی اس مسند کا اہل نہیں ہے۔ نتیجتًا میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے گریز وانحراف نہ اختیار کر لیں۔ [5] ”اپنے پاس سے“ کا مطلب یہی ہے کہ گو ظاہری اسباب اس کے ختم ہو چکے ہیں لیکن تو اپنے فضل خاص سے مجھے اولاد سے نواز دے۔ [6] اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرما دیا۔ [7] عَاقِرًا اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو شروع ہی سے بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنی ہی میں ہے کیونکہ کَانَتۡ سے دوام مستفاد ہے۔ جس کے جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی آجائے اور سوکھ جائے، اسے عِتِيًّا کہتے ہیں۔ مراد بڑھاپے کا آخری درجہ ہے جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیوی تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں، اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا کی اہلیہ کا نام اشاع بنت فاقود بن میل ہے اور یہ حنہ (والدۂ مریم) کی بہن ہیں۔ اس قول کے اعتبار سے یحیٰی مریم کے خالہ زاد ہوئے۔ اور قُتَیبی کہتے ہیں کہ اشاع بھی عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں یحیٰی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی ہوئے۔ ایک صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر) لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تاریخی اعتبار سے پہلی بات صحیح ہے کیونکہ عمران کی مریم کے سوا کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ اور حدیث معراج میں جو یحیٰی وعیسیٰ علیہما السلام کو خالہ زاد کہا گیا ہے تو وہ مجاز متعارف کی شکل میں ہے، یعنی نبی ﷺ نے بطریق توسع مریم کی خالہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ قرار دیا ہے اور اس قسم کا توسع عام بول چال میں شائع ہے۔ (قصص القرآن: 26/4) واللّٰه أعلم. [8] فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کا تعجب دور کرنے کے لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے مطابق یقینًا تجھے بیٹا ملے گا اور یہ اللہ کے لیے قطعًا مشکل کام نہیں ہے کیونکہ جب وہ تجھے نیست سے ہست کر سکتا ہے تو تجھے ظاہری اسباب سے ہٹ کر بیٹا بھی دے سکتا ہے۔ [9] لَيَالٍ سے دنوں سمیت

Marfat.com

سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿11﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ

اشارہ کیا کہ تم صبح شام تسبیح بیان کرو﴿11﴾[1] (اللہ نے فرمایا:) اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑ،[2]

وَّاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿12﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ

اور ہم نے اسے بچپن ہی میں حکم عطا کیا﴿12﴾[3] اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی (دی)،[4]

وَّكَانَ تَقِيًّا ﴿13﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿14﴾

اور وہ نہایت متقی تھا﴿13﴾ اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا اور وہ سرکش، نافرمان نہیں تھا﴿14﴾[5]

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ

اور اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا، اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ دوبارہ زندہ (کرکے)

يُبْعَثُ حَيًّا ﴿15﴾ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

ع 1 15 4

اٹھایا جائے گا﴿15﴾[6] اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے، جب وہ اپنے خاندان والوں سے

اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿16﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ؕ

دور مشرقی جانب کی جگہ میں الگ ہوئی﴿16﴾ پھر اس نے ان کے آگے ایک پردہ تان لیا،[7] تب ہم نے

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿17﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ

اپنی روح (فرشتے) کو اس کے پاس بھیجا، تو وہ اس کے لیے کامل آدمی بن کر آیا﴿17﴾[8] اس (مریم) نے

راتیں مراد ہیں کیونکہ سورۂ آل عمران، آیت:41 میں ﴿ اَيَّامٍ ﴾ (دن) کے لفظ ہیں۔ اور ﴿ سَوِيًّا ﴾ کا مطلب ہے کہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک، تندرست ہوگا، یعنی ایسی کوئی بیماری نہیں ہوگی جو تجھے بولنے سے روک دے لیکن اس کے باوجود تیری زبان سے گفتگو نہ ہو سکے تو سمجھ لینا کہ خوش خبری کے دن قریب آ گئے ہیں۔ [10] ﴿ الْمِحْرَابِ ﴾ سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حَرْبٌ سے ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔ گویا عبادت گاہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا ایسے ہے گویا وہ شیطان سے لڑ رہا ہے۔

[1] صبح وشام اللہ کی تسبیح سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دو وقتوں میں اللہ کی تسبیح وتحمید اور تنزیہ کا خصوصی اہتمام کرو۔ [2] یعنی اللہ نے زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا اور جب وہ کچھ بڑا ہوا، گو ابھی بچہ ہی تھا، اسے اللہ نے کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے، یعنی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ کتاب سے مراد بالاتفاق تورات ہے۔ [3] ﴿ الْحُكْمَ ﴾ سے مراد دانائی، عقل، شعور، کتاب میں درج احکام دینیہ کی سمجھ، علم وعمل کی جامعیت یا نبوت مراد ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ حکم میں یہ ساری ہی چیزیں داخل ہوں۔ [4] ﴿ حَنَانًا ﴾ شفقت، مہربانی، یعنی ہم نے اس کو والدین اور اقرباء پر شفقت ومہربانی کرنے کا جذبہ اور اسے نفس کی آلائشوں اور گناہوں سے پاکیزگی وطہارت بھی عطا کی۔ [5] یعنی اپنے ماں باپ کی یا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں والدین کے لیے شفقت ومحبت کا اور ان کی اطاعت وخدمت اور حسن سلوک کا جذبہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے تو یہ اس کا خاص فضل وکرم ہے اور اس کے برعکس جذبہ یا رویہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ [6] تین مواقع انسان کے لیے خطرناک ہوتے ہیں! ① جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے کہ شیطان اسے چوکا لگاتا ہے۔ ② جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ ③ اور جب اسے قبر سے زندہ کرکے اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے کو میدان حشر کی ہولناکیوں میں گھرا ہوا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تینوں جگہوں میں اس کے لیے ہماری طرف سے سلامتی اور امان ہے۔ بعض اہل بدعت اس آیت سے یوم ولادت پر ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرتے ہیں لیکن کوئی ان سے پوچھے تو پھر یوم وفات پر ''عید وفات'' یا ''عید ممات'' بھی منانی ضروری ہوئی کیونکہ جس طرح یوم ولادت کے لیے ''سلام'' ہے یوم وفات کے لیے بھی سلام ہے۔ اگر محض لفظ ''سلام'' سے ''عید میلاد'' کا اثبات ممکن ہے تو پھر اسی لفظ سے ''عید وفات'' کا بھی اثبات ہوتا ہے لیکن یہاں وفات کی عید تو کجا، سرے سے وفات وممات ہی کا انکار ہے، یعنی وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے نص قرآنی کا تو انکار کرتے ہی ہیں، خود اپنے استدلال کی رو سے بھی آیت کے ایک جز کو تو مانتے ہیں اور اسی آیت کے دوسرے جز سے ان ہی کے استدلال کی روشنی میں جو ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار ہے۔ ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ (البقرة 85:2) ''کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟'' [7] یہ علیحدگی اور حجاب (پردہ) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا تاکہ انھیں کوئی نہ دیکھے اور یکسوئی حاصل رہے یا طہارت حیض کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ [8] ﴿ رُوْحَنَا ﴾ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، جنھیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا گیا، حضرت مریم نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آ گیا ہے تو ڈر گئیں کہ یہ بری نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا فرمائے گا۔ نافع اور ابوعمرو کی قراءت

Marfat.com

اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿18﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ

کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو ڈرنے والا ہے ⑱ فرشتے نے کہا: یقیناً میں تیرے رب

رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿19﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ

کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے (حکمِ الٰہی سے) ایک نہایت پاکیزہ لڑکا عطا کروں ⑲ اس نے کہا: میرے

وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿20﴾ قَالَ كَذٰلِكِ

لیے لڑکا کیونکر ہوگا، جبکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں بدکار رہی ہوں ⑳ اس (فرشتے) نے

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

کہا: اسی طرح ہوگا،[1] تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر بہت آسان ہے، تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے

وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿21﴾ فَحَمَلَتْهُ

نشانی[2] اور اپنی طرف سے رحمت[3] بنائیں اور یہ امر طے شدہ ہے ㉑ [4] بالآخر وہ اس کے ساتھ حاملہ

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿22﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ

ہو گئی، تو اس (حمل) کو لے کر دور کی ایک جگہ میں الگ جا بیٹھی ㉒ پھر دردِ زہ اسے

اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا

کھجور کے ایک تنے کی طرف لے آیا، (تو) وہ بولی: اے کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی

وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿23﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا

اور بھولی بھولائی ہوتی ㉓ [5] پھر اس (فرشتے) نے اس کے نیچے (کے علاقے) سے اسے آواز دی کہ

تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿24﴾ وَهُزِّيْٓ

غم نہ کھا، تیرے رب نے تجھ سے نیچے (کے علاقے میں) ایک چشمہ جاری کردیا ہے ㉔ اور تو

اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿25﴾

کھجور کا تنا اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا ㉕ [6]

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ

چنانچہ تو کھا اور پی اور (اپنی) آنکھیں ٹھنڈی کر[7] پھر اگر تو انسانوں میں سے کسی کو دیکھے تو اس سے کہہ[8]

اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ

دینا: بے شک میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں کسی انسان سے ہرگز کلام

میں لِیَهَبَ صیغہ غائب ہے۔ متکلم کا صیغہ جو موجودہ قراءت میں ہے، اس لیے ہوا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن اللہ ان کو حمل ٹھہر گیا تھا، اس لیے ہبہ کا انتساب اپنی طرف کرلیا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور یہاں حکایتاً نقل ہوا ہو۔ اس اعتبار سے کلام کا یہ معنی ہوگا: أَرْسَلَنِي، يَقُوْلُ لَكِ: أَرْسَلْتُ رَسُولِي إِلَيْكِ لأَهَبَ لَكِ (أيسر التفاسير) ''یعنی اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا۔'' اس طرح حذف اور تقدیرِ کلام قرآن میں کئی جگہ ہے۔

[1] یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ تجھے جائز طریقے سے یا ناجائز طریقے سے کسی بشر نے نہیں چھوا۔ [2] یعنی میں اسبابِ عادیہ کا محتاج نہیں ہوں، میرے لیے یہ بالکل آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرتِ تخلیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمھارے باپ آدم کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمھاری ماں حواء کو صرف مرد سے، عورت کے بغیر اور تمام مخلوقات کو مرد و عورت سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے چوتھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے صرف عورت کے بطن سے بغیر مرد کے پیدا کر دینا۔ ہم تخلیق کی چاروں صورتوں پر قادر ہیں۔ [3] اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ کی رحمتِ خاص ہے اور ان کے لیے بھی جو اس نبوت پر ایمان لائیں گے۔ [4] یہ اسی کلام کا تتمہ ہے جو جبریل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے نقل کیا ہے، یعنی یہ اعجازی تخلیق تو اللہ کے ہاں طے شدہ اور مقدر شدہ ہے۔ [5] موت کی آرزو اس ڈر سے کی کہ میں بچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی جبکہ میری بات کی کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ و زاہدہ کے طور پر ہے اور اس کے بعد لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی۔ [6] سَرِيًّا چھوٹی نہر یا پانی کا چشمہ، یعنی بطور کرامت اور خرقِ عادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاؤں تلے پینے کے لیے پانی کا اور کھانے کے لیے ایک سوکھے ہوئے درخت میں پکی ہوئی تازہ کھجوروں کا انتظام کر دیا۔ ندا دینے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جنھوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور کہا جاتا ہے کہ سَرِيّ بمعنی سردار ہے اور اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور انھوں نے یا جبریل نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی تھی۔ [7] یعنی کھجوریں کھا، چشمے کا پانی پی اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔ [8] یہ کہنا بھی اشارے سے تھا، زبان سے نہیں۔

Marfat.com

اَلْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿26﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ
نہیں کروں گی (26) پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئی، تو وہ کہنے لگے: اے
جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿27﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ
مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے (27) اے ہارون کی بہن![1] نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ
سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿28﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ
تیری ماں ہی بدکار تھی (28) چنانچہ اس نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم
نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿29﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ
اس سے کیسے کلام کریں جو گود میں بچہ ہے؟ (29) وہ (بچہ) بول اٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں،
اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿30﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا
اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے (30)[2] اور اس نے مجھے برکت والا بنایا[3] جہاں بھی میں
كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿31﴾ وَّبَرًّۢا
ہوں، اور مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں (31) اور اپنی والدہ
بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿32﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ
سے نیکی کرنے والا بنایا ہے[4] اور اس نے مجھے سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا (32)[5] اور سلام ہے مجھ پر
يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿33﴾ ذٰلِكَ
جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ (کرکے) اٹھایا جاؤں گا (33) یہ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿34﴾ مَا كَانَ
ہے عیسیٰ ابن مریم، (یہی ہے) حق کی بات جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں (34)[6] اللہ کے
لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لائق ہی نہیں کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے تو اس کے
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿35﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا
لیے بس یہی کہتا ہے کہ ہوجا، تو وہ ہوجاتا ہے (35)[7] اور بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمھارا رب
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿36﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ
ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو، یہی ہے سیدھی راہ (36) پھر (متعدد) گروہوں[8] نے آپس میں اختلاف

[1] ہارون سے مراد ان کا کوئی عینی یا علاتی بھائی ہے یا مریم علیہا السلام کی برادری میں کوئی شخص ہے جس کی طرف اس کی نسبت کردی ہے۔ بعض اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون لیتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کی وجہ نیکی میں مشابہت بتاتے ہیں لیکن یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس ہارون سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی نہیں اور اس سے مراد مریم کے (عینی یا علاتی یا برادری کے) بھائی ہیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 2135، وجامع الترمذي مع التحفة: 477/8، وتفسير الطبري) [2] یعنی ازل میں اللہ نے میرے لیے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔ [3] اللہ کے دین میں ثابت قدم یا ہر چیز میں زیادتی، علو اور کامیابی میرا مقدر ہے یا لوگوں کے لیے نافع، معلم خیر یا معروف کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔ (فتح القدير) [4] صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ایک اعجازی شان کی حامل ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح بَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ "ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا۔" کہتے، یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔ [5] اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور قسمت میں بدبختی لکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو اٰتٰنِي، جَعَلَنِي ماضی کے صیغوں میں کی ہے، حالانکہ ان تمام باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا کیونکہ ابھی تو وہ شیر خوار بچے ہی تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے ایسے اٹل فیصلے تھے کہ گو ابھی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اسی طرح یقینی تھا جس طرح ماضی کے گزرے ہوئے واقعات شک وشبہ سے بالا ہوتے ہیں۔ [6] یعنی یہ ہیں وہ صفات جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام متصف تھے نہ کہ ان صفات کے حامل جو نصاریٰ نے غلو کرکے ان کے بارے میں باور کرائیں اور نہ ایسے جو یہودیوں نے تفریط وتنقیص سے کام لیتے ہوئے ان کی بابت کہا۔ اور یہی حق بات ہے جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔ [7] جس اللہ کی یہ شان اور قدرت ہو اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا کردینا کون سا مشکل امر ہے۔ گویا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت سے انکار کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت وطاقت کے منکر ہیں۔ [8] یہاں الاحزاب سے مراد اہل کتاب کے فرقے اور خود عیسائیوں کے فرقے ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ وہ جادوگر اور ولد الزنا، یا یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ نصاریٰ کے مختلف فرقے ہوئے، ایک

Marfat.com

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿37﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ

کیا، چنانچہ ان کے لیے تباہی ہے جنھوں نے یوم عظیم کی پیشی کا انکار کیا ﴿37﴾ [1] وہ لوگ کیا ہی خوب

وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ

سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے! [2] لیکن آج یہ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ

ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ﴿38﴾ اور آپ انھیں روزِ حسرت [3] سے ڈرائیں جب ہر معاملے کا فیصلہ کیا

وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

جائے گا [4] جبکہ وہ غفلت میں ہیں، اور وہ ایمان نہیں لاتے ﴿39﴾ بلاشبہ ہم ہی زمین کے وارث ہوں

الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿40﴾ وَاذْكُرْ فِي

گے اور جو اس (سرزمین) پر ہے وارث ہوں گے، اور ہماری ہی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ﴿40﴾ اور

الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿41﴾ اِذْ قَالَ

کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے، بے شک وہ نہایت سچا (اور) نبی تھا ﴿41﴾ [5] جب اس نے اپنے

لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ

باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ

عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿42﴾ يٰاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

تیرے کچھ کام آئے؟ ﴿42﴾ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس

فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿43﴾ يٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ

نہیں آیا، [6] لہٰذا تو میری اتباع کر، میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا ﴿43﴾ [7] اے میرے باپ! تو شیطان

الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿44﴾ يٰاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ

کی عبادت نہ کر، بلاشبہ شیطان رحمٰن کا سخت نافرمان ہے ﴿44﴾ [8] اے ابا جان! بے شک میں اس بات سے

فرقے نے کہا کہ وہ اللہ ہے، دوسرے نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا ہے، تیسرے فرقے نے کہا: وہ تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں۔ اور یہ فرقے، ملکانیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ ہیں، پھر ان میں مزید فرقے بنتے گئے۔ آج کے زمانے میں ان کے مشہور ترین فرقے ملکیہ، یعنی کیتھولک، یعقوبیہ، یعنی ارتھوڈکس اور اعتراضیہ، یعنی پروٹسٹنٹ ہیں۔ پس یہودیوں نے تفریط اور تقصیر کی اور عیسائیوں نے افراط وغلو۔ (أیسر التفاسیر، فتح القدیر)

[1] ان کافروں کے لیے جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح اختلاف اور افراط وتفریط کا ارتکاب کیا، قیامت والے دن جب وہاں حاضر ہوں گے، ہلاکت ہے۔ [2] یہ تعجب کے صیغے ہیں، یعنی دنیا میں تو یہ حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے رہے لیکن آخرت میں یہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والے ہوں گے؟ لیکن وہاں یہ دیکھنا سننا کس کام کا؟ [3] روز قیامت کو یوم حسرت کہا، اس لیے کہ اس روز سب ہی حسرت کریں گے۔ بدکار حسرت کریں گے کہ کاش! انھوں نے برائیاں نہ کی ہوتیں اور نیکوکار اس بات پر حسرت کریں گے کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کمائیں؟ [4] یعنی حساب کتاب کر کے صحیفے لپیٹ دیے جائیں گے اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''اس کے بعد موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، جنتیوں اور دوزخیوں دونوں سے پوچھا جائے گا، اسے پہچانتے ہو، یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے، پھر ان کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے اہل جنت! تمھارے لیے جنت کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہے، اب موت نہیں آئے گی۔ دوزخیوں سے کہا جائے گا: اے دوزخیو! تمھارے لیے یہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے، اب موت نہیں آئے گی۔'' (صحیح البخاري، حدیث:4730، و صحیح مسلم، حدیث:2850) [5] صِدِّيْقًا : صِدْقٌ ''سچائی'' سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت راست باز، یعنی جس کے قول وعمل میں مطابقت اور راست بازی اس کا شعار ہو۔ صدیقیت کا یہ مقام، نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے، ہر نبی اور رسول بھی اپنے وقت کا سب سے بڑا راست باز اور صداقت شعار ہوتا ہے، اس لیے وہ صدیق بھی ہوتا ہے، تاہم ہر صدیق، نبی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حضرت مریم کو صدیقہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ وطہارت اور راست بازی میں بہت اونچے مقام پر فائز تھیں، تاہم نبیہ نہیں تھیں۔ امت محمدیہ میں بھی صدیقین ہیں۔ اور ان میں سرفہرست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء کے بعد امت میں خیر البشر ہیں۔ [6] جس سے مجھے اللہ کی معرفت اور اس کا یقین حاصل ہوا، بعث بعد الموت اور غیر اللہ کے پجاریوں کے لیے دائمی عذاب کا علم ہوا۔ [7] جو آپ کو سعادت ابدی اور نجات سے ہمکنار کر دے گی۔ [8] یعنی شیطان کے وسوسے اور اس کے بہکاوے سے آپ جو ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو سننے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچانے کی قدرت تو یہ دراصل شیطان ہی کی پرستش ہے جو اللہ کا نافرمان ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کا نافرمان بنا کر ان کو اپنے جیسا ہی بنانے پر تلا رہتا ہے۔

Marfat.com

عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا (45) قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ
ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب آپہنچے، پھر تو شیطان کا ساتھی ہوجائے (45)[1] وہ (باپ آزر)
عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ
کہنے لگا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے
وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (46) قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ
ضرور رجم کردوں گا، اور تو لمبا عرصہ مجھ سے دور چلا جا (46)[2] ابراہیم نے کہا: تجھ پر سلامتی ہو[3] عنقریب میں
لَكَ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (47) وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا
تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا[4] بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (47) اور میں کنارہ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى
کش ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اور میں تو اپنے رب ہی کو
اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (48) فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ
پکارتا ہوں، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا (48) پھر جب اس نے کنارہ کیا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا
ان سے اور جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، تو ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب بخشے[5] اور ہم نے
نَبِيًّا (49) وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ
ہر ایک کو نبی بنایا (49) اور ہم نے انھیں اپنی رحمت بخشی[6] اور ان کے لیے سچائی کا بول (ذکر خیر)
صِدْقٍ عَلِيًّا (50) ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا ع 3 10 6
بلند کیا (50)[7] اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، بلاشبہ وہ چنا ہوا[8] تھا اور
وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (51) وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ
رسول نبی تھا (51) اور ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے اسے راز و نیاز

[1] اگر آپ اپنے شرک و کفر پر باقی رہے اور اسی حال میں آپ کو موت آ گئی تو عذاب الٰہی سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ یا دنیا میں ہی آپ عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر ہمیشہ کے لیے راندۂ بارگاہ الٰہی ہو جائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، نہایت شفقت اور پیار کے لہجے میں باپ کو توحید کا وعظ سنایا لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے، مشرک کے لیے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے، چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے کو کہا کہ اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ [2] ﴿مَلِيًّا﴾، دراز مدت، ایک عرصہ۔ دوسرے معنی اس کے صحیح و سالم کے کیے گئے ہیں، یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوا لینا۔ [3] یہ سلام تحیہ نہیں ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرتا ہے بلکہ ترک مخاطبت کا اظہار ہے، جیسے ﴿اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان 25:63) ”جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔“ میں اہل ایمان اور بندگان الٰہی کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ [4] یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت ابراہیم کو اپنے باپ کے بارے میں پوری طرح واضح نہیں ہوسکا تھا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے، جب ان پر یہ بات خوب واضح ہوگئی تو آپ نے دعا کا سلسلہ موقوف کر دیا۔ (التوبة 9:114)

[5] یعقوب علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے، یعنی ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بھی بیٹے کے ساتھ اور بیٹے ہی کی طرح کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام توحید الٰہی کی خاطر باپ کو، گھر کو اور اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر دیار قدس کی طرف ہجرت کر گئے تو ہم نے انھیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام سے نوازا تاکہ ان کی انس و محبت، باپ کی جدائی کا صدمہ بھلا دے۔ [6] یعنی نبوت کے علاوہ اور بھی بہت سی رحمتیں ہم نے انھیں عطا کیں، مثلاً: مال، مزید اولاد اور پھر اسی سلسلۂ نسب میں عرصہ دراز تک نبوت کے سلسلے کو جاری رکھنا، یہ سب سے بڑی رحمت تھی جو ان پر ہوئی۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء یا جدُّ الانبیاء کہلاتے ہیں۔ [7] ﴿لِسَانَ صِدْقٍ﴾ سے مراد ثنائے حسن اور ذکر جمیل ہے۔ لسان کی اضافت، صدق کی طرف کی اور پھر اس کا وصف علو بیان کیا جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ بندوں کی زبانوں پر جو ان کا ذکر جمیل رہتا ہے تو وہ واقعی اس کے مستحق ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ تمام ادیان سماویہ کو ماننے والے بلکہ مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں اور نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ نبوت و اولاد کے بعد ایک اور انعام ہے جو ہجرت فی سبیل اللہ کی وجہ سے انھیں حاصل ہوا۔ [8] مُخْلَصٌ، مُصْطَفٰی اور مُجْتَبٰی تینوں الفاظ کا مفہوم ایک ہے، یعنی رسالت و پیامبری کے لیے چنا ہوا، پسندیدہ شخص، رسول، بمعنی مرسل ہے (بھیجا ہوا) اور نبی کے معنی، اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا یا وحیٔ الٰہی کی خبر دینے والا، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ اللہ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چن لیتا ہے اور اسے اپنی وحی سے

Marfat.com

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿52﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ
کرتے ہوئے قریب کیا (52) اور اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی
نَبِيًّا ﴿53﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ
بخشا (53) اور کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کیجیے، بے شک وہ وعدے کا
الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿54﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ
سچا اور رسول نبی تھا (54) اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتا تھا
وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿55﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ
اور وہ اپنے رب کے ہاں نہایت پسندیدہ تھا (55) اور کتاب میں ادریس کا ذکر
اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿56﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا
کیجیے، بے شک وہ نہایت سچا (اور) نبی تھا (56) اور ہم نے اسے بہت بلند مقام پر
عَلِيًّا ﴿57﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
اٹھالیا (57) [1] یہ وہ (انبیاء) ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں (کی
مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ
نسل) میں سے جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى
سے، اور ان لوگوں میں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿58﴾ ۩ فَخَلَفَ مِنْۢ
کی جاتیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر جاتے تھے (58) [2] پھر ان کے بعد ناخلف (نالائق
بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ
ان کے) جانشین ہوئے، جنھوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کی پیروی کی چنانچہ جلد ہی (آگے)
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿59﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
وہ ہلاکت اور گمراہی (کے انجام) سے دو چار ہوں گے (59) [3] مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿60﴾ جَنّٰتِ
اور نیک عمل کیے، تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا (60) [4] (یعنی) ابدی

نوازتا ہے، اسے رسول اور نبی کہا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اہل علم میں ایک بحث یہ چلی آرہی ہے کہ آیا ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ فرق کرنے والے بالعموم کہتے ہیں کہ صاحب شریعت یا صاحب کتاب کو رسول اور نبی کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبر کی کتاب یا شریعت کے مطابق ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا، وہ صرف نبی ہے، رسول نہیں، تاہم قرآن کریم میں ان کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوا ہے اور بعض جگہ معطوفاً بھی آئے ہیں، مثلاً: سورۂ حج 22:52 میں۔

[1] کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے اور نوح علیہ السلام کے یا ان کے والد کے دادا تھے، انھوں نے ہی سب سے پہلے کپڑے سیئے۔ رفعت مکان سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ سمجھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انھیں بھی آسمان پر اٹھالیا گیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ اس مفہوم کے لیے صریح نہیں ہیں اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا، البتہ اسرائیلی روایات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہے جو اس مفہوم کے اثبات کے لیے کافی نہیں، اس لیے زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد مرتبت کی وہ بلندی ہے جو نبوت سے سرفراز کر کے انھیں عطا کی گئی۔ واللہ أعلم۔ [2] گویا اللہ کی آیات کو سن کر رقت اور بکا کی کیفیت کا طاری ہو جانا اور عظمت الٰہی کے آگے سجدہ ریز ہو جانا، بندگان الٰہی کی خاص علامت ہے۔ سجدۂ تلاوت کی مسنون دعا یہ ہے: «سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ» (سنن أبي داود، حديث: 1414، وجامع الترمذي، حديث: 580، وسنن النسائي، حديث: 1130) بعض روایات میں اضافہ ہے: «فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ» (عون المعبود: 203/2، تحت حديث: 1411) [3] انعام یافتہ بندگان الٰہی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ان کے برعکس اللہ کے احکام سے غفلت و اعراض کرنے والے ہیں۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو بالکلیہ نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو ضائع کرنا ہے، یعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا، نماز پڑھ لی یا بلا عذر دائماً ایک پڑھ لینا اور اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو پڑھ لینا اور تین چھوڑ دینا، کبھی چار چھوڑ دینا اور کبھی پانچوں نمازیں چھوڑ دینا۔ یہ بھی تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں جس کا مرتکب سخت گناہ گار اور آیت میں بیان کردہ وعید کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ غَيًّا کے معنی ہلاکت، انجام بد کے ہیں یا جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ [4] یعنی جو توبہ کر کے ترک صلاۃ اور اتباع شہوات سے باز آجائیں اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کر لیں تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بد سے محفوظ اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

Marfat.com

عَدْنِ ٱلَّتِى وَعَدَ ٱلرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِٱلْغَيْبِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ
باغات، جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ[1] کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ
وَعْدُهٗ مَأْتِيًّا ﴿61﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ۖ وَلَهُمْ
(ہرصورت) آنے والا ہے (61) وہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، سوائے سلام کے،[2]
رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿62﴾ تِلْكَ ٱلْجَنَّةُ ٱلَّتِى نُورِثُ
اور وہاں ان کے لیے صبح وشام رزق ہوگا (62) [3] یہی وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں
مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ
میں سے اسے بنائیں گے جو متقی ہوگا (63) اور ہم (فرشتے) آپ کے رب ہی کے حکم سے نازل
رَبِّكَ ۖ لَهٗ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ
ہوتے ہیں،[4] اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ اس کے
وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿64﴾ رَبُّ ٱلسَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ
درمیان ہے، اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں (64) (وہی) رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان
وَمَا بَيْنَهُمَا فَٱعْبُدْهُ وَٱصْطَبِرْ لِعِبٰدَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ
کے درمیان ہے (سب کا)، چنانچہ آپ اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر قائم رہیں، کیا آپ اس کا
4 ع 15 7 لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾ وَيَقُولُ ٱلْإِنسٰنُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ
کوئی ہم نام جانتے ہیں؟[5] (65) اور انسان کہتا[6] ہے: کیا جب میں مرجاؤں گا، البتہ یقیناً مجھے زندہ
أُخْرَجُ حَيًّا ﴿66﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ ٱلْإِنسٰنُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ
نکالا جائے گا؟ (66) [7] اور کیا انسان (اتنا ہی) یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے اسے
مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿67﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ
تخلیق کیا، جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا (67) [8] پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان (کفار) کو شیطانوں کے
وَٱلشَّيٰطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿68﴾
ہمراہ اکٹھا کریں گے، پھر ہم ضرور انھیں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے جہنم کے گرد حاضر کریں گے (68) [9]

[1] یعنی یہ ان کے ایمان و یقین کی پختگی ہے کہ انھوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں، صرف اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی اس کے حصول کے لیے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ [2] یعنی فرشتے بھی انھیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کریں گے۔ [3] صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہاں انھیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور نہ بول و براز، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کے مِجمروں (عود دانوں) کا ایندھن عود، یعنی خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کا پسینہ کستوری (کی طرح) ہوگا۔ ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی، ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا، ان کے حسن و جمال کی وجہ سے، ان میں باہم بغض اور اختلاف نہیں ہوگا، ان کے دل، ایک دل کی طرح ہوں گے، صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 3245، وصحيح مسلم، حديث: 2834) [4] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام سے زیادہ اور جلدی جلدی ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، جس پر یہ آیت اتری۔ (صحيح البخاري، حديث: 4731) [5] یعنی نہیں ہے، جب اس کی مثل کوئی اور نہیں تو پھر عبادت بھی کسی اور کی جائز نہیں۔ [6] انسان سے مراد یہاں کافر ہے کیونکہ مابعد استفہام انکار و استہزا کے لیے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ٱلْإِنسَانُ﴾ میں اَلْ جنس کے لیے ہے۔ اگرچہ یہ بات جنس میں سے بعض نے کہی ہے، یعنی کافروں نے جو قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں لیکن کبھی جنس کے بعض کا عمل سب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (فتح القدير) [7] استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی جب میں بوسیدہ اور مٹی میں رل مل جاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح نیا وجود عطا کر دیا جائے گا؟ یعنی ایسا ممکن نہیں۔ [8] اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے ہم نے انسان کو پیدا کر دیا تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیوں کر مشکل ہوگا؟ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ اسے پیدا کرنا؟ انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اسے خدا فراموش بنا دیا ہے۔ [9] ﴿جِثِيًّا﴾ جاثٍ کی جمع ہے جَثَا يَجْثُو سے۔ جاثٍ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حال ہے، یعنی ہم دوبارہ انھی کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے، پھر ہم ان سب کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ محشر کی ہولناکیوں اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں۔ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ اس کا میری تکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ میری بابت یہ کہتا ہے کہ اللہ ہرگز مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح

Marfat.com

ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ
پھر ہم ضرور ہر گروہ سے (اسے) کھینچ کر الگ کریں گے جو ان میں سے رحمٰن کے خلاف
عِتِيًّا ﴿69﴾ ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا
سرکشی میں سخت تر تھا ﴿69﴾[1] پھر ہمیں بلاشبہ ان کا خوب علم ہے جو اس (جہنم) میں جانے کے
صِلِيًّا ﴿70﴾ وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ
زیادہ لائق ہیں ﴿70﴾[2] اور تم میں سے جو بھی ہے وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب
حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ﴿71﴾ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ
کے ذمے حتمی (اور) طے شدہ بات ہے ﴿71﴾ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے، اور ہم ظالموں کو اس
فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿72﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ
میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے ﴿72﴾[3] اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی
كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا
جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں: فریقین میں سے کس کا مقام بہتر اور کس کی مجلس زیادہ
وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ
اچھی ہے؟ ﴿73﴾[4] اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، وہ ان سے اثاثوں
اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا ﴿74﴾ قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ
اور ظاہری ٹیپ ٹاپ میں[5] کہیں بڑھ کر تھیں ﴿74﴾ کہہ دیجیے: جو شخص گمراہی میں ہے، (لازم ہے کہ)
الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ وَاِمَّا
اسے رحمٰن لمبی ڈھیل دے دے، حتی کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا
السَّاعَةَ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ﴿75﴾
عذاب یا قیامت تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون درجے میں بدتر اور لشکر کے لحاظ سے کمزور تر ہے ﴿75﴾[6]

اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا، حالانکہ میرے لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور اس کا مجھے ایذا پہنچانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں یکتا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4974)

[1] عِتِيًّا بھی عَتَا، يَعۡتُو سے عاتٍ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: بہت سرکش اور متمرد۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گمراہ فرقے کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو ہم الگ کر لیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیں گے کیونکہ یہ قائدین دوسرے جہنمیوں کے مقابلے میں سزا وعقوبت کے زیادہ سزاوار ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔ [2] صِلِيًّا مصدر سماعی ہے صَلِيَ يَصۡلٰى کے معنی ہیں: آگ میں داخل ہونا، جلنا، یعنی جہنم میں داخل ہونے اور اس میں جلنے کے کون زیادہ مستحق ہیں، ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ [3] اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا، جس میں سے ہر مومن و کافر کو گزرنا ہو گا۔ مومن تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی، تاہم پل عبور کر لیں گے، کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنھیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ''جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لیے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1251، و صحيح مسلم، حديث: 2632) یہ قسم وہی ہے جسے اس آیت میں حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ''قطعی فیصل شدہ امر'' کہا گیا ہے، یعنی اس کا ورود جہنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہو گا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن كثير و أيسر التفاسير) [4] یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار مکہ فقرائے مسلمین اور اغنیائے قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقیر لوگ ہیں، ان کا دار الشوریٰ دار ارقم ہے جبکہ کافروں میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ وغیرہ جیسے رئیس اور مالدار لوگ ہیں، ان کی اجتماع گاہ (دار الندوہ) بہت عمدہ ہے۔ [5] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر فخر و ناز کیا جائے یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس تھیں لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انھیں ہلاک کر دیا گیا، دنیا کا یہ مال و اسباب انھیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔ [6] علاوہ ازیں یہ چیزیں گمراہوں اور کافروں کو مہلت کے طور پر بھی ملتی ہیں، اس لیے یہ کوئی معیار نہیں۔ اصل اچھے برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا، جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی اور اللہ کا عذاب انھیں آ گھیرے گا یا قیامت برپا ہو جائے گی لیکن اس وقت کا علم کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔

Marfat.com

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ
اور راہ ہدایت پر چلنے والوں کو اللہ مزید ہدایت عطا کرتا ہے[1] اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿76﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ
کے رب کے ہاں ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں (76) [2] پھر آپ اس شخص کے بارے
كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾ اَطَّلَعَ
میں بتلایئے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی (77) کیا اس
الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ
نے غیب کی اطلاع پا لی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ (78) ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں
مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ وَّنَرِثُهٗ
گے جو کچھ وہ کہتا ہے، اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے (79) اور ان چیزوں کے ہم
مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿80﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ
وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے، اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا (80) [3] اور انھوں نے اللہ کے سوا معبود
اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿81﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ
بنا لیے ہیں، تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں (81) ہرگز نہیں! عنقریب وہ خود ان کی عبادت کا انکار کر دیں
ع 5 17 8 وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ
گے اور ان کے مخالف[4] ہو جائیں گے (82) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے کافروں پر شیطان
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ
چھوڑ رکھے ہیں وہ جو انھیں خوب خوب (گناہوں پر) ابھارتے ہیں؟ (83) [5] چنانچہ آپ ان کی بابت جلدی
اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ
نہ کریں، ہم تو بس ان کے دن گن رہے ہیں (84) [6] جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف (بطور) مہمان
وَفْدًا ﴿85﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿86﴾
اکٹھا کر لائیں گے (85) اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے (ہی) ہانک لے جائیں گے (86) [7] (اس

[1] اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن سے، جن کے دلوں میں کفر و شرک اور ضلالت کا روگ ہے، ان کی شقاوت و ضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان و ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ [2] اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار و مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں، وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جانے والے ہیں اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو، یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمھیں اپنے رب کے ہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمھاری طرف لوٹے گا۔ [3] ان آیات کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔ اس کے ذمے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا قرضہ تھا جو آہن گری کا کام کرتے تھے۔ خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کرے گا، میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کام تو تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: کیا میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ اس نے کہا: ہاں، تجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس نے کہا: اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کر دوں گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4732، و صحيح مسلم، حديث: 2795) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف تعلیاں اور آیات الٰہی کا استہزا و تمسخر ہے، یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں، یعنی مرنے کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا نہ مال ساتھ ہوگا نہ اولاد اور نہ کوئی جتھہ، البتہ عذاب ہوگا جو اس کے لیے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے لیے ہم بڑھاتے رہیں گے۔ [4] ﴿عِزًّا﴾ کا مطلب ہے: عزت کا باعث اور مددگار اور ﴿ضِدًّا﴾ کے معنی ہیں: دشمن، جھٹلانے والے اور ان کے مخالف، یعنی یہ معبود ان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے ان کے دشمن، ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف ہوں گے۔
[5] یعنی گمراہ کرتے، بہکاتے اور معصیت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ [6] اور جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو یہ لوگ عذاب الٰہی کے مورد بن جائیں گے۔ آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [7] ﴿وَفْدًا﴾ بعض کے نزدیک وَافِدٌ کی جمع ہے، جیسے رَكْبٌ رَاكِبٌ کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ انھیں اونٹوں، گھوڑوں پر سوار کرا کے نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ﴿وَفْدًا﴾ کی تفسیر اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار کرانے کی مرفوعاً و موقوفاً مروی ہے لیکن ان روایات میں سے کوئی روایت ثابت نہیں، دیکھیے: (الاستيعاب في بيان الأسباب) ﴿وِرْدًا﴾ کے معنی

Marfat.com

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿87﴾

روز) وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے، سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا⑧⑦ [1] اور انھوں

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿88﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿89﴾

نے کہا: رحمٰن اولاد رکھتا ہے⑧⑧ البتہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آپہنچے ہو⑧⑨

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ

قریب ہیں کہ آسمان اس (بات) سے پھٹ پڑیں، اور زمین شق ہوجائے، اور پہاڑ ریزہ ریزہ

الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿91﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ

ہوکر گر پڑیں⑨⓪ اس (بات) پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا⑨① [2] اور رحمٰن کے

لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿92﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے⑨② آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے

وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿93﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ

پاس غلام بن کر آئیں گے⑨③ [3] بلاشبہ یقیناً اس (رحمٰن) نے ان کا شمار کر رکھا ہے اور انھیں

عَدًّا ﴿94﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿95﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

خوب گن رکھا ہے⑨④ [4] اور وہ سب یوم قیامت اللہ کے پاس تنہا تنہا آئیں گے⑨⑤ [5] بے شک جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿96﴾

لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کردے گا⑨⑥ [6]

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ

یقیناً ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں خوب آسان کردیا ہے [7] تاکہ آپ اس سے

وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿97﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

متقین کو بشارت دیں اور اس کے ساتھ جھگڑالو [8] قوم کو ڈرائیں⑨⑦ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی

مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ

قومیں ہلاک کردیں، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی بھنک

تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿98﴾

(آہٹ) بھی سنتے ہیں؟⑨⑧ [9]

ہیں: پیدل یا پیاسے۔ اس کے برعکس مجرمین کو بھوکا پیاسا جہنم میں ہانک دیا جائے گا۔

[1] قول وقرار (عہد) کا مطلب ایمان وتقویٰ ہے، یعنی اہل ایمان وتقویٰ میں سے جن کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، وہی شفاعت کریں گے، ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔ [2] اِدًّا کے معنی بہت بھیانک معاملہ اور دَاهِيَةٌ ''بھاری چیز اور بڑی مصیبت'' کے ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے آسمان و زمین پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔ [3] جب سب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ اس کے لائق بھی نہیں ہے۔ [4] یعنی آدم سے لے کر صبح قیامت تک جتنے بھی انسان اور جن ہیں، سب کو اس نے گن رکھا ہے، سب اس کے قابو اور گرفت میں ہیں، کوئی اس سے مخفی ہے نہ مخفی رہ ہی سکتا ہے۔ [5] یعنی کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوگا، نہ مال ہی وہاں کچھ کام آئے گا۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ (الشعرآء 88:26) ''اس دن نہ مال نفع دے گا، نہ بیٹے۔'' ہر شخص کو تنہا اپنا اپنا حساب دینا پڑے گا اور جن کی بابت انسان دنیا میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے وہاں حمایتی اور مددگار ہوں گے، وہاں سب غائب ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے حاضر نہیں ہوگا۔ [6] یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ جبریل علیہ السلام کو کہتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، پس جبریل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6040) [7] قرآن کو آسان کرنے کا مطلب اس زبان میں اتارنا ہے جس کو پیغمبر جانتا تھا، یعنی عربی زبان میں، پھر اس کے مضمون کا کھلا ہوا، واضح اور صاف ہونا ہے۔ [8] لُدًّا ۔ اَلَدّ کی جمع ہے جس کے معنی شدید جھگڑالو کے ہیں، مراد کفار ومشرکین ہیں۔ [9] تُحِسُّ ۔ کے معنی ہیں: اَلْإِدْرَاكُ بِالْحِسِّ حس کے ذریعے سے ادراک حاصل کرنا، یعنی کیا تو ان کو آنکھوں سے دیکھ سکتا یا ہاتھوں سے چھو سکتا ہے، یعنی استفہام انکاری ہے، یعنی ان کا وجود ہی دنیا میں نہیں ہے کہ تو انھیں دیکھ یا چھو سکے۔ رِكْزًا ۔ صوت خفی کو کہتے ہیں، یعنی ان کی ہلکی سی آواز ہی تجھے کہیں سے سنائی دے سکے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا: 135 | سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 8

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰهٰ ﴿1﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿2﴾ اِلَّا
طٰہٰ ① ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں ② [1] مگر (یہ تو)
تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿3﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ
اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے ③ اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے
وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿4﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿5﴾ لَهٗ مَا
جس نے زمین اور اونچے آسمان تخلیق کیے ④ وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے ⑤ [2] اسی کا ہے جو
فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ
کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اور جو کچھ گیلی مٹی کے
الثَّرٰى ﴿6﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ
نیچے ہے ⑥ [3] اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشبہ وہ ہر راز اور (اس سے بھی) پوشیدہ
وَاَخْفٰى ﴿7﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿8﴾
تر بات کو جانتا ہے ⑦ [4] (وہی) اللہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، سب اچھے نام اسی کے ہیں ⑧ [5]
وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿9﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ
اور کیا آپ تک موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ ⑨ جب اس نے (طور پر) آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں
امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ
سے کہا: (یہاں) ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں اس میں سے تمھارے لیے کوئی

✽ عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے صحیح وہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ» ”اے اللہ! ان دو آدمیوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما، ابوجہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعے سے۔“ دوسری روایت میں ہے: «فَغَدَا عُمَرُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ» ”تو صبح ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام لے آئے۔“ (جامع الترمذي، حديث: 3681 و 3683، وهداية الرواية، حديث: 5990) بعض تاریخ وسیر کی روایات میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں سورۂ طٰہٰ کا سننا اور اس سے متاثر ہونا بھی مذکور ہے۔ (فتح القدير) لیکن سندًا یہ ثابت نہیں، یہ واقعہ سنن الدارقطني کے علاوہ امام احمد کی فضائل الصحابة: 279/1، 371 میں مذکور ہے۔ [1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے نہیں اتارا کہ تو ان کے کفر پر فرط تاسف اور ان کے عدم ایمان پر حسرت سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لے اور غم میں پڑ جائے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکهف 6:18) ”پس اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو کیا تو ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالے گا؟“ بلکہ ہم نے تو قرآن کو نصیحت اور یاد دہانی کے لیے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں ہماری توحید کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے، واضح اور نمایاں ہو جائے۔ گویا یہاں شَقَآءٌ، عَنَآءٌ اور تَعَبٌ کے معنی میں ہے، یعنی تکلیف اور تھکاوٹ۔ [2] بغیر کسی حد بندی اور کیفیت بیان کرنے کے جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے لیکن کس طرح اور کیسے؟ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ (مزید دیکھیے، سورۂ بقرہ 2:29، سورۂ اعراف 7:54، سورۂ رعد 13:2 اور سورۂ زمر 39:67 کے حواشی) [3] ﴿الثَّرٰى﴾ کے معنی ہیں: زمین کی گیلی تہ۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں جو کچھ ہے وہ بھی اسی کے لیے ہے۔ [4] یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ ﴿اَخْفٰى﴾ یا تو ماضی کا صیغہ ہے، اس صورت میں اس کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے، یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے اور یا اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔ [5] یعنی معبود بھی وہی ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہے اور بہترین نام بھی اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ نہ معبود اس کے سوا کوئی اور ہے اور نہ اس جیسے اسمائے حسنیٰ ہی کسی کے ہیں۔ پس اسی کی صحیح معرفت حاصل کر کے، اسی سے ڈرا جائے، اسی سے محبت رکھی جائے، اسی پر ایمان لایا اور اسی کی اطاعت کی جائے تاکہ انسان جب اس کی بارگاہ میں واپس جائے تو وہاں شرمسار نہ ہو بلکہ اس کی رحمت و مغفرت سے شادکام اور اس کی رضا سے سعادت مند ہو۔

Marfat.com

اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿10﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ

انگارا لے آؤں، یا آگ کے پاس کوئی راہبر پاؤں ⑩ [1]چنانچہ جب وہ (موسیٰ) آگ کے پاس پہنچا

يٰمُوْسٰى ﴿11﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ

تو آواز دی گئی[2]: اے موسیٰ! ⑪ بے شک میں تیرا رب ہوں، لہٰذا تو اپنے جوتے اتار دے[3]، بلاشبہ

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿12﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا

تو مقدس وادی طویٰ میں ہے ⑫ [4] اور میں نے تجھے چن لیا ہے[5]، لہٰذا جو وحی کی جاتی ہے اسے

يُوْحٰى ﴿13﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ

غور سے سن ⑬ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ تو میری ہی

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿14﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ

عبادت کر[6] اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر ⑭ [7]بے شک قیامت آنے والی ہے، میں اس کا وقت

اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿15﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

مخفی رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے ⑮ لہٰذا اس (فکرِ

عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

آخرت) سے تجھے وہ شخص روکنے نہ پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اس نے اپنی خواہشات کی

فَتَرْدٰى ﴿16﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿17﴾ قَالَ هِيَ

پیروی کی، ورنہ تو (بھی) ہلاک ہو جائے گا ⑯ [8] اور اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ⑰ اس

عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ

نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں،

فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿18﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿19﴾ فَاَلْقٰىهَا

اور اس میں میرے لیے اور بھی مقاصد ہیں ⑱ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! اسے پھینک دے ⑲ پھر جب

[1] یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی بیوی کے ہمراہ (جو ایک قول کے مطابق شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) اپنی والدہ کی طرف واپس مصر جا رہے تھے، اندھیری رات تھی اور راستہ بھی نامعلوم۔ اور بعض مفسرین کے بقول بیوی کی زچگی کا وقت بالکل قریب تھا اور انھیں حرارت کی ضرورت تھی۔ یا سردی کی وجہ سے گرمی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتنے میں دور سے انھیں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گھر والوں سے، یعنی بیوی سے (یا بعض کہتے ہیں: خادم اور بچہ بھی تھا اسی لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا) کہا: تم یہاں ٹھہرو! شاید میں آگ کا کوئی شعلہ وہاں سے لے آؤں یا کم از کم وہاں سے راستے کی نشان دہی ہی ہو جائے۔ [2] موسیٰ علیہ السلام جب آگ والی جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک درخت سے (جیسا کہ سورۂ قصص 30:28 میں صراحت ہے) آواز آئی۔ [3] جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ وادیٔ مقدس طویٰ میں پہنچے اور اس میں تواضع کا اظہار اور شرف و تکریم کا پہلو زیادہ ہے، تاہم اس کے دو پہلو ہیں۔ یہ حکم وادی کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات ننگے پیر ہونے کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کے اندر زیادہ جذب ہو سکیں۔ واللہ أعلم۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایسے گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے جو غیر مدبوغ تھی کیونکہ جانور کی کھال دباغت (رنگنے) کے بعد ہی پاک ہوتی ہے مگر یہ قول محل نظر ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہود جوتیوں سمیت نماز نہیں پڑھتے لیکن ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ «خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَا فِي خِفَافِهِمْ» ''یہود کی مخالفت کرو (جوتوں سمیت نماز پڑھا کرو)، اس لیے کہ وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔'' (سنن أبي داود، حديث: 652) لہٰذا اگر جوتے پاک ہوں تو اس میں نماز پڑھنا مشروع ہے۔ [4] طُوًى وادی کا نام ہے۔ اسے بعض قراء نے طاء کے ضمے اور تنوین سے پڑھا ہے اور بعض نے طاء کے ضمے کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ (تفسير اللباب) [5] یعنی نبوت و رسالت اور ہم کلامی کے لیے۔ اور یہ دونوں شرف، اس وقت تیرے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ [6] یعنی تکلیفات شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلف ہے۔ اور وہ یہ کہ عبادت صرف اسی کا حق ہے۔ [7] عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا، حالانکہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی، یہ اس لیے کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔ لِذِكْرِيْ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تاکہ تو مجھے یاد کرے، اس لیے کہ یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادات میں نماز کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی تجھے یاد آ جائے کہ تیرے ذمے نماز ہے تو نماز پڑھ، یعنی اگر کسی وقت نماز کے بارے میں نسیان، ذہول یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے پڑھ لے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 597، و صحيح مسلم، حديث: 684) [8] اس لیے کہ آخرت پر یقین کرنے سے یا اس کے ذکر و مراقبے سے گریز، دونوں ہی باتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

Marfat.com

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿20﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا

اس نے اسے پھینکا تب وہ دوڑتا ہوا سانپ (بن گیا) تھا ⑳ فرمایا: اسے پکڑ لے اور مت ڈر، ہم اسے اس

سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿21﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے ㉑ [1] اور تو اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا وہ بغیر کسی مرض کے [2] چمکتا ہوا

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿22﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا

سفید نکلے گا، (یہ) دوسری نشانی ہے ㉒ تاکہ ہم تجھے اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں

الْكُبْرٰى ﴿23﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿24﴾ قَالَ رَبِّ

دکھائیں ㉓ تو فرعون کی طرف جا، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے ㉔ [3] اس (موسیٰ) نے کہا:

اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿25﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿26﴾ وَاحْلُلْ

میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ㉕ اور میرے لیے میرا کام آسان کردے ㉖ اور

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿27﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿28﴾ وَاجْعَلْ

میری زبان کی گرہ کھول دے ㉗ (تاکہ) وہ میری بات سمجھ سکیں ㉘ اور میرے لیے میرے

لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿29﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿30﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ

کنبے میں سے ایک وزیر بنا دے ㉙ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو ㉚ اس کے ساتھ میری کمر

اَزْرِيْ ﴿31﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿32﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ

مضبوط کردے ㉛ اور اسے میرے کام (نبوت) میں شریک کردے ㉜ [4] تاکہ ہم تیری بکثرت

كَثِيْرًا ﴿33﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿34﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿35﴾

تسبیح کریں ㉝ اور ہم تجھے بکثرت یاد کریں ㉞ [5] بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے ㉟ [6] اس

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿36﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا

(اللہ) نے فرمایا: اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا تجھے دیا جاتا ہے ㊱ [7] ہم تجھ پر ایک اور بار بھی احسان

[1] یہ موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ [2] ''بغیر مرض'' کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا اس طرح سفید اور چمک دار ہو کر نکلنا کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ برص کے مریض کی چمڑی سفید ہو جاتی ہے بلکہ یہ دوسرا معجزہ ہے، جو ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر ان دونوں معجزوں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ﴾ (القصص 32:28) ''پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔'' [3] فرعون کا ذکر اس لیے کیا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی سرکشی وطغیانی بھی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ وہ دعویٰ کرنے لگا تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ''میں تمھارا بلند تر رب ہوں۔'' [4] کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے شاہی محل میں زیر پرورش تھے تو کھجور یا موتی کی بجائے آگ کا انگارہ لے کر منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں کچھ لکنت پیدا ہوگئی۔ (ابن کثیر) جب اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر میرا پیغام پہنچاؤ تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دو باتیں آئیں، ایک تو یہ کہ وہ بڑا جابر اور متکبر بادشاہ ہے بلکہ رب ہونے تک کا دعویدار ہے۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی قوم کا ایک آدمی مارا گیا تھا جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکلنا پڑا تھا، یعنی ایک فرعون کی بڑائی اور سرکشی کا خوف اور دوسرا، اپنے ہاتھوں ہونے والے واقعہ کا اندیشہ۔ اور ان دونوں پر زائد تیسری بات، زبان میں لکنت۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ''میرا سینہ کھول دے تاکہ میں رسالت کا بوجھ اٹھا سکوں، میرے کام کو آسان فرما دے، یعنی جو مہم مجھے درپیش ہے اس میں میری مدد فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ فرعون کے سامنے میں پوری وضاحت سے تیرا پیغام پہنچا سکوں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اپنا دفاع بھی کر سکوں۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ میرے بھائی ہارون کو (کہتے ہیں کہ یہ عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے) بطور معین اور مددگار میرا وزیر اور شریک کار بنا دے۔'' ﴿وَزِيْرًا﴾ مُوَازِرٌ کے معنی میں ہے، یعنی بوجھ اٹھانے والا۔ جس طرح ایک وزیر بادشاہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور امور مملکت میں اس کا مشیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہارون علیہ السلام میرا مشیر اور بوجھ اٹھانے والا ساتھی ہو۔ [5] یہ دعاؤں کی علت بیان کی کہ اس طرح ہم تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح اور تیرا ذکر بھی زیادہ کر سکیں۔ [6] یعنی تجھے سارے حالات کا علم ہے اور بچپن میں جس طرح تو نے ہم پر احسان کیے، اب بھی اپنے احسانات سے ہمیں محروم نہ رکھ۔ [7] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کی لکنت کو بھی دور فرما دیا تھا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ پوری لکنت دور کرنے کی دعا نہیں کی تھی، اس لیے کچھ باقی رہ گئی تھی۔ باقی رہا فرعون کا یہ کہنا: ﴿وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝﴾ (الزخرف 52:43) ''یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔'' یہ فرعون کی طرف سے ان کی تنقیص کے طور پر تھی اور گزشتہ کیفیت کے اعتبار سے ہے۔ (أیسر التفاسیر)

Marfat.com

عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿37﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿38﴾
کرچکے ہیں (37) [1] جب ہم نے تیری ماں کی طرف وہ الہام کیا تھا جو (اب) وحی کی جاتی ہے (38) یہ
اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ
کہ تو اس (موسیٰ) کو صندوق میں ڈال، پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے ساحل
الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ
پر لا ڈالے گا جسے میرا اور اس کا دشمن اٹھائے گا،[2] اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈال دی[3]
عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۣ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ﴿39﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ
اور یہ (اس لیے) کہ میری آنکھوں کے سامنے[4] تیری پرورش کی جائے (39) جب تیری بہن چل رہی
اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ
تھی اور کہہ رہی تھی: کیا میں تمھیں اس کا بتاؤں جو اس کی کفالت کرے؟[5] پھر ہم نے تجھے تیری
اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کھائے، اور تو نے ایک شخص کو
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ
قتل کیا[6] تو ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی۔ اور ہم نے تجھے خوب آزمایا[7] پھر تو اہل مدین
فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿40﴾
میں کئی سال ٹھہرا رہا،[8] پھر اے موسیٰ! تو تقدیر الٰہی کے مطابق (یہاں) آیا (40) [9]
وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿41﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ
اور میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے خاص طور پر بنایا (41) تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر
وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿42﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
جاؤ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا (42) [10] تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، بلاشبہ وہ سرکش

[1] قبولیت دعا کی خوشخبری کے ساتھ مزید تسلی اور حوصلے کے لیے اللہ تعالیٰ بچپن کے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے قتل کے اندیشے سے اللہ کے حکم (القائے الٰہی) سے انھیں، جب وہ شیر خوار بچے تھے، تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا۔ [2] مراد فرعون ہے جو اللہ کا بھی دشمن اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا، یعنی لکڑی کا وہ تابوت تیرتا ہوا جب شاہی محل کے کنارے پہنچا تو اسے باہر نکال کر دیکھا گیا تو اس میں ایک معصوم بچہ تھا جسے فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا۔ [3] یعنی فرعون کے دل میں ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی۔ [4] چنانچہ اللہ کی قدرت کا اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا کمال اور کرشمہ دیکھیے کہ جس بچے کی خاطر فرعون بے شمار بچوں کو قتل کروا چکا ہے تاکہ وہ زندہ نہ رہے، اسی بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی گود میں پلوا رہا ہے اور ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے لیکن اس کی اجرت بھی اسی دشمن موسیٰ علیہ السلام سے وصول کر رہی ہے۔ فَسُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ. [5] یہ اس وقت ہوا جب ماں نے تابوت سمندر میں پھینک دیا تو بیٹی سے کہا: ذرا دیکھتی رہو، یہ کہاں کنارے لگتا ہے اور کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب اللہ کی مشیت سے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے، شیر خوارگی کا عالم تھا، چنانچہ دودھ پلانے والی عورتوں اور آیاؤں کو بلایا گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ پیتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی، بالآخر اس نے کہا: میں تمھیں ایسی عورت بتلاتی ہوں جو تمھاری یہ مشکل دور کر دے گی، انھوں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ وہ اپنی ماں کو، جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، بلا لائی۔ جب ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی تدبیر و مشیت سے غٹا غٹ دودھ پینا شروع کر دیا۔ [6] یہ ایک دوسرے احسان کا ذکر ہے، جب موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ایک فرعونی صرف گھونسا مارنے سے مر گیا، جس کا ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔ [7] فُتُوْنٌ دُخُوْلٌ اور خُرُوْجٌ کی طرح مصدر ہے، یعنی ابتَلَيْنَاكَ ابْتِلَاءً ''ہم نے تجھے خوب آزمایا۔'' یا یہ جمع ہے فتنہ کی، جیسے حجرۃ کی حجور اور بدرۃ کی بدور جمع ہے، یعنی ہم نے تجھے کئی مرتبہ یا بار بار آزمایا یا آزمائشوں سے نکالا، مثلاً: جو سال بچوں کے قتل کا تھا، اس میں تجھے پیدا کیا، تیری ماں نے تجھے سمندر کی موجوں کے سپرد کر دیا، تمام دایاؤں کا دودھ تجھ پر حرام کر دیا، تو نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی جس پر اس نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تیرے ہاتھوں قبطی کا قتل ہو گیا وغیرہ۔ ان تمام مواقع آزمائش میں ہم ہی تیری مدد اور چارہ سازی کرتے رہے۔ [8] یعنی فرعونی کے غیر ارادی قتل کے بعد تو یہاں سے نکل کر مدین چلا گیا اور وہاں کئی سال رہا۔ [9] یعنی ایسے وقت میں تو آیا جو وقت میں نے اپنے فیصلے اور تقدیر میں تجھ سے ہم کلامی اور نبوت کے لیے لکھا ہوا تھا۔ یا قَدَرٍ سے مراد عمر کی مقدار ہے، یعنی عمر کے اس مرحلے میں آیا جو نبوت کے لیے موزوں ہے، یعنی چالیس سال کی عمر میں۔ [10] اس میں داعیان الی اللہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ انھیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

Marfat.com

طَغٰى ﴿43﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى ﴿44﴾
ہو گیا ہے (43) چنانچہ تم دونوں اس سے نرم[1] بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے (44) ان
قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى ﴿45﴾
دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک ہم تو ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرے (45)
قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِىۡ مَعَكُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾
اس (اللہ) نے فرمایا: تم دونوں مت ڈرو، بلاشبہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سنتا اور دیکھتا ہوں (46) [2] لہٰذا
فَاۡتِيٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ
تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو: بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں، چنانچہ تو بنی اسرائیل کو
اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡؕ قَدۡ جِئۡنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَؕ
ہمارے ساتھ بھیج، اور انھیں مت ستا، یقیناً ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لائے ہیں،
وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى ﴿47﴾ اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ
اور جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلامتی[3] ہے (47) بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ یقیناً اس
اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿48﴾ قَالَ فَمَنۡ
پر عذاب ہے جو (حق کی) تکذیب کرے اور پھر جائے (48) اس (فرعون) نے کہا: اے موسیٰ!
رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى ﴿49﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ
تم دونوں کا رب کون ہے؟ (49) اس (موسیٰ) نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی
خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿50﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰى ﴿51﴾
شکل و صورت دی، پھر ہدایت دی (50) [4] اس (فرعون) نے کہا: اگلی امتوں کا کیا حال ہے؟ (51) [5]
قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ فِىۡ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىۡ
اس (موسیٰ) نے کہا: ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے، میرا
وَلَا يَنۡسَى ﴿52﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَكَ
رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے (52) [6] وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور
لَـكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ
تمھارے چلنے کے لیے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس
اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿53﴾ كُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ
کے ذریعے سے کئی اقسام کی مختلف نباتات نکالیں (53) تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، [7]
فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿54﴾ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا
بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے[8] بہت سی نشانیاں ہیں (54) ہم نے تمھیں اسی (زمین) سے پیدا

ع 2/30 11

[1] یہ وصف بھی داعیان کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ سختی سے لوگ بدکتے اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔ [2] تم فرعون کو جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب میں جو وہ کہے گا، میں وہ سنتا اور تمھارے اور اس کے طرزِ عمل کو دیکھتا رہوں گا اور میں تمھاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا، اس لیے اس کے پاس جاؤ، تردد کی کوئی ضرورت نہیں۔ [3] یہ سلامِ تحیہ نہیں ہے جسے مسلمان ایک دوسرے کو کہتے ہیں بلکہ امن و سلامتی کی طرف دعوت ہے، جیسے نبی ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا: «أَسْلِمْ تَسْلَمْ» ''اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔'' اسی طرح مکتوب کے شروع میں آپ نے «وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى» بھی تحریر فرمایا، (ابن کثیر) اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مکتوب یا مجلس میں مخاطب کرنا ہو تو اسے انھی الفاظ سے خطاب کیا جائے، اس لیے کہ اس میں دعوت ہے۔ [4] مثلاً: جو شکل و صورت انسان کے مناسب حال تھی، وہ اسے جو جانوروں کے مطابق تھی، وہ جانوروں کو عطا فرمائی۔ ''راہ سجھائی'' کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سہن، کھانے پینے اور بود و باش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے۔ [5] فرعون نے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کے لیے یہ سوال کیا، یعنی پہلے لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے، ان کا حال کیا ہوگا؟ [6] موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: (ان کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے، البتہ) ان کا علم میرے رب کو ہے جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے، وہ اس کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا، پھر اس کا علم اس طرح ہر چیز کو محیط ہے کہ اس کی نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چیز اوجھل نہیں ہو سکتی، نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے جبکہ مخلوق کے علم میں دونوں نقص موجود ہیں۔ ایک تو ان کا علم محیط کل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ دوسرے، علم کے بعد وہ بھول بھی سکتے ہیں، میرا رب ان دونوں نقصوں سے پاک ہے۔ آگے رب کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ [7] یعنی ان انواع و اقسام کی پیداوار میں کچھ چیزیں تمھاری خوراک اور لذت و فرحت کا سامان ہیں اور کچھ تمھارے چوپایوں اور جانوروں کے

Marfat.com

نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿55﴾ وَلَقَدۡ
کیا اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے، اور اسی میں سے تمھیں[1] ایک بار پھر نکالیں گے ﴿55﴾ اور بلاشبہ ہم نے
اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿56﴾ قَالَ
اس (فرعون) کو اپنی سب نشانیاں دکھا دیں، پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ﴿56﴾ کہنے لگا: اے
اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿57﴾
موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اسی لیے آیا ہے کہ اپنے جادو سے ہمیں ہماری سرزمین سے نکال دے؟ ﴿57﴾ [2]
فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا
چنانچہ ہم تیرے پاس (مقابل) اس جیسا ہی جادو لائیں گے، لہٰذا تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک
لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿58﴾ قَالَ
وعدہ ٹھہرا،[3] نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تو، ایک ہموار جگہ میں ﴿58﴾ [4] اس (موسیٰ) نے کہا:
مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿59﴾ فَتَوَلّٰى
تمھارا وعدہ زینت (جشن) کا دن[5] ہے، اور یہ کہ لوگ دن چڑھے اکٹھے کیے جائیں ﴿59﴾ چنانچہ فرعون (محل
فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿60﴾ قَالَ لَهُمۡ
میں) واپس آیا اور اپنی ساری چالیں جمع کیں، پھر (میدان میں) آ گیا ﴿60﴾ [6] موسیٰ نے ان سے کہا:
مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ
تمھارے لیے ہلاکت ہو! تم اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو، ورنہ وہ عذاب سے تمھیں تباہ کر دے گا اور
بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿61﴾ فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ
جس نے جھوٹ گھڑا یقیناً وہ ناکام رہا ﴿61﴾ [7] پھر انھوں نے آپس میں اپنے معاملے میں باہم
بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿62﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ
اختلاف کیا اور رازداری سے مشورہ کیا ﴿62﴾ [8] وہ بولے: بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں
يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا
کہ اپنے جادو (کے زور) سے تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دیں اور تمھارا عمدہ نظام لے
بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿63﴾ فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ
جائیں (تباہ و برباد کر دیں) ﴿63﴾ [9] لہٰذا اپنی تدبیریں پختہ کر لو، پھر صف باندھ کر آ جاؤ اور بلاشبہ

لیے ہیں۔ [8] اَلنُّهٰى نُهۡيَةٌ کی جمع ہے، بمعنی عقل، لِّاُولِی النُّهٰى عقل والے۔ عقل کو نُهۡيَه اور عقل مند کو ذُوۡ نُهۡيَه، اس لیے کہا جاتا ہے کہ بالآخر انھی کی رائے پر معاملہ انتہا پذیر ہوتا ہے یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں، يَنۡهَوۡنَ النَّفۡسَ عَنِ الۡقَبَائِحِ (فتح القدير)

[1] بعض روایات میں دفنانے کے بعد تین لپیں (یا بُکے) مٹی ڈالتے وقت اس آیت کا پڑھنا نبی ﷺ سے منقول ہے لیکن سنداً یہ روایات ضعیف ہیں، تاہم آیت کے بغیر تین لپیں ڈالنے والی روایت، جو ابن ماجہ میں ہے، صحیح ہے، اس لیے دفنانے کے بعد دونوں ہاتھوں سے تین تین مرتبہ مٹی ڈالنے کو علماء نے مستحب قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ، حدیث: 1565، وإرواء الغليل: 200/3، حدیث: 751) [2] جب فرعون کو دلائل واضحہ کے ساتھ وہ معجزات بھی دکھلائے گئے جو عصا اور ید بیضا کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے تو فرعون نے اسے جادو کا کرتب سمجھا اور کہنے لگا: اچھا تو ہمیں اس جادو کے زور سے ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے؟ [3] مَوۡعِدًا مصدر ہے یا اگر ظرف ہے تو زمان اور مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ کوئی جگہ اور دن مقرر کر لے۔ [4] مَكَانًا سُوًى صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سہولت سے پہنچ سکیں۔ [5] اس سے مراد "نوروز" یا کوئی اور سالانہ میلے یا جشن کا دن ہے جسے وہ عید کے طور پر مناتے تھے۔ [6] یعنی مختلف شہروں سے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اجتماع گاہ میں آ گیا۔ [7] جب فرعون اجتماع گاہ میں جادوگروں کو مقابلے کی ترغیب دے رہا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا اظہار کر رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلے سے پہلے انھیں وعظ کیا اور ان کے موجودہ رویے پر انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ [8] موسیٰ علیہ السلام کے وعظ سے ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اور بعض چپکے چپکے کہنے لگے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں والی نہیں، پیغمبرانہ لگتی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا۔ [9] [مُثۡلٰى] طَرِيۡقَةٌ کی صفت ہے۔ یہ اَمۡثَلُ کی تانیث ہے، افضل کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی اپنے "جادو" کے زور سے غالب آ گئے تو سادات و اشراف اس کی طرف مائل ہو جائیں گے جس سے ہمارے اقتدار کے خاتمے اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارا بہترین طریقہ یا مذہب، اسے بھی یہ ختم کر دیں گے، یعنی اپنے مشرکانہ مذہب کو بھی انھوں نے "بہترین" قرار دیا جیسا کہ آج بھی ہر باطل مذہب اور فرقے کے پیروکار اسی زعم فاسد میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے سچ فرمایا: ﴿كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝﴾ (الروم 32:30) "ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے، اس پر ریجھ رہا ہے۔"

Marfat.com

اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿64﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ

جو (آج) غالب رہا وہ کامیاب ٹھہرا﴿64﴾ (ان جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! یا تو تو ڈال

وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿65﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا

یا ہم ہی ہوں پہلے ڈالنے والے؟﴿65﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: بلکہ تمھی ڈالو[1] پھر ناگہاں ان کے

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا

جادو کی وجہ سے موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں بلاشبہ دوڑ رہی

تَسْعٰى ﴿66﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿67﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ

ہیں﴿66﴾ [2] پھر موسیٰ نے اپنے نفس میں خوف محسوس کیا﴿67﴾ ہم نے کہا: خوف نہ کھا، بے شک تو ہی

اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿68﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ

غالب رہے گا﴿68﴾ [3] اور جو (لاٹھی) تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دے، وہ اس کو نگل جائے گی

مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ

جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، بس انھوں نے تو جادوگر کا فریب بنایا ہے، اور جادوگر جہاں سے بھی آئے

حَيْثُ اَتٰى ﴿69﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

کامیاب نہیں ہوتا﴿69﴾ چنانچہ جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے، اور کہنے لگے: ہم ہارون

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿70﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے﴿70﴾ فرعون نے کہا: کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر

لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

ایمان لائے ہو؟ یقیناً یہ تمھارا بڑا ہی تو ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا، لہٰذا میں تمھارے ہاتھ اور

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ

پاؤں ایک دوسرے کی مخالف سمتوں [4] سے ضرور کٹواؤں گا، اور تمھیں کھجور کے تنوں پر ضرور سولی دوں

[1] موسیٰ علیہ السلام نے انھیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لیے کہا تا کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے جو فرعون جمع کر کے لے آیا ہے اور اسی طرح ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں۔ دوسرے، ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیاں، جب معجزۂ الٰہی سے چشم زدن میں هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں ہے، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں اس کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی۔ [2] قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے مسمریزم کے ذریعے سے نظر بندی کر دی جاتی ہے، تاہم اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عارضی اور وقتی طور پر دیکھنے والوں پر ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے، گو شے کی حقیقت تبدیل نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جادو کتنا بھی اونچے درجے کا ہو، وہ شے کی حقیقت تبدیل نہیں کر سکتا۔ [3] اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا تو یہ ایک طبعی چیز تھی جو کمال نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے کیونکہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے، اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ اس سے کار نبوت متاثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضۂ رسالت کی ادائیگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ یہ میری لاٹھی ڈالنے سے قبل ہی کہیں لوگ ان کرتبوں اور شعبدہ بازیوں سے متاثر نہ ہو جائیں لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادوگروں نے بھی جو کرتب دکھایا، وہ لاٹھیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی لاٹھی ہی تھی جسے انھوں نے زمین پر پھینکنا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شبہے اور مغالطے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا، اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا معجزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور معجزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے، وہ مذکورہ مغالطے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا معجزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ خود معجزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے، یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انبیاء کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے، بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ کسی بھی لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ہی غالب رہے گا، اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں، سب کا ہی ازالہ فرما دیا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔ [4] مِّنْ خِلَافٍ (الٹے سیدھے) کا مطلب ہے سیدھا ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ تو سیدھا پاؤں۔

Marfat.com

جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿71﴾ قَالُوْا
گا، اور تمھیں ضرور معلوم ہوجائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے ﴿71﴾ وہ کہنے
لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا
لگے: ہم تجھے کبھی ترجیح نہیں دیں گے اُن واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آچکے اور نہ اس
فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۖ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ
ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا،[1] لہٰذا تو جو کر سکتا ہے کر گزر، بس تو تو اس دنیاوی[2] زندگی ہی کا
الدُّنْيَا ﴿72﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا
فیصلہ کرے گا ﴿72﴾ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمیں بخش دے ہماری خطائیں
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿73﴾ اِنَّهٗ مَنْ
اور وہ جادو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا،[3] اور اللہ بہت بہتر اور وہی باقی رہنے والا ہے ﴿73﴾ [4] بے شک جو
يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۙ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا
شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ تو وہ
وَلَا يَحْيٰى ﴿74﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ
مرے گا اور نہ جیے گا ﴿74﴾ [5] اور جو اس کے حضور مومن (بن کر) حاضر ہوگا، جبکہ اس نے نیک
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿75﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ
عمل کیے ہوں، تو انھی (لوگوں) کے درجے بلند ہیں ﴿75﴾ (یعنی) سدا رہنے والے باغات ہیں
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی اس کی جزا ہے جو (گناہوں
3 ع 22 12 مَنْ تَزَكّٰى ﴿76﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
سے) پاک ہوا ﴿76﴾ [6] اور یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کو میرے بندے نکال لے
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ
چل،[7] پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا،[8] جبکہ تجھے نہ تو پکڑے جانے کا خوف ہوگا اور نہ

[1] یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب وَالَّذِيْ فَطَرَنَا کا عطف مَا جَآءَنَا پر ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اسے قسم قرار دیا ہے، یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا! ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آچکیں۔ [2] یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے، وہ کر لے، ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے جبکہ ہم جس پروردگار پر ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی اور تیرے ظلم و ستم سے تو بچ جائیں گے کیونکہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے، وہ ہمیں سخت عذاب دینے پر قادر ہے۔ رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آنا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں، انھیں جس حوصلہ و صبر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے، جادوگروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب و تحریص انھیں متزلزل کر سکی نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انھیں ایمان سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ [3] دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرما دے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے مجبور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کیں۔“ اس صورت میں [illegible] کا عطف خَطٰيٰنَا پر ہوگا۔ [4] یہ فرعون کے الفاظ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ○ کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ہمیں اجر و ثواب ملے گا، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔ [5] یعنی عذاب سے تنگ آ کر موت کی آرزو کریں گے تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا، کھانے پینے کو زقوم جیسا تلخ درخت اور جہنمیوں کے جسموں سے نچڑا ہوا خون اور پیپ ملنا، یہ کوئی زندگی ہوگی؟ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ. [6] جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسائش زندگی ملے گی، اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے، یعنی اعمال صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے، اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ [7] جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔ [8] اس کی تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا میں لاٹھی ماری، جس سے دریا میں گزرنے کے لیے خشک راستہ بن گیا۔

Marfat.com

دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى (77) فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ
(ڈوبنے کا) ڈر (77)[1] پھر فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا پیچھا کیا تو انھیں سمندر (کے
فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (78) وَاَضَلَّ
پانی) نے ڈھانپ لیا جیسے ڈھانپنے کا حق تھا (78)[2] اور فرعون نے اپنی قوم
فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (79) يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
کو گمراہ کیا اور (سیدھی) راہ نہ دکھائی (79)[3] اے بنی اسرائیل! ہم نے
قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی، اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب (تورات دینے)
الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (80) كُلُوْا مِنْ
کا وعدہ[4] کیا، اور ہم نے تم پر من اور سلوٰی نازل کیا (80)[5] ہم نے تمھیں جن
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ
پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے ان سے کھاؤ، اور تم اس میں سرکشی نہ کرو[6] کہ
غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى (81) وَاِنِّيْ
تم پر میرا غضب اترے، اور جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ تباہ ہو گیا (81)[7] اور بے شک
لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
میں بہت بخشنے والا ہوں اس کے لیے جو توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر
اهْتَدٰى (82) وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى (83) قَالَ
ہدایت پر رہے (82)[8] اور اے موسیٰ! کون سی چیز تجھے تیری قوم سے جلدی لے آئی؟ (83) اس نے
هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ
کہا: وہ لوگ میرے پیچھے ہیں، اور اے میرے رب! میں نے تیری طرف جلدی کی، تا کہ تو
لِتَرْضٰى (84) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ
راضی ہو جائے (84)[9] اللہ نے فرمایا: چنانچہ بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں

[1] خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈر پانی میں ڈوبنے کا۔ [2] یعنی اس خشک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق رواں دواں ہو جا، چنانچہ وہ خشک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجوں میں تبدیل ہو گیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا، فَغَشِيَهُمْ کے معنی ہیں: عَلَاهُمْ وَأَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آ گیا۔ مَا غَشِيَهُمْ یہ تکرار تعظیم وتہویل، یعنی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے۔ یا اس کے معنی ہیں: ''سمندر کے پانی نے ان کو ڈھانپ لیا'' جیسا کہ آپ نے اس کا قصہ سن لیا۔ [3] اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدر تھا۔ [4] وَوٰعَدْنٰكُمْ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر تمھیں، یعنی تمھارے نمائندے بھی ساتھ لے کر آئیں تا کہ تمھارے سامنے ہی ہم موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوں یا ضمیر جمع اس لیے لائی گئی کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو بلانا بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انھی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔ [5] اَلْمَنَّ وَالسَّلْوٰى کے نزول کا واقعہ، سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ اَلْمَنَّ کوئی سفید سی میٹھی چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی تھی اور السَّلْوٰى سے مراد بٹیر پرندے ہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انھیں پکڑ کر پکاتے اور کھا لیتے۔ (ابن کثیر) [6] طُغْيَانٌ کے معنی ہیں: تجاوز کرنا، یعنی حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو یا اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفران نعمت کا ارتکاب کر کے یا منعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو، ان تمام مفہومات پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے، ضرورت وحاجت سے زیادہ پرندے پکڑنا، یعنی حاجت کے مطابق پرندے پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔ [7] دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ''ہاویہ'' یعنی جہنم میں گرا۔ ''ہاویہ'' جہنم کا نچلا حصہ ہے، یعنی جہنم کی گہرائی والے حصے کا مستحق ہو گیا۔ [8] یعنی مغفرت الٰہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفر وشرک اور معاصی سے توبہ، ایمان، عمل صالح اور راہ راست پر چلتے رہنا، یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے ورنہ ظاہر بات ہے کہ توبہ وایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک وکفر کا راستہ اختیار کر لیا حتیٰ کہ موت بھی اسے کفر وشرک پر ہی آئے تو مغفرت الٰہی کے بجائے عذاب کا مستحق ہو گا۔ [9] سمندر پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اسرائیل کے سربرآوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے لیکن حصول رضا کی خاطر ساتھیوں سے آگے نکل کر طور پر پہنچ گئے، سوال کرنے پر جواب دیا: مجھے تو تیری رضا کی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پیچھے آ رہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہیں اور میری واپسی کے منتظر ہیں۔

Marfat.com

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿85﴾ فَرَجَعَ مُوسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ
ڈال دیا، اور انھیں سامری نے گمراہ کر دیا (85) [1] تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضب ناک (اور)
غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا
غمگین لوٹا (اور) کہنے لگا: اے میری قوم! کیا تمھارے رب نے تم سے اچھا
حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ
وعدہ نہ کیا تھا؟ [2] کیا پھر تم پر عہد طویل ہو گیا تھا [3] یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے رب
عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿86﴾ قَالُوْا مَآ
کا غضب اترے، لہٰذا تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی (86) [4] وہ کہنے لگے: ہم نے
اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا
تیرے وعدے کی اپنے اختیار سے خلاف ورزی نہیں کی [5] لیکن ہم پر قوم (فرعون) کے زیب
مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى
وزینت کے بوجھ لاد دیے گئے تھے تو ہم نے وہ (آگ میں) پھینک دیے اور اسی طرح سامری
السَّامِرِيُّ ﴿87﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ
نے بھی (زیور) پھینکے (87) پھر اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا (بنایا) جو محض جسم تھا، جس کی
فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوسٰى فَنَسِيَ ﴿88﴾
آواز گائے کی سی تھی، پھر وہ (لوگ) کہنے لگے: یہی ہے تمھارا الٰہ [6] اور موسیٰ کا الٰہ۔ وہ تو بھول گیا (88)
اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا
بھلا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ بلاشبہ وہ (بچھڑا) ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے
وَّلَا نَفْعًا ﴿89﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ ع 13
کسی نفع ونقصان کا مالک ہے (89) [7] اور بلاشبہ اس سے پہلے ہارون نے ان سے کہا تھا: اے میری قوم!
يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ
یقیناً اس (بچھڑے) کے ساتھ تم آزمائے گئے ہو، اور یقیناً تمھارا رب رحمٰن ہے، لہٰذا تم میری اتباع کرو
وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿90﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ
اور میرے حکم کی اطاعت کرو (90) [8] وہ کہنے لگے: ہم تو ہمیشہ اس پر مجاور (بن کر بیٹھ) رہیں گے حتی
حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوسٰى ﴿91﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ
کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئے (91) [9] اس (موسیٰ) نے کہا: اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکے
اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿92﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۗ اَفَعَصَيْتَ
رکھا جب تو نے انھیں دیکھا کہ وہ بھٹک گئے ہیں (92) کہ تو نے میری اتباع نہ کی؟ کیا تو نے میرے

[1] موسیٰ علیہ السلام کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجنے پر لگا دیا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اور اس گمراہی کا سبب سامری ہی تھا جیسا کہ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ سے واضح ہے۔ [2] اس سے مراد جنت کا یا فتح وظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کے لیے طور پر انھیں بلایا گیا تھا۔ [3] کیا اس عہد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ [4] قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت وعبادت پر قائم رہیں گے۔ [5] یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہو گئی، آگے اس کی وجہ بیان کی۔ [6] زِيْنَةِ سے زیورات اور الْقَوْمِ سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انھوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لیے تھے، اسی لیے انھیں اَوْزَارًا "وِزْرٌ کی جمع بوجھ" کہا گیا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے، چنانچہ انھیں جمع کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، سامری نے بھی جو (مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا، کچھ ڈالا، (اور وہ مٹی تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے) پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر اس طرح کا بچھڑا بنا دیا کہ جس میں ہوا کے اندر، باہر آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو گمراہ ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کے لیے طور پر گئے ہیں جبکہ تمھارا اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود تو یہ ہے۔ [7] اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت ونادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی نہیں پتہ چلا کہ یہ بچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے جبکہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر، نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔ [8] ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔ [9] اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پرواہ نہیں کی اور اس کی تعظیم وعبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

اَمۡرِیۡ ﴿93﴾ قَالَ یَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ وَلَا بِرَاۡسِیۡ ۚ اِنِّیۡ

حکم کی نافرمانی کی؟ ﴿93﴾[1] اس (ہارون) نے کہا: اے میرے ماں جائے! میری ڈاڑھی اور میرا

خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

سر نہ پکڑ، یقیناً میں ڈرا کہ تو کہے گا[2] تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میری

وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ ﴿94﴾ قَالَ فَمَا خَطۡبُکَ یٰسَامِرِیُّ ﴿95﴾ قَالَ

بات کا انتظار نہ کیا ﴿94﴾[3] اس (موسیٰ) نے کہا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ ﴿95﴾ اس (سامری)

بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِہٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَۃً

نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہ دیکھی، چنانچہ میں نے (مٹی کی) ایک مٹھی رسول

مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُہَا وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتۡ لِیۡ

(جبریل کے گھوڑے) کے نقش قدم سے بھر لی اور وہ اس میں ڈال دی[4] اور اسی طرح میرے نفس نے

نَفۡسِیۡ ﴿96﴾ قَالَ فَاذۡہَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ

(اسے) میرے لیے خوشنما بنا دیا ﴿96﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: تو چلا جا، اب یقیناً تیرے لیے زندگی بھر یہی

لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَکَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَہٗ ۚ وَانۡظُرۡ

ہے کہ تو کہتا رہے: (مجھے) نہ چھونا[5] اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ ہے، جس کی خلاف ورزی تجھ

اِلٰۤی اِلٰـہِکَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَیۡہِ عَاکِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ

سے ہرگز نہیں کی جائے گی[6] اور تو اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو مجاور بنا رہا، البتہ ہم اسے ضرور جلا

لَنَنۡسِفَنَّہٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا ﴿97﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ

دیں گے، پھر یقیناً (اس کی راکھ) اڑا کر سمندر میں بکھیر دیں گے ﴿97﴾[7] بس تمھارا معبود تو اللہ ہے جس

[1] یعنی اگر انھوں نے تیری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آ کر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پروا نہیں کی، یعنی جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔ [2] موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گمراہی میں دیکھ کر سخت غضب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی، جن کو وہ اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے، مداہنت کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر انھیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انھیں اتنا سخت رویہ نہ اپنانے کی درخواست کی۔ [3] سورۂ اعراف 7:150 میں ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ ”قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے درپے ہوگئی۔“ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمے داری پوری طرح نبھائی اور انھیں سمجھانے اور گوسالہ پرستی سے روکنے میں مداہنت اور کوتاہی نہیں کی لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ خود وہاں موجود نہ تھے، اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر ہارون علیہ السلام کو انھوں نے سخت سست کہا لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے، اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ ایسا کیا ہی ہے اور نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔ [4] جمہور مفسرین نے ﴿الرَّسُوۡلِ﴾ سے مراد جبریل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبریل کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی، جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلنی شروع ہوگئی جو ان کے فتنے کا باعث بن گئی۔ [5] یعنی عمر بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے نہ چھونا، اس لیے کہ اسے چھوتے ہی چھونے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے، اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ ﴿لَا مِسَاسَ﴾ کہا جاتا ہے کہ پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں عبرت کا نمونہ بنا رہا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیلہ و فن اور مکر و فریب اختیار کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی اسی حساب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہوگی۔ [6] یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگتنا پڑے گا۔ [7] اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالنا، چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس ہستیوں کی طرف ہو، توہین نہیں جیسا کہ اہل بدعت، قبر پرست اور تعزیہ پرست باور کراتے ہیں بلکہ یہ توحید کا منشا اور دینی غیرت کا تقاضا ہے، جیسے اس واقعے میں اس ﴿اَثَرِ الرَّسُوۡلِ﴾ کو نہیں دیکھا گیا جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا مشاہدہ بھی کیا گیا، اس کے باوجود اس کی پروا نہیں کی گئی، اس لیے کہ وہ شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔

Marfat.com

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿98﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ
کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے ﴿98﴾ اسی طرح ہم آپ کو[1] وہ احوال

مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿99﴾
سناتے ہیں جو (پہلے) گزر چکے، اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) دیا ﴿99﴾[2]

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿100﴾ خٰلِدِیْنَ
جس نے اس سے اعراض کیا[3] تو یقیناً وہ یوم قیامت ایک بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا ﴿100﴾[4] وہ اس (تکلیف)

فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿101﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ
میں ہمیشہ رہیں گے[5] اور یوم قیامت ان کے لیے بوجھ اٹھانا برا ہوگا ﴿101﴾ جس دن صور[6] میں پھونکا

فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿102﴾
جائے گا، اور ہم اس دن مجرم اکٹھے کریں گے اس حال میں کہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ﴿102﴾

یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿103﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ
وہ باہم چپکے چپکے کہتے ہوں گے[7] تم (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر صرف دس دن ﴿103﴾ ہم کو خوب معلوم

بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿104﴾
ہے جو وہ کہیں گے، جبکہ ان میں بہترین رائے[8] والا کہے گا: تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے ﴿104﴾ اور

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿105﴾
وہ آپ سے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے: میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا ﴿105﴾

فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿106﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا
پھر وہ اس (زمین) کو چٹیل میدان (بنا) چھوڑے گا ﴿106﴾ آپ اس میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے

وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿107﴾ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ
اور نہ ابھری جگہ ﴿107﴾ اس دن سب لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں[9] گے، اس (کی اتباع) سے

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا
کوئی کجی نہیں ہوگی[10] اور سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی، پھر آپ آہٹ (اور خفی

هَمْسًا ﴿108﴾ یَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ
آواز) کے سوا کچھ نہ سنیں گے ﴿108﴾[11] اس دن سفارش کوئی نفع نہ دے گی مگر صرف اس کی جسے رحمٰن

[1] یعنی جس طرح ہم نے فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اسی طرح انبیائے ماسبق کے حالات ہم آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں، انھیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح رویہ اختیار کریں۔ [2] نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا، ہدایت اختیار کرتا اور نجات و سعادت کا راستہ اپناتا ہے۔ [3] یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے، اس پر عمل نہیں کرے گا۔ [4] یعنی گناہ عظیم، اس لیے کہ اس کا نامۂ اعمال، نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہوگا۔ [5] جس سے وہ بچ سکے گا نہ بھاگ ہی سکے گا۔ [6] الصُّوْرِ سے مراد وہ قرن (نرسنگا) ہے، جس میں اسرافیل اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ (مسند أحمد: 192/2) ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسرافیل نے قرن کا لقمہ بنایا ہوا ہے، (اسے منہ لگائے کھڑا ہے) پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے، رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2431) اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفخے سے سب پر موت طاری ہو جائے گی اور دوسرے نفخے سے بحکم الٰہی سب زندہ اور میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دوسرا نفخہ مراد ہے۔ [7] شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے باتیں کریں گے۔ [8] یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار، یعنی دنیا کی زندگی انھیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہوگی۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ (الروم 30:55) ''جس دن قیامت برپا ہوگی، کافر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔'' یہی مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ فاطر 35:37، سورۂ مؤمنون 23:112-114 اور سورۂ نازعات 79:46 وغیرہ۔ مطلب یہی ہے کہ فانی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔ [9] یعنی جس دن اونچے نیچے پہاڑ، وادیاں، فلک بوس عمارتیں، سب صاف ہو جائیں گی، سمندر اور دریا خشک ہو جائیں گے اور ساری زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی، پھر ایک آواز آئے گی جس کے پیچھے سارے لوگ لگ جائیں گے، یعنی جس طرف وہ داعی بلائے گا، جائیں گے۔ [10] یعنی اس داعی سے ادھر ادھر نہیں ہوں گے۔ [11] یعنی مکمل سناٹا ہوگا سوائے قدموں کی آہٹ اور کھسر پھسر کے کچھ سنائی نہیں دے گا۔

Marfat.com

لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوۡلًا (109) يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا
اجازت دے گا اور اس کی بات پسند کرے گا (109) [1] جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے اسے اللہ ہی
خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا (110) وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَيِّ
جانتا ہے، اور وہ (لوگ) اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے (110) [2] اور سب چہرے حیّ قیّوم (اللہ) کے
الۡقَيُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا (111) وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ
آگے جھک جائیں گے، اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس نے ظلم (شرک) کا بوجھ اٹھایا (111) [3] اور جو شخص نیک
مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا (112)
عمل کرے، جبکہ وہ مومن ہو تو وہ نہ ظلم و زیادتی (بے انصافی) کا خوف کھائے گا اور نہ حق تلفی کا (112) [4] اور
وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ الۡوَعِيۡدِ
اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا اور ہم نے اس میں پھیر پھیر کر کئی پہلوؤں سے (اپنی)
لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ اَوۡ يُحۡدِثُ لَهُمۡ ذِكۡرًا (113) فَتَعٰلَى اللّٰهُ
وعید بیان کی تاکہ وہ تقویٰ اپنائیں [5] یا یہ (قرآن) ان کے لیے نصیحت پیدا کرے (113) [6] پس ثابت وسچا
الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ
بادشاہ اللہ بلند و بالا ہے [7] اور (اے نبی!) آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کریں قبل اس کے کہ
يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ؗ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِيۡ عِلۡمًا (114)
آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے [8] اور کہیے: اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر (114) [9] اور

[1] یعنی اس دن کسی کی سفارش کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، سوائے ان کے جن کو رحمٰن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور وہ بھی ہر کسی کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ صرف ان کی سفارش کریں گے جن کی بابت سفارش کو اللہ پسند فرمائے گا۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے؟ صرف اہل توحید، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: سورۂ نجم 53 : 26، سورۂ انبیاء 28:21، سورۂ سبا 23:34، سورۂ نبا 38:78 اور آیت الکرسی۔ [2] گزشتہ آیت میں شفاعت کے لیے جو اصول بیان فرمایا گیا ہے، اس میں اس کی وجہ اور علت بیان کر دی گئی ہے کہ چونکہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی کی بابت پورا علم نہیں ہے کہ کون کتنا بڑا مجرم ہے؟ اور وہ اس بات کا مستحق ہے بھی یا نہیں کہ اس کی سفارش کی جا سکے، اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا کہ کون کون لوگ انبیاء و صلحاء کی سفارش کے مستحق ہیں؟ کیونکہ ہر شخص کے جرائم کی نوعیت و کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔ [3] اس لیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ مکمل انصاف فرمائے گا اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دلائے گا حتیٰ کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری پر ظلم کیا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے: «لَتُؤَدَّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''ہر صاحب حق کو اس کا حق قیامت کو دینا پڑے گا۔'' ایک دوسری حدیث میں فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ» ''ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2578 و 2582، و مسند أحمد: 235/2 و 323/3) سب سے نامراد وہ شخص ہوگا جس نے شرک کا بوجھ اپنے اوپر لاد رکھا ہوگا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم بھی ہے اور ناقابل معافی بھی۔ [4] بے انصافی یہ ہے کہ اس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے اور حق تلفی یہ ہے کہ نیکیوں کا اجر کم دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں وہاں نہیں ہوں گی۔ [5] یعنی گناہ، محرمات اور فواحش کے ارتکاب سے باز آ جائیں۔ [6] یعنی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا شوق یا پچھلی امتوں کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کر دے۔ [7] جس کا وعدہ اور وعید حق ہے، جنت دوزخ حق ہے اور اس کی ہر بات حق ہے۔ [8] جبریل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور سناتے تو نبی ﷺ بھی جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کہیں کچھ حصہ بھول نہ جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ پہلے غور سے وحی کو سنیں، اس کو یاد کرانا اور دل میں بٹھا دینا یہ ہمارا کام ہے جیسا کہ سورۂ قیامہ میں اس کی وضاحت ہے۔ [9] یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادتیٔ علم کی دعا فرماتے رہیں۔ اس میں علماء کے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ فتویٰ میں پوری تحقیق اور غور سے کام لیں، جلد بازی سے بچیں اور علم میں اضافے کی صورتیں اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ علاوہ ازیں علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے۔ قرآن میں اسی کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے حاملین کو علماء۔ دیگر چیزوں کا علم، جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے، وہ سب فن ہیں، ہنر ہیں اور صنعت و حرفت ہیں۔ نبی کریم ﷺ جس علم کے لیے دعا فرماتے تھے، وہ وحی و رسالت ہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے جس سے انسان کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا، اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و عدم رضا کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ پڑھا کرتے

Marfat.com

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ
البتہ ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم صمیم نہ
عَزْمًا ﴿115﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
پایا﴿115﴾[1] اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس
اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ اَبٰى ﴿116﴾ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ
کے، اس نے انکار کیا﴿116﴾ پھر ہم نے کہا: اے آدم! بے شک یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن
وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿117﴾ اِنَّ لَكَ
ہے، کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تو مشقت میں پڑ جائے﴿117﴾[2] بے شک تیرے لیے
اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿118﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا
(یہاں اہتمام) ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا ہوگا﴿118﴾ اور بے شک تجھے نہ پیاس
وَلَا تَضْحٰى ﴿119﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ
لگے گی اور نہ تجھے دھوپ لگے گی﴿119﴾ پھر شیطان نے اس کی طرف وسوسہ ڈالا، اس نے کہا:
هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿120﴾ فَاَكَلَا
اے آدم! کیا میں تجھے سدا جینے کا درخت اور بادشاہی نہ بتاؤں جو پرانی نہ ہو؟﴿120﴾ چنانچہ ان
مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا
دونوں نے اس میں سے (پھل) کھایا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں، اور وہ دونوں اپنے اوپر
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿121﴾ ثُمَّ
جنت کے پتے چپکانے لگے، اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا﴿121﴾[3] پھر اسے اس کے
اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿122﴾ قَالَ اهْبِطَا
رب نے برگزیدہ کیا، اس کی توبہ قبول کی اور (اسے) ہدایت دی﴿122﴾[4] اس (اللہ) نے فرمایا: تم دونوں

تھے: "اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" (سنن ابن ماجه، حديث: 251) "اے اللہ! مجھے میرے علم سے نفع عطا فرما اور مجھے نفع بخش علم عطا کر اور میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔"

[1] نسیان، (بھول جانا) ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری، یعنی فقدانِ عزم۔ یہ بھی انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں ہی شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت و سرکشی کا جذبہ اور اللہ کی نافرمانی کا عزمِ مصمم شامل نہ ہو تو بھول اور ضعفِ ارادہ سے ہونے والی غلطی عصمت و کمالِ نبوت کے منافی نہیں کیونکہ اس کے بعد انسان فوراً نادم ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ آدم علیہ السلام نے بھی کیا) آدم علیہ السلام کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ تمھیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ یہی وہ بات ہے جسے یہاں عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے قریب جانے، یعنی اس سے کچھ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ اس درخت کے قریب نہیں جائیں گے لیکن جب شیطان نے اللہ کی قسمیں کھا کر انھیں یہ باور کرایا کہ اس کا پھل تو یہ تاثیر رکھتا ہے کہ جو کھا لیتا ہے، اسے حیاتِ جاوداں اور دائمی بادشاہت مل جاتی ہے تو ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور اس فقدانِ عزم کی وجہ سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو گئے۔ [2] یہ شَقَاءٌ محنت و مشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سہولتیں بغیر کسی محنت کے حاصل ہیں۔ جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑے گی جس طرح کہ ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ علاوہ ازیں صرف آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ تو محنت و مشقت میں پڑ جائے گا۔ دونوں کو نہیں کہا گیا، حالانکہ درخت کا پھل کھانے والے آدم اور حوا علیہما السلام دونوں ہی تھے، اس لیے کہ اصل مخاطب آدم ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے، عورت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس محنت و مشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن آج کی مغرب زدہ عورت کو یہ 'اعزازِ الٰہی' "طوقِ غلامی" نظر آتا ہے جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروفِ جہد ہے، آہ! اغوائے شیطانی بھی کتنا مؤثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دلفریب ہے۔ [3] یعنی درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مطلوب یا راہِ راست سے بہک گیا۔ [4] اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے مذکورہ عصیان کا صدور نبوت سے قبل ہوا اور نبوت سے اس کے بعد آپ کو نوازا گیا۔ لیکن ہم نے گزشتہ صفحے میں اس "معصیت" کی جو حقیقت بیان کی ہے، وہ عصمت کے منافی نہیں رہتی کیونکہ ایسا سہو و نسیان، جس کا تعلق تبلیغِ رسالت اور تشریع سے نہ ہو بلکہ ذاتی افعال سے ہو اور اس

Marfat.com

مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى

یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ، تمھارے بعض، بعض کے دشمن ہیں، پھر جب تمھارے پاس میری ہدایت

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿123﴾ وَمَنْ

پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا (123) اور جس نے

اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ

میری یاد سے اعراض کیا تو بلاشبہ اس کے لیے گزران تنگ ہوگا[1] اور روزِ قیامت ہم اسے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿124﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى

اندھا کر کے اٹھائیں گے (124)[2] وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ جبکہ

وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿125﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا

میں تو (دنیا میں) دیکھنے والا تھا (125) ارشاد ہوگا: اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تُو

فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿126﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ

نے وہ بھلا دیں، اور اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا (126) اور جو حد سے بڑھ گیا اور

مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ

اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، ہم اس کو اسی طرح سزا دیں گے۔ اور یقیناً آخرت کا

الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿127﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا

عذاب شدید تر اور بہت باقی رہنے والا ہے (127) کیا پھر (اس چیز نے) ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ

نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں؟ جن کے مساکن (بستیوں) میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں،

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿128﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

بے شک اس میں البتہ عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں (128) اور اگر آپ کے رب کی طرف سے

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ

ایک بات پہلے ہی سے (طے) نہ ہو چکی ہوتی، اور میعاد مقرر بھی (نہ ہوتی) تو (انھیں عذاب)

مُّسَمًّى ﴿129﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

چمٹ کے رہتا (129)[3] لہٰذا جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے، اور طلوعِ شمس سے پہلے اور اس

رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ

کے غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے، اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی تسبیح[4]

ع 7 / 13 / 16

میں بھی اس کا سبب ضعف ارادہ ہو تو یہ دراصل وہ معصیت ہی نہیں ہے جس کی بنا پر انسان غضب الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔ اس پر جو معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو محض ان کی عظمت شان اور مقام بلند کی وجہ سے کہ بڑوں کی معمولی غلطی کو بھی بڑا سمجھ لیا جاتا ہے، جس طرح مشہور ہے کہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ ''نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے حق میں برائیاں متصور ہوتی ہیں۔'' اس لیے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اس کے بعد اسے نبوت کے لیے چن لیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ندامت اور توبہ کے بعد ہم نے اسے پھر مقام اجتبا پر فائز کر دیا جو پہلے انھیں حاصل تھا۔ ان کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ ہماری مشیت اور حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا عتاب ہے جو آدم پر نازل ہوا ہے۔

[1] اس تنگی سے بعض نے عذاب قبر اور بعض نے وہ قلق و اضطراب، بے چینی اور بے کلی مراد لی ہے جس میں اللہ کی یاد سے غافل بڑے بڑے دولت مند مبتلا رہتے ہیں۔

[2] اس سے مراد فی الواقع آنکھوں سے اندھا ہونا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بصیرت سے محرومی مراد ہے، یعنی وہاں اس کو کوئی ایسی دلیل نہیں سوجھے گی جسے پیش کر کے وہ عذاب سے چھوٹ سکے لیکن پہلی بات راجح ہے۔ [3] یعنی یہ مکذبین اور مشرکین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گزر کر آتے جاتے ہیں انھیں ہم اسی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، جن کے عبرت ناک انجام میں اہل عقل و دانش کے لیے بڑی نشانیاں ہیں لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کیے ہوئے انھی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لیے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے، کسی کو ہلاک نہیں کرتا تو فوراً انھیں عذاب الٰہی آچمٹتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے۔ مہلت عمل ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ [4] بعض مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل فجر، غروب سے قبل عصر، رات کی گھڑیوں سے مغرب و عشاء اور اَطْرَافَ النَّهَارِ سے ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ ظہر کا وقت نہار اول کا

Marfat.com

الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿130﴾

کیجیے، اور دن کے (دونوں) حصوں میں بھی، تاکہ آپ راضی ہو جائیں ﴿130﴾[1] اور (اے نبی!) ان

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا

چیزوں کی طرف آپ اپنی نگاہیں نہ اٹھائیں جو چیزیں زندگانیٔ دنیا کی آرائش کی ہم نے ان میں سے

مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ

مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں، تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں[2] اور آپ کے رب کا

وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿131﴾ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ

رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے ﴿131﴾[3] اور اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیجیے اور (خود بھی) اس پر

وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ

قائم رہیے[4] ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں، اور (بہترین) انجام

وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿132﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ مِّنۡ

تو (اہل) تقویٰ کے لیے ہے ﴿132﴾ اور انھوں نے کہا: وہ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے

رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿133﴾ وَلَوۡ

کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا؟[5] کیا ان کے پاس پہلے صحیفوں میں واضح دلیل نہیں آچکی؟ ﴿133﴾[6] اور

اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا

اگر بلاشبہ ہم انھیں اس (رسول) سے[7] پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ لوگ کہتے: اے

لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ

ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے

قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ﴿134﴾ قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا ۚ

پہلے تیری آیات کی پیروی کرتے ﴿134﴾ آپ کہہ دیجیے: ہر ایک (انجام کار کا) منتظر ہے[8] لہٰذا تم

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِىِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿135﴾ ع 8 / 17

بھی انتظار کرو، تم جلد ہی جان لو گے کہ راہِ راست والے کون ہیں اور ہدایت یافتہ کون ہیں ﴿135﴾[9]

طرف آخر اور نہار آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ویسے ہی اللہ کی تسبیح وتحمید مراد ہے جس میں نماز، تلاوت، ذکر اذکار، دعا ومناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی تکذیب سے بددل نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرما لے گا۔ [1] یہ متعلق ہے فَسَبِّحۡ سے، یعنی ان اوقات میں تسبیح کریں، یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں آپ کو وہ مقام و درجہ حاصل ہو جائے گا جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ [2] یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۂ آل عمران 3:196,197، سورۂ حجر 15:87'88 اور سورۂ کہف 18:7 وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔ [3] اس سے مراد آخرت کا اجر وثواب ہے جو دنیا کے مال واسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے والا بھی۔ حدیث ایلا میں آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: ''عمر کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟'' عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس طرح آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کا، باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں، یہ حال ہے؟ فرمایا: ''عمر! کیا تم اب تک شک میں ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔'' یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4913، و صحیح مسلم، حدیث: 1479) [4] اس خطاب میں ساری امت نبی ﷺ کے تابع ہے، یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔ [5] یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانی، جیسے ثمود کے لیے اونٹنی ظاہر کی گئی تھی۔ [6] ان سے مراد تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں، یعنی کیا ان میں نبی ﷺ کی صفات موجود نہیں ہیں جن سے ان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کیا ان کے پاس پچھلی قوموں کے یہ حالات نہیں پہنچے کہ انھوں نے جب اپنی حسب خواہش معجزے کا مطالبہ کیا اور وہ انھیں دکھا دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تو انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ [7] مراد آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ [8] یعنی مسلمان اور کافر دونوں اس انتظار میں ہیں کہ دیکھو کفر غالب رہتا ہے یا اسلام غالب آتا ہے؟ [9] اس کا علم تمھیں اس سے ہو جائے گا کہ اللہ کی مدد سے کامیاب اور سرخرو کون ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ کامیابی مسلمانوں کے حصے میں آئی جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی سیدھا راستہ اور اس کے حاملین ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

Marfat.com

ايَاتُهَا: 112 | سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (1)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا ہے[1] جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کر رہے ہیں (1) [2] ان

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ

کے رب کی طرف سے ان کے پاس جو بھی نئی نصیحت آتی ہے اسے وہ کھیلتے کودتے (ہنسی مذاق ہی

يَلْعَبُوْنَ (2) لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ

میں) سنتے ہیں (2) [3] ان کے دل غافل ہیں، اور ان ظالموں نے چپکے چپکے مشورہ کیا کہ یہ (رسول) تم

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (3) قٰلَ

جیسا ایک بشر ہی تو ہے، کیا پھر تم دیکھتے بھالتے (اس کے) جادو میں پھنستے ہو؟ (3) [4] اس (رسول)

رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (4)

نے کہا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات جانتا ہے، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (4) [5]

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا

بلکہ انھوں نے کہا: یہ پراگندہ خواب ہیں، بلکہ اس نے جھوٹ گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ شاعر ہے[6]، لہٰذا اسے

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (5) مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ

ہمارے پاس کوئی (ایسی) نشانی لانی چاہیے جیسے پہلے رسول بھیجے گئے تھے (5) [7] ان سے پہلے کوئی بستی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (6) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

بھی جسے ہم نے ہلاک کیا، ایمان نہیں لائی تھی، کیا پھر یہ ایمان لائیں گے؟ (6) [8] (اے نبی!) آپ سے

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ۖ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی[9] تھے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے، چنانچہ اگر تم خود نہیں

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (7) وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ

جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو (7) [10] اور ہم نے ان (نبیوں) کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے

[1] وقت حساب سے مراد قیامت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے، قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لیے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔ [2] یعنی اس کی تیاری سے غافل، دنیا کی زینتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ [3] یعنی قرآن جو وقتاً فوقتاً حسب حالات و ضروریات نیا نیا اترتا رہتا ہے، وہ اگرچہ انھی کی نصیحت کے لیے اترتا ہے لیکن وہ اس سے کھیل اور استہزا کرتے ہوئے سنتے ہیں، یعنی اس میں تدبر، غور و فکر نہیں کرتے۔ [4] یعنی نبی کا بشر ہونا ان کے لیے ناقابل قبول ہے، پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ تو جادوگر ہے، تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں پھنستے ہو؟ [5] وہ تمام بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کے اعمال سے واقف ہے، تم جو جھوٹ بکتے ہو، اسے سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمھیں دے رہا ہوں، اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔ [6] ان سرگوشی کرنے والے ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کہا کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی طرح پراگندہ افکار کا مجموعہ بلکہ اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے بلکہ یہ شاعر ہے اور یہ قرآن کتاب ہدایت نہیں، شاعری ہے، یعنی کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں ہے۔ ہر روز ایک نیا پینترا بدلتے اور نئی سے نئی الزام تراشی کرتے ہیں۔ [7] یعنی جس طرح ثمود کے لیے اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور ید بیضا وغیرہ۔ [8] یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش معجزہ دکھلانے پر وہ ایمان لے آئی ہوں بلکہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں، جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدر بنی تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی تکذیب و عناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔ آیت میں ﴿قَرْيَةٍ﴾ بستی سے مراد (أهل القرية) بستی کے باشندے ہیں۔ [9] یہ ان کا رد ہے جو کہتے تھے کہ یہ تو تمھاری طرح بشر ہے۔ فرمایا: آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے گئے ہیں وہ مرد ہی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ رسالت مردوں کے ساتھ ہی خاص رہا ہے۔ [10] ﴿اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ ''اہل علم'' سے مراد اہل کتاب ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے، ان سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گزرے ہیں، وہ انسان تھے یا غیر انسان؟ وہ تمھیں بتلائیں گے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے۔ اس سے بعض حضرات ''تقلید'' کا اثبات کرتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ تقلید یہ ہے کہ ایک معین شخص اور اس کی طرف منسوب ایک معین فقہ کو مرجع بنایا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ بغیر دلیل کے اس کی بات کو تسلیم کیا جائے۔ جبکہ آیت میں اہل الذکر سے مراد کوئی متعین شخص نہیں ہے بلکہ ہر وہ عالم ہے جو تورات و انجیل کا علم رکھتا تھا۔ اس سے تقلید شخصی یا تقلید مطلق کا اثبات ہوتا ہے یا ان کی نفی؟ اس

Marfat.com

الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿8﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ
کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ⑧ [1] پھر ہم نے ان (رسولوں) سے وعدہ
الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا
سچا کر دکھایا، چنانچہ ہم نے ان کو اور جسے ہم نے چاہا نجات دی، اور ہم نے حد سے گزرنے
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿9﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ
والوں کو ہلاک کر دیا ⑨ [2] بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، اس میں تمھارا ہی
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿10﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً
ذکر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ ⑩ اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تہس نہس کر دیں [3] جو ظالم تھیں، اور ان
وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿11﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ
کے بعد ہم نے دوسری قومیں اٹھا کھڑی (پیدا) کیں ⑪ پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب (کی آہٹ)
اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿12﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا
کو محسوس کیا تو وہ لوگ وہاں سے بھاگنے لگے ⑫ [4] (ان سے کہا گیا:) مت بھاگو، [5] اور لوٹ جاؤ جہاں
اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿13﴾
تمھیں سامان عیش و عشرت دیا گیا تھا اور اپنے مکانات و محلات کی طرف، [6] تاکہ تم سے سوال کیا جائے ⑬ [7] وہ
قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿14﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ
کہنے لگے: ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم ہی ظالم تھے ⑭ پھر یہی رہی ان کی پکار، [8] حتی کہ
حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿15﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ
ہم نے انھیں کٹے ہوئے اور بجھے ہوئے بنا دیا ⑮ [9] اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿16﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا
ان کے مابین ہے، کھیل تماشا کرتے ہوئے پیدا نہیں کیا ⑯ [10] اگر ہم (یوں ہی) کھیل بنانا
لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿17﴾ بَلْ
چاہتے تو اپنے پاس ہی سے اسے بنا لیتے [11] اگر ہم کرنے والے ہوتے ⑰ [12] بلکہ ہم حق کو باطل پر

میں تو علماء کی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے جو عوام کے لیے ناگزیر ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔ نہ کہ کسی ایک ہی شخصیت کا دامن پکڑ لینے کا حکم۔ علاوہ ازیں تورات و انجیل منصوص کتابیں تھیں یا انسانوں کی خود ساختہ فقہیں؟ اگر وہ آسمانی کتابیں تھیں تو مطلب یہ ہوا کہ علماء کے ذریعے سے نصوص شریعت معلوم کریں جو آیت کا صحیح مفہوم ہے۔ اور اگر وہ کسی ایک شخص یا ایک استاذ اور اس کے شاگردوں کے اقوال کا مجموعہ تھیں تو پھر یقیناً فقہی تقلید کا جواز اس آیت سے نکل آتا ہے لیکن کیا وہ آسمانی کتابیں واقعی آراء الرجال کا مجموعہ ہی تھیں؟

[1] یہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت ہی کی دلیل دی جا رہی ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور وہ وفات بھی پاتے تھے، اگر وہ بشر نہ ہوتے تو ان چیزوں میں ان کا معاملہ دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا۔ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 95 اور سورۂ کہف، آیت: 110۔ [2] یعنی وعدے کے مطابق نبیوں کو اور اہل ایمان کو نجات عطا کی اور حد سے تجاوز کرنے والے، یعنی کفار و مشرکین کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ [3] قَصَمْنَا کے معنی ہیں: توڑ پھوڑ کر رکھ دینا اور کَمْ صیغۂ تکثیر ہے، یعنی کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ”قوم نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں۔“ (بنیٓ اسرآءیل 17:17) [4] احساس کے معنی ہیں: حواس کے ذریعے سے ادراک کر لینا، یعنی جب انھوں نے عذاب یا اس کے آثار کو آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ لیا یا کڑک گرج کی آواز سن کر معلوم کر لیا تو اس سے بچنے کے لیے بھاگنے لگے۔ رَكْضٌ کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی گھوڑے وغیرہ پر بیٹھ کر اس کو دوڑانے کے لیے ایڑ لگائے۔ یہیں سے یہ بھاگنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ [5] یہ فرشتوں نے یا مومنوں نے استہزا کے طور پر کہا۔ [6] یعنی جو نعمتیں اور آسائشیں تمھیں حاصل تھیں جو تمھارے کفر اور سرکشی کا باعث تھیں اور وہ مکانات جن میں تم رہتے تھے اور جن کی خوبصورتی اور پائیداری پر فخر کرتے تھے ان کی طرف پلٹو۔ [7] اور عذاب کے بعد تمھارا حال احوال تو پوچھ لیا جائے کہ تم پر یہ کیا بیتی، کس طرح بیتی اور کیوں بیتی؟ یہ سوال بطور طنز اور استہزا کے ہے، ورنہ ہلاکت کے شکنجے میں کسے جانے کے بعد وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی کب رہتے تھے؟ [8] یعنی جب تک زندگی کے آثار ان کے اندر رہے، وہ اعتراف ظلم کرتے رہے۔ [9] حَصِيْدًا کٹی ہوئی کھیتی کو اور خمود آگ کے بجھ جانے کو کہتے ہیں، یعنی بالآخر وہ کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر ہو گئے، کوئی تاب و توانائی اور حس و حرکت ان کے اندر نہ رہی۔ [10] بلکہ اس کے کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، مثلاً: بندے میرا ذکر و شکر کریں، نیکوں کو نیکیوں کی جزا اور بدوں کو بدیوں کی سزا دی جائے وغیرہ۔ [11] یعنی اپنے پاس ہی سے کچھ چیزیں کھیل کے لیے بنا لیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے۔ اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی اور پھر اس میں ذی روح اور ذی شعور مخلوق بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ [12] ”اگر ہم

Marfat.com

نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ

پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پھر یکایک وہ (باطل) ملیامیٹ ہو جاتا ہے[1] اور تمھارے

زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي

لیے ان باتوں کی وجہ سے ہلاکت ہے جو تم (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہو ⑱ [2] اور اسی کے لیے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں،[3] اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں[4] وہ اس کی عبادت کرنے

عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿19﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے (اکتاتے) ہیں ⑲ وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے ہیں، سست

لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿20﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ

نہیں پڑتے ⑳ کیا انھوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو (مردوں کو) زندہ کر دیں

يُنْشِرُوْنَ ﴿21﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ

گے؟ ㉑ [5] اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور یہ دونوں تباہ

لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿22﴾

ہو جاتے،[6] چنانچہ اللہ، عرش کا رب ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں ㉒ وہ جو

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿23﴾ اَمِ

کچھ کرتا ہے اس کی بابت اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ان (لوگوں) سے باز پرس کی جائے گی ㉓

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا

کیا انھوں نے اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم اپنی دلیل لاؤ، یہ (توحید ہی)

ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

میرے ساتھیوں کا ذکر ہے اور مجھ سے پہلوں کا بھی ذکر تھا،[7] بلکہ ان میں سے اکثر حق کا علم نہیں رکھتے،

الْحَقَّ ۙ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿24﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ

لہٰذا وہ (اس سے) اعراض کر رہے ہیں ㉔ اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی

کرنے والے ہی ہوتے۔'' عربی اسلوب کے اعتبار سے یہ زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس ترجمے کے کہ ''ہم کرنے والے ہی نہیں۔'' (فتح القدیر)

[1] یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے، اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں، چنانچہ ہم حق کو باطل پر یا سچ کو جھوٹ پر یا خیر کو شر پر مارتے ہیں، جس سے شر، باطل اور جھوٹ کا کچومر نکل جاتا ہے اور وہ چشم زدن میں نابود ہو جاتا ہے۔ دَمْغٌ، سر کی ایسی چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے۔ زَهَقَ کے معنی: ختم یا ہلاک و تلف ہو جانے کے ہیں۔ [2] یعنی رب کی طرف تم جو بے سروپا باتیں منسوب کرتے یا اس کی بابت باور کراتے ہو، (مثلاً: یہ کائنات ایک کھیل ہے، ایک کھلنڈرے کا شوق فضول ہے وغیرہ) یہ تمھاری ہلاکت کا باعث ہے کیونکہ اسے کھیل تماشہ سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ بالآخر تمھاری بربادی اور ہلاکت ہی ہے۔
[3] سب اسی کی ملک اور اسی کے غلام ہیں، پھر جب تم کسی غلام کو اپنا بیٹا اور کسی لونڈی کو بیوی بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے مملوکین اور غلاموں میں سے بعض کو بیٹا اور بعض کو بیوی کس طرح بنا سکتا ہے؟ [4] اس سے مراد فرشتے ہیں، وہ بھی اس کے غلام اور بندے ہیں، ان الفاظ سے ان کا شرف و اکرام بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اس کی بارگاہ کے مقربین ہیں۔ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں، جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ [5] استفہام انکاری ہے، یعنی نہیں کر سکتے، پھر وہ ان کو جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ [6] یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ و شعور اور مرضی کارفرما ہوتی اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا، جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے۔ جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کارفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو دینے والا کوئی نہیں۔ [7] ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب آسمانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں، سب میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ مشرکین اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور بدستور اس توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

رَسُولٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿25﴾

طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۞

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ

اور انھوں نے کہا: رحمٰن نے اولاد بنائی ہے۔ وہ (اس سے) پاک ہے، بلکہ وہ (فرشتے) تو (اللہ کے)

مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿26﴾ لَا یَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ

معزز و مکرم بندے ہیں۞ وہ بات کرنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے، اور وہ اسی کے حکم پر

یَعۡمَلُوۡنَ ﴿27﴾ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ

عمل کرتے ہیں۞ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے، اور وہ صرف اس کی

وَلَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡیَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿28﴾

سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا،[3] اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۞

وَمَنۡ یَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّیۡۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ نَجۡزِیۡهِ

اور ان میں سے جو یہ کہے کہ بے شک اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم اس (بات) کا

جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿29﴾ اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا

بدلہ جہنم دیں گے،[4] ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۞ کیا کافروں نے نہیں دیکھا[5] (غور

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ

کیا) کہ بے شک آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے ان دونوں کو الگ الگ کر

الۡمَآءِ كُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿30﴾ وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ

دیا،[6] اور ہم نے پانی سے ہر زندہ شے بنائی،[7] کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے؟۞ اور ہم نے زمین

رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِهِمۡ ۪ وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمۡ

میں پہاڑ بنائے، تاکہ وہ ان کے ساتھ جھکنے (نہ) پائے،[8] اور ہم نے اس میں[9] کھلی راہیں رکھیں،

[1] یعنی تمام پیغمبر بھی یہی توحید کا پیغام لے کر آئے۔ [2] اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ بیٹیاں نہیں، اس کے ذی عزت بندے اور اس کے فرماں بردار ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹے، بیٹیوں کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب عالم پیری میں ضعف و اضمحلال کا آغاز ہو جاتا ہے تو اس وقت اولاد سہارا بن جاتی ہے، اسی لیے اولاد کو عصائے پیری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بڑھاپا، ضعف و اضمحلال، ایسے عوارض ہیں جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے، اس لیے اسے اولاد کی یا کسی بھی سہارے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ [3] اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صالحین کے علاوہ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن یہ سفارش انھی کے حق میں ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش اپنے نافرمان بندوں کے لیے نہیں، صرف گناہ گار مگر فرماں بردار بندوں، یعنی اہل ایمان و توحید ہی کے لیے پسند فرمائے گا۔ [4] یعنی ان فرشتوں میں سے بھی اگر کوئی الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے تو ہم اسے بھی جہنم میں پھینک دیں گے۔ یہ شرطیہ کلام ہے جس کا وقوع ضروری نہیں۔ مقصد، شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے، جیسے: ﴿قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ﴾ (الزخرف 43:81) "کہہ دیجیے! اگر رحمٰن کی اولاد ہوتو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں گا۔" ﴿لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر 39:65) "(اے پیغمبر!) اگر تو بھی شرک کرے تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے۔" یہ سب مشروط ہیں جن کا وقوع غیر ضروری ہے۔ [5] اس سے رؤیت قلبی مراد ہے، یعنی کیا انھوں نے غور و فکر نہیں کیا؟ یا انھوں نے جانا نہیں؟ [6] رَتۡقًا کے معنی بند کے اور فَتَقَ کے معنی پھاڑنے، کھولنے اور الگ الگ کرنے کے ہیں، یعنی آسمان و زمین، ابتدائے امر میں باہم ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ ہم نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا، آسمانوں کو اوپر کر دیا اور زمین کو اپنی جگہ پر رہنے دیا۔ [7] اس سے مراد اگر بارش اور چشموں کا پانی ہے، تب بھی واضح ہے کہ اس سے ہر پیدا ہونے والی ذی روح کو حیات نو ملتی ہے اور اگر مراد نطفہ ہے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ ہر زندہ چیز کے وجود کا باعث وہ قطرۂ آب ہے جو نر کی صلب سے نکلتا اور مادہ کے رحم میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ [8] یعنی اگر زمین پر یہ بڑے بڑے پہاڑ نہ ہوتے تو زمین میں جنبش اور لرزش ہوتی رہتی جس کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے زمین مسکن اور مستقر بننے کی صلاحیت سے محروم رہتی۔ ہم نے پہاڑوں کا بوجھ اس پر ڈال کر اسے ڈانواں ڈول ہونے سے محفوظ کر دیا۔ [9] اس سے مراد زمین یا پہاڑ ہیں، یعنی زمین میں کشادہ راستے بنا دیے یا پہاڑوں میں درے رکھ دیے جن سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنا جانا آسان ہو گیا۔ یَهۡتَدُوۡنَ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی معاش کے مصالح و مفادات حاصل کر لیں۔

Marfat.com

يَهۡتَدُوۡنَ ﴿31﴾ وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۖۚ وَّهُمۡ عَنۡ

تاکہ وہ (لوگ) راہ پائیں ﴿31﴾ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا،[1] جبکہ وہ اس (آسمان) کی

اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿32﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ

نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿32﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور

وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ ﴿33﴾ وَمَا جَعَلۡنَا

چاند کو پیدا کیا،[2] سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں ﴿33﴾ [3] اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے

لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ ﴿34﴾

پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ مر جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ﴿34﴾ [4]

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً ؕ

ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔ اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں،[5] اور آخر کار

وَاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿35﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ

تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے ﴿35﴾ [6] اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کو مذاق ہی کا نشانہ

اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىۡ يَذۡكُرُ اٰلِهَتَكُمۡ ۚ وَهُمۡ بِذِكۡرِ

بناتے ہیں (کہتے ہیں:) کیا یہی ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (اہانت سے) کرتا ہے؟ جبکہ

الرَّحۡمٰنِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿36﴾ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ

وہ خود رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں ﴿36﴾ [7] انسان جلد بازی (کے خمیر) سے تخلیق کیا گیا ہے، میں تمھیں

سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿37﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى

اپنی نشانیاں جلد دکھاؤں گا، لہٰذا تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو ﴿37﴾ [8] اور وہ (مسلمانوں سے)

هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿38﴾ لَوۡ يَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ

کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ (عذاب یا قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا؟ ﴿38﴾ کاش! کافر اس

كَفَرُوۡا حِيۡنَ لَا يَكُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا

وقت کو جان لیں جب وہ اپنے چہروں سے آگ نہیں ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ

[1] سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا محفوظ چھت، جس طرح خیمے اور قبے کی چھت ہوتی ہے۔ یا اس معنی میں محفوظ کہ ان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے ورنہ آسمان زمین پر گر پڑیں تو زمین کا سارا نظام تہ و بالا ہو سکتا ہے۔ یا شیاطین سے محفوظ، جیسے فرمایا: وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ (الحجر 17:15) ''ہم نے ان (آسمانوں) کی ہر شیطان مردود سے حفاظت کی۔'' [2] یعنی رات کو آرام اور دن کو معاش کے لیے بنایا، سورج کو دن کی نشانی چاند کو رات کی نشانی بنایا تاکہ مہینوں اور سالوں کا حساب کیا جا سکے جو انسان کی اہم ضروریات میں سے ہے۔ [3] جس طرح پیراک سطح آب پر تیرتا ہے، اسی طرح چاند اور سورج اپنے اپنے مدار پر تیرتے، یعنی رواں دواں رہتے ہیں۔ [4] یہ کفار کے جواب میں ہے جو نبی ﷺ کی بابت کہتے تھے کہ ایک دن اسے مر ہی جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موت تو ہر انسان کو آنی ہے اور اس اصول سے یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں کیونکہ وہ بھی انسان ہی ہیں اور ہم نے کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہمیشگی نہیں رکھی ہے۔ لیکن کیا یہ بات کہنے والے خود نہیں مریں گے؟ اس سے صنم پرستوں کی بھی تردید ہو گئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء و اولیاء کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيدَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِي تُعَارِضُ الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ. [5] یعنی کبھی مصائب و آلام سے دوچار کر کے اور کبھی دنیا کے وسائل فراواں سے بہرہ ور کر کے۔ کبھی صحت و فراخی کے ذریعے سے اور کبھی تنگی و بیماری کے ذریعے سے، کبھی تونگری دے کر اور کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے ہم آزماتے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کہ شکر گزاری کون کرتا ہے اور ناشکری کون؟ صبر کون کرتا ہے اور ناصبری کون؟ شکر اور صبر رضائے الٰہی کا اور کفران نعمت اور ناصبری غضب الٰہی کا موجب ہے۔

[6] وہاں تمھارے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دیں گے۔ اول الذکر لوگوں کے لیے بھلائی اور دوسروں کے لیے برائی فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال 8,7:99) [7] اس کے باوجود یہ رسول اللہ ﷺ کا استہزا و مذاق اڑاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَاِذَا رَاَوۡكَ اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىۡ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوۡلًا ۝ (الفرقان 41:25) ''جب (اے پیغمبر!) یہ کفار مکہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟'' [8] یہ کفار کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں عجلت اور جلد بازی ہے، اس لیے وہ پیغمبر سے بھی جلدی مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے کہ اپنے اللہ سے کہہ کر ہم پر فوراً عذاب نازل کروا دے۔ اللہ نے فرمایا: جلدی مت کرو، میں عنقریب اپنی نشانیاں تمھیں دکھاؤں گا۔ ان نشانیوں سے مراد عذاب بھی ہو سکتا ہے اور صداقت رسول ﷺ کے دلائل و براہین بھی۔

Marfat.com

عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿39﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً
ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿39﴾ [1]بلکہ وہ (قیامت) اچانک ہی انھیں آلے گی، وہ ان کے ہوش
فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿40﴾
کھودے گی،[2] پھر وہ اسے ٹال نہ سکیں گے اور نہ انھیں مہلت ہی دی[3] جائے گی ﴿40﴾
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا
اور (اے نبی!) بلاشبہ آپ سے پہلے بھی رسولوں سے استہزا کیا گیا، پھر جن لوگوں نے ان (رسولوں)
مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿41﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ
سے تمسخر کیا انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿41﴾ [4]کہہ دیجیے: رات اور دن
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ
میں کون تمھاری نگہبانی کرتا ہے رحمٰن (کے عذاب) سے؟ [5]بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض
رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿42﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ
کرنے والے ہیں ﴿42﴾ کیا ہمارے سوا ان کے کوئی (اور) معبود ہیں جو انھیں ہم سے بچاتے
دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا
ہوں؟ وہ تو خود اپنی جانوں کی بھی مدد کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ وہ ہم (ہمارے عذاب) ہی
يُصْحَبُوْنَ ﴿43﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ
سے محفوظ ہیں ﴿43﴾ [6]بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو فائدہ دیا حتی کہ ان پر (مدت) عمر لمبی
عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا
ہوگئی،[7] کیا پھر وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے آتے ہیں (کفر
مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ
سمٹ رہا ہے)،[8] کیا پھر بھی وہی غالب آنے والے ہیں ﴿44﴾ [9]کہہ دیجیے: بس میں تو تمھیں وحی کے
بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿45﴾ وَلَئِنْ
ساتھ ڈراتا ہوں، اور بہرے پکار کو نہیں سنتے جب وہ ڈرائے جائیں ﴿45﴾ [10]اور البتہ اگر انھیں آپ
مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ
کے رب کے عذاب کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی چھو جائے تو وہ ضرور کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی!

[1] اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر یہ جان لیتے تو پھر عذاب کا جلدی مطالبہ نہ کرتے یا یقینا جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے یا کفر پر قائم نہ رہتے بلکہ ایمان لے آتے۔ [2] یعنی انھیں کچھ سجھائی نہیں دے گا کہ وہ کیا کریں؟ [3] کہ وہ توبہ و اعتذار کا اہتمام کر لیں۔ [4] رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین کے استہزا اور تکذیب سے بد دل نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، بالآخر وہی عذاب ان پر الٹ پڑا، یعنی اس نے انھیں گھیر لیا، جس کا وہ استہزا اڑایا کرتے تھے اور جس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد تھا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا (الانعام 6:34) ''تجھ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے، پس انھوں نے تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو انھیں دی گئیں، صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔'' رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے ساتھ کفار و مشرکین کے لیے اس میں تہدید و وعید بھی ہے۔ [5] یعنی تمھارے جو کرتوت ہیں، وہ تو ایسے ہیں کہ دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آ سکتا ہے؟ اس عذاب سے دن اور رات میں تمھاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الٰہی سے تمھاری حفاظت کر سکے؟ [6] اس کے معنی ہیں: وَلَا هُمْ يُجَارُوْنَ مِنْ عَذَابِنَا ''نہ وہ ہمارے عذاب ہی سے محفوظ ہیں۔'' یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور اللہ کے عذاب سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، ہماری طرف سے ان کی مدد کیا ہونی ہے اور وہ انھیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟ [7] یعنی ان کی یا ان کے آباء واجداد کی زندگیاں اگر عیش و راحت میں گزر گئیں تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں؟ اور آئندہ بھی انھیں کچھ نہیں ہوگا؟ نہیں بلکہ یہ چند روزہ زندگی کا آرام تو ہمارے اصول مہلت کا ایک حصہ ہے، اس سے کسی کو دھوکا اور فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ [8] یعنی ارض کفر بتدریج گھٹ رہی ہے اور دولت اسلام وسعت پذیر ہے۔ کفر کے پیروں تلے سے زمین کھسک رہی ہے اور اسلام کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور مسلمان علاقے پر علاقہ فتح کرتے چلے جار ہے ہیں۔ [9] یعنی کیا وہ کافر کفر کو سمٹتا اور اسلام کو بڑھتا ہوا دیکھ کر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی وہ غالب نہیں، مغلوب ہیں۔ فاتح نہیں، مفتوح ہیں۔ معزز و سرفراز نہیں، ذلت و خواری ان کا مقدر ہے۔ [10] یعنی وحی (قرآن و سنت) سنا کر انھیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں اور یہی میری ذمہ داری اور منصب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے کانوں کو اللہ نے حق کے سننے سے بہرا کر دیا، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور دلوں پر مہر لگا دی، ان پر اس قرآن کا اور وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

Marfat.com

إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿46﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے ﴿46﴾ [1] اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، پھر کسی شخص پر کچھ

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ

ظلم نہ ہوگا، اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (عمل) ہوگا تو ہم اسے (تولنے

خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِينَ ﴿47﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

کے لیے) لے آئیں گے، اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں ﴿47﴾ [2] اور یقیناً ہم نے موسیٰ

مُوسٰى وَهٰرُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿48﴾

اور ہارون کو فرقان (تورات) اور روشنی عنایت کی اور (ان) متقین کے لیے نصیحت (دی) ﴿48﴾ [3]

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ

جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی ڈرنے

مُشْفِقُونَ ﴿49﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ أَنْزَلْنٰهُ ۚ أَفَأَنْتُمْ لَهُ

والے ہیں ﴿49﴾ [4] اور یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، کیا پھر تم اس کے منکر

مُنْكِرُونَ ﴿50﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا إِبْرٰهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ

ہو؟ ﴿50﴾ [5] اور بلاشبہ اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی دانائی دی تھی [6] اور ہم اسے خوب

وَكُنَّا بِهِ عٰلِمِينَ ﴿51﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هٰذِهِ

جاننے والے تھے ﴿51﴾ [7] جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیا مورتیاں ہیں

التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُونَ ﴿52﴾ قَالُوا وَجَدْنَا

جن کے لیے تم مجاور (بنے بیٹھے) ہو؟ ﴿52﴾ [8] وہ کہنے لگے: ہم نے اپنے

[1] یعنی عذاب کا ایک ہلکا سا چھینٹا اور تھوڑا حصہ بھی پہنچے گا تو پکار اٹھیں گے اور اعترافِ ظلم کرنے لگ جائیں گے۔ [2] اَلْمَوَازِيْنَ مِيزَانٌ (ترازو) کی جمع ہے۔ وزن اعمال کے لیے قیامت والے دن یا تو کئی ترازوئیں ہوں گی یا ترازو تو ایک ہی ہوگی، محض تَفْخِیم شان کے لیے یا تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال تو اعراض ہیں، یعنی ان کا کوئی ظاہری وجود یا جسم تو ہے نہیں، پھر وزن کس طرح ہوگا؟ یہ سوال آج سے قبل تک تو شاید کوئی اہمیت رکھتا ہو۔ لیکن آج سائنسی ایجادات نے اسے سمجھنا ممکن بنا دیا ہے، اب ان ایجادات کے ذریعے سے اعراض کا اور بے وزن چیزوں کا وزن بھی تولا جانے لگا ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان اعمال کا جو اعراض ہیں وزن کرنا کون سا مشکل امر ہے، اس کی تو شان ہی عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ (الملك 1:67) ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ ان اعراض کو وہ اجسام میں بدل دے اور پھر وزن کرے جیسا کہ احادیث میں بعض اعمال کے مجسم ہونے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً: صاحب قرآن کے لیے قرآن ایک خوش شکل نوجوان کی شکل میں آئے گا، وہ پوچھے گا: تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تو راتوں کو بیدار رہ کر اور دن کو پیاسا رہ کر پڑھا کرتا تھا۔ (مسند أحمد:348/5 و 352، وسنن ابن ماجه، حديث:3781) اسی طرح مومن کی قبر میں عمل صالح ایک خوش رنگ اور معطر نوجوان کی شکل میں آئے گا اور کافر و منافق کے پاس اس کے برعکس شکل میں۔ (مسند أحمد:287/4) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 7:7 کا حاشیہ۔ اَلْقِسْطَ مصدر اور اَلْمَوَازِيْنَ کی صفت ہے۔ معنی ہیں: ذَوَاتُ قِسط انصاف والی ترازو یا ترازوئیں۔ [3] یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اس میں بھی متقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ○ (البقرة 2:2) کہا گیا ہے کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تو آسمانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔ [4] یہ متقین کی صفات ہیں، جیسے سورۂ بقرہ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔ [5] یہ قرآن جو یاد دہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور خیر و برکت کا حامل ہے، اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔ تم اس کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو جبکہ تمھیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔ [6] مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو عطائے تورات سے پہلے کا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کر دی تھی۔ [7] یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے۔ [8] اَلتَّمَاثِيْلُ تِمْثَالٌ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بہو نقل کو کہتے ہیں، جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر۔ یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ عٰكِفُوْنَ عُكُوفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر جم

Marfat.com

اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ
باپ دادا کو انھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا﴿53﴾ 1 اس (ابراہیم) نے کہا: بلاشبہ تم اور تمھارے باپ
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ
دادا کھلی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہو﴿54﴾ انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے یا تو
اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کھیلنے والوں میں سے ہے؟﴿55﴾ 2 اس (ابراہیم) نے کہا: بلکہ تمھارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے
الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾
جس نے انھیں پیدا کیا اور میں اس پر (تمھارے سامنے) گواہی دینے والوں میں سے ہوں﴿56﴾ 3 اور
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا
اللہ کی قسم! تمھارے پیٹھ پھیر کر چلے جانے کے بعد میں ضرور بالضرور تمھارے بتوں کے ساتھ
مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ
ایک تدبیر کروں گا﴿57﴾ 4 چنانچہ اس نے ان کے بڑے (بت) کے سوا ان (سب) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا،
اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿58﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ
تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں﴿58﴾ 5 وہ کہنے لگے: کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (حال) کیا
اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿59﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ
ہے؟ بلاشبہ وہ ضرور ظالموں میں سے ہے﴿59﴾ 6 (بعض) کہنے لگے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے
يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿60﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ
سنا تھا، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے﴿60﴾ 7 انھوں نے کہا: پھر تم اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لے آؤ،
لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿61﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
تاکہ وہ دیکھیں﴿61﴾ 8 انھوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (کام)
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿62﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا
کیا ہے؟﴿62﴾ اس (ابراہیم) نے کہا: (نہیں) بلکہ یہ (کام) ان کے اس بڑے نے کیا ہے، لہٰذا
فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿63﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں﴿63﴾ 9 پھر وہ اپنے نفسوں میں (سوچتے ہوئے) لوٹے اور

کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تماثیل (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آج کل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں اور دکانوں میں بطور تبرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں سمجھ عطا فرمائے۔

[1] جس طرح آج بھی جہالت و خرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعات و رسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انھیں کس طرح چھوڑیں جبکہ ہمارے آباء واجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب وسنت سے اعراض کر کے اپنے امام اور ان کی طرف منسوب فقہ سے چمٹے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ [2] یہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انھوں نے سوچا، پتہ نہیں، ابراہیم (علیہ السلام) ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟ [3] یعنی میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم و یقین (مشاہدہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمھارا معبود یہ مورتیاں نہیں بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ [4] یہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں عزم کیا اور بعض کو مخاطب کر کے کہا۔ بعض کہتے ہیں کہ آہستہ سے کہا، جسے بعض لوگوں نے سن لیا۔ واللہ أعلم. کید (خفیہ تدبیر) سے مراد یہاں وہ عملی سعی ہے جو وہ زبانی وعظ کے بعد تغییرِ منکر کے عملی اہتمام کی شکل میں کرنا چاہتے تھے، یعنی بتوں کی توڑ پھوڑ۔ [5] چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن منا رہے تھے، ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے موقع غنیمت جان کر انھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک بڑا بت چھوڑ دیا، مفسرین کہتے ہیں کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی تاکہ وہ اس سے پوچھیں۔ [6] یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبود تو ٹوٹے پڑے ہیں تو کہنے لگے: یہ کوئی ظالم شخص ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔ [7] ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔ [8] یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تاکہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ انھوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بت توڑتے ہوئے دیکھا یا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ [9] چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہوگا، اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول کر بتلا سکتے ہیں تو ذرا ان

Marfat.com

فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿64﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى
(باہم) کہنے لگے: بے شک تم ہی ظالم ہو﴿64﴾[1] پھر وہ (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کے بل
رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿65﴾ قَالَ
اوندھے ہو رہے (اور کہا:) بلاشبہ تو جانتا ہے کہ یہ (بت) بولتے نہیں﴿65﴾[2] اس (ابراہیم) نے کہا:
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا
کیا پھر تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھیں کچھ نفع نہیں دے سکتے اور نہ تمھیں نقصان
وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿66﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
دے سکتے ہیں؟﴿66﴾ تُف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا پھر تم عقل
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
نہیں رکھتے؟﴿67﴾[3] انھوں نے کہا: اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو تو اس (ابراہیم) کو جلا دو اور اپنے
فٰعِلِيْنَ ﴿68﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾
معبودوں کی مدد کرو﴿68﴾[4] ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا﴿69﴾ اور
وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿70﴾
انھوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ فریب کا ارادہ کیا تو ہم نے انھیں انتہائی خسارے والے بنا دیا﴿70﴾

سے پوچھو تو سہی۔ یہ بطور تعریض اور تبْکِیت کے انھوں نے کہا تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو نہ کسی چیز سے آگاہی کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا، نہ اس پر الٰہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ کو لفظ کذب سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے، دو اللہ کے لیے، ایک اِنِّيْ سَقِيْمٌ اور دوسرا یہی۔ اور تیسرا حضرت سارہ (اپنی بیوی) کو بہن کہنا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3358) زمانۂ حال کے بعض مفسرین نے اس صحیح حدیث کو قرآن کے خلاف باور کر کے اس کا انکار کر دیا ہے اور اس کی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پرستی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انھیں جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گو یہ کذب اللہ کے ہاں قابل مؤاخذہ نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ ہی کے لیے بولے گئے ہیں۔ درآں حالیکہ کوئی گناہ کا کام اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود وہ حقیقتاً کذب نہ ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عَصٰی اور غَوٰی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، حالانکہ خود قرآن میں ہی ان کے فعلِ اکلِ شجر کو نسیان اور ارادے کی کمزوری کا نتیجہ بھی بتلایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے دو پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مِن وَجہٍ اس میں استحسان اور من وجہ ظاہری قباحت کا پہلو ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پہلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا، بتوں کو انھوں نے خود توڑا تھا لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریض اور اثبات توحید تھا، اس لیے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کی بجائے اتمام حجت کا ایک طریق اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات واظہار کا ایک انداز کہیں گے۔ علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے، وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جا کر سفارش کرنے سے اس لیے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے۔ درآں حالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں، یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت والے دن، خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہو گی۔

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ سوچ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو لاجواب ہو کر کہنے لگے: واقعی ظالم تو تم ہی ہو، جو اپنی جان سے دفع مضرت پر اور نقصان پہنچانے والے کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں، وہ مستحق عبادت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ معبودوں کی عدم حفاظت پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور ترک حفاظت پر ایک دوسرے کو ظالم کہا۔ [2] پھر اے ابراہیم! تو ہمیں یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ ان سے پوچھو: اگر یہ بول سکتے ہیں جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بولنے کی طاقت سے محروم ہیں۔ [3] یعنی جب وہ خود ان کی بے بسی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟ [4] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یوں اپنی حجت تمام کر دی اور ان کی ضلالت وسفاہت کو ایسے طریقے سے ان پر واضح کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے تو چونکہ وہ توفیق ہدایت سے محروم تھے اور کفر وشرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا تھا، اس لیے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے، الٹا ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے

Marfat.com

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا

اور ہم نے اسے (ابراہیم) اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے اہل عالم

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ

کے لیے برکت رکھی تھی ﴿71﴾[1] اور ہم نے اسے اسحٰق بخشا، اور یعقوب مزید (دیا)،[2] اور ہم نے ہر

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿72﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ

ایک کو صالح بنایا ﴿72﴾ اور ہم نے انھیں امام بنایا، وہ ہمارے حکم سے (لوگوں کو) راہ ہدایت

بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ

بتاتے تھے اور ہم نے ان پر نیکیاں کرنے، نماز قائم رکھنے اور زکاۃ دینے کی وحی

وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿73﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ

کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار (بندے) تھے ﴿73﴾ اور ہم نے لوط کو حکم (نبوت)

حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

اور علم دیا اور ہم نے اسے اس بستی سے نجات دی وہ (اس کے باشندے) بدکاریاں کرتے

الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿74﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ

تھے۔ بلاشبہ وہ بہت برے اور نافرمان لوگ تھے ﴿74﴾ اور ہم نے اس

فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ ۧ وَنُوْحًا اِذْ

(لوط) کو اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ صالحین میں سے تھا ﴿75﴾[3] اور نوح کو بھی (یاد کریں)

نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ

جب اس سے پہلے اس نے (ہمیں) پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی، چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿76﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

اہل (مومنوں) کو بہت بڑے غم سے نجات دی ﴿76﴾ اور ہم نے اس کی مدد کی اس قوم کے خلاف جس

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ برے لوگ تھے، لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق

اَجْمَعِيْنَ ﴿77﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ

کر دیا ﴿77﴾ اور (یاد کریں) داود اور سلیمان کو جب وہ دونوں اس کھیتی کی بابت فیصلہ کر رہے

اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿78﴾

تھے جب رات کو (ایک) قوم کی بکریاں چر گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلے کے شاہد تھے ﴿78﴾

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ

چنانچہ ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا[4] اور ہر ایک کو ہم نے حکم (نبوت) اور علم دیا، اور ہم

معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انھیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی، چنانچہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ منجنیق کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلامتی بن جا۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ٹھنڈی کے ساتھ ''سلامتی'' نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ بہرحال یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچا لیا۔

[1] اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھلوں اور نہروں کی کثرت نیز انبیاء کا مسکن ہونے کے لحاظ سے بابرکت کہا گیا ہے۔ [2] نَافِلَةً زائد کو کہتے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی، ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔ [3] حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت، یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بنا کر بھیجے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرۂ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا بڑا حصہ اب بحیرۂ مردار کا جز ہے۔ ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گزرگاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا، انھیں تنگ کرنا اور ریزے پھینکنا وغیرہ میں بدنام تھی جسے اللہ نے یہاں خبائث (پلید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے، یعنی انھیں بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔ [4] مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں رات کو جا گھسیں اور اس کی کھیتی چر چگ گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے، جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران بھی تھے، فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والا لے لے تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور یہ

Marfat.com

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا
نے داود کے ساتھ پہاڑ[1] اور پرندے[2] مسخر کیے تھے، وہ تسبیح کرتے تھے، اور (یہ) ہم ہی کرنے
فٰعِلِيْنَ ﴿79﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ
والے تھے ﴿79﴾ اور ہم نے اسے تمھارے لیے زرہ بنانا سکھایا تھا، تاکہ تمھاری لڑائی (کی تکلیف)[3]
مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿80﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ
سے تمھیں بچائے،[4] پھر کیا تم شکر کرنے والے ہو؟ ﴿80﴾ اور (ہم نے) سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا
عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ
(مسخر کردی)،[5] وہ اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی
وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿81﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ
تھی، اور ہم ہی ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ﴿81﴾ اور کئی شیطان بھی (تابع کیے تھے) جو اس
يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا
کے لیے (سمندر میں) غوطہ لگاتے، اور اس کے علاوہ بھی کئی کام کرتے تھے[6] اور ہم ہی ان کے
لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿82﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ
نگران تھے ﴿82﴾ اور[7] (یاد کریں) ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف
الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿83﴾ فَاسْتَجَبْنَا
پہنچی ہے، اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿83﴾ چنانچہ ہم نے اس کی دعا
لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ
قبول کی اور جو بھی تکلیف اسے تھی اس کو ہم نے دور کردیا اور ہم نے اسے اس کے اہل و عیال بھی دیے،

فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں، وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیتی بکریوں والے کے سپرد کردی جائے تاکہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کرکے اسے صحیح کرے، جب وہ اس حالت میں آجائے جو بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیتی، کھیتی والے کو اور بکریاں، بکریوں والے کو واپس کردی جائیں۔ پہلے فیصلے کے مقابلے میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا جبکہ پہلے فیصلے میں بکریوں والا اپنی بکریوں سے محروم کردیا گیا تھا، تاہم اللہ نے حضرت داود علیہ السلام کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (داود اور سلیمان علیہما السلام دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دعوی صحیح نہیں۔ کسی ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو مجتہد بیک وقت دونوں مصیب نہیں ہو سکتے، ان میں ضرور ایک مصیب (درست فیصلہ کرنے والا) ہوگا اور دوسرا مخطی (غلط فیصلہ کرنے والا)، البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجتہد مخطی عنداللہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اسے ایک اجر ملے گا۔ کما في الحديث (فتح القدير)

[1] اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا) ہر کہ ومہ کی اونچی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے بلکہ مطلب حضرت داود علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھنا ہے۔ نیز یہ مجازاً نہیں حقیقتاً تھا۔ [2] یعنی پرندے بھی داود علیہ السلام کی پرسوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے۔ ﴿وَالطَّيْرَ﴾ یا تو مفتوح ہے اور اس کا عطف ﴿الْجِبَالَ﴾ پر ہے یا پھر یہ مرفوع ہے اور خبر محذوف کا مبتدا ہے، یعنی وَالطَّيْرُ مُسَخَّرَاتٌ مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داود علیہ السلام کے لیے مسخر کردیے گئے تھے۔ (فتح القدير) [3] یعنی یہ تفہیم، حکم اور تسخیر، ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے، اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ [4] یعنی لوہے کو ہم نے داود علیہ السلام کے لیے نرم کردیا تھا، وہ اس سے جنگی لباس، لوہے کی زرہیں تیار کرتے تھے جو جنگ میں تمھاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کنڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داود علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے کنڈے دار اور حلقے والی زرہیں بنائیں۔ (ابن کثیر) [5] یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داود علیہ السلام کے لیے مسخر کردیے گئے تھے، اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کردی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت لمحوں اور ساعتوں میں طے کرکے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ بابرکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ [6] جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہر نکال لاتے، اسی طرح دیگر عمارتی کام، جو آپ چاہتے، کرتے تھے۔ [7] یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کا مادہ ہے، اس سے ہم نے سلیمان کی حفاظت کی اور وہ ان کے آگے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

Marfat.com

وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى

اور اپنی طرف سے مہربانی[1] کے لیے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی عطا کیے، اور عبادت گزاروں کی

لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿84﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ

نصیحت کے لیے ﴿84﴾ اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل[2] کو (یاد کریں) یہ سب

مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿85﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۖ اِنَّهُمْ مِّنَ

صابر تھے ﴿85﴾ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ صالحین میں

الصّٰلِحِيْنَ ﴿86﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ

سے تھے ﴿86﴾ اور (یاد کریں) مچھلی والے[3] (یونس) کو، جب وہ (اپنی قوم سے) ناراض ہو کر چلا گیا تھا

لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ

اور اس نے سمجھا تھا کہ ہم اس پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے، پھر اس نے (ہمیں) اندھیروں[4] میں پکارا کہ

اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿87﴾ فَاسْتَجَبْنَا

تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے ہوں ﴿87﴾ چنانچہ ہم نے اس کی

لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾

دعا قبول کی، اور ہم نے اسے غم سے نجات دی، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں ﴿88﴾[5]

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ

اور (یاد کریں) زکریا کو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا تھا: اے میرے رب! تو مجھے اکیلا نہ

خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿89﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى

چھوڑ، اور تو ہی بہترین وارث ہے ﴿89﴾ چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کی، اور ہم نے اسے یحییٰ عطا

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

کیا[6] اور ہم نے اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کر دیا،[7] بے شک وہ (انبیاء علیہم السلام) نیکیوں میں جلدی

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿90﴾

کرتے اور ہمیں رغبت اور ڈر سے پکارتے تھے، اور وہ ہمارے لیے ہی عجز و انکسار کرنے والے تھے ﴿90﴾[8]

[1] قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے۔ (صٓ 38:44) اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انھوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں، اس کی مستند تفصیل تو نہیں ملتی، تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت اور اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا، بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی محروم اور بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ 18 سال کی آزمائشوں کے بعد بارگاہ الٰہی میں دعا کی، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد پہلے سے دوگنا عطا فرمائے۔ اس کی کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ (صحيح ابن حبان: 244/4، ومجمع الزوائد: 381/8) شکوہ شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے، جس کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا، البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ''ہم نے قبول کر لی'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔ [2] ذُوالْكِفْل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان کی بابت توقف اختیار کیا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ واللّٰه أعلم. [3] مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انھیں عذاب الٰہی کی دھمکی دے کر اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیے تھے جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انھیں مچھلی کا لقمہ بنا دیا، اس کی کچھ تفصیل سورۂ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورۂ صافات میں آئے گی۔ [4] [illegible] کی جمع ہے، بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ [5] ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھیروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن ہمیں اس طرح شدائد اور مصیبتوں میں پکارے گا، ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے بھی ان الفاظ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3505 وصححه الألباني)

[6] حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورۂ آل عمران 3:38-41 اور سورۂ مریم 19:1-15 میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ [7] یعنی وہ بانجھ اور ناقابل اولاد تھی، ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ فرما کر اسے نیک بچہ عطا فرمایا۔ [8] گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا

Marfat.com

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور اس عورت کو (یاد کریں) جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿91﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ

دی، اور اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو اہل عالم کے لیے (عظیم) نشانی بنا دیا ﴿91﴾ [1] بلاشبہ یہ تمھارا دین

اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿92﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

ایک ہی دین ہے [2] اور میں تمھارا رب ہوں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو ﴿92﴾ اور انھوں نے اپنا معاملہ باہم

بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿93﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، (بالآخر) سب ہماری ہی طرف لوٹیں گے ﴿93﴾ [3] چنانچہ جو بھی نیک عمل کرے اور وہ

الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا

مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی اور بے شک ہم اس کے لیے (اس کے اعمال) لکھنے

لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿94﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ

والے ہیں ﴿94﴾ اور ہر بستی جسے ہم نے ہلاک کیا ہے اس پر لازم ہے کہ بلاشبہ وہ (اس کے باشندے دنیا

لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿95﴾ حَتّٰٓي اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

کی طرف) نہیں لوٹیں گے ﴿95﴾ [4] حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿96﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ

بلندی سے تیزی سے (دوڑتے) آئیں گے ﴿96﴾ [5] اور سچا وعدہ (یوم قیامت) قریب

الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا

آپہنچے گا، تب کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی [6] (اور وہ کہیں گے:) ہائے ہماری

قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿97﴾ اِنَّكُمْ

کم بختی! ہم اس (وعدے) سے غفلت میں رہے، بلکہ ہم ہی ظالم تھے ﴿97﴾ بے شک تم اور

وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا

جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے

وٰرِدُوْنَ ﴿98﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ

والے ہو ﴿98﴾ [7] اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے، اور وہ سب ہمیشہ اس

گیا ہے، مثلاً: الحاح وزاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا ومناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، خوف وطمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع وخضوع کا اظہار۔

1 یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ 2 اُمَّةً سے مراد یہاں دین یا ملت ہے، یعنی تمھارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین ہے دین توحید جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور ملت، ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، (جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے۔'' (ابن کثیر) 3 یعنی دین توحید اور عبادت رب کو چھوڑ کر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو مشرکین اور کفار کا ہو گیا اور انبیاء و رسل کے ماننے والے بھی احزاب بن گئے، کوئی یہودی ہو گیا، کوئی عیسائی، کوئی کچھ اور۔ اور بدقسمتی سے یہ فرقہ بندیاں خود مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں اور یہ بھی بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان سب کا فیصلہ، جب یہ بارگاہ الٰہی میں لوٹ کر جائیں گے تو وہیں ہوگا۔ 4 حَرٰمٌ واجب کے معنی میں ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ یا پھر لَا يَرْجِعُوْنَ میں (لا) زائد ہے، یعنی جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس کا دنیا میں پلٹ کر آنا حرام ہے۔ 5 یاجوج وماجوج کی ضروری تفصیل سورۂ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا اور اتنی تیزی اور کثرت سے یہ ہر طرف پھیل جائیں گے کہ ہر اونچی جگہ سے یہ دوڑتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کی فساد انگیزیوں اور شرارتوں سے اہل ایمان سخت پریشان ہوں گے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر پناہ گزیں ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی لاشوں کی سڑاند اور بدبو ہر طرف پھیلی ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے، پھر ایک زوردار بارش نازل فرمائے گا جس سے ساری زمین صاف ہو جائے گی۔ (یہ ساری تفصیلات صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو) 6 یعنی یاجوج وماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ، جو برحق ہے، بالکل قریب آ جائے گا اور جب یہ قیامت برپا ہوگی تو شدت ہولناکی کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ 7 یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لات ومنات اور عزیٰ وہبل کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سب پتھر کی مورتیاں تھیں۔ جو جمادات، یعنی غیر عاقل تھیں، اسی لیے آیت میں وَمَا تَعْبُدُوْنَ کے الفاظ ہیں اور عربی میں ''ما'' غیر عاقل کے لیے آتا ہے، یعنی کہا جا رہا ہے

Marfat.com

فِيهَا خٰلِدُوْنَ 99 لَهُمْ فِيهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيهَا
(جہنم) میں رہیں گے ⑨⑨ [1] اس میں ان کے لیے چیخنا چلانا ہوگا، اور وہ اس میں (کچھ) نہ سن
لَا يَسْمَعُوْنَ 100 اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى
پائیں گے ⑩⑩ [2] بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی اور بھلائی مقدر ہو
اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ 101 لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ
چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے ⑩① [3] وہ اس کی آہٹ (بھی) نہ سنیں گے، اور وہ ان
فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ 102 لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ
(نعمتوں) میں ہمیشہ رہیں گے جو ان کے دل چاہیں گے ⑩② بڑی گھبراہٹ [4] انھیں غمناک نہیں
الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ
کرے گی، اور فرشتے ان سے (یہ کہہ کر) ملیں گے: یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ 103 يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ
جاتا تھا ⑩③ جس دن ہم آسمان کو لکھے ہوئے کاغذ کے لپیٹنے کی طرح لپیٹ دیں گے، [5] جس طرح
لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ
ہم نے پہلی تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ (یہ) وعدہ ہمارے
اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ 104 وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ
ذمے ہے، بے شک ہم اسے (پورا) کرنے والے ہیں ⑩④ اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے
الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ 105 اِنَّ
بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے ⑩⑤ [6] بلاشبہ اس میں

کہ تم بھی اور تمھارے یہ معبود بھی جن کی مورتیاں بنا کر تم نے عبادت کے لیے رکھی ہوئی ہیں، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ پتھر کی مورتیوں کا اگرچہ کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تو غیر عاقل اور بے شعور ہیں۔ لیکن انھیں پجاریوں کے ساتھ جہنم میں صرف مشرکوں کو مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اپنا سہارا سمجھتے تھے، وہ بھی تمھارے ساتھ ہی جہنم میں اس کا ایندھن ہیں۔

[1] یعنی اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو بااختیار ہوتے اور تمھیں جہنم میں جانے سے روک لیتے۔ لیکن وہ تو خود بھی جہنم میں بطور عبرت کے جا رہے ہیں۔ تمھیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ نتیجتاً عابد و معبود دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ [2] یعنی سارے کے سارے شدت غم و الم سے چیخ اور چلا رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔ [3] بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا یا مشرکین کی طرف سے پیدا کیا جا سکتا تھا جیسا کہ فی الواقع کیا جاتا ہے کہ عبادت تو حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام فرشتوں اور بہت سے صالحین کی بھی کی جاتی ہے تو کیا یہ بھی اپنے عابدین کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو اللہ کے نیک بندے تھے جن کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کے لیے نیکی، یعنی سعادت ابدی یا بشارت جنت ٹھہرائی جا چکی ہے۔ یہ جہنم سے دور ہی رہیں گے۔ انھی الفاظ سے یہ مفہوم بھی واضح طور پر نکلتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں یہ خواہش رکھتے ہوں گے کہ ان کی قبروں پر بھی قبے بنیں اور لوگ انھیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں اور ان کی پرستش کریں، یہ بھی پتھر کی مورتیوں کی طرح جہنم کا ایندھن ہوں گے کیونکہ غیر اللہ کی پرستش کے داعی سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى میں یقیناً نہیں آتے۔ [4] بڑی گھبراہٹ سے موت یا صور اسرافیل مراد ہے یا وہ لمحہ جب دوزخ اور جنت کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ دوسری بات، یعنی صور اسرافیل اور قیام قیامت سیاق کے زیادہ قریب ہے۔ [5] یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر 39:67) ''آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔'' سجل کے معنی صحیفے اور رجسٹر کے ہیں۔ لِلْكُتُبِ میں لام بمعنی علٰی ہے اور کتب بمعنی مکتوب (تحریر) ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لیے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے، اسی طرح اللہ کے لیے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ [6] الزَّبُوْرِ سے مراد یا تو زبور ہی ہے اور الذِّكْرِ سے مراد پند و نصیحت، جیسا کہ ترجمہ میں درج ہے یا پھر زبور سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اور اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ زمین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک جنت ہے اور بعض کے نزدیک ارض کفار، یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے، وہ دنیا میں بااقتدار اور سرخرو رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے، اس وعدۂ الٰہی کے مطابق زمین کا اقتدار انھی

Marfat.com

فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (106) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

(ہمارے) عبادت گزار بندوں کے لیے ایک اطلاع ہے (106) [1] اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (107) قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ

کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے (107) [2] کہہ دیجیے: میری طرف تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بس

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (108) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ

تمھارا معبود ایک ہی ہے، پھر کیا تم مسلمان ہو (108) [3] پھر اگر وہ پھریں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں

اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۚ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا

یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے، [4] اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ قریب ہے

تُوْعَدُوْنَ (109) اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ

یا بعید ہے (109) [5] بے شک وہ (اللہ) پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے، اور جو تم چھپاتے ہو، اس کو

مَا تَكْتُمُوْنَ (110) وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ

بھی جانتا ہے (110) اور میں نہیں جانتا شاید یہ (تاخیرِ عذاب) تمھارے لیے آزمائش اور ایک وقت

اِلٰى حِيْنٍ (111) قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ

تک فائدہ ہے (111) [6] (رسول نے) کہا: اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما، اور ہمارا رب

الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (112) ع

نہایت مہربان ہے، جو باتیں تم بیان کرتے ہو ان پر وہی مدد مانگے جانے کے لائق ہے (112) [7]

7 ع 19 7

کے پاس ہوگا، اس لیے مسلمانوں کی محرومیٔ اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہیں بننی چاہیے۔ یہ وعدہ مشروط ہے صالحیت عباد کے ساتھ۔ اور إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ، فَاتَ الْمَشْرُوطُ کے مطابق جب مسلمان اس خوبی سے محروم ہو گئے تو اقتدار سے بھی محروم کر دیے گئے۔ اس میں گویا حصول اقتدار کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہ ہے صالحیت، یعنی اللہ رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے حدود وضابطوں پر کاربند رہنا۔

[1] فِيْ هٰذَا سے مراد وہ وعظ و تنبیہ ہے جو اس سورت میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔ بلاغ سے مراد کفایت و منفعت ہے، یعنی وہ کافی اور مفید ہے۔ یا اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں مسلمانوں کے لیے منفعت اور کفایت ہے۔ عابدین سے مراد خشوع وخضوع سے اللہ کی عبادت کرنے والے اور شیطان اور خواہشات نفس پر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینے والے ہیں۔ [2] اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا، اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا، نتیجتاً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہوگا اور چونکہ آپ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے، اس لیے آپ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر، یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین ودنیا کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ کی وجہ سے یہ امت بالکلیہ تباہی و بربادی سے محفوظ کر دی گئی، جیسے پچھلی قومیں اور امتیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں، امت محمدیہ (جو امت اجابت اور امت دعوت دونوں کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ «إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً» (صحيح مسلم، حديث:2599) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعن طعن کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینے کی اللہ سے دعا کرنا بھی آپ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (سنن أبي داود، حديث:4659، ومسند أحمد:437/5، وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث:1758) اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ» (صحيح الجامع الصغير:463/1، حديث:2345) ”میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔“ [3] اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصل رحمت توحید کو اپنا لینا اور شرک سے بچ جانا ہے۔ [4] یعنی جس طرح میں جانتا ہوں کہ تم میری دعوت توحید و اسلام سے منہ موڑ کر میرے دشمن ہو، اسی طرح تمھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی تمھارا دشمن ہوں اور ہماری تمھاری آپس میں کھلی جنگ ہے۔ [5] اس وعدے سے مراد قیامت ہے یا غلبۂ اسلام و مسلمین کا وعدہ یا وہ وعدہ جب اللہ کی طرف سے تمھارے خلاف جنگ کرنے کی مجھے اجازت دی جائے گی۔ [6] یعنی اس وعدۂ الٰہی میں تاخیر، میں نہیں جانتا کہ تمھاری آزمائش کے لیے ہے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مہلت دینا ہے۔ [7] یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مہربانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿1﴾

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے ① جس

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ

دن تم اسے دیکھو گے (یہ حال ہوگا) کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ

ہوجائے گی، اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور آپ لوگوں کو نشے میں (مدہوش) دیکھیں

بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿2﴾ وَمِنَ النَّاسِ

گے، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب (بڑا ہی) شدید ہوگا ② [1] اور لوگوں میں

مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ

سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں علم کے بغیر بحث کرتے ہیں، اور وہ ہر سرکش شیطان کی اتباع

مَّرِيْدٍ ﴿3﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ

کرتے ہیں ③ [2] اس کی بابت لکھ دیا گیا [3] کہ بے شک جو کوئی اس سے دوستی کرے گا تو وہ یقیناً اسے گمراہ

وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿4﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ

کرے گا اور اس کی دوزخ کے عذاب کی طرف رہنمائی کرے گا ④ اے لوگو! اگر تم دوبارہ جی اٹھنے

كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

کے متعلق شک میں ہو تو (تمھیں علم ہونا چاہیے کہ) بلاشبہ ہم نے ہی تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو واضح شکل وصورت اور غیر

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ

واضح شکل وصورت والا ہوتا ہے [4] تا کہ ہم تمھارے لیے (اپنی قدرت وحکمت) واضح کریں [5] اور ہم

❁ اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکی اور کچھ مدنی ہے۔ (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔ [1] آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتلائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہوگا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت کے بعد اس وقت ہوگا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے کے قائل ہیں جبکہ بعض مفسرین دوسری رائے کے۔ اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت سے ہزار میں سے 999 جہنم کے لیے نکال دے۔ یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، صرف عذاب کی شدت ہوگی۔ یہ بات صحابہ پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''(گھبراؤ نہیں) یہ 999 یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا، تمھاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہوگی، جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں، کالے بال یا کالے رنگ کے بیل کے پہلو میں سفید بال ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی یا تہائی یا نصف ہو گے۔'' جسے سن کر صحابہ نے بطور مسرت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4741) پہلی رائے بھی بے وزن نہیں ہے۔ بعض ضعیف احادیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے، اس لیے زلزلہ اور اس کی کیفیات سے مراد اگر فزع اور ہولناکی کی شدت ہے (اور بظاہر یہی ہے) تو سخت گھبراہٹ اور ہولناکی کی یہ کیفیت دونوں موقعوں پر ہی ہوگی، اس لیے دونوں ہی رائیں صحیح ہو سکتی ہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر لوگوں کی کیفیت ایسی ہوگی، جیسی اس آیت میں اور صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔ [2] مثلاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے یا اس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔ [3] یعنی شیطان کی بابت تقدیر الٰہی میں یہ بات ثبت ہے۔ [4] یعنی نطفے (قطرۂ منی) سے چالیس روز کے بعد عَلَقَةٍ گاڑھا خون اور اس سے مُضْغَةٍ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ مُخَلَّقَةٍ سے وہ بچہ مراد ہے جس کی پیدائش واضح اور شکل وصورت نمایاں ہو جائے، ایسے بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اور تکمیل کے بعد اس کی ولادت ہوتی ہے اور وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اس کے برعکس جس کی شکل وصورت واضح ہو نہ اس میں روح پھونکی جائے اور قبل از وقت ہی وہ ساقط ہو جائے۔ صحیح احادیث میں بھی رحم مادر کی ان کیفیات کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ نطفہ چالیس دن کے بعد عَلَقَة (گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد یہ مضغہ (لوتھڑا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر اللہ

Marfat.com

اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

جس (نطفے) کے متعلق چاہیں اسے مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں،[1] پھر تمھیں ایک بچے

اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ

کی صورت میں نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، اور تم میں سے کوئی فوت کر دیا جاتا ہے[2] اور تم

الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ

میں سے کوئی ناکارہ ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے، تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانے،[3] اور

هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

آپ زمین بنجر اور خشک پڑی دیکھتے ہیں، پھر جب ہم نے اس پر پانی نازل کیا تو وہ لہلہا اٹھی، اور

وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ

پھولی، اور اس نے ہر طرح کی خوشنما نباتات نکالیں ⑤ یہ[4] (سب کچھ) اس لیے کہ بے شک اللہ

الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

ہی حق ہے، اور بے شک وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور بے شک وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑥

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي

اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور بے شک اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں

الْقُبُوْرِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

میں (پڑے) ہیں ⑦ اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ

اور بغیر روشن کتاب کے بحث کرتے ہیں ⑧ (تکبر کی وجہ سے حق سے) پہلو تہی کرتے ہوئے،[5]

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۭ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ

تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بہکائے، اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور یوم قیامت ہم

الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ

اسے جلانے والا عذاب چکھائیں گے ⑨ (کہا جائے گا:) یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے دونوں

تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے، یعنی چار مہینے کے بعد نفخ روح ہوتا ہے اور بچہ ایک واضح شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6594، وصحيح مسلم، حديث: 2643)

5 یعنی اس طرح ہم اپنا کمال قدرت تخلیق تمھارے لیے بیان کرتے ہیں۔

1 یعنی جس کو ساقط کرنا نہیں ہوتا۔ 2 یعنی عمر أَشُد سے پہلے ہی۔ عمر اَشُدّ سے مراد بلوغت یا کمال عقل و کمال قوت وتمیز کی عمر ہے جو 30 سے 40 سال کے درمیان کی عمر ہے۔ 3 اس سے مراد بڑھاپے میں قوائے انسانی میں ضعف وانحطاط کے ساتھ عقل وحافظہ کا کمزور ہو جانا اور یادداشت اور عقل وفہم میں بچے کی طرح ہو جانا ہے جیسے سورۂ یٰسٓ 36:68 میں وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اور سورۂ تین 95:5 میں ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ 4 یہ احیائے موتی (مردوں کے زندہ کرنے) پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل، جو مذکور ہوئی، یہ تھی کہ جو ذات ایک حقیر قطرۂ پانی سے اس طرح ایک انسانی پیکر تراش سکتی اور ایک حسین وجود عطا کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسے مختلف مراحل سے گزارتی ہوئی بڑھاپے کے ایسے اسٹیج پر پہنچا سکتی ہے جہاں اس کے جسم سے لے کر اس کی ذہنی ودماغی صلاحیتیں تک، سب ضعف وانحطاط کا شکار ہو جائیں۔ کیا اس کے لیے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دینا مشکل ہے؟ یقیناً جو ذات انسان کو ان مراحل سے گزار سکتی ہے، وہی ذات مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر کے ایک نیا قالب اور نیا وجود بخش سکتی ہے۔ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے لیکن بارش کے بعد یہ کس طرح زندہ اور شاداب اور انواع واقسام کے غلے، میوہ جات اور رنگ برنگ کے پھولوں سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انسانوں کو بھی ان کی قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس طرح پیدا فرمائے گا، اس کی کوئی نشانی مخلوقات میں سے بیان فرمائیے! نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھارا گزر ایسی وادی سے ہوا ہے جو خشک اور بنجر ہو، پھر دوبارہ اسے لہلہاتا ہوا دیکھا ہو؟'' اس نے کہا: ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''بس اسی طرح انسانوں کا جی اٹھنا ہوگا۔'' (مسند أحمد: 4/11، وسنن ابن ماجه، حديث: 180) 5 ثَانِيَ اسم فاعل ہے۔ موڑنے والا۔ عِطْفٌ کے معنی پہلو کے ہیں۔ یہ يُجَادِلُ سے حال ہے۔ اس میں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے کہ وہ تکبر اور اعراض کرتے ہوئے اپنی گردن موڑتے ہوئے پھرتا ہے، جیسے دوسرے مقامات پر اس کیفیت کو ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا (لقمٰن 31:7) لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ (المنٰفقون 63:5) اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (بنی إسرآءيل 17:83)

Marfat.com

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ 10 وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے⑩ اور لوگوں میں
يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ٱطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ
سے کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے (شک) پر، پھر اگر اسے بھلائی مل گئی تو اس
وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ٱنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا
پر مطمئن ہوگیا، اور اگر اسے کوئی آزمائش آپڑی تو اپنے چہرے کے بل پلٹ جاتا
وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ 11 يَدْعُوْا مِنْ
ہے؛[1] اس نے دنیا اور آخرت میں خسارہ اٹھایا، یہی کھلا خسارہ ہے⑪ وہ اللہ کے سوا
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ
اسے پکارتا ہے جو اسے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اسے نفع دے سکتا ہے۔ یہی دور
الْبَعِيْدُ 12 يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ
کی گمراہی ہے⑫ وہ اسے پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، بلاشبہ وہ
الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ 13 اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
برا کارساز ہے اور بلاشبہ وہ برا ساتھی ہے⑬ [2] بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ اِنَّ
عمل کرتے رہے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، بے شک اللہ
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ 14 مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ
جو چاہے وہی کرتا ہے⑭ جو یہ سمجھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں ہرگز اس (رسول)
اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ
کی مدد نہ کرے گا تو چاہیے کہ وہ آسمان تک رسی دراز کرے، پھر اسے کاٹ
لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ 15 وَكَذٰلِكَ
ڈالے اور دیکھے کہ کیا اس کی تدبیر اس کے غصے کو لے جاتی ہے⑮ [3] اور اسی طرح ہم نے

[1] حَرْف کے معنی ہیں: کنارہ۔ ان کناروں پر کھڑا ہونے والا، غیر مستقر ہوتا ہے، یعنی اسے قرار و ثبات نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک و ریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس کا حال بھی یہی ہے، اسے دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات پر رہتی ہے، ملتے رہیں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ پھر دین آبائی، یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سچے مسلمان ہوتے اور ایمان و یقین سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ عُسر و یُسر کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے اور تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں ایک مذبذب شخص کا واقعہ بھی اسی طرح کا بیان کیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4742) کہ ایک شخص مدینے آتا، اگر اس کے گھر بچے ہوتے، اسی طرح جانوروں میں برکت ہوتی تو کہتا، یہ دین اچھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا، یہ دین برا ہے۔ بعض روایات میں یہ وصف نومسلم اعرابیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباري) [2] بعض مفسرین کے نزدیک يَدْعُوْا يَقُوْلُ کے معنی میں ہے، یعنی غیر اللہ کا پجاری قیامت والے دن کہے گا کہ جس کا نقصان، اس کے نفع سے قریب تر ہے، وہ والی اور ساتھی یقیناً برا ہے، یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہاں اس کی امیدوں کے محل گر جائیں گے اور یہ معبود، جن کی بابت اس کا خیال تھا کہ وہ اللہ کے عذاب سے اسے بچائیں گے، اس کی شفاعت کریں گے، وہاں خود وہ معبود بھی، اس کے ساتھ ہی جہنم کا ایندھن بنے ہوں گے۔ مولٰی کے معنی ولی اور مددگار کے اور عشیر کے معنی ہم نشین، ساتھی اور قرابت دار کے ہیں۔ مددگار اور ساتھی تو وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے لیکن یہ معبود خود گرفتار عذاب ہوں گے، یہ کسی کے کیا کام آئیں گے؟ اس لیے انھیں برا والی اور برا ساتھی کہا گیا۔ ان کی عبادت ضرر ہی ضرر ہے، نفع کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے، پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا 34:23) ”بے شک ہم (اللہ کے ماننے والے) یا تم (اس کا انکار کرنے والے) ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔“ ظاہر بات ہے کہ ہدایت پر وہی ہیں جو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ لیکن اسے واضح الفاظ میں کہنے کی بجائے کنائے اور استفہام کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو سامع کے لیے زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق دنیا سے ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ غیر اللہ کو پکارنے سے فوری نقصان تو اس کا یہ ہوا کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہ اقرب نقصان ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا نقصان متحقق (ثابت) ہی ہے۔ [3] اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ ایسا شخص جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد نہ کرے کیونکہ اس کے غلبہ و فتح سے اسے تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے گھر کی چھت

Marfat.com

اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ

اس (قرآن) کو واضح آیات کی صورت میں نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جسے چاہے اسے

يُّرِيْدُ ⑯ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ

ہدایت دیتا ہے ⑯ بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی ہوئے، اور صابی

وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

(بے دین) اور نصاریٰ اور مجوسی[1] اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا،[2]

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

بے شک اللہ ان کے مابین یوم قیامت فیصلہ کرے گا،[3] یقیناً اللہ ہر شے پر شاہد ہے ⑰[4]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں اور جو کوئی

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ

زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور[5] اور بہت سے

وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ

لوگ (بھی۔)[6] اور بہت سوں پر اس کا عذاب ثابت ہو چکا ہے[7] اور جسے اللہ ذلیل کرے

پر رسی لٹکا کر اور اپنے گلے میں اس کا پھندا لے کر رسی کو کاٹ ڈالے، یعنی اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خودکشی اسے غیظ و غضب سے بچا لے جو وہ محمد ﷺ کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس صورت میں اَلسَّمَآءِ سے مراد گھر کی چھت ہوگی۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ ایک رسہ لے کر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو وحی یا مدد آتی ہے، اس کا سلسلہ ختم کر دے، (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے پہلے مفہوم کو اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے دوسرے مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے اور سیاق سے یہی دوسرا مفہوم زیادہ قریب لگتا ہے۔

[1] اَلْمَجُوْسَ سے مراد آتش پرست ہیں جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک ظلمت کا خالق ہے جسے وہ اہرمن کہتے ہیں، دوسرا نور کا جسے وہ یزداں کہتے ہیں۔ [2] ان میں مذکورہ گمراہ فرقوں کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں، سب آ گئے۔

[3] ان میں سے حق پر کون ہے، باطل پر کون؟ یہ تو ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے قرآن میں نازل فرمائے ہیں اور اپنے آخری پیغمبر کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا، ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الفتح 48: 28) یہاں فیصلے سے مراد وہ جزا ہے جو اللہ تعالیٰ باطل پرستوں کو قیامت والے دن دے گا، اس جزا سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟ [4] یہ فیصلہ محض حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا بلکہ عدل و انصاف کے مطابق ہوگا کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔ [5] بعض مفسرین نے اس سجدے سے ان تمام چیزوں کا احکام الٰہی کے تابع ہونا مراد لیا ہے، کسی میں مجال نہیں کہ وہ حکم الٰہی سے سرتابی کر سکے۔ ان کے نزدیک وہ سجدۂ اطاعت و عبادت مراد نہیں جو صرف عقلاء کے ساتھ خاص ہے جبکہ بعض مفسرین نے اسے مجاز کی بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے، مثلاً: ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں، ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ سے ہر قسم کے حیوانات، انسان، جنات، چوپائے اور پرندے اور دیگر اشیاء ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز سے سجدہ اور تسبیح الٰہی کرتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنی إسرآءیل 17:44) سورج، چاند اور ستاروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: تم ان کو سجدہ کرتے ہو، یہ تو اللہ کو سجدہ کرنے والے اور اس کے ماتحت ہیں، اس لیے تم انھیں سجدہ مت کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔ (حٰمٓ السجدة 41:37) صحیح حدیث میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''جانتے ہو، سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے، پھر اسے (طلوع ہونے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اسے کہا جائے گا: واپس لوٹ جا، یعنی جہاں سے آیا وہیں چلا جا تو یہ مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3199، وصحیح مسلم، حدیث: 159) اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے خواب میں اپنے ساتھ درخت کو سجدہ کرتے دیکھا۔ (جامع الترمذي، حدیث: 579، وتحفة الأحوذي: 3/159، حدیث: 579، وسنن ابن ماجه، حدیث: 1053) اور پہاڑوں اور درختوں کے سجدے میں ان کے سایوں کا دائیں بائیں پھرنا یا جھکنا بھی شامل ہے جس کی طرف اشارہ سورۂ رعد 13:15 اور سورۂ نحل 16:48،49 میں بھی کیا گیا ہے۔ [6] یہ سجدۂ اطاعت و عبادت ہی ہے جس کو انسانوں کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے اور اللہ کی رضا کی مستحق قرار پاتی ہے۔

Marfat.com

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ (18) هٰذٰنِ
اسے کوئی عزت دینے والا نہیں،[1] بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے (18) یہ دو جھگڑنے والے
خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ
(گروہ)[2] ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، چنانچہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے
ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ (19) یُصْهَرُ
لیے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا پانی انڈیلا جائے گا (19) اس
بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (20) وَلَهُمْ مَّقَامِعُ
سے وہ سب کچھ گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور (ان کی) کھالیں بھی (20) اور ان (کو مارنے)
مِنْ حَدِیْدٍ (21) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ
کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے (21) اور وہ جب بھی مارے غم کے اس سے باہر نکلنے کا ارادہ
اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (22) اِنَّ اللّٰهَ
کریں گے، اسی میں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا:) بے شک جلانے والا عذاب چکھو! (22)[3]
یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یقیناً اللہ ان کو (ایسے) باغوں میں داخل کرے گا
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے
وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ (23) وَهُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ
اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا (23)[4] اور انھیں پاکیزہ بات کی ہدایت دی
مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ (24) اِنَّ الَّذِیْنَ
گئی،[5] اور قابل تعریف (اللہ کی) راہ دکھائی گئی (24)[6] بے شک جن لوگوں نے کفر کیا
كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں[7] جسے ہم نے (سب) لوگوں
الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨ الْعٰكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ
کے لیے بنایا ہے، اس میں مقیم اور بادیہ نشین (باہر سے آنے والے) برابر ہیں،[8]

[7] یہ وہ ہیں جو سجدۂ اطاعت سے انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں، ورنہ تکوینی احکام، یعنی سجدۂ انقیاد میں تو انھیں بھی مجال انکار نہیں۔ (تکوینی احکام سے مراد مرض، موت اور مصائب و آلام وغیرہ ہیں جن میں انسان بے بس ہیں)

[1] کفر اختیار کرنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی اور آخرت کا دائمی عذاب ہے جس سے بچا کر کافروں کو عزت دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ [2] هٰذٰنِ خَصْمٰنِ یہ دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد مذکورہ گمراہ فرقے اور اس کے مقابلے میں دوسرا فرقہ مسلمان لیا ہے۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مسلمان تو اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت علی البعث کے قائل ہیں جبکہ دوسرے اللہ کے بارے میں مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں جنگ بدر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آجاتے ہیں جس کے آغاز میں مسلمانوں میں ایک طرف حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4744) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہی مفہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔ [3] اس میں جہنمیوں کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو انھیں وہاں بھگتنا ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[4] جہنمیوں کے مقابلے میں یہ اہل جنت کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کو مہیا کی جائیں گی۔ [5] یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں پاکیزہ باتیں ہی ہوں گی، وہاں بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں ہوگی۔ [6] یعنی ایسی جگہ کی طرف جہاں ہر طرف اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کی صدائے دل نواز گونج رہی ہوگی۔ اگر اس کا تعلق دنیا سے ہو تو مطلب قرآن اور اسلام کی طرف رہنمائی ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آتی ہے۔ [7] روکنے والوں سے مراد کفار مکہ ہیں جنھوں نے 6 ہجری میں مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا تھا۔ [8] اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے مراد خاص مسجد (خانہ کعبہ) ہی ہے یا پورا حرم مکہ کیونکہ قرآن میں بعض جگہ پورے حرم مکی کے لیے بھی مسجد حرام کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ جہاں تک خاص مسجد حرام کا تعلق ہے، اس کی بابت تو یہ بات متفقہ ہے کہ اس میں مقیم و غیر مقیم، مکی اور آفاقی سب کا حصہ مساوی ہے، یعنی بلا تخصیص و تفریق ہر شخص رات اور دن کے کسی بھی حصے میں عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کے لیے بھی کسی مسلمان کو عبادت سے روکنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جن علماء نے مسجد حرام سے مراد پورا حرم لیا ہے، ان کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ پورا حرم مکی سب مسلمانوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مکانوں اور زمینوں کا کوئی مالک نہیں۔ اسی لیے ان کی

Marfat.com

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ

اور جو اس میں ظلم کے ساتھ کج روی کا ارادہ کرے[1] ہم اسے نہایت دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ﴿25﴾ ع وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ

ع 3/3/10

چکھائیں گے ﴿25﴾[2] اور (یاد کریں) جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقرر کردی[3]

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ

(اور اسے حکم دیا) کہ تو میرے ساتھ کسی شے کو شریک[4] نہ کر اور طواف کرنے والوں اور قیام

وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿26﴾ وَاَذِّنْ فِي

کرنے والوں اور رکوع، سجدے کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک رکھ ﴿26﴾[5] اور لوگوں میں حج کا

النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ

اعلان کردے، وہ تیرے پاس پیدل (چل کر) اور ہر لاغر سواری[6] پر (سوار ہوکر) آئیں گے جو

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿27﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا

ہر دور دراز رستے سے آئیں[7] گی ﴿27﴾ تاکہ وہ اپنے منافع کے لیے حاضر ہوں،[8] اور

اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ

معلوم ایام میں (ذبح کرتے وقت) ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

جو اللہ نے انھیں دیے ہیں،[9] پھر تم (خود بھی) ان کا گوشت کھاؤ اور ہر لاچار فاقہ کش فقیر

خرید وفروخت اور ان کو کرائے پر دینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ جو شخص بھی کسی جگہ سے حج یا عمرے کے لیے مکہ جائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے ٹھہر جائے، وہاں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہرنے سے کسی کو نہ روکیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مکانات اور زمینیں مِلک خاص ہوسکتی ہیں اور ان میں مالکانہ تصرفات، یعنی بیچنا، کرائے پر دینا جائز ہے، البتہ وہ مقامات جن کا تعلق مناسک حج سے ہے، مثلاً منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے میدان یہ وقف عام ہیں، ان میں کسی کی ملکیت جائز نہیں۔ یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان خاصا مختلف فیہ رہا ہے، تاہم آج کل تقریباً تمام کے تمام علماء ہی ملکیت خاص کے قائل ہوگئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ سرے سے اختلافی ہی نہیں رہا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی امام ابوحنیفہ اور فقہاء کا مسلک مختار اسی کو قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: معارف القرآن: 253/6)

[1] اِلْحَادٌ کے لفظی معنی تو کج روی کے ہیں۔ یہاں یہ عام ہے، کفر وشرک سے لے کر ہر قسم کے گناہ کے لیے حتیٰ کہ بعض علماء الفاظ قرآنی کے پیش نظر اس بات تک کے قائل ہیں کہ حرم میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کرلے گا، (چاہے اس پر عمل نہ کرسکے) تو وہ بھی اس وعید میں شامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محض ارادے پر مؤاخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ دیگر نصوص سے واضح ہے، تاہم ارادہ اگر عزم مصمم کی حد تک ہو تو پھر قابل گرفت ہوسکتا ہے۔ (فتح القدیر) [2] یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو مذکورہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔ [3] یعنی بیت اللہ کی جگہ بتلادی اور وہاں ہم نے ذریت ابراہیم علیہ السلام کو جا ٹھہرایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کی ویرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلی مسجد جو زمین میں بنائی گئی، مسجد حرام ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 520 ، و مسند أحمد: 150/5 و167,166) [4] یہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی غرض بیان کی کہ اس میں صرف میری ہی عبادت کی جائے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مشرکین نے اس میں جو بت سجا رکھے ہیں جن کی وہ یہاں آکر عبادت کرتے ہیں۔ یہ ظلم صریح ہے کہ جہاں صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے تھی، وہاں بتوں کی عبادت کی جاتی ہے۔ [5] کفر، بت پرستی اور دیگر گندگیوں اور نجاستوں سے۔ یہاں ذکر صرف نماز پڑھنے والوں اور طواف کرنے والوں کا کیا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادات خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ نماز میں رخ اسی کی طرف ہوتا ہے اور طواف صرف اسی کے گرد کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل بدعت نے اب بہت سی قبروں کا طواف بھی ایجاد کرلیا ہے اور بعض نمازوں کے لیے ''قبلہ'' بھی کوئی اور۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. [6] جو چارے کی قلت اور سفر کی دوری اور تھکاوٹ سے لاغر اور کمزور ہوجائیں گے۔ [7] یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نحیف سی صدا دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی جس کا مشاہدہ حج اور عمرے میں ہر حاجی اور مُعْتَمِر کرتا ہے۔ [8] یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ نماز، طواف اور مناسک حج وعمرہ کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت ورضا حاصل کی جائے۔ اور دنیوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال واسباب دنیا بھی میسر آجائے۔ [9] بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ''پالتو چوپایوں'' سے مراد اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ دنبے) ہیں، ان پر اللہ کا نام لینے کا مطلب ان کو ذبح کرنا ہے جو اللہ کا نام لے کر ہی کیا جاتا ہے اور ایام معلومات سے مراد، ذبح کے ایام ''ایام تشریق''

Marfat.com

الْفَقِيْرَ ﴿28﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ
کو کھلاؤ ﴿28﴾ پھر چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں[1] اور چاہیے کہ اپنی نذریں پوری کریں[2]
وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿29﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ
اور چاہیے کہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں[3] ﴿29﴾ یہی (حکم) ہے، اور جو شخص اللہ کی حرمتوں[4]

ہیں جو یوم النحر (10 ذوالحجہ) اور تین دن اس کے بعد ہیں، یعنی 12،11 اور 13 ذوالحجہ تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر ایام معلومات سے عشرۂ ذوالحجہ اور ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں، تاہم یہاں مَعْدُوْدٰتٍ جس سیاق میں آیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔ واللہ أعلم۔

گویا سورۂ بقرہ کی آیت: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ میں اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ اور یہاں آیت میں مذکور اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ دونوں سے مراد ایام تشریق ہوئے کیونکہ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: «الأيام المعدودات أيام التشريق، وهي أربعة أيام: يوم النحر و ثلاثة بعده» (تفسير ابن كثير) یعنی ایام معدودات (گنتی کے چند دن) سے مراد ایام تشریق، یعنی یوم النحر 10 ذوالحجہ، پھر تین دن اس کے بعد ہیں۔ 11،12،13 ذوالحجہ۔ اور فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتاب ''ہدایہ'' میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ایام تشریق تین دن ہیں 11،12،13 (ملاحظہ ہو، كتاب الأضحية، ص: 430، آخرین، طبع لکھنؤ) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''غنية الطالبين'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایام معدودات کی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے (ص: 570 مطبوعہ لاہور 1309ھ) پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ يَوْمُ النَّحْرِ (قربانی کے دن، 10 ذوالحجہ) کے علاوہ ایام تشریق تین دن ہیں، یعنی 11،12،13 ذوالحجہ جن میں ذکر الٰہی بالخصوص فرض نمازوں کے بعد اور دیگر اوقات میں تکبیرات کہی جاتی ہیں: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ایام تشریق قربانی کے دن بھی ہیں جن میں قربانی کی جا سکتی ہے، چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ» (مسند أحمد: 82/4، وصحيح ابن حبان: 368/8، وتفسير ابن كثير، تفسير سورة الحج، و نصب الراية: 504/4، وسنن الدارقطني: 284/4 طبع جديد، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 29/8، طبع جديد) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہے کہ ''امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مسلک راجح ہے کہ قربانی کا وقت 10 ذوالحجہ سے ایام تشریق کے آخری دن (13 ذوالحجہ) تک ہے۔'' بعض حضرات نے حدیث مذکور کہ ''ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' کو منقطع قرار دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے بعض طرق موصول بھی ہیں۔ بنابریں محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ اسی لیے شیخ البانی نے اسے صحيح الجامع الصغير (834/2، حديث: 4537) میں درج کیا ہے، الجامع الصغیر کے شارح علامہ مناوی نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فيض القدير: 4485/9) حافظ ہیثمی نے بھی اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: 251/3) صاحب الفتح الربانی نے اس کے انقطاع کی تردید اور اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ (الفتح الرباني: 94/13) شیخ البانی نے الصحیحۃ میں اس کے تمام طرق پر بحث کر کے اس کو دیگر شواہد کی بنا پر قابل حجت گردانا ہے۔ (الصحيحة: 617/5) زاد المعاد کے محقق نے اپنی تعلیق میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (زاد المعاد، بتحقيق شعيب الأرنؤوط: 318/2) (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (كتاب الأم للإمام الشافعي: 142/2، طبع مصر: 1973، ونيل الأوطار: 142/5، وموارد الظمآن في زوائد ابن حبان: 325/3)

[1] یعنی 10 ذوالحجہ کو جمرۂ کبریٰ (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے، جس کے بعد وہ احرام کھول دیتا ہے اور بیوی سے مباشرت کے سوا دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں، جو حالت احرام میں ممنوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کر لے، تیل، خوشبو استعمال کر لے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لے وغیرہ۔ [2] اگر کوئی مانی ہوئی ہو، جیسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمائی تو ہم فلاں نیکی کا کام کریں گے۔ [3] الْعَتِيْقِ کے معنی قدیم کے ہیں، مراد خانہ کعبہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بعد طواف افاضہ کر لے جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں اور یہ حج کا رکن ہے جو وقوف عرفہ اور جمرۂ عقبہ (یا کبریٰ) کو کنکریاں مارنے کے بعد کیا جاتا ہے جبکہ طواف قدوم بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع سنت مؤکدہ (یا واجب) ہے۔ جو اکثر اہل علم کے نزدیک عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حائضہ عورت سے بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے۔ (أيسر التفاسير)

Marfat.com

اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے ہاں اس کے لیے بہت بہتر ہے اور تمھارے لیے چوپائے

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جا چکے ہیں[1]، لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿30﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ

بچو[2] اور جھوٹی بات سے بھی بچو ﴿30﴾ [3] اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ[4] نہ کہ اس کے ساتھ شرک

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ

کرنے والے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا،

الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿31﴾

پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے ﴿31﴾ [5]

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى

یہی (حکم) ہے، اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے، تو بلاشبہ یہ دلوں کی

الْقُلُوْبِ ﴿32﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

پرہیزگاری سے ہے ﴿32﴾ [6] تمھارے لیے ان (چوپایوں) میں ایک مقرر وقت تک منافع ہیں،[7] پھر ان

[4] ان حرمتوں سے مراد وہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل ابھی گزری۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کی اس طرح ادائیگی ہے جس طرح بتلایا گیا ہے، یعنی ان کی خلاف ورزی کر کے ان حرمتوں کو پامال نہ کرے۔

[1] ''جو بیان کیے گئے ہیں'' کا مطلب ہے جن کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ہے، جیسے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ الآية (المآئدة 3:5) میں تفصیل ہے۔ [2] الرِّجْسَ کے معنی گندگی اور پلیدی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد لکڑی، لوہے یا کسی اور چیز کے بنے ہوئے بت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ نجاست ہے اور اللہ کے غضب اور عدم رضا کا باعث، اس سے بچو! [3] جھوٹی بات میں، جھوٹی بات کے علاوہ جھوٹی قسم بھی ہے، (جس کو حدیث میں شرک اور عقوق والدین، ماں باپ کی نافرمانی کے بعد تیسرے نمبر پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے) اور سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ جن چیزوں سے پاک ہے، وہ اس کی طرف منسوب کی جائیں، مثلاً: اللہ کی اولاد ہے، فلاں بزرگ اللہ کے اختیارات میں شریک ہے یا فلاں کام پر اللہ کس طرح قادر ہوگا، جیسے کفار بعث بعد الموت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لینا، جیسے مشرکین بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، یہ سب جھوٹ ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ (مذکورہ جانوروں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: المآئدة: 1035 کا حاشیہ) [4] حُنَفَآءَ حنیف کی جمع ہے۔ جس کے مصدری معنی ہیں: مائل ہونا، ایک طرف ہونا، یک رخا ہونا، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور کفر و باطل سے اسلام اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ یا ایک طرفہ ہو کر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے۔ [5] یعنی جس طرح بڑے پرندے، چھوٹے جانوروں کو نہایت تیزی سے جھپٹا مار کر انھیں نوچ کھاتے ہیں یا ہوائیں کسی کو دور دراز جگہوں پر پھینک دیں اور کسی کو اس کا سراغ نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں تباہی اس کا مقدر ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ سلامت فطرت اور طہارت نفس کے اعتبار سے طہر وصفا کی بلندی پر فائز ہوتا ہے اور جوں ہی وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو بلندی سے پستی میں اور صفائی سے گندگی اور کیچڑ میں پھینک لیتا ہے۔ [6] شَعَآئِرَ شَعِيْرَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، جیسے جنگ میں ایک شعار (مخصوص لفظ بطور علامت) اختیار کر لیا جاتا ہے جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اس اعتبار سے شعائر اللہ وہ ہیں، جو اعلام دین، یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں، جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے اور دوسرے اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے۔ صفا، مروہ پہاڑیوں کو بھی اسی لیے شعائر اللہ کہا گیا ہے کہ مسلمان حج و عمرے میں ان کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ یہاں حج کے دیگر مناسک، خصوصاً قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کا استحسان اور استسمان ہے، یعنی عمدہ اور موٹا تازہ جانور قربان کرنا۔ اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ دل کے ان افعال سے ہیں جن کی بنیاد تقویٰ ہے۔ [7] وہ فائدہ، سواری، دودھ، مزید نسل اور اون وغیرہ کا حصول ہے۔ وقت مقرر سے مراد نحر (ذبح کرنا) ہے، یعنی ذبح ہونے تک تمھیں ان سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے، جب تک وہ ذبح نہ ہو جائے، فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک ہدی (قربانی) کا جانور اپنے ساتھ ہانکے لے جا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے کہا: یہ حج کی قربانی ہے، آپ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1690)

Marfat.com

مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿33﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا
کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے پاس ہے﴿33﴾ [1] اور ہم نے ہر امت کے لیے
مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ
قربانی مقرر کی، تاکہ وہ (ذبح کے وقت) ان چوپائے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ
نے انھیں دیے،[2] پھر (سمجھ لوکہ) تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہٰذا تم اسی کی فرمانبرداری کرو،
وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجیے﴿34﴾ وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل
قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي
ڈر جاتے ہیں، اور جو صابر ہیں اس (تکلیف) پر جو انھیں پہنچے اور جو نماز قائم کرنے والے ہیں،
الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿35﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا
اور ہم نے انھیں جو رزق دیا وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں﴿35﴾ اور قربانی کے اونٹ[3] بھی جنھیں ہم
لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ
نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے، تمھارے لیے ان میں بہت بھلائی ہے، لہٰذا (نحر
اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا
کے وقت) جب وہ پاؤں بندھے کھڑے ہوں تو تم ان پر اللہ کا نام ذکر کرو،[4] پھر جب ان کے پہلو
مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا
(زمین پر) گر جائیں تو[5] تم ان کا گوشت کھاؤ[6] اور قناعت پسند اور سوالی (محتاج) کو بھی کھلاؤ،[7] اسی طرح ہم

[1] حلال ہونے سے مراد جہاں ان کا ذبح کرنا حلال ہوتا ہے، یعنی یہ جانور، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ اور حرم مکی میں پہنچتے ہیں اور وہاں اللہ کے نام پر ذبح کر دیے جاتے ہیں، پس مذکورہ فوائد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے ہی حرم کے لیے هدي ہوتے ہیں تو حرم میں پہنچتے ہی ذبح کر دیے جاتے ہیں اور فقرا، مکہ میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ [2] مَنْسَكًا نَسَكَ يَنْسُكُ کا مصدر ہے، معنی ہیں: اللہ کے تقرب کے لیے قربانی کرنا، ذبيحة (ذبح شدہ جانور) کو بھی نسيكة کہا جاتا ہے، جس کی جمع نُسُك ہے۔ اس کے معنی اطاعت و عبادت کے بھی ہیں کیونکہ رضائے الٰہی کے لیے جانور کی قربانی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر یا ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے۔ یا مَنْسِك (سین کی فتح یا کسرے کے ساتھ) اسم ظرف ہے۔ موضعُ نحر (ذبح کرنے کی جگہ) یا موضع عبادت. اسی سے مناسک حج ہے، یعنی وہ جگہیں، جہاں حج کے اعمال و ارکان ادا کیے جاتے ہیں، جیسے عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور مکہ۔ مطلق ارکان و اعمال حج کو بھی مناسک کہہ لیا جاتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم پہلے بھی ہر مذہب والوں کے لیے ذبح کا یا عبادت کا طریقہ مقرر کرتے آئے ہیں تا کہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ ہمارا نام لیں، یعنی بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ. کہہ کر ذبح کریں یا ہمیں یاد رکھیں۔ [3] الْبُدْنَ بَدَنَةٌ کی جمع ہے چونکہ عام طور پر اس مقصد کے لیے اس کی تسمین کی جاتی ہے اور وہ موٹا تازہ ہوتا ہے، اس لیے بَدَنَة کہا جاتا ہے: فربہ جانور۔ بعض اہل لغت کے نزدیک اس کا اطلاق اونٹ گائے دونوں پر ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر اہل لغت نے اسے صرف اونٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ جو شخص جمعہ کو پہلی ساعت میں آیا۔ اسے ایک بَدَنَة (اونٹ) کا ثواب ملے گا اور جو دوسری ساعت میں آیا اسے بَقَرة (گائے) کا ثواب ملے گا۔ (صحيح البخاري، حديث:881، وصحيح مسلم، حديث:850) اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: "البَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ" ''اونٹ سات افراد کی طرف سے کافی ہے اور گائے بھی سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث:1318) البتہ مناسکِ حج کے حوالے سے کافی ہونے میں گائے اونٹ کے حکم میں ہے۔ (صحيح مسلم، حديث:1318، وتفسير القرطبي، وروح المعاني، والمصباح المنير للفيومي) مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے لیے جائیں، یہ بھی شعائر اللہ، یعنی اللہ کے ان احکام میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے خاص اور ان کی علامت ہیں۔ [4] صَوَآفَّ مَصْفُوفَةً (صف بستہ، یعنی کھڑے ہوئے) کے معنی میں ہے۔ اونٹ کو اسی طرح کھڑے کھڑے نحر کیا جاتا ہے کہ اگلا بایاں پاؤں اس کا بندھا ہوا اور تین پاؤں پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔ [5] یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائے۔ تب اسے کاٹنا شروع کرو کیونکہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانا ممنوع ہے: "مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ" (سنن أبي داود، حديث:2858، وجامع الترمذي، حديث:1480، وسنن ابن ماجه، حديث:3216) ''جس جانور سے اس حال میں گوشت کاٹا جائے کہ

Marfat.com

لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿36﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا
نے چوپائے تمھارے تابع کر دیے تاکہ تم شکر کرو ﴿36﴾ اللہ تک ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت ہرگز
وَلَادِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ
نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون لیکن اس تک تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان (چوپایوں) کو
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ
تمھارے تابع کر دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی، اور نیکی کرنے والوں
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿37﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
کو بشارت دیجیے ﴿37﴾ یقیناً اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے،[1] بے شک اللہ ہر خائن (اور)
لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿38﴾ ع اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ
ناشکرے کو پسند نہیں کرتا ﴿38﴾ جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی

ع 5 / 12

وہ زندہ ہو تو وہ (کاٹا ہوا گوشت) مردہ ہے۔'' [6] بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے ہے، یعنی قربانی کا گوشت کھانا، قربانی کرنے والے کے لیے واجب، یعنی ضروری ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے، یعنی اگر کھا لیا جائے تو مستحب (پسندیدہ) ہے اور اگر کوئی نہ کھائے بلکہ سب کا سب تقسیم کر دے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ [7] اَلْقَانِعَ کے ایک معنی سائل کے اور دوسرے معنی قناعت کرنے والے کے کیے گئے ہیں، یعنی وہ جو سوال نہ کرے اور وَالْمُعْتَرَّ کے معنی بعض نے بغیر سوال کے قصداً سامنے آنے والے کے کیے ہیں۔ اور بعض نے قانع کے معنی سائل اور معتر کے معنی زائر، یعنی ملاقاتی کے کیے ہیں۔ بہر حال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک اپنے لیے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتے داروں کے لیے اور تیسرا سائلین اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کے لیے۔ جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمھیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو، ذخیرہ کرو۔'' دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔'' ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ''پس کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5569، وصحيح مسلم، حديث: 1971، وسنن أبي داود، حديث: 2812، وجامع الترمذي، حديث: 1510، وسنن ابن ماجه، حديث: 3160، وسنن النسائي، حديث: 4436) بعض علماء دو حصے کرنے کے قائل ہیں۔ نصف اپنے لیے اور نصف صدقے کے لیے، وہ اس سے ماقبل گزرنے والی آیت: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو یا تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں نکلتا بلکہ ان میں مطلقاً کھانے کھلانے کا حکم ہے، اس لیے اس اطلاق کو اپنی جگہ برقرار رہنا چاہیے اور کسی برابر تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہیے، البتہ قربانی کی کھالوں کی بابت اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے استعمال میں لاؤ یا صدقہ کر دو، اسے بیچنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مسند أحمد: 15/4) تاہم بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے کھال خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت دی ہے۔ (ابن کثیر) ایک ضروری وضاحت: قرآن کریم میں یہاں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں آیا ہے، جس سے منکرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہی ہے۔ یہ دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دوسرے مقام پر موجود ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر 108:2) ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔'' اس کی تبیین و تشریح (عملی) نبی ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ آپ خود مدینے میں 10 ذوالحجہ کو قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کی تاکید کرتے رہے، چنانچہ صحابہ بھی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ نے قربانی کی بابت جہاں دیگر بہت سی ہدایات دیں، وہاں یہ بھی فرمایا: ''10 ذوالحجہ کو ہم سب سے پہلے (عید کی) نماز پڑھیں اور اس کے بعد جا کر جانور ذبح کریں گے۔'' فرمایا: ''جس نے نماز (عید) سے قبل اپنی قربانی کر لی، اس نے گوشت کھانے میں جلدی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 968، و صحيح مسلم، حديث: 1961) اس سے بھی واضح ہے کہ قربانی کا حکم ہر مسلمان کے لیے ہے وہ جہاں بھی ہو کیونکہ حاجی تو عید الاضحیٰ کی نماز ہی نہیں پڑھتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم غیر حاجیوں کے لیے ہی ہے، تاہم دکھلاوے کی نیت سے کئی کئی قربانیاں کرنے کا رواج بھی خلاف سنت ہے۔ حدیث کے مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ صحابہ کا عمل اسی کے مطابق تھا۔ (جامع الترمذي، حديث: 1505، وسنن ابن ماجه، حديث: 3147) [1] جس طرح 6 ہجری میں کافروں نے اپنے غلبے کی وجہ

Marfat.com

ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ 39 الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا[1] اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے (39) وہ لوگ جنھیں ان کے

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا

گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ

دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ

لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ خانقاہیں[2] اور گرجے اور (یہودی)

وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ

عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اس کی

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ 40

مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، خوب غالب ہے (40)

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں،

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ 41

اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں،[3] اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے (41) [4] اور

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ

(اے نبی!) اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو بلاشبہ ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود نے بھی (اپنے

وَّثَمُوْدُ 42 وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ 43 وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ

اپنے انبیاء کو) جھٹلایا (42) اور قوم ابراہیم اور قوم لوط نے بھی (43) اور مدین والوں نے بھی، اور موسیٰ کو

وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ

بھی جھٹلایا گیا، چنانچہ (پہلے تو) میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا،[5] چنانچہ میرا

سے مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیا، اللہ تعالیٰ نے دو سال کے بعد ہی کافروں کے اس غلبے کو ختم فرما کر مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔

[1] اکثر سلف کا قول ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا ہے جس کے دو مقصد یہاں بیان کیے گئے ہیں۔ مظلومیت کا خاتمہ اور اعلائے کلمۃ اللہ، اس لیے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زورآور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلہ لوگوں کو جینے ہی نہ دیں جس سے زمین فساد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبے سے بھی دنیا کا امن وسکون اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ بقرہ، آیت: 251 کا حاشیہ) [2] صَوَامِعُ (صَوْمَعَةٌ کی جمع) سے چھوٹے گرجے اور بِيَعٌ (بِيعَةٌ کی جمع) سے بڑے گرجے، صَلَوٰتٌ سے یہودیوں کے عبادت خانے اور مَسٰجِدُ سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراد ہیں۔ [3] اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں، جنھیں خلافت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انھوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن وسکون بھی رہا، رفاہیت وخوش حالی بھی رہی اور مسلمان سربلند اور سرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں ان چیزوں کا کچھ اہتمام ہے تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن وخوشحالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی مملکت ہے، آج کل اسلامی ملکوں میں فلاحی مملکت کے قیام کا بڑا غلغلہ اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن ہر اسلامی ملک میں بدامنی، فساد، قتل وغارت اور ادبار وپستی اور زبوں حالی روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کی بجائے مغرب کے جمہوری اور لادینی نظام کے ذریعے سے فلاح وکامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو آسمان میں تھگلی لگانے اور ہوا کو مٹھی میں لینے کے مترادف ہے۔ جب تک مسلمان مملکتیں قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلاۃ وزکاۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست نہیں رکھیں گی، وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ [4] یعنی ہر بات کا مرجع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتا بھی نہیں ہلتا، چہ جائیکہ کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔ [5] اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ پچھلی قومیں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں اور میں بھی انھیں مہلت دیتا رہا، پھر جب ان کا وقت مہلت ختم ہو گیا تو انھیں تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ اس میں تعریض وکنایہ ہے مشرکین مکہ کے لیے کہ تکذیب کے باوجود تم ابھی تک مؤاخذۂ الٰہی سے بچے ہوئے ہو تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت وانقیاد کا راستہ

Marfat.com

كَانَ نَكِيْرِ (44) فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
عذاب کیسا تھا! (44) [1] چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا جبکہ وہ ظالم تھیں، تو وہ گری
فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ
پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور (کتنے ہی) کنویں بے کار، اور (کتنے ہی) مضبوط محل (ویران پڑے
مَّشِيْدٍ (45) اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
ہوئے ہیں!) (45) کیا پھر وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے، یا
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ
کان (ہوتے) جن سے وہ سنتے، پس بے شک قصہ یہ ہے کہ (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (46) وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ
ہوتیں لیکن دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں (46) [2] اور وہ آپ سے جلد عذاب مانگتے
بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ
ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا اور بلاشبہ آپ کے رب کے ہاں ایک
رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (47) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ
دن تمھاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس کی طرح ہے (47) [3] اور کتنی ہی بستیاں ہیں
اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ
کہ میں نے انھیں ڈھیل دی جبکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، اور میری ہی طرف
الْمَصِيْرُ (48) ع قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ
(سب کی) واپسی ہے (48) [4] کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تو بس تمھیں کھلم کھلا ڈرانے
مُّبِيْنٌ (49) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
والا ہوں (49) [5] چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے مغفرت
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (50) وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ
اور عزت کا رزق ہے (50) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (ہمیں) عاجز کرنے کی کوشش
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (51) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
کی [6] وہی دوزخ والے ہیں (51) اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا جب وہ

ع 6/10/13

اختیار نہیں کرتی تو پھر اسے ہلاک یا مسلمانوں کے ذریعے سے مغلوب اور ذلت ورسوائی سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

[1] یعنی کس طرح میں نے انھیں اپنی نعمتوں سے محروم کر کے عذاب و ہلاکت سے دوچار کر دیا۔ [2] اور جب کوئی قوم ضلالت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ عبرت پذیری کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے تو ہدایت کی بجائے گزشتہ قوموں کی طرح تباہی اس کا بھی مقدر بن کر رہتی ہے۔ آیت میں فعل تعقل کا انتساب دل کی طرف کیا گیا ہے جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ عقل کا محل قلب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محل عقل دماغ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ فہم و ادراک کے حصول میں قلب اور دماغ دونوں کا آپس میں بڑا گہرا ربط و تعلق ہے۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير) [3] اس لیے یہ لوگ تو اپنے حساب سے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک دن بھی ہزار سال کا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اگر کسی کو ایک دن (24 گھنٹے) کی مہلت دے تو ہزار سال، نصف یوم کی مہلت دے تو پانچ سو سال، 6 گھنٹے (جو 24 گھنٹے کا چوتھائی ہے) مہلت دے تو ڈھائی سو سال کا عرصہ عذاب کے لیے درکار ہے۔ وَهَلُمَّ جَرًّا۔ اس طرح اللہ کی طرف سے کسی کو ایک گھنٹے کی مہلت مل جانے کا مطلب کم و بیش چالیس سال کی مہلت ہے۔ (أيسر التفاسير) ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ہزار سال برابر ہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ جلدی مانگتے ہیں، وہ دیر کرتا ہے، تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اور بعض نے اسے آخرت پر محمول کیا ہے کہ شدت ہولناکی کی وجہ سے قیامت کا ایک دن ہزار سال بلکہ بعض کو پچاس ہزار سال کا لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ آخرت کا دن واقعی ہزار سال کا ہوگا۔ (مزید دیکھیے: السجدة 5:32 اور المعارج 70: 4 کا حاشیہ) [4] اسی لیے یہاں قانون مہلت کو پھر بیان کیا ہے کہ میری طرف سے عذاب میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، تاہم میری گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا نہ کہیں فرار ہو سکتا ہے۔ اسے لوٹ کر بالآخر میرے ہی پاس آنا ہے۔ [5] یہ کفار و مشرکین کے مطالبۂ عذاب پر کہا جا رہا ہے کہ میرا کام تو اِنذار و تَبْشِير ہے۔ عذاب بھیجنا، یہ اللہ کا کام ہے، وہ جلدی گرفت فرما لے یا اس میں تاخیر کرے، وہ اپنی حسب مشیت و مصلحت یہ کام کرتا ہے۔ جس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ اہل مکہ ہیں لیکن چونکہ آپ پوری نوع انسانی کے لیے رہبر اور رسول بن کر آئے تھے، اس لیے خطاب يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس میں قیامت تک ہونے والے وہ کفار و مشرکین آ گئے جو اہل مکہ کا سا رویہ اختیار کریں گے۔ [6] مُعٰجِزِيْنَ کا مطلب ہے یہ

Marfat.com

رَسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ
تلاوت کرتا تو شیطان اس کی تلاوت میں (اپنی طرف سے کچھ) ڈال دیتا، پھر اللہ اسے زائل کر
فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ
دیتا جو شیطان نے (وسوسہ) ڈالا ہوتا، پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کر دیتا[1] اور اللہ خوب جاننے والا،
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿52﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً
خوب حکمت والا ہے ﴿52﴾ تاکہ جو (وسوسہ) شیطان نے ڈالا ہے اللہ (اس کو) ان لوگوں
لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ
کے لیے فتنہ بنا دے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہیں[2] اور بے شک ظالم
الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿53﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
تو دور کی مخالفت میں (پڑے) ہیں ﴿53﴾ اور تاکہ وہ لوگ جان لیں جنھیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک
الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ
یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، چنانچہ وہ اس پر ایمان لائیں پھر ان کے دل
قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ
اس (حق) کے لیے جھک جائیں[3] اور بے شک اللہ ایمان لانے والے لوگوں کو ضرور صراط مستقیم
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿54﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى
کی طرف ہدایت دینے والا ہے ﴿54﴾[4] اور کافر اس (قرآن) کی بابت ہمیشہ شک میں رہیں گے حتی
تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿55﴾
کہ ان پر اچانک قیامت آجائے، یا ان پر نہایت بانجھ (ہر خیر سے خالی) دن کا عذاب آجائے ﴿55﴾[5]

گمان کرتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے، تھکا دیں گے اور ہم ان کی گرفت کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے، اس لیے کہ وہ بعث بعد الموت اور حساب کتاب کے منکر تھے۔

[1] تَمَنّٰى کے ایک معنی ہیں: آرزو کی یا دل میں خیال کیا۔ دوسرے معنی ہیں: پڑھا یا تلاوت کی۔ اسی اعتبار سے أُمْنِيَّةٌ کا ترجمہ آرزو، خیال یا تلاوت ہوگا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوگا، اس کی آرزو میں شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ وہ پوری نہ ہوں۔ اور رسول و نبی کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایمان لے آئیں، شیطان رکاوٹیں ڈال کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مفہوم ہوگا کہ جب بھی اللہ کا رسول یا نبی وحی شدہ کلام پڑھتا اور اس کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی قراءت و تلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بابت لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈالتا اور مین میکھ نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کی رکاوٹوں کو دور فرما کر یا تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کو ناکام فرما کر یا شیطان کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ فرما کر اپنی بات کو یا اپنی آیات کو محکم (پکا) فرما دیتا ہے۔ اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیاں صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہیں، آپ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے، سب کے ساتھ ہی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔ تاہم آپ گھبرائیں نہیں، شیطان کی ان شرارتوں اور سازشوں سے جس طرح ہم پچھلے انبیاء کو بچاتے رہے ہیں، یقیناً آپ بھی محفوظ رہیں گے اور شیطان کے عَلَى الرَّغْمِ اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پکا کر کے رہے گا۔ یہاں بعض مفسرین نے الغرانیق العُلٰی (جھوٹے معبودوں کی تعریف) کا قصہ بیان کیا ہے جو محققین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھی گئی ہے۔ [2] یعنی شیطان یہ حرکتیں اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور اس کے جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہوتا ہے یا گناہ کر کے ان کے دل سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔ [3] یعنی یہ القائے شیطانی، جو دراصل اغوائے شیطانی ہے، اگر اہل نفاق و شک اور اہل کفر و شرک کے حق میں فتنے کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف جو علم و معرفت کے حامل ہیں، ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بات، یعنی قرآن حق ہے جس سے ان کے دل بارگاہ الٰہی میں جھک جاتے ہیں۔ [4] دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ ان کی رہنمائی حق کی طرف کر دیتا ہے اور اس کے قبول اور اتباع کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ باطل کی سمجھ بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس سے انھیں بچا بھی لیتا ہے اور آخرت میں سیدھے راستے کی رہنمائی یہ ہے کہ انھیں جہنم کے عذاب الیم و عظیم سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے گا اور وہاں اپنی نعمتوں اور دیدار سے انھیں نوازے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ. [5] يَوْمٍ عَقِيْمٍ "بانجھ دن" سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ اسے عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا جس طرح عقیم اس کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ یا اس لیے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی رحمت نہیں ہوگی، گویا ان کے لیے خیر سے خالی ہوگا۔ جس طرح بادِ تند کو جو بطور عذاب کے آتی رہی ہے الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ کہا گیا ہے، اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ (الذّٰریٰت 51:41) "جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی۔"

Marfat.com

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اس دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی[1] وہ ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (56) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ نعمتوں والے باغوں میں ہوں گے (56) اور جنھوں نے

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (57) ع وَالَّذِيْنَ

ع 7/9/14

کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، تو وہی ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے (57) اور جنھوں

هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ قتل کیے گئے یا مر گئے[2] تو اللہ ضرور انھیں اچھا

اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (58)

رزق دے گا[3] اور بلاشبہ اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے (58)[4]

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

وہ انھیں اس مقام میں ضرور داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے[5] اور بے شک اللہ بڑا جاننے والا، خوب

حَلِيْمٌ (59) ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ

بردبار ہے (59)[6] (بات) یہی ہے[7] اور جو شخص بدلہ لے مثل اس کے جتنی اسے تکلیف دی گئی، پھر اگر اس

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا[8] بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت

غَفُوْرٌ (60) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

مغفرت والا ہے (60)[9] یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ (61)

کو رات میں داخل کرتا ہے[10] اور بے شک اللہ خوب سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے (61)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے[11] اور بلاشبہ جسے وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں

یعنی ایسی ہوا جس میں کوئی خیر تھی نہ بارش کی نوید۔

[1] یعنی دنیا میں تو عارضی طور پر بطور انعام یا بطور امتحان لوگوں کو بھی بادشاہتیں اور اختیار و اقتدار مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں کسی کے پاس بھی کوئی بادشاہت اور اختیار نہیں ہوگا۔ صرف ایک اللہ کی بادشاہی اور اس کی فرماں روائی ہوگی، اسی کا مکمل اختیار اور غلبہ ہوگا، اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ○ (الفرقان 25:26) ''بادشاہی اس دن ثابت ہے واسطے رحمٰن کے اور یہ دن کافروں پر سخت بھاری ہوگا۔'' لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المؤمن 40:16) اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' پھر خود ہی جواب دے گا: ''ایک اللہ غالب کی۔'' [2] یعنی اسی ہجرت کی حالت میں موت آگئی یا شہید ہوگئے۔ [3] یعنی جنت کی نعمتیں جو ختم ہوں گی نہ فنا۔ [4] کیونکہ وہ بغیر حساب کے، بغیر استحقاق کے اور بغیر سوال کے دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان بھی جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسی کے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق وہی ہے۔ [5] کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی: ''جنھیں آج تک کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اور دیکھنا سننا تو کجا، کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4779) بھلا ایسی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر کون خوش نہیں ہوگا؟ [6] لَعَلِيْمٌ وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجات اور ان کے مراتب استحقاق کو جانتا ہے۔ حَلِيْمٌ (بردبار ہے) کفر و شرک کرنے والوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کا فوری مؤاخذہ نہیں کرتا۔ [7] یعنی یہ کہ مہاجرین سے بطور خاص شہادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔ [8] عقوبت اس سزا یا بدلے کو کہتے ہیں جو کسی فعل کی جزا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے، اسے بقدر زیادتی بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینے کے بعد جبکہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر سرابر ہو چکے ہوں، ظالم، مظلوم پر پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے، یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کر دینے کی بجائے بدلہ لے کر غلط کام کیا ہے، نہیں بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے، اس لیے آئندہ بھی وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔ [9] اس میں پھر معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ درگزر کرنے والا ہے، تم بھی درگزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بدلہ لینے میں۔ جو بقدر ظلم ظالم ہوگا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا، اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لیے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ وہ معاف ہے۔ بلکہ اسے ظلم اور سَيِّئَه بطور مشاکلت کے کہا جاتا ہے ورنہ انتقام یا بدلہ سرے سے ظلم یا سیئہ ہی نہیں ہے۔ [10] یعنی جو اللہ اس طرح کام کرنے پر قادر ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے جن بندوں پر ظلم کیا جائے ان کا بدلہ وہ ظالموں سے لے۔ [11] اس لیے

Marfat.com

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ 62 اَلَمْ تَرَ
وہی باطل ہے اور بلاشبہ اللہ ہی بلند تر، بہت بڑا ہے (62) کیا آپ نے نہیں
اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ
دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے (مردہ زمین پر) پانی نازل کیا، پھر اس سے زمین سرسبز
مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ 63 لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
ہوجاتی ہے۔ بے شک اللہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے (63)[1] اسی کے لیے ہے
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ 64
جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے،[2] اور بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز، لائق حمد ہے (64)
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے تمھارے تابع فرمان کر دیا جو کچھ زمین میں ہے،[3]
تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ
اور کشتیاں جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، اور وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن
تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
کے بغیر وہ زمین پر (نہ) گرے،[4] بے شک اللہ لوگوں کے لیے البتہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا،
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ 65 وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
بہت رحم کرنے والا ہے (65)[5] اور وہی ہے جس نے تمھیں زندہ کیا، پھر وہ تمھیں مارے گا، پھر وہی
يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ 66 لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا
تمھیں زندہ کرے گا، بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے (66)[6] ہر امت کے لیے ہم نے طریق
مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى
عبادت مقرر کیا ہے، وہ اس پر عمل پیرا ہیں،[7] لہٰذا وہ اس امر میں آپ سے ہرگز جھگڑا نہ کریں،[8]
رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ 67 وَاِنْ جٰدَلُوْكَ
اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں، یقیناً آپ راہ راست پر ہیں (67)[9] اور اگر وہ آپ سے
فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ 68 اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ
جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجیے: تم جو عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے (68) اللہ ہی یوم قیامت
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ 69 اَلَمْ تَعْلَمْ
تمھارے مابین ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے (69)[10] کیا آپ نہیں

اس کا دین حق ہے، اس کی عبادت حق ہے، اس کے وعدے حق ہیں، اس کا اپنے اولیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے، وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے۔

[1] لَطِيْفٌ ''باریک بین'' ہے، اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے یا لطف کرنے والا ہے، یعنی اپنے بندوں کو روزی پہنچانے میں لطف و کرم سے کام لیتا ہے۔ خَبِيْرٌ ''وہ ان باتوں سے باخبر ہے'' جن میں اس کے بندوں کے معاملات کی تدبیر اور اصلاح ہے۔ یا ان کی ضروریات و حاجات سے آگاہ ہے۔ [2] پیدائش کے لحاظ سے بھی، ملکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف کرنے کے اعتبار سے بھی، اس لیے سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں کیونکہ وہ غنی، یعنی بے نیاز ہے۔ اور جو ذات سارے کمالات اور اختیارات کا منبع ہے، ہر حال میں تعریف کی مستحق بھی وہی ہے۔ [3] مثلاً: جانور، نہریں، درخت اور دیگر بے شمار چیزیں جن کے منافع سے انسان بہرہ ور اور لذت یاب ہوتا ہے۔ [4] یعنی اگر وہ چاہے تو آسمان زمین پر گر پڑے جس سے زمین پر موجود ہر چیز تباہ ہو جائے۔ ہاں، قیامت والے دن اس کی مشیت سے آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ [5] اسی لیے اس نے مذکورہ چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور آسمان کو بھی ان پر گرنے نہیں دیتا۔ تابع (مسخر) کرنے کا مطلب ہے کہ ان تمام چیزوں سے انتفاع اس کے لیے ممکن یا آسان کر دیا گیا ہے۔ [6] یہ بحیثیت جنس کے ہے۔ بعض افراد کا اس ناشکری سے نکل جانا اس کے منافی نہیں کیونکہ انسانوں کی اکثریت میں یہ کفر و جحود پایا جاتا ہے۔ [7] یعنی ہر زمانے میں ہم نے لوگوں کے لیے ایک شریعت مقرر کی، جو بعض چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتی، جس طرح تورات، امت موسیٰ علیہ السلام کے لیے، انجیل، امت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعت تھی اور اب قرآن، امت محمدیہ کے لیے شریعت اور ضابطۂ حیات ہے۔ [8] یعنی اللہ نے آپ کو جو دین اور شریعت عطا کی ہے، یہ بھی مذکورہ اصول کے مطابق ہی ہے، ان سابقہ شریعت والوں کو چاہیے کہ اب آپ کی شریعت پر ایمان لے آئیں نہ کہ اس معاملے میں آپ سے جھگڑیں۔ [9] یعنی آپ ان کے جھگڑے کی پروا نہ کریں بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں کیونکہ اب صراط مستقیم پر صرف آپ ہی گامزن ہیں، یعنی پچھلی شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں۔ [10] یعنی بیان اور اظہار حجت کے بعد بھی اگر یہ جدال و منازعت سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارے اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن فرمائے

Marfat.com

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ

جانتے کہ بے شک اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، بلاشبہ یہ (سب کچھ) کتاب (لوحِ

فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿70﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

محفوظ) میں (درج) ہے، بے شک یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ⑦⓪ [1] اور وہ (مشرک) اللہ کے سوا اس

اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور جس کا انھیں کچھ علم نہیں[2] اور

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿71﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

(ان) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ⑦① اور جب ان پر ہماری کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ

آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری پہچانتے ہیں، لگتا ہے کہ وہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے

بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں[3] کہہ دیجیے: کیا پھر میں تمھیں اس سے زیادہ بدتر کی خبر دوں؟

ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿72﴾

(وہ) آگ ہے، جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے[4] اور بری ہے وہ لوٹنے کی جگہ ⑦②

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، لہٰذا تم اسے غور سے سنو، بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا

پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ وہ (سارے بھی) اس کے لیے جمع ہو

لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ

جائیں[5] اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے تو وہ اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے[6] طالب و

ع 9 / 8 / 16

گا، پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزا دے گا۔

[1] اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور مخلوقات کے احاطے کا ذکر فرمایا ہے، یعنی اس کی مخلوقات کو جو جو کچھ کرنا تھا، اس کو اس کا علم پہلے سے ہی تھا۔ جن بندوں کو اپنے اختیار و ارادے سے نیکی کا راستہ اور جنھیں اپنے اختیار سے برائی کا راستہ اپنانا تھا، وہ ان کو جانتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے علم سے یہ باتیں پہلے ہی لکھ دیں۔ اور لوگوں کو یہ بات چاہے کتنی ہی مشکل معلوم ہو، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ وہی تقدیر کا مسئلہ ہے، اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے جسے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔'' (صحيح مسلم، حديث:2653) اور سنن کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اس کو کہا: ''لکھ'' اس نے کہا: کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے، چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا۔'' (سنن أبي داود، حديث:4700، وجامع الترمذي، حديث:3319، ومسند أحمد:317/5) [2] یعنی ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھا سکیں نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔ [3] اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بدزبانی کے ذریعے سے، یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید اور رسالت و معاد کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے جس کا اظہار ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے جس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) [4] یعنی ابھی تو آیات الٰہی سن کر صرف تمھارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس رویے سے توبہ نہیں کی تو اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمھیں دوچار ہونا پڑے گا اور وہ ہے جہنم کی آگ میں جلنا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔ [5] یعنی یہ معبودان باطل، جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انھی کو اپنا حاجت روا سمجھو تو تمھاری عقل قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل و شعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں، یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شے مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جا سکتا۔ [6] یہ ان کی مزید بے بسی

Marfat.com

مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿73﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ
مطلوب (عابد و معبود دونوں) کمزور ہیں ﴿73﴾ [1] انھوں نے اللہ کی قدر (اس طرح) نہیں کی جس طرح
حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿74﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ
اس کی قدر کرنے کا حق ہے،[2] بے شک اللہ بہت قوت والا، نہایت غالب ہے ﴿74﴾ اللہ فرشتوں میں سے
مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
کچھ پیغام رساں چن لیتا ہے[3] اور لوگوں میں سے (بھی)، یقیناً اللہ بہت سننے والا، خوب دیکھنے
بَصِيْرٌ ﴿75﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى
والا ہے ﴿75﴾ [4] وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے،
اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿76﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا
اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں ﴿76﴾ [5] اے ایمان والو! رکوع
وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ
کرو اور سجدہ کرو،[6] اور اپنے رب کی عبادت کرو، اور بھلائی (کے کام) کرو، تاکہ
تُفْلِحُوْنَ ﴿77﴾ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ
تم فلاح پاؤ ﴿77﴾ [7] اور تم اللہ کی راہ میں (اس طرح) جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔[8] اس

اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کجا، یہ تو مکھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی واپس نہیں لے سکتے جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

[1] الطَّالِبُ سے مراد، خود ساختہ معبود اور الْمَطْلُوْبُ سے مراد مکھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پجاری اور مطلوب سے اس کا معبود مراد ہے۔ حدیث قدسی میں معبودان باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھا دے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5953) [2] یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بس مخلوق کو اس کا ہمسر اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، اس کی قدرت و طاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ [3] رُسُلًا رَسُوْلٌ (فرستادہ، بھیجا ہوا قاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا، یعنی پیغام رسانی کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائے۔ یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائے اور لوگوں میں سے بھی جنھیں چاہا، رسالت کے لیے چن لیا اور انھیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدائی اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انھیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔ [4] وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے، یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الأنعام 6:124) ''اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔'' [5] جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا اور اس کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔ [6] یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آ رہا ہے۔ جس میں نماز بھی شامل تھی لیکن اس کی اہمیت و افضلیت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔ [7] یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت، یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے نہ کہ اللہ کی عبادت و اطاعت سے گریز کر کے محض مادی اسباب و وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر اسلامی مملکتیں امن و سکون اور رفاہیت و خوش حالی کی منزل سے کوسوں دور ہیں کیونکہ وہ اسلام کو بطور نظام اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ [8] اس جہاد سے مراد بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض نے اوامر الٰہی کی بجا آوری کہ اس میں بھی نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر وہ کوشش مراد لی ہے جو حق و صداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مغلوبیت کے لیے کی جائے، تاہم سب سے افضل اور اصل جہاد، جہاد اکبر ہی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ مسلمانوں کا تحفظ ممکن ہے اور نہ اسلام کی سربلندی ہی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے قیامت تک کے لیے جاری و ساری رکھا گیا ہے کیونکہ ہر دور میں اس کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی۔ بعض اردو کے مفسرین نے اس مقام پر ایک موضوع (من گھڑت) روایت سے استدلال کر کے خواہش نفسانی سے جہاد کرنے کو ''جہاد اکبر'' قرار دیا ہے جس میں نبی ﷺ کی طرف یہ فرمان منسوب کیا گیا ہے کہ ''تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے ہو۔'' دریافت کیا گیا: وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا:

Marfat.com

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ

نے تمھیں (اپنے دین کے لیے) چن لیا ہے، اور اس نے دین میں تمھارے لیے کوئی تنگی

اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

نہیں رکھی،[1] اپنے باپ ابراہیم[2] کے دین کی (اتباع کرو)، اسی (اللہ)[3] نے پہلے بھی تمھارا نام

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ

مسلمان رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمھارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر شہادت دینے

عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا

والا ہو اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے ہو،[4] لہٰذا تم نماز قائم کرو، اور زکاۃ دو اور اللہ (کے

بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿78﴾ 10 ع 6 17

دین) کو مضبوطی سے تھامو، وہی تمھارا کارساز ہے، اور (وہ) اچھا کارساز اور اچھا مددگار ہے ﴿78﴾

''آدمی کی خود اپنی خواہش نفس کے خلاف جدوجہد۔'' امام ابن تیمیہ اور دیگر علمائے محققین نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔

[1] یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو (ورنہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام ہی میں اٹھانی پڑتی ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیے۔ علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں، جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں، چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «الدين يسر» (صحيح البخاري، حديث: 39) ''دین آسان ہے۔'' یعنی ہر دور میں دین کے احکام پر عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انسان عمل کرنے کی خواہش رکھے۔ [2] عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور غیر عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح بیٹے باپ کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ تھے، اس لیے امت محمدیہ کے بھی باپ ہوئے، اس لیے کہا گیا: یہ دین اسلام جسے اللہ نے تمھارے لیے پسند کیا ہے، تمھارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی کی پیروی کرو۔ [3] ﴿هُوَ﴾ کا مرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، یعنی نزول قرآن سے پہلے تمھارا نام مسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک مرجع اللہ تعالیٰ ہے، یعنی اس نے تمھارا نام مسلم رکھا ہے۔ [4] یہ گواہی قیامت والے دن ہو گی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ: 1432 کا حاشیہ)

Marfat.com

اٰیَاتُهَا:118 سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مَكِّيَّةٌ رُكُوۡعَاتُهَا:6

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿1﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴿2﴾
مومن یقیناً فلاح پاگئے ① [1] وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں ② [2]
وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿3﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ
اور وہ جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں ③ [3] اور وہ جو زکاۃ ادا کرنے
لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ﴿4﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿5﴾ اِلَّا
والے ہیں ④ [4] اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑤ سوائے اپنی بیویوں یا
عَلٰۤى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ
ان (کنیزوں) کے جن کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر
مَلُوۡمِيۡنَ ﴿6﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
کوئی ملامت نہیں ⑥ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے
الۡعٰدُوۡنَ ﴿7﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿8﴾
گزرنے والے ہیں ⑦ [5] اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑧ [6] اور
وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴿9﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ
وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ⑨ [7] یہی لوگ وارث
الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿10﴾ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿11﴾
ہیں ⑩ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ⑪ [8]
وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ﴿12﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ
اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے ⑫ [9] پھر ہم نے اسے

[1] فَلَاح کے لغوی معنی ہیں: چیرنا، کاٹنا، کاشت کار کو بھی فَلّاح کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مُفۡلِح (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لے اور اس کے بدلے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آجائے تو سبحان اللہ! ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے برعکس دنیوی آسائشوں سے بہرہ ور کو ہی کامیاب سمجھتے ہیں۔ آیت میں ان مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں ذیل کی صفات ہوں گی، مثلاً: اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔ [2] خشوع سے مراد قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں قصداً خیالات و وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، کھیل کود نہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔ [3] اللَّغۡوِ ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دنیوی نقصانات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے، چہ جائیکہ انھیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔ [4] اس سے مراد بعض کے نزدیک زکاۃ مفروضہ ہے۔ (جس کی تفصیلات، یعنی اس کا نصاب اور زکاۃ کی شرح گو مدینہ میں بتلائی گئی تاہم) اس کا حکم مکے میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔ [5] اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ بیوی سے مباشرت کر کے یا لونڈی سے ہم بستری کر کے لیکن شرعی لونڈی کا وجود فی الحال ختم ہے، تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو بیوی ہی کی طرح اس سے مباشرت جائز ہوگی۔ [6] اَمَانَاتٌ سے مراد مفوضہ ڈیوٹی کی ادائیگی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عہد میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عہد و پیمان دونوں شامل ہیں۔ [7] آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا جس سے نماز کی اہمیت و فضیلت واضح ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ حالانکہ عہد رسالت و عہد صحابہ میں کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہی تھی۔ [8] ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہوں گے جو جنت کے وارث، یعنی حق دار ہوں گے۔ جنت بھی جنت الفردوس جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:7423) [9] مٹی سے

Marfat.com

نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (13) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

ایک محفوظ قرار گاہ (رِحمِ مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا (13) [1] پھر ہم نے نطفے کو خون کی پھٹکی بنایا، پھر ہم

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

نے پھٹکی کو لوتھڑے میں ڈھالا، پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر

الْعِظٰمَ لَحْمًا ۖ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

گوشت چڑھا دیا،[2] پھر ہم نے اسے ایک اور ہی صورت میں بنا دیا،[3] چنانچہ بڑا بابرکت ہے اللہ جو

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (14) ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (15)

سب سے عمدہ بنانے والا ہے (14) [4] پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو (15)

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (16) وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ

پھر یقیناً تم یومِ قیامت (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے (16) اور بلاشبہ ہم نے تمھارے اوپر سات تہ بہ تہ

طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ (17) وَاَنْزَلْنَا مِنَ

آسمان پیدا کیے،[5] اور ہم (اپنی) مخلوق سے غافل نہیں ہیں (17) [6] اور ہم نے آسمان سے ایک (خاص)

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى

اندازے سے پانی نازل کیا،[7] پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا،[8] اور بلاشبہ ہم اسے لے جانے پر

ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ (18) فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ

بھی یقیناً قادر ہیں (18) [9] پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں

پیدا کرنے کا مطلب اَبُو الْبَشَرْ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل جو خلقت انسانی کا باعث بنتی ہے، مٹی ہی ہے۔ [1] محفوظ قرار گاہ سے مراد رحم مادر ہے، جہاں عموماً نو مہینے بچہ بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔ [2] اس کی کچھ تفصیل سورۂ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں مُّخَلَّقَةٍ کا جو ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت الْمُضْغَةَ کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پہنانے سے کر دی ہے۔ الْمُضْغَةَ گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے کیونکہ محض گوشت میں تو کوئی صلابت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے نرا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی جو ہر انسان کے اندر موجود ہے، اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں زیادہ تاکہ اس کے قدوقامت میں غیر موزونیت اور بھدا پن پیدا نہ ہو بلکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور قدرت کی تخلیق کا ایک شاہکار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ (التین 95:4) ”ہم نے انسان کو احسن تقویم، یعنی بہت اچھی ترکیب یا بہت اچھے ڈھانچے میں بنایا۔“ [3] اس سے مراد بچہ ہے جب وہ مقررہ مدت کے بعد ایک خاص شکل و صورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور حرکت و اضطراب کے ساتھ سمع و بصر اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ [4] الْخٰلِقِيْنَ یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے جو خاص خاص مقداروں میں اشیاء کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے ہیں، یعنی ان تمام صنعت گروں میں اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے؟ پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے جو تمام صنعت کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت کار ہے۔ [5] طَرَآئِقَ طَرِيْقَةٌ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب اوپر تلے چیز کو بھی طَرِيْقَة کہتے ہیں۔ آسمان بھی اوپر تلے ہیں، اس لیے انھیں طَرَآئِقَ کہا۔ یا طریقہ بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا سیاروں کی گزرگاہ ہے، اس لیے انھیں طرائق قرار دیا۔ [6] الْخَلْق سے مراد مخلوق ہے، یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں۔ (فتح القدیر) اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا ہے، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمھارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) [7] یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔ [8] یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے (کیونکہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔ [9] یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم

Marfat.com

نَخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَّمِنْهَا
کے باغات اُگائے، ان میں تمھارے لیے بہت سے (لذیذ) پھل ہیں اور ان میں سے بعض کو
تَأْكُلُونَ (19) وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ
تم کھاتے ہو (19) [1] اور وہ درخت (زیتون) جو طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے، وہ کھانے والوں کے
بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ (20) وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ
لیے تیل اور سالن لیے اگتا ہے (20) [2] اور بلاشبہ تمھارے لیے چوپایوں میں ضرور (سامان) عبرت ہے،
لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ
ہم تمھیں اس میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں (دودھ) ہے، اور تمھارے لیے ان میں کثیر
كَثِيرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُونَ (21) وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ
منافع ہیں، اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو (21) اور ان (چوپایوں) پر اور کشتیوں پر تم سوار بھی
تُحْمَلُونَ (22) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا
کیے جاتے ہو (22) [3] اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی
اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ (23) فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ
عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ (23) چنانچہ اس کی قوم کے
كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ
سردار، جنھوں نے کفر کیا، کہنے لگے: یہ تو تم جیسا ہی بشر ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت پائے [4]
عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا
اور اگر اللہ چاہتا تو (آسمان سے) فرشتے ضرور نازل کرتا، [5] ہم نے اپنے پہلے باپ دادا میں یہ
الْأَوَّلِينَ (24) إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا
(توحید) نہیں سنی (24) [6] یہ ایک آدمی ہی تو ہے جسے جنون لاحق ہے، لہٰذا تم ایک وقت تک اس کی
بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ (25) قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ (26)
بابت انتظار کرو (25) [7] نوح نے کہا: اے میرے رب! میری مدد کر کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا (26) [8]
فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ
چنانچہ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا، پھر
أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ
جب ہمارا حکم آ جائے [9] اور تنور ابل پڑے [10] تو اس میں ہر قسم کے جوڑے سے دو (نر اور مادہ) [11] اور اپنے اہل و

سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح ہم اتنی نیچی کر دیں کہ تمھارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔ [1] یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہوتے ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔ [2] اس سے زیتون کا درخت مراد ہے جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن کو صِبْغٌ (رنگ) کہا ہے کیونکہ روٹی، سالن میں ڈوب کر، گویا رنگی جاتی ہے۔ طور سینا (پہاڑ) اور اس کا قرب و جوار خاص طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔ [3] یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لائق نہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔ [4] یعنی یہ تو تمھارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔ [5] یعنی اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے تو وہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، وہ ہمیں آ کر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔ [6] یعنی اس کی دعوت توحید، ایک نرالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔ [7] یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو، بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا ممکن ہے اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔ [8] ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ و دعوت کے بعد بالآخر رب سے دعا کی: فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (القمر 10:54) ''نوح نے رب سے دعا کی، میں مغلوب اور کمزور ہوں میری مدد کر۔'' اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔ [9] یعنی ان کی ہلاکت کا حکم آ جائے۔ [10] التَّنُّورُ پر حاشیہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے ہاں کا معروف تنور نہیں، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے بلکہ روئے زمین مراد ہے کہ ساری زمین ہی چشمے میں تبدیل ہو گئی۔ نیچے زمین سے پانی چشموں کی طرح ابل پڑا۔ نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب پانی زمین سے ابل پڑے..... الخ [11] یعنی حیوانات، نباتات اور ثمرات ہر ایک میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ) کشتی میں رکھ لے تا کہ سب کی نسل باقی رہے۔

Marfat.com

اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ

عیال داخل (سوار) کرلے، سوائے اس کے جس کے متعلق ان میں سے (ہمارا) قول پہلے ہی آچکا[1] اور تو

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿27﴾ فَاِذَا

مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا، بلاشبہ وہ غرق کیے جائیں گے ﴿27﴾ [2] پھر جب تو

اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور تیرے ساتھی اطمینان سے کشتی پر سوار ہوچکیں تو کہہ: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے

الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿28﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

ہمیں ظالم قوم سے نجات دی ﴿28﴾ اور کہہ: اے میرے رب! [3] تو مجھے بابرکت اتارنا، اور تو سب

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿29﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا

سے بہتر اتارنے والا ہے ﴿29﴾ [4] بے شک اس (واقعے) میں بھی نشانیاں ہیں[5] اور بلاشبہ ہم ہی

لَمُبْتَلِيْنَ ﴿30﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿31﴾

آزمانے والے ہیں ﴿30﴾ [6] پھر ہم نے ان کے بعد ایک دوسری امت پیدا کی ﴿31﴾ [7]

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

چنانچہ ہم نے ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا[8] کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے

ع 2 10 2 مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿32﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ

لیے کوئی معبود نہیں[9] پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿32﴾ اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا،[10] جنھوں نے کفر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

کیا اور (ہماری) آخرت کی ملاقات جھٹلائی، اور ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں خوشحالی دی تھی[11]

الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

کہ یہ تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے، وہ اس میں سے کھاتا ہے جس میں سے تم کھاتے ہو، اور وہ

وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿33﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ

اس میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو ﴿33﴾ [12] اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم اس

[1] یعنی جن کی ہلاکت کا فیصلہ ان کے کفر وطغیان کی وجہ سے ہو چکا ہے، جیسے زوجۂ نوح اور ان کا پسر۔ [2] یعنی جب عذاب کا آغاز ہو جائے تو ان ظالموں میں سے کسی پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تو کسی کی سفارش کرنی شروع کر دے کیونکہ ان کے غرق کرنے کا قطعی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ [3] کشتی میں بیٹھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا کہ اس نے ظالموں کو بالآخر غرق کر کے، ان سے نجات عطا فرمائی اور کشتی کے خیر وعافیت کے ساتھ کنارے پر لگنے کی دعا کرنا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○

[4] اس کے ساتھ وہ دعا بھی پڑھ لی جائے جو نبی ﷺ سواری پر بیٹھتے وقت پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ» سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ○ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○ (الزخرف 14,13:43) [5] یعنی اس سرگزشت نوح علیہ السلام میں کہ اہل ایمان کو نجات اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا، نشانیاں ہیں اس امر پر کہ انبیاء جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آتے ہیں، ان میں وہ سچے ہیں، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور کشمکش حق و باطل میں ہر بات سے آگاہ ہے اور وقت آنے پر اس کا نوٹس لیتا ہے اور اہل باطل کی پھر اس طرح گرفت کرتا ہے کہ اس کے شکنجے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔ [6] اور ہم انبیاء ورسل کے ذریعے سے یہ آزمائش کرتے رہے ہیں۔ [7] اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد جس قوم کو اللہ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول بھیجا، وہ قوم عاد ہے کیونکہ اکثر مقامات پر قوم نوح کے جانشین کے طور پر عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قوم ثمود ہے کیونکہ آگے چل کر ان کی ہلاکت کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ صَيْحَة (زبردست چیخ) نے ان کو پکڑ لیا اور یہ عذاب قوم ثمود پر آیا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین ہیں کہ ان کی ہلاکت بھی چیخ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ [8] یہ رسول بھی ہم نے انھی میں سے بھیجا جس کی نشو ونما ان کے درمیان ہی ہوئی تھی اور جسے وہ اچھی طرح پہچانتے تھے، اس کے خاندان، مکان اور مولد ہر چیز سے واقف تھے۔ [9] اس نے آکر سب سے پہلے وہی توحید کی دعوت دی جو ہر نبی کی دعوت وتبلیغ کا سرنامہ رہی ہے۔ [10] یہ سرداران قوم ہی ہر دور میں انبیاء ورسل اور اہل حق کی تکذیب میں سرگرم رہے ہیں جس کی وجہ سے قوم کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی کیونکہ یہ نہایت بااثر لوگ ہوتے تھے، قوم انھی کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔ [11] یعنی عقیدۂ آخرت پر عدم ایمان اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی، یہ دو بنیادی سبب تھے، اپنے رسول پر ایمان نہ لانے کے۔ آج بھی اہل باطل انھی اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔ [12] چنانچہ انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسے آج بھی بہت سے مدعیان اسلام کے لیے رسول کی بشریت کا تسلیم کرنا نہایت گراں ہے۔

Marfat.com

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿34﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا
وقت خسارہ پانے والے ہوگے ﴿34﴾ [1] کیا وہ تمھیں وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مرگئے اور مٹی اور
وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿35﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿36﴾
ہڈیاں ہوگئے تو بلاشبہ تم (زندہ) نکالے جاؤ گے ﴿35﴾ دور ہے، دور ہے وہ جو تم وعدہ دیے جاتے ہو! ﴿36﴾ [2]
اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ
یہ ہماری دنیاوی زندگی ہی تو (سب کچھ) ہے (جس میں) ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں، اور ہم (دوبارہ)
بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿37﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
اٹھائے جانے والے نہیں ﴿37﴾ وہ ایک شخص ہی تو ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے،[3] اور ہم اس پر
كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿38﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
ایمان لانے والے نہیں ﴿38﴾ اس (رسول) نے کہا: اے میرے رب! تو میری مدد فرما اس لیے کہ
بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿39﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ
انھوں نے میری تکذیب کی ﴿39﴾ [4] اللہ نے فرمایا: بلاشبہ تھوڑے دنوں میں وہ (اپنے کیے پر)
نٰدِمِيْنَ ﴿40﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا
ضرور نادم ہوں گے ﴿40﴾ [5] پھر انھیں واقعی چنگھاڑ نے آپکڑا،[6] پھر ہم نے انھیں خس وخاشاک کر دیا،[7]
لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿42﴾
چنانچہ دوری ظالم لوگوں کے لیے ہے ﴿41﴾ پھر ہم نے ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں ﴿42﴾ [8]
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿43﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
کوئی بھی امت اپنے مقررہ وقت سے آگے نہیں نکل سکتی اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے ﴿43﴾ [9] پھر ہم لگاتار[10]
رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّ مَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ
اپنے رسول بھیجتے رہے، جب بھی کسی امت کے پاس ان کا رسول آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی، پھر
فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا
ہم ایک کے پیچھے[11] دوسری قوم کو (ہلاک) کرتے رہے، اور ہم نے انھیں افسانے[12] بنا دیا، چنانچہ ان لوگوں
لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿44﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ
کے لیے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿44﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں

[1] وہ خسارہ یہی ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر تم اس کی فضیلت و برتری کو تسلیم کرلو گے جبکہ ایک بشر دوسرے بشر سے افضل کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مغالطہ ہے جو منکرین بشریت رسول کے دماغوں میں رہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو رسالت کے لیے چن لیتا ہے تو وہ اس وحی رسالت کی وجہ سے دوسرے تمام غیر نبی انسانوں سے شرف وفضل میں بہت بالا اور نہایت ارفع ہو جاتا ہے۔ [2] هَيْهَاتَ جس کے معنی دور کے ہیں، دو مرتبہ تاکید کے لیے ہے۔ [3] یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ، یہ ایک افترا ہے جو یہ شخص اللہ پر باندھ رہا ہے۔ [4] بالآخر، حضرت نوح علیہ السلام کی طرح، اس پیغمبر نے بھی بارگاہ الٰہی میں مدد کے لیے دست دعا دراز کر دیے۔ [5] عَمَّا میں ما زائد ہے جو جار مجرور کے درمیان قلت زمان کی تاکید کے لیے آیا ہے، جیسے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران 159:3) میں ما زائد ہے، یعنی بہت جلد عذاب آنے والا ہے جس پر یہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس وقت، یہ پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ [6] کہتے ہیں کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی، بعض کہتے ہیں کہ ویسے ہی تند چیخ تھی جس کے ساتھ بادصرصر بھی تھی۔ دونوں نے مل کر ان کو چشم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ [7] غُثَآءً اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے جس میں درختوں کے کھوکھلے، خشک تنے، تنکے، کانے اور اسی طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب پانی کا زور ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی خشک ہو کر بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان مکذبین اور متکبرین کا ہوا۔ [8] اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں کیونکہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنی اسرائیل مراد ہیں۔ قُرُوْنًا قَرْنٌ کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔ [9] یعنی یہ سب امتیں بھی قوم نوح اور عاد کی طرح، جب ان کی ہلاکت کا وقت موعود آ گیا، تباہ و برباد ہو گئیں۔ ایک لمحہ آگے پیچھے نہ ہوئیں، جیسے فرمایا: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (الأعراف 34:7) [10] تَتْرَا کے معنی ہیں: یکے بعد دیگرے، متواتر، لگاتار۔ [11] ہلاکت و بربادی میں، یعنی جس طرح یکے بعد دیگرے رسول آئے، اسی طرح تکذیب رسالت پر یہ قومیں یکے بعد دیگرے عذاب سے دوچار ہو کر ہست سے نیست ہوتی رہیں۔ [12] جس طرح اَعَاجِیب، اُعْجُوبَۃ کی جمع ہے (تعجب انگیز چیز یا بات) اسی طرح اَحَادِیث، اُحْدُوثَۃ کی جمع ہے بمعنی زبان زد خلائق واقعات وقصص۔ (ایسے واقعات اور کہانیاں جو عوام میں مشہور ہیں)

Marfat.com

هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (45) اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

اور کھلی دلیل[1] کے ساتھ بھیجا (45) فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، پھر انھوں نے تکبر کیا اور

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ (46) فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ

وہ سرکش لوگ تھے (46) [2]چنانچہ وہ کہنے لگے: کیا ہم اپنی ہی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں، جبکہ

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (47) فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ

ان دونوں کی قوم ہماری غلام (ماتحت)[3] ہے (47) پھر انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، تو وہ ہلاک شدگان

الْمُهْلَكِيْنَ (48) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (49)

میں سے ہو گئے (48) اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، تاکہ وہ (لوگ) ہدایت پائیں (49) [4]اور ہم

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ

نے (عیسیٰ) ابن مریم اور اس کی ماں کو عظیم نشانی[5] بنایا اور ایک سکون اور جاری چشمے[6] والی بلند جگہ

قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (50) يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا

پر ان دونوں کو ٹھکانا دیا (50) (فرمایا:) اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو،[7]

صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (51) وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ

بے شک تم جو عمل کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں (51) اور بلاشبہ یہ تمھارا دین ایک ہی دین

ع 3 18 3

[1] آیات سے مراد وہ نو آیات ہیں جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے جن کی وضاحت گزر چکی ہے اور سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد حجت واضحہ اور دلیل و برہان ہے جس کا کوئی جواب فرعون اور اس کے درباریوں سے نہ بن پڑا۔ [2] استکبار اور اپنے کو بڑا سمجھنا، اس کی بنیادی وجہ بھی وہی عقیدۂ آخرت سے انکار اور اسباب دنیا کی فراوانی ہی تھی، جس کا ذکر پچھلی قوموں کے واقعات میں گزرا۔ [3] یہاں بھی انھوں نے انکار کے لیے بطور دلیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ''بشریت'' ہی پیش کی اور اسی بشریت کی تاکید کے لیے انھوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہماری غلام ہے۔ [4] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد دی گئی۔ اور نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب عام سے ہلاک نہیں کیا بلکہ مومنوں کو یہ حکم دیا جاتا رہا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔ [5] کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی جو رب کی قدرت کی ایک نشانی ہے، جس طرح آدم کو بغیر ماں اور باپ کے اور حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ [6] رَبْوَةٍ ''بلند جگہ'' سے بیت المقدس اور مَعِيْنٍ ''چشمۂ جاری'' سے وہ چشمہ مراد ہے جو ایک قول کے مطابق ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت اللہ نے بطور خرق عادت حضرت مریم علیہا السلام کے پیروں کے نیچے سے جاری فرمایا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں گزرا۔ [7] الطَّيِّبٰتِ سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے۔ دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں کیونکہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے۔ خبائث کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اثرات و نتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ گو خبائث خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادت کی وجہ سے ان میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہو۔ عمل صالح وہ ہے جو شریعت، یعنی قرآن و حدیث کے موافق ہو نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں کیونکہ لوگوں کو تو بدعات بھی بہت اچھی لگتی ہیں بلکہ اہل بدعت کے ہاں جتنا اہتمام بدعات کا ہے، اتنا فرائض اسلام اور سنن و مستحبات کا بھی نہیں ہے۔ اکل حلال کے ساتھ عمل صالح کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اکل حلال سے عمل صالح آسان ہو جاتا ہے اور عمل صالح انسان کو اکل حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں باتوں کا حکم دیا، چنانچہ تمام پیغمبر محنت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے، جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: «كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ» (صحيح البخاري، حديث: 2072) ''وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قراریط کے عوض چراتا رہا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2262) آج کل بلیک میلروں، سمگلروں، رشوت و سود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے محنت کر کے حلال روزی کمانے والوں کو حقیر اور پست طبقہ بنا کر رکھ دیا ہے، درآں حالیکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں حرام خوروں کے لیے عزت و شرف کا کوئی مقام نہیں، چاہے وہ قارون کے خزانوں کے مالک ہوں، احترام و تکریم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال کی روزی کھاتے ہیں، چاہے روکھی سوکھی ہی ہو، اس لیے نبی ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حرام کمائی والے کا صدقہ قبول فرماتا ہے نہ اس کی دعا ہی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1015) ہمیں بھی عزت اور ذلت کے ان معیاروں کو اپنانا چاہیے جو اللہ کے ہاں ہیں۔

Marfat.com

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿52﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

ہے[1] اور میں تمھارا رب ہوں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو﴿52﴾ پھر انھوں نے اپنا معاملہ آپس میں ٹکڑے

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿53﴾ فَذَرْهُمْ

ٹکڑے کر ڈالا، ہر فرقے کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر شاداں و فرحاں ہے﴿53﴾ چنانچہ (اے نبی!)

فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿54﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ

آپ انھیں ان کی غفلت میں ایک (مقرر) وقت تک چھوڑ دیں﴿54﴾ [2] کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم

بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿55﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ

جو بھی ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کیے جا رہے ہیں﴿55﴾ (تو) کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی

بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ

کر رہے ہیں (نہیں نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے﴿56﴾ بے شک جو لوگ اپنے رب

رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿58﴾

کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں﴿57﴾ اور جو لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں﴿58﴾ اور جو

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾ وَالَّذِيْنَ

لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے﴿59﴾ اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو

يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ

کچھ بھی دیتے ہیں، تو اس طرح کہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف

رٰجِعُوْنَ ﴿60﴾ اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا

لوٹنے والے ہیں﴿60﴾ [3] یہی لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ ان میں باہم سبقت کرنے والے

سٰبِقُوْنَ ﴿61﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا

ہیں﴿61﴾ اور ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے[4] اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب

كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿62﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ

(نامۂ اعمال) ہے جو (ہر شخص کا حال) ٹھیک ٹھیک بولے گی، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا﴿62﴾ بلکہ ان

فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

(کفار) کے دل اس (قرآن) سے جہالت و غفلت میں ہیں، اور اس کے علاوہ بھی ان کے کئی (برے)

هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿63﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ

اعمال ہیں[5] جنھیں وہ کرنے والے ہیں﴿63﴾ حتی کہ جب ہم ان کے خوشحال (عیاش) لوگوں کو عذاب میں

بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔــرُوْنَ ﴿64﴾ لَا تَجْــَٔــرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا

پکڑیں گے[6] تو اس وقت وہ چیخ پکار کریں گے﴿64﴾ (کہا جائے گا:) آج مت چیخو، یقیناً تم ہماری طرف

[1] اُمَّةً سے مراد دین ہے اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے عقیدہ و عمل پر خوش ہے۔ چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔ [2] غَمْرٌ: ماءِ کثیر (زیادہ پانی) کو کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ گمراہی کی تاریکیاں بھی اتنی گھمبیر ہوتی ہیں کہ اس میں گھرے ہوئے انسان کی نظروں سے حق اوجھل ہی رہتا ہے۔ غَمْرَة سے مراد یہاں حیرت، غفلت اور ضلالت ہے۔ آیت میں بطور تہدید ان کو چھوڑنے کا حکم ہے، مقصود وعظ و نصیحت سے روکنا نہیں ہے۔ [3] یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ نامقبول قرار نہ پا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بدکاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ نامقبول نہ ٹھہریں۔“ (جامع الترمذي، حديث: 3175، ومسند أحمد: 205/6) [4] یہی مضمون سورۂ بقرہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ [5] یعنی شرک کے علاوہ دیگر کبائر یا وہ اعمال مراد ہیں جو مومنوں کے اعمال (خشیت الٰہی، ایمان بالتوحید وغیرہ) کے برعکس ہیں، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ [6] مُتْرَفِيْنَ سے مراد متکبر آسودہ حال (مُتَنَعِّمِيْنَ) ہیں۔ عذاب تو آسودہ اور غیر آسودہ حال دونوں کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن آسودہ حال لوگوں کا نام خصوصی طور پر شاید اس لیے لیا گیا ہے کہ قوم کی قیادت بالعموم انھی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ جس طرف چاہیں، قوم کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کریں اور اس پر ڈٹے رہیں تو انھی کی دیکھا دیکھی قوم بھی ٹس سے مس نہیں ہوتی اور توبہ و ندامت کی طرف نہیں آتی۔ یہاں مُتْرَفِيْنَ سے مراد وہ کفار ہیں جنھیں مال و دولت کی فراوانی اور اولاد و احفاد سے نواز کر مہلت دی گئی۔ جس طرح کہ چند آیات قبل ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا مراد چودھری اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔ اور عذاب سے مراد اگر دنیوی ہے تو جنگ بدر میں جو کفار مکہ مارے گئے

Marfat.com

لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿65﴾ قَدۡ كَانَتۡ اٰيٰتِيۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ
سے مدد نہیں کیے جاؤ گے ﴿65﴾ [1] تحقیق میری آیات تم پر تلاوت کی جاتی تھیں [2] تو تم اپنی ایڑیوں کے
عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ تَنۡكِصُوۡنَ ﴿66﴾ مُسۡتَكۡبِرِيۡنَ بِهٖ سٰمِرًا
بل پھر جاتے تھے ﴿66﴾ [3] تکبر کرتے ہوئے، (اور) اس کے بارے میں افسانہ خوانی کرتے ہوئے [4]
تَهۡجُرُوۡنَ ﴿67﴾ اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ
تم بیہودہ گوئی کرتے تھے ﴿67﴾ [5] کیا پھر انھوں نے قرآن میں تدبر نہیں کیا؟ [6] یا پھر ان کے پاس وہ
يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿68﴾ اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ
چیز آگئی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ ﴿68﴾ [7] یا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں
فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿69﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ
پہچانا، لہٰذا وہ اس کے منکر ہیں؟ ﴿69﴾ [8] یا وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟ [9] (نہیں نہیں) بلکہ وہ ان کے
بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿70﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ
پاس حق لایا ہے، اور ان کے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں ﴿70﴾ [10] اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی
لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ
کرے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں، سب تباہ و برباد ہو جائیں [11] بلکہ ہم ان کے پاس ان کے لیے
بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿71﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ
نصیحت لائے ہیں اور وہ اپنی ہی نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں ﴿71﴾ کیا آپ ان سے اجرت کا سوال
خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيۡرٌ ۖ وَّهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿72﴾
کرتے ہیں، چنانچہ آپ کے رب کی اجرت زیادہ بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے ﴿72﴾

بلکہ نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں بھوک اور قحط سالی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا، وہ مراد ہے یا پھر مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مگر یہ سیاق سے بعید ہے۔

[1] یعنی دنیا میں عذاب الٰہی سے دوچار ہو جانے کے بعد کوئی چیخ پکار اور جزع فزع انھیں اللہ کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتی۔ اسی طرح عذاب آخرت سے بھی انھیں چھڑانے والا یا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ [2] یعنی قرآن مجید یا احکام الٰہی جن میں پیغمبر کے فرمودات بھی شامل ہیں۔ [3] نُکُوص کے معنی ہیں: رَجْعَتِ قَہْقَرٰی ''الٹے پاؤں لوٹنا'' لیکن بطور استعارہ اعراض اور روگردانی کے معنی و مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، یعنی آیات و احکام الٰہی سن کر تم منہ پھیر لیتے تھے اور ان سے بھاگتے تھے۔ [4] بِهٖ کا مرجع جمہور مفسرین نے اَلْبَیْتُ الْعَتِیْقُ ''خانہ کعبہ'' یا حرم لیا ہے، یعنی انھیں اپنی تولیت خانہ کعبہ اور اس کا خادم و نگران ہونے کا جو غرہ تھا، اس کی بنا پر آیات الٰہی کا انکار کیا اور بعض نے اس کا مرجع قرآن کو بنایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل میں کبر و نخوت پیدا ہو جاتی جو انھیں قرآن پر ایمان لانے سے روک دیتی۔ [5] سَمَرٌ کے اصل معنی ہیں: چاندنی، عام طور پر چاند راتوں میں کعبے کے اردگرد بیٹھ کر کفار مکہ باتیں کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ راتوں کی گفتگو کے لیے استعمال ہونے لگ گیا۔ یہاں اس کے معنی خاص طور پر ان باتوں کے ہیں جو قرآن کریم اور نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں وہ کرتے تھے اور اس کی بنا پر وہ حق کی بات سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے، یعنی چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے ہجر کے معنی ہذیان گوئی اور بعض نے فحش گوئی کے کیے ہیں، یعنی راتوں کی گفتگو میں تم قرآن کی شان میں ہذیان بکتے ہو یا بے ہودہ اور فحش باتیں کرتے ہو جن میں کوئی بھلائی نہیں۔ (فتح القدیر، أیسر التفاسیر) [6] بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس میں غور کر لیتے تو انھیں اس پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی۔ [7] یہ اَمْ منْقَطعہ ہے جو اِضراب و انتقال کے لیے آتا ہے، یعنی بَل کے معنی میں ہے، یعنی ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباء و اجداد زمانہ جاہلیت میں محروم رہے۔ جس پر انھیں اللہ کا شکر ادا کرنا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔ [8] یہ بطور توبیخ کے ہے کیونکہ وہ پیغمبر کے نسب، خاندان اور اسی طرح اس کی صداقت و امانت، راست بازی اور اخلاق و کردار کی بلندی کو جانتے تھے اور اس کا اعتراف کرتے تھے۔ [9] یہ بھی زجر و توبیخ کے طور پر ہی ہے، یعنی اس پیغمبر نے ایسا قرآن پیش کیا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، اسی طرح اس کی تعلیمات نوع انسانی کے لیے رحمت اور امن و سکون کا باعث ہیں۔ کیا ایسا قرآن اور ایسی تعلیمات ایسا شخص بھی پیش کر سکتا ہے جو دیوانہ اور مجنون ہو؟ [10] یعنی ان کے اعراض اور استکبار کی اصل وجہ حق سے ان کی کراہت (ناپسندیدگی) ہے جو عرصۂ دراز سے باطل کو اختیار کیے رکھنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہوگئی ہے۔ [11] حق سے مراد دین اور شریعت ہے، یعنی اگر دین ان کی خواہشات کے مطابق اترے تو ظاہر بات ہے کہ زمین و آسمان کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے، مثلاً: وہ چاہتے ہیں کہ ایک معبود کی بجائے متعدد معبود ہوں، اگر فی الواقع ایسا ہو تو کیا نظام کائنات ٹھیک رہ سکتا ہے؟ وَعَلٰی ہٰذَا الْقِیَاسِ دیگران کی خواہشات ہیں۔

Marfat.com

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿73﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اور بلاشبہ آپ انھیں صراطِ مستقیم (اسلام) کی طرف بلاتے ہیں⑬اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿74﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
ایمان نہیں لاتے وہ یقیناً صراطِ مستقیم سے ہٹ رہے ہیں⑭[1] اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور انھیں
وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿75﴾
لاحق تکلیفیں دور کر دیں تو پھر بھی وہ برابر اپنی سرکشی پر بھٹکتے ہوئے اڑے رہیں⑮[2] اور بلاشبہ ہم
وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا
نے انھیں عذاب میں پکڑا تھا، پھر نہ انھوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی اور نہ وہ
يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿76﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ
گڑگڑائے⑯[3] حتی کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا
شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿77﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ
تو وہ اس میں ناامید ہوگئے⑰[4] اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمھارے لیے
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾ وَهُوَ
کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے، تم قلیل ہی شکر کرتے ہو⑱[5] اور وہی ہے
الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿79﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا، اور اسی کی طرف تمھیں اکٹھا کیا جائے گا⑲[6] اور وہی ہے جو زندہ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿80﴾
کرتا اور مارتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف[7] اسی کا (پیدا کیا ہوا) ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟⑳[8] بلکہ
بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿81﴾ قَالُوْۤا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
انھوں نے وہی کچھ کہا جو (ان سے) پہلوں نے کہا تھا㉑انھوں نے کہا: کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور
تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿82﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
ہڈیاں ہوگئے، تو کیا ہمیں (دوبارہ) زندہ کرکے اٹھایا جائے گا؟㉒بلاشبہ اسی بات کا ہم سے اور ہم سے
هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿83﴾ قُلْ لِّمَنِ
پہلے ہمارے آباؤ اجداد سے وعدہ ہوتا آیا ہے، یہ تو محض پہلے لوگوں کے افسانے ہیں㉓[9] (اے نبی!)
الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿84﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
آپ (ان سے) پوچھیں: اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) کس کی ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے؟㉔وہ
لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿85﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ
ضرور کہیں گے: اللہ ہی کی ہے، کہہ دیجیے: کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟㉕ آپ پوچھیں: ساتوں

[1] یعنی صراطِ مستقیم سے ان کے انحراف کی وجہ آخرت پر عدم ایمان ہے۔ [2] اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں جو بغض وعناد تھا اور کفر و شرک کی دلدل میں جس طرح وہ پھنسے ہوئے تھے، اس میں ان کا بیان ہے۔ [3] عذاب سے مراد یہاں وہ شکست ہے جو جنگ بدر میں کفار مکہ کو ہوئی جس میں ان کے ستر آدمی بھی مارے گئے تھے یا وہ قحط سالی کا عذاب ہے جو نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں ان پر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ (صحيح البخاري، حديث: 4824، وصحيح مسلم، حديث: 675) ''اے اللہ! جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں سات سال قحط رہا، اسی طرح قحط سالی میں انھیں مبتلا کرکے ان کے مقابلے میں میری مدد فرما۔'' چنانچہ کفار مکہ اس قحط سالی میں مبتلا کیے گئے جس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ اب تو ہم جانوروں کی کھالیں اور خون تک کھانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر) [4] اس سے دنیا کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی، جہاں وہ تمام راحت اور خیر سے مایوس اور محروم ہوں گے اور تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔ [5] یعنی عقل و فہم اور سننے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعے سے وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں۔ یہی ان نعمتوں کا شکر ہے مگر یہ شکر کرنے والے، یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہیں۔ [6] اس میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے تمھیں پیدا کرکے مختلف اطراف میں پھیلا دیا ہے، تمھارے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، زبانیں بھی مختلف اور عادات و رسومات بھی مختلف، پھر ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو زندہ کرکے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔ [7] یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا، پھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا۔ [8] جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ اس ایک اللہ کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔ [9] اَسَاطِيْرُ اُسْطُوْرَةٌ کی جمع ہے، یعنی مَسْطَرَةٌ مَكْتُوْبَةٌ لکھی ہوئی حکایتیں، کہانیاں، یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ کب سے ہوتا چلا آرہا ہے، ہمارے آباء و اجداد سے! لیکن ابھی تک رُو بہ

Marfat.com

السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿86﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ
آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ (86) وہ ضرور کہیں گے: (یہ) اللہ ہی کے ہیں، کہہ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿87﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ
دیجیے: کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟ (87) [1] آپ (پھر) پوچھیں: کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کی بادشاہی، جبکہ
يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿88﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
وہی پناہ دیتا ہے [2] اور اس کے مقابل کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی، [3] اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ؟) (88) وہ ضرور کہیں
لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿89﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ
گے: (بادشاہی) اللہ ہی کی ہے، کہہ دیجیے: پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے؟ (89) [4] بلکہ ہم ان کے پاس
لَكٰذِبُوْنَ ﴿90﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ
حق لائے ہیں اور بلاشبہ وہ ہی جھوٹے ہیں (90) اللہ نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ
مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا
کوئی (اور) معبود ہے (اگر ہوتا) تو ہر معبود اس چیز کو، جو اس نے پیدا کی، لے جاتا، اور بلاشبہ ان
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿91﴾
میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں (91)
عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿92﴾ قُلْ ع 15 5
وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے، چنانچہ وہ کہیں اعلیٰ ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں (92) کہہ
رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿93﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ
دیجیے: اے میرے رب! اگر تو مجھے دکھائے جو انھیں وعدہ دیا جاتا ہے (93) (تو) اے میرے
فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿94﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا
رب! تو مجھے ظالم لوگوں میں (شامل) نہ کرنا (94) [5] اور بلاشبہ ہم اس بات پر کہ آپ کو وہ دکھائیں جس

عمل تو نہیں ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

[1] یعنی جب تمھیں تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق بھی ایک اللہ ہی ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے تو پھر تمھیں یہ تسلیم کرنے میں تأمل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟ [2] یعنی جس کی وہ حفاظت کرنا چاہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لے، کیا اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ [3] یعنی جس کو وہ نقصان پہنچانا چاہے، کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے کہ وہ اسے نقصان سے بچا لے اور اللہ کے مقابلے میں اپنی پناہ میں لے لے؟ [4] یعنی پھر تمھاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے، انھیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا، یعنی عبادت صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ آسمان و زمین کی تخلیق یا اس کی تدبیر میں کوئی اور بھی شریک ہے بلکہ صرف اور صرف اس مغالطے کی بنا پر کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے تھے، ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی مغالطہ آج کل کے قبر پرست اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لیے پکارتے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور ان کو اللہ کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں، حالانکہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی فوت شدہ بزرگ، ولی یا نبی کو اختیارات دے رکھے ہیں، تم ان کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرو یا انھیں مدد کے لیے پکارو یا ان کے نام کی نذر و نیاز دو۔ اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انھیں حق پہنچا دیا، یعنی یہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اگر اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، نہیں بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے اس شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصے کی مخلوق کا انتظام اپنی مرضی سے کرتا اور ہر ایک شریک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام کائنات میں ایسی کشاکشی نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو مشرکین اس کی بابت باور کراتے ہیں۔ [5] چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ دعا فرماتے تھے: «وَإِذَا أَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ» (جامع الترمذي، حديث: 3235، ومسند أحمد: 243/5) ''اے اللہ! جب تو کسی قوم پر آزمائش یا عذاب بھیجنے کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے۔''

Marfat.com

نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿95﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ
کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں، ضرور قادر ہیں ﴿95﴾ برائی کو اس طریقے سے دفع کیجیے جو احسن
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿96﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ
ہو[1] ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿96﴾ اور آپ کہیں: اے میرے رب! میں
مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿97﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں ﴿97﴾ [2] اور اے میرے رب! میں (اس سے بھی) تیری
يَّحْضُرُوْنِ ﴿98﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ
پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں ﴿98﴾ [3] حتی کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ
ارْجِعُوْنِ ﴿99﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا
کہے گا: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج ﴿99﴾ تاکہ میں اس (دنیا) میں، جسے میں چھوڑ آیا ہوں،
اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى
نیک عمل کروں[4] ہرگز نہیں! [5] بے شک یہ ایک بات ہے جو وہ کہنے والا ہے[6] اور ان کے آگے پردہ
يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿100﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ
ہے اس دن تک جب وہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے ﴿100﴾ [7] پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو

[1] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ''برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو اچھا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارا دشمن بھی تمھارا گہرا دوست بن جائے گا۔'' (حٰمٓ السجدة 34:41) [2] چنانچہ نبی ﷺ شیطان سے اس طرح استعاذہ کرتے: أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه (سنن أبي داود، حديث:775 وجامع الترمذي، حديث: 242) [3] اسی لیے نبی ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرو، یعنی بسم اللہ پڑھ کر کیونکہ اللہ کی یاد شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی لیے آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے: اللهم إني أعوذ بك من الهدم وأعوذ بك من التردي ومن الغرق والحرق والهرم وأعوذ بك أن يتخبطني الشيطان عند الموت (سنن أبي داود، حديث:1552) ''اے اللہ! میں از حد بوڑھا ہو جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس سے کہ کوئی مکان یا دیوار مجھ پر آ گرے اور غرق ہو جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے موت کے وقت بدحواس کر دے۔'' رات کو گھبراہٹ میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے: بسم الله أعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه ومن شر عباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون (مسند أحمد:181/2، وسنن أبي داود، حديث:3893، وجامع الترمذي، حديث:3528) ''اللہ کے نام کے ساتھ، میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعے سے پناہ مانگتا ہوں، اس کی ناراضی اور اس کی سزا اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسہ ڈالنے (گناہوں پر ابھارنے اور اکسانے) سے اور اس بات سے کہ وہ (شیطان) میرے پاس آئیں۔'' [4] یہ آرزو ہر کافر موت کے وقت، دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت، بارگاہ الٰہی میں قیام کے وقت اور جہنم میں دھکیل دیے جانے کے وقت کرتا ہے اور کرے گا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ انعام 28,27:6، سورۂ اعراف 53:7، سورۂ ابراہیم 44:14، سورۂ سجدہ 12:32، سورۂ فاطر 37:35، سورۂ مؤمن 12,11:40، سورۂ شوریٰ 24:42، سورۂ منافقون 11,10:63 وغيرها من الآيات) [5] کَلَّا ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے، یعنی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ [6] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جانکنی) کے وقت کہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ بھی دنیا میں بھیج دیے جائیں تو ان کا یہ قول، قول ہی رہے گا، عمل صالح کی توفیق انھیں پھر بھی نصیب نہیں ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الأنعام 28:6) ''اگر انھیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انھیں منع کیا گیا تھا۔'' حضرت قتادہ فرماتے ہیں: کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا بلکہ عمل صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا، اس لیے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ عمل صالح کر لیے جائیں تاکہ کل قیامت کو یہ آرزو کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (ابن کثیر) [7] دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہوگا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی، جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلا ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے، برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہوگا۔ بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہوگا یا راکھ بنا کر

Marfat.com

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿101﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ
اس دن نہ ان میں رشتے داریاں رہیں گی اور نہ وہ باہم سوال کریں گے﴿101﴾[1] پھر جس کے پلڑے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
بھاری ہو گئے تو وہی فلاح پانے والے ہیں﴿102﴾ اور جس کے پلڑے ہلکے ہو گئے تو وہی ہیں
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿103﴾ تَلْفَحُ
جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے﴿103﴾ آگ ان کے چہرے
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿104﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
جھلس دے گی[2] اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے﴿104﴾[3] (کہا جائے گا:) کیا تم پر میری آیات
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿105﴾ قَالُوْا رَبَّنَا
تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، پھر تم ان کو جھٹلا دیا کرتے تھے؟﴿105﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب!
غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿106﴾ رَبَّنَآ
ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی[4] اور (واقعی) ہم لوگ گمراہ تھے﴿106﴾ اے ہمارے رب!
اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿107﴾ قَالَ
ہمیں یہاں سے نکال، پھر اگر ہم لوٹیں (دوبارہ وہی کریں) تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے﴿107﴾ اللہ فرمائے
اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿108﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ
گا: اسی (جہنم) میں ذلیل و خوار (پڑے رہو) اور مجھ سے کلام نہ کرو﴿108﴾ بے شک میرے بندوں
مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
میں ایک گروہ تھا جو کہتے تھے: اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، لہٰذا تو ہماری مغفرت فرما
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿109﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا
اور ہم پر رحم کر، اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے﴿109﴾ پھر تم نے انھیں ہنسی مذاق بنا لیا تھا،
حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿110﴾ اِنِّيْ
حتیٰ کہ انھوں نے تمھیں میری یاد بھلا دی تھی، اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے﴿110﴾ بلاشبہ
جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿111﴾ قٰلَ
میں نے آج انھیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ بے شک وہی کامیاب ہیں﴿111﴾[5] اللہ
كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا
فرمائے گا: زمین میں تم کتنے سال رہے؟﴿112﴾ وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿113﴾ قٰلَ اِنْ
بھی کچھ حصہ رہے، گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیجیے﴿113﴾[6] اللہ فرمائے گا: واقعی تم (وہاں) تھوڑا سا

ہوا یا دریاؤں میں بہا دیا گیا ہوگا۔ یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدان حشر میں جمع فرمائے گا۔

[1] محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے ابتداءً ایسا ہوگا۔ بعد میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی کریں گے۔ [2] چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم اور اشرف حصہ ہے، ورنہ جہنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی محیط ہوگی۔ [3] اَلْکَالِحُ کے معنی ہوتے ہیں: ہونٹ سکڑ کر دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں، جب یہ جہنم کی آگ سے سمٹ اور سکڑ جائیں گے تو دانت ظاہر ہو جائیں گے جس سے انسان کی صورت بدشکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔ [4] لذات اور شہوات کو، جو انسان پر غالب رہتی ہیں، یہاں بدبختی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کا نتیجہ دائمی بدبختی ہے۔ [5] دنیا میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جب دین و ایمان کے مقتضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناآشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انھیں استہزا و ملامت کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان ملامتوں سے ڈر کر بہت سے احکام الٰہیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں، جیسے داڑھی ہے، پردے کا مسئلہ ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب ہے وغیرہ وغیرہ۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کسی بھی ملامت کی پروا نہیں کرتے اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے کسی بھی موقع پر انحراف نہیں کرتے۔ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور انھیں کامیابی سے سرفراز کرے گا جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ [6] اس سے مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال اور عمریں لکھنے پر مامور ہیں یا وہ انسان مراد ہیں جو حساب کتاب میں مہارت رکھتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیاں، ان کے ذہنوں سے دنیا کی عیش و عشرت کو محو کر دیں گی اور دنیا کی زندگی انھیں ایسے لگے گی جیسے دن یا آدھا دن، اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم تو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت دنیا میں رہے۔ بے شک تو فرشتوں سے یا حساب جاننے والوں سے پوچھ لے۔

Marfat.com

لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿114﴾ اَفَحَسِبْتُمْ
وقت ہی رہے، کاش! تم (یہ بات دنیا میں) جانتے ہوتے ⑪④ [1] کیا تم نے سمجھا تھا
اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿115﴾ فَتَعٰلَى
کہ ہم نے تمھیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے ⑪⑤ چنانچہ
اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿116﴾
بلند و بالا اللہ حقیقی بادشاہ ہے[2] اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ معزز و مکرم عرش کا رب ہے ⑪⑥ [3]
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ
اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو یقیناً اس کا
فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿117﴾
حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر فلاح نہیں پائیں گے ⑪⑦ [4] اور آپ کہیں: اے
وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿118﴾ ع 6/26/6
میرے رب! میری مغفرت فرما، اور (مجھ پر) رحم فرما، اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ⑪⑧

اٰيَاتُهَا: 64 سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا: 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ
(یہ) ایک سورت ہے، ہم نے اسے نازل کیا[5] اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا ہے، اور ہم نے اس
لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿1﴾ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ
میں واضح آیات نازل کیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو① چنانچہ زانیہ عورت اور زانی مرد، ان دونوں
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ
میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو[6] اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں یقیناً دنیا کی زندگی بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن اس نکتے کو دنیا میں تم نے نہیں جانا۔ کاش! تم دنیا میں اس حقیقت سے (دنیا کی بے ثباتی سے) آگاہ ہو جاتے تو آج تم بھی اہل ایمان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔ [2] یعنی وہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمھیں بغیر کسی مقصد کے یوں ہی ایک کھیل کے طور پر بے کار پیدا کرے۔ اور تم جو چاہو کرو، تم سے اس کی کوئی باز پرس ہی نہ ہو بلکہ اس نے تمھیں ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ ہے اس کی عبادت کرنا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ [3] عرش کی صفت کریم بیان فرمائی کہ وہاں سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ [4] اس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت میں عذاب الٰہی سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی دولت اور آسائشوں کی فراوانی، کامیابی نہیں، یہ تو دنیا میں کافروں کو بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فلاح کی نفی فرما رہا ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اصل فلاح آخرت کی فلاح ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آئے گی نہ کہ دنیوی مال و اسباب کی کثرت جو کہ بلا تفریق مومن و کافر سب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ ﴿﴾ سورۂ نور، احزاب اور نساء یہ تینوں سورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کے خصوصی مسائل اور معاشرتی زندگی کی بابت اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ [5] قرآن کریم کی ساری ہی سورتیں اللہ کی نازل کردہ ہیں لیکن اس سورت کی بابت جو یہ کہا تو اس سے اس سورت میں بیان کردہ احکام کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ [6] بدکاری کی ابتدائی سزا جو اسلام میں عبوری طور پر بتلائی گئی تھی، وہ سورۂ نساء، آیت: 15 میں گزر چکی ہے، اس میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے، ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو! پھر جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق بدکار مرد و عورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ ہے کنوارے (غیر شادی شدہ) مرد اور عورت کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سو سو کوڑے اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔ (صحيح مسلم، حديث: 1690، وسنن أبي داود، حديث: 4415، وجامع الترمذي، حديث: 1434، وسنن ابن ماجه، حديث: 2550) پھر آپ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزائے رجم دی اور سو کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا صرف رجم (سنگساری) ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے فقہاء و علماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج تک قائل ہیں۔ صرف خوارج نے اس سزا کا انکار کیا اور خوارج کے بعد اب فراہی فرقے کی ذیلی شاخ اصلاحی و غامدی فرقے کے ''امام ثانی و ثالث'' نے اس سزا کا انکار کیا ہے۔ اور منکرین حدیث بھی اس کے منکر ہیں۔ اس انکار کی اصل بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے کیونکہ رجم کی سزا صحیح اور نہایت قوی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے روایت کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ علماء نے اسے متواتر روایات میں شمار کیا ہے اس لیے ایک

Marfat.com

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ

دین (پر عمل کرنے) کے معاملے میں تمھیں ان دونوں (زانی اور زانیہ) پر قطعاً ترس نہیں آنا

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿2﴾ اَلزَّانِيْ

چاہیے[1] اور مومنوں میں سے ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت موجود ہونا چاہیے ② [2] زانی مرد

لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا

نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا

زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿3﴾ وَالَّذِيْنَ

مشرک مرد ہی اور مومنوں پر یہ (زناکار سے نکاح) حرام ٹھہرایا گیا ہے ③ [3] اور جو لوگ

يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً

انھیں اسّی کوڑے مارو، اور تم ان کی شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو،

اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿4﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ

اور یہی لوگ نافرمان ہیں ④ [4] مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کی

بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿5﴾

اور اصلاح کرلی،[5] تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے ⑤ اور جو

مسلمان شخص رجم کا انکار نہیں کرسکتا۔

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ترس کھا کر سزا دینے سے گریز مت کرو، ورنہ طبعی طور پر ترس کا آنا، ایمان کے منافی نہیں، یہ منجملہ خواص طبائع انسانی میں سے ہے۔ [2] تاکہ سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہوسکے۔ بدقسمتی سے آج کل برسرعام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف باور کرایا جارہا ہے۔ یہ سراسر جہالت، احکام الٰہی سے بغاوت اور بزعم خویش اللہ سے بھی زیادہ انسانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بننا ہے۔ درآں حالیکہ اللہ سے زیادہ رؤف رحیم کوئی نہیں۔ [3] اس کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ① بعض کہتے ہیں کہ یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام طور پر بدکار قسم کے لوگ نکاح کے لیے اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، چنانچہ زانیوں کی اکثریت زانیوں کے ساتھ ہی نکاح کرنا پسند کرتی ہے اور مقصود اس سے اہل ایمان کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح زنا ایک نہایت قبیح اور بڑا گناہ ہے، اسی طرح زناکاروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا بھی منع اور حرام ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس مفہوم کو راجح قرار دیا ہے اور احادیث میں اس کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک شخص نے بدکار عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی انھیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ ایک شخص نے جس عورت سے یا عورت نے جس مرد سے بدکاری کی ہو۔ ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خالص توبہ کرلیں تو پھر ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) ② بعض کہتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد معروف نکاح نہیں ہے بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے اور مقصد زنا کی شناعت و قباحت بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدکار مرد اپنی جنسی خواہش کی ناجائز طریقے سے تسکین کے لیے بدکار عورت کی طرف اور اسی طرح بدکار عورت بدکار مرد کی طرف رجوع کرتی ہے، مومنوں کے لیے ایسا کرنا، یعنی زناکاری حرام ہے۔ اور مشرک مرد و عورت کا ذکر اس لیے کردیا کہ شرک بھی زنا سے ملتا جلتا گناہ ہے جس طرح مشرک اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے در پر جھکتا ہے اسی طرح ایک زناکار اپنی بیوی کو چھوڑ کر یا بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ کر غیروں سے اپنا منہ کالا کرتی ہے۔ یوں مشرک اور زانی کے درمیان ایک عجیب معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔ [4] اس میں قذف (بہتان تراشی) کی سزا بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے (اسی طرح جو عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت عائد کرے) اور ایسے لوگ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان کے لیے تین حکم بیان کیے گئے ہیں: ① انھیں اسی (80) کوڑے لگائے جائیں ② ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے (3) وہ عنداللہ وعندالناس فاسق ہیں۔ [5] توبہ سے کوڑوں کی سزا تو معاف نہیں ہوگی، وہ تائب ہوجائے یا اصرار کرے، یہ سزا تو بہرحال ملے گی، البتہ دوسری دو باتیں جو ہیں، مردود الشهادة اور فاسق ہونا، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اس استثنا کو فسق تک محدود رکھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہیں رہے گا۔ اور بعض مفسرین دونوں جملوں کو اس میں شامل سمجھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد مقبول الشهادة بھی ہوجائے گا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور اَبَدًا کا مطلب بیان کیا ہے: مَادَامَ قَاذِفًا یعنی جب تک وہ بہتان تراشی پر قائم رہے گا۔ جس طرح کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہیں تو یہاں ''کبھی'' کا

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ
لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی
فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿6﴾
شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے⑥
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿7﴾
اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو⑦[1] اور عورت
وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ
سے سزا کو (یہ شے) ٹالتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں
اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿8﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ
سے ہے⑧ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا
كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿9﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
غضب ہو⑨[2] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی[3] (تو جھوٹوں کو سزا ملتی) اور یہ کہ بلاشبہ
وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿10﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ
اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور خوب حکمت والا ہے⑩ بے شک جو لوگ (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان[4]

مطلب یہی ہوگا کہ جب تک وہ کافر ہے۔

[1] اس میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی لیکن چونکہ زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی عینی گواہی ضروری ہے، اس لیے جب تک چار گواہ نہ ہوں، اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن ایسی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد شریعت نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ یہ شخص عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے یا یہ بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔ [2] یعنی اگر خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے (اور یہ جھوٹی ہے) تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ اسے لعان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایسے بعض واقعات پیش آئے جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وہی واقعات ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔ [3] اس کا جواب محذوف ہے تو تم میں سے جھوٹے پر فوراً اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا لیکن چونکہ وہ تَوَّابٌ ہے اور حکیم بھی، اس لیے ایک تو اس نے ستر پوشی کر دی تا کہ اس کے بعد اگر کوئی سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اسے اپنے دامان رحمت میں ڈھانپ لے گا اور حکیم بھی ہے کہ اس نے لعان جیسا مسئلہ بیان کر کے مرد اور عورت دونوں کے لیے ایک نہایت معقول اور آسان تجویز مہیا کر دی ہے۔ لعان کرنے کے بعد دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ اس کے لیے نہ طلاق دینے کی ضرورت ہے اور نہ حاکم یا قاضی کی طرف سے تفریق کی ضرورت۔ نیز اس کے بعد ان کے درمیان صلح اور رجوع بھی نہیں ہو سکتا۔ [4] اِفْكٌ سے مراد وہ واقعۂ افک ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت و عزت کو داغ دار کرنا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی اور عفت کو واضح تر کر دیا۔ مختصراً یہ واقعہ یوں ہے کہ حکم حجاب کے بعد غزوۂ بنی مصطلق (مریسیع) سے واپسی پر نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج بھی، جو خالی تھا، اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کے اندر ہی ہوں گی۔ اور وہاں سے روانہ ہو گئے، درآں حالیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے باہر گئی ہوئی تھیں اور وہاں پر انھیں اپنے ہار کی تلاش میں، جو وہیں گر گیا تھا، دیر ہو گئی جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔ تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہوگا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ آ گئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلے کی رہ جانے والی چیزیں سنبھال لیں۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انھیں دیکھتے ہی اِنَّا لِلّٰهِ...... الخ پڑھا اور سمجھ گئے کہ قافلہ غلطی سے یا لاعلمی میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے، چنانچہ انھوں نے انھیں اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل تھامے پیدل چلتے قافلے کو جا ملے۔ منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح بعد میں اکیلے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ تنہائی اور علیحدگی بے سبب نہیں اور یوں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مطعون کر دیا، درآں حالیکہ دونوں ان باتوں سے

Marfat.com

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ

گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک گروہ ہیں[1] تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمھارے

لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ

لیے بہتر ہے[2] ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جو اس نے کمایا،

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪

اور ان میں سے وہ شخص جس نے اس (گناہ) کا بڑا بوجھ اٹھایا، اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ⑪[3]

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ

جب تم نے یہ (جھوٹ) سنا تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا

خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ

گمان کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے ⑫[4] وہ اس (الزام) پر چار

شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ

گواہ کیوں نہ لائے؟ پھر جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی لوگ اللہ کے ہاں

الْكٰذِبُوْنَ ⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا

جھوٹے ہیں ⑬ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑭ اِذْ

تو تم جن باتوں میں پڑ گئے تھے اس پر تمھیں بہت بڑا عذاب آلیتا ⑭ جب تم اسے

تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ

ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لیتے تھے اور اپنے مونہوں سے (وہ بات) کہہ رہے تھے

بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮

جس کا تمھیں علم نہ تھا، اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے، جبکہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے ⑮

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ

اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہا: یہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس کے متعلق بولیں (یا

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا

اللہ!) تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے ⑯[5] اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو

یکسر بے خبر تھے۔ بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، مثلاً: حضرت حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم (اس واقعہ کی پوری تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے) نبی ﷺ پورے ایک مہینے تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لاعلمی میں اپنی جگہ بے قرار و مضطرب۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اِفْكٌ کے معنی ہیں: کسی چیز کو الٹا دینا۔ اس واقعے میں بھی چونکہ منافقین نے معاملے کو الٹا دیا تھا، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ثناو تعریف کی مستحق تھیں، عالی نسب اور رفعت کردار کی مالک تھیں نہ کہ قذف کی۔ لیکن ظالموں نے اس پیکر عفت کو اس کے برعکس طعن اور بہتان تراشی کا ہدف بنالیا۔

[1] ایک گروہ اور جماعت کو عُصْبَةٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت اور عصبیت کا باعث ہوتے ہیں۔ [2] کیونکہ اس سے ایک تو تمھیں کرب اور صدمے کے سبب ثواب عظیم ملے گا، دوسرے آسمانوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے ان کی عظمت شان اور ان کے خاندان کا شرف وفضل نمایاں تر ہو گیا۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کے لیے اس میں عبرت و موعظت کے اور کئی پہلو ہیں۔ [3] اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے جو اس سازش کا سرغنہ تھا۔ [4] یہاں سے تربیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جو اس واقعے میں مضمر ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان ایک جان کی طرح ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی اور اسے بہتان صریح کیوں قرار نہیں دیا؟ [5] دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتلائی کہ اس بہتان پر انھوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا جبکہ اس کے لیے چار گواہ ضروری تھے، اس کے باوجود تم نے ان بہتان تراشوں کو جھوٹا نہیں کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو حد قذف لگائی گئی۔ (مسند أحمد: 35/6، وجامع الترمذي، حديث: 3181، وسنن أبي داود، حديث: 4475، وسنن ابن ماجه، حديث: 2567) عبداللہ بن ابی کو سزا اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے لیے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا اور مومنوں کو سزا دے کر دنیا میں ہی پاک کر دیا گیا۔ دوسرے، اس کے پیچھے ایک پورا جتھہ تھا، اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نمٹنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے مصلحتاً اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا۔ (فتح القدير) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کا فضل و احسان تم پر نہ ہوتا تو تمھارا یہ رویہ کہ تم نے بلا تحقیق اس افواہ کو آگے پھیلانا شروع کر دیا، عذاب عظیم کا باعث تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افواہ سازی اور اس کی

Marfat.com

لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿17﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
دوبارہ کبھی بھی اس جیسی بات نہ کرنا⑰اور اللہ تمھارے لیے (اپنی) آیات بیان کرتا ہے، اور
الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿18﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ
اللہ بڑا جاننے والا، خوب حکمت والا ہے⑱ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان لانے
الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ
والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے[1] اور اللہ جانتا
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿19﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
ہے اور تم نہیں جانتے⑲ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی[2] (تو اللہ بہتان لگانے
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿20﴾ يٰۤاَيُّهَا
والوں کو فوراً عذاب دیتا) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ نہایت شفقت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے⑳
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ
اے ایمان والو! تم شیطان کے قدموں کی اتباع نہ کرو، اور جو کوئی شیطان کے قدموں کی اتباع
الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
کرتا ہے، تو بلاشبہ وہ (شیطان) تو بے حیائی اور برے کام ہی کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ کا
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ
فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک کبھی بھی پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ جسے چاہے
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿21﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ
پاک کرتا ہے[3] اور اللہ خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے㉑ اور تم میں سے فضل اور وسعت والے،
مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ
قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد) دینے سے قسم نہ کھائیں اور

نشر و اشاعت بھی جرم عظیم ہے جس پر انسان عذاب عظیم کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔ چوتھی بات کہ یہ معاملہ براہ راست حرم رسول اور ان کی عزت و آبرو کا تھا لیکن تم نے اسے قرار واقعی اہمیت نہیں دی اور اسے ہاکا سمجھا۔ اس سے بھی یہ سمجھانا مقصود ہے کہ محض آبرو ریزی ہی بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی حد سو کوڑے یا رجم ہے بلکہ کسی کی عزت و آبرو پر اس طرح حملہ کرنا اور کسی عفت مآب خاندان کی تذلیل و اہانت کا سروسامان کرنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہاکا مت سمجھو۔ اسی لیے آگے پھر مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یہ یقیناً بہتان عظیم ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو نام نہاد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا الزام عائد کرتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ کی اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔ (أيسر التفاسير)

[1] اَلْفَاحِشَةُ کے معنی بے حیائی کے ہیں اور قرآن نے بدکاری کو بھی فاحشہ قرار دیا ہے۔ (بنی اسرآءیل: 32:17) اور یہاں بدکاری کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا باعث قرار دیا ہے، جس سے بے حیائی کے بارے میں اسلام کے مزاج کا اور اللہ تعالیٰ کے منشا کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت عنداللہ اتنا بڑا جرم ہے تو جو لوگ رات دن ایک مسلمان معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، فلموں اور ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلا رہے ہیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں، اللہ کے ہاں یہ لوگ کتنے بڑے مجرم ہوں گے؟ اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کیونکر اشاعت فاحشہ کے جرم سے بریٔ الذمہ قرار پائیں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں ٹی وی لا کر رکھنے والے، جس سے [illegible] آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے، وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم کیوں نہیں ہوں گے؟ اور یہی معاملہ روزنامہ اخبارات کا ہے۔ [illegible] گھروں کے اندر آنا اشاعت فاحشہ ہی کا سبب ہے، یہ بھی عنداللہ جرم ہو سکتا ہے۔ کاش! مسلمان اپنی ان ذمے داریوں کا احساس کریں اور اس بے حیائی کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی مقدور بھر سعی کریں۔ [2] جواب محذوف ہے اور وہ یہ کہ پھر اللہ کا عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لیتا۔ یہ محض اس کا فضل اور اس کی شفقت و رحمت ہے کہ اس نے تمھارے اس جرم عظیم کو معاف فرما دیا۔ [3] اس مقام پر شیطان کی پیروی سے ممانعت کے بعد یہ فرمانا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا، اس سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعۂ افک میں ملوث ہونے سے بچ گئے، یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے جو ان پر ہوا، ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہہ جاتے جس میں بعض مسلمان بہہ گئے تھے، اس لیے شیطان کے داؤ اور فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور دوسرے جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے فریب کا شکار ہو گئے ہیں، ان کو زیادہ ہدف ملامت مت بناؤ بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

Marfat.com

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے،[1] اور اللہ

لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿22﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (22) بلا شبہ جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر (زنا

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کی) تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب

عَظِيْمٌ ﴿23﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ

ہے (23)[2] جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے خلاف، ان اعمال کی

وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿24﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ

گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے (24)[3] اس دن اللہ انھیں پورا پورا، ان (کے حساب کتاب) کا ٹھیک

دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿25﴾

بدلہ دے گا (جس کے وہ مستحق ہیں) اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی واضح حق ہے (25)

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ

لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے،[4] یہ (پاکیزہ) لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو

ع 3 6 9 يَقُوْلُوْنَ ۖ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

وہ (خبیث لوگ ان کی بابت) کہتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بہت اچھا رزق ہے (26)[5] اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا

والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، حتی کہ تم اجازت لے لو، اور ان گھر

[1] حضرت مسطح رضی اللہ عنہ جو واقعۂ افک میں ملوث ہو گئے تھے، فقرائے مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے، اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی کفالت اور ان سے مالی تعاون کرتے تھے، جب یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف مہم میں شریک ہو گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک فطری امر تھا، چنانچہ نزول براءت کے بعد غصے میں انھوں نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم (جو اگرچہ انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی، تاہم مقام صِدِّيقِيَّتْ اس سے بلند تر کردار کا متقاضی تھا) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل فرمائی جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انھیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیاں معاف فرماتا رہے تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیاں معاف فرما دے؟ یہ انداز بیان اتنا مؤثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ساختہ پکار اٹھے: ''کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم ضرور یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرما دے۔'' اس کے بعد انھوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق مسطح کی مالی سرپرستی شروع فرما دی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

[2] بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کہ اس آیت میں بطور خاص ان پر تہمت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے اور اس میں وہی حد قذف بیان کی گئی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اگر تہمت لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب ہوگا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بُعد کا مستحق۔ اور اگر کافر ہے تو مفہوم واضح ہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ملعون، یعنی رحمت الٰہی سے محروم ہے۔ [3] جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی اور احادیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ [4] اس کا ایک مفہوم تو یہی بیان کیا گیا ہے جو ترجمے سے واضح ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ﴾ کے ہم معنی آیت ہو گی اور ﴿ اَلْخَبِيْثٰتُ ﴾ اور ﴿ اَلْخَبِيْثُوْنَ ﴾ سے زانی مرد و عورت اور ﴿ اَلطَّيِّبٰتُ ﴾ اور ﴿ اَلطَّيِّبُوْنَ ﴾ سے مراد پاک دامن عورت اور مرد ہوں گے۔ دوسرے معنی اس کے ہیں کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک باتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ ناپاک باتیں وہی مرد و عورت کرتے ہیں جو ناپاک ہیں اور پاکیزہ باتیں کرنا پاکیزہ مردوں اور عورتوں کا شیوہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاکی کا الزام عائد کرنے والے ناپاک اور ان سے اس کی براءت کرنے والے پاک ہیں۔ [5] اس سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہو گی۔

Marfat.com

عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

والوں کو سلام کرو۔[1] یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو﴿27﴾ [2] پھر اگر تم ان

فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ

میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتی کہ تمھیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا

قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ، یہ تمھارے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے، اور جو تم عمل کرتے

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿28﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا

ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے﴿28﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جہاں رہائش نہ ہو

غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

(اور) ان میں تمھارے لیے کوئی فائدہ ہو[3] اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿29﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

چھپاتے ہو﴿29﴾ [4] (اے نبی!) آپ مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں[5] اور اپنی شرم

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

گاہوں کی حفاظت کریں[6] یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ اس

يَصْنَعُوْنَ ﴿30﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

سے خوب باخبر ہے﴿30﴾ اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

گاہوں کی حفاظت کریں[7] اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں[8] مگر جو (از خود) اس میں سے ظاہر ہو[9] اور اپنی

[1] گزشتہ آیات میں زنا اور قذف اور ان کی حدوں کا بیان گزرا، اب اللہ تعالیٰ گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرما رہا ہے تاکہ مرد و عورت کے درمیان اختلاط نہ ہو جو عام طور پر زنا یا قذف کا سبب بنتا ہے۔ استیناس کے معنی ہیں: معلوم کرنا، یعنی جب تک تمھیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اندر کون ہے اور اس نے تمھیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو۔ بعض نے تَسْتَاْنِسُوْا کے معنی تَسْتَاْذِنُوْا کے کیے ہیں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ آیت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر پہلے اور سلام کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پہلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ اسی طرح آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ آپ تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے اگر کوئی جواب نہ آتا تو آپ واپس لوٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اجازت طلبی کے وقت آپ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تاکہ ایک دم سامنا نہ ہو جس میں بے پردگی کا امکان رہتا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحيح البخاري، حديث: 6245، ومسند أحمد: 422/3، وسنن أبي داود، حديث: 5186,5185) اسی طرح آپ ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے حتی کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 6902، وصحيح مسلم، حديث: 2158) آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ جب اندر سے صاحب بیت پوچھے: کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ''میں میں'' کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نام لے کر اپنا تعارف کرائے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6250، وصحيح مسلم، حديث: 2155، وسنن أبي داود، حديث: 5187) [2] یعنی عمل کرو، مطلب یہ ہے کہ اجازت طلبی اور سلام کرنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہونا، دونوں کے لیے اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔ [3] اس سے مراد کون سے گھر ہیں جن میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو بطور خاص مہمانوں کے لیے الگ تیار یا مخصوص کر دیے گئے ہوں۔ ان میں صاحب خانہ کی پہلی مرتبہ اجازت کافی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائے ہیں جو مسافروں کے لیے ہی ہوتی ہیں یا تجارتی گھر ہیں، مَتَاعٌ کے معنی منفعت کے ہیں، یعنی جن میں تمھارا فائدہ ہو۔ [4] اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے وقت مذکورہ آداب کا خیال نہیں رکھتے۔ [5] جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی غَضِّ بَصر (آنکھوں کو پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم دے دیا تاکہ اجازت طلب کرنے والا بھی بالخصوص اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھے۔ [6] یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انھیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں کیونکہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں بے احتیاطی ہی حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔ [7] عورتیں بھی اگرچہ غض بصر اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں جو تمام مومنین کو دیا گیا ہے اور مومنین میں

Marfat.com

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں[1] اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں[2] مگر اپنے خاوندوں پر[3] یا اپنے

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ

باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں (سوتیلے

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ

بیٹوں) پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر[4] یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر[5] یا اپنے

نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ

دائیں ہاتھ کی ملکیت[6] (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکر چاکر مردوں پر[7] یا ان

مومن عورتیں بھی بالعموم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علماء نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کا کھیل دیکھنے کا ذکر ہے۔(صحيح البخاري، حديث: 454) بغیر شہوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورتوں کو اجازت دی ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابن ام مکتوم (نابینا، صحابی) کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''تم وہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکو گی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1480) اور جس حدیث میں بعض ازواج مطہرات کو حضرت ابن ام مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم ہے، وہ سنداً ضعیف ہے، اس لیے وہ قابل حجت نہیں۔ [8] زِیْنَتْ سے مراد وہ لباس اور زیور ہے جو عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے پہنتی ہیں جس کی تاکید انھیں اپنے خاوندوں کے لیے کی گئی ہے۔ جب لباس اور زیور کا اظہار غیر مردوں کے سامنے عورت کے لیے ممنوع ہے تو جسم کو عریاں اور نمایاں کرنے کی اجازت اسلام میں کب ہو سکتی ہے؟ یہ تو بطریق اولیٰ حرام اور ممنوع ہوگا۔ [9] اس سے مراد وہ زینت اور حصۂ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہو یا مہندی لگی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاجل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقع یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے، تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے۔

[1] تاکہ سر، گردن، سینے اور چھاتی کا پردہ ہو جائے کیونکہ انھیں بھی بے پردہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ [2] یہ وہی زینت (سنگھار) یا آرائش ہے جسے ظاہر کرنے کی ممانعت اس سے پہلے کی گئی تھی، یعنی لباس اور زیور وغیرہ کی جو چادر یا برقع کے نیچے ہوتی ہے۔ یہاں اس کا ذکر اب استثنا کے ضمن میں آیا ہے، یعنی ان ان لوگوں کے سامنے اس زینت کا اظہار جائز ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ [3] ان میں سرفہرست خاوند ہے۔ اسی لیے خاوند کو سب پر مقدم بھی کیا گیا ہے کیونکہ عورت کی ساری زینت خاوند ہی کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے لیے تو عورت کا سارا بدن ہی حلال ہے۔ اس کے علاوہ محارم اور مذکورہ افراد کا ہر وقت گھر میں آنا جانا رہتا ہے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے یا دیگر وجوہ سے فطری و طبعی طور پر ایک دوسرے کی طرف جنسی میلان بھی نہیں ہوتا جس سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو شریعت نے ایسے لوگوں کے سامنے جن سے کوئی خطرہ نہ ہو اور تمام محارم کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس مقام پر ماموں اور چچا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں سے ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے اور بعض کے نزدیک یہ محارم میں سے نہیں ہیں۔ (فتح القدير) [4] باپ میں دادا، پردادا، نانا، پرنانا اور اس سے اوپر سب شامل ہیں۔ اسی طرح خسر میں خسر کا باپ، دادا، پردادا، اوپر تک۔ بیٹوں میں پوتا، پرپوتا، نواسہ، پرنواسہ نیچے تک۔ خاوندوں کے بیٹوں میں پوتے، پرپوتے، نیچے تک، بھائیوں میں تینوں قسم کے بھائی (عینی، اخیافی اور علاتی) اور ان کے بیٹے، پوتے، پرپوتے، نواسے، نیچے تک۔ بھتیجوں میں ان کے بیٹے، نیچے تک اور بھانجوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد شامل ہے بلکہ رضاعی بہن کی اولاد بھی شامل ہے۔ [5] ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت، اس کا حسن و جمال اور جسمانی خد و خال اپنے خاوند کے سامنے بیان کریں۔ بعض نے اس سے وہ مخصوص عورتیں مراد لی ہیں جو خدمت وغیرہ کے لیے ہر وقت ساتھ رہتی ہیں جن میں باندیاں (لونڈیاں) بھی شامل ہیں۔ [6] بعض نے اس سے مراد صرف لونڈیاں اور بعض نے صرف غلام لیے ہیں اور بعض نے دونوں ہی۔ حدیث میں بھی صراحت ہے

Marfat.com

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ
لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں (کی چیزوں) سے واقف نہ ہوں[1] اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں (زور
وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا
زور سے) زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے وہ (لوگوں کو)
اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿31﴾ وَاَنْكِحُوا
معلوم ہو جائے[2] اور اے مومنو! تم مجموعی طور پر اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿31﴾[3] اور تم اپنے بے
الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ
نکاح مردوں، عورتوں کے نکاح کر دو[4] اور (ان کے بھی) جو تمھارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں[5] اگر وہ
يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿32﴾
فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے گا[6] اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿32﴾
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ
اور جو لوگ نکاح (کی طاقت) نہیں پاتے انھیں پاک دامن رہنا چاہیے[7] حتی کہ اللہ اپنے فضل سے انھیں

کہ غلام سے پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 4106) اسی طرح بعض نے اسے عام رکھا ہے جس میں مومن اور کافر دونوں غلام شامل ہیں۔ [7] بعض نے ان سے صرف وہ افراد مراد لیے ہیں جن کا گھر میں رہنے سے کھانے پینے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔ بعض نے بے وقوف، بعض نے نامرد اور خصی اور بعض نے بالکل بوڑھے مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی ؒ فرماتے ہیں کہ جن کے اندر بھی قرآن کی بیان کردہ صفت پائی جائے گی، وہ سب اس میں شامل اور دوسرے خارج ہوں گے۔

[1] ان سے ایسے بچے خارج ہوں گے جو بالغ ہوں یا بلوغت کے قریب ہوں کیونکہ وہ عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں۔ [2] تاکہ پازیبوں کی جھنکار سے مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اسی میں اونچی ایڑی کے وہ سینڈل بھی آ جاتے ہیں جنھیں عورت پہن کر چلتی ہے تو ٹک ٹک کی آواز زیور کی جھنکار سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ عورت کے لیے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں جو عورت ایسا کرتی ہے، وہ بدکار ہے۔ (جامع الترمذي، حدیث: 2786، وسنن أبي داود، حدیث: 4173) [3] یہاں پردے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان احکام کی جو خلاف ورزی بھی تم کرتے رہے ہو، وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں، اس لیے اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور ان احکام مذکورہ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کر لیا تو فلاح و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت تمھارا مقدر ہے۔ [4] الْاَيَامٰى أَيِّم کی جمع ہے۔ أَيِّم ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، جس میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ تینوں آ جاتی ہیں۔ اور ایسے مرد کو بھی أَيِّم کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ آیت میں خطاب اولیاء سے ہے کہ نکاح کر دو، یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کر لو، کہ مخاطب نکاح کرنے والے مرد و عورت ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» (سنن أبي داود، حدیث: 2085) ''ولی کے بغیر نکاح نہیں۔'' اور حدیث: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» (سنن أبي داود، حدیث: 2083، وإرواء الغليل: 243/6) ''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے۔'' یہ احادیث صحیح ہیں جس کی پوری تفصیل شیخ البانی ؒ کی کتاب إرواء الغليل: 6/235-243 میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی ان کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فیض الباري، النکاح، باب لا نکاح إلا بولي) - اَنْكِحُوا امر کا صیغہ ہے جس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے جبکہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے، تاہم استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت مؤکدہ ضرور ہے اور اس سے اعراض سخت وعید کا باعث ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (صحیح البخاري، حدیث: 5063، وصحیح مسلم، حدیث: 1401) ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔'' [5] یہاں صالحیت سے مراد ایمان ہے، اس میں اختلاف ہے کہ مالک اپنے غلام اور لونڈیوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اکراہ کے قائل ہیں، بعض نہیں، تاہم اندیشۂ ضرر کی صورت میں شرعاً مجبور کرنا جائز ہے۔ بصورت دیگر غیر مشروع۔ (أیسر التفاسیر)

[6] یعنی محض غربت اور تنگ دستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہیے۔ ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ ان کی تنگ دستی کو اپنے فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے۔ حدیث میں آتا ہے: تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے: نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے، مکاتب غلام جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (جامع الترمذي، حدیث: 1655) [7] حدیث میں پاک دامنی کے لیے، جب تک

Marfat.com

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

غنی کر دے، اور جن (لونڈیوں یا غلاموں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں مکاتبت کرنا (آزادی

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

کی تحریر لکھانا) چاہیں، اگر تمھیں ان میں کوئی بھلائی معلوم ہو تو تم ان سے مکاتبت کر لو[1] اور تم انھیں اللہ

الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ

کے اس مال میں سے دو[2] جو اس نے تمھیں دیا ہے اور تمھاری لونڈیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو تم

تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ

دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو[3] اور جو کوئی انھیں مجبور کرے تو بے

اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝33 وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ

شک ان کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ (ان کے لیے) غفور رحیم ہے ۝33 [4] اور بلاشبہ ہم نے تمھاری

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

طرف کھول کر بیان کرنے والی آیات، اور ان لوگوں کے کچھ حالات و واقعات بھی جو تم سے

وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝34 ع اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ

ع 4/8/10

پہلے گزر چکے، اور متقین کے لیے نصیحت نازل کی ۝34 اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے،[5] اس کے

شادی کی استطاعت حاصل نہ ہو جائے، نفلی روزے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا: ”اے نوجوانوں کی جماعت! تم سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے اسے (اپنے وقت پر) شادی کر لینی چاہیے، اس لیے کہ اس سے آنکھوں اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، اسے چاہیے کہ وہ (کثرت سے نفلی) روزے رکھے، روزے اس کی جنسی خواہش کو قابو میں رکھیں گے۔“ (صحيح البخاري، حديث:1905، وصحيح مسلم، حديث:1400)

[1] مُکاتَب اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر دوں گا تو آزادی کا مستحق ہو جاؤں گا۔ ”بھلائی نظر آنے“ کا مطلب ہے، اس کے صدق و امانت پر تمھیں یقین ہو یا کسی صنعت و حرفت سے وہ آگاہی رکھتا ہو تا کہ وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کر دے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی حوصلہ شکنی کی پالیسی اپنائی ہے، اس لیے یہاں بھی مالکوں کو تاکید کی گئی کہ مکاتبت کے خواہش مند غلاموں سے معاہدہ کرنے میں تأمل نہ کرو بشرطیکہ تمھیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمھاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔ [2] اس کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اس نے جو معاہدہ کیا ہے اور اب وہ رقم کا ضرورت مند ہے تا کہ معاہدے کے مطابق وہ رقم ادا کر دے تو تم بھی اس کے ساتھ مالی تعاون کرو اگر اللہ نے تمھیں صاحب حیثیت بنایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے جو آٹھ مصارف (التوبة 9:60 میں) بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک ﴿ وَ فِي الرِّقَابِ ﴾ بھی ہے جس کے معنی ہیں: گردنیں آزاد کرانے میں، یعنی غلاموں کی آزادی پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ [3] زمانۂ جاہلیت میں لوگ محض دنیوی مال کے لیے اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے، چنانچہ خواہی نخواہی انھیں یہ داغ ذلت برداشت کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ ﴿ اِنْ اَرَدْنَ ﴾ غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری کو پسند کریں تو پھر تم ان سے یہ کام کروا لیا کرو۔ بلکہ حکم دینے کا یہ مقصود ہے کہ لونڈیوں سے دنیا کے تھوڑے سے مال کے لیے یہ کام مت کرواؤ، اس لیے کہ اس طرح کی کمائی ہی حرام ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے: «نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ وَ حُلْوَانِ الْكَاهِنِ» (صحيح مسلم، حديث: 1567) ”رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔“ [4] یعنی جن لونڈیوں سے جبرًا یہ بے حیائی کا کام کروایا جائے گا تو گناہ گار مالک ہوگا، یعنی جبر کرنے والا، نہ کہ لونڈی جو مجبور ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ”میری امت سے خطا، نسیان اور ایسے کام جو جبر سے کرائے گئے ہوں، معاف ہیں۔“ (سنن ابن ماجه، حديث:2043) [5] یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں، نہ آسمان و زمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی، پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے جس کے ذریعے سے زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی اور روشنی حاصل کی جاتی ہے، جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے، حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے: «وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ» (صحيح البخاري، حديث: 1120، وصحيح مسلم، حديث: 769) پس اللہ، اس کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے۔ (أيسر التفاسير)

Marfat.com

كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ
نور کی مثال (یوں ہے) جیسے ایک طاق ہو، جس میں چراغ ہو، چراغ ایک شیشے (کی قندیل)
كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ
میں ہو، شیشہ جیسے چمکتا ستارہ ہو، وہ (چراغ) ایک مبارک درخت زیتون (کے تیل) سے جلایا
لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ يَّـكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ
جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، یوں لگے جیسے اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے گا اگرچہ اسے آگ
نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ
نے نہ چھوا ہو، (وہ) نور علی نور ہے[1] اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے[2]
الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿35﴾ فِىۡ بُيُوۡتٍ
اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے[3] اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿35﴾ یہ (چراغ اور
اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَيُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ
قندیلیں) ان گھروں میں ہیں (جن کی بابت) اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ
فِيۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ﴿36﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا
کا نام ذکر کیا جائے[4] (اور) وہ وہاں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ﴿36﴾[5] وہ لوگ[6] جنھیں تجارت اور خرید و
بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوۡنَ
فروخت، اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے

[1] یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو، جو شیشے کی قندیل میں ہو، اس میں ایک بابرکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈالا گیا ہو کہ وہ آگ (دیا سلائی) دکھائے بغیر ہی بذات خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق میں مجتمع ہو گئیں اور وہ بقعۂ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ کے نازل کردہ دلائل و براہین کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بھی، یعنی نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ''جو شرقی ہے، نہ مغربی'' کا مطلب ہے، وہ درخت ایسے کھلے میدان اور صحرا میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج کے چڑھتے کے وقت یا غروب کے وقت ہی نہیں پڑتی بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے اور ایسے درخت کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے اور مراد اس سے زیتون کا درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔ [2] نور سے مراد ایمان و اسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے، ان کی اس نور کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔ [3] جس طرح اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی جس میں اس نے ایمان کو اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔ [4] جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان و ہدایت اور علم ہے، اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قندیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔ تو اب اس کا محل بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ قندیلیں ایسے گھروں میں ہیں جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ مراد مسجدیں ہیں جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ بلندی سے مراد محض سنگ وخشت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویات اور غیر مناسب اقوال و افعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان اور فلک بوس بنا دینا، مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زرنگار اور زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 449) علاوہ ازیں جس طرح مسجدوں میں تجارت و کاروبار اور شور و شغب ممنوع ہیں کیونکہ یہ مسجد کے اصل مقصد، عبادت، کے منافی ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکارا جائے۔ وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (الجن 18:72) ''مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔'' [5] تسبیح سے مراد نماز ہے۔ الۡاٰصَالِ أَصِيلٌ کی جمع ہے بمعنی شام، یعنی اہل ایمان جن کے دل ایمان و ہدایت کے نور سے روشن ہوتے ہیں، صبح و شام مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ [6] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نہایت سادہ لباس میں، بغیر خوشبو لگائے اور باپردہ جائیں، جس طرح کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں، تاہم ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 570، ومسند أحمد: 6/297 و 301)

Marfat.com

يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (37) لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ

ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے (37)[1] (وہ یہ کام کرتے ہیں) تاکہ اللہ

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

انھیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دے اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے اور اللہ جسے چاہے بے

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (38) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ

حساب رزق دیتا ہے (38)[2] اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل میدان میں ریت کی طرح ہیں،

بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا

پیاسا اس (ریت) کو پانی سمجھتا رہا، حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے وہاں کچھ بھی نہ پایا،

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (39)

اور اللہ کو اپنے پاس پایا، پھر اللہ نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا[3] اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (39) یا

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ

(کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں، جسے ایک موج ڈھانپتی ہو، اس

مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ

کے اوپر ایک اور موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے اندھیرے (ہی اندھیرے)

اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ

ہوں، جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا نہیں کہ اسے دیکھ سکے[4] اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا

نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (40) ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي 5 ع 6 11

تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں (40)[5] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کی تسبیح کرتا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، اور (فضا میں) پر پھیلائے ہوئے[6] پرندے بھی، ہر ایک نے اپنی

وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (41) وَلِلّٰهِ مُلْكُ

نماز (عبادت) اور اپنی تسبیح جان لی ہے[7] اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے (41)[8] اور اللہ ہی

[1] یعنی شدت فزع اور ہولناکی کی وجہ سے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ہے: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ (المؤمن 40:18) ”ان کو قیامت والے دن سے ڈراؤ، جس دن دل گلوں کے پاس آجائیں گے، غم سے بھرے ہوئے۔“ ابتداءً دلوں کی یہ کیفیت سب کی ہی ہوگی، مومن کی بھی اور کافر کی بھی۔ [2] قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ”کئی کئی گنا“ کی صورت میں دیا جائے گا اور بہت سوں کو بے حساب ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں رزق کی فراوانی اور اس میں جو تنوع و تلذذ ہوگا، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ [3] اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جنھیں کافر و مشرک نیکیاں سمجھ کر کرتے ہیں، جیسے صدقہ وخیرات، صلہ رحمی، بیت اللہ کی تعمیر اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ سراب اس چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دور سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پانی نظر آتی ہے۔ سَرَابٌ کے معنی ہی چلنے کے ہیں۔ وہ ریت، چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے۔ قِيْعَةٌ قاعٍ کی جمع ہے، زمین کا نشیبی حصہ، جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چٹیل میدان۔ یہ کافروں کے عملوں کی مثال ہے کہ جس طرح سراب دور سے پانی نظر آتا ہے، حالانکہ وہ ریت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کافر کے عمل عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انھیں نہیں ملے گا۔ ہاں، جب وہ اللہ کے پاس جائے گا تو اللہ کو گھات میں اپنا منتظر پائے گا، جہاں وہ اس کے عملوں کا پورا پورا حساب چکائے گا۔ [4] یہ دوسری مثال ہے کہ ان کے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی انھیں سراب سے تشبیہ دے لو یا اندھیروں سے۔ یا گزشتہ مثال کافر کے اعمال کی تھی اور یہ اس کے کفر کی مثال ہے جس میں کافر ساری زندگی گھرا رہتا ہے، کفر وضلالت کی اندھیری، اعمالِ سَيِّئَة و عقائد مشرکانہ کی اندھیری اور رب سے اور اس کے عذاب اخروی سے عدم واقفیت کی اندھیری۔ یہ اندھیریاں اسے راہ ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتیں۔ جس طرح اندھیرے میں انسان کو اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ [5] یعنی دنیا میں ایمان واسلام کی روشنی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کو ملنے والے نور سے وہ محروم رہیں گے۔ [6] صٰٓفّٰتٍ کے معنی ہیں: بَاسِطَاتٍ اور اس کا مفعول اَجْنِحَتَهَا محذوف ہے۔ اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں پرندے بھی شامل تھے۔ لیکن یہاں ان کا ذکر الگ سے کیا، اس لیے کہ پرندے تمام حیوانات میں ایک نہایت ممتاز مخلوق ہے جو اللہ کی قدرت کاملہ سے آسمان وزمین کے درمیان فضا میں اڑتے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ یہ مخلوق اڑنے پر بھی قدرت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام حیوانات محروم ہیں اور زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت بھی رکھتی ہے۔ [7] یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو یہ علم الہام والقا کیا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کس طرح کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخت واتفاق کی بات نہیں بلکہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا تسبیح کرنا اور نماز ادا کرنا یہ بھی اللہ ہی کی

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿42﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ
کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، اور اللہ ہی کی طرف (سب کی) واپسی ہے﴿42﴾[1] کیا آپ نے
يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى
نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ ہی بادل چلاتا ہے، پھر وہ انھیں باہم ملاتا ہے، پھر انھیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے،
الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ
پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان (بادلوں) کے درمیان میں سے مینہ نکلتا ہے اور وہ اس آسمان کے اندر کے
فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ
پہاڑوں سے اولے برساتا ہے[2] پھر وہ انھیں (اس پر) پہنچاتا ہے جس پر وہ چاہتا ہے، اور جس سے
مَّنْ يَّشَآءُ ۗ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿43﴾
چاہے پھیر دیتا ہے[3] لگتا ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں (کی روشنی) کو اچک لے جائے گی﴿43﴾[4] اللہ
يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي
ہی رات اور دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے[5] بلاشبہ ان (نشانیوں) میں اہل نظر کے لیے (سامان)
الْاَبْصَارِ ﴿44﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
عبرت ہے﴿44﴾ اور اللہ نے (زمین پر) چلنے پھرنے والا ہر جاندار پانی سے پیدا کیا، پھر ان میں
يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ
سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے[6] اور ان میں سے کوئی دو (پاؤں) پر چلتا ہے[7] اور ان میں
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
سے کوئی چار (پاؤں) پر چلتا ہے[8] اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے[9] بلاشبہ اللہ ہر شے پر خوب قادر
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿45﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ
ہے﴿45﴾ بلاشبہ ہم نے کھول کر بیان کرنے والی آیات نازل کیں، اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿46﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
کی طرف ہدایت دیتا ہے﴿46﴾[10] اور وہ (منافق) کہتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

قدرت کا ایک مظہر ہے، جس طرح ان کی تخلیق اللہ کی ایک صنعت بدیع ہے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔

[8] یعنی اہل زمین و اہل آسمان جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، یہ گویا انسانوں اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمھیں اللہ نے شعور اور ارادے کی آزادی دی ہے تو تمھیں تو دوسری مخلوقات سے زیادہ اللہ کی تسبیح وتحمید اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دیگر مخلوقات تو تسبیح الٰہی میں مصروف ہیں لیکن شعور اور ارادہ سے بہرہ ور مخلوق اس میں کوتاہی کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس پر یقیناً وہ اللہ کی گرفت کی مستحق ہوگی۔

[1] پس وہی اصل حاکم ہے جس کے حکم کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں اور وہی معبود برحق ہے جس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کے بارے میں عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ [2] اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے۔ (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ السَّمَآءِ بلندی کے معنی میں ہے اور جِبَالٍ کے معنی ہیں بڑے بڑے ٹکڑے، پہاڑوں جیسے، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے۔ (فتح القدیر) یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔ [3] یعنی وہ اولے اور بارش بطور رحمت جنھیں چاہتا ہے، پہنچاتا ہے اور جنھیں چاہتا ہے ان سے محروم رکھتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ژالہ باری (اولے) کے عذاب سے جسے چاہتا ہے دوچار کر دیتا ہے جس سے ان کی فصلیں تباہ اور کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں اور جن پر اپنی رحمت کرنا چاہتا ہے ان کو اس سے بچالیتا ہے۔ [4] یعنی بادلوں میں چمکنے والی بجلی جو عام طور پر بارش کی نوید جاں فزا ہوتی ہے اس میں اتنی شدت کی چمک ہوتی ہے کہ وہ آنکھوں کی بصارت لے جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اس کی صناعی کا ایک نمونہ ہے۔ [5] یعنی کبھی دن بڑے، راتیں چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس۔ یا کبھی دن کی روشنی کو بادلوں کی تاریکیوں سے اور رات کے اندھیروں کو چاند کی روشنی سے بدل دیتا ہے۔ [6] جس طرح سانپ، مچھلی اور دیگر حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہیں۔ [7] جیسے انسان اور پرند ہیں۔ [8] جیسے تمام چوپائے اور دیگر حیوانات ہیں۔ [9] یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے بھی زیادہ پاؤں رکھتے ہیں، جیسے کیکڑا، مکڑی اور بہت سے زمینی کیڑے۔ [10] اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ سے مراد قرآن کریم ہے جس میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کا تعلق انسان کے دین واخلاق سے ہے جس پر اس کی فلاح وسعادت کا انحصار ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الأنعام 38:6) ''ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان میں کوتاہی نہیں کی۔'' جسے ہدایت نصیب ہونی ہوتی ہے،

Marfat.com

وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

لائے، اور ہم نے اطاعت کی، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق (اطاعت سے) پھر جاتا

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ہے، اور وہ لوگ مومن ہی نہیں ﴿47﴾ [1] اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں،

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿48﴾ وَاِنْ يَّكُنْ

تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو اچانک ان میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے ﴿48﴾ اور اگر

لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿49﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

ان کے لیے حق (فائدہ) ہو تو وہ اس کی طرف فرمانبردار ہو کر چلے آتے ہیں ﴿49﴾ [2] کیا ان کے دلوں

اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ

میں (نفاق کا) مرض ہے یا وہ شک میں پڑے ہیں یا خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم

ع 6 10 12 بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿50﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا

کریں گے۔ (نہیں) بلکہ وہ لوگ خود ہی ظالم ہیں ﴿50﴾ [3] بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ

دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا

اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نے

وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿51﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

سنا اور اطاعت کی [4] اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿51﴾ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿52﴾ وَاَقْسَمُوْا

کرے، اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں ﴿52﴾ [5] اور انھوں نے اپنی

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ

پکی پکی اللہ کی قسمیں کھائیں [6] کہ اگر آپ انھیں حکم دیں گے تو وہ (جہاد پر) ضرور نکلیں گے، کہہ دیجیے: تم

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿53﴾

قسمیں نہ کھاؤ، (تمھاری) اطاعت معروف ہے [7] بلاشبہ جو عمل تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿53﴾ [8]

اللہ تعالیٰ اسے نظر صحیح اور قلب صادق عطا فرما دیتا ہے جس سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد یہی ہدایت کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں، اسے اختیار کر کے انسان اپنی منزل مقصود (جنت) تک پہنچ جاتا ہے۔

[1] یہ منافقین کا بیان ہے جو زبان سے اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن دلوں میں کفر وعناد تھا، یعنی اعتقاد صحیح سے محروم تھے، اس لیے زبان سے اظہار ایمان کے باوجود ان کے ایمان کی نفی کی گئی۔ [2] کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ عدالت نبوی سے جو فیصلہ صادر ہوگا، اس میں کسی کی رو رعایت نہیں ہوگی، اس لیے وہاں اپنا مقدمہ لے جانے ہی سے گریز کرتے ہیں۔ ہاں، اگر وہ جانتے ہیں کہ مقدمے میں وہ حق پر ہیں اور ان ہی کے حق میں فیصلہ ہونے کا غالب امکان ہے تو پھر خوشی خوشی وہاں آتے ہیں۔ اِذْعَانٌ کے معنی ہوتے ہیں: اقرار اور انقیاد و اطاعت کرنا۔ [3] جب فیصلہ ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا ہے تو اس سے اعراض وگریز کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں کفر ونفاق کا روگ ہے یا انھیں نبوت محمدی میں شک ہے یا انھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کرے گا، حالانکہ ان کی طرف سے ظلم کا کوئی امکان ہی نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود ہی ظالم ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قضا وفیصلے کے لیے ایسے حاکم وقاضی کی طرف بلایا جائے جو عادل اور قرآن وسنت کا عالم ہو تو اس کے پاس جانا ضروری ہے، البتہ اگر وہ قاضی کتاب وسنت کے علم اور ان کے دلائل سے بے بہرہ ہو اور یہ جہل بسیط ہو، یعنی کچھ بھی علم نہ ہو یا جہل مرکب ہو، یعنی مجتہدین کے اجتہادات سے اسے کچھ آگاہی ہو لیکن براہ راست قرآن و حدیث کے علم سے ناآشنا ہو تو یہ بھی جاہل ہی ہے جس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ضروری نہیں۔ [4] یہ اہل کفر ونفاق کے مقابلے میں اہل ایمان کے کردار وعمل کا بیان ہے۔ [5] یعنی فلاح وکامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور انھی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الٰہی اور تقویٰ سے متصف ہیں نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔ [6] جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ میں جَهْدَ فعل محذوف کا مصدر ہے جو بطور تاکید کے ہے، يَجْهَدُوْنَ أَيْمَانَهُمْ جَهْدًا یا یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی مُجْتَهِدِيْنَ فِيْ أَيْمَانِهِمْ مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت بھر قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر) [7] اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم قسمیں جھوٹی کھاتے ہو، تمھاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔ بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ تمھارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہیے، یعنی معروف میں بغیر کسی قسم کے حلف کے اطاعت، جس طرح مسلمان کرتے ہیں، پس تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر) [8] یعنی وہ تمھارے سب کے حالات سے باخبر ہے۔ کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان؟ پس حلف اٹھا کر اطاعت کے اظہار کرنے سے، جبکہ تمھارے دل میں اس کے خلاف عزم ہو، تم اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے، اس لیے کہ وہ:

Marfat.com

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم پھر و گے تو اس رسول کے ذمے صرف وہ
عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ
ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے[1] اور تمھارے ذمے صرف وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا،[2] اور اگر تم اس (رسول)
تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿54﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے،[3] اور رسول کے ذمے صرف کھلا کھلا پہنچا دینا ہے ﴿54﴾ [4] جو تم میں سے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں
الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ
دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
انھیں امن دے گا،[5] وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے،[6] اور
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿55﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں ﴿55﴾ [7] اور تم نماز قائم کرو، اور زکاۃ دو، اور رسول کی
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿56﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿56﴾ [8] اور کافروں کی بابت آپ یہ خیال نہ کریں کہ وہ زمین
كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ
میں (اللہ کو) عاجز کر دینے والے ہیں،[9] اور ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور بلاشبہ وہ واپسی (کی) بری

پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے اور وہ تمھارے سینوں میں پلنے والے رازوں سے بھی آگاہ ہے اگرچہ تم زبان سے اس کے خلاف اظہار کرو!

[1] یعنی تبلیغ و دعوت جو وہ ادا کر رہا ہے۔ [2] یعنی اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔ [3] اس لیے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ [4] کوئی اس کی دعوت کو مانے یا نہ مانے، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ (الرعد13:40) ’’اے پیغمبر! آپ کا کام صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) یہ حساب ہماری ذمے داری ہے۔‘‘ [5] بعض نے اس وعدۂ الٰہی کو صحابۂ کرام کے ساتھ یا خلفائے راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور عہد خیر القرون میں، اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین ’’اسلام‘‘ کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ پہلے مسلمان کفار عرب سے ڈرتے تھے، پھر اس کے برعکس معاملہ ہو گیا۔ نبی ﷺ نے بھی جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں، وہ بھی اس عہد میں پوری ہوئیں، مثلاً: آپ نے فرمایا تھا کہ حیرہ سے ایک عورت تن تنہا اکیلی چلے گی اور بیت اللہ کا آ کر طواف کرے گی، اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا۔ کسریٰ کے خزانے تمھارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (صحيح البخاري، حديث:3595) نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: «إِنَّ اللهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا» (صحيح مسلم، حديث: 2889) ’’اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا، پس میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھے، عنقریب میری امت کا دائرۂ اقتدار وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک میرے لیے زمین سکیڑ دی گئی۔‘‘ حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور فارس و شام اور مصر و افریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر و شرک کی جگہ توحید و سنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا گیا۔ لیکن یہ وعدہ چونکہ مشروط تھا، جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان کی عزت کو ذلت میں، ان کے اقتدار اور غلبے کو غلامی میں اور ان کے امن و استحکام کو خوف اور دہشت میں بدل دیا۔ [6] یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ایک اور بنیادی شرط ہے جس کی وجہ سے مسلمان اللہ کی مدد کے مستحق اور اس وصف توحید سے عاری ہونے کے بعد (شرک کے ارتکاب سے) وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔ [7] اس کفر سے مراد وہی ایمان، عمل صالح اور توحید سے محرومی ہے جس کے بعد ایک انسان اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا اور کفر و فسق کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ [8] یہ مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ اللہ کی رحمت اور مدد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے جس پر چل کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ رحمت اور مدد حاصل ہوئی۔ [9] یعنی آپ کے مخالفین

Marfat.com

ع 7/7 13

الۡمَصِيۡرُ ؏ (57) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ

(جگہ) ہے (57) اے ایمان والو! جن (غلاموں اور لونڈیوں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں

مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

اور (ان لڑکوں اور لڑکیوں کو) جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، (انھیں) چاہیے کہ تم سے تین بار

مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ

اجازت مانگیں (پھر گھر میں داخل ہوں)، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور

وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ

نماز عشاء کے بعد[1] یہ تین وقت تمھارے لیے پردے (کے) ہیں[2] ان (اوقات) کے بعد (بلا اجازت

وَلَا عَلَيۡهِمۡ جُنَاحٌۢ بَعۡدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ بَعۡضُكُمۡ عَلٰى

آنے سے) نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے[3] تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آیا جایا ہی کرتے ہو[4] اللہ

بَعۡضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ (58)

اسی طرح تمھارے لیے (اپنی) آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (58)

وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡكُمُ الۡحُلُمَ فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا كَمَا

اور جب تم میں سے لڑکے (اور لڑکیاں) بلوغت کی حد کو پہنچ جائیں تو انھیں چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح

اسۡتَاۡذَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

اجازت مانگیں جس طرح ان سے پہلے (ان کے بڑے) اجازت مانگتے رہے ہیں[5] اللہ اسی طرح

لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ (59) وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ

تمھارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (59) اور (گھروں

النِّسَآءِ الّٰتِىۡ لَا يَرۡجُوۡنَ نِكَاحًا فَلَيۡسَ عَلَيۡهِنَّ

میں) بیٹھ رہنے والی (عمر رسیدہ) عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں، تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ

جُنَاحٌ اَنۡ يَّضَعۡنَ ثِيَابَهُنَّ غَيۡرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيۡنَةٍ ؕ

اپنے (پردہ داری کے) کپڑے اتار دیں، جبکہ وہ (اپنی) زیب و زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں[6] اور

اور مکذبین اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔

[1] غلاموں سے مراد باندیاں اور غلام دونوں ہیں، ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (تین مرتبہ) کا مطلب ثلاث اوقات تین وقت ہیں۔ یہ تینوں اوقات ایسے ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ ایسے لباس میں ہوسکتا ہے کہ جس میں کسی کا ان کو دیکھنا جائز اور مناسب نہیں، اس لیے ان اوقات ثلاثہ میں گھر کے ان غلام لونڈیوں اور نابالغ بچوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے گھر کے اندر داخل ہوں۔ [2] عَوۡرٰتٍ عَوۡرَةٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنی خلل اور نقص کے ہیں، پھر اس کا اطلاق ایسی چیز پر کیا جانے لگا جس کا ظاہر کرنا اور اس کو دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ خاتون کو بھی اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر اور عریاں ہونا اور دیکھنا شرعًا ناپسندیدہ ہے۔ یہاں مذکورہ تین اوقات کو عورات کہا گیا ہے، یعنی یہ تمھارے پردے اور خلوت کے اوقات ہیں جن میں تم اپنے مخصوص لباس اور ہیئت کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔ [3] یعنی ان اوقات ثلاثہ کے علاوہ گھر کے مذکورہ خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اجازت طلب کیے بغیر گھر کے اندر آ جا سکتے ہیں۔ [4] یہ وہی وجہ ہے جو حدیث میں بلی کے پاک ہونے کی بیان کی گئی ہے: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ» ”بلی ناپاک نہیں ہے اس لیے کہ وہ بکثرت تمھارے پاس (گھر کے اندر) آنے جانے والی ہے۔“ (سنن أبي داود، حديث: 75، وجامع الترمذي، حديث: 92) خادم اور مالک ان کو بھی آپس میں ہر وقت ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی ضرورت عامہ کے پیش نظر اللہ نے یہ اجازت مرحمت فرما دی کیونکہ وہ علیم ہے، لوگوں کی ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور حکیم ہے، اس کے ہر حکم میں بندوں کے مفادات اور حکمتیں ہیں۔ [5] ان بچوں سے مراد احرار بچے ہیں، بلوغت کے بعد ان کا حکم عام مردوں کا سا ہے، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے گھر آئیں تو پہلے اجازت طلب کریں۔ [6] ان سے مراد وہ بوڑھی اور ازکار رفتہ عورتیں ہیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور ولادت کے قابل نہ رہی ہوں۔ اس عمر میں بالعموم عورت کے اندر مرد کے لیے فطری طور پر جو جنسی کشش ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے، نہ وہ کسی مرد سے نکاح کی خواہش مند ہوتی ہیں، نہ مرد ہی ان کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پردے میں تخفیف کی اجازت دے دی گئی ہے ”کپڑے اتار دیں“ سے وہ کپڑا مراد ہے جو شلوار قمیص کے اوپر عورت پردے کے لیے بڑی چادر یا برقع وغیرہ کی شکل میں لیتی ہے بشرطیکہ مقصد اپنی زینت اور بناؤ سنگھار کا اظہار نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی جنسی کشش کھو جانے کے باوجود اگر بناؤ سنگھار کے ذریعے سے اپنی ”جنسیت“ کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا ہو تو اس تخفیفِ پردہ کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہوگی اور اس کے لیے مکمل پردہ کرنا ضروری ہوگا۔

Marfat.com

وَّاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿60﴾
ان کا اس سے بھی بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے[1] اور اللہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿60﴾
لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى
اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے ہی پر حرج ہے اور نہ مریض پر ہی کوئی حرج ہے
الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ
اور نہ خود تمھی پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے
اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ
گھروں یا اپنی ماؤں کے گھروں یا اپنے بھائیوں کے گھروں یا اپنی بہنوں کے
اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
گھروں یا اپنے چچاؤں کے گھروں[2] یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں یا اپنے
عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
ماموؤں کے گھروں یا اپنی خالاؤں کے گھروں یا (ان گھروں سے)
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا
جن کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے[3]
جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا
(اس میں بھی) تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ[4] پھر
عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ
جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو[5] (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت
ع 8/4 14 كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿61﴾
(اور) پاکیزہ تحفہ ہے، اسی طرح اللہ تمھارے لیے آیات بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھو ﴿61﴾
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا
بس مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی

[1] یعنی مذکورہ بوڑھی عورتیں بھی پردے میں تخفیف نہ کریں بلکہ بدستور بڑی چادر یا برقع بھی استعمال کرتی رہیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ [2] اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں جاتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آیت میں مذکور معذورین کو اپنے گھروں کی چابیاں دے جاتے اور انھیں گھر کی چیزیں بھی کھانے پینے کی اجازت دے دیتے۔ لیکن یہ معذور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے باوجود، مالکوں کی غیر موجودگی میں، وہاں سے کھانا پینا جائز نہ سمجھتے، اللہ نے فرمایا کہ مذکورہ افراد کے لیے اپنے اقارب کے گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں، ان سے کھانے پینے میں کوئی حرج (گناہ) نہیں ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تندرست صحابہ معذور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا اس لیے ناپسند کرتے کہ وہ معذوری کی وجہ سے کم کھائیں گے اور یہ زیادہ کھا جائیں گے، اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں ظلم کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ اسی طرح خود معذور صحابہ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ کھانا اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے وضاحت فرما دی کہ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں ہے۔ [3] تاہم بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ اس سے وہ عام قسم کا کھانا مراد ہے جس کے کھا جانے سے کسی کو گرانی محسوس نہیں ہوتی، البتہ ایسی عمدہ چیزیں جو مالکوں نے خصوصی طور پر الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی نظر ان پر نہ پڑے، اسی طرح ذخیرہ شدہ چیزیں، ان کا کھانا اور ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ (أیسر التفاسیر) اسی طرح یہاں بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹوں کے گھر انسان کے اپنے ہی گھر ہیں، جس طرح حدیث میں ہے: «أَنْتَ وَ مَالُكَ لِأَبِيكَ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2291، ومسند أحمد: 214,204,179/2) ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔'' دوسری حدیث ہے: «وَلَدُ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ» (سنن أبي داود، حديث: 352، وسنن ابن ماجه، حديث: 2137 وصححه الألباني) ''آدمی کی اولاد، اس کی کمائی سے ہے۔'' اس لیے بیٹوں کے گھروں سے بھی کھانا جائز ہے۔ [4] اس میں ایک اور تنگی کا ازالہ فرما دیا گیا ہے۔ بعض لوگ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے اور کسی کو ساتھ بٹھا کر کھانا ضروری خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اکٹھے کھا لو یا الگ الگ، دونوں طرح جائز ہے، گناہ کسی میں نہیں، البتہ اکٹھے ہو کر کھانا زیادہ باعث برکت ہے جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) [5] اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو، آدمی کو اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا بالعموم گراں گزرتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے؟

Marfat.com

كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ

اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر (وہاں سے) چلے نہیں جاتے، (اے نبی!)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں[1]

وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ

چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت

شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿62﴾

دیں، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿62﴾ تم

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ

رسول کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ[2] یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ

تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں[3] لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (اللہ اور اس کے رسول)

الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ

کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں کوئی آزمائش آپڑے[4] یا انھیں

يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

دردناک عذاب آلے ﴿63﴾ خبردار! بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں

قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ

ہے[5] یقیناً وہ اس (روش) کو جانتا ہے جس پر تم ہو[6] اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں

بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿64﴾

گے تو وہ انھیں خبر دے گا جو انھوں نے عمل کیے، اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے ﴿64﴾

آیاتھا: 77 | سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان[7] (قرآن) نازل کیا، تاکہ وہ جہان والوں[8]

[1] یعنی جمعہ وعیدین کے اجتماعات میں یا داخلی و بیرونی مسئلے پر مشاورت کے لیے بلائے گئے اجلاس میں اہل ایمان تو حاضر ہوتے ہیں، اسی طرح اگر وہ شرکت سے معذور ہوتے ہیں تو اجازت طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ منافقین ایسے اجتماعات میں شرکت سے اور آپ ﷺ سے اجازت مانگنے سے گریز کرتے ہیں۔ [2] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مت پکارو، مثلاً: یا محمد! بلکہ یارسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہو۔ (یہ آپ کی زندگی کے لیے تھا جبکہ صحابۂ کرام ﷺ کو ضرورت پیش آتی تھی کہ آپ سے مخاطب ہوں) دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول کی بددعا کو دوسروں کی بددعا کی طرح مت سمجھو، اس لیے کہ آپ کی دعا تو قبول ہوتی ہے، اس لیے نبی کی بددعا مت لو، تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ [3] یہ منافقین کا رویہ ہوتا تھا کہ اجتماع مشاورت سے چپکے سے کھسک جاتے۔ [4] اس آفت سے مراد دلوں کی وہ کجی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ نبی ﷺ کے احکام سے سرتابی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان سے محرومی اور کفر پر خاتمہ، جہنم کے دائمی عذاب کا باعث ہے جیسا کہ آیت کے اگلے جملے میں فرمایا: پس نبی ﷺ کے منہاج، طریقے اور سنت کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے، اس لیے کہ جو اقوال و اعمال اس کے مطابق ہوں گے، وہی بارگاہ الٰہی میں مقبول اور دوسرے سب مردود ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح البخاري، حديث: 2697، وصحيح مسلم، حديث: 1718) ''جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے، وہ مردود ہے۔'' [5] خلق کے اعتبار سے بھی، ملک کے اعتبار سے بھی اور ماتحتی کے اعتبار سے بھی۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس چیز کا چاہے، حکم دے، پس اس کے رسول کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی جائے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے، اس کا ارتکاب نہ کیا جائے، اس لیے کہ رسول کے بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔ [6] یہ مخالفین رسول کو تنبیہ ہے کہ جو کچھ حرکات تم کر رہے ہو، یہ نہ سمجھو کہ وہ اللہ سے مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس کے علم میں سب کچھ ہے اور وہ اس کے مطابق قیامت والے دن جزا و سزا دے گا۔ [7] فرقان کے معنی ہیں حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، اس قرآن نے کھول کر ان امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لیے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔ [8] اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی نبوت عالم گیر ہے اور آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح

Marfat.com

نَذِيْرًا ۝1 الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ

کے لیے ڈرانے والا بنے ① وہی ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے[1] اور اس

وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی[2] اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے[3] اور اس نے ہر چیز کو

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝2 وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ

پیدا کیا، پھر اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ②[4] اور لوگوں نے اس کے سوا (اور) معبود بنا لیے ہیں جو

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا

کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، اور وہ تو (خود) پیدا کیے گئے ہیں، اور وہ خود اپنے کسی نفع اور نقصان کے

نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝3

مالک نہیں ہیں، اور نہ موت و حیات کے مالک ہیں، اور نہ دوبارہ (جی) اٹھنے ہی کے (مالک ہیں) ③[5]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ

اور کافر لوگوں نے کہا: یہ (قرآن) تو نرا جھوٹ ہے جسے وہ (نبی) خود گھڑ لایا ہے، اور اس (کے گھڑنے)

عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝4 وَقَالُوْٓا

میں اور لوگوں نے اس کی مدد کی ہے[6] چنانچہ (اے نبی!) وہ ظلم و زیادتی اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں ④ اور

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً

انھوں نے کہا: یہ اگلوں کے افسانے ہیں (جو) اس نے اپنے لیے لکھوائے ہیں، اور وہ صبح و شام

وَّاَصِيْلًا ۝5 قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ

اس پر پڑھے جاتے ہیں ⑤ کہہ دیجیے: اسے اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید

وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝6 وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا

جانتا ہے[7] بلاشبہ وہ غفور (اور) رحیم ہے ⑥[8] اور انھوں نے کہا: اس رسول

الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ

کو کیا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟[9] اس کی طرف فرشتہ

دوسرے مقام پر فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الأعراف 7:158) اور حدیث میں بھی فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (صحیح مسلم، حدیث: 521 ومسند أحمد: 4/116 و 5/145) ’’مجھے سرخ و سیاہ سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔‘‘ «وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً» (صحیح البخاري، حدیث: 335، وصحیح مسلم، حدیث: 523) ’’پہلے نبی کسی ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔‘‘ رسالت و نبوت کے بعد توحید کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

1 یہ پہلی صفت ہے، یعنی کائنات میں متصرف صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔ 2 اس میں نصاریٰ، یہود اور بعض ان عرب قبائل کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ 3 اس میں صنم پرست مشرکین اور ثَنَوِیَّت (دو خداؤں شر اور خیر، ظلمت اور نور کے خالق اہرمن و یزداں) کے قائلین کا رد ہے۔ 4 ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے اور اپنی حکمت و مشیت کے مطابق اس نے اپنی مخلوقات کو ہر وہ چیز بھی مہیا کی ہے جو اس کے مناسب حال ہے یا ہر چیز کی موت اور روزی اس نے پہلے سے ہی مقرر کر دی ہے۔ 5 لیکن ظالموں نے ایسے ہمہ صفات موصوف رب کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو رب بنا لیا ہے جو اپنے بارے میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، چہ جائیکہ وہ کسی اور کے لیے کچھ کر سکنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے بعد منکرین نبوت کے شبہات کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ 6 مشرکین کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) نے یہ کتاب گھڑنے میں یہود سے یا ان کے بعض موالی (مثلاً: ابو فکیهه یسار، عداس اور جبر وغیرہم) سے مدد لی ہے، جیسا کہ سورۂ نحل 16:103 میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن نے اس الزام کو ظلم اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے، بھلا ایک اُمّی شخص دوسروں کی مدد سے ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں بے مثال ہو، حقائق و معارف بیانی میں بھی معجز نگار ہو، انسانی زندگی کے لیے احکام و قوانین کی تفصیلات میں بھی لاجواب ہو اور اخبار ماضیہ اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نشاندہی اور وضاحت میں بھی اس کی صداقت مسلمہ ہو۔ 7 یہ ان کے جھوٹ اور افترا کے جواب میں کہا کہ قرآن کو تو دیکھو، اس میں کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی بات غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ بلکہ ہر بات بالکل صحیح اور سچی ہے، اس لیے کہ اس کو اتارنے والی ذات وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتی ہے۔ 8 اس لیے وہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ ان کا قرآن سازی کا الزام بڑا سخت ہے جس پر وہ فوری طور پر عذاب الٰہی کی گرفت میں آ سکتے ہیں۔ 9 قرآن پر طعن کرنے کے بعد رسول پر طعن کیا جا رہا ہے اور یہ طعن رسول کی بشریت پر ہے کیونکہ ان کے خیال میں بشریت، عظمت رسالت کی متحمل نہیں، اس لیے انھوں نے کہا کہ یہ

Marfat.com

أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ⑦ أَوْ يُلْقَىٰ

کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ہمراہ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا؟⑦ [1] یا اس کی طرف

إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ

کوئی خزانہ ڈالا جاتا[2] یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ (پھل) کھاتا[3] اور ظالموں نے

الظّٰلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ⑧ أُنْظُرْ كَيْفَ

(مومنوں سے) کہا: تم تو بس ایک جادو زدہ شخص ہی کی اتباع کرتے ہو⑧ [4] دیکھیے! انھوں

ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ⑨

نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں، وہ بہک گئے ہیں، لہٰذا وہ راہ نہیں پاسکتے⑨ [5]

تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ

وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے،

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُورًا ⑩ بَلْ

(یعنی) ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کے لیے محلات بنا دے⑩ [6] لیکن

كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

انھوں نے قیامت کو جھٹلایا،[7] اور ہم نے اس شخص کے لیے جو قیامت کو جھٹلائے، بھڑکتی آگ

سَعِيرًا ⑪ إِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا

تیار کر رکھی ہے⑪ جب وہ ان (مجرموں) کو دور دراز جگہ سے دیکھے گی تو وہ اس کا غضبناک ہونا

تَغَيُّظًا وَّزَفِيرًا ⑫ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ

اور چیخنا چلانا سنیں گے⑫ [8] اور جب وہ زنجیروں میں جکڑے اس کی کسی تنگ جگہ میں جھونکے

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ⑬ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا

جائیں گے، تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے⑬ (کہا جائے گا:) تم آج ایک ہلاکت کو مت

وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ⑭ قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ

پکارو، بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو⑭ [9] کہہ دیجیے: کیا یہ (عذاب) زیادہ بہتر ہے یا ابدی جنت[10]

تو کھاتا پیتا اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے، حالانکہ رسول کو تو بشر نہیں ہونا چاہیے۔ [1] مذکورہ اعتراض سے نیچے اتر کر کہا جا رہا ہے کہ چلو کچھ اور نہیں تو ایک فرشتہ ہی اس کے ساتھ ہو جو اس کا معاون اور مصدق ہو۔ [2] تاکہ طلب رزق سے وہ بے نیاز ہوتا۔ [3] تاکہ اس کی حیثیت تو ہم سے کچھ ممتاز ہو جاتی۔ [4] یعنی جس کی عقل و فہم سحر زدہ اور مختل ہے۔ [5] یعنی اے پیغمبر! آپ کی نسبت یہ اس قسم کی باتیں اور بہتان تراشی کرتے ہیں، کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی مسحور و مجنون اور کبھی کذاب و شاعر، حالانکہ یہ ساری باتیں باطل ہیں اور جن کے پاس ذرہ برابر بھی عقل و فہم ہے، وہ ان کا جھوٹا ہونا جانتے ہیں، پس یہ ایسی باتیں کر کے خود ہی راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، انھیں راہ راست کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ [6] یعنی یہ آپ کے لیے مطالبے کرتے ہیں، اللہ کے لیے ان کا کر دینا مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو ان سے بہتر باغات اور محلات دنیا میں آپ کو عطا کر سکتا ہے جو ان کے دماغوں میں ہیں۔ لیکن ان کے مطالبے تو تکذیب و عناد کے طور پر ہیں نہ کہ طلب ہدایت اور تلاش نجات کے لیے۔ [7] قیامت کا یہ جھٹلانا تکذیب رسالت کا باعث ہے۔ [8] یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدان حشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن غضب میں لینے کے لیے چلائے گی اور جھنجھلائے گی جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ (الملک 67:7،8) "جب جہنمی، جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ (جوش غضب سے) اچھلتی ہوگی، ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔" جہنم کا دیکھنا اور چلانا، ایک حقیقت ہے، استعارہ نہیں۔ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک کی قوت پیدا کر دینا، مشکل نہیں ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ آخر قوت گویائی بھی تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا اور وہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ﴾ (قٓ 50:30) کی صدا بلند کرے گی۔ [9] یعنی جہنمی جب جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر آرزو کریں گے کہ کاش! انھیں موت آ جائے، وہ فنا کے گھاٹ اتر جائیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت نہیں کئی موتوں کو پکارو۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمھاری قسمت میں ہمیشہ کے لیے انواع و اقسام کے عذاب ہیں، یعنی موتیں ہی موتیں ہیں، تم کہاں تک موت کا مطالبہ کرو گے! [10] "یہ" اشارہ ہے جہنم کے مذکورہ عذابوں کی طرف جن میں جہنمی جکڑ بند ہو کر مبتلا ہوں گے کہ یہ بہتر ہے جو کفر و شرک کا بدلہ ہے یا وہ جنت جس کا وعدہ متقین سے ان کے تقویٰ و اطاعت الٰہی پر کیا گیا ہے۔ یہ سوال جہنم میں کیا جائے گا لیکن اسے یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ شاید جہنمیوں کے اس انجام سے عبرت پکڑ کر لوگ تقویٰ و اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں اور اس انجام بد سے بچ جائیں جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے۔

Marfat.com

الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ⑮
جس کا متقین کو وعدہ دیا گیا ہے؟ وہ ان کے لیے جزا اور واپسی کی جگہ ہے⑮ اس میں ان کے
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ
لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے، ہمیشہ (وہاں) رہنے والے، یہ آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو
وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ
پوچھا جا سکتا ہے⑯ [1] اور جس دن اللہ انھیں اور ان کو جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، جمع
دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ
کرے گا پھر (ان سے) پوچھے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی راہ سے
هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ⑰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ
بھٹک گئے تھے؟⑰ [2] وہ کہیں گے: تو پاک ہے! ہمارے لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے
لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ
سوا کارساز بنائیں،[3] لیکن تو نے انھیں سامان زندگی دیا، اور ان کے باپ دادا کو بھی،
وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ⑱
حتیٰ کہ وہ (تیرا) ذکر بھول گئے، اور وہ لوگ[4] ہلاک ہونے والے تھے⑱
فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ
(اللہ فرمائے گا: اے کافرو!) یقیناً انھوں نے تو تمھیں جو تم کہتے تھے جھٹلا دیا، لہٰذا اب نہ تم (اپنے آپ
صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ
سے عذاب) ٹالنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ (کسی سے) مدد[5] (لے سکتے ہو)، اور تم میں سے جو شخص ظلم
عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ
(شرک) کرے گا[6] تو اسے ہم بہت بڑا عذاب چکھائیں گے⑲ اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے
اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا
جتنے بھی رسول بھیجے، بلاشبہ وہ کھانا کھاتے تھے[7] اور بازاروں میں چلتے تھے،[8] اور ہم نے تمھیں ایک
ع 2 11 17 بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳
دوسرے کے لیے آزمائش بنایا،[9] کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب (سب کچھ) خوب دیکھ رہا ہے⑳ [10]

[1] یعنی ایسا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، جیسے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنے ذمے یہ وعدہ واجب کر لیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لیے اس حسن جزا کو اپنے لیے ضروری قرار دے لیا ہے۔ [2] دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ ان میں جمادات (پتھر، لکڑی اور دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں، مثلاً: حضرت عزیر، حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے۔ اسی طرح فرشتوں اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور و ادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا۔ اور ان سب معبودین سے پوچھے گا کہ بتلاؤ! تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمھاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے تھے؟ [3] یعنی جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کی بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔ [4] یہ شرک کی علت ہے کہ دنیا کے مال و اسباب کی فراوانی نے انھیں تیری یاد سے غافل کر دیا اور ہلاکت و تباہی ان کا مقدر بن گئی۔ [5] یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو مشرکین سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم جن کو اپنا معبود گمان کرتے تھے، انھوں نے تو تمھیں تمھاری باتوں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ انھوں نے تم سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ گویا جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے، وہ مددگار ثابت نہیں ہوئے۔ اب کیا تمھارے اندر یہ طاقت ہے کہ تم میرے عذاب کو اپنے سے پھیر سکو اور اپنی مدد کر سکو؟ [6] ظلم سے مراد وہی شرک ہے جیسا کہ سیاق سے بھی واضح ہے اور قرآن میں دوسرے مقام پر شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمٰن 13:31) [7] یعنی وہ انسان تھے اور غذا کے محتاج۔ [8] یعنی رزق حلال کی فراہمی کے لیے کسب و تجارت بھی کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزیں منصب نبوت کے منافی نہیں جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ [9] یعنی ہم نے ان انبیاء کی اور ان کے ذریعے سے ان پر ایمان لانے والوں کی بھی آزمائش کی تاکہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے۔ جنھوں نے آزمائش میں صبر کا دامن پکڑے رکھا، وہ کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''کیا تم صبر کرو گے؟'' [10] یعنی وہ جانتا ہے کہ وحی رسالت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الأنعام 124:6) حدیث میں بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ بادشاہ نبی بنوں یا بندہ رسول؟ میں نے بندہ رسول بننا پسند کیا۔'' (ابن کثیر)

Marfat.com

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ
اور ان لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے: ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے[1]
اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿21﴾
یا ہم اپنے رب کو دیکھتے؟[2] بلاشبہ انھوں نے اپنے نفسوں میں تکبر کیا اور بہت بڑی سرکشی کی ﴿21﴾ [3] جس
يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ
دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی بشارت نہیں ہوگی،[4] اور وہ (فرشتے) کہیں گے:
وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿22﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ
(تم پر جنت) ممنوع وحرام کردی گئی ہے ﴿22﴾ [5] اور انھوں نے جو (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے ہم
عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿23﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ
ان کی طرف متوجہ ہوکر ان کو اڑتا ہوا پراگندہ گردوغبار بنادیں گے ﴿23﴾ [6] جنتی لوگ اس دن بہترین
مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ
ٹھکانے اور بہت اچھی آرام گاہ میں ہوں گے ﴿24﴾ [7] اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ

[1] یعنی کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کی بجائے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتے بھی نازل ہوتے جنھیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ اس بشر رسول کی تصدیق کرتے۔ [2] یعنی رب آ کر ہمیں کہتا کہ محمد (ﷺ) میرا رسول ہے اور اس پر ایمان لانا تمھارے لیے ضروری ہے۔ [3] اسی استکبار اور سرکشی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبے کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ایمان بالغیب کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا ہے۔ اگر وہ فرشتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے اتار دے یا آپ خود زمین پر نزول فرمالے تو اس کے بعد ان کی آزمائش کا پہلو ہی ختم ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسا کام کیوں کرے جو اس کی حکمت تخلیق اور مشیت کے خلاف ہے؟ [4] اس دن سے مراد موت کا دن ہے، یعنی یہ کافر فرشتوں کو دیکھنے کی آرزو تو کرتے ہیں لیکن موت کے وقت جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشی اور مسرت نہیں ہوگی، اس لیے کہ فرشتے انھیں اس موقع پر عذاب جہنم کی وعید سناتے ہیں اور کہتے ہیں: اے خبیث روح! خبیث جسم سے نکل، جس سے روح دوڑتی اور بھاگتی ہے جس پر فرشتے اسے مارتے اور کوٹتے ہیں جیسا کہ سورۂ انعام 93:6، سورۂ انفال 50:8 میں ہے۔ اس کے برعکس مومن کا حال وقت احتضار (جان کنی کے وقت) یہ ہوتا ہے کہ فرشتے اسے جنت اور اس کی نعمتوں کی نوید جاں فزا سناتے ہیں جیسا کہ سورۂ حم السجدة 41:30-32 میں ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی! نکل اور ایسی جگہ چل جہاں اللہ کی نعمتیں ہیں اور وہ رب ہے جو تجھ سے راضی ہے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھیے مسند أحمد: 364/2، 365، وسنن ابن ماجه، حديث: 4262) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں ہی قول صحیح ہیں، اس لیے کہ دونوں ہی دن ایسے ہیں کہ فرشتے مومن اور کافر دونوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ مومنوں کو رحمت و رضوان الٰہی کی خوش خبری اور کافروں کو ہلاکت وخسران کی خبر دیتے ہیں۔ [5] ﴿حِجْرًا﴾ کے اصل معنی ہیں: منع کرنا، روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا صغرسنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں: حَجَرَ الْقَاضِي عَلٰى فُلَانٍ قاضی نے فلاں کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا، اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت اس کے بیرونی حصے سے گزرنا چاہیے جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ اور عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عقل بھی انسان کو ایسے کاموں سے روکتی ہے جو انسان کے لائق نہیں ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے کافروں کو کہتے ہیں کہ تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی خوش خبری متقین کو دی جاتی ہے، یعنی یہ حَرَامًا مُّحَرَّمًا عَلَيْكُمْ کے معنی میں ہے۔ آج جنت الفردوس اور اس کی نعمتیں تم پر حرام ہیں، اس کے مستحق صرف اہل ایمان وتقویٰ ہوں گے۔ [6] ﴿هَبَآءً﴾ ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انھیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت والے دن ان ہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے کیونکہ وہ ایمان واخلاص سے بھی خالی ہوں گے اور موافقت شریعت سے بھی عاری۔ جبکہ عند اللہ قبولیت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں، ایمان واخلاص بھی اور شریعت اسلامیہ کی مطابقت بھی۔ یہاں کافروں کے اعمال کو جس طرح بے حیثیت ذروں کی مثل کہا گیا ہے، اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری تمثیلات پہلے گزر چکی ہیں، ملاحظہ ہو: (سورۂ بقرہ 264:2، سورۂ ابراہیم 18:14 اور سورۂ نور 29:24) [7] بعض نے

Marfat.com

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا 25 اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ
جائے گا[1] اور فرشتے لگا تار اتارے جائیں گے (25) اس دن حقیقی بادشاہی رحمٰن ہی کی ہوگی،
وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا 26 وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ
اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا (26) اور جس دن (ہر) ظالم اپنے دونوں ہاتھ
عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا 27
دانتوں سے کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا: اے کاش! میں رسول کے ساتھ راہ اختیار کرتا (27)
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا 28 لَقَدْ اَضَلَّنِيْ
ہائے میری کم بختی! کاش! میں فلاں (شخص) کو دوست نہ بناتا (28) [2] بلاشبہ اس نے میرے پاس ذکر
عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ
(قرآن) آجانے کے بعد مجھے (اس سے) بہکا دیا اور شیطان انسان کو (مصیبت میں) بے یارومددگار
خَذُوْلًا 29 وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا
چھوڑ دینے والا ہے (29) اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو
الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا 30 وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ
متروک بنا دیا (پس پشت ڈال دیا) تھا (30) [3] اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن مجرموں میں سے
الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا 31 وَقَالَ الَّذِيْنَ
بنائے [4] اور آپ کا رب ہادی اور مددگار کافی ہے (31) [5] اور کافروں نے کہا: اس پر یہ قرآن ایک ہی
كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛ
بار اکٹھا کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ [6] اسی طرح (ہم نے نازل کیا) ہے، تاکہ ہم اس سے آپ کا
كَذٰلِكَ ۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا 32
دل مضبوط کریں، اور ہم نے اسے خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا ہے (32) [7] اور وہ (کافر) جب آپ کے

سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے قیامت کا یہ ہولناک دن اتنا مختصر اور ان کا حساب اتنا آسان ہوگا کہ قیلولے کے وقت تک یہ فارغ ہو جائیں گے اور جنت میں یہ اپنے اہل خاندان اور حورعین کے ساتھ دوپہر کو استراحت فرما ہوں گے، جس طرح حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے یہ دن اتنا ہلکا ہوگا کہ جتنا دنیا میں ایک فرض نماز ادا کر لینا۔ (مسند أحمد: 75/3)

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سایہ فگن ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں، میدان محشر میں، جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی، حساب کتاب کے لیے جلوہ فرما ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ 2: 210 سے بھی واضح ہے۔ [2] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہیے، اس لیے کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت طالح سے انسان برا بنتا ہے۔ اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرنا ہی ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید اور بری صحبت سے اجتناب کو ایک بہترین مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، حدیث: 2628) [3] مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور کرتے تاکہ قرآن سنا نہ جا سکے، یہ بھی ہجران ہے، اس پر ایمان نہ لانا اور عمل نہ کرنا بھی ہجران ہے، اس پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی ہجران ہے۔ اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا، یہ بھی ہجران ہے، یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے، جس کے خلاف قیامت والے دن اللہ کے پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر فرمائیں گے۔

[4] یعنی جس طرح اے محمد! تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح گزشتہ امتوں میں بھی تھا، یعنی ہر نبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو مجرم تھے، وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے تھے۔ سورۂ انعام 6:12 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ [5] یعنی یہ کافر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں لیکن تیرا رب جس کو ہدایت دے، اس کو ہدایت سے کون روک سکتا ہے؟ اصل ہادی اور مددگار تو تیرا رب ہی ہے۔ [6] جس طرح تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کتابیں بیک مرتبہ نازل ہوئیں۔ [7] اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے حالات و ضروریات کے مطابق اس قرآن کو تقریباً 23 سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اے پیغمبر! تیرا اور اہل ایمان کا دل مضبوط ہو اور ان کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ (بنی إسرآءیل 17:106) ''اور قرآن، اس کو ہم نے جدا جدا کیا تاکہ تو اسے لوگوں پر رک رک کر پڑھے اور ہم نے اس کو وقفے وقفے سے اتارا۔'' اس قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے۔ بارش جب بھی نازل ہوتی ہے، مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش وقتاً فوقتاً نازل ہو نہ کہ ایک ہی مرتبہ ساری بارش کے نزول سے۔

Marfat.com

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ

پاس کوئی مثال (اعتراض) لے کر آئیں تو ہم (جواب میں) آپ کو حق اور (اس کی) بہت اچھی توجیہ و

تَفْسِيْرًا ﴿33﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ

تفسیر بتا دیتے ہیں﴿33﴾[1] جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، وہی لوگ

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿34﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

بدترین مکان والے اور گمراہ ترین راہ والے ہیں﴿34﴾ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس

الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿35﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ

کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو مدد گار بنایا﴿35﴾ پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم کی طرف جاؤ

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿36﴾

جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر ہم نے انھیں بالکل ہی ہلاک کر کے رکھ دیا﴿36﴾ اور قوم نوح

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ

کو بھی، جب اس نے رسولوں کی تکذیب کی، ہم نے انھیں غرق کر دیا، اور ہم نے انھیں لوگوں

لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَّاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿37﴾

کے لیے نشانِ (عبرت) بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے﴿37﴾

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ

اور قوم عاد اور ثمود اور کنویں والے[2] اور ان کے درمیان (دیگر) بہت سی قوموں[3] کو بھی (ہم نے

كَثِيْرًا ﴿38﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

ہلاک کر دیا)﴿38﴾ اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں[4] اور سب کو بالکل تباہ و برباد

تَتْبِيْرًا ﴿39﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

کر دیا﴿39﴾[5] اور بلاشبہ یہ لوگ اس (قوم کی) بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿40﴾

گئی[6] کیا پھر وہ اسے دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ وہ دوبارہ (جی) اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے تھے﴿40﴾[7] اور

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ

(اے نبی!) جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو ہنسی مذاق کا نشانہ بناتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہی

اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿41﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا

ہے وہ جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟﴿41﴾[8] بے شک وہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانے ہی لگا

عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ

تھا[9] اگر ہم ان (معبودوں کی عبادت) پر جمے نہ رہتے، اور جلد وہ جان لیں گے جب عذاب دیکھیں گے

ع 3/14/1

[1] یہ قرآن کے وقفے وقفے سے اتارے جانے کی حکمت و علت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یا وضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انھیں لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ [2] رَسٌّ کے معنی کنویں کے ہیں: وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ کنویں والے۔ اس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ (ابن کثیر) [3] قَرْنٌ کے صحیح معنی ہیں: ہم عصر لوگوں کا ایک گروہ۔ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسری نسل دوسرا قرن کہلائے گی۔ (ابن کثیر) اس معنی میں ہر نبی کی امت بھی ایک قرن ہو سکتی ہے۔ [4] یعنی دلائل کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی۔ [5] یعنی اتمام حجت کے بعد۔ [6] بستی سے قوم لوط کی بستیاں سدوم اور عاموراء وغیرہما مراد ہیں اور بری بارش سے پتھروں کی بارش مراد ہے۔ ان بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا اور اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش کی گئی تھی جیسا کہ سورۂ ہود 11:82 میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بستیاں شام و فلسطین کے راستے میں پڑتی ہیں جن سے گزر کر ہی اہل مکہ آتے جاتے تھے۔ [7] اس لیے ان تباہ شدہ بستیوں اور ان کے کھنڈر دیکھنے کے باوجود عبرت نہیں پکڑتے۔ اور آیات الٰہی اور اللہ کے رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے۔ [8] دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا: اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ (الأنبیآء 21:36) ”کیا یہی وہ شخص ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟“ یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی توہین تھی، جیسے آج بھی قبر پرستوں کو کہا جائے کہ قبروں میں مدفون بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ [9] یعنی ہم ہی اپنے آباء و اجداد کی تقلید اور روایتی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں آئے ورنہ اس پیغمبر نے ہمیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا کہ کس طرح وہ شرک پر جمے ہوئے ہیں کہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿42﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ

کہ سب سے زیادہ بے راہ کون ہے ﴿42﴾ [1] کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا

تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿43﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ

ہے؟ کیا پھر آپ اس کے ذمہ دار بنتے ہیں ﴿43﴾ [2] یا آپ سمجھتے ہیں کہ بے شک ان میں سے اکثر

اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿44﴾

سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ ہیں ﴿44﴾ [3]

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ

کیا آپ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کیسے پھیلایا ہے [4] اور اگر وہ

سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿45﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ

چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا، [5] پھر ہم نے سورج کو اس (سائے) پر رہنما بنایا ﴿45﴾ [6] پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ

اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿46﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ

اپنی طرف سمیٹ لیا ﴿46﴾ [7] اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمھارے لیے رات کو لباس [8] اور نیند کو

لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿47﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ

(ذریعۂ) آرام بنایا [9] اور اس نے دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا ﴿47﴾ [10] اور وہی (اللہ) ہے

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

جس نے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں چلائیں، اور ہم نے آسمان

السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿48﴾ لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا

سے پاکیزہ پانی اتارا ﴿48﴾ [11] تاکہ ہم اس سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور ہم اپنی مخلوق میں سے بہت

[1] یعنی اس دنیا میں تو ان مشرکین اور غیر اللہ کے پجاریوں کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں لیکن جب یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے اور وہاں انھیں شرک کی وجہ سے عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا تو پتہ لگے گا کہ گمراہ کون تھا؟ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے یا در در پر اپنی جبینیں جھکانے والے؟ [2] یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی، اسی کو اپنا دین و مذہب بنا لیا، کیا ایسے شخص کو تو راہ یاب کر سکتا ہے یا اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ”کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا، پس وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ یاب، پس تو ان پر حسرت و افسوس نہ کر۔“ (فاطر 8:35) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں آدمی ایک عرصے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا، جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آجاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو عقل و فہم سے اس طرح عاری اور محض خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں، اے پیغمبر! کیا تو ان کو ہدایت کے راستے پر لگا سکتا ہے؟ یعنی نہیں لگا سکتا۔ [3] یعنی یہ چوپائے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اسے وہ سمجھتے ہیں لیکن انسان جسے صرف ایک اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا تھا، وہ رسولوں کی یاد دہانی کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا اور در در پر اپنا ماتھا ٹیکتا پھرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ یقیناً چوپائے سے بھی زیادہ بدتر اور گمراہ ہے۔ [4] یہاں سے پھر توحید کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کس طرح سایہ پھیلایا ہے جو صبح صادق کے بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، دھوپ کے ساتھ یہ سمٹنا اور سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ [5] یعنی ہمیشہ سایہ ہی رہتا، سورج کی دھوپ سائے کو ختم ہی نہ کرتی۔ [6] یعنی دھوپ ہی سے سائے کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو سائے سے بھی لوگ متعارف نہ ہوتے۔ [7] یعنی وہ سایہ آہستہ آہستہ ہم اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس کی جگہ رات کا گھمبیر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ [8] یعنی لباس جس طرح لباس انسانی ڈھانچے کو چھپا لیتا ہے، اسی طرح رات تمھیں اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔ [9] سُبَاتًا کے معنی کاٹنے کے ہوتے ہیں۔ نیند انسان کے جسم کو عمل سے کاٹ دیتی ہے جس سے اس کو راحت میسر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک سبات کے معنی تمدد (پھیلنے) کے ہیں۔ نیند میں بھی انسان دراز ہو جاتا ہے، اس لیے اسے سبات کہا۔ (أيسر التفاسير و فتح القدير) [10] یعنی نیند جو موت کی نظیر ہے، دن کو انسان اس نیند سے بیدار ہو کر کاروبار اور تجارت کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ صبح بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ» (صحيح البخاري، حديث: 6324) ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔“ [11] طَهُوْرًا (بفتح الطاء) فَعُول کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے بمعنی طاہر، مُطَهِّر، جو پاک ہو اور پاک کرنے والا ہو، یعنی ایسی چیز جو پاک کرنے والی ہوتی ہے جیسے وضو کے پانی کو وَضُوء اور ایندھن کو وَقُود کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طاہر (خود بھی پاک)

Marfat.com

خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿49﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ

سے مویشیوں اور انسانوں کو وہ (پانی) پلائیں (49) اور بلاشبہ ہم نے اس کو ان کے سامنے بار بار

لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿50﴾ وَلَوْ شِئْنَا

بیان کیا[1] تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے (50)[2] اور اگر ہم

لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿51﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ

چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیجتے (51)[3] چنانچہ آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿52﴾ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ

سے بذریعہ قرآن بڑے زور کا جہاد کریں (52)[4] اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو سمندر ملائے، یہ

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا

بہت لذیذ و شیریں ہے (پیاس بجھانے والا)، اور یہ بہت کڑوا کھاری ہے[5] اور اس نے ان

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿53﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا

دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط آڑ رکھی (53)[6] اور وہی (اللہ) ہے جس نے پانی (منی) سے

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿54﴾ وَیَعْبُدُوْنَ

انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے نسبی اور سسرالی رشتے ٹھہرائے[7] اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے (54) اور

اور مطہر (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے "إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" (سنن أبي داود، حديث: 67، وجامع الترمذي، حديث: 66، وسنن النسائي، حديث: 327، وسنن ابن ماجه، حديث: 520 وصححه الألباني في السنن) "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔

[1] یعنی قرآن کریم کو۔ اور بعض نے صَرَّفْنٰهُ میں "ہ" کا مرجع بارش کو قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں، یعنی کبھی ایک علاقے میں، کبھی دوسرے علاقے میں حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ہی شہر کے ایک حصے میں بارش ہوتی ہے، دوسروں میں نہیں ہوتی اور کبھی دوسرے حصوں میں ہوتی ہے، پہلے حصے میں نہیں ہوتی، یہ اللہ کی حکمت و مشیت ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، کہیں بارش برساتا ہے اور کہیں نہیں اور کبھی کسی علاقے میں اور کبھی کسی اور علاقے میں۔ [2] ایک کفر اور ناشکری یہ بھی ہے کہ بارش کو مشیت الٰہی کی بجائے ستاروں کی گردش کا نتیجہ قرار دیا جائے جیسا کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے۔ كما في الحديث حدیث میں اس عقیدے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [3] لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بستیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ [4] جَاهِدْهُمْ بِهٖ میں "ہ" کا مرجع قرآن ہے، یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں، یہ آیت مکی ہے، ابھی جہاد کا حکم نہیں ملا تھا، اس لیے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے اوامر و نواہی کھول کھول کر بیان کریں اور اہل کفر کے لیے جو زجر و توبیخ اور وعیدیں ہیں، وہ واضح کریں۔ [5] آب شیریں کو فُرَاتٌ کہتے ہیں، فُرَاتٌ کے معنی ہیں: کاٹ دینا، توڑ دینا، میٹھا پانی پیاس کو کاٹ دیتا ہے، یعنی ختم کر دیتا ہے۔ اُجَاجٌ سخت کھارا یا کڑوا۔ [6] جو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔ بعض نے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کے معنی کیے ہیں: حَرَامًا مُحَرَّمًا ان پر حرام کر دیا گیا ہے کہ میٹھا پانی کھارا یا کھارا پانی میٹھا ہو جائے۔ اور بعض مفسرین نے مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ کا ترجمہ کیا ہے، خَلَقَ الْمَائَیْنِ "دو پانی پیدا کیے" ایک میٹھا اور دوسرا کھارا۔ میٹھا پانی تو وہ ہے جو نہروں، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں آبادیوں کے درمیان پایا جاتا ہے جس کو انسان اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور کھارا پانی وہ ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندروں میں ہے جو کہتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ ہیں اور ایک چوتھائی حصہ خشکی کا ہے جس میں انسانوں اور حیوانوں کا بسیرا ہے۔ یہ سمندر ساکن ہیں، البتہ ان میں مد و جزر ہوتا رہتا اور موجوں کا تلاطم جاری رہتا ہے۔ سمندری پانی کے کھارا رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ میٹھا پانی زیادہ دیر تک کہیں ٹھہرا رہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے، اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ کھارا پانی خراب نہیں ہوتا، نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے نہ رنگ اور بو۔ اگر ان ساکن سمندروں کا پانی بھی میٹھا ہوتا تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، جس سے انسانوں اور حیوانوں کا زمین میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس میں مرنے والے جانوروں کی سڑاند اس پر مستزاد۔ اللہ کی حکمت یہ ہے کہ ہزاروں برس سے یہ سمندر موجود ہیں اور ان میں ہزاروں جانور مرتے ہیں اور انھی میں گل سڑ جاتے ہیں لیکن اللہ نے ان میں ملاحت (نمکیات) کی اتنی مقدار رکھ دی ہے کہ وہ اس کے پانی میں ذرا بھی بدبو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ان سے اٹھنے والی ہوائیں بھی صحیح ہیں اور ان کا پانی بھی پاک ہے حتیٰ کہ ان کا مردار بھی حلال ہے۔ (موطأ إمام مالك: 47/1، وسنن ابن ماجه، حديث: 387، وسنن أبي داود، حديث: 83، وجامع الترمذي، حديث: 69، وسنن النسائي، حديث: 333) [7] نَسَبًا سے مراد وہ رشتے داریاں ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں اور صِهْرًا سے مراد

Marfat.com

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ
وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور
الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿55﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
کافر تو اپنے رب کے مقابل (شیطان کا) مددگار ہے ﴿55﴾ اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو بشارت دینے والا
مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿56﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ
اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿56﴾ کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر جو یہ
شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿57﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ
چاہے کہ اپنے رب کی طرف راہ پکڑے (وہ اسے مان لے) ﴿57﴾ [1] اور آپ اس زندہ (اللہ) پر
الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ
توکل کیجیے جو مرے گا نہیں، اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے
عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ﴿58﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
باخبر رہنے کو کافی ہے ﴿58﴾ وہ ذات جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے
بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ
درمیان ہے، چھ دنوں میں، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، (وہی) رحمٰن ہے، لہٰذا کسی باخبر سے اس کی
فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿59﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا
شان پوچھ لیں ﴿59﴾ اور جب ان سے کہا جائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: کیا ہے رحمٰن؟ کیا ہم
وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿60﴾ (السجدة)
اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ اور اس (تبلیغ) نے ان کو نفرت میں زیادہ کر دیا ﴿60﴾ [2]
تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا
وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے آسمان میں ستارے بنائے [3] اور اس میں چراغ (سورج) اور
وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿61﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
روشن چاند بنایا ﴿61﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے رات اور دن
خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿62﴾ وَعِبَادُ
بنائے [4] اس شخص (کی نصیحت) کے لیے جو نصیحت پکڑنا چاہے یا شکر کرنا چاہے ﴿62﴾ اور رحمٰن کے
الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿63﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ
بات کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے ﴿63﴾ [5] اور وہ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں رات

قرابت داری ہے جو شادی کے بعد میاں بیوی کی طرف سے ہو جس کو ہماری زبان میں سسرالی رشتے کہا جاتا ہے۔ ان دونوں رشتے داریوں کی تفصیل آیت وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ...... غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النسآء 23,22:4) میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور رضاعی رشتے داریاں حدیث کی رو سے نسبی رشتوں کے مانند ہیں جیسا کہ فرمایا: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ (صحيح البخاري، حديث: 2645، وصحيح مسلم، حديث: 1444)

[1] یعنی یہی میرا اجر ہے کہ رب کا راستہ اختیار کر لو۔ [2] الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کی صفات اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں لیکن اہل جاہلیت اللہ کو ان ناموں سے نہیں پہچانتے تھے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ نے معاہدے کے آغاز پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھوایا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے، بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔ (صحيح مسلم، حديث: 1784، وسيرت ابن هشام: 332/3)، مزید دیکھیے: (سورۂ رعد 30:13، سورۂ بنی اسرائیل 110:17) یہاں بھی ان کا رحمٰن کے نام سے بدکنے اور سجدہ کرنے سے گریز کرنے کا ذکر ہے۔ [3] بُرُوْجًا بُرْج کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لیے گئے ہیں۔ اور اسی مراد پر کلام کا نظم واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے۔ بعد کے مفسرین نے اس سے اصطلاحی بروج مراد لیے ہیں۔ اور یہ بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اور یہ برج سات بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں۔ جن کے نام ہیں۔ مریخ، زہرہ، عطارد، قمر، شمس، مشتری اور زحل۔ یہ کواکب (سیارے) ان برجوں میں اس طرح اترتے ہیں، جیسے یہ ان کے لیے عالی شان محل ہیں۔ (أيسر التفاسير) [4] یعنی رات جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد و مصالح محتاج وضاحت نہیں۔ بعض نے خِلْفَةً کے معنی ایک دوسرے کے مخالف کے کیے ہیں، یعنی رات تاریک ہے تو دن روشن۔ [5] سَلٰمًا سے مراد یہاں اعراض اور ترک بحث

Marfat.com

سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿64﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ
گزارتے ہیں (64) اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے، بلاشبہ
جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿65﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا
اس کا عذاب دائمی چمٹنے والا ہے (65) [1] بے شک وہ (جہنم) ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بری جگہ
وَّمُقَامًا ﴿66﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
ہے (66) اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی (بخیلی) ہی، اور
وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿67﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ
ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے (67) [2] اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں
اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
پکارتے، اور وہ کسی نفس کو بھی جسے (مارنا) اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، ناحق قتل نہیں کرتے [3] اور وہ زنا
بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿68﴾
نہیں کرتے، [4] اور جو کوئی یہ کام کرے گا، وہ گناہ کی سزا پائے گا (68) یوم قیامت اس کا عذاب دگنا
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿69﴾ اِلَّا مَنْ
کردیا جائے گا، اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا (69) مگر جس نے توبہ کی
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ
اور وہ ایمان لایا اور نیک عمل کیے، [5] تو انھی لوگوں کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل دے
حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿70﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا
گا، [6] اور اللہ غفور (اور) رحیم ہے (70) اور جو توبہ کرے، اور نیک کام کرے، تو بلاشبہ وہ اللہ سے توبہ

ومجادلہ ہے، یعنی اہل ایمان، اہل جہالت و اہل سفاہت سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض وگریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔

[1] اس سے معلوم ہوا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آجائیں، اس لیے وہ عذاب جہنم سے بھی پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادات و طاعات الٰہی پر کسی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ (المؤمنون 23 : 60) ''اور وہ لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' ڈر صرف اسی بات کا نہیں کہ انھیں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کا بھی کہ ان کا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، اے ابوبکر کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3175) [2] اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف اور اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا اقتار (بخیلی) اور اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا قَوَامًا ہے۔ (فتح القدير) اسی طرح نَفَقَات واجبہ اور مباحات میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آسکتا ہے، اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔ [3] اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں: اسلام کے بعد کوئی دوبارہ کفر اختیار کرے جسے ارتداد کہتے ہیں یا شادی شدہ شخص بدکاری کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کردے۔ ان تینوں صورتوں میں قتل کیا جائے گا، البتہ شادی شدہ زانی کے قتل کے لیے طریقہ رجم اختیار کیا جائے گا۔ [4] حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے درآں حالیکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: ''اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' اس نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے، پھر آپ نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4477، وصحيح مسلم، حديث: 86) [5] اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ اور سورۂ نساء کی آیت: 93 میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے تو وہ اس صورت پر محمول ہوگی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کیے ہی فوت ہوگیا ہو۔ ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمی کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2766) [6] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا

Marfat.com

فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا 71 وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ

کرتا ہے جیسے توبہ کرنے کا حق ہے (71) [1] اور وہ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے،[2] اور جب کسی لغو اور بیہودہ

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا 72 وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ

کام سے ان کا گزر ہو تو وہ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں (72) [3] اور وہ کہ جب انھیں ان کے رب کی

رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا 73 وَالَّذِيْنَ

آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (73) [4] اور

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا 74 اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ

کر،[5] اور ہمیں متقیوں کا امام بنا (74) [6] انھی لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے میں (جنت کے) بالاخانے جزا

بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا 75 خٰلِدِيْنَ

میں دیے جائیں گے، اور وہاں دعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال ہوگا (75) وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے،

فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا 76 قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ

وہ (بہشت) بہت اچھا مستقر اور مقام ہوگا (76) کہہ دیجیے: اگر تمھاری دعا و التجا نہ ہوتی تو میرا رب

رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا 77

تمھاری پروا نہ کرتا،[7] تم (حق کو) جھٹلا چکے ہو، لہٰذا وہ (عذاب تمھیں) عنقریب لازم ہو کر رہے گا (77) [8]

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ | اٰيَاتُهَا: 227 | رُكُوْعَاتُهَا: 11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ 1 تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ 2 لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

طٰسٓمّٓ (1) یہ واضح کتاب کی آیات ہیں (2) (اے نبی!) شاید اس (غم)

نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ 3 اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ

سے کہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ خود کو ہلاک ہی کر لیں گے (3) [9] اگر ہم چاہیں تو

حال تبدیل فرما دیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا، اب نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کرتا تھا، اب صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا، اب مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہوگا۔ یہ وہ آدمی ہوگا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، بڑے گناہ ایک طرف رکھ دیے جائیں گے۔ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار کی اسے طاقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہوگا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے کہ اتنے میں اس سے کہا جائے گا کہ جا، تیرے لیے ہر برائی کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مہربانی دیکھ کر وہ کہے گا کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ میں انھیں یہاں نہیں دیکھ رہا۔'' یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 190)

[1] پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے۔ اس توبہ کا تعلق دیگر معاصی اور کوتاہیوں سے ہے۔ [2] زُور کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ہر باطل چیز بھی جھوٹ ہے، اس لیے جھوٹی گواہی سے لے کر کفر و شرک اور ہر طرح کی غلط چیزیں، مثلاً: لہو و لعب، گانا اور دیگر بیہودہ جاہلانہ رسوم و افعال، سب اس میں شامل ہیں اور عِبَادُ الرَّحْمٰن کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ کسی بھی جھوٹ میں اور جھوٹ کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ [3] لَغْو ہر وہ بات اور کام ہے جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں، یعنی ایسے کاموں اور باتوں میں بھی وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔ [4] یعنی وہ ان سے اعراض و غفلت نہیں برتتے، جیسے وہ بہرے ہوں کہ سنیں ہی نہیں یا اندھے ہوں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے اور انھیں آویزۂ گوش اور حرز جان بناتے ہیں۔ [5] یعنی انھیں اپنا بھی فرماں بردار بنا اور ہمارا بھی اطاعت گزار جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ [6] یعنی ایسا اچھا نمونہ کہ خیر میں وہ ہماری اقتدا کریں۔ [7] دعا و التجا کا مطلب اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمھارا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت ہے اگر یہ نہ ہو تو اللہ کو تمھاری کوئی پروا نہ ہو، یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدر و قیمت، اس کے اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ہے۔ [8] اس میں کافروں سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کو جھٹلا دیا ہے، سو اب اس کی سزا بھی لازماً تمھیں چکھنی ہے، چنانچہ دنیا میں یہ سزا بدر میں شکست کی صورت میں انھیں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انھیں دوچار ہونا پڑے گا۔ [9] نبی ﷺ کو انسانیت

Marfat.com

مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں، پھر اس کے آگے ان کی گردنیں جھکی ہی رہ جائیں ④ [1]

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ

اور رحمٰن کے پاس سے جو بھی کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اس سے اعراض کر

مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

لیتے ہیں ⑤ چنانچہ یقیناً وہ جھٹلا چکے، لہٰذا جلد ان کے پاس اس کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اڑایا کرتے تھے ⑥ [2] کیا انھوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی ہی عمدہ چیزیں

زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

اگائی ہیں ⑦ [3] بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے، [4] اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ⑧ [5] اور

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ

بے شک آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا ⑨ [6] اور (یاد کریں) جب آپ کے رب نے

ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪

موسیٰ کو پکارا کہ تو ظالم قوم کے پاس جا ⑩ [7] (یعنی) قوم فرعون کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں؟ ⑪

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ⑫ وَيَضِيْقُ

اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے ⑫ اور میرا سینہ

صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ وَلَهُمْ

تنگ ہوتا ہے [8] اور میری زبان نہیں چلتی، [9] لہٰذا تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج ⑬ [10] اور ان کا میرے

عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ⑭ قَالَ كَلَّا ۚ

ذمے ایک گناہ (جرم) ہے، لہٰذا مجھے خوف آتا ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ⑭ [11] فرمایا: ہرگز نہیں! چنانچہ

سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔

[1] یعنی جسے مانے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جبر کا پہلو شامل ہو جاتا جبکہ ہم نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے، اس لیے ہم نے ایسی نشانی بھی اتارنے سے گریز کیا جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیاء و رسل بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ [2] یعنی تکذیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب عنقریب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزا و مذاق کرتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں، بصورت دیگر آخرت میں تو اس سے کسی صورت چھٹکارا نہیں ہوگا۔ مَا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ نہیں کہا بلکہ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کہا کیونکہ استہزا ایک تو اعراض و تکذیب کو بھی مستلزم ہے۔ دوسرے، یہ اعراض و تکذیب سے زیادہ بڑا جرم ہے۔ (فتح القدیر) [3] زَوْجٍ کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیے گئے ہیں، یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں، یعنی انسان کے لیے فائدے مند یا بکثرت۔ جس طرح غلہ جات ہیں، پھل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ [4] یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیزیں پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔ [5] یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔ [6] یعنی ہر چیز پر اس کا غلبہ اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے، اس لیے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مہلت دیتا ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ کرتا ہے۔ [7] یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس آ رہے تھے، راستے میں انھیں حرارت حاصل کرنے کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انھیں نبوت سے سرفراز کر کے اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ سونپ دیا گیا۔ [8] اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف انبیاء کو بھی لاحق ہو سکتا تھا کیونکہ انبیاء بھی انسان ہی تھے اور بشری عوارض نبوت کے منافی نہیں۔ [9] یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ فصیح اللسان نہیں تھے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی جیسا کہ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں لیکن بعد میں یہ عارضہ ختم ہو گیا تھا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ 20:36 میں ہے۔ [10] یعنی ان کی طرف جبریل کو وحی دے کر بھیج اور انھیں بھی وحی و نبوت سے سرفراز فرما کر میرا معاون بنا۔ [11] یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا اور مقتول قبطی، یعنی فرعون کی قوم سے تھا، اس لیے فرعون اس کے بدلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا جس کی اطلاع پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ اس واقعے پر اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے مگر فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود

Marfat.com

فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿15﴾ فَاْتِيَا
تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ،[1] یقیناً ہم تمھارے ساتھ خوب سننے والے ہیں ﴿15﴾ [2] چنانچہ تم
فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿16﴾ اَنْ اَرْسِلْ
دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: بلاشبہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں ﴿16﴾ یہ کہ بنی
مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿17﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا
اسرائیل کو (آزاد کر کے) ہمارے ساتھ بھیج دے ﴿17﴾ [3] فرعون نے کہا: کیا ہم نے اپنے پاس بچپن
وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿18﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ
میں تیری پرورش نہیں کی[4] اور تو ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی برس نہیں رہا؟ ﴿18﴾ [5] اور تو اپنا وہ کام کر
الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿19﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا
گیا جو کر گیا، اور تو ناشکروں میں سے ہے ﴿19﴾ [6] اس نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جبکہ
وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿20﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ
میں بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے تھا ﴿20﴾ [7] پھر جب میں تم سے ڈرا تو میں تم سے بھاگ گیا، پھر
رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿21﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ
میرے رب نے مجھے حکم بخشا اور اس نے مجھے رسولوں میں سے بنایا ﴿21﴾ [8] اور (کیا یہی ہے) وہ
تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿22﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ
احسان جو تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ﴿22﴾ [9] فرعون نے کہا:
وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿23﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور رب العالمین کیا ہے؟ ﴿23﴾ [10] اس نے کہا: وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان
وَمَا بَيْنَهُمَآ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿24﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ
ہے، ان کا رب ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو ﴿24﴾ اس نے اپنے ارد گرد والوں (درباریوں) سے
اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿25﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿26﴾ قَالَ
کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ﴿25﴾ [11] اس نے کہا: (وہ) تمھارا اور تمھارے اگلے آباؤ اجداد کا رب ہے ﴿26﴾ اس
اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿27﴾ قَالَ رَبُّ
نے کہا: بلاشبہ تمھارا یہ رسول، جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، یقیناً دیوانہ ہے ﴿27﴾ اس نے کہا: (وہ)

تھا کہ فرعون ان کو اس جرم میں پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے، اس لیے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

[1] اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام اس کو پہنچاؤ، تمھیں جو اندیشے لاحق ہیں ان سے ہم تمھاری حفاظت کریں گے۔ آیات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جن سے ہر پیغمبر کو آگاہ کیا جاتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، جیسے ید بیضا اور عصا۔ [2] یعنی تم جو کچھ کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا، ہم سن رہے ہوں گے، اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمھیں فریضۂ رسالت سونپ کر تمھاری حفاظت سے بے پروا نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ وہ ساتھ ہوتا ہے جس طرح اس کے شان کے لائق ہے یا نصرت و معاونت کی معیت مراد ہے۔ [3] یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انھیں شام کی سرزمین پر لے جاؤں جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ [4] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کی بجائے ان کی تحقیر و تنقیص کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا بڑھا ہے؟ [5] بعض کہتے ہیں کہ 18 سال فرعون کے محل میں بسر کیے، بعض کے نزدیک 30 اور بعض کے نزدیک چالیس سال، یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد چند سال ادھر ادھر رہ کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا ہے؟ [6] پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔ [7] یعنی یہ قتل ارادتاً نہیں تھا بلکہ ایک گھونسہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا جس سے اس کی موت ہی واقع ہو گئی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جبکہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔ [8] یعنی پہلے جو کچھ ہوا، اپنی جگہ لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں اگر میری اطاعت کرے گا تو بچ جائے گا، بصورت دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہو گی۔ [9] یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ اپنے گھر میں رکھ کر میری پرورش کی، حالانکہ اس کا سبب خود تیرا ظلم و ستم تھا اگر تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر ان کے بیٹوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع نہ کر رکھا ہوتا تو میں اپنے گھر میں پرورش پاتا۔ [10] یہ اس نے بطور استفہام کے نہیں بلکہ استکبار اور استنکار کے طور پر کہا کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا: مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (القصص 38:28) ''میں اپنے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود جانتا ہی نہیں۔'' [11] یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معبود ہے؟

Marfat.com

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ قَالَ

مشرق ومغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کا رب ہے[1] اگر تم عقل رکھتے ہو﴿28﴾ اس

لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿29﴾

نے کہا: البتہ اگر تو نے میرے سوا کوئی اور معبود پکڑا تو میں ضرور تجھے قیدیوں میں سے کردوں گا﴿29﴾[2]

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ

موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح شے (دلیل) لاؤں (تب بھی؟) ﴿30﴾[3] اس نے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ

کہا: اگر تو سچوں میں سے ہے تو وہ تو لے ہی آ﴿31﴾ چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو آناً فاناً وہ واضح

ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿32﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ

اژدہا بن گیا﴿32﴾[4] اور اس نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ نکالا تو اس وقت وہ دیکھنے والوں کے

لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿33﴾ ع قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

لیے سفید (چمکتا) تھا﴿33﴾[5] فرعون نے اپنے اردگرد موجود سرداروں سے کہا: بلاشبہ یہ ضرور ماہر

عَلِيْمٌ ﴿34﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ

جادوگر ہے﴿34﴾[6] وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمھیں تمھاری زمین سے نکال دے، لہٰذا تم کیا

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿35﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي

مشورہ دیتے ہو﴿35﴾[7] انھوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے، اور شہروں میں (جادوگروں

الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿36﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿37﴾ فَجُمِعَ

کو) اکٹھا کرنے والے بھیج دے﴿36﴾ (کہ) وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں﴿37﴾ چنانچہ

السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿38﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

جادوگر ایک مقرر دن کو (خاص) وقت پر جمع کرلیے گئے﴿38﴾[9] اور لوگوں سے کہا گیا: کیا تم بھی جمع

[1] یعنی جس نے مشرق بنایا جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور مغرب بنایا جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے، ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔ [2] فرعون نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام مختلف انداز سے رب العالمین کی ربوبیت کاملہ کی وضاحت کررہے ہیں جس کا کوئی معقول جواب اس سے نہیں بن پارہا تو اس نے دلائل سے صرف نظر کرکے دھمکی دینی شروع کردی اور موسیٰ علیہ السلام کو حوالۂ زنداں کرنے سے ڈرایا۔ [3] یعنی ایسی کوئی چیز یا معجزہ جس سے واضح ہوجائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں، تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟ [4] بعض جگہ ثُعْبَانٌ کی بجائے حَيَّةٌ اور بعض جگہ جَآنٌّ کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔ ثُعبان وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور جَآنٌّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حَيَّةٌ چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) تطبیق یہ ہے کہ موٹا اور بڑا ہونے کے لحاظ سے اسے اژدہا کہا گیا ہے جبکہ ہلکے ہونے اور تیز دوڑنے میں چھوٹے پتلے سانپ کی طرح ہونے کی وجہ سے اسے جَآنٌّ کہا گیا ہے۔ (تفسیر اللباب) واللہ أعلم۔ [5] یعنی گریبان سے ہاتھ نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکتا تھا۔ (تفسیر اللباب) یہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔ [6] فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا، اس نے تکذیب وعناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ تو کوئی بڑا فن کار جادوگر ہے۔ [7] پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لیے کہا کہ وہ ان شعبدہ بازیوں کے ذریعے سے تمھیں یہاں سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اب بتلاؤ! تمھاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ [8] یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو اور تمام شہروں سے جادوگروں کو جمع کرکے ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کے کرتب کا جواب اور تیری تائید ونصرت ہوجائے۔ اور یہ اللہ ہی کی طرف سے تکوینی انتظام تھا کہ لوگ ایک ہی جگہ جمع ہوجائیں اور ان دلائل وبراہین کا بچشم سرخود مشاہدہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ [9] چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف وجوانب سے جمع کرلی گئی، ان کی تعداد 12 ہزار، 17 ہزار، 19 ہزار، 30 ہزار اور 80 ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) بتلائی جاتی ہے۔ اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات اس سے قبل سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بھی گزر چکی ہیں۔ گویا فرعون اور آل فرعون نے اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھانا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا، چنانچہ کفر وایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر خم ٹھونک کر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے تو ایمان کو اللہ تعالیٰ سرخروئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الأنبيآء 21:18) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں، پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہوجاتا ہے۔''

Marfat.com

مُّجْتَمِعُوْنَ 39 لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ 40
ہو گے؟ ⑲ [1] اگر وہ (جادوگر) غالب آئیں تو شاید ہم ان جادوگروں کی اتباع کریں ⑳ پھر جب
فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
جادوگر آئے تو وہ فرعون سے کہنے لگے: اگر ہم ہی غالب آئے تو کیا ہمارے لیے کوئی صلہ
الْغٰلِبِيْنَ 41 قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ 42 قَالَ لَهُمْ
ہوگا؟ (41) فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تب تم (میرے) مقربین میں سے ہو گے (42) موسیٰ
مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ 43 فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ
نے ان سے کہا: جو کچھ تم ڈالنے والے ہو، ڈال دو (43) [2] تب انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں
وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ 44 فَاَلْقٰى مُوْسٰى
ڈالیں اور کہنے لگے: عزت فرعون کی قسم! بلاشبہ ہم ہی غالب ہیں (44) [3] پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو
عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ 45 فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ
وہ فوراً ہی اسے نگلنے لگا جو وہ جھوٹ موٹ گھڑ رہے تھے (45) چنانچہ جادوگر (بے اختیار) سجدے میں
سٰجِدِيْنَ 46 قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 47 رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ 48
گر پڑے (46) وہ کہنے لگے: ہم رب العالمین پر ایمان لائے (47) موسیٰ اور ہارون کے رب پر (48)
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
فرعون نے کہا: میرے اجازت دینے سے پہلے تم نے اسے مان لیا، بے شک وہ تمھارا بڑا ہے جس نے
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ
تمھیں جادو سکھایا ہے، [4] لہٰذا جلد تم جان لو گے، میں ضرور تمھارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ
خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ 49 قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ
دوں گا اور تم سب کو ضرور سولی چڑھاؤں گا (49) وہ کہنے لگے: کوئی حرج نہیں، بے شک ہم اپنے رب
اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ 50 اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا
ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں (50) بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش
3 ع 18 7 خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ 51 ۠ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى
دے گا، اس لیے کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں (51) اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ

[1] یعنی عوام کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ تمھیں بھی یہ معرکہ دیکھنے کے لیے ضرور حاضر ہونا ہے۔ [2] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادوگروں کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کے لیے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کا پیغمبر اتنی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادوگروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب بعد میں اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبدہ بازیاں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا بلکہ جادوگر ہی سب سے پہلے ایمان لے آئے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باطل نے ہی ہمیشہ اپنے اسباب و وسائل پر بھروسا کیا، حق کو بے سروسامانی کی حالت میں دیکھ کر چیلنج کیا، غرور و تکبر میں آ کر حملہ میں پہل کی جبکہ حق دفاع کر کے باطل کا غرور خاک میں ملاتا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق کے مزاج کے مطابق باطل کو پہل کرنے کا موقع دے کر تاریخ میں حق و باطل کی طبیعتوں کا فرق بتایا۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حق ہمیشہ دفاع کرتا آیا ہے۔ چیلنج اور غرور و تکبر اور حملہ آور ہونا یا اپنے اسباب و وسائل پر بھروسا کرنا، یہ سب باطل کا شیوہ رہا ہے۔ [3] جیسا کہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں گزرا کہ ان جادوگروں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ (الأعراف 7:116) حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی (طٰہٰ 20:67) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا جیسا کہ یہاں ان الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لاٹھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو، چنانچہ لاٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو وہ نگل گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔ [4] فرعون کے لیے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حیرت ناک تھا کہ جن جادوگروں کے ذریعے سے وہ فتح و غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے جس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دلائل و معجزات دے کر بھیجا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا، اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد ہو اور تمھارا مقصد یہ ہے کہ اس سازش کے ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو، اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا (الأعراف 7:123)

Marfat.com

اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿52﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ

تو میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل چل، بلاشبہ تمھارا تعاقب کیا جائے گا ﴿52﴾ [1] پھر فرعون

فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿53﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

نے شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیجے ﴿53﴾ (یہ پیغام دے کر کہ) بے شک یہ (بنی اسرائیل) تھوڑی

قَلِيْلُوْنَ ﴿54﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿55﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

سی جماعت ہے ﴿54﴾ [2] اور بلاشبہ وہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں ﴿55﴾ [3] اور بلاشبہ ہم ہر وقت چوکنے رہنے

حٰذِرُوْنَ ﴿56﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿57﴾ وَّكُنُوْزٍ

والے ہیں ﴿56﴾ [4] چنانچہ ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکالا ﴿57﴾ اور خزانوں اور بہترین

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿58﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾

قیام گاہوں سے ﴿58﴾ [5] اسی طرح ہوا، اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا ﴿59﴾ [6] چنانچہ

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿60﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ

سورج نکلتے ہی انھوں (فرعونیوں) نے ان کا پیچھا کیا ﴿60﴾ [7] پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں

مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿61﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ

تو اصحاب موسیٰ کہنے لگے: یقیناً ہم تو پکڑے گئے ﴿61﴾ [8] موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! بلاشبہ میرا رب میرے

سَيَهْدِيْنِ ﴿62﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ

ساتھ ہے، وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا ﴿62﴾ [9] تب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مار، [10]

حق و باطل کی تاریخ اور معرکہ آرائی کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دور میں اہل باطل نے اہل حق پر بے جا الزام تراشی اور بہتان بازی کی، جیسے اس موقع پر فرعون نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بابت باتیں کیں۔ جس سے ان کا ایک مقصد عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہوتا ہے اور دوسرا، اہل حق کے حوصلوں اور عزائم کو پست کرنا، تاہم اہل حق ان اوچھے ہتھکنڈوں سے بے حوصلہ نہیں ہوتے اور اپنے مشن میں مصروف رہتے ہیں [5] الٹے طور پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب: دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر ہے۔ اس پر سولی مستزاد، یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی، مزید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔ [6] لَا ضَيْرَ کوئی حرج نہیں یا ہمیں کوئی پروا نہیں، یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔ [7] اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انھوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

[1] جب بلاد مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام لمبا ہو گیا اور ہر طرح سے انھوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کر دی لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انھیں عذاب و نکال سے دوچار کر کے سامان عبرت بنا دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمھارے پیچھے آئے گا، گھبرانا نہیں۔ [2] یہ بطور تحقیر کے کہا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتلائی جاتی ہے۔ [3] یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لیے غیظ و غضب کا باعث ہے۔ [4] اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔ [5] یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے انھیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث دوسروں کو بنا دیا۔ [6] یعنی جس علاقے پر جو اقتدار اور بادشاہت فرعون کو حاصل تھی، وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ و جلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے، نیز سورۂ دخان 44:28 میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴾ ''ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا۔'' (أیسر التفاسیر) اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ ﴿ قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴾ دوسری قوم سے مراد بنی اسرائیل ہی ہیں کیونکہ یہاں سورۂ شعراء میں بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آ گئی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہی بنی اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے، مراد ہوں، داود علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر پر غالب آ گئے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ زمانۂ موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت مصر آ گئی ہو۔ واللہ أعلم. [7] یعنی جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ [8] یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب پھر دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہو گی۔ [9] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ تمھارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشاندہی فرمائے گا۔ [10] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی اور نشاندہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی

Marfat.com

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ 63 وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ
تو وہ پھٹ گیا، پھر (سمندر کا) ہر ٹکڑا بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا (63) [1] اور ہم وہاں دوسروں (فرعونیوں)
الْاٰخَرِيْنَ 64 وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ 65 ثُمَّ
کو قریب لے آئے (64) [2] اور ہم نے موسیٰ اور جو اس کے ہمراہ تھے سب کو بچا لیا (65) [3] پھر ہم نے
اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ 66 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
دوسروں کو غرق کر دیا (66) [4] بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر مومن
مُّؤْمِنِيْنَ 67 وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ 68 ع وَاتْلُ
نہیں ہیں (67) [4] اور بے شک آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا (68) اور ان (کفار)
عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ 69 اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ 70
کو ابراہیم کی خبر سنایئے (69) جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کیا پوجتے ہو؟ (70) وہ
قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ 71 قَالَ هَلْ
کہنے لگے: ہم بت پوجتے ہیں، اور ہم (ہمیشہ) انھی کے مجاور رہیں گے (71) [5] ابراہیم نے کہا: کیا وہ تمھیں
يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ 72 اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ 73 قَالُوْا
سنتے ہیں جب تم انھیں پکارتے ہو؟ (72) یا وہ تمھیں نفع دیتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں؟ (73) [6] انھوں نے
بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ 74 قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ
کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، وہ اسی طرح کرتے تھے (74) [7] ابراہیم نے کہا: کیا بھلا
مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ 75 اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ 76 فَاِنَّهُمْ
دیکھا تم نے [8] جن کو تم پوجتے آرہے ہو؟ (75) تم اور تمھارے اگلے باپ دادا؟ (76) [9] تو بلاشبہ وہ میرے دشمن
عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ 77 الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ 78
ہیں، سوائے رب العالمین کے (77) [10] جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے (78) [11] اور وہی
وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ 79 وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ 80
مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے (79) [12] اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے (80) [13] اور وہی مجھے موت
وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ 81 وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ
دے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا (81) [14] اور وہی جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت میری

سمندر پر مارو جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں اور بائیں طرف کا بائیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ میں راستہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے۔ واللّٰه أعلم.

[1] فِرْقٍ قطعۂ سمندر کا بلند حصہ۔ طَوْد پہاڑ، یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون سے نجات پالے، تائید الٰہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔ [2] اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے، یعنی ہم نے دوسروں کو سمندر کے قریب کر دیا۔ [3] موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انھی راستوں سے گزرنے لگا تو ہم نے سمندر کو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا جس سے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ [4] یعنی اگرچہ اس واقعے میں جو اللہ کی نصرت و معونت کا واضح مظہر ہے، بڑی نشانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ [5] یعنی رات دن ان کی عبادت کرتے ہیں۔ [6] یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا وہ تمھیں نقصان پہنچاتے ہیں؟ [7] جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا جیسے آج بھی لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتلائی جائے تو یہی عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں تو ہمارے آباء واجداد سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ [8] اَفَرَءَيْتُمْ کے معنی ہیں: فَهَلْ اَبْصَرْتُمْ وَتَفَكَّرْتُمْ کیا تم نے غور و فکر کیا؟ [9] اس لیے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن کی تم اور تمھارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبود میرے دشمن ہیں، یعنی میں ان سے بیزار ہوں۔ [10] یعنی وہ دشمن نہیں بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا ولی اور دوست ہے۔ [11] یعنی دین و دنیا کے مصالح اور منافع کی طرف۔ [12] یعنی انواع و اقسام کے رزق پیدا کرنے والا اور جو پانی ہم پیتے ہیں، اسے مہیا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔ [13] بیماری کو دور کر کے شفا عطا کرنے والا بھی وہی ہے، یعنی دواؤں میں شفا کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے۔ لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی۔ یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب و احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا۔ [14] یعنی قیامت والے دن، جب وہ سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

Marfat.com

خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿82﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿83﴾

خطائیں بخش دے گا ﴿82﴾ [1] اے میرے رب! مجھے حکمت عطا فرما [2] اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا ﴿83﴾

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿84﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ

اور بعد والوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ ﴿84﴾ [3] اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے کر

جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿85﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿86﴾

دے ﴿85﴾ اور میرے باپ کو بخش دے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا ﴿86﴾ [4] اور جس دن وہ (لوگ

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿87﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿88﴾

دوبارہ) اٹھائے جائیں گے، مجھے رسوا نہ کرنا ﴿87﴾ [5] جس دن نہ مال کوئی نفع دے گا اور نہ اولاد ہی ﴿88﴾ الا

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿89﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

یہ کہ کوئی اللہ کے پاس (شرک و بدعت سے پاک) صحیح سالم دل کے ساتھ حاضر ہو ﴿89﴾ [6] اور جنت

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿90﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿91﴾

متقین کے قریب کی جائے گی ﴿90﴾ اور دوزخ کو گمراہوں کے لیے ظاہر و نمایاں کر دیا جائے گا ﴿91﴾ [7]

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿92﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ

اور ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنھیں تم پوجتے تھے ﴿92﴾ اللہ کے سوا؟ کیا وہ تمھاری مدد

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿93﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ

کر سکتے ہیں یا وہ بدلہ لے سکتے ہیں؟ ﴿93﴾ [8] پھر وہ اور (سب) گمراہ اس جہنم میں اوندھے منہ ڈالے

وَالْغَاوٗنَ ﴿94﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿95﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا

جائیں گے ﴿94﴾ [9] اور ابلیس کے سارے لشکر بھی ﴿95﴾ [10] وہ کہیں گے جبکہ وہ وہاں جھگڑ رہے ہوں

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿96﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿97﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

گے: ﴿96﴾ اللہ کی قسم! یقیناً ہم ہی کھلی گمراہی میں تھے ﴿97﴾ جبکہ ہم تمھیں رب العالمین کے برابر

الْعٰلَمِيْنَ ﴿98﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿99﴾ فَمَا لَنَا مِنْ

ٹھہراتے تھے ﴿98﴾ [11] اور ہمیں تو (انھی بڑے) مجرموں ہی نے بہکایا تھا ﴿99﴾ [12] تو (اب) ہمارے لیے

[1] یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید یقینی کیوں نہیں ہوگی۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عَسٰی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔ خَطِيْٓـَٔتِيْ اگرچہ واحد کا صیغہ ہے لیکن خَطَایَا (جمع) کے معنی میں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں، اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عفو کے طلب گار رہوں گے۔ [2] حکم یا حکمت سے مراد علم و فہم، قوت فیصلہ یا نبوت و رسالت یا اللہ کے حدود و احکام کی معرفت ہے۔ [3] یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔ [4] یہ دعا اس وقت کی تھی، جب ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے جب اس پر یہ واضح ہو گیا تو انھوں نے اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (دیکھیے: التوبة 9:114) [5] یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مؤاخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے تو اللہ کی بارگاہ میں درخواست کریں گے اور فرمائیں گے: یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لیے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر ان کے باپ کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجو کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3350) [6] قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو، یعنی قلب مومن، اس لیے کہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن دل، بعض کے نزدیک دنیا کے مال و متاع کی محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک جہالت کی تاریکیوں اور اخلاقی رذالتوں سے پاک دل۔ یہ سارے مفہوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ قلب مومن مذکورہ تمام ہی برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔ [7] مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ [8] یعنی تم سے عذاب ٹال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچا لیں۔ [9] یعنی معبودین اور عابدین سب کو مال ڈنگر کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔ [10] اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ [11] دنیا میں تو ہر تراشا ہوا پتھر اور قبر پر بنا ہوا خوش نما قبہ، مشرکوں کو خدائی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کو پتہ چلے گا کہ یہ تو کھلی گمراہی

Marfat.com

شٰفِعِيْنَ ﴿100﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿101﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ
کوئی سفارشی نہیں ہے ﴿100﴾ اور نہ کوئی مخلص دوست ﴿101﴾ [1] کاش! پھر ہم ایک بار (دنیا میں) لوٹیں تو
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿102﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
ہم مومنوں میں سے ہو جائیں ﴿102﴾ [2] بے شک اس میں عظیم نشانی ہے[3]۔ اور ان کے اکثر ایمان لانے
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ ع كَذَّبَتْ
والے نہیں ہیں ﴿103﴾ [4] اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا ﴿104﴾ قوم نوح
قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿105﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا
نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿105﴾ [5] جب ان سے ان کے بھائی [6] نوح نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے
تَتَّقُوْنَ ﴿106﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿107﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
نہیں؟ ﴿106﴾ بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں ﴿107﴾ [7] لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿108﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
اطاعت کرو ﴿108﴾ [8] اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے
اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿109﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿110﴾ قَالُوْٓا
ذمے ہے ﴿109﴾ [9] لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿110﴾ [10] انھوں نے کہا: کیا ہم تجھ پر ایمان
اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿111﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا
لائیں، حالانکہ تیری پیروی تو رذیل لوگوں نے کی ہے ﴿111﴾ [11] نوح نے کہا: اور مجھے کیا معلوم جو وہ عمل
يَعْمَلُوْنَ ﴿112﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿113﴾ وَمَآ اَنَا۠
کرتے رہے ہیں ﴿112﴾ [12] ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے [13] اگر تم کچھ شعور رکھتے ہو ﴿113﴾ اور میں
بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿114﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿115﴾ قَالُوْا
مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ﴿114﴾ [14] میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿115﴾ [15] وہ بولے: اے نوح! اگر تو

تھی کہ وہ انھیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔ [4] یعنی وہاں جا کر احساس ہوگا کہ ہمیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔ دنیا میں انھیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام گمراہی ہے، بدعت ہے، شرک ہے تو نہیں مانتے، نہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں کہ حق و باطل ان پر واضح ہو سکے۔

[1] گناہ گار اہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیاء و صلحاء، بالخصوص حضرت نبی کریم ﷺ فرمائیں گے لیکن کافروں اور مشرکوں کے لیے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہوگی نہ حوصلہ اور نہ وہاں کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔ [2] اہل کفر و شرک قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کر لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انھیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔ [3] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ و محاجۃ اور اللہ کی توحید کے دلائل، یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ [4] بعض نے اس کا مرجع مشرکین مکہ، یعنی قریش کو قرار دیا ہے، یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔ [5] قوم نوح نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام نبیوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے، اس لیے فرمایا کہ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ [6] بھائی اس لیے کہا کہ حضرت نوح ان ہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔ [7] یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلا کم و کاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔ [8] یعنی میں تمھیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔ [9] میں تمھیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو قیامت کو وہ عطا فرمائے گا۔ [10] یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنا پر بھی، پہلے اطاعت کی دعوت امانت داری کی بنیاد پر تھی اور اب یہ دعوت اطاعت عدم طمع کی وجہ سے ہے۔ [11] اَلْاَرْذَلُوْنَ أَرْذَلٌ کی جمع ہے۔ جاہ و مال نہ رکھنے والے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے۔ اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ [12] یعنی مجھے اس بات کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب و نسب، امارت و غربت اور ان کے پیشوں کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی حیثیت کا حامل ہو، اسے اپنی جماعت میں شامل کر لوں۔ [13] یعنی ان کے ضمائر اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔ [14] یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ [15] پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا رذیل، جلیل ہو یا حقیر۔

Marfat.com

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (116) قَالَ رَبِّ

باز نہ آیا تو تُو سنگسار کیے گئے لوگوں میں سے ہوگا(116) نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک

اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ (117) فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ

میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے(117) لہٰذا تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما، اور مجھے اور جو

وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (118) فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ

میرے ہمراہ مومن ہیں ان کو نجات دے(118) چنانچہ ہم نے اسے اور جو (لوگ) بھری کشتی میں اس

الْمَشْحُوْنِ (119) ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ (120) اِنَّ فِيْ

کے ساتھ تھے ان کو نجات دی(119) پھر اس کے بعد ہم نے باقی سب غرق کر دیے(120) [1] بے شک اس

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (121) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر مومن نہیں(121) اور بلاشبہ آپ کا رب، وہی ہے غالب،

ع 6/18/10 الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (122) كَذَّبَتْ عَادُ ࣙالْمُرْسَلِيْنَ (123) اِذْ قَالَ لَهُمْ

بہت رحم کرنے والا(122) (قوم) عاد نے رسولوں کو جھٹلایا(123) [2] جب ان کے بھائی ہود [3] نے کہا: کیا تم

اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (124) اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (125) فَاتَّقُوا

(اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟(124) بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں(125) لہٰذا تم اللہ سے

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (126) وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي

ڈرو اور میری اطاعت کرو(126) اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (127) اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ (128) وَتَتَّخِذُوْنَ

ہی کے ذمے ہے(127) کیا تم ہر اونچی جگہ پر بطور کھیل تماشا یادگاریں بناتے ہو؟(128) [4] اور تم مضبوط

مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (129) وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ

محل بناتے ہو، شاید تم ہمیشہ (یہیں) رہو گے(129) [5] اور جب تم (کسی پر) ہاتھ ڈالتے ہو تو سرکش

جَبَّارِيْنَ (130) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (131) وَاتَّقُوا

بن کر ہی ہاتھ ڈالتے ہو(130) [6] لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو(131) [7] اور تم اس ذات سے ڈرو

الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ (132) اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ

جس نے تمھیں ان چیزوں میں بڑھایا (امداد دی) ہے جو تم جانتے ہو(132) اس نے تمھیں بڑھایا ہے

وَّبَنِيْنَ (133) وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (134) اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

مویشیوں اور بیٹوں میں(133) اور باغوں اور چشموں میں(134) بلاشبہ میں تم پر یوم عظیم کے عذاب

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (135) قَالُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ

سے ڈرتا ہوں(135) [8] انھوں نے کہا: ہمارے لیے برابر ہے، خواہ تو وعظ ونصیحت کرے یا نصیحت

[1] یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ نافرمانی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو تو بچا لیا گیا اور باقی سب لوگوں کو حتیٰ کہ نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔ [2] عاد، ان کے جَدِّ اعلیٰ کا نام تھا جس کے نام پر قبیلے کا نام پڑ گیا۔ یہاں اسی کی طرف اسناد کی وجہ سے كَذَّبَتْ (صیغہ مؤنث) لایا گیا ہے۔ [3] ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اسی لیے کہا گیا ہے کہ نسلاً یہ ان ہی میں سے تھے اور بالعموم ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس کی طرف اسے مبعوث کیا جاتا تھا جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیاء و رسل کی یہ ''بشریت'' بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کو بشر نہیں، مافوق البشر ہونا چاہیے۔ آج بھی اس مسلمہ حقیقت سے آنکھیں بند رکھنے والے لوگ پیغمبرِ اسلام حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق البشر باور کرانے پر تلے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى [4] رِيْعٌ اس کا واحد رِيعَة ہے۔ ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزرگاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو ارتفاع اور علو میں ایک نشانی، یعنی ممتاز ہوتی لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں۔ [5] اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ انھی محلات میں رہیں گے۔

[6] یہ ان کے ظلم و تشدد اور قوت و طاقت کی طرف اشارہ ہے۔ [7] جب ان کے اوصافِ قبیحہ بیان کیے جو ان کے دنیا میں انہماک اور ظلم و سرکشی پر دلالت کرتے ہیں تو پھر انھیں دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ [8] یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ نے تمھیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا

Marfat.com

لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿136﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿137﴾ وَمَا
کرنے والوں میں سے نہ ہو﴿136﴾ اور یہ تو پہلوں ہی کی عادت ہے ﴿137﴾[1] اور ہم عذاب دیے جانے
نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿138﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
والے نہیں ﴿138﴾[2] پھر انھوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا،[3] بلاشبہ اس میں عظیم نشانی
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ﴿139﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب،
الرَّحِيْمُ ﴿140﴾ ع كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿141﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
بہت رحم کرنے والا ﴿140﴾ (قوم) ثمود[4] نے رسولوں کو جھٹلایا ﴿141﴾ جب ان کے بھائی صالح نے ان
اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿142﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿143﴾
سے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ ﴿142﴾ بلاشبہ میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں ﴿143﴾ لہٰذا
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿144﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿144﴾ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر
اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿145﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿146﴾
تو رب العالمین کے ذمے ہے ﴿145﴾ کیا تمھیں یہاں کی چیزوں میں پرامن چھوڑ دیا جائے گا ﴿146﴾[5]
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿147﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿148﴾
(یعنی) باغوں اور چشموں میں ﴿147﴾ اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم و نازک ہیں ﴿148﴾[6] اور
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿149﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
تم اتراتے ہوئے پہاڑوں سے گھر تراشتے ہو ﴿149﴾[7] چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت

شکر ادا نہیں کیا تو تم عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آ سکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب و ثواب کے لیے۔ وہاں تو عذاب سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

[1] یعنی وہی باتیں ہیں جو پہلے بھی لوگ کرتے آئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں، وہ وہی ہیں جن پر ہمارے آباء و اجداد کاربند رہے، مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ہم آبائی مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔ [2] جب انھوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے تو اس میں عقیدۂ آخرت کا انکار بھی تھا، اس لیے انھوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا کیونکہ عذاب الٰہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو مانتا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔ [3] قوم عاد دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی جس کی بابت اللہ نے فرمایا ہے: الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر 8:89) ''اس جیسی قوم ملکوں میں پیدا ہی نہیں کی گئی۔'' یعنی جو قوت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اسی لیے یہ کہا کرتی تھی: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰم السجدة 15:41) ''کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟'' لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان و تقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔ باد تند آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی۔ جس سے اس کا دماغ پھٹ اور ٹوٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاشے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ انھوں نے پہاڑوں، کھوؤں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں، پینے کے لیے گہرے کنویں کھود رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔ [4] ثمود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں ہے، آج کل اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ (أیسر التفاسیر) یہ قدیم عرب تھے۔ نبی ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ [5] یعنی یہ نعمتیں کیا تمھیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمھیں موت آئے گی نہ عذاب؟ استفہام انکاری اور توبیخی ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے، جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمھارا مقدر ہے۔ [6] یہ ان نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بہرہ ور تھے۔ طَلْعُهَا کھجور کے اس شگوفے کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلتا، یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پھل بلح، پھر بسر، پھر رطب اور اس کے بعد تمر کہلاتا ہے۔ (أیسر التفاسیر) باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پھل بھی آ جاتا ہے لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا۔ هَضِيْمٌ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: لطیف اور نرم و نازک، تہ بہ تہ وغیرہ۔ [7] فٰرِهِيْنَ یعنی ضرورت سے زیادہ تصنع، تکلف اور فن کارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے، جیسے آج کل لوگوں کا حال ہے۔ آج بھی عمارتوں پر غیر ضروری آرائشوں اور فن کارانہ مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر و غرور کا اظہار بھی۔

Marfat.com

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿150﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿151﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي

کرو﴿150﴾اور تم حد سے بڑھنے والوں[1] کے حکم کی اطاعت نہ کرو﴿151﴾ جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح

الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿152﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿153﴾ مَآ اَنْتَ

نہیں کرتے﴿152﴾ انھوں نے کہا: بس تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہے﴿153﴾ تو ہماری طرح ایک بشر ہی تو

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿154﴾ قَالَ هٰذِهٖ

ہے، لہٰذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی نشانی (معجزہ) لے آ﴿154﴾ صالح نے کہا: یہ اونٹنی (معجزہ) ہے،

نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿155﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا

(ایک دن) اس کی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمھاری پینے کی باری ہے﴿155﴾[2] اور اسے بری

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿156﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا

نیت سے نہ چھونا ورنہ تمھیں بہت بڑے دن کا عذاب آپکڑے گا﴿156﴾[3] چنانچہ انھوں نے اس کی

نٰدِمِيْنَ ﴿157﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا

ٹانگیں کاٹ ڈالیں،[4] پھر وہ نادم ہوئے﴿157﴾[5] تو انھیں عذاب نے آپکڑا،[6] بے شک اس میں عظیم نشانی

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿158﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے﴿158﴾ اور بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب،

الرَّحِيْمُ ﴿159﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿160﴾ اِذْ قَالَ

بہت رحم کرنے والا﴿159﴾ قومِ لوط[7] نے رسولوں کو جھٹلایا﴿160﴾ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: کیا

لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿161﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿162﴾

تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟﴿161﴾ بلاشبہ میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں﴿162﴾ لہٰذا تم اللہ سے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿163﴾ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿163﴾ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین

عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿164﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿165﴾ وَتَذَرُوْنَ

کے ذمے ہے﴿164﴾ کیا تم (جنسی تسکین کی خاطر) جہان کے مردوں کے پاس آتے ہو؟﴿165﴾ اور تم

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

اپنی بیویاں چھوڑ دیتے ہو[8] جنھیں تمھارے رب نے تمھارے لیے پیدا کیا ہے، بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے

[1] الْمُسْرِفِيْنَ ''حد سے گزر جانے والوں'' سے مراد وہ رؤسا اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفتِ حق میں پیش پیش تھے۔ [2] یہ وہی اونٹنی تھی جو ان کے مطالبے پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی۔ ایک دن اونٹنی کے لیے اور ایک دن ان کے لیے پانی مقرر کر دیا گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمھارا پانی لینے کا ہوگا، اونٹنی گھاٹ پر نہیں آئے گی اور جو دن اونٹنی کے پانی پینے کا ہوگا، تمھیں گھاٹ پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ [3] دوسری بات انھیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے، چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دوہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انھوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ [4] یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ اونٹنی اللہ کی قدرت کا ایک نشان اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم ثمود ایمان نہیں لائی اور کفر و شرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کے زندہ نشان ''اونٹنی'' کی کوچیں کاٹ ڈالیں، یعنی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو زخمی کر دیا جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔ [5] یہ اس وقت ہوا جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمھیں صرف تین دن کی مہلت ہے، چوتھے دن تمھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب واقعی عذاب کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہوگئیں تو پھر ان کی طرف سے بھی اظہار ندامت ہونے لگا لیکن علامات عذاب دیکھ لینے کے بعد ندامت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ [6] یہ عذاب زمین سے بھونچال (زلزلے) اور اوپر سے سخت چنگھاڑ کی صورت میں آیا جس سے سب کی موت واقع ہوگئی۔ [7] حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے تھے۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم ''سدوم'' اور ''عاموراء'' میں رہتی تھی۔ یہ بستیاں شام کے علاقے میں تھیں۔ [8] یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی جس کی ابتدا اسی قوم سے ہوئی تھی، اسی لیے اس فعل بد کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی وہ بدفعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا لیکن اب یہ بدفعلی دنیائے کفر میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانونًا جائز تسلیم کر لیا گیا ہے، یعنی ان کے ہاں اب یہ سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہو کہ مرد و عورت کا ناجائز جنسی ملاپ (بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو ان کے نزدیک جرم نہ ہو) تو وہاں دو مردوں کا آپس میں بدفعلی کرنا کیونکر گناہ اور ناجائز ہو سکتا ہے؟ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

Marfat.com

عَادُوْنَ 166 قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ
والے ہو⑯⑯ [1] انھوں نے کہا: اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تو نکالے جانے والوں میں سے ہو
الْمُخْرَجِيْنَ 167 قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ 168
گا⑯⑰ [2] لوط نے کہا: بے شک میں تمھارے (خلاف فطرت) عمل سے دشمنی رکھنے والوں میں سے ہوں⑯⑱
رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ 169
اے میرے رب! تو مجھے اور میرے اہل کو اس عمل (کے وبال) سے نجات دے جو وہ کرتے
فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ 170 اِلَّا عَجُوْزًا
ہیں⑯⑲ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے سب اہل کو نجات دی⑰⓪ سوائے ایک بڑھیا کے (جو)
فِي الْغٰبِرِيْنَ 171 ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ 172 وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
پیچھے رہنے والوں میں سے تھی⑰① [4] پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا⑰② اور ہم نے ان پر (پتھروں
مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ 173 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
کی) سخت بارش برسائی، چنانچہ ڈرائے گئے لوگوں پر (برسائی گئی) بدترین بارش تھی⑰③ [5] بے شک اس
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ 174 وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے⑰④ اور بے شک آپ کا رب وہی
الرَّحِيْمُ 175 كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ 176 اِذْ قَالَ لَهُمْ
ہے غالب، بہت رحم کرنے والا⑰⑤ اصحاب ایکہ [6] نے رسولوں کو جھٹلایا⑰⑥ جب ان سے شعیب
شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ 177 اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ 178 فَاتَّقُوا اللّٰهَ
نے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟⑰⑦ بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں⑰⑧ لہٰذا تم اللہ
وَاَطِيْعُوْنِ 179 وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ
سے ڈرو اور میری اطاعت کرو⑰⑨ اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب
الْعٰلَمِيْنَ 180 اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ 181 وَزِنُوْا
العالمین کے ذمے ہے⑱⓪ تم ماپ پورا پورا کرو، اور خسارہ دینے والوں سے نہ بنو⑱① [7] اور تم بالکل

ع 9 16 13

[1] عٰدُوْنَ عادی کی جمع ہے۔ عربی میں عادی کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کی فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد اور عورت کی دبر کو حرام۔ قوم لوط علیہ السلام نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی دبر اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔ [2] یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کے جواب میں قوم نے کہا کہ تو بڑا پاک باز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو باز نہ آیا تو ہم اپنی بستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔ آج بھی بدیوں کا اتنا غلبہ اور بدوں کا اتنا زور ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اور نیکوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ [3] یعنی میں اسے پسند نہیں کرتا اور اس سے سخت بیزار ہوں۔ [4] اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی ہے جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی۔ [5] یعنی نشان زدہ کھنگر پتھروں کی بارش سے ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا جیسا کہ سورۂ ہود 83,82:11 میں بیان ہوا۔ [6] اَيْكَة جنگل کو کہتے ہیں۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور بستی "مدین" کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایکہ کے معنی ہیں: گھنا درخت اور ایسا ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرۂ نبوت اور حدودِ دعوت و تبلیغ، مدین سے لے کر اس نواحی آبادی تک تھا، جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اصحاب الایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یہ ایک ہی پیغمبر کی امت تھی۔ ایکہ چونکہ قوم نہیں بلکہ درخت تھا، اس لیے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا جس طرح کہ دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے۔ البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کی اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین، قوم کا نام ہے۔ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (الأعراف 85:7) بعض مفسرین نے اصحاب الایکہ اور مدین کو الگ الگ بستیاں قرار دے کر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں جن کی طرف باری باری حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ مدین کی طرف اور دوسری مرتبہ اصحاب الایکہ کی طرف لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا، یہی وعظ یہاں اصحاب الایکہ کو کیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، دو نہیں۔ [7] یعنی جب تم لوگوں کو ناپ کر دو تو اسی طرح پورا دو جس طرح لیتے وقت تم پورا ناپ کر لیتے ہو۔ لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ مت رکھو کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو!

Marfat.com

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (182) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا

سیدھی ترازو سے تولو (182)[1] اور تم لوگوں کو ان کی اشیاء کم نہ دو[2] اور نہ تم زمین میں فساد کرتے ہوئے

فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (183) وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ (184)

دوڑو (183)[3] اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمھیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا (184)[4] انھوں نے کہا: بس تو

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (185) وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

سحر زدہ (لوگوں) میں سے ہے (185) اور تو ہماری طرح بشر ہی تو ہے، اور ہم تجھے بلاشبہ جھوٹوں میں

وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (186) فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ

خیال کرتے ہیں (186)[5] لہٰذا اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (187) قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (188) فَكَذَّبُوْهُ

گرادے (187)[6] شعیب نے کہا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو (188)[7] چنانچہ انھوں نے

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ

اسے (شعیب کو) جھٹلایا، تو انھیں سائے والے دن کے عذاب نے آن پکڑا،[8] بے شک وہ بہت

عَظِيْمٍ (189) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

بڑے دن کا عذاب تھا (189) بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے، اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ

مُّؤْمِنِيْنَ (190) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (191) ع وَاِنَّهٗ

10 ع 16 14

تھے (190) اور بے شک آپ کا رب، وہی ہے غالب، بہت رحم کرنے والا (191) اور بلاشبہ یہ (قرآن)

لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (192) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (193)

رب العالمین کا نازل کردہ ہے (192) روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا (193)[9] آپ کے

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (194) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (195)

دل پر،[10] تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں (194)[11] فصیح عربی زبان میں (195) اور بلاشبہ وہ (قرآن

[1] اسی طرح تول میں ڈنڈی مت مارو بلکہ پورا صحیح تول کرو۔ [2] یعنی لوگوں کو دیتے وقت ناپ یا تول میں کمی مت کرو۔ [3] یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو، اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ رہزنی لی ہے جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ (الأعراف 7:86) ''راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو۔'' (ابن کثیر) [4] وَالْجِبِلَّةَ اور جِبِلّ مخلوق کے معنی میں ہے جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا (یٰسٓ 36:62) ''اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا۔'' اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ ذُوالْعَدَدِ الْكَثِيرِ مِنَ النَّاسِ. (فتح القدیر) [5] یعنی تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا سمجھتے ہیں کیونکہ تو بھی ہم جیسا ہی انسان ہے، پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے؟ [6] یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تہدید کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جا ہم تجھے نہیں مانتے، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر دکھا۔ [7] یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزا تمھیں دے گا اگر چاہے گا تو دنیا میں بھی دے دے گا، یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔ [8] انھوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما دیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑ نے انھیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ فگن ہوا، اس لیے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انھیں پکڑ لیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر قوم شعیب علیہ السلام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور تینوں جگہ موقع کی مناسبت سے الگ الگ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ سورۂ اعراف 7:88 میں زلزلہ کا ذکر ہے، سورۂ ہود 11:94 میں صَيْحَة (چیخ) کا اور یہاں سورۂ شعراء میں آسمان سے ٹکڑے گرانے کا، یعنی تین قسم کا عذاب اس قوم پر آیا۔ [9] کفار مکہ نے قرآن کے وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الٰہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لیے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ، یعنی جبریل لے کر آیا۔ [10] دل کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ حواس باطنہ میں دل ہی سب سے زیادہ ادراک اور حفظ کی قوت رکھتا ہے۔ [11] یہ نزول قرآن کی علت ہے۔

Marfat.com

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿196﴾ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً
کا ذکر) پہلی کتابوں میں بھی ہے ⁽¹⁹⁶⁾ [1] کیا ان کے لیے یہ ایک نشانی (کافی) نہیں کہ بنی اسرائیل
اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿197﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ
کے علماء بھی اس (قرآن یا صاحب قرآن) کو جانتے ہیں ⁽¹⁹⁷⁾ [2] اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر
الْاَعْجَمِیْنَ ﴿198﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿199﴾ كَذٰلِكَ
نازل کرتے ⁽¹⁹⁸⁾ پھر وہ اسے ان پر پڑھتا، (تو بھی) وہ اس پر ایمان نہ لاتے ⁽¹⁹⁹⁾ [3] اسی طرح ہم
سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿200﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى
نے اس (تکذیب) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے ⁽²⁰⁰⁾ [4] وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے
یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿201﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں ⁽²⁰¹⁾ چنانچہ وہ ان پر اچانک آپڑے گا جبکہ انھیں خبر تک نہ
لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿202﴾ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿203﴾ اَفَبِعَذَابِنَا
ہوگی ⁽²⁰²⁾ پھر وہ کہیں گے: کیا ہمیں (کچھ) مہلت مل سکتی ہے؟ ⁽²⁰³⁾ [5] کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کے
یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿204﴾ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿205﴾ ثُمَّ
لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ ⁽²⁰⁴⁾ [6] بھلا آپ دیکھیں تو! اگر ہم انھیں کئی برس (دنیا کا) فائدہ دیں ⁽²⁰⁵⁾ پھر
جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿206﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
وہ (عذاب) ان پر آجائے جس سے انھیں ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے ⁽²⁰⁶⁾ تو جس (سامانِ عیش) سے
مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ﴿207﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا
وہ مزے اڑا رہے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے گا ⁽²⁰⁷⁾ [7] اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا، تو
لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿208﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿209﴾
(پہلے) اس کے لیے ڈرانے والے (بھیجے) تھے ⁽²⁰⁸⁾ یاددہانی کے لیے، اور ہم ظالم نہیں ہیں ⁽²⁰⁹⁾ [8]
وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿210﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا
اور شیاطین اس (قرآن) کو لے کر نازل نہیں ہوئے ⁽²¹⁰⁾ اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی
یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿211﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿212﴾ فَلَا تَدْعُ
استطاعت ہی رکھتے ہیں ⁽²¹¹⁾ بلاشبہ وہ تو اس کے سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں ⁽²¹²⁾ [9] چنانچہ (اے

[1] یعنی جس طرح پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کا اور آپ کی صفات جمیلہ کا تذکرہ پچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی صحف سابقہ میں دی گئی تھی۔ ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن مجید، باعتبار ان احکام کے جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، پچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔ [2] کیونکہ ان کتابوں میں محمد ﷺ کا اور قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جاننا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، پھر یہ یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ [3] یعنی کسی عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حٰمٓ السجدة 44:41 میں ہے۔ [4] یعنی سَلَكْنٰهُ میں ضمیر کا مرجع کفر و تکذیب اور جحود و عناد ہے۔ [5] لیکن مشاہدۂ عذاب کے بعد مہلت نہیں دی جاتی نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے: فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (المؤمن 85:40) ”ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان لانا نفع بخش ثابت نہ ہوا۔“ [6] یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔ [7] یعنی اگر ہم انھیں مہلت دے دیں اور پھر انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں تو کیا دنیا کا مال و متاع ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انھیں عذاب سے بچا سکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ (البقرة 96:2) وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ (اللیل 11:92) ”اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ (گڑھے میں) گرے گا۔“ [8] یعنی ارسال رسل اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، ہم نے ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پہلے ہر بستی میں رسول بھیجے جنھوں نے اہل قریہ کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انھوں نے پیغمبر کی بات نہیں مانی تو ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل 15:17 اور سورۂ قصص 59:28 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [9] ان آیات میں قرآن کی، شیطانی دخل اندازیوں سے، محفوظیت کا بیان ہے۔ ایک تو اس لیے کہ شیاطین کا قرآن لے کر نازل ہونا، ان کے لائق نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصد شر و فساد اور منکرات کی اشاعت ہے جبکہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سدباب ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے، تیسرے یہ کہ نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سننے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں

Marfat.com

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ (213) وَاَنْذِرْ
نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکاریں ورنہ آپ عذاب پانے والوں میں ہوں گے (213) اور
عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (214) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں (214) [1] اور جو مومنوں میں سے آپ کی اتباع کریں، ان کے لیے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (215) فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ
اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں (215) پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: بلاشبہ تم جو کچھ
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (216) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (217)
کر رہے ہو، میں اس سے بری ہوں (216) اور آپ (اللہ) غالب (اور) مہربان پر توکل رکھیں (217) جو
الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (218) وَتَقَلُّبَكَ فِي
آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (اکیلے نماز میں) قیام کرتے ہیں (218) اور آپ کی نقل و حرکت کو سجدہ
السّٰجِدِيْنَ (219) اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (220) هَلْ اُنَبِّئُكُمْ
کرنے والوں میں بھی (دیکھتا ہے) (219) [2] بلاشبہ وہی خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (220) کیا میں
عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ (221) تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ
تمھیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟ (221) وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے، گناہ گار پر نازل
اَثِيْمٍ (222) يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (223) وَالشُّعَرَآءُ
ہوتے ہیں (222) جو [3] (شیطانوں کی طرف) کان لگاتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں (223) [4] اور
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (224) اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ
شاعروں کی پیروی گمراہ (لوگ) ہی کرتے ہیں (224) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہ وہ (خیال کی)
يَّهِيْمُوْنَ (225) وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (226) اِلَّا
ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں (225) اور بلاشبہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں، جو کرتے نہیں (226) [5] سوائے

پرستاروں کو چوکیدار بنا دیا گیا تھا اور جو بھی شیطان اوپر جاتا یہ ستارے اس پر برق خاطف بن کر گرتے اور بھسم کر دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

[1] پیغمبر کی دعوت صرف رشتے داروں کے لیے نہیں بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی ﷺ تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قریبی رشتے داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجیحی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اس حکم کے بعد نبی ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور یَا صَبَاحَاہ! کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا تھا جب دشمن اچانک حملہ کر دے، اس کے ذریعے سے قوم کو خبردار کیا جاتا تھا۔ یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، بتلاؤ اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا: ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۂ تَبَّتْ يَدَآ نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4973) آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا: ”تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کر لو، میں وہاں تمھارے کام نہیں آسکوں گا۔“ (صحيح مسلم، حديث: 206) [2] یعنی جب تو تنہا ہوتا ہے، تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔ [3] یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گناہ گاروں (یعنی کاہنوں، نجومیوں وغیرہ) پر اترتے ہیں نہ کہ انبیاء و صالحین پر۔ [4] یعنی ایک آدھ بات جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کاہنوں کو آ کر بتلا دیتے ہیں جن کے ساتھ وہ جھوٹی باتیں اور ملا لیتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ (ملاحظہ ہو صحيح البخاري، حديث: 7561، وصحيح مسلم، حديث: 2228) يُلْقُوْنَ السَّمْعَ شیاطین آسمان سے سنی ہوئی بعض باتیں کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں، اس صورت میں سمع کے معنی مسموع کے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کا مطلب حاسۂ سماعت (کان) ہے تو مطلب ہو گا کہ شیاطین آسمانوں پر جا کر کان لگا کر چوری چھپے بعض باتیں سن آتے ہیں اور پھر انھیں کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ [5] شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح و ذم میں اصول و ضابطے کی بجائے ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تخیلات میں کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھٹکتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کے پیچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں۔ اسی قسم کے اشعار کے لیے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ”پیٹ کو لہو اور پیپ سے بھر لینا، جو اسے خراب کر دے، شعر سے بھر لینے سے بہتر ہے۔“ (صحيح مسلم، حديث: 2257، وجامع الترمذي، حديث: 2851) یہاں اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ

Marfat.com

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

ان کے جو ایمان لائے[1] اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور اللہ کا بکثرت ذکر کیا، اور جب ان پر ظلم

وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا

ہوا تو اس کے بعد انھوں نے بدلہ لیا،[2] اور ظالم لوگ جلد جان لیں گے کہ کون سی پلٹنے کی

اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ 227

(خوفناک) جگہ وہ پلٹیں گے[3] 227

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا: 93 | 27 | رکوعاتھا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ 1 هُدًى وَّبُشْرٰى

طٰسٓ، یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیات ہیں① (یہ) ہدایت اور بشارت ہے (ان) مومنوں

لِلْمُؤْمِنِيْنَ 2 الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

کے لیے ② جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکاۃ دیتے ہیں، اور وہ آخرت پر

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ 3 اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

یقین رکھتے ہیں ③[4] بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ 4 اُولٰٓئِكَ

لیے ان کے اعمال پرکشش بنا دیے ہیں[5] لہٰذا وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ④[6] وہی لوگ ہیں جن

الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہی زیادہ خسارے میں

الْاَخْسَرُوْنَ 5 وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

ہوں گے⑤ اور (اے نبی!) بلاشبہ آپ کو تو ایک کمال حکمت والے، خوب جاننے والے کی

عَلِيْمٍ 6 اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ

طرف سے یہ قرآن سکھایا جاتا ہے⑥ (وہ وقت یاد کریں) جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک

پیغمبر کاہن ہے نہ شاعر، اس لیے کہ کاہن جھوٹا ہوتا ہے اور شاعر ہر بیابان میں سر ٹکراتا پھرتا ہے، چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی آپ کے شاعر ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ (مثلاً: سورۂ یٰس 69:36، سورۂ حاقہ 69:40-43) [1] اس سے ان شاعروں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور استثنا ایسے الفاظ سے فرمایا جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صالح پر کاربند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا شاعر غلط شاعری، جس میں جھوٹ، غلو اور افراط وتفریط ہو، کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مومنانہ صفات سے عاری ہوں۔ [2] یعنی ایسے مومن شاعر، ان کافر شعراء کا جواب دیتے ہیں، جس میں انھوں نے مسلمانوں کی ہجو (مذمت) کی ہو۔ جس طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی ہجویہ شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود نبی ﷺ ان کو فرماتے: "ان (کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبریل بھی تمھارے ساتھ ہیں۔" (صحيح البخاري، حديث: 3213، وصحيح مسلم، حديث: 2486) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی شاعری جائز ہے جس میں کذب و مبالغہ نہ ہو اور جس کے ذریعے سے مشرکین و کفار اور مبتدعین و اہل باطل کو جواب دیا جائے اور مسلک حقہ اور توحید و سنت کا اثبات کیا جائے۔ [3] یعنی أَيَّ مَرْجِعٍ يَّرْجِعُوْنَ یعنی کون سی جگہ وہ لوٹتے ہیں؟ اور وہ جہنم ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے سخت وعید ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے: "تم ظلم سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔" (صحيح مسلم، حديث: 2578) ❀ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چیونٹیوں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کو سورۂ نمل کہا جاتا ہے۔ [4] یہ مضمون متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ قرآن کریم ویسے تو پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے لیکن اس سے حقیقتاً راہ یاب وہی ہوں گے جو ہدایت کے طالب ہوں گے جو لوگ اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو حق کے دیکھنے اور سننے سے بند یا اپنے دلوں کو گناہوں کی تاریکیوں سے مسخ کر لیں گے، قرآن انھیں کس طرح سیدھی راہ پر لگا سکتا ہے؟ ان کی مثال اندھوں کی طرح ہے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے، درآں حالیکہ سورج کی روشنی پورے عالم کی درخشانی کا سبب ہے۔ [5] یہ گناہوں کا وبال اور بدلہ ہے کہ برائیاں ان کو اچھی لگتی ہیں اور آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ہر کام اس کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تاہم اس میں بھی اللہ کا وہی اصول کارفرما ہے کہ نیکوں کے لیے نیکی کا راستہ اور بدوں کے لیے بدی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا اختیار کرنا انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے۔ [6] یعنی گمراہی کے جس راستے پر وہ چل رہے ہوتے ہیں، اس کی حقیقت سے وہ آشنا نہیں ہوتے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی نہیں پاتے۔

Marfat.com

مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی تمھارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا سلگتا انگارا لاؤں گا،

تَصْطَلُوْنَ ⑦ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ

تاکہ تم تاپو⑦ [1] چنانچہ جب موسیٰ اس (آگ) کے پاس پہنچا تو اسے آواز دی گئی کہ مبارک ہے

فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧

وہ جو اس آگ (نور) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے [2] اور اللہ رب العالمین پاک ہے⑧ [3]

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ وَاَلْقِ عَصَاكَ

اے موسیٰ! بلاشبہ وہ میں ہی اللہ ہوں، نہایت غالب [4] خوب حکمت والا⑨ اور اپنا عصا ڈال دے،

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا

چنانچہ جب (موسیٰ نے عصا ڈالا اور) اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر

وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ

کر پلٹا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! مت ڈر [5] بلاشبہ میرے حضور میں رسول ڈرا

الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ

نہیں کرتے⑩ مگر جس نے ظلم کیا، [6] پھر اس نے برائی کے بعد (برے اعمال کو) بدل کر نیکی کی، تو بلاشبہ

فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ

میں بڑا بخشن ہار، نہایت مہربان ہوں⑪ [7] اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر، وہ سفید (چمکتا ہوا)

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ

بے عیب نکلے گا، [8] یہ ان نو نشانیوں (معجزات) میں سے ہے (جن کے ساتھ تمھیں) فرعون

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا

اور اس کی قوم کی طرف [9] (بھیجا گیا ہے۔) بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں⑫ پھر جب ان کے

مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑬ وَجَحَدُوْا بِهَا

پاس ہمارے واضح روشن [10] معجزات پہنچے تو انھوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے⑬ اور انھوں نے ظلم اور

وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ [11] پھر دیکھیے فسادیوں

الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا

کا انجام کیسا ہوا؟⑭ اور بلاشبہ ہم نے داود اور سلیمان کو (خاص) علم دیا تھا، [12] اور ان دونوں نے

ع 1 14 16

[1] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر واپس آ رہے تھے، رات کو اندھیرے میں راستے کا علم نہیں تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔ [2] دور سے جہاں آگ کے شعلے لپکتے نظر آئے، وہاں پہنچے، یعنی کوہ طور پر تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، اللہ کا نور تھا جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ مَنْ فِي النَّارِ میں مَنْ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ، یعنی اس کا نور ہے اور وَمَنْ حَوْلَهَا (اس کے اردگرد) سے مراد فرشتے، حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب (پردے) کو نور (روشنی) اور ایک روایت میں نار (آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ”اگر اپنی ذات کو بے نقاب کر دے تو اس کا جلال تمام مخلوقات کو جلا کر رکھ دے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 179) [3] یہاں اللہ کی تنزیہ و تقدیس کا مطلب یہ ہے کہ اس ندائے غیبی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آگ یا درخت میں اللہ نے حلول کیا ہوا ہے جس طرح کہ بہت سے مشرک سمجھتے ہیں بلکہ یہ مشاہدۂ حق کی ایک صورت ہے جس سے نبوت کے آغاز میں انبیاء کو بالعموم سرفراز کیا جاتا ہے۔ کبھی فرشتے کے ذریعے سے اور کبھی خود اللہ تعالیٰ اپنی تجلی اور ہم کلامی سے جیسے یہاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ [4] درخت سے ندا کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث تعجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تعجب نہ کر میں اللہ ہی ہوں۔ [5] اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے، ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے۔ دوسرا، طبعی خوف پیغمبر کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں۔ [6] یعنی ظالم کو تو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہ فرما لے۔ [7] یعنی ظالم کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہوں۔ [8] یعنی بغیر برص وغیرہ کی بیماری کے۔ یہ لاٹھی کے ساتھ دوسرا معجزہ انھیں دیا گیا۔ [9] فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ آیات، یعنی یہ دو معجزے ان 9 نشانیوں میں سے ہیں جن کے ذریعے سے میں نے تیری مدد کی ہے۔ انھیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا، ان 9 نشانیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ بنی اسرائیل 101:17 کا حاشیہ۔ [10] مُبْصِرَةً واضح اور روشن یا یہ اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ [11] یعنی علم کے باوجود جو انھوں نے انکار کیا تو اس کی وجہ ان کا ظلم اور استکبار تھا۔ [12] سورت کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے سکھلایا جاتا ہے، اس کی دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مختصر

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ 15

کہا: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی (15)

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ

اور داود کا وارث سلیمان بنا[1] اور اس نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی

الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ 16

گئی ہے[2] اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے،[3] بلاشبہ یہ تو صاف صاف (اللہ کا) فضل ہے (16)

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

اور سلیمان کے پاس اس کے سارے لشکر، جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے جمع کیے گئے،[4] پھر وہ الگ

يُوْزَعُوْنَ 17 حَتّٰٓي اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا

الگ تقسیم کیے جاتے تھے (17)[5] حتی کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے، تو ایک چیونٹی نے کہا: اے

النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ

چیونٹیو! تم اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمھیں کچل نہ ڈالیں، جبکہ وہ (اس کا)

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ 18 فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

شعور بھی نہ رکھتے ہوں (18)[6] چنانچہ سلیمان اس (چیونٹی) کی بات پر مسکرا کر ہنس دیا اور کہا: اے میرے رب!

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ

مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر[7] اور میرے والدین پر انعام کی ہے،

بیان فرمایا اور اب دوسری دلیل حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کا یہ قصہ ہے۔ انبیاء کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ علم سے مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم ہے جن سے حضرت داود علیہ السلام کو لوہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا لیکن یہاں صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

[1] اس سے مراد مال و جائداد کی وراثت نہیں نبوت اور علم و فضل کی وراثت ہے جس کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام قرار پائے۔ اگر مال و جائداد کی وراثت ہوتی تو وارث کے طور پر صرف سلیمان علیہ السلام کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ اس میں تو داود علیہ السلام کی دوسری اولاد بھی شریک ہوتی، حالانکہ وہ اس وراثت سے محروم رہے۔ ویسے بھی انبیاء کی متروکہ مال و جائیداد بطور ورثہ تقسیم نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6727، وصحيح مسلم، حديث: 1758) [2] بولیاں تو تمام جانوروں کی سکھلائی گئی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ پرندے سائے کے لیے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف پرندوں کی بولیاں سکھلائی گئی تھیں اور چیونٹیاں بھی منجملہ پرندوں کے ہیں کیونکہ ان کے بھی پر نکلتے ہیں۔ (فتح القدير) [3] جس کی ان کو ضرورت تھی، جیسے علم، نبوت، حکمت، مال، جن و انس اور طیور و حیوانات کی تسخیر وغیرہ۔ [4] اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انفرادی خصوصیت و فضیلت کا ذکر ہے جس میں وہ پوری تاریخ انسانیت میں ممتاز ہیں کہ ان کی حکمرانی صرف انسانوں پر ہی نہیں تھی بلکہ جنات، حیوانات اور چرند و پرند حتی کہ ہوا تک ان کے ماتحت تھی، اس میں کہا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تمام لشکر، یعنی جنوں، انسانوں اور پرندوں سب کو جمع کیا گیا، یعنی کہیں جانے کے لیے یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا۔ [5] یہ ترجمہ توزیع بمعنی تفریق کے اعتبار سے ہے، یعنی سب کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم (قسم وار) کر دیا جاتا تھا، مثلاً: انسانوں، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کے گروہ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی اس کے ''پس وہ روکے جایا کرتے تھے۔'' یعنی یہ لشکر اتنی بڑی تعداد میں ہوتا تھا کہ راستے میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا کہ شاہی لشکر بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو۔ یہ وَزَعَ يَزَعُ سے ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی مادے میں ہمزۂ سلب کا اضافہ کر کے اَوْزِعْنِيْٓ بنایا گیا ہے جو (آگے آیت: 19 میں آ رہا ہے)، یعنی ایسی چیزیں مجھ سے دور فرما دے جو مجھے تیری نعمتوں پر تیرا شکر کرنے سے روکتی ہیں۔ اس کو اردو میں ہم الہام و توفیق سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير و ابن كثير) [6] اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور موجود ہے۔ گو وہ انسانوں سے بہت کم اور مختلف ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت و فضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے، اسی لیے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روند نہ دی جائیں۔ تیسرا یہ کہ حیوانات بھی اسی عقیدۂ صحیحہ سے بہرہ ور تھے اور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں جیسا کہ آگے آنے والے ہدہد کے واقعے سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا تھا جس طرح تسخیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔ [7] چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو سن کر سمجھ لینے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں شکر گزاری کا

Marfat.com

وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تو پسند کرے، اور مجھے اپنی رحمت سے

فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿19﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى

اپنے نیک بندوں میں داخل کر ﴿19﴾[1] اور اس نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا: کیا بات ہے کہ میں ہدہد

الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿20﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

کو نہیں دیکھ رہا ہوں (کیا وہ موجود ہے) یا وہ غیر حاضروں میں ہے ﴿20﴾[2] (یہی بات ہے تو) میں

شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿21﴾

اسے ضرور سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح ہی کر دوں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لائے ﴿21﴾

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

ابھی کوئی زیادہ دیر نہیں ٹھہرا تھا کہ (ہدہد آ گیا اور) اس نے کہا: میں نے (وہ کچھ) جان لیا ہے جس کے

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿22﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً

بارے میں آپ نہیں جانتے[3] اور میں آپ کے پاس سبا[4] سے ایک سچی خبر لایا ہوں ﴿22﴾ بلاشبہ میں نے

تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ

دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکومت کرتی ہے[5] اور اسے (ضرورت کی) ہر چیز عطا کی گئی ہے، اور اس کا

عَظِيْمٌ ﴿23﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ

تخت عظیم الشان ہے ﴿23﴾[6] میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ

اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

کرتے ہیں، اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے پرکشش بنا دیے ہیں، پھر انھیں راہ

فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿24﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ

(حق) سے روک دیا ہے[7] چنانچہ وہ ہدایت نہیں پاتے ﴿24﴾ یہ کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں[8] جو آسمانوں

الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا

اور زمین میں چھپی چیزیں نکالتا ہے[9] اور وہ (سب کچھ) جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر

احساس پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا ہے۔

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جنت مومنوں ہی کا گھر ہے، اس میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اسی لیے حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”سیدھے سیدھے اور حق کے قریب رہو اور یہ بات جان لو کہ کوئی شخص بھی صرف اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔“ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے نہ ڈھانپ لے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6463، وصحيح مسلم، حديث: 2816) [2] یعنی موجود تو ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا یا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔ [3] احاطہ کے معنی ہیں: کسی چیز کی بابت مکمل علم اور معرفت حاصل کرنا۔ [4] سَبَا ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا بھی۔ یہاں شہر مراد ہے۔ یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلے پر ہے اور مأرب یمن کے نام سے معروف ہے۔ (فتح القدير) [5] یعنی ہُدھُد کے لیے بھی یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے، حالانکہ قرآن نے ایک واقعے کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

[6] کہا جاتا ہے کہ اس کا طول 80 ہاتھ عرض 40 ہاتھ اور اونچائی 30 ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے۔ واللہ أعلم. (فتح القدير) ویسے یہ قول مبالغے سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ یمن میں بلقیس کا جو محل ٹوٹی پھوٹی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے بڑے تخت کی گنجائش نہیں۔ [7] اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پرندوں کو یہ شعور ہے کہ غیب کا علم انبیاء بھی نہیں جانتے جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا کہ میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی بے خبر ہیں، اسی طرح وہ اللہ کی وحدانیت کا احساس و شعور بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہاں ہدہد نے حیرت و استعجاب کے انداز میں کہا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سورج کی پجاری ہے اور شیطان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ جس نے ان کے لیے سورج کی عبادت کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہوا ہے۔ [8] اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ اس کا تعلق بھی زَيَّنَ کے ساتھ ہے، یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لیے مزین کر دیا ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔ یا اس میں لَا يَهْتَدُوْنَ عامل ہے اور (لَا) زائد ہے، یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ کو کریں۔ (فتح القدير) [9] یعنی آسمان سے بارش برساتا اور زمین سے اس کی مخفی چیزیں نباتات، معدنیات اور دیگر زمینی خزانے

Marfat.com

تُعۡلِنُوۡنَ 25 اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ 26
کرتے ہو25 اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے26 [1]
قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ 27 اِذۡهَبۡ
سلیمان نے کہا: ہم جلد ہی دیکھیں گے آیا تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے27 میرا یہ خط
بِّكِتٰبِىۡ هٰذَا فَاَلۡقِهۡ اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَانْظُرۡ مَاذَا
لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے، پھر ان سے ہٹ (کر بیٹھ) جا، سو دیکھ کہ وہ کیا جواب
يَرۡجِعُوۡنَ 28 قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ
دیتے ہیں28 [2] بلقیس نے کہا: اے سردارو! بلاشبہ میری طرف ایک گرامی نامہ ڈالا
كَرِيۡمٌ 29 اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ
گیا ہے29 بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور بے شک اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جو
الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ 30 اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ
نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے30 یہ کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، اور فرماں بردار ہوکر
مُسۡلِمِيۡنَ 31 ع قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ
میرے پاس چلے آؤ31 [3] بلقیس نے کہا: اے سردارو! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، کسی
فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى
معاملے کا قطعی فیصلہ میں اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو (اور مجھے
تَشۡهَدُوۡنِ 32 قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّاُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ
مشورہ نہ دو)32 انھوں نے کہا: ہم قوت والے اور سخت جنگجو ہیں، [4] اور (فیصلے کا) تمام اختیار آپ
وَّالۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ مَاذَا تَاۡمُرِيۡنَ 33 قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ
کے پاس ہے، آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں33 [5] اس نے کہا: بلاشبہ بادشاہ جب کسی
اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ
بستی میں داخل ہوتے ہیں [6] تو اسے خراب کرتے اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، [7]
وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ 34 وَاِنِّىۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ
اور یہ بھی اسی طرح کریں گے34 [8] اور بے شک میں ان کی طرف کوئی ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں
فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ 35 فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ
قاصد کیا (جواب) لے کر لوٹتے ہیں؟35 [9] چنانچہ جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا، تو سلیمان نے کہا:
قَالَ اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰٮنِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰٮكُمۡ ۚ
کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ [10] مجھے اللہ نے جو دیا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو اس

ظاہر فرماتا اور نکالتا ہے۔ اَلْخَبْءُ مصدر ہے مفعول مَخْبُوْءٌ (چھپی ہوئی چیز) کے معنی میں۔

[1] مالک تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا ہے لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا، ایک تو اس لیے کہ عرش الٰہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرا، یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تخت شاہی بھی، گو بہت بڑا ہے لیکن اسے اس عرش عظیم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ ہدہد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے، چار جانوروں کو قتل مت کرو: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد، یعنی لٹورا۔'' (سنن أبي داود، حديث:5267، وسنن ابن ماجه، حديث:3223، ومسند أحمد:332/1) صرد (لٹورا) اس کا سر بڑا، پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔ (حاشیہ ابن کثیر) [2] یعنی ایک جانب ہٹ کر چھپ جا اور دیکھ کہ وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔ [3] جس طرح نبی ﷺ نے بھی بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بھی اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بذریعہ خط دی۔ آج کل مکتوب الیہ کا نام خط میں پہلے لکھا جاتا ہے لیکن سلف کا طریقہ یہی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اختیار کیا کہ پہلے اپنا نام تحریر کیا۔ [4] یعنی ہمارے پاس قوت اور اسلحہ بھی ہے اور لڑائی کے وقت نہایت پامردی سے لڑنے والے بھی ہیں، اس لیے جھکنے اور دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [5] اس لیے کہ ہم تو آپ کے تابع ہیں، جو حکم ہوگا بجا لائیں گے۔ [6] یعنی طاقت کے ذریعے سے فتح کرتے ہوئے۔ [7] یعنی قتل و غارت گری کر کے اور قیدی بنا کر۔ [8] بعض مفسرین کے نزدیک یہ اللہ کا قول ہے جو ملکہ سبا کی تائید میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ بلقیس ہی کا کلام اور اس کا تتمہ ہے اور یہی سیاق کے زیادہ قریب ہے۔ [9] اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان کوئی دنیادار بادشاہ ہے یا نبی مرسل جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ اگر ہدیہ قبول نہیں کیا تو یقیناً اس کا مقصد دین کی اشاعت و سربلندی ہے، پھر ہمیں بھی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔ [10] یعنی تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ

Marfat.com

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿36﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ
نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم خود ہی اپنے ہدیے کے ساتھ خوش رہو﴿36﴾ [1] تو ان کی طرف لوٹ جا،[2] اب ہم ضرور
بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ
ان پر ایسے لشکروں سے چڑھائی کریں گے کہ ان (تمھارے لوگوں) میں ان کے خلاف لڑنے کی طاقت
اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿37﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا
نہ ہوگی، اور ہم ضرور انھیں ذلیل کر کے وہاں سے نکال دیں گے، اور وہ خوار ہوں گے﴿37﴾ [3] اس (سلیمان)
اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ
نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو ان کے میرے پاس مطیع ہو کر آنے سے پہلے اس (بلقیس)
مُسْلِمِيْنَ ﴿38﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ
کا تخت میرے پاس لے آئے﴿38﴾ [4] جنوں میں سے ایک دیو (طاقت ور جن) نے کہا: وہ میں آپ کو
قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ
لا دیتا ہوں،[5] اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ[6] سے اٹھیں، اور بلاشبہ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں،
اَمِيْنٌ ﴿39﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا
امانت دار بھی ہوں﴿39﴾ [7] اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ آپ کی پلک جھپکنے سے بھی
اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ
پہلے وہ تخت میں آپ کو لا دیتا ہوں،[8] پھر جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا:

نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے، پھر تم اپنے اس ہدیے سے میرے مال و دولت میں کیا اضافہ کر سکتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔

[1] یہ بطور توبیخ کے کہا کہ تم ہی اس ہدیے پر فخر کرو اور خوش رہو، میں تو اس سے خوش ہونے سے رہا، اس لیے کہ ایک تو دنیا میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو پورے جہان میں کسی کو نہیں دیا۔ تیسرا یہ کہ مجھے نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔ [2] یہاں صیغہ واحد سے مخاطب کیا جبکہ اس سے قبل صیغہ جمع سے خطاب کیا تھا کیونکہ خطاب میں کبھی پوری جماعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کبھی امیر کو۔ [3] حضرت سلیمان علیہ السلام نرے بادشاہ ہی نہیں تھے، اللہ کے پیغمبر بھی تھے، اس لیے ان کی طرف سے تو لوگوں کو ذلیل و خوار کیا جانا ممکن نہیں تھا لیکن جنگ و قتال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جنگ نام ہی کشت و خون اور اسیری کا ہے اور ذلت و خواری سے یہی مراد ہے، ورنہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو خواہ مخواہ ذلیل و خوار نہیں کرتے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور اسوۂ حسنہ جنگوں کے موقع پر رہا۔ [4] حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب سے ملکہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، چنانچہ انھوں نے مطیع و منقاد ہو کر آنے کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تو آپ نے انھیں اللہ کے حکم سے ایک عجیب امر دکھانے کا پروگرام بنایا اور ان کے پہنچنے سے قبل ہی اس کا تخت شاہی اپنے پاس منگوانے کا بندوبست کیا۔ [5] اس سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً ایک جن ہی تھا جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے کیونکہ کسی انسان کے لیے چاہے وہ کتنا ہی زور آور ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن (سبا) جائے اور پھر وہاں سے تخت شاہی اٹھا لائے۔ اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ، جسے دو طرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل بنتا ہے، 4،3 گھنٹے میں طے کر لے۔ ایک طاقت ور سے طاقت ور انسان بھی اول تو اتنے بڑے تخت کو اٹھا ہی نہیں سکتا اور اگر وہ مختلف لوگوں یا چیزوں کا سہارا لے کر اٹھوا بھی لے تو اتنی قلیل مدت میں اتنا سفر کیوں کر ممکن ہے۔ [6] اس سے وہ مجلس مراد ہے جو مقدمات کی سماعت کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے نصف النہار تک منعقد فرماتے تھے۔ [7] یعنی میں اسے اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں اور اس کی کسی چیز میں ہیرا پھیری بھی نہیں کروں گا۔ [8] یہ کون شخص تھا جس نے یہ کہا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ اور یہ علم کیا تھا، جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے الفاظ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ وہ کوئی انسان ہی تھا جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا، اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر اسے یہ قدرت دے دی کہ پلک جھپکنے میں وہ تخت لے آیا۔ کرامت اور معجزہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہری اسباب اور امور عادیہ کے یکسر خلاف ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں، اس لیے نہ شخصی قوت قابل تعجب ہے اور نہ اس علم کے سراغ لگانے کی ضرورت جس کا ذکر یہاں ہے کیونکہ یہ تو اس شخص کا تعارف ہے جس کے ذریعے سے یہ کام ظاہری طور پر انجام پایا، ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت الٰہی ہی کی کارفرمائی ہے جو چشم زدن میں، جو چاہے، کر سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، اس لیے جب انھوں نے دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا۔

Marfat.com

مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ
یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو کوئی شکر
ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ
کرے تو بس وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے، اور جو کوئی ناشکری کرے تو بلاشبہ میرا رب بڑا
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿40﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا
بے پروا نہایت فیاض ہے﴿40﴾ سلیمان نے کہا: تم اس کے لیے اس کے تخت کی شکل بدل
عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ
دو،[1] ہم دیکھتے ہیں آیا وہ راہ پاتی ہے یا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو راہ
لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿41﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ
نہیں پاتے﴿41﴾ [2] پھر جب وہ آئی تو کہا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی: گویا
كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا
کہ یہ وہی ہے،[3] اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم ہو چکا تھا اور ہم تابعدار بن
مُسْلِمِيْنَ ﴿42﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ
گئے تھے﴿42﴾ [4] اور اسے (عبادت الٰہی سے) اس چیز نے روک رکھا تھا جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی
اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿43﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ
تھی، کیونکہ وہ کافر قوم میں سے تھی﴿43﴾ [5] اس سے کہا گیا: تو محل میں داخل ہو جا، پھر جب اس نے اس کو
فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ
دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا، اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے (کپڑا) اٹھا لیا،[6] سلیمان نے کہا: بلاشبہ یہ تو شیشوں
قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ
سے جڑا صاف محل ہے، اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک (اب تک سورج کی عبادت کر کے)
اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ
میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار ہو گئی
3 ع 13 18 الْعٰلَمِيْنَ ﴿44﴾ ۧ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ
ہوں﴿44﴾ [7] اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو، تو اسی

[1] یعنی اس کے رنگ روپ یا وضع و ہیئت میں تبدیلی کر دو۔ [2] یعنی وہ اس بات سے آگاہ ہوتی ہے کہ یہ تخت اسی کا ہے یا اس کو سمجھ نہیں پاتی؟ دوسرا مطلب ہے کہ وہ راہ ہدایت پاتی ہے یا نہیں؟ یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی اس پر راہ ہدایت واضح ہوتی ہے یا نہیں؟ [3] ردوبدل سے چونکہ اس کی وضع و ہیئت میں تبدیلی آ گئی تھی، اس لیے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور ردوبدل کے باوجود انسان پھر بھی اپنی چیز کو پہچان ہی لیتا ہے، اس لیے اپنے ہونے کی نفی بھی نہیں کی۔ اور یہ کہا ''یہ گویا وہی ہے۔'' اس میں اقرار ہے نہ نفی۔ بلکہ نہایت محتاط جواب ہے۔ [4] یعنی یہاں آنے سے قبل ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے۔ لیکن امام ابن کثیر و شوکانی وغیرہ نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا تھا کہ ملکۂ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔ [5] یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور صَدَّهَا کا فاعل مَا كَانَتْ تَعْبُدُ ہے، یعنی اسے اللہ کی عبادت سے جس چیز نے روک رکھا تھا، وہ غیر اللہ کی عبادت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک کافر قوم سے تھا، اس لیے توحید کی حقیقت سے بے خبر رہی، بعض نے صَدَّهَا کا فاعل اللہ کو اور بعض نے سلیمان علیہ السلام کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے یا اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر) [6] یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا۔ لُجَّةً گہرے پانی یا حوض کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت کے اعجازی مظاہر دکھانے کے بعد مناسب سمجھا کہ اسے اپنی اس دنیوی شان و شوکت کی بھی ایک جھلک دکھلا دی جائے جس میں اللہ نے انہیں تاریخ انسانیت میں ممتاز کیا تھا، چنانچہ اسے محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا، جب وہ داخل ہونے لگی تو اس نے اپنے پائنچے چڑھا لیے۔ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا جس سے اپنے کپڑوں کو بچانے کے لیے اس نے کپڑے سمیٹ لیے۔ [7] یعنی جب اس پر فرش کی حقیقت واضح ہوئی تو اپنی کوتاہی اور غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور اعتراف قصور کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ صاف چکنے گھڑے ہوئے پتھروں کو مُمَرَّدٌ کہا جاتا ہے۔ جس درخت پر پتے نہ ہوں اسے شجرۃ مرداء کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) لیکن یہاں یہ تعمیر یا جڑاؤ کے معنی میں ہے، یعنی شیشوں کا بنا ہوا یا جڑا ہوا محل۔ ملحوظہ: ملکۂ سبا (بلقیس) کے مسلمان ہونے کے بعد کیا ہوا؟ قرآن میں یا کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ تفسیری روایات میں یہ ضرور ملتا ہے کہ ان کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہو گیا تھا۔ لیکن جب قرآن و حدیث اس صراحت سے خاموش ہیں تو اس کی بابت خاموشی ہی بہتر

Marfat.com

اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿45﴾ قَالَ يٰقَوْمِ

وقت وہ لوگ دو فریق (مومن اور کافر) ہو کر جھگڑنے لگے[1] ﴿45﴾ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم

لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ

بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب) کیوں جلدی طلب کرتے ہو؟[2] تم اللہ سے مغفرت کیوں

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ

نہیں طلب کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ ﴿46﴾ انھوں نے کہا: ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس

مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

سمجھتے ہیں،[3] صالح نے کہا: تمھاری نحوست و مصیبت تو اللہ کے پاس (اس کے اختیار میں) ہے[4] بلکہ تم

تُفْتَنُوْنَ ﴿47﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ

لوگ تو آزمائے جا رہے ہو ﴿47﴾ [5] اور اس شہر میں نو سرغنے تھے، وہ زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور

فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿48﴾ انھوں نے کہا: تم آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور صالح اور اسکے اہل خانہ

وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ

پر شب خون ماریں گے،[6] پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿49﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ

وقت موجود نہ تھے، اور بلاشبہ ہم سچے ہیں ﴿49﴾ [7] اور انھوں نے ایک چال چلی،[8] اور ہم نے بھی تدبیر کی،[9] اور وہ

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا

شعور بھی نہ رکھتے تھے ﴿50﴾ [10] پھر آپ دیکھیں! ان کی چال کا انجام کیا ہوا، بلاشبہ ہم نے ان (نو سرغنوں) کو

دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿51﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ

اور ان کی سب قوم کو تباہ و برباد کر دیا ﴿51﴾ [11] چنانچہ یہ ہیں ان کے گھر خالی (اجڑے اور ویران) پڑے ہوئے،

بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿52﴾

اس لیے کہ انھوں نے ظلم کیا، بلاشبہ اس میں نشان (عبرت) ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں ﴿52﴾

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾ وَلُوْطًا اِذْ

اور ہم نے انھیں نجات دی جو ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے تھے ﴿53﴾ اور (یاد کریں) لوط کو[12]

ہے۔ واللّٰہ أعلم بالصواب.

[1] ان سے مراد کافر اور مومن ہیں، جھگڑنے کا مطلب ہر فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے۔ [2] یعنی ایمان قبول کرنے کی بجائے، تم کفر ہی پر کیوں اصرار کر رہے ہو جو عذاب کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اپنے عناد و سرکشی کی وجہ سے کہتے بھی تھے کہ ہم پر عذاب لے آ۔ جس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہا۔ [3] اَطَّيَّرْنَا اصل میں تَطَيَّرْنَا ہے۔ اس کی اصل طَيْر (اڑنا) ہے۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے۔ اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو اسے بدشگونی سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے۔ (فتح القدیر) اسلام میں بدشگونی جائز نہیں ہے، البتہ نیک تفاؤل جائز ہے۔ [4] یعنی اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سبب اللہ ہی کے پاس ہے کیونکہ قضا و قدر اسی کے اختیار میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھیں جو نحوست (قحط وغیرہ) پہنچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمھارا کفر ہے۔ (فتح القدیر) [5] یا گمراہی میں ڈھیل دے کر تمھیں آزمایا جا رہا ہے۔ [6] یعنی صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ یہ قسمیں انھوں نے اس وقت کھائیں، جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آ جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ عذاب کے آنے سے قبل ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کا صفایا کر دیں۔ [7] یعنی ہم قتل کے وقت وہاں موجود نہ تھے نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کون انھیں قتل کر گیا ہے۔ [8] ان کا مکر یہی تھا کہ انھوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبۂ قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ [9] یعنی ہم نے تدبیر کی (جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے) ان کی اس سازش کا بدلہ دیا اور انھیں ہلاک کر دیا۔ [10] اللہ کی اس تدبیر (مکر) کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ [11] یعنی ہم نے مذکورہ 9 سرداروں کو ہی نہیں بلکہ ان کی قوم کو بھی مکمل طور پر ہلاک کر دیا کیونکہ وہ قوم ہلاکت کے اصل سبب کفر و جحود میں مکمل طور پر ان کے ساتھ شریک تھی گو بالفعل ان کے منصوبۂ قتل میں شریک نہ ہو سکی تھی کیونکہ یہ منصوبہ خفیہ تھا لیکن ان کے منشا اور دلی آرزو کے عین مطابق تھا، اس لیے وہ بھی گویا اس مکر میں شریک تھی جو 9 افراد نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کے خلاف تیار کیا تھا، اس لیے پوری قوم ہی ہلاکت کی مستحق قرار پائی۔ [12] یعنی لوط علیہ السلام کا قصہ یاد کرو، جب لوط علیہ السلام نے مذکورہ بات کہی۔ قوم لوط عاموراء اور سدوم نامی بستیوں میں رہائش پذیر تھی۔

Marfat.com

قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿54﴾

جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی (بدکاری) کرتے ہو جبکہ تم دیکھتے ہو (کہ یہ بے حیائی

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ

ہے) ﴿54﴾ [1] کیا تم شہوت رانی کے لیے (اپنی) عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو؟ [2] بلکہ تم

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿55﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

تو نادان لوگ ہو ﴿55﴾ پھر اس کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ انھوں نے کہا: آل لوط کو

اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿56﴾

اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ تو بڑے پاک صاف بنتے ہیں ﴿56﴾ [3] پھر ہم نے اسے اور اس کے

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ

اہل خانہ کو نجات دی، سوائے اس کی بیوی کے، ہم نے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے

الْغٰبِرِيْنَ ﴿57﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

ہوگی ﴿57﴾ [4] اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) سخت بارش برسائی، [5] تو ڈرائے گئے لوگوں پر (پتھروں کی) بدترین

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿58﴾ ع قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ

بارش برسائی گئی تھی ﴿58﴾ [6] (اے نبی!) کہہ دیجیے: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے ان بندوں

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾

پر سلام ہے [7] جنھیں اس نے چن لیا، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں لوگ شریک ٹھہراتے ہیں؟ ﴿59﴾ [8]

[1] یعنی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔ یہاں بصارت قلب مراد ہے۔ اور اگر بصارت ظاہری، یعنی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہو تو معنی ہوں گے کہ نظروں کے سامنے یہ کام کرتے ہو، یعنی تمھاری سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ چھپنے کا تکلف بھی نہیں کرتے ہو۔ [2] یہ تکرار توبیخ کے لیے ہے کہ یہ بے حیائی وہی لواطت ہے جو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے غیر طبعی شہوت رانی کے طور پر کرتے ہو۔ [3] یہ بطور طنز اور استہزا کے کہا۔ [4] یعنی پہلے ہی اس کی بابت یہ اندازہ، یعنی تقدیر الٰہی میں تھا کہ وہ انھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی جو عذاب سے دوچار ہوں گے۔ [5] ان پر جو عذاب آیا، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا اور اس کے بعد ان پر تہ بہ تہ کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی۔ [6] یعنی جنھیں پیغمبروں کے ذریعے سے ڈرایا گیا اور ان پر حجت قائم کر دی گئی لیکن وہ تکذیب و انکار سے باز نہیں آئے۔ [7] جن کو اللہ نے رسالت اور بندوں کی رہنمائی کے لیے چنا تا کہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ [8] یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اللہ ہی کی عبادت بہتر ہے کیونکہ جب خالق، رازق اور مالک وہی ہے تو عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو سکتا ہے؟ جو نہ کسی چیز کا خالق ہے نہ رازق اور مالک۔ خَيْرٌ اگرچہ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن یہاں تفضیل کے معنی میں نہیں ہے، مطلق بہتر کے معنی میں ہے، اس لیے کہ معبودان باطلہ میں تو سرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔

Marfat.com

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ
(کیا یہ معبودانِ باطلہ بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے
مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَّا كَانَ لَكُمۡ
آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس سے ایسے پررونق باغ اگائے جن کے درخت اگانے کی تمھیں
اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ
قدرت نہ تھی،[1] کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟[2] بلکہ (یہ) وہ لوگ ہیں جو (غیر اللہ کو اللہ کے)
يَّعۡدِلُوۡنَ (60) اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ
برابر ٹھہراتے ہیں (60)[3] (کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے زمین ٹھہرنے کے لائق بنائی،[4]
اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ
اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لیے اس نے پہاڑ بنائے، اور دو سمندروں کے درمیان آڑ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (61) اَمَّنۡ
رکھی؟[5] کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) الٰہ ہے؟ (نہیں!) بلکہ ان کے اکثر علم نہیں رکھتے (61) (کیا یہ بت
يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ
بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جو مجبور ولاچار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے، اور وہ اس کی تکلیف دور
خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا
کردیتا ہے[6] اور وہ تمھیں زمین میں جانشین بناتا ہے؟[7] کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ تم کم ہی
تَذَكَّرُوۡنَ (62) اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِيۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ
نصیحت حاصل کرتے ہو (62) (کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جو تمھیں خشکی اور تری کے اندھیروں میں
وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَيۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ
راہ دکھاتا ہے[8] اور جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے بشارت والی ہوائیں بھیجتا ہے؟[9] کیا اللہ کے ساتھ کوئی
مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ (63) اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ
(اور) معبود ہے؟ اللہ ان سے بلند و بالا ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں (63) (کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ
ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ
(اللہ) جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا،[10] اور وہ جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا

[1] یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل دیے جا رہے ہیں کہ وہی اللہ تخلیق، رزق اور تدبیر وغیرہ میں متفرد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ فرمایا: آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا، ان میں درخشاں کواکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا۔ اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار، کھیتیاں اور انواع و اقسام کے طیور و حیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھا دے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر ہے۔ (مثلاً: العنکبوت 29:63) [2] یعنی ان سب حقیقتوں کے باوجود کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہستی ایسی ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ یا جس نے ان میں سے کسی چیز کو پیدا کیا ہو؟ یعنی کوئی ایسا نہیں جس نے کچھ بنایا ہو یا عبادت کے لائق ہو۔ ﴿اَمَّنۡ﴾ کا ان آیات میں مفہوم یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کا فاعل ہے، اس کی طرح ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر) [3] اس کا دوسرا ترجمہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کا ہمسر اور نظیر ٹھہراتے ہیں۔ [4] یعنی جس میں قرار و سکون ہے۔ نہ ہلتی ہے، نہ ڈولتی ہے اگر ایسا ہوتا تو زمین پر رہنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بنانے کا مقصد بھی زمین کو حرکت کرنے سے اور ڈولنے سے روکنا ہی ہے۔ [5] اس کی تشریح کے لیے دیکھیں سورۂ فرقان 25:53 کا حاشیہ۔

[6] یعنی وہی اللہ ہے جسے شدائد کے وقت پکارا جاتا اور مصیبتوں کے وقت جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔ مضطر (لاچار) اس کی طرف رجوع کرتا اور تکالیف کو وہی دور کرتا ہے۔ (مزید ملاحظہ ہو: سورۂ نحل 16:53، سورۂ بنی اسرائیل 17:67) [7] یعنی ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے ورنہ اگر وہ سب کو ایک ہی وقت میں وجود بخش دیتا تو زمین بھی تنگ دامانی کا شکوہ کرتی، اکتساب معیشت میں بھی دشواریاں پیدا ہوتیں جن سے تم نقصان اٹھاتے۔ (ابن کثیر) گویا یکے بعد دیگرے انسانوں کو پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا، یہ بھی اس کی کمال مہربانی ہے۔ [8] یعنی آسمانوں پر ستاروں کو درخشانی عطا کرنے والا کون ہے؟ جن سے تم تاریکیوں میں راہ پاتے ہو۔ پہاڑوں اور وادیوں کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جو ایک دوسرے کے لیے سرحدوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راستوں کی نشاندہی کا بھی۔ [9] یعنی بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں جو بارش کی پیامبر ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان سے خشک سالی کے مارے ہوئے لوگوں میں خوشی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔ [10] یعنی قیامت

Marfat.com

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (64)
ہے؟[1] کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) الہ ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے آؤ (64) کہہ
قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ
دیجیے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب (کی بات) نہیں جانتا،[2] اور وہ (خودساختہ معبود)
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (65) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي
تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ (قبروں سے) کب اٹھائے جائیں گے (65) بلکہ آخرت کے بارے میں
الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (66)
ان کا علم ختم ہو چکا،[3] بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں (66)[4] اور
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا
کافروں نے کہا: کیا جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں (پھر قبروں
لَمُخْرَجُوْنَ (67) لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ
سے) نکالا جائے گا؟ (67) بلاشبہ ہمیں اور اس سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو بھی یہ وعدے دیے
قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (68) قُلْ سِيْرُوْا
جاتے رہے ہیں، لیکن یہ تو محض پہلے لوگوں کے افسانے ہیں (68)[5] کہہ دیجیے:
فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (69)
تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ (69)[6] اور
وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (70)
(اے نبی!) آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ ہی جو وہ مکر و فریب کر رہے ہیں (اس پر) تنگ دل ہوں (70)

والے دن تمھیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔

[1] یعنی آسمان سے بارش نازل فرما کر زمین سے اس کے مخفی خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

[2] یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ متفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی والہام کے ذریعے سے انھیں بتلا دیتا ہے اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ عالم الغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے، ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہ ہو۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے، اس لیے صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا، اس لیے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ ''آسمان و زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4855، وصحيح مسلم، حديث: 177، و جامع الترمذي، حديث: 3068) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقصد کے لیے بنائے ہیں۔ آسمان کی زینت، رہنمائی کا ذریعہ اور شیطان کو سنگسار کرنا۔ لیکن اللہ کے احکام سے بے خبر لوگوں نے ان سے غیب کا علم حاصل کرنے (کہانت) کا ڈھونگ رچا لیا ہے، مثلاً: کہتے ہیں: جو فلاں فلاں ستارے کے وقت نکاح کرے گا تو یہ یہ ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت سفر کرے گا تو ایسا ایسا ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت پیدا ہوگا تو ایسا ایسا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے قیاسات کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں، پرندوں اور جانوروں سے غیب کا علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ جبکہ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (ابن کثیر) [3] یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا وقت جاننے سے عاجز ہے۔ یا ان کا علم آخرت کے بارے میں برابر ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے استفسار پر فرمایا تھا کہ ''قیامت کے بارے میں مسئول عنها (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سائل (حضرت جبریل) سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔'' یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا، اس لیے کہ انھوں نے قیامت کے بارے میں کیے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان کے لیے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں وہ اسے جھٹلاتے رہے تھے، جیسے فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (مریم 19:38) ''وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے، کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے! مگر ظالم آج صریح گمراہی میں ہیں۔'' [4] یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں۔ [5] یعنی اس میں حقیقت کوئی نہیں، بس ایک دوسرے سے سن کر یہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔ [6] یہ ان کافروں کے قول کا جواب ہے کہ پچھلی قوموں کو دیکھو کہ کیا ان پر اللہ کا عذاب نہیں آیا؟ جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیامت اور اس کی زندگی کے بارے میں بھی

Marfat.com

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (71)
اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا؟ (71)
قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
آپ کہہ دیجیے: جو عذاب تم جلدی طلب کرتے، ہو سکتا ہے (اس میں سے) کچھ تمھارے قریب
تَسْتَعْجِلُوْنَ (72) وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
آ لگا ہو (72)[1] اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر بہت فضل (فرمانے) والا ہے، لیکن ان
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (73) وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ
کے اکثر شکر نہیں کرتے (73)[2] اور بلاشبہ آپ کا رب (وہ باتیں) جانتا ہے جو ان کے
مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (74) وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ
سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (74) اور آسمان و زمین میں
فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (75) اِنَّ هٰذَا
غائب کوئی چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں[3] (لکھی ہوئی) نہ ہو (75) بے شک
الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ
یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (76) وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (77)
کرتے ہیں (76)[4] اور بلاشبہ یہ (قرآن) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (77)[5]
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
بے شک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا[6] اور وہ نہایت غالب ہے، بہت
الْعَلِيْمُ (78) فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ (79)
علم والا ہے (78) لہٰذا (اے نبی!) آپ اللہ پر توکل کریں، بلاشبہ آپ واضح حق پر ہیں (79)[7] آپ
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا
مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں[8] جبکہ وہ پیٹھ کے بل پھر
مُدْبِرِيْنَ (80) وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ
جائیں (80)[9] اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ ہدایت پر لا سکتے ہیں،[10] آپ تو بس انھیں ہی

ہمارے رسول جو کہتے ہیں، یقیناً سچ ہے۔

[1] اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل اور اسیری کی شکل میں کافروں کو پہنچا یا عذاب قبر ہے۔ ٭ رَدِفَ قرب کے معنی میں ہے، جیسے سواری کی عقبی نشست پر بیٹھنے والے کو ردیف کہا جاتا ہے۔ [2] یعنی عذاب میں تاخیر، یہ بھی اللہ کے فضل و کرم کا ایک حصہ ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے اعراض کر کے ناشکری کرتے ہیں۔ [3] اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان ہی غائب چیزوں میں اس عذاب کا علم بھی ہے جس کے لیے یہ کفار جلدی مچاتے ہیں۔ لیکن اس کا وقت بھی اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے جسے صرف وہی جانتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے جو اس نے کسی قوم کی تباہی کے لیے لکھ رکھا ہوتا ہے تو پھر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ مقررہ وقت آنے سے پہلے جلدی کیوں کرتے ہیں؟ [4] اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص اور توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو، حتیٰ کہ انھیں اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ قرآن کریم نے ان کے حوالے سے ایسی باتیں بیان فرمائیں جن سے حق واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے اعتقادی اختلافات ختم اور ان کا تفرق و انتشار کم ہو سکتا ہے۔ [5] مومنوں کا اختصاص اس لیے کہ وہی قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انھی میں وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔ [6] یعنی قیامت کو ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا یا انھوں نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کی ہیں، دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ [7] یعنی اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اور اسی پر اعتماد کریں، وہی آپ کا مددگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ دین حق پر ہیں، دوسری وجہ آگے آ رہی ہے۔ [8] یہ ان کافروں کی پروا نہ کرنے اور صرف اللہ پر بھروسا رکھنے کی دوسری وجہ ہے کہ یہ لوگ مردہ ہیں جو کسی کی بات سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ راہ یاب ہونے والے ہیں۔ گویا کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی جن میں حس ہوتی ہے نہ عقل۔ اور بہروں سے جو وعظ و نصیحت سنتے ہیں نہ دعوت الی اللہ قبول کرتے ہیں۔ [9] یعنی وہ حق سے مکمل طور پر گریزاں اور متنفر ہیں کیونکہ بہرا آدمی رُو در رُو بھی کوئی بات نہیں سن پاتا، چہ جائیکہ اس وقت سن سکے جب وہ منہ موڑ لے اور پیٹھ پھیرے ہوئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سماع موتی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے، البتہ اس سے صرف وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جہاں سماعت کی

Marfat.com

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿81﴾ وَاِذَا

سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، تو وہی فرماں بردار ہیں﴿81﴾ اور جب ان پر

وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ

(قربِ قیامت کے وعدے کی) بات پوری ہو جائے گی[1] تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں

تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿82﴾ وَيَوْمَ

گے، وہ ان سے کلام کرے گا[2] کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے﴿82﴾[3] اور جس دن

نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ

ہم ہر امت میں سے ایک گروہ اکٹھا کریں گے، جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، پھر ان کی درجہ بندی

يُوْزَعُوْنَ ﴿83﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ

کی جائے گی﴿83﴾[4] حتیٰ کہ جب وہ سب (میدان محشر میں) آپہنچیں گے تو اللہ فرمائے گا: کیا تم نے میری

وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾ وَوَقَعَ

آیات کو جھٹلایا تھا[5] جبکہ تم نے علم سے ان کا احاطہ نہ کیا تھا، یا تم کیا کرتے رہے تھے؟﴿84﴾[6] اور ان کے ظلم

الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿85﴾ اَلَمْ يَرَوْا

کی وجہ سے ان پر (وعدۂ عذاب کی) بات پوری ہو جائے گی، تو وہ (کچھ بھی) نہیں بول سکیں گے﴿85﴾[7] کیا

اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا

انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی، تاکہ وہ اس میں آرام و سکون کریں اور دن کو روشن

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿86﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي

(بنایا)[8] بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں﴿86﴾ اور جس دن صور میں

الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے (سب) گھبرا جائیں گے،[9] سوائے

صراحت کسی نص سے ثابت ہوگی، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ لوگ مردے کو جب دفنا کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ صحيح البخاري، حديث: 1338، وصحيح مسلم، حديث: 2870) یا جنگ بدر میں کافر مقتولین کو جو قلیب بدر میں پھینک دیے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے خطاب فرمایا، جس پر صحابہ نے کہا: آپ بے روح جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تم سے زیادہ میری بات سن رہے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3976) یعنی معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات مردہ کافروں کو سنوا دی۔ [10] یعنی جن کو اللہ تعالیٰ حق سے اندھا کر دے، آپ ان کی اس طرح رہنمائی نہیں فرما سکتے جو انھیں مطلوب، یعنی ایمان تک پہنچا دے۔

[1] یعنی جب نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں رہ جائے گا۔ [2] یہ دَآبَّةً وہی ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو (ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے۔)'' (صحيح مسلم، حديث: 2901، وسنن أبي داود، حديث: 4311، وجامع الترمذي، حديث: 2183، وسنن ابن ماجه، حديث: 4055) دوسری روایت میں ہے: ''سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی، وہ ہے سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ظاہر ہوگی، دوسری اس کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو جائے گی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2941) [3] یہ جانور کے نکلنے کی علت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی اس لیے دکھلائے گا کہ لوگ اللہ کی نشانیوں یا آیتوں (احکام) پر یقین نہیں رکھتے۔ قرآن کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جبکہ بعض نے اسے جانور کا کلام قرار دیا ہے لیکن یہ مرجوح قول ہے (ابن كثير، تفسير اللباب) [4] یا قسم قسم کر دیے جائیں گے، یعنی بت پرستوں کا ٹولہ، آتش پرستوں کا ٹولہ وغیرہ۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کو روکا جائے گا، یعنی ان کو ادھر ادھر اور آگے پیچھے ہونے سے روکا جائے گا اور سب کو ترتیب وار لا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ [5] یعنی تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔ [6] کہ جس کی وجہ سے تمھیں میری باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ [7] یعنی ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا کہ جسے وہ پیش کر سکیں۔ یا قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے بولنے کی قدرت سے ہی محروم ہوں گے اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے جب ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ [8] تاکہ وہ اس میں کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکیں۔ [9] صور سے مراد وہی قرن ہے جس میں اسرافیل اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے۔ یہ نفخے دو یا دو سے زیادہ ہوں گے۔ پہلے نفخے (پھونک) میں ساری دنیا گھبرا کر بے ہوش اور دوسرے نفخے میں موت سے ہم کنار ہو جائے گی۔ تیسرے نفخے میں سب لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک اور چوتھا نفخہ ہوگا جس سے سب لوگ

Marfat.com

مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿87﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ

اس کے جسے اللہ چاہے[1] اور (یہ) سب عاجز ہو کر اللہ کے حضور جائیں گے ﴿87﴾ اور آپ پہاڑوں کو

تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ

دیکھیں گے تو ان کو جامد (اپنی جگہ جمے ہوئے) سمجھیں گے، جبکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے

اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا

ہوں گے[2] یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو پختہ اور مضبوط بنایا،[3] بے شک وہ باخبر ہے اس سے جو

تَفْعَلُوْنَ ﴿88﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ

تم کرتے ہو ﴿88﴾ جو شخص نیکی لائے گا، تو اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر (بدلہ) ہوگا، اور وہ اس دن

مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿89﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

ہر گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے ﴿89﴾[4] اور جو شخص برائی لائے گا تو ان کے منہ آگ میں اوندھے

وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿90﴾

کر دیے جائیں گے (اور کہا جائے گا:) تم بس اسی کا بدلہ پاؤ گے جو تم عمل کرتے تھے ﴿90﴾ (آپ کہہ

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا

دیجیے:) بس مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت

وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿91﴾

بخشی ہے[5] اور ہر شے اسی کے لیے ہے، اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں ﴿91﴾ اور

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

یہ کہ میں قرآن پڑھوں، پھر جس نے ہدایت پائی تو بس وہ اپنی ہی ذات کے لیے ہدایت پاتا

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿92﴾

ہے، اور جو گمراہ ہوا تو آپ کہہ دیجیے: میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں ﴿92﴾[6] اور کہہ

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا

دیجیے: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے،[7] وہ جلد ہی تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے گا، پھر تم انھیں پہچان لو

ع 7 11 3 رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾

گے،[8] اور جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو آپ کا رب اس سے غافل نہیں ﴿93﴾[9]

میدان حشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہاں کون سا نفخہ مراد ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ پہلا نفخہ ہے۔

[1] یہ مستثنیٰ لوگ کون ہوں گے؟ بعض کے نزدیک انبیاء و شہداء، بعض کے نزدیک فرشتے اور بعض کے نزدیک سب اہل ایمان ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمام مذکورین ہی اس میں شامل ہوں کیونکہ اہل ایمان حقیقی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے (جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔ [2] یہ قیامت والے دن ہوگا کہ پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے۔ [3] یعنی یہ اللہ کی عظیم قدرت سے ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح کر دینے پر قادر ہے۔ [4] یعنی حقیقی اور بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ ہوں گے۔ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ (الأنبيآء21:103) [5] اس سے مراد مکہ شہر ہے اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ اسی میں خانہ کعبہ ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ ''حرمت والا'' کا مطلب ہے: اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا حتی کہ کانٹا توڑنا بھی منع ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:1832، و صحيح مسلم، حديث:1354، وجامع الترمذي، حديث:1406، و سنن أبي داود، حديث:2017، و سنن ابن ماجه، حديث:3109، وسنن النسائي، حديث:2879) [6] یعنی میرا کام صرف تبلیغ ہے۔ میری دعوت و تبلیغ سے جو مسلمان ہو جائے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا اور جو میری دعوت کو نہیں مانے گا تو میرا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے حساب لے لے گا اور اسے جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائے گا۔ [7] کہ جو کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک حجت قائم نہیں کر دیتا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ﴿فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾ ''تو تم انھیں (نشانیوں کو) پہچان لو گے۔'' [8] دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:53) ''ہم انھیں آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے۔'' اگر زندگی میں یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے تو موت کے وقت تو ان نشانیوں کو دیکھ کر وہ ضرور پہچان لیتے ہیں لیکن اس وقت کی معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، اس لیے کہ اس وقت کا ایمان مقبول نہیں۔ [9] بلکہ ہر چیز کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس میں کافروں کے لیے ترہیب شدید اور تہدید عظیم ہے۔

Marfat.com

اٰیاتُھا:88 — سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ — رُکُوعاتُھا:9

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿1﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴿2﴾ نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ

طٰسٓمّٓ ① یہ واضح کتاب کی آیات ہیں ② ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک

نَّبَاِ مُوۡسٰى وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿3﴾ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ

سناتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جوایمان لاتے ہیں ③ [1] بے شک فرعون نے زمین (مصر) میں

عَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآٮِٕفَةً

سرکشی کی[2] اوراس نے اہل مصر کے کئی گروہ بنادیے[3] ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کواس نے

مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ

ضعیف جان کر دبارکھا تھا[4] وہ ان کے بیٹے ذبح کرتا[5] اوران کی بیٹیاں زندہ رکھتا، بلاشبہ وہ فسادیوں

مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿4﴾ وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا

میں سے تھا④ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں ضعیف جان (کردبا)

فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَٮِٕمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ﴿5﴾

لیا گیا تھا، اورانھیں پیشوا بنائیں، اورانھیں (ملک مصر کے) وارث بنائیں⑤ [6] اور (یہ کہ) ہم انھیں

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا

زمین (شام وفلسطین) میں اقتدار بخشیں[7] اور ہم فرعون اور ہامان اوران دونوں کے لشکروں کو ان (کمزور

مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ﴿6﴾ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ

لوگوں کے ہاتھوں) سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے⑥ [8] اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا[9]

اَرۡضِعِيۡهِ‌ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِى الۡيَمِّ وَلَا تَخَافِىۡ

کہ تو اسے دودھ پلا، پھر جب تو اس کے بارے میں ڈرے تو اسے دریا میں ڈال دینا، اور نہ ڈرنا اور نہ غم

وَلَا تَحۡزَنِىۡ‌ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَجَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿7﴾

کھانا[10] بے شک ہم اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں[11] اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں⑦

[1] یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس طریقے سے بیان کر دینا جس طرح وہ پیش آئے، ناممکن ہے، تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہوگا کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔ [2] یعنی ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اپنے کو بڑا معبود کہلاتا تھا۔ [3] جن کے ذمے الگ الگ کام اور ڈیوٹیاں تھیں۔ [4] اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو اس وقت کی افضل ترین قوم تھی لیکن ابتلا و آزمائش کے طور پر فرعون کی غلام اور اس کی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ [5] جس کی وجہ فرعون کا ایک خواب دیکھنا تھا جس کی تعبیر معبرین نے یہ کی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ (تفسیر اللباب) جس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ہر پیدا ہونے والا اسرائیلی بچہ قتل کر دیا جائے، حالانکہ اس احمق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر خواب کی یہی تعبیر ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا، چاہے وہ بچے قتل کرواتا رہے۔ اور اگر خواب کی یہ تعبیر نہیں ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ خوشخبری منتقل ہوتی چلی آرہی تھی کہ ان کی نسل سے ایک بچہ ہوگا جس کے ہاتھوں سلطنت مصر کی تباہی ہوگی۔ قبطیوں نے یہ بشارت بنی اسرائیل سے سنی اور فرعون کو اس سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مروانا شروع کر دیا۔ (ابن کثیر) [6] چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزور اور غلام قوم کو مشرق و مغرب کا وارث (مالک وحکمران) بنا دیا۔ (الأعراف 7:137) نیز انھیں دین کا پیشوا اور امام بھی بنا دیا۔ [7] یہاں زمین سے مراد ارض شام ہے جہاں وہ کنعانیوں کی زمین کے وارث بنے۔ واللہ أعلم۔ [8] یعنی انھیں جو اندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے ملک ولشکر کی تباہی ہوگی، ان کے اس اندیشے کو ہم نے حقیقت کر دکھایا۔ [9] وحی سے مراد یہاں دل میں بات ڈالنا ہے، وہ وحی نہیں ہے جو انبیاء پر فرشتے کے ذریعے سے نازل کی جاتی تھی اور اگر فرشتے کے ذریعے سے بھی آئی ہو، تب بھی اس ایک وحی سے ام موسیٰ علیہا السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ فرشتے بعض دفعہ عام انسانوں کے پاس بھی آجاتے ہیں، جیسے حدیث میں کوڑھی، پھلبہری والے اور اندھے کے پاس فرشتوں کا آنا ثابت ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3464، وصحيح مسلم، حديث: 2964) [10] یعنی دریا میں ڈوب جانے یا ضائع ہو جانے کا خوف نہ رکھنا اور اس کی جدائی کا غم نہ کرنا۔ [11] یعنی ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کی نجات یقینی ہو، کہتے ہیں کہ جب قتل اولاد کا یہ سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے اور پھر مشقت والے کام ہمیں نہ کرنے پڑیں۔ اس اندیشے کا ذکر انھوں نے فرعون سے کیا جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کیے اور ایک سال چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت

Marfat.com

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ
چنانچہ فرعون کے گھر والوں نے اسے (دریا سے) اٹھا لیا[1] تاکہ وہ ان کے لیے دشمن اور باعث غم
فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ ⑧ وَقَالَتِ
بنے[2] بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر خطا کار تھے ⑧ [3] اور فرعون کی بیوی نے کہا:
امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى
(یہ تو) میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو[4] شاید یہ ہمیں
اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ
نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں[5] اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے ⑨ [6] اور موسیٰ کی ماں
فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ
کا دل (صبر وقرار سے) خالی ہو گیا،[7] بے شک قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر کر دیتی، اگر ہم نے اس
اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑩
کا دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کرنے والوں میں سے ہو ⑩ [8] اور موسیٰ کی
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ
ماں نے اس کی بہن[9] سے کہا: تو اس کے پیچھے پیچھے جا، پھر وہ (گئی تو) اسے دور سے دیکھتی رہی[10] جبکہ وہ
لَا یَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ
(فرعونی) بے خبر تھے ⑪ اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں (کے دودھ) کو پہلے ہی سے حرام کر دیا تھا،[11] پھر موسیٰ
هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ
کی بہن نے کہا: کیا میں تمھیں[12] ایک گھر والوں کا بتاؤں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس
نٰصِحُوْنَ ⑫ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
کے خیر خواہ بھی ہوں؟ ⑫ چنانچہ ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا[13] تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے جبکہ موسیٰ علیہ السلام قتل والے سال میں پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سروسامان اس طرح پیدا فرمایا کہ ایک تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار اس طرح ظاہر نہیں فرمائے جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نگاہ میں آجائیں، اس لیے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ ہو گیا اور یہ واقعہ حکومت کے منصوبہ بندوں کے علم میں نہیں آیا لیکن ولادت کے بعد قتل کا اندیشہ موجود تھا جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی والقا کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو سمجھا دیا، چنانچہ انھوں نے اسے تابوت میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر) [1] یہ تابوت بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا جو لب دریا ہی تھا اور وہاں فرعون کے نوکروں چاکروں نے پکڑ کر باہر نکال لیا۔ [2] یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی انھوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر لیکن انجام ان کے اس فعل کا یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور رنج وغم کا باعث ثابت ہوا۔ [3] یہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دشمن کیوں ثابت ہوئے؟ اس لیے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطا کار تھے، اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے پروردہ کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیا۔ [4] یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین وجمیل بچہ انھوں نے دیکھا۔ بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے تھے تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (أیسر التفاسیر) جمع کا صیغہ یا تو اکیلے فرعون کے لیے بطور تعظیم کے کہا یا ممکن ہے وہاں اس کے کچھ درباری موجود رہے ہوں۔ [5] کیونکہ فرعون اولاد سے محروم تھا۔ [6] کہ یہ بچہ جسے وہ اپنا بچہ بنا رہے ہیں، یہ تو وہی بچہ ہے جس کو مارنے کے لیے سینکڑوں بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔ [7] یعنی ان کا دل ہر چیز اور فکر سے فارغ (خالی) ہو گیا اور ایک ہی فکر، یعنی موسیٰ علیہ السلام کا غم دل میں سما گیا جس کو اردو میں بے قراری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [8] یعنی شدت غم سے یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ ان کا بچہ ہے لیکن اللہ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا جس پر انھوں نے صبر کیا اور یقین کر لیا کہ اللہ نے اس موسیٰ علیہ السلام کو بخیریت واپس لوٹانے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہو گا۔ [9] خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام مریم بنت عمران تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران تھیں۔ ناموں میں اتحاد تھا۔ [10] چنانچہ وہ دریا کے کنارے کنارے دیکھتی رہی تھی حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ اس کا بھائی فرعون کے محل میں چلا گیا ہے۔ [11] یعنی ہم نے اپنی قدرت اور تکوینی حکم کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انّا کا دودھ پینے سے منع کر دیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انّا انھیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ [12] یہ سب منظر ان کی ہمشیرہ خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں، بالآخر بول پڑیں کہ ”میں تمھیں ایسا گھرانا بتاؤں جو اس بچے کی تمھارے لیے پرورش کرے۔“ [13] چنانچہ انھوں نے ہمشیرۂ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ، چنانچہ وہ دوڑی دوڑی گئی اور اپنی ماں کو، جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، ساتھ لے آئی۔

Marfat.com

وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾

اور وہ غم نہ کھائے اور تا کہ وہ جان لے کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے[1] اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ⑬

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا

اور جب وہ (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچا اور (عقل و شعور میں کامل اور) پورا طاقتور ہوگیا تو ہم

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿14﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى

نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا[2] اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ⑭ اور وہ شہر

حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ

میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے[3] پھر اس نے شہر میں دو آدمیوں کو باہم لڑتے پایا، یہ

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ

(ایک تو) اس کے اپنے گروہ میں سے تھا اور یہ (دوسرا) اس کے دشمنوں میں سے تھا،[4] پھر جو اس کے

مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى

اپنے گروہ میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس شخص کے خلاف مدد مانگی جو اس کے دشمنوں میں سے

فَقَضٰى عَلَيْهِ ۚ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ

تھا، چنانچہ موسیٰ نے اسے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کردیا (پھر) کہا: یہ (قتل) شیطان کے عمل سے ہے،[6]

عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿15﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ

بلاشبہ وہ گمراہ کرنے والا کھلم کھلا دشمن ہے ⑮[7] موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی

نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

جان پر ظلم کیا ہے، لہٰذا تو میری مغفرت فرما،[8] چنانچہ اللہ نے اسے بخش دیا، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا،

الرَّحِيْمُ ﴿16﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ

نہایت رحم کرنے والا ہے ⑯ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے،

ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿17﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا

لہٰذا میں مجرموں کا مددگار ہرگز نہیں بنوں گا ⑰[9] پھر موسیٰ نے شہر میں ڈرتے ڈرتے (ہر طرف سے

[1] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے والدۂ موسیٰ سے محل میں رہنے کی استدعا کی تاکہ بچے کی صحیح پرورش اور نگہداشت ہو سکے لیکن انھوں نے کہا کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لے جائیں اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی اجرت انھیں شاہی خزانے سے دی جائے گی، سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے! دودھ اپنے بچے کو پلائیں اور تنخواہ فرعون سے وصول کریں، رب نے موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقے سے پورا فرمایا۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (یٰس 83:36) ایک مرسل روایت میں ہے۔ ''اس کاریگر کی مثال، جو اپنی بنائی ہوئی چیز میں ثواب اور خیر کی نیت بھی رکھتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح ہے جو اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی اجرت بھی وصول کرتی ہے۔'' (مراسیل أبي داود، حدیث: 332) یعنی بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انجام کی حقیقت سے اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں لیکن اللہ کو اس کے حسن انجام کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ''ہوسکتا ہے جس چیز کو تم برا سمجھو، اس میں تمھارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو تم پسند کرو، اس میں تمھارے لیے شر کا پہلو ہو۔'' (البقرۃ 216:2) دوسرے مقام پر فرمایا: ''ہوسکتا ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو اور اللہ اس میں تمھارے لیے خیر کثیر پیدا فرما دے۔'' (النسآء 19:4) اس لیے انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے قطع نظر ہر معاملے میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کرے کہ اسی میں اس کے لیے خیر اور حسن انجام ہے۔ [2] حکم اور علم سے مراد اگر نبوت ہے تو اس مقام تک کس طرح پہنچے، اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نبوت نہیں بلکہ عقل و دانش اور وہ علوم ہیں جو انھوں نے اپنے آبائی اور خاندانی ماحول میں رہ کر سیکھے۔ [3] اس سے بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت اور بعض نے نصف النہار مراد لیا ہے۔ جب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔ [5] یعنی فرعون کی قوم قبط میں سے تھا۔ [6] اسے شیطانی فعل اس لیے قرار دیا کہ قتل ایک نہایت سنگین جرم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد اسے ہرگز قتل کرنا نہیں تھا۔ [7] جس کی انسان سے دشمنی بھی واضح ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ جو جو جتن کرتا ہے، وہ بھی مخفی نہیں۔ [8] یہ اتفاقیہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا کیونکہ کبائر سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے، تاہم یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا جس کے لیے بخشش ضروری سمجھی۔ [9] یعنی جو کافر اور تیرے حکموں کا مخالف ہوگا تو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے، اس کے سبب میں اس کا مددگار نہیں ہوں گا۔ بعض نے اس انعام سے مراد اس گناہ کی معافی لی ہے جو غیر ارادی طور پر قبطی کے قتل کی صورت میں ان سے صادر ہوا۔

Marfat.com

يَتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ

خطرے کے) انتظار میں صبح کی[1] تو اچانک (دیکھا کہ) وہ شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی، اسے

قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ (18) فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ

مدد کے لیے پکار رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا: بلاشبہ تو تو کھلا گمراہ شخص ہے (18)[2] پھر جب موسیٰ نے

اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ

ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑے[3] جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ (اسرائیلی) بول اٹھا:[4] اے موسیٰ:

تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، تو یہی چاہتا ہے

جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ (19)

کہ زمین میں بڑا متکبر و سرکش ہو، اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو (19)

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا[5] (اور) اس نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ سردار

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ

تیرے خلاف مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر ڈالیں، لہٰذا تو نکل جا، بے شک میں تیرے خیر

مِنَ النّٰصِحِيْنَ (20) فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ

خواہوں میں سے ہوں (20) تو موسیٰ اس شہر سے ڈرتا سہمتا، (پکڑے جانے کے) انتظار میں

رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (21) ع وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ

نکلا[6] (اور) اس نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے ظالم قوم سے نجات دے (21)[7] اور جب اس

مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (22) وَلَمَّا

نے مدین کا رخ کیا تو کہا: امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ کی ہدایت دے گا (22)[8] اور جب وہ

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ

مدین کے پانی (کنویں) پر پہنچا تو اس پر اس نے لوگوں کا ایک گروہ پایا، وہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا

رہے تھے[9] اور ان کے علاوہ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانور) روک رہی ہیں، موسیٰ نے کہا: تمھارا کیا

خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ

معاملہ ہے؟[10] ان دونوں نے کہا: ہم پانی نہیں پلاتیں[11] حتی کہ چرواہے (پانی پلا کر اپنے مویشی) واپس لے

[1] خَآئِفًا کے معنی ڈرتے ہوئے۔ يَتَرَقَّبُ ادھر ادھر جھانکتے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا۔ [2] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ تو کل بھی لڑتا ہوا پایا گیا تھا اور آج پھر تو کسی سے دست بہ گریبان ہے تو تو صریح بے راہ، یعنی جھگڑالو ہے۔ [3] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ قبطی کو پکڑ لیں کیونکہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا تاکہ لڑائی زیادہ نہ بڑھے۔ [4] فریادی (اسرائیلی) سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام شاید اسے پکڑنے لگے ہیں تو وہ بول اٹھا کہ اے موسیٰ! اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ جس سے قبطی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا، اس کا قاتل موسیٰ (علیہ السلام) ہے، اس نے جا کر فرعون کو بتلا دیا جس پر فرعون نے اس کے بدلے میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔ [5] یہ آدمی کون تھا؟ بعض کے نزدیک یہ فرعون کی قوم سے تھا جو در پردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا۔ اور ظاہر ہے سرداروں کے مشورے کی خبر ایسے ہی آدمی کے ذریعے آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتے دار اور اسرائیلی تھا۔ اور اقصائے شہر سے مراد منف ہے جہاں فرعون کا محل اور دارالحکومت تھا اور یہ شہر کے آخری کنارے پر تھا۔ [6] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں یہ بات آئی تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت میں نہ آسکیں۔ [7] یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے جنھوں نے باہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیونکہ مصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا، پہلے سے کوئی خیال یا منصوبہ نہیں تھا، چنانچہ اللہ نے گھوڑے پر ایک فرشتہ بھیج دیا جس نے انھیں راستے کی نشاندہی کی۔ واللہ أعلم. (ابن کثیر)

[8] چنانچہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کی ایسے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما دی جس سے ان کی دنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی، یعنی وہ ہادی بھی بن گئے اور مہدی بھی، خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت کا راستہ بتلانے والے۔ [9] یعنی جب مدین پہنچے تو اس کے گھاٹ پر دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے۔ مدین یہ قبیلے کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے (حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے) تھے۔ یوں اہل مدین اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا۔ (أیسر التفاسیر) اور یہی حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن و مبعث بھی تھا۔ [10] دو عورتوں کو اپنے جانور روکے کھڑے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

Marfat.com

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ 23 فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى

جائیں، جبکہ ہمارا باپ بڑی عمر کا بوڑھا ہے 23 چنانچہ اس نے ان دونوں کی خاطر پانی پلایا، پھر وہ (پیچھے)

الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ

سائے کی طرف ہٹ آیا، اور کہا: اے میرے رب! بے شک تو میری طرف جو بھی خیر نازل کرے، میں

فَقِیْرٌ 24 فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ

اس کا محتاج ہوں 24 پھر ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) شرم و حیا سے چلتی اس کے پاس آئی،

قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ

اس نے کہا: بے شک میرے والد تجھے بلاتے ہیں تاکہ وہ تجھے اس کی مزدوری دیں جو تو نے

لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٝ

ہماری خاطر پانی پلایا ہے، پھر جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے سارا قصہ سنایا تو اس نے کہا:

نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ 25 قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا

تو مت ڈر، تو نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے 25 ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) نے کہا:

یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ٝ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ

اے ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجیے، بلاشبہ بہترین شخص، جسے آپ ملازم رکھیں، وہی ہوسکتا ہے جو

الْاَمِیْنُ 26 قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى

طاقتور ہو، امانت دار ہو 26 اس نے (موسیٰ سے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں

اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ

سے ایک کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کردوں کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے، پھر اگر تو دس سال

دل میں رحم آیا اور ان سے پوچھا: کیا بات ہے تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟ [1] تاکہ مردوں سے ہمارا اختلاط نہ ہو۔ الرِّعَاءُ راعٍ (چرواہا) کی جمع ہے۔

[1] اس لیے وہ خود گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے نہیں آسکتے۔ [2] حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنا لمبا سفر کر کے مصر سے مدین پہنچے تھے، کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا جبکہ سفر کی تکان اور بھوک سے نڈھال تھے، چنانچہ جانوروں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سائے تلے آکر مصروف دعا ہو گئے۔ خیر کئی چیزوں پر بولا جاتا ہے، کھانے پر، امور خیر اور عبادات پر، قوت و طاقت پر اور مال پر۔ (أیسر التفاسیر) یہاں اس کا اطلاق کھانے پر ہوا ہے، یعنی میں اس وقت کھانے کا ضرورت مند ہوں۔ [3] اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور دونوں میں سے ایک لڑکی انھیں بلانے آگئی۔ لڑکی کی شرم و حیا کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کا اصل زیور ہے۔ اور حیا و حجاب سے بے نیازی اور بے باکی عورت کے لیے شرعاً بھی ناپسندیدہ ہے عرفاً بھی۔ [4] لڑکیوں کا باپ کون تھا؟ قرآن کریم نے صراحت سے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کو لیا ہے جو اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانۂ نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے، اس لیے یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یا کوئی اور قوم شعیب علیہ السلام کا شخص مراد ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑکیوں کے ساتھ جو ہمدردی اور احسان کیا، وہ انھوں نے جا کر بوڑھے باپ کو بتلایا جس سے باپ کے دل میں بھی داعیہ پیدا ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیا جائے یا اس کی محنت کی اجرت ہی ادا کر دی جائے۔ [5] یعنی اپنے مصر کی سرگزشت اور فرعون کے ظلم و ستم کی تفصیل سنائی جس پر انھوں نے کہا کہ یہ علاقہ فرعون کی حدود حکمرانی سے باہر ہے، اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے ظالموں سے نجات عطا فرما دی ہے۔ [6] بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ باپ نے لڑکیوں سے پوچھا تمھیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی۔ جس پر لڑکیوں نے بتلایا کہ جس کنویں سے پانی پلایا اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے دس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ اس شخص نے وہ پتھر اکیلے ہی اٹھا لیا اور پھر بعد میں رکھ دیا۔ اسی طرح جب میں اس کو بلا کر اپنے ساتھ لا رہی تھی تو چونکہ راستے کا علم مجھے ہی تھا، میں آگے آگے چل رہی تھی اور یہ پیچھے پیچھے لیکن ہوا سے میری چادر اڑ جاتی تھی تو اس شخص نے کہا کہ تو پیچھے چل میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری نگاہ تیرے جسم کے کسی حصے پر نہ پڑے۔ راستے کی نشاندہی کے لیے پیچھے سے پتھر، کنکری مار دیا کر۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَالِ صِحَّتِهِ. (ابن کثیر) [7] ہمارے علاقوں میں کسی لڑکی والے کی طرف سے نکاح کی خواہش کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شریعت الٰہیہ میں یہ مذموم نہیں ہے۔ صفات محمودہ کا حامل لڑکا اگر مل جائے تو اس سے یا اس کے گھر والوں سے اپنی لڑکی کے لیے رشتے کی بابت بات چیت کرنا برا نہیں ہے بلکہ محمود اور پسندیدہ ہے۔ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہی طریقہ تھا۔ [8] اس سے علماء نے اجارے کے جواز پر استدلال کیا ہے، یعنی کرائے اور اجرت پر مرد کی خدمات حاصل کرنا جائز ہے۔

Marfat.com

عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ

پورے کرے تو تیری طرف سے ہوگا، اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں[1] ان شاء اللہ یقیناً تو

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿27﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۚ

نیک لوگوں میں سے پائے گا﴿27﴾ [2] موسیٰ نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان (معاہدہ) ہے، میں دو

اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا

مدتوں میں سے جو بھی پوری کرلوں تو (اس کے بعد) مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو،[3] اور جو کچھ ہم کہہ رہے

نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿28﴾ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ

ہیں اس پر اللہ گواہ ونگہبان ہے﴿28﴾ [4] پھر جب موسیٰ نے وہ مدت[5] پوری کرلی اور اپنے گھر والوں کو

بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا

لے کر چلا[6] تو اس نے کوہِ طور کی ایک جانب سے آگ دیکھی، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم

اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ

(یہیں) ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمھارے پاس کوئی خبر یا

مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿29﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ

آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپ سکو﴿29﴾ پھر جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اسے

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ

وادی کے دائیں کنارے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز دی گئی:[7]

اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿30﴾ وَاَنْ اَلْقِ

کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ، سب جہانوں کا رب ہوں﴿30﴾ [8] اور یہ (بھی کہا گیا:)

عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا

کہ تو اپنا عصا ڈال دے، پھر جب موسیٰ نے عصا کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے تو وہ

وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۚ اِنَّكَ

پیٹھ پھیر کر پلٹا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! تو آگے بڑھ اور نہ ڈر، بلاشبہ تو

مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿31﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ

امن والوں میں سے ہے﴿31﴾ [9] اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، (پھر نکال تو) وہ (سفید) چمکتا ہوا

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

بے عیب نکلے گا[10] اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنی طرف ملا لے[11] چنانچہ تیرے رب کی

[1] یعنی مزید دو سال کی خدمت میں مشقت اور ایذا محسوس کریں تو آٹھ سال کے بعد جانے کی اجازت ہو گی۔ [2] نہ جھگڑا کروں گا نہ اذیت پہنچاؤں گا نہ سختی سے کام لوں گا۔ [3] یعنی آٹھ سال کے بعد یا دس سال کے بعد جانا چاہوں تو مجھ سے مزید رہنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ [4] یہ بعض کے نزدیک شعیب یا برادر زادۂ شعیب علیہ السلام کا قول ہے اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ممکن ہے دونوں ہی کی طرف سے ہو کیونکہ جمع کا صیغہ ہے گویا دونوں نے اس معاملے پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کی لڑکی اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہوگیا۔ باقی تفصیلات اللہ نے ذکر نہیں کی ہیں۔ ویسے اسلام میں طرفین کی رضامندی کے ساتھ صحت نکاح کے لیے دو عادل گواہ بھی ضروری ہیں۔ [5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مدت سے دس سالہ مدت مراد لی ہے کیونکہ یہی اکمل اور اطیب (خسر موسیٰ علیہ السلام کے لیے خوشگوار اور مرغوب) تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا۔ (فتح الباري:5/358، حدیث: 2684) [6] اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔ [7] یعنی آواز وادی کے کنارے سے آ رہی تھی جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف تھی، یہاں درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جو دراصل رب کی تجلی کا نور تھا۔ [8] یعنی اے موسیٰ! تجھ سے جو اس وقت مخاطب اور ہم کلام ہے، وہ میں اللہ ہوں رب العالمین۔ [9] یہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ معجزہ خرق عادت معاملے کو کہا جاتا ہے، یعنی جو عام عادات اور اسباب کے خلاف ہو۔ ایسا معاملہ چونکہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر پیغمبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو، اس لیے جب موسیٰ علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی لاٹھی زمین پر پھینکنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انھیں عطا فرمایا ہے۔ [10] یہ یَدِ بَیْضَاءَ دوسرا معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا (جیسا کہ پہلے بھی گزرا)۔ [11] لاٹھی کے اژدہا بن جانے کی صورت میں جو خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاحق ہوتا تھا، اس کا حل بتلا دیا گیا کہ اپنا بازو اپنی طرف ملا لیا کر، یعنی بغل میں دبا لیا کر، جس سے خوف جاتا رہا کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عام ہے کہ جب

Marfat.com

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ
طرف سے یہ دونوں معجزے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف (بھیجنے کے لیے) ہیں، بلاشبہ
كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ 32 قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ
وہ نافرمان لوگ ہیں (32) [1] موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص قتل
نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ 33 وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ
کر دیا تھا، لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے (33) [2] اور میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے
مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ؗ اِنِّيْٓ اَخَافُ
زیادہ فصیح ہے، لہٰذا تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے [3] کہ وہ میری تصدیق کرے، بلاشبہ میں ڈرتا
اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ 34 قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ
ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے (34) اللہ نے فرمایا: ہم تیرے بھائی کے ذریعے سے تیرا بازو مضبوط کر دیں
وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ
گے [4] اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے، پھر وہ تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے، [5] ہماری نشانیوں کے ساتھ
اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ 35 فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى
(جاؤ)، تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی، غالب رہیں گے (35) [6] پھر جب موسیٰ ہماری کھلی
بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا
نشانیوں کے ساتھ ان کے پاس پہنچا تو وہ بولے: یہ تو بس گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ 36 وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ
نے اپنے پہلے آباؤ اجداد میں تو یہ (باتیں کبھی) نہیں سنیں (36) [7] اور موسیٰ نے کہا: میرا رب
اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ
اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا [8] اور جس کا آخرت کا
عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ 37 وَقَالَ فِرْعَوْنُ
انجام بہتر ہوگا، [9] بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے (37) [10] اور فرعون نے کہا:

بھی کسی سے کوئی خوف محسوس ہو تو اس طرح کرنے سے خوف دور ہو جائے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں جو شخص بھی گھبراہٹ کے موقع پر اپنے دل پر ہاتھ رکھے گا تو اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ إن شاء الله.

[1] یعنی فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے یہ دونوں معجزے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرو۔ یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں اور اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔ [2] یہ وہ خطرہ تھا جو واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کو لاحق تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔ [3] اسرائیلی روایات کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا انگارہ اور کھجور یا موتی رکھے گئے تو آپ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس سے آپ کی زبان جل گئی۔ یہ وجہ صحیح ہے یا نہیں، تاہم قرآن کریم کی اس نص سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت ہارون علیہ السلام فصیح اللسان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی۔ جس کے کھولنے کی دعا انھوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی۔ ردء کے معنی ہیں: معین، مددگار، تقویت پہنچانے والا، یعنی ہارون علیہ السلام اپنی فصاحت لسانی سے مجھے مدد اور تقویت پہنچائیں گے۔ [4] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی گئی اور ان کی سفارش پر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرما کر ان کا ساتھی اور مددگار بنا دیا گیا۔ [5] یعنی ہم تمھاری حفاظت فرمائیں گے، فرعون اور اس کے حوالی موالی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ [6] یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا۔ (المآئدة 67:5، الأحزاب 39:33، المجادلة 21:58 اور المؤمن 52,51:40) [7] یعنی یہ دعوت کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ اس بات کے لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ ہمارے لیے بالکل نئی ہے۔ یہ ہم نے سنی ہے نہ ہمارے باپ دادا اس توحید سے واقف تھے۔ مشرکین مکہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہا تھا: ”اس نے تو تمام معبودوں کو (ختم کر کے) ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔“ (صٓ 5:38) [8] یعنی مجھ سے اور تم سے زیادہ ہدایت کا جاننے والا اللہ ہے، اس لیے جو بات اللہ کی طرف سے آئے گی، وہ صحیح ہوگی یا تمھارے اور تمھارے باپ دادوں کی؟ [9] اچھے انجام سے مراد آخرت میں اللہ کی رضامندی اور اس کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جانا ہے اور یہ استحقاق صرف اہل توحید کے حصے میں آئے گا۔ [10] ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں کیونکہ ظلم کے معنی ہیں: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ مشرک بھی چونکہ الوہیت کے مقام پر ایسے لوگوں کو بٹھا دیتے ہیں جو اس کے مستحق نہیں ہوتے۔ اسی طرح کافر بھی رب کے اصل مقام سے ناآشنا ہی رہتے ہیں، اس لیے یہ لوگ

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ
اے سردارو! میں تو اپنے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں جانتا، لہٰذا اے ہامان! تو میرے لیے
فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ
گارے (کی اینٹوں) کو آگ دے[1] پھر میرے لیے ایک محل بنا تاکہ میں (اس پر چڑھ کر)
اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (38)
موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں[2] اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں (38)[3]
وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا
اور اس (فرعون) نے اور اس کے لشکروں نے زمین (مصر) میں ناحق تکبر کیا[4] اور انھوں نے سمجھ
اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ (39) فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
رکھا تھا کہ بے شک انھیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا (39) چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
لشکروں کو پکڑا، اور ہم نے انھیں سمندر میں پھینک دیا[5] تو دیکھو ان ظالموں کا
الظّٰلِمِيْنَ (40) وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ
انجام کیسا ہوا! (40) اور ہم نے انھیں (لوگوں کو) آگ کی طرف بلانے والے سرغنے
الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ (41) وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
بنا دیا[6] اور یوم قیامت ان کی (کوئی) مدد نہیں کی جائے گی (41) اور ہم نے اس دنیا میں لعنت ان
لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (42) ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ع 4/14 7
کے پیچھے لگا دی، اور یوم قیامت وہ دور کیے گئے بدحالوں میں سے ہوں گے (42)[7] اور بلاشبہ ہم
مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى
نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد[8] موسیٰ ایسی کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت
بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (43)
افروز دلائل اور ہدایت اور رحمت تھی[9] تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (43)[10]
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ
اور (اے نبی!) جب ہم نے موسیٰ پر امر (خاص) کی وحی کی تو آپ (طور کی) مغربی جانب
وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (44) وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ
نہیں تھے، اور نہ آپ (اس واقعے کے) حاضرین میں تھے (44)[11] لیکن ہم نے کئی امتیں پیدا کیں،

سب سے بڑے ظالم ہیں اور یہ کامیابی سے، یعنی آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہیں گے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ دنیا میں خوش حالی اور مال و اسباب کی فراوانی حقیقی کامیابی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عارضی کامیابی اہل کفر و شرک کو بھی دنیا میں مل جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کامیابی کی نفی فرما رہا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے نہ کہ دنیا کی چند روزہ عارضی خوشحالی و فراوانی۔

[1] یعنی مٹی کو آگ میں تپا کر اینٹیں تیار کر۔ ہامان فرعون کا وزیر، مشیر اور اس کے معاملات کا انتظام کرنے والا تھا۔ [2] یعنی ایک اونچا اور مضبوط محل تیار کر جس پر چڑھ کر میں آسمان پر یہ دیکھ سکوں کہ وہاں میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ [3] یعنی موسیٰ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمانوں پر رب ہے جو ساری کائنات کا پالنہار ہے، میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ [4] زمین سے مراد ارض مصر ہے جہاں فرعون حکمران تھا اور استکبار کا مطلب، بغیر استحقاق کے اپنے کو بڑا سمجھنا ہے، یعنی ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و معجزات کا رد کر سکتی لیکن استکبار بلکہ عدوان کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے ہٹ دھرمی اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔ [5] یعنی جب ان کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا اور کسی طرح بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے تو بالآخر ایک صبح ہم نے انھیں دریا میں غرق کر دیا۔ (جس کی تفصیل سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے) [6] یعنی جو بھی ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید یا اس کے وجود کے منکر ہوں گے تو ان کا امام و پیشوا یہی فرعونی سمجھے جائیں گے جو جہنم کے داعی ہیں۔ [7] یعنی دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی اور آخرت میں بھی وہ بدحال ہوں گے، یعنی چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں جیسا کہ جہنمیوں کے تذکرے میں آتا ہے۔ [8] جس سے وہ حق کو پہچان لیں اور اسے اختیار کریں اور اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔ [9] یعنی فرعون اور اس کی قوم یا قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی۔ [10] یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں جو انھیں خیر و رشد اور فلاح حقیقی کی طرف بلاتے ہیں۔ [11] یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسے وحی و رسالت سے نوازا، اے محمد! تو نہ وہاں موجود تھا اور نہ منظر دیکھنے والوں میں سے تھا۔ بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے سے تجھے بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تو اللہ کا سچا پیغمبر

Marfat.com

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
پھر ان پر (مدت) حیات لمبی ہوگئی،[1] اور آپ اہل مدین میں نہیں رہتے تھے[2] کہ ان پر ہماری آیات
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (45) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ
تلاوت کرتے، لیکن ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے (45) [3] اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے
الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
(موسیٰ کو) پکارا تھا،[4] لیکن یہ (وحی تو) آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے[5] تاکہ آپ ان لوگوں کو
مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (46)
ڈرائیں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا،[6] شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں (46) اور
وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
اگر (یہ) نہ ہوتا کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے انھیں کوئی مصیبت پہنچتی
فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ
ہے تو وہ کہتے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا، پھر ہم تیری
اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (47) فَلَمَّا جَآءَهُمُ
آیات کی اتباع کرتے اور ہم مومنوں میں سے ہو جاتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے) (47) [7] لہٰذا جب
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ
ہماری طرف سے ان کے پاس حق (قرآن) آ گیا تو وہ کہنے لگے: اِسے ویسے معجزے کیوں نہیں دیے
مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۚ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
گئے جیسے موسیٰ کو دیے گئے تھے؟[8] کیا وہ (ان معجزات کا) انکار نہیں کر چکے[9] جو اس سے پہلے موسیٰ کو دیے
مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا
گئے تھے؟ انھوں نے کہا: (یہ) دونوں (تورات اور قرآن) جادو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اور انھوں

ہے کیونکہ نہ تو نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں نہ خود ہی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، (مثلاً: سورۂ آل عمران 3 : 44، سورۂ ہود 100,49:11، سورۂ یوسف 102:12 اور سورۂ طٰہٰ 99:20 وغیرھا من الآیات. [17] قُرُوْنًا قرن کی جمع ہے، زمانہ۔ لیکن یہاں امتوں کے معنی میں ہے، یعنی اے محمد! آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو زمانہ ہے اس میں ہم نے کئی امتیں پیدا کیں۔

[1] یعنی مرور ایام سے شرائع و احکام بھی متغیر ہو گئے اور لوگ بھی دین کو بھول گئے جس کی وجہ سے انھوں نے اللہ کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عہد کو فراموش کر دیا اور یوں اس کی ضرورت پیدا ہوگئی کہ ایک نئے نبی کو مبعوث کیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ طول زمان کی وجہ سے عرب کے لوگ نبوت و رسالت کو بالکل ہی بھلا بیٹھے، اس لیے آپ کی نبوت پر انھیں تعجب ہو رہا ہے اور اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ [2] جس سے آپ خود اس واقعے کی تفصیلات سے آگاہ ہو جاتے۔ [3] اور اسی اصول سے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پچھلے حالات و واقعات سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں۔ [4] یعنی اگر آپ رسول برحق نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کا علم بھی آپ کو نہ ہوتا۔ [5] یعنی آپ کا یہ علم، مشاہدہ و رؤیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا اور وحی سے نوازا۔ [6] اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں۔ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور دونوں اللہ کے پیغمبر ہیں، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب ہیں اور اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام بھی نبی ہیں ان کا لقب اسرائیل بھی ہے اور آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے معروف ہے۔ اولاد ابراہیم میں سے انبیاء انھی میں سے آتے رہے۔ بنو اسماعیل میں سے نبیٔ آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے اہل مکہ کو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ [7] یعنی ان کے اسی عذر کو ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گزشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نئے نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن و حدیث) کو مسخ ہونے اور تغییر و تحریف سے محفوظ رکھا ہے اور ایسا تکوینی انتظام فرما دیا ہے جس سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور جو شخص اس ''ضرورت'' کا دعویٰ کر کے نبوت کا ڈھونگ رچاتا ہے، وہ جھوٹا اور دجال ہے۔ [8] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے معجزات، جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا وغیرہ۔ [9] یعنی مطلوبہ معجزات اگر دکھا بھی دیے جائیں تو کیا فائدہ؟ جنھوں نے ایمان نہیں لانا، وہ ہر طرح کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات دیکھ کر فرعونی مسلمان ہو گئے تھے، انھوں نے کفر نہیں کیا؟ یا يَكْفُرُوْا کی ضمیر قریش مکہ کی طرف ہے، یعنی کیا انھوں نے نبوت محمدیہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

نے کہا: بلاشبہ ہم ہر ایک کے منکر ہیں ﴿48﴾ [1] کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب

هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿49﴾ فَاِنْ

لے آؤ جو (ان) دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو، تاکہ میں بھی اس کی اتباع کروں ﴿49﴾ [2] پھر اگر وہ آپ

لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ

کی بات قبول نہ کریں[3] تو جان لیجیے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں، اور اس سے

اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے[4]

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿50﴾ ع وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ

بلاشبہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿50﴾ [5] اور بلاشبہ ہم انھیں لگاتار اپنی (ہدایت ونصیحت کی) باتیں

الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿51﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

پہنچاتے رہے،[6] تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿51﴾ [7] وہ لوگ جنھیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب

مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

دی تھی، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں ﴿52﴾ [8] اور جب ان پر (قرآن) تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں:

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے

مُسْلِمِيْنَ ﴿53﴾ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا

ہی مسلمان تھے ﴿53﴾ [9] ان لوگوں کو ان کا دوبارہ اجر دیا جائے گا کیونکہ انھوں نے صبر کیا[10] اور وہ بھلائی کے

کے ساتھ کفر نہیں کیا؟

[1] پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہوں گے اور سِحْرٰنِ بمعنی سَاحِرَان ہو گا۔ اور دوسرے مفہوم میں اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے، یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم سب کے، یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد (ﷺ) کے منکر ہیں۔ (فتح القدير) [2] یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ قرآن مجید اور تورات دونوں جادو ہیں تو تم کوئی اور کتاب الٰہی پیش کر دو جو ان سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کر لوں گا کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب اور اس کا پیروکار ہوں۔ [3] یعنی قرآن وتورات سے زیادہ ہدایت والی کتاب پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔ [4] یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کی پیروی کرنا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور اس لحاظ سے یہ قریش مکہ سب سے بڑے گمراہ ہیں جو اسی حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ [5] اس میں اللہ کی اسی سنت (طریقے) کا بیان ہے جو ظالموں کے لیے اس کے ہاں مقرر ہے کہ وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں، اس لیے کہ انبیاء کی تکذیب، آیات الٰہی سے اعراض اور مسلسل کفر وعناد ایسا جرم ہے کہ جس سے قبول حق کی استعداد اور اثر پذیری کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان ظلم وعصیان اور کفر وشرک کی تاریکیوں میں ہی بھٹکتا پھرتا ہے، اسے ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔ [6] یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب ہم بھیجتے رہے اور اس طرح مسلسل ہم اپنی بات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ [7] مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ پچھلے لوگوں کے انجام سے ڈر کر اور ہماری باتوں سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں۔ [8] اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یا وہ عیسائی ہیں جو حبش سے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر) [9] یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے جس دین کی دعوت دی، وہ اسلام ہی تھا اور ان نبیوں کی دعوت پر ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ یہودی یا نصاریٰ وغیرہ کی اصطلاحیں ان کی اپنی خود ساختہ ہیں۔ اسی اعتبار سے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والے اہل کتاب (یہود یا عیسائیوں) نے کہا کہ ہم تو پہلے سے ہی مسلمان چلے آ رہے ہیں، یعنی سابقہ انبیاء کے پیروکار اور ان پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ [10] صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الٰہی پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے۔ پہلی کتاب آئی تو اس پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا۔ پہلے نبی پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسرا نبی آ گیا تو اس پر ایمان لائے۔ ان کے لیے دوہرا اجر ہے، حدیث میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمیوں کے لیے دوہرا اجر ہے، ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لے آیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 97، وصحيح مسلم، حديث: 154)

Marfat.com

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (54)

ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں[1] اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (54) اور

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

جب وہ بیہودہ بات[2] سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال

اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (55) اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ

ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں، تمھیں سلام ہو[3] ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے (55) (اے نبی!)

مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ

بے شک جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ

بِالْمُهْتَدِيْنَ (56) وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے (56)[4] وہ (مشرکین مکہ) کہتے ہیں: اگر ہم نے تیرے ساتھ

مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ

ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں ہماری زمین سے اچک لیا جائے گا،[5] کیا ہم نے انھیں پرامن حرم میں جگہ

ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

نہیں دی[6] جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق[7] کھینچ کر لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان

لَا يَعْلَمُوْنَ (57) وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا

کے اکثر نہیں جانتے (57) اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کردیں جو گزران زندگی (اپنے سامان زیست)

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا

پر اتراتی تھیں، چنانچہ ان کے یہ گھر (اجڑے پڑے) ہیں، ان کے بعد بہت تھوڑے ہی آباد ہوئے،[8] اور

نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (58) وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى

ہم ہی (ان سب کے) وارث ہوئے (58)[9] اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں حتی کہ وہ ان کی

يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا

کسی بڑی بستی میں کوئی رسول بھیجتا ہے، وہ ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے[10] اور ہم بستیوں کو ہلاک

مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (59) وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

کرنے والے نہیں مگر (اسی وقت) جبکہ ان کے باشندے ظالم ہوں (59)[11] اور تمھیں جو چیز بھی دی گئی ہے

[1] یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ [2] یہاں لغو سے مراد وہ سب و شتم اور دین کے ساتھ استہزا ہے جو مشرکین کرتے تھے۔ [3] یہ سلام سلام تحیہ نہیں بلکہ سلام متارکہ ہے، یعنی ہم تم جیسے جاہلوں سے بحث اور گفتگو کے روادار ہی نہیں، جیسے اردو میں بھی کہتے ہیں: جاہلوں کو دور ہی سے سلام، ظاہر ہے سلام سے مراد ترک مخاطبت ہی ہے۔ [4] صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت ہے اور اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابوطالب نے نبی ﷺ کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کی لیکن ایمان نہ لایا جب اس کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ نے اپنی حد تک پوری کوشش فرمائی کہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرلے تاکہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو لیکن اس نے ملت عبدالمطلب پر مرنے کو ترجیح دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نبی ﷺ پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت اور رہنمائی ہے لیکن ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازنا چاہیں نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4772، وصحیح مسلم، حدیث: 24) [5] یعنی ہم جہاں ہیں، وہاں ہمیں رہنے نہ دیا جائے گا اور ہمیں اذیتوں سے یا مخالفین سے جنگ و پیکار سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ بعض کفار نے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کیا۔ اللہ نے جواب دیا۔ [6] یعنی ان کا یہ عذر غیر معقول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو، جس میں یہ رہتے ہیں، امن والا بنایا ہے۔ جب یہ شہر ان کے کفر و شرک کی حالت میں ان کے لیے امن کی جگہ ہے تو کیا اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ان کے لیے امن کی جگہ نہیں رہے گا؟ [7] یہ مکے کی وہ خصوصیت ہے جس کا مشاہدہ لاکھوں حاجی اور عمرہ کرنے والے ہر سال کرتے ہیں کہ مکے میں پیداوار نہ ہونے کے باوجود نہایت فراوانی سے ہر قسم کا پھل بلکہ دنیا بھر کا سامان ملتا ہے۔ [8] یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اللہ کی ناشکری کرنے اور سرکشی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج ان کی بیشتر آبادیاں کھنڈر بنی ہوئی ہیں یا صرف صفحات تاریخ پر ان کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب آتے جاتے مسافر ہی ان میں کچھ دیر کے لیے ستالیں تو ستالیں، ان کی نحوست کی وجہ سے کوئی بھی ان میں مستقل رہنا پسند نہیں کرتا۔ [9] یعنی ان میں سے تو کوئی بھی باقی نہ رہا جو ان کے مکانوں اور مال و دولت کا وارث ہوتا۔ [10] یعنی اتمام حجت کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اُمِّهَا (بڑی بستی) کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے علاقوں میں نبی نہیں آئے بلکہ مرکزی مقامات پر نبی آتے رہے اور چھوٹے علاقے اس کے ذیل میں آجاتے رہے ہیں۔ [11] یعنی

Marfat.com

مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ

وہ دنیاوی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور زیادہ دیر پا

ع 6 10 9 اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿60﴾ ع اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا

ہے، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿60﴾ [1] بھلا وہ شخص جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا، پھر وہ اس (وعدے) کو پانے

حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

والا ہے، کیا اس شخص جیسا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا بہت فائدہ دیا، پھر وہ قیامت کے دن

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿61﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

(عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوگا؟ ﴿61﴾ [2] اور جس دن اللہ انھیں پکارے گا، پھر وہ

فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿62﴾ قَالَ

کہے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جنھیں تم میرا شریک سمجھتے تھے؟ ﴿62﴾ [3] وہ لوگ جن پر حکم (عذاب)

الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ

ثابت ہو چکا، کہیں گے: [4] اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا، [5] ہم نے انھیں ایسے

اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا

گمراہ کیا جیسے ہم (خود) گمراہ ہوئے تھے، [6] ہم تیرے سامنے اظہارِ براءت کرتے ہیں [7] کہ وہ ہماری

يَعْبُدُوْنَ ﴿63﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

عبادت کیا ہی نہیں کرتے تھے ﴿63﴾ [8] اور (ان سے) کہا جائے گا: تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، [9] چنانچہ وہ انھیں

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

پکاریں گے تو وہ انھیں جواب نہیں دیں گے، اور وہ (سب) عذاب دیکھ لیں گے، [10] کاش! وہ ہدایت پر چلتے

يَهْتَدُوْنَ ﴿64﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿65﴾

ہوتے ﴿64﴾ [11] اور جس دن اللہ انھیں پکارے گا، تو وہ کہے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ ﴿65﴾ [12]

نبی بھیجنے کے بعد وہ بستی والے ایمان نہ لاتے اور کفر وشرک پر اپنا اصرار جاری رکھتے تو پھر انھیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہی مضمون سورۂ ہود 117,116:11 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

[1] یعنی کیا اس حقیقت سے بھی تم بے خبر ہو کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی بھی ہیں اور حقیر بھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنے پاس جو نعمتیں، آسائشیں اور سہولتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ دائمی بھی ہیں اور عظیم بھی۔ حدیث میں ہے: ''اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہوگا؟'' (صحیح مسلم، حدیث: 2858) [2] یعنی سزا اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ مطلب ہے کہ اہل ایمان وعدۂ الٰہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب سے دوچار۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ [3] یعنی وہ أَصْنَام یا اشخاص ہیں جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانتے تھے، انھیں مدد کے لیے پکارتے تھے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے، آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے اور تمھیں میرے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ یہ تقریع و توبیخ کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا ورنہ وہاں اللہ کے سامنے کس کو مجال دم زدنی ہوگی؟ یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام 94:6 اور دیگر بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ [4] یعنی جو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے، مثلاً: سرکش شیاطین اور داعیان کفر وشرک وغیرہ، وہ کہیں گے۔ [5] یہ ان جاہل عوام کی طرف اشارہ ہے جن کو دعاۃ کفر وضلال نے اور شیاطین نے گمراہ کیا تھا۔ [6] یعنی ہم تو تھے ہی گمراہ لیکن ان کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیے رکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، بس ہمارے ادنیٰ سے اشارے پر ہماری طرح ہی انھوں نے بھی گمراہی اختیار کر لی۔ [7] یعنی ہم ان سے بیزار اور الگ ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں یہ تابع اور متبوع، چیلے اور گرو ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ [8] بلکہ درحقیقت اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے تھے، یعنی وہ معبودین جن کی لوگ دنیا میں عبادت کرتے تھے اس بات سے ہی انکار کر دیں گے کہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ بقرہ 167,166:2، سورۂ انعام 49:6، سورۂ مریم 82,81:19، سورۂ عنکبوت 25:29 اور سورۂ احقاف 6,5:46 وغیرها من الآیات۔ [9] یعنی ان سے مدد طلب کرو جس طرح دنیا میں کرتے تھے۔ کیا وہ تمھاری مدد کرتے ہیں؟ پس وہ پکاریں گے۔ لیکن وہاں کس کو یہ جرأت ہوگی کہ جو یہ کہے کہ ہاں ہم تمھاری مدد کرتے ہیں؟ [10] یعنی یقین کر لیں گے کہ ہم سب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔ [11] یعنی عذاب دیکھ لینے کے بعد آرزو کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہدایت کا راستہ اپنا لیتے تو آج وہ اس حشر سے بچ جاتے۔ سورۂ کہف 53,52:18 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ [12] اس سے پہلے کی آیات میں توحید سے متعلق سوال تھا، یہ ندائے ثانی رسالت کے بارے میں ہے، یعنی تمھاری طرف ہم نے رسول بھیجے تھے، تم نے ان کے ساتھ

Marfat.com

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿66﴾ فَاَمَّا
پھر اس دن ان پر خبریں پیچیدہ ہو جائیں گی، اور وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے ﴿66﴾ [1] البتہ
مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ
جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے
الْمُفْلِحِيْنَ ﴿67﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ
ہوگا ﴿67﴾ اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے۔ ان (لوگوں)
لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿68﴾ وَرَبُّكَ
کے لیے کوئی اختیار نہیں [2] اللہ پاک ہے اور ان سے کہیں اعلیٰ ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں ﴿68﴾ اور
يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿69﴾ وَهُوَ اللّٰهُ
آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿69﴾ اور وہی
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ
اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں تمام حمد اسی کے لیے ہے، اور حاکمیت و فرماں روائی
الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿70﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ
بھی اسی کی ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿70﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: دیکھو تو! اگر اللہ تم پر
عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ
قیامت تک ہمیشہ کے لیے رات ہی (طاری) کر دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے جو
اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿71﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
تمھیں روشنی (دن) لا دے؟ کیا پھر تم سنتے نہیں؟ ﴿71﴾ کہہ دیجیے: بتلاؤ! اگر اللہ
جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ
تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لیے دن ہی (طاری) کر دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿72﴾
جو تمھیں رات لا دے کہ تم اس میں آرام کر سکو؟ کیا پھر تم دیکھتے نہیں؟ ﴿72﴾
وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ
اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس (رات) میں آرام
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾ وَيَوْمَ
کرو، اور تاکہ تم (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو [3] اور شاید کہ تم شکر کرو ﴿73﴾ [4] اور جس دن اللہ انھیں

معاملہ کیا، ان کی دعوت قبول کی تھی؟ جس طرح قبر میں سوال ہوتا ہے، تیرا پیغمبر کون ہے؟ اور تیرا دین کون سا ہے؟ مومن تو صحیح جواب دے دیتا ہے۔ لیکن کافر کہتا ہے: «هاه هاه لا أدري» ''ہائے ہائے مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔'' اسی طرح قیامت والے دن انھیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''ان پر تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی۔''، یعنی کوئی دلیل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جسے وہ پیش کر سکیں۔ یہاں دلائل کو اخبار سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ان کے باطل عقائد کے لیے حقیقت میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، صرف قصص و حکایات ہیں، جیسے آج بھی قبر پرستوں کے پاس من گھڑت کراماتی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔

[1] کیونکہ انھیں یقین ہو چکا ہوگا کہ سب جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔ [2] یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں، چہ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔ [3] دن اور رات، یہ دونوں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ رات کو تاریک بنایا تاکہ سب لوگ آرام کر سکیں۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقے سے سونے کا موقع نہ پاتا جبکہ معاشی تگ و دو اور کاروبار جہاں کے لیے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوتی۔ اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تگ و تاز ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل پڑتا، نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جبکہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون و تناصر کا محتاج ہے، اس لیے اللہ نے رات کو تاریک کر دیا تاکہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں مخل نہ ہو سکے۔ اسی طرح دن کو روشن بنایا تاکہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقے سے کر سکے۔ دن کی یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کے حوالے سے اپنی توحید کا اثبات فرمایا ہے کہ بتلاؤ! اگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کا یہ نظام ختم کر کے ہمیشہ کے لیے تم پر رات ہی مسلط کر دے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ایسا ہے جو تمھیں دن کی روشنی عطا کر دے؟ یا اگر وہ ہمیشہ کے لیے دن ہی دن رکھے تو کیا کوئی تمھیں رات کی تاریکی سے بہرہ ور کر سکتا ہے، جس میں تم آرام کر سکو؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ یہ صرف اللہ کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کا ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ رات آتی ہے تو دن کی

Marfat.com

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿74﴾

پکارے گا، پھر وہ کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جنھیں تم (میرا شریک) سمجھتے تھے؟﴿74﴾ اور

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا

ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکالیں گے[1] پھر ہم کہیں گے: تم (میرے ساتھ شرک کرنے

بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

پر) اپنی دلیل لاؤ[2] پھر وہ جان لیں گے کہ بے شک سچی بات اللہ ہی کی ہے[3] اور ان سے گم

ع 7 15 10 كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿75﴾ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى

ہو جائے گا جو کچھ وہ جھوٹ گھڑتے تھے ﴿75﴾ [4] بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر اس

عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ

نے ان پر ظلم کیا[5] اور ہم نے اسے اس قدر خزانے دیے تھے کہ بلاشبہ اس کی چابیاں ایک طاقتور

بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ ۖ

(مردوں کی) جماعت پر بھاری ہوتی تھیں[6] (یاد کرو) جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تو اترا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿76﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ

مت[7] بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿76﴾ [8] اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، تو

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَاَحْسِنْ

اس سے آخرت کا گھر تلاش کر[9] اور تو دنیا میں بھی اپنا حصہ مت بھول[10] اور تو (لوگوں

كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۖ

سے) ایسے احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے[11] اور تو زمین میں فساد نہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿77﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى

کر[12] بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا ﴿77﴾ قارون نے کہا: مجھے تو یہ (مال) محض اس علم کی بنا

عِلْمٍ عِنْدِيْ ۚ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے[13] کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ نے اس سے پہلے ایسے بہت

روشنی ختم ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق آرام کر لیتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن کی روشنی سے کائنات کی ہر چیز نمایاں اور واضح تر ہو جاتی ہے اور انسان کسب و محنت کے ذریعے سے اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتا ہے۔ [4] یعنی اللہ کی حمد و ثنا بھی بیان کرو (یہ زبانی شکر ہے) اور اللہ کی دی ہوئی دولت، صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس کے احکام و ہدایات کے مطابق استعمال کرو۔ (یہ عملی شکر ہے)

[1] اس گواہ سے مراد پیغمبر ہے، یعنی ہر امت کے پیغمبر کو اس امت سے الگ کھڑا کر دیں گے۔ [2] یعنی دنیا میں میرے پیغمبروں کی دعوت توحید کے باوجود تم جو میرے شریک ٹھہراتے تھے اور میرے ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے تھے، اس کی دلیل پیش کرو۔ [3] یعنی وہ حیران اور ساکت کھڑے ہوں گے، کوئی جواب اور دلیل انھیں نہیں سوجھے گی۔ [4] یعنی ان کے کام نہیں آئے گا۔ [5] اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس کا ظلم یہ تھا کہ اپنے مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کا استخفاف کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کی طرف سے یہ اپنی قوم بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔ [6] تَنُوْءُ کے معنی ہیں: تَمِیلُ (جھکنا)، یعنی جس طرح کوئی شخص بھاری چیز اٹھاتا ہے تو بوجھ کی وجہ سے ادھر ادھر لڑکھڑاتا ہے، اس کی چابیوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ ایک طاقت ور جماعت بھی اسے اٹھاتے ہوئے دقت اور گرانی محسوس کرتی تھی۔ [7] یعنی مال و دولت پر فخر اور غرور مت کرو، بعض نے بخل معنی کیے ہیں، بخل مت کرو۔ [8] یعنی تکبر اور غرور کرنے والوں کو یا بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ [9] یعنی اپنے مال کو ایسی جگہوں اور راہوں پر خرچ کر جہاں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری آخرت سنورے گی اور وہاں اس کا تجھے اجر و ثواب ملے گا۔ [10] یعنی دنیا کے مباحات پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کر۔ مباحات دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا، بیوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے، ہر حق والے کو اس کا حق دے۔ [11] اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔ [12] یعنی تیرا مقصد زمین میں فساد پھیلانا نہ ہو۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی بجائے بدسلوکی مت کر نہ معصیتوں کا ارتکاب کر کہ ان تمام باتوں سے فساد پھیلتا ہے۔
[13] ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہ کہا: اس کا مطلب ہے کہ مجھے کسب و تجارت کا جو فن آتا ہے، یہ دولت تو اس کا نتیجہ اور ثمر ہے، اللہ کے فضل و کرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ اللہ نے مجھے یہ مال دیا ہے تو اس نے اپنے علم کی وجہ سے دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور میرے لیے اس نے یہ پسند کیا ہے، جیسے دوسرے مقام پر انسانوں کا ایک اور قول اللہ نے نقل فرمایا ہے: ''جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی نعمت سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ (الزمر 39:49) أَيْ عَلٰى عِلْمٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی

Marfat.com

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ
سے لوگ ہلاک کر دیے تھے جو قوت میں اس سے زیادہ تھے اور لاؤ لشکر میں بڑھ کر تھے؟[1] اور مجرموں
عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿78﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ
سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا ﴿78﴾ [2] پھر وہ اپنے پورے کروفر کے ساتھ اپنی
قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ
قوم کے سامنے نکلا[3] (تو) جو لوگ دنیاوی زندگی چاہتے تھے، کہنے لگے:[4] کاش! ہمارے لیے بھی
مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿79﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اس کے مثل ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ بڑے نصیبے والا ہے ﴿79﴾ اور جن لوگوں کو علم دیا
اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
گیا تھا، انھوں نے کہا: افسوس تم پر! اس شخص کے لیے اللہ کا ثواب بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس
صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿80﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ
نے نیک عمل کیے[5] اور یہ بات[6] صبر کرنے والوں ہی کو سکھائی جاتی ہے ﴿80﴾ چنانچہ ہم نے اسے اور اس
الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا،[7] پھر اس کے لیے (اس کے حامیوں کی) کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿81﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ
مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لینے والوں میں تھا ﴿81﴾ اور جنھوں نے کل اس کے مقام و مرتبہ
بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
کی تمنا کی تھی، وہ (صبح اٹھ کر) کہنے لگے: ہائے شامت![8] اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے

''مجھے یہ نعمت اس لیے ملی ہے کہ اللہ کے علم میں، میں اس کا مستحق تھا۔'' ایک مقام پر ہے: ''جب ہم انسان پر تکلیف کے بعد اپنی رحمت کرتے ہیں تو کہتا ہے هٰذَا لِيْ (حٰمٓ السجدة 41: 50) أَيْ هٰذَا أَسْتَحِقُّهٗ ''یہ تو میرا استحقاق ہے۔'' (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ قارون کو کیمیا (سونا بنانے) کا علم آتا تھا، یہاں یہی مراد ہے اسی کیمیا گری سے اس نے اتنی دولت کمائی تھی۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ علم سراسر جھوٹ، فریب اور دھوکا ہے۔ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت تبدیل کر دے، اس لیے قارون کے لیے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دوسری دھاتوں کو تبدیل کر کے سونا بنا لیا کرتا اور اس طرح دولت کے انبار جمع کر لیتا۔

[1] یعنی قوت اور مال کی فراوانی، یہ فضیلت کا باعث نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں، اس لیے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنے اور اسے باعث فضیلت گرداننے کا کوئی جواز نہیں۔ [2] یعنی جب گناہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں کہ ان کی وجہ سے وہ مستحق عذاب قرار دے دیے گئے ہوں تو پھر ان سے باز پرس نہیں ہوتی بلکہ اچانک ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا ہے۔ [3] یعنی زینت و آرائش اور خدم و حشم کے ساتھ۔ [4] یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایمان دار ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہر سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔ [5] یعنی جن کے پاس دین کا علم تھا اور دنیا اور اس کے مظاہر کی اصل حقیقت سے باخبر تھے، انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کے لیے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جیسے حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7498، وصحيح مسلم، حديث: 189) [6] یعنی يُلَقّٰىهَا میں ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور یہ قول اللہ کا ہے۔ اور اگر اسے اہل علم ہی کے قول کا تتمہ قرار دیا جائے تو ھَا کا مرجع جنت ہوگی، یعنی جنت کے مستحق وہ صابر ہی ہوں گے جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں رغبت رکھنے والے ہوں گے۔ [7] یعنی قارون کو اس کے تکبر کی وجہ سے اس کے محل اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی اپنی ازار زمین پر لٹکائے جا رہا تھا (اللہ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا) اور اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5790) [8] مکان سے مراد وہ دنیاوی مرتبہ و منزلت ہے جو دنیا میں کسی کو عارضی طور پر ملتا ہے، جیسے قارون کو ملا تھا، أمس، گزشتہ کل کو کہتے ہیں۔ مطلب زمانہ قریب ہے۔ وَيْكَاَنَّ اصل میں ''وَيْلَكَ اِعْلَمْ أَنَّ'' ہے اس کو مخفف کر کے وَيْكَاَنَّ بنا دیا گیا ہے، یعنی وَيْكَ أَنْ یعنی افسوس یا تعجب ہے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ...... الخ بعض کے نزدیک یہ اَلَمْ تَرَ أَنَّ کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر) جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قارون کی سی دولت و حشمت کی آرزو کرنے والوں نے جب قارون کا عبرت ناک حشر دیکھا تو کہا کہ مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

Marfat.com

مِنۡ عِبَادِهٖ وَيَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا لَخَسَفَ
چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کرتا ہے، اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا
بِنَا ؕ وَيۡكَاَنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿82﴾ ع تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ ع 8 7 11
ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا،[1] ہائے شامت! کافر فلاح نہیں پاتے ﴿82﴾ [2] وہ آخرت کا گھر
نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور (اچھا)
وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿83﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ
انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے ﴿83﴾ [3] جو کوئی نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے
وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا
بہتر (بدلہ) ہوگا،[4] اور جو کوئی برائی لائے گا تو برے عمل کرنے والوں کو وہی بدلہ دیا جائے گا
مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿84﴾ اِنَّ الَّذِىۡ فَرَضَ عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ
جو وہ عمل کرتے تھے ﴿84﴾ [5] بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے آپ پر قرآن نازل کیا،[6] یقیناً وہ آپ کو
لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰى
(اچھے) انجام تک پہنچانے والا ہے[7] کہہ دیجیے: میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کے
وَمَنۡ هُوَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿85﴾ وَمَا كُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ
ساتھ آیا اور کون کھلی گمراہی میں ہے ﴿85﴾ [8] اور آپ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کی طرف (یہ)
يُّلۡقٰٓى اِلَيۡكَ الۡكِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ۖ
کتاب وحی کی جائے گی[9] مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہی سے (وحی کی گئی) ہے،[10] لہٰذا آپ کافروں
فَلَا تَكُوۡنَنَّ ظَهِيۡرًا لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿86﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنۡ اٰيٰتِ
کے مددگار ہرگز نہ ہوں ﴿86﴾ [11] اور وہ (کافر) آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں[12]

صاحب مال سے راضی بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اس کا تعلق اس کی مشیت اور حکمت بالغہ سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور مال کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے نہ یہ معیار فضیلت ہی ہے۔

[1] یعنی ہم بھی اسی حشر سے دوچار ہوتے جس سے قارون دوچار ہوا۔ [2] یعنی قارون نے دولت پا کر شکر گزاری کی بجائے ناشکری اور معصیت کا راستہ اختیار کیا تو دیکھ لو اس کا انجام کیسا ہوا؟ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔ [3] عُلُوًّا کا مطلب ہے: ظلم و زیادتی، لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرانا، تکبر اور فخر و غرور کرنا اور فساد کے معنی ہیں: ناحق لوگوں کا مال ہتھیانا یا نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ فرمایا کہ متقین کا عمل و اخلاق ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبر کی بجائے ان کے اندر تواضع، فروتنی اور معصیت کیشی کی بجائے اطاعت کیشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر، یعنی جنت اور حسن انجام انھی کے حصے میں آئے گا۔ [4] یعنی کم از کم ہر نیکی کا بدلہ دس گنا تو ضرور ہی ملے گا اور جس کے لیے اللہ چاہے گا، اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائے گا۔ [5] یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا، یعنی نیکی کی جزا میں اللہ کے فضل و کرم کا اور بدی کی جزا میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہوگا۔ [6] یا اس کی تلاوت اور اس کی تبلیغ و دعوت آپ پر فرض کی ہے۔ [7] یعنی آپ کے مولد مکہ جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح البخاري (حدیث: 4773) میں اس کی یہی تفسیر نقل ہوئی ہے، چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اور آپ 8 ہجری میں فاتحانہ طور پر مکے میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے، یعنی قیامت والے دن آپ کو اپنی طرف لوٹائے گا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا۔ [8] یہ مشرکین کے اس جواب میں ہے جو وہ نبی ﷺ کو ان کے آبائی اور روایتی مذہب سے انحراف کی بنا پر گمراہ سمجھتے تھے۔ فرمایا: ''میرا رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ میں ہوں جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں یا تم ہو جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے؟'' [9] یعنی نبوت سے قبل آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کو رسالت کے لیے چنا جائے گا اور آپ پر کتاب الٰہی کا نزول ہوگا۔ [10] یعنی یہ نبوت و کتاب سے سرفرازی اللہ کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے جو آپ پر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت کوئی کسبی چیز نہیں ہے جسے محنت اور سعی و کاوش سے حاصل کیا جا سکتا رہا ہو۔ بلکہ یہ سراسر ایک وہبی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا، اسے نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا رہا حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس سِلْسِلَةُ الذَّهَبِ کی آخری کڑی قرار دے کر آپ پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ [11] اب اس نعمت اور فضل الٰہی کا شکر آپ اس طرح ادا کریں کہ کافروں کی مدد اور ہمنوائی نہ کریں۔ [12] یعنی ان کافروں کی باتیں، ان کی ایذا رسانی اور ان کی طرف سے تبلیغ و دعوت

Marfat.com

اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف اتاری گئیں اور آپ (انھیں) اپنے رب کی طرف بلائیں،

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿87﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں ﴿87﴾ اور آپ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو مت پکاریں[1] اللہ کے سوا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ

کوئی الٰہ نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے[2] اسی کی حاکمیت و فرمانروائی

ع 9 6 12 الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿88﴾

ہے[3] اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿88﴾[4]

اٰیاتُھا: 69 | 1 | سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ | رُکُوعَاتُھا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا

الٓمّٓ ① کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان

اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿2﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ

لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا ②[5] اور البتہ تحقیق ہم نے ان لوگوں کو آزمایا ہے[6] جو ان سے پہلے

قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

تھے، چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنھوں نے سچ بولا، اور وہ ضرور ظاہر کرے گا ان کو جو

الْكٰذِبِيْنَ ﴿3﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ

جھوٹے ہیں ③ کیا جو لوگ برے عمل کرتے ہیں انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل

يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿4﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ

جائیں گے[7] بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ④[8] جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو (وہ

کی راہ میں رکاوٹیں آپ کو قرآن کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں بلکہ آپ پوری تن دہی اور یکسوئی سے رب کی طرف بلانے کا کام کرتے رہیں۔

[1] یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرنا، نہ دعا کے ذریعے سے، نہ نذر و نیاز کے ذریعے سے، نہ قربانی ہی کے ذریعے سے کہ یہ سب عبادات ہیں جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مقصود اسی نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے پکارنا، ان سے استمداد و استغاثہ کرنا، ان سے دعائیں اور التجائیں کرنا یہ ان کی عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔ [2] وَجْهَهٗ (اس کا چہرہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے جو وَجْهٌ (چہرہ) سے متصف ہے، یعنی اللہ کے سوا ہر چیز ہلاک اور فنا ہو جانے والی ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن 55: 26، 27) [3] یعنی اسی کا فیصلہ، جو وہ چاہے، نافذ ہوتا ہے اور اسی کا حکم، جس کا وہ ارادہ کرے، چلتا ہے۔ [4] تاکہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دے۔ [5] یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد بغیر امتحان لیے، انھیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں بلکہ انھیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔ [6] یعنی یہ سنت اللہ ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے، اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا، جس طرح پہلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ ان آیات کی شان نزول کی روایات میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ظلم و ستم کی شکایت کی جس کا نشانہ وہ کفار مکہ کی طرف سے بنے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ ''یہ تشدد و ایذا تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پہلے بعض مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ انھیں ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیری گئیں۔ لیکن یہ ایذائیں انھیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3612) حضرت عمار، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور والد حضرت یاسر، حضرت صہیب، بلال و مقداد وغیرہ رضی اللہ عنہم پر اسلام کے ابتدائی دور میں جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، وہ صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ واقعات ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنے، تاہم عموم الفاظ کے اعتبار سے قیامت تک کے اہل ایمان اس میں داخل ہیں۔ [7] یعنی ہم سے بھاگ جائیں گے اور ہماری گرفت میں نہ آ سکیں گے۔ [8] یعنی اللہ کے بارے میں کس ظن فاسد میں یہ مبتلا ہیں جبکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات سے باخبر بھی، پھر اس کی نافرمانی کر کے اس کے مؤاخذہ و عذاب سے بچنا کیونکر ممکن ہے؟

Marfat.com

اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (5)

جان لے کہ) بلاشبہ اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے،[1] اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (5)[2] اور

وَمَنْ جٰهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ

جو شخص جہاد کرے تو بس وہ اپنے ہی فائدے کے لیے جہاد کرتا ہے، بے شک اللہ تمام جہان

الْعٰلَمِيْنَ (6) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

والوں سے بے نیاز ہے (6)[3] اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم ان سے ان کی

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (7)

برائیاں ضرور مٹا دیں گے اور جو عمل وہ کرتے رہے، ہم انھیں ضرور ان کی بہترین جزا دیں گے (7)[4] اور

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ

ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے کی وصیت کی،[5] اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو

بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان دونوں کی اطاعت نہ کرنا،[6] میری ہی طرف

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (8) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

تمھیں لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے (8) اور جو لوگ ایمان لائے اور

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ (9) وَمِنَ النَّاسِ

انھوں نے نیک عمل کیے، ہم انھیں نیک لوگوں میں ضرور داخل کریں گے (9)[7] اور لوگوں میں سے بعض وہ

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ

ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب اللہ کی راہ میں انھیں ایذا دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کے

[1] یعنی جسے آخرت پر یقین ہے اور وہ اجر و ثواب کی امید پر اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی امیدیں بر لائے گا اور اسے اس کے عملوں کی مکمل جزا عطا فرمائے گا کیونکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور اللہ کی عدالت ضرور قائم ہو گی۔ [2] وہ بندوں کی باتوں اور دعاؤں کا سننے والا اور ان کے چھپے اور ظاہر سب عملوں کو جاننے والا ہے۔ اس کے مطابق وہ جزا و سزا بھی یقیناً دے گا۔ [3] اس کا مطلب وہی ہے جو مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (الجاثیۃ 45:15) کا ہے، یعنی جو نیک عمل کرے گا، اس کا فائدہ اسی کو ہو گا ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے۔ اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہو گا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہو گی۔ الفاظ کی مناسبت سے اس میں کفار کے مقابلے میں جہاد بھی شامل ہے کہ وہ بھی من جملہ عمل صالح ہی ہے۔ [4] یعنی باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ محض اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کو ان کے عملوں کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اور ایک ایک نیکی پر کئی کئی گنا اجر و ثواب دے گا۔ [5] قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے وہی سمجھ سکتا اور انھیں ادا کر سکتا ہے جو والدین کی اطاعت و خدمت کے تقاضوں کو سمجھتا اور ادا کرتا ہے۔ جو شخص یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا میں اس کا وجود والدین کی باہمی قربت کا نتیجہ اور اس کی ربوبیت و پرداخت ان کی غایت مہربانی اور شفقت کا ثمرہ ہے، اس لیے مجھے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی اور ان کی اطاعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یقیناً خالق کائنات کو سمجھنے اور اس کی توحید و عبادت کے تقاضوں کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے گا۔ اسی لیے احادیث میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں والدین کی رضامندی کو اللہ کی رضامندی اور ان کی ناراضی کو رب کی ناراضی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ (الأدب المفرد، حدیث: 2) [6] یعنی والدین اگر شرک کا حکم دیں (اور اسی میں دیگر معاصیات کا حکم بھی شامل ہے) اور اس کے لیے خاص کوشش بھی کریں۔ (جیسا کہ مجاہدہ کے لفظ سے واضح ہے) تو ان کی اطاعت نہیں کرنی کیونکہ «لَا طَاعَةَ لِأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى» (مسند أحمد: 66/5، والصحيحة للألباني: 348/1، حديث: 179) ''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔'' اس آیت کی شان نزول میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ نے کہا کہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے یا پھر تو محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کر دے، بالآخر یہ اپنی والدہ کو زبردستی منہ کھول کر کھلاتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح مسلم، حديث: 1748، بعد حديث: 2412، و جامع الترمذي، حديث: 3189) [7] یعنی اگر کسی کے والدین مشرک ہوں گے تو مومن بیٹا نیکوں کے ساتھ ہو گا، والدین کے ساتھ نہیں، اس لیے کہ گو والدین دنیا میں اس کے بہت قریب رہے ہوں گے لیکن اس کی محبت دینی اہل ایمان ہی کے ساتھ تھی بنا بریں (اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ) کے تحت وہ زمرۂ صالحین میں ہو گا۔

Marfat.com

النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
ستانے کو اللہ کے عذاب کے برابر ٹھہراتے ہیں،[1] اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجائے[2] تو وہ ضرور
اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ
کہیں گے: بے شک ہم تمھارے ساتھ تھے؛[3] کیا جو کچھ جہان والوں کے سینوں میں ہے اللہ اُسے خوب
الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
جاننے والا نہیں⑩ [4] اور اللہ انھیں ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور وہ منافقوں کو بھی ضرور ظاہر
الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا
کرے گا ⑪ [5] اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے
سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ
راستے کی پیروی کرو، اور ہم تمھارے گناہ اٹھا لیں گے،[6] حالانکہ وہ ان کے گناہوں
خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ
میں سے کچھ بھی نہیں اٹھائیں گے، بے شک وہ جھوٹے ہیں ⑫ [7] اور یقیناً وہ اپنے
اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْــَٔـلُنَّ يَوْمَ
بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ ضرور اٹھائیں گے،[8] اور جو کچھ وہ جھوٹ
الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا
گھڑتے رہے، روزِ قیامت ان کے متعلق ان سے ضرور پوچھا جائے گا ⑬ اور بلاشبہ ہم نے

[1] اس میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی وجہ سے انھیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الٰہی کی طرح وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے اور دینِ عوام کو اختیار کر لیتے ہیں۔ [2] یعنی مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہو جائے۔ [3] یعنی تمھارے دینی بھائی ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ ''وہ لوگ تمھیں دیکھتے رہتے ہیں اگر تمھیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے تو کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر حالات کافروں کے لیے کچھ سازگار ہوتے ہیں تو (کافروں سے جا کر) کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہیں لیا تھا اور مسلمانوں سے تم کو نہیں بچایا تھا۔'' (النسآء 141:4) [4] یعنی کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو تمھارے دلوں میں ہیں اور جو تمھارے ضمیروں میں پوشیدہ ہے۔ گو تم زبان سے مسلمانوں کا ساتھی ہونا ظاہر کرتے ہو۔ [5] اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تاکہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا، وہ مومن ہے اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اپنے نفس کا مطیع ہے، اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (محمد 31:47) ''ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم جان لیں تم میں مجاہد اور صابر کون ہیں؟ اور تمھارے (دیگر) حالات بھی جانچیں گے۔'' جنگ احد کے بعد، جس میں مسلمان اختیار و امتحان کی بھٹی سے گزارے گئے تھے، فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران 179:3) ''نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو اس حالت پر جس پر کہ تم ہو یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔'' [6] یعنی تم اسی آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ جس پر ہم ابھی تک قائم ہیں، اس لیے کہ وہی دین صحیح ہے۔ اگر اس روایتی مذہب پر عمل کرنے سے تم گناہ گار ہو گے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں، وہ بوجھ ہم اپنی گردنوں پر اٹھائیں گے۔ [7] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جھوٹے ہیں۔ قیامت کا دن تو ایسا ہوگا کہ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ (بنی إسرآء یل 15:17) وہاں تو ایک دوست دوسرے دوست کو نہیں پوچھے گا، چاہے ان کے درمیان نہایت گہری دوستی ہو۔ وَلَا يَسْــَٔـلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا (المعارج 10:70) حتیٰ کہ رشتے دار ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر 18:35) اور یہاں بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی نفی فرمائی۔ [8] یعنی یہ ائمۂ کفر اور دعاۃِ ضلال اپنا ہی بوجھ نہیں اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر ہوگا جو ان کی سعی و کاوش سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ مضمون سورۂ نحل 25:16 میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے: ''جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اپنی نیکیوں کے اجر کے ساتھ ان لوگوں کی نیکیوں کا اجر بھی ہوگا جو اس کی وجہ سے قیامت تک ہدایت کی پیروی کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جو گمراہی کا داعی ہوگا، اس کے لیے اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جو قیامت تک اس کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں گے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔'' (سنن أبي داود، حدیث: 4609، وسنن ابن ماجه، حدیث: 203) اسی اصول سے قیامت تک

Marfat.com

إِلَىٰ قَوْمِهِۦ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا

نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، چنانچہ وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال رہا،[1] پھر انھیں

فَأَخَذَهُمُ ٱلطُّوفَانُ وَهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿14﴾ فَأَنجَيْنَٰهُ وَأَصْحَٰبَ

طوفان نے اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظالم تھے (14) پھر ہم نے اسے اور کشتی والوں کو نجات دی،

ٱلسَّفِينَةِ وَجَعَلْنَٰهَآ ءَايَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿15﴾ وَإِبْرَٰهِيمَ إِذْ

اور ہم نے اس (کشتی) کو دنیا والوں کے لیے عظیم نشانی بنا دیا (15) اور (ہم نے) ابراہیم کو

قَالَ لِقَوْمِهِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

(بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم

إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿16﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ

جانتے ہو تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے (16) تم تو اللہ کے سوا بتوں ہی کی عبادت

أَوْثَٰنًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَعْبُدُونَ

کرتے ہو، اور تم جھوٹ گھڑتے ہو۔[2] بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے

مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَٱبْتَغُوا۟

ہو وہ تمھارے لیے رزق کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ کے ہاں رزق تلاش

عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزْقَ وَٱعْبُدُوهُ وَٱشْكُرُوا۟ لَهُۥٓ ۖ إِلَيْهِ

کرو، اور تم اسی کی عبادت کرو اور تم اسی کا شکر کرو،[3] تم اسی کی طرف لوٹائے

تُرْجَعُونَ ﴿17﴾ وَإِن تُكَذِّبُوا۟ فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن

جاؤ گے (17)[4] اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کئی امتوں نے جھٹلایا ہے،[5]

قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ﴿18﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا۟

اور رسول کا کام تو صرف کھلا کھلا پہنچا دینا ہے (18)[6] کیا انھوں نے دیکھا

ظلم سے قتل کیے جانے والوں کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہوگا، اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے ناحق قتل کیا تھا۔ (مسند أحمد: 383/1 وقد أخرجه الجماعة سوى أبي داود من طرق)

[1] قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ہے۔ ان کی پوری عمر کتنی تھی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ بعض کہتے ہیں: چالیس سال نبوت سے قبل اور ساٹھ سال طوفان کے بعد اس میں شامل کر لیے جائیں۔ اور بھی کئی اقوال ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

[2] أَوْثَانًا وَثَنٌ کی جمع ہے۔ جس طرح أَصْنَامٌ، صَنَم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی بت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: صنم، سونے، چاندی، پیتل اور پتھر کی مورت کو اور وَثَن مورت کو بھی اور چونے پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے آستانوں کو بھی کہتے ہیں۔ تَخْلُقُونَ إِفْكًا کے معنی ہیں: تَكْذِبُونَ كَذِبًا جیسا کہ متن کے ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرے معنی ہیں: تَعْمَلُونَهَا وَتَنْحِتُونَهَا لِلْإِفْكِ ''جھوٹے مقصد کے لیے انھیں تم بناتے اور گھڑتے ہو۔'' مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی معنی صحیح ہیں، یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ تو پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اپنے دل سے ہی تم نے انھیں گھڑ لیا ہے کوئی دلیل تو ان کی صداقت کی تمھارے پاس نہیں ہے۔ یا یہ بت تو وہ ہیں جنھیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور گھڑتے ہو اور جب ان کی ایک خاص شکل و صورت بن جاتی ہے تو تم سمجھتے ہو کہ اب ان میں خدائی اختیارات آ گئے ہیں اور ان سے تم امیدیں وابستہ کر کے انھیں حاجت روا اور مشکل کشا باور کر لیتے ہو۔

[3] یعنی جب یہ بت تمھاری روزی کے اسباب و وسائل میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ زمین میں درخت اگا سکتے ہیں، نہ سورج کی حرارت پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمھیں وہ صلاحیتیں دے سکتے ہیں جنھیں بروئے کار لا کر تم قدرت کی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے ہو تو پھر تم روزی اللہ ہی سے طلب کرو، اسی کی عبادت اور اسی کی شکر گزاری کرو۔

[4] یعنی مر کر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب اسی کی طرف لوٹنا ہے، اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو پھر اس کا در چھوڑ کر دوسروں کے در پر اپنی جبین نیاز کیوں جھکاتے ہو؟ اس کی بجائے دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟

[5] یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے جو انھوں نے اپنی قوم سے کہا یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔ پہلی امتیں بھی رسولوں کو جھٹلاتی رہی ہیں اور اس کا نتیجہ بھی وہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں بھگتتی رہی ہیں۔

[6] اس لیے آپ بھی تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔ اس سے کوئی راہ یاب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں نہ آپ سے اس کی بابت پوچھا ہی جائے گا کیونکہ ہدایت دینا نہ دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے جو اپنی سنت کے مطابق جس میں ہدایت کی طلب صادق دیکھتا ہے، اس کو ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

Marfat.com

كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
نہیں کہ اللہ مخلوق کو پہلی بار کیسے پیدا کرتا ہے، پھر وہ اسے لوٹائے گا،[1] بلاشبہ یہ اللہ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (19) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
پر بہت آسان ہے (19) کہہ دیجیے:[2] تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو[3] اس نے
كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ
مخلوق پہلی بار کیسے پیدا کی، پھر اللہ ہی (اسے) دوسری بار پیدا کرے گا،
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (20) يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ
بلاشبہ اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے (20) وہ جسے چاہے عذاب دے گا اور جس پر
وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ (21) وَمَآ اَنْتُمْ
چاہے رحم کرے گا، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (21)[4] اور تم (اللہ کو)
بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (22) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ
کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار (22) اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات
اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ
کا انکار کیا، وہی لوگ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں،[5] اور انھی کے لیے دردناک
عَذَابٌ اَلِيْمٌ (23) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا
عذاب ہے (23) پھر ابراہیم کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا: اسے قتل کر دو
اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ
یا اسے جلا دو،[6] پھر اللہ نے اسے آگ سے نجات دی،[7] بے شک اس میں ایمان لانے

[1] توحید و رسالت کے اثبات کے بعد، یہاں سے معاد (آخرت) کا اثبات کیا جا رہا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ فرمایا: پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جب تمھارا سرے سے وجود ہی نہیں تھا، پھر تم دیکھنے، سننے اور سمجھنے والے بن گئے اور پھر جب مر کر تم مٹی میں مل جاؤ گے، بظاہر تمھارا نام و نشان تک نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ تمھیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ [2] یعنی یہ بات چاہے تمھیں کتنی ہی مشکل لگے، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ [3] یعنی آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں دیکھو اور زمین پر غور کرو، کس طرح اسے بچھایا، اس میں پہاڑ، وادیاں، نہریں اور سمندر بنائے، اسی سے انواع و اقسام کی روزیاں اور پھل پیدا کیے۔ کیا یہ سب اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ انھیں بنایا گیا ہے اور ان کا کوئی بنانے والا ہے؟ [4] یعنی وہی اصل حاکم اور متصرف ہے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، تاہم اس کا عذاب یا رحمت، یوں ہی الل ٹپ نہیں ہوگی بلکہ ان اصولوں کے مطابق ہوگی جو اس نے اس کے لیے طے کر رکھے ہیں۔ [5] اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے جس سے کافر اور مومن، منافق اور مخلص اور نیک اور بد سب یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائشیں اور مال و دولت عطا کر رہا ہے۔ یہ رحمت الٰہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الأعراف 7:156) ''میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔'' لیکن آخرت چونکہ دارالجزا ہے، انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا، اسی کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی جیسے عمل کیے ہوں گے، اس کی جزا بھی ویسے ہی ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزا میں جہنم دی جائے، اس لیے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہوگی جسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور معاد کے ہی منکر ہوں گے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں رحمت الٰہی نہیں آئے گی۔ سورۂ اعراف میں اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ (الأعراف 7:156) ''میں یہ رحمت (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو متقی، زکاۃ ادا کرنے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہوں گے۔'' [6] ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، اب پھر اس کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں جملۂ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے وعظ کا حصہ ہے جس میں انھوں نے توحید و معاد کے اثبات میں دلائل دیے ہیں جن کا کوئی جواب جب ان کی قوم سے نہیں بنا تو انھوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا جس کا

Marfat.com

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿24﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ

والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿24﴾ اور ابراہیم نے کہا: تم نے اللہ کے سوا جن بتوں

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

کو معبود ٹھہرالیا ہے، تو یہ محض تمھاری آپس کی دنیا کی دوستی کی وجہ سے ہے،[1] پھر

الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ

روزِ قیامت تم میں سے ایک دوسرے کا انکار کرے گا، اور تم میں سے ایک دوسرے

وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ

پر لعنت بھیجے گا،[2] اور تمھارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمھارے لیے کوئی مدد کرنے والے

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿25﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ

نہ ہوں گے ﴿25﴾ پھر ابراہیم پر لوط ایمان لایا،[3] اور ابراہیم نے کہا: بے شک میں اپنے رب کی

اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿26﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ

طرف ہجرت کرنے والا ہوں،[4] بلاشبہ وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿26﴾ اور ہم نے

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ

اسے اسحٰق اور یعقوب دیے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی،[5] اور ہم

وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

نے اسے اس کا اجر دنیا میں بھی دیا،[6] اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالح لوگوں میں

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿27﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

سے ہوگا ﴿27﴾[7] اور (ہم نے بھیجا) لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: بے شک تم ایسی فاحش

الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾

(بدکاری) پر اتر آئے ہو[8] جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی ﴿28﴾

اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ

کیا تم لوگ مردوں کے پاس (جنسی تسکین کے لیے) آتے ہو؟[9] اور تم راستے کاٹتے ہو؟[10]

ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دو یا جلا ڈالو، چنانچہ انھوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے سے اس میں پھینک دیا۔ [7] یعنی اللہ نے اس آگ کو گلزار کی صورت میں بدل کر اپنے بندے کو بچالیا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گزرا۔

[1] یعنی یہ تمھارے قومی بت ہیں جو تمھاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمھاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ [2] یعنی قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور دوستی کی بجائے ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تابع، متبوع کو ملامت اور متبوع، تابع سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ [3] حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، اس کے بعد ان کو بھی ''سدوم'' کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا گیا۔ [4] یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور بعض کے نزدیک حضرت لوط علیہ السلام نے۔ اور بعض کہتے ہیں: دونوں نے ہی ہجرت کی، یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوط علیہ السلام کے لیے اپنے علاقے ''کُوثیٰ'' میں، جو حران کی طرف جاتے ہوئے کوفے کی ایک بستی تھی، اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہوگئی تو وہاں سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں چلے گئے۔ تیسری ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سارہ تھیں۔ [5] یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور انھی میں سارے انبیاء ہوئے اور کتابیں آئیں۔ آخر میں نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی ہوئے اور آپ پر قرآن نازل ہوا۔ [6] اس اجر سے مراد رزقِ دنیا بھی ہے اور ذکرِ خیر بھی، یعنی دنیا میں ہر مذہب کے لوگ (عیسائی، یہودی وغیرہ حتی کہ مشرکین بھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی کے پیرو، ان کے ہاں وہ محترم کیوں نہ ہوں گے؟ [7] یعنی آخرت میں بھی وہ بلند درجات کے حامل اور زمرۂ صالحین میں ہوں گے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (النحل 16:122) [8] اس بدکاری سے مراد وہی لواطت ہے جس کا ارتکاب قوم لوط علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے کیا جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے۔ [9] یعنی تمھاری شہوت پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے طبعی طریقہ تمھارے لیے ناکافی ہوگیا ہے اور غیر طبعی طریقہ تم نے اختیار کرلیا ہے۔ جنسی شہوت کی تسکین کے لیے طبعی طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے مباشرت کی صورت میں رکھا ہے۔ اسے چھوڑ کر اس کام کے لیے مردوں کی دبر استعمال کرنا غیر فطری اور غیر طبعی طریقہ ہے۔ [10] اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں، نوواردوں اور گزرنے والوں کو زبردستی پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو جس سے لوگوں کے لیے راستوں سے گزرنا مشکل ہوگیا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ

Marfat.com

فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ
اور تم اپنی مجلسوں میں برے کام (بے حیائی) کرتے ہو؟[1] پھر ان کی قوم کا جواب
قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ 29
بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا:[2] اگر تو سچوں میں سے ہے تو اللہ کا عذاب لے آ 29
قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ 30 ع وَلَمَّا
لوط نے کہا:[3] اے میرے رب! فسادی لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما 30 اور جب ہمارے
جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا
قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو انھوں نے کہا: بے شک ہم اس بستی (سدوم)
اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ 31 قَالَ
والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں،[4] بلاشبہ اس بستی والے ظالم ہیں 31 ابراہیم نے کہا: بے شک اس میں تو
اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٝ لَنُنَجِّيَنَّهٗ
لوط بھی ہے، انھوں نے کہا: ہم خوب جانتے ہیں جو کوئی اس میں ہے،[5] یقیناً ہم اسے اور اس کے گھر والوں
وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٝ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ 32 وَلَمَّاۤ اَنْ
کو بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی 32 [6] اور جب ہمارے
جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا
قاصد لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) کی وجہ سے غم زدہ ہوا، اور ان کی وجہ سے (اس کا) سینہ
وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ٝ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا
تنگ ہوا،[7] اور فرشتوں نے کہا: تو مت ڈر اور مت غم کھا، بلاشبہ ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو نجات دینے
امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ 33 اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ
والے ہیں، سوائے تیری بیوی کے،[8] وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے 33 بے شک ہم اس
هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ 34
بستی والوں پر ان کے فسق کی وجہ سے، آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں 34 [9] اور بلاشبہ

کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے ہو یا ازراہ شرارت انھیں کنکریاں مارتے ہو۔ تیسرے معنی کیے گئے ہیں کہ سرراہ ہی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک خاص سبب کی تعیین تو مشکل ہے، تاہم وہ ایسا کام ضرور کرتے تھے، جس سے عملاً راستہ بند ہو جاتا تھا۔ قطع طریق کے ایک معنی قطع نسل کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی عورتوں کی شرم گاہوں کو استعمال کرنے کی بجائے مردوں کی دبر استعمال کر کے تم اپنی نسل بھی منقطع کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ (فتح القدیر)

[1] یہ بے حیائی کیا تھی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، مثلاً: لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی مسافر کا استہزا و استخفاف، مجلسوں میں پاد مارنا، ایک دوسرے کے سامنے اغلام بازی، شطرنج وغیرہ قسم کی قمار بازی، رنگے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی منکرات کرتے ہوں۔“ [2] حضرت لوط علیہ السلام نے جب انھیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا...... [3] یعنی جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو اللہ سے مدد کی دعا فرمائی...... [4] یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیج دیا۔ وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انھیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی خوش خبری دی اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی ہلاک کرنے آئے ہیں۔ [5] یعنی ہمیں علم ہے کہ اخیار اور مومن کون ہیں اور اشرار کون؟ [6] یعنی ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے جن کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا جانا ہے وہ چونکہ مومنہ نہیں تھی بلکہ اپنی قوم کی طرف دار تھی، اس لیے اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔ [7] سِيْٓءَ بِهِمْ کے معنی ہیں: ان کے پاس ایسی چیز آئی جو انھیں بری لگی اور اس سے ڈر گئے، اس لیے کہ لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو، جو انسانی شکل میں آئے تھے، انسان ہی سمجھا اور اپنی قوم کی عادت بد اور سرکشی کی وجہ سے ڈرے کہ ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم اگر انھیں ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے، جس سے میری رسوائی ہوگی۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا یہ کنایہ ہے عاجزی سے، جیسے ضَاقَتْ يَدُهٗ (ہاتھ کا تنگ ہونا) کنایہ ہے فقر سے، یعنی ان خوش شکل مہمانوں کو بدخصلت قوم سے بچانے کی کوئی تدبیر انھیں نہیں سوجھی جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں پریشان تھے۔ [8] فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی اور غم و حزن کی کیفیت کو دیکھا تو انھیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف اور حزن نہ کریں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو، سوائے آپ کی بیوی کے، نجات دلانا ہے۔ [9] اس آسمانی عذاب سے وہی عذاب مراد ہے جس کے ذریعے سے قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جبریل نے ان کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑا، آسمان کی

Marfat.com

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (35)

ہم نے اس بستی کو ان لوگوں کے لیے (بطور) کھلی نشانی[1] چھوڑ رکھا ہے جو عقل رکھتے ہیں (35)[2]

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور (ہم نے) مدین کی طرف[3] ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم!

وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (36)

اللہ کی عبادت کرو، اور یوم آخرت کی امید رکھو[4] اور تم زمین میں فساد کرتے نہ پھرو (36)[5]

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ

پھر انھوں نے اسے جھٹلایا، تو انھیں زلزلے نے آن پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

جٰثِمِيْنَ (37) وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۗ

رہ گئے (37)[6] اور عاد اور ثمود (کو بھی ہم نے ہلاک کیا) اور یہ بات تمھارے لیے ان کے (تباہ شدہ)

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

گھروں سے واضح ہو چکی ہے[7] اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے تھے، پھر اس

وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (38) وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۗ

نے انھیں سیدھی راہ سے روک دیا، حالانکہ وہ سمجھ بوجھ والے تھے (38)[8] اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (بھی

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ

ہلاک کر دیا) اور بلاشبہ ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر بھی انھوں نے زمین میں تکبر کیا،[9]

وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ (39) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

اور وہ (عذاب سے بچ کر) نکل جانے والے نہ تھے (39)[10] پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر

مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

پکڑا،[11] چنانچہ ان میں سے کوئی تو وہ تھے جن پر ہم نے پتھروں بھری آندھی بھیجی،[12] اور ان میں سے کوئی وہ

بلندیوں تک لے گئے، پھر ان کو ان ہی پر الٹا دیا گیا، اس کے بعد کھنگر پتھروں کی بارش ان پر ہوئی اور اس جگہ کو سخت بدبودار بحیرہ (جھیل) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

[1] یعنی پتھروں کے وہ آثار جن کی بارش ان پر ہوئی، سیاہ بدبودار پانی اور الٹی ہوئی بستیاں، یہ سب عبرت کی نشانیاں ہیں، مگر کن کے لیے؟ دانش مندوں کے لیے۔ [2] اس لیے کہ وہی معاملات پر غور کرتے، اسباب و عوامل کا تجزیہ کرتے اور نتائج و آثار کو دیکھتے ہیں لیکن جو لوگ عقل و شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں، انھیں ان چیزوں سے کیا تعلق؟ وہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں جنھیں ذبح کے لیے بوچڑ خانے لے جایا جاتا ہے لیکن انھیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لیے بھی تعریض ہے کہ وہ بھی تکذیب کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ لوگوں کا وتیرہ ہے۔ [3] مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا، بعض کے نزدیک یہ ان کے پوتے کا نام ہے، بیٹے کا نام مدیان تھا۔ ان ہی کے نام پر اس قبیلے کا نام پڑ گیا جو ان ہی کی نسل پر مشتمل تھا۔ اسی قبیلہ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین شہر کا نام تھا، یہ قبیلہ یا شہر لوط علیہ السلام کی بستی کے قریب ہی تھا۔ [4] اللہ کی عبادت کے بعد انھیں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی یا تو اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر تھے یا اس لیے کہ وہ اسے فراموش کیے ہوئے تھے اور معصیتوں میں مبتلا تھے اور جو قوم آخرت کو فراموش کر دے، وہ گناہوں میں دلیر ہو جاتی ہے، جیسے آج مسلمانوں کی اکثریت کا حال ہے۔ [5] ناپ تول میں کمی اور لوگوں کو کم دینا، یہ بیماری ان میں عام تھی اور ارتکاب معاصی میں بھی انھیں باک نہیں تھا جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی۔ [6] حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، بالآخر بادلوں کے سائے والے دن جبریل کی ایک سخت چیخ سے زمین زلزلے سے لرز اٹھی جس سے ان کے دل ان کی ہنسلیوں تک آ گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ [7] قوم عاد کی بستی۔ احقاف، حضر موت (یمن) کے قریب اور ثمود کی بستی حجر، جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں، حجاز کے شمال میں ہے۔ ان علاقوں سے عربوں کے تجارتی قافلے آتے جاتے تھے، اس لیے یہ بستیاں ان کے لیے انجان نہیں بلکہ ظاہر تھیں۔ [8] یعنی تھے وہ عقل مند اور ہوشیار لیکن دین کے معاملے میں انھوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کچھ کام نہیں لیا، اس لیے یہ عقل اور سمجھ ان کے کام نہ آئی۔ [9] یعنی دلائل و معجزات کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا اور بدستور متکبر بنے رہے، یعنی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے گریز کیا۔ [10] یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکے اور ہمارے عذاب کے شکنجے میں آ کر رہے۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے کہ ''یہ کفر میں سبقت کرنے والے نہیں تھے۔'' بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جنھوں نے اسی طرح کفر و عناد کا راستہ اختیار کیے رکھا تھا۔ [11] یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک کی، ان کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے گرفت کی۔ [12] یہ قوم عاد تھی جس پر نہایت تند و تیز ہوا کا عذاب آیا۔ یہ ہوا زمین سے کنکریاں اڑا اڑا کر ان پر برساتی، بالآخر اس کی شدت اتنی بڑھی کہ انھیں اچک کر آسمان تک لے جاتی

Marfat.com

اَلصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
تھے جنھیں چنگھاڑ نے آن پکڑا،[1] اور ان میں سے کوئی وہ تھے جنھیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا،[2] اور ان میں
اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
سے کوئی وہ تھے جنھیں ہم نے غرق کر دیا،[3] اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم
يَظْلِمُوْنَ (40) مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ
کرتے تھے (40) [4] ان لوگوں کی مثال، جنھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنائے، مکڑی کی
كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ
سی ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا، اور بے شک گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر
لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (41) اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
ہے،[5] کاش! وہ جانتے ہوتے (41) بلاشبہ اللہ جانتا ہے ان چیزوں کو جنھیں وہ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (42)
اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے (42)
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا
اور یہ مثالیں ہم لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے بیان کرتے ہیں،[6] اور انھیں بس علم والے
الْعٰلِمُوْنَ (43) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ
ہی سمجھتے ہیں (43) [7] اللہ نے زمین اور آسمان حق کے ساتھ پیدا کیے ہیں،[8] بلاشبہ اس
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (44) ع
میں مومنوں کے لیے عظیم نشانی ہے (44) [9]

ع 4 14 16

اور انھیں سر کے بل زمین پر دے مارتی جس سے ان کا سر الگ اور دھڑ الگ ہو جاتا گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ (ابن کثیر) بعض مفسرین نے حَاصِبًا کا مصداق قوم لوط کو ٹھہرایا ہے لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے غیر صحیح اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کو منقطع قرار دیا ہے۔

[1] یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود ہے جنھیں ان کے کہنے پر ایک چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کی بجائے اس اونٹنی کو ہی مار ڈالا۔ جس کے تین دن بعد ان پر سخت چنگھاڑ کا عذاب آیا جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو خاموش کر دیا۔ [2] یہ قارون ہے جسے مال و دولت کے خزانے عطا کیے گئے تھے لیکن یہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا کہ یہ مال و دولت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کے ہاں معزز و محترم ہوں۔ مجھے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اسے اس کے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ [3] یہ فرعون ہے جو ملک مصر کا حکمران تھا لیکن حد سے تجاوز کر کے اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو، جس کو اس نے غلام بنا رکھا تھا، آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک صبح اس کو اس کے پورے لشکر سمیت بحیرۂ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔ [4] یعنی اللہ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے، اس لیے پچھلی قومیں جن پر عذاب آیا، محض اس لیے ہلاک ہوئیں کہ کفر و شرک اور تکذیب و معاصی کا ارتکاب کر کے انھوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ [5] یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت بودا، کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، ہاتھ کے ادنیٰ سے اشارے سے وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی، یعنی بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آ سکتے، اس لیے غیر اللہ کے سہارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپائیدار ہیں۔ اگر یہ پائیدار یا نفع بخش ہوتے تو یہ معبود گزشتہ اقوام کو تباہی سے بچا لیتے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ انھیں نہیں بچا سکے۔ [6] یعنی انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے، شرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور ہدایت کا راستہ سجھانے کے لیے۔
[7] اس علم سے مراد اللہ کا، اس کی شریعت کا اور ان آیات و دلائل کا علم ہے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ [8] یعنی عبث اور بے مقصد نہیں۔ [9] یعنی اللہ کے وجود کی، اس کی قدرت اور علم و حکمت کی۔ اور پھر اسی دلیل سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

Marfat.com

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

(اے نبی!) اس کتاب کی تلاوت کیجیے[1] جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اور نماز قائم کیجیے،[2] یقیناً نماز

تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ

بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے[3] اور بلا شبہ اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے،[4] اور اللہ جانتا

یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿45﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا

ہے جو کچھ تم کرتے ہو ﴿45﴾ اور تم اہل کتاب سے احسن انداز[5] ہی سے بحث و تکرار کرو، سوائے ان لوگوں

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ؕ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا

کے جو ان میں سے ظالم ہیں،[6] اور تم (ان سے) کہو: ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو ہماری

بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ

طرف نازل کی گئی، اور (جو) تمھاری طرف نازل کی گئی،[7] اور ہمارا معبود اور تمھارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم

وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿46﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ

اسی کے فرماں بردار ہیں ﴿46﴾ اور (اے نبی! جیسے پہلے نبیوں پر کتابیں نازل کیں) اسی طرح ہم نے آپ کی

[1] قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر و ثواب کے لیے، اس کے معانی و مطالب پر تدبر و تفکر کے لیے، تعلیم و تدریس کے لیے اور وعظ و نصیحت کے لیے، اس حکم تلاوت میں ساری ہی صورتیں شامل ہیں۔ [2] کیونکہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم و ثبات کا باعث اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔'' (البقرۃ 2:153) نماز اور صبر کوئی مادی (مرئی) چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کر لے۔ یہ تو معنوی (غیر مرئی) چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم قدم پر اس کی دستگیری اور رہنمائی کرتا ہے اسی لیے نبی ﷺ کو رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز بھی پڑھنے کی تاکید کی گئی کیونکہ آپ کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا، اس میں آپ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے: «كَانَ النَّبِيُّ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى» (مسند أحمد: 5/388، وصحيح أبي داود، حديث: 1319، وصحيح الجامع الصغير: 2/858، حديث: 4703) [3] یعنی بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب۔ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے: ایک، دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے۔ دوسرا، پرہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت، جب نماز کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ان آداب و شرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں، قبولیت عمل کے لیے تین شرطیں ہیں: ① ایمان ② اخلاص ③ مطابق شریعت ہونا۔ علاوہ ازیں نماز کے لیے بالخصوص یہ بھی ضروری ہے کہ نمازی پاک ہو، وقتِ مقررہ کی پابندی کرے، الا یہ کہ کوئی عذرِ شرعی ہو، ارکانِ صلاۃ (قیام، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال و اطمینان کا اہتمام کرے، اسی طرح خشوع خضوع اور مواظبت (ہمیشگی) کا بھی، نیز رزقِ حرام سے اجتناب اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ پڑھنے کا التزام کرے۔ ہماری نمازیں ان آداب و شرائط سے عاری ہیں، اس لیے اس کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امر کے کیے ہیں، یعنی نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ بے حیائی کے کاموں سے اور برائی سے رک جائے۔ [4] یعنی بے حیائی اور برائی سے روکنے میں اللہ کا ذکر اقامت صلاۃ سے بھی زیادہ مؤثر ہے، اس لیے کہ آدمی جب تک نماز میں ہوتا ہے، برائی سے رکا رہتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ہر وقت اللہ کا ذکر اس کے لیے ہر وقت برائی میں مانع رہتا ہے۔ [5] اس لیے کہ وہ اہل علم و فہم ہیں، بات کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ بنابریں ان سے بحث و گفتگو میں تلخی اور تندی مناسب نہیں۔ [6] یعنی جو بحث و مجادلہ میں افراط سے کام لیں تو تمھیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بعض نے پہلے گروہ سے مراد وہ اہل کتاب لیے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت و نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے ﴿ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے اور جدال و قتال کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دیں۔ [7] یعنی تورات و انجیل پر

Marfat.com

الۡكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ۚ وَمِنۡ

طرف (یہ) کتاب نازل کی ہے، تو اس (قرآن) پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنھیں ہم نے (اس سے

هٰۤؤُلَاۤءِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا

پہلے) کتاب دی،[1] اور ان (اہل مکہ) میں سے بھی بعض اس پر ایمان لاتے ہیں،[2] اور ہماری آیات کا انکار تو

الۡكٰفِرُوۡنَ (47) وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ

کافر ہی کرتے ہیں (47) اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے[3] اور نہ اپنے

وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ (48)

دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے،[4] (اگر ایسا ہوتا) تب تو باطل پرست یقیناً شک کر سکتے تھے (48)[5] بلکہ

بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ وَمَا

یہ قرآن تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں[6] جنھیں علم دیا گیا، اور ظالم

يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ (49) وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ

لوگ ہی ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں (49) انھوں نے کہا: اس پر اس کے رب کی طرف سے معجزے

عَلَيۡهِ اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ

کیوں نہیں اتارے گئے؟ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: بس معجزے تو اللہ کے پاس ہیں،[7] اور میں تو محض

اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ (50) اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ

ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (50) کیا انھیں (یہ نشانی) کافی نہیں کہ بے شک ہم نے آپ پر (یہ)

الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى

کتاب نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے[8] بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور نصیحت

لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ (51) قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا ۚ

ہے جو ایمان لاتے ہیں (51)[9] آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ بطورِ گواہ کافی ہے،[10]

يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اسے جانتا ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور انھوں

وَكَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۤئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (52) وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ

نے اللہ کے ساتھ کفر کیا،[11] وہی خسارہ پانے والے ہیں (52)[12] اور یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ

بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَلَيَاۡتِيَنَّهُمۡ

رہے ہیں،[13] اور اگر (عذاب کا) وقت مقرر نہ ہوتا تو انھیں عذاب ضرور آلیتا،[14] اور یقیناً وہ انھیں اچانک ہی

بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ (53) يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ

آلے گا،[15] اور انھیں خبر تک نہ ہوگی (53) یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں، اور بلاشبہ جہنم

یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور یہ کہ یہ شریعت اسلامیہ کے قیام اور بعثت محمدیہ تک شریعت الٰہیہ تھیں۔

[1] اس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں۔ ایتائے کتاب سے مراد اس پر عمل ہے۔ گویا اس پر جو عمل نہیں کرتے، انھیں یہ کتاب دی ہی نہیں گئی۔ [2] ان سے مراد اہل مکہ ہیں جن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔ [3] اس لیے کہ ان پڑھ تھے۔ [4] اس لیے کہ لکھنے کے لیے بھی علم ضروری ہے جو آپ نے کسی سے حاصل ہی نہیں کیا تھا۔ [5] یعنی اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے یا کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہوتا تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید فلاں کی مدد سے یا اس سے تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔ [6] یعنی قرآن مجید کے حافظوں کے سینوں میں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ قرآن مجید لفظ بہ لفظ سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ [7] یعنی یہ نشانات اس کی حکمت و مشیت، جن بندوں پر اتارنے کی مقتضی ہوتی ہے، وہاں وہ اتارتا ہے، اس میں اللہ کے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے۔ [8] یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اور جس کی بابت انھیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لا کر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دیں۔ جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو قوم موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی طرح انھیں معجزے دکھا بھی دیے جائیں تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟ [9] یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے کیونکہ وہی اس سے متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ [10] اس بات پر کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی ہے، یقیناً منجانب اللہ ہے۔ [11] یعنی غیر اللہ کو عبادت کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور جو فی الواقع مستحق عبادت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کا انکار کرتے ہیں۔ [12] کیونکہ یہی لوگ فساد عقلی اور سوء فہم میں مبتلا ہیں، اسی لیے انھوں نے جو سودا کیا ہے کہ ایمان کے بدلے کفر اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے، اس میں یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ [13] یعنی پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا دے۔ [14] یعنی ان کے اعمال و اقوال تو یقیناً اس لائق

Marfat.com

جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿54﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (54) [1] اس دن، ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے،
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿55﴾
عذاب انھیں ڈھانپ لے گا اور اللہ فرمائے گا: [2] جو کچھ تم کرتے تھے اس کا مزہ چکھو (55) اے
يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿56﴾
میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بلاشبہ میری زمین وسیع ہے، تو تم میری ہی عبادت کرو (56) [3] ہر
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے (57) [4] اور جو لوگ ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم انھیں جنت کے بالا خانوں میں ضرور جگہ دیں گے، ان کے نیچے نہریں
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿58﴾ الَّذِيْنَ
جاری ہوں گی، [5] وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، [6] (نیک) عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے (58) جن لوگوں
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿59﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ
نے صبر کیا [7] اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں (59) [8] اور کتنے ہی (زمین پر) چلنے پھرنے والے ہیں [9] جو
لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ
اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، [10] اللہ انھیں اور تمھیں بھی رزق دیتا ہے، [11] اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے
الْعَلِيْمُ ﴿60﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
والا ہے (60) [12] اور بلاشبہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے اور (کس نے)

ہیں کہ انھیں فوراً صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا جائے لیکن ہماری سنت ہے کہ ہر قوم کو ایک وقت خاص تک مہلت دیتے ہیں، جب وہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ہمارا عذاب آ جاتا ہے۔ [15] یعنی جب عذاب کا وقت مقرر آ جائے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ انھیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ وقت مقرر وہ ہے جو اس نے اہل مکہ کے لیے لکھ رکھا تھا، یعنی جنگ بدر میں اسارت وقتل یا پھر قیامت کا وقوع ہے جس کے بعد کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

[1] پہلا ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ﴾ بطور خبر کے تھا اور یہ دوسرا بطور تعجب کے ہے، یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عذاب کی جگہ (جہنم) نے ان کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے، پھر بھی یہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ حالانکہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے، اسے دور کیوں سمجھتے ہیں؟ یا پھر یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔ [2] ﴿يَقُوْلُ﴾ کا فاعل اللہ ہے یا فرشتے، یعنی جب چاروں طرف سے ان پر عذاب ہو رہا ہو گا تو کہا جائے گا۔ [3] اس میں ایسی جگہ سے، جہاں اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو اور دین پر قائم رہنا دوبھر ہو رہا ہو، ہجرت کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح بعض مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسروں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ [4] یعنی موت کا تلخ گھونٹ تو لامحالہ ہر ایک کو پینا ہے، ہجرت کرو گے تب بھی اور نہ کرو گے تب بھی، اس لیے تمھارے لیے وطن کا، رشتے داروں کا اور دوست احباب کا چھوڑنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ موت تو تم جہاں بھی ہو گے آ جائے گی، البتہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے مرو گے تو تم اخروی نعمتوں سے شادکام ہو گے، اس لیے کہ مر کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ [5] یعنی اہل جنت کے مکانات بلند ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ نہریں پانی، شراب، شہد اور دودھ کی ہوں گی۔ علاوہ ازیں انھیں جس طرف پھیرنا چاہیں گے، ان کا رخ اسی طرف ہو جائے گا۔ [6] ان کے زوال کا خطرہ ہو گا نہ انھیں موت کا اندیشہ نہ کسی اور جگہ پھر جانے کا خوف۔ [7] یعنی دین پر مضبوطی سے قائم رہے، ہجرت کی تکلیفیں برداشت کیں، اہل وعیال اور عزیز واقرباء سے دوری کو محض اللہ کی رضا کے لیے گوارا کیا۔ [8] دین اور دنیا کے ہر معاملے اور حالات میں۔ [9] ﴿كَاَيِّنْ﴾ میں کاف تشبیہ کا ہے اور معنی ہیں: کتنے ہی یا بہت سے۔ [10] کیونکہ اٹھا کر لے جانے کی ان میں ہمت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح ذخیرہ بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق کسی خاص جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لیے عام ہے وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کر جانے والے صحابہ کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا، نیز تھوڑے ہی عرصے کے بعد انھیں عرب کے متعدد علاقوں کا حکمران بنا دیا۔ [11] یعنی کوئی کمزور ہے یا طاقت ور، اسباب ووسائل سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ، اپنے وطن میں ہے یا مہاجر اور بے وطن سب کا روزی رساں وہی اللہ ہے جو چیونٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواؤں میں اور مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ فقر وفاقہ کا ڈر ہجرت میں رکاوٹ نہ بنے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمام مخلوقات کی روزی کا ذمے دار ہے۔ [12] وہ جاننے والا ہے تمھارے اعمال وافعال کو اور تمھارے ظاہر وباطن کو، اس لیے صرف اسی سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے مت ڈرو

Marfat.com

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿61﴾

سورج اور چاند خدمت پر لگائے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ [1] نے! پھر وہ کہاں بہکائے جاتے ہیں ﴿61﴾ [2]

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور کسی کے لیے تنگ کردیتا

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿62﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ

ہے۔[3] بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿62﴾ [4] اور البتہ تحقیق اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا

سے پانی نازل کیا، پھر کس نے زمین کی موت (ویرانی) کے بعد اس پانی سے اسے زندہ (تروتازہ) کیا، تو

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿63﴾ ع 6/12/2

وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! تو آپ کہہ دیجیے: "الحمدللہ" لیکن ان کے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ﴿63﴾ [5]

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

اور یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں،[6] اور بلاشبہ دار آخرت (کی زندگی) ہی

لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿64﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا

(اصل) زندگی ہے،[7] کاش! لوگ جانتے ہوتے ﴿64﴾ [8] پھر جب وہ (مشرکین) کشتی میں سوار ہوتے ہیں

فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا

تو وہ اطاعت وفرماں برداری کو اسی (اللہ) کے لیے خاص کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿65﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

انھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو فوراً وہ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿65﴾ [9] تاکہ وہ اس (نعمت) کی ناشکری

اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

کریں جو ہم نے انھیں دی، اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں،[10] پھر جلد وہ (اس کا انجام) جان لیں گے ﴿66﴾ کیا

اسی کی اطاعت میں سعادت وکمال ہے اور اس کی معصیت میں شقاوت ونقصان۔ [1] یعنی یہ مشرکین جو مسلمانوں کو محض توحید کی وجہ سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں، ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان وزمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سورج اور چاند کو اپنے اپنے مدار پر چلانے والا کون ہے؟ تو وہاں یہ اعتراف کیے بغیر انھیں چارہ نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔ [2] یعنی دلائل و اعتراف کے باوجود حق سے یہ اعراض اور گریز باعث تعجب ہے۔ [3] یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو پھر غریب اور کمزور کیوں ہو؟ اللہ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور کمی اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت ومشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے کم یا زیادہ دیتا ہے، اس کا تعلق اس کی رضامندی یا غضب سے نہیں ہے۔ [4] اس کو بھی وہی جانتا ہے کہ زیادہ رزق کس کے لیے بہتر ہے اور کس کے لیے نہیں؟ [5] کیونکہ عقل ہوتی تو اپنے رب کے ساتھ پتھروں کو اور مُردوں کو رب نہ بناتے۔ نہ ان کے اندر یہ تناقض ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت کے اعتراف کے باوجود بتوں کو حاجت روا اور لائق عبادت سمجھ رہے ہیں۔ [6] یعنی جس دنیا نے انھیں آخرت سے اندھا اور اس کے لیے توشہ جمع کرنے سے غافل رکھا ہے، وہ ایک کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کافر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، اس کے لیے شب وروز محنت کرتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بچے سارا دن مٹی کے گھروندوں سے کھیلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، سوائے تھکاوٹ کے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ [7] اس لیے ایسے عمل صالح کرنے چاہئیں جن سے آخرت کا یہ گھر سنور جائے۔ [8] کیونکہ اگر وہ یہ بات جان لیتے تو آخرت سے بے پروا ہو کر دنیا میں مگن نہ ہوتے، اس لیے ان کا علاج علم ہے، علم شریعت۔ [9] مشرکین کے اس تناقض کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تناقض کو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے انھیں قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوگئی۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہوگئے تاکہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ جائیں۔ یہ حبشہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے، کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا اور اسی وقت اللہ سے عہد کرلیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا، یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (ابن کثیر بحوالہ سیرت محمد بن اسحاق) [10] یہ لام کَیْ ہے جو علت کے لیے ہے، یعنی نجات کے بعد ان کا شرک کرنا، اس لیے ہے کہ وہ کفران نعمت کریں اور دنیا کی لذتوں سے متمتع ہوتے رہیں کیونکہ اگر وہ یہ ناشکری نہ کرتے تو اخلاص پر قائم رہتے اور صرف

Marfat.com

اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ

انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے حرم (مکہ) کو پرامن بنایا ہے، جبکہ لوگ اس کے اردگرد سے

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿67﴾ وَمَنْ

اچک لیے جاتے ہیں۔[1] کیا پھر وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں ﴿67﴾ [2] اور

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا،[3] یا جب حق اس کے پاس آیا تو اس

لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ وَالَّذِيْنَ

نے اسے جھٹلا دیا؟[4] کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ ﴿68﴾ اور جو لوگ ہماری راہ میں

جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿69﴾ ع 7/6/3

جہاد کریں[5] ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں،[6] اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿69﴾ [7]

اٰیَاتُهَا: 60 | سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿2﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ

الٓمّٓ ﴿1﴾ رومی مغلوب ہو گئے ﴿2﴾ قریب ترین سرزمین (شام و فلسطین) میں، اور وہ اپنے مغلوب

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿3﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے ﴿3﴾ چند برسوں میں، اقتدار و اختیار اللہ ہی کے لیے ہے پہلے

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿4﴾

بھی اور بعد میں بھی، اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے ﴿4﴾ اللہ

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿5﴾

کی مدد سے،[8] وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے، اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿5﴾

الٰہ واحد کو ہی ہمیشہ پکارتے۔ بعض کے نزدیک یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی گو ان کا مقصد کفر کرنا نہیں ہے لیکن دوبارہ شرک کے ارتکاب کا نتیجہ بہر حال کفر ہی ہے۔
[1] اللہ تعالیٰ اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اہل مکہ پر اس نے کیا کہ ہم نے ان کے حرم کو امن والا بنایا جس میں اس کے باشندے قتل و غارت، اسیری، لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ ہیں جبکہ عرب کے دوسرے علاقے اس امن و سکون سے محروم ہیں، قتل و غارت گری ان کے ہاں معمول اور آئے دن کا مشغلہ ہے۔ [2] یعنی کیا اس نعمت کا شکر یہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے رہیں۔ اس احسان کا اقتضا تو یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبر کی تصدیق کرتے۔ [3] یعنی دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، درآں حالیکہ ایسا نہ ہو یا کوئی یہ کہے کہ میں بھی وہ چیز اتار سکتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ یہ افترا ہے اور مدعی مفتری۔ [4] یہ تکذیب ہے اور اس کا مرتکب مکذب۔ افترا اور تکذیب دونوں کفر ہیں جس کی سزا جہنم ہے۔ [5] یعنی دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ [6] اس سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ [7] احسان کا مطلب ہے، اللہ کے لیے ہر نیکی کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا، سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرنا، برائی کے بدلے میں برائی کی بجائے حسن سلوک کرنا، اپنا حق چھوڑ دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔ یہ سب احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔ [8] عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی، دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست اور دوسری عیسائی، یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیونکہ دونوں مشرک تھے جبکہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں، اس لیے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وحی و رسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ نبی ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آ گئی جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا، اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ بِضْعِ سِنِيْنَ ''چند سال'' کے اندر رومی غالب آ جائیں گے اور غالب (ایرانی) مغلوب ہو جائیں گے۔ بظاہر اسباب یہ پیش گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے یہ شرط باندھ لی کہ رومی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ بِضْعِ کا لفظ تین سے لے کر 9 تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے تم نے سال کی مدت کم رکھی ہے، اس میں اضافہ کر لو، چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مدت میں اضافہ کروا لیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی 9 سال کی مدت کے اندر اندر، یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آ گئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ (جامع الترمذی

Marfat.com

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
(یہ) اللہ کا وعدہ ہے،[1] اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، اور لیکن اکثر لوگ
لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ
نہیں جانتے⑥ وہ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے تو بالکل ہی
الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ
غافل ہیں⑦ [2] کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور وفکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور
اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ
زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ[3] اور مقرر وقت کے لیے
مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧
پیدا کیا ہے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات ہی کے منکر ہیں⑧ [4] کیا وہ زمین میں
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
چلے پھرے نہیں، پھر وہ دیکھتے[5] کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔[6] وہ ان سے قوت
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ
میں بہت زیادہ تھے،[7] اور انھوں نے زمین کو (ان سے زیادہ) جوتا بویا[8] اور جتنا انھوں نے زمین کو آباد
وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ
کیا تھا[9] اتنا انھوں نے آباد نہیں کیا ہے، اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے،[10]
فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑨
پھر اللہ (ایسا) نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا،[11] لیکن وہ (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے⑨ [12] پھر جن لوگوں
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
نے برے کام کیے تھے ان کا انجام بھی برا ہی ہوا،[13] اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا، اور
وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ع اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ
وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے⑩ اللہ ہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے گا،[14] پھر اسی

حدیث: 3194) بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی جب بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک کی زمین سے مراد عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں، یعنی شام وفلسطین وغیرہ، جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔

[1] یعنی اے نبی! ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی فارس پر دوبارہ غالب آجائیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو مدت موعود کے اندر یقیناً پورا ہوکر رہے گا۔ [2] یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے، چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چابک دستی اور مہارت فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جن کا نفع مستقل اور پائیدار ہے، یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔ [3] یا ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے، یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح اسے نیست سے ہست کیا اور پانی کے ایک حقیر قطرے سے اس کی تخلیق کی، پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع وعریض سلسلہ قائم کیا، نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا، یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت والوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انھیں ادراک واحساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔ [4] اور اس کی وجہ وہی کائنات میں غور وفکر کا فقدان ہے ورنہ قیامت کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔ [5] یہ آثار و کھنڈرات اور نشانات عبرت پر غور وفکر نہ کرنے پر توبیخ کی جا رہی ہے۔ مطلب ہے کہ چل پھر کر وہ مشاہدہ کر چکے ہیں۔ [6] یعنی ان کافروں کا جن کو اللہ نے ان کے کفر باللہ، حق کے انکار اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا۔ [7] یعنی قریش اور اہل مکہ سے زیادہ۔ [8] یعنی اہل مکہ تو کھیتی باڑی سے ناآشنا ہیں لیکن پچھلی قومیں اس وصف میں بھی ان سے بڑھ کر تھیں۔ [9] اس لیے کہ ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں، جسمانی قوت میں بھی زیادہ تھے، اسباب معاش بھی ان کو زیادہ حاصل تھے، پس انھوں نے عمارتیں بھی زیادہ بنائیں، زراعت وکاشتکاری بھی کی اور وسائل رزق بھی زیادہ مہیا کیے۔ [10] لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ نتیجتاً تمام تر قوتوں، ترقیوں اور فراغت وخوش حالی کے باوجود ہلاکت ان کا مقدر بن کر رہی۔ [11] کہ انھیں بغیر گناہ کے عذاب میں مبتلا کر دیتا۔ [12] یعنی اللہ کا انکار اور رسولوں کی تکذیب کر کے۔ [13] السُّوْۗآٰى بروزن فُعْلٰى، سُوْء سے اَسْوَأ کی تانیث ہے، جیسے حُسْنٰى، اَحْسَن کی تانیث ہے، یعنی ان کا جو انجام ہوا، بدترین انجام تھا۔ [14] یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ

Marfat.com

اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿11﴾ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿12﴾

کی طرف تمھیں لوٹایا جائے گا⑪ [1] اور جس دن قیامت قائم ہوگی (تو) مجرم لوگ سخت مایوس ہوں گے ⑫ [2]

وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَكَآئِهِمۡ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوۡا

اور ان کے شریکوں (معبودوں) میں سے کوئی ان کا سفارشی نہیں ہوگا [3] اور وہ خود بھی اپنے

بِشُرَكَآئِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ﴿13﴾ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ

شریکوں کے منکر ہوجائیں گے ⑬ [4] اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ

يَّتَفَرَّقُوۡنَ ﴿14﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(مومن اور کافر) الگ الگ ہوجائیں گے ⑭ [5] پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے

فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ﴿15﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

نیک عمل کیے، تو وہ باغ (بہشت) میں خوش وخرم ہوں گے ⑮ [6] اور جن لوگوں نے کفر

وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى الۡعَذَابِ

کیا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، تو وہ عذاب میں حاضر رکھے

مُحۡضَرُوۡنَ ﴿16﴾ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ

جائیں گے ⑯ [7] لہٰذا تم اللہ کی تسبیح (پاکی بیان) کرو [8] جب تم شام کرو اور جب تم

تُصۡبِحُوۡنَ ﴿17﴾ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا

صبح کرو⑰ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے تمام حمد ہے، اور (تسبیح کرو) پچھلے پہر اور

وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿18﴾ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ

جب تم ظہر کے وقت میں داخل ہو ⑱ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور وہی مردہ کو زندہ سے

مرنے کے بعد دوبارہ انھیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، اس لیے کہ دوبارہ پیدا کرنا، پہلی مرتبہ سے آسان تر ہوتا ہے۔

[1] یعنی میدان محشر اور موقف حساب میں، جہاں وہ عدل وانصاف کا اہتمام فرمائے گا۔ [2] إِبلاس کے معنی ہیں: اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکنا اور حیران وساکت کھڑے رہنا۔ اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مُبْلِسٌ وہ ہوگا جو ناامید ہو کر خاموش کھڑا ہو اور اسے کوئی دلیل نہ سوجھ رہی ہو، قیامت والے دن کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا، یعنی معاینہ عذاب کے بعد وہ ہر خبر سے مایوس اور دلیل وحجت پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ اَلْمُجْرِمُوْنَ سے مراد کافر ومشرک ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔ [3] شریکوں سے مراد وہ معبودانِ باطلہ ہیں جن کی مشرکین یہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے اور انھیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔ لیکن اللہ نے یہاں وضاحت فرمادی کہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ [4] یعنی وہاں ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے کیونکہ وہ دیکھ لیں گے کہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ (فتح القدیر) دوسرے معنی ہیں کہ یہ معبود اس بات سے انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ انھیں اللہ کا شریک گردان کر ان کی عبادت کرتے تھے کیونکہ وہ تو ان کی عبادت سے ہی بے خبر ہیں۔ [5] اس سے مراد ہر فرد کا دوسرے فرد سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب مومنوں کا اور کافروں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر وشرک جہنم میں چلے جائیں گے اور ان کے درمیان دائمی جدائی ہو جائے گی، یہ دونوں پھر کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے یہ حساب کے بعد ہوگا، چنانچہ اسی علیحدگی کی وضاحت اگلی آیات میں کی جارہی ہے۔ [6] یعنی انھیں جنت میں اکرام وانعام سے نوازا جائے گا جس سے وہ مزید خوش ہوں گے۔ [7] یعنی ہمیشہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں رہیں گے۔ [8] یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات مقدسہ کے لیے تسبیح وتحمید ہے، جس سے مقصد اپنے بندوں کی رہنمائی ہے کہ ان اوقات میں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور جو اس کے کمال قدرت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں، اس کی تسبیح وتحمید کیا کرو۔ شام کا وقت، رات کی تاریکی کا پیش خیمہ اور سپیدۂ سحر دن کی روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ عشاء شدت تاریکی کا اور ظہر خوب روشن ہو جانے کا وقت ہے، پس وہ ذات پاک ہے جو ان سب کی خالق ہے اور جس نے ان تمام اوقات میں الگ الگ فوائد رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد نماز ہے اور دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ تُمْسُوْنَ میں مغرب وعشاء، تُصْبِحُوْنَ میں نماز فجر، عَشِيًّا (سہ پہر) میں عصر اور تُظْهِرُوْنَ میں نماز ظہر آجاتی ہے۔ (فتح القدیر) جس حدیث میں ان دونوں آیات کو صبح وشام پڑھنے کی جو یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے شب وروز کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، وہ ضعیف ہے، لہٰذا یہ فضیلت ثابت نہیں۔ (سنن أبي داود، حديث:5076)

Marfat.com

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ
نکالتا ہے[1] اور وہی زمین کو اس کے مردہ (ویران) ہونے کے بعد زندہ (آباد) کرتا ہے، اور اسی
وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿19﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ
طرح تمھیں بھی (زمین سے) نکالا جائے گا ⑲[2] اور (یہ) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس
تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿20﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ
نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم بشر ہو (جو ہر طرف) پھیل رہے ہو ⑳[3] اور (یہ بھی) اس کی
اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا
نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں[4] تاکہ تم ان سے
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
سکون حاصل کرو،[5] اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی،[6] بلاشبہ اس میں ان لوگوں
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ㉑ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
کی تخلیق اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے،[7] بلاشبہ اس میں علم والوں کے
لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿22﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ
لیے عظیم نشانیاں ہیں ㉒ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمھارا رات اور دن کو سونا اور

[1] جیسے انڈے کو مرغی سے، مرغی کو انڈے سے۔ انسان کو نطفے سے، نطفے کو انسان سے اور مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔ [2] یعنی قبروں سے زندہ کر کے۔ [3] اِذَآ فجائیہ ہے۔ مقصود اس سے ان اطوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر بچہ پورا انسان بنتا ہے۔ جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ تَنْتَشِرُوْنَ سے مراد انسان کا کسب معاش اور دیگر حاجات و ضروریات بشریہ کے لیے چلنا پھرنا ہے۔ [4] یعنی تمھاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ وہ تمھاری بیویاں بنیں اور تم جوڑا جوڑا ہو جاؤ۔ اَزْوَاجًا عربی میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے زوج ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت، حضرت حوا، کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا، پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔ [5] مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی، مثلاً: عورتیں جنات یا حیوانات میں سے ہوتیں تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو اس وقت دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے سے نفرت و وحشت ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی بیویاں، انسان ہی بنائیں۔ [6] مَوَدَّةً یہ ہے کہ مرد بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور ایسے ہی بیوی شوہر سے جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے، دنیا میں کسی بھی دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ اور رحمت یہ ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی سہولت اور آسائشیں بہم پہنچاتا ہے جس کا مکلف اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ایسے ہی عورت بھی اپنی قدرت و اختیار کے دائرے میں ایسا کرتی ہے، تاہم انسان کو یہ سکون اور باہمی پیار انھی جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوتے ہیں اور اسلام انھی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو وہ جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انھیں زانی اور بدکار قرار دیتا اور ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار شیاطین ان مذموم کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشروں کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی نکاح کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بدکار مرد و عورت کو ''جوڑا'' (COUPLE) تسلیم کروایا جائے اور ان کے لیے سزا کی بجائے وہ حقوق منوائے جائیں جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (المنٰفقون 63:4) ''اللہ انھیں غارت کرے کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔'' [7] دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، عربی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اردو، ہندی، پشتو، فارسی، سندھی، بلوچی وغیرہ بے شمار بین الاقوامی اور علاقائی زبانیں ہیں، پھر ہر زبان کے مختلف لہجے اور اسلوب ہیں۔ ایک انسان ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک اور فلاں علاقے کا ہے۔ صرف زبان ہی اس کا تعارف کرا دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم و حواء) سے ہونے کے باوجود رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی نیلگوں ہے تو کوئی گندمی رنگ کا، پھر کالے اور سفید رنگ میں بھی اتنے درجات رکھ دیے ہیں کہ بیشتر انسانی آبادی دو رنگوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ان کی بیسیوں قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے یکسر الگ اور ممتاز، پھر ان کے چہروں کے خدوخال، جسمانی ساخت اور قد و قامت میں ایسا فرق رکھ دیا گیا ہے کہ ایک ایک ملک کا انسان الگ سے پہچان لیا جاتا ہے، یعنی باوجود اس بات کے

Marfat.com

وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
تمھارا اس کے فضل کو تلاش کرنا،[1] بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں
لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿23﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا
جو سنتے ہیں﴿23﴾ اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے
وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ
لیے بجلی دکھاتا ہے،[2] اور وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے، پھر اس سے زمین کے مردہ ہوجانے کے
بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿24﴾
بعد اسے زندہ کرتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں﴿24﴾ اور
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا
(یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ
دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿25﴾ وَلَهٗ
تمھیں زمین میں سے ایک ہی بار پکارے گا تو تم یکایک (باہر) نکل آؤ گے﴿25﴾ [3] اور آسمانوں اور
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿26﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
زمین میں جو کوئی بھی ہیں، اسی کی ملکیت ہیں، سب اسی کے فرماں بردار ہیں﴿26﴾ [4] اور وہی (اللہ)
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ
ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے گا، اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے،
الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾
اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی صفت اعلیٰ ہے،[5] اور وہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے﴿27﴾
ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا
اس نے تمھارے (سمجھانے کے) لیے خود تمھی میں سے ایک مثال بیان کی ہے کہ ہم نے تمھیں جو رزق
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ
دیا ہے، کیا اس میں جس کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے ہیں شریک ہوسکتے ہیں، کہ تم اس میں
فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
برابر ہوجاؤ،[6] تم ان سے ایسے ڈرتے ہو جیسے اپنے (ہمسر) لوگوں سے۔[7] اسی طرح ہم (اپنی) آیات ان
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا
لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل کرتے ہیں﴿28﴾ [8] بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا انھوں

کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نہیں ملتا حتی کہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے مختلف ہے لیکن اللہ کی قدرت کا کمال ہے کہ پھر بھی کسی ایک ہی ملک کے باشندے، دوسرے ملک کے باشندوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

[1] نیند کا باعث سکون و راحت ہونا، چاہے وہ رات کو ہو یا بہ وقت قیلولہ اور دن کو تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا، یہ مضمون کئی جگہ گزر چکا ہے۔ [2] یعنی آسمان میں بجلی چمکتی اور بادل کڑکتے ہیں تو تم ڈرتے بھی ہو کہ کہیں بجلی گرنے یا زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے کھیتیاں برباد نہ ہوجائیں اور امیدیں بھی وابستہ کرتے ہو کہ بارشیں ہوں گی تو فصل اچھی ہوگی۔ [3] یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو آسمان و زمین کا یہ سارا نظام جو اس وقت اس کے حکم سے قائم ہے، درہم برہم ہوجائے گا اور تمام انسان قبروں سے زندہ ہوکر باہر نکل آئیں گے۔ [4] یعنی اس کے تکوینی حکم کے آگے سب بے بس اور لاچار ہیں، جیسے موت و حیات، صحت و مرض، ذلت وعزت وغیرہ میں کوئی اللہ کے حکم کے آگے دم نہیں مار سکتا۔ [5] یعنی اتنے کمالات اور عظیم قدرتوں کا مالک، تمام مثالوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ 42:11) ”کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔“ [6] یعنی جب تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمھارے غلام اور نوکر چاکر جو تمھارے ہی جیسے انسان ہیں، وہ تمھارے مال و دولت میں شریک اور تمھارے برابر ہوجائیں تو پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ کے بندے، چاہے وہ فرشتے ہوں، پیغمبر ہوں، اولیاء وصلحاء ہوں یا شجر وحجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہوجائیں جبکہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں، یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہوسکتی، دوسری بھی نہیں ہوسکتی، اس لیے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرنا اور انھیں بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔ [7] یعنی کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم (آزاد لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو، یعنی جس طرح مشترکہ کاروبار یا جائیداد میں سے خرچ کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شریک باز پرس کریں گے۔ کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو؟ یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ تم انھیں مال و دولت میں شریک قرار دے کر اپنا ہم مرتبہ بنا ہی نہیں سکتے تو ان سے ڈر بھی کیسا؟ [8] کیونکہ وہ اپنی عقلوں کو استعمال میں لاکر اور غور وفکر کا اہتمام کر کے آیات تنزیلیہ اور تکوینیہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے، ان کی سمجھ میں توحید کا مسئلہ بھی نہیں آتا جو بالکل صاف اور نہایت واضح ہے۔

Marfat.com

اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ
نے بغیر علم کے[1] اپنی خواہشوں کی پیروی کی، پھر جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اسے کون ہدایت دے
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿29﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ
سکتا ہے؟[2] اور ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں ہیں (29) [3] چنانچہ (اے نبی!) آپ یکسو ہو کر
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ
اپنا رخ دین کے لیے سیدھا رکھیں،[4] اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا
اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾
کیا ہے،[5] اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی،[6] یہی سیدھا دین ہے،[7] لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (30) [8]
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا
اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے (دین پر قائم رہو)، اور تم اس سے ڈرتے رہو، اور نماز قائم
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿31﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا
کرو، اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ (31) [9] (یعنی) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا،
شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿32﴾ وَاِذَا مَسَّ
اور وہ کئی گروہ ہو گئے،[10] ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے (32) [11] اور جب لوگوں کو کوئی
النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ
تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ
اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ
اپنی طرف سے انھیں رحمت (کا مزہ) چکھاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ
يُشْرِكُوْنَ ﴿33﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ
شرک کرنے لگتے ہیں (33) تاکہ وہ اس چیز (نعمت) کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دی،[12] تو تم فائدہ
تَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا
اٹھاؤ، پھر جلد تم جان لو گے (34) کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شرک کرنے
كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿35﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً
کو (صحیح) بتاتی ہو (35) [13] اور جب ہم لوگوں کو (اپنی) رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے

[1] یعنی اس حقیقت کا انھیں ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ علم سے بے بہرہ اور ضلالت کا شکار ہیں اور اسی بے علمی اور گمراہی کی وجہ سے وہ اپنی عقل کو کام میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات اور آرائے فاسدہ کے پیروکار ہیں۔ [2] کیونکہ اللہ کی طرف سے ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے اندر ہدایت کی طلب اور آرزو ہوتی ہے جو اس طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں، انھیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ [3] یعنی ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں جو انھیں ہدایت سے بہرہ ور کر دے یا ان سے عذاب کو پھیر دے۔ [4] یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور ادیان باطلہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔ [5] فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں۔ یہاں مراد ملت اسلام (وتوحید) ہے مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش، بغیر مسلم و کافر کی تفریق کے، اسلام اور توحید پر ہوئی ہے، اس لیے توحید ان کی فطرت، یعنی جبلت میں شامل ہے جس طرح کہ عہدِ اَلَسْتُ سے واضح ہے۔ بعد میں بہت سوں کو ماحول یا دیگر عوارض، فطرت کی اس آواز کی طرف نہیں آنے دیتے جس کی وجہ سے وہ کفر پر ہی باقی رہتے ہیں۔ جس طرح نبی ﷺ کی حدیث ہے: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4775، وصحيح مسلم، حديث: 2658) [6] یعنی اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کرو بلکہ صحیح تربیت کے ذریعے سے اس کی نشوونما کرو تاکہ ایمان و توحید بچوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے۔ یہ خبر بمعنی انشا ہے، یعنی نفی، نہی کے معنی میں ہے۔ [7] یعنی وہ دین جس کی طرف یکسو اور متوجہ ہونے کا حکم ہے یا جو فطرت کا تقاضا ہے وہ یہی دین قیم ہے۔ [8] اسی لیے وہ اسلام اور توحید سے نا آشنا رہتے ہیں۔ [9] یعنی ایمان و تقویٰ اور اقامت صلاۃ سے گریز کر کے مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ [10] یعنی اصل دین کو چھوڑ کر یا اس میں من مانی تبدیلیاں کر کے الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، جیسے کوئی یہودی، کوئی نصرانی اور کوئی مجوسی وغیرہ ہو گیا۔ [11] یعنی ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر اور جو سہارے انھوں نے تلاش کر رکھے ہیں، جن کو وہ دلائل سے تعبیر کرتے ہیں، ان پر خوش اور مطمئن ہیں، بدقسمتی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا بھی ہر فرقہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے، حالانکہ حق پر صرف ایک ہی گروہ ہے جس کی پہچان نبی ﷺ نے بتلا دی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا (اور یہ شرف اہل سنت کہلانے والوں میں سے صرف اہل حدیث کو حاصل ہے۔ كَثَّرَ اللّٰهُ سَوَادَهُمْ. [12] یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ عنکبوت 29:39 کے آخر میں گزرا۔ [13] یہ استفہام انکاری ہے،

Marfat.com

فَرِحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ

ہیں، اور اگر ان کے ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کی وجہ سے کوئی مصیبت انھیں آ لے تو وہ فوراً ناامید

اِذَا هُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ ﴿36﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ

ہو جاتے ہیں ﴿36﴾[1] کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے

الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ

اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔[2] بلاشبہ اس (فراخی و تنگی) میں ان لوگوں کے لیے عظیم

يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿37﴾ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ ؕ

نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿37﴾ لہٰذا آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں[3] اور مسکین اور مسافر کو

ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بھی، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ چاہتے ہیں،[4] اور یہی لوگ فلاح پانے والے

الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿38﴾ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِيۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ

ہیں ﴿38﴾ اور تم سود پر جو (قرض) دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں (شامل ہو کر) بڑھے، تو

فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ

وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا،[5] اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دیتے ہو، تو ایسے لوگ

یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بلا دلیل ہے۔ اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لیے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا جبکہ اس نے سارے پیغمبر بھیجے ہی اس لیے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں، چنانچہ ہر پیغمبر نے آ کر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔ اور آج اہل توحید مسلمانوں کو بھی نام نہاد مسلمانوں میں توحید و سنت کا وعظ کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ مسلمان عوام کی اکثریت شرک و بدعت میں مبتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

[1] یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ ہود 11:11 میں گزرا اور جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے کہ راحت میں وہ اترانے لگتے ہیں اور مصیبت میں ناامید ہو جاتے ہیں، البتہ اہل ایمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تکلیف میں صبر اور راحت میں اللہ کا شکر، یعنی عمل صالح کرتے ہیں۔ یوں دونوں حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔

[2] یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے وہ کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ عقل و شعور میں اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں جبکہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ [3] جب وسائل رزق تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور وہ جس پر چاہے اس کے دروازے کھول دیتا ہے تو اصحاب ثروت کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کا وہ حق ادا کرتے رہیں جو ان کے مال میں ان کے مستحق رشتے داروں، مساکین اور مسافروں کا رکھا گیا ہے۔ رشتے دار کا حق اس لیے مقدم کیا کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ غریب رشتے دار کے ساتھ احسان کرنا دوہرے اجر کا باعث ہے۔ ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ علاوہ ازیں اسے حق سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ امداد کر کے ان پر تم احسان نہیں کرو گے بلکہ ایک حق ہی کی ادائیگی کرو گے۔ [4] یعنی جنت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔ [5] یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد صحابہ و تابعین نے اس آیت میں ﴿ رِّبًا ﴾ سے مراد سود (بیاج) نہیں بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی کسی مال دار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم اپنے مخدوم کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ اسے ﴿ رِّبًا ﴾ سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے، تاہم اللہ کے ہاں اس پر اجر نہیں ملے گا۔ ﴿ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ ﴾ سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا: ''جو تم عطیہ دو، اس نیت سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے، پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں۔'' (ابن کثیر، أیسر التفاسیر) اس سے نیوتا کی رقم اور سلامی کا عدم جواز بھی ثابت ہوتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر رشتے دار ایک دوسرے کو دیتے ہیں، اس کی ابتدا شاید تعاون کے جذبے سے ہی ہوئی لیکن اب یہ قرض کی صورت اختیار کر گئی ہے جس کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اسے اضافے کے ساتھ ہی لوٹایا جاتا ہے، یوں اس میں سود کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے، اس لیے اس رواج اور طریقے کو بھی شرعاً ختم کرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿39﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ
ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں ﴿39﴾ [1] اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر اس نے
رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ
تمھیں رزق دیا، پھر وہ تمھیں مارے گا، پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا، کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی
يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿40﴾
ہے جو ان (کاموں) میں سے کچھ کر سکے؟ اللہ ان کے شریک ٹھہرانے سے پاک اور اعلیٰ ہے ﴿40﴾
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ
خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے فساد ظاہر ہو گیا ہے، تاکہ اللہ انھیں ان کے
لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿41﴾ قُلْ
بعض اعمال (کا مزہ) چکھائے، جو انھوں نے کیے، تاکہ وہ (ہدایت کی طرف) رجوع کریں ﴿41﴾ [2] آپ
سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
کہہ دیجیے: تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو ان سے پہلے
مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿42﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ
تھے؟ ان کے اکثر مشرک ہی تھے ﴿42﴾ [3] آپ اپنا رخ درست دین کی طرف سیدھا رکھیں، اس سے
لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
پہلے کہ وہ دن آ جائے جس کے لیے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں ہے، [4] اس دن وہ (مومن اور کافر)
يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿43﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ
الگ الگ ہو جائیں گے ﴿43﴾ [5] جس شخص نے کفر کیا، تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا، اور جنھوں
صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿44﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے ہی لیے راہ ہموار کر رہے ہیں ﴿44﴾ [6] تاکہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل

[1] زکاۃ و صدقات سے ایک تو روحانی و معنوی اضافہ ہوتا ہے، یعنی بقیہ مال میں اللہ کی طرف سے برکت ڈال دی جاتی ہے۔ دوسرے: قیامت والے دن اس کا اجر و ثواب کئی کئی گنا ملے گا، جس طرح حدیث میں ہے کہ حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بڑھ بڑھ کر پہاڑ کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: 1014) [2] خشکی سے مراد انسانی آبادیاں اور تری سے مراد سمندر، سمندری راستے اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن و سکون تہ و بالا اور ان کے عیش و آرام میں خلل واقع ہو، اس لیے اس کا اطلاق معاصی و سیئات پر بھی صحیح ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، اللہ کی حدوں کو پامال اور اخلاقی ضابطوں کو توڑ رہے ہیں اور قتل و خونریزی عام ہو گئی ہے اور ان ارضی و سماوی آفات پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے جو اللہ کی طرف سے بطور سزا و تنبیہ نازل ہوتی ہیں، جیسے قحط، کثرت موت، خوف اور سیلاب وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا وتیرہ بنا لیں تو پھر مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے اعمال و کردار کا رخ برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے، امن و سکون ختم اور اس کی جگہ خوف و دہشت، سلب و نہب اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی و سماوی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑ یا آفات الٰہیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے باز آ جائیں تو بہ تلا کر لیں اور ان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الٰہی پر قائم ہو اور اللہ کی حدیں نافذ ہوں، ظلم کی جگہ عدل کا دور دورہ ہو۔ وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے: ”زمین میں اللہ کی ایک حد کا قائم کرنا، وہاں کے انسانوں کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔“ (سنن النسائي، حديث: 4909، وسنن ابن ماجه، حديث: 2538) اسی طرح یہ حدیث ہے کہ ”جب ایک بدکار (فاجر) آدمی فوت ہو جاتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے شہر بھی اور درخت اور جانور بھی آرام پاتے ہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6512، وصحيح مسلم، حديث: 950) [3] شرک کا خاص طور پر ذکر کیا کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دیگر سیئات و معاصی بھی آ جاتی ہیں کیونکہ ان کا ارتکاب بھی انسان اپنے نفس کی بندگی ہی اختیار کر کے کرتا ہے، اسی لیے اسے بعض لوگ عملی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ [4] یعنی اس دن کے آنے کو کوئی روک نہیں سکتا، اس لیے اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے پہلے اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر لیں اور نیکیوں سے اپنا دامن بھر لیں۔ [5] یعنی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک مومنوں کا، دوسرا کافروں کا۔ [6] مَهْدٌ کے معنی ہیں: راستہ ہموار کرنا، فرش بچھانا، یعنی یہ عمل صالح کے ذریعے سے جنت میں جانے اور وہاں اعلیٰ منازل حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

Marfat.com

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿45﴾
سے جزا دے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے،[1] بلاشبہ اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿45﴾
وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ
اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بشارت دینے والی ہوائیں[2] بھیجتا ہے، اور تاکہ وہ تمھیں
رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائے،[3] اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں،[4] اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿46﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی
کرو،[5] اور تاکہ تم شکر کرو ﴿46﴾ [6] اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے،
قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ
پھر وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے (مگر انھوں نے انھیں جھٹلایا)، پھر جن لوگوں نے جرم کیے
وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿47﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ
تھے ہم نے ان سے انتقام لیا، اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے[7] ﴿47﴾ اللہ وہ ذات ہے جو ہوائیں بھیجتا
الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ
ہے، پھر وہ بادل اٹھاتی بھڑکاتی ہیں،[8] پھر اللہ اسے آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے،[9] اور وہ
وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ
اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے،[10] پھر آپ بارش دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے،[11] پھر جب وہ اپنے
بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿48﴾ وَاِنْ
بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش برساتا ہے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں ﴿48﴾ اور اگرچہ ان پر
كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿49﴾
بارش برسائے جانے سے قبل، اس (بارش کی خوشی) سے پہلے وہ ناامید ہو رہے تھے ﴿49﴾ چنانچہ آپ اللہ کی
فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
رحمت کے آثار کی طرف دیکھیں، وہ زمین کو اس کی موت (ویرانی) کے بعد کیسے زندہ (آباد) کرتا ہے،
اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿50﴾ وَلَىِٕنْ
بے شک وہ ضرور مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔[12] اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿50﴾ اور اگر ہم (تند و تیز) ہوا

[1] یعنی محض نیکیاں دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہوں گی، جب تک ان کے ساتھ اللہ کا فضل بھی شامل حال نہ ہوگا، پس وہ اپنے فضل سے ایک ایک نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے زیادہ بھی دے گا۔ [2] یعنی یہ ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں۔ [3] یعنی بارش سے انسان بھی لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور فصلیں بھی لہلہا اٹھتی ہیں۔ [4] یعنی ان ہواؤں کے ذریعے سے کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ مراد بادبانی کشتیاں ہیں۔ اب انسان نے اللہ کی دی ہوئی دماغی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے دوسری کشتیاں اور جہاز ایجاد کر لیے ہیں جو مشینوں کے ذریعے سے چلتے ہیں، تاہم ان کے لیے بھی موافق اور مناسب ہوائیں ضروری ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں بھی طوفانی موجوں کے ذریعے سے غرق آب کر دینے پر قادر ہے۔ [5] یعنی ان کے ذریعے سے مختلف ممالک میں آ جا کر تجارت و کاروبار کر کے۔ [6] ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر جن کا کوئی شمار ہی نہیں، یعنی یہ ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ تمھیں اس لیے بہم پہنچاتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ کی بندگی و اطاعت بھی کرو۔

[7] یعنی اے نبی! جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، ان کے ساتھ دلائل اور معجزات بھی تھے لیکن قوموں نے ان کی تکذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے۔ بالآخر ان کے اس جرم تکذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انھیں اپنی سزا و تعزیر کا نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی نصرت و تائید کی جو ہم پر لازم ہے۔ یہ نبی ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کی روش تکذیب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے کیونکہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہوگی جس میں پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ حَقًّا كَانَ کی خبر ہے جو مقدم ہے۔ نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اس کا اسم ہے۔ [8] یعنی وہ بادل جہاں بھی ہوتے ہیں، وہاں سے ہوائیں ان کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ [9] کبھی چلا کر، کبھی ٹھہرا کر، کبھی تہ بہ تہ کر کے، کبھی دور دراز تک۔ یہ آسمان پر بادلوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔ [10] یعنی ان کو آسمان پر پھیلانے کے بعد کبھی ان کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ [11]
الْوَدْقَ کے معنی بارش کے ہیں، یعنی ان بادلوں سے اللہ اگر چاہتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے جس سے بارش کے ضرورت مند خوش ہو جاتے ہیں۔ [12]
آثار رحمت سے مراد وہ غلہ جات اور میوے ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے اور خوش حالی و فراغت کا باعث ہوتے ہیں۔ دیکھنے سے مراد نظر عبرت سے دیکھنا ہے۔

Marfat.com

اَرۡسَلۡنَا رِیۡحًا فَرَاَوۡهُ مُصۡفَرًّا لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ یَكۡفُرُوۡنَ (51)
بھیج دیں، پھر وہ اس (کھیتی) کو زرد پڑتی دیکھیں، تو اس کے بعد وہ ضرور ناشکری کرنے لگتے ہیں[1] (51)
فَاِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا
تو (اے نبی!) بلاشبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے؛[2] اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں[3]
وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ (52) وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ
جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں (52)[4] اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کی طرف لا سکتے ہیں[5]
اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (53) ع اَللّٰهُ
آپ تو صرف انھیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں،[6] لہٰذا وہی فرماں بردار ہیں (53)[7] اللہ
الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ
وہ ذات ہے جس نے تمھیں کمزوری[8] (کی حالت) سے پیدا کیا، پھر اس نے کمزوری کے بعد
قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّشَیۡبَةً ؕ یَخۡلُقُ مَا
قوت دی،[9] پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا،[10] وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے،[11] اور وہ
یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ (54) وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ یُقۡسِمُ
خوب جاننے والا، بڑا قدرت والا ہے (54) اور جس دن قیامت قائم ہوگی،[12] مجرم قسمیں کھائیں گے

5 ع 13 8

تا کہ انسان اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ قیامت والے دن اسی طرح مردوں کو زندہ فرمادے گا۔ [1] یعنی ان ہی کھیتوں کو جن کو ہم نے بارش کے ذریعے سے شاداب کیا تھا اگر سخت (گرم یا ٹھنڈی) ہوائیں چلا کر ان کی ہریالی کو زردی میں بدل دیں، یعنی تیار فصل کو تباہ کر دیں تو یہی بارش سے خوش ہونے والے اللہ کی ناشکری پر اتر آئیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نہ ماننے والے صبر اور حوصلے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اور ذرا سے ابتلا پر فوراً ناامید اور گریہ کناں ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں ان سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ [2] یعنی جس طرح مردے فہم و شعور سے عاری ہوتے ہیں، اسی طرح یہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔ [3] یعنی آپ کا وعظ و نصیحت ان کے لیے بے اثر ہے جس طرح کوئی بہرا ہو، اسے تم اپنی بات نہیں سنا سکتے۔ [4] یہ ان کے اعراض و انحراف کی مزید وضاحت ہے کہ مردہ اور بہرہ ہونے کے ساتھ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہیں، حق کی بات ان کے کانوں میں کس طرح پڑ سکتی اور کیونکر ان کے دل و دماغ میں سما سکتی ہے؟ [5] اس لیے کہ یہ آنکھوں سے کما حقہ فائدہ اٹھانے سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے محروم ہیں۔ یہ گمراہی کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس سے کس طرح نکلیں؟ [6] یعنی یہی سن کر ایمان لانے والے ہیں، اس لیے کہ یہ اہل تفکر و تدبر ہیں اور آثار قدرت سے مؤثر حقیقی کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ [7] یعنی حق کے آگے سر تسلیم خم کر دینے والے اور اس کے پیروکار۔ [8] یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور کمال بیان فرما رہا ہے اور وہ ہے مختلف اطوار سے انسان کی تخلیق۔ ضعف (کمزوری کی حالت) سے مراد نطفہ، یعنی قطرۂ آب ہے یا عالم طفولیت۔ [9] یعنی جوانی جس میں قوائے عقلی و جسمانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ [10] کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی و جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہو جاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا وہ دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے، ہمت پست، ہاتھ پاؤں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہو جاتی ہیں۔ قرآن نے انسان کے یہ چار بڑے اطوار بیان کیے ہیں۔ بعض علماء نے دیگر چھوٹے چھوٹے اطوار بھی شمار کر کے انھیں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے اجمال کی توضیح اور اس کے اعجاز بیان کی شرح ہے، مثلاً: امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان یکے بعد دیگرے ان حالات و اطوار سے گزرتا ہے۔ اس کی اصل مٹی ہے، یعنی اس کے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یا انسان جو کچھ کھاتا ہے جس سے وہ منی پیدا ہوتی ہے جو رحم مادر میں جا کر اس کے وجود و تخلیق کا باعث بنتی ہے، وہ سب مٹی ہی کی پیداوار ہے پھر وہ نطفہ، نطفہ سے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں جنھیں گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پھر ماں کے پیٹ سے اس حال میں نکلتا ہے، پھر بتدریج نشو و نما پاتا، بچپن، بلوغت اور جوانی کو پہنچتا ہے اور پھر بتدریج رجعت قہقری کا عمل شروع ہو جاتا ہے، کہولت، شیخوخت اور پھر کبر سنی (بڑھاپا) تا آنکہ موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ [11] انھی اشیاء میں ضعف و قوت بھی ہے۔ جس سے انسان گزرتا ہے جیسا کہ ابھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ [12] ساعت کے معنی ہیں: گھڑی، لمحہ، مراد قیامت ہے، اس کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا وقوع جب اللہ چاہے گا، ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔ یا اس لیے کہ یہ اس گھڑی میں ہوگی جو دنیا کی آخری گھڑی ہوگی۔

Marfat.com

الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿55﴾

کہ وہ (دنیا میں) گھڑی بھر کے سوا نہیں ٹھہرے،[1] اسی طرح وہ (دنیا میں) بہکے رہے ﴿55﴾[2] اور جن

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ

لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے:[3] یقیناً تم تو، جیسا کہ اللہ کی کتاب (لوح محفوظ)[4] میں ہے،

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ

دوبارہ اٹھانے کے دن (قیامت) تک ٹھہرے رہے،[5] چنانچہ یہی دوبارہ اٹھنے کا دن ہے، اور لیکن تم

وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿56﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ

تو (اسے حق) نہیں جانتے تھے ﴿56﴾[6] چنانچہ جن لوگوں نے ظلم و زیادتی کی اس دن ان کی معذرت

ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿57﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

(انھیں) کوئی نفع نہ دے گی، اور نہ ان سے (اپنے رب کو) راضی کرنے کے لیے کہا جائے گا[7] ﴿57﴾ اور

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ

بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال بیان کر دی ہے،[8] اور اگر آپ ان کے

بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿58﴾

پاس کوئی نشانی لائیں[9] تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہیں گے: تم تو نرے جھوٹے ہو ﴿58﴾[10]

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿59﴾ فَاصْبِرْ

اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے، مہر لگا دیتا ہے ﴿59﴾ لہٰذا آپ صبر

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿60﴾

کیجیے:[11] بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور آپ کو وہ لوگ ہلکا (بے صبر) نہ کر دیں[12] جو یقین نہیں رکھتے ﴿60﴾

اٰیاتھا: 34 | سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿2﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً

الٓمّٓ[13] ﴿1﴾ یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں ﴿2﴾ (جو) نیکو کاروں کے لیے[14] ہدایت اور

[1] دنیا میں یا قبروں میں۔ یہ اپنی عادت کے مطابق جھوٹی قسم کھائیں گے، اس لیے کہ دنیا میں وہ جتنا عرصہ رہے ہوں گے، ان کے علم میں ہی ہو گا اور اگر مراد قبر کی زندگی ہے تو ان کا حلف جہالت پر ہو گا کیونکہ وہ قبر کی مدت نہیں جانتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت کے شدائد اور ہولناک احوال کے مقابلے میں دنیا کی زندگی انھیں گھڑی کی طرح ہی لگے گی۔ [2] إِفْكُ الرَّجُلِ کے معنی ہیں: سچ سے پھر گیا مطلب ہو گا کہ اسی پھرنے کے مثل وہ دنیا میں پھرتے رہے یا بہکے رہے۔

[3] جس طرح یہ علماء دنیا میں بھی سمجھاتے رہے تھے۔

[4] كِتٰبِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا علم اور اس کا فیصلہ ہے، یعنی لوح محفوظ۔ [5] یعنی پیدائش کے دن سے قیامت کے دن تک۔ [6] کہ وہ آئے گی بلکہ استہزا اور تکذیب کے طور پر اس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔ [7] یعنی انھیں دنیا میں بھیج کر یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہاں توبہ و اطاعت کے ذریعے سے عتاب الٰہی کا ازالہ کر لو۔

[8] جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا بطلان نمایاں ہوتا ہے۔ [9] وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی معجزہ وغیرہ۔ [10] یعنی جادو وغیرہ کے پیروکار۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی نشانی اور واضح سے واضح دلیل بھی اگر وہ دیکھ لیں، تب بھی ایمان بہرحال نہیں لائیں گے، کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کا کفر و طغیان اس آخری حد کو پہنچ گیا ہے جس کے بعد حق کی طرف واپسی کے تمام راستے ان کے لیے مسدود ہیں۔ [11] یعنی ان کی مخالفت و عناد پر اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر، اس لیے کہ اللہ نے آپ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً حق ہے جو بہر صورت پورا ہو گا۔ [12] یعنی آپ کو غضب ناک کر کے صبر و حلم ترک کرنے یا مداہنت پر مجبور نہ کر دیں بلکہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور اس سے سر مو انحراف نہ کریں۔ [13] اس کے آغاز میں بھی یہ حروف مُقَطَّعات ہیں جن کے معنی و مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو بڑے اہم فوائد بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قرآن اسی قسم کے حروف مقطعات سے ترتیب و تالیف پایا ہے جس کی مثل تالیف پیش کرنے سے عرب عاجز آ گئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے، جو شریعت وہ لے کر آیا ہے، انسان اس کا محتاج ہے اور اس کی اصلاح اور سعادت کی تکمیل اسی شریعت سے ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز ان حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں کیونکہ یہ انداز بیان نیا اور اچھوتا تھا۔ (أیسر التفاسیر) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ [14] لِلْمُحْسِنِيْنَ مُحْسِنٌ کی جمع ہے۔ اس کے ایک

Marfat.com

لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿3﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ
رحمت ہیں ③ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں، اور وہ آخرت پر
بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ﴿4﴾ اُولٰٓـئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓـئِكَ
یقین رکھتے ہیں ④ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے
هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿5﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ
والے ہیں ⑤ [2] اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو دلفریب (غافل کر دینے والا) کلام خریدتے
الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ‌ۖ وَّيَتَّخِذَهَا
ہیں [3] تاکہ وہ علم کے بغیر اللہ کی راہ (دین) سے گمراہ کریں اور اس کا مذاق اڑائیں، [4] یہی لوگ ہیں
هُزُوًا ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿6﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا
جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے ⑥ [5] اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر
وَلّٰى مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا كَاَنَّ فِىۡۤ اُذُنَيۡهِ وَقۡرًا ۚ
کرتے ہوئے پلٹ جاتا ہے جیسے اس نے وہ سنی ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بہرا پن ہو، [6]
فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿7﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
چنانچہ آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے ⑦ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک
لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِيۡمِ ۙ﴿8﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ‌ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ‌ؕ وَهُوَ
عمل کیے، ان کے لیے پُرنعمت باغ ہیں ⑧ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے، [7]
الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿9﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا‌ ۚ
اور وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ⑨ اس (اللہ) نے ستونوں کے بغیر آسمان پیدا کیے، تم
وَاَلۡقٰى فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِكُمۡ وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ
انھیں دیکھتے ہو، [8] اور اس نے زمین میں (اونچے اونچے) پہاڑ جما دیے، تاکہ زمین تمھیں ساتھ لے کر ہلنے

معنی تو ہیں: احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ۔ دوسرے معنی ہیں: نیکیاں کرنے والا، یعنی برائیوں سے مجتنب اور نیکوکار۔ تیسرے معنی ہیں: اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والا۔ جس طرح حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے: "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" "تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔" قرآن ویسے تو سارے جہان کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں، اس لیے یہاں اس طرح فرمایا۔

[1] نماز، زکاۃ اور آخرت پر یقین۔ یہ تینوں نہایت اہم ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین و متقین تمام فرائض و سنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔ [2] فلاح (کامیابی) کے مفہوم کے لیے دیکھیے: سورۂ بقرہ:2 اور سورۂ مومنون:23 کا آغاز۔ [3] اہل سعادت جو کتاب الٰہی سے راہ یاب اور اس کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں، ان کے ذکر کے بعد ان اہل شقاوت کا بیان ہو رہا ہے جو کلام الٰہی کے سننے سے تو اعراض کرتے ہیں، البتہ ساز و موسیقی، نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانا بجانا، اس کا ساز و سامان، آلات ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصے، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناول اور جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آ جاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عہد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بہلاتی رہیں تاکہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آ جاتی ہیں جو آج کل فن کار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب، خوش نما اور دلفریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ [4] ان تمام چیزوں سے یقیناً انسان اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور دین کو استہزا و تمسخر کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔ [5] ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت، ادارے، اخبارات کے مالکان، اہل قلم اور فیچر نگار بھی اسی رسوا کن عذاب کے مستحق ہوں گے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ [6] یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ لہو و لعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ، اللہ اور رسول کی باتیں سن کر بہرا بن جاتا ہے، حالانکہ وہ بہرا نہیں ہوتا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں کیونکہ اس کے سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے، اس لیے اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وَقْرًا کے معنی ہیں: کانوں میں ایسا بوجھ جو اسے سننے سے محروم کر دے۔ [7] یعنی یہ یقیناً پورا ہوگا، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد 31:13) "بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔" [8] تَرَوْنَهَا اگر عَمَدٍ کی صفت ہو تو

Marfat.com

كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ

جلنے (نہ) لگے،[1] اور اس نے اس میں ہر قسم کے چوپائے پھیلائے،[2] اور ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا،

كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿10﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ

پھر ہم نے اس (زمین) میں ہر قسم کی نفیس اور عمدہ چیزیں اگائیں ⑩[3] یہ تو ہے اللہ کی مخلوق،[4] پھر مجھے دکھاؤ

الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿11﴾ وَلَقَدْ ع 1 11 10

کہ اوروں نے اس (اللہ) کے سوا کیا تخلیق کیا ہے[5] (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ⑪

اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا

اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی[6] کہ تو اللہ کا شکر کر، اور جو کوئی شکر کرے[7] تو یقیناً وہ اپنی ہی ذات

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿12﴾ وَاِذْ

کے لیے شکر کرتا ہے، اور جس نے ناشکری کی تو بلاشبہ اللہ بے پروا ہے، تعریف کیا ہوا ہے ⑫ اور

قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ

(یاد کریں) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا: اے میرے پیارے

بِاللّٰهِ ۚ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿13﴾ وَوَصَّيْنَا

بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا،[8] بے شک شرک تو بہت بڑا ظلم ہے ⑬[9] اور ہم نے انسان کو اس

الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ

کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے،[10] اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری[11]

معنی ہوں گے ایسے ستونوں کے بغیر جنھیں تم دیکھ سکو، یعنی آسمان کے ستون ہیں لیکن ایسے کہ تم انھیں دیکھ نہیں سکتے۔ [1] رَوَاسِیَ رَاسِیَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ثَابِتَة کے ہیں، یعنی پہاڑوں کو زمین پر اس طرح بھاری بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے کہ جن سے زمین ثابت رہے، یعنی حرکت نہ کرے۔ اسی لیے آگے فرمایا: اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ يَعْنِي كَرَاهَةَ أَنْ تَمِيدَ (تَمِيلَ) بِكُمْ أَوْ لِئَلَّا تَمِيدَ یعنی اس بات کی ناپسندیدگی سے کہ زمین تمھارے ساتھ اِدھر اُدھر ڈولے یا اس لیے کہ زمین اِدھر اُدھر نہ ڈولے۔ جس طرح ساحل پر کھڑے بحری جہازوں میں بڑے بڑے لنگر ڈال دیے جاتے ہیں تاکہ جہاز نہ ڈولے۔ زمین کے لیے پہاڑوں کی بھی یہی حیثیت ہے۔ [2] یعنی انواع و اقسام کے جانور زمین میں ہر طرف پھیلا دیے جنھیں انسان کھاتا بھی ہے، سواری اور بار برداری کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور بطور زینت اور آرائش کے بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔ [3] زَوْجٍ یہاں صِنْفٌ کے معنی میں ہے، یعنی ہر قسم کے غلے اور میوے پیدا کیے۔ ان کی صفت کریم، ان کے حسن لون اور کثرت منافع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ [4] هٰذَا (یہ) اشارہ ہے اللہ کی ان پیدا کردہ چیزوں کی طرف جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا۔ [5] یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور انھیں مدد کے لیے پکارتے ہو، انھوں نے آسمان و زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے۔ کوئی ایک چیز تو بتلاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔ [6] حضرت لقمان اللہ کے نیک بندے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حکمت، یعنی عقل و فہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا: تمھیں یہ فہم و شعور کس طرح حاصل ہوا؟ انھوں نے فرمایا: راست بازی، امانت کے اختیار کرنے اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ ان کا حکمت و دانش پر مبنی ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ یہ غلام تھے، ان کے آقا نے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بہترین دو حصے لاؤ، چنانچہ وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر آقا نے ان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بدترین دو حصے لاؤ۔ وہ پھر وہی زبان اور دل لے کر چلے گئے۔ پوچھنے پر انھوں نے بتلایا کہ زبان اور دل اگر صحیح ہوں تو یہ سب سے بہتر ہیں اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن كثير) [7] شکر کا مطلب ہے، اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا اور اس کے احکام کی فرماں برداری۔ [8] اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔ [9] یہ حضرت لقمان کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تائید فرما کر اسے بصورت قرآن نازل فرما دیا اور اس کی دلیل وہ ہے جو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام 6:82) کے نزول کے تعلق سے وارد ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں (بلکہ شرک ہے) کیا تم نے لقمان کی بات نہیں سنی جو اس نے اپنے بیٹے سے کہی: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (صحيح البخاري، حديث:4776) [10] توحید و عبادت الٰہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے اس نصیحت کی اہمیت واضح ہے۔ [11] اس کا مطلب ہے کہ رحم مادر میں بچہ جس

Marfat.com

وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ
کے باوجود اٹھائے رکھا، اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے،[1] (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا
اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿14﴾ وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ
شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿14﴾ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ
مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا
شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا میں بھلے طریقے سے ان دونوں سے
مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ
اچھا سلوک کر، اور اس شخص کے طریقے کی اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے،[2] پھر میری ہی طرف
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿15﴾ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ
تمھاری واپسی ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے ﴿15﴾[3] اے میرے (پیارے)
اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی
بیٹے! بے شک اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو[4] اور وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں اور زمین
السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿16﴾
کے اندر کہیں بھی ہو، تو اللہ اسے نکال لائے گا، بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے ﴿16﴾
یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ
اے میرے (پیارے) بیٹے! تو نماز قائم کر، اور نیکی کا حکم دے، اور برائی سے منع کر، اور جو
عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿17﴾ وَلَا تُصَعِّرْ
تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر،[5] بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ﴿17﴾[6] اور تو تکبر و غرور

حساب سے بڑھتا جاتا ہے، ماں پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے جس سے عورت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ماں کی اس مشقت کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرتے وقت ماں کو مقدم رکھا جائے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

[1] اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ [2] یعنی مومنین کی راہ۔ [3] یعنی میری طرف رجوع کرنے والوں (اہل ایمان) کی پیروی اس لیے کرو کہ بالآخر تم سب کو میری ہی بارگاہ میں آنا ہے اور میری ہی طرف سے ہر ایک کو اس کے (اچھے یا برے) عمل کی جزا ملنی ہے۔ اگر تم میرے راستے کی پیروی کرو گے اور مجھے یاد رکھتے ہوئے زندگی گزارو گے تو امید ہے کہ قیامت والے روز میری عدالت میں سرخ رو ہو گے بصورت دیگر میرے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ سلسلۂ کلام حضرت لقمان کی وصیتوں سے متعلق تھا۔ اب آگے پھر وہی وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ درمیان کی دو آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر ماں باپ کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ لقمان نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو نہیں کی تھی کیونکہ اس میں ان کا اپنا ذاتی مفاد بھی تھا۔ دوسرا: یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کی توحید و عبادت کے بعد والدین کی خدمت و اطاعت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کا حکم والدین بھی دیں تو ان کی بات نہیں ماننی۔ [4] اِنْ تَكُ کا مرجع خَطِیْئَة ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کام ہے اور اگر اس کا مرجع خَصْلَةٌ ہو تو مطلب اچھائی یا برائی کی خصلت ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا کام کتنا بھی چھپ کر کرے، اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر لے گا، یعنی اس کی جزا دے گا، اچھے عمل کی اچھی جزا، برے عمل کی بری جزا۔ رائی کے دانے کی مثال اس لیے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن محسوس ہوتا ہے نہ تول میں وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا سکتا ہے۔ اسی طرح چٹان (آبادی سے دور جنگل، پہاڑ میں) مخفی ترین اور محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ کے پتھر میں بھی عمل کرے گا جس کا کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرما دے گا، چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔'' (مسند احمد: 28/3) اس لیے کہ وہ لطیف (باریک بین) ہے، اس کا علم مخفی ترین چیز تک محیط ہے اور خبیر ہے، اندھیری رات میں چلنے والی چیونٹی کی حرکات و سکنات سے بھی وہ باخبر ہے۔ [5] اقامت صلاۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور مصائب پر صبر کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ اہم ترین عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔ [6] یعنی مذکورہ باتیں ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اور بندوں پر انھیں فرض قرار دیا ہے۔ یا یہ ترغیب ہے عزم و ہمت پیدا کرنے کی کیونکہ عزم و ہمت کے بغیر طاعات مذکورہ پر عمل ممکن نہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک ذٰلِكَ کا مرجع صبر ہے۔ اس سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت ہے اور اس راہ میں شدائد و مصائب اور طعن و ملامت ناگزیر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد صبر کی تلقین کر کے واضح کر دیا کہ صبر کا دامن تھامے رکھنا کہ یہ عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اہل عزم و ہمت کا ایک بڑا ہتھیار، اس کے بغیر فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی ممکن نہیں۔

Marfat.com

خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سے اپنے رخسار کو لوگوں سے نہ پھیر،[1] اور زمین پر اکڑ کر نہ چل،[2] بے شک اللہ ہر مغرور، ڈینگیں
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿18﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ
مارنے والے کو پسند نہیں کرتا ﴿18﴾ اور تو اپنی چال درمیانی رکھ،[3] اور اپنی آواز دھیمی رکھ،[4] بلاشبہ سب
ع 2 8 11 مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿19﴾ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ
آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے ﴿19﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ نے جو کچھ
اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ
آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمھارے مطیع و تابع فرماں کر دیا ہے[5] اور اس نے تم پر اپنی
نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ
ظاہری اور چھپی نعمتیں پوری کر دیں ہیں،[6] اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿20﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ
ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ﴿20﴾ [7] اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اس کی
اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اسی (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿21﴾
ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا،[8] کیا اگرچہ شیطان انھیں عذاب جہنم کی طرف بلا تا رہا ہو تب بھی؟ ﴿21﴾
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے[9] اور وہ نیکوکار بھی[10] ہو تو بلاشبہ اس نے مضبوط کڑا تھام

[1] یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تُو ان سے منہ پھیر لے۔ یا گفتگو کے وقت اپنا منہ پھیرے رکھے۔ صَعْر ایک بیماری ہے جو اونٹ کے سر یا گردن میں ہوتی ہے۔ جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ یہاں بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ (ابن کثیر) [2] یعنی ایسی چال یا رویہ جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لیے کہ انسان ایک بندۂ عاجز و حقیر ہے، اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی و انکساری ہی اختیار کیے رکھے اس سے تجاوز کر کے بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہے جو تمام اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔'' (جامع الترمذي، حديث: 1998، ومسند أحمد: 412/1) جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو کھینچتے (گھسیٹتے) ہوئے چلے گا، اللہ اس کی طرف (قیامت والے دن) نہیں دیکھے گا۔ (مسند أحمد: 386/2 اور دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 5788) تاہم تکبر کا اظہار کیے بغیر اللہ کے انعامات کا ذکر یا اچھا لباس اور خوراک وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ [3] یعنی چال اتنی سست نہ ہو جیسے کوئی بیمار ہو اور نہ اتنی تیز ہو کہ شرف و وقار کے خلاف ہو۔ اسی کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان 25:63) ''اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔'' [4] یعنی چیخ یا چلا کر بات نہ کر، اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3303، وصحيح مسلم، حديث: 2729) [5] تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو یہاں ''کام میں لگا دیا'' سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنا دیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ تسخیر کا دوسرا مطلب تابع بنا دینا ہے، چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنا دیا گیا ہے جنھیں انسان اپنی حسب منشا استعمال کرتا ہے، جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (فتح القدير) [6] ظاہری سے مراد وہ نعمتیں ہیں جن کا ادراک عقل و حواس وغیرہ سے ممکن ہو اور باطنی نعمتیں وہ جن کا ادراک و احساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔ [7] یعنی اس کے باوجود لوگ اللہ کی بابت جھگڑتے ہیں، کوئی اس کے وجود کے بارے میں، کوئی اس کے ساتھ شریک گرداننے میں اور کوئی اس کے احکام و شرائع کے بارے میں۔ [8] یعنی طرفگی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت اور نہ کسی صحیفۂ آسمانی سے کوئی ثبوت، گویا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ [9] یعنی

Marfat.com

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (22) وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ
لیا،[1] اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے (22) اور (اے نبی!) جس کسی نے کفر کیا تو اس کا کفر
كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
آپ کو غم میں نہ ڈالے،[2] (بالآخر) ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے، چنانچہ ہم انھیں بتائیں گے جو کچھ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (23) نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ
انھوں نے کیا ہوگا،[3] بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے (23)[4] ہم انھیں تھوڑا سا فائدہ دیتے ہیں، پھر
اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (24) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
ہم انھیں سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے[5] (24) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
کس نے پیدا کیا ہے۔ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے![6] آپ کہہ دیجیے: سب تعریف اللہ ہی کے لیے
لَا يَعْلَمُوْنَ (25) لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
ہے[7] لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے (25) اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے،[8]
هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ (26) وَلَوْ اَنَّمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ
بے شک اللہ ہی بے نیاز،[9] تعریف کیا ہوا ہے[10] (26) اور بلاشبہ اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن
اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ
جائیں اور سمندر کی روشنائی بن جائے اور اس کے بعد سات سمندر (اس میں مزید روشنائی شامل کریں)
مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (27) مَا
تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں،[11] بے شک اللہ نہایت غالب، بہت حکمت والا ہے (27) تمھیں پیدا کرنا
خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اور تمھیں (دوبارہ) اٹھانا (اللہ کے نزدیک) ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا،[12] بلاشبہ اللہ خوب سننے
سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (28) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ
والا، خوب دیکھنے والا ہے (28) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ رات کو دن میں داخل کرتا
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ
ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے،[13] اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے، ہر ایک

صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی کرے۔ [10] یعنی مامور بہ چیزوں کا اتباع اور منہیات کو ترک کرنے والا۔

[1] یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عہد لے لیا کہ وہ اس کو عذاب نہیں کرے گا۔ [2] اس لیے کہ ایمان کی سعادت ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ آپ کی کوششیں اپنی جگہ بجا اور آپ کی خواہش بھی قابل قدر لیکن اللہ کی تقدیر اور مشیت سب پر غالب ہے۔ [3] یعنی ان کے عملوں کی جزا دے گا۔ [4] پس اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ [5] یعنی دنیا میں آخر کب تک رہیں گے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے کہاں تک شادکام ہوں گے؟ یہ دنیا اور اس کی لذتیں تو چند روزہ ہیں، اس کے بعد ان کے لیے سخت عذاب ہی عذاب ہے۔ [6] یعنی ان کو اعتراف ہے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ وہ معبود جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ [7] اس لیے کہ ان کے اعتراف سے ان پر حجت قائم ہوگئی۔ [8] یعنی ان کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی اور مدبر ومتصرف کائنات بھی وہی۔ [9] بے نیاز ہے اپنے ماسوا سے، یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ [10] اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں میں، پس اس نے جو کچھ پیدا کیا اور جو احکام نازل فرمائے، اس پر آسمان وزمین میں لائقِ حمد وثنا صرف اسی کی ذات ہے۔ [11] اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی، جلالت شان، اس کے اسمائے حسنیٰ، صفات علیا اور اس کے وہ کلمات جو اس کی عظمتوں پر دلالت کناں ہیں، کا بیان ہے کہ وہ اتنے ہیں کہ کسی کے لیے ان کا احاطہ یا ان سے آگاہی یا ان کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور حیطہ تحریر میں لانا چاہے تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم گھس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنائی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق وصنعت کے عجائبات اور اس کی عظمت وجلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ سات سمندر بطور مبالغہ ہے، حصر مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ کی آیات وکلمات کا حصر واحصا ممکن ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اسی مفہوم کی آیت سورۂ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ [12] یعنی اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا یا قیامت والے دن زندہ کرنا، ایک نفس کے زندہ کرنے یا پیدا کرنے کی طرح ہے، اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ ﴿ کُنْ ﴾ سے پلک جھپکنے میں معرض وجود میں آ جاتا ہے۔ [13] یعنی رات کا کچھ حصہ لے کر دن میں شامل کر دیتا ہے جس سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے، جیسے گرمیوں میں ہوتا ہے اور پھر دن کا کچھ حصہ لے کر رات میں شامل کر دیتا ہے جس سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے، جیسے سردیوں میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿29﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

مقررہ وقت تک چلتا رہے گا،[1] اور بے شک جو تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿29﴾ یہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ

اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے، اور بے شک اس کے سوا جسے وہ پکارتے ہیں باطل ہے[2] اور

ع 3 11 12 اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿30﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي

بلاشبہ اللہ ہی بلند مرتبہ، بہت بڑا ہے ﴿30﴾ [3] کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک سمندر میں اللہ کے

الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

فضل سے کشتیاں چلتی ہیں، تاکہ وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے،[4] اس میں بلاشبہ ہر بڑے صابر

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿31﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ

شاکر[5] کے لیے نشانیاں ہیں ﴿31﴾ اور جب (سمندر میں) سائبانوں کے مانند کوئی موج انھیں ڈھانپ لیتی

كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ

ہے تو وہ اطاعت وفرماں برداری کو اسی (اللہ) کے لیے خاص کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں،[6] پھر جب

اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ

وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو ان میں سے چند میانہ رو (ہی عہد پر قائم رہتے) ہیں،[7] اور ہر عہد

[1] ''مقررہ وقت تک'' سے مراد قیامت تک ہے، یعنی سورج اور چاند کے طلوع وغروب کا یہ نظام جس کا اللہ نے ان کو پابند کیا ہوا ہے، قیامت تک یوں ہی قائم رہے گا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ''ایک متعینہ منزل تک'' یعنی اللہ نے ان کی گردش کے لیے ایک منزل اور ایک دائرہ متعین کیا ہوا ہے جہاں ان کا سفر ختم ہوتا ہے اور دوسرے روز پھر وہاں سے شروع ہو کر پہلی منزل پر آ کر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جانتے ہو، یہ سورج کہاں جاتا (غروب ہوتا) ہے؟'' ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اس کی آخری منزل عرش الٰہی ہے، یہ وہاں جاتا ہے اور زیر عرش سجدہ ریز ہوتا ہے، پھر (وہاں سے نکلنے کی اپنے رب سے اجازت مانگتا ہے) ایک وقت آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا: «اِرْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ» ''تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔'' تو وہ مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔'' جیسا کہ قرب قیامت کی علامات میں آتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3199، وصحيح مسلم، حديث: 159) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''سورج رہٹ کی طرح ہے، دن کو آسمان پر اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے، جب غروب ہو جاتا ہے تو رات کو زمین کے نیچے اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔ (ابن كثير) [2] یعنی یہ انتظامات یا نشانیاں، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف ایک اللہ ہے، جس کے حکم اور مشیت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے، یعنی کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں کیونکہ سب اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک ذرے کو بھی ہلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ [3] اس سے برتر شان والا کوئی ہے نہ اس سے بڑا کوئی۔ اس کی عظمت شان، علو مرتبت اور بڑائی کے سامنے ہر چیز حقیر اور پست ہے۔ [4] یعنی سمندر میں کشتیوں کا چلنا، یہ بھی اس کے لطف وکرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت تسخیر کا ایک نمونہ ہے۔ اس نے ہوا اور پانی دونوں کو ایسے مناسب انداز سے رکھا کہ سمندر کی سطح پر کشتیاں چل سکیں، ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے۔ [5] تکلیفوں میں صبر کرنے والے، راحت اور خوشی میں اللہ کا شکر کرنے والے۔ [6] یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ انھیں اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی الٰہ کو پکارتے ہیں جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔ [7] بعض نے مُّقْتَصِدٌ کے معنی بیان کیے ہیں: عہد کو پورا کرنے والا، یعنی بعض ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج گرداب میں انھوں نے کیا تھا۔ ان کے نزدیک کلام میں حذف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگا۔ «فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ» كَافِرٌ ''پس بعض ان میں سے مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں۔'' (فتح القدير) دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں: اعتدال پر رہنے والا اور یہ باب انکار سے ہوگا، یعنی اتنے ہولناک حالات اور وہاں رب کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے وہاں سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت واطاعت نہیں کرتا۔ اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے جبکہ وہ حالات جن سے گزر کر آیا ہے، مکمل بندگی کا تقاضا کرتے ہیں نہ کہ اعتدال کا۔ (ابن كثير) مگر پہلا مفہوم سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

Marfat.com

خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

توڑنے والا ناشکرا ہی ہماری آیات کا انکار کرتا ہے ﴿32﴾ [1] اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اور ڈرو اس دن

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ

سے جب کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آئے گا، اور نہ اولاد اپنے باپ کے کچھ کام آئے گی، [2]

وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہٰذا دنیاوی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے، اور کوئی دھوکے

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٣٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

باز تمھیں اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈالے ﴿33﴾ بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے،

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو (ماؤں کے) پیٹوں میں ہے، اور کوئی شخص نہیں

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ

جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، [3] بے شک

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿٣٤﴾

اللہ خوب جاننے والا، خوب باخبر ہے ﴿34﴾

آیاتها:30 | سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها:3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾

الٓمّٓ ﴿1﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ (اس) کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے ﴿2﴾ [4] کیا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے خود گھڑ لیا ہے، [5] (نہیں) بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے

قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

حق ہے، تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، [6]

[1] خَتَّارٍ غدار کے معنی میں ہے۔ بدعہدی کرنے والا۔ كَفُوْرٍ ناشکری کرنے والا۔ [2] جَازٍ اسم فاعل ہے جَزٰی یَجْزِیْ سے، بدلہ دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی جان کا بدلہ یا بیٹا باپ کے لیے اپنی جان بطور معاوضہ پیش کر دے تو وہاں یہ ممکن نہیں ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہو گی۔ جب باپ بیٹا ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے تو دیگر رشتے داروں کی کیا حیثیت ہوگی؟ اور وہ کیونکر ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے؟ [3] حدیث میں بھی آتا ہے کہ پانچ چیزیں مَفَاتِیحُ الْغَیْب ہیں، جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4777)۔
① قرب قیامت کی علامات تو نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، کسی فرشتے کو، نہ کسی نبی مرسل کو۔ ② بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ بات ہر شخص کے تجربہ و مشاہدے کا حصہ ہے کہ یہ تخمینے کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط حتی کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ بارش کا بھی یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ③ رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ (جو یقینی قطعاً نہیں ہوتا اور اسی بنا پر اسے علم نہیں کہہ سکتے کیونکہ علم کسی شے کو یقینی طور پر جاننے کا نام ہے) یہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی۔ لیکن ماں کے پیٹ، میں نشو و نما پانے والا یہ بچہ نیک بخت ہے یا بد بخت، ناقص ہوگا یا کامل، خوب رو ہوگا کہ بد شکل، کالا ہوگا یا گورا، وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ ④ انسان کل کیا کرے گا؟ وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا۔ کسی کو آنے والے کل کے بارے میں علم نہیں ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں۔ اور اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ ⑤ موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی آرزوؤں اور خواہشات کی تکمیل کے بعد آئے گی یا اس سے پہلے؟ کسی کو معلوم نہیں۔ ❁ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 891، وصحيح مسلم، حديث: 879) اسی طرح یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھا کرتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2892، ومسند أحمد: 340/3) [4] مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف سے صحیفۂ ہدایت ہے۔ [5] یہ بطور توبیخ کے ہے کہ کیا رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اسے خود (محمد ﷺ نے) گھڑ لیا ہے؟ [6] یہ نزول قرآن کی علت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت گزر چکی ہے) کہ عربوں کی طرف نبی ﷺ پہلے نبی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی

Marfat.com

يَهْتَدُوْنَ ۝3 اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

شاید کہ وہ ہدایت پائیں ③ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا،[1] اس کے سوا نہ تمھارا کوئی دوست ہے اور نہ

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝4 يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ

کوئی سفارشی،[2] کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ ④ وہی[3] آسمان سے زمین تک (سارے) معاملے

السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ

کی تدبیر کرتا ہے،[4] پھر ایک دن میں، جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے،[5]

اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝5 ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

وہ (معاملہ) اسی کی طرف چڑھتا ہے ⑤ وہ (مدبر ہی) چھپے اور ظاہر کا جاننے والا، نہایت

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝6 الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ

غالب، خوب رحم کرنے والا ہے ⑥ جس نے ہر چیز کو اچھے طریقے سے پیدا کیا،[6] اور اس نے

خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝7 ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ

تخلیق انسان کی ابتدا مٹی سے کی ⑦ [7] پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے جوہر (نطفے)

مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۝8 ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

سے چلائی ⑧ [8] پھر اس (کے اعضاء) کو درست کیا اور اس میں اپنی روح

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا

پھونکی،[9] اور اس نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے،[10] تم کم ہی شکر کرتے

عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش ہوں گے جن کی طرف کوئی نبی آپ ﷺ سے پہلے نہیں آیا۔

[1] اس کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 54:7 کا حاشیہ۔ یہاں اس مضمون کو دہرانے سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور عجائب صنعت کے ذکر سے شاید وہ قرآن کو سنیں اور اس پر غور کریں۔ [2] یعنی وہاں کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو تمھاری مدد کر سکے اور تم سے اللہ کے عذاب کو ٹال دے، نہ وہاں کوئی سفارشی ہی ایسا ہو گا جو تمھاری سفارش کر سکے۔ [3] یعنی اے غیر اللہ کے پجاریو اور دوسروں پر بھروسہ رکھنے والو! کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ [4] آسمان سے، جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل فرماتا، یعنی تدبیر کرتا اور زمین پر ان کا نفاذ ہوتا ہے، جیسے موت اور زندگی، صحت اور مرض، عطا اور منع، غنا اور فقر، جنگ اور صلح، عزت اور ذلت وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔ [5] یعنی پھر اس کی یہ تدبیر یا امر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے ایک ہی دن میں، جسے فرشتے لے کر جاتے ہیں۔ اور صعود (چڑھنے) کا یا آنے جانے کا فاصلہ اتنا ہے کہ غیر فرشتہ ہزار سال میں طے کرے۔ یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس دن انسانوں کے سارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اس ''یوم'' کی تعیین وتفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے 16,15 اقوال اس ضمن میں ذکر کیے ہیں، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں توقف کو پسند فرمایا اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ صاحب ایسر التفاسیر کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ تین مقامات پر آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ دن مراد ہے۔ سورۂ حج 47:22 میں ''یوم'' کا لفظ عبارت ہے اس زمانہ اور مدت سے جو اللہ کے ہاں ہے اور سورۂ معارج 4:70 میں، جہاں یوم کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے، یوم حساب مراد ہے اور اس مقام (زیر بحث) میں یوم سے مراد دنیا کا آخری دن ہے، جب دنیا کے تمام معاملات فنا ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ [6] یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ چونکہ اس کی حکمت و مصلحت کا اقتضا ہے، اس لیے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے۔ یوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز حسین ہے اور بعض نے أَحْسَنَ کے معنی أَتْقَنَ وَأَحْكَمَ کے کیے ہیں، یعنی ہر چیز مضبوط اور پختہ بنائی۔ بعض نے اسے۔ أَلْهَمَ کے مفہوم میں لیا ہے، یعنی ہر مخلوق کو ان چیزوں کا الہام کر دیا جس کی وہ محتاج ہے۔ [7] یعنی انسان اول آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جن سے انسانوں کا آغاز ہوا۔ اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ [8] یعنی منی کے قطرے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسانی جوڑا بنانے کے بعد اس کی نسل کے لیے ہم نے یہ طریقہ مقرر کر دیا کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کریں، ان کے جنسی ملاپ سے جو قطرۂ آب عورت کے رحم میں جائے گا، اس سے ہم ایک انسانی پیکر تراش کر باہر بھیجتے رہیں گے۔ (جس کو ہم اولاد سے نوازنا چاہیں گے) [9] یعنی اس بچے کی ماں کے پیٹ میں نشوونما کرتے، اس کے اعضاء بناتے، سنوارتے ہیں اور پھر اس میں روح پھونکتے ہیں۔ [10] یعنی یہ ساری چیزیں پیدا کیں تاکہ وہ اپنی تخلیق کی تکمیل

Marfat.com

تَشْكُرُوْنَ ⑨ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ
ہو⑨ [1] اور ان لوگوں (کافروں) نے کہا: کیا جب ہم زمین میں گم ہوجائیں گے [2] تو کیا ضرور ہم نئی پیدائش
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ
میں (ظاہر) ہوں گے؟ (نہیں!) بلکہ وہ تو اپنے رب کی ملاقات ہی کے منکر ہیں⑩ کہہ دیجیے: تمھیں
يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
موت کا فرشتہ فوت کرتا ہے، جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، [3] پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے
تُرْجَعُوْنَ ⑪ۧ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ
جاؤ گے⑪ کاش! آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکائے (پیش) ہوں گے، [4] (وہ کہیں
رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا
گے:) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، لہٰذا [5] ہمیں واپس بھیج کہ ہم نیک عمل کریں،
مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں⑫ [6] اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے، [7] لیکن
الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬
میری طرف سے بات ثابت ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے ضرور بھروں گا⑬ [8] چنانچہ
فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ؕ
تم (عذاب) چکھو اس لیے کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات بھلائے رکھی، بے شک (آج) ہم نے
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭ اِنَّمَا
بھی تمھیں بھلادیا، [9] اور جو (برے) عمل تم کرتے تھے، ان کی وجہ سے تم ہمیشہ کا عذاب چکھو⑭ ہماری
يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا
آیتوں پر تو صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں [10] کہ جب انھیں ان کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے
وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ⑮ ۩ تَتَجَافٰى
میں گر پڑتے ہیں، [11] اور وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے ہیں، [12] اور وہ تکبر نہیں کرتے⑮ [13] ان
جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا
کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں [14] (اور) وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں، [15]

کردے، پس تم ہر سننے والی بات کو سن سکو، دیکھنے والی چیز کو دیکھ سکو اور ہر عقل و فہم میں آنے والی بات کو سمجھ سکو۔ [1] یعنی اتنے احسانات کے باوجود انسان اتنا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بہت ہی کم ادا کرتا ہے یا شکر کرنے والے آدمی بہت تھوڑے ہیں۔ [2] جب کسی چیز پر کوئی دوسری چیز غالب آجائے اور پہلی کے تمام اثرات مٹ جائیں تو اس کو ضلالت (گم ہو جانے) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ کے معنی ہوں گے کہ جب مٹی میں مل کر ہمارا وجود زمین میں غائب ہو جائے گا۔ [3] یعنی اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمھاری موت کا وقت آجائے تو وہ آکر روح قبض کرلے۔ [4] یعنی اپنے کفر و شرک اور معصیت کی وجہ سے مارے ندامت کے۔ [5] یعنی جس کی تکذیب کرتے تھے، اسے دیکھ لیا، جس کا انکار کرتے تھے، اسے سن لیا۔ یا تیری وعیدوں کی سچائی کو دیکھ لیا اور پیغمبروں کی تصدیق کو سن لیا لیکن اس وقت کا دیکھنا، سننا ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ [6] لیکن اب یقین کیا تو کس کام کا؟ اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا جسے بھگتنا ہوگا۔ [7] یعنی دنیا میں لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی جس میں امتحان کی گنجائش نہ ہوتی۔ [8] یعنی انسانوں کی دو قسموں میں سے جو جہنم میں جانے والے ہیں، ان سے جہنم کو بھرنے والی میری بات سچ ثابت ہو گئی۔ [9] یعنی جس طرح تم ہمیں دنیا میں بھلائے رہے، آج ہم بھی تم سے ایسا ہی معاملہ کریں گے ورنہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تو بھولنے والا نہیں ہے۔ [10] یعنی تصدیق کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ [11] یعنی اللہ کی آیات کی تعظیم اور اس کی سطوت و عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ [12] یعنی رب کو ان چیزوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کے ساتھ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں جن میں سب سے بڑی اور کامل نعمت ایمان کی ہدایت ہے، یعنی وہ اپنے سجدوں میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ یا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ وغیرہ کلمات پڑھتے ہیں۔ [13] یعنی اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں اور کافروں کی طرح تکبر نہیں کرتے، اس لیے کہ اللہ کی عبادت سے تکبر کرنا جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ (المؤمن 60:40) ”یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔“ اس لیے اہل ایمان کا معاملہ ان کے برعکس ہوتا ہے، وہ اللہ کے سامنے ہر وقت عاجزی، ذلت و مسکینی اور خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ [14] یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھتے، توبہ و استغفار، تسبیح و تحمید اور دعا و الحاح و زاری کرتے ہیں۔ [15] یعنی اس کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غضب اور مؤاخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید

Marfat.com

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿16﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ

اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں[1] ⑯ کوئی شخص نہیں جانتا کہ (ان

لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿17﴾ اَفَمَنْ

کے اعمال کے بدلے میں[2]) ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں[3] ⑰

كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿18﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ

کیا پھر مومن ایسے ہوسکتا ہے جیسے فاسق، وہ (کبھی) برابر نہیں ہوسکتے ⑱[4] لیکن جو لوگ ایمان

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًۢا بِمَا

لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے رہنے کے باغات ہیں، ان اعمال کے بدلے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿19﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ

میں مہمانی ہے جو وہ کیا کرتے تھے ⑲ اور لیکن جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا آگ

اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا

ہے، جب بھی وہ ارادہ کریں گے کہ وہ اس سے نکلیں تو انھیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا،[5] اور ان

عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿20﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ

سے کہا جائے گا کہ[6] اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے ⑳ اور ہم (آخرت کے) بڑے

مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

عذاب سے پہلے انھیں (دنیا کا) چھوٹا عذاب[7] ضرور چکھائیں گے شاید وہ (ہماری طرف) رجوع

يَرْجِعُوْنَ ﴿21﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

کریں ㉑[8] اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی

ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿22﴾ ع

گئی، پھر اس نے ان سے اعراض کیا،[9] یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ㉒

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، لہٰذا (اے نبی!) آپ اس کی ملاقات کے متعلق

مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ ۖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿23﴾

شک میں نہ رہیں،[10] اور ہم نے اسے[11] بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا ㉓

ع 2 11 15

ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پروا ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بدعمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر وضلالت ہے۔

[1] انفاق میں صدقات واجبہ (زکاۃ) اور عام صدقہ و خیرات دونوں شامل ہیں۔ اہل ایمان دونوں کا حسب استطاعت اہتمام کرتے ہیں۔ [2] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اعمال صالحہ کا اہتمام ضروری ہے۔ [3] نَفْسٌ وہ نکرہ ہے جو سیاقِ نفی میں واقع ہو کر عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان نعمتوں کو جو اس نے مذکورہ اہل ایمان کے لیے چھپا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں، کسی کان نے نہیں سنیں، نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4779) [4] یہ استفہام انکاری ہے، یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق وتفاوت ہوگا۔ مومن اللہ کے مہمان ہوں گے اور اعزاز واکرام کے مستحق اور فاسق و کافر تعزیر وعقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے۔ اس مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ ص 28:38، سورۂ جاثیہ 21:45، سورۂ حشر 20:59 وغیرھا) [5] یعنی جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہیں گے تو فرشتے انھیں پھر جہنم کی گہرائیوں میں دھکیل دیں گے۔ [6] یہ فرشتے کہیں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی، بہر حال اس میں ان مکذبین کی ذلت و رسوائی کا جو سامان ہے، وہ مخفی نہیں۔ [7] عذاب ادنیٰ (چھوٹے سے قریب کے بعض عذاب) سے دنیا کا عذاب یا دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں وغیرہ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ قتل ہے جس سے جنگ بدر میں کافر دوچار ہوئے یا وہ قحط سالی ہے جو اہل مکہ پر مسلط کی گئی تھی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: تمام صورتیں ہی اس میں شامل ہوسکتی ہیں۔ [8] یہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجنے کی علت ہے کہ شاید وہ کفر وشرک اور معصیت سے باز آ جائیں۔ [9] یعنی اللہ کی آیتیں سن کر جو ایمان واطاعت کی موجب ہیں، جو شخص اس کی جگہ اعراض کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے، یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ [10] کہا جاتا ہے کہ یہ اشارہ ہے اس ملاقات کی طرف جو معراج کی رات نبی ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ [11] ''اسے'' سے مراد کتاب (تورات) ہے یا خود

Marfat.com

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
اور جب انھوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں کچھ ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی
وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿24﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ
کرتے تھے اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے ﴿24﴾ [1] بلاشبہ آپ کا رب ہی روز قیامت
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿25﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ
ان کے مابین اس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿25﴾ [2] کیا ان پر واضح
لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ
نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتیں ہلاک کردیں جن کے گھروں میں (اب)
مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿26﴾
وہ چلتے پھرتے ہیں۔ [3] بے شک اس میں عظیم نشانیاں ہیں، کیا پھر وہ سنتے نہیں ﴿26﴾ کیا انھوں
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ
نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہالے جاتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے
زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿27﴾
کھیتی نکالتے ہیں، اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، [4] کیا پھر وہ غور نہیں کرتے ﴿27﴾
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿28﴾
اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) یہ فیصلہ کب ہوگا؟ ﴿28﴾ [5] کہہ دیجیے:
قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ
فیصلے کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انھیں مہلت ہی دی
يُنْظَرُوْنَ ﴿29﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿30﴾
جائے گی ﴿29﴾ [6] چنانچہ آپ ان سے اعراض کریں، [7] اور انتظار کریں، [8] بے شک وہ بھی انتظار کررہے ہیں ﴿30﴾ [9]

[1] اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے۔ صبر کا مطلب ہے: اللہ کے اوامر کے بجا لانے اور ترک زواجر میں اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، انھیں خندہ پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا: ان کے صبر کرنے اور آیات الٰہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔ لیکن جب انھوں نے اس کے برعکس تبدیل و تحریف کا ارتکاب شروع کردیا تو ان سے یہ مقام سلب کرلیا گیا، چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہوگئے، پھر ان کا عمل صالح رہا اور نہ اعتقاد صحیح۔ [2] اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو اہل کتاب میں باہم برپا تھا، ضمناً وہ اختلافات بھی آجاتے ہیں جو اہل ایمان اور اہل کفر، اہل حق اور اہل باطل اور اہل توحید و اہل شرک کے درمیان دنیا میں رہے اور ہیں چونکہ دنیا میں تو ہر گروہ اپنے دلائل پر مطمئن اور اپنی ڈگر پر قائم رہتا ہے، اس لیے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل حق کو جنت میں اور اہل کفر و باطل کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ [3] یعنی پچھلی امتیں جو تکذیب اور عدم ایمان کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ آج ان کا وجود دنیا میں نہیں ہے، البتہ ان کے مکانات ہیں جن کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں۔ مطلب اس سے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمھارا حشر بھی یہی ہوسکتا ہے اگر ایمان نہ لائے۔ [4] پانی سے مراد آسمانی بارش، چشموں، نالوں اور وادیوں کا پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ ارض جرز (بنجر اور بے آباد علاقوں) کی طرف بہا کرلے جاتا ہے اور جو بھوسی یا چارا ہوتا ہے، وہ جانور کھا لیتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی خاص زمین یا علاقہ نہیں ہے بلکہ عام ہے جو ہر بے آباد، بنجر اور چٹیل زمین کو شامل ہے۔ [5] اس فیصلے (فتح) سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو کفار مکہ نبی ﷺ سے طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے محمد! تیرے اللہ کی مدد تیرے لیے کب آئے گی؟ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ فی الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تجھ پر ایمان لانے والے چھپے پھرتے ہیں۔ [6] اس یوم الفتح سے مراد آخرت کے فیصلے کا دن ہے، جہاں ایمان مقبول ہوگا اور نہ مہلت دی جائے گی۔ فتح مکہ کا دن مراد نہیں ہے کیونکہ اس دن تو طُلَقَاء کا اسلام قبول کرلیا گیا تھا جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ (ابن کثیر) طُلَقاء سے مراد، وہ اہل مکہ ہیں جن کو نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن سزا و تعزیر کی بجائے معاف فرما دیا تھا اور یہ کہہ کر آزاد کردیا تھا کہ آج تم سے تمھاری پچھلی ظالمانہ کارروائیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، چنانچہ ان کی اکثریت مسلمان ہوگئی تھی۔ [7] یعنی ان مشرکین سے اعراض کریں اور تبلیغ و دعوت کا کام اپنے انداز سے جاری رکھیں، جو وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی کریں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الأنعام 6:106) ''آپ خود اس طریقے پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے۔'' [8] یعنی اللہ کے وعدے کا کہ کب وہ پورا ہوتا ہے اور تیرے

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیے،[1] اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے، بے شک اللہ سب کچھ
كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ① وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ
جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ①[2] اور اس کی اتباع کیجیے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
جاتی ہے،[3] بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ②[4] اور آپ اللہ پر توکل کیجیے،[5] اور اللہ
وَكِيْلًا ③ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ
بطور کارساز کافی ہے ③[6] اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔[7] اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں
اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاۗءَكُمْ
کہہ بیٹھتے ہو، انھیں اس (اللہ) نے تمھاری مائیں نہیں بنایا،[8] اور نہ اس نے تمھارے لے پالکوں (منہ
اَبْنَاۗءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ
بولے بیٹوں) کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے،[9] یہ تو تمھارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں،[10] اور اللہ حق
وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
(بات) کہتا ہے،[11] اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے ④ ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ
نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے،[12] پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو

مخالفوں پر تجھے غلبہ عطا فرماتا ہے؟ وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ [9] یعنی یہ کافر منتظر ہیں کہ شاید یہ پیغمبر ہی گردشوں کا شکار ہو جائے اور اس کی دعوت ختم ہو جائے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ پر گردشوں کے منتظر مخالفوں کو ذلیل و خوار کیا یا ان کو آپ کا غلام بنا دیا۔

[1] آیت میں تقویٰ پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ طلق بن حبیب کہتے ہیں: تقویٰ کا مطلب ہے کہ تو اللہ کی اطاعت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی معصیت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق ترک کر دے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ (ابن كثير) [2] پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس لیے کہ عواقب کو وہی جانتا ہے اور اپنے اقوال وافعال میں وہ حکیم ہے۔ [3] یعنی قرآن کی اور احادیث کی بھی، اس لیے کہ احادیث کے الفاظ گو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں لیکن ان کے معانی و مفاہیم من جانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لیے ان کو وحی خفی یا وحیٔ غیر متلو کہا جاتا ہے۔ [4] پس اس سے تمھاری کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔ [5] اپنے تمام معاملات اور احوال میں۔ [6] ان لوگوں کے لیے جو اس پر بھروسہ رکھتے اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ [7] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منافق یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ایک دل مسلمانوں کے ساتھ ہے اور دوسرا دل کفر اور کافروں کے ساتھ ہے۔ (مسند أحمد:268,267/1) یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی اطاعت جمع ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جمیل بن معمر فہری تھا جو بڑا ہشیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میرے تو دو دل ہیں جن سے میں سوچتا سمجھتا ہوں۔ جبکہ محمد (ﷺ) کا ایک ہی دل ہے۔ یہ آیت اس کے رد میں نازل ہوئی۔ (أيسر التفاسير) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کیے جا رہے ہیں، یہ ان کی تمہید ہے، یعنی جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے، یعنی یہ کہہ دے کہ تو میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جائے گی۔ یوں اس کی دو مائیں نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا (لے پالک) بنا لے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جائے گا بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ (ابن كثير) [8] یہ مسئلہ ظہار کہلاتا ہے، اس کی تفصیل سورۂ مجادلہ میں آئے گی۔ [9] اس کی تفصیل اسی سورت میں آگے چل کر آئے گی۔ أَدْعِيَآءَ، دَعِيٌّ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا۔ [10] یعنی کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جائے گی، نہ بیٹا کہنے سے وہ بیٹا بن جائے گا، یعنی ان پر اُمومت (ماں ہونے) اور بُنوت (بیٹا ہونے) کے شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔ [11] اس لیے اس کا اتباع کرو اور ظہار والی عورت کو ماں اور لے پالک کو بیٹا مت کہو، خیال رہے کہ کسی کو پیار اور محبت میں بیٹا کہنا اور بات ہے اور لے پالک کو حقیقی بیٹا تصور کر کے بیٹا کہنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے، یہاں مقصود دوسری بات کی ممانعت ہے۔ [12] اس حکم سے اس رواج کی ممانعت کر دی گئی جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا اور ابتدائے اسلام

Marfat.com

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ
وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں،[1] اور اس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی
اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
گناہ نہیں[2] اور لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کرلیں[3] (تو وہ گناہ ہے)، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
کرنے والا ہے⑤ نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں،[4] اور نبی
وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى
کی بیویاں ان کی مائیں ہیں،[5] اور رشتے دار اللہ کی کتاب کی رو سے (دوسرے)
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ
مومنین اور مہاجرین کی نسبت آپس میں (ترکے کے) زیادہ حقدار ہیں،[6] مگر تم اپنے دوستوں
اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥
سے کوئی بھلائی کرنا چاہو[7] (تو کرسکتے ہو)، یہ کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے[8] ⑥ اور (اے نبی!
وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ
یاد کریں) جب ہم نے تمام نبیوں سے ان کا عہد لیا، اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم
وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ⑦
اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی، اور ان سے ہم نے پختہ عہد لیا⑦ [9] تاکہ اللہ سچوں سے ان

بھی رائج تھا کہ لے پالک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو (جنھیں رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا) زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے حتی کہ قرآن کریم کی آیت: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ ......الآية نازل ہوگئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4782) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی ایک مسئلہ پیدا ہوگیا جنھوں نے سالم کو بیٹا بنایا ہوا تھا جب منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے سے روک دیا گیا تو اس سے پردہ کرنا ضروری ہو گیا۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو کہا: ''اسے دودھ پلا کر اپنا رضاعی بیٹا بنالو کیونکہ اس طرح تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔'' چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (صحيح مسلم، حديث: 1453، وسنن أبي داود، حديث: 2061)

[1] یعنی جن کے حقیقی باپوں کا علم ہے۔ اب دوسری نسبتیں ختم کر کے انھی کی طرف انھیں منسوب کرو، البتہ جن کے باپوں کا علم نہ ہو سکے تو تم انھیں اپنا بھائی اور دوست سمجھو، بیٹا مت سمجھو۔ [2] اس لیے کہ خطا و نسیان معاف ہے جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت ہے۔ [3] یعنی جو جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا، وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے: ''جس نے جانتے بوجھتے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3508) [4] نبی ﷺ اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے محتاج وضاحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس شفقت اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے اس آیت میں آپ کو مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی محبت کو دیگر تمام محبتوں سے فائق تر اور آپ کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے، اس لیے مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ ان کے جن مالوں کا مطالبہ اللہ کے لیے کریں، وہ آپ پر نچھاور کر دیں، چاہے انھیں خود کتنی ہی ضرورت ہو، آپ ﷺ سے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ محبت کریں۔ (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے) آپ ﷺ کے حکم کو سب پر مقدم اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔ جب تک یہ خود سپردگی نہیں ہوگی۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ...... الآية (النسآء 4:65) کے مطابق آدمی مومن نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک آپ کی محبت، تمام محبتوں پر غالب نہیں ہوگی «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ ...... وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ» (صحيح البخاري، حديث: 15) ''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں جب تک میں اُس کے (ماں) باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔'' کی رو سے مومن نہیں، ٹھیک اسی طرح اطاعت رسول میں کوتاہی بھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد 47:33) کا مصداق بنا دے گی۔ [5] یعنی احترام و تکریم میں اور ان سے نکاح نہ کرنے میں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مائیں بھی ہیں۔ [6] یعنی اب مہاجرت، اخوت اور موالات کی وجہ سے وراثت نہیں ہوگی۔ اب وراثت صرف قریبی رشتے کی بنیاد پر ہی ہوگی۔ [7] ہاں، تم غیر رشتے داروں کے لیے احسان اور برّ و صلہ کا معاملہ کر سکتے ہو، نیز ان کے لیے ایک تہائی مال میں سے وصیت بھی کر سکتے ہو۔ [8] یعنی لوح محفوظ میں اصل حکم یہی ہے، گو عارضی طور پر مصلحتاً دوسروں کو بھی وارث قرار دے دیا گیا تھا لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ یہ منسوخ کر دیا جائے گا، چنانچہ اسے منسوخ کر کے پہلا حکم بحال کر دیا گیا ہے۔ [9] اس عہد سے کیا مراد ہے۔ بعض

Marfat.com

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿8﴾ ع 1/8/17

کی سچائی کے متعلق پوچھے،[1] اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ⑧ اے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ

ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے

جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں،[2] اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿9﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ

خوب دیکھ رہا ہے ⑨ جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے (کی طرف) سے

کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جو ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کا انبیاء سے لیا گیا تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران 3:81 میں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر سورۂ شوریٰ 42:13 میں ہے کہ دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ مت ڈالنا۔ یہ عہد اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا لیکن یہاں بطور خاص پانچ انبیاء کا نام لیا گیا ہے جن سے ان کی اہمیت و عظمت واضح ہے اور ان میں بھی نبی ﷺ کا ذکر سب سے پہلے ہے، درآں حالیکہ نبوت کے لحاظ سے آپ سب سے متأخر ہیں، اس سے آپ کی عظمت اور شرف کا جس طرح اظہار ہو رہا ہے محتاج وضاحت نہیں۔

[1] یہ لَامِ کَيْ ہے، یعنی یہ عہد اس لیے لیا تا کہ اللہ سچے نبیوں سے پوچھے کہ انھوں نے اللہ کا پیغام اپنی قوموں تک ٹھیک طریقے سے پہنچا دیا تھا؟ یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء سے پوچھے کہ تمھاری قوموں نے تمھاری دعوت کا جواب کس طرح دیا؟ مثبت انداز میں یا منفی طریقے سے؟ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ہے کہ ''ہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔'' (الأعراف 7:6) اس میں داعیان حق کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ دعوت حق کا فریضہ پوری تن دہی اور اخلاص سے ادا کریں تا کہ بارگاہ الٰہی میں سرخ رو ہو سکیں اور ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جن کو حق کی دعوت پہنچائی جائے کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے تو عنداللہ مجرم اور مستوجب سزا ہوں گے۔ [2] ان آیات میں غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو 5 ہجری میں پیش آیا۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اسلام دشمن گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کے مرکز ''مدینہ'' پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ﴿ اَلْاَحْزَابَ ﴾ حِزْبٌ (گروہ) کی جمع ہے۔ اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تا کہ دشمن مدینے کے اندر نہ آ سکیں۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے قبیلے بنونضیر، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس کی مسلسل بدعہدی کی وجہ سے مدینے سے جلاوطن کر دیا تھا، یہ قبیلہ خیبر میں جا آباد ہوا، اس نے کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا، اسی طرح غطفان وغیرہ قبائل نجد کو بھی امداد کا یقین دلا کر آمادۂ قتال کیا اور یوں یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرکین مکہ کی قیادت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے احد کے آس پاس پڑاؤ ڈال کر تقریباً مدینے کا محاصرہ کر لیا، ان کی مجموعی تعداد 10 ہزار تھی جبکہ مسلمان تین ہزار تھے۔ علاوہ ازیں جنوبی رخ پر یہودیوں کا تیسرا قبیلہ بنوقریظہ آباد تھا جس سے ابھی تک مسلمانوں کا معاہدہ قائم اور وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اسے بھی بنونضیر کے یہودی سردار حُيَيْ بن اخطب نے ورغلا کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے حوالے سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ یوں مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ ان لشکروں کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی جس کی وجہ سے دشمن کا لشکر مدینے کے اندر نہیں آ سکا اور مدینے کے باہر قیام پذیر رہا، تاہم مسلمان اس محاصرے اور دشمن کی متحدہ یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔ کم و بیش ایک مہینے تک یہ محاصرہ قائم رہا اور مسلمان سخت خوف اور اضطراب کے عالم میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ان آیات میں ان ہی سراسیمہ حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ پہلے ﴿ جُنُوْدٌ ﴾ سے مراد کفار کی فوجیں ہیں جو جمع ہو کر آئی تھیں۔ تیز و تند ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو سخت طوفان اور آندھی کی شکل میں آئی جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا، جانور رسیاں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور سب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ وہی ہوا تھی جس کی بابت حدیث میں آتا ہے: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ» (صحيح البخاري، حديث: 3205، وصحيح مسلم، حديث: 900) ''میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد دبور (پچھمی) ہوا سے ہلاک کیے گئے۔'' ﴿ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے۔ انھوں نے دشمن کے دلوں پر ایسا خوف اور دہشت طاری کر دی کہ انھوں نے وہاں سے جلد بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

Marfat.com

مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ
چڑھ آئے،[1] اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں، اور کلیجے حلقوں کو پہنچ
وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿10﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا
گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے ﴿10﴾ [2] وہاں مومن آزمائے گئے اور
زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿11﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
شدت سے ہلا مارے گئے ﴿11﴾ [3] اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا،
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿12﴾
کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکے فریب کا ﴿12﴾ [4]
وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ
اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب![5] (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ)
فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ
کوئی قیام گاہ نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو،[6] اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے
اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ
تھے: بے شک ہمارے گھر کھلے پڑے (غیر محفوظ) ہیں،[7] حالانکہ وہ کھلے (غیر محفوظ) نہیں تھے، وہ تو صرف
اِلَّا فِرَارًا ﴿13﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا
(جنگ سے) فرار چاہتے تھے ﴿13﴾ [8] اور اگر اس (مدینہ) کے اطراف سے ان پر (کفار کے) لشکر داخل کیے
ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ
جاتے، پھر ان سے فتنہ وفساد (خانہ جنگی یا شرک) کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ (فوراً) اس میں کود
اِلَّا يَسِيْرًا ﴿14﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ
پڑتے، اور اس (شرکتِ فتنہ) میں بس تھوڑا ہی توقف کرتے ﴿14﴾ [9] اور بلاشبہ اس سے پہلے انھوں نے اللہ
لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿15﴾ قُلْ
سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے،[10] اور اللہ کے عہد کی پوچھ گچھ تو ہونی ہے ﴿15﴾ [11] آپ کہہ دیجیے:
لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا
اگر تم موت سے یا قتل ہونے سے بھاگو تو تمھارا بھاگنا تمھیں ہرگز نفع نہیں دے گا، اور تب تم بہت کم
لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿16﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
فائدہ اٹھاؤ گے ﴿16﴾ [12] کہہ دیجیے: کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمھارے ساتھ کسی سختی کا
اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
ارادہ کرے یا وہ تم پر رحمت کا ارادہ کرے؟[13] اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ

[1] اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے دشمن آ گئے یا اوپر سے مراد غطفان، ہوازن اور دیگر نجد کے مشرکین ہیں اور نیچے کی سمت سے قریش اور ان کے اعوان و انصار۔ [2] یہ مسلمانوں کی اس کیفیت کا اظہار ہے جس سے اس وقت وہ دوچار تھے۔ [3] یعنی مسلمانوں کو خوف، قتال، بھوک اور محاصرے میں مبتلا کر کے ان کو جانچا پرکھا گیا تاکہ منافق الگ ہو جائیں۔ [4] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ (معاذ اللہ) ایک فریب تھا۔ یہ تقریباً ستر منافقین تھے جن کی زبانوں پر وہ بات آ گئی جو دلوں میں تھی۔ [5] یثرب اس پورے علاقے کا نام تھا، مدینۃ النبی ﷺ اسی کا ایک حصہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یثرب اس لیے پڑا کہ کسی زمانے میں عمالقہ میں سے کسی نے یہاں پڑاؤ کیا تھا جس کا نام یثرب بن عمیل تھا۔ (فتح القدیر) [6] یعنی مسلمانوں کے لشکر میں رہنا تو سخت خطرناک ہے، اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ [7] یعنی بنو قریظہ کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے یوں اہل خانہ کی جان و مال اور آبرو خطرے میں ہے۔ [8] یعنی جو خطرہ وہ ظاہر کر رہے ہیں، نہیں ہے وہ اس بہانے سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ عَوْرَةٌ کے لغوی اور معروف معنی کے لیے دیکھیے، سورۂ نور 58:24 کا حاشیہ۔ [9] یعنی مدینے یا ان کے گھروں میں چاروں طرف سے دشمن داخل ہو جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ تم کفر و شرک کی طرف دوبارہ واپس آ جاؤ تو یہ ذرا توقف نہ کریں گے اور اس وقت گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر بھی نہیں کریں گے بلکہ فوراً مطالبۂ شرک کے سامنے جھک جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک ان کو مرغوب ہے اور اسی کی طرف یہ لپکتے ہیں۔ [10] بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منافقین جنگ بدر تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب مسلمان فاتح ہو کر اور مال غنیمت لے کر واپس آئے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا اظہار کیا بلکہ یہ عہد بھی کیا کہ آئندہ جب بھی کفار سے معرکہ پیش آیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ضرور لڑیں گے، یہاں ان کو وہی عہد یاد کرایا گیا ہے۔ [11] یعنی اسے پورا کرنے کا ان سے مطالبہ کیا جائے گا اور عدم وفا پر سزا کے وہ مستحق ہوں گے۔
[12] یعنی موت سے تو کسی صورت مفر نہیں ہے۔ اگر میدان جنگ سے بھاگ کر آ بھی جاؤ گے تو کیا فائدہ؟ کچھ عرصے بعد موت کا پیالہ تو پھر بھی پینا ہی

Marfat.com

دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿17﴾ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ
کوئی مددگار ﴿17﴾ بے شک اللہ انھیں جانتا ہے جو تم میں سے (جہاد میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور
وَالۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ۚ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿18﴾
انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہمارے پاس آجاؤ،[1] اور وہ جنگ میں کم ہی آتے ہیں ﴿18﴾[2] اس
اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ
حال میں کہ وہ تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں،[3] چنانچہ جب خوف (کا وقت) آئے تو آپ انھیں
اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ
دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، ان کی آنکھیں (اس طرح) گھومتی ہیں جیسے وہ شخص جس
فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً
پر موت کی غشی طاری ہو،[4] پھر جب خطرہ دور ہوجائے تو مال (غنیمت) کے انتہائی حریص[5] بن کر تیز
عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ
زبانوں کے ساتھ تمھارے بارے میں زبان درازی کرنے لگتے ہیں،[6] یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں،[7] لہٰذا
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿19﴾ يَحۡسَبُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ
اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیے،[8] اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان[9] ہے ﴿19﴾ وہ سمجھتے ہیں کہ (ابھی
لَمۡ يَذۡهَبُوۡا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِ الۡاَحۡزَابُ يَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ
تک) لشکر گئے نہیں،[10] اور اگر یہ لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کاش! وہ صحرانشین دیہاتیوں میں
بَادُوۡنَ فِى الۡاَعۡرَابِ يَسۡاَلُوۡنَ عَنۡ اَنۡۢبَآئِكُمۡ ؕ وَلَوۡ كَانُوۡا
جا بسے ہوتے اور (وہاں) تمھاری خبریں دریافت کیا کرتے،[11] اور اگر وہ تم میں موجود ہوتے تو وہ (دشمن
فِيۡكُمۡ مَّا قٰتَلُوۡۤا اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿20﴾ ع لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ ع 2 12 18
سے) لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے ﴿20﴾[12] یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ
اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ
ہے،[13] ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت

پڑے گا۔ [13] یعنی تمھیں ہلاک کرنا، بیمار کرنا یا مال و جائیداد میں نقصان پہنچانا یا قحط سالی میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو تمھیں اس سے بچا سکے؟ یا اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو وہ روک سکے؟

[1] یہ کہنے والے منافقین تھے جو اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے روکتے تھے۔ [2] کیونکہ وہ موت کے خوف سے پیچھے ہی رہتے تھے۔ [3] یعنی تمھارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمھارے ساتھ مل کر لڑنے میں بخیل ہیں۔ [4] یہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے۔ [5] یا دوسرا مفہوم ہے کہ خیر کا جذبہ بھی ان کے اندر نہیں ہے، یعنی مذکورہ خرابیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی وہ محروم ہیں۔ [6] یعنی اپنی شجاعت و مردانگی کی بابت ڈینگیں مارتے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں یا غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی و طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں۔ [7] یعنی دل سے بلکہ یہ منافق ہیں کیونکہ ان کے دل کفر و عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔ [8] اس لیے کہ وہ مشرک اور کافر ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں جن پر کوئی اجر و ثواب نہیں۔ یا فَاَحۡبَطَ ، أَظْهَرَ بُطْلَانَ عَمَلِهِمْ کے معنی میں ہے، یعنی ان کے عملوں کے بطلان کو ظاہر کردیا، اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں ہی نہیں کہ وہ ثواب کے مقتضی ہوں اور اللہ ان کو باطل کردے۔ (فتح القدیر) [9] ان کے اعمال کا برباد کردینا یا ان کا نفاق اللہ پر آسان ہے، یعنی ان کا نفاق اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ [10] یعنی ان منافقین کی بزدلی، دوں ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں۔ لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں۔ [11] یعنی بالفرض اگر وہ گروہ کفار دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آ جائیں تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ شہر کے اندر رہنے کی بجائے باہر صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں لوگوں سے تمھاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں۔ یا لشکر کفار کامیاب رہا یا ناکام۔ [12] محض عار کے ڈر سے یا ہم وطنی کی حمیت کی وجہ سے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو جہاد سے گریز کرتے یا اس سے پیچھے رہتے ہیں۔ [13] یعنی اے مسلمانو! تم سب کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے، پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتی کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے، اس کا چہرہ زخمی ہوگیا، اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی؛

Marfat.com

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿21﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا
سے اللہ کا ذکر کرتا ہے[1] ﴿21﴾ اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس
هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا،[2] اور اس (چیز) نے
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿22﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ کر دیا ﴿22﴾[3] مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں
رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى
نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا،[4] چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت
نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿23﴾ لِّيَجْزِيَ
پا گئے)،[5] اور ان میں سے بعض منتظر ہیں، اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ﴿23﴾[6] تاکہ
اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ
اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿24﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ
فرمائے،[7] یقیناً اللہ بہت مغفرت والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿24﴾ اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پا سکے،[8] اور (اس) لڑائی میں اللہ

تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام ہے، یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ کی اقتدا ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ...... الآیۃ (الحشر 59 :7) اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ...... الآیۃ (آل عمران 3:31) کا مفاد بھی یہی ہے۔

[1] اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسوۂ رسول ﷺ کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ آج لوگ ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوۂ رسول (ﷺ) کی بھی کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان میں جو اہل مذہب ہیں، ان کے پیشوا، امام، پیر اور مشائخ ہیں اور جو اہل دنیا و اہل سیاست ہیں، ان کے مرشد و رہنما آقایان مغرب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے زبانی دعوے بڑے ہیں لیکن آپ کو مرشد اور پیشوا ماننے کے لیے ان میں سے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى [2] یعنی منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ رسول کے وعدے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلا و امتحان سے گزارنے کے بعد تمھیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا، وہ سچا ہے۔ [3] یعنی حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان میں جذبۂ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں اور ان کے مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔ [4] یہ آیت ان بعض صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے اس موقع پر جاں نثاری کے عجیب و غریب جوہر دکھائے تھے اور انھی میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انھوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اب آئندہ کوئی معرکہ پیش آیا تو جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے، جیسے انس بن نضر رضی اللہ عنہ وغیرہ جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے 80 سے اوپر زخم تھے، شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انھیں ان کی انگلی کے پورے سے پہچانا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2805، وجامع الترمذي، حدیث: 3201) [5] نَحْبَهٗ کے معنی: عہد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں۔ مطلب ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عہد یا نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔ [6] اور دوسرے وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں، تاہم اس کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں اور شہادت کی سعادت کے آرزومند ہیں، اپنی اس نذر یا عہد میں انھوں نے تبدیلی نہیں کی۔ [7] یعنی انھیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔ [8] یعنی مشرک جو مختلف جہات سے جمع ہو کر آئے تھے تاکہ مسلمانوں کا نشان مٹا دیں۔ اللہ نے انھیں اپنے غیظ و غضب سمیت واپس لوٹا دیا۔ نہ دنیا کا مال و متاع ان کے ہاتھ لگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، کسی بھی قسم کی خیر انھیں حاصل نہیں ہوئی۔

Marfat.com

الۡقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيۡزًا ﴿25﴾ وَ اَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ

مومنوں کے لیے کافی ہوگیا،[1] اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے ﴿25﴾ اور اہل کتاب میں سے جن

ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ وَ قَذَفَ فِىۡ

لوگوں نے کافروں کی مدد کی تھی انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب

قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَ تَاۡسِرُوۡنَ فَرِيۡقًا ﴿26﴾

ڈال دیا، تم ان (بنوقریظہ) کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے ﴿26﴾

وَ اَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَ دِيَارَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ وَ اَرۡضًا لَّمۡ تَطَئُوۡهَا ؕ

اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں[2] اور اس زمین کا وارث بنادیا

ع 3/7/19 وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا ﴿27﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلۡ

جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا،[3] اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے ﴿27﴾ اے نبی! اپنی بیویوں

لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَ زِيۡنَتَهَا

سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں

فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَ اُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿28﴾ وَ اِنۡ

کچھ (دنیوی) فائدہ دوں اور تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کردوں ﴿28﴾ اور اگر تم

كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ

اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو، تو اللہ نے تم میں سے نیک

اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿29﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ

کام کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ﴿29﴾ [4] اے نبی کی بیویو!

مَنۡ يَّاۡتِ مِنۡكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ

تم میں سے جو کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے، اسے دوہرا عذاب دیا

ضِعۡفَيۡنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿30﴾

جائے گا،[5] اور اللہ کے لیے یہ نہایت آسان ہے ﴿30﴾

[1] یعنی مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعے سے اپنے مومن بندوں کی مدد کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 1797، وصحيح مسلم، حديث: 1344) ''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی اور تعریفیں ہیں، ہم لوٹنے والے، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اس اکیلے نے ہی شکست دے دی۔'' نبی ﷺ جہاد سے، سفر سے یا حج وعمرہ سے واپسی پر یہ دعا پڑھتے تھے اور ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر بھی کہتے۔ [2] اس میں غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس قبیلے نے نقض عہد کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں اور دوسرے یہودیوں کا ساتھ دیا تھا، چنانچہ جنگ احزاب سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ ابھی غسل ہی فرما سکے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے اور کہا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیے؟ ہم فرشتوں نے تو نہیں رکھے ہیں۔ چلیے، اب بنوقریظہ کے ساتھ نمٹنا ہے، مجھے اللہ نے اسی لیے آپ کی طرف بھیجا ہے، چنانچہ آپ نے مسلمانوں میں اعلان فرما دیا بلکہ ان کو تاکید کر دی کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھنی ہے۔ ان کی آبادی مدینے سے چند میل کے فاصلے پر تھی۔ یہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، باہر سے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جو کم وبیش پچیس روز جاری رہا۔ بالآخر انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (ثالث) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیں گے، ہمیں منظور ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں، عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہی فیصلہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ اس کے مطابق ان کے جنگجو افراد کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اور مدینے کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا گیا۔ (دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 4121) ٭ اَنۡزَلَ ٭ قلعوں سے نیچے اتار دیا ٭ ظَاهَرُوۡهُمۡ ٭ کافروں کی انھوں نے مدد کی۔ [3] بعض نے اس سے خیبر کی زمین مراد لی ہے کیونکہ اس کے بعد ہی 6 ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر فتح کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مکہ ہے اور بعض نے ارض فارس وروم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک تمام وہ زمینیں ہیں جو قیامت تک مسلمان فتح کریں گے۔ (فتح القدير) [4] فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہو گئی تو انصار ومہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج

Marfat.com

وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا

اور تم میں سے جو اللہ اوراس کے رسول کی فرماں برداری کرے اور نیک عمل کرے تو

نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ ۙ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا ﴿31﴾

ہم اسے اس کا اجر دوگنا دیں گے،[1] اور اس کے لیے ہم نے اچھا رزق تیار کر رکھا ہے ﴿31﴾

يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو،[2] اگر تم متقی و پرہیزگار ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے)

فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ

آہستگی ونرمی سے بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص، جس کے دل میں روگ ہو طمع ولالچ کرنے لگے،[3] اور

وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿32﴾ وَقَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ

تم سیدھی صاف اچھی بات (سختی سے) کہا کرو ﴿32﴾[4] اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو،[5] اور گزشتہ

مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک مہینے تک جاری رہی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر انھیں اختیار دیا، تاہم انھیں کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے والدین سے مشورے کے بعد کوئی اقدام کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔ یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4786) اس وقت آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں 9 بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ۔ اور چار ان کے علاوہ، یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور جویریہ تھیں...... رضی اللہ عنہن بعض لوگ مرد کی طرف سے اختیار علیحدگی کو طلاق قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ عورت کی طرف سے علیحدگی کو پسند کر لینے کے بعد خاوند اسے طلاق دے گا، تاہم اگر عورت علیحدگی کو اختیار نہیں کرتی تو پھر طلاق نہیں ہوگی، جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے علیحدگی کی بجائے حرم رسول ہی میں رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 5262، وصحیح مسلم، حدیث: 1477) [5] قرآن میں اَلۡفَاحِشَةُ (مُعرَّف باللّام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن فَاحِشَةٌ (نکرہ) کو برائی کے لیے، جیسے یہاں ہے۔ یہاں اس کے معنی بداخلاقی اور نامناسب رویے کے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے ساتھ بداخلاقی اور نامناسب رویہ، آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے جس کا ارتکاب کفر ہے۔ علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں، اس لیے انھیں دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

[1] یعنی جس طرح گناہ کا وبال دگنا ہوگا، نیکیوں کا اجر بھی دوہرا ہوگا۔ جس طرح نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بالفرض آپ کفر کی طرف مائل ہو جاتے تو: ﴿اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 75:17) ''پھر تو ہم آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا۔'' [2] یعنی تمھاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے تمھیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمھیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ انھیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے انھیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں جنھیں امہات المؤمنین قرار دیا گیا ہے لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے، اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔ [3] اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے بنابریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب ولہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے تمھاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔ [4] یعنی بات اگرچہ نرم لہجے کے ساتھ کرنا منع ہے، تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ ﴿اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آ رہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں، انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں۔ [5] یعنی ٹک کر رہو

Marfat.com

تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ

دورِ جاہلیت کی زیب و زینت کی نمائش کے مانند (اپنی) زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو،[1]

وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ

اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو،[2] اے اہل بیت![3] بس اللہ تو

الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (33) وَاذْكُرْنَ مَا

چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے، اور تمھیں بالکل پاک صاف کردے (33) اور تمھارے

يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

گھروں میں جو اللہ کی آیات اور سنت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو،[4] یقیناً اللہ نہایت

لَطِيفًا خَبِيرًا (34) إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ

باریک بین، خوب باخبر ہے (34) بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،[5] مومن مرد اور مومن

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ

عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور

وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ

صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ

مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی

وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا

حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد

وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (35)

اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے (35)

اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست و جہانبانی نہیں، معاشی جھمیلے بھی نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے۔

[1] اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمھارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو، جیسے بے پردہ ہو کر جس سے تمھارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔ تَبَرُّجَ بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔ [2] پچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔ [3] اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے ازواج مطہرات کو مراد لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواج مطہرات کو ﴿أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، مثلاً: سورۂ ہود 11:73 میں، اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔ بعض لوگ، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں جبکہ اول الذکر، ان اصحاب اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، تاہم اعتدال کی راہ اور نقطۂ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور سیدنا علی، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان دونوں کی اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی ﷺ نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر) [4] یعنی ان پر عمل کرو۔ حکمت سے مراد احادیث ہیں۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی متلو ہے۔ علاوہ ازیں یہ آیت بھی ازواج مطہرات کے اہل بیت ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ وحی کا نزول، جس کا ذکر اس آیت میں ہے، ازواج مطہرات کے گھروں میں ہی ہوتا تھا، بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جیسا کہ احادیث میں ہے۔ [5] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث: 3211، ومسند أحمد: 301/6) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام کر دیا گیا ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت و اطاعت الٰہی اور اخروی درجات و فضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں

Marfat.com

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے،[1] اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿36﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ

کرے تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا ﴿36﴾ اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ)

عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ

سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے

اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ

پاس رکھ، اور اللہ سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ

ڈریں،[2] پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی[3] تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا،[4] تاکہ

کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے اور دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر و ثواب کما سکتے ہیں۔ جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، تاہم بعض لوگوں کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ (مزید دیکھیے سورۂ ذاریات 36:51 کا حاشیہ)

[1] یہ آیت حضرت زینب ؓ کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ ؓ جو اگرچہ اصلاً عرب تھے لیکن کسی نے انھیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا۔ نبی ﷺ سے حضرت خدیجہ ؓ کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ ؓ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ نبی ﷺ نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب ؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا جس پر انھیں اور ان کے بھائی کو خاندانی وجاہت کی بنا پر تامل ہوا کہ زید ؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ہمارا تعلق ایک اونچے خاندان سے ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر دے، چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد حضرت زینب ؓ وغیرہ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور ان کا باہم نکاح ہو گیا۔ [2] لیکن مزاجوں میں فرق ہونے کی وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار نہ بن سکے اور اسی بنا پر ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی جس کا تذکرہ حضرت زید ؓ نبی ﷺ سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق دینے سے روکتے اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرما دیا تھا کہ زید کی طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا تاکہ جاہلیت کی اس رسم تبنیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا، احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں انھی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت زید ؓ پر اللہ کا انعام یہ تھا کہ انھیں قبول اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے نجات دلائی، نبی ﷺ کا احسان ان پر یہ تھا کہ ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی سے ان کا نکاح کرا دیا۔ دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب ؓ سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتلائی گئی تھی، آپ ﷺ ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ کہیں گے: اپنی بہو سے نکاح کر لیا، حالانکہ جب اللہ نے آپ کے ذریعے سے اس رسم کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ طبعی تھا، اس کے باوجود آپ کو تنبیہ فرمائی گئی۔ ظاہر کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ نکاح ہو گا جس سے یہ بات سب کے ہی علم میں آ جائے گی۔ [3] یعنی نکاح کے بعد طلاق دی اور حضرت زینب ؓ عدت سے فارغ ہو گئیں۔ [4] یعنی یہ نکاح معروف طریقے کے برعکس صرف اللہ کے حکم سے نکاح قرار پا گیا، نکاح خوانی، ولایت، حق مہر اور گواہوں کے بغیر ہی۔ اس کو علماء نے نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، یعنی آپ کا نکاح ولی، حق مہر اور گواہوں کے بغیر بھی صحیح تھا جیسا کہ قرآن کے لفظ زَوَّجْنٰكَهَا سے بھی ظاہر ہے۔ جبکہ امت کے لیے ولی کی اجازت، حق مہر کا تقرر اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، ان کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہو گا۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے نبی ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں نے لفظ زَوَّجْنَا سے یہ سمجھا ہے کہ یہ

Marfat.com

اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ

مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان

اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿37﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا

سے (اپنی) حاجت پوری کرلیں، [1] اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہوکر ہی رہتا ہے ﴿37﴾ [2] اور نبی کے لیے اس بات

فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ

میں کوئی حرج نہیں [3] جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کردی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی جو پہلے گزر

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۨ ﴿38﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ

چکے ہیں [4] اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے، اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے ﴿38﴾ [5] وہ (انبیاء) جو اللہ

رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى

کے پیغام پہنچاتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے، [6] اور اللہ

بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿39﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ

حساب لینے والا کافی ہے ﴿39﴾ [7] محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، [8]

نکاح آسمان ہی پر ہو گیا تھا، زمین پر اس کی رسم ادا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن ابن ہشام میں وہ ساری تفصیل موجود ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اس وجہ سے صحیح بات یہ ہے کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل اسی معروف طریقے کے مطابق ہوا جو اللہ اور رسول نے نکاح کے لیے پسند فرمایا ہے۔'' (تفسیر تدبر قرآن: 236/6) لیکن صاحب ''تدبر قرآن'' کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن مفسرین نے اسے آسمانی نکاح قرار دیا ہے، ان کے استدلال کی بنیاد صرف لفظ زَوَّجْنَا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی ہے جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس کی رو سے یہی بات صحیح ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہوگئی تو نبی ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر انھوں نے کہا کہ میں اپنے رب سے جب تک مشورہ نہیں کر لیتی، میں کچھ نہیں کروں گی، یہ کہہ کر وہ اِدھر مصروف عبادت ہوگئیں، اُدھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کا نکاح اس زینب سے کر دیا ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾، چنانچہ حضور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے یا ان کے گھر والوں سے اجازت طلبی کی ضرورت بھی محسوس نہیں فرمائی (کیونکہ اللہ کے حکم کے بعد اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی)۔ (ملاحظہ ہو، صحیح مسلم، حدیث: 1428) اسی لیے حضرت زینب بھی دیگر ازواج مطہرات سے فخریہ طور پر یہ کہا کرتی تھیں: «زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ» (صحيح البخاري، حديث: 7420) ''تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کرائے ہیں اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرایا ہے۔''

[1] یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت و اقتضا لے پالک بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے۔ [2] یعنی پہلے سے ہی تقدیر الٰہی میں تھا جو بہر صورت ہو کر رہنا تھا۔ [3] یہ اسی واقعۂ نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ ہے چونکہ یہ نکاح آپ کے لیے حلال تھا، اس لیے اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے۔ [4] یعنی گزشتہ انبیاء بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیے جاتے تھے، چاہے قومی اور عوامی رسم و رواج ان کے خلاف ہی ہوتے۔ [5] یعنی خاص حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، دنیوی حکمرانوں کی طرح وقتی اور فوری ضرورت پر مشتمل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ [6] اس لیے کسی کا ڈر یا سطوت انھیں اللہ کا پیغام پہنچانے میں مانع بنتا تھا نہ طعن و ملامت کی انھیں پروا ہوتی تھی۔ [7] یعنی ہر جگہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی ہے اور اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت میں انھیں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان میں وہ ان کی چارہ سازی فرماتا اور دشمنوں کے مذموم ارادوں اور سازشوں سے انھیں بچاتا ہے۔ [8] اس لیے وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھی باپ نہیں ہیں جس پر انھیں مورد طعن بنایا جاسکے کہ انھوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر لیا بلکہ ایک زید رضی اللہ عنہ ہی کیا، وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں کیونکہ زید رضی اللہ عنہ تو حارثہ کے بیٹے تھے، آپ نے تو انھیں منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور جاہلی دستور کے مطابق انھیں زید بن محمد ﷺ کہا جاتا تھا۔ حقیقتاً وہ آپ کے صلبی بیٹے نہیں تھے۔ اسی لیے ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ ﴾ کے نزول کے بعد انھیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے تین بیٹے، قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک ابراہیم بچہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوا لیکن یہ سب کے سب بچپن میں ہی فوت ہوگئے، ان میں سے کوئی بھی عمر رجولیت کو نہیں پہنچا۔ بنا بریں آپ ﷺ کی صلبی اولاد میں سے بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں،[1] اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے
ع 5 6 2 عَلِيْمًا ۠ ﴿40﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾
والا ہے ﴿40﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو ﴿41﴾ اور تم صبح و شام اس
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
کی تسبیح کرو ﴿42﴾ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا کرتے ہیں)
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿43﴾
تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے، اور اللہ مومنوں پر بہت رحم کرنے والا ہے ﴿43﴾
تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا
جس دن وہ اس (اللہ) سے ملیں گے تو ان کی دعا ہوگی "سلام"[2] اور اللہ نے ان کے لیے عمدہ و پاکیزہ اجرو
كَرِيْمًا ﴿44﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
ثواب تیار کیا ہے ﴿44﴾ اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا،[3] بشارت دینے والا اور ڈرانے
وَّنَذِيْرًا ﴿45﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا
والا (بنا کر) بھیجا ہے ﴿45﴾ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا

[1] خَاتَمَ مُہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے، یعنی آپ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا، آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہوگا۔ احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جو صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ نبی ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے، اس لیے ان کا نزول عقیدۂ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ متنبی قادیان کے پیروکار، اسی آیت سے جو ختم نبوت کے مفہوم میں واضح ہے، اجرائے نبوت کا مفہوم کشید کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا اثبات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ڈاک خانے سے مہر لگ کر خطوط جاری ہوتے ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کی مہر سے نبوت عطا ہوتی ہے، آپ کی مہر کے بغیر کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ اول تو یہ معنی عربی زبان ولغت کے خلاف ہے۔ عربی لغت میں ختم یا خاتم کا لفظ آخری عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ختم الشیٔ کا مطلب چیز پر مہر لگانا نہیں بلکہ شے کا بالکل خاتمہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کی مہر کا کیا مطلب۔ وہ آخر کس طرح لگے گی۔ اور جس شخص پر لگے گی، اس کا پتہ کس طرح چلے گا۔ جب تک ان دو باتوں کی وضاحت نہیں ہوتی، یہ مفہوم بالکل بے معنی ہے۔ اس طرح ہر شخص نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور کر سکے گا، اس کے دعوے کو جانچنے پرکھنے کے لیے کوئی معیار اور کسوٹی نہیں ہوگی۔ ایک بات وہ یہ کہتے ہیں کہ خاتم النبیین، ختم نبوت کے لیے نص نہیں ہے، یہ ایسے ہی ہے، جیسے کسی بڑے محدث کو خاتم المحدثین، بڑے شاعر کو خاتم الشعراء وغیرہ کہا جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی محدثین اور شعراء پیدا ہو رہے ہیں لیکن وہ مثال دیتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ ایک قول اللہ کا ہے جو عَالِمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ہے، اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کہا ہے اور ایک انسانوں کا قول ہے جنھیں مستقبل کا کوئی علم نہیں۔ وہ اپنے بالکل ناقص اور نہایت محدود علم کے مطابق ایک بڑے محدث یا ایک بڑے شاعر کی بابت اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس جیسا محدث یا شاعر آئندہ پیدا نہیں ہوگا۔ تو کیا واقعی ایسا ہوتا ہے یا ایسا ہی ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ انسانوں کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، خاص طور پر مشیت الٰہی کے بارے میں رائے زنی کے تو وہ قطعاً مجاز ہی نہیں ہیں، اس لیے انسانوں کے کلام کو محض خوش گمانی یا خوش فہمی یا زیادہ سے زیادہ عقیدت و محبت یا غلو عقیدت یا مجاز ہی قرار دیا جائے گا۔ اسے اللہ کے فرمان سے کسی طرح بھی مشابہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [2] یعنی جنت میں فرشتے اہل ایمان کو یا مومن آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ [3] بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ نبی ﷺ اپنی امت کی گواہی دیں گے، ان کی بھی جو آپ پر ایمان لائے اور ان کی بھی جنھوں نے تکذیب کی۔ آپ قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کے اعضائے وضو سے پہچان لیں گے جو چمکتے ہوں گے، اسی طرح آپ دیگر انبیاء کی گواہی دیں گے کہ انھوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ گواہی اللہ کے دیے ہوئے یقینی علم کی بنیاد پر ہوگی، اس لیے نہیں کہ آپ تمام انبیاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں، یہ عقیدہ تو نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے ہوتے ہیں، پھر تو امت محمدیہ بھی حاضر و ناظر قرار پائے گی کیونکہ ان کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ "تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔" (البقرۃ 2:143)

Marfat.com

مُّنِيْرًا ﴿46﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا

کر بھیجا ہے)﴿46﴾[1] اور مومنوں کو اس بات کی بشارت دے دیجیے کہ بے شک ان کے لیے اللہ کی طرف

كَبِيْرًا ﴿47﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ

سے بہت بڑا فضل ہے﴿47﴾ اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا رسانی نظر

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿48﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

انداز کر دیجیے، اور اللہ پر توکل کیجیے، اور اللہ کارساز کافی ہے﴿48﴾ اے ایمان والو! جب تم مومن

اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ

عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں چھونے سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو تمھاری

اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ

طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اس (عدت) کو شمار کرو،[2] لہٰذا تم انھیں کوئی

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿49﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

فائدہ دو[3] اور اچھے طریقے سے رخصت کر دو﴿49﴾[4] اے نبی! بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے،[5] اور وہ (کنیزیں) بھی آپ کے دائیں ہاتھ جن

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ

کے مالک ہیں ان (کنیزوں) میں سے جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دیں،[6] اور آپ کے چچا کی

عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ

بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں، اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں

[1] جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے۔ [2] نکاح کے بعد جن عورتوں سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور وہ ابھی جوان ہوں، یعنی نہ تو نابالغ ہو اور نہ ایسی بوڑھی ہو جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو، ایسی عورتوں کو طلاق مل جائے تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ (دیکھیے: البقرۃ 2:228) یہاں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جن سے نکاح ہوا ہے لیکن میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں ہے، یعنی ایسی غیر مدخولہ مطلقہ بغیر عدت گزارے فوری طور پر کہیں نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، البتہ اگر ہم بستری سے قبل خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے 4 مہینے 10 دن ہی عدت گزارنی پڑے گی۔ (فتح القدير، ابن كثير) چھونا یا ہاتھ لگانا، یہ کنایہ ہے جماع (ہم بستری) سے۔ نکاح کا لفظ خاص جماع اور عقد زواج دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں عقد کے معنی میں ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے، اس لیے جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں عورت سے میں نے نکاح کیا تو اسے طلاق تو ان کے نزدیک اس عورت سے نکاح ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا، طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں بھی وضاحت ہے: «لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2048) «لَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» (سنن أبي داود، حديث: 2190، و جامع الترمذي، حديث: 1181، وسنن ابن ماجه، حديث: 2047، و مسند أحمد: 2/189) اس سے واضح ہے کہ نکاح سے قبل طلاق، ایک فعل عبث ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ [3] یہ متاع (فائدہ) دینے کا حکم اس مطلقہ غیر مدخولہ کے بارے میں ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو، یعنی ایسی عورت کو حسب توفیق لباس وغیرہ کچھ دے دیا جائے اور اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو اسے مقررہ مہر کا نصف دینا لازم ہے۔ (مزید دیکھیے: البقرۃ 2:241 کا حاشیہ) [4] یعنی انھیں عزت و احترام سے، بغیر کوئی ایذا پہنچائے علیحدہ کر دیا جائے۔ [5] یعنی احکام شرعیہ میں نبی ﷺ کو امتیاز حاصل تھا، جنھیں آپ ﷺ کی خصوصیات کہا جاتا ہے، مثلاً: صدقہ آپ پر حرام تھا، اسی طرح کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن کریم کے اس مقام پر کیا گیا ہے جن کا تعلق نکاح سے ہے۔ مثلاً: جن عورتوں کو آپ نے مہر دیا ہے، وہ حلال ہیں چاہے تعداد میں وہ کتنی ہی ہوں اور آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ بصورت نقد سب کو مہر ادا کیا تھا۔ صرف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بغیر مہر کے ہی ہوا تھا کیونکہ آپ کا ان سے نکاح اللہ کے حکم سے قرار پایا تھا۔ [6] چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا ملکیت میں آئیں جنھیں آپ نے آزاد کر کے نکاح کر لیا اور ریحانہ اور ماریہ قبطیہ یہ بطور لونڈی آپ کے پاس رہیں۔

Marfat.com

الّٰتِیۡ هَاجَرۡنَ مَعَكَ ۫ وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ
بھی، جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی،[1] اور مومن عورت بھی، اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے لیے
نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡكِحَهَا ۗ
ہبہ (وقف) کردے، اگر نبی چاہے تو اس سے نکاح کرلے،[2] یہ (اجازت) مومنوں کے علاوہ[3] خاص آپ
خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا
کے لیے ہے، ہم یقیناً جانتے ہیں جو کچھ ہم نے ان (مومنوں) پر ان کی بیویوں اور جن (لونڈیوں) کے
عَلَیۡهِمۡ فِیۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَمَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ لِكَیۡلَا
مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان) کے بارے میں فرض کیا ہے،[4] (آپ کے لیے ازواج کی یہ
یَكُوۡنَ عَلَیۡكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿50﴾
حلت اس لیے ہے) کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے،[5] اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿50﴾
تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ
آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں مؤخر کریں (چھوڑ دیں) اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں[6] اور
وَمَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ؕ ذٰلِكَ
جنھیں آپ نے الگ کردیا ہے، ان میں سے جسے بھی آپ (اپنے پاس رکھنا) چاہیں، تو بھی آپ پر کوئی
اَدۡنٰۤی اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَلَا یَحۡزَنَّ وَیَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ
گناہ نہیں،[7] یہ (اختیار) اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور وہ غمگین نہ ہوں
اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَكَانَ
اور جو کچھ بھی آپ انھیں دیں وہ سب اس پر راضی ہوں،[8] اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔[9]

[1] اس کا مطلب ہے جس طرح آپ نے ہجرت کی، اسی طرح انھوں نے بھی مکے سے مدینہ ہجرت کی کیونکہ آپ کے ساتھ مل کر تو کسی عورت نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔ [2] یعنی اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی عورت اگر آپ اس سے نکاح کرنا پسند فرمائیں تو بغیر مہر کے آپ کے لیے اسے اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے۔ [3] یہ اجازت صرف آپ کے لیے ہے۔ دیگر مومنوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ حق مہر ادا کریں۔ [4] یعنی عقد کے جو شرائط اور حقوق ہیں جو ہم نے فرض کیے ہیں کہ مثلاً: چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت کوئی شخص اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، نکاح کے لیے ولی، گواہ اور حق مہر ضروری ہے، البتہ لونڈیاں جتنی کوئی چاہے، رکھ سکتا ہے لیکن آج کل لونڈیوں کا سلسلہ تو ختم ہے، تاہم جب بھی ایسے حالات پیدا ہوئے، یہ احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ تمام امتیوں کے لیے ولی کی اجازت، حق مہر اور گواہ بھی ضروری ہیں۔ ان کے بغیر نکاح، صرف نبی ﷺ کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اسی طرح امتی بیک وقت چار سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔ [5] اس کا تعلق اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا سے ہے، یعنی مذکورہ تمام عورتوں کی آپ کے لیے حلت اس لیے ہے تاکہ آپ کو تنگی محسوس نہ ہو اور آپ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح میں گناہ نہ سمجھیں۔ [6] اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت کا بیان ہے، وہ یہ کہ بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کرنے میں آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا آپ جس کی باری چاہیں موقوف کردیں، یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔ [7] یعنی جن بیویوں کی باریاں موقوف کر رکھی تھیں اگر آپ چاہیں کہ ان سے بھی مباشرت کا تعلق قائم کیا جائے تو یہ اجازت بھی آپ کو حاصل ہے۔ [8] یعنی باری موقوف ہونے اور ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے باوجود وہ خوش ہوں گی، غمگین نہیں ہوں گی اور جتنا کچھ آپ کی طرف سے انھیں مل جائے گا، اس پر مطمئن رہیں گی۔ کیوں، اس لیے کہ انھیں معلوم ہے کہ پیغمبر یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اجازت سے کر رہے ہیں اور یہ ازواج مطہرات اللہ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو یہ اختیار ملنے کے باوجود آپ نے اسے استعمال نہیں کیا اور سوائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے (کہ انھوں نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کردی تھی) آپ نے تمام ازواج مطہرات کی باریاں برابر برابر مقرر کر رکھی تھیں، اسی لیے آپ نے مرض الموت میں ازواج مطہرات سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارے۔ اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ کا تعلق آپ ﷺ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ (دوسرے لوگوں کی طرح) واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے تقسیم کو اختیار فرمایا، اس لیے تاکہ آپ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں اور آپ کے اس حسن سلوک اور عدل و انصاف سے خوش ہوجائیں کہ آپ نے خصوصی اختیار استعمال کرنے کی بجائے ان کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا۔ [9] یعنی تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، ان میں یہ بات بھی یقیناً ہے کہ سب بیویوں کی محبت دل میں یکساں نہیں ہے کیونکہ دل پر انسان کا اختیار ہی نہیں ہے، اس لیے بیویوں کے درمیان مساوات باری میں، نان و نفقہ اور دیگر ضروریات زندگی اور آسائشوں میں ضروری ہے جس کا اہتمام انسان کرسکتا ہے۔ دلوں کے میلان میں مساوات

Marfat.com

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿51﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ

اور اللہ خوب جاننے والا، نہایت بردبار ہے (51) اور ان کے بعد آپ کے لیے (اور) عورتیں حلال

وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ

نہیں اور نہ یہ (جائز ہے) کہ آپ ان (موجودہ بیویوں) کی جگہ اور بیویاں بدل لیں اگرچہ ان

حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

کا حسن آپ کو اچھا لگے،[1] سوائے ان (لونڈیوں) کے جن کا مالک آپ کا دایاں ہاتھ بنا ہے،[2] اور اللہ

ع 6 12 3 كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿52﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ

ہر چیز پر خوب نگہبان ہے (52) اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو الا یہ کہ تمھیں

النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ

کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جا کر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو، اور لیکن

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا

جب تمھیں دعوت دی جائے تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور (وہیں)

مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ

باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمھاری یہ روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ وہ تم سے شرماتے

مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

ہیں، اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا،[3] اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

پیچھے سے مانگو،[4] یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے،[5] اور تمھارے لیے

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ

یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو،[6] اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم اس (کی وفات) کے بعد

چونکہ اختیار ہی میں نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر گرفت بھی نہیں فرمائے گا بشرطیکہ دلی محبت کسی ایک بیوی سے امتیازی سلوک کا باعث نہ ہو۔ اسی لیے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 2134، و جامع الترمذي، حديث: 1140، وسنن النسائي، حديث: 3395، و سنن ابن ماجه، حديث: 1971، ومسند أحمد: 144/6)

[1] آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش و راحت کے مقابلے میں عسرت کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا، اس کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت 9 تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں آپ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا لیکن آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ (ابن كثير) [2] یعنی لونڈیاں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض نے اس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر لونڈی بھی رکھنے کی آپ کو اجازت تھی اور بعض نے وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنة 10:60) ''کافر عورتوں کی ناموس (عصمت) اپنے قبضے میں نہ رکھو'' کے پیش نظر اسے آپ کے لیے حلال نہیں سمجھا۔ (فتح القدير) [3] اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ کو خاص تکلیف ہوئی، تاہم حیا و اخلاق کی وجہ سے آپ نے انھیں جانے کے لیے نہیں کہا (صحيح البخاري، حديث: 4791)، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتا دیے گئے کہ ایک تو اس وقت جاؤ، جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے سے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دوسرا: کھاتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، وہاں بیٹھے ہوئے باتیں مت کرتے رہو۔ کھانے کا ذکر تو سبب نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی تمھیں بلایا جائے چاہے کھانے کے لیے یا کسی اور کام کے لیے، اجازت کے بغیر گھر کے اندر داخل مت ہو۔ [4] یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر نازل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس اچھے برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں تو کیا اچھا ہو۔ جس پر اللہ نے یہ حکم نازل فرما دیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4790، و صحيح مسلم، حديث: 2399) [5] یہ پردے کی حکمت اور علت ہے کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ [6] چاہے وہ کسی بھی لحاظ سے ہو۔ آپ ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا، آپ کی خواہش کے بغیر گھر میں بیٹھے رہنا اور بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے گفتگو کرنا، یہ امور بھی ایذا کا باعث ہیں، ان سے بھی اجتناب کرو۔

Marfat.com

مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿53﴾ اِنْ
کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے﴿53﴾[1]
تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿54﴾
اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے﴿54﴾ عورتوں پر
لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ
اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں، اور اپنے بھائیوں، اور اپنے بھتیجوں، اور اپنے بھانجوں، اور اپنی
وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا
عورتوں، اور جن (لونڈیوں) کے مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان کے
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى
سامنے آنے میں) کوئی گناہ نہیں،[2] اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿55﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى
اللہ ہر چیز پر گواہ ہے﴿55﴾ [3] بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت و درود بھیجتے ہیں،
النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾
اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو اور خوب خوب سلام بھیجو﴿56﴾[4]

[1] یہ حکم ان ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جو وفات کے وقت نبی ﷺ کے حبالۂ عقد میں تھیں، تاہم جن کو آپ نے ہم بستری کے بعد زندگی میں طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس میں دو رائے ہیں۔ بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن آپ کی ایسی کوئی بیوی تھی ہی نہیں، اس لیے یہ محض ایک فرضی شکل ہے۔ علاوہ ازیں ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ کا نکاح ہوا لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ نے طلاق دے دی۔ ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر) [2] جب عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتے داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں، چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ (النور 31:24) میں بھی گزر چکی ہے، اسے ملاحظہ فرما لیا جائے۔ [3] اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمھارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے، وہ یقیناً تمھیں حاصل ہوگا ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمھیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔ [4] اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ و منزلت کا بیان ہے جو مَلَأ أَعْلٰی (آسمانوں) میں آپ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں میں آپ کی ثنا و تعریف کرتا اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ کی بلندیٔ درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلاۃ و سلام بھیجیں تاکہ آپ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" پڑھتے ہیں) ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ ﷺ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4797) علاوہ ازیں احادیث میں درود کے اور بھی صیغے آتے ہیں جو پڑھے جا سکتے ہیں، تاہم "اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" پڑھنا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں نبی ﷺ سے خطاب ہے اور اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ براہ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدۂ فاسدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے جو ثواب نہیں گناہ ہے۔ احادیث میں درود کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے یا سنت۔ جمہور علماء اسے سنت سمجھتے ہیں اور امام شافعی اور بہت سے علماء واجب۔ ان کے نزدیک پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنے کی وہی حیثیت ہے جو آخری تشہد میں پڑھنے کی ہے، تاہم اس سے یہ واضح ہے کہ پہلے تشہد میں درود پڑھنا یقیناً مستحب عمل ہے۔ اس کے لیے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام کس طرح پڑھنا ہے، یہ تو ہم نے جان لیا (کہ ہم تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ پڑھتے ہیں) لیکن جب ہم نماز میں ہوں تو آپ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی کی تلقین فرمائی (الفتح الرباني: 4/20، 21) مسند احمد کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، سنن کبری بیہقی، مستدرک حاکم اور ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ جس طرح سلام نماز میں پڑھا جاتا ہے، یعنی تشہد میں، اسی طرح یہ سوال بھی نماز کے اندر درود پڑھنے سے متعلق تھا،

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا

بلاشبہ جولوگ اللہ اوراس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت

وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿57﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

کی ہے، اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے ﴿57﴾[1] اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا

عورتوں کو ایذا پہنچائیں جبکہ انھوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو تو یقیناً ان لوگوں نے بہتان اور کھلے گناہ

وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿58﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ

ع 7/6/4

کا بوجھ اٹھایا ﴿58﴾[2] اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ

الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ

اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں،[3] یہ (بات اس کے) زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں

نبی ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہیے اور اس کا مقام تشہد ہے۔ اور حدیث میں یہ عام ہے، اسے پہلے یا دوسرے تشہد کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ (پہلے اور دوسرے) دونوں تشہد میں سلام اور درود پڑھا جائے۔ اور جن روایات میں تشہد اول کا بغیر درود کے ذکر ہے، انھیں سورۂ احزاب کی آیت: صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا لیکن اس آیت کے نزول، یعنی 5 ہجری کے بعد جب نبی ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر درود کے الفاظ بھی بیان فرما دیے تو نماز میں سلام کے ساتھ صلاۃ (درود شریف) کا پڑھنا بھی مشروع ہو گیا، چاہے وہ پہلا تشہد ہو یا دوسرا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ (بعض دفعہ) رات کو 9 رکعات ادا فرماتے، آٹھویں رکعت میں تشہد بیٹھتے تو اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے تو اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے، پھر سلام پھیر دیتے۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي: 125/4، وسنن النسائي مع التعليقات السلفية: 498/2، مزید ملاحظہ ہو صفة صلاة النبي ﷺ للألباني، ص: 145) اس میں بالکل صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی رات کی نماز میں پہلے اور آخری دونوں تشہد میں درود پڑھا ہے۔ یہ اگرچہ نفلی نماز کا واقعہ ہے لیکن مذکورہ عمومی دلائل کی آپ کے اس عمل سے تائید ہو جاتی ہے، اس لیے اسے صرف نفلی نماز تک محدود کر دینا صحیح نہیں ہوگا۔

[1] اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جسے وہ ناپسند فرماتا ہے ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے، جیسے مشرکین، یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کی رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4826، وصحيح مسلم، حديث: 2246) یعنی یہ کہنا کہ زمانے نے یا فلک کج رفتار نے ایسا کر دیا، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ افعال اللہ کے ہیں، زمانے یا فلک کے نہیں۔ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا، آپ کی تکذیب، آپ کو شاعر، کذاب، ساحر وغیرہ کہنا ہے۔ علاوہ ازیں بعض احادیث میں صحابۂ کرام کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص و اہانت کو بھی آپ نے ایذا قرار دیا ہے۔ لعنت کا مطلب، اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔ [2] یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر بہتان باندھنا، ان کی ناجائز تنقیص و توہین کرنا، جیسے روافض صحابۂ کرام پر سب و شتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انھوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ''رافضی منکوس القلوب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔'' [3] جَلَابِيبُ، جِلْبَابٌ کی جمع ہے جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقع کی جو مختلف صورتیں ہیں، عہد رسالت میں یہ برقعے عام نہیں تھے کیونکہ عہد رسالت و عہد صحابہ و تابعین میں معاشرت (رہن سہن اور بود و باش) بالکل سادہ تھی، عورتیں نہایت سادہ لباس پہنتی تھیں، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پردے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ تجمل اور زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہو گئی جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف اندا[ز] کے برقع عام ہو گئے۔ گو اس سے بعض دفعہ عورت کو، بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ دقت بھی محسوس ہوتی ہے لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضو[ں]

Marfat.com

اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿59﴾ لَىِٕنْ
اور انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے،[1] اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿59﴾ اگر منافقین اور
لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي
جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اور مدینے میں جھوٹی افواہیں[2] اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو
الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿60﴾
ان پر مسلط کردیں گے، پھر وہ آپ کے پاس اس (مدینے) میں تھوڑی مدت ہی رہ سکیں گے ﴿60﴾ وہ ملعون و
مَّلْعُوْنِيْنَ ڔ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿61﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ
مردود ہیں، جہاں بھی وہ پائے جائیں پکڑ لیے جائیں گے اور بری طرح قتل کردیے جائیں گے ﴿61﴾[3] ان
فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ
لوگوں میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے، اور آپ اللہ کے طریقے میں ہرگز
تَبْدِيْلًا ﴿62﴾ يَسْـَٔــلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ﴿62﴾ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے:
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿63﴾ اِنَّ
اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، آپ کو کیا خبر، شاید قیامت قریب ہی ہو؟ ﴿63﴾ بلاشبہ اللہ نے
اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿64﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے خوب بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿64﴾ وہ اس میں ہمیشہ ابد
اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿65﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
تک رہیں گے، وہ (اپنا) کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ پائیں گے ﴿65﴾ جس دن آگ میں ان کے چہرے
فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا
الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اور ہم نے رسول
الرَّسُوْلَا ﴿66﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا
کی اطاعت کی ہوتی ﴿66﴾ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿67﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ
بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں نے ہمیں گمراہ کردیا ﴿67﴾[4] اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور

کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تاہم جو عورت برقع کی بجائے پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پردے کے حکم کو بجالاتی ہے کیونکہ برقع ایسی لازمی شے نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لیے لازمی قرار دیا ہو لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ پہلے وہ برقع کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں، پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقع کا استعمال ہی صحیح ہے کیونکہ جب سے برقع کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہوگئی ہے بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن بہرحال اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ باور کراتے ہیں یا اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کی ایک بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

[1] یہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا بیان ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور باحیا عورت اور بے شرم اور بدکار عورت کے درمیان پہچان ہوگی۔ پردے سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت کسی کو نہیں ہوگی، اس کے برعکس بے پردہ عورت اوباشوں کی نگاہوں کا مرکز اور ان کی بوالہوسی کا نشانہ بنے گی۔ [2] مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے منافقین افواہیں اڑاتے رہتے تھے کہ مسلمان فلاں علاقے میں مغلوب ہوگئے یا دشمن کا لشکر جرار حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ [3] یہ حکم نہیں ہے کہ ان کو پکڑ کر مار ڈالا جائے بلکہ بددعا ہے کہ اگر وہ اپنے نفاق اور ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا نہایت عبرت ناک حشر ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم ہے لیکن یہ منافقین نزول آیت کے بعد اپنی حرکتوں سے باز آگئے تھے، اس لیے ان کے خلاف یہ کارروائی نہیں کی گئی جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا تھا۔ (فتح القدیر) [4] یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیان دین کی بجائے اپنے ان بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی لیکن آج ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے

Marfat.com

وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿68﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا

ان پر بڑی سخت (اور زیادہ) لعنت کر ﴿68﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے

كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

موسیٰ کو ایذا دی تھی، پھر اللہ نے اسے اس (جھوٹی بات) سے بری کر دیا[1] جو انھوں نے کہی تھی، اور وہ اللہ

وَجِيْهًا ﴿69﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿70﴾

کے نزدیک بڑے رتبے والا تھا ﴿69﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ٹھیک بات کہا کرو ﴿70﴾[2] وہ

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

تمھارے عمل درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا،[3] اور جو اللہ اور اس کے رسول کی

وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿71﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى

اطاعت کرے، تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی ﴿71﴾ بلاشبہ ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ

اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿72﴾ لِّيُعَذِّبَ

گئے، اور وہ (امانت) انسان نے اٹھالی،[4] یقیناً وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے ﴿72﴾[5] (ہم نے یہ امانت اس

دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکائے رکھا۔ آباء پرستی اور تقلید اکابر آج بھی لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔ کاش! مسلمان آیات الٰہی پر غور کر کے ان پگڈنڈیوں سے نکلیں اور قرآن و حدیث کی صراط مستقیم کو اختیار کر لیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی پیروی میں ہی ہے۔ نہ کہ مشائخ و اکابر کی تقلید میں یا آباء و اجداد کے فرسودہ طریقوں کے اختیار کرنے میں۔

[1] اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت باحیا تھے، چنانچہ اپنا جسم انھوں نے کبھی لوگوں کے سامنے ننگا نہیں کیا۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی اس قسم کی آفت ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرنے لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے۔ پتھر (اللہ کے حکم سے) کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتی کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو ان کے سارے شبہات دور ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت حسین و جمیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب سے پاک تھے۔ یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے معجزانہ طور پر پتھر کے ذریعے سے ان کی اس الزام اور شبے سے براءت کر دی جو بنی اسرائیل کی طرف سے ان پر کیا جاتا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3404) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا مت پہنچاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسے ایک موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ الفاظ پہنچے تو غضب ناک ہوئے حتی کہ آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا: ''موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، انھیں اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی لیکن انھوں نے صبر کیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3150، وصحيح مسلم، حديث: 1062) [2] یعنی ایسی بات جس میں کجی اور انحراف ہو نہ دھوکا اور فریب بلکہ سچ اور حق ہو۔ سَدِيْدًا تَسْدِيدُ السَّهْم سے ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اسی طرح تمھاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمھارا اخلاق و کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔ [3] یہ تقویٰ اور قول سدید کا نتیجہ ہے کہ تمھارے عملوں کی اصلاح ہو گی اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے جاؤ گے اور کچھ کمی کوتاہی رہ جائے گی تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ [4] جب اللہ تعالیٰ نے اہل طاعت کا اجر و ثواب اور اہل معصیت کا وبال اور عذاب بیان کر دیا تو اب شرعی احکام اور اس کی صعوبت کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہو گا۔ جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے لیکن جب انسان پر یہ چیز پیش کی گئی تو وہ اطاعت الٰہی (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بار گراں کو اٹھانے پر آمادہ ہو گیا۔ احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرما دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ پیش کرنے کا مطلب کیا ہے۔ اور آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا۔ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا۔ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا ہے، گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس

Marfat.com

اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ

لیے اٹھوائی) کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے،

اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا 73

اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر رحم فرمائے،[1] اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (73)

آیاتھا 54 | سُوْرَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ 1 يَعْلَمُ مَا

ہے[2] اور آخرت میں بھی حمد اسی کے لیے ہے،[3] اور وہ نہایت حکمت والا، خوب باخبر ہے (1) وہ جانتا

يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ

ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے[4] اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے[5] اور

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ 2 وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جو کچھ اس میں چڑھتا ہے[6] اور وہ نہایت رحم کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے (2) اور کافروں نے کہا:

لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ

ہم پر قیامت نہیں آئے گی، کہہ دیجیے: کیوں نہیں! میرے عالم الغیب رب کی قسم! بلاشبہ وہ تم پر ضرور آئے

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ

گی،[7] نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی،[8] اور اس (ذرے)

وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ 3 لِّيَجْزِيَ

سے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب (لوح محفوظ) میں (درج) نہ ہو (3) [9] تاکہ اللہ ان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے،[10] وہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت

نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ انکار انھوں نے سرکشی و بغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کار فرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی۔ انسان چونکہ جلد باز ہے، اس نے عقوبت و تعزیر کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں اس ذمے داری کو قبول کر لیا۔ [5] یعنی یہ بار گراں اٹھا کر اس نے اپنے نفس پر ظلم کا ارتکاب اور اس کے مقتضیات سے اعراض یا اس کی قدر و قیمت سے غفلت کر کے جہالت کا مظاہرہ کیا۔

[1] اس کا تعلق حَمَلَهَا سے ہے، یعنی انسان کو اس امانت کا ذمے دار بنانے سے مقصد یہ ہے کہ اہل نفاق و اہل شرک کا نفاق و شرک اور اہل ایمان کا ایمان ظاہر ہو جائے اور پھر اس کے مطابق انھیں جزا و سزا دی جائے۔ [2] یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ اس میں نافذ ہوتا ہے۔ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے، وہ اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کا احسان ہے، اسی لیے آسمان و زمین کی ہر چیز کی تعریف دراصل ان نعمتوں پر اللہ ہی کی حمد و تعریف ہے جن سے اس نے اپنی مخلوق کو نوازا ہے۔

[3] یہ تعریف قیامت والے دن اہل ایمان کریں گے، مثلاً: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ (الزمر 74:39) ''اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا۔'' یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (الأعراف 43:7) ''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا۔'' یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر 34:35) ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے غم کو ہم سے دور کر دیا'' وَغَيْرُهَا مِنَ الْاٰيَاتِ تاہم دنیا میں اللہ کی حمد و تعریف، عبادت ہے جس کا مُکلَّف انسان کو بنایا گیا ہے اور آخرت میں یہ اہل ایمان کی روحانی خوراک ہوگی جس سے انھیں لذت و فرحت محسوس ہوا کرے گی۔ (فتح القدیر) [4] مثلاً: بارش، خزانہ اور دفینہ وغیرہ۔ [5] بارش، اولے، گرج، بجلی اور برکات الٰہی وغیرہ، نیز فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا نزول۔ [6] یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال۔ [7] قسم بھی کھائی اور صیغہ بھی تاکید کا اور اس پر مزید لام تاکید، یعنی قیامت کیوں نہیں آئے گی۔ وہ تو بہر صورت یقیناً آئے گی۔ [8] لَا يَعْزُبُ غائب اور پوشیدہ اور دور نہیں، یعنی جب آسمان و زمین کا کوئی ذرہ اس سے غائب اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمھارے اجزائے منتشرہ کو، جو مٹی میں مل گئے ہوں گے، جمع کر کے دوبارہ تمھیں زندہ کر دینا کیوں ناممکن ہوگا۔ [9] یعنی وہ لوح محفوظ میں موجود اور درج ہے۔ [10] یہ وقوع قیامت کی علت ہے، یعنی قیامت اس لیے برپا ہوگی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے دوبارہ زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا عطا فرمائے کیونکہ جزا کے لیے ہی اس نے یہ دن رکھا ہے۔ اگر یہ یوم جزا نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بات عدل و انصاف کے قطعاً منافی اور بندوں بالخصوص نیکوں پر ظلم ہوگا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ

Marfat.com

كَرِيْمٌ ﴿4﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اور باعزت روزی ہے ④ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (ہمیں) عاجز کرنے کی کوشش کی،[1] انھی

عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿5﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

لوگوں کے لیے سخت ترین، دردناک عذاب ہے ⑤ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ دیکھتے (یقین

الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى

رکھتے) ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے،[2] اور وہ

صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿6﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ

(اللہ) غالب، تعریف والے کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے ⑥[3] اور کافروں نے کہا:[4] کیا ہم

نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ

تمھیں ایک ایسا شخص بتائیں[5] جو تمھیں یہ خبر[6] دیتا ہے کہ جب تم بالکل ہی پارہ پارہ کر دیے جاؤ

اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿7﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

گے تو بے شک تم البتہ از سر نو پیدا کیے جاؤ گے؟ ⑦[7] کیا اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے یا اسے

اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ

جنون (لاحق) ہے؟[8] (قطعاً نہیں!) بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (وہ) عذاب اور دور

وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿8﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

کی گمراہی میں پڑے ہیں ⑧[9] کیا پھر انھوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان وزمین کی

خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ

طرف نہیں دیکھا؟[10] اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان

اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ

کے ٹکڑے گرا دیں،[11] بلاشبہ اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور ایک

لِّلْعَبِيْدِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ''اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

[1] یعنی ہماری ان آیتوں کا بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ مُعٰجِزِيْنَ ، یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان کی گرفت سے عاجز ہوں گے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کسی کے سامنے اپنے کیے دھرے کی جواب دہی کریں گے۔ ان کا یہ سمجھنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہوگا، اس لیے قیامت کا خوف ہمیں کیوں ہو۔ [2] یہاں رؤیت سے مراد رؤیت قلبی، یعنی علم یقینی ہے، محض رؤیت بصری (آنکھ کا دیکھنا) نہیں۔ اہل علم سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا مومنین اہل کتاب یا تمام ہی مومنین ہیں، یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔ [3] یہ عطف ہے حق پر، یعنی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب ہے اور اپنی مخلوق میں محمود (قابل تعریف) ہے۔ اور وہ راستہ کیا ہے۔ توحید کا راستہ جس کی طرف تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔ [4] یہ اہل ایمان کے مقابلے میں منکرین آخرت کا قول ہے جو آپس میں انھوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ [5] اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو ان کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے تھے۔ [6] یعنی عجیب وغریب خبر، ناقابل فہم خبر۔ [7] یعنی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تمھارا ظاہری وجود ناپید ہو جائے گا، تمھیں قبروں سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دوبارہ وہی شکل وصورت تمھیں عطا کر دی جائے گی جس میں تم پہلے تھے۔ یہ گفتگو انھوں نے آپس میں استہزا اور مذاق کے طور پر کی۔ [8] یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی ورسالت کا دعویٰ، یہ اس کا اللہ پر افترا ہے۔ یا پھر اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے جو غیر معقول ہیں۔ [9] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل وفہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کی بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔ [10] یعنی اس پر غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آخرت کا یہ انکار آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ جو ذات آسمان جیسی چیز، جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز جس کا طول وعرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ہی پیدا کردہ چیز کا دوبارہ پیدا کر دینا اور اسے دوبارہ اسی حالت میں لے آنا، جس میں وہ پہلے تھی، کیونکر ناممکن ہے۔ [11] یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک: اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسرا: کفار کے لیے تنبیہ وتہدید کہ جو اللہ آسمان وزمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ

Marfat.com

عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ ع 1 9 7
نشانی ہے⑨اور یقیناً ہم نے داود کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی،[1] (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! اس
اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ
کے ساتھ تسبیح دہراؤ، اور (اے) پرندو! (تم بھی)[2] اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کردیا⑩[3] کہ تو کامل کشادہ
سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا
(زرہیں)[4] بنا اور کڑیاں جوڑنے میں (مناسب) اندازہ رکھ،[5] اور تم (سب) نیک عمل کرو،[6] تم جو کرتے ہو بلاشبہ
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ
اسے میں خوب دیکھنے والا ہوں ⑪اور ہوا کو سلیمان کے (تابع کیا)، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ (کی
وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ
مسافت) تھا اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک ماہ (کی مسافت) تھا،[7] اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے
مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ
تانبے کا چشمہ بہادیا،[8] اور بعض جن (اس کے تابع کردیے) جو اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے کام

کرسکتا ہے۔ زمین میں دھنسا کر بھی جس طرح قارون کو دھنسایا یا آسمان کے ٹکڑے گرا کر جس طرح اصحاب الایکہ کو ہلاک کیا گیا۔

[1] یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔ [2] ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو جاتے، اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے، اَوِّبِيْ کے معنی ہیں: تسبیح دہراؤ، یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے کہا، چنانچہ یہ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے۔ وَالطَّيْرَ کا عطف یا يٰجِبَالُ کے محل پر ہے، اس لیے کہ يٰجِبَالُ تقدیراً منصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے "نَادَيْنَا الْجِبَالَ وَالطَّيْرَ" ''ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا۔'' یا پھر اس کا عطف فَضْلًا پر ہے اور معنی ہوں گے۔ "وَسَخَّرْنَا لَهُ الطَّيْرَ" ''اور ہم نے پرندے ان کے تابع کردیے۔'' (فتح القدیر) [3] یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح، جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنا لیتے۔ یہ گویا ایک معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا تھا۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے اس معجزے کا انکار کیا ہے اور اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد لوہے کی صنعت کا علم اور اس کے استعمال کا اعلیٰ فن ہے، جس کو بروئے کار لا کر انھوں نے لوہے کو پگھلانے اور اس سے نہایت باریک کڑیوں کی زرہیں بنانے کے فن کو خوب ترقی دی لیکن اس تاویل سے اس کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے جو قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے۔ [4] سٰبِغٰتٍ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دُرُوْعًا سَابِغَاتٍ یعنی پوری لمبی زرہیں جو لڑنے والے کے پورے جسم کو صحیح طریقے سے ڈھانک لیں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔ [5] تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں یا سخت یا نرم نہ ہوں، یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کیل اتنے باریک نہ ہوں کہ جوڑ حرکت کرتے رہیں اور ان میں قرار و ثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑ ہی ڈالیں یا جس سے حلقہ تنگ ہو جائے اور اسے پہنا نہ جا سکے۔ یہ زرہ بافی کی صنعت کے بارے میں حضرت داود علیہ السلام کو ہدایات دی گئیں۔ [6] یعنی ان نعمتوں کے بدلے میں عمل صالح کا اہتمام کرو تاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اسے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے، یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور نافرمانی سے بچا جائے۔ [7] یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوائیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک ایک مہینے کے برابر مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے اس معجزے کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا کے کنٹرول کرنے کا فن عطا فرمایا گیا تھا جس سے انھوں نے اپنے بحری بیڑے کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے جہازات مہینوں کا سفر بے روک ٹوک جاری رکھتے۔ ہوا سے مقصود جہازوں کا جانا آنا ہے اور غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ سے طول سفر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ایک ٹرپ مہینہ مہینہ بھر کی طویل مدت پر ممتد ہوتی۔ (تدبر قرآن: 301/6) ہمارے نزدیک مفسر مذکور کی یہ تفسیر دور از کار تاویل ہی نہیں بلکہ تحریف معنوی ہے۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا [8] یعنی جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ ہم نے جاری کر دیا تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں، بنائیں۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے اسے بھی تانبے کی صنعت کے علم سے تعبیر کیا ہے، جیسے حضرت داود علیہ السلام کو لوہے کی صنعت کے علم سے نوازا گیا تھا، حضرت

Marfat.com

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫

کرتے تھے، اوران میں سے جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کا عذاب چکھاتے[1]

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ

⑫ جو وہ (سلیمان) چاہتا وہ (جن) اس کے لیے وہی بنادیتے، عالی شان عمارتیں اور مجسمے اور حوضوں

كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ

جیسے (بڑے بڑے) لگن اور ایک ہی جگہ (چولہوں پر) جمی ہوئی دیگیں،[2] اے آل داود! شکرانے کے طور پر

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ

(نیک) عمل کرو، اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں ⑬ پھر جب ہم نے سلیمان پر

الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ

موت کا فیصلہ (نافذ) کیا تو ان (جنوں) کو زمین کے کیڑے (دیمک) کے سوا کسی چیز نے بھی

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا

سلیمان کی موت کی اطلاع نہ دی، وہ اس کی لاٹھی کو کھاتا رہا، پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں نے جان

يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ⑭

لیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ اس رسواکن عذاب (مشقت) میں مبتلا نہ رہتے ⑭ [3] سبا (قوم)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬

کے لیے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی[4] دائیں اور بائیں طرف دو باغ تھے،[5] (ہم نے کہا:) تم

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ⑮

اپنے رب کے رزق سے کھاؤ[6] اور اس کا شکر ادا کرو،[7] (یہ) پاکیزہ شہر ہے[8] اور رب بڑا بخشنے والا ہے ⑮ [9]

سلیمان کو تانبے کی صنعت کے علم سے نوازا گیا اور ان کے زمانے میں تانبے کی بہت بڑی مقدار ظاہر ہوئی اور اس کو انھوں نے اپنی تمدنی وتعمیری ترقیوں میں نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس تاویل سے بھی اصل مقصود اس کی اعجازی حیثیت کا انکار کرنا ہے۔ اسی طرح جنات کی تسخیر کا مطلب بھی یہ کہہ کر کہ جنات کی تسخیر کا علم حضرت سلیمان کو عطا کیا گیا تھا، معجزۂ تسخیر جنات کا بھی انکار کیا گیا ہے۔ (دیکھیے تفسیر تدبر قرآن: 302/6)

[1] اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت والے دن دی جائے گی لیکن بعض کے نزدیک یہ دنیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرما دیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سوٹا ہوتا تھا۔ جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا، فرشتہ وہ سوٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔ (فتح القدیر) [2] مَّحَارِيْبَ مِحْرَاب کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے: بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد و معابد۔ تَمَاثِيْلَ تِمثال کی جمع ہے، تصویر۔ یہ تصویریں غیر حیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء و صلحاء کی تصاویر مسجدوں میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انھیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب تسلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی۔ جو صحیح نہیں، تاہم اسلام میں تو نہایت سختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ جِفَانٍ جَفْنَةٌ کی جمع ہے، لگن۔ كَالْجَوَابِ جَابِيَةٌ کی جمع ہے، حوض جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے، یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لگن، قُدُوْرٍ دیگیں، رّٰسِيٰتٍ جمی ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیگیں پہاڑوں کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ جنھیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جا سکتا تھا، اس میں بیک وقت ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنات کرتے تھے۔ [3] حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کے فساد کو واضح کر دیا۔ [4] سَبَا وہی قوم تھی جس کی ملکۂ سبا مشہور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے نام پر ملک کا نام بھی سبا تھا، آج کل یہ یمن میں واقع ہے۔ یہ بڑا خوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی مال و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الٰہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [5] کہتے ہیں کہ شہر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشموں اور نالوں کا پانی بہہ کر شہر میں آتا تھا، ان کے حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے تعمیر کر دیے اور ان کے ساتھ باغات لگا دیے گئے جس سے پانی کا رخ بھی متعین ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آ گیا۔ انھی باغات کو دائیں بائیں دو باغوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں: جَنَّتَيْنِ سے دو باغ نہیں بلکہ دائیں بائیں کی دو جہتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھیں، باغات، ہریالی اور شادابی ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدیر) [6] یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کہلوایا گیا یا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔ [7] یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب۔ [8] یعنی باغوں کی کثرت ا

Marfat.com

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ
پھر انھوں نے (جب ہدایت سے) منہ موڑا تو ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب بھیج دیا، اور ان کے
جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ
دونوں باغوں کے بدلے میں ہم نے انھیں دو ایسے باغ دیے جو بدمزہ پھل، (بکثرت) جھاؤ اور کچھ
قَلِیۡلٍ ﴿16﴾ ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ؕ وَ ہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا
بیریوں والے تھے ⑯ [1] یہ ہم نے انھیں ان کی ناشکری کی سزا دی، اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے
الۡکَفُوۡرَ ﴿17﴾ وَ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ الۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا
ہیں ⑰ اور ہم نے ان (اہل سبا) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، کئی
فِیۡہَا قُرًی ظَاہِرَۃً وَّ قَدَّرۡنَا فِیۡہَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡہَا
بستیاں باہم متصل (سر راہ آباد) رکھی تھیں، [2] اور ان میں ہم نے چلنے (آنے جانے) کی منزلیں مقرر کردی
لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿18﴾ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا
تھیں، [3] (ہم نے کہا:) تم ان میں راتوں اور دنوں کو امن سے سفر کرو ⑱ [4] پھر انھوں نے کہا: اے ہمارے
وَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَجَعَلۡنٰہُمۡ اَحَادِیۡثَ وَ مَزَّقۡنٰہُمۡ
رب! ہمارے سفروں میں دوری پیدا کردے، [5] اور انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، چنانچہ ہم نے
کُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ
انھیں افسانے بنا ڈالا [6] اور انھیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا، [7] بلاشبہ اس میں ہر صابر و شاکر کے
شَکُوۡرٍ ﴿19﴾ وَ لَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡہِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوۡہُ
لیے عظیم نشانیاں ہیں ⑲ اور ابلیس نے ان پر اپنا خیال یقیناً سچ کر دکھایا، چنانچہ سوائے مومنوں کی
اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿20﴾ وَ مَا کَانَ لَہٗ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ
ایک جماعت کے سب نے اسی کی اتباع کی ⑳ اور اس (ابلیس) کا ان پر کوئی زور نہ تھا مگر اس
سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَۃِ مِمَّنۡ ہُوَ مِنۡہَا
لیے کہ ہم جان لیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس سے (الگ ہو کر) جو آخرت کے متعلق
فِیۡ شَکٍّ ؕ وَ رَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿21﴾ قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ
شک میں ہے؟ اور آپ کا رب ہر چیز پر خوب نگہبان ہے ㉑ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: انھیں
زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۚ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ
پکارو جنھیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) خیال کیا تھا، [8] وہ آسمانوں میں اور زمینوں میں ذرہ برابر
وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا لَہُمۡ فِیۡہِمَا مِنۡ شِرۡکٍ وَّ مَا لَہٗ
اختیار نہیں رکھتے، [9] اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے [10] اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ) کا

پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شہر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے یہ شہر مکھی، مچھر اور اس قسم کے دیگر موذی جانوروں سے بھی پاک تھا۔ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ.
[9] یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمھارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان توبہ کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سلب انعام کا سبب نہیں بنتے بلکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔
[1] یعنی انھوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے اور بند تعمیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و باغبانی کے کام میں لاتے تھے، ہم نے تند و تیز سیلاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پشتوں کو توڑ ڈالا اور شاداب اور پھل دار باغوں کو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھنکاڑ ہوتے ہیں جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی میں لگتا بھی ہے تو سخت کڑوا، کسیلا اور بدمزہ جنھیں کوئی کھا ہی نہیں سکتا، البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے۔ اَلۡعَرِمِ عَرِمَۃٌ کی جمع ہے، پشتہ یا بند، یعنی ایسا زور کا پانی بھیجا جس نے اس بند میں شگاف ڈال دیا اور پانی شہر میں بھی آ گیا جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور باغوں کو بھی اجاڑ کر ویران کردیا۔ یہ بند سد مآرب کے نام سے مشہور ہے۔ [2] برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں، یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظَاہِرَۃً کے معنی: مُتَوَاصِلًا، ایک دوسرے سے پیوست اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد 4 ہزار سات سو بتلائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی جس کی وجہ سے ایک تو ان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زاد راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے: ویرانی کی وجہ سے لوٹ مار اور قتل و غارت کا جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔ [3] یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا اور اس کے حساب سے وہ بہ آسانی اپنا سفر طے کر لیتے تھے، مثلاً: صبح سفر کا آغاز کرتے تو دو پہر تک کسی آبادی اور قریے تک پہنچ جاتے، وہاں کھا پی کر قیلولہ کرتے اور پھر سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا پہنچتے۔ [4] یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زاد راہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ

Marfat.com

مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ ﴿22﴾ وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا

مددگار ہی ہے ﴿22﴾[1] اور اس کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع دے گی جسے اللہ اجازت دے گا،[2] حتی کہ

لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا

جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو (باہم) کہتے ہیں: تمھارے رب نے کیا کہا

قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيُّ الۡكَبِيۡرُ ﴿23﴾ قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ

ہے؟ وہ کہتے ہیں: حق (سچ کہا)[3] اور وہ بہت بلند، بہت بڑا ہے ﴿23﴾ کہہ دیجیے: تمھیں آسمانوں اور

مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوۡ اِيَّاكُمۡ لَعَلٰى هُدًى

زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ (ہی)، اور بلاشبہ ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی

اَوۡ فِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿24﴾ قُلۡ لَّا تُسۡـَٔـلُوۡنَ عَمَّاۤ

گمراہی میں ﴿24﴾[4] کہہ دیجیے: جو ہم نے جرم کیا تم سے اس کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا اور نہ ہم

اَجۡرَمۡنَا وَلَا نُسۡـَٔـلُ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿25﴾ قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا

سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو ﴿25﴾ کہہ دیجیے: ہمارا رب ہم سب کو جمع

رَبُّنَا ثُمَّ يَفۡتَحُ بَيۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَهُوَ الۡفَتَّاحُ

کرے گا، پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا،[5] اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا، خوب

رات اور دن کی جس گھڑی میں تم سفر کرنا چاہو، کرو، نہ جان و مال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سامان سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔ [5] یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کی بجائے درمیان میں سنسان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں یخ بستہ ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لیے ہمیں زادراہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوٰی اور دیگر سہولتوں کے مقابلے میں دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ [6] یعنی انھیں اس طرح ناپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زد خلائق ہو گیا۔ اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا۔ [7] یعنی انھیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سبا میں آباد مشہور قبیلے مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی یثرب ومکہ آ گیا، کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔ [8] یعنی معبود ہونے کا۔ یہاں ﴿زَعَمۡتُمۡ﴾ کے دو مفعول محذوف ہیں۔ زَعَمۡتُمُوۡهُمۡ اٰلِهَةً یعنی جن جن کو تم معبود گمان کرتے ہو۔ [9] یعنی انھیں نہ خیر پر کوئی اختیار ہے نہ شر پر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان وزمین کا ذکر عموم کے لیے ہے کیونکہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی ظرف ہیں۔ [10] نہ پیدائش میں، نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

[1] جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلاشرکت غیرے تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے تعاون کے بغیر ہی سارے کام کرتا ہے۔ [2] ”جن کے لیے اجازت ہو جائے“ کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ، یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں، اس لیے کہ کسی اور کی سفارش فائدہ مند ہو گی نہ انھیں اجازت ہی ہو گی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت، یعنی انبیاء وملائکہ اور صالحین صرف انھی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیونکہ اللہ کی طرف سے انھی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہو گی، کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی اذن الٰہی کے بعد ہی گناہ گار اہل ایمان کے لیے سفارش کر سکیں گے، کافر ومشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرما دی ہے۔ ﴿مَنۡ ذَا الَّذِيۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ﴾ (البقرۃ 2:255) ”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔“ ﴿وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى﴾ (الأنبیآء 21:28) ”وہ (فرشتے) کسی کی بھی شفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔“ [3] اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وحی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے ہیبت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش بردار فرشتے دوسرے فرشتوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خبر پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) ﴿فُزِّعَ﴾ میں سَلۡبِ ماخذ ہے، یعنی جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔ [4] ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہو گا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان وزمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کچھ اگا سکتے ہیں، اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں نہ کہ دونوں۔ [5] یعنی اس کے مطابق جزا دے گا، نیکوں کو جنت میں اور بدوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

Marfat.com

اَلۡعَلِيۡمُ (26) قُلۡ اَرُوۡنِیَ الَّذِيۡنَ اَلۡحَقۡتُمۡ بِهٖ شُرَكَآءَ
جاننے والا ہے (26) کہہ دیجیے: تم مجھے وہ (معبود) دکھاؤ جنھیں تم نے شریک ٹھہرا کر اس (اللہ)
كَلَّا ؕ بَلۡ هُوَ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (27) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا
کے ساتھ ملا دیا ہے، (ایسا) ہرگز نہیں![1] بلکہ وہی اللہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے (27) اور
كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ
ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے، لیکن
لَا يَعۡلَمُوۡنَ (28) وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (29)
اکثر لوگ نہیں جانتے (28)[2] اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟ (29)[3] کہہ
قُلۡ لَّكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً
دیجیے: تمھارے لیے ایک ایسے دن کا وعدہ ہے کہ نہ تم اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے اور
وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ (30) وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ
نہ تم آگے بڑھ سکو گے (30)[4] اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا: ہم اس (قرآن) پر ہرگز ایمان نہیں
وَلَا بِالَّذِيۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ ؕ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ
لائیں گے اور نہ ان (کتابوں) پر جو اس سے پہلے آئیں[5] اور (اے نبی!) کاش آپ دیکھیں! جب ظالم
عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۖۚ يَرۡجِعُ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضِ اۨلۡقَوۡلَ ۚ يَقُوۡلُ
لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے، جبکہ ان کا بعض بعض کی بات رد کر رہا ہوگا[6] تو جو
الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لَوۡلَاۤ اَنۡتُمۡ لَكُنَّا
لوگ (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو تکبر کرتے تھے:[7] اگر تم نہ ہوتے تو

[1] یعنی اس کا کوئی نظیر ہے نہ ہمسر بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔ [2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کریم ﷺ کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ کو پوری نسل انسانیت کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا: یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ کی خواہش اور کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت دوسرے مقامات پر بھی فرمائی ہے، مثلاً: آپ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا: قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا (الأعراف 158:7) ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا (الفرقان 25 :1) ''بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔'' ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ① ایک مہینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔ ② تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، میری امت وہاں نماز ادا کرے۔ ③ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ ④ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ⑤ پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 335، وصحيح مسلم، حديث: 521) ایک اور حدیث میں فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (صحيح مسلم، حديث: 521، و سنن الدارمي: 183/2) ''مجھے احمر اور اسود کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' احمر و اسود سے مراد بعض نے جن و انس اور بعض نے عرب و عجم لیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح اکثریت کی بے علمی اور گمراہی کی وضاحت ہے، جیسے دوسرے مقام پر ہے: وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ (يوسف 103:12) ''آپ (ﷺ) کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔'' مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ (الأنعام 116:6) ''اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔'' جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔ [3] یہ بطور استہزا کے پوچھتے تھے کیونکہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔ [4] یعنی اللہ نے قیامت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آ جائے گا تو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ؕ (نوح 4:71) ''یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا۔'' [5] جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے بَيۡنَ يَدَيۡهِ سے مراد دار آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تر دلائل کے باوجود قرآن کریم اور دار آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔ [6] یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناتے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے۔ [7] یعنی دنیا میں یہ لوگ، جو سوچے سمجھے

Marfat.com

مُؤْمِنِيْنَ ﴿31﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ

یقیناً ہم مومن ہوتے ﴿31﴾ [1] وہ لوگ جو تکبر کرتے تھے ان لوگوں سے کہیں گے جو کمزور سمجھے جاتے تھے:

صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾

کیا ہم نے تمھیں ہدایت سے روکا تھا جب وہ تمھارے پاس آگئی تھی؟ بلکہ تم (خود ہی) مجرم تھے ﴿32﴾ [2]

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ

اور وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ان لوگوں سے کہیں گے جو تکبر کرتے تھے: (نہیں!) بلکہ (تمھاری)

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ

رات اور دن کی چالوں ہی نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں

لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ

اور اس کے لیے شریک ٹھہرائیں، [3] اور وہ (سب دل میں) ندامت چھپائیں گے [4] جب عذاب دیکھیں گے،

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ

اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا، [5] انھیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿33﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ

جو وہ عمل کرتے تھے ﴿33﴾ [6] اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا (رسول) بھیجا تو اس کے خوشحال

اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿34﴾ وَقَالُوْا

لوگوں نے یہی کہا: بلاشبہ جس چیز کے ساتھ تمھیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں ﴿34﴾ [7] اور

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿35﴾ قُلْ

انھوں نے کہا: ہم (تم سے) مال اور اولاد میں زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا ﴿35﴾ [8] آپ

بغیر روشِ عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن کے وہ دنیا میں پیروکار بنے رہے تھے۔ [1] یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیان حق کے پیچھے چلنے سے روکے رکھا تھا اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً ایمان والے ہوتے۔ [2] یعنی ہمارے پاس کون سی طاقت تھی کہ ہم تمھیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو، حالانکہ سب کچھ تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہو نہ کہ ہم۔ [3] یعنی ہم مجرم تو تب ہوتے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات دن ہمیں گمراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے جس سے بالآخر ہم تمھارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔ [4] یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن شماتتِ اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔ [5] یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔ [6] یعنی دونوں کو ان کے عملوں کی سزا ملے گی، لیڈروں کو ان کے مطابق اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ (الأعراف 7:38) ”ہر ایک کو دگنا عذاب ہوگا لیکن تم نہیں جانتے۔“ [7] یہ نبیٔ کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مکے کے رؤساء اور چودھری آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ کو ایذائیں پہنچا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے خوش حال لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی ہوتے تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ○ (الشعرآء 26:111) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ تیرے پیروکار کمینے لوگ ہیں۔“ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (هود 11:27) ”اور تیرے تابعداروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے نیچ اور موٹی عقل والوں کے اور کوئی نہیں۔“ دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے یہی کہا، ملاحظہ ہو۔ (سورۂ انعام 6:53,133 وسورۂ اعراف 7:75، سورۂ بنی اسرائیل 17:16 وغیرہ) مُتْرَفُوْنَ کے معنی ہیں: اصحاب ثروت وریاست۔ اور خوش حال لوگ جن میں بڑائی بھی ہو۔ [8] یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال واولاد کی کثرت سے نوازا ہے تو قیامت بھی اگر برپا ہوئی تو ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ گویا انھوں نے دار آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافر ومومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا، حالانکہ آخرت تو دار الجزا ہے، وہاں تو دنیا میں کیے گئے عملوں کی جزا ملنی ہے۔ اچھے عملوں کی جزا اچھی اور برے عملوں کی بری۔ جبکہ دنیا دار الامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انھوں نے دنیاوی مال واسباب کی فراوانی رضائے الٰہی کی دلیل سمجھی، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو سب سے زیادہ مال اور اولاد سے نوازتا۔

Marfat.com

إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ
کہہ دیجیے: بلاشبہ میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾ وَمَآ أَمْوٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلٰدُكُمْ بِالَّتِيْ
کرتا ہے[1] لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿36﴾ اور تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایسے نہیں جو تمھیں درجے
تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى إِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَأُولٰٓئِكَ
میں ہمارے قریب کر دیں،[2] مگر (مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے[3] تو یہی لوگ
لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿37﴾
ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا دگنا بدلہ ہے[4] اور وہ بالا خانوں میں امن سے رہیں گے ﴿37﴾ اور
وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ أُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ
جو لوگ ہمیں عاجز کرنے کے لیے ہماری آیتوں (کو جھٹلانے) میں کوشش کرتے ہیں وہی لوگ
مُحْضَرُوْنَ ﴿38﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ﴿38﴾ کہہ دیجیے: بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے
مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے (چاہے)،[5] اور تم کوئی چیز بھی خرچ کرتے
فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿39﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا
ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے،[6] اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ﴿39﴾ [7] اور جس دن وہ ان سب کو جمع
ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿40﴾
کرے گا، پھر وہ فرشتوں سے کہے گا: کیا یہی لوگ تمھاری عبادت کیا کرتے تھے؟ ﴿40﴾ [8] وہ کہیں
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
گے: تو پاک ہے، تو ہی ان کے ماسوا ہمارا کارساز ہے،[9] بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے،[10]

[1] اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبہے کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے، اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے جس کو چاہتا ہے فقیر رکھتا ہے۔ [2] یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمھیں خاص مقام حاصل ہے۔ [3] یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمھاری شکلیں اور تمھارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔“ (صحيح مسلم، حديث: 2564) [4] بلکہ کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔ [5] پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے لیکن کس لیے۔ استدراج کے طور پر اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، کس لیے۔ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے، اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور اس کی کمی، اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔ [6] إِخْلَاف کے معنی ہیں: عوض اور بدلہ دینا۔ یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ (صحيح البخاري، حديث: 4684) ”تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔“ (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا ”اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔“ دوسرا کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا ”اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما۔“ (صحيح البخاري، حديث: 1442) [7] کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق و تیسیر اور اس کی تقدیر سے ہی ہے، حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح باپ بچوں کا یا بادشاہ اپنے لشکر کو تنخواہ دیتا ہے، حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے، اس لیے جو شخص اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس درحقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا، تاہم یہ اس کا مزید فضل و کرم ہے کہ اس کے دیے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔ [8] یہ مشرکین کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا: ”کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا۔“ (المآئدة 5:116) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ”یا اللہ! تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا، وہ بات میں کیوں کر کہہ سکتا تھا۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا، جیسا کہ سورۂ فرقان 25:17 میں بھی گزرا کہ کیا یہ تمھارے کہنے پر تمھاری عبادت کرتے تھے؟ [9] یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار براءت کریں گے اور

Marfat.com

الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿41﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ
ان کے اکثر انھی پر ایمان رکھتے تھے﴿41﴾ چنانچہ (کہا جائے گا:) آج تمھارا کوئی بھی کسی کے لیے
لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ
کسی نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا[1] اور ہم ان ظالموں[2] (مشرکوں) سے کہیں گے: اس آگ
النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿42﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے﴿42﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں
بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ
(تو) وہ کہتے ہیں: یہ ایک ایسا آدمی[3] ہی تو ہے جو چاہتا ہے کہ تمھیں ان (معبودوں) سے روک
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ
دے جن کی تمھارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے، اور وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) ایک گھڑا
مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ
ہوا جھوٹ ہی تو ہے[4] اور جب ان کافر لوگوں کے پاس حق آیا تو انھوں نے اس کے بارے میں
هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿43﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ
کہا: یہ تو کھلا جادو ہی ہے﴿43﴾[5] اور ہم نے ان (مشرکین عرب) کو کوئی کتابیں نہیں دی تھیں کہ وہ
يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿44﴾
انھیں پڑھتے ہوں، اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا (بھی) نہیں بھیجا﴿44﴾[6] اور
وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ
ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا جبکہ یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے جو ہم
ع 5 11 مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿45﴾
نے ان کو دیا تھا، پس انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ہوا ان پر میرا (عبرتناک) عذاب؟﴿45﴾[7] کہہ
قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى
دیجیے: بس میں تو تمھیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک (ہوکر)
ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ
کھڑے ہو جاؤ، پھر تم غور وفکر کرو، تمھارے ساتھی (نبی) میں کوئی دیوانگی (کی بات) نہیں[8]، وہ تو صرف

کہیں گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق؟ [10] الْجِنَّ سے مراد شیاطین ہیں، یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے پجاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور انھیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ (النسآء 117:4) ''یہ اللہ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو اور سرکش شیطان کو پکارتے (پوجتے) ہیں۔''

[1] یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمھیں فائدہ پہنچائیں گے، تمھاری سفارش کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تمھیں نجات دلوائیں گے، جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن آج دیکھ لو کہ یہ لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔ [2] ظالموں سے مراد غیر اللہ کے پجاری ہیں کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔ [3] شخص سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ باپ دادا کا دین ان کے نزدیک صحیح تھا، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کا ''جرم'' یہ بیان کیا کہ یہ تمھیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمھارے آباء واجداد عبادت کرتے رہے۔ [4] اس دوسرے هٰذَآ سے مراد قرآن کریم ہے، اسے انھوں نے تراشا ہوا بہتان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔ [5] قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کہا اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مفہوم ومطالب سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے معجزانہ نظم واسلوب اور اعجاز وبلاغت سے۔ (فتح القدیر)

[6] اس لیے وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفۂ آسمانی نازل ہو لیکن جب یہ چیزیں آئیں تو انکار کر دیا۔ [7] یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے تکذیب وانکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم سے پچھلی امتیں بھی اسی راستے پر چل کر تباہ وبرباد ہو چکی ہیں، حالانکہ یہ امتیں مال ودولت، قوت وطاقت اور عمروں کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورۂ احقاف 26:46 میں بیان فرمایا گیا ہے۔ [8] یعنی میں تمھیں تمھارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ضد اور انانیت چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک ایک دو دو ہو کر ... بابت سوچو کہ میری زندگی تمھارے اندر گزری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمھیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے۔ تم اگر عصبیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمھارے رفیق کے اندر دیوانگی نہیں ہے۔

Marfat.com

بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿46﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ

تمھیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے﴿46﴾ [1] آپ کہہ دیجیے: میں نے تم سے جو

فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

کوئی صلہ مانگا ہو تو وہ تمھارے ہی لیے ہے،[2] میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے، اور وہ ہر شے پر شاہد

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿47﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ

ہے﴿47﴾ کہہ دیجیے: بلاشبہ میرا رب ہی (پیغمبر پر) حق بات ڈالتا ہے،[3] (وہ) چھپی باتیں خوب

الْغُيُوْبِ ﴿48﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿49﴾

جانتا ہے﴿48﴾ آپ کہہ دیجیے: حق آگیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھرے گا﴿49﴾ [4] کہہ دیجیے:

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ

اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بلاشبہ میرے بہکنے کا وبال مجھی پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی وجہ

فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿50﴾ وَلَوْ

سے ہے جو میرا رب میری طرف کرتا ہے،[5] بے شک وہ خوب سننے والا، نہایت قریب ہے﴿50﴾ [6] اور کاش!

تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ

آپ دیکھیں جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے، تو وہ (بھاگ کر) بچ نہ سکیں گے[7] اور وہ قریب ہی کی جگہ

قَرِيْبٍ ﴿51﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ

سے پکڑ لیے جائیں گے﴿51﴾ اور وہ کہیں گے: ہم (اب) اس پر ایمان لائے ہیں، اور ان کے لیے

[1] یعنی وہ تو صرف تمھاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمھیں بھگتنا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا: یا صباحاہ! (یہ الفاظ خطرے کی گھنٹی سمجھے جاتے تھے) جسے سن کر قریش جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بتلاؤ! اگر میں تمھیں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر سن لو کہ میں تمھیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: تبا لك ألهذا جمعتنا ''تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4801) [2] اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال ومتاع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرما دیا تاکہ ان کے دلوں میں اگر یہ شک وشبہ پیدا ہو کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد کہیں دنیا کمانا تو نہیں تو وہ دور ہو جائے۔ [3] يَقْذِفُ کے معنی: تیراندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دوسرے معنی ہی ہیں، یعنی وہ حق کے ساتھ گفتگو فرماتا، اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح فرماتا ہے، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المؤمن 15:40) ''اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔'' [4] حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر وشرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آگیا ہے جس سے باطل مضمحل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الأنبياء 18:21) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں، پس سچ جھوٹ کو توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔'' حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور یہ آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4287) [5] یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے، اس میں رشد وہدایت ہے، صحیح راستہ لوگوں کو اسی سے ملتا ہے، پس جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لیے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے: «أَقُولُ فِيهَا بِرَأْيِي فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ مِنْهُ» (ابن کثیر) ''میں اس میں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔'' [6] جس طرح کہ حدیث میں ہے: «إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا مُجِيبًا» (صحيح البخاري، حديث: 6384، ومسند أحمد: 403/4) ''تم بہری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب اور قبول کرنے والا ہے۔'' [7] فَلَا فَوْتَ کہیں بھاگ نہیں سکیں گے کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

Marfat.com

مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿52﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ

(اتنی) دور کی جگہ سے (ایمان کا) حصول کہاں (ممکن) ہوگا![1] ﴿52﴾ حالانکہ انھوں نے اس سے پہلے

وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿53﴾ وَحِيْلَ

(دنیا میں) اس کا انکار کیا تھا، اور وہ دور کی جگہ سے بن دیکھے ہی (اٹکل کے تیر) پھینکتے رہے ﴿53﴾[2] اور

بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ

ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جنھیں وہ چاہتے ہیں، آڑ حائل کردی جائے گی،[3] جیسے اس سے

مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿54﴾ ع 6/9/12

پہلے ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا تھا،[4] بلاشبہ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو تردد میں ڈالنے والا ہے ﴿54﴾[5]

ایاتھا: 45 | سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے،[6] فرشتوں کو قاصد

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ

بنانے والا ہے[7] جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں، وہ اللہ جو چاہے (اپنی) مخلوق میں

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿1﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ

زیادہ کرتا ہے،[8] بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿1﴾ اللہ لوگوں کے لیے (اپنی) رحمت سے جو

رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ

کھول دے تو کوئی اسے بند کرنے والا نہیں، اور جسے وہ بند کردے اس کے بعد کوئی اسے بھیجنے

بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿2﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

(کھولنے) والا نہیں،[9] اور وہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿2﴾ اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ

کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دے؟ اس کے سوا

وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿3﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ

کوئی (سچا) معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟ ﴿3﴾[10] اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو

[1] اَلتَّنَاوُشُ کے معنی تناول، یعنی پکڑنے کے ہیں، یعنی اب آخرت میں انھیں ایمان کس طرح حاصل ہوسکتا ہے جبکہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے کسی چیز کو پکڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی گنجائش نہیں۔ [2] یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو، گھڑا ہوا جھوٹ اور پہلوں کی کہانیاں ہیں یا محمد ﷺ کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے یا مجنون ہے جبکہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔ [3] یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کرلیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے لیکن ان کے درمیان اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کر دیا، یعنی اس خواہش کو رد کر دیا جائے گا۔ [4] یعنی پچھلی امتوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معائنے کے بعد ایمان لائیں۔ [5] اس لیے اب معائنۂ عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہوسکتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ''ریب وشک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہوگا، اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت والے دن یقین پر ہی اٹھے گا۔'' (ابن کثیر) [6] فَاطِرِ کے معنی ہیں: مُخْتَرِعٌ پہلے پہل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان وزمین پہلے پہل بغیر نمونے کے بنائے تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ [7] مراد جبریل، میکائیل، اسرافیل وغیرہ فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی طرف یا مختلف مہمات پر قاصد بنا کر بھیجتا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں جن کے ذریعے سے وہ زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔ [8] یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا، اس کے چھ سو پر تھے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4856) بعض نے اس کو عام رکھا ہے، جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہر چیز کا حسن داخل ہے۔ [9] ان ہی نعمتوں میں سے ارسال رسل اور انزال کتب بھی ہے یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے یا روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوا نہ کوئی معطی اور منعم ہے اور نہ مانع وقابض۔ جس طرح نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ» (صحيح مسلم، حديث: 593) ''اے اللہ! جو تو دے، اسے روکنے والا اور جو تو روک لے، اسے دینے والا کوئی نہیں۔'' [10] یعنی اس بیان و وضاحت کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ تُؤْفَكُوْنَ اگر أَفْكٌ سے ہو (بم

Marfat.com

فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ
تحقیق آپ سے پہلے (بھی) کئی رسول جھٹلائے گئے ہیں، اور سب امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے
الْأُمُورُ ﴿4﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
ہیں④ [1] اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے،[2] چنانچہ تمھیں دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے،[3]
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿5﴾ إِنَّ الشَّيْطَانَ
اور تمھیں بڑا دھوکے باز (شیطان بھی) اللہ کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈالے⑤ [4] بے شک
لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ
شیطان تمھارا دشمن ہے، لہٰذا تم اسے دشمن ہی جانو،[5] بس وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ
أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿6﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ
جہنم والوں میں سے ہو جائیں⑥ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور جو
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿7﴾
لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے⑦ [6] کیا
أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ
پھر وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل پر کشش بنا دیا گیا، سو وہ اسے اچھا دیکھتا ہے[7] (ہدایت یافتہ شخص کی
اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ
طرح ہو سکتا ہے؟) چنانچہ بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے،[8] لہٰذا آپ
نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿8﴾
کی جان ان پر افسوس کرتے ہوئے نہ جاتی رہے،[9] یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں⑧ [10] اور
وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ
اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، وہ بادل اٹھاتی ہیں تو ہم اسے مردہ شہر کی طرف ہانک لے

پر زبر) تو معنی ہوں گے: پھرنا، تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ اور اگر إِفْك سے ہو (ہمزہ کے نیچے زیر) تو معنی ہیں: جھوٹ، جو سچ سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ تمھارے اندر توحید اور آخرت کا انکار کہاں سے آ گیا جبکہ تم مانتے ہو کہ تمھارا خالق اور رازق اللہ ہے۔ (فتح القدیر) [1] اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کو جھٹلا کر یہ کہاں جائیں گے۔ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی کرنا ہے۔ جس طرح پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انھیں سوائے بربادی کے کیا ملا، اس لیے یہ بھی اگر باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔ [2] کہ قیامت برپا ہوگی اور نیک و بد کو ان کے عملوں کی جزا و سزا دی جائے گی۔ [3] یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے لیے تیار کر رکھی ہیں، پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نظر انداز نہ کرو۔ [4] یعنی اس کے داؤ اور فریب سے بچ کر رہو، اس لیے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمھیں دھوکے میں مبتلا کر کے جنت سے محروم کرنا ہے۔ یہی الفاظ سورۂ لقمان 33:31 میں بھی گزر چکے ہیں۔ [5] یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے انسان کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا (الکہف 50:18) ”کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔“ [6] یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان ہی پر ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہوگا۔ [7] جس طرح کفار و فجار ہیں، وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ کیا پس ایسا شخص جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے۔ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے۔ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔ [8] اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی رو سے اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ٹھہرا چکا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔ [9] کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت اور علم تام پر مبنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔ [10] یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خبیر اور ایک حکیم کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا الل ٹپ استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشنام پر بھی خلعتوں سے نواز دیتے ہیں۔

Marfat.com

بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

جاتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ کرتے ہیں،

كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿9﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

اسی طرح (انسانوں کا) دوبارہ جی اٹھنا ہے ⑨ جو شخص[1] عزت چاہتا ہے، پس عزت تو ساری کی ساری

جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

اللہ ہی کے لیے ہے،[2] اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں[3] اور عمل صالح انھیں اوپر اٹھاتا ہے،[4]

يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ

اور جو لوگ بری چالیں چلتے ہیں[5] ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور انھی لوگوں کی چال ہی برباد

وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿10﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

ہو کے رہے گی ⑩[6] اور اللہ ہی نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے،[7] پھر اس نے تمھیں

نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ

جوڑے جوڑے بنایا، اور جو بھی مادہ حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی ہے اسے اس کا علم ہوتا ہے[8] اور بڑی عمر

اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا

والے کو عمر دی جاتی ہے یا اس کی عمر کم کی جاتی ہے (وہ) ایک کتاب (لوح محفوظ) میں (درج)

فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿11﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ

ہے،[9] بلاشبہ یہ (بات) اللہ پر نہایت آسان ہے ⑪ اور دو دریا برابر نہیں، یہ (ایک) میٹھا خوب

[1] یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت والے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے: «كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَبْلَى إِلَّا عَجْبُ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ» (صحيح البخاري، حديث: 4814، و صحيح مسلم، حديث: 2955) ''انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف دم کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کو پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی۔'' [2] یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل ہو جائے گا، اس لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزتیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی معزز ہوگا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۞ ﴾ (النسآء 4:139) ''وہ لوگ (منافق) مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضے میں ہے۔'' [3] ﴿ اَلْكَلِمُ ﴾ كَلِمَة کی جمع ہے، ستھرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ چڑھتے ہیں کا مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا انھیں لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تا کہ اللہ ان کی جزا دے۔ [4] ﴿ يَرْفَعُهٗ ﴾ میں ضمیر کا مرجع کون ہے۔ بعض کہتے ﴿ اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ ہے، یعنی عمل صالح، کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے، یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح، یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں: ﴿ يَرْفَعُهٗ ﴾ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے، اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس (کلام) کا عامل فی الواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے۔ (فتح القدیر) گویا قول، عمل کے بغیر اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔ [5] خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی ﷺ کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار مکہ کرتے رہے، وہ بھی مکر ہے، ریاکاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔ [6] یعنی ان کا مکر بھی برباد ہوگا اور اس کا وبال بھی انھی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ﴾ (فاطر 35:43) ''اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔'' [7] یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمھاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔ [8] یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں حتی کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی گہرائیوں میں نشوونما پانے والے بیج کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الأنعام 6:59) [9] اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر و قضا سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں جس سے عمر لمبی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلہ رحمی وغیرہ ہے جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقصیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے، مثلاً: کسی آدمی کی عمر 70 سال ہے لیکن کبھی اسبابِ زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کر دیتا ہے جب وہ اسبابِ نقصان

Marfat.com

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ
میٹھا پینے میں خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) کھارا سخت کڑوا ہے، اور ہر ایک میں سے تم تازہ
كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ
گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جنھیں تم پہنتے ہو، اور آپ اس (دریا)
وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
میں پانی کو پھاڑ کر چلنے والی کشتیاں دیکھیں گے[1] تاکہ تم اس (اللہ) کا فضل تلاش کرو اور تاکہ
تَشْكُرُوْنَ ﴿12﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
تم شکر کرو ﴿12﴾ وہ رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج
فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے، ہر ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے، یہی اللہ تمھارا رب ہے،[2]
مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
اسی کی بادشاہی ہے، اور جنھیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کی باریک
دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿13﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا
جھلی جتنا بھی اختیار نہیں رکھتے ﴿13﴾ [3] اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے[4] اور اگر وہ سن
دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
بھی لیں تو وہ تمھیں جواب نہیں دے سکتے[5] اور قیامت کے دن وہ تمھارے (اس) شرک کا انکار
يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿14﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
کر دیں گے[6] اور کوئی آپ کو خوب باخبر (اللہ) کے مانند خبر نہیں دے گا ﴿14﴾ [7] اے لوگو! تم (سب)
اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿15﴾ اِنْ يَّشَاْ
اللہ ہی کے محتاج ہو[8] اور اللہ ہی بالکل بے نیاز،[9] قابل تعریف ہے ﴿15﴾ [10] اگر وہ چاہے تو تمھیں لے
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿16﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
جائے (فنا کر دے) اور (تمھاری جگہ) ایک نئی مخلوق لے آئے ﴿16﴾ [11] اور اللہ کے لیے یہ (بات)

اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿ (النحل 61:16) ”جب اُن کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“ کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿ (الرعد 39:13) ”اللہ جو چاہتا ہے، مٹاتا اور ثبت کرتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔“ (فتح القدیر)

[1] مَوَاخِرَ وہ کشتیاں جو آتے جاتے پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دوسری چیزوں کی وضاحت سورۂ فرقان 53:25 میں گزر چکی ہے۔ [2] یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔ [3] یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ قِطْمِيْرٍ اس جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کی گٹھلی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پتلا سا چھلکا گٹھلی پر لفافے کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ [4] یعنی اگر تم انھیں مصائب میں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ جمادات ہیں یا منوں مٹی کے نیچے مدفون۔ [5] یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ، اس لیے کہ وہ تمھاری التجاؤں کے مطابق تمھارا کام نہیں کر سکتے۔ [6] اور کہیں گے: مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿ (یونس 28:10) ”تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔“ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿ (یونس 29:10) ”ہم تو تمھاری عبادت سے بے خبر تھے۔“ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی بلکہ ان میں عاقل (ملائکہ، جن، شیاطین اور صالحین) بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔ [7] اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کنہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کو نہ سننا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔ [8] اَلنَّاسُ کا لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص حتی کہ انبیاء و صلحاء سب آجاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی محتاج ہیں لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ [9] وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس کے اطاعت گزار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ ابراہیم 8:14 کا حاشیہ) [10] یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے، پس ہر نعمت جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد و شکر کا مستحق ہے۔ [11] یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمھیں فنا کے گھاٹ اتار کے تمھاری جگہ ایک نئی

Marfat.com

بِعَزِيْزٍ (17) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ

کچھ مشکل نہیں (17) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا[1] اور اگر کوئی بوجھ لدا

مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ

شخص اپنا بوجھ اٹھانے کو بلائے گا تو اس (کے بوجھ میں) سے کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگرچہ وہ

ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

رشتہ دار ہی ہو[2] بس آپ تو انھی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ

وہ نماز قائم کرتے ہیں[3] اور جو پاک ہوا تو وہ اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے[4] اور (سب کو) اللہ ہی

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (18) وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ (19)

کی طرف لوٹ کر جانا ہے (18) اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں (ہو سکتے) (19)

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ (20) وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ (21)

اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی (20)[5] اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (21)[6]

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ

اور نہ زندے اور نہ مردے برابر ہو سکتے ہیں[7] بے شک اللہ جسے چاہے سنوا دیتا

يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (22) اِنْ اَنْتَ اِلَّا

ہے[8] اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں (22)[9] آپ تو صرف ڈرانے

نَذِيْرٌ (23) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ

والے ہیں (23)[10] بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی

مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (24) وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ

امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا (آیا) ہو (24) اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

تو ان لوگوں نے بھی تو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے ہوئے، ان کے پاس ان کے رسول واضح

مخلوق پیدا کر دے جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمان نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک نئی مخلوق اور نیا عالم پیدا کر دے جس سے تم نا آشنا ہو۔

[1] ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہوگا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا جیسا کہ آیت: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت 13:29) ”وہ ضرور اپنا بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ان کا بوجھ بھی۔“ اور حدیث: «مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ» (صحیح مسلم، حدیث: 1017) ”جس نے کوئی بُرا طریقہ جاری کیا اُس پر اُس بُرے فعل کا بوجھ ہوگا اور اُن تمام لوگوں کا بوجھ بھی ہوگا جنھوں نے اُس کے بعد اُس پر عمل کیا۔“ سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ بھی درحقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔ [2] مُثْقَلَةٌ أَيْ نَفْسٌ مُّثْقَلَةٌ ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہوگا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہوگا۔ [3] یعنی تیرے انذار و تبلیغ کا فائدہ انھی لوگوں کو ہو سکتا ہے، گویا تو انھی کو ڈراتا ہے، ان کو نہیں جن کو انذار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۝ (النّٰزعٰت 45:79) ”آپ تو صرف اس (قیامت) سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں۔“ اور اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ (یٰسٓ 11:36) ”بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے۔“ [4] تَطَهُّر اور تَزَكِّي کے معنی ہیں: شرک اور فواحش کی آلودگیوں سے پاک ہونا۔ [5] اندھے سے مراد کافر اور آنکھوں والا سے مومن، اندھیروں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس وجہ سے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متعدد نہیں، ایک ہے، اس بنا پر اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔ [6] یہ ثواب و عقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔ [7] اَلْاَحْيَآءُ سے مومن اور اَلْاَمْوَاتُ سے کافر مراد ہیں یا علماء اور جاہل یا عقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔ [8] یعنی جسے اللہ ہدایت سے نوازنے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے، اسے حجت و دلیل سننے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ [9] یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جا سکتی، اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے ہمکنار کر دیا ہے، اے پیغمبر! تو انھیں حق کی بات نہیں سنا سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسمت میں بدبختی لکھی ہے، دعوت و تبلیغ سے انھیں فائدہ نہیں ہوتا۔ [10] یعنی آپ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

Marfat.com

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ 25 ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ

نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے (25) [1] پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنھوں نے

كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ 26 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

کفر کیا، پس (دیکھو) میرا عذاب کیسا (عبرتناک) تھا؟ (26) [2] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا

اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے ایسے پھل نکالے جن کے

اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ

رنگ مختلف ہیں، [3] اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ گھاٹیاں ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں، اور

اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ 27 وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

بہت گہری سیاہ [4] (بھی) (27) اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں سے

وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ

بھی (ایسے ہیں کہ) ان کے رنگ مختلف ہیں، [5] بس اللہ سے اس کے بندوں میں سے

مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ 28 اِنَّ

صرف علماء ہی ڈرتے ہیں، [6] بلاشبہ اللہ نہایت غالب، بہت بخشنے والا ہے (28) [7] بلاشبہ جو لوگ

الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

اللہ کی کتاب پڑھتے [8] اور نماز قائم کرتے ہیں [9] اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ 29

پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں [10] وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی (29) [11] تاکہ

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ

وہ (اللہ) انھیں ان کے اجر پورے دے، اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے، [12] بے شک وہ بہت بخشنے

[1] تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ بنابریں اللہ نے ہر امت میں نبی بھیجا، جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد 13:7) ''ہر قوم کے لیے ہادی آیا۔'' وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (النحل 16:36) ''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا۔'' [2] یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ [3] یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور اختلاف ہے، مثلاً: پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف حتیٰ کہ ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں، جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔ [4] اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، جُدَدٌ جُدَّة کی جمع ہے، راستہ یا لکیر غَرَابِيْبُ غِرْبِيب کی جمع اور سُوْدٌ أَسْوَدُ (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غربیب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غربیب، جس کے معنی ہوتے ہیں: بہت گہرا سیاہ۔ (فتح القدیر) [5] یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ [6] یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صناعی کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے مراد کتاب و سنت اور أَسْرَارِ إِلٰهِيّه کا علم ہے اور جتنی انھیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں، گویا جن کے اندر خشیت الٰہی نہیں ہے، سمجھ لو کہ وہ علم صحیح سے بھی محروم ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کی تین قسمیں ہیں۔ ایک: عالم باللہ اور عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا: صرف عالم باللہ، یہ اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے علم ہوتا ہے۔ تیسرا: صرف عالم بامر اللہ، یہ حدود و فرائض سے باخبر ہوتا ہے لیکن خشیت الٰہی سے عاری ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) [7] یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرما دے۔ [8] کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ ''تلاوت کرتے ہیں'' یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ [9] اقامت صلاۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اعتدال ارکان اور خشوع و خضوع کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا۔ [10] یعنی رات دن، علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرچ کرتے ہیں، بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نفلی صدقہ اور علانیہ سے صدقہ واجبہ (زکاۃ) مراد ہے۔ [11] یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ہاں یقینی ہے جس میں مندے اور کمی کا امکان نہیں۔ [12] لِيُوَفِّيَهُمْ متعلق ہے۔ لَنْ تَبُوْرَ کے، یعنی یہ تجارت مندے سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل محذوف کے متعلق ہے کہ وہ یہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں یا اللہ نے انھیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انھیں اجر دے۔

Marfat.com

غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿30﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
والا، نہایت قدر دان ہے ﴿30﴾ [1] اور (اے نبی!) ہم نے جو کتاب آپ کی طرف وحی کی وہی حق ہے [2]، ان
هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ
(کتب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہیں [3]، بے شک اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر،
لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿31﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا
(انھیں) خوب دیکھنے والا ہے ﴿31﴾ [4] پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب [5] کا وارث بنایا جنھیں ہم نے اپنے
مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ
بندوں میں سے چن لیا، پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں [6]، اور بعض ان میں
وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ
میانہ رو ہیں [7]، اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں [8]، یہی بہت
الْكَبِيْرُ ﴿32﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ
بڑا فضل ہے ﴿32﴾ [9] ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں انھیں سونے [10] کے کنگن
اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿33﴾ وَقَالُوا
اور موتی پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا ﴿33﴾ [11] اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا، بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا، خوب
شَكُوْرُۨ ﴿34﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
قدر دان ہے ﴿34﴾ جس نے اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا، اس میں ہمیں کوئی
لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ
تکلیف نہیں پہنچتی، اور اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ﴿35﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا
كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ
ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، ان کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان

[1] یہ تَوْفِيَة اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ خلوص دل سے وہ توبہ کریں، ان کے جذبۂ اطاعت وعمل صالح کا قدر دان ہے، اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے مزید بھی دے گا۔ [2] یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔ [3] تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل کی تھیں، جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتے ہیں۔ [4] یہ اس کے علم وخبر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرما دی کیونکہ وہ جانتا ہے، پچھلی کتابیں تحریف وتغیر کا شکار ہو گئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہی ہیں۔ [5] کتاب سے قرآن اور چنے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے، یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف وفضل سے نوازا۔ یہ تقریباً وہی مفہوم ہے جو آیت: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ﴾ (البقرة 143:2) ”ہم نے اسی طرح تمھیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔“ کا ہے۔ [6] امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انھیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔ [7] یہ دوسری قسم ہے، یعنی ملے جلے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محرمات کے تارک تو ہیں لیکن کبھی مستحبات کا ترک اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک تو ہیں لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔ [8] یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔ [9] یعنی کتاب کا وارث کرنا اور شرف وفضل میں ممتاز (مصطفیٰ) کرنا۔ [10] بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقون جائیں گے لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ آسان حساب کے بعد اور ظالمین شفاعت سے یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: ”یہ امت مرحومہ ہے، ظالم، یعنی گناہ گار کی مغفرت ہو جائے گی، مُقْتَصِد، اللہ کے ہاں جنت میں ہوگا اور سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰت درجات عالیہ پر فائز ہوگا۔ (ابن کثیر) گناہ گار کی مغفرت کا مطلب بالآخر معافی ہے، چاہے سزا بھگت کر یا اس کے بغیر ہی اللہ کے فضل وکرم سے۔ [11] حدیث میں آتا ہے کہ ”ریشم اور دیباج دنیا میں مت پہنو، اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔“ (صحيح البخاري، حديث:5832، وصحيح مسلم، حديث:2073)

Marfat.com

عَنۡهُمۡ مِّنۡ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِيۡ كُلَّ كَفُوۡرٍ ﴿36﴾ وَهُمۡ

سے اس (جہنم) کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر ناشکرے کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ﴿36﴾ اور وہ

يَصۡطَرِخُوۡنَ فِيۡهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا

اس (جہنم) میں چلائیں گے (اور کہیں گے:) اے ہمارے رب! تو ہمیں (اس سے) نکال، (اب) ہم

غَيۡرَ الَّذِيۡ كُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ

نیک عمل کریں گے نہ کہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے؛[1] (اللہ فرمائے گا:) کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی

فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا

کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا[2] تو نصیحت حاصل کر لیتا؟ اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی

لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ﴿37﴾ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ

آیا۔[3] اب تم (عذاب کا مزہ) چکھو، پس ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ﴿37﴾ بلاشبہ اللہ آسمانوں اور زمین

وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿38﴾ هُوَ الَّذِيۡ

کی چھپی چیزیں جانتا ہے؛[4] بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے ﴿38﴾ [5] وہی ہے جس نے

جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِي الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ ؕ

تمھیں زمین میں جانشین بنایا، پھر جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا،

وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَلَا يَزِيۡدُ

اور کافروں کو ان کا کفر ان کے رب کے ہاں ناراضی ہی میں زیادہ کرتا ہے، اور کافروں

الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿39﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ شُرَكَآءَكُمُ

کو ان کا کفر نقصان ہی میں زیادہ کرتا ہے ﴿39﴾ [6] آپ کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو

الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِيۡ مَاذَا

اپنے جن شریکوں (معبودوں) کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ انھوں نے زمین سے کیا

خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمۡ

کچھ پیدا کیا ہے یا ان کا آسمانوں (کی پیدائش) میں کوئی حصہ ہے؟ یا ہم نے انھیں کوئی کتاب

اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنۡهُ ۚ بَلۡ اِنۡ يَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ

دی ہے اور وہ اس کی کسی واضح دلیل پر (قائم) ہیں؟[7] بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو محض پُر فریب

بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿40﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ

وعدے دیتے ہیں ﴿40﴾ [8] بلاشبہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے (کہیں) وہ دونوں (اپنی

[1] یعنی غیروں کی بجائے تیری عبادت اور معصیت کی بجائے اطاعت کریں گے۔ [2] اس سے مراد کتنی عمر ہے۔ مفسرین نے مختلف عمریں بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ 60 سال کی عمر مراد ہے۔ (ابن کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعیین صحیح نہیں، اس لیے کہ عمریں مختلف ہوتی ہیں، کوئی جوانی میں، کوئی کہولت میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے، پھر یہ ادوار بھی لمحۂ گزراں کی طرح مختصر نہیں ہوتے بلکہ ہر دور خاصا ممتد (لمبا) ہوتا ہے، مثلاً: جوانی کا دور، بلوغت سے کہولت تک اور کہولت (ادھیڑ عمر) کا دور شیخوخت (بڑھاپے) تک اور بڑھاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار، نصیحت خیزی اور اثر پذیری کے لیے چند سال، کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہوگا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا، پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ [3] اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یعنی یاد دہانی اور نصیحت کے لیے پیغمبر اور اس کے منبر و محراب کے وارث علماء اور دعاۃ تیرے پاس آئے لیکن تو نے اپنی عقل و فہم سے کام لیا نہ داعیان حق کی باتوں کی طرف دھیان کیا۔ [4] یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے لیکن ہمیں علم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمھیں اگر دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ﴾ (الأنعام 28:6) ''اگر انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انھیں منع کیا گیا تھا۔'' [5] یہ پچھلی بات کی تعلیل (سبب بیان کرنا) ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو جبکہ وہ سینوں کی باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔ [6] یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا بلکہ اس سے اللہ کے غضب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہوگا اور انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔ [7] یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کوئی شریک ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق میں حصے دار اور شریک ہیں۔ [8] یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔ ان کے لیڈر اور پیر کہتے تھے کہ یہ معبود انھیں نفع پہنچائیں گے، انھیں اللہ

Marfat.com

وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ

جگہ سے) ہٹ نہ جائیں[1] اور فی الواقع اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے بعد انھیں کوئی بھی تھام

مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿41﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ

نہیں سکے گا،[2] بلاشبہ وہ بڑا حلم والا، بہت بخشنے والا ہے ﴿41﴾[3] اور انھوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں

جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَهۡدٰی مِنۡ

کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ضرور ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے،[4] پھر

اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ﴿42﴾

جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا[5] تو اس (کی آمد) نے ان کو (حق سے) نفرت ہی میں زیادہ کیا ﴿42﴾

اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَمَکۡرَ السَّیِّئِ ؕ وَلَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّئُ

زمین میں تکبر کرنے[6] اور بری چال کی وجہ سے،[7] اور بری چال اس کے چلنے والے ہی کو گھیرتی

اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ

ہے،[8] پھر وہ پہلے لوگوں کے (بارے میں اللہ کے) طریقے[9] کا انتظار ہی تو کرتے ہیں، چنانچہ

لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِیۡلًا ﴿43﴾

آپ اللہ کا طریقہ بدلتا ہرگز نہ پائیں گے،[10] اور آپ اللہ کا طریقہ ٹلتا ہرگز نہ پائیں گے ﴿43﴾[11]

کے قریب کر دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ باتیں شیاطین مشرکین سے کہتے تھے۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جس کا اظہار وہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے جس سے ان کو اپنے کفر پر جمے رہنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

[1] کَرَاهَةَ أَنْ تَزُولَا یا لِئَلَّا تَزُولَا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت وصنعت کا بیان ہے۔ بعض نے کہا: مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک کا اقتضا ہے کہ آسمان وزمین اپنی حالت پر برقرار نہ رہیں بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں، جیسے آیت: تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ○ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ○ (مریم 91,90:19) ''قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھیں۔'' کا مفہوم ہے۔ [2] یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کے ساتھ اس کی کمال مہربانی بھی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے اور انھیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ہے ورنہ پلک جھپکنے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے کیونکہ اگر وہ انھیں تھامے نہ رکھے اور انھیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان کو تھام لے۔ اِنۡ اَمۡسَکَهُمَا میں اِنۡ نافیہ ہے۔ اللہ نے اپنے اس احسان اور نشانی کا تذکرہ دوسرے مقامات پر بھی فرمایا ہے، مثلاً: وَیُمۡسِکُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَی الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (الحج 65:22) ''اسی نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے مگر جب اس کا حکم ہوگا۔'' اور وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ (الروم 25:30) ''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان وزمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔'' [3] اتنی قدرتوں کے باوجود وہ حلیم ہے۔ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کفر وشرک اور نافرمانی کر رہے ہیں، پھر بھی وہ ان کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور غفور بھی ہے، کوئی تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، توبہ واستغفار وندامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔ [4] اس میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ بعثت محمدی سے قبل یہ مشرکین عرب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری طرف کوئی رسول آیا تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر ایمان لانے میں ایک مثالی کردار ادا کریں گے۔ یہ مضمون دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورة الأنعام 157,156:6، وسورة الصّٰفّٰت 37:167-170) [5] یعنی حضرت محمد ﷺ ان کے پاس نبی بن کر آ گئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔ [6] یعنی آپ کی نبوت پر ایمان لانے کی بجائے انکار ومخالفت کا راستہ محض استکبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔ [7] اور بری تدبیر، یعنی حیلہ، دھوکا اور عمل قبیح کی وجہ سے کیا۔ [8] یعنی لوگ مکر وحیلہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور اس کا وبال بالآخر مکر وحیلہ کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔ [9] یعنی کیا یہ اپنے کفر وشرک، رسول کی مخالفت اور مومنوں کو ایذائیں پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انھیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے جس طرح پچھلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔ [10] بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مکذب (جھٹلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ [11] یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھیرنے والا نہیں ہے، یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے، کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیر دے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ڈرانا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، وہ کفر وشرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں ورنہ وہ اس سنت الٰہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آ کر رہیں گے، کوئی اس قانونِ الٰہی

Marfat.com

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

پہلے تھے جبکہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے، اور اللہ (ایسا) نہیں کہ اسے کوئی چیز

لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

آسمانوں میں اورزمین میں عاجز کر دے، بلاشبہ وہ خوب جاننے والا، بڑی

عَلِيْمًا قَدِيْرًا 44 وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ

قدرت والا ہے (44) اور اگر اللہ لوگوں کو اس وجہ سے پکڑتا جو انھوں نے کمایا تو وہ اس (زمین) کی

عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ

پشت پر چلنے والا کوئی جاندار نہ چھوڑتا،[1] لیکن وہ انھیں ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے،[2] پھر جب ان

مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا 45

کا مقررہ وقت آجائے گا (تو وہی انھیں سزا دے گا) یقیناً اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (45)[3]

اٰیاتُھا: 83 | سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتُھا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰسٓ 1 وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ 2 اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ 3

یٰسٓ (1)[4] قسم ہے قرآن حکیم کی (2)[5] بلاشبہ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں (3)[6]

عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ 4 تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ 5

راہ راست پر ہیں (4)[7] (یہ قرآن) نہایت غالب، خوب رحم کرنے والے (اللہ) کا اتارا ہوا ہے (5)[8]

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ 6

تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے، لہٰذا وہ (دین سے) غافل ہیں (6)[9]

کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الٰہی کو پھیرنے پر۔

[1] انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرما دیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب دَابَّہ (انسان اور حیوان) مرجاتے۔ [2] یہ میعاد معین دنیا میں بھی ہوسکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔ [3] یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجروثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب وعقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔ ☆ سورۂ یٰسٓ کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں، مثلاً: یہ کہ یہ قرآن کا دل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفۃ: 312/1، حدیث: 169) [4] بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی ﷺ کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بتلایا ہے لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروفِ مُقَطَّعَات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ [5] یا قرآن محکم کی جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم، یعنی پختہ ہے۔ واؤ قسم کے لیے ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔ [6] مشرکین نبی ﷺ کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے: لَسْتَ مُرْسَلًا (الرعد 43:13) ''تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے۔'' اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ کے شرف وفضل کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کی قسم نہیں کھائی، یہ بھی آپ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ ﷺ [7] یہ اِنَّكَ کی دوسری خبر ہے، یعنی آپ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔ [8] یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے، یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے الرَّحِيْمِ ہے، یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا، اس کے لیے نہایت مہربان ہے۔ [9] یعنی آپ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی ﷺ سے پہلے، براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا

بلاشبہ ان کی اکثریت پر (اللہ کا) قول ثابت ہوگیا ہے، چنانچہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑦[1]

جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں اور وہ (ان کی) ٹھوڑیوں تک ہیں، لہٰذا وہ

مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ

سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں⑧[2] اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی، اور ان کے

خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨

پیچھے بھی ایک دیوار،[3] پھر ہم نے ان (کی آنکھوں) کو ڈھانک دیا،[4] لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے⑨

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩

اور ان پر برابر ہے، خواہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑩[5] بس آپ تو

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ

صرف اس شخص کو ڈراتے ہیں[6] جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے، لہٰذا آپ اسے

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى

مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیجیے ⑪ بلاشبہ ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے،[7] اور جو (اعمال)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ

وہ آگے بھیج[8] چکے انھیں ہم لکھ رہے ہیں اور ان کے آثار (نشاناتِ قدم) کو بھی، اور ہم نے ہر شے کو واضح

[1] جیسے ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔'' (السجدة 13:32) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا: ''میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔'' (صٓ 84:38)، یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جہنم کا مستحق قرار دے لیا کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا لیکن انھوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جہنم کا ایندھن بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے جبرًا ان کو ایمان سے محروم رکھا کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔ [2] جس کی وجہ سے وہ اِدھر اُدھر دیکھ سکتے ہیں نہ سر جھکا سکتے ہیں بلکہ وہ سر اوپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے عدم قبول حق کی اور عدم انفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزائے جہنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (أيسر التفاسير) [3] یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ لذائذ دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ [4] یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا، یعنی رسول سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی یا انھیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔ [5] یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انذار (اللہ کے عذاب سے ڈرانا) بے فائدہ رہتا ہے۔ [6] یعنی انذار سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے جو...... الخ [7] یعنی قیامت والے دن۔ یہاں اِحیائے ﴿الْمَوْتٰى﴾ کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں، پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنا لیتے ہیں۔ [8] ﴿مَا قَدَّمُوْا﴾ سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور ﴿اٰثَارَهُمْ﴾ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (اچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتدا میں لوگ وہ اعمال بجالاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے ''جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1017) اسی طرح یہ حدیث ہے: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے: ① علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ② نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے ③ یا صدقہ جاریہ جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1631) ﴿اٰثَارَهُمْ﴾ کا دوسرا مطلب نشانات قدم ہے، یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں، جیسے عہد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنوسلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں مسجد کے قریب

Marfat.com

مُّبِيْنٍ ﴿12﴾ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ

کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے ⑫ [1] اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجیے جب ان کے پاس

جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿13﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

(اللہ کے) بھیجے ہوئے آئے ⑬ [2] جب ہم نے ان کی طرف دو (رسول) بھیجے تو انھوں نے انھیں

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ

جھٹلایا، پھر ہم نے (انھیں) تیسرے کے ساتھ تقویت دی، تب انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم تمھاری

مُّرْسَلُوْنَ ﴿14﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ

طرف بھیجے گئے (رسول) ہیں ⑭ [3] وہ کہنے لگے: تم ہم جیسے بشر ہی تو ہو، اور رحمٰن

اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿15﴾

نے (تم پر) کوئی چیز (بھی تو) نازل نہیں کی، تم تو نرا جھوٹ بولتے ہو ⑮ [4]

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿16﴾ وَمَا

انھوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمھاری ہی طرف بھیجے گئے ہیں ⑯ اور ہمارے

عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿17﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ

ذمے تو صرف کھول کر پہنچا دینا ہے ⑰ وہ کہنے لگے: ہم تو تمھیں منحوس خیال کرتے ہیں، اگر تم

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

باز نہ آئے تو ہم تمھیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور تمھیں ہماری طرف سے ضرور دردناک سزا

اَلِيْمٌ ﴿18﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ

پہنچے گی ⑱ انھوں نے کہا: تمھاری نحوست تو تمھارے ساتھ ہی ہے، [5] کیا اگر تمھیں نصیحت کی جائے (تو یہ

قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿19﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ

نحوست ہے؟ ہرگز نہیں!) بلکہ تم لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہو ⑲ اور شہر کے پرلے سرے سے ایک

يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿20﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ

آدمی دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم رسولوں کی پیروی کرو ⑳ [6] تم ان کی پیروی کرو جو تم

لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿21﴾

سے کوئی صلہ نہیں مانگتے جبکہ وہ (خود) ہدایت یافتہ ہیں ㉑

منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا: "دیارکم تکتب آثارکم" (دو مرتبہ فرمایا) "تمھارے گھر اگرچہ دور ہیں لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے ہیں۔" (صحیح مسلم، حدیث: 665) امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں، ان کے درمیان منافات نہیں ہے بلکہ اس دوسرے مفہوم میں سخت تنبیہ ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے نشانات تک لکھے جاتے ہیں تو انسان جو اچھا یا برا نمونہ چھوڑ جائے جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولیٰ لکھا جائے گا۔

[1] اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔ [2] تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ انھوں نے بھی آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی طرح اپنی قوم کو توحید کا درس دیا، قیامت سے ڈرایا اور اہل ایمان کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوش خبری دی۔ یا اس کا مطلب رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کوئی پہلے نبی نہیں ہیں، آپ سے پہلے بھی کئی رسول آئے بلکہ بعض جگہ ایک ہی وقت میں کئی کئی رسول آئے (جیسے انطاکیہ میں تین رسول آئے) لیکن ان کی قوم ان پر ایمان نہیں لائی بلکہ انھیں ایذا پہنچائی جس پر انھوں نے صبر کیا، اس لیے آپ کی قوم بھی آپ کے ساتھ بے رخی کا معاملہ کر رہی ہے تو یہ تاریخ کا ایک تسلسل ہے جسے ہر رسول کے ساتھ دہرایا گیا ہے، اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ [3] یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں لیکن یہ نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے جو انھوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔ [4] یعنی ان کا بھی خیال تھا کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے نہیں، کسی اور مخلوق سے ہونے چاہئیں۔ انسانوں میں سے ہی کسی ایک انسان کا نبی بن جانا کوئی بات نہیں، نہ اس وجہ سے اسے دوسروں پر کوئی فضیلت یا امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ [5] یعنی وہ تو تمھارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمھارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔ [6] یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپنا رہی ہے تو اس نے آ کر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

Marfat.com

وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ
اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ اور تم (سب) اسی کی طرف
تُرۡجَعُوۡنَ ﴿22﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ
لوٹائے جاؤ گے ﴿22﴾ [1] کیا میں اس (اللہ) کے سوا (دوسروں کو) معبود بنالوں؟ اگر رحمٰن مجھے تکلیف
بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡـًٔا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿23﴾
پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت میرے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے ﴿23﴾ [2]
اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿24﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ
یقیناً میں اس وقت کھلی گمراہی میں ہوں گا ﴿24﴾ [3] بلاشبہ میں تمھارے رب پر ایمان لایا ہوں، لہٰذا تم
فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿25﴾ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾
میری بات سنو ﴿25﴾ [4] کہا گیا: تو جنت میں داخل ہو جا، اس نے کہا: کاش! میری قوم جان لے ﴿26﴾
بِمَا غَفَرَلِیۡ رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿27﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا
(یہ بات) کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور اس نے مجھے معزز لوگوں میں (شامل) کردیا ہے ﴿27﴾ [5]
عَلٰی قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا
اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نازل نہیں کی [6] اور نہ ہم نازل ہی کرنے
مُنۡزِلِیۡنَ ﴿28﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿29﴾
والے تھے ﴿28﴾ [7] وہ تو صرف ایک (ہولناک) چیخ تھی، پھر یکایک وہ سب بجھ کر رہ گئے ﴿29﴾ [8]
یٰحَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ
ہائے افسوس بندوں پر! [9] ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے
یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿30﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ
(رہے) ﴿30﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کردیں؟ [10] بے شک وہ ان

[1] اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. [2] یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے نکالنے کے لیے ان کی طرف رسول بھیجے گئے تھے۔ ''نہ چھڑا سکیں'' کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے۔ [3] یعنی اگر میں بھی تمھاری طرح اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں تو میں بھی کھلی گمراہی میں جا گروں گا۔ یا ضلال، یہاں خسران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے کا سودا ہے۔ [4] اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کر لو لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمھارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ [5] یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش! میری قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بدخواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بے شک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہے کریں حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔ [6] یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔ [7] یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔ [8] کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے جسموں سے روحیں نکل گئیں اور وہ بجھی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی شعلۂ فروزاں ہے اور موت اس کا بجھ کر راکھ کا ڈھیر ہو جانا۔ [9] حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش! انھوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا حسرت بمعنی ویل و ہلاکت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے بندوں کے لیے ہلاکت ہے جن کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انھوں نے اس کے ساتھ استہزا ہی کیا۔ [10] اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ تکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

اِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿31﴾ وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿32﴾
کے پاس نہیں لوٹیں گی (31) اور سارے کے سارے (لوگ) ہی ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (32) [1]
وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ ۖۚ اَحۡيَيۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا
اور ان کے لیے مردہ زمین ایک (عظیم) نشانی ہے،[2] ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس سے
حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ﴿33﴾ وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ
(اناج کا) دانہ نکالا، پھر وہ اسی سے کھاتے ہیں (33) اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور
وَّاَعۡنَابٍ وَّفَجَّرۡنَا فِيۡهَا مِنَ الۡعُيُوۡنِ ﴿34﴾ لِيَاۡكُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ
انگوروں کے باغات پیدا کیے،[3] اور ہم نے ان میں چشمے جاری کیے (34) تاکہ وہ اس کے پھلوں سے
وَمَا عَمِلَـتۡهُ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ اَفَلَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿35﴾ سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ
کھائیں[4] اور وہ (پھل) ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے،[5] پھر کیا وہ شکر نہیں کرتے؟ (35) پاک ہے وہ
خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ
ذات جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے، ان چیزوں کے بھی جنھیں زمین اگاتی ہے اور خود ان
اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿36﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيۡلُ ۖۚ
(انسانوں) کے اپنے بھی، اور ان کے بھی جنھیں وہ نہیں جانتے (36)[6] اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے،
نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿37﴾
ہم اس سے دن کو کھینچ نکالتے ہیں، پھر (دن ختم ہونے پر) یکایک وہ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں (37)[7]
وَالشَّمۡسُ تَجۡرِىۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ
اور سورج اپنے ٹھکانے (پر پہنچنے) کے لیے رواں دواں رہتا ہے،[8] یہ نہایت غالب، خوب جاننے

[1] اس میں اِنْ نافیہ ہے اور لَمَّا اِلَّا کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی، سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہوگا۔ [2] یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔ [3] یعنی مردہ زمین کو زندہ کرکے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے، پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ [4] یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔ [5] امام ابن جریر کے نزدیک یہاں مَا نافیہ ہے، یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و محنت، کدوکاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے، پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک مَا موصولہ ہے جو اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے، یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور وہ جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کرکے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً: انھیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا وغیرہ۔ [6] یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے، پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے حتیٰ کہ آخرت کی زندگی دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کوتاہیوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں۔ [7] یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ نَسْلَخُ کے معنی ہوتے ہیں: جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ أَظْلَمَ کے معنی ہیں: اندھیرے میں داخل ہونا، جیسے أَصْبَحَ اور أَمْسٰی اور أَظْهَرَ کے معنی ہیں: صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔ [8] یعنی اپنے اس مدار (فلک) میں چلتا رہتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا ادھر اُدھر نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں: ''اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک'' اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جو سورۂ حج کی آیت 18 کے حاشیے میں گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ (صحیح

Marfat.com

الْعَلِيْمِ ﴿38﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ
والے (اللہ) کا اندازہ ہے (38) اور چاند کی ہم نے (اٹھائیس) منزلیں مقرر کر رکھی ہیں[1] حتی کہ وہ کھجور
كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿39﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ
کے خوشے کی پرانی ٹیڑھی ڈنڈی کی طرح ہو جاتا ہے (39) [2] نہ سورج کے یہ لائق ہے کہ وہ چاند کو پالے[3]
وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿40﴾ وَاٰيَةٌ
اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی[4] ہے اور ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیرتا پھرتا ہے (40) [5] اور ان کے
لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿41﴾ وَخَلَقْنَا
لیے ایک نشانی (یہ) ہے کہ بے شک ہم نے ان کی نسل کو (نوح کی) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا (41) [6] اور
لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿42﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ
ہم نے ان کے لیے ویسی ہی (اور چیزیں) پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں (42) [7] اور اگر ہم چاہیں تو انھیں
فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿43﴾ اِلَّا رَحْمَةً
غرق کر دیں، پھر نہ تو کوئی ان کی فریاد سننے والا ہوگا اور نہ وہ چھڑائے ہی جا سکیں گے (43) مگر (ان کی
مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿44﴾ وَاِذَا قِيْلَ
نجات) ہماری رحمت ہی سے ہے اور ایک مدت تک فائدہ (اٹھانے کے لیے) ہے (44) اور جب
لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ
ان سے کہا جاتا ہے: اس (عذاب) سے بچو جو تمھارے سامنے (دنیا میں) اور جو تمھارے پیچھے (آخرت
تُرْحَمُوْنَ ﴿45﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ
میں) ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے (45) اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس
رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿46﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا
آتی ہے تو وہ اس سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں (46) [8] اور جب ان سے کہا جاتا ہے: اللہ نے
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ
تمھیں جو رزق دیا ہے تم اس میں سے خرچ کرو[9] (تو) وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان
مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿47﴾
لائے، کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو کھلا دیتا؟[10] تم تو کھلی گمراہی میں ہو (47) [11] اور وہ

البخاري، حديث: 4802) دونوں مفہوم کے اعتبار سے لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں لام، علت کے لیے ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ مُسْتَقَرٍّ لَّهَا بعض کہتے ہیں کہ لام، إِلٰی کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہوگا، یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

[1] چاند کی 28 منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر کبھی ایک رات کبھی دو راتیں غائب رہ کر دوسری یا تیسری رات کو نکل آتا ہے۔ [2] یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے، جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انھی گردشوں سے سُكَّانِ اَرْض (زمین پر آباد لوگ) اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔ [3] یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ [4] بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ [5] كُلٌّ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کواکب و نجوم مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار میں گھومتے ہیں، ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ [6] اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرما دیا حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّةٌ سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح ہے، یعنی سفینۂ نوح میں ان لوگوں کو بٹھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آباء اس میں سوار تھے۔ [7] اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آگئیں، جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیاء۔ [8] یعنی توحید اور صداقتِ رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔ [9] یعنی غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔ [10] یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں؟ [11] یعنی یہ کہہ کر کہ، غرباء کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت ہی سے تھی لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لینا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غرباء و مساکین کی امداد کی

Marfat.com

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ
کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟﴿48﴾ وہ تو صرف ایک (ہولناک) چیخ کا انتظار
اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿49﴾ فَلَا
کر رہے ہیں جو انھیں آپکڑے گی جبکہ وہ (آپس میں) جھگڑ رہے ہوں گے﴿49﴾[1] پھر نہ تو وہ کسی
يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿50﴾ وَنُفِخَ
وصیت کرنے کی طاقت رکھیں گے اور نہ اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ ہی سکیں گے﴿50﴾ اور
فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ
(جب) صور پھونکا جائے گا تو یکایک[2] وہ (اپنی) قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف تیزی
يَنْسِلُوْنَ ﴿51﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا
سے دوڑیں گے﴿51﴾ وہ کہیں گے: ہائے ہماری بربادی! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا دیا؟[3] یہی
مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿52﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا
تو ہے جو رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا﴿52﴾ وہ تو بس ایک (ہولناک) چیخ ہوگی، پھر
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿53﴾ فَالْيَوْمَ
یکایک وہ سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے﴿53﴾ چنانچہ آج کسی جان (شخص) پر کچھ
لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿54﴾ اِنَّ
بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمھیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے تھے﴿54﴾ بے شک
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿55﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ
اہل جنت آج ایک شغل میں خوش و خرم ہوں گے﴿55﴾[4] وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر ٹیک
ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿56﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ
لگائے ہوں گے﴿56﴾ ان کے لیے وہاں (ہر قسم کے) پھل ہوں گے اور ان کے لیے وہ ہوگا جو وہ
مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿57﴾ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿58﴾ وَامْتَازُوا
مانگیں گے﴿57﴾ (انھیں) نہایت مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا﴿58﴾[5] اے مجرمو! آج
الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿59﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ
الگ ہو جاؤ[6]﴿59﴾ اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں (اس بات کی) تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی
لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿60﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ
عبادت نہ کرنا،[7] بلاشبہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے﴿60﴾[8] اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرو،[9] یہی سیدھا راستہ

جائے، اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے جن کو بجا لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

[1] یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ یہ نفخۂ اولیٰ ہوگا جسے نفخۂ فزع بھی کہتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا۔ نَفْخَةُ الصَّعْقِ، جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ان چند فرشتوں کے علاوہ جن کو اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے گا، سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ [2] پہلے قول کی بنا پر یہ نفخۂ ثانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفخۂ ثالثہ ہوگا، جسے نَفْخَةُ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ کہتے ہیں، اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر) [3] قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے، اس کے مقابلے میں انھیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہوگی۔ [4] فٰكِهُوْنَ کے معنی ہیں: فَرِحُوْنَ خوش اور مسرور۔ [5] اللہ کا یہ سلام فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔ [6] یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو، یعنی میدان محشر میں اہل ایمان و طاعت اور اہل کفر و معصیت الگ الگ کر دیے جائیں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم 14:30) يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم 43:30) أَيْ يَصِيْرُوْنَ صَدْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ "اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔" دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا، مثلاً: یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صابئین اور مجوسیوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔ [7] اس سے مراد عہد اَلَسْتُ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبانی لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان و زمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

[8] یہ اس کی علت ہے کہ تمھیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسوسے قبول کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمھیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ [9] یعنی یہ بھی عہد لیا تھا کہ تمھیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

Marfat.com

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (61) وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ

ہے (61) [1] اور بلاشبہ اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا، کیا پھر بھی

تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (62) هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (63)

تم نہیں سمجھتے؟ (62) [2] یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (63)

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (64) اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي

آج کے دن اس میں داخل ہو جاؤ [3] کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے (64) آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا

اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے، اور ان کے پیر گواہی دیں گے اس کی جو کچھ وہ

يَكْسِبُوْنَ (65) وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ

کماتے تھے (65) [4] اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹا دیں، پھر وہ دوڑیں راستہ (تلاش کرنے) کو،

فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ (66) وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ

تو وہ کیوں کر دیکھ سکیں گے! (66) [5] اور اگر ہم چاہیں تو انھی کی جگہوں پر ان کی صورتیں مسخ کر دیں، پھر وہ

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ (67) وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ ع 17 4 3

(آگے) چلنے کی طاقت نہ رکھیں اور نہ وہ لوٹ سکیں (67) [6] اور جس شخص کو ہم (زیادہ) عمر دیں (گویا) ہم

نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ (68) وَمَا عَلَّمْنٰهُ

اسے (حالت) پیدائش کی طرف لوٹا دیتے ہیں، [7] کیا پھر وہ عقل نہیں رکھتے؟ (68) [8] اور ہم نے اس

الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ

(رسول) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ (یہ) اس کے لائق ہی تھے، یہ (کلام الٰہی) تو سراسر نصیحت

مُّبِيْنٌ (69) لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي

اور واضح قرآن ہے (69) [9] تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے [10] اور کافروں پر (اللہ کے عذاب کی) بات

[1] یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلاتے رہے اور یہی منزل مقصود، یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔ [2] یعنی اتنی عقل بھی تمھارے اندر نہیں کہ شیطان تمھارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمھارا رب ہوں، میں ہی تمھیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمھاری رات دن حفاظت کرتا ہوں، لہٰذا تمھیں میری نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ [3] یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔ [4] یہ مہر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے: ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾ (الأنعام 23:6) ”اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرما دے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا بول کر گواہی دینا، حجت و استدلال میں زیادہ بلیغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدیر) اس مضمون کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، حدیث: 2969,2968) [5] یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انھیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ [6] یعنی آگے جا سکتے نہ پیچھے لوٹ سکتے بلکہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے ہیں، یعنی انسان سے پتھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔ [7] یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں، یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کہولت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ [8] کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ [9] مشرکین مکہ نبی ﷺ کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی کہ آپ شاعر ہیں نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر بالعموم محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، نہ اشعار کی اس پر وحی کی بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی

Marfat.com

الْكٰفِرِيْنَ ﴿70﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ
ثابت ہوجائے ﴿70﴾ [1] کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں [2] سے جو چیزیں بنائیں ان میں
اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿71﴾ وَذَلَّلْنٰهَا
یقیناً ہم نے ان کے لیے چوپائے [3] بھی پیدا کیے؟ پھر وہ ان کے مالک (بن گئے) ہیں ﴿71﴾ [4] اور ہم نے انھیں
لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿72﴾ وَلَهُمْ
ان کے تابع کردیا، [5] چنانچہ ان میں سے کچھ ان کی سواریاں ہیں، اور ان میں سے کچھ کو وہ کھاتے ہیں ﴿72﴾ اور
فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ
ان کے لیے ان (چوپایوں) میں (اور بھی) فائدے [6] اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے؟ ﴿73﴾
دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿74﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
اور انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنالیے تاکہ ان کی مدد کی جائے ﴿74﴾ [7] وہ (معبود) ان کی مدد کی طاقت
نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ
نہیں رکھتے جبکہ وہ (مشرکین) تو خود ان (بتوں) کے حاضر باش لشکری (حمایتی) ہیں ﴿75﴾ [8] لہٰذا ان کی
قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿76﴾ اَوَلَمْ
باتیں آپ کو غمگین نہ کریں، بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿76﴾ کیا
يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿77﴾
انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہوگیا ﴿77﴾
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ
اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا: ہڈیوں کو کون زندہ

نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کردیا جائے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے جس طرح آپ کی أُمِّيَّتْ (ان پڑھ ہونے کی صفت) بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کرلیا ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحور کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح حنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہوگیا: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ''اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ میں نبی ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' ایک اور موقع پر آپ کی انگلی زخمی ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ (صحيح البخاري، حديث:2802، وصحيح مسلم، حديث:1796) ''تو تو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہوئی ہے (زخمی ہوئی) اور اللہ کے راستے ہی میں تجھے یہ تکلیف پہنچی ہے۔'' [10] یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

[1] یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہوجائے۔ لِّيُنْذِرَ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ [2] اس سے مطلب غیروں کی شرکت کی نفی ہے، ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا ان کے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔ [3] اَنْعَامًا نَعَمٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے، یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔ [4] یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔ [5] یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ انھیں ذبح بھی کردیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انھیں کھینچے پھرتے ہیں۔ [6] یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں، مثلاً: ان کی اون اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔ [7] یہ ان کے کفران نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں لیکن یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں، یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ غیروں سے امیدیں وابستہ کرتے اور انھیں معبود بناتے ہیں۔ [8] جُنْدٌ سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، مُّحْضَرُوْنَ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے، وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انھیں کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

Marfat.com

وَّهِیَ رَمِیۡمٌ (78) قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ
کرے گا جبکہ وہ گلی سڑی ہوں گی؟ (78) آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی
وَّهُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ (79) الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ
بار پیدا کیا[1] اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے (79) وہ (اللہ) جس نے تمھارے لیے سبز درخت
الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ (80) اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ
سے آگ بنادی، پھر یکایک تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو (80)[2] کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؔ
زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے[3] (انسان) پیدا کردے؟ کیوں نہیں! وہی
بَلٰی ٭ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ (81) اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا
تو (سب کچھ) پیدا کرنے والا، خوب جاننے والا ہے (81) جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس
اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (82) فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِهٖ
اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے: ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے (82)[4] چنانچہ پاک ہے
مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ (83) ع
وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے[5] اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (83)[6]

ع 16 / 5 / 4

سُوۡرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَکِّیَّةٌ

رکوعاتها: 5 | اٰیَاتُها: 182

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (1) فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا (2) فَالتّٰلِیٰتِ
قسم ہے قطار در قطار صفیں باندھنے والوں (فرشتوں) کی (1) پھر جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی (2) پھر قرآن
ذِکۡرًا (3) اِنَّ اِلٰهَکُمۡ لَوَاحِدٌ (4) رَبُّ السَّمٰوٰتِ
کی تلاوت کرنے والوں کی (3) بلاشبہ تمھارا معبود ایک ہی ہے (4)[7] (وہی) رب ہے آسمانوں اور زمین کا

[1] یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کی قدرت احیائے موتیٰ کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا والے دن خشکی میں اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا: ''تو نے ایسا کیوں کیا؟'' اس نے کہا: تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6480) [2] کہتے ہیں: عرب میں دو درخت ہیں مرخ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔ [3] یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ (المؤمن 57:40) ''آسمان و زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔'' سورۂ احقاف 33:46 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ [4] یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کردینا کون سا مشکل معاملہ ہے۔ [5] ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحۡمَة اور رَحَمُوت، رَهۡبَةٌ اور رَهَبُوت، جَبۡر اور جَبَرُوت وغیرہ ہیں۔ (ابن كثير) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدير) یعنی مَلَکُوتُ مُلۡكٌ کا مبالغہ ہے۔ [6] یعنی یہ نہیں ہوگا کہ مٹی میں رل مل کر تمھارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے، نہیں بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہوگا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کرلو۔ تمھیں بہرحال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا، جہاں وہ عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ [7] الصّٰٓفّٰتِ، فَالزّٰجِرٰتِ، فَالتّٰلِیٰتِ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے یا اللہ کے حکم کے انتظار میں صف بستہ، وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہانک کرلے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے، متعدد نہیں جیسا کہ مشرکین نے بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا کیونکہ عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

Marfat.com

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ اِنَّا
اور (اس کا بھی) جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور (تمام) مشرقوں کا رب ہے ⑤ [1] بے شک ہم ہی
زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ⑥ وَحِفْظًا مِّنْ
نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر سجایا ہے ⑥ اور ہر سرکش شیطان سے (اس کی)
كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ⑦ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ
حفاظت کے لیے ⑦ [2] (تاکہ) وہ عالم بالا کی (باتیں) سن نہ پائیں، اور (ان پر) ہر طرف سے (شہاب)
كُلِّ جَانِبٍ ⑧ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ⑨ اِلَّا مَنْ
پھینکے جاتے ہیں ⑧ (انھیں) بھگانے کے لیے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ⑨ مگر جو کوئی (ایک
خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩ فَاسْتَفْتِهِمْ
آدھ بات) اچانک اچک کر لے جائے تو نہایت چمکتا ہوا ستارہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے ⑩ پھر آپ
اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا
ان سے پوچھیے: کیا انھیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا جو کچھ ہم نے پیدا کیا؟ [3] بے شک ہم نے ان
خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ
(انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ⑪ [4] بلکہ آپ نے (کفار کے انکار آخرت پر) تعجب کیا جبکہ
وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا رَاَوْا
وہ ٹھٹھا کرتے ہیں ⑫ [5] اور جب انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے ⑬ اور جب
اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮
وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو خوب مذاق اڑاتے ہیں ⑭ اور وہ کہتے ہیں: یہ تو بالکل کھلا جادو ہے ⑮ [6] کیا
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯
جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں سچ مچ (دوبارہ) اٹھایا جائے گا؟ ⑯
اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ⑱ فَاِنَّمَا
کیا ہمارے پہلے باپ دادوں کو بھی؟ ⑰ آپ کہہ دیجیے: ہاں! اور تم ذلیل و خوار ہو گے ⑱ [7] سو بس
هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲ وَقَالُوْا
وہ (اٹھانا) تو ایک جھڑکی ہی ہوگی، [8] تو وہ یکایک (زندہ ہو کر) دیکھتے ہوں گے ⑲ [9] اور وہ کہیں گے:

[1] مطلب ہے: مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورۂ رحمٰن میں الْمَشْرِقَيْنِ اور الْمَغْرِبَيْنِ تثنیہ کے ساتھ ہیں، یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے، یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دوسرے مختصر یا قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا اس میں غروب ہوتا ہے۔ (فتح القدیر) [2] یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ، ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو، چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں جیسا کہ اگلی آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سہ گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔ [3] یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔ [4] یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مُسْتَبْعَدْ (ناممکن) کیوں سمجھتے ہیں درآں حالیکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جبکہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل و اتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر) [5] یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان نہیں رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ [6] یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انھیں جادو باور کراتے ہیں۔ [7] جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا: ﴿وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ (النمل 87:27) ''سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (المؤمن 60:40) ''جو لوگ میری عبادت سے انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔'' [8] یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم پر اسرافیل کی ایک ہی پھونک (نَفْخَة ثانية) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔ [9] یعنی ان کے

Marfat.com

يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿20﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

ہائے ہماری بدبختی! یہ تو جزا کا دن ہے ﴿20﴾ یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے

تُكَذِّبُوْنَ ﴿21﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا

تھے ﴿21﴾[1] (اے فرشتو!) اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا[2] اور ان کے جوڑوں کو[3] اور (ان کو)

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿22﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿23﴾

جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے ﴿22﴾[4] اللہ کے سوا، پھر انھیں دوزخ کی راہ دکھا دو ﴿23﴾ اور انھیں

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿24﴾ مَا لَكُمْ

ٹھہراؤ[5] بلاشبہ ان سے باز پرس کی جائے گی ﴿24﴾ (کہا جائے گا:) تمھیں کیا ہوا، تم ایک دوسرے کی

لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿25﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿26﴾ وَاَقْبَلَ

مدد نہیں کرتے؟ ﴿25﴾ بلکہ آج وہ (سب) فرماں بردار ہیں ﴿26﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿27﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا

ہو کر باہم پوچھیں گے ﴿27﴾ کہیں گے: بے شک تم تو ہمارے پاس دائیں (اور بائیں) طرف سے

عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿28﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿29﴾ وَمَا كَانَ لَنَا

آیا کرتے تھے ﴿28﴾[6] وہ کہیں گے: (نہیں!) بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہیں تھے ﴿29﴾[7] اور تم پر

عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿30﴾ فَحَقَّ

ہمارا کوئی زور نہیں تھا، بلکہ تم خود ہی سرکشی کرنے والے تھے ﴿30﴾[8] پھر ہم (سب) پر ہمارے رب کی

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿31﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ

بات ثابت ہو گئی، بے شک ہم (سب ہی عذاب کا مزہ) چکھنے والے ہیں ﴿31﴾ چنانچہ ہم نے تمھیں

اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿32﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿33﴾

گمراہ کیا، بلاشبہ ہم خود بھی گمراہ تھے ﴿32﴾[9] چنانچہ یقیناً وہ اس دن عذاب میں مشترک ہوں گے ﴿33﴾[10]

سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنھیں وہ دیکھیں گے۔ نفخے یا چیخ کو زَجْرَةٌ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔ 1 وَيْلٌ کا لفظ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معائنۂ عذاب کے بعد انھیں اپنی ہلاکت صاف نظر آ رہی ہو گی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔ 2 یعنی جنھوں نے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا۔ 3 اس سے مراد کفر و شرک اور تکذیب رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات و شیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں جو کفر و شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔ 4 مَا عام ہے، تمام معبودین کو، چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی بے حیثیتی واضح کرنے کے لیے جمع کیا جائے گا، تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ 5 یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہو گا کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔ 6 اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے، یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے، ہر طرف سے آتے تھے، وَالشِّمَال محذوف ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا: ’’البتہ ضرور میں ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا اور تُو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔‘‘ (الأعراف 7:17) 7 لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟ 8 تابعین (مریدوں) اور متبوعین (پیروں) کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ ملامت عرصۂ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہو گی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ اعراف 7:38،39 وسورۂ احزاب 33:67،68 وسورۂ سبا 34:31،32 وسورۂ مؤمن 40:47،48 وغیرہا من الآیات) 9 یعنی جس بات کی پہلے، انھوں نے نفی کی کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمھیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمھیں گمراہ کیا تھا لیکن یہ اعتراف اس تنبیہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ، اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے، ہم نے تمھیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنا لی۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کہے گا: وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (إبراهيم 14:22) ’’میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا، ہاں میں نے تمھیں بلایا تو تم نے میری بات مان لی، پس (اب) تم مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو۔‘‘ 10 اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترکہ ہے، شرک، معصیت اور شر و فساد ان سب کا وتیرہ تھا۔

Marfat.com

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿34﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ
بے شک ہم مجرموں سے ایسا ہی (سلوک) کرتے ہیں ﴿34﴾ [1] بے شک جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿35﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا
سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے ﴿35﴾ [2] اور کہتے: کیا بھلا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر
لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿36﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿37﴾
کے کہنے پر چھوڑ دیں؟ ﴿36﴾ [3] بلکہ وہ تو حق لایا ہے اور اس نے (سب) رسولوں کی تصدیق کی ہے ﴿37﴾ [4]
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿38﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ
بے شک تم اب دردناک عذاب (کا مزہ) ضرور چکھو گے ﴿38﴾ تمھیں بس اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم
اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿39﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾ اُولٰٓئِكَ
عمل کرتے تھے ﴿39﴾ [5] مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (عذاب سے محفوظ رہیں گے) ﴿40﴾ [6] انھی (لوگوں)
لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿41﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿42﴾
کے لیے مقررہ روزی ہے ﴿41﴾ یعنی (جنت کے) لذیذ پھل، اور وہ لوگ معزز ہوں گے ﴿42﴾ نعمت
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿43﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿44﴾ يُطَافُ
کے باغوں میں ﴿43﴾ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (براجمان) ہوں گے ﴿44﴾ ان کے لیے جاری
عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿45﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ
چشمے سے شراب (طہور) کا بھرا جام پھرایا جائے گا ﴿45﴾ [7] سفید رنگ (بالکل صاف شفاف) پینے
لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿46﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿47﴾
والوں کے لیے لذت (والی ہوگی) ﴿46﴾ [8] نہ اس سے سر چکرائے گا اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں گے ﴿47﴾ [9]
وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿48﴾ كَاَنَّهُنَّ
اور ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہ والی، غزال چشم (خوبصورت آنکھوں والی حوریں) ﴿48﴾ [10] گویا کہ وہ
بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿49﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
پردوں میں چھپائے ہوئے (شتر مرغ کے) انڈے ہیں، ﴿49﴾ [11] وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿50﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ
متوجہ ہوکر باہم پوچھیں گے ﴿50﴾ [12] ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک میں (اور دنیا میں) میرا

[1] یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔ [2] یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کرلی ہے، تم بھی یہ پڑھ لو تاکہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر و غضب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے تمھیں دوچار نہ ہونا پڑے تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ (صحيح البخاري، حديث: 2946، وصحيح مسلم، حديث: 21) ”مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کرلیا، اس نے اپنی جان اور اپنا مال مجھ سے بچالیا۔“ [3] یعنی انھوں نے نبی کریم ﷺ کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزانگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔ [4] یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو جبکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ [5] یہ جہنمیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کردی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمھارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔ [6] یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انھیں کئی کئی گنا دیا جائے گا۔ [7] كَأْسٌ شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قَدَحٌ خالی جام کو کہتے ہیں۔ مَعِينٍ کے معنی ہیں: جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔ [8] دنیا میں شراب عام طور پر بدرنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہوگی، خوش رنگ بھی ہوگی۔ [9] یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں قے، سر درد، بدمستی اور بہکنے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ [10] بڑی اور موٹی آنکھیں حسن کی علامت ہے، یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔ [11] جیسے انڈے شتر مرغ نے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و رعنائی میں بھی ہے۔ [12] جنتی

Marfat.com

قَرِيْنٌ (51) يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ (52)

ایک ہم نشین تھا(51) جو کہتا تھا: کیا بھلا تو بھی (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟(52)[1]

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا واقعی ہم (اٹھا کر) بدلہ دیے

لَمَدِيْنُوْنَ (53) قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ (54) فَاطَّلَعَ

جائیں گے؟(53) [2]وہ (جنتی ساتھیوں سے) کہے گا: کیا تم (جہنم میں) جھانک کر دیکھو گے؟(54) [3]پھر

فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ (55) قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ

وہ جھانکے گا تو اسے جہنم کے درمیان میں دیکھے گا(55) وہ (اس سے) کہے گا: اللہ کی قسم! یقیناً قریب

لَتُرْدِيْنِ (56) وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ

تھا کہ تو مجھے ہلاک کرڈالتا(56) اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں ضرور حاضر کیے ہوؤں

الْمُحْضَرِيْنَ (57) اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ (58) اِلَّا

(مجرموں) میں سے ہوتا(57) [4](جنتی ساتھیوں سے کہے گا:) تو کیا پس (اب) ہم مرنے والے نہیں(58) [5]

مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (59) اِنَّ هٰذَا

اپنے پہلی بار مرنے کے سوا[6] اور نہ ہمیں عذاب ہی ہوگا(59) بلاشبہ یہ تو بہت بڑی کامیابی

لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (60) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (61) اَذٰلِكَ

ہے(60) [7]عمل کرنے والوں کو تو ایسی ہی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے چاہئیں(61) [8]کیا یہ مہمانی بہتر ہے

خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (62) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ (63)

یا (دوزخ میں) تھوہر کا درخت؟(62) [9]بلاشبہ ہم نے اسے ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے(63) [10]

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (64) طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ

بے شک وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی تہ میں اگتا ہے(64) [11]اس کا پھل گویا کہ وہ شیطانوں کے سر ہیں(65) [12]

الشَّيٰطِيْنِ (65) فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (66)

تو بلاشبہ وہ (دوزخی) اس میں سے کھائیں گے، پھر اس سے (اپنے) پیٹ بھریں گے(66) [13]پھر اس

جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے، دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔ [1] یعنی یہ بات وہ استہزا اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے۔ کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟ [2] یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی۔ [3] یعنی وہ جنتی اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جہنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آ جائے تو تمھیں بتلاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا؟ [4] یعنی جھانکنے پر اسے جہنم کے وسط میں وہ شخص نظر آ جائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔ [5] جہنمیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ انھیں موت آئے گی کہ جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔ (صحيح البخاري، حدیث: 4730) [6] جو دنیا میں آ چکی۔ اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔ [7] اس لیے کہ جہنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی۔ [8] یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہی سب سے نفع بخش تجارت ہے نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے اور خسارے کا سودا ہے۔ [9] الزَّقُّوْمِ تَزَقُّمْ سے مشتق ہے، جس کے معنی بدبودار اور کریہہ چیز کے نگلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جہنم کے لیے سخت ناگوار ہوگا کیونکہ یہ سخت بدبودار، کڑوا اور نہایت کریہہ ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرب درخت ہے جو تہامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے، اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (فتح القدير) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔ [10] آزمائش، اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انھوں نے انکار کیا کہ جہنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جہنم ہیں جن پر جہنم واجب ہوگا۔ [11] یعنی اس کی جڑ جہنم کی گہرائی میں ہوگی، البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔ [12] اسے شناعت و

Marfat.com

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ (67) ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ
پر بے شک ان کے لیے (پینے کو) گرم کھولتے پانی کا آمیزہ ہوگا (67) [1] پھر یقیناً ان کی واپسی بھڑکتی
لَاِلَى الْجَحِيْمِ (68) اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ (69) فَهُمْ عَلٰٓى
آگ کی طرف ہوگی (68) [2] بلاشبہ انھوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا (69) تو وہ انھی کے نقش قدم پر
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (70) وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ (71) وَلَقَدْ
دوڑے جاتے ہیں (70) [3] اور بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہوئے (71) [4] اور یقیناً ہم نے
اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (72) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (73)
ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے (72) [5] پھر دیکھ لیجیے ان کا انجام کیسا ہوا جنھیں ڈرایا گیا تھا؟ (73) سوائے
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (74) ع وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ
اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے (74) [6] اور یقیناً نوح نے ہمیں پکارا تھا تو (دیکھو!) ہم کیا ہی خوب
الْمُجِيْبُوْنَ (75) وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (76) وَجَعَلْنَا
جواب دینے والے ہیں (75) [7] اور ہم نے اسے اور اس کے اہل [8] کو بہت بڑی پریشانی سے نجات دی (76)
ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (77) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى
اور ہم نے اس کی اولاد کو باقی رہنے والے بنا دیا (77) [9] اور ہم نے اس (کے ذکر خیر) کو پیچھے آنے
الْاٰخِرِيْنَ (78) سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ (79) اِنَّا كَذٰلِكَ
والوں میں باقی رکھا (78) [10] نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو (79) بلاشبہ ہم نیکو کاروں کو
نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (80) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (81) ثُمَّ
اسی طرح جزا دیتے ہیں (80) [11] بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا (81) پھر ہم

(ع 2 / 53 / 6)

قباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی، جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں: گویا کہ وہ فرشتہ ہے۔ [13] یہ انھیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہر بات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے۔

[1] یعنی کھانے کے بعد انھیں پانی کی طلب ہوگی تو کھولتا ہوا گرم پانی انھیں دیا جائے گا جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں کٹ جائیں گی۔ (محمد 15:47) [2] یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی پینے کے بعد انھیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ [3] یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انھی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تقلید کو اپنائے رکھا، اِھْرَاع اسراع کے معنی میں ہے، یعنی دوڑنا اور نہایت شوق سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔ [4] یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔ [5] یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انھوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انھیں تباہ کر دیا گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔ [6] یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا لیا۔ اَلْمُخْلَصِيْنَ وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، اَلْمُنْذَرِيْنَ (ڈرائے جانے والے) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند مُنْذِرِيْنَ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ [7] یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انھوں نے محسوس کر لیا کہ کسی کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○ (القمر 10:54) ''یا اللہ! میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما۔'' چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا۔ [8] اَهْلَهٗ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں جن میں ان کے گھر کے وہ افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد 80 بتلائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے۔ کرب عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلاب عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔ [9] اکثر مفسرین کے قول کے مطابق طوفان نوح کے بعد نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث سے چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے، یعنی آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے اَبُو الْبَشَر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک)، یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، حبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے صقالبہ، ترک، خزر اور یاجوج و ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح القدیر) واللہ أعلم۔ [10] یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔ [11] یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہوگا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ ہی کریں گے۔

Marfat.com

اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿82﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿83﴾

نے دوسروں کو غرق کردیا⑧② اور بے شک ابراہیم بھی اسی (نوح) کے گروہ سے ہے⑧③ [1]

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿84﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

جب وہ اپنے رب کے پاس پاک صاف دل کے ساتھ آیا⑧④ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی

وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿85﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ

قوم سے کہا: تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟⑧⑤ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے گھڑے ہوئے معبودوں

تُرِيْدُوْنَ ﴿86﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي

کو چاہتے ہو؟⑧⑥ [2] پھر رب العالمین کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟⑧⑦ [3] تب اس نے ایک نگاہ ستاروں

النُّجُوْمِ ﴿88﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿89﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿90﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى

میں ڈالی⑧⑧ پھر کہا: بے شک میں تو بیمار ہوں⑧⑨ [4] چنانچہ وہ اس سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے⑨⓪ پھر وہ

اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿91﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿92﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ

ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: کیا تم کھاتے نہیں؟⑨① [5] تمھیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں؟⑨② پھر

ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿93﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿94﴾

وہ انھیں دائیں ہاتھ سے مارتا ہوا متوجہ ہوا⑨③ [6] پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے⑨④ [7] اس

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿95﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

نے کہا: کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنھیں تم خود تراشتے ہو؟⑨⑤ حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں اور

وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ

تمھارے اعمال کو پیدا کیا ہے⑨⑥ [8] وہ کہنے لگے: اس کے لیے ایک مکان بناؤ (اس میں آگ جلاؤ)

فِي الْجَحِيْمِ ﴿97﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ

اور اسے دہکتی آگ میں ڈال دو⑨⑦ پھر انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم

الْاَسْفَلِيْنَ ﴿98﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ

نے انھیں ہی نیچا دکھا دیا⑨⑧ [9] اور اس نے کہا: بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، [10] یقیناً وہ

سَيَهْدِيْنِ ﴿99﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿100﴾ فَبَشَّرْنٰهُ

میری رہنمائی فرمائے گا⑨⑨ اے میرے رب! مجھے (بیٹا) عطا فرما جو صالحین میں سے ہو①⓪⓪ چنانچہ

[1] شِيْعَةٌ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین و اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح إِنَابَتْ إِلَى اللّٰهِ کی توفیق خاص نصیب ہوئی۔ [2] یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، درآں حالیکہ یہ پتھر اور مورتیاں ہیں۔ [3] یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہوگا اور تمھیں سزا نہیں دے گا؟ [4] آسمان پر غور وفکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب ان کی قوم کا وہ دن آیا جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی تہوار منایا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقع کی تلاش میں تھے تاکہ ان کے بتوں کا تیا پانچہ کیا جا سکے، چنانچہ انھوں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ یہ بات چونکہ خلافِ واقع تھی، اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ ایسی خلافِ حقیقت بات نہیں جس پر پکڑ ہو۔ اس کی ضروری تفصیل سورۂ انبیاء 63:21 میں گزر چکی ہے۔ [5] یعنی جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انھیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انھوں نے نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔ [6] رَاغَ کے معنی ہیں: مَالَ، ذَهَبَ، أَقْبَلَ یہ سب متقارب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ضَرْبٌ بِالْيَمِيْنِ کا مطلب ہے: ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔ [7] يَزِفُّوْنَ ، يُسْرِعُوْنَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے، یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہوگا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے، چنانچہ انھیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔ [8] یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنھیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انھیں معبود سمجھتے ہو یا مطلق تمھارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ [9] یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکر و حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتی ہے اور آزمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتی ہے۔ [10] حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق

Marfat.com

بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ ﴿101﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ قَالَ
ہم نے اسے بہت حلم والے لڑکے کی بشارت دی﴿101﴾ [1] پھر جب وہ (لڑکا) اس کے ساتھ دوڑنے
يٰبُنَيَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ
بھاگنے (کی عمر) کو پہنچا [2] تو اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ
فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ
میں تجھے یقیناً ذبح کر رہا ہوں، اب تو دیکھ! تیری کیا رائے ہے؟ [3] اس (بیٹے) نے کہا: ابا جان! جو آپ کو حکم
مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿102﴾
دیا گیا ہے کر گزریں، اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ﴿102﴾ پھر
فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ﴿103﴾ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ
جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی کی ایک جانب لٹا دیا ﴿103﴾ [4] اور ہم نے
يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ﴿104﴾ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی
اسے پکارا: اے ابراہیم! ﴿104﴾ تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا، [5] بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ
الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿105﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ ﴿106﴾ وَفَدَيۡنٰهُ
دیتے ہیں ﴿105﴾ بلاشبہ یہ تو کھلی آزمائش ہی ہے ﴿106﴾ [6] اور ہم نے اس (اسمٰعیل) کے بدلے میں ایک عظیم
بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ﴿107﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِی الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿108﴾
القدر (جانور) ذبح کرنے کو دیا ﴿107﴾ [7] اور ہم نے اس (کے ذکر خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا ﴿108﴾
سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿109﴾ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿110﴾ اِنَّهٗ
ابراہیم پر سلام ہو ﴿109﴾ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ﴿110﴾ بے شک وہ ہمارے مومن
مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿111﴾ وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ
بندوں میں سے تھا ﴿111﴾ اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحٰق (بیٹے) کی بشارت دی، جو صالح لوگوں
الصّٰلِحِيۡنَ ﴿112﴾ وَبٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَعَلٰۤی اِسۡحٰقَ ؕ وَمِنۡ
میں سے نبی ہوگا ﴿112﴾ [8] اور ہم نے اس پر اور اسحٰق پر برکت نازل کی، [9] اور ان دونوں کی اولاد میں سے

میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جا کر اولاد کے لیے دعا کی۔ (فتح القدیر)

[1] حَلِیۡمٍ کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر بردبار ہوگا۔ [2] یعنی دوڑ دھوپ کے لائق ہو گیا یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ 13 سال کا تھا۔ [3] پیغمبر کا خواب وحی اور حکم الٰہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا امتثال امرِ الٰہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟ [4] ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جَبۡهَةٌ)، اس لیے لِلۡجَبِيۡنِ کا زیادہ صحیح ترجمہ ''کروٹ پر'' ہے، یعنی اس طرح کروٹ پر لٹا لیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ ''پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا'' ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انھیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار وشفقت کا جذبہ امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔ [5] یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔ [6] یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخرو رہا۔ [7] یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسے بڑا ذبیحہ قدر ومنزلت کے اعتبار سے اور درجۂ قبولیت پر فائز ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ (فتح القدیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور یوم عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔ [8] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ قرآن وحدیث کے اشارات وتصریحات اور محققین کی تحقیقات سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر، و ابن کثیر، وزاد المعاد: 71/1) [9] یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء ورسل کی زیادہ تعداد انھی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے 12 قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

Marfat.com

ع 3 39 7 ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿113﴾ ع وَلَقَدْ
کوئی نیکی کرنے والا اور کوئی اپنے آپ پر کھلم کھلا ظلم کرنے والا ہے ﴿113﴾[1] اور یقیناً ہم نے موسیٰ اور
مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿114﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ
ہارون پر بھی احسان کیا ﴿114﴾[2] اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات
الْعَظِيْمِ ﴿115﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿116﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا
دی ﴿115﴾[3] اور ہم نے ان کی مدد کی، چنانچہ وہی غالب آئے ﴿116﴾ اور ہم نے ان دونوں کو انتہائی واضح
الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿117﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿118﴾
کتاب دی ﴿117﴾ اور ہم نے ان دونوں کو راہِ راست کی ہدایت دی ﴿118﴾ اور ہم نے ان دونوں (کے
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿119﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿120﴾ اِنَّا
ذکرِ خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا ﴿119﴾ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ﴿120﴾ بے شک ہم نیکوکاروں
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿121﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿122﴾
کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ﴿121﴾ بلاشبہ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿122﴾ اور بے شک
وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿123﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾
الیاس بھی یقیناً رسولوں میں سے تھا ﴿123﴾[4] جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿124﴾[5] کیا
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿125﴾ اللّٰهَ
تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو ﴿125﴾ (یعنی) اللہ
رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿126﴾ فَكَذَّبُوْهُ
کو جو تمھارا اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے؟ ﴿126﴾[6] پھر انھوں نے اسے جھٹلایا، لہٰذا یقیناً وہ
فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿127﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿128﴾
(سب عذاب میں) ضرور حاضر کیے جائیں گے ﴿127﴾[7] سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے ﴿128﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿129﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى
اور ہم نے اس (کے ذکرِ خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا ﴿129﴾ الیاسین (الیاس) پر سلام
اِلْ يَاسِيْنَ ﴿130﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿131﴾ اِنَّهٗ مِنْ
ہو ﴿130﴾[8] بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ﴿131﴾ وہ ہمارے مومن بندوں
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿133﴾
میں سے تھا ﴿132﴾[9] اور بلاشبہ لوط بھی رسولوں میں سے تھا ﴿133﴾ جب ہم نے اسے
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿134﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
اور اس کے (سب) اہل کو نجات دی ﴿134﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے

[1] شرک ومعصیت اور ظلم وفساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک وبد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آباء کی نسبت اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک ومعصیت پر مبنی ہیں، اس لیے یہ اونچی نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔ [2] یعنی انھیں نبوت و رسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔ [3] یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔ [4] یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بَعْلَبَکّ تھا، بعض کہتے ہیں: اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بَعْل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا۔) [5] یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ [6] یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔ [7] یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔ [8] ﴿اِلْ يَاسِيْنَ﴾ الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو ﴿طُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو دوسری کتابوں میں ''ایلیا'' بھی کہا گیا ہے۔ [9] قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں: ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات وانجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد، ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیاء کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الوہی صفات واختیارات ثابت کرتے ہیں، یعنی

Marfat.com

الْغٰبِرِیْنَ ﴿135﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿136﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ
والوں میں تھی﴿135﴾[1] پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا﴿136﴾ اور بلاشبہ تم صبح کو ان (کی تباہ شدہ
ع 4 25 8 عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿137﴾ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿138﴾ ع وَاِنَّ
بستیوں) پر سے گزرتے ہو﴿137﴾ اور رات کو بھی، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟﴿138﴾[2] اور بے شک یونس یقیناً
یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿139﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿140﴾
رسولوں میں سے تھا﴿139﴾ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا﴿140﴾ پھر (کشتی والوں نے)
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿141﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ
قرعہ ڈالا تو وہ ہارنے والوں میں سے ہو گیا﴿141﴾ تب اسے مچھلی نے نگل لیا جبکہ وہ (خود کو) ملامت کرنے
وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿142﴾ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿143﴾
والا تھا﴿142﴾[3] پھر اگر (یہ بات) نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھا﴿143﴾ تو وہ لوگوں
لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿144﴾
کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا﴿144﴾[4] پھر
فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿145﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ
ہم نے اسے چٹیل میدان میں ڈال دیا جبکہ وہ بیمار تھا﴿145﴾[5] اور ہم نے اس پر ایک بیل دار
شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿146﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ
درخت (کدو) اگا دیا﴿146﴾[6] اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا، یا وہ (اس سے
اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿147﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی
کچھ) زیادہ ہوں گے﴿147﴾ چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے[7] تو ہم نے انھیں ایک (مقرر) وقت تک

پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ الٰہ یا اس کے جز یا اس کے شریک۔

[1] اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔ [2] یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب بحیرۂ مُردار ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انھیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بدانجام ہوا تو تمھاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیونکر ہوگا۔ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو جو انھوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیونکر محفوظ رہو گے۔ [3] حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینویٰ (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ اشوریوں کا پایۂ تخت تھا۔ جنھوں نے ایک لاکھ بنی اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ اور یہ کہہ کر بستی سے نکل گئے، واپسی پر دیکھا کہ قوم پر عذاب نازل نہیں ہوا ہے تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سامان سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی، چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا، اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی۔ (أیسر التفاسیر) بعض کہتے ہیں کہ اس دور میں یہ بات مشہور تھی کہ کشتی گرداب میں اس لیے پھنستی ہے کہ کوئی غلام آقا سے بھاگ کر آ جاتا ہے، چنانچہ اس مفرور کے لیے انھیں قرعہ اندازی کرنی پڑی، جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے، یعنی طوعًا وَکَرْهًا اپنے آپ کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انھیں ثابت نگل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ [4] یعنی توبہ و استغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، (جیسا کہ انھوں نے کہا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الأنبیاء 21:87) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے یقیناً میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔'') تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ [5] جیسے ولادت کے وقت بچہ یا چوزہ ہوتا ہے، مضمحل، کمزور اور ناتواں۔ [6] یَقْطِیْنٍ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، کدو وغیرہ کی بیل، یعنی اس چٹیل میدان میں، جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت، ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔ [7] ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورۂ یونس 10:98 کے حاشیے میں گزر چکا ہے۔

Marfat.com

حِيۡنٍ ﴿148﴾ فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنٰتُ وَلَهُمُ
فائدہ (اٹھانے کا موقع) دیا﴿148﴾ پھر ان (اہل مکہ) سے پوچھیے: کیا آپ کے رب کے لیے تو
الۡبَنُوۡنَ ﴿149﴾ اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓـئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ ﴿150﴾
بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے؟﴿149﴾ یا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اور وہ حاضر تھے؟﴿150﴾ 1
اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿151﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمۡ
خبردار! بلاشبہ وہ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر کہتے ہیں﴿151﴾ کہ ”اللہ نے اولاد جنی“ اور یقیناً وہ
لَكٰذِبُوۡنَ ﴿152﴾ اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ ﴿153﴾ مَا لَكُمۡ
جھوٹے ہیں﴿152﴾ کیا اس نے بیٹوں پر بیٹیوں کو پسند کیا (ترجیح دی) ہے؟﴿153﴾ 2 کیا ہو گیا ہے تمھیں،
كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿154﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿155﴾ اَمۡ لَكُمۡ سُلۡطٰنٌ
تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟﴿154﴾ کیا پھر تم غور نہیں کرتے؟﴿155﴾ یا تمھارے پاس کوئی واضح دلیل
مُّبِيۡنٌ ﴿156﴾ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿157﴾ وَجَعَلُوۡا بَيۡنَهٗ
ہے؟﴿156﴾ پھر تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو﴿157﴾ 3 اور انھوں نے اس (اللہ) کے اور جنوں کے
وَبَيۡنَ الۡجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ
درمیان رشتہ ٹھہرایا، 4 حالانکہ بلاشبہ خود جنوں نے جان لیا کہ وہ (اللہ کے سامنے) ضرور حاضر کیے
اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿158﴾ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿159﴾
جائیں گے﴿158﴾ 5 اللہ ان (باتوں) سے پاک ہے جو وہ (اس کے بارے میں) بیان کرتے ہیں﴿159﴾
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿160﴾ فَاِنَّكُمۡ وَمَا
سوائے اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے (وہ ایسی باتیں نہیں کرتے)﴿160﴾ 6 (اے مشرکو!) بے شک تم اور (وہ)
تَعۡبُدُوۡنَ ﴿161﴾ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ بِفٰتِنِيۡنَ ﴿162﴾
جن کی تم عبادت کرتے ہو﴿161﴾ تم (ان مخلص بندوں کو) اس (اللہ) کے خلاف بہکانے والے نہیں﴿162﴾
اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِيۡمِ ﴿163﴾ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ
مگر اسی کو جو جہنم میں جانے والا ہے﴿163﴾ 7 (فرشتے کہتے ہیں:) ہم میں سے تو ہر ایک کا مقام مقرر
مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿164﴾ وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ﴿165﴾ وَاِنَّا
ہے﴿164﴾ 8 اور بے شک ہم (اللہ کے حضور) یقیناً صف باندھے کھڑے رہنے والے ہیں﴿165﴾ اور بے شک
لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴿166﴾ وَاِنۡ كَانُوۡا لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿167﴾ لَوۡ اَنَّ
ہم تو تسبیح کرنے والے ہیں﴿166﴾ 9 اور بلاشبہ وہ (کفار) کہتے تھے﴿167﴾ اگر ہمارے پاس اگلوں کی
عِنۡدَنَا ذِكۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿168﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿169﴾
نصیحت (کتاب) ہوتی﴿168﴾ تو ہم ضرور اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے﴿169﴾ 10 پھر (پیغمبر قرآن لے

1 یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے اور انھوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔ 2 جبکہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔ 3 یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مؤنث، چلو کوئی نقلی دلیل ہی دکھا دو، کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو۔ 4 یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کیا جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہی بنات اللہ فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قرابت داری (سسرالی رشتہ داری) قائم ہوگئی۔ 5 حالانکہ یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا۔ کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انھیں عقاب و عذاب الٰہی بھگتنے کے لیے ضرور جہنم میں جانا ہوگا تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟ 6 یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (چنے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ لَمُحۡضَرُوۡنَ سے استثنا ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔ 7 یعنی تم اور تمھارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی جہنمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔ 8 یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔ 9 مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔ 10 ذکر سے مراد کوئی کتاب الٰہی یا پیغمبر ہے، یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

Marfat.com

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (170) وَلَقَدْ سَبَقَتْ
کر آیا تو) انھوں نے اس (قرآن) کا انکار کر دیا،[1] لہٰذا عنقریب وہ جان لیں گے (170) [2] اور درحقیقت
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ (171) اِنَّهُمْ لَهُمُ
ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے ان بندوں کے لیے صادر ہو چکا ہے جو رسول ہیں (171) کہ یقیناً انھی کی
الْمَنْصُوْرُوْنَ (172) وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (173) فَتَوَلَّ
مدد کی جائے گی (172) اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا (173) [3] تو ایک مدت تک آپ ان
عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ (174) وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ (175)
سے منہ موڑ لیجیے (174) [4] اور انھیں دیکھتے رہیے[5] پھر جلد ہی وہ بھی دیکھ لیں گے (175)
اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ (176) فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ
کیا پھر وہ ہمارا عذاب جلدی مانگتے ہیں؟ (176) پھر جب وہ ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ڈرائے گئے
صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ (177) وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ (178) وَّاَبْصِرْ
لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی (177) [6] اور ان سے ایک مدت تک منہ موڑ لیجیے (178) اور (انھیں) دیکھتے
فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ (179) سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
رہیے، جلد ہی وہ بھی دیکھ لیں گے (179) [7] آپ کا رب، عزت کا مالک، ان باتوں سے پاک ہے جو
يَصِفُوْنَ (180) وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ (181) وَالْحَمْدُ
وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں (180) [8] اور تمام رسولوں پر سلام ہے (181) [9] اور سب تعریفیں
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (182)
اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں (182) [10]

5 ع 44 9

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 88 | رُكُوْعَاتُهَا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ (1) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ
صٓ، قسم ہے نصیحت والے قرآن کی (1) [11] (یہ تو لاریب کتاب ہے) بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ
عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (2) كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ
تکبر اور مخالفت میں (پڑے) ہیں (2) [12] ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں،[13] تو (عذاب

[1] یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ ہادی بن کر آ گئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کی بجائے، ان کا انکار کر دیا۔ [2] یہ تہدید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔ [3] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول یقیناً غالب رہیں گے۔'' [4] یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجیے۔ [5] کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟ [6] مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے تو یہودی انھیں دیکھ کر گھبرا گئے جس پر نبی ﷺ نے بھی اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر فرمایا تھا: خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ (صحيح البخاري، حديث: 371، وصحيح مسلم، حديث: 1365) ''خیبر برباد ہو گیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جن کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہوتا ہے۔'' [7] یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔ [8] اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً: اس کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کوتاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔ [9] کہ انھوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔ [10] یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر الٰہی کرو۔ حمد کے معنی ہیں: بہ قصد تعظیم ثناء جمیل، ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔ [11] جس میں تمھارے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمھاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ بعض نے ذی الذکر کے معنی ''شان اور مرتبت والا'' کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں معنی صحیح ہیں، اس لیے کہ قرآن عظمت شان کا حامل بھی ہے اور اہل ایمان و تقویٰ کے لیے نصیحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب محذوف ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) ساحر، شاعر یا کاذب ہیں بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔ [12] یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے

Marfat.com

فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿3﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ
آنے پر) انھوں نے (مدد کو) پکارا جبکہ وہ فرار وخلاصی کا وقت نہ تھا ③ [1] اور انھوں نے اس بات پر
مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ
تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا [2] آگیا، اور کافروں نے کہا: یہ تو ایک
كَذَّابٌ ﴿4﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا
جادوگر ہے بڑا جھوٹا ④ کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک کر دیا؟ بے شک یہ تو یقیناً ایک بڑی
لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿5﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا
عجیب وغریب چیز ہے ⑤ [3] اور ان کے سردار (آوازِ حق سن کر یہ کہتے ہوئے) چل دیے کہ چلو اور
وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ﴿6﴾ مَا سَمِعْنَا
اپنے معبودوں پر جمے رہو [4] بے شک یہ چیز ہے جو کسی غرض سے (کہی جارہی) ہے [5] ⑥ ہم نے یہ
بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿7﴾ ءَاُنْزِلَ
بات کسی اور دین میں نہیں سنی [6] یہ تو بس گھڑی ہوئی بات ہے ⑦ [7] کیا ہم میں سے اسی پر
عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ
ذکر (قرآن) اتارا گیا ہے؟ [8] بلکہ وہ تو میرے ذکر (وحی) کے متعلق شک میں ہیں [9] بلکہ ابھی تک
بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿8﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ
انھوں نے میرا عذاب نہیں چکھا ⑧ [10] کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو
رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿9﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ
نہایت غالب، خوب عطا کرنے والا ہے؟ ⑨ [11] یا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي
بادشاہت انھی کے لیے ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو چاہیے کہ وہ آسمانی راستوں کے ذریعے
الْاَسْبَابِ ﴿10﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ
سے (آسمان پر) چڑھ جائیں ⑩ [12] (یہ تو) یہاں کے شکست خوردہ لشکروں میں سے ایک (معمولی

لیے نصیحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں، البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت وعناد۔ عزت کے معنی ہوتے ہیں: حق کے مقابلے میں اکڑنا۔ [13] جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر و تکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئے۔

[1] یعنی انھوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھا نہ فرار کا، اس لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے۔ لَاتَ لَا ہی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے: ثَمَّ کو ثمة بھی بولتے ہیں۔ مَنَاصٍ نَاصَ يَنُوصُ کا مصدر ہے جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ [2] یعنی انھی کی طرح کا ایک انسان رسول کس طرح بن گیا۔ [3] یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے۔ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔ [4] یعنی اپنے دین پر جمے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (ﷺ) کی بات پر کان مت دھرو۔ [5] یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت و سیادت منوانا چاہتا ہے۔ [6] پچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے یا پھر دین نصاریٰ، یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی بابت تو ہم نے کسی بھی دین میں نہیں سنا۔ [7] یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھڑت ہے ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے۔ [8] یعنی مکے میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو چھوڑ کر وحی و رسالت کے لیے محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے۔ یہ گویا انھوں نے اللہ کے انتخاب میں کیڑے نکالے۔ سچ ہے: خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (الزخرف 32,31:43) [9] یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انھیں محمد ﷺ کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت عقل سے انھیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب و شک میں مبتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔ [10] کیونکہ عذاب کا مزہ چکھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے۔ اور جب یہ اس تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے تو وہ وقت ایسا ہوگا کہ پھر تصدیق کام آئے گی نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔ [11] کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، انھی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بہت دینے والا ہے تو پھر انھیں نبوت محمدی سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نوازنے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔ [12] یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب، سبب کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی ہر اس چیز

Marfat.com

الْاَحْزَابِ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ
سا) لشکر ہے ⑪ [1] ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور میخوں والے فرعون [2] نے (حق کو)
ذُو الْاَوْتَادِ ⑫ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ
جھٹلایا⑫ اور قوم ثمود اور قوم لوط اور اصحاب اَیکہ [3] نے بھی (جھٹلایا) (واقعی) یہ بہت بڑے (اور
اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ⑬ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ
طاقتور) لشکر تھے⑬ (ان میں سے) ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا، لہٰذا (ان پر) میرا عذاب
عِقَابِ ع ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا
ثابت ہوگیا⑭ یہ لوگ تو بس ایک (ہولناک) چیخ کا [4] انتظار کر رہے ہیں، جس میں کوئی وقفہ نہیں
لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ
ہوگا⑮ [5] اور انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا (عذاب کا) حصہ یوم حساب سے پہلے
يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا
جلد دے دے⑯ [6] (اے نبی!) جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے اور ہمارے بندے داود کو یاد
دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ⑰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
کیجیے جو صاحب قوت تھا، [7] بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا⑰ بے شک ہم نے پہاڑ اس کے
مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ⑱ وَالطَّيْرَ
تابع کردیے تھے، جبکہ وہ (اس کے ساتھ) صبح و شام تسبیح کرتے رہتے تھے⑱ اور پرندے بھی (تابع
مَحْشُوْرَةً ۚ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ⑲ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ
کردیے تھے) اکٹھے کیے ہوئے، سب اس کے مطیع و فرماں بردار تھے⑲ [8] اور ہم نے اس کی بادشاہی
الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ⑳ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ
مستحکم کردی تھی، [9] اور ہم نے اسے حکمت [10] اور فیصلہ کن بات (کی صلاحیت) دی تھی⑳ [11] اور کیا آپ کے

کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو، اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے بھی کیا گیا ہے جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں، یعنی سیڑھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کردیں۔ (فتح القدير)

[1] جُنْدٌ مبتدا محذوف ھُم کی خبر ہے اور مَا بطور تاکید تعظیم یا تحقیر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے، یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، بڑا ہے یا حقیر، اس کی قطعاً پروا نہ کریں، نہ اس سے خوف کھائیں، شکست اس کا مقدر ہے۔ هُنَالِكَ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی ہوسکتا ہے، جہاں کافر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔ [2] فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غضب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں، پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت و شوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے، یعنی میخوں سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کردیا جاتا ہے، اس کا لشکر جرار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت و استحکام کا باعث تھے۔ [3] أَصْحَابُ الْأَيْكَة کے لیے دیکھیے: سورۂ شعراء 26:176 کا حاشیہ۔ [4] یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہوجائے گی۔ [5] دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ دوہ کر بچے کو اونٹنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد بچے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کردیتا ہے۔ یہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے، یہ فَوَاق کہلاتا ہے، یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہوجائے گا۔ [6] قِطَّنَا کے معنی ہیں: حصہ، مراد یہاں نامۂ عمل یا سرنوشت ہے، یعنی ہمارے نامۂ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں اچھی یا بری سزا جو بھی ہے، یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انھوں نے استہزا اور تمسخر کے طور پر کہا۔ [7] یہ الْاَيْدِ يَدٌ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ آدَ يَئِيدُ کا مصدر أَيْدٌ ہے، قوت و شدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت و صلابت ہے، جس طرح حدیث میں آتا ہے ”اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز، داود علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے، داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے، پھر اٹھ کر رات کا تہائی حصہ قیام کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے اور جنگ میں فرار نہ ہوتے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 3420، وصحيح مسلم، حديث: 1159) [8] یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہوجاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ مَحْشُوْرَةً کے معنی مجموعة ہیں۔ [9] ہر

Marfat.com

إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿21﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ

پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی جب وہ دیوار پھاند کر کمرے میں آ گئے (21) [1] جب وہ داود کے پاس پہنچے

مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ

تو وہ ان سے ڈر گئے، [2] انھوں نے کہا: آپ مت ڈریں! (ہم) دو جھگڑنے والے ہیں، ہم میں سے ایک

بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا

نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، لہٰذا آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیں، اور بے انصافی نہ

إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿22﴾ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ

کریں، اور سیدھی راہ کی طرف ہماری رہنمائی کریں (22) [3] بے شک یہ میرا بھائی [4] ہے، اس کے پاس

وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ

ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، تو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے سپرد کر دے [5]

أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿23﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ

اور اس نے بات چیت میں مجھے دبا لیا ہے (23) [6] آپ نے فرمایا: تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے

بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ

کا کہہ کر اس نے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے، اور بلاشبہ مل جل کر کام کرنے والوں میں سے بہت سے

الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ

ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں [7] سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ

کیے، اور ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں [8] اور داود نے جان لیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے، لہٰذا اس نے

أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿24﴾ فَغَفَرْنَا

اپنے رب سے بخشش مانگی، اور وہ جھک کر گر پڑا [9] اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا (24) پھر ہم نے

لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿25﴾ يَا دَاوُودُ

اس کی یہ غلطی بخش دی، [10] اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے (25) (ہم

طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے سے۔

[10] یعنی نبوت، اصابت رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

[11] یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت و تفقہ اور استدلال و بیان کی قوت۔

[1] محراب سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پہرے دار ہوتے تاکہ کوئی اندر آ کر عبادت میں مخل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔ [2] ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کی بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرے، انھوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب و کمال نبوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو۔ [3] آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔ [4] بھائی سے مراد دینی بھائی یا شریک کاروبار یا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔ [5] یعنی یہ ایک دنبی بھی میری دنبیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤں۔ [6] دوسرا ترجمہ ہے: "اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔" یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی و طراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔ [7] یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔ [8] البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے وہ پابند ہوتے ہیں، اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں، تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ [9] خَرَّ رَاكِعًا کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔ [10] حضرت داود علیہ السلام کا یہ کام کیا تھا جس پر انھیں کوتاہی کا اور توبہ و ندامت کے اظہار کا احساس ہوا اور اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے، اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ایک نبی کی شان ہی سے فروتر ہیں اور محقق مفسرین، مثلاً: ابن کثیر وغیرہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جب قرآن و حدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور واقعی جس چیز کو قرآن و سنت نے مجمل چھوڑا ہے، اُس کی ہم اپنی آراء و قیاسات اور اسرائیلی روایات کی بنیاد

Marfat.com

اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ
نے کہا:) اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
انصاف سے فیصلہ کرنا، اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا
الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا
دے گی، بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے، اس
ع 2 12 11 نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ؑ 26 وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ
لیے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے (26) اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے،
وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ
بیکار پیدا نہیں کیا[1] یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنھوں نے کفر کیا، تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ 27 اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
آگ کی ہلاکت ہے (27) کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ
لوگوں کے مانند کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں؟ یا ہم متقین کو بدکاروں کے مانند
الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ 28 كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ
کر دیں گے؟ (28) (یہ قرآن) ایک کتاب ہے، ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا، بڑی برکت والی ہے،
لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ 29 وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ
تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں (29) اور ہم نے داود کو سلیمان عطا
سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ 30 اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ
کیا، (وہ) اچھا بندہ تھا، بلاشبہ وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا (30) جب شام کے وقت اس
بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ 31 فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ
کے سامنے اصیل تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے (31)[2] تب اس نے کہا: بلاشبہ میں نے مال کی محبت کو اپنے
الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ 32 رُدُّوْهَا
رب کی یاد سے محبوب جانا (ترجیح دی) ہے، حتیٰ کہ وہ (سورج) پردے میں چھپ گیا (32) (کہا:) انھیں
عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ 33 وَلَقَدْ
میرے پاس واپس لاؤ، پھر وہ (ان کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر (ہاتھ) پھیرنے لگے (33)[3]

پر کیسے تشریح و وضاحت کر سکتے ہیں؟ اس بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ کوئی بات تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کا امتحان لیا، وہ فوراً سمجھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی۔ اس لیے بہت سے مفسرین نے جو بے بنیاد قیاس آرائیاں کی ہیں، انھیں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

[1] بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادت کریں جو ایسا کرے گا، میں اسے بہترین جزا سے نوازوں گا اور جو میری عبادت و اطاعت سے سرتابی کرے گا، اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ [2] الصّٰفِنٰتُ صَافِنْ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ الْجِيَادُ جواد کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں، یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغرض جہاد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے، وہ عمدہ اصیل تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام پر معائنے کے لیے پیش کیے گئے۔ عَشِيّ ظہر یا عصر سے لے کر آخر دن تک کے وقت کو کہتے ہیں، جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔ [3] اس ترجمے کی رو سے اَحْبَبْتُ بمعنی آثَرْتُ (ترجیح دینا) اور عَنْ بمعنی علٰی ہے۔ اور تَوَارَتْ کا مرجع شمس ہے جو آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے لیکن قرینہ اس پر دالّ ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں وَالْاَعْنَاقِ کا ترجمہ بھی ذبح کرنا ہو گا، یعنی مَسْحًا بِالسَّيْفِ کا مفہوم۔ مطلب ہوگا کہ گھوڑوں کے معائنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز یا وظیفہ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انھیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پردۂ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد، نماز یا وظیفے سے غافل رہا، چنانچہ اس کی تلافی اور ازالے کے لیے انھوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قتل کر ڈالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عن، اَجل کے معنی میں ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ ذِكْرِ رَبِّي، یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں، یعنی ان کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے، پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انھیں دوبارہ طلب کیا اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ الْخَيْرِ قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے۔ تَوَارَتْ میں ضمیر کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ

Marfat.com

فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ

اور بلاشبہ ہم نے سلیمان کو آزمایا، اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا[1] پھر اس نے (اللہ کی

اَنَابَ ﴿34﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ

طرف) رجوع کیا﴿34﴾ اس نے کہا: اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی بادشاہی عطا

لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿35﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ

کر کہ وہ میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو،[2] بلاشبہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے﴿35﴾ چنانچہ ہم نے ہوا

الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿36﴾

اس کے تابع کر دی تھی، وہ اس کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی جہاں کا وہ ارادہ کرتا تھا﴿36﴾[3] اور

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿37﴾ وَّاٰخَرِيْنَ

شیاطین (جنات) کو (بھی تابع کر دیا) ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے کو﴿37﴾ اور دوسروں

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿38﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ

کو (جو) زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے﴿38﴾ یہ[4] ہماری بخشش ہے، لہٰذا (لوگوں پر) احسان کر، یا

اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿39﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ

روک رکھ، کوئی حساب نہیں ہوگا﴿39﴾ [5] اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا

سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

[1] یہ آزمائش کیا تھی؟ کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی کوئی بھی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی، البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعے کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد 70 یا 90 تھی) ہم بستری کروں گا اور ان میں سے ہر ایک بیوی ایک شاہ سوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا لیکن ہوا یہ کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 3424، وصحيح مسلم، حديث: 1654) ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا یہی فتنہ ہو جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام مبتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقت بچہ ہو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بعض لوگوں نے اپنی فاسد عقل و درایت کی رُو سے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن ہم عرض کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ معجزات عطا فرماتا ہے۔ انھی معجزات میں ایک معجزہ قوت مردانگی بھی ہے۔ علاوہ ازیں اوقات میں برکت بھی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت سلیمان کے واقعے کو عام انسانی معیار پر ناپنا اور پھر اسے عقل و درایت کے خلاف باور کرانا یکسر غلط ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اس واقعے میں انبیاء علیہم السلام کی اس خصوصیت کا بیان بھی ہے جو قوت جماع کی صورت میں ان کو عطا کی جاتی ہے جو ان کی بنیادی صحت، قوت بار آوری اور کمال مردانگی پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ انھیں عبادت اور علوم کے ساتھ بھی خصوصی اشتغال ہوتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ معجزہ اس سے زیادہ بلیغ انداز میں عطا کیا گیا تھا، آپ کا اپنے رب کی عبادت میں، علوم ربانی میں اور مخلوق کی فلاح و بہبود میں اشتغال بہت زیادہ تھا۔ علاوہ ازیں آپ نہایت کم خور تھے جو کثرت جماع والے شخص کے لیے جسمانی کمزوری کا باعث ہے، اس کے باوجود آپ (بعض دفعہ) ایک ہی رات میں غسل واحد کے ساتھ اپنی گیارہ بیویوں کے ساتھ مباشرت فرما لیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو جتنا زیادہ متقی ہوتا ہے، اس کی جنسی قوت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔“ (فتح الباري: 563/6 طبع دار السلام، الرياض) یہ بات تو اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت سلیمان کا یہ واقعۂ مباشرت حدیث میں آیت زیر بحث کی تفسیر کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی فہم کے مطابق اس آیت پر اس کا انطباق کیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ دیگر تاویلات و توجیہات کے مقابلے میں، جو بیشتر اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں، یہ انطباق زیادہ صحیح ہے اور اس سے اس آیت کی ایک معقول توجیہ سامنے آ جاتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. [2] یعنی مجھے ایسی با اختیار بادشاہت عطا کر دے کہ ویسی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

[3] یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی، یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بتایا ہے جبکہ دوسرے مقام پر اسے تند و تیز کہا ہے (الأنبيآء 81:21) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے لیکن سلیمان علیہ السلام کے لیے اسے نرم کر دیا گیا یا حسب ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ (فتح القدير) [4] جنات میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے انھیں بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا تا کہ وہ اپنے کفر یا سرکشی کی وجہ سے سرتابی نہ کر سکیں۔ [5] یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نواز دیا

Marfat.com

مَاٰبٍ ﴿40﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ
ہے﴿40﴾ [1] اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجیے، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بلاشبہ مجھے شیطان
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿41﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ
نے تکلیف اور ایذا پہنچائی ہے﴿41﴾ [2] (ہم نے کہا:) اپنا پیر زمین پر مار، یہ غسل کرنے اور پینے کو
بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿42﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ
(ٹھنڈا پانی) ہے﴿42﴾ [3] اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے، اپنی
رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿43﴾ وَخُذْ
طرف سے بطور رحمت [4] اور یہ عقل مندوں کے لیے ایک نصیحت ہے﴿43﴾ [5] اور (ہم نے کہا:) اپنے ہاتھ
بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا
میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ، اور اس کے ساتھ (قسم پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی کو) مار، اور قسم نہ
وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿44﴾
توڑ۔ [6] بے شک ہم نے اسے صابر پایا، (وہ) اچھا بندہ تھا، بلاشبہ وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا
وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى
تھا﴿44﴾ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو قوت و بصیرت
الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿45﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى
والے تھے﴿45﴾ [7] بے شک ہم نے انھیں ایک خاص وصف، آخرت کی یاد کے ساتھ چن
الدَّارِ ﴿46﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿47﴾ وَاذْكُرْ
لیا تھا﴿46﴾ [8] اور وہ ہمارے نزدیک یقیناً برگزیدہ، نیکوکاروں میں سے تھے﴿47﴾ اور اسمٰعیل اور الیسع اور

اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے جسے چاہے نہ دے، تجھ سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

[1] یعنی دنیوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرب خاص اور مقام خاص حاصل ہوگا۔ [2] حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشہور ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی تباہی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال مبتلا رہے حتیٰ کہ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ رہ گئی جو صبح و شام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کے لیے کہیں کام کاج کر کے بقدر کفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر متعدد تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ نُصْبٍ سے جسمانی تکالیف اور عَذَابٍ سے مالی ابتلا مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ممکن ہے شیطان کے وسوسے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ [3] اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیر مارو، جس سے ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ اس کے پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے، یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔ [4] بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال و اولاد سے انھیں نواز دیا جو پہلے سے دوگنا تھا۔ [5] یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلا و شدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔ [6] بیماری کے ایام میں خدمت گزار بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی تھی، صحت یاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار دے، تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر حانث ہونے سے بچ سکتا ہے۔ بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔ (فتح القدیر) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک معذور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 2574، ومسند أحمد: 222/5 صححه الألباني) جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ [7] یعنی عبادت الٰہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی و علمی بصیرت میں ممتاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اَيْدِي بمعنی نِعَمٌ ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔ [8] یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا،

Marfat.com

اِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ (48) هٰذَا
ذوالکفل کو یاد کیجیے، اور (ان میں سے) ہر ایک نیکو کاروں میں سے تھا (48)[1] یہ ایک نصیحت ہے، اور
ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ (49) جَنّٰتِ عَدْنٍ
بے شک متقین کے لیے بہت اچھا ٹھکانا ہے (49) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے دروازے ان کے
مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (50) مُتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا یَدْعُوْنَ فِیْهَا
لیے کھلے ہوں گے (50) جبکہ وہ ان میں تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے، اور وہاں طرح طرح کے
بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ وَّشَرَابٍ (51) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
پھلوں اور مشروبات کی فرمائشیں کریں گے (51) اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی، ہم عمر (بیویاں)
اَتْرَابٌ (52) هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ (53) اِنَّ هٰذَا
ہوں گی (52)[2] (کہا جائے گا:) یہ ہے (وہ جزا) جس کا یوم حساب کے لیے تم سے وعدہ کیا جاتا
لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (54) هٰذَا ؕ وَاِنَّ
تھا (53) بے شک یہ ہمارا رزق[3] (عطیہ) ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا (54)[4] (معاملہ اہل خیر کا) ہے اور
لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (55) جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ
بلاشبہ سرکشوں[5] کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے (55) (یعنی) جہنم، وہ اس میں داخل ہوں گے،[6] چنانچہ وہ آرام
الْمِهَادُ (56) هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ (57) وَّاٰخَرُ
کرنے کی بری جگہ ہے (56) یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ،[7] اب وہ اس کو چکھیں (57) اور ان کے مانند کئی
مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ (58) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ
قسم کے دوسرے (عذاب) ہوں گے (58)[8] یہ (تمھارے پیروکاروں کا) ایک گروہ ہے جو تمھارے ساتھ
لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ (59) قَالُوْا
گھسا چلا آتا ہے،[9] ان کے لیے خوش آمدید نہیں،[10] بے شک یہ آگ میں داخل ہونے والے ہیں (59)[11] وہ
بَلْ اَنْتُمْ ۫ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ
کہیں گے: بلکہ تم ہی (اس لائق) ہو کہ تمھارے لیے خوش آمدید نہیں، تم ہی اسے ہمارے سامنے
فَبِئْسَ الْقَرَارُ (60) قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا
لائے ہو،[12] تو (یہ) بہت بری قرارگاہ ہے (60) وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جو شخص ہمارے سامنے یہ

چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد و تقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں کوشاں رہتے تھے۔

[1] اَلْیَسَعَ کہتے ہیں: حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، ال تعریف کے لیے ہے اور عجمی نام ہے، ذوالکفل کے لیے دیکھیے: سورۂ انبیاء 85:21 کا حاشیہ۔ اَلْاَخْیَارِ خَیْرٌ یا خَیِّرٌ کی جمع ہے، جیسے مَیِّتٌ کی جمع اَمْوَاتٌ ہے۔ [2] یعنی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے متجاوز نہیں ہوں گی۔ اَتْرَابٌ تِرْبٌ کی جمع ہے بمعنی ہم عمر۔ (فتح القدیر) [3] رِزْق بمعنی عطیہ ہے اور هٰذَا سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام واعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ یاب ہوں گے۔ نَفَادٍ کے معنی انقطاع اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز و اکرام بھی دائمی۔ [4] هٰذَا مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی اَلْاَمْرُ هٰذَا یا هٰذَا، مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے، یعنی هٰذَا كَمَا ذُكِرَ یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ [5] طَاغِیْنَ جنھوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی۔ [6] یَصْلَوْنَ کے معنی ہیں: یَدْخُلُوْنَ داخل ہوں گے۔ [7] حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ هٰذَا کی خبر ہے، یعنی هٰذَا حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ فَلْیَذُوْقُوْهُ "یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے چکھو۔" حَمِیْمٌ گرم کھولتا ہوا پانی جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ غَسَّاقٌ جہنمیوں کی کھالوں سے جو پیپ اور گندا لہو نکلے گا۔ یا سخت ٹھنڈا پانی جس کا پینا نہایت مشکل ہو گا۔ [8] شَكْلِهٖ اس جیسے، اَزْوَاجٌ انواع واقسام، یعنی حمیم وغساق جیسے بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔ [9] جہنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے ائمۂ کفر اور پیشوایانِ ضلالت سے کہیں گے، جب پیروکار قسم کے کافر جہنم میں جائیں گے۔ یا ائمۂ کفر وضلالت آپس میں یہ بات، پیروکاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔ [10] یہ لیڈر، جہنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے۔ رَحْبَةٌ کے معنی وسعت وفراخی کے ہیں۔ مَرْحَبًا یہ کلمۂ ترحیب، یعنی خیر مقدمی الفاظ ہیں جو آنے والے مہمان کے استقبال کے وقت کہے جاتے ہیں۔ لَا مَرْحَبًا اس کے برعکس ہے۔ [11] یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے، یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجۂ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جہنم میں داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، یہ بھی عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔ [12] یعنی تم ہی کفر وضلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذاب جہنم کے پیش کار تو تم ہی ہو۔ یہ پیروکار، اپنے مقتداؤں کو کہیں گے۔

Marfat.com

فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ ﴿61﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا

(انجام) لایا ہے[1] اس کے لیے جہنم میں عذاب دوگنا زیادہ کردے ﴿61﴾[2] اور وہ کہیں گے: ہمیں کیا ہے کہ ہم ان

لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿62﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ

لوگوں کو (جہنم میں) نہیں دیکھتے جنھیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے ﴿62﴾[3] کیا ہم نے انھیں (دنیا

سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿63﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ

میں یونہی) مذاق (کا نشانہ) بنائے رکھا[4] یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں[5]؟ ﴿63﴾ بلاشبہ یہ اہل

تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿64﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ

دوزخ کا باہم جھگڑنا حق ہے ﴿64﴾[6] آپ کہہ دیجیے: بس میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں،[7] اور اللہ کے سوا

ع 4 / 24 / 13

اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿65﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

کوئی معبود نہیں، جو ایک ہے، بڑا زبردست ﴿65﴾ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿66﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿67﴾

رب ہے، نہایت غالب، بہت معاف کرنے والا ﴿66﴾ کہہ دیجیے: وہ ایک بہت بڑی خبر ہے ﴿67﴾[8] تم اس

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿68﴾ مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ

سے اعراض کرنے والے ہو ﴿68﴾ مجھے (فرشتوں کی) بلند پایہ جماعت کا کوئی علم نہیں تھا جب وہ باہم

الْاَعْلٰٓی اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿69﴾ اِنْ يُّوْحٰٓی اِلَیَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا

جھگڑ رہے تھے ﴿69﴾[9] میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ بس میں تو صرف ایک واضح (طور پر)

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿70﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ

ڈرانے والا ہوں ﴿70﴾[10] (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا:[11] بے شک میں مٹی سے

بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿71﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ

ایک انسان پیدا[12] کرنے والا ہوں ﴿71﴾ چنانچہ جب میں اسے ٹھیک ٹھیک بنادوں[13] اور اس میں اپنی روح

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿72﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

پھونک دوں،[14] تو تم اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا ﴿72﴾[15] تب تمام فرشتوں نے (بیک وقت)

[1] یعنی جنھوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنھوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھیجا۔ [2] یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ اعراف 7:38، سورۂ احزاب 33:68۔ [3] اَلْاَشْرَار سے جہنمی لوگ فقراء مومنین کو مراد لیتے، جیسے: عمار، خباب، صہیب، بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ عنہم انھیں رؤسائے مکہ ازراہ خبث "برے لوگ" کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد، انتہا پسند وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔ اسی طرح اہل بدعت، خالص اہل سنت کو "برا" باور کراتے ہیں۔ [4] یعنی دنیا میں جہاں ہم غلطی پر تھے۔ [5] یا وہ بھی ہمارے ساتھ ہی یہیں کہیں ہیں، ہماری نظریں انھیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں۔ [6] یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو مورد طعن بنانا، ایک ایسی حقیقت ہے جس میں تخلّف نہیں ہوگا۔ [7] یعنی جو تم گمان کرتے ہو، میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمھیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔ [8] یعنی میں تمھیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے جس سے اعراض و غفلت نہ برتو بلکہ اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ [9] مَلَاِ اَعْلٰی سے مراد فرشتے ہیں، یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے، اس اختصام (بحث و تکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔ [10] یعنی میری ذمے داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض و سنن تمھیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے اور ان محرمات و معاصی کی وضاحت کر دوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الٰہی کے اور بصورت دیگر اس کے غضب و عقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انذار (ڈرانا) ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔ [11] یہ قصہ اس سے قبل سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔ [12] یعنی ایک انسان مٹی سے بنانے والا ہوں۔ انسان کو بشر، زمین کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے کہا، یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ اسی زمین پر کرتا ہے، یا اس لیے کہ وہ بَادِی الْبَشَرَة ہے، یعنی اس کا جسم اور جلد ظاہر ہے کہ دوسرے حیوانات کی طرح اس کے جلد پر بال، اون نہیں ہے۔ [13] یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزاء درست اور برابر کرلوں۔ [14] یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ انسان کے شرف و عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔ [15] یہ سجدۂ تحیہ و تعظیم ہے، سجدۂ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا، اب اسلام میں تعظیمی

Marfat.com

اَجْمَعُوْنَ ﴿73﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾ قَالَ

اکٹھے سجدہ کیا﴿73﴾ [1] سوائے ابلیس کے، اس نے تکبر کیا، [2] اور وہ کافروں میں سے ہوگیا﴿74﴾ [3] اللہ نے

يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ

فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿75﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ

سے پیدا کیا؟ [4] کیا تو نے تکبر کیا یا تو اونچے درجے والوں میں سے ہے؟﴿75﴾ اس نے کہا: میں اس سے

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿76﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا، اور اسے تو نے مٹی سے پیدا [5] کیا﴿76﴾ اللہ نے فرمایا: اب تو یہاں

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿77﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿78﴾

سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے﴿77﴾ اور بلاشبہ تجھ پر روز جزا تک میری لعنت ہے﴿78﴾ ابلیس نے کہا:

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿79﴾ قَالَ

اے میرے رب! اب تو مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے﴿79﴾ اللہ

فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿80﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

نے فرمایا: پس بلاشبہ تو مہلت دیے گئے لوگوں میں سے ہے﴿80﴾ اس دن تک جس کا وقت (میرے

الْمَعْلُوْمِ ﴿81﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿82﴾

ہاں) مقرر ہے﴿81﴾ اس نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا﴿82﴾ سوائے

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿83﴾ قَالَ فَالْحَقُّ

تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص و برگزیدہ ہوں﴿83﴾ فرمایا: تو حق یہی ہے اور میں حق

وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿84﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ

بات ہی کہتا ہوں﴿84﴾ میں تجھ سے اور ان سب سے جنھوں نے تیری پیروی کی جہنم کو ضرور بھر دوں

مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿85﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ

گا﴿85﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، [6] اور میں تکلف

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿86﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾

(بناوٹی کام) کرنے والوں میں سے نہیں﴿86﴾ یہ [7] (قرآن) جہانوں کے لیے نصیحت ہی تو ہے﴿87﴾ [8]

سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 1159 وقال الألباني وهو حديث صحيح لشواهده)

[1] یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مسجود ملائک بنایا، یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تعظیمًا سجدہ کیا۔ كُلُّهُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد اَجْمَعُوْنَ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے بیک وقت ہی کیا، مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تاکید در تاکید تعمیم میں مبالغے کے لیے ہے اور یہی راجح ہے۔ (فتح القدیر) [2] اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ استثنا متصل ہوگا، یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہوگا، بصورت دیگر یہ استثنا منقطع ہے، یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا گیا۔ مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔ [3] یہ كَانَ صَارَ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے استکبار کی وجہ سے وہ کافر ہوگیا، یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔ [4] یہ بھی انسان کے شرف وعظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا ویسے تو ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے لیکن انسان کے شرف و عظمت کا اظہار اس میں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ [5] یعنی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے، حالانکہ یہ سب جواہر، متجانس (ہم جنس یا قریب قریب ایک درجے میں) ہیں۔ ان میں سے کسی کو دوسرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض، آگ کے مقابلے میں، مٹی کے حصے میں آیا، کہ اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف وعظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آگ کا کام جلا کر خاکستر کر دینا ہے جبکہ مٹی اس کے برعکس انواع واقسام کی پیداوار کا ماخذ ہے۔ [6] یعنی اس دعوت وتبلیغ سے میرا مقصد صرف امتثال امر الٰہی ہے، دنیا کمانا نہیں۔ [7] یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو یا میں تمھیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو بلکہ کوئی کمی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہہ دینا چاہیے: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا: فرما دیجیے: وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ''میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' (ابن کثیر) علاوہ ازیں اس سے

Marfat.com

وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ﴿88﴾

اور تم اس کی حقیقت کچھ مدت کے بعد ضرور جان لو گے ﴿88﴾[1]

آیاتھا: 75 — سُوۡرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا: 8

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿1﴾ اِنَّاۤ

(یہ) اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جو نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ① بے شک ہم نے

اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا

یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے،[2] لہٰذا آپ اللہ کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسی

لَّهُ الدِّيۡنَ ﴿2﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا

کی عبادت کیجیے ②[3] سنو! خالص اطاعت و بندگی اللہ ہی کے لیے ہے،[4] اور جن لوگوں نے اس کے

مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى

سوا کارساز بنا رکھے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں

اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ فِىۡ مَا هُمۡ فِيۡهِ

اللہ کے زیادہ قریب کر دیں۔[5] یقیناً اللہ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا[6] جن میں وہ

عام معاملات زندگی میں بھی تکلف و تصنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے، جیسے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ''(صحيح البخاري، حديث: 7293) ''ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔'' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ أَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ'' (صحيح الجامع الصغير للألباني: 1159/2، و الصحيحة: 512/5) ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلفات جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے، اصحاب حیثیت کا شعار اور وتیرہ بن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔ اسی طرح اگرچہ اکرام ضَیف کا بھی حکم ہے، یعنی مہمان کی عزت اور اس کی مہمان نوازی ضروری ہے لیکن اس کا مطلب بھی اپنی طاقت کے مطابق اس کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کی خوش دلی سے فراہمی ہے نہ کہ تکلفات اور اسراف بے جا کا اہتمام کرنے کی ضرورت۔ [8] یعنی یہ قرآن یا وحی یا وہ دعوت جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے، بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کا قصد کرے۔

[1] یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے جو وعدے وعید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت و صداقت بہت جلد تمھارے سامنے آجائے گی، چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔ ﷺ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرماتے تھے۔ (صححه الألباني في صحيح سنن الترمذي: 167/3) [2] یعنی اس میں توحید و رسالت، معاد اور احکام و فرائض کا جو اثبات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انھی کے ماننے اور اختیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔ [3] الدِّيۡنُ کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل کرنا۔ آیت، نیت کے وجوب اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کر دی گئی ہے کہ ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ''(صحيح البخاري، حديث: 1) ''عملوں کا اعتبار نیتوں پر ہے۔'' یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے گا، (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں ریا کاری اور کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، وہ نامقبول ہوگا۔ [4] یہ اسی اخلاص عبادت کی تاکید ہے۔ جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت و اطاعت صرف ایک اللہ ہی کا حق ہے، نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے، نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے، البتہ رسول کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے، اس لیے رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، کسی غیر کی نہیں، تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں، اس لیے عبادت اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے رسول کی بھی جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ عام افراد و اشخاص کی جنھیں لوگوں نے اپنے طور پر خدائی اختیارات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ ﴿مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ (یوسف 40:12) ''اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔'' [5] اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے، پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ (یونس 18:10) ''یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔'' [6] کیونکہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں

Marfat.com

يَخْتَلِفُونَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ
اختلاف کرتے ہیں، بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا، ناشکرا ہو③ [1] اگر اللہ چاہتا کہ کسی
اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ
کو بیٹا بنائے ان میں سے جنھیں وہ پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا چن لیتا، لیکن وہ تو (ان باتوں سے)
هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ
پاک ہے[2] وہ اللہ واحد ہے، بڑا زبردست ④ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا،
الَّيْلَ عَلَي النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے، اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے[3] اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا
وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤
ہے، ہر ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے، سنو! وہ نہایت غالب، بہت بخشنے والا ہے⑤ اس نے
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ
تمھیں ایک ہی جان سے پیدا کیا،[4] پھر اس نے اس سے اس کا جوڑا بنایا،[5] اور اس نے تمھارے لیے چوپایوں
لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ
میں سے آٹھ جوڑے (نر اور مادہ) اتارے (پیدا کیے)،[6] وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے،
اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ
ایک پیدائش (مرحلے) کے بعد دوسری پیدائش[7] میں، تین قسم کے اندھیروں (پردوں) میں،[8] یہ ہے اللہ تمھارا
اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥
رب، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے (بہکے) جاتے[9] ہو؟⑥ اگر تم کفر
اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ
کرو گے تو اللہ یقیناً تم سے بے پروا ہے،[10] اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو گے
الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے[11] اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی، پھر تمھیں

ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

[1] یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودان باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ [2] یعنی پھر اس کی اولاد لڑکیاں ہی کیوں ہوتیں؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس کی اولاد ہوتی نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں لیکن وہ تو اس نقص سے ہی پاک ہے۔ (ابن کثیر) [3] تَكْوِيرٌ کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز پر لپیٹ دینا، رات کو دن پر لپیٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو ڈھانپنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر لپیٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے یہ وہی مطلب ہے جو يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ (الأعراف 54:7) "وہ (اللہ) رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے۔" کا ہے۔ [4] یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تھی۔ [5] یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمالِ قدرت ہے کیونکہ حضرت حواء کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق کسی آدمی کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ [6] یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، جو نر اور مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام 6:143، 144 میں گزر چکا ہے۔ اَنْزَلَ بمعنی خَلَقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق، پہلے اللہ نے انھیں جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انھیں نازل کیا، پس یہ انزال حقیقی ہوگا یا أَنْزَلَ کا اطلاق مجازاً ہے، اس لیے کہ یہ جانور چارے کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے سے اترتا ہے۔ یوں گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں۔ (فتح القدیر) [7] یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پہلے نُطْفَه، پھر عَلَقَه، پھر مُضْغَه، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ جس کے اوپر گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔ [8] ایک: ماں کے پیٹ کا اندھیرا، دوسرا: رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا: مشیمہ کا اندھیرا، وہ جھلّی یا پردہ جس کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ [9] یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟ [10] اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورۂ ابراہیم 14:8 کا حاشیہ۔ [11] یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے کیونکہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا نہ ہو ہی سکتا ہے، تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا، یعنی اس کی مشیت اور چیز ہے اور ا

Marfat.com

اُخْرٰی ؕ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ
اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے، تو وہ تمھیں بتائے گا جو کچھ تم کرتے رہے، بلاشبہ وہ سینوں کے راز خوب
اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ 7 وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا
جانتا ہے⑦ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسے
رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ
پکارتا ہے، پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کیا کرتا تھا
مَا کَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ
اسے بھول جاتا ہے[1] اور اللہ کے لیے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ اس کے راستے سے (لوگوں کو) بہکائے، آپ
عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِکُفْرِکَ قَلِیْلًا ۖۗ اِنَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ 8
کہہ دیجیے: تو اپنے کفر کے ساتھ کچھ (دنیاوی) فائدہ اٹھا لے، بلاشبہ تو دوزخیوں میں سے ہے⑧ کیا (یہ
اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ
مشرک بہتر ہے یا وہ) جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے اور قیام کرتے ہوئے عبادت وفرماں برداری کرتا
وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ
ہے، جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے؟[2] کہہ دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے
لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ 9 ع 15 قُلْ یٰعِبَادِ
ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے ہیں؟[3] بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں⑨[4] کہہ دیجیے: اے
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ
میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈرو،[5] جنھوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کیے ان
الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ
کے لیے بھلائی ہے[6] اور اللہ کی زمین وسیع ہے[7] بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا اجر

کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقامات پر کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ 2:253 و سورۂ انعام 6:35 و سورۂ یٰسٓ 36:47 اور سورۂ زخرف 43:20 کے حواشی)

[1] یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر، اللہ سے دعا کرتا تھا یا اس رب کو بھول جاتا ہے، جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تضرع کرتا تھا اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشی میں، رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرماں برداری کا اظہار کرتے ہوئے، سجود و قیام میں گزارتا ہے۔ آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے، یعنی خوف و رجا دونوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف و رجا کے بارے میں حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس گئے جبکہ اس پر سکرات الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 983، و سنن ابن ماجه، حديث: 4261) [3] یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب و عقاب کا جو وعدہ کیا ہے، وہ حق ہے اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے، یہ دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم و جہل میں فرق ہے، اسی طرح عالم و جاہل برابر نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم و غیر عالم کی مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار اور اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے کیونکہ وہی علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عامل اور غیر عامل کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔ [4] اور یہ اہل ایمان ہی ہیں نہ کہ کفار۔ گو وہ اپنے آپ کو صاحب دانش و بصیرت ہی سمجھتے ہوں لیکن جب وہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کر کے غور و تدبر ہی نہیں کرتے اور عبرت و نصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ چوپاؤں کی طرح عقل و دانش سے محروم ہیں۔
[5] اس کی اطاعت کر کے، معاصی سے اجتناب کر کے اور عبادت و اطاعت کو اس کے لیے خالص کر کے۔ [6] یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا کو حَسَنَةٌ سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں: ''جو نیکی کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے۔'' یعنی اللہ انھیں دنیا میں صحت و عافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے۔

Marfat.com

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

بے حساب دیا جائے گا⑩[1] آپ کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کے لیے بندگی کو خالص

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑫

کرتے ہوئے اس کی عبادت کروں⑪ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان[2] بن جاؤں⑫

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

کہہ دیجیے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو یقیناً مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے ڈر لگتا

عَظِيْمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ⑭

ہے⑬ کہہ دیجیے: میں اللہ کے لیے اپنی بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں⑭

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، کہہ دیجیے: بلاشبہ خسارہ اٹھانے والے تو وہ لوگ ہیں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

جنھوں نے روز قیامت اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا! خبردار! یہی کھلا

الْمُبِيْنُ ⑮ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ

خسارہ ہے⑮ ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی آگ کے)

تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ

سائبان ہوں گے[3] یہی وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے[4] لہٰذا اے میرے بندو! تم

فَاتَّقُوْنِ ⑯ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا

مجھ ہی سے ڈرتے رہو⑯ اور جو لوگ طاغوت کی عبادت کرنے سے بچے رہے، اور انھوں نے اللہ کی

وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰

طرف رجوع کیا، ان کے لیے بشارت ہے، لہٰذا آپ میرے (ان) بندوں کو بشارت دے دیں⑰

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

جو غور سے بات سنتے ہیں، اور اچھی بات[5] کی پیروی کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے

هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ

ہدایت دی، اور وہی لوگ عقل والے ہیں⑱[6] کیا پھر جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہو[7]

[7] یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان وتقویٰ پر عمل مشکل ہو تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں بلکہ وہاں سے ہجرت کر کے ایسے علاقے میں چلے جانا چاہیے جہاں انسان احکام الٰہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان وتقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو لیکن آج کل مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی ماحول اور اسلامی معاشروں سے نکل کر محض مادّی منفعت اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی کے لیے دیارِ کفر میں رہائش پذیر ہے جہاں ان کی تہذیب اور دین وایمان کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ گویا قرآنی حکم کے برعکس دین کی حفاظت کی غرض سے ترکِ وطن کے بجائے دین واخلاق اسلامی کی بربادی کے لیے وطن مالوف، خویش واقارب اور اسلامی ماحول کو خیرباد کہنے کو معمول بنالیا گیا ہے۔

[1] اسی طرح ایمان وتقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات ولذاتِ نفس کی قربانی بھی لابدّی ہے، جس کے لیے صبر کی ضرورت ہے، اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کردی گئی ہے کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہوگا، یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہوگا کیونکہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو، وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس لیے کہ جزع فزع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت ٹل نہیں جاتی، جس خیر اور فائدے سے محرومی ہوگئی ہے، وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورت حال پیش آچکی ہوتی ہے، اس کا اندفاع ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجرِ عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ [2] پہلا اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔ [3] ظُلَلٌ، ظُلَّةٌ کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں أَطباق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدیر) [4] یعنی یہی مذکور خسرانِ مبین اور عذاب ظُلَل ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے اس انجام بد سے بچ جائیں۔ [5] أَحْسَنْ سے مراد محکم اور پختہ بات یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات یا عزیمت ورخصت میں سے عزیمت یا عقوبت (بدلہ لینے) کے مقابلے میں عفو ودرگزر اختیار کرتے ہیں۔ [6] کیونکہ انھوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے جبکہ دوسروں نے اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ [7] یعنی قضا وتقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر وظلم اور جرم وعدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جہاں۔

Marfat.com

كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿19﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ

تو (اے نبی!) کیا آپ اسے چھڑالیں گے جو آگ (دوزخ) میں ہے؟ ⑲ [1] لیکن جو لوگ اپنے

اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ

رب سے ڈر گئے ان کے لیے بالا خانے ہیں، ان کے اوپر (اور) بالا خانے بنے ہوئے ہیں،[2] جبکہ ان

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿20﴾

کے نیچے نہریں جاری ہیں، (یہ) اللہ کا وعدہ ہے،[3] اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ⑳ کیا آپ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي

نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اسے زمینی چشموں سے جاری کیا،[4] پھر

الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

وہ اس کے ذریعے سے کھیتی نکالتا ہے، جبکہ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں،[5] پھر وہ (پک کر) خشک

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطٰمًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

ہوجاتی ہے، آپ اسے زرد ہوئی دیکھتے ہیں، پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کردیتا ہے،[6] بلاشبہ اس میں عقل والوں

لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿21﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى

ع 2 12 16

کے لیے نصیحت ہے ㉑ [7] کیا پھر جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، اور وہ اپنے رب کی

نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

طرف سے روشنی پر ہے،[8] (وہ سخت اور تنگ دل کافر کے برابر ہوسکتا ہے؟) چنانچہ ہلاکت ہے ان کے لیے

اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿22﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

جن کے دل اللہ کی یاد کے معاملے میں سخت ہیں، وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ㉒ اللہ نے بہترین کلام

كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ

نازل کیا جو ایک کتاب ہے باہم ملتی جلتی، بار بار دہرائی جانے والی،[9] جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے

اس کی واپسی ممکن نہیں رہی، جیسے ابوجہل اور عاص بن وائل وغیرہ، اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جہنمی ہوگیا۔ [1] نبی ﷺ چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آگئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہوگیا، اسے آپ جہنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔ [2] اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے، ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں، جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالا خانے ہوں گے، جن کے درمیان سے اہل جنت کی خواہش کے مطابق دودھ، شہد، پانی اور شراب کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ [3] جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہوگا کہ اللہ سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔ [4] يَنَابِيْعَ يَنْبُوْعٌ کی جمع ہے، سوتے، چشمے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے، پھر وہ زمین میں جذب ہوجاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہوجاتا ہے۔ [5] یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے، انواع واقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ [6] یعنی شادابی اور تروتازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں اور زرد ہوجاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہیں۔ جس طرح لکڑی کی ٹہنیاں خشک ہوکر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہیں۔ [7] یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بہت جلد زوال وفنا سے ہم کنار ہوجاتی ہے۔ اس کی رونق و بہجت، اس کی شادابی و زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہیے بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائمی ہے جسے زوال نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتارا جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکالتا ہے جو ایک دوسرے سے بہتر ہوتا ہے، پس مومن تو ایمان ویقین میں زیادہ ہوجاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، وہ اس طرح خشک ہوجاتا ہے جس طرح کھیتی خشک ہوجاتی ہے۔ (فتح القدیر) [8] یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے، پس وہ اس شرح صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہوسکتا ہے جس کا دل اسلام کے لیے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔ [9] اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ سے مراد قرآن مجید ہے، ملتی جلتی کا مطلب، اس کے سارے حصے حسن کلام، اعجاز و بلاغت، صحت معانی وغیرہ خوبیوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یا یہ بھی سابقہ کتب آسمانی سے ملتا ہے، یعنی ان کے مشابہ ہے۔ مَثَانِيَ جس میں قصص و واقعات اور مواعظ و احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

Marfat.com

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى

ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں،[1] پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف نرم (ہوکر

ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

مائل) ہوجاتے ہیں،[2] یہی اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس کے ذریعے سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے،

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (23) اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ

اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (23) کیا پھر جو شخص روز قیامت برے عذاب سے

سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا

اپنے چہرے (کی ڈھال) کے ذریعے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے (وہ جنتی کے برابر ہوسکتا ہے؟) اور

مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (24) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ظالموں سے کہا جائے گا: تم (اس کا مزہ) چکھو جو تم کماتے تھے (24)[3] جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (25) فَاَذَاقَهُمُ

(دین حق کو) جھٹلایا تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کا انھیں گمان تک نہ تھا (25)[4] چنانچہ اللہ نے

اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

انھیں دنیاوی زندگی میں رسوائی چکھائی،[5] اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت بڑا ہے، کاش!

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (26) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ

وہ جانتے ہوتے (26) اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے

كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (27) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ

تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (27)[6] قرآن عربی (زبان) میں ہے، کجی والا نہیں، شاید

لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (28) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ

وہ ڈریں (28)[7] اللہ نے ایک آدمی (غلام) کی مثال بیان کی جس میں کئی باہم اختلاف رکھنے والے

شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

شریک ہیں، اور ایک دوسرا آدمی جو خالص ایک ہی شخص کا (غلام) ہے، کیا (ان) دونوں کی

مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (29) اِنَّكَ

حالت یکساں ہوسکتی ہے؟[8] (نہیں) الحمد للہ![9] بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے (29)[10] (اے

مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (30) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

نبی!) بلاشبہ آپ بھی مرنے والے ہیں[11] اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں (30) پھر بلاشبہ تم قیامت

عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (31) ع

کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے (31)

ع 3 10 17

[1] کیونکہ وہ ان وعیدوں کو اور تخویف وتہدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لیے اس میں ہے۔ [2] یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف وکرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز وگداز پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہوجائیں اور عقل وہوش باقی نہ رہے کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ''وجد وحال یا سکر ومستی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجوہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سماع، قرآن کریم کی تلاوت ہے جبکہ کفار کا سماع بے حیا مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا سننا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سماع مشرکانہ غلو پر مبنی قوالیاں اور نعتیں ہیں) دوسرے یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب وخشیت سے، رجا ومحبت سے اور علم وفہم سے رو پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہوجاتے ہیں جبکہ کفار شور کرتے اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرے: اہل ایمان سماع قرآن کے وقت ادب وتواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابۂ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ (ابن کثیر) [3] یعنی کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو قیامت والے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہوگا، یعنی محذوف عبارت ملا کر اس کا یہ مفہوم ہوگا۔ [4] اور انھیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔ [5] یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کا یہ حال ہوا اور تم اَشْرَفُ الرُّسُل اور اَفْضَلُ النَّاس کی تکذیب کر رہے ہو، تمھیں بھی اس تکذیب کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔ [6] یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ نصیحت حاصل کریں۔ [7] یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی

Marfat.com

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ
پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بولا[1] اور سچائی
اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ 32 وَالَّذِيْ
کو جھٹلایا[2] جبکہ وہ اس کے پاس آگئی، کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ (32) اور جو شخص سچائی
جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ 33
(دین حق) لے کر آیا[3] اور جس نے اس کی تصدیق کی،[4] وہی لوگ متقی ہیں (33) ان کے لیے
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ 34
ان کے رب کے پاس وہ (سب کچھ) ہے جو وہ چاہیں گے،[5] نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے (34)[6]
لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ
تاکہ اللہ ان سے وہ برائیاں دور کر دے جو انھوں نے کیں اور انھیں ان کا اجر بہترین اعمال کے
بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 35 اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ
مطابق دے جو وہ کرتے رہے تھے (35) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟[7] اور وہ آپ کو

انحراف اور التباس نہیں ہے تاکہ لوگ اس میں بیان کردہ وعیدوں سے ڈریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصداق بننے کے لیے عمل کریں۔ [8] اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے، یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترکہ ہے، چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے، اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے اور وہ مخلص مومن جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، برابر نہیں ہو سکتے۔ [9] اس بات پر کہ اس نے حجت قائم کر دی۔

[10] اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ [11] یعنی اے پیغمبر! آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی، سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہمارے پاس آخرت میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمھارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جہنم میں داخل کروں گا۔ ان آیات سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، جس طرح کہ سورۂ آل عمران 3:144 سے بھی ہوتا ہے اور جس سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا تحقق فرمایا تھا، اس لیے نبی ﷺ کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ ﷺ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مسئلہ حیات النبی ﷺ" تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ)

[1] یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی بیوی ہے درآں حالیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ [2] جس میں توحید ہے، احکام و فرائض ہیں، عقیدۂ بعث و نشور ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے لیے خوش خبری اور کافروں کے لیے وعیدیں ہیں۔ یہ دین و شریعت جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اسے وہ جھوٹا بتلائے۔ [3] اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ [4] بعض نے اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔ [5] یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرما دے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی خواہش ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔
[6] اَلْمُحْسِنِيْنَ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا: وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے حدیث میں "احسان" کی تعریف کی گئی ہے: «اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ» "تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔" تیسرا: جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا: ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع و خضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں "حسن" کا خیال رکھتے ہیں۔ [7] اس سے مراد

Marfat.com

وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

ان (معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو (انھوں نے) اللہ کے سوا (بنا رکھے) ہیں، اور جسے اللہ گمراہ

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿36﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ

کردے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿36﴾ [1] اور جسے اللہ ہدایت دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿37﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

والا نہیں [2] کیا اللہ نہایت غالب، انتقام لینے والا نہیں؟ ﴿37﴾ [3] اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ

اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو! جنھیں تم اللہ

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ

کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ (تمھارے باطل معبود) اس کی

كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ

(پہنچائی ہوئی) تکلیف دور کرسکتے ہیں؟ یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو

رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿38﴾

روک سکتے ہیں؟ کہہ دیجیے: مجھے اللہ کافی ہے، [4] بھروسا کرنے والے اسی پر بھروسا کرتے ہیں ﴿38﴾ [5]

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ

کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنے طریقے (اور حالت) پر عمل کرو، بے شک میں (اپنے طریقے پر) عمل

تَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

کرنے والا ہوں، [6] چنانچہ جلد تم جان لو گے ﴿39﴾ کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کردے، [7]

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿40﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ

اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب اترتا ہے ﴿40﴾ [8] بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر (یہ) کتاب

بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

حق کے ساتھ نازل کی ہے، پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوا، تو

ع 4 10 1 عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿41﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ

بس اس کی گمراہی (کا وبال) اسی پر ہے، اور آپ ان کے ذمے دار نہیں ﴿41﴾ [9] اللہ ہی موت کے

نبیِ کریم ﷺ ہیں۔ اور حکم اس کا عام ہے، تمام انبیاء اور مومنین اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

[1] جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگا دے۔ [2] جو اس کو ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے، یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نوازے۔ [3] کیوں نہیں، یقیناً ہے، اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر وعناد سے باز نہ آئے تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان سے انتقام لے گا اور انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔ [4] بعض کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے جس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔ [5] جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا فائدہ، اس لیے اہل ایمان صرف اس پر توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔ [6] یعنی اگر تم میری اس دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے تو ٹھیک ہے، تمھاری مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔ [7] جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ وتمکن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے ذلت ورسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔ [8] اس سے مراد عذاب جہنم ہے جس میں کافر ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ [9] نبی ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مُکلّف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنا لیں گے تو اس میں انھی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مُکلّف اور ذمے دار کے ہیں، یعنی آپ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے کیونکہ اس کے احساس وادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے

Marfat.com

حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ

وقت[1] جانیں قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی ہوتی، اسے اس کی نیند میں (قبض کرتا ہے)[2] پھر وہ

قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اس (روح) کو روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہو،[3] اور دوسری کو ایک مقرر وقت

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿42﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا

تک (واپس) بھیج دیتا ہے،[4] بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں﴿42﴾[5] کیا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ

انھوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں؟ کہہ دیجیے: خواہ وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور

شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿43﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ

نہ (کچھ) سمجھتے ہوں (پھر بھی وہ سفارشی ہیں؟)﴿43﴾[6] کہہ دیجیے: ساری سفارش اللہ ہی کے اختیار

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿44﴾ وَاِذَا

میں ہے،[7] آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے﴿44﴾

ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ ہوتے ہیں[8] جو آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ

نہیں رکھتے، اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت وہ بڑے خوش

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿45﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ

ہوتے ہیں﴿45﴾[9] آپ کہیے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپے اور ظاہر کے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا

جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿46﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ

کرتے تھے﴿46﴾[10] اور اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا

ہیں، البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات صغریٰ اور وفات کبریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

[1] یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔ [2] یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انھیں وفات صغریٰ سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ [3] یہ وہی وفات کبریٰ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔ [4] یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی روحیں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات صغریٰ ہے، یہی مضمون سورۂ انعام 61,60:6 میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغریٰ کا ذکر پہلے اور وفات کبریٰ کا بعد میں ہے جبکہ یہاں اس کے برعکس ہے۔ [5] یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا إِرْسَال اور تَوَفِّي اور إِحْيَاء اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت والے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔ [6] یعنی شفاعت کا اختیار تو کجا انھیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں کیونکہ وہ پتھر ہیں یا بے خبر۔ [7] یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تاکہ وہ راضی ہو جائے۔ [8] یا کفر اور اِسْتِكْبَار یا اِنْقِبَاض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبود صرف ایک ہی ہے تو ان کے دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ [9] ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ منحرفین کا یہی حال آج بھی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ صرف ''یا اللہ مدد'' کہو کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں ہے تو سیخ پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ''یا علی مدد'' یا ''یا رسول اللہ مدد'' کہا جائے، اسی طرح دیگر فوت شدگان سے استمداد و استغاثہ کیا جائے، مثلاً: يَا شَيْخُ عَبْدَ الْقَادِرِ شَيْئًا لِلّٰهِ ''اے شیخ عبدالقادر! اللہ کے لیے کچھ دے دیجیے۔'' وغیرہ تو پھر ان کے دلوں کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (البقرۃ 118:2) ''بعد والے مشرکوں کے دل (بھی) پیش رو مشرکوں کے مشابہ ہو گئے۔'' [10] حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے آغاز میں بطور دعائے استفتاح یہ پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ» (صحیح مسلم، حدیث: 770) ''اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے

Marfat.com

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ
ہی اور ہو، تو وہ روز قیامت برے عذاب سے (بچنے کے لیے) اسے ضرور فدیے میں دے دیں،[1] اور
الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (47)
ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ (عذاب) ظاہر ہوجائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے (47) [2]
وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
اور ان کے لیے ان کے عملوں کی برائیاں ظاہر ہوجائیں گی[3] اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ
يَسْتَهْزِءُوْنَ (48) فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ
مذاق اڑایا کرتے تھے (48) [4] پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے،[5] اور جب ہم اپنی
نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ
طرف سے اسے کوئی نعمت عطا کردیتے ہیں تو وہ کہتا ہے: بس مجھے تو یہ (میرے) علم کی بدولت دی گئی
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (49) قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
ہے،[6] (نہیں) بلکہ وہ تو ایک آزمائش ہے،[7] لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے (49) [8] تحقیق یہی بات ان
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (50) فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ
لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہوئے، پھر ان کے کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے (50) [9] چنانچہ
مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ
انھیں ان کے عملوں کی سزا[10] ملی اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا، جلد انھیں بھی ان کے عملوں
مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (51) اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
کی سزا ملے گی، اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے (51) [11] کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی جس
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور تنگ کرتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (52) ع قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
جو ایمان رکھتے ہیں (52) [12] آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و

پروردگار، آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، مجھے اپنے خصوصی اذن سے اُس حق کی طرف ہدایت دے جس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یقیناً تو جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کردیتا ہے۔''

[1] لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ (آل عمران 3:91) ''وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اس لیے کہ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ (البقرۃ 2:48) ''وہاں کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔'' [2] یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع و اقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آئی ہوں گی۔ [3] یعنی دنیا میں جن محارم و مآثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔ [4] وہ عذاب انھیں گھیر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے، اس لیے اس کا استہزا اڑایا کرتے تھے۔ [5] یہ انسان کا باعتبار جنس ذکر ہے، یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب انھیں بیماری، فقر و فاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے اور اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔ [6] یعنی نعمت ملتے ہی سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کرلیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان، یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے، اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیونکہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔ [7] یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا بیان کررہا ہے بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر۔ [8] اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے۔ [9] جس طرح قارون نے بھی کہا تھا لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ فَمَآ اَغْنٰى میں ما استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے اور نافیہ بھی۔ دونوں طرح معنی صحیح ہے۔ [10] برائیوں سے مراد ان کی برائیوں کی جزا ہے، ان کو مشاکلت کے اعتبار سے سیئات کہا گیا ہے ورنہ برائی کی جزا، برائی نہیں ہے، جیسے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشورٰی 42:40) ''برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔'' (فتح القدیر) [11] یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قحط، قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔ [12] یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں، یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے، رزق فراواں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کردیتا ہے۔ اس کے اس فیصلے میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتا ہے، کوئی

Marfat.com

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ
زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ 53 وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے [1] 53 اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ 54 وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ
اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی 54 اور تم اس بہترین چیز کی پیروی
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک
بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ 55 اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى
عذاب آجائے جبکہ تمھیں اس کی خبر تک نہ ہو 55 [2] (ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص کہے: ہائے افسوس! اس
عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ 56
پر جو میں نے اللہ کے حق (اطاعت) میں کوتاہی کی [3] اور بلاشبہ میں مذاق اڑانے والوں میں رہا 56
اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ 57
یا وہ کہے: اگر بے شک اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقیوں میں سے ہو جاتا 57 [4]
اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ
یا وہ جس وقت عذاب دیکھے تو یہ کہے: کاش کہ میرے لیے ایک بار لوٹنا ہوتو میں نیکو کاروں میں

دخل انداز ہو سکتا ہے نہ اس میں ردو بدل کر سکتا ہے، تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیونکہ وہی ان پر غور وفکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں: حد سے تجاوز۔ اور یہاں اس کا مطلب ہے گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'' کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیونکر معاف کرے گا۔ بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا توبۃ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے جنھوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی دعوت صحیح ہے لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ (صحیح البخاري، حدیث:4810) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ، اس کے احکام و فرائض کی مطلق پروانہ کرو اور اس کی حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت نادانش مندی اور بے عقلی و جہالت ہے۔ یہ تخم حنظل بو کر ثمرات و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غفور رحیم ہے، وہاں اس کا عذاب نافرمانوں کے لیے عذاب الیم بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (الحجر15:49، 50) ''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔'' غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز يٰعِبَادِيَ (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا سچی توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف فرما دے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور رحیم ہے، جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ کا واقعہ ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث:3470، وصحیح مسلم، حدیث:2766) [2] یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کر لو کیونکہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمھیں علم و شعور بھی نہیں ہوگا، اس سے مراد دنیوی عذاب ہے۔ [3] فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ کا مطلب اللہ کی اطاعت، یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا جَنْب کے معنی قرب اور جوار کے ہیں، یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔ [4] یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے بچ جاتا۔ یہ اسی طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے: لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا (الأنعام6:148) ''اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔'' ان کا یہ قول كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ کا مصداق ہے۔ (فتح القدیر) یعنی ''بات بجائے خود صحیح ہے لیکن اس سے مقصود باطل کا اثبات ہے۔''

Marfat.com

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا
سے ہو جاؤں ﴿58﴾ (اللہ فرمائے گا:) کیوں نہیں! تیرے پاس میری آیات آئیں تو تو نے انھیں
وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿59﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
جھٹلایا، اور تو نے تکبر کیا، اور تو کافروں میں سے تھا ﴿59﴾ [1] اور آپ روز قیامت انھیں
تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ
دیکھیں گے جنھوں نے (دنیا میں) اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے منہ کالے ہوں گے،[2] کیا
فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿60﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ
تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ﴿60﴾ [3] اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، اللہ انھیں ان
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿61﴾
کی کامیابی کے سبب نجات دے گا[4] انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿61﴾ [5]
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿62﴾ لَهٗ
اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿62﴾ [6] اسی کے
مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
پاس آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں،[7] اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، وہی لوگ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿63﴾ ع قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ
خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿63﴾ [8] کہہ دیجیے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو
اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى
کہ میں (ان کی) عبادت کروں؟ ﴿64﴾ [9] اور بلاشبہ آپ کی طرف اور ان لوگوں (نبیوں) کی طرف، جو آپ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
سے پہلے ہوئے، (یہ) وحی کی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضرور ضائع ہو جائیں گے
وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿65﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ
اور آپ ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿65﴾ [10] بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں[11] اور شکر
الشّٰكِرِيْنَ ﴿66﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ
گزاروں میں سے ہو جائیں ﴿66﴾ اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے،[12]

ع 6 / 11 / 3

[1] یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔ [2] جس کی وجہ عذاب کی ہولناکیاں اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہو گا۔ [3] حدیث میں ہے: «اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (صحیح مسلم، حدیث: 91) ”حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔“ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ [4] مَفَازَةٌ مصدر میمی ہے، یعنی فَوْزٌ (کامیابی) شر سے بچ جانا اور خیر اور سعادت سے ہمکنار ہو جانا، مطلب ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرما دے گا جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔ [5] وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انھیں کوئی غم نہیں ہو گا، وہ چونکہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے، اس لیے انھیں کسی بات کا غم نہ ہو گا۔ [6] یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سرتابی یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، بمعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔ [7] مَقَالِيْدُ مِقْلِيد اور مِقْلاد کی جمع ہے۔ یا اِقْلِيد کی خلاف قیاس جمع ہے۔ (فتح القدیر) بعض نے اس کا ترجمہ ”چابیاں“ اور بعض نے ”خزانے“ کیا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ [8] یعنی کامل خسارہ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلے گئے۔ [9] یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین کو اختیار کر لیں جس میں بتوں کی عبادت تھی۔ [10] ”اگر تو نے شرک کیا“ کا مطلب ہے، اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔ [11] اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی طرح یہاں بھی مفعول (لفظ اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی اللہ کی عبادت کرو۔
[12] کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ”ہم اللہ کی بابت (کتابوں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت والے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور ثریٰ (تری) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا

Marfat.com

جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِينِهٖ ۚ

اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، اور آسمان بھی اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ 67 وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ

گے،[1] وہ پاک ہے اور اس شرک سے بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں (67) اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو کوئی

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ

آسمانوں اور زمین میں ہے بے ہوش ہو جائے گا[2] سوائے اس کے جسے اللہ چاہے،[3] پھر اس میں

نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ 68 وَأَشْرَقَتِ

دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ یکا یک کھڑے (ہوکر) دیکھنے لگیں گے (68)[4] اور زمین اپنے رب کے

الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ

نور سے چمک اٹھے گی،[5] اور (عملوں کی) کتاب رکھی جائے گی، اور انبیاء اور گواہ لائے جائیں گے،[6]

وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ 69

اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (69)[7] اور ہر شخص

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا

نے جو عمل کیا ہوگا اسے اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا، اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب

يَفْعَلُونَ 70 ع 7/4 وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتّٰى إِذَا

جانتا ہے (70)[8] اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے،[9] حتیٰ کہ جب وہ

جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ

اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے[10] اور اس کے دربان ان سے کہیں

اور فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔‘‘ آپ نے مسکرا کر اس کی تصدیق کی اور آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ کی تلاوت فرمائی۔(صحيح البخاري، حديث: 4811) محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیحہ میں ہے، (جس طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے) ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے، اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ و قوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

[1] اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ ’’میں بادشاہ ہوں۔ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟‘‘ (صحيح البخاري، حديث: 4812) [2] بعض کے نزدیک (نفخۂ فزع کے بعد) یہ نفخۂ ثانیہ، یعنی نفخۂ صعق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض کے نزدیک یہ نفخۂ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ کل چار نفخے ہوں گے: نفخة الفناء، نفخة البعث، نفخة الصعق اور نفخة القيام لرب العالمين. (أيسر التفاسير) بعض نے تین بتائے ہیں جبکہ راجح یہ ہے کہ دو نفخے ہوں گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (دیکھیے فتح الباري: 446/6، تحت حديث: 3408 و 4813) [3] یعنی جن کو اللہ چاہے گا، ان کو موت نہیں آئے گی، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ بعض کہتے ہیں: رضوان فرشتہ، حَمَلَةُ الْعَرْشِ (عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت و جہنم پر مقرر داروغے۔(فتح القدير) [4] چار نفخوں کے قائلین کے نزدیک یہ چوتھا، تین کے قائلین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائلین کے نزدیک یہ دوسرا نفخہ ہے۔ بہر حال اس نفخے سے سب زندہ ہو کر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے، جہاں حساب کتاب ہوگا۔ [5] اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔(فتح القدير) [6] نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمھاری امتوں نے تمھاری دعوت کا کیا جواب دیا، اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔ [7] یعنی کسی کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ [8] یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور حجت اور قطع معذرت کے ہوں گے۔ [9] زُمَرًا زُمْرٌ سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں، اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہے کہ کافروں کو جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوہ ازیں انھیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہنکایا جائے گا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (الطور 13:52) ’’انھیں جہنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا۔‘‘ [10] یعنی ان کے پہنچتے ہی فوراً جہنم کے ساتوں دروازے کھول دیے جائیں گے تاکہ سزا میں تاخیر نہ ہو۔

Marfat.com

رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
گے: کیا تمھارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمھارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے
يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ
اور تمھیں تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! [1] لیکن کافروں پر عذاب
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿71﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
کا فیصلہ ثابت ہو چکا ﴿71﴾ [2] (انھیں) کہا جائے گا: تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں تم ہمیشہ
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿72﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رہو گے، چنانچہ تکبر کرنے والوں کا (یہ) ٹھکانا بہت برا ہے ﴿72﴾ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے
رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا
ہوں گے، وہ جنت کی طرف گروہ در گروہ لے جائے جائیں گے، [3] حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں
وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے، [4] اور اس کے دربان ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم
طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿73﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ
پاکیزہ رہے، اب تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ ﴿73﴾ اور وہ کہیں گے: سب تعریف اس اللہ ہی
لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ
کے لیے ہے جس نے ہم سے (کیا ہوا) اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور ہمیں اس سرزمین (بہشت) کا
نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ
وارث بنا دیا، ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنائیں، چنانچہ عمل کرنے والوں کا (یہ) اجر و ثواب
الْعٰمِلِيْنَ ﴿74﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ
بہت اچھا ہے ﴿74﴾ اور آپ فرشتوں کو عرش کے اردگرد حلقہ بنائے دیکھیں گے جبکہ وہ اپنے رب کی
الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ
حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہوں گے، [5] اور ان (لوگوں) کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا

[1] یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے، وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آ جانے کے بعد بحث و جدال کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی، اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔ [2] یعنی ہم نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے جبکہ ہم نے حق سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۂ ملک 67:8-10 میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ [3] اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقربین، پھر ابرار، اس طرح درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہو گا، مثلاً: انبیاء، انبیاء کے ساتھ، صدیقین اور شہداء اپنے ہم جنسوں کے ساتھ۔ علماء اپنے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کی مثل کے ساتھ ہو گی۔ (ابن کثیر) [4] حدیث میں آتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3257، وصحيح مسلم، حديث: 1152) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلاة ، باب الصدقة، باب الجهاد وغیرہ (صحيح البخاري، حديث: 1897، و صحيح مسلم، حديث: 1027) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہو گی، اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث: 2967) سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے نبی ﷺ ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث: 196) جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و براز اور تھوک، بلغم سے پاک ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی اور پسینہ کستوری ہو گا، ان کی انگیٹھیوں میں خوشبودار لکڑی ہو گی، ان کی بیویاں اَلْحُوْرُ الْعِيْن ہوں گی، ان کا قد آدم کی طرح ساٹھ ہاتھ ہو گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3327) صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہو گا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3245) اور یہ دو بیویاں دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔ اور وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ (النحل 16:57) کے تحت ان کے علاوہ بھی بیویاں ہوں گی۔ (صحيح مسلم، حديث: 2838، و فتح الباري: 392/6، حديث: 3327) [5] قضائے الٰہی کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

Marfat.com

وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 75

جائے گا اور کہا جائے گا: سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے ⑦⑤ [1]

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ — اٰيَاتُهَا: 85 — رُكُوْعَاتُهَا: 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ 1 تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ 2 غَافِرِ

حٰمٓ ① اس کتاب کا نزول [2] اللہ کی طرف سے ہے جو نہایت غالب، خوب جاننے والا ہے ② [3] گناہ

الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ

بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، [4] سخت سزا (دینے) والا، [5] بڑا فضل والا ہے، [6] اس کے سوا کوئی سچا معبود

اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ 3 مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ③ اللہ کی آیات میں صرف کافر لوگ ہی جھگڑا کرتے ہیں، [7] لہٰذا

كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ 4 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

آپ کو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈالے ④ [8] ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے

نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

بعد (دوسرے) گروہوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا، اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا

لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ

کہ اسے گرفتار کرلیں، [9] اور انھوں نے ناحق جھگڑا کیا تاکہ اس (باطل) کے ذریعے سے حق کو پھسلا دیں، [10]

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ 5 وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، (تو دیکھ لو!) میری سزا کیسی تھی ⑤ [11] اور اسی طرح ان لوگوں پر آپ کے رب

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ 6 اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ

کا فیصلہ ثابت ہوگیا جنھوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ یہ دوزخی ہیں ⑥ [12] جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے

[1] یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق وغیر ناطق) کی زبان پر حمد الٰہی کے ترانے ہوں گے۔ [*] اس سورت کو سُوْرَةُ الْغَافِرِ اور سورة الطَّوْل بھی کہتے ہیں۔ [2] یا تَنْزِيْلٌ مُنَزَّلٌ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں۔ [3] جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں، چاہے وہ کتنے بھی کثیف پردوں میں چھپا ہو۔ [4] گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں کے لیے غافر ہے اور کافر ومشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ [5] ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور تمرد وطغیان کا راستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر 15:49، 50) ”میرے بندوں کو بتلا دو کہ میں غفور ورحیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔“ قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان کیے گئے ہیں تاکہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے کیونکہ محض خوف ہی خوف، انسان کو رحمت ومغفرت الٰہی سے مایوس کرسکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔ [6] الطَّوْلِ کے معنی فراخی اور تونگری کے ہیں، یعنی وہی فراخی اور تونگری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: انعام اور تفضّل، یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔ [7] اس جھگڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھگڑا (جدال) ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب اور اس کی تردید وتغلیط ہے ورنہ جس جدال (بحث ومناظرہ) کا مقصد ایضاح حق، ابطال باطل اور منکرین ومعترضین کے شبہات کا ازالہ ہو، وہ مذموم نہیں نہایت محمود ومستحسن ہے بلکہ اہل علم کو تو اس کی تاکید کی گئی ہے، لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران 3:187) ”تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا، اسے چھپانا نہیں۔“ بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے دلائل وبراہین کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے۔ (البقرة 2:159) [8] یعنی یہ کافر ومشرک جو تجارت کرتے ہیں، اس کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے اور کثیر منافع حاصل کرتے ہیں، یہ اپنے کفر کی وجہ سے جلد ہی مؤاخذۂ الٰہی میں آجائیں گے، یہ مہلت ضرور دیے جا رہے ہیں لیکن انھیں مہمل نہیں چھوڑا جائے گا۔ [9] تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔ [10] یعنی اپنے رسولوں سے انھوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیڑے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔ [11] چنانچہ میں نے ان حامیان باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس طرح آیا اور کیسے انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا یا انھیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔ [12] مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح پچھلی امتوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی گئیں اگر یہ اہل مکہ بھی تیری تکذیب اور مخالفت سے باز نہ آئے اور جدال بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح عذاب الٰہی کی گرفت میں آجائیں گے، پھر کوئی انھیں بچانے والا نہیں ہوگا۔

Marfat.com

الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ

ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان

بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ

رکھتے ہیں، اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں، (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو (اپنی) رحمت

رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

اور (اپنے) علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، لہٰذا تو ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿7﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ

تیرے راستے کی پیروی کی، اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا⑦ [1] اے ہمارے رب! اور انھیں ان ابدی

الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کو بھی جو ان کے باپ دادوں اور ان کی

وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿8﴾ وَقِهِمُ

بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں، [2] بے شک تو (ہر چیز پر) غالب، نہایت حکمت والا ہے⑧ اور

السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ

انھیں برائیوں سے بچا، [3] اور جسے تو نے اس دن برائیوں (کی سزا) سے بچا لیا تو درحقیقت تو نے

ع وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿9﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اس پر رحم کیا، اور یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے⑨ [4] بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے پکار کر کہا

يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ

جائے گا: اللہ کی ناراضی و بیزاری (آج) تمھاری اپنے آپ پر ناراضی و بیزاری سے بڑھ کر تھی،

اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿10﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ

جب (دنیا میں) تمھیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے⑩ [5] وہ کہیں گے: اے

اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا

ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی، اور تو نے ہمیں دوبار زندہ کیا، [6] تو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے

---

[1] اس میں ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ہے ان فرشتوں کا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، یعنی نقائص سے اس کی تنزیہ، کمالات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز و تذلل، (ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہوگی۔ (ابن كثير، ومسند أحمد (الموسوعة): 159/4، حديث:2314) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. [2] یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرما دے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور 21:52) ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ ملا دیا ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔“ یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انھیں ادنیٰ مقام پر لے آئے بلکہ ادنیٰ کو اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔ [3] السَّيِّاٰتِ سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزا محذوف ہے، یعنی انھیں آخرت کی سزاؤں سے یا برائیوں کی جزا سے بچانا۔ [4] یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، اس لیے کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنَ الَّذِيْنَ يُلْحِقُهُمُ اللّٰهُ بِآبَائِهِمُ الصَّالِحِيْنَ. [5] مَقْتٌ سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں جھلستے دیکھیں گے تو اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمھیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہوتا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔ [6] جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے، یعنی اس کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نیست) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی، یہ

Marfat.com

بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿11﴾ ذَٰلِكُم
ہیں[1] پھر کیا (اس عذاب سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟﴿11﴾ [2] (فرمایا جائے گا:) تمھیں یہ عذاب اس وجہ سے
بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن
ہے کہ بلاشبہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم (اس کی توحید کا) انکار کرتے تھے، اور اگر اس کے ساتھ
يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ
کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم (اس شرک کو) مان لیتے تھے،[3] اب حکم تو اللہ ہی کا ہے جو نہایت برتر اور بہت
الْكَبِيرِ ﴿12﴾ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ
بڑا ہے﴿12﴾[4] وہی تو ہے جو تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، اور تمھارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے،[5]
السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ﴿13﴾ فَادْعُوا اللَّهَ
اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہو﴿13﴾[6] لہٰذا تم اللہ کے لیے بندگی خالص کرتے
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿14﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ
ہوئے اسی کو پکارو، اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں﴿14﴾[7] وہ بہت بلند درجوں والا، عرش کا مالک ہے، وہ
ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے وحی نازل کرتا ہے،[8] تاکہ وہ (لوگوں کو) ملاقات کے
لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿15﴾ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ
دن سے ڈرائے﴿15﴾ جس دن وہ (قبروں سے) ظاہر و باہر ہوں گے،[9] اللہ پر ان کی کوئی چیز چھپی نہ ہوگی۔
مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿16﴾
(اللہ پوچھے گا:) آج کس کی بادشاہی ہے؟[10] (پھر خود ہی فرمائے گا:) صرف اللہ واحد و قہار کی﴿16﴾[11] آج ہر
الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ
نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے
سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿17﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ
والا ہے﴿17﴾[12] اور آپ انھیں قریب آنے والے دن (قیامت) سے[13] ڈرائیں جبکہ غم سے بھرے کلیجے

دنیوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام، وفات پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی۔ انھی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ، ﴿وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾ (البقرة 2:28) میں بھی کیا گیا ہے۔

[1] یعنی جہنم میں اعتراف کریں گے، جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پشیمانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ [2] یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے تاکہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔ [3] یہ ان کے جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بیان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمھیں مرغوب تھا، اس لیے اب جہنم کے دائمی عذاب کے سوا تمھارے لیے کچھ نہیں۔ [4] اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمھارے لیے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ جو ﴿الْعَلِيِّ﴾ یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور ﴿الْكَبِيرِ﴾، یعنی ان باتوں سے بہت بڑا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا شریک ہو۔ [5] یعنی پانی جو تمھارے لیے تمھاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اظہار آیات کو انزال رزق کے ساتھ جمع فرما دیا ہے، اس لیے کہ آیات قدرت کا اظہار ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں۔ یوں یہاں دونوں بنیادوں کو جمع فرما دیا گیا ہے۔ (فتح القدير)

[6] اللہ کی اطاعت کی طرف جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض الٰہی کی پابندی کرتے ہیں۔ [7] یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہے، کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، اس کے لیے عبادت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ [8] ﴿الرُّوحَ﴾ سے مراد وحی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر اس پر نازل فرماتا ہے، وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ اسی طرح وحی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔ [9] یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔ [10] یہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدان محشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور کہے گا: ''میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟'' (صحيح البخاري، حديث: 4812) [11] جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدير) [12] اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غور و فکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ [13] ﴿الْآزِفَةِ﴾ کے معنی ہیں: قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی

Marfat.com

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ

حلقوں کو آرہے ہوں گے،1 ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات

يُّطَاعُ ﴿18﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿19﴾ وَاللّٰهُ

مانی جائے ﴿18﴾ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو، اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں ﴿19﴾ 2 اور

يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ

اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور وہ اس کے سوا جنھیں پکارتے ہیں، وہ کسی بھی چیز کا فیصلہ

ع بِشَيْءٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿20﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي

نہیں کر سکتے،3 بلاشبہ اللہ ہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿20﴾ کیا وہ لوگ زمین میں

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ

چلے پھرے نہیں، پھر وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ ان

قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

سے قدرت و طاقت میں اور زمین میں (چھوڑی ہوئی) نشانیوں کے لحاظ سے کہیں

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

بڑھ کر تھے، پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں پکڑ لیا، اور ان کو اللہ سے بچانے والا

وَّاقٍ ﴿21﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

کوئی نہ تھا ﴿21﴾ 4 یہ اس لیے کہ بے شک ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو

فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿22﴾

انھوں نے انکار کیا،5 لہٰذا اللہ نے انھیں پکڑ لیا، یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سخت سزا دینے والا ہے ﴿22﴾

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿23﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا ﴿23﴾ 6 فرعون اور ہامان اور قارون

وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿24﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

کی طرف، تو انھوں نے کہا: (یہ تو) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ﴿24﴾ 7 پھر جب وہ ہماری طرف سے

قریب آنے والی ہے۔

1 یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ كٰظِمِيْنَ غم سے بھرے ہوئے یا روتے ہوئے یا خاموش، اس کے تینوں معنی کیے گئے ہیں۔ 2 اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیاء کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی، اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے تو اس کی نافرمانی سے اجتناب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے، جیسے کسی اجنبی عورت کو کن انکھیوں سے دیکھنا۔ سینوں کی باتوں میں وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں، یعنی ایک لحظۂ گزراں کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوں گے لیکن جب وہ عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مؤاخذہ ہو سکتا ہے، چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ بقرہ 284:2 کا حاشیہ) 3 اس لیے کہ انھیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے خبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی جبکہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا کیونکہ اسے کسی کا خوف ہوگا نہ کسی سے حرص و طمع۔ 4 گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انھیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک کی گئیں، جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انھیں کوئی نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے اور اگر یہ آ گیا تو پھر کوئی تمھارا پشت پناہ نہ ہوگا۔ 5 یہ ان کی ہلاکت کی وجہ بیان کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب۔ اب سلسلۂ نبوت و رسالت تو بند ہے، تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الٰہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں، اس لیے آج بھی جو آیات الٰہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور منکرین رسالت سے مختلف نہیں ہوگا۔ 6 اٰيٰتِ سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یا عصا اور ید بیضا والے دو بڑے واضح معجزات بھی۔ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضحہ ہے جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا، بجز ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔ 7 فرعون، مصر میں آباد قبط کا بادشاہ تھا، بڑا ظالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا

Marfat.com

بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

ان کے پاس حق لے کر آیا تو انھوں نے کہا: جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے

وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ 25

بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھو،[1] اور کافروں کی چال تو نری تباہی و بربادی تھی (25)[2]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ

اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل کر دوں،[3] اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے رب کو

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ

بلا لے؛[4] بلاشبہ میں تو ڈرتا ہوں کہ وہ تمھارے دین کو بدل ڈالے گا، یا یہ کہ وہ زمین میں فساد

الْفَسَادَ 26 وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ

پھیلائے گا (26)[5] اور موسیٰ نے کہا: بے شک میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں،

كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۧ 27 وَقَالَ رَجُلٌ

ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا (27)[6] اور آلِ فرعون میں سے ایک مرد مومن، جو اپنا

مُّؤْمِنٌ ڰ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا

ایمان چھپاتا تھا، کہنے لگا: کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ

اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ

ہے جبکہ وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے،[7] اور اگر وہ جھوٹا

وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا

ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے، اور اگر وہ سچا ہے تو تمھیں (اس عذاب کا) کچھ حصہ

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ

ملے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے؛[8] یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے

ع 3/7 8

تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہامان، فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مال دار ترین آدمی تھا، ان سب نے پہلے لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر اور کذاب کہا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (الذّٰریٰت 51:52، 53) ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے پاس جو بھی نبی آیا تو انھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔'' [1] فرعون یہ کام پہلے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو خواب کی تعبیر بتلانے والوں کی تعبیر کے مطابق، اس کی بادشاہت کے لیے خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تذلیل و اہانت کے لیے دیا، نیز تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور نحوست کا باعث سمجھیں، جیسا کہ فی الواقع انھوں نے کہا: اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (الأعراف 7:129) ''(اے موسیٰ!) تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔'' [2] یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور فرعون کی عزت میں کمی نہ ہو، یہ اسے حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا وارث بنا دیا۔ [3] یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔ [4] یہ فرعون کی دیدہ دلیری کا اظہار ہے کہ میں دیکھوں گا، اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے، اسے پکار کر دیکھ لے۔ یا رب ہی تو انکار ... اس کا کون سا رب ہے جو بچا لے گا کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔ [5] یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگا دے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث و تکرار کریں گے جس سے ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوگا جو فساد کا ذریعہ بنے گا۔ یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو فسادی قرار دیا۔ درآں حالیکہ فسادی وہ خود تھا اور غیر اللہ کی عبادت ہی فساد کی جڑ ہے۔ [6] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انھوں نے اللہ سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا مانگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ» (مسند أحمد: 4/415) ''اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔'' یہ بھی منقول ہے: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَا شِئْتَ» (صحیح مسلم، حدیث: 3005) ''اے اللہ! مجھے تو ان سے کفایت کر جس چیز سے تو چاہتا ہے۔'' [7] یعنی اللہ کی ربوبیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔ [8] یہ اس نے بطور تنزل کے کہا کہ اگر اس

Marfat.com

هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿28﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ

والا، بہت جھوٹا ہو ﴿28﴾ [1] اے میری قوم! آج تمھاری ہی حکومت ہے، زمین میں (تم ہی) غالب

فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا

ہو، [2] پھر ہمیں اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا اگر اس نے ہمیں آلیا؟ [3] فرعون نے کہا: میں تمھیں

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا

وہی (راہ) دکھاتا ہوں جو میں (خود) دیکھتا ہوں، اور میں خیر و بھلائی ہی کے راستے کی طرف

سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿29﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ

تمھاری رہنمائی کرتا ہوں ﴿29﴾ [4] اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! بلاشبہ مجھے تمھاری

عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿30﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ

نسبت دوسرے گروہوں (سابقہ امتوں) جیسے دن (کے عذاب) کا ڈر ہے ﴿30﴾ جیسے قوم نوح کا حال

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

(ہوا)، اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوئے، [5] اور اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنا

لِّلْعِبَادِ ﴿31﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿32﴾

نہیں چاہتا ﴿31﴾ [6] اور اے میری قوم! بے شک مجھے تم پر باہمی پکار کے دن (قیامت) کا ڈر ہے ﴿32﴾ [7]

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ

جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، [8] تو کوئی تمھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوگا۔ اور جسے اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ

گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿33﴾ [9] اور بلاشبہ اس سے پہلے یوسف بھی تمھارے پاس کھلی

بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ

(نشانیاں) لے کر آیا تھا، [10] پھر تم ہمیشہ اس کے متعلق شک میں رہے جو وہ تمھارے پاس لایا، [11] حتی کہ جب

کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی صحت تم پر واضح نہیں ہوئی، تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دنیا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذائیں پہنچائیں تو پھر یقیناً وہ تمھیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے، تم پر ان میں سے کوئی عذاب آ سکتا ہے۔

[1] اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کراتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دلائل و معجزات سے نہ نوازتا جبکہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک کر دے گا، تمھیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [2] یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمھیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو! اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔ [3] یہ فوجی اور لشکر تمھارے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ اللہ کے عذاب ہی کو ٹال سکیں گے اگر وہ آ گیا۔ یہاں تک اس مومن کا کلام تھا جس نے ایمان چھپایا ہوا تھا۔ [4] فرعون نے اپنے دنیوی جاہ و جلال کی بنیاد پر جھوٹ بولا اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہی تمھیں بتلا رہا ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ (ہود 11:97) ”اور فرعون کا کوئی حکم ٹھیک نہیں تھا۔“ [5] یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے تو خطرہ ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جائیں گے۔ [6] یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی ہلاک کیا ورنہ وہ شفیق و رحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت، یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنیٰ نہیں ؎

از مکافات عمل غافل مشو   گندم از گندم بروید جو از جو

[7] ﴿التَّنَادِ﴾ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو ندائیں دیں گے۔ (الأعراف 7:48،49) بعض کہتے ہیں کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، اس کی بدبختی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا، بعض کہتے ہیں کہ عملوں کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا، جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جہنم کو اے جہنمیو! امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام بغوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔ [8] یعنی موقف (میدان محشر) سے جہنم کی طرف جاؤ گے یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔ [9] جو اسے ہدایت کا راستہ بتا سکے، یعنی اس پر چلا سکے۔ [10] یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمھارے اسی علاقے میں، جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف علیہ السلام بھی دلائل و براہین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں

Marfat.com

قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
وہ فوت ہوگیا،[1] تو تم نے کہا: اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا،[2] اللہ اس شخص کو اسی طرح گمراہ
مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ
کرتا ہے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہو ﴿34﴾ [3] جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر
بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو،[4] (یہ رویہ) اللہ کے نزدیک اور ان لوگوں کے نزدیک، جو ایمان لائے
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
بڑی ناراضی و بیزاری کا باعث ہے،[5] اللہ ہر متکبر، سرکش کے دل پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے ﴿35﴾ [6] اور فرعون
يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿36﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
نے کہا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک بلند عمارت بنا[7] تاکہ میں راستوں تک پہنچوں ﴿36﴾ یعنی آسمانوں
فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ
کے راستوں تک، پھر میں موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں،[8] اور بے شک میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا
لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ
ہوں،[9] اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل پرکشش بنا دیا گیا،[10] اور اسے (سیدھے) راستے سے روک
ع 4 10 9 اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿37﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ
دیا گیا،[11] اور فرعون کی چال تو بس تباہ و برباد ہو کر رہی ﴿37﴾ [12] اور جو شخص ایمان لایا تھا، اس نے کہا: اے میری
سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿38﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ
قوم! تم میری پیروی کرو میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاؤں گا ﴿38﴾ [13] اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی

تمھارے آباء واجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی، یعنی جَآءَکُمْ سے مراد جَآءَ اِلٰی آبَائِکُمْ ہے، یعنی تمھارے آباء واجداد کے پاس آئے۔ [11] لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک وشبہ ہی کرتے رہے۔

[1] یعنی یوسف علیہ السلام پیغمبر کی وفات ہوگئی۔ [2] یعنی تمھارا شیوہ چونکہ ہر چیز کی تکذیب اور مخالفت ہی رہا ہے، اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا، تمھارے لیے برابر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اب ایسا باعظمت انسان کہاں پیدا ہوسکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد از مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔ [3] یعنی اس واضح گمراہی کی طرح جس میں تم مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا اور اللہ کے دین، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں وعیدوں میں شک کرتا ہے۔ [4] یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے احکام میں جھگڑتے ہیں جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا وتیرہ رہا ہے، یعنی بقول غالب

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

[5] یعنی ان کی اس حرکت شنیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ [6] یعنی جس طرح ان مجادلین کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جو اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف، ان کو معروف اور منکر، منکر نظر نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر ان کے ہاں معروف اور معروف، منکر قرار پاتا ہے۔ [7] یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے یا راستے کے ہیں۔ (مزید دیکھیے: سورۂ قصص 38:28) [8] یعنی دیکھوں کہ آسمانوں پر کیا واقعی کوئی الٰہ ہے۔ [9] اس بات میں کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان وزمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔ [10] یعنی شیطان نے اس طرح اسے گمراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آتے رہے۔ [11] یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔ [12] تَبَابٍ: خسارہ، ہلاکت، یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہی نکلا۔ اور بالآخر اپنے لشکر سمیت پانی میں ڈبو دیا گیا۔ [13] فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمھیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھٹکا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

Marfat.com

وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿39﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى

تو بس (تھوڑا سا) فائدہ اٹھانا ہے،[1] اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے ﴿39﴾ [2] جس نے کوئی

اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صٰلِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

برائی کی تو اسے بس اس کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا،[3] اور جس نے کوئی نیک کام کیا وہ مرد ہو یا عورت،

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿40﴾

جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ[4] جنت میں داخل ہوں گے، وہاں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا ﴿40﴾ اور[5]

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ

اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں،[6] اور تم مجھے آگ کی طرف

اِلَى النَّارِ ﴿41﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا

بلاتے ہو ﴿41﴾ [7] تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں، اور اس کے ساتھ ایسی چیزیں شریک

لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

ٹھہراؤں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تمھیں نہایت غالب، خوب بخشنے والے کی طرف

الْغَفَّارِ ﴿42﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

بلاتا ہوں ﴿42﴾ [8] یقینی بات ہے[9] کہ تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو، وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ

قابل ہے[10] اور نہ آخرت میں،[11] اور بلاشبہ ہماری واپسی اللہ ہی کی طرف ہے[12] اور بلاشبہ حد سے

الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿43﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ

بڑھنے والے ہی دوزخی ہیں ﴿43﴾ [13] لہٰذا تم عنقریب ان باتوں کو یاد کرو گے[14] جو میں تم سے کہہ رہا

[1] جس کی زندگی چندروزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صبح یا شام کی ایک گھڑی کے برابر۔ [2] جس کو زوال اور فنا نہیں، نہ وہاں سے انتقال اور کوچ ہوگا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں، دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک: راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری: شقاوت اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جہنم کو۔ [3] یعنی برائی کی مثل ہی جزا ہوگی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ جو عدل و انصاف کا آئینہ دار ہوگا۔ [4] یعنی وہ جو ایمان دار بھی ہوں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہوگی، عنداللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔ [5] یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔ [6] اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو جو اس نے تمھاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ [7] یعنی توحید کی بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت ہے۔ [8] ﴿الْعَزِيْزِ﴾ (نہایت غالب) جو سب پر غالب ہے۔ ﴿الْغَفَّارِ﴾ اپنے ماننے والوں کی غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کردینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا جبکہ تم جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ بالکل حقیر اور کم تر چیزیں ہیں۔ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں، کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔ [9] ﴿لَا جَرَمَ﴾ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ [10] یعنی وہ کسی کی پکار سننے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں یا الوہیت کا استحقاق انھیں حاصل ہو۔ اس کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور ان جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے، ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○﴾ (الأحقاف 5:46) ''اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا۔ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرسکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہیں۔'' ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾ (فاطر 14:35) ''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کرسکتے۔'' [11] یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہوسکتی ہیں کہ وہ معبود بنیں اور ان کی عبادت کی جائے۔ [12] جہاں ہر ایک کا حساب ہوگا اور عمل کے مطابق اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔ [13] یعنی کافر و مشرک جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں گے جن کی نافرمانیاں ''اسراف'' کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی، چاہے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف کردے یا پھر انھیں بھی کچھ عرصہ جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی، تاہم بعد میں شفاعت رسول ﷺ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ [14] عنقریب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے روکتا تھا، ان کی شناعت تم پر واضح ہوجائے گی،

Marfat.com

لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ

ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں،1 بلاشبہ اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے(44) 2

بِٱلْعِبَادِ ﴿44﴾ فَوَقَىٰهُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِ مَا مَكَرُوا۟ ۖ وَحَاقَ بِـَٔالِ

پھر انھوں نے جو مکر و فریب کیا تھا، اللہ نے اس کی برائیوں سے اس (ایمان دار) کو بچا لیا 3 اور آل

فِرْعَوْنَ سُوٓءُ ٱلْعَذَابِ ﴿45﴾ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا

فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا(45) 4 (وہ دوزخ کی) آگ ہے جس پر انھیں صبح و شام پیش کیا

وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ

جاتا ہے 5 اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا:) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں

ٱلْعَذَابِ ﴿46﴾ وَإِذْ يَتَحَآجُّونَ فِى ٱلنَّارِ فَيَقُولُ ٱلضُّعَفَـٰٓؤُا۟

داخل کرو(46) 6 اور جب وہ جہنم میں باہم جھگڑیں گے، تو جن لوگوں نے تکبر کیا تھا، ان

لِلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓا۟ إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ

سے کمزور لوگ کہیں گے: بلاشبہ ہم تو (دنیا میں) تمھارے تابع تھے، پھر کیا تم ہم سے آگ

عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ ٱلنَّارِ ﴿47﴾ قَالَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓا۟ إِنَّا

کا کچھ حصہ ہٹاؤ گے؟(47) جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب ہی

كُلٌّ فِيهَآ إِنَّ ٱللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ ٱلْعِبَادِ ﴿48﴾ وَقَالَ

اس (آگ) میں ہیں، بلاشبہ اللہ نے تو بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے(48) اور وہ (سب)

ٱلَّذِينَ فِى ٱلنَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ٱدْعُوا۟ رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

لوگ، جو آگ میں ہوں گے، جہنم کے دربانوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ

يَوْمًا مِّنَ ٱلْعَذَابِ ﴿49﴾ قَالُوٓا۟ أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ

ایک دن تو ہم سے کچھ عذاب ہلکا کر دے(49) وہ کہیں گے: کیا تمھارے رسول تمھارے پاس کھلی

رُسُلُكُم بِٱلْبَيِّنَـٰتِ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۚ قَالُوا۟ فَٱدْعُوا۟ ۗ

نشانیاں لے کر نہیں آتے تھے؟ وہ (جواب میں) کہیں گے: کیوں نہیں! وہ (دربان) کہیں گے:

پھر تم ندامت کا اظہار کرو گے مگر وہ وقت ایسا ہوگا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

[1] یعنی اسی پر بھروسا کرتا اور اسی سے ہر وقت استعانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔ [2] وہ انھیں دیکھ رہا ہے پس وہ مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا اور ضلالت کا استحقاق رکھنے والے کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان امور میں جو حکمتیں ہیں، ان کو وہی خوب جانتا ہے۔ [3] یعنی اس کی قوم قبط نے اس مومن کے اظہار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، ان سب کو ناکام بنا دیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہوگا۔ [4] یعنی دنیا میں انھیں سمندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا سخت ترین عذاب ہے۔ [5] اس آگ پر برزخ میں، یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، جس سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ (صحيح البخاري، حديث: 1372) ''ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔'' اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: ''جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح و شام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے، یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1379، وصحيح مسلم، حديث: 2866) اس کا مطلب ہے کہ منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ [6] اس سے بالکل واضح ہے کہ عَرْضُ عَلَى النَّارِ کا معاملہ، جو صبح و شام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے برزخ یا قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب، یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہوتا تو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس مشاہدے کے باوجود عذاب قبر کا انکار محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ صرف انسان کا تڑپنا اور تلملانا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ تڑپے اور تلملائے۔

Marfat.com

ع 5 13 10 وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (50) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا

پھر تم (خود ہی) دعا کرلو[1] اور کافروں کی دعا تو بے کار ہی جائے گی (50) [2] بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ

اور ایمان والوں کی مدد دنیاوی زندگی میں بھی کرتے ہیں[3] اور اس دن بھی (کریں گے) جب گواہ[4]

الْاَشْهَادُ (51) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

کھڑے ہوں گے (51) اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی، اور ان

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (52) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

کے لیے لعنت ہے، اور ان کے لیے برا گھر ہے (52) [5] اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو

الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ (53) هُدًى

ہدایت دی،[6] اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا (53) [7] عقل مندوں

وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (54) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

کی ہدایت اور نصیحت کے لیے (54) [8] لہٰذا (اے نبی!) آپ صبر کیجیے، بے شک اللہ کا وعدہ

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ

سچا ہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگیے[9] اور شام کو اور صبح کو[10] اپنے رب کی حمد کے ساتھ

[1] ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیونکر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن انھوں نے پروا نہیں کی۔ [2] یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شنوائی نہیں ہوگی، اس لیے کہ دنیا میں ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دار الجزا ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا، اس کا نتیجہ وہاں بھگتنا ہوگا۔ [3] یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ بعض نبی قتل کر دیے گئے، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام وغیرہما اور بعض ہجرت پر مجبور ہو گئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، وعدۂ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا۔ دراصل یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرما دیا جاتا ہے لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخ رو ہوتے ہیں، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیا جنھوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انھیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انھوں نے یہودیوں کو خوب ذلت کا عذاب چکھایا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد جنگ بدر، احد، احزاب، غزوۂ خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر اور اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ (ابن کثیر)
[4] ﴿ اَلْاَشْهَادُ ﴾ شَهِيد (گواہ) کی جمع ہے، جیسے شَرِيفٌ کی جمع أَشْرَاف ہے۔ قیامت والے دن فرشتے اور انبیاء گواہی دیں گے۔ یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ! پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ علاوہ ازیں امت محمدیہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہی دیں گے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، اس لیے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی اور انھیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ [5] یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا فائدہ اس لیے نہیں ہو گا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں، اس لیے یہ معذرت، معذرت باطلہ ہو گی۔ [6] یعنی نبوت اور تورات عطا کی، جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ (المائدة 5:44) [7] یعنی تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی باقی رہی، جس کے نَسْلًا بَعْدَ نَسْلٍ وہ وارث ہوتے رہے۔ یا کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔ [8] ﴿ هُدًى وَّذِكْرٰى ﴾ مصدر ہیں اور مفعول لأجلہ ہیں یا حال کی جگہ واقع ہیں۔ بمعنی هَادِي اور مُذَكِّرٌ ہدایت کرنے والی اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے اور ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تو لدا ہوتا ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔ [9] گناہ سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں جو بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر و ثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے یا مقصد امت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔ [10] اَلْعَشِيّ سے دن کا آخری

Marfat.com

وَالْاِبْكَارِ ﴿55﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ
تسبیح کیجیے (55) بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس
بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ
آئی ہو، ان کے سینوں میں صرف بڑائی (کا خبط) ہے، وہ اس تک کبھی پہنچ نہیں سکیں گے،[1] لہٰذا
مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
آپ (ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگیے، بلاشبہ وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا
الْبَصِيْرُ ﴿56﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ
ہے (56) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے کہیں زیادہ
النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾
بڑا (کام) ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (57)[2] اور اندھا اور
وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
دیکھنے والا برابر نہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل
الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾
کیے، اور برائی کرنے والے (برابر نہیں)[3] تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو (58)
اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
بلاشبہ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿59﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ
لاتے (59) اور تمھارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمھاری (دعائیں) قبول کروں گا،[4]
الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ
بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل
دٰخِرِيْنَ ﴿60﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا
ہوں گے (60)[5] اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے رات (تاریک) بنائی تاکہ تم اس میں
فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
آرام کرو[6] اور دن کو دکھلانے والا (روشن) بنایا،[7] بلاشبہ اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے،
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿61﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (61)[8] یہی اللہ تمھارا رب ہے، ہر شے کا پیدا کرنے والا،

اور رات کا ابتدائی حصہ اور وَالْاِبْكَارِ سے رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

[1] یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث و حجت کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے جو ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہوگا۔ [2] یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جبکہ یہ کام آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت آسان ہے۔ [3] مطلب ہے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکوکار اور بدکار برابر نہیں بلکہ قیامت کے دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہوگا، وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔ [4] گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے، جسے اختیار کر کے انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مراد لی ہے، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ الدعاء هو العبادة (مسند أحمد: 271/4، والمشكاة للألباني: 2/693) علاوہ ازیں اس کے بعد يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے، یعنی اللہ سے جلب نفع اور دفع ضرر کا سوال کرنا کیونکہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ علاوہ ازیں دعا بھی اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے عبادت ہی ہے کیونکہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ (فتح القدير) مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ [5] یہ اللہ کی عبادت سے انکار و اعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔ [6] یعنی رات کو تاریک بنایا تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن و سکون سے سو سکیں۔ [7] یعنی روشن بنایا تاکہ معاشی محنت اور تگ و دو میں تکلیف نہ ہو۔ [8] اللہ کی نعمتوں کا اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر و جحود کی وجہ سے جیسا کہ کافروں کا شیوہ ہے۔ یا منعم کے واجبات شکر سے اہمال و غفلت کی وجہ سے جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

Marfat.com

خٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (62) كَذٰلِكَ
اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟ (62) [1] اسی طرح وہ
يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (63) اَللّٰهُ
لوگ بہکائے جاتے رہے ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے (63) اللہ وہ ہے [2]
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً
جس نے زمین کو تمھارے لیے قرارگاہ [3] اور آسمان کو چھت بنایا [4] اور اس نے تمھاری
وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
صورتیں بنائیں تو بہت اچھی صورتیں بنائیں [5] اور اس نے تمھیں پاکیزہ چیزوں
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (64) هُوَ
سے رزق دیا [6] یہی اللہ تمھارا رب ہے، سو اللہ رب العالمین بہت بابرکت ہے (64) وہ زندہ ہے،
الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ
اس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، لہٰذا تم اس کے لیے بندگی کرتے ہوئے اسی کو پکارو [7] سب
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (65) قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ
تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں (65) آپ کہہ دیجیے: بے شک مجھے اس سے روک دیا گیا
اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ
ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو [8] جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف
الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (66)
سے واضح نشانیاں آگئیں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کا فرماں بردار رہوں (66) [9] وہی
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے [10] پھر جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمھیں بچے
عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا
کی صورت میں نکالتا ہے، پھر تاکہ تم اپنی جوانی (کی قوتوں) کو پہنچو، اور پھر تاکہ تم بوڑھے
شُيُوْخًا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى
ہو جاؤ [11] اور تم میں سے کچھ وہ ہیں جو اس سے پہلے ہی فوت کر دیے جاتے ہیں [12] تاکہ تم ایک مقررہ

[1] یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بدکتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور اینٹھتے ہو۔ [2] آگے نعمتوں کی کچھ قسمیں بیان کی جا رہی ہیں تاکہ اللہ کا کمال قدرت بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلاشرکت غیرے معبود ہونا بھی۔ [3] جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہمکنار ہو کر قیامت تک کے لیے اسی میں آسودۂ خواب رہتے ہو۔ [4] یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیند سو سکتا تھا نہ کسی کے لیے کاروبار حیات کرنا ممکن ہوتا۔ [5] جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور متناسب الاعضاء بنایا ہے۔ [6] یعنی اقسام و انواع کے کھانے تمھارے لیے مہیا کیے جو لذیذ بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔ [7] یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے۔ دوسرا کوئی، بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں۔ تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ استمداد و استغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے پر قادر ہے۔ دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟ [8] چاہے وہ پتھر کی مورتیاں ہوں، انبیاء اور صلحاء ہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر و نیاز مت دو، ان کے ورد نہ کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ کرو کیونکہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ [9] یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید، یعنی اللہ کے واحد الٰہ اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لیے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا، یعنی اللہ کے احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سرتابی نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ [10] یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جو ان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے، پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کے بقا و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا۔ اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ [11] یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ [12] یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے

Marfat.com

وَّلِعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا
مدت کو پہنچو[1] اور تاکہ تم سمجھو ﴿67﴾ [2] وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے،[3] پھر جب وہ کسی کام کا
فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿68﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ
فیصلہ کرلیتا ہے تو وہ بس اسے کہتا ہے: ہوجا، تو وہ ہوجاتا ہے ﴿68﴾ [4] کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں
یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿69﴾ الَّذِیْنَ
دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں؟[5] وہ کہاں پھرے جارہے ہیں؟ ﴿69﴾ [6] جنھوں نے
كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ
کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور ان (تعلیمات) کو بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، تو وہ
یَعْلَمُوْنَ ﴿70﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ
عنقریب جان لیں گے ﴿70﴾ جب ان کی گردنوں میں طوق اور بیڑیاں ہوں گی (جن میں جکڑ کر)
یُسْحَبُوْنَ ﴿71﴾ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿72﴾ ثُمَّ
وہ گھسیٹے جائیں گے ﴿71﴾ [7] کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے ﴿72﴾ [8] پھر
قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿73﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا
ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنھیں تم شریک ٹھہراتے تھے ﴿73﴾ اللہ کے سوا؟[9] وہ کہیں گے:
ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ
وہ تو ہم سے گم ہوگئے،[10] بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی نہ پکارتے تھے۔[11] اللہ اسی
یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿74﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی
طرح کافروں کو گمراہ کرتا ہے ﴿74﴾ [12] (کہا جائے گا:) تمھارا یہ (انجام) اس لیے ہوا
الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿75﴾ اُدْخُلُوْۤا
کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے، اور اس لیے کہ تم اکڑتے تھے ﴿75﴾ [13] (اب) تم
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى
جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، تم اس میں ہمیشہ رہو گے، چنانچہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا
الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿76﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ
بہت برا ہے ﴿76﴾ [14] لہٰذا (اے نبی!) آپ صبر کیجیے۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔[15] پھر اگر ہم (چاہیں تو) آپ

سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے سے قبل کہولت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

[1] یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے اور اتنی زندگی دنیا میں گزار لے۔ [2] یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے عَلَقَه، پھر مُضْغَه، پھر بچہ، پھر جوانی، کہولت اور بڑھاپا تو تم جان لو گے کہ تمھارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمھارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔ [3] زندہ کرنا اور مارنا اسی کے اختیار میں ہے وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے روپ میں ڈھال دیتا ہے اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادیوں میں جا سلاتا ہے۔ [4] اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ كُنْ (ہوجا) سے وہ چیز معرض وجود میں آجاتی ہے جس کا وہ ارادہ کرے۔ [5] انکار و تکذیب کے لیے یا اس کے رَدّ و اِبطال کے لیے۔ [6] یعنی ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔ [7] یہ وہ نقشہ ہے جو جہنم میں ان مکذبین کا ہوگا۔ [8] مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، یعنی یہ لوگ اس کا ایندھن بنے ہوں گے۔ [9] کیا وہ آج تمھاری مدد کر سکتے ہیں؟ [10] یعنی پتہ نہیں، کہاں چلے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟ [11] اقرار کرنے کے بعد، پھر ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ (الأنعام 6:23) ''اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک ٹھہراتے ہی نہیں تھے۔'' کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہوجائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو نہ سن سکتی تھیں نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدیر) [12] یعنی ان مکذبین کی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل تکذیب اور کفر، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلود ہوجاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قبول حق کی توفیق سے محروم ہوجاتے ہیں۔ [13] یعنی تمھاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و تکذیب اور فسق و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔ [14] یہ جہنم پر مقرر فرشتے، اہل جہنم کو کہیں گے۔ [15] کہ ہم

Marfat.com

فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ

کو اس (عذاب) میں سے کچھ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں[1] یا ہم آپ کو (اس سے پہلے

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿77﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

ہی) فوت کردیں، بالآخر وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿77﴾[2] اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی

مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ

رسول بھیجے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کردیا، اور ان میں سے کچھ وہ

لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِىَ بِاٰيَةٍ

ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا[3] اور کسی رسول کو یہ (اختیار) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالْحَقِّ

کے سوا کوئی نشانی لے آئے،[4] پھر جب اللہ کا حکم آگیا[5] تو حق کے ساتھ فیصلہ کردیا گیا[6] اور اس موقع پر

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿78﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ

اہل باطل (جھوٹے لوگوں) نے خسارہ اٹھایا ﴿78﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے چوپائے بنائے[7] تاکہ

لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿79﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا

تم ان میں سے بعض پر سواری کرو، اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ﴿79﴾[8] اور تمھارے لیے ان میں

مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِىْ صُدُوْرِكُمْ

(اور بھی) بہت سے فائدے ہیں،[9] اور تاکہ تم ان پر (سوار ہو کر اپنی) اس حاجت (منزل مقصود) کو پہنچو جو

کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہو سکتا ہے، یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کرلیں یا حسب مشیت الٰہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی قیامت والے دن ہم انھیں سزا دیں، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

[1] یعنی آپ کی زندگی میں ان کو مبتلائے عذاب کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور پھر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ [2] یعنی اگر کافر دنیوی مؤاخذہ و عذاب سے بچ بھی گئے تو آخر جائیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں ان کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔ [3] اور یہ تعداد میں بہ نسبت ان کے، جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو صرف 25 انبیاء و رسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ [4] آیت سے مراد یہاں معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار، پیغمبروں سے مطالبے کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی کریم ﷺ سے کفار مکہ نے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل 17:90-93 میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کے مطالبے پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلا دے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو تو ابتدا ہی سے معجزے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھلایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے جو بعض اولیاء رحمہم اللہ کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے خرق عادت امور (کرامات) کا اظہار کر دیتے تھے، جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبروں کو یہ اختیار نہیں دیا جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے، اس کی ضرورت بھی تھی تو کسی ولی کو یہ اختیار کیونکر مل سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے معجزہ ان کی ضرورت تھی لیکن اللہ کی حکمت و مشیت اس کی مقتضی نہ تھی، اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے انھیں معجزے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلاضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے۔ [5] یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت معین آجائے گا۔ [6] یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔ [7] اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ ہے۔ یہ نر، مادہ مل کر آٹھ ہیں جیسا کہ سورۂ انعام 6:143، 144 میں ہے۔ [8] یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، (جیسے بکری، گائے اور اونٹنی کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے اور بار برداری کا کام بھی ان میں سے بعض سے لیا جاتا ہے۔ [9] جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے گھی، مکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتا ہے۔

Marfat.com

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿80﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ
تمھارے دلوں میں ہو، اور تم ان پر اور کشتیوں پر (بھی) سوار کیے جاتے ہو ﴿80﴾ اور اللہ تمھیں اپنی نشانیاں
فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿81﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
دکھاتا ہے[1] پھر تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے؟ ﴿81﴾ [2] کیا پھر وہ زمین میں چلے پھرے
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا
نہیں کہ وہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے[3] وہ (تعداد میں) ان سے زیادہ
اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى
اور قوت اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے[4] پھر جو کچھ وہ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
کرتے رہے ان کے کسی کام نہ آیا ﴿82﴾ [5] پھر جب ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس
بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا
آئے تو وہ اس (جھوٹے) علم پر اتراتے رہے جو ان کے پاس تھا،[6] اور انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿83﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا
جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿83﴾ چنانچہ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا: ہم اللہ واحد پر
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿84﴾ فَلَمْ يَكُ
ایمان لائے اور ہم ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جنھیں ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے ﴿84﴾
يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ
پھر، جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، تو انھیں ان کے ایمان (لانے) نے کوئی نفع نہ دیا، یہی اللہ کا
الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿85﴾
طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزرا،[7] اور اس (عذاب کے) موقع پر کافروں نے خسارہ اٹھایا ﴿85﴾ [8]

اٰیاتہا: 54 | سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا: 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿2﴾ كِتٰبٌ
حٰمٓ ﴿1﴾ (یہ قرآن) بڑے مہربان، نہایت رحم کرنے والے کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ﴿2﴾ (یہ) ایسی

[1] جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمھارے نفسوں کے اندر بھی ہیں۔ [2] یعنی یہ اتنی واضح، عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی منکر انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔ [3] یعنی جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی، یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہی ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ [4] یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کھیتیوں کی شکل میں، ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کاریگری کے میدان میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔ [5] فَمَآ اَغْنٰى میں مَا استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ نافیہ کا مفہوم تو ترجمے سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو سے مطلب ہوگا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔ [6] علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انھیں علم سے بطور استہزا تعبیر فرمایا وہ چونکہ انھیں علمی دلائل سمجھتے تھے، ان کے خیال کے مطابق ایسا کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات و توہمات پر اتراتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے، یہ احکام و فرائض الٰہی کے مقابلے میں انھی کو ترجیح دیتے رہے۔ [7] یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔ [8] یعنی معائنۂ عذاب کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔ اس سورت کا دوسرا نام فُصِّلَتْ ہے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے، چنانچہ انھوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلیغ و فصیح آدمی ''عتبہ بن ربیعہ'' کا انتخاب کیا تاکہ وہ آپ سے گفتگو کرے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں گیا اور آپ پر عربوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں، قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔ آپ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سرداران قریش کو بتلایا کہ

Marfat.com

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿3﴾

کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں[1] حالانکہ (یہ) قرآن عربی ہے[2] ان لوگوں کے لیے جو

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ

علم رکھتے ہیں ③ [3] جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے[4] پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے)

لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿4﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

اعراض کرلیا، تو وہ سنتے ہی نہیں ④ [5] اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ

دل پردوں میں ہیں[6] اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں[7] اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا

حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿5﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ

تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں ⑤ [8] کہہ دیجیے: بس میں تو تمھارے جیسا ہی ایک

مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا

بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے[9] لہٰذا اسی کی طرف

اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿6﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ

سیدھے رہو اور اسی سے بخشش مانگو، اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے ⑥ جو زکاۃ نہیں دیتے[10]

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿7﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں ⑦ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿8﴾ ع قُلْ اَىِٕنَّكُمْ

نے نیک عمل کیے ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر وثواب ہے ⑧ [11] آپ کہہ دیجیے: کیا تم

لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ

واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا[12] اور تم اس کے ساتھ

ع 1/8/15

وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کہانت ہے نہ شعروشاعری۔ مطلب اس کا آپ کی دعوت پر سرداران قریش کو غوروفکر کی دعوت دینا تھا لیکن وہ غوروفکر کیا کرتے۔ الٹا عتبہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیر ہوگیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر وتفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انھیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: ''یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انھوں نے عتبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا اور نبی ﷺ نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔''

[1] یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا ثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟ [2] قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یہ حال ہے، یعنی اس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے اس حال میں کہ یہ قرآن عربی ہے جس کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔ [3] یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی ومفاہیم اور اس کے اسرار واسلوب کو جانتے ہیں۔ [4] ایمان اور اعمال صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین ومکذبین کو عذاب نار سے ڈرانے والا۔ [5] یعنی غوروفکر اور تدبر وتعقل کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انھیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت سے محروم ہے۔ [6] اَكِنَّةٍ كِنَان کی جمع ہے۔ پردہ، یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید وایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔ [7] وَقْرٌ کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہرا پن ہے جو حق کے سننے میں مانع تھا۔ [8] یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کرتا ہے، اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں تو ہمارے دین پر عمل نہیں کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔ [9] یعنی میرے اور تمھارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بجز وحیِ الٰہی کے، پھر یہ بعد وحجاب کیوں؟ علاوہ ازیں میں جو دعوت توحید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل وفہم میں نہ آسکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟ [10] یہ سورت مکی ہے۔ زکاۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی، اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم مسلمانوں کو مکے میں بھی دیا جاتا رہا تھا، جس طرح پہلے صرف صبح وشام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل لیلۃ الاسراء کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکاۃ سے یہاں مراد کلمۂ شہادت ہے جس سے نفس انسانی شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر) [11] اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا وہی مطلب ہے جو عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ○ (ھود 108:11) کا ہے، ''یعنی نہ ختم ہونے والا اجر۔'' [12] قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔'' یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں: يَوْمُ الْأَحَدِ (اتوار) اور يَوْمُ الاثْنَيْن (پیر) سورۂ نازعات میں کہا گیا ہے: وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ○ (النّٰزعٰت 30:79) ''اور زمین کو اس کے بعد پھیلایا۔'' جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد

Marfat.com

وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ⑨ وَجَعَلَ
شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے⑨ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط
فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ
پہاڑ بنائے،[1] اور اس میں برکتیں رکھیں،[2] اور اس میں (رہنے والوں کے لیے) اس کی غذاؤں کا (ٹھیک)
اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩ ثُمَّ
اندازہ کیا،[3] محتاجوں کے لیے یکساں طور پر[4] (یہ سارا کام) چار دنوں میں (مکمل ہوا)⑩ [5] پھر وہ آسمان کی
اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا
طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا، تب اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی
طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ⑪ فَقَضٰهُنَّ
سے آؤ،[6] تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں خوشی خوشی حاضر ہیں⑪ پھر (اللہ نے) انھیں دو دنوں
سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ
میں سات آسمان بنادیا، اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کردیا،[7] اور ہم نے آسمان دنیا کو
وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
چراغوں (ستاروں) سے زینت دی، اور (اس کی خوب) حفاظت کی،[8] یہ نہایت غالب، خوب
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ⑫ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ
جاننے والے کی تدبیر ہے⑫ پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی چیخ (آسمانی عذاب)
صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ⑬ اِذْ جَاۗءَتْهُمُ الرُّسُلُ
سے ڈرادیا ہے جو عاد اور ثمود کی چیخ (عذاب) کے مانند ہوگی⑬ جب رسول ان کے پاس ان کے سامنے
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ
سے اور ان کے پیچھے سے (یہ کہتے ہوئے) آئے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو، (تو) انھوں نے
قَالُوْا لَوْ شَاۗءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
کہا: اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل کرتا، لہٰذا جو کچھ دے کر تمھیں بھیجا گیا ہے ہم تو

بنایا گیا ہے جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحْی جو دَحْوٌ سے ہے (بچھانا یا پھیلانا) اور چیز۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے اور دَحْی کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداواری ضروریات کا مخزن بنایا گیا۔ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۝ (النّٰزعٰت 31:79) اس میں پہاڑ، ٹیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دو دنوں میں کیا گیا۔ یوں زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحيح البخاري، قبل حديث:4816)

[1] یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر نہ ڈولے۔ [2] یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف۔ یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔ [3] أَقْوَاتٌ قُوْتٌ (غذا، خوراک) کی جمع ہے، یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے یا بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلکولیٹر (Calculator) اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے حصے میں کچھ ایسی چیزیں پیدا کر دیں جو زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تاکہ ہر ہر علاقے کی یہ مخصوص پیداواریں ان ان علاقوں کی تجارت و معیشت کی بنیادیں بن جائیں، چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔ [4] کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دَحْوٌ کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا یا برابر جواب ہے سائلین کے لیے۔ [5] یعنی تخلیق کے پہلے دو دن اور دَحْی کے دو دن سارے دن ملا کے یہ کل چار دن ہوئے جن میں یہ سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔ [6] یہ آنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا مفہوم لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں، چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم دیا: سورج، چاند اور ستارے نکال اور زمین کو کہا: اپنی نہریں جاری کر دے اور اپنے پھل نکال دے۔ (ابن كثير) یا مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آ جاؤ۔ [7] یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اوراد و وظائف کا پابند کر دیا۔ [8] یعنی شیطان سے نگہبانی جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے، ستاروں کا ایک تیسرا مقصد دوسری جگہ اِهْتِدَاء (راستہ معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے۔ (النحل 16:16)

Marfat.com

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿14﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

یقیناً اس کے منکر ہیں ﴿14﴾ [1] پھر جو عاد تھے تو انھوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے: قوت میں

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ

ہم سے زیادہ سخت کون ہے؟ [2] کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ جس نے انھیں پیدا کیا وہ

هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿15﴾

قوت میں ان سے زیادہ سخت ہے [3] اور وہ ہماری آیات [4] کا انکار کرتے رہے ﴿15﴾

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ

چنانچہ ہم نے ان پر منحوس (ثابت ہونے والے) [5] دنوں میں طوفانی ہوا [6] بھیجی تاکہ ہم انھیں دنیاوی

عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

زندگی ہی میں ذلت و رسوائی کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں، اور بلاشبہ آخرت کا عذاب سب

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿16﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

سے زیادہ رسوا کن ہے، اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی ﴿16﴾ اور جو ثمود تھے، تو ہم نے ان کی

الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ

رہنمائی کی [7] تو انھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو پسند کیا، [8] پھر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿17﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

رسوا کن عذاب کی چیخ نے آلیا ﴿17﴾ [9] اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور وہ تقویٰ

يَتَّقُوْنَ ﴿18﴾ ع وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ

(ع 2 / 10 / 16)

اختیار کرتے تھے ﴿18﴾ اور جس دن [10] اللہ کے دشمن (ہانک کر) آگ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے،

يُوْزَعُوْنَ ﴿19﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

تو ان کی درجہ بندی کی جائے گی ﴿19﴾ [11] حتی کہ جب وہ اس (دوزخ) کے پاس پہنچیں گے تو ان کے

سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿20﴾

خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی جلدیں ان عملوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ﴿20﴾ [12]

[1] یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو، اس لیے ہم تمھیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسانوں کو۔ [2] اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔ یہ انھوں نے اس وقت کہا جب ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو انذار و تنبیہ کے لیے عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ [3] یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں جس نے انھیں پیدا کیا اور انھیں قوت و طاقت سے نوازا۔ کیا ان کو بنانے کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استفہام، استنکار اور توبیخ کے لیے ہے۔ [4] ان معجزات کا جو انبیاء کو ہم نے دیے تھے یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات تکوینیہ کا جو کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔ [5] نَّحِسَاتٍ کا ترجمہ، بعض نے متواتر پے درپے کا کیا ہے کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت، بعض نے گرد وغبار والے اور بعض نے نحوست والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منحوس ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایام دوسروں کے لیے بھی منحوس ہی ثابت ہوتے۔ [6] صَرْصَرًا صَرَّة (آواز) سے ہے، یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی، یعنی نہایت تند اور تیز ہوا جس میں آواز بھی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ صَرٌّ سے ہے، جس کے معنی برد (ٹھنڈک) کے ہیں، یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: وَالْحَقُّ أَنَّهَا مُتَّصِفَةٌ بِجَمِيعِ ذٰلِكَ وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔ [7] یعنی ان کو توحید کی دعوت دی، اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے سے ان پر حجت تمام کی۔ [8] یعنی انھوں نے مخالفت اور تکذیب کی حتیٰ کہ اس اونٹنی تک کو کاٹ ڈالا جو بطور معجزہ ان کی خواہش پر چٹان سے ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔ [9] صٰعِقَةُ عذاب شدید کو کہتے ہیں، ان پر یہ سخت عذاب چنگھاڑ اور زلزلے کی صورت میں آیا جس نے انھیں ذلت و رسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا۔ [10] یہاں اُذْكُرْ محذوف ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے، یعنی اول سے آخر تک کے دشمنوں کا اجتماع ہوگا۔ [11] أَيْ يُحْبَسُ أَوَّلُهُمْ عَلٰى آخِرِهِمْ لِيَلَاحِقُوا وَيَجْتَمِعُوا (فتح القدير) یعنی ان کو روک روک کر اول و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔ (اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: سورۂ نمل 17:27 کا حاشیہ) [12] یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انھوں نے شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے مونھوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے۔ اِذَا مَا جَآءُوْهَا میں مَا زائد ہے تاکید کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیسری جلد (کھال) کا ذکر۔

Marfat.com

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ
اور وہ اپنی جلدوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟[1] وہ کہیں گی: ہمیں اس
الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ
اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو بلوایا، اور اسی نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اور تم اسی کی طرف
تُرْجَعُوْنَ (21) وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ
لوٹائے جاؤ گے (21)[2] اور تم (گناہ کرتے وقت یہ سوچ کر) چھپتے نہیں تھے کہ تمھارے کان اور
سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ
تمھاری آنکھیں اور تمھارے چمڑے تمھارے خلاف گواہی دیں گے[3] بلکہ تم سمجھتے تھے کہ بے شک
اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (22) وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ
اللہ تمھارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے تھے (22)[4] اور تمھارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب
ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (23) فَاِنْ
کے بارے میں کیا، اسی نے تمھیں ہلاک کیا،[5] چنانچہ تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے (23) پھر اگر
يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ
وہ صبر کریں تو بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو وہ معاف کیے گئے
الْمُعْتَبِيْنَ (24) وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاۗءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ
(لوگوں) میں سے نہ ہوں گے (24)[6] اور ہم نے ان کے کچھ (برے) ہم نشین مقرر کردیے تو انھوں نے

جو مس یا لمس کا آلہ ہے۔ یوں حواس کی تین قسمیں ہو گئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (چکھنا) بوجوہ لمس میں داخل ہے کیونکہ یہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شئ کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سونگھنا (شم) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شئ ناک کی جلد پر سے نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلود کے لفظ میں تین حواس آ جاتے ہیں۔ (فتح القدير)

[1] یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں تو ازراہ تعجب یا بطور عتاب اور ناراضی کے، ان سے یہ کہیں گے۔

[2] بعض کے نزدیک وَهُوَ سے اللہ کا کلام ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ مُسْتَانِفہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک جلود انسان ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انھی کے کلام کا تتمہ ہے۔ قیامت والے دن انسانی اعضاء کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل (سورۂ نور 24:24، سورۂ یٰس 36:65 میں) بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے، مثلاً: جب اللہ کے حکم سے انسانی اعضاء بول کر بتلائیں گے تو بندہ کہے گا: بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ " (صحيح مسلم، حديث:2969) ''تمھارے لیے ہلاکت اور دوری ہو، میں تو تمھاری ہی خاطر جھگڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا۔'' اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں اور میرے فرشتے کِرَامًا كَاتِبِيْنَ گواہی کے لیے کافی نہیں، پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث:2969) [3] اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف تمھیں نہیں تھا کہ تمھارے خلاف خود تمھارے اپنے اعضاء بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس کرتے۔ اس کی وجہ ان کا بعث ونشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔ [4] اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔ [5] یعنی تمھارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو ہمارے بہت سے عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمھیں ہلاکت میں ڈال دیا کیونکہ اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی جمع ہوئے۔ فربہ بدن، قلیل الفہم۔ ان میں سے ایک نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: ہماری جہری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔ ایک اور نے کہا: ''اگر وہ ہماری جہری (اونچی) باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ﴾ نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث:4816) [6] ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتْبیٰ، رضا طلب کریں گے) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیز ان کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ (أيسر التفاسير و فتح القدير) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہوگی۔ (تفسير الطبري) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہے، اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ دنیا میں بعض دفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آ جاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں مگر اس میں بھی انھیں ناکامی ہی ہوگی۔

Marfat.com

اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ

ان کے اگلے اور پچھلے (تمام) اعمال خوش نما بنا کر ان کو دکھائے،[1] آخر کار ان پر بھی (اللہ کے عذاب کی) وہ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا

بات پوری ہوئی جو ان سے پہلے گزرنے والے جنوں اور انسانوں پر (پوری ہو چکی تھی کہ) بلاشبہ وہ خسارہ

خٰسِرِیْنَ ﴿25﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ

پانے والوں میں سے تھے ﴿25﴾ اور کافروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: تم اس قرآن کو مت سنو،[2]

وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿26﴾ فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ

اور (جب پڑھا جائے تو) شور و غل کرو[3] تا کہ تم غالب آجاؤ ﴿26﴾[4] چنانچہ جن لوگوں نے کفر کیا، ہم

كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا

انھیں ضرور سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے، اور جو بدترین عمل وہ کرتے رہے ہیں، ہم انھیں

یَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِیْهَا

ان کا بدلہ ضرور دیں گے ﴿27﴾[5] یہ آگ ہی اللہ کے دشمنوں کی سزا ہے، ان کے لیے اسی میں ہمیشہ

دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿28﴾

رہنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس (جرم) کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے ﴿28﴾[6] اور جن

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ

لوگوں نے کفر کیا، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ دونوں

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِیَكُوْنَا

(فریق) دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا،[7] ہم انھیں اپنے پاؤں تلے کریں، تا کہ وہ انتہائی پست

مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿29﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

لوگوں میں سے ہوں ﴿29﴾[8] بلاشبہ جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے،[9] پھر اس پر قائم رہے،[10] ان پر

[1] ان سے مراد وہ شیاطین انس و جن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں جو انھیں کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں حتیٰ کہ انھیں موت آجاتی ہے اور وہ خسارہ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ [2] یہ انھوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے ﴿لَا تَسْمَعُوْا﴾ کے معنی کیے ہیں: اس کی اطاعت نہ کرو۔ [3] یعنی شور کرو، تالیاں، سیٹیاں بجاؤ، چیخ چیخ کر باتیں کرو تا کہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔ [4] یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (ﷺ) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے سن کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ [5] یعنی آخرت میں ان کے بعض اچھے عملوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً: اکرام ضیف، صلہ رحمی وغیرہ کیونکہ ایمان کی دولت سے وہ محروم رہے تھے، البتہ برے عملوں کی جزا انھیں ملے گی جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔ [6] آیتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے، وہ دلائل و براہین واضحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو انھیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل تکوینیہ ہیں جو کائنات، یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافر ان سب ہی کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ [7] اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے، تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے آدم علیہ السلام کا پہلا بیٹا قابیل مراد لیا ہے، جس نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ اسے بھی ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔ [8] یعنی اپنے قدموں سے انھیں روندیں اور اس طرح ہم انھیں خوب ذلیل و رسوا کریں۔ جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہوگا، اس کی تشفی کے لیے وہ یہ کہیں گے ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جہنم کی سزا بھگتیں گے، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الأعراف 38:7) ''سب کے لیے دوگنا (عذاب) ہے لیکن تمھیں خبر نہیں ہے۔'' جہنمیوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہا ہے جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تا کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ ترہیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انذار کے بعد اب تبشیر کا بیان ہے۔ [9] یعنی ایک اللہ وحدہ لاشریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا اقرار لیکن الوہیت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔ [10] یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے معنی اخلاص کیے ہیں، یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے ایسی بات بتلا دیں کہ آپ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت

Marfat.com

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا
فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں:[1] نہ تم ڈرو اور نہ غم کھاؤ[2] اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا
بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (30) نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي
تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (30)[3] ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ
(رفیق ہیں)،[4] اور اس میں تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہے جو تمھارے جی چاہیں گے اور اس میں
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (31) نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ
تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہے جو تم مانگو گے (31) (یہ) بڑے بخشن ہار، نہایت رحم کرنے والے کی
رَّحِيْمٍ (32) وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ
طرف سے مہمان نوازی ہوگی (32) اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے (لوگوں
وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (33)
کو) اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور کہا: بے شک میں تو فرماں برداروں میں سے ہوں (33)[5] اور نیکی
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۗ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں،[6] آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹالیے جو احسن ہو، تو (آپ دیکھیں گے)
فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ
یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، (ایسا ہو جائے گا) جیسے گرم جوش جگری
حَمِيْمٌ (34) وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا
دوست ہو (34)[7] اور یہ (خصلت) انھی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں،[8] اور یہ اسی کو نصیب
ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (35) وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ
ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہو (35)[9] اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ ابھارے، تو اللہ
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (36) وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ
کی پناہ مانگیے،[10] یقیناً وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے (36)[11] اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے
وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں۔[12] تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو،[13] اگر واقعی تم اسی کی

نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ" (صحیح مسلم، حدیث: 38) ”کہہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر۔“

[1] یعنی موت کے وقت، بعض کہتے ہیں: فرشتے یہ خوش خبری تین جگہوں پر دیتے ہیں، موت کے وقت، قبر میں اور تیسری مرتبہ قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت دیں گے۔ [2] یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال و اولاد جو چھوڑ آئے ہو، ان کا غم نہ کرو۔ [3] یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمھیں دیا گیا تھا۔ [4] یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے، دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوشخبری ہے۔ [5] یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔ [6] بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔ [7] یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو، یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمھارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پیاسا، تمھارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔ [8] یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔ [9] ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (بڑا نصیبہ) سے مراد جنت ہے، یعنی مذکورہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبے والا ہوتا ہے، یعنی جنتی جس کے لیے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔ [10] یعنی شیطان شریعت کے کام سے پھیرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کے ذریعے سے پناہ طلب کرو۔ [11] اور جو ایسا ہو، یعنی ہر ایک کی سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کے کمال قدرت اور اس کی قوت تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔ [12] یعنی رات کو تاریک بنایا تا کہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنایا تا کہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو، پھر یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور کبھی اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور مالک ہے۔ نیز

Marfat.com

خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿37﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا

عبادت کرتے ہو تو تم اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) کو پیدا کیا ہے[1] ﴿37﴾ پھر اگر وہ تکبر کریں، تو

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

(پروا نہیں کیونکہ) جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی رات دن تسبیح کرتے

وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿38﴾ السجدة وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ

ہیں، اور وہ اکتاتے نہیں ﴿38﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آپ زمین کو دبی ہوئی (خشک اور بنجر)

خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

دیکھتے ہیں،[2] پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور ابھرنے (پھلنے پھولنے) لگتی

اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ

ہے،[3] بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے اس (زمین) کو زندہ کیا، وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے[4] بے شک

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ

وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿39﴾ بلاشبہ جو لوگ ہماری آیات میں کج روی وکفر کرتے ہیں،[5] وہ ہم سے چھپے

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

نہیں رہتے۔[6] کیا پھر جو شخص آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو روز قیامت امن کے ساتھ آئے

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿40﴾ اِنَّ

گا؟[7] تم جو چاہو عمل کرو، تم جو کچھ کرتے ہو[8] بے شک اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے ﴿40﴾ بے شک جن لوگوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ

نے ذکر (قرآن) کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آیا (تو وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے)[9] حالانکہ بلاشبہ یہ تو ایک

لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿41﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ

بہت بلند مرتبہ کتاب ہے ﴿41﴾[10] باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے

وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿42﴾ مَا يُقَالُ

سے، یہ بڑی حکمت والے، تعریف کیے ہوئے کی طرف سے نازل کی گئی ہے ﴿42﴾[11] آپ سے بھی وہی

وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے، ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔ [13] اس لیے کہ یہ بھی تمھاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں، خدائی اختیارات سے بہرہ ور یا ان میں شریک نہیں ہیں۔

[1] ﴿خَلَقَهُنَّ﴾ میں جمع مؤنث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خلق هٰذِهِ الْأَرْبَعَةَ الْمَذْكُورَةَ کے مفہوم میں ہے کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مؤنث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس وقمر ہی ہے اور بعض ائمۂ نحاۃ کے نزدیک تثنیہ بھی جمع ہے یا پھر آیت مذکورہ میں موجود لفظ آیات مراد ہے۔ (فتح القدیر) [2] ﴿خَاشِعَةً﴾ کا مطلب خشک اور قحط زدہ، یعنی مردہ۔ [3] یعنی انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔ [4] مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دینا اور اسے روئیدگی کے قابل بنا دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا۔ [5] یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض، انحراف اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کے معنی کیے ہیں: وَضْعُ الْكَلَامِ عَلٰى غَيْرِ مَوَاضِعِهِ، جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرقے بھی آجاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد ونظریات کے اثبات کے لیے آیات الٰہی میں تحریف معنوی اور دجل وتلبیس سے کام لیتے ہیں۔ [6] ملحدین (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔ [7] یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ ملحدین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت والے دن بے خوف ہوں گے۔ [8] یہ امر کا لفظ ہے لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تہدید ہے۔ کفر وشرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔ [9] بریکٹ کے الفاظ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ کی خبر محذوف کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محذوف مانے ہیں، مثلاً: يُجَازَوْنَ بِكُفْرِهِمْ ''انھیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی۔'' یا هَالِكُونَ ''وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔'' یا يُعَذَّبُونَ ''انھیں عذاب دیا جائے گا۔'' [10] یعنی یہ کتاب، جس سے اعراض وانحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں سے بہت بلند اور ہر عیب سے پاک ہے۔ [11] یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگے سے، کا مطلب ہے: کمی اور پیچھے سے، کا مطلب ہے: زیادتی، یعنی باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کمی اور نہ اس کے پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغییر وتحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے اور حمید، یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غایات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھی اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
کچھ کہا جارہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا،[1] بے شک آپ کا رب معاف کردینے والا[2]
لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿43﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا
بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ﴿43﴾[3] اگر ہم اسے عجمی (زبان کا) قرآن بنا کر بھیجتے تو وہ ضرور
اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ
کہتے:[4] اس کی آیتیں (عربی میں) کھول کر بیان کیوں نہیں کی گئیں؟[5] کیا (کتاب) عجمی ہے اور (رسول)
قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ
عربی؟[6] کہہ دیجیے: وہ ان کے لیے، جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان
لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ
کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھا پن ہے، یہ لوگ (جو حق بات نہیں سنتے گویا) دور دراز
مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿44﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
جگہ سے پکارے جارہے ہوں ﴿44﴾[7] اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا،
فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی[8] تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿45﴾
کردیا جاتا[9] اور بلاشبہ وہ اس (قرآن) کے متعلق بے چین کردینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿45﴾[10]
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ
جس نے نیک عمل کیا تو اس کے اپنے ہی لیے ہے، اور جس نے برا کیا تو (اس کا) وبال اسی پر
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿46﴾
ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ﴿46﴾[11]

[1] یعنی پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے جو کچھ کہا کہ یہ ساحر ہیں، مجنون ہیں، کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ، وہی کچھ کفار مکہ نے بھی آپ کو کہا ہے۔ یہ گویا آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی تکذیب اور آپ کی سحر، کذب اور جنون کی طرف نسبت نئی بات نہیں ہے، ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ (الذّٰریٰت 51:52,53) ”اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔“ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کو توحید اور اخلاص کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ وہی باتیں ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی کہی گئی تھیں، اس لیے کہ تمام شریعتیں ان باتوں پر متفق رہی ہیں بلکہ سب کی اولین دعوت ہی توحید واخلاص تھی۔ (فتح القدیر) [2] یعنی ان اہل ایمان وتوحید کے لیے جو مستحق مغفرت ہیں۔ [3] ان کے لیے جو کافر اور اللہ کے پیغمبروں کے دشمن ہیں۔ یہ آیت بھی سورۂ حجر کی آیت 49,50: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ ”میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔“ کی طرح ہے۔

[4] یعنی عربی کی بجائے کسی اور زبان میں قرآن نازل کرتے۔ [5] یعنی ہماری زبان میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا جسے ہم سمجھ سکتے کیونکہ ہم تو عرب ہیں، عجمی زبان نہیں سمجھتے۔ [6] کافر یہ کہہ کر تعجب کرتے کہ رسول تو عربی ہے اور قرآن اس پر عجمی زبان میں نازل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں نازل فرما کر اس کے اولین مخاطب عربوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے۔ [7] یعنی جس طرح دور کا شخص دوری کی وجہ سے پکارنے والے کی آواز سننے سے قاصر رہتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کی عقل وفہم میں قرآن نہیں آتا۔ [8] کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مہلت دی جائے گی۔ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ (فاطر 35:45) ”اور وہ انھیں وقتِ معین تک مؤخر کرتا ہے۔“ [9] یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔ [10] یعنی ان کا انکار عقل وبصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کیے رکھتا ہے۔ [11] اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو دیتا ہے جو مجرم ہوتا ہے نہ کہ بے گناہ کو کہ یوں ہی اسے عذاب میں مبتلا کر دے۔

Marfat.com

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ
قیامت (کے آنے) کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔[1] اور جو بھی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے
اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ
ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے (سب کچھ) اللہ کے علم میں ہے۔[2] اور جس دن وہ
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا
انھیں پکارے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم آپ سے عرض کر چکے ہیں (کہ آج)
مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿47﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ
ہم میں سے کوئی بھی (شرک کا) گواہ نہیں ﴿47﴾ اور ان سے وہ گم ہو جائیں گے جنھیں وہ اس سے پہلے
قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿48﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ
پکارا کرتے تھے،[3] اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں ﴿48﴾[4] انسان بھلائی[5]
مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿49﴾
مانگنے سے نہیں تھکتا،[6] اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ انتہائی مایوس، سخت ناامید ہو جاتا ہے ﴿49﴾[7]
وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ
اور جو تکلیف اسے پہنچی ہے، اس کے بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائیں تو وہ یقیناً کہتا ہے:
لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ
یہ تو میرے ہی لیے ہے،[8] اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے، اور اگر مجھے میرے رب کی طرف
اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لوٹایا گیا تو بلاشبہ اس کے پاس میرے لیے بھلائی ہی ہوگی۔[9] چنانچہ ہم ان کافروں کو ضرور بتائیں گے جو
بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿50﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا
کچھ وہ کرتے رہے، اور ہم انھیں سخت عذاب (کا مزہ) ضرور چکھائیں گے ﴿50﴾ اور جب ہم انسان پر
عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ
احسان کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور کنارہ کش ہو جاتا ہے،[10] اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے

[1] یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں، اسی لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» ''اس کی بابت پوچھے جانے والے کو پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں، یعنی میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔'' دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا﴾ (النّٰزعٰت 79:44) ''اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔'' ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (الأعراف 7:187) ''اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔'' [2] یہ اللہ کے علم کامل و محیط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انھیں وحی کے ذریعے سے بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وحی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی اور متعلقہ معاملات سے ہی ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ علم غیب اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہوگا۔ [3] یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ [4] یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انھوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ [5] یہ گمان یقین کے معنی میں ہے، یعنی قیامت والے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ (الکهف 18:53) ''گناہ گار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں واقع ہونے والے ہیں اور وہ اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔'' [6] یعنی دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں تھکتا بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔ [7] یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے، تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث گردانتے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔ [8] یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے، حالانکہ دنیا کی کمی بیشی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟ [9] یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔ [10] یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔

Marfat.com

الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿51﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ

تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے⑸[1] آپ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو! اگر یہ (قرآن)

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ

اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کا انکار کرو تو اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے[2] جو (حق کی)

فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿52﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ

مخالفت میں دور چلا جائے﴿52﴾[3] جلد ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق (دنیا) میں بھی اور خود ان کی ذات

اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ

میں بھی دکھائیں گے، حتی کہ ان کے لیے واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ (قرآن) حق ہے[4] کیا

بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿53﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ

یہ بات کافی نہیں کہ بے شک آپ کا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟﴿53﴾[5] خبردار! بے شک وہ لوگ اپنے

مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿54﴾ ع 10

رب کی ملاقات سے شک میں ہیں[6] خبردار! بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے﴿54﴾[7]

آیاتہا: 53 | سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾ عٓسٓقٓ ﴿2﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ

حٰمٓ①عٓسٓقٓ② اللہ زبردست غالب و حکمت والا آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف، جو

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿3﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

آپ سے پہلے تھے، اسی طرح وحی کرتا ہے③[8] اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

[1] یعنی بارگاہ الٰہی میں تضرع و زاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرما دے، یعنی تنگی میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوش حالی میں بھول جاتا ہے، نزول نقمت (آزمائش) کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصول نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا۔ [2] یعنی ایسی حالت میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہوگا۔ [3] شِقَاقٍ کے معنی ہیں: ضد، عناد اور مخالفت۔ بَعِيْدٍ مل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے، یعنی جو بہت زیادہ مخالفت اور عناد سے کام لیتا ہے حتی کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی تکذیب کر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر گمراہ اور بدبخت کون ہو سکتا ہے؟ [4] جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا، یعنی اَنَّهُ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو بتلایا ہے۔ مآل سب کا ایک ہی ہے۔ اَلْاٰفَاقِ اُفُق کی جمع ہے۔ کنارہ، مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی، چنانچہ آسمان و زمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں، مثلاً: سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوا، بارش، گرج، چمک، بجلی، کڑک، نباتات و جمادات، اشجار، پہاڑ اور انہار و بحار وغیرہ۔ اور آیات انفس سے انسان کا وجود، جن اخلاط و مواد اور ہیئتوں پر مرکب ہے، وہ مراد ہیں۔ جس کی تفصیلات طب و حکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض کہتے ہیں: آفاق سے مراد شرق و غرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرما دیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے، جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی گئی۔ [5] استفہام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے اور وہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ [6] اس لیے اس کی بابت غور و فکر نہیں کرتے، نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔ [7] بنا بریں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیونکہ تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ و تصرف ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے، کر سکتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔ [8] یعنی جس طرح یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ وحی، اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے سخت ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے ہوتے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2)

Marfat.com

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿4﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ

میں ہے، اور وہ بلند مرتبہ، بڑی عظمت والا ہے ④ قریب ہے کہ آسمان (اللہ کی عظمت وجلال کے

فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

باعث) اپنے اوپر سے پھٹ جائیں،[1] اور تمام فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور اہل

لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿5﴾

زمین کے لیے مغفرت مانگتے ہیں،[2] خبردار! بلاشبہ اللہ ہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑤ [3]

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا (دوسرے) کارساز بنالیے ہیں، اللہ ان پر نگران ہے،[4] اور آپ ان

اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿6﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

کے ذمہ دار نہیں ⑥ [5] اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف ایک عربی قرآن وحی کیا،[6] تاکہ آپ اہل

لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ

مکہ اور اس کے گرد وپیش والوں کو ڈرائیں،[7] اور آپ جمع ہونے کے دن سے[8] ڈرائیں جس میں کوئی

لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿7﴾ وَلَوْ شَاۗءَ

شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا بھڑکنے والی آگ میں ⑦ [9] اور اگر اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ

یقیناً ان (سب) کو ایک ہی امت کر دیتا،[10] لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا

رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿8﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا

ہے، اور ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ⑧ کیا انھوں نے اس کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰي

(دوسرے) کارساز بنالیے ہیں؟ درحقیقت اللہ ہی کارساز ہے، اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿9﴾ ع 1/9/2 وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ

ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑨ [11] اور (دین کی) جس چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ اللہ کے

اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿10﴾

سپرد ہے،[12] یہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ⑩

[1] اللہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے۔ [2] یہ مضمون سورۂ مؤمن 40:7 میں بھی بیان ہوا ہے۔ [3] اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے کیونکہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا بلکہ انھیں ایک وقت معین تک مہلت دینا، یہ بھی اس کی رحمت ومغفرت ہی کی قسم سے ہے۔ [4] یعنی ان کے عملوں کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزا دے۔ [5] یعنی آپ اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگا دیں یا ان کے گناہوں پر ان کا مؤاخذہ فرمائیں بلکہ یہ کام ہمارے ہیں، آپ کا کام صرف ابلاغ (پہنچا دینا) ہے۔ [6] یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول کی طرف وحی بھیجی اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن عربی واضح نازل کیا ہے۔ [7] اُمَّ الْقُرٰى مکے کا نام ہے۔ اسے ''بستیوں کی ماں'' اظہار فضیلت کے لیے کہا یا اس لیے کہا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا میں اس کے شرق وغرب کے تمام علاقے شامل ہیں۔ ان سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر وشرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے۔ [8] قیامت والے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان جمع ہوں گے۔ علاوہ ازیں ظالم و مظلوم اور مومن و کافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا سے بہرہ ور ہوں گے۔ [9] جو اللہ کے حکموں کو بجا لایا ہوگا اور اس کی منہیات و محرمات سے دور رہا ہوگا وہ جنت میں اور اس کی نافرمانی اور محرمات کا ارتکاب کرنے والا جہنم میں ہوگا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیسرا گروہ نہیں ہوگا۔ [10] اس صورت میں قیامت والے دن صرف ایک ہی گروہ ہوتا، یعنی اہل ایمان کا لیکن اللہ کی حکمت ومشیت نے اس جبر کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ واختیار کی آزادی دی، جس نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا، چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت والے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ [11] جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت۔ [12] اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر مذہب کا پیروکار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، درآں حالیکہ سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راستہ پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ
(وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوڑے
اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ ؕ لَيۡسَ
بنادیے[1] اور چوپایوں کے بھی (ان کی جنس سے) جوڑے بنائے،[2] وہ تمھیں اس (زمین) میں پھیلاتا
كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (11) لَهٗ مَقَالِيۡدُ
ہے،[3] اس جیسی کوئی چیز نہیں،[4] اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے (11) اسی کے پاس آسمانوں اور
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ
زمین کی کنجیاں ہیں،[5] وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور وہی (جس کے لیے چاہے) تنگ
اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ (12) شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا
کر دیتا ہے، بلاشبہ وہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے (12) اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے
وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ
جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی!) آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا
اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا
(تاکیدی) حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا[6] کہ تم اس دین کو قائم رکھو[7] اور تم اس میں فرقہ فرقہ
فِيۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ ؕ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ
نہ ہو جاؤ۔[8] یہی بات تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں،[9] اللہ جسے
اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ (13) وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا
چاہے اپنے لیے چن لیتا ہے،[10] اور ہدایت اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے (13) [11] اور وہ لوگ

قرآن موجود ہے لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الٰہی کو اپنا حَکَم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

[1] یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمھاری جنس سے ہی اس نے تمھارے جوڑے بنائے ورنہ اگر تمھاری بیویاں انسانوں کی بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمھیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔ [2] یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکر و مؤنث) کا سلسلہ ہم نے چوپایوں میں بھی رکھا ہے، چوپایوں سے مراد وہی نر اور مادہ آٹھ جانور ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام میں کیا گیا ہے۔ [3] يَذۡرَؤُكُمۡ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں: یعنی وہ تمھیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا نسلاً بعد نسلٍ پیدا کر رہا ہے۔ انسانی نسل کو بھی اور چوپائے کی نسل کو بھی۔ فِيۡهِ کا مطلب ہے: فِي ذٰلِكَ الۡخَلۡقِ عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَةِ یعنی اس پیدائش میں اس طریقے پر وہ تمھیں ابتدا سے پیدا کرتا آ رہا ہے۔ یا ''رحم میں'' یا ''پیٹ میں'' مراد ہے۔ یا فِيۡهِ بمعنی بِهٖ ہے، یعنی تمھارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمھیں پیدا کرتا یا پھیلاتا ہے کیونکہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر) [4] نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔ [5] مَقَالِيۡدُ مِقۡلِيد اور مِقۡلَادٌ کی جمع ہے یا إِقۡلِيدٌ کی خلاف قیاس جمع ہے۔ خزانے یا چابیاں۔ [6] شَرَعَ کے معنی ہیں: بیان کیا، واضح کیا اور مقرر کیا۔ لَكُمۡ ''تمھارے لیے'' یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمھارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیاء کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیاء کے نام ذکر فرمائے۔ [7] الدِّيۡنِ سے مراد اللہ پر ایمان، توحید، اطاعت رسول اور شریعت الٰہیہ کو ماننا ہے۔ تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی وہ دعوت اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منہج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا: لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا (المائدة 5:48) ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔'' لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترکہ تھے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3443، وصحیح مسلم، حدیث: 2365) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا تباین اور تفاوت ہوتا ہے کیونکہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دارومدار ہے۔ [8] صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و ائتلاف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگیزی ہے، جس سے ''پھوٹ نہ ڈالنا'' کہہ کر منع کیا گیا ہے۔ [9] اور وہ وہی توحید اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ [10] یعنی جس کو ہدایت کا

Marfat.com

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا

اپنے پاس علم آ جانے کے بعد صرف باہمی بغاوت و سرکشی کے باعث فرقہ بندی کا شکار ہوئے،[1] اور اگر

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ

آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر وقت تک پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان (فرقہ

بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

بازوں) کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا،[2] اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بعد اس کتاب کے وارث بنائے

لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿14﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ

گئے، وہ اس کے متعلق گنجلک میں ڈالنے والے شک میں ہیں ﴿14﴾ [3] لہٰذا آپ اسی (دین) کی طرف

كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ

(سب کو) بلائیں اور ثابت قدم رہیں[4] جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ

بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ

کریں[5] اور کہہ دیجیے: اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا

بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا

ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں،[6] اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے، ہمارے لیے

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ

ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا

يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿15﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِی

نہیں،[7] اللہ (روز قیامت) ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿15﴾ اور جو لوگ اللہ

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ

کے بارے میں، اس کو تسلیم کر لیے جانے کے بعد،[8] جھگڑا کرتے ہیں، ان کی دلیل ان کے رب

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿16﴾

کے نزدیک باطل ہے،[9] اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے، اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے ﴿16﴾

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ

اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کی،[10] اور آپ کو کیا معلوم

مستحق سمجھتا ہے، اسے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔ [11] یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت وعبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

[1] یعنی انھوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم، یعنی ہدایت آ جانے اور اتمام حجت کے بعد اختیار کیا جبکہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بغض وعناد، ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش مکہ مراد لیے ہیں۔ [2] یعنی اگر ان کی بابت عقوبت میں تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہوتا تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔ [3] اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے سے ماقبل کے یہود و نصاریٰ کے بعد کتاب، یعنی تورات و انجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انھیں قرآن کا وارث بنایا۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے الْكِتٰبَ سے تورات وانجیل اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ [4] یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے جس کا ذکر پہلے ہوا، آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر جمے رہیں۔ [5] یعنی انھوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گھڑ لی ہیں، مثلاً: بتوں کی عبادت وغیرہ، اس میں ان کی خواہش کے پیچھے مت چلیں۔ [6] یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ [7] یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔ [8] یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں جنھوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے تاکہ انھیں پھر راہ ہدایت سے ہٹا دیں۔ یا مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمار[ا] دین تمھارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمھارے نبی سے پہلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔ [9] دَاحِضَةٌ کے معنی ہیں: کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔ [10] الْكِتٰبَ سے مراد جنس ہے، یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور سچی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل وانصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری او[ر] انصاف کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید 57:25) ”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔“ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِ

Marfat.com

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿17﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ
شاید قیامت قریب ہی ہو[1] ⑰ جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا
وہ اس کے لیے جلدی مچاتے ہیں[2]، اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرنے والے ہیں،[3] اور وہ
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي
جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ آگاہ رہو! بلاشبہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں،[4] وہ
السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿18﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ
دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ⑱ [5] اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے رزق
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿19﴾ مَنْ كَانَ
دیتا ہے، اور وہ خوب طاقتور، نہایت غالب ہے ⑲ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے،
يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ
ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں،[6] اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا
يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ
ہے، ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں[7] اور اس کے لیے آخرت میں کوئی
نَّصِيْبٍ ﴿20﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ
حصہ نہیں ⑳ [8] کیا ان کے لیے (اللہ کے سوا) شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے وہ دین مقرر کیا ہے
مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ
جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟[9] اور اگر (وعدے کے دن) فیصلہ کرنے کی بات نہ ہوتی، تو ان کے درمیان
بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿21﴾ تَرَى
یقیناً (فوراً ہی) فیصلہ کر دیا جاتا، اور بلاشبہ ظالم لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے ㉑ آپ ظالموں کو
الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ
دیکھیں گے وہ ان (عملوں کی سزا) سے ڈر رہے ہوں گے[10] جو انھوں نے کمائے جبکہ وہ (سزا) ان پر آکر

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (الرحمٰن 55:7-9) ''اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔'' [1] قَرِيْبٌ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آجاتا ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الأعراف 7:56) (فتح القدیر) [2] یعنی استہزا کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کون سی آنی ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔ [3] اس لیے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرے: ان کو خوف ہے کہ اس روز بےلاگ حساب ہوگا، کہیں وہ بھی مؤاخذۂ الٰہی کی زد میں نہ آجائیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (المؤمنون 23:60)، یعنی ''اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انھیں رب کی طرف لوٹنا ہے۔'' [4] يُمَارُوْنَ مُمَارَاةٌ سے ہے جس کے معنی لڑنا جھگڑنا ہیں۔ یا مِرْيَةٌ سے ہے، بمعنی ریب و شک۔ [5] اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور و فکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں، حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل و فہم میں آسکتے ہیں، اس لیے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ [6] حَرْث کے لغوی معنی تخم ریزی کے ہیں۔ یہاں اس سے اعمال کے ثمرات و فوائد مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال و محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔ [7] یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔ [8] یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بنی اسرائیل 17:18 میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے کیونکہ اس نے سب کی روزی کا ذمہ لیا ہوا ہے، طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی، تاہم جو طالب آخرت ہوگا، یعنی آخرت کے لیے کسب و محنت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ''کئی گنا بڑھا چڑھا کر'' اجر و ثواب عطا فرمائے گا جبکہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے کچھ نہیں ہوگا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں۔ [9] یعنی شرک و معاصی جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے، ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔ [10] یعنی قیامت والے دن۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ

رہے گی،1 اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ جنت کے باغات میں ہوں گے، ان

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿22﴾

کے لیے ان کے رب کے پاس وہ (سب کچھ) ہوگا جو وہ چاہیں گے، یہی بہت بڑا فضل ہے (22) یہی

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

(فضل) ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي

کیے۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر کسی صلے کا سوال نہیں کرتا، مگر

الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا

قرابت داری کی محبت2 (ضرور چاہتا ہوں۔) اور جو شخص کوئی نیکی کماتا ہے تو ہم اس کے لیے اس میں

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿23﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

بھلائی بڑھا دیتے ہیں3 بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت قدردان ہے (23) 4 کیا وہ کہتے ہیں کہ اس

كَذِبًا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللّٰهُ

نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے۔ سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے5 اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے6

الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿24﴾

اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے ثابت کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے (24) اور

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ

وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے7 اور (ان کی) برائیوں سے درگزر فرماتا ہے

السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿25﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے (25) اور وہ ان لوگوں کی (دعا) قبول کرتا ہے جو ایمان لائے

1 حالانکہ ڈرنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ اپنے کیے کی سزا تو انھیں بہرحال بھگتنی ہوگی۔ 2 تمام قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتے داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان جو رشتے داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمھاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رحم و قرابت کے ناتے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روڑا تو نہ بنو تاکہ میں فریضۂ رسالت تو ادا کر سکوں۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیے ہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح البخاري، حدیث 4818) بعض نے الْقُرْبٰى سے طاعت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مراد لیا ہے جبکہ بعض مفسرین نے الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے یہ معنی کیے ہیں کہ "سوائے اس کے کہ میرے اہل بیت سے محبت کرو۔" لیکن آیت کی یہ تفسیر مرجوح ہے، صحیح تفسیر وہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، تاہم اہل بیت کی محبت و تعظیم اپنی جگہ پر ہے اور نبی ﷺ نے اہل بیت سے محبت اور ان کا خیال اور لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، فاطمہ، علی اور ان کی اولاد (رضی اللہ عنہم) سب شامل ہیں۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس آیت کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انھوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انھیں معصوم اور الوہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے جو نبی ﷺ کی شان ارفع سے بہت ہی فروتر ہے، پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا، یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود ہی میں نہیں آیا تھا جس کی محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔ 3 یعنی اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔ 4 اس لیے وہ پردہ پوشی فرماتا اور معاف کر دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔ 5 یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔ 6 یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ مکذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا ڈالتا جیسا کہ اس کی عادت ہے۔ 7 توبہ کا مطلب ہے: معصیت اور گناہ چھوڑ کر، کردہ گناہ پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا یا اس گناہ اور معصیت کے کام کو تو نہ چھوڑنا اور توبہ کا اظہار کیے جانا توبہ نہیں ہے۔ یہ استہزا اور مذاق ہے، تاہم خالص اور سچی توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

Marfat.com

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ

اور انھوں نے نیک عمل کیے[1] اور وہ انھیں اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے، اور کافروں کے لیے بہت

عَذَابٌ شَدِيْدٌ 26 وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ

سخت عذاب ہے (26) اور اگر اللہ اپنے (تمام) بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور

لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ

سرکشی کرتے،[2] لیکن وہ اس اندازے سے (رزق) نازل کرتا ہے جتنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں

بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ 27 وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ

سے خوب باخبر ہے، (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے (27) اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے

بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ 28

بعد بارش نازل کرتا ہے،[3] اور وہ اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہی کارساز، تعریف کیا ہوا ہے (28)[4] اور

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا

اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور جو بھی چلنے پھرنے والے اس نے

مِنْ دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ 29 ع وَمَآ

ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں، اور وہ جب بھی چاہے ان کے جمع کرنے پر قادر ہے (29)[5] اور

اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا

تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمھارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (پہنچتی ہے)، اور بہت سی

عَنْ كَثِيْرٍ 30 وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ښ وَمَا

باتوں سے تو وہ درگزر ہی فرماتا ہے (30)[6] اور تم (اسے) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو،[7] اور

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ 31 وَمِنْ اٰيٰتِهِ

تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار (31) اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں

[1] یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے: ''اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے، صحرا، بیابان میں گم ہو جائے اور وہ ناامید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرطِ مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی شدت فرح میں وہ غلطی کر جائے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2747) [2] یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرما دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر و فساد اور بَغي وعدوان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا، جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔ [3] جو انواع رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب ناامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس نعمت کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجا لائیں۔ [4] کارساز ہے، اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انھیں منافع سے نوازتا اور شرور و مہلکات سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراواں پر قابل حمد و ثنا ہے۔ [5] دَآبَّةٍ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا لفظ عام ہے، جس میں جن و انس کے علاوہ وہ تمام حیوانات شامل ہیں جن کی شکلیں، رنگ، زبانیں، طبائع اور انواع و اجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔ [6] اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہوگا کہ تمھارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمھیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گی۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''مومن کو جو بھی تکلیف اور ہم و حزن پہنچتا ہے حتیٰ کہ اس کے پیر میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5641، وصحيح مسلم، حديث: 2572) اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہوگا کہ تمھیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمھارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگزر ہی فرما دیتا ہے، یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبت و تعزیر میں تاخیر، یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر 45:35) ''اگر اللہ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مؤاخذہ شروع فرما دے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے۔'' یہی مفہوم سورۂ نحل 61:16 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [7] یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آ سکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

Marfat.com

الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ (32) إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ

سمندر میں (چلنے والے) پہاڑوں جیسے جہاز (اور کشتیاں) (32) [1] اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے، پھر

فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ

وہ (جہاز) سمندر کی سطح پر کھڑے رہ جائیں۔ بلاشبہ اس میں ہر صابر شاکر کے لیے عظیم نشانیاں

صَبَّارٍ شَكُورٍ (33) أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ

ہیں (33) یا وہ (چاہے تو) انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے، [2] اور (چاہے تو) بہت سوں

كَثِيرٍ (34) وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ

سے درگزر کرے (34) [3] اور (تا کہ) وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں [4] کہ ان کے

مِنْ مَحِيصٍ (35) فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ

لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں (35) [5] چنانچہ تمھیں جو بھی شے دی گئی ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا (حقیر

الدُّنْيَا ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا

سا) سامان ہے، [6] اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر [7] اور بہت پائیدار

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (36) وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ

ہے جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا کرتے ہیں (36) اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور

الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (37)

بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، اور جب غصہ آئے تو وہ معاف کر دیتے ہیں (37) [8] اور وہ لوگ

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ

جنھوں نے اپنے رب (کے حکم) کو مانا [9] اور نماز قائم کی [10] اور ان کا (ہر) کام باہمی مشورے سے

شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (38) وَالَّذِينَ إِذَا

ہوتا ہے [11] اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (38) اور وہ لوگ کہ جب

---

[1] اَلْجَوَارِ جو اصل میں الْجَوَارِي ہے، جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع ہے، بمعنی کشتیاں، جہاز، یعنی بر و بحر پر یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی کھڑے رہیں۔ [2] یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجوں میں طغیانی آ جائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔ [3] ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آ سکے۔ [4] یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔ [5] یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کہیں بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ [6] یعنی معمولی اور حقیر ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں مبتلا نہ ہونا کیونکہ یہ عارضی اور فانی ہے۔ [7] یعنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی کیونکہ اس کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو پچھتاؤ گے۔ [8] یعنی لوگوں سے عفو و درگزر کرنا ان کے مزاج و طبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے: مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَاتُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (صحيح البخاري، حديث: 3560، وصحيح مسلم، حديث: 2327) ''نبی ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں، اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا توڑا جانا آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔'' [9] یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔ [10] نماز کی پابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ [11] شُوْرٰی ذکریٰ اور بشریٰ کی طرح باب مفاعلہ سے مصدر ہے، یعنی اہل ایمان ہر اہم کام باہمی مشاورت سے کرتے ہیں، اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے مشورہ کرو۔ (آل عمران 3:159) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نیزے کے وار سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امر خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرما دیے۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا اور لوگوں سے بھی مشاورت کی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے مقرر فرما دیا۔ بعض لوگ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ سے جمہوریت (Democracy) کا اثبات کرتے ہیں، حالانکہ جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے۔ اسلام میں طے شدہ شرعی و دینی امور، اصول و فروع کی ترمیم، تنسیخ اور تبدیلی کے بارے میں مشورہ تو ہو ہی نہیں سکتا، انتظامی ریاستی معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں کوئی بھی چیز مشورے سے مستثنیٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں طے شدہ مسلمات دینیہ کے اندر تبدیلی اور اسی طرح معلوم و ظاہر کو اکثریت کی خواہش کے پیش نظر جائز قرار دینے کے قوانین بنتے ہیں۔ زنا، ہم جنس پرستی اور

Marfat.com

اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ 39 وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ
ان پر بغاوت و عداوت ہو تو وہ بس بدلہ لیتے ہیں (39) اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی
مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ
ہے، پھر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بلاشبہ اللہ ظالموں
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ 40 وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
کو پسند نہیں کرتا (40) اور البتہ جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں
مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ 41 اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ
پر کوئی (ملامت کی) راہ نہیں (41) (ملامت کی) راہ تو بس ان لوگوں پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے
النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب
اَلِيْمٌ 42 وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ 43
ہے (42) اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں (43)
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ
اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اللہ کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں، اور آپ ظالموں کو دیکھیں
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ 44 وَتَرٰىهُمْ
گے کہ جب وہ عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا واپسی کا کوئی راستہ ہے (44) اور آپ انھیں
يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ
دیکھیں گے کہ وہ جہنم پر پیش کیے جائیں گے تو مارے ذلت کے جھکے جا رہے ہوں گے وہ نظریں چرا کر
خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ
دیکھتے ہوں گے اور جو لوگ ایمان لائے تھے وہ کہیں گے: بے شک خسارہ پانے والے تو وہی لوگ ہیں
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
جنھوں نے روز قیامت اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا، آگاہ رہو! بلاشبہ ظالم لوگ
فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ 45 وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ
ہی دائمی عذاب میں ہوں گے (45) اور ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی ایسے دوست نہیں ہوں گے جو ان کی
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ 46
مدد کر سکیں، اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اس کے لیے (ہدایت کا) کوئی راستہ ہی نہیں (46) تم اپنے رب کا
اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
فرمان قبول کر لو اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آ جائے جو (کسی طرح بھی) ٹالا نہیں جا سکتا،

اس طرح کے بے شمار جرائم کو قانونی حیثیت دینا ہی مغربی جمہوریت کے ثمرات ہیں، بنابریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات، تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ ''اسلامی'' کا لفظ لگانے سے سوشلزم مشرف بہ اسلام نہیں ہو سکتا اسی طرح ''جمہوریت'' میں ''اسلامی'' کی پیوند کاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آ سکتی۔ مغرب کا یہ پودا اسلام کی سرزمین پر نہیں پنپ سکتا۔

1 یعنی بدلہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا۔ حدیبیہ میں آپ نے ان 80 آدمیوں کو معاف کر دیا جنھوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اس یہودی عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا جس کی تکلیف آپ دم واپسیں تک محسوس فرماتے رہے۔ (ابن کثیر) البتہ بعض روایات میں اس کے برعکس اس یہودی عورت کے قتل کرنے کی صراحت آئی ہے۔ اس میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اوّلاً نبی ﷺ نے اس عورت کو کچھ نہیں کہا، تاہم جب اس زہر آلود کھانے سے ایک صحابی حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو آپ نے قصاص کے طور پر اس یہودی عورت کو قتل کروا دیا۔ (زاد المعاد: 336/3 طبع جدید) 2 یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی کہا گیا ہے۔ 3 یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنھوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنھوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔ [4] یعنی جس کو رد کرنے اور ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔

Marfat.com

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَىٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ ﴿47﴾ فَاِنْ

اس دن تمھارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ تم سے (گناہوں کا) انکار ہی بن پڑے گا﴿47﴾[1] پھر اگر

اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

وہ اعراض کریں تو (اے نبی!) ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگران (بنا کر) نہیں بھیجا، آپ کے ذمے تو پہنچا

وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

دینا ہی ہے،[2] اور بلاشبہ جب ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں[3] تو وہ اس پر اترانے لگتا ہے۔[4]

سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿48﴾ لِلّٰهِ

اور اگر انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی تکلیف[5] پہنچے تو بلاشبہ انسان بہت ہی ناشکرا ہے﴿48﴾[6]

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔[7] جسے چاہے

یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿49﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ

(صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے﴿49﴾ یا ان کو بیٹے اور

ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ

بیٹیاں ملا کر دیتا ہے،[8] اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا، بہت

[1] یعنی تمھارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہچانے نہ جا سکو یا نظر میں نہ آ سکو جیسے فرمایا: یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝ (القیٰمۃ 75:10-12) ''اس دن انسان کہے گا: کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہوگی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہوگا۔'' یا نکیر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکو گے کیونکہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے خود انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمھیں تمھارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار نہیں کر سکو گے کیونکہ اعتراف گناہ کے بغیر تمھیں چارہ نہیں ہوگا۔ [2] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (البقرۃ 2:272) اور فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ۝ (الرعد 13 : 40) اور فَذَكِّرْ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ۝ (الغاشیۃ 88:21,22) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمے داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کے پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ [3] یعنی وسائل رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔ [4] یعنی تکبر اور غرور کا اظہار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار ہونا، ناپسندیدہ امر نہیں لیکن وہ تحدیث نعمت اور شکر کے طور پر ہو نہ کہ فخر و ریا اور تکبر کے طور پر۔ [5] مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔ [6] یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور مُنْعِمْ (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غالب اکثریت کے اعتبار سے ہے، جس میں ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل الایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» (صحیح مسلم، حدیث: 2999) ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، یقیناً اُس کا تمام معاملہ خیر ہی ہے اور یہ مومن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر اُسے خوشی ملے تو اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہو جاتا ہے اور اگر اُسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔'' [7] یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔ [8] یعنی جس کو چاہتا ہے زوجین، مذکر اور مؤنث دونوں دیتا ہے۔ یا ذکور و اناث دونوں کو ملا کر جوڑا بنا دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک: وہ جن کو صرف بیٹے دیے۔ دوسرے: وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے: وہ جن کو بیٹے، بیٹیاں دونوں اور چوتھے: وہ جن کو بیٹا نہ بیٹی۔ لوگوں کے درمیان یہ فرق اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔ تخلیق کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں: ① آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا (ان کا باپ ہے نہ ماں۔) ② حضرت حواء کو آدم علیہ السلام سے، یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں ہے۔ ③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے ④ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِیْمِ الْقَدِیْرِ۔ (ابن کثیر)

Marfat.com

قَدِيْرٌ (50) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ
قدرت والا ہے (50) اور یہ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر الہام (دل میں القاء)
مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ
کر کے، یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیج کر اور وہ (فرشتہ) اللہ کے حکم سے، جو اللہ چاہے، وحی کرتا
اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (51) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ
ہے[1] بلاشبہ وہ بلند مرتبہ، خوب حکمت والا ہے (51) اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے
اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ
ایک روح (قرآن) کی وحی کی[2] آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟[3] لیکن ہم
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ
نے اسے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں،[4] اور
لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (52) صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ
بلاشبہ آپ سیدھے راستے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں (52) اس اللہ کے راستے[5] کی طرف جو
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (53)
آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ آگاہ رہو! اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹتے ہیں (53)[6]

ع 5/10 6

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا: 89 | 1 | رکوعاتہا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ (1) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (2) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا
حٰمٓ (1) قسم ہے (اس) واضح کتاب کی (2) بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا
لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (3) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ
ہے[7] تاکہ تم سمجھو (3) اور بلاشبہ وہ ہمارے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) میں، بہت بلند مرتبہ،
حَكِيْمٌ (4) اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ
نہایت حکمت والا ہے[8] (4) کیا پھر ہم تم سے اس بنا پر منہ موڑ کر ذکر و نصیحت روک لیں گے کہ تم

[1] اس آیت میں وحیٔ الٰہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری: پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔ تیسری: فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی بھیجنا، جیسے جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔ [2] رُوْحًا سے مراد قرآن ہے، یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی ہے۔ قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔ [3] کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر تھے جو بعد میں آپ پر نازل کی گئیں۔ [4] یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی انھی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تڑپ ہوتی ہے وہ اسے طلب ہدایت کی نیت سے پڑھتے، سنتے اور غور و فکر کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں، کانوں میں ڈاٹ لگا لیں اور عقل و فہم کو ہی بروئے کار نہ لائیں تو انھیں ہدایت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے، جیسے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ”کہہ دیجیے کہ یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا ہونے کا باعث ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“

[5] یہ صراط مستقیم اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس راستے کی عظمت و فخامتِ شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔ [6] یعنی قیامت والے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، اس میں سخت وعید ہے جو مجازات (جزا و سزا) کو مستلزم ہے۔ [7] جو دنیا کی فصیح ترین زبان ہے۔ دوسرے، اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، انھی کی زبان میں قرآن اتارا تا کہ وہ سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔ [8] اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو ملأ اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تا کہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے لیے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے۔ ﴿اُمِّ الْكِتٰبِ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے۔

Marfat.com

قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ﴿5﴾ وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿6﴾

حد سے گزرنے والے لوگ ہو⑤[1] اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے⑥ اور ان کے

وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿7﴾ فَاَهۡلَكۡنَاۤ

پاس جو بھی نبی آتا، وہ اس سے مذاق ہی کرتے تھے⑦ پھر ہم نے ان سے کہیں زیادہ زور آور

اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿8﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ

لوگ ہلاک کر دیے[2] اور اگلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے⑧[3] اور اگر آپ ان سے سوال کریں:

مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ

کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی کہیں گے کہ انھیں نہایت غالب، خوب

الۡعَلِيۡمُ ﴿9﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّجَعَلَ

جاننے والے نے پیدا کیا⑨[4] وہ (اللہ) جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا[5] اور اس میں

لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿10﴾ وَالَّذِىۡ نَزَّلَ مِنَ

تمھارے لیے راستے بنائے، تاکہ تم راہ پاؤ⑩[6] اور وہ (اللہ) جس نے آسمان سے پانی ایک اندازے

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا كَذٰلِكَ

سے نازل کیا،[7] پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم دوبارہ (قبروں سے)

تُخۡرَجُوۡنَ ﴿11﴾ وَالَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمۡ

نکالے جاؤ گے⑪[8] اور وہ جس نے سب جوڑے[9] پیدا کیے اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے

مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ﴿12﴾ لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ

بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو⑫ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو،[10] پھر جب ان پر متوازن ہو کر

تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ

بیٹھ جاؤ تو تم اپنے رب کی نعمت یاد کرو، اور تم کہو: وہ (اللہ) پاک ہے جس نے اسے ہمارے

[1] اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں، مثلاً: ① تم چونکہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو، اس لیے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمھیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے۔ ② یا تمھارے کفر اور اسراف پر ہم تمھیں کچھ نہ کہیں گے اور تم سے درگزر کر لیں گے۔ ③ یا ہم تمھیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمھیں حکم دیں نہ منع کریں۔ ④ چونکہ تم قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو، اس لیے ہم انزال قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ موقوف نہیں فرمایا، اگرچہ وہ اعراض و انکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے تاکہ جس کے لیے ہدایت مقدر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنا لے اور جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی ہے ان پر حجت قائم ہو جائے۔ [2] یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّةً﴾ (المؤمن 40:82) ”وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے۔“ [3] یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہدید ہے کہ پچھلی قومیں رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی تکذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کی مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔ [4] لیکن اس اعتراف کے باوجود انھی مخلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شناعت و قباحت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاہت و جہالت کا اظہار بھی۔ [5] ایسا بچھونا، جس میں ثبات و قرار ہے، تم اس پر چلتے ہو، کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو، پھرتے ہو، اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جما دیا تاکہ اس میں حرکت و جنبش نہ ہو۔ [6] یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنا دیے تاکہ کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آ جا سکو۔ [7] جس سے تمھاری ضرورت پوری ہو سکے کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمھارے لیے مفید ثابت نہ ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی جس میں تمھارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔ [8] یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن تمھیں بھی زندہ کر کے قبروں سے نکال لیا جائے گا۔ [9] یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ۔ نباتات، کھیتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں، جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں: ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔ [10] ﴿لِتَسۡتَوٗا﴾ بمعنی لِتَسۡتَقِرُّوۡا یا لِتَسۡتَعۡلُوۡا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ﴿ظُهُوۡرِهٖ﴾ میں ضمیر واحد ﴿مَا تَرۡكَبُوۡنَ﴾ میں سے مَا موصولہ کی طرف راجع ہے، فراء کہتے ہیں کہ ظهور جمع کی اضافت ”ہٖ“ ضمیر واحد کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس سے مراد جنس ہے تو ضمیر واحد جمع کے معنی میں ہے، یعنی ”اس جنس کی پشتوں پر۔“

Marfat.com

الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿13﴾ وَاِنَّآ اِلٰى
تابع کردیا ورنہ ہم اسے قابو میں کرلینے والے نہیں تھے⑬ [1] اور یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف
رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿14﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ
لوٹنے والے ہیں⑭ [2] اور انھوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز (اولاد) ٹھہرادیا، [3] بلاشبہ
الْاِنْسٰنَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿15﴾ ع اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ
انسان تو کھلم کھلا ناشکرا ہے⑮ کیا اس نے ان میں سے جو وہ پیدا کرتا ہے (اپنے لیے تو)
وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿16﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا
بیٹیاں بنالیں اور تمھیں بیٹوں سے نواز دیا؟⑯ [4] اور جب ان میں سے کسی کو اس (بیٹی پیدا ہونے)
ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ
کی بشارت دی جاتی ہے جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی، تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا
كَظِيْمٌ ﴿17﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ
ہے، جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے⑰ کیا (وہ اللہ کی اولاد ہے؟) جس کی زیور میں پرورش کی جاتی ہے
غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿18﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ
اور وہ جھگڑے میں اپنی بات واضح نہیں کرپاتی⑱ [5] اور انھوں نے فرشتوں کو، جو رحمٰن کے بندے
الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ
ہیں، (رحمٰن کی) بیٹیاں ٹھہرایا ہے۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ ان کی شہادت ضرور لکھی
وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿19﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ
جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) پوچھ گچھ ہوگی⑲ [6] اور انھوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان
مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا
(جھوٹے معبودوں) کی عبادت نہ کرتے۔ انھیں اس کے بارے میں کوئی علم نہیں [7] وہ تو صرف

[1] یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انھیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، بار برداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے، مُقْرِنِيْنَ بمعنی مُطِيْقِيْنَ ہے (طاقت رکھنے والے)۔ [2] نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے اور سُبْحٰنَ الَّذِىْ سے لَمُنْقَلِبُوْنَ تک آیت پڑھتے۔ اس کے بعد خیر و عافیت کی وہ ماثور دعا مانگتے جو حدیث کی کتابوں سے منقول ہے۔ دعاؤں کی کتابوں میں دیکھ لی جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1342) [3] عِبَادِهٖ سے مراد فرشتے اور جُزْءًا سے مراد بیٹیاں، یعنی فرشتے جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جز مانتے تھے، حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جز سے یہاں نذر و نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک حصہ بتوں کے نام پر نکالا کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ انعام 136:6 میں ہے۔ [4] اس میں ان کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے جو انھوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہوتا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہوتیں اور تمھیں وہ لڑکوں سے نوازتا۔ [5] يُنَشَّؤُا نَشْو سے ہے، بمعنی تربیت اور نشو و نما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ ① ان کی تربیت اور نشو و نما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے اور ان کے ذریعے سے ان کی شخصیت کی کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔ ② اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے واضح نہیں کر سکتیں نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ ہی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن کی بنا پر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سیاق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے کیونکہ گفتگو اسی ضمن میں ہو رہی ہے کہ مرد و عورت کے درمیان فطری تفاوت ہے جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ "مسئلہ شہادت نسواں، عقل و نقل کی روشنی میں"، جس کی تلخیص "عورتوں کے امتیازی مسائل" میں شامل ہے۔ [6] یعنی جزا کے لیے کیونکہ فرشتوں کے بنات اللہ ہونے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوگی۔ [7] یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سہارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیونکہ ظاہراً یہ بات صحیح ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔ ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے لیکن راضی وہ انھی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے نہ کہ ہر اس کام سے جو انسان اللہ کی مشیت سے کرتا ہے، انسان چوری، بدکاری، ظلم اور بڑے بڑے گناہ کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو یہ گناہ کرنے کی قدرت ہی نہ دے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لے، اس کے قدموں کو روک دے اس کی نظر سلب کر لے۔ لیکن یہ جبر کی صورتیں ہیں جبکہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لیے اس نے دونوں قسم کے کاموں کی وضاحت

Marfat.com

يَخْرُصُوْنَ ﴿20﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ

تیر تکے چلاتے ہیں⑳ یا ہم نے انھیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے، سو وہ اسے مضبوطی سے

مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿21﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى

تھامے ہوئے ہیں؟㉑ [1] (نہیں) بلکہ انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک

اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿22﴾ وَكَذٰلِكَ

طریقے پر پایا، اور بے شک ہم تو انھی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں㉒ اور اسی طرح آپ سے

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ

پہلے ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو ان کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا: بلاشبہ ہم

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿23﴾

نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا، اور ہم تو انھی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں㉓

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ

نبی نے کہا: اگرچہ میں تمھارے پاس اس سے زیادہ راستی کا طریقہ لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ

اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿24﴾

دادوں کو پایا؟ وہ کہنے لگے: یقیناً تمھیں جس کے ساتھ بھیجا گیا ہے ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں㉔ [2]

ع 2 10 8

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿25﴾ وَاِذْ

چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا، پھر دیکھیے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟㉕ اور جب ابراہیم

قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ

نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: بلاشبہ میں ان (بتوں) سے بری الذمہ ہوں جن کی تم

مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿26﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

عبادت کرتے ہو㉖ سوائے اس (اللہ) کے جس نے مجھے پیدا کیا، تو بے شک وہی جلد میری

سَيَهْدِيْنِ ﴿27﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ

رہنمائی فرمائے گا㉗ [3] اور ابراہیم اسی (کلمۂ توحید) کو (اپنی اولاد میں) اپنے پیچھے ایک پائندہ و تابندہ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿28﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

بات بنا گئے [4] تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں㉘ [5] بلکہ میں نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿29﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

فائدہ پہنچایا [6] حتی کہ ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول آگیا㉙ [7] اور جب ان کے

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿30﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

پاس حق آیا تو انھوں نے کہا: یہ تو جادو ہے اور بلاشبہ ہم اس کے منکر ہیں㉚ [8] اور انھوں نے کہا:

کر دی ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے ناراض ہوتا ہے، ان کی بھی۔ انسان دونوں قسم کے کاموں میں سے جو کام بھی کرے گا، اللہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا لیکن اگر وہ کام جرم و معصیت کا ہوگا تو یقیناً وہ اس سے ناراض ہوگا کہ اس نے اللہ کے دیے ہوئے اختیار کا استعمال غلط کیا، تاہم یہ اختیار اللہ دنیا میں اس سے واپس نہیں لے گا، البتہ اس کی سزا قیامت والے دن دے گا۔

[1] یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب جس میں ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جسے انھوں نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے، یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تقلید آباء کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ [2] یعنی اپنے آباء کی تقلید میں اتنے پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت اور دلیل بھی انھیں اس سے نہیں پھیر سکی۔ یہ آیت تقلید کے بطلان اور اس کی قباحت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر) [3] یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے گا اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی کی عبادت کروں گا۔

[4] یعنی اس کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے، جیسے فرمایا: وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ (البقرۃ 2:132) ''اور اسی (کلمہ توحید) کی وصیت حضرت ابراہیم اور یعقوب (علیہما السلام) نے اپنی اولاد کو کی۔'' بعض نے جَعَلَهَا میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ [5] یعنی اولاد ابراہیم میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے تاکہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے رہیں۔ لَعَلَّهُمْ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں، یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔ [6] یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انھیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی بلکہ انھیں پوری مہلت دی جس سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔ [7] حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ مُّبِيْنٌ رسول کی صفت ہے، کھول کر بیان کرنے والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے، اس میں کوئی اشتباہ اور خفا نہیں۔ [8] قرآ

Marfat.com

هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ﴿31﴾ اَهُمۡ
یہ قرآن ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ (31) [1] کیا وہ آپ
يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى
کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ [2] ہمی نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم
الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ
کی ہے، اور ہمی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے، [3] تاکہ وہ ایک دوسرے کو
بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿32﴾ وَلَوۡلَاۤ
خدمت گار بنالیں، اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے [4] جو وہ جمع کرتے ہیں (32) اور
اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ
اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی گروہ (کافر) ہو جائیں گے [5] تو ہم ان لوگوں کے لیے جو رحمٰن کے
لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿33﴾
ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنادیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے (33)
وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿34﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ
اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی (چاندی کے بنادیتے) جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے (34) اور
وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ
سونے کے بھی، [6] اور یہ سب کچھ تو بس دنیاوی زندگی کا سازوسامان ہے۔ اور آخرت آپ کے رب کے
ع 3 10 9 عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿35﴾ وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ
نزدیک متقین کے لیے ہے (35) [7] اور جو رحمٰن کے ذکر سے اندھا (غافل) ہو جائے، [8] تو ہم اس کے لیے

کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیا اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تحقیر و تنقیص کی۔

[1] دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکے کا ولید بن مغیرہ اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں، تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو، یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا نہ کہ محمد (ﷺ) پر جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی ہے اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔ [2] رحمت سے یہاں سب سے بڑی نعمت ''نبوت'' مراد ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازنا ہے۔ [3] یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق اس لیے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے اور عقل و فہم میں حظ وافر رکھنے والا، اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں، منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی طرح کم تر اور حقیر سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی کوئی ایک شخص، چاہے وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو، دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کر ہی نہیں سکتا۔ [4] اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ [5] یعنی دنیا کے مال و اسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضائے الٰہی اور آخرت کی طلب سب فراموش کر دیں گے۔ [6] یعنی بعض چیزیں چاندی کی اور بعض سونے کی کیونکہ تنوّع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال ہماری نظر میں اتنا بے وقعت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کے سب منکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حقارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے: «لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ» (جامع الترمذي، حديث: 2320، وسنن ابن ماجه، حديث: 4110، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 299/2، حديث: 686) ''اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک مچھر کے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔'' [7] جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے، ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو زوال و فنا نہیں۔ [8] عشا یعشو کے معنی ہیں:

Marfat.com

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (36) وَاِنَّهُمْ
ایک شیطان کو مقرر کردیتے ہیں، پھر وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے (36)[1] اور بلاشبہ وہ (شیاطین)
لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (37)
انھیں (سیدھے) راستے سے روکتے ہیں، جبکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت پر ہیں (37)[2]
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ
کہ جب وہ (گمراہ شخص) ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا: کاش! میرے اور
الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ (38) وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ
تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی، تو تو بڑا برا ساتھی ہے (38)[3] اور جب تم ظلم کر چکے ہو تو
اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ (39) اَفَاَنْتَ
آج یہ بات تمھیں ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو (39) کیا پھر آپ
تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ
بہروں کو سنا سکتے ہیں، یا اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اور (ان کو) جو کھلی گمراہی میں
مُّبِيْنٍ (40) فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ (41)
ہیں؟ (40)[4] پھر اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں[5] تو بہر حال ہم ان سے انتقام لینے والے ہیں (41)[6]
اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ
یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے،[7] تو بلاشبہ ہم ان پر قدرت
مُّقْتَدِرُوْنَ (42) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ
رکھتے ہیں (42)[8] لہٰذا آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھام لیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے،[9]
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (43) وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ
یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں (43)[10] اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم[11] کے لیے ایک

رات کو نظر نہ آنا، رتوندھا ہونا اور جب اس کے صلے میں عَنْ آجائے تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے: اندھا بن جانا، اعراض کرنا، یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہو جائے۔

[1] وہ شیطان اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔ [2] یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے انھیں روکتے ہیں اور انھیں برابر سمجھاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو، حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (فتح القدیر) [3] الْمَشْرِقَيْنِ (تثنیہ ہے) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ہے: أَنْتَ أَيُّهَا الشَّيْطٰنُ "اے شیطان! تو بہت برا ساتھی ہے۔" یہ کافر قیامت والے دن کہے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ۔ [4] یعنی جس کے لیے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرہ اور اندھا ہے، تیری دعوت و تبلیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آسکتا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے، نابینا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تاک ایسے لوگوں کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔ [5] یعنی تجھے موت آجائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے یا تجھے مکے سے نکال جائیں۔ [6] دنیا میں ہی اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔ [7] یعنی تیری موت سے قبل یا مکے میں ہی تیرے رہتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیں۔ [8] یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں کیونکہ ہم ان پر قادر ہیں، چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔ [9] یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔ [10] فَاسْتَمْسِكْ کے لیے بطور تعلیل ہے۔ [11] اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں بلکہ اولین مخاطب چونکہ قریش تھے، اس۔ ان کا ذکر فرمایا ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (القلم 52:68) "اور وہ (قرآن) جہان والوں کے لیے نصیحت کے سوا کچھ نہیں ہے۔" جیسے آپ کو حکم دیا گیا کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (الشعرآء 214:26) "ا قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔" اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتے داروں کو ہی پہنچانا ہے بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتدا اپنے ہی خاند سے کریں بعض نے یہاں ذِکْرٌ بمعنی شرف لیا ہے، یعنی یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے شرف وعزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی زبان میں ا اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پا سکتے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ اس کو اپنائیں

Marfat.com

وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿44﴾ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ
نصیحت ہے، اور جلد تم لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی ﴿44﴾ اور ہم نے جو اپنے رسول آپ سے پہلے بھیجے تھے
4 ع 10 10 رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿45﴾
ان سے پوچھیے[1] کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود مقرر کیے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے ﴿45﴾[2] اور
وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ
بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف بھیجا، چنانچہ
اِنِّىۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿46﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا
موسیٰ نے کہا: بے شک میں رب العالمین کا رسول ہوں ﴿46﴾[3] پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں
هُمۡ مِّنۡهَا يَضۡحَكُوۡنَ ﴿47﴾ وَمَا نُرِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ
لے کر آیا تو وہیں وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے ﴿47﴾[4] اور ہم انھیں جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ اس جیسی
اِلَّا هِىَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا ۖ وَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ
(پہلی نشانی) سے زیادہ ہی بڑی ہوتی تھی[5] اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا تاکہ وہ (کفر سے)
لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿48﴾ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ
باز آئیں ﴿48﴾[6] اور انھوں نے کہا: اے ساحر![7] تیرے رب نے جو تجھ سے (دعا قبول کرنے کا) عہد کر رکھا
لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿49﴾
ہے[8] اس کے مطابق تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر (اب) ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں ﴿49﴾[9]
فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿50﴾ وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ
پھر جب ہم ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہیں وہ عہد توڑ دیتے ﴿50﴾ اور فرعون نے اپنی قوم میں
فِىۡ قَوۡمِهٖ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِىۡ
منادی کرائی، اس نے کہا:[10] اے میری قوم! کیا میرے لیے مصر کی بادشاہی اور یہ نہریں نہیں جو

اس کے مقتضا پر سب سے زیادہ عمل کریں۔

[1] پیغمبروں سے یہ سوال یا تو اسرا و معراج کے موقع پر بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیہم السلام سے نبیٔ کریم ﷺ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا اَتۡبَاعَ کا لفظ محذوف ہے، یعنی ان کے پیروکاروں (اہل کتاب، یہود و نصاریٰ) سے پوچھو کیونکہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔ [2] جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا گیا۔ [3] قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجتا ہی تو مکے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو صاحب مال و جاہ ہوتا، جیسے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ ”میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔“ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت موسیٰ و فرعون کا قصہ دہرایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے لیے بھی تسلی کا پہلو ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انھوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ بھی کفار مکہ کی ایذاؤں اور ناروا رویوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بالآخر فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون کی طرح ناکام و نامراد ہوں گے۔ [4] یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت توحید دی تو انھوں نے ان کے رسول ہونے کی دلیل طلب کی جس پر انھوں نے وہ دلائل و معجزات پیش کیے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائے تھے۔ جنھیں دیکھ کر انھوں نے استہزا اور مذاق کیا اور کہا کہ یہ کون سی ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ [5] ان نشانیوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون وغیرہ کی شکل میں یکے بعد دیگرے انھیں دکھائی گئیں جن کا تذکرہ سورۂ اعراف 7:133-135 میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑھی چڑھی ہوتی، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔ [6] مقصد ان نشانیوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آ جائیں۔ [7] حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اَلسّٰحِرُ کی تفسیر العالم ”صاحب علم“ سے کی ہے۔ کہتے ہیں اس زمانے میں جادو مذموم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب کیا جاتا تھا، اس لیے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب کیا۔ یہ الفاظ ان کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص و توہین کے طور پر نہیں کہے گئے، کیونکہ اس حالت میں یہ لوگ ضرورت مند و محتاج تھے اور اس حالت کے ہوتے ہوئے توہین نہیں کی جاتی۔ (ابن کثیر) [8] یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ٹالنے کا وعدہ۔ [9] اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورۂ اعراف میں بھی گزرا۔ [10] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی نشانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ کی طرف

Marfat.com

مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿51﴾ اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ

میرے (محلات کے) نیچے بہتی ہیں؟[1] کیا پھر تم دیکھتے نہیں؟﴿51﴾ بلکہ میں تو اس (موسیٰ) سے

مَهِیۡنٌ ۙ۬ وَّ لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ﴿52﴾ فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَهَبٍ

کہیں بہتر ہوں جو حقیر ہے[2] اور صاف بول بھی نہیں سکتا﴿52﴾ [3] پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں

اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿53﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ

اتارے گئے[4] یا اس کے ساتھ فرشتے صفیں باندھے آتے؟﴿53﴾ [5] تب اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا

فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿54﴾ فَلَمَّاۤ

(اور اس کی عقل ماردی) تو انھوں نے اس کی اطاعت کی[6] بلاشبہ وہی لوگ فاسق تھے﴿54﴾ پھر

اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿55﴾ فَجَعَلۡنٰهُمۡ

جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا﴿55﴾ تو یوں ہم

سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿56﴾ ع وَ لَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ

نے انھیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرت کی) مثال بنا دیا﴿56﴾ [7] اور جب (عیسیٰ)

مَثَلًا اِذَا قَوۡمُکَ مِنۡهُ یَصِدُّوۡنَ ﴿57﴾ وَ قَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا

ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم اس (خوشی) سے چلا اٹھی﴿57﴾ اور انھوں نے کہا: کیا

خَیۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ

ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ؟) انھوں نے آپ سے یہ مثال محض جھگڑے کے لیے بیان کی، بلکہ

خَصِمُوۡنَ ﴿58﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡهِ وَ جَعَلۡنٰهُ

یہ لوگ نرے جھگڑالو ہیں﴿58﴾ [8] وہ (عیسیٰ) تو صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے

مائل نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپانے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں مبتلا رکھنے کے لیے یہ نئی چال چلی کہ اپنے اختیار و اقتدار کے حوالے سے موسیٰ کی بے توقیری اور کمتری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت و سطوت سے ہی مرعوب رہے۔

[1] اس سے مراد دریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں۔ [2] اَمۡ اضراب کے لیے، یعنی بل (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفہامیہ ہی ہے۔ [3] یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزرا۔ [4] اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہنتے تھے، اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہییں تھے۔ [5] جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہوتے۔ [6] یعنی اِسۡتَخَفَّ عُقُولَهُمۡ (ابن کثیر) ''اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا کر دیا، یعنی انھیں بے وقوف بنایا۔'' اور انھیں اپنی جہالت و ضلالت پر قائم رہنے کی تاکید کی اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔ [7] اٰسَفُوۡنَا بمعنی أَسۡخَطُونَا یا أَغۡضَبُونَا۔ سَلَفًا سَالِفٌ کی جمع ہے، جیسے خَدَمٌ، خَادِمٌ (نوکر) کی اور حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار) کی جمع ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو، یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنا دیا کہ وہ اس طرح کفر و ظلم اور علو و فساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تاکہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔ [8] شرک کی تردید اور جھوٹے معبودوں کی بے وقعتی کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمھارے ساتھ تمھارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انھیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ۝﴾ (الأنبیآء 101:21) ''بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔'' کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ ''ما'' ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے، ﴿اِنَّکُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الأنبیآء 98:21) ''یقیناً تم اور جن جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔'' اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوگا، یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہرحال جہنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حضرت مسیح ؑ

Marfat.com

مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿59﴾ وَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ
بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنا دیا⑲[1] اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے
مَّلٰٓئِکَۃً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿60﴾ وَ اِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ
جو زمین میں (تمھارے) جانشین ہوتے⑳[2] اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی ایک نشانی ہے،[3] لہٰذا
فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِہَا وَ اتَّبِعُوۡنِ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿61﴾
تم اس (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو، اور تم میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے﴿61﴾ اور
وَ لَا یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿62﴾ وَ لَمَّا
شیطان تمھیں (راہ حق سے) ہرگز نہ روک دے، بلاشبہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے﴿62﴾ اور جب عیسیٰ کھلی
جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ لِاُبَیِّنَ
کھلی (نشانیاں) لے کر آیا تو اس نے کہا: تحقیق میں تمھارے پاس حکمت لایا ہوں اور تاکہ میں تم پر
لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡہِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿63﴾
بعض وہ باتیں واضح کر دوں[4] جن میں تم اختلاف کرتے ہو، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿63﴾
اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿64﴾
بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے﴿64﴾
فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ
پھر انھی (بنی اسرائیل) میں سے جماعتوں نے باہم اختلاف کیا،[5] تو جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لیے
عَذَابِ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ﴿65﴾ ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَۃَ اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ
المناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے﴿65﴾ وہ قیامت ہی کا انتظار تو کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک
بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿66﴾ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ
آپڑے جبکہ انھیں خبر تک نہ ہو﴿66﴾ اس دن متقین کے سوا[6] تمام (جگری) دوست بھی ایک دوسرے کے
عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿67﴾ؑ ع 6/11/12 یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ
دشمن بن جائیں گے﴿67﴾ (انھیں کہا جائے گا:) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم

ذکر خیر سن کر یہ کٹ حجتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں، درآں حالیکہ عیسائیوں نے انھیں معبود بنایا ہوا ہے تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا: ان کا خوشی سے چلانا ان کا جدل محض ہے۔ جدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات کی پچ میں بحث و تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

[1] ایک: اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرے: خود انھیں جو معجزات دیے گئے، احیائے موتیٰ وغیرہ، اس لحاظ سے بھی۔ [2] یعنی تمھیں ختم کر کے تمھاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے جو تمھاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور قضا ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔ [3] عِلْمٌ بمعنی شرط (علامت) ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہوگا کہ اب قیامت قریب ہے، اسی لیے بعض نے اسے عین اور لام کے زبر کے ساتھ عَلَمْ پڑھا ہے، جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انھیں قیامت کی نشانی قرار دینا ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے، یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما دے گا، اس لیے قدرت الٰہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اِنَّہٗ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ [4] اس کے لیے دیکھیے آل عمران 3:50 کا حاشیہ۔
[5] اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کی اور انھیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جبکہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انھیں معبود بنا لیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ کوئی انھیں ابن اللہ اور کوئی انھیں اللہ اور کوئی ثالث ثلاثہ (تین الٰہوں میں سے تیسرا) کہتے ہیں۔ [6] کیونکہ کافروں کی دوستی کفر و فسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر و فسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان و تقویٰ کی باہمی محبت، چونکہ دین اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین و ایمان خیر و ثواب کا باعث ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہوگا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

Marfat.com

تَحْزَنُوْنَ ﴿68﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿69﴾ اُدْخُلُوا
غمگین ہوگے ﴿68﴾ [1](یعنی) جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے اور وہ فرماں بردار تھے ﴿69﴾ تم جنت
الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿70﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ
میں داخل ہو جاؤ، تم اور تمھاری بیویاں خوش حال ہوگے ﴿70﴾ [2]ان پر سونے کی رکابیوں اور ساغروں
مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ
کے دور چل رہے ہوں گے،[3] اور اس (جنت) میں جس شے کو ان کے دل چاہیں گے اور (ان
وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿71﴾ وَتِلْكَ
کی) آنکھیں متلذذ ہوں گی (وہ موجود ہوگی)، اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے ﴿71﴾ [4]اور یہی وہ جنت
الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿72﴾ لَكُمْ
ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے ﴿72﴾ اس میں تمھارے
فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿73﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ
لیے بہت سے پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے ﴿73﴾ بے شک مجرم لوگ عذاب جہنم میں
فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿74﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ
ہمیشہ رہیں گے ﴿74﴾ ان سے وہ (عذاب) ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور وہ اس میں ناامید پڑے رہیں
مُبْلِسُوْنَ ﴿75﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿76﴾
گے ﴿75﴾ [5]اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے ﴿76﴾ اور وہ (داروغۂ جہنم کو) پکاریں
وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ
گے: اے مالک[6]! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے،[7] وہ کہے گا: بے شک تم تو ہمیشہ (اسی عذاب میں)
مّٰكِثُوْنَ ﴿77﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ
رہو گے ﴿77﴾ [8]بلاشبہ ہم تمھارے پاس حق لائے تھے، اور لیکن تمھارے اکثر لوگ حق کو[9] ناپسند ہی کرنے
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿78﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا
والے تھے ﴿78﴾ کیا انھوں (مشرکین مکہ) نے (کسی اقدام کا) پختہ فیصلہ کرلیا ہے، تو ہم بھی قطعی فیصلہ
مُبْرِمُوْنَ ﴿79﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ
کرنے والے ہیں ﴿79﴾ [10]کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان کی خفیہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے؟[11]
وَنَجْوٰىهُمْ ۚ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿80﴾ قُلْ
کیوں نہیں! اور ہمارے پیغمبر (بھیجے ہوئے فرشتے) ان کے پاس ہی لکھتے رہتے ہیں ﴿80﴾ [12](اے نبی!)

[1] یہ قیامت والے دن ان متقین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔ [2] اَزْوَاجُكُمْ سے بعض نے مومن بیویاں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی حور عین بیویاں مراد لی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیونکہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہوگا۔ تُحْبَرُوْنَ وہ فرحت و مسرت جو انھیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ہوگی۔ [3] صِحَافٌ صَحْفَةٌ کی جمع ہے۔ رکابی۔ سب سے بڑے برتن کو جَفْنَةٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصْعَةٌ (جس سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں)، پھر صَحْفَةٌ (قَصْعَةٌ سے نصف)، پھر مِكِيلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو کھانے ملیں گے، وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے۔ (فتح القدیر) [4] یعنی جس طرح ایک وارث میراث کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی۔ [5] یعنی نجات سے مایوس۔ [6] مَالِكٌ داروغۂ جہنم کا نام ہے۔ [7] یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔ [8] یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوگا۔ [9] یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا۔ پہلی بات زیادہ راجح ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جہنمی یا پھر اکثر سے مراد رؤساء اور لیڈر ہیں۔ باقی جہنمی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا۔ آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔ [10] إِبْرَامٌ کے معنی ہیں: اِتْقَان و اِحْكَام۔ پختہ اور مضبوط کرنا۔ اَمْ اِضْرَاب کے لیے ہے بَلْ کے معنی میں، یعنی ان جہنمیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظّم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے: اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝ (الطور 42:52) ”کیا یہ لوگ فریب کرنا چاہتے ہیں۔ تو یقین کرلیں کہ فریب خوردہ خود کافر ہی ہیں۔“ [11] یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفسوں میں چھپائے پھرتے ہیں یا خلوت میں آہستگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟

Marfat.com

اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ 81
آپ کہہ دیجیے: اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ہی (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا [1] (81)
سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ 82
آسمانوں اور زمین کا رب ہی عرش کا رب ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں (82) [2]
فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ
چنانچہ آپ انھیں چھوڑ دیجیے،[3] وہ (اپنے باطل خیالات میں) الجھے رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں حتی
يُوْعَدُوْنَ 83 وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي
کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (83) [4] اور وہی (اللہ) آسمان میں بھی
الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ 84 وَتَبٰرَكَ
معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے [5] اور وہ بہت حکمت والا، خوب جاننے والا ہے (84) اور وہ
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
بہت بابرکت ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس (سب)
وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ 85 وَلَا يَمْلِكُ
کی بادشاہی ہے،[6] اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے،[7] اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (85) [8] اور وہ اللہ کو
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ
چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے،[9] سوائے ان کے جنھوں نے حق کی
شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ 86 وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ
گواہی دی، اور وہ علم بھی رکھتے ہیں (86) [10] اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انھیں کس نے پیدا کیا۔ تو
خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ 87 وَقِيْلِهٖ
وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! پھر وہ کہاں بہکائے جاتے ہیں؟ (87) اس (رسول) کے اس قول کی
يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ 88 فَاصْفَحْ عَنْهُمْ
قسم [11] ہے کہ اے میرے رب! بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے (88) لہٰذا (اے نبی!) ان

مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔ [12] یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

[1] کیونکہ میں اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا ابطال اور رد ہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔ [2] یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے یا رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور آپ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ و تقدیس بیان کی جس کا انتساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔ [3] یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کود میں لگا رہنے دیں۔ یہ تہدید و تنبیہ ہے۔ [4] ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس رویے کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔ [5] یہ نہیں ہے کہ آسمانوں کا معبود کوئی اور ہو اور زمین کا کوئی اور۔ بلکہ جس طرح ان دونوں کا خالق ایک ہے، معبود بھی ایک ہی ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے: وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ (الانعام 6:3) ''آسمان و زمین میں وہی اللہ ہے، وہ تمھاری پوشیدہ اور جہری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔'' [6] ایسی ذات کو جس کے پاس سارے اختیارات اور زمین و آسمان کی بادشاہت ہو، اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟ [7] جس کو وہ اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔ [8] جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ [9] یعنی دنیا میں جن بتوں، پیروں وغیرہ کی یہ عبادت کرتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ ان معبودوں کو شفاعت کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ [10] حق بات سے مراد کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہ اقرار بھی علم و بصیرت کی بنیاد پر ہو، یعنی زبان سے کلمہ توحید ادا کرنے والے کو پتا ہو کہ اس میں صرف ایک اللہ کا اثبات اور دیگر تمام معبودوں کی نفی ہے، پھر دل سے اسے قبول کرے اور اسی کے مطابق اس کا عمل ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں اہل شفاعت کی شفاعت مفید ہوگی۔ یا مطلب ہے کہ شفاعت کرنے کا حق صرف ایسے لوگوں کو ملے گا جو حق کا اقرار کرنے والے ہوں گے، یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے نہ کہ معبودان باطل کو جنھیں مشرکین اپنا شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔ [11] وَقِيْلِهٖ میں واو قسمیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے اس قول: ''بے شک یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔'' کی قسم کہ کافروں کے مقابلہ میں ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ بعض مفسرین نے واو عاطفہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا عطف وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ میں السَّاعَةِ پر ہے، یعنی وَعِلْمُ قِيْلِهٖ اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے پیغمبر کے شکوے کا علم ہے۔

Marfat.com

وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿89﴾ ع 7/22/13

سے عفوو درگزر کیجیے اور کہہ دیجیے: سلام ہے،[1] پھر عنقریب وہ جان لیں گے ﴿89﴾

آیاتھا:59 سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا:3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿2﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

حٰمٓ ① قسم ہے واضح کتاب کی ② بلاشبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات[2] میں نازل کیا،

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿3﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿4﴾

بے شک ہم ڈرانے والے ہیں ③ [3] اسی (رات) میں ہر محکمہ معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے ④ [4] خاص

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿5﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

ہمارے حکم سے،[5] بے شک ہم ہی (رسول) بھیجنے والے ہیں ⑤ آپ کے رب کی خاص رحمت

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿6﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

سے،[6] بلاشبہ وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ⑥ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور (ان کا

وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿7﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ

بھی) جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہیں، اگر تم یقین کرنے والے ہو ⑦ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں،

وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿8﴾ بَلْ

وہی زندہ کرتا ہے، اور وہی مارتا ہے، وہی تمھارا اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے ⑧ [7] (مگر کفار کو

[1] یہ سَلَامِ مُتارکہ ہے، جیسے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿ (القصص 55:28) ''تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں سے (الجھنا) نہیں چاہتے۔'' اور قَالُوْا سَلٰمًا ﴿ (الفرقان 63:25) میں ہے، یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمھاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام کیے جا رہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟ [2] لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ بابرکت رات سے مراد شب قدر لَيْلَةِ الْقَدْرِ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر 1:97) ''ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا۔'' یہ شب قدر رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 2020 اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرة 185:2) ''رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔'' یہاں اس سورت میں قدر کی اس رات کو بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک تو اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے: اس میں فرشتوں اور روح کا نزول ہوتا ہے۔ تیسرے: اس میں سارے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) چوتھے: اس رات کی عبادت ہزار مہینے (83 سال 4 ماہ) کی عبادت سے بہتر ہے۔ شب قدر یا لیلۂ مبارکہ میں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا، یعنی پہلے پہل اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات قرآن بیت العزۃ میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے، پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت 23 سالوں تک مختلف اوقات میں نبی ﷺ پر اترتا رہا۔ بعض لوگوں نے لیلۂ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں رات مراد لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شعبان کی پندرھویں رات، جسے لوگوں نے شب براءت کا نام دیا ہے، مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں شعبان کی پندرھویں رات کی بابت جتنی بھی ایسی روایات آتی ہیں جن میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے تو یہ سب روایات ضعیف ہیں جن سے قرآن کی اس نص صریح کا مفہوم کس طرح تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ [3] یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع وضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔ [4] يُفْرَقُ يُفَصَّلُ وَ يُبَيَّنُ فیصلہ کر دیا جاتا اور ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حَكِيْمٍ بمعنی پُرحکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُحْكَمٌ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر وتبدیلی کا امکان نہیں۔ صحابہ وتابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت وحیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) [5] یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم واذن اور ہماری تقدیر ومشیت سے ہوتے ہیں۔ [6] یعنی إنزال کتب کے ساتھ إرْسَال رُسُل (رسولوں کا بھیجنا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔ [7] یہ آیات بھی سورۂ اعراف کی آیت کی طرح ہیں: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (الأعراف 158:7)

Marfat.com

هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿9﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ
یقین نہیں) بلکہ وہ شک وشبہ میں پڑے کھیل رہے ہیں⑨ [1] تو آپ اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان
بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿10﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿11﴾
صاف دھواں لائے گا⑩ [2] جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا (کہا جائے گا:) یہ ہے دردناک عذاب!⑪
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿12﴾ اَنّٰى
(کافر کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب ہٹا دے بلاشبہ ہم ایمان لانے والے ہیں⑫ [3] ان
لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿13﴾ ثُمَّ
کے لیے نصیحت کیونکر ہوگی جبکہ ان کے پاس ایک ظاہر وباہر رسول آ گیا⑬ پھر وہ اس سے پھر
تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿14﴾ اِنَّا كَاشِفُوا
گئے اور (بعض نے) کہا: یہ تو سکھایا پڑھایا ہے (اور بعض نے کہا:) دیوانہ ہے⑭ بے شک ہم
الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿15﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ
تھوڑی دیر کے لیے عذاب دور کرنے والے ہیں، بلاشبہ تم لوٹنے والے ہو⑮ جس دن ہم بہت
الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿16﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ
بڑی پکڑ پکڑیں گے، [4] یقیناً ہم انتقام لینے والے ہیں⑯ اور البتہ ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کو
وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿17﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ
آزمایا، [5] اور ان کے پاس ایک معزز رسول آیا تھا⑰ (اس نے کہا:) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿18﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ
میرے حوالے کردو، [6] بے شک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں⑱ [7] اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں
اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿19﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ
سرکشی نہ کرو، [8] بلاشبہ میں تمھارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں⑲ [9] اور بلاشبہ میں نے اپنے رب اور
وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿20﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ
تمھارے رب کی پناہ لی ہے اس سے کہ تم مجھے سنگسار کردو⑳ [10] اور اگر تم میری بات پر ایمان نہیں لاتے

[1] یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آ گئے۔ لیکن وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے شک میں مبتلا ہیں اور اس شک کے ساتھ استہزا اور کھیل کود میں پڑے ہیں۔ [2] یہ ان کفار کے لیے تہدید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جبکہ آسمان پر دھوئیں کا ظہور ہوگا۔ اس کے سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاندانہ رویے سے تنگ آ کر نبی ﷺ نے ان کے لیے قحط سالی کی بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں ان پر قحط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ ہڈیاں، کھالیں اور مردار وغیرہ تک کھانے پر مجبور ہو گئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انھیں دھواں سا نظر آتا۔ بالآخر تنگ آ کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب ٹلنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر و عناد پھر اسی طرح عود کر آیا، چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4822) بعض کہتے ہیں کہ قرب قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن بہت کم۔ آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جبکہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اس کی شان نزول کے اعتبار سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے، تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے، اس وقت بھی اس کا ظہور ہوگا۔ [3] پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کہا اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کہیں گے۔ [4] اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی کیونکہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا، تاہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر نافرمان اس میں شامل ہوگا۔ [5] آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انھیں دنیوی خوشی، خوشحالی وفراغت سے نوازا اور پھر اپنا جلیل القدر پیغمبر بھی ان کی طرف بھیجا لیکن انھوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔ [6] عِبَادَ اللّٰهِ سے مراد یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ [7] اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔ [8] یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو۔ [9] یہ ماقبل کے لیے تعلیل ہے کہ میں ایسی حجت واضحہ ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ [10] اس دعوت وتبلیغ کے جواب میں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انھوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

Marfat.com

فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿21﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿22﴾

تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ (21) [1] پھر اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بلاشبہ یہ لوگ تو مجرم ہیں (22) [2] (حکم

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿23﴾ وَاتْرُكِ

ہوا کہ) اب میرے بندوں کو راتوں رات لے چل، یقیناً تمھارا [3] پیچھا کیا جائے گا (23) اور تو

الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿24﴾ كَمْ تَرَكُوْا

سمندر کو ساکن وخشک چھوڑ جا، [4] بلاشبہ یہ لوگ (آل فرعون) غرق شدہ لشکر ہیں (24) وہ کتنے ہی

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿25﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿26﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا

باغات [5] اور چشمے چھوڑ گئے (25) اور کھیتیاں اور شاندار محل (26) اور سامان عیش جن میں وہ مزے کر رہے

فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿27﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿28﴾

تھے (27) اسی طرح (ہوا) [6] اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان (سب) کا وارث بنا دیا (28) [7]

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿29﴾ وَلَقَدْ

پھر ان پر آسمان اور زمین نہ روئے، [8] اور نہ انھیں مہلت دی گئی (29) اور یقیناً

نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿30﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ

ہم نے بنی اسرائیل کو رسواکن عذاب سے نجات دی (30) (یعنی) فرعون

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ

سے، بلاشبہ وہ بڑا ہی سرکش (اور) حد سے گزرنے والوں میں سے تھا (31) اور بے شک ہم نے

عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿32﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ

بنی اسرائیل کو جانتے بوجھتے ہوئے جہانوں پر ترجیح دی (32) [9] اور ہم نے انھیں نشانیاں دی تھیں جن

بَلٰۗــؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿33﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿34﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا

میں کھلی آزمائش تھی (33) [10] بلاشبہ یہ لوگ تو بڑے عزم سے کہتے ہیں: (34) [11] ہمیں مرنا تو بس پہلی

مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿35﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ

بار ہے، اور ہمیں [12] دوبارہ تو نہیں اٹھایا جائے گا (35) پھر اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں

---

1 یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ لیکن مجھے قتل کرنے کی یا اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔ 2 یعنی جب انھوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کی بجائے اس کا کفر وعناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ 3 چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انھیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو! گھبرانا نہیں، تمھارا پیچھا بھی ہو گا۔ 4 رَهْوًا بمعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لاٹھی مارنے سے دریا معجزانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑ دینا تاکہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔ 5 كَمْ خبریہ ہے جو تکثیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عالی شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ یہیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔ 6 یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ 7 بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ انھی بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت مصر آ گئی یا یہ کہ داود و سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر آئے۔ 8 مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سے کوئی بھی ان کی ہلاکت پر رونے والا نہیں تھا۔ (فتح القدیر)

9 اس جہان سے مراد بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔ علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے کیونکہ قرآن میں امت محمدیہ کو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (آل عمران 110:3) ”تم بہترین امت ہو“ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے، یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہاں والوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان کی یہ فضیلت اس استحقاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔ 10 آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، ان میں آزمائش کا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے، مثلاً: فرعونیوں کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ اور من وسلویٰ کا نزول وغیرہ۔ اس میں آزمائش یہ ہے کہ ان احسانات کے بدلے میں یہ قوم اللہ کی فرماں برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔ 11 یہ اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے، اس لیے کہ سلسلۂ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا، دیکھ لو، اس کا کیا حشر ہوا۔ اگر یہ بھی اپنے کفر وشرک پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہیں ہو گا۔ 12 یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

Marfat.com

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ 36 اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ
کو لے آؤ(36) [1] کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے؟ ہم نے
قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ 37 وَمَا خَلَقْنَا
انھیں ہلاک کر دیا، بلاشبہ وہ مجرم تھے(37) [3] اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ 38 مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا
ہے اسے کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا(38) [4] ہم نے یہ دونوں تو حق (ایک مقصد) ہی کے
بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ 39 اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
ساتھ پیدا کیے ہیں [5] اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے(39) [6] بلاشبہ فیصلے کا دن ان سب کے لیے
مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ 40 يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا
طے شدہ ہے(40) [7] اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا، اور نہ ان کی مدد ہی کی
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ 41 اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ
جائے گی(41) سوائے اس کے جس پر اللہ نے رحم کیا۔ بلاشبہ وہ نہایت غالب، خوب رحم کرنے والا
الرَّحِيْمُ 42 اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ 43 طَعَامُ الْاَثِيْمِ 44 كَالْمُهْلِ
ع 13 15
ہے(42) بے شک تھوہر کا درخت(43) گناہ گار کا کھانا ہے(44) پگھلے تانبے (یا تلچھٹ) [8] کے مانند، وہ
يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ 45 كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ 46 خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى
پیٹوں میں کھولے گا(45) تیز گرم پانی کے کھولنے کی طرح(46) [9] (حکم ہوگا:) اسے پکڑو اور گھسیٹتے
سَوَآءِ الْجَحِيْمِ 47 ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ 48
ہوئے جہنم کے درمیان لے جاؤ(47) پھر اس کے سر پر تیز گرم پانی کا عذاب انڈیلو(48) (مزہ)
ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ 49 اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ
چکھ! بے شک تو بڑا عزت والا، بڑا کریم والا (بنا پھرتا) تھا(49) [11] بلاشبہ یہی وہ (عذاب) ہے جس
تَمْتَرُوْنَ 50 اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ 51 فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ 52
میں تم شک کرتے تھے(50) بے شک متقین سکھ چین کی جگہ ہوں گے(51) باغات اور چشموں میں(52)

[1] اے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمھارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔ یہ ان کا جدل اور کٹ حجتی تھی کیونکہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا یا کر دینا۔ [2] یعنی یہ کفار مکہ کیا تبع اور ان سے پہلے کی قومیں، عاد وثمود وغیرہ سے زیادہ طاقت ور اور بہتر ہیں؟ جب ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی پاداش میں، ان سے زیادہ قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تبع سے مراد قوم سبا ہے۔ سبا میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور حبشہ کے فرماں روا کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تابعہ میں سے بعض تبع کو بڑا عروج حاصل ہوا حتی کہ بعض مؤرخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچ گیا، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت و طاقت، شوکت وحشمت اور فراغت و خوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ سبا کی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تبع کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب وشتم نہ کرو۔ (مجمع الزوائد:8/145، وصحیح الجامع للألباني:2/1223) تاہم ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔ [3] یہی مضمون اس سے قبل سورۂ حجر 15:85، سورۂ مؤمنون 23:115،116، سورۂ ص 38:27 وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے۔ [4] وہ مقصد یا درست تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دی جائے۔ [5] یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپروا اور دنیا میں منہمک ہیں۔ [6] یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔ [7] جیسے فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (المؤمنون 23:101) ''پس جب صور پھونک دیا جائے گا تو ان کے درمیان رشتے ہی نہ رہیں گے۔'' وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا (المعارج 70:10) ''اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہیں پوچھے گا۔'' [8] مُهْل پگھلا ہوا تانبہ، آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تلچھٹ (دُرْدِيّ جام) تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلی سی مٹی کی تہ رہ جاتی ہے۔ [9] وہ زقوم کی خوراک کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی [10] یہ جہنم پر مقرر فرشتوں سے کہا جائے گا۔ سَوَآء بمعنی وسط (درمیان)۔ [11] یعنی دنیا میں اپنے طور پر تو بڑا ذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

Marfat.com

يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿53﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم

وہ باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿53﴾ [1] اسی طرح ہوگا [2] اور ہم غزال

بِحُورٍ عِينٍ ﴿54﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ

چشم (بڑی بڑی آنکھوں والی) حوروں کو ان کی بیویاں بنادیں گے ﴿54﴾ [3] وہاں وہ اطمینان سے ہر

آمِنِينَ ﴿55﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ

قسم کا پھل طلب کریں گے ﴿55﴾ [4] وہاں وہ موت (کا مزہ) نہ چکھیں گے [5] سوائے پہلی موت کے

وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿56﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ

اور وہ (اللہ) انھیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا ﴿56﴾ (یہ) آپ کے رب کا فضل ہوگا [6] یہی

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿57﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

بہت بڑی کامیابی ہے ﴿57﴾ بس (اے نبی!) ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان

يَتَذَكَّرُونَ ﴿58﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿59﴾ ع 3 17 16

کردیا ہے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿58﴾ لہٰذا (اب) آپ انتظار کیجیے۔ بلاشبہ وہ بھی منتظر ہیں ﴿59﴾ [7]

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ

آیاتها: 37 | رکوعاتها: 4

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حمٓ ﴿1﴾ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿2﴾ إِنَّ فِي

حمٓ ﴿1﴾ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو بڑا زبردست، نہایت حکمت والا ہے ﴿2﴾

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿3﴾ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا

بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں مومنوں کے لیے واقعی نشانیاں ہیں ﴿3﴾ اور تمھاری پیدائش میں، اور ان چلنے

يَبُثُّ مِن دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿4﴾ وَاخْتِلَافِ

پھرنے والوں میں جو وہ پھیلاتا ہے، ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں ﴿4﴾ اور رات اور

[1] اہل کفر وفسق کے مقابلے میں اہل ایمان وتقویٰ کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنھوں نے اپنا دامن کفر وفسق اور معاصی سے بچائے رکھا تھا۔ اَمِیْنٍ کا مطلب ایسی جگہ جہاں ہر قسم کے خوف اور اندیشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔ [2] یعنی متقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معاملہ ہو گا۔ [3] حُور حَوْرَاءُ کی جمع ہے۔ یہ حَوَرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی انتہائی سیاہ ہو اور اس وجہ سے ان کو حُورٌ کہا جاتا ہے کہ آنکھیں اسی وصف سے متصف ہوں گی۔ یا انھیں حُور اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی۔ عِیْنٍ عَیْنَاءُ کی جمع ہے، کشادہ چشم، جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو بیویاں ضرور ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ جتنی چاہے اس کو حوریں دے گا جو حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہوں گی، البتہ ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے کہ شہید کو خصوصی طور پر 72 حوریں ملیں گی۔ (جامع الترمذي، حديث: 1663) [4] اٰمِنِیْنَ (بے خوفی کے ساتھ) کا مطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہوگا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف۔ یا موت، تھکاوٹ اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔ [5] یعنی دنیا میں انھیں جو موت آئی تھی، اس موت کے بعد انھیں موت کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ ”موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لا کر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا، اے جنتیو! تمھارے لیے جنت کی زندگی دائمی ہے، اب تمھارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمھارے لیے جہنم کا عذاب دائمی ہے، موت نہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4730، و صحيح مسلم، حديث: 2849) دوسری حدیث میں فرمایا: ”اے جنتیو! تمھارا مقدر اب صحت وقوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہوگے۔ تمھارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمھارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، ان میں کمی نہیں ہوگی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہوگا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6548، و صحيح مسلم، حديث: 2837 واللفظ له) [6] جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا: ”یہ بات جان لو! تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔“ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی؟ فرمایا: ”ہاں، مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں ڈھانپ لے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6463، وصحيح مسلم، حديث: 2818) [7] تو عذاب الٰہی کا انتظار کر، اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ منتظر ہیں اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ ونفوذ سے قبل ہی شاید آپ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔

Marfat.com

اَلَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ
دن کے آنے جانے میں، اور اس رزق (پانی) میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے
رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ
ذریعے سے زمین کو، اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، زندہ کیا،[1] اور ہواؤں کے (رخ) بدلنے میں
اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (5) تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ
ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں (5) [2] یہ اللہ کی آیات ہیں، ہم آپ پر حق کے ساتھ
بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (6)
ان کی تلاوت کرتے ہیں، پھر اللہ اور اس کی آیات کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ (6) [3] ہر
وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ (7) یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ
سخت جھوٹے، گناہ گار کے لیے ہلاکت ہے (7) [4] جو اللہ کی آیات سنتا ہے جبکہ وہ اس پر تلاوت کی
ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ
جاتی ہیں، پھر وہ تکبر کرتے ہوئے (اپنی بات پر) اڑ جاتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں،[5] تو (اے
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (8) وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا
نبی!) آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے (8) اور جب اس نے ہماری کچھ آیات
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ (9) مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ
جان لیں تو انھیں مذاق بنا لیا،[6] یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے (9) ان کے آگے
وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ
جہنم ہے،[7] اور جو کچھ انھوں نے کمایا ہے ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا[8] اور نہ وہ (دیوتا کام آئیں
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (10) هٰذَا
گے) جنھیں انھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا لیا،[9] اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے (10) یہ
هُدًی وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ
(قرآن) تو ہدایت ہے،[10] اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، ان کے لیے سخت
رِّجْزٍ اَلِیْمٌ (11) اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ
قسم کا دردناک عذاب ہے (11) [11] اللہ وہی ہے جس نے سمندر[12] کو تمھارے تابع کر دیا تاکہ اس کے حکم

ع 1/11/17

[1] آسمان و زمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ، آفاق و اَنفس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔ [2] یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال و جنوب کو، کبھی پورب و پچھم (مشرق و مغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوائیں اور کبھی بری ہوائیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوائیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوائیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ جھلسا دینے والی اور محض گرد و غبار کا طوفان۔ ہواؤں کی اتنی قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دو یا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سارا اور ہر قسم کا تصرف صرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنیٰ سا تصرف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورۂ بقرہ 164:2 بھی ہے۔ [3] یعنی اللہ کا نازل کردہ قرآن جس میں اس کی توحید کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانیوں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں، جن پر یہ ایمان لائیں گے؟ بَعْدَ اللّٰهِ کا مطلب ہے، بَعْدَ حَدِیْثِ اللّٰهِ وَ بَعْدَ اٰیَاتِهٖ "اللہ کی بات اور اُس کی نشانیوں کے بعد" یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ (الزمر 23:39) میں ہے۔ "اللہ نے سب سے بہتر حدیث (بات) نازل فرمائی۔" [4] اَفَّاكٍ بمعنی کذاب، اَثِیْمٍ بہت گناہ گار۔ وَیْلٌ بمعنی ہلاکت یہ جہنم کی ایک وادی کا نام۔ [5] یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غرور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ [6] یعنی اول تو وہ قرآن کو غور سے سنتا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزا اور مذاق کا موضوع بنا لیتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نافہمی کی وجہ سے یا کفر و معصیت پر اصرار و استکبار کی وجہ سے۔ [7] یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جہنم ہے۔ [8] یعنی دنیا میں جو مال انھوں نے کمایا ہوگا، جس اولاد اور جتھے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے، وہ قیامت والے دن انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ [9] جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبود بنا رکھا تھا، وہ اس روز ان کو نظر ہی نہیں آئیں گے، مدد تو انھوں نے کیا کرنی ہوگی؟ [10] یعنی قرآن کیونکہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے، اس لیے اس کے سرتاپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس کے لیے اپنا سینہ وا کرے گا۔ بصورت دیگر تو ع..... راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل

Marfat.com

فِيْهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (12)
سے اس میں کشتیاں[1] چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل[2] تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو (12)[3] اور اس نے اپنی
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا
طرف سے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب تمھارے تابع کر دیا[4] بے شک اس میں
مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (13) قُلْ لِّلَّذِيْنَ
ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں (13) (اے نبی!) آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے:
اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ أَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ
کہ وہ ان لوگوں سے عفو ودرگزر کریں جو اللہ کے ایام (گرفت کے دنوں) کی امید نہیں رکھتے[5] تاکہ اللہ قوم
قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (14) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۚ
لوگوں کو ان (اعمال) کی سزا دے جو وہ کماتے رہے (14)[6] جس نے نیک عمل کیا تو اپنے (فائدے کے)
وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (15)
لیے ہی کیا، اور جس نے برا کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے[7] پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (15)[8]
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ
اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت[9] اور نبوت دی، اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزوں
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (16) وَاٰتَيْنٰهُمْ
سے رزق دیا،[10] اور ہم نے انھیں جہانوں پر فضیلت دی (16)[11] اور ہم نے انھیں دین کی بابت واضح واضح
بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
(نشانیاں) دیں،[12] پھر انھوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی محض آپس کی بغاوت و عداوت
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
سے، اختلاف کیا[13] بے شک آپ کا رب روز قیامت ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا[14] جن
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (17) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ
میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں (17) پھر ہم نے (اے نبی!) آپ کو دین کے (واضح) راستے پر لگا دیا[15]

ہی نہیں۔ والا معاملہ ہوگا۔ [11] اَلِيْمٌ عَذَابٌ کی صفت ہے، بعض اسے رِجْزٍ کی صفت بناتے ہیں۔ رِجز بمعنی عَذَابٍ شَدِيدٍ۔ [12] یعنی اس کو ایسا بنا دیا کہ تم کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کرسکو۔ [1] یعنی سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، یہ تمھارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجوں کو اتنا سرکش بنا دیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندر میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ [2] یعنی تجارت کے ذریعے سے اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (مچھلی وغیرہ) کا شکار کر کے۔ [3] یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تسخیر بحر کی وجہ سے تمھیں حاصل ہوتی ہیں۔ [4] مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تمھاری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمھارے مصالح ومنافع اور تمھاری معاش سب انھی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روشن ستارے، بارش، بادل اور ہوائیں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا مطلب، اپنی رحمت اور فضل خاص سے ہے۔ [5] یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور اَيَّامَ اللّٰهِ سے مراد وقائع ہیں، جیسے وَذَكِّرْهُمْ بِأَيّٰىمِ اللّٰهِ (ابراهیم 5:14) میں ہے۔ مطلب ہے کہ ان کافروں سے عفو ودرگزر سے کام لو جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قابل ہو گئے تو پھر سختی کا اور ان سے ٹکرا جانے (جہاد) کا حکم دے دیا گیا۔ [6] یعنی جب تم ان کی ایذاؤں پر صبر اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو گے تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں گے جن کی سزا ہم قیامت والے دن ان کو دیں گے۔ [7] یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھا یا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس میں نیکی کی ترغیب بھی ہے اور بدی سے ترہیب بھی۔ [8] پس وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دے گا۔ نیکوں کو اچھی اور بروں کو بری۔ [9] کتاب سے مراد تورات، حکم سے حکومت و بادشاہت یا فہم وقضا کی وہ صلاحیت ہے جو فصل خصومات اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔ [10] وہ روزیاں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من وسلوٰی کا نزول بھی تھا۔ [11] یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔ [12] کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام، یا معجزات مراد ہیں، یا نبی ﷺ کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور آپ کی ہجرت گاہ کی تعیین مراد ہے۔ [13] بَغْيًا بَيْنَهُمْ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض وعناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جاہ ومنصب کی خاطر۔ انھوں نے ا...

Marfat.com

مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ 18

لہٰذا آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں[1] جو علم نہیں رکھتے (18) بلاشبہ وہ

اِنَّهُمۡ لَنۡ يُّغۡنُوۡا عَنۡكَ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضُهُمۡ

اللہ (کے عذاب) سے آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ اور بے شک ظالم لوگ ایک

اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۚ وَّاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُتَّقِيۡنَ 19 هٰذَا بَصَآئِرُ

دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ متقین کا دوست ہے (19) یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ 20 اَمۡ حَسِبَ

دلائل پر مشتمل ہے[2] اور ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے[3] جو یقین رکھتے ہیں (20) کیا جن لوگوں

الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

نے برائیوں کا ارتکاب کیا، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انھیں ان لوگوں کے مانند کردیں گے جو ایمان

2 ع 10 18

الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ 21 وَخَلَقَ

لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے[4] برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں (21)

اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ وَلِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍ

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق وعدل کے ساتھ پیدا کیا، تاکہ ہر شخص کو اس کے بدلے میں ٹھیک ٹھیک

بِمَا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ 22 اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ

جزادی جائے جو اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (22)[5] کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے

اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى

اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا[6] اور اللہ نے اسے گمراہ کردیا[7] جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس

سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ

کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگادی[8] اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال[9] دیا، پھر کون ہے جو اللہ

دین میں علم آجانے کے باوجود، اختلاف یا نبی ﷺ کی رسالت سے انکار کیا۔ [14] یعنی اہل حق کو اچھی جزا اور اہل باطل کو بری جزا دے گا۔ [15] شریعت کے لغوی معنی ہیں: راستہ، ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی ہے، پس یہاں شریعت سے مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کرلیں۔ آیت کا مطلب ہے: ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کردیا ہے جو آپ کو حق تک پہنچادے گا۔

[1] جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ [2] یعنی ان دلائل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات و حاجات وابستہ ہیں۔ [3] یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الٰہی کا موجب ہے۔ [4] یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ برابر تھے، آخرت میں بھی وہ برابر ہی رہیں گے کہ مر کر یہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید۔ نہ بدکار کو سزا، نہ ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ان کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ [5] اور عدل یہی ہے کہ قیامت والے دن بے لاگ فیصلہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے جس کی تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے کیونکہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم، یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مُسلّمات سے انحراف بھی، اس لیے جس طرح کانٹے بو کر انگور کی فصل حاصل نہیں کی جاسکتی، اسی طرح بدی کا ارتکاب کرکے وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔ [6] یعنی وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا قرار دیتا ہے، یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر یا مفادات کی اسیر ہو کر خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کرسکتی ہے۔ ایک معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں: جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت اور برہان کے بغیر اپنی مرضی سے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پتھر کو پوجتا تھا جب اسے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنا لیتا۔ (فتح القدیر) [7] یعنی بلوغ علم اور قیام حجت کے باوجود وہ گمراہی کا ہی راستہ اختیار کرتا ہے، جیسے بہت سے پندار علم میں مبتلا گمراہ اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن "ہم چو ما دیگرے نیست" کے گھمنڈ میں وہ اپنے "دلائل" کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے تارے توڑ لائے ہیں۔ اور یوں "علم و فہم" رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ هٰذَا الۡعِلۡمِ الضَّالِّ وَالۡفَهۡمِ السَّقِيۡمِ وَالۡعَقۡلِ الزَّائِغِ. [8] جس سے اس کے کان وعظ و نصیحت سننے سے اور اس کا دل ہدایت کے سمجھنے سے محروم ہوگیا۔ [9] چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

Marfat.com

مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿23﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا

کے بعد اسے ہدایت دے؟[1] کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ (23) [2] اور انھوں نے کہا: بس یہی ہماری

الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ

دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں، اور ہمیں بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے[3] اور

بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿24﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

انھیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ تو بس گمان کرتے ہیں (24) اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ

ہیں جو واضح ہوتی ہیں تو ان کی دلیل بس یہی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ

دادوں کو لاؤ (25) [4] (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمھیں مارتا ہے، پھر

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾ ع 3/5 19

وہی تمھیں روز قیامت جمع کرے گا، جس میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (26) اور

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن

يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿27﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫

باطل پرست خسارے میں رہیں گے (27) اور آپ ہر امت گھٹنوں کے بل (گری) دیکھیں گے،[5] ہر

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا

امت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلائی جائے گی (انھیں کہا جائے گا:) آج تمھیں ان (اعمال)

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ

کا بدلہ دیا جائے گا جو عمل تم کرتے رہے تھے (28) (کہا جائے گا:) یہ ہماری کتاب ہے، یہ

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿29﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

تمھارے متعلق سچ سچ بولتی ہے۔[6] بلاشبہ ہم لکھواتے تھے جو تم عمل کرتے رہے تھے (29) [7] لیکن جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے،[8] تو اللہ انھیں اپنی رحمت (جنت) میں داخل کرے

[1] جیسے فرمایا: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (الأعراف 186:7) ”جس کو اللہ گمراہ کردے اُس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا اور اللہ اُن کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔“ [2] یعنی غور وفکر نہیں کرتے تا کہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔ [3] یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت وحیات کا سلسلہ محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے، جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ، بغیر کسی صانع اور مدبر کے، از خود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ گروہ دوریہ کہلاتا ہے۔ (ابن کثیر) ظاہر بات ہے، یہ نظریہ، اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے (اس کی طرف افعال کی نسبت کر کے اسے برا کہتا ہے) حالانکہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی پھیرتا ہوں۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 4826، وصحیح مسلم، حدیث: 2246.) [4] یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ حجتی کی مظہر ہے۔ [5] ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیاء کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف ودہشت کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ (فتح القدیر) تا آنکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔ [6] اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ (الزمر 69:39) ”اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شہداء کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا۔“ یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا: مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا (الکہف 49:18) ”یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا، سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔“ [7] یعنی ہمارے علم کے علاوہ فرشتے بھی ہمارے حکم سے تمھاری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔ [8] یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کردی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہایت اہتمام اور

Marfat.com

الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿30﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
گا[1] یہی واضح کامیابی ہے﴿30﴾ اور ہاں! جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا پھر تم پر
عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ
میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟[2] تو تم نے تکبر کیا، اور تم مجرم لوگ تھے[3]﴿31﴾ اور جب (تم سے) کہا
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ
جاتا کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے: ہم نہیں
مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿32﴾
جانتے قیامت کیا ہے؟ ہمیں (قیامت کا) یونہی خیال سا آتا ہے، اور ہم (اس پر) یقین نہیں کرسکتے﴿32﴾[4]
وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا
اور ان کے سامنے ان کے اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انھیں وہ عذاب گھیر لے گا[5] جس
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿33﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ
کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے﴿33﴾ اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمھیں بھول جائیں گے جیسے تم
يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿34﴾
اپنے اس دن کی ملاقات[6] کو بھول گئے تھے، اور تمھارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمھارا مددگار کوئی نہیں﴿34﴾
ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ
یہ اس لیے کہ بے شک تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنا لیا، اور تمھیں دنیاوی زندگی نے دھوکے
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ
میں ڈال دیا تھا، لہٰذا آج وہ اس (آگ) سے نہیں نکالے جائیں گے، اور نہ ان سے اللہ کو راضی
يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿35﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ
کرنے کا مطالبہ ہی کیا جائے گا﴿35﴾[7] چنانچہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب
الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿36﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ
ہے، اور زمین کا رب ہے، جہانوں کا رب ہے﴿36﴾ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی
وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿37﴾ ع 4 11 20
ہے،[8] اور وہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے﴿37﴾

ذوق وشوق کے ساتھ کرے، جیسے بہت سی بدعات مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جو ان حلقوں میں فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرائض و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعات کا ایسا التزام ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے بدعات کو شرالامور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

[1] رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جیسے حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: «أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ» (صحيح البخاري، حديث: 4850) ''تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (تیرے اندر داخل کر کے) میں جس پر چاہوں گا، رحم کروں گا۔'' [2] یہ بطور توبیخ کے ان سے کہا جائے گا کیونکہ رسول ان کے پاس آئے تھے، انھوں نے اللہ کے احکام انھیں سنائے تھے لیکن انھوں نے پروا ہی نہیں کی تھی۔ [3] یعنی حق کے قبول کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ تم تھے ہی گناہ گار۔ [4] یعنی قیامت کا وقوع محض ظن وتخمین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔ [5] یعنی قیامت کا عذاب جسے وہ مذاق، یعنی انہونا سمجھتے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

[6] جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا: ''کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔'' وہ کہے گا: ہاں، یہ تو تحقیق ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا'' وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: «فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي» (صحيح مسلم، حديث: 2968) ''پس آج میں بھی (تجھے جہنم میں ڈال کر) چھوڑ دوں گا جیسے تو نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔'' [7] یعنی اللہ کی آیات واحکام کا استہزا اور دنیا کے فریب وغرور میں مبتلا رہنا، یہ دو جرم ایسے ہیں جنھوں نے تمھیں عذاب جہنم کا مستحق بنا دیا، اب اس سے نکلنے کا امکان ہے اور نہ اس بات ہی کی امید کہ کسی موقع پر تمھیں توبہ اور رجوع کا موقع دے دیا جائے اور تم توبہ ومعذرت کر کے اللہ کو منا لو۔ لَا يُسْتَعْتَبُونَ أَيْ لَا يُسْتَرْضَوْنَ وَيُطْلَبُ مِنْهُمُ الرُّجُوعُ إِلَى طَاعَةِ اللهِ، لِأَنَّهُ يَوْمٌ لَا تُقْبَلُ فِيهِ تَوْبَةٌ وَلَا تَنْفَعُ فِيهِ مَعْذِرَةٌ (فتح القدير) [8] جیسے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «اَلْعَظَمَةُ إِزَارِي وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي النَّارِ» (سنن ابن ماجه، حديث: 4175، وسنن أبي داود، حديث: 4090) ''عظمت میری ازار اور بڑائی میری چادر ہے، پس جو ان میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے کھینچے گا، میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا۔''

Marfat.com

آیاتہا:35 — سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا:4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا

حٰمٓ ①[1] (اس) کتاب کا نزول اللہ غالب وحکمت والے کی طرف سے ہے ② ہم نے آسمانوں

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور زمین کو اور (اس کو) جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، صحیح صحیح (غرض وغایت) اور مقررہ مدت کے

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا

لیے پیدا کیا ہے۔[2] اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ان چیزوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں جن سے انھیں

مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ڈرایا گیا ہے ③[3] آپ کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ

اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ

کہ انھوں نے زمین میں سے کیا چیز پیدا کی ہے۔ یا ان کا آسمانوں میں کوئی حصہ

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ

ہے۔[4] اس (قرآن) سے پہلے کی (نازل شدہ) کوئی کتاب یا علمی اثاثہ میرے پاس لاؤ،

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

اگر تم سچے ہو ④[5] اور اس سے زیادہ گمراہ کون شخص ہے جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا

اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ

ہے جو اسے قیامت تک جواب نہیں دے سکتا؟ جبکہ وہ ان کی پکار ہی سے

دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً

غافل ہیں ⑤[6] اور جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے،

وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے ⑥[7] اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں

[1] یہ فَوَاتِح سُوَر، یعنی حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں جنھیں ہم سورۂ لقمان کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔ [2] یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انسانوں کی آزمائش۔ دوسرا: اس کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا۔ نہ آسمان، یہ آسمان ہوگا، نہ زمین، یہ زمین ہوگی۔ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابرٰہیم 14:48) ''جس دن زمین اس زمین کے سوا بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔'' [3] یعنی عدم ایمان کی صورت میں بعث، حساب اور جزا سے جو انھیں ڈرایا جاتا ہے، وہ اس کی پروا ہی نہیں کرتے، اس پر ایمان لاتے ہیں نہ عذاب اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔ [4] ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بمعنی أَخْبِرُونِي یا أَرُونِي یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے بتلاؤ یا دکھلاؤ کہ انھوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان باطل معبودوں کو اللہ کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟ [5] یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لا کر دکھاؤ تاکہ تمھاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے ﴿اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ کے معنی واضح علمی دلیل کے کیے ہیں۔ اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور ﴿اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ سے عقلی دلیل مراد ہوگی، یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے ''اثر'' سے ماخوذ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِيَّةٌ مِّنْ عِلْمٍ پہلے انبیاء کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو، اس میں یہ بات ہو۔ [6] یعنی یہی سب سے بڑے گمراہ ہیں جو پتھر کی مورتیوں کو یا فوت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور قاصر ہی نہیں بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔ [7] یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ یونس 10:29، سورۂ مریم 19:81,82، سورۂ عنکبوت 29:25 وغیرها من الآیات) دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں: ایک تو غیر ذی روح جمادات و نباتات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویائی عطا فرمائے گا اور یہ چیزیں بول کر بتلائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدائی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قال سے نہیں، زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ أعلم. معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء، ملائکہ اور صالحین میں سے ہیں، جیسے عیسیٰ، عزیر اور دیگر عباد اللہ الصالحین ہیں۔

Marfat.com

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ
تو کافر لوگ، اس حق (قرآن) کے بارے میں جبکہ وہ ان کے پاس آچکا، کہتے ہیں: یہ تو کھلا
مُّبِيْنٌ ⑦ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ
جادو ہے⑦ بلکہ وہ کہتے ہیں: اس نے یہ خود گھڑ لیا ہے۔[1] آپ کہہ دیجیے: اگر میں نے یہ خود گھڑا ہے تو
فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
تم مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔[2] جو گفتگو تم اس (قرآن) کے بارے
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ
میں کرتے ہو وہ اس کو خوب جانتا ہے۔[3] وہ میرے اور تمھارے درمیان (بطور) گواہ کافی ہے۔[4] اور وہ
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ
نہایت بخشنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے⑧[5] کہہ دیجیے: میں رسولوں سے انوکھا نہیں،[6] اور میں نہیں
الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا
جانتا کہ میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔[7] میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری
يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
طرف وحی کی جاتی ہے، اور میں تو فقط صاف صاف ڈرانے والا ہوں⑨ کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! اگر یہ
كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
(قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو تمھارا انجام کیا ہوگا؟) اور بنی اسرائیل کا
مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ
ایک گواہ اس جیسی (کتاب اترنے) کی گواہی دے چکا، پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا،[8] بے شک

یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے۔ علاوہ ازیں شیاطین بھی انکار کریں گے، جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے: تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ○ (القصص 28:63) ''ہم تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔''

[1] اس حق سے مراد، جو ان کے پاس آیا، قرآن کریم ہے، اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے، پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بنتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔ [2] یعنی اگر تمھاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے، پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں، اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا بلکہ ایسی حالت میں مجھے مؤاخذۂ الٰہی سے بچانے کا تمھیں کوئی اختیار ہی نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ○ (الحاقة 69:44-47) ''اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' [3] یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، کبھی اسے جادو، کبھی کہانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے، یعنی وہی تمھاری ان مذموم حرکتوں کا تمھیں بدلہ دے گا۔ [4] وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمھاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت وعید ہے۔ [5] اس کے لیے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔ [6] یعنی پہلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آچکے ہیں۔ [7] یعنی دنیا میں۔ میں مکے میں ہی رہوں گا یا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمھارے ہاتھوں میرا قتل ہوگا؟ تم جلد ہی سزا سے دوچار ہو گے یا لمبی مہلت تمھیں دی جائے گی؟ ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمھارے ساتھ کل کیا ہوگا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جہنم میں جائیں گے۔ حدیث میں جو آتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کی وفات پر، جب ان کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنا دیا تو فرمایا: «وَاللّٰهِ! مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ» (صحيح البخاري، حديث: 3929) ''اللہ کی قسم! مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟'' اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی، یقینی انجام کے علم کی نفی ہے۔ الّا یہ کہ ان کی بابت بھی نص موجود ہو، جیسے عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر وغیرہ۔ [8] اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان

Marfat.com

ع 10/1 إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا⑩ اور کفر کرنے والوں نے ایمان لانے والوں سے کہا: اگر

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ

وہ (دین) بہتر ہوتا تو وہ (عام لوگ) اس (کو قبول کرنے) میں ہم سے پہل نہ کرتے، اور جب

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ

انھوں نے اس (قرآن) کے ذریعے سے ہدایت نہ پائی تو اب وہ ضرور کہیں گے کہ یہ قدیم جھوٹ

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ

ہے⑪ [1] اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی، اور یہ (قرآن) عربی زبان میں

مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى

تصدیق کرنے والی کتاب ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کو ڈرائے جنھوں نے ظلم کیا، اور نیکی کرنے والوں کے

لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

لیے خوش خبری ہے⑫ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے، تو

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے⑬ یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ

(یہ) ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کیا کرتے تھے⑭ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ

بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ

حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور تکلیف [2] سے جنا،

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے، [3] حتی کہ جب وہ اپنی قوت وطاقت (کمال جوانی) کو

لانے والا اس کا مصداق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکے میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3812 ، وصحيح مسلم، حديث: 2483) اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ عَلٰى مِثْلِهٖ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰهِ ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کی مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے، اس لیے اس کے بعد تمھارے انکار و استکبار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمھیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیے۔

1 کفار مکہ حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو جو غریب و نادار قسم کے لوگ تھے لیکن اسلام قبول کرنے میں انھیں سَابِقِيَّتْ کا شرف حاصل ہوا، دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے، یعنی اپنے طور پر انھوں نے اپنی بابت یہ فرض کرلیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا جھوٹ ہے، یعنی قرآن کو انھوں نے پرانا جھوٹ قرار دیا ہے، جیسے وہ اسے اساطیر الاولین بھی کہتے تھے، حالانکہ دنیوی مال و دولت میں ممتاز ہونا عنداللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عنداللہ مقبولیت کے لیے تو ایمان و اخلاص کی ضرورت ہے اور اس دولت ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے، جیسے وہ مال و دولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

2 اس مشقت و تکلیف کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماں، اس حکم احسان میں، باپ سے مقدم ہے کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی (وضع حمل) کی تکلیف، صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے، اسی طرح رضاعت کی تکلیف بھی اکیلی ماں ہی اٹھاتی ہے، باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمھاری ماں'' اس نے پھر یہی پوچھا: آپ نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: ''پھر تمھارا باپ۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2548) 3 فِصَالٌ کے معنی: دودھ چھڑانا ہیں۔ اس سے بعض صحابہ نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے، یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی کا ہوگا، حرام کا نہیں، اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دو سال

Marfat.com

وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا[1] تو اس نے دعا کی: اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے[2] کہ میں تیری اس
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی، اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے،
تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ
اور تو میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی، اور بلاشبہ میں مسلمانوں
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿15﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ
میں سے ہوں ﴿15﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم اچھے عمل قبول کرتے ہیں، جو انھوں نے کیے، اور
مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ
ان کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، (تو یہ) جنتیوں میں ہوں گے۔ (یہ) سچا وعدہ ہے جو
الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿16﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ
ان سے کیا جاتا رہا ہے ﴿16﴾ اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اُف (افسوس) ہے![3] کیا تم
لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ
دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ مجھے (قبر سے) نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر
قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
چکی ہیں[4] جبکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے (اور کہتے) ہیں: تو ہلاک ہوجائے! ایمان لے آ، بے شک
حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿17﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
اللہ کا وعدہ سچا ہے، تب وہ کہتا ہے: یہ تو بس اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿17﴾ [5] یہ وہ لوگ ہیں جن
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
پر (اللہ کے عذاب کی) بات ثابت ہوگئی،[6] جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو ان
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿18﴾ وَلِكُلٍّ
سے پہلے گزرے ہیں،[7] بے شک وہ خسارہ پانے والے تھے ﴿18﴾ اور ہر ایک کے لیے اس کے
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ
اعمال کے مطابق درجے ہیں،[8] تاکہ وہ (اللہ) انھیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے، اور ان پر ظلم
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿19﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ
نہیں کیا جائے گا ﴿19﴾ [9] اور جس دن اہل کفر کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا،[10] (تو کہا جائے گا:) تم

(24 مہینے) بتلائی ہے۔ (سورۂ بقرہ 233:2، سورۂ لقمان 14:31) اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔

[1] اَشُدَّهٗ کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے 18 سال سے تعبیر کیا ہے حتیٰ کہ پھر بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عمر قوائے عقلی کی مکمل پختگی کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (فتح القدیر) [2] اَوْزِعْنِيْٓ بمعنی اَلْهِمْنِيْ ہے، مجھے توفیق دے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ اس عمر کے بعد انسان کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے، یعنی رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ سے مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ تک۔ [3] سابقہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بدبخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جارہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے۔ اُفٍّ لَّكُمَآ افسوس ہے تم پر، اُف کا کلمہ، ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی نافرمان اولاد، باپ کی ناصحانہ باتوں پر یا دعوت ایمان وعمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصداق ہے۔ [4] مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہوکر دنیا میں نہیں آئے، حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت والے دن زندہ ہونا ہے جس کے بعد حساب ہوگا۔ [5] ماں باپ مسلمان ہوں اور اولاد کافر تو وہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح تکرار اور بحث ہوتی ہے جس کا ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ [6] جو پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (صٓ 85:38) ''میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔'' [7] یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہوگئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت والے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ [8] مومن اور کافر، دونوں کا ان کے عملوں کے مطابق اللہ کے ہاں مرتبہ ہوگا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں گے اور کافر جہنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔ [9] گناہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکوکار کے صلے میں کمی نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کو خیر یا شر میں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔ [10] یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے

Marfat.com

طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

نے دنیاوی زندگی ہی میں اپنی لذتوں کا (پورا) حصہ لے لیا، اور تم نے ان سے فائدہ اٹھا لیا، چنانچہ آج

عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

تمھیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی[1] اس لیے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے رہے، اور اس

وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿20﴾ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ

لیے کہ تم فسق و فجور کرتے رہے[2] ﴿20﴾ اور عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجیے جب اس نے احقاف (یمن)

بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا

میں اپنی قوم کو ڈرایا[3] اور یقیناً اس سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے گزر چکے اور اس کے بعد بھی، یہ کہ تم

تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿21﴾

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بلاشبہ میں تم پر ایک بہت بڑے دن[4] کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿21﴾

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا

انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہمیں ہمارے معبودوں (کی پرستش) سے پھیر

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿22﴾ قَالَ اِنَّمَا

دے[5] چنانچہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آ جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے ﴿22﴾

الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ

(ہود نے) کہا: بس (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں تمھیں وہ چیز پہنچا رہا ہوں جس کے

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿23﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ

ساتھ مجھے بھیجا گیا[6] اور لیکن میں تمھیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ تم جہالت کرتے ہو ﴿23﴾[7] پھر جب انھوں

عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ

نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ ان کی وادیوں کے سامنے ایک بادل چلا آ رہا ہے تو وہ کہنے لگے: یہ بادل ہم

مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ

پر بارش برسانے والا ہے[8] (ہود نے کہا: نہیں!) بلکہ یہ تو وہ (عذاب) ہے جسے تم جلدی طلب کرتے تھے،[9]

ہٹا دیے جائیں گے اور وہ جہنم کی آگ دیکھ رہے یا اس کے قریب ہوں گے۔ بعض نے يُعْرَضُ کے معنی يُعَذَّبُوْنَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں: کلام میں قلب ہے۔ مطلب ہے کہ جب آگ ان پر پیش کی جائے گی۔ تُعْرَضُ النَّارُ عَلَيْهِمْ۔ (فتح القدير)

[1] طَيِّبَاتٌ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق وشوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور لذت و فرحت محسوس کرتے ہیں لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہو تو بات اور ہے، جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی کی اطاعت کر کے شکر الٰہی کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے لیکن فکر آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال انسان کو سرکش اور باغی بنا دیتا ہے، جیسے کافر کا رویہ ہوتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے، چنانچہ مومن کو تو اس کے شکر و اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی جبکہ کافروں کو وہی کچھ کہا جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ ...... کا دوسرا ترجمہ ہے ''دنیا کی زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھا لیا۔'' [2] ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے: ناحق تکبر، جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور دوسرا: فسق، یعنی بے خوفی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترکہ ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔ ملحوظہ: بعض صحابۂ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے سامنے عمدہ خوراک وغیرہ آتی تو یہ آیت انھیں یاد آ جاتی اور وہ اس ڈر سے اسے ترک کر دیتے کہ کہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں لوٹ لیے۔ (تفسير القرطبي) تو یہ ان کی وہ کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی مظہر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ [3] أَحْقَافٌ حِقْفٌ کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلا، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم (عاد اولیٰ) کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضرموت (یمن) کے قریب تھا۔ کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر نبی ﷺ کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ [4] يَوْمٍ عَظِيْمٍ سے مراد قیامت کا دن ہے جسے اس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔ [5] لِتَاْفِكَنَا: لِتَصْرِفَنَا یا لِتَمْنَعَنَا یا لِتُزِيْلَنَا سب متقارب المعنی ہیں۔ تاکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔ [6] یعنی عذاب کب آئے گا؟ یا دنیا میں نہیں آئے گا بلکہ آخرت میں تمھیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔ [7] کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرے، مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ [8] عرصۂ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، امنڈتے بادل دیکھ کر

Marfat.com

فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿24﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ
(یہ) آندھی ہے، اس میں نہایت دردناک عذاب ہے ﴿24﴾[1] وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ
رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي
کردے گی، پھر وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوا وہاں کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا،[2] ہم
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿25﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ
مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿25﴾ اور یقیناً ہم نے قوم عاد کو اس چیز کی قدرت دی تھی
فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا
جس کی تمھیں قدرت نہیں دی، اور ہم نے انھیں کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے،
أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ
تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا[3]
مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ
جبکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے اور انھیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿26﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ
اڑاتے تھے ﴿26﴾[4] اور البتہ تحقیق ہم نے تمھارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کردیں،[5] اور ہم نے
الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿27﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ
آیات پھیر پھیر کر بیان کیں تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں ﴿27﴾[6] پھر ان لوگوں نے ان کی
الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا
مدد کیوں نہ کی جنھیں انھوں نے قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا رکھا
عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿28﴾ وَإِذْ
تھا، بلکہ وہ (معبود) ان سے گم ہوگئے، اور یہ تھا ان کا جھوٹ، اور ان کا افترا ﴿28﴾[7] اور (یاد کیجیے)

خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی۔ بادل کو عَارِضٌ اس لیے کہا ہے کہ بادل عرض آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔
[9] یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں کہا کہ یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔
[1] یعنی وہ ہوا جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی اٹھی اور نکلی اور اللہ کی مشیت سے ان کو اور ان کی ہر چیز کو تباہ کرگئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی لیکن آپ کے چہرے پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا جبکہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کردی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:4829، و صحيح مسلم، حديث: 899) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب باد تند چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ» (صحيح مسلم، حديث: 899) ''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس ہوا کی خیر و برکت اور جو خیر اس میں ہے اس کی اور جس خیر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے، اس کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس ہوا کے شر سے اور اس شر سے جو اس میں ہے اور اس شر سے جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔'' اور جب آسمان پر بادل گہرے ہو جاتے تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی جس سے آپ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے، پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ اطمینان کا سانس لیتے۔ (صحيح مسلم، حديث: 899) [2] یعنی مکین (گھر والے) سب تباہ ہوگئے اور صرف مکانات (گھر) نشان عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔ [3] یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں جنھیں ہم نے ہلاک کیا، قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں لیکن جب انھوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دل) کو حق کے سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا تو بالآخر ہم نے انھیں تباہ کردیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں۔ [4] یعنی جس عذاب کو وہ انہونا سمجھ کر بطور استہزا کہا کرتے تھے کہ لے آ اپنا عذاب! جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے، وہ عذاب آیا اور اس نے انھیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔ [5] آس پاس سے عاد، ثمود اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف آتے جاتے ان سے ان کا گزر ہوتا تھا۔ [6] یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کرلیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ [7] یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، انھوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ وہ اس موقع پر آئے ہی نہیں بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو الٰہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انھیں بارگاہ الٰہی میں قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس وسیلے کو یہاں إِفْكٌ (جھوٹ) اور افترا (بہتان) قرار دے کر واضح فرما دیا کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

Marfat.com

صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ

جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پھر جب وہ

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا

اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے، تو (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو،[1] چنانچہ

اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿29﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

جب (تلاوت) ختم ہوگئی[2] تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر پھرے ﴿29﴾ انھوں نے کہا: اے

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا

ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق

بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿30﴾

کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں، وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے ﴿30﴾ اے

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ

ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات کو قبول کرلو، اور اس پر ایمان لے آؤ،[3] وہ تمھارے لیے تمھارے

ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿31﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ

(کچھ) گناہ بخش دے گا، اور وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب سے پناہ دے گا ﴿31﴾[4] اور جو کوئی

دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ

اللہ کے داعی کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا[5] اور اللہ کے

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿32﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ

سوا اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا،[6] یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿32﴾ کیا انھوں نے دیکھا (جانا) نہیں

[1] صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نَخْلَہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو اس وجہ سے تجسس تھا کہ آسمان کی خبروں اور ان کے درمیان رکاوٹیں حائل کردی گئی ہیں اور آسمان سے ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔ اس سے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے، چنانچہ مشرق ومغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتلایا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 449) صحیح بخاری میں بھی بعض باتوں کا تذکرہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3859) بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انھیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (فتح الباري: 215/7، وتفسير ابن كثير وغيره) [2] یعنی آپ ﷺ کی طرف سے تلاوت قرآن ختم ہوگئی۔ [3] یہ جنوں نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس سے قبل قرآن کریم کے متعلق بتلایا کہ یہ تورات کے بعد ایک اور آسمانی کتاب ہے جو سچے دین اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ [4] یہ ایمان لانے کے وہ فائدے بتلائے جو آخرت میں انھیں حاصل ہوں گے۔ ﴿مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ میں مِنْ تَبْعِيض کے لیے ہے، یعنی بعض گناہ معاف فرما دے گا اور یہ وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہوگا کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب وعقاب اور اوامر ونواہی میں جنات کے لیے بھی وہی حکم ہے جو انسانوں کے لیے ہے۔ اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں۔ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیاء و رسل انسان ہی ہوئے ہیں۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ (يوسف 109:12) ”آپ سے پہلے بھی ہم بستیوں والوں سے مردوں کو ہی بھیجتے رہے جن کی جانب ہم وحی اتارا کرتے تھے۔“ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان 20:25) ”ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔“ ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جتنے بھی رسول ہوئے، وہ انسان تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کے لیے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپ ﷺ ہی ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے اس مقام سے ظاہر ہے۔ [5] یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ زمین کی وسعتوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اللہ کی گرفت میں نہ آسکے۔ [6] جو اسے اللہ کے عذاب سے بچالیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے بچنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

Marfat.com

اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ

کہ بے شک اللہ، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے اکتایا نہیں، اس

بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿33﴾

پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔ کیوں نہیں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے (33)[1] اور جس دن اہل کفر

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا

آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ (دوزخ) حق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں

بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

گے: کیوں نہیں، ہمارے رب کی قسم![2] (یہ حق ہے) اللہ فرمائے گا: اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب (کے

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿34﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ

مزے) چکھو (34)[3] تو (اے نبی!) آپ صبر کریں جس طرح عزم و ہمت والے رسولوں نے صبر کیا، اور ان

مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ

کے لیے جلدی (عذاب) طلب نہ کریں،[4] گویا کہ وہ (کافر) جس دن اس (عذاب) کو دیکھیں گے جس کا

مَا یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ

ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (تو سمجھیں گے کہ) وہ تو (دنیا میں) دن کی بس ایک گھڑی ہی ٹھہرے۔[5] یہ (تو

فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿35﴾

پیغام) پہنچا دینا ہے،[6] چنانچہ نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا (35)[7]

آیاتھا: 38 — سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّةٌ ﷻ — رکوعاتھا: 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿1﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا،[8] اللہ نے ان کے عمل ضائع کر دیے (1)[9] اور

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے، جو محمد (ﷺ)

عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ

پر نازل کیا گیا،[10] اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں[11] اور

سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿2﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا

ان کے حال کی اصلاح کر دی (2)[12] یہ اس لیے کہ[13] بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے باطل کی

---

[1] رأي سے، علم مراد ہے، یعنی کیا انھوں نے نہیں جانا۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا یا أَلَمْ يَتَفَكَّرُوا کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے جن کی وسعت و بے کرانی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنا کر تھکا بھی نہیں۔ کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ کی صفت سے متصف ہے۔ [2] وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے۔ لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اعتراف نہیں تو کیا انکار کریں گے؟ [3] اس لیے کہ جب ماننے کا وقت تھا، اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر اور انکار کا بدلہ ہے جو اب تمھیں بھگتنا ہی بھگتنا ہے۔ [4] یہ کفار مکہ کے رویے کے مقابلے میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ [5] قیامت کا ہولناک عذاب دیکھنے کے بعد انھیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہو گی جیسے دن کی صرف ایک گھڑی یہاں گزار کر گئے ہیں۔ [6] یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ أَيْ هٰذَا الَّذِي وَعَظْتُهُمْ بِهِ بَلٰغٌ یہ وہ نصیحت یا پیغام ہے جس کا پہنچانا تیرا کام ہے۔ [7] اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔ ✽ اس کا دوسرا نام اَلْقِتَال بھی ہے۔ [8] بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں۔ لیکن یہ عام ہے، ان سمیت سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔ [9] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے انھیں ناکام بنا دیا اور انھی پر ان کو الٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکارم اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً: صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، مہمان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انھیں آخرت میں نہیں ملے گا کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہو گا۔ [10] ایمان میں اگرچہ وحی محمدی، یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور نمایاں کرنے کے لیے اس کا علیحدہ بھی ذکر فرما دیا۔ [11] یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرما دیں جیسا کہ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ ''اسلام ماقبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 121) [12] بَالَهُمْ کے معنی: أَمْرَهُمْ، شَأْنَهُمْ، حَالَهُمْ، یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ

Marfat.com

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ
پیروی کی، اور بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے انھوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی،
كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ﴿3﴾ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ
اللہ اسی طرح لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے﴿3﴾[1] چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں
كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا
سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو،[2] حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو)
الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ
بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو،[3] پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے،[4] حتی کہ
أَوْزَارَهَا ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ
لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے،[5] (حکم) یہی ہے،[6] اور اگر اللہ چاہتا (تو خود ہی) ان سے بدلہ لے لیتا،[7] لیکن
لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ
(اس نے تمھیں حکم دیا ہے) تاکہ وہ تمھیں ایک دوسرے سے آزمائے،[8] اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل (شہید)
اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿4﴾ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ
کیے گئے، تو اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا﴿4﴾[9] وہ جلد ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کے حال
بَالَهُمْ ﴿5﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿6﴾
کی اصلاح کرے گا﴿5﴾[10] اور وہ انھیں (اس) جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو خوب پہچان کروا چکا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ
ہے﴿6﴾[11] اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا[12] اور

انھیں معاصی سے بچا کر رشد وخیر کی راہ پر لگا دیا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں۔ علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔ [13] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مبتدا ہے یا خبر ہے مبتدا محذوف کی، أَيْ الْأَمْرُ ذٰلِكَ یہ اشارہ ہے ان وعیدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مومنوں کے لیے بیان ہوئے۔

[1] تا کہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز وفلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔ [2] جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کی بجائے گردنیں مارنے کا حکم دیا کہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدير) [3] یعنی زوردار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے جو آدمی قابو میں آ جائیں، انھیں قیدی بنا لو اور مضبوطی سے انھیں جکڑ کر رکھو تا کہ وہ بھاگ نہ سکیں۔ [4] ﴿مَنًّا﴾ کا مطلب ہے: بغیر فدیہ لیے بطور احسان چھوڑ دینا اور ﴿فِدَآءً﴾ کا مطلب کچھ معاوضہ لے کر چھوڑنا ہے۔ قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا گیا جو صورت حالات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔ [5] یعنی کافروں کے ساتھ جنگ ختم ہو جائے یا مراد ہے کہ محارب دشمن شکست کھا کر یا صلح کر کے ہتھیار رکھ دے یا اسلام غالب آ جائے اور کفر کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ صورت حال نہ ہو جائے، کافروں کے ساتھ تمھاری معرکہ آرائی جاری رہے گی جس میں تم انھیں قتل بھی کرو گے، قیدیوں میں تمھیں مذکورہ دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ آیت منسوخ ہے اور سوائے قتل کے کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ امام وقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے، کافروں کو قتل کرے یا قیدی بنائے اور قیدیوں کو چاہے بطور احسان چھوڑ دے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ (فتح القدير) [6] یا تم اسی طرح کرو، اِفْعَلُوْا ذٰلِكَ یا ذٰلِكَ حُكْمُ الْكُفَّارِ [7] یعنی کافروں کو ہلاک کر کے یا انھیں عذاب میں مبتلا کر کے، یعنی تمھیں ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ [8] یعنی تمھیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے تا کہ وہ جان لے کہ تم میں سے اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں؟ تا کہ ان کو اجر وثواب دے اور ان کے ہاتھوں سے کافروں کو ذلت و شکست سے دوچار کرے۔ [9] یعنی ان کا اجر وثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔ [10] یعنی انھیں ایسے کاموں کی توفیق دے گا جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا۔ [11] یعنی جسے وہ بغیر رہنمائی کے پہچان لیں گے اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو از خود ہی اپنے اپنے گھروں میں جا داخل ہوں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ایک جنتی کو اپنے جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کہیں زیادہ علم ہوگا، جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6535) [12] اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے کیونکہ وہ

Marfat.com

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا
تمھارے قدم ثابت رکھے گا⑦ [1] اور جن لوگوں نے کفر کیا، تو ان کے لیے ہلاکت ہے، اور وہ
لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ
(اللہ) ان کے اعمال ضائع کردے گا⑧ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا [2]
اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ
جو اللہ نے نازل کی، پھر اس نے بھی ان کے (نیک) اعمال ضائع کردیے⑨ [3] کیا پھر وہ زمین
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ
میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ [4] اللہ نے ان پر
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
تباہی ڈال دی، اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں⑩ [5] یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ان
مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪
لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے، اور بے شک (جو) کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں⑪ [6] بلاشبہ
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ انھیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن
تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ
کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھاتے ہیں، اور وہ
وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫
یوں (بے فکرے ہوکر) کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، [7] اور آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے⑫
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىْٓ
اور کتنی ہی بستیاں کہ وہ آپ کی اس بستی (مکہ) سے، جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا
اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ اَفَمَنْ
ہے، کہیں زیادہ طاقتور تھیں ہم نے انھیں ہلاک کردیا، پھر کوئی بھی ان کی مدد کرنے والا نہ تھا⑬ کیا پھر
كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ
وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے جس کے لیے اس کی
عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ
بدعملی پرکشش بنادی گئی، اور انھوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی؟⑭ [8] اس جنت کی صفت جس کا

اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے، یعنی انھیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے، جیسے صحابۂ کرام ؓ اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہوگئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہوگیا تھا، انھوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انھیں بھی دنیا پر غالب فرمادیا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج 22:40) ''اور اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔''

[1] یعنی لڑائی کے وقت تَثْبِيتُ أَقْدَام یہ عبارت ہے میدانِ جنگ میں امداد اور معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسلام یا پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔ [2] یعنی قرآن اور ایمان کو انھوں نے ناپسند کیا۔ [3] اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو صورتاً اعمال خیر ہیں لیکن عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ [4] جن کے بہت سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بعض تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات اور آثار موجود تھے، اس لیے انھیں چل پھر کر ان کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔ [5] یہ اہل مکہ کو ڈرایا جارہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمھارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہوسکتی ہے اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح تمھیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جاسکتا ہے۔ [6] چنانچہ جنگ احد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے، مثلاً: أُعْلُ هُبَلْ، أُعْلُ هُبَلْ (ہبل بت کی جے) کے جواب میں اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ کافروں کے انھی نعروں میں سے ایک نعرے لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا: «اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ» (صحيح البخاري، حديث: 4043) ''اللہ ہمارا مددگار ہے، تمھارا کوئی مددگار نہیں۔'' [7] یعنی جس طرح جانوروں کو پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصدِ زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً و اشارتاً کھڑے کھڑے کھانے کی اس عادت کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیونکہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہوکر کھانے کی اس عادت سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔ [8] برے کام سے مراد شرک و

Marfat.com

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ

متقین سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں (ایسے) پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں،[1] اور ایسے

وَّاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ

دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ (کبھی) تبدیل نہ ہوا ہوگا،[2] اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں

مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ

کے لیے لذیذ ہے[3] اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں،[4] اور وہاں ان (متقین) کے لیے ہر طرح کے پھل

مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ

ہوں گے، اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔ (کیا یہ لوگ) ان لوگوں کے مانند ہو سکتے ہیں

مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا

جو آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور انھیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، تو وہ ان کی آنتیں ٹکڑے

فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ⑮ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ

ٹکڑے کر دے گا؟ ⑮ اور ان (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں[5]

حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

حتی کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے، جنھیں علم دیا گیا ہے، کہتے ہیں:

مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

اس (نبی) نے ابھی کیا کہا تھا؟[6] یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور انھوں

معصیت ہیں، مطلب وہی ہے جو پہلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن و کافر، مشرک و موحد اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر و ثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں جبکہ دوسرے کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس جنت کی خوبیاں اور محاسن، جس کا وعدہ متقین سے ہے۔

1 اٰسِنٍ کے معنی: ''متغیر'' یعنی بدل جانے والا، غَيْرِ اٰسِنٍ ''نہ بدلنے والا'' یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذائقے میں تبدیلی آ جاتی ہے جس سے وہ مضرِ صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہوگی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، یعنی اس کی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب پیو، تازہ، مفرح اور صحت افزا۔

2 جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گایوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لیے جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا، خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا۔ 3 دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بدمزہ اور بدبودار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول فول بکتا ہے اور اسے اپنے جسم تک کا ہوش نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین، ذائقے میں اعلیٰ اور نہایت خوشبودار ہوگی اور اسے پی کر کوئی انسان بہکے گا نہ کوئی گرانی محسوس کرے گا بلکہ ایسی لذت و فرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا میں ممکن نہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:47) ''نہ اس سے چکر آئے گا نہ عقل جائے گی۔'' (مزید دیکھیے: سورۂ واقعہ 56:19) 4 یعنی شہد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔ بالکل صاف شفاف ہوگا کیونکہ یہ دنیا کی طرح مکھیوں سے حاصل کردہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی بھی نہریں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی تم سوال کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:2790) 5 یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے، کیا وہ ایسے جہنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہوگا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہوگا بلکہ ایک درجات میں ہوگا اور دوسرا درکات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں دادِ طرب و عیش دے رہا ہوگا، دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہوگا۔ ایک اللہ کا مہمان ہوگا جہاں انواع و اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ و کسیلا کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ، از کجا است تا بہ کجا

6 یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی، اس لیے نبی ﷺ کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آ کر صحابہ سے پوچھتے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟

Marfat.com

قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑯ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

نے اپنی خواہشات کی پیروی کی⑯ اور جن لوگوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ نے انھیں ہدایت

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ⑰ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

میں زیادہ کیا، اور انھیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا⑰[1] چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ

اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ

وہ ان کے پاس اچانک آ جائے، یقیناً اس کی نشانیاں آ چکی ہیں،[2] تو جب قیامت ان کے پاس

اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ⑱ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

آ پہنچے گی تو ان کے لیے کہاں ہوگا نصیحت حاصل کرنا⑱[3] پس (اے نبی) آپ جان لیجیے کہ بلاشبہ

اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ

اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں،[4] اور اپنے گناہ کی بخشش مانگیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی،[5] اور

ع 2/8/6 وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ⑲ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ تمھاری نقل و حرکت اور تمھارے ٹھکانے کو جانتا ہے⑲[6] اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں: (جہاد

لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ

کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی؟[7] پھر جب کوئی محکم سورت[8] نازل کی جاتی ہے اور اس میں

فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ

قتال (جہاد) کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں روگ ہے کہ وہ آپ کی طرف

اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ⑳

اس شخص کی طرح دیکھتے ہیں جس پر موت کے باعث غشی طاری ہو،[9] چنانچہ ان کے لیے ہلاکت ہے⑳

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا

اطاعت کرنا اور بھلی بات کہنا (بہتر ہے)،[10] پھر جب (جہاد کا) قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے،[11] تو اگر وہ

[1] یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے۔ [2] یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قربِ قیامت کی ایک علامت ہے جیسا کہ آپ نے بھی فرمایا: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 4936) ''میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔'' آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے ذرا سا آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ذرا سا بعد ہے۔ (دیکھیے: فتح الباري شرح صحيح البخاري، حديث: 6503 کے تحت۔) [3] یعنی جب قیامت اچانک آ جائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی، اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے ورنہ وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ ان کی توبہ بھی غیر مفید ہو گی۔ [4] یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں کیونکہ یہی توحید اور اطاعت الٰہی مدارِ خیر ہے اور اس سے انحراف، یعنی شرک اور معصیت، مدارِ شر ہے۔ [5] اس میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلَى رَبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً» (صحيح البخاري، حديث: 6307، ومسند أحمد: 211/4) ''لوگو! بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کیا کرو، میں بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔'' [6] یعنی دن کو تم جہاں پھرتے اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے اور استقرار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ [7] جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین جو جذبۂ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔ [8] یعنی ایسی سورت جو غیر منسوخ ہو۔ [9] یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گزرتا تھا، ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ شامل ہو جاتے تھے۔ سورۂ نساء 77:4 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ [10] یعنی حکم جہاد سے گھبرانے کی بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت گستاخی کی بجائے اچھی بات کہتے۔ یہ أَوْلٰی بمعنی أَجْدَرُ ہے جسے ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے أَوْلٰی کو تہدید و وعید کا کلمہ، یعنی بددعا قرار دیا ہے۔ مَعْنَاهُ قَارَبَهُ مَا يُهْلِكُهُ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے، ان کی بزدلی اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ جملہ مستانفہ ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی خَيْرٌ لَكُمْ. (فتح القدير، أيسر التفاسير) [11] یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آ جائے۔

Marfat.com

اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿21﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ

اللہ سے سچے رہیں[1] تو یہ ان کے لیے بہتر ہے (21) [2] پھر (اے منافقو!) تم سے یہی امید ہے کہ اگر

تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿22﴾ اُولٰٓئِكَ

تم حکمران بن جاؤ تو تم زمین میں فساد کرو[3] اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو (22) یہی وہ لوگ ہیں جن

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿23﴾

پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر اس نے انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (23) [4] کیا پھر

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿24﴾ اِنَّ

وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں؟ (24) [5] بے شک

الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ

جو لوگ، بعد اس کے کہ ان پر ہدایت ظاہر ہوگئی،[6] اپنی پیٹھوں کے بل پلٹ گئے، شیطان نے ان

الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿25﴾ ذٰلِكَ

کے لیے (ان کے عمل) مزین وخوشنما بنا دیے، اور (اللہ نے) انھیں ڈھیل دے دی (25) [7] یہ[8] اس

بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ

لیے کہ بے شک انھوں نے ان لوگوں (یہود) سے، جنھوں نے اس چیز (قرآن) کو ناپسند کیا جو اللہ نے

فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿26﴾ فَكَيْفَ اِذَا

نازل کی، کہا[9] کہ بعض امور[10] میں ہم آپ کی بات مانیں گے، اور اللہ ان کے راز جانتا ہے (26) [11] پھر کیا حال

تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿27﴾

ہوگا جب فرشتے ان کو فوت کریں گے؟ جبکہ وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے (27) [12]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا

یہ (مار) اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا، اور انھوں نے

رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿28﴾ ع اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

3 ع 9 / 7

اس (اللہ) کی رضامندی ناپسند کی، لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے (28) کیا ان لوگوں نے جن

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿29﴾ وَلَوْ

کے دلوں میں روگ ہے، یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینے ہرگز ظاہر نہیں کرے گا (29) [13] اور اگر ہم

نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ

چاہتے تو یقیناً آپ کو وہ (منافق) دکھا دیتے، پھر آپ انھیں ان کے چہروں کی علامتوں سے ضرور پہچان

[1] یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں یا رسول کے سامنے رسول کے ہمراہ لڑنے کا جو عہد کرتے ہیں، اس میں اللہ سے سچے رہیں۔ [2] یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ واخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔ [3] ایک دوسرے کو قتل کر کے، یعنی اختیار و اقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے ﴿ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ کا ترجمہ کیا ہے: ”تم جہاد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو۔“ یعنی تم پھر زمانۂ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عمومًا اور قطع رحمی کی خصوصًا ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تاکید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن کثیر) [4] یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سننے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) اندھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمال سَيِّئَه کا۔ [5] جس کی وجہ سے قرآن کے معانی و مفاہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔ [6] اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنھوں نے جہاد سے گریز کر کے اپنے کفر وارتداد کو ظاہر کر دیا۔ [7] اس کا فاعل بھی شیطان ہے، یعنی مَدَّ لَهُمْ فِي الْأَمَلِ وَوَعَدَهُمْ طُوْلَ الْعُمُرِ، یعنی انھیں لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں مبتلا کر دیا کہ ابھی تو تمھاری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گنواتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انھیں ڈھیل دی، یعنی فورًا ان کا مؤاخذہ نہیں فرمایا۔ [8] ”یہ“ سے مراد ان کا ارتداد ہے۔ [9] یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔ [10] یعنی نبی ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔ [11] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ﴾ (النسآء 4:81) ”اور اللہ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو (خفیہ) باتیں کرتے ہیں۔“ [12] یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انھیں پکڑتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورۂ انعام 6:93 اور سورۂ انفال 8:50 میں بھی گزر چکا ہے۔ [13] أَضْغَانٌ، ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی: حسد، کینہ اور بغض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا، اس کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے۔

Marfat.com

فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝30
لیتے،[1] اور یقیناً آپ انھیں گفتگو کے لب ولہجے سے پہچان لیں گے،[2] اور اللہ تمھارے اعمال جانتا ہے ⑳
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ
اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے حتی کہ تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں، اور
وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝31 اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
ہم تمھارے حالات جانچ لیں ㉛ [3] بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى
سے روکا، اور ان پر ہدایت واضح ہوجانے کے بعد رسول (ﷺ) کی مخالفت کی وہ اللہ کا کچھ بھی
لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝32 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
نہیں بگاڑ سکیں گے،[4] اور عنقریب وہ ان کے اعمال برباد کردے گا ㉜ [5] اے ایمان والو!
اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝33
تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے عملوں کو باطل نہ کرو ㉝ [6]
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا
بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا، اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، پھر وہ اسی حالت
وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝34 فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا
کفر میں مرگئے تو اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا ㉞ چنانچہ تم کمزور نہ پڑو اور نہ تم صلح کی طرف بلاؤ
اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ
جبکہ تم ہی غالب ہو،[7] اور اللہ تمھارے ساتھ ہے،[8] اور وہ تم سے تمھارے عملوں (کے ثواب) کو ہرگز کم
اَعْمَالَكُمْ ۝35 اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ
نہیں کرے گا ㉟ [9] بس دنیاوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے،[10] اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار

[1] یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان دہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عِیَانًا پہچان لیا جاتا لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں۔ دوسرا: اس نے انسانوں کو ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔ [2] البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے اے پیغمبر! تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے۔ یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے کہ انسانوں کے دلوں میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ انھیں لاکھ چھپائیں لیکن انسان کی گفتگو، حرکات وسکنات اور بعض مخصوص کیفیات، اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔ [3] اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا وقوع اور ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے: حَتّٰى نَعْلَمَ وُقُوْعَهٗ۔ ''یہاں تک کہ ہم اس کے وقوع کو جان لیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے: لِنَرٰى ''تاکہ ہم دیکھ لیں۔'' (ابن کثیر) [4] بلکہ اپنا ہی بیڑا غرق کریں گے۔ [5] کیونکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ ایمان واخلاص ہی ہر عمل خیر کو اس قابل بناتا ہے کہ اس پر اللہ کے ہاں سے اجر ملے۔ [6] یعنی منافقین اور مرتدین کی طرح ارتداد ونفاق اختیار کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کرو۔ یہ گویا اسلام پر استقامت کا حکم ہے۔ بعض نے کبائر وفواحش کے ارتکاب کو بھی حبطِ اعمال (عملوں کے ضائع ہونے) کا باعث گردانا ہے۔ اسی لیے مومنین کی صفات میں ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے گناہ اور فواحش سے بچتے ہیں۔ (النجم 32:53) اس اعتبار سے کبائر وفواحش سے بچنے کی اس میں تاکید ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے۔ [7] مطلب یہ ہے کہ جب تم تعداد اور قوت وطاقت کے اعتبار سے دشمن پر غالب اور فائق ہو تو ایسی صورت میں کفار کے ساتھ صلح اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو بلکہ کفر پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ اللہ کا دین سربلند ہوجائے۔ غالب وبرتر ہوتے ہوئے کفر کے ساتھ مصالحت کا مطلب، کفر کے اثر ونفوذ کے بڑھانے میں مدد دینا ہے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اجازت یقیناً ہے لیکن ہر وقت نہیں۔ صرف اس وقت ہے جب مسلمان تعداد میں کم اور وسائل کے لحاظ سے فروتر ہوں۔ ایسے حالات میں لڑائی کی بہ نسبت صلح میں زیادہ فائدہ ہے تاکہ مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھرپور تیاری کرلیں، جیسے خود نبی ﷺ نے کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ معاہدہ کیا تھا۔ (سنن أبي داود، حديث: 2765) [8] اس میں مسلمانوں کے لیے دشمن پر فتح ونصرت کی عظیم بشارت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو، اس کو کون شکست دے سکتا ہے۔ [9] بلکہ وہ اس پر پورا اجر دے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ [10] یعنی ایک فریب اور دھوکا ہے، اس کی کسی چیز کی بنیاد ہے نہ اس کو ثبات اور نہ اس کا اعتبار۔

Marfat.com

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿36﴾

کرو (تو) اللہ تمھیں تمھارے اجر دے گا، اور وہ تم سے تمھارے (تمام) مال نہیں مانگے گا ﴿36﴾ [1] اگر اللہ

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ

تم سے اس مال کا سوال کرے، پھر وہ (اس پر) اصرار کرے، تو تم بخل کرو گے، اور وہ تمھارے

اَضْغَانَكُمْ ﴿37﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ

کینے نکال باہر کرے گا ﴿37﴾ [2] سنو! تم تو وہ لوگ ہو کہ تمھیں دعوت دی جاتی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ

خرچ کرو، [3] پھر تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو بخل کرتا ہے تو بس وہ اپنے آپ

نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

ہی سے بخل کرتا ہے، [4] اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو، [5] اور اگر تم پھرو گے [6] تو اللہ تمھارے سوا

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿38﴾ ع 4/10/8

دوسرے لوگ بدل لائے گا، پھر وہ تم جیسے (نافرمان) نہ ہوں گے ﴿38﴾ [7]

اٰیَاتُهَا: 29 — سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ — رُكُوْعَاتُهَا: 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿1﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی ﴿1﴾ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر

[1] یعنی وہ تمھارے مالوں سے بے نیاز ہے۔ اسی لیے اس نے تم سے زکاۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت قلیل حصے کا، یعنی صرف ڈھائی فی صد کا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمھارے اپنے ہی بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔ [2] یعنی اگر ضرورت سے زائد کل مال کا مطالبہ کرے اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دے کر تو یہ انسانی فطرت ہے کہ تم بخل بھی کرو گے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض و عناد کا اظہار بھی، یعنی اس صورت میں خود اسلام کے خلاف بھی تمھارے دلوں میں عناد پیدا ہو جاتا کہ یہ اچھا دین ہے جو ہماری محنت کی ساری کمائی اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ [3] یعنی کچھ حصہ زکاۃ اور عام صدقات کے طور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ [4] یعنی اپنے ہی نفس کو انفاق فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے۔ [5] یعنی اللہ تمھیں خرچ کرنے کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ وہ تمھارے مال کا ضرورت مند ہے۔ نہیں، وہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے، وہ تو تمھارے ہی فائدے کے لیے تمھیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس سے ایک تو تمھارے اپنے نفسوں کا تزکیہ ہو۔ دوسرے، تمھارے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ تیسرے، تم دشمن پر غالب اور برتر رہو، اس لیے اللہ کی رحمت اور مدد کے محتاج تم ہو نہ کہ اللہ تمھارا محتاج ہے۔ [6] یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔ [7] بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا (سات ستاروں کے جھرمٹ) کے ساتھ بھی لٹکا ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔“ (جامع الترمذي، حديث: 3261، وذكره الألباني في الصحيحة: 14/3) ❁ 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ اور 14 سو کے قریب صحابہ عمرے کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے لیکن مکے کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکے بھیجا تاکہ وہ رؤسائے قریش سے گفتگو کر کے انھیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ نے صحابہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند باتوں کا معاہدہ ہوا جنھیں صحابہ کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کے دور رس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری جس میں صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہ کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس سورت کی بابت فرمایا: ”آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4177)

Marfat.com

ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا
غلطی معاف کردے،[1] اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے،[2] اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت
مُّسۡتَقِيۡمًا (2) وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا (3) هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ
دے(2)[3] اور (تاکہ) اللہ آپ کی بڑی زبردست مدد کرے(3) وہی ہے جس نے مومنوں کے
السَّكِيۡنَةَ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ
دلوں میں طمانیت وتسکین نازل کی، تاکہ ان کے ایمان میں اور ایمان کا اضافہ ہو،[4] اور
وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا (4)
آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے ہیں،[5] اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے(4)
لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
(یہ سب اس لیے کیا) تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے[6] جن کے نیچے
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا
نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور (تاکہ) ان سے ان کی برائیاں دور کردے، اور یہ اللہ
عَظِيۡمًا (5) وَّيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ
کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے(5) اور (تاکہ) منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں
وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ۚ
اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق برے گمان کرتے ہیں،[7] بری گردش انھی پر
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَهَنَّمَ ؕ
ہے،[8] اور اللہ ان پر ناراض ہوا، اور اس نے ان پر لعنت کی، اور اس نے ان کے لیے جہنم تیار کر
وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا (6) وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ
رکھا ہے، اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے(6) اور آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا (7) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا
لیے ہیں، اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے(7)[9] (اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی

[1] اس سے مراد ترک اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ نے اپنے فہم واجتہاد سے کیے لیکن اللہ نے انھیں ناپسند فرمایا، جیسے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ کا واقعہ ہے جس پر سورۂ عبس کا نزول ہوا، یہ معاملات وامور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں لیکن آپ کی شان ارفع کے پیش نظر انھیں بھی کوتاہیاں شمار کرلیا گیا جس پر معافی کا اعلان فرمایا جارہا ہے۔ لِيَغۡفِرَ میں لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی یہ فتح مبین ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت ذنوب کا سبب اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا جس سے آپ کے اجر عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنات، کفارۂ سیئات ہیں۔ [2] اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو یا فتح وغلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت یہی اتمام نعمت ہے۔ (فتح القدیر) [3] یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ [4] یعنی اس اضطراب کے بعد جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ [5] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً: فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروادے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کی بجائے مومنوں کو قتال وجہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت علیم وحکیم بیان فرمائی ہے۔ یا مطلب ہے کہ آسمان وزمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت وقوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر گروہ کو ہی دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمھارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کی مدد کا کام کسی بھی گروہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن كثير و أيسر التفاسير) [6] حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۂ فتح کا ابتدائی حصہ سنا لِيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ تو انھوں نے نبی ﷺ سے کہا: آپ کو مبارک ہو، ہمارے لیے کیا ہے۔ جس پر اللہ نے آیت لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نازل فرمادی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4172) بعض کہتے ہیں کہ یہ لِيَزۡدَادُوۡۤا یا يَنۡصُرَكَ کے متعلق ہے۔ [7] یعنی اللہ کو اس کے حکموں پر مُتَّہَم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہوجائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہوجائے گا۔ (ابن كثير) [8] یعنی یہ جس گردش، عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے منتظر ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔ [9] یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت ومشیت کے تحت ان کو

Marfat.com

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿8﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

دینے والا، اور بشارت دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ⑧ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿9﴾

ایمان لاؤ، اور تم اس کی مدد کرو، اور اس کا ادب کرو، اور تم صبح اور شام اس (اللہ) کی پاکی بیان کرو ⑨

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ

بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں،[1] اللہ کا ہاتھ ان کے

اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

ہاتھوں کے اوپر ہے،[2] پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرے گا،[3]

اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿10﴾ ع 1/10/9

اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا،[4] تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا ⑩

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا

دیہاتیوں میں سے پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ آپ سے ضرور کہیں گے: ہمارے مالوں اور ہمارے

وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ

اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا تھا، لہٰذا آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں،[5] وہ اپنی زبانوں سے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا

وہ (بات) کہیں گے جو ان کے دلوں میں نہیں ہے،[6] آپ کہہ دیجیے: پھر کون تمھارے لیے اللہ سے کسی

اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ

شے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے[7] یا کوئی نفع دینا چاہے؟[8] (کوئی بھی نہیں) بلکہ

اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿11﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ

اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو ⑪[9] بلکہ تم نے گمان کیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے اہل و

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ

عیال کی طرف ہرگز نہیں پلٹیں گے، اور یہ بات تمھارے دلوں میں پرکشش بنا دی گئی تھی، اور تم نے برا

جتنی چاہے مہلت دے دے۔

1 یعنی یہ بیعت دراصل اللہ ہی کی ہے کیونکہ اسی نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفسوں اور مالوں کا جنت کے بدلے اللہ کے ساتھ سودا ہے۔ (التوبۃ 111:9) یہ اسی طرح ہے جیسے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النسآء 80:4) ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ 2 اللہ کا ہاتھ (جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے اور اللہ ان کے ساتھ اپنے علم کے ذریعے حاضر ہے، ان کی باتیں سن اور ان کی جگہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت سن کر ان کا انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود 14 یا 15 سو مسلمانوں سے لی تھی۔ 3 نَكْثٌ (عہد شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا توڑ دینا، یعنی عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے، یعنی جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ 4 کہ وہ اللہ کے رسول کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و غلبہ عطا فرما دے۔ 5 اس سے مدینے کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جہینہ، اسلم، اشجع اور دُئل مراد ہیں۔ جب نبی ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے مکہ جانے کی عام منادی کرا دی تو مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں، وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں، نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جا سکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت مکے جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرما رہا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے طلب مغفرت کی التجائیں کریں گے۔ 6 یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا، اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا نفاق اور اندیشۂ موت کی وجہ سے تھا۔ 7 یعنی اگر اللہ تمھارے مال ضائع کرنے اور تمھارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔ 8 یعنی تمھیں مدد پہنچانا اور تمھیں غنیمت سے نوازنا چاہے تو کوئی روک سکتا ہے۔ یہ دراصل مذکورہ مُتَخَلِّفِين (پیچھے رہ جانے والوں) کا رد ہے جنھوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ اگر نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے، حالانکہ نفع و ضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ 9 یعنی تمھیں تمھارے عملوں کی پوری جزا دے گا۔

Marfat.com

ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿12﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

گمان کیا تھا،[1] اور تم لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ⑫ [2] اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا

فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿13﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

تو بلاشبہ ہم نے ایسے کافروں کے لیے خوب بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ⑬ اور آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بڑا بخشنے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿14﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى

والا، نہایت مہربان ہے ⑭ [3] عنقریب جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے چلو گے تو

مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ہمیں بھی چھوٹ (اجازت) دیجیے[4] ہم بھی تمھارے پیچھے پیچھے

يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ

چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام (وعدہ) بدل دیں،[5] کہہ دیجیے: تم ہرگز ہمارے پیچھے نہیں چلو گے،[6] اللہ

قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ

نے پہلے ہی سے یہ فرما دیا ہے۔ پھر وہ یقیناً کہیں گے: (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو،[7] (ایسا نہیں)

كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿15﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ

بلکہ وہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں ⑮ [8] آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجیے: عنقریب تم

سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ

ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔[9] پھر اگر تم

اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

اطاعت کرو گے[10] تو اللہ تمھیں نیک اجر دے گا،[11] اور اگر تم پھرو گے، جیسا کہ اس سے پہلے تم پھرے تو وہ

كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿16﴾ لَيْسَ عَلَى

تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا ⑯ [12] (جہاد سے پیچھے رہنے میں) اندھے پر کوئی گناہ نہیں،

الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے۔[13] اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی

[1] اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔ [2] بُوْرًا بَائِرٌ کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدر ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں تو بچ کر نہیں جا سکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتنا ہوگا۔ [3] اس میں مُتَخَلِّفِین کے لیے توبہ وانابت الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرما دے گا، وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ [4] اس میں غزوۂ خیبر کا ذکر ہے جس کی فتح کی نوید اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہوگا، وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے، چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ نے یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کی وجہ سے خیبر پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ مُتَخَلِّفِین نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے منظور نہیں کیا گیا۔ آیت میں مغانم سے مراد مغانم خیبر ہی ہیں۔ [5] اس ''اللہ کے کلام'' سے مراد اللہ کا خیبر کی غنیمت کا اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام، یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔ [6] یہ نفی بمعنی نہی ہے، یعنی تمھیں ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔ [7] یعنی یہ مُتَخَلِّفِین کہیں گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تا کہ مال غنیمت میں ہم تمھارے شریک نہ ہوں۔ [8] یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ [9] اس جنگجو قوم کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً: ہوازن یا ثقیف جن سے حنین کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا مسیلمہ کذاب کی قوم بنوحنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے مجوسی وعیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمھیں بلایا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمھاری اور ان کی جنگ ہوگی۔ [10] یعنی خلوص دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔ [11] دنیا میں غنیمت اور آخرت میں پچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔ [12] یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے سے گریز کیا تھا، اسی طرح اب بھی تم جہاد سے بھاگو گے تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمھارے لیے تیار ہے۔ [13] بصارت سے محرومی اور لنگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری، یہ دونوں عذر تو لازمی ہیں۔ ان اصحاب عذر یا ان جیسے دیگر معذورین کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حَرَجٌ کے معنی گناہ

Marfat.com

حَرَجٌ ۚ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

اطاعت کرے، اللہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اور جو

الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبۡهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿17﴾ لَقَدۡ رَضِىَ

شخص (حق سے) پھرے گا تو وہ اسے نہایت دردناک عذاب دے گا ﴿17﴾ البتہ تحقیق اللہ مومنوں

اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے،[1] چنانچہ ان کے دلوں میں

مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَثَابَهُمۡ

جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا،[2] تو اس نے ان پر طمانینت وتسکین نازل کی[3] اور بدلے میں

فَتۡحًا قَرِيۡبًا ﴿18﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيۡرَةً يَّاۡخُذُوۡنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

انھیں قریب کی فتح دی ﴿18﴾[4] اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔[5] اور اللہ

عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿19﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيۡرَةً تَاۡخُذُوۡنَهَا

نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿19﴾ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے[6] کہ تم انھیں

فَعَجَّلَ لَكُمۡ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيۡدِىَ النَّاسِ عَنۡكُمۡ ۚ وَلِتَكُوۡنَ

حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیں،[7] اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے،[8] تاکہ یہ

اٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَيَهۡدِيَكُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿20﴾ وَّاُخۡرٰى

مومنوں کے لیے ایک نشانی[9] ہوجائے، اور تاکہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے ﴿20﴾[10] اور (اللہ نے)

لَمۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهَا قَدۡ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

دوسری غنیمتوں کا بھی (وعدہ کیا) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (مگر) اللہ نے ان کا احاطہ کر

كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا ﴿21﴾ وَلَوۡ قٰتَلَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوَلَّوُا

رکھا ہے،[11] اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿21﴾ اور اگر وہ لوگ، جنھوں نے کفر کیا تم سے لڑتے تو

کے ہیں، ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں، وہ عارضی عذر ہیں جب تک وہ واقعی بیمار ہیں، شرکت جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

[1] یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضائے الٰہی اور ان کے پکے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے جنھوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ [2] یعنی ان کے دلوں میں جو صدق وصفا کے جذبات تھے، اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمنانِ صحابہ کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ منافق تھے۔ [3] یعنی وہ نہتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر وسکینت ان پر نازل فرما دی جس کی بنا پر انھیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔ [4] اس سے مراد وہی فتح خیبر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا اور حدیبیہ سے واپسی کے بعد 7 ہجری میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔ [5] یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خیبر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کا مال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔ [6] یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں۔ [7] یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہوگئیں۔ [8] حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیبر میں یہودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیے، یعنی ان کے حوصلے پست کر دیے اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔ [9] یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگا لیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظ اور دشمنوں پر ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا، تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی ہے۔ [10] یعنی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمھیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔ [11] یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح چار دیواری کر کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس بابت بے فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو اپنے حیطۂ اقتدار میں لیا ہوا ہے، یعنی گو ابھی تمھاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے لیکن اللہ نے انھیں تمھارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا، تمھیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا جس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے ﴿اَحَاطَ﴾ کے معنی عَلِمَ کے کیے ہیں، یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ علاقے بھی فتح کرو گے۔

Marfat.com

الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (22) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ

یقیناً وہ پیٹھوں کے بل پھر جاتے، پھر وہ کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ پاتے (22) [1] یہ اللہ کا طریقہ ہے

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (23) وَهُوَ

جو پہلے سے چلا آرہا ہے، [2] اور آپ اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے (23) اور وہ (اللہ)

الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

ہی تو ہے جس نے وادئ مکہ میں ان (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے بعد

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (24)

اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی، [3] اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو (24) یہ

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ

وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ

تک پہنچنے سے روکے رکھا، [4] اور اگر (مکہ میں کچھ) مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جن (کے ایمان) کو

مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ

تم نہیں جانتے، [5] (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، پھر بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ

سے تمھیں تکلیف پہنچتی [6] (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی [7] لیکن ایسا نہیں کیا گیا) [8] تاکہ اللہ جسے

فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے، ہم

مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (25) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ

انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے (25) [9] جن لوگوں نے کفر کیا جب [10] انھوں نے اپنے دلوں

[1] یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار کرتے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمھاری مدد کرتے اور ہمارے مقابلے میں کس کو ٹھہرنے کی طاقت ہے؟ [2] یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پہلے سے چلی آرہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرما کر حق کو سربلندی عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمھاری مدد کی گئی۔ [3] جب نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے 80 آدمی جو ہتھیاروں سے لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انھیں موقع مل جائے تو دھوکے سے نبی ﷺ اور صحابہ کے خلاف کارروائی کریں، چنانچہ یہ مسلح جتھہ جبل تنعیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہوگیا اور انھوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کرلیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کردیا۔ ان کا جرم شدید تھا اور ان کو جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی جبکہ نبی ﷺ اس موقع پر جنگ کی بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب کو معاف کر کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1808) بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے، یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمھیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا۔ یہ اللہ نے احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ [4] هَدْيٌ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا معتمر (عمرہ کرنے والا) اپنے ساتھ مکے لے جاتا ہے۔ مَحِلٌّ (حلال ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ مقام معتمر کے لیے مروہ پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منیٰ ہے۔ مَعْكُوْفًا حال ہے، یعنی یہ جانور اس انتظار میں روکے گئے تھے کہ مکے میں داخل ہوں تاکہ انھیں قربان کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں نے ہی تمھیں بھی مسجد حرام سے روکا اور تمھارے ساتھ جو جانور تھے، انھیں بھی اپنی قربان گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔ [5] یعنی مکے میں اپنا ایمان چھپائے رہ رہے تھے۔ [6] کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں ممکن تھا کہ یہ بھی مارے جاتے اور تمھیں ضرر پہنچتا، مَعَرَّةٌ کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد کفارہ اور وہ برائی اور شرمندگی ہے جو کافروں کی طرف سے تمھیں اٹھانی پڑتی، یعنی ایک تو قتل خطا کی دیت دینی پڑتی اور دوسرے: کفار کا یہ طعنہ سہنا پڑتا کہ یہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔ [7] یہ وَلَوْلَا کا محذوف جواب ہے، یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمھیں مکے میں داخل ہونے کی اور قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔ [8] بلکہ اہل مکہ کو مہلت دے دی گئی تاکہ جس کو اللہ چاہے قبول اسلام کی توفیق دے دے۔ [9] تَزَيَّلُوْا بمعنی تَمَيَّزُوْا ہے مطلب یہ ہے کہ مکے میں آباد مسلمان اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے تو ہم تمھیں اہل مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دیتے اور تمھارے ہاتھوں ان کو قتل کرواتے اور اس طرح انھیں دردناک سزا دیتے۔ عذاب الیم سے مراد یہاں قتل، قیدی بنانا اور قہر وغلبہ ہے۔ [10] اِذْ ظرف کا متعلق یا تو لَعَذَّبْنَا ہے یا اُذْكُرْ محذوف ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ان کافروں نے......

Marfat.com

الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجٰهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى

میں حمیت (غیرت) پیدا کرلی۔جاہلیت کی حمیت(غیرت)۔ تو اللہ نے اپنے

رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا

رسول پر اور مومنوں پر تسکین نازل کی،[1] اور ان کو تقوٰی کی بات پر ثابت قدم رکھا،[2]

[1] کفار کی اس حمیت جاہلیہ (عار اور غرور) سے مراد اہل مکہ کا مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے ہمارے بیٹوں اور باپوں کو قتل کیا ہے۔ لات وعُزّیٰ کی قسم! ہم انھیں کبھی یہاں داخل نہیں ہونے دیں گے، یعنی انھوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنالیا۔ اسی کو حمیت جاہلیہ کہا گیا ہے کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجاتی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر مکہ جانے پر اصرار کرتے جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے)، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی، یعنی انھیں صبر وتحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ ہی میں ٹھہرے رہے جوش اور جذبے میں آ کر مکہ جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حمیت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انھوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاہدہ دونوں مسلمانوں کے لیے بظاہر ناقابل برداشت تھے لیکن انجام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرمادیا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کرلی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہوجائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انھوں نے آپ کے حکم سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھی۔ مشرکین نے اس پر اعتراض کردیا کہ رحمٰن، رحیم کو ہم نہیں جانتے۔ جو لفظ پہلے استعمال کرتے تھے، اس کے ساتھ، یعنی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! (اے اللہ! تیرے نام سے) لکھیں، چنانچہ آپ نے اسی طرح لکھوایا، پھر آپ ﷺ نے لکھوایا: ''یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے۔'' قریش کے نمائندوں نے کہا: اختلاف کی بنیاد تو آپ کی رسالت ہی ہے اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑا ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ یہاں ''محمد رسول اللہ'' کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھیں، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دیا۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نہایت اشتعال انگیز صورت حال تھی اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ مٹانے اور کاٹنے سے انکار کردیا، نبیٔ کریم ﷺ نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد خود آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد یہ معاہدہ یا صلح نامہ لکھا گیا جس کی تین اہم باتیں یہ تھیں: ① اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہوکر آپ کے پاس آئے گا، اسے واپس کردیا جائے گا۔ ② جو مسلمان اہل مکہ سے جا ملے گا، وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ③ مسلمان آئندہ سال مکے میں آئیں گے اور یہاں تین دن قیام کرسکیں گے، تاہم انھیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہوگی، سوائے اس ہتھیار کے جو میان میں آجائے۔ (صحيح البخاري، حديث: 2699، وصحيح مسلم، حديث: 1783) اہل سِیَر نے معاہدے کی دفعات ان الفاظ میں بیان کی ہیں: ① ''فریقین نے اس امر پر صلح کی ہے کہ دس سال تک وہ آپس میں جنگ نہیں کریں گے اور اس عرصے میں لوگ امن سے رہیں گے۔ ② قریش کا کوئی آدمی اس کے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے واپس کردیا جائے اور جو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے قریش کے پاس چلا جائے گا، اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ③ جو محمد (ﷺ) کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں اور جو قریش کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہوسکتا ہے۔ (چنانچہ اس کی رُو سے خزاعہ قبیلہ نبی ﷺ کے اور بنو بکر قریش کے عہد وپیمان میں داخل ہوگئے) ④ اس سال آپ مکے میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے، البتہ آئندہ سال آپ کو مکے میں آنے کی اور تین دن ٹھہرنے کی اجازت ہوگی، آپ کے پاس سوار کا ہتھیار، یعنی میانوں میں تلواریں ہوں گی۔'' (البداية والنهاية: 170/4، طبع جديد) دس سال جنگ نہ کرنے کا ذکر سنن ابوداود میں بھی ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 2766) [2] اس سے مراد کلمۂ توحید ورسالت «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» ہے، جس سے حدیبیہ والے دن مشرکین نے انکار کیا۔ (ابن كثير) یا وہ صبر ووقار ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے حدیبیہ میں کیا یا وہ وفائے عہد اور اس پر ثبات ہے جو تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ (فتح القدير)

Marfat.com

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ؑ 26
اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے ﴿26﴾
لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ
البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ
تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے، تم (کسی سے)
وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ
نہ ڈرتے ہوگے[1] چنانچہ اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہٰذا اس نے اس
دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا 27 هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کردی ﴿27﴾ [2] اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا 28
دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے سب ادیان پر غالب کردے،[3] اور اللہ بطور گواہ کافی ہے ﴿28﴾
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں
رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ
تلاش کرتے ہیں، ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے، ان کی یہ صفت تورات
السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ
میں ہے، اور انجیل میں[4] ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی،[5] پھر اسے مضبوط کیا
اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ
اور وہ (پودا) موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا، کسانوں کو خوش کرتا ہے،[6] (اللہ نے یہ اس لیے
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب غصہ دلائے۔[7] اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے

[1] واقعۂ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف و عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ نبی کا خواب بھی بمنزلہ وحی ہی ہوتا ہے، تاہم اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہوگا لیکن نبی ﷺ اور مسلمان، اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے، عمرے کے لیے فوراً ہی آمادہ ہوگئے اور اس کے لیے عام منادی کرادی گئی اور چل پڑے۔ بالآخر حدیبیہ میں وہ صلح ہوئی جس کی تفصیل ابھی گزری، درآں حالیکہ اللہ کے علم میں اس خواب کی تعبیر آئندہ سال تھی جیسا کہ آئندہ سال مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ یہ عمرہ کیا اور اللہ نے اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا کر دکھایا۔ [2] اس سے فتح خیبر و فتح مکہ کے علاوہ صلح کے نتیجے میں جو بہ کثرت مسلمان ہوئے وہ بھی مراد ہے کیونکہ وہ بھی فتح کی ایک عظیم قسم ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس کے دو سال بعد جب مسلمان مکے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ [3] اسلام کا یہ غلبہ دیگر ادیان پر دلائل کے لحاظ سے تو ہر وقت مسلّم ہے، تاہم دنیوی اور عسکری لحاظ سے بھی قرون اولیٰ اور اس کے مابعد عرصۂ دراز تک، جب تک مسلمان اپنے دین پر عامل رہے انھیں غلبہ حاصل رہا اور آج بھی یہ مادی غلبہ ممکن ہے، بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران 3:139) ''اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔'' یہ دین غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔ [4] الْاِنْجِيْلِ پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہی خوبیاں تورات و انجیل میں مذکور ہیں اور آگے كَزَرْعٍ میں اس سے پہلے هُمْ محذوف ہوگا اور بعض فِي التَّوْرٰىةِ پر وقف کرتے ہیں، یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کو كَزَرْعٍ کے ساتھ ملاتے ہیں، یعنی انجیل میں ان کی مثال، مانند اس کھیتی کے ہے...... (فتح القدیر) [5] شَطْـَٔهٗ سے مراد پودے کا وہ پہلا ظہور ہے جو دانہ پھاڑ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔ [6] یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتدا میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہوگئے، جیسے کھیتی، ابتدا میں کمزور ہوتی ہے، پھر دن بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط تنے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔ [7] یا کافر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افزوں قوت و طاقت، کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس فرقۂ ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

Marfat.com

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾

ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے ﴿29﴾ [1]

ع 4/12

آیاتہا: 18 — سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ — رکوعاتہا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو،[2] اور تم اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ خوب

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿1﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا

سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿1﴾ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

نہ کرو، اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿2﴾

آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو ﴿2﴾ [3]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ

امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿3﴾ اِنَّ

نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے ﴿3﴾ [4] بلاشبہ جو

الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿4﴾

لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ﴿4﴾ [5]

[1] اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابۂ کرام کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے، اس کے بعد بھی صحابہ کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیونکر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جا سکتا ہے؟ ❊ یہ طوالِ مفصل میں پہلی سورت ہے۔ سورۂ حجرات سے سورۂ نازعات تک کی سورتیں طِوَالِ مُفَصَّلْ کہلاتی ہیں۔ بعض نے سورۂ قٓ کو پہلی سورت قرار دیا ہے اور یہ زیادہ راجح ہے۔ (ابن كثير و فتح القدير) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور سورۂ عبس سے سورۂ لیل تک اَوْسَاطِ مُفَصَّلْ اور سورۂ ضحیٰ سے سورۂ ناس تک قِصَارِ مُفَصَّلْ ہیں۔ ظہر اور عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مستحب ہیں۔ (أيسر التفاسير) [2] اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو، نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد، اللہ اور رسول سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر نہ دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہونا واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیے گئے حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ اور رسول کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔ [3] اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمھاری آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب: جب خود نبی ﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو۔ اگر ادب و احترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمھارے عمل برباد ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کی شانِ نزول کے لیے دیکھیے (صحيح البخاري، حديث: 4845) تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔ خیال رہے کہ اس میں خطاب کرنے کا ادب بیان کیا گیا ہے، جس کی رُو سے نام لے کر خطاب کرنے کی بجائے آپ کے منصبِ رسالت کے حوالے سے آپ کو خطاب کیا جائے لیکن اب آپ کو خطاب کرنے کا تو مسئلہ ہی باقی نہیں رہا ہے، اس لیے آج کل لوگ جو ''یا محمد'' یا ''یا رسول اللہ'' کے نعرے لگاتے یا اٹھتے بیٹھتے بطور ذکر یا بطور استغاثہ یہ الفاظ دہراتے ہیں اس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ استغاثے (مدد طلب کرنے) کے طور پر تو ''یا رسول اللہ مدد'' کہنا مشرکانہ فعل ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عقیدے کی اس خرابی سے محفوظ رکھے۔'' [4] اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے۔ [5] یہ آیت قبیلۂ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ نبی ﷺ کے قیلولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں تا کہ آپ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند أحمد: 488/3 و 394/6)

Marfat.com

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ
اور اگر بے شک وہ صبر کرتے، حتی کہ آپ (خود ہی) ان کی طرف نکلتے، توان کے لیے بہت بہتر ہوتا،[1]
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ
اوراللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑤[2] اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس
فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا
کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو[3] (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم
عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ
اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو⑥ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات
لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ
میں وہ تمھاری اطاعت کریں (تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ،[4] لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب
اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ
بنادیا ہے، اوراس نے اسے تمھارے دلوں میں آراستہ پیراستہ کردیا ہے، اوراس نے تمھارے لیے
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ⑦ فَضْلًا
کفروفسق اور نافرمانی کو ناپسند بنادیا ہے (اور) یہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں ⑦ اللہ کے فضل
مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧ وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ
اوراحسان سے،[5] اوراللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے⑧ اوراگر مومنوں کے دوگروہ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا
آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرادو،[6] پھر اگر (ان) دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر
عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ
زیادتی کرے، توتم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے،[7] پھر اگر وہ
فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ
لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل (حق) کے ساتھ صلح کرادو،[8] اورتم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان کی اکثریت بے عقل ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی جلالت شان اور آپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا بے عقلی ہے۔ [1] یعنی آپ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ کو ندا دینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر ہوتا۔ [2] اس لیے مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تاکید بیان فرما دی۔ [3] یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انھوں نے غلط فہمی کی بنا پر واپس آ کر یوں رپورٹ دی کہ انھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرما لیا، تاہم پھر پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی۔ صاحب استیعاب شیخ سلیم بن عیدالہلالی اور شیخ شعیب وغیرہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، (مسند أحمد: 18451) جبکہ بعض نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ فاسق کا مصداق مذکورہ صحابی ہوں، اس لیے اسے ایک صحابی رسول پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کی مفصل بحث راقم کی کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' میں موجود ہے، بلکہ اس میں فقط ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ [4] جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمھارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ ان پر وحی اترتی ہے، پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو، اس لیے کہ اگر وہ تمھاری پسند کی باتیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (المؤمنون 23:71) ''اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز درہم برہم ہو جائے۔'' [5] یہ آیت بھی صحابۂ کرام کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ [6] اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں قرآن وحدیث کی طرف بلایا جائے، یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔ [7] یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو بلکہ بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔ [8] یعنی باغی گروہ بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ، یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرا دی جائے۔

Marfat.com

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿9﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا
انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ⑨ [1] مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہٰذا تم اپنے
بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿10﴾ يٰٓاَيُّهَا
بھائیوں کے درمیان صلح کرادو، [2] اور تم اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ⑩ [3] اے ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا
والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا
بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے
مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ
بہتر ہوں، [4] اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، [5] اور تم ایک دوسرے کو برے القاب
الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ
سے نہ پکارو، [6] ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ [7] اور جس نے توبہ نہ کی،
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿11﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ
تو وہی (لوگ) ظالم ہیں ⑪ اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ

ع 1 ⑩ 13

[1] اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔ [2] یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے، یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی، اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بُعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انھیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ توبہ 71:9 کا حاشیہ) [3] اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ تَرَجِّي (امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقویٰ کے لیے یقینی ہے۔ حدیث میں مسلمان سے قتال کرنے کو کفر کہا گیا ہے: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحیح البخاري، حدیث: 48) ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' جس سے خوارج اور معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے۔ اہل سنت مرتکب کبیرہ کو کافر، خارج عن الملة نہیں کہتے اور حدیث میں کفر کو كُفْرٌ دُونَ كُفْرٍ قرار دیتے ہیں اور آیت: 9 اس کی دلیل ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت سے لڑنے والی باغی جماعت پر مومن ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا﴾ ''اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔'' تاہم اگر کوئی کسی مومن کو بوجہ ایمان ہی قتل کر دے تو یہ کفر ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔ [4] ایک شخص کسی دوسرے شخص کا استہزا، یعنی اس سے مسخرا پن اسی وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان و عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ بنابریں آیت میں اس سے منع فرما دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انھیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کے حقیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے «اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (صحیح مسلم، حدیث: 91، وسنن أبي داود، حدیث: 4092) ''تکبر حق بات کو جھٹلانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔'' اور کبر اللہ کو نہایت ہی ناپسند ہے۔ [5] یعنی ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو، مثلاً: تُو تو فلاں بدکار کا بیٹا ہے، تیری ماں ایسی ویسی ہے تو فلاں کمینے خاندان کا ہے، وغیرہ۔ [6] یعنی اپنے طور پر استہزا اور تحقیر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انھیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تنابز بالالقاب ہے جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔ [7] یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے نام تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے خطاب کرنا، مثلاً: اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ، یہ بہت برا کام ہے۔ ﴿الِاسْمُ﴾ یہاں الذكر (یاد کرنے) کے معنی میں ہے، یعنی: «بِئْسَ الِاسْمُ الَّذِي يُذْكَرُ بِالْفِسْقِ بَعْدَ دُخُولِهِمْ فِي الْإِيمَانِ» (فتح القدیر) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لیے مشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنا پر کالیا یا کالو مشہور ہو جائے وغیرہ۔ (تفسیر القرطبي)

Marfat.com

الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ
ہیں۔[1] اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو،[2] اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے،[3] کیا تم میں
بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ
سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند
مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ 12
کرتے ہو،[4] اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (12)
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا،[5] اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ
بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو،[6] بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ 13 قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا
زیادہ متقی ہے،[7] بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے (13) دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ
وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
دیجیے: تم ایمان نہیں لائے، لیکن تم یوں کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا، اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں
وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ
داخل (راسخ) نہیں ہوا،[8] اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمھارے اعمال (کی جزا) میں

1 الظَّنّ کے معنی ہیں: گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل صلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تہمت و افترا کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6066، وصحيح مسلم، حديث: 2563) ورنہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گھناؤنے کردار کی بابت بدگمانی رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ الْقَبِيحَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْقَبِيحُ. (تفسير القرطبي) ”جس کا ظاہر اچھا ہے، اس کی بابت بدگمانی جائز نہیں، البتہ جس کا ظاہر برا ہے، اس کے بارے میں بدگمانی کرنے میں حرج نہیں۔“ 2 یعنی اس ٹوہ میں رہنا کہ کوئی خامی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی خامی، کوتاہی تمھارے علم میں آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرو نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک، جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو گیا ہے۔
3 غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں لیکن بدقسمتی سے یہ دونوں ہی جرم عام ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا. 4 یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔ 5 یعنی آدم و حواء سے، یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے، ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔
شَعْبٌ کی جمع ہے ”برادری یا بڑا قبیلہ“ شعب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہے۔ (فتح القدير) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے تاکہ آپس میں صلہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بدقسمتی سے حسب و نسب کو برتری کی بنیاد بنا لیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے آکر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔ 7 یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علماء کی دلیل ہے جو نکاح میں کفاءت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں۔ (ابن كثير) 8 بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنھوں نے قحط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے

Marfat.com

شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿14﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ

سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑭ بس (سچے) مومن

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہ کیا، اور انھوں نے اپنے

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿15﴾ قُلْ

مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے (مومن) ہیں ⑮ [1] (اے نبی!)

اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

آپ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو؟ [2] حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿16﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ⑯ [3] وہ (دیہاتی) آپ پر احسان

اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ

جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوئے، کہہ دیجیے: تم مجھ پر اپنے اسلام (لانے) کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ

عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ تم پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم سچے ہو ⑰ [4] بلاشبہ اللہ

يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿18﴾ ع 2 8 14

آسمانوں اور زمین کی چھپی باتیں جانتا ہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو ⑱

آیاتہا: 45 — سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قٓ ۣ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿1﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَاۗءَهُمْ مُّنْذِرٌ

قٓ، قسم ہے قرآن مجید کی ① [5] بلکہ انھوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے

مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿2﴾ ءَاِذَا

والا آیا، پھر کافروں نے کہا: یہ تو عجیب بات ہے ② [6] کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿3﴾ قَدْ عَلِمْنَا

(تو کیا دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟) یہ واپسی تو (عقل سے) بہت بعید ہے ③ [7] یقیناً ہمیں علم ہے جو

یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقادِ صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے۔ (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا لیکن دعویٰ انھوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انھیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔ ایمان و اسلام کے درمیان فرق کی بحث کے لیے دیکھیے، سورۂ ذاریات 36,35:51 کا حاشیہ۔

[1] نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔ [2] تَعْلِیم، یہاں إِعْلام اور إِخْبار (اطلاع و خبر دینے) کے معنی میں ہے، یعنی آمَنَّا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین و ایمان سے آگاہ کر رہے ہو یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتلا رہے ہو۔ [3] تو کیا تمھارے دلوں کی کیفیت پر یا تمھارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟ [4] یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ کی مدد کی جبکہ دوسرے عرب آپ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا: ان سے کہو کہ اسلام لانے کا احسان مجھ پر مت جتلاؤ، اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمھیں ہی ہوگا نہ کہ اللہ کو، یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمھارا احسان اللہ یا اس کے رسول پر ہے۔ ❁ نبی ﷺ عید کی نماز میں سورۂ قٓ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (سورۂ قمر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 891) اور ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 872) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے بڑے مجمعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث و نشور، معاد و قیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب و عتاب اور ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔ [5] اس کا جواب قسم محذوف ہے۔ لَتُبْعَثُنَّ (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں: اس کا جواب مابعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر) [6] حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔ [7] حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

Marfat.com

مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿4﴾

کچھ زمین ان میں سے کم کرتی ہے، اور ہمارے پاس ایک کتاب (ہر چیز کی) حفاظت کرنے والی ہے④ [1]

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿5﴾

بلکہ انھوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا، چنانچہ وہ ایک الجھے ہوئے معاملے میں ہیں⑤ [2]

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا

کیا پھر انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسا بنایا [3] اور ہم نے اسے آراستہ

مِنْ فُرُوْجٍ ﴿6﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

کیا، [4] اور اس میں کوئی شگاف نہیں⑥ [5] اور ہم نے زمین پھیلائی، اور ہم نے اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿7﴾ تَبْصِرَةً

دیے، اور ہم نے اس میں ہر طرح کی خوش نما نباتات اگائی⑦ [6] (حق کی طرف) رجوع کرنے

وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿8﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

والے ہر بندے کی بصیرت اور نصیحت کے لیے⑧ [7] اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا، پھر

مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿9﴾ وَالنَّخْلَ

ہم نے اس کے ذریعے سے باغات اور اناج کی کاٹی جانے والی فصل اگائی⑨ [8] اور کھجور کے بلند و بالا

بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿10﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ

درخت (پیدا کیے) جن کے شگوفے تہ بہ تہ ہیں⑩ [9] بندوں کی روزی کے لیے، اور ہم نے اس (پانی)

بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿11﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (مرنے کے بعد قبروں سے) نکلنا ہے⑪ [10] ان سے پہلے

وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿12﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿13﴾

قوم نوح نے، اور اصحاب الرس [11] نے اور ثمود نے جھٹلایا⑫ اور عاد اور فرعون اور برادران لوط نے⑬

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ

اور ایکہ (بستی) والوں [12] اور قوم تبع [13] نے، (ان) سب نے رسولوں کو جھٹلایا، [14] لہٰذا (ان پر) میری

[1] یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے، یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے، اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انھیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔ [2] حق (سچی بات) سے مراد قرآن، اسلام یا نبوت محمدیہ ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ مَّرِيْجٍ کے معنی مختلط، مضطرب یا مُلْتَبِسْ کے ہیں، یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادوگر کہتے ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔ [3] یعنی بغیر ستون کے جن کا اسے کوئی سہارا ہو۔ [4] یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔ [5] اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○ (الملک67:3,4) ”جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تو اللہ کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہیں دیکھے گا۔ دوبارہ دیکھ لے، کیا کوئی شگاف بھی نظر آرہا ہے؟ پھر دوہرا کر دوبارہ دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔“ [6] اور بعض نے زَوْجٍ کے معنی جوڑا کیے ہیں، یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیاء کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ بَهِيْجٍ کے معنی: خوش منظر، شاداب اور حسین۔ [7] یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیاء کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ [8] کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں جن سے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔ [9] بٰسِقٰتٍ کے معنی: طِوَالًا شَاهِقَاتٍ، بلند و بالا۔ طَلْعٌ کھجور کا وہ گدرا گدرا پھل جو پہلے پہل نکلتا ہے۔ نَضِيْدٌ کے معنی: تہ بہ تہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آ جاتا ہے لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔ [10] یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔ [11] أصحاب الرس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انھیں اصحاب اخدود قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن كثير وفتح القدير، سورة الفرقان 38:25) [12] اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ کے لیے دیکھیے سورۂ شعراء 176:26 کا حاشیہ۔ [13] قَوْمُ تُبَّعٍ کے لیے دیکھیے سورۂ دخان 37:44 کا حاشیہ۔ [14] یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے۔ گویا آپ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ اپنی قوم

Marfat.com

وَعِيْدِ ⑭ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ
وعید ثابت ہوگئی⑭ کیا پھر ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟[1] (نہیں!) بلکہ وہ ازسرنو تخلیق
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑮ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ
کے متعلق شک میں ہیں⑮[2] اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا، اور اس کے دل میں ابھرنے
بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ⑯
والے وسوسوں کو بھی ہم جانتے ہیں،[3] اور ہم (اس کی) شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں⑯[4]
اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
جب اخذ کرتے (لکھتے) ہیں دو اخذ کرنے (لکھنے) والے (فرشتے)،[5] اس کے دائیں طرف اور بائیں
قَعِيْدٌ ⑰ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ
طرف بیٹھے ہوئے⑰ (انسان) جو بات بھی (منہ سے) نکالتا ہے (وہ لکھنے کو) اس کے پاس ایک نگران
عَتِيْدٌ ⑱ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ
(فرشتہ) تیار ہوتا ہے⑱[6] اور موت کی سختی حق الیقین (موت) کو لے آتی ہے۔[7] (کہا جاتا ہے:) یہی ہے
مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ⑳
وہ (موت) جس سے تو بھاگتا تھا⑲[8] اور صور میں پھونکا جائے گا، یہ وعید (وعدۂ عذاب) کا دن ہے⑳
وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ㉑ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ
اور ہر نفس آئے گا، اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک شہادت دینے والا ہوگا㉑[9] البتہ تحقیق تو

کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرے، اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر پر ایمان لے آؤ۔

[1] کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم 27:30) سورۂ یٰسٓ 79,78:36 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا، حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا، دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے۔'' یعنی اگر مشکل ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا نہ کہ دوسری مرتبہ۔ (صحيح البخاري، حديث:4974) [2] یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انھیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔ [3] یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے، یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے۔'' (صحيح البخاري، حديث:5269، وصحيح مسلم، حديث:127)
[4] اَلْوَرِيْدِ شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے، یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نَحْنُ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں۔ [5] يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ کے معنی ہیں: يَأْخُذَانِ وَيُثْبِتَانِ ''لیتے اور ثبت کرتے ہیں۔'' امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ۔ (فتح القدير) [6] رَقِيْبٌ محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ عَتِيْدٌ حاضر اور تیار۔ [7] دوسرے معنی اس کے ہیں: موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی، یعنی موت کے وقت حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت دوزخ کے بارے میں انبیاء کرتے رہے ہیں۔ [8] تَحِيْدُ، تَمِيْلُ عَنْهُ وَتَفِرُّ ''تو اس موت سے بدکتا اور بھاگتا تھا۔'' [9] سَآئِقٌ (ہانکنے

Marfat.com

غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ
اس سے غفلت میں تھا، تو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا، چنانچہ آج تیری نگاہ بہت تیز
حَدِيۡدٌ 22 وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ 23 اَلۡقِيَا
ہے(22) اور اس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ ہے وہ (روداد) جو میرے پاس تیار ہے(23) [1] (حکم
فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ 24 مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ
ہوگا:) تم دونوں ہر کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو(24) [2] بھلائی سے منع کرنے والے کو، حد سے نکلنے
مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ 25 الَّذِىۡ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
والے (اور دین میں) شک کرنے والے کو(25) وہ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنالیا تھا،
فَاَلۡقِيَاهُ فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ 26 قَالَ قَرِيۡنُهٗ
لہٰذا تم دونوں اسے سخت عذاب میں ڈال دو(26) اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب!
رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَيۡتُهٗ وَلٰكِنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ 27 قَالَ
میں نے اسے سرکش نہیں بنایا تھا اور لیکن وہ (خود ہی) پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا رہا(27) [3] اللہ
لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَىَّ وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَيۡكُمۡ بِالۡوَعِيۡدِ 28
فرمائے گا: تم میرے پاس جھگڑا نہ کرو، حالانکہ میں پہلے ہی تمھاری طرف (عذاب کی) وعید بھیج چکا تھا(28) [4]
مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ 29 يَوۡمَ
میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، [5] اور میں بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں(29) [6] (یاد کرو!) جس دن
نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَاۡتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ 30
ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ مزید ہے؟(30) [7] اور جنت متقین کے
وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ 31 هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ
قریب کی جائے گی، (وہ) دور نہیں ہوگی(31) [8] (کہا جائے گا:) یہ ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا،

ع 2 / 14 / 16

والا) اور شَهِيۡدٌ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

[1] یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فرد عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔ [2] اللہ تعالیٰ اس فرد عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ اَلۡقِيَا سے الشَّدِيۡدِ تک اللہ کا قول ہے۔ [3] اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قَرِيۡنٌ (ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔ [4] یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔ [5] یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول کے مطابق تمھارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ [6] کہ بغیر جرم کے جو انھوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟ ظَلَّامٌ یہاں ظَالِمٌ کے معنی میں ہے۔ یا محاورۃً بولا گیا ہے، یعنی بندوں کی جمعیت کا لحاظ کرتے ہوئے صیغہ مبالغہ لایا گیا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: فلانٌ ظالمٌ لِعَبْدِہٖ ''فلاں اپنے غلام پر ظلم کرنے والا ہے۔'' اور جمع کی صورت میں کہتے ہیں: فُلَانٌ ظَلَّامٌ لِعَبِیۡدِہٖ ''فلاں اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا ہے۔'' یعنی یہاں پر ظالم اور ظلّام دونوں کا ایک ہی معنی ہے، فرق صرف اس وجہ سے ہے کہ عبد واحد ہے تو ظالم کا صیغہ لائے اور دوسری مثال میں عبید جمع ہے اس لیے ظلّام لائے، اسی طرح یہاں بھی عبید جمع ہونے کی وجہ سے ظلّام کہا گیا جو بمعنی ظالم ہی ہے اور یہ وزن صرف بوجہ عبید (جمع) کے ہے۔ (فتح القدیر) یا مقصود نفی میں مبالغہ ہے، یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔ [7] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ○ (السجدة 13:32) ''میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا۔'' اس وعدے کا جب ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن و انس کو جہنم میں ڈال دے گا تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی: کیا کچھ اور بھی ہے، یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ! تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے: ''آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کہے گی: هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ○ کیا کچھ اور بھی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جہنم پکار اٹھے گی: قط قط، یعنی بس بس۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4848) اور جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2848) [8] اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت، جس روز جنت قریب کر دی جائے گی، دور

Marfat.com

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿32﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ
خوب رجوع کرنے والے، (امر الٰہی کی) حفاظت کرنے والے ہر شخص کے لیے[1] ﴿32﴾ جو رحمٰن سے بن دیکھے
وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿33﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ
ڈر گیا اور وہ رجوع کرنے والا دل لے آیا ہے[2] ﴿33﴾ (کہا جائے گا:) تم اس (جنت) میں سلامتی سے
يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿34﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا
داخل ہو جاؤ، یہی ہمیشہ رہنے کا دن ہے ﴿34﴾ وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لیے ہوگا، اور ہمارے پاس اور بھی
مَزِيْدٌ ﴿35﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ
بہت کچھ ہے[3] ﴿35﴾ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت
مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿36﴾
تھیں، پھر وہ شہروں میں گشت کرنے لگے،[4] کیا انھیں (ہمارے عذاب سے) کوئی بچ نکلنے کی جگہ ملی؟ ﴿36﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ
بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو (آگاہ) دل[5] رکھتا ہے، یا وہ کان لگائے[6] جبکہ وہ
وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿37﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
(دل و دماغ سے) حاضر ہو[7] ﴿37﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ ان دونوں کے
بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿38﴾ فَاصْبِرْ
درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا، اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں ﴿38﴾ چنانچہ (اے نبی!)
عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
جو وہ کہتے ہیں اب آپ اس پر صبر کریں، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں، طلوع
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿39﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ
آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے[8] ﴿39﴾ اور رات کے کچھ حصے میں پھر آپ اس کی تسبیح
وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿40﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ
کریں،[9] اور سجود (نمازوں) کے بعد بھی[10] ﴿40﴾ اور توجہ سے سنیے![11] جس دن منادی کرنے والا[12] قریب

نہیں ہے کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی اور «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ» جو بھی آنے والی چیز ہے، وہ قریب ہی ہے، دور نہیں۔ (ابن کثیر)

[1] یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اَوَّاب اور حَفِيظ سے کیا گیا تھا۔ اَوَّابٍ بہت رجوع کرنے والا، یعنی اللہ کی طرف، کثرت سے توبہ و استغفار اور تسبیح و ذکر الٰہی کرنے والا، خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ حَفِيْظٍ اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اوامر و نواہی کو یاد رکھنے والا۔ (فتح القدير) [2] مُّنِيْبٍ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل یا بمعنی سَلِيم شرک و معصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔ [3] اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہوگا جیسا کہ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس 26:10) کی تفسیر میں گزرا۔ [4] فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ”شہروں میں چلے پھرے۔“ کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے لیکن ہمارا عذاب آیا تو انھیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔ [5] یعنی دل بیدار جو غور و فکر کر کے حقائق کا ادراک کر لے۔ [6] یعنی توجہ سے وہ وحی الٰہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ [7] یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو، اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔ [8] یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔ [9] مِنْ تَبْعِيض کے لیے ہے، یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (بنی إسراءیل 79:17) ”رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے۔“ بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی ﷺ کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر) [10] یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں جن کے پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے، مثلاً: 33 مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ» 33 مرتبہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰه» اور 34 مرتبہ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» وغیرہ (صحيح البخاري، حديث: 843، و صحيح مسلم، حديث: 596) مگر تسبیحات اس سورت کے نزول کے بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔ [11] یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے ہیں، انھیں توجہ سے سنیں۔ [12] یہ پکارنے والا اسرافیل فرشتہ ہوگا یا جبرائیل اور ...

Marfat.com

مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿41﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ
کے مقام سے ندا دے گا﴿41﴾ [1] جس دن وہ اس چیخ (نفخۂ ثانیہ) کو فی الواقع سنیں گے، یہی (قبروں
ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿42﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ
سے) نکلنے کا دن ہوگا﴿42﴾ [2] بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں، [3] اور ہماری ہی طرف (سب
وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿43﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ
کی) واپسی ہے﴿43﴾ [4] جس دن ان کے اوپر سے زمین پھٹ جائے گی (وہ اس میں سے) تیزی سے
سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿44﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ
(نکل رہے ہوں گے) [5] یہ حشر (برپا کرنا) ہم پر نہایت آسان ہے﴿44﴾ ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ
بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ
(مشرکین) کہتے ہیں، اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، [6] لہٰذا آپ اس قرآن کے ذریعے
بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿45﴾
سے اس شخص کو نصیحت کرتے رہیں، جو میری وعید سے ڈرتا ہے﴿45﴾ [7]

ع 3 16 17

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ

آیاتھا: 60 — رکوعاتھا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿1﴾ فَالْحٰمِلٰتِ
قسم ہے ان ہواؤں کی جو (مٹی وغیرہ کو) اڑا کر بکھیرنے والی ہیں﴿1﴾ [8] پھر ان بادلوں کی (قسم) جو (پانی کا)
وِقْرًا ﴿2﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿3﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ
بوجھ اٹھانے والے ہیں﴿2﴾ [9] پھر ان کشتیوں کی (قسم) جو آسانی سے چلنے والی ہیں﴿3﴾ [10] پھر ان فرشتوں کی
اَمْرًا ﴿4﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿5﴾ وَّاِنَّ
(قسم) جو کام تقسیم کرنے والے ہیں﴿4﴾ [11] بلاشبہ تمھیں جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ ضرور سچا ہے﴿5﴾ اور بلاشبہ

وہ ہوگی جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے، یعنی نفخۂ ثانیہ۔ [1] اس سے بعض نے صخرۂ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آ رہی ہے۔ (فتح القدیر) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ [2] یعنی یہ چیخ، یعنی نفخۂ قیامت یقیناً ہوگا جس کے متعلق یہ دنیا میں شک کرتے تھے اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہوگا۔ [3] یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دینا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔ [4] وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔ [5] یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے جس نے آواز دی ہوگی۔ مُسْرِعِينَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ. (فتح القدير) نبی ﷺ نے فرمایا: «أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ» (صحيح مسلم، حديث: 2278) ''جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا۔'' [6] یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں بلکہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔ [7] یعنی آپ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہوگا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيدَكَ وَيَرْجُو مَوْعُودَكَ يَا بَارُّ! يَا رَحِيمُ!» ''اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے! اے رحم فرمانے والے!'' [8] اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔ [9] وِقْرًا ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حَامِلَاتٌ سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں جیسے چوپائے حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ [10] جَارِيَاتٌ پانی میں چلنے والی کشتیاں، يُسْرًا آسانی سے۔ [11] مُقَسِّمَاتٌ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو

Marfat.com

الدِّيۡنَ لَوَاقِعٌ ﴿6﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُكِ ﴿7﴾ اِنَّكُمۡ

(اعمال کی) جزا ضرور ملنے والی ہے ⑥ قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے ⑦ [1] بلاشبہ تم (باہم)

لَفِيۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ ﴿8﴾ يُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ ﴿9﴾

مختلف باتوں میں (پڑے) ہو ⑧ [2] اس سے پھیرا جاتا ہے جو شخص (بھلائی سے) پھیرا گیا ⑨ [3]

قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ﴿10﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ غَمۡرَةٍ سَاهُوۡنَ ﴿11﴾ يَسۡـَٔلُوۡنَ

اٹکل پچو لگانے والے مارے گئے ⑩ جو لاپروا غفلت میں پڑے ہیں ⑪ وہ پوچھتے ہیں: جزا کا دن

اَيَّانَ يَوۡمُ الدِّيۡنِ ﴿12﴾ يَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ يُفۡتَنُوۡنَ ﴿13﴾ ذُوۡقُوۡا

کب ہوگا؟ ⑫ جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے ⑬ [4] (کہا جائے گا:) تم اپنا عذاب

فِتۡنَتَكُمۡ هٰذَا الَّذِيۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿14﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِيۡ

چکھو، [5] یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے ⑭ بلاشبہ متقین باغات اور چشموں میں ہوں

جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿15﴾ اٰخِذِيۡنَ مَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ

گے ⑮ جو کچھ ان کا رب انھیں دے گا، وہ اسے لے رہے ہوں گے۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیکوکار

مُحۡسِنِيۡنَ ﴿16﴾ كَانُوۡا قَلِيۡلًا مِّنَ الَّيۡلِ مَا يَهۡجَعُوۡنَ ﴿17﴾ وَبِالۡاَسۡحَارِ هُمۡ

تھے ⑯ وہ رات کو بہت ہی تھوڑا سوتے تھے ⑰ [6] اور وہ سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے

يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿18﴾ وَفِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ﴿19﴾ وَفِي

تھے ⑱ [7] اور ان کے مالوں میں سوالی اور محروم (نہ مانگنے والے) شخص کا حق (حصہ) ہوتا تھا ⑲ [8] اور

الۡاَرۡضِ اٰيٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِيۡنَ ﴿20﴾ وَفِيۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا

یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ⑳ اور (خود) تمھارے نفسوں میں بھی، کیا

تُبۡصِرُوۡنَ ﴿21﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿22﴾

پھر تم دیکھتے نہیں؟ ㉑ اور آسمان میں تمھارا رزق ہے، اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ㉒ [9]

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿23﴾ ع 1/23 18

پھر قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی! بلاشبہ [10] یہ (مذکورہ امور اسی طرح) حق ہیں، جیسے تم بولتے ہو ㉓

بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کرسکتی ہے۔

[1] دوسرا ترجمہ، حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کواکب و نجوم، روشن ستارے، اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔ [2] یعنی اے اہل مکہ! تمھارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار۔ علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ [3] یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانے سے یا حق سے، یعنی بعث و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے، دوسرے میں مدح۔ [4] يُفۡتَنُوۡنَ کے معنی ہیں: يُحۡرَقُوۡنَ وَيُعَذَّبُوۡنَ جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پرکھا جاتا ہے، اسی طرح یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ [5] فتنہ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔ [6] هُجُوۡع کے معنی ہیں: رات کو سونا۔ مَا يَهۡجَعُوۡنَ میں مَا (زائدہ) تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے، مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے گزارتے تھے جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے، مثلاً: ایک حدیث میں فرمایا: ”لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“ (مسند أحمد: 451/5) [7] وقت سحر قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 758) [8] وَالۡمَحۡرُوۡمِ سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے، چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ آفت ارضی و سماوی میں تباہ ہو جائے۔ [9] یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمھارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت و دوزخ، ثواب و عتاب کا حکم بھی آسمانوں سے اترتا ہے۔ [10] اِنَّهٗ میں ضمیر (یہ) کا مرجع وہ امور و آیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

Marfat.com

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿24﴾ اِذْ دَخَلُوْا
(اے نبی!) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے گرامی قدر مہمانوں کی خبر آئی ہے؟﴿24﴾ [1] جب وہ اس کے پاس
عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿25﴾
پہنچے تو انھوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی کہا: (تم پر) سلام ہو، (پھر دل میں کہا تم) لوگ تو اجنبی ہو﴿25﴾ [2]
فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿26﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ
پھر وہ اپنے اہل کی طرف بڑھا، اور ایک موٹا تازہ بچھڑا (بھون کر) لے آیا﴿26﴾ پھر وہ انھیں پیش
قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿27﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا
کیا (اور) کہا: تم کھاتے کیوں نہیں؟﴿27﴾ [3] تب اس نے (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا۔ [4] انھوں نے کہا:
لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿28﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ
تو نہ ڈر۔ [5] اور انھوں نے اسے بڑے ذی علم بیٹے کی بشارت دی﴿28﴾ پس ابراہیم کی عورت چیختی چلاتی سامنے
فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿29﴾ قَالُوْا
آئی، پھر اس نے (تعجب سے) اپنے چہرے پر ہاتھ مارا اور کہا: (میں) بانجھ، بڑھیا (ہوں اولاد کیسے؟)﴿29﴾
كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿30﴾
انھوں نے کہا: تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے، بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا، خوب جاننے والا ہے﴿30﴾ [6]

[1] هَلْ استفہام کے لیے ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کو اس قصے کا علم نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع کیا۔

[2] یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

[3] یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھائے تو پوچھا۔

[4] ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

[5] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

[6] یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع کر رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

Marfat.com

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿31﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

ابراہیم نے کہا: اچھا تو تمھارا مقصد کیا ہے، اے قاصدو! (فرشتو؟) ﴿31﴾ [1] انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم

مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿33﴾ مُّسَوَّمَةً

ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿32﴾ [2] تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر (کھنگر) برسائیں ﴿33﴾ [3] جو آپ

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿34﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ

کے رب کے ہاں حد سے گزر جانے والوں کے لیے نامزد ہو چکے ہیں ﴿34﴾ [4] پھر وہاں جو بھی مومن

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿35﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿36﴾

تھے، ہم نے انھیں نکال لیا ﴿35﴾ [5] اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھرانہ پایا ﴿36﴾ [6] اور ہم نے وہاں

وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿37﴾ وَفِيْ

ان لوگوں کے لیے ایک نشانی چھوڑی جو دردناک عذاب سے خوف کھاتے ہیں ﴿37﴾ [7] اور موسیٰ (کے

مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾

قصے) میں (عظیم نشانی ہے) جب ہم نے اسے فرعون کی طرف ایک کھلے معجزے کے ساتھ بھیجا ﴿38﴾

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿39﴾ فَاَخَذْنٰهُ

تو وہ اپنی قوت [8] کے بل پر (حق سے) پھرا اور کہا: (موسیٰ) جادوگر یا دیوانہ ہے ﴿39﴾ پھر ہم نے

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿40﴾ وَفِيْ

اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور انھیں سمندر میں پھینک دیا جبکہ وہ قابل ملامت (کام کرتا) تھا ﴿40﴾ [9] اور

عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿41﴾ مَا تَذَرُ مِنْ

عاد (کے قصے) میں [10] (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر بے خیر و برکت ہوا [11] بھیجی ﴿41﴾ وہ جس چیز پر سے

[1] خطب شان، قصہ، یعنی اس بشارت کے علاوہ تمھارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمھیں بھیجا گیا ہے۔ [2] اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔ [3] برسائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انھیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں مٹی کی بنی ہوئی تھیں، آسمانی اولے نہیں تھے۔ [4] مُسَوَّمَةً (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انھیں پہچان لیا جاتا تھا یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہونی تھی، اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا۔ لِلْمُسْرِفِيْنَ جو شرک وضلالت میں بہت بڑھے ہوئے اور فسق وفجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ [5] یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔ [6] اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (أيسر التفاسير) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت خم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے، اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کی شہادت، اقامت صلاۃ، ایتائے زکاۃ، حج اور صیام رمضان۔“ اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: ”اللہ پر ایمان لانا، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن اور تقدیر (خیر وشر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا۔“ یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام وفرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ (فتح القدير) یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ گروہ مومنوں کا تھا اور مومنوں پر مسلمین کا اطلاق صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں تھا کہ ہر مسلم مومن بھی ہے۔ (ابن كثير) بہر حال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔ [7] یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انھی کے لیے ہے جو عذاب الٰہی سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ وعظ ونصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور وفکر بھی وہی کرتے ہیں۔ [8] جانب اقویٰ کو رُکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔ [9] یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔ [10] أَيْ تَرَكْنَا فِي قِصَّةِ عَادٍ آيَةً یعنی عاد کے قصے میں بھی ہم نے نشانی چھوڑی۔ [11] الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ (بانجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ

Marfat.com

شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿42﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ
بھی گزرتی اسے گلی سڑی ہڈی کے مانند ریزہ ریزہ کرڈالتی تھی ﴿42﴾ [1] اور ثمود (کے قصے) میں (نشانی ہے)،
لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿43﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ
جب ان سے کہا گیا: تم ایک وقت (تین دن) تک فائدہ اٹھاؤ ﴿43﴾ [2] پھر انھوں نے اپنے رب کے حکم
الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿44﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا
سے سرکشی کی تو انھیں کڑک [3] نے آ پکڑا جبکہ وہ دیکھ رہے تھے ﴿44﴾ پھر نہ تو ان میں اٹھنے کی سکت تھی [4] اور نہ وہ
مُنْتَصِرِيْنَ ﴿45﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
بدلہ ہی لینے والے تھے ﴿45﴾ [5] اور ان سے پہلے (ہم نے) قوم نوح کو (ہلاک کیا)، بلاشبہ وہ لوگ نافرمان
ع 2 23 1
فٰسِقِيْنَ ﴿46﴾ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿47﴾ وَالْاَرْضَ
تھے ﴿46﴾ [6] اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ بنایا [7] اور بلاشبہ ہم بہت وسعت والے ہیں ﴿47﴾ [8] اور ہم
فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿48﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا
نے زمین کو بچھایا [9] تو ہم کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں! ﴿48﴾ اور ہم نے ہر (جاندار) چیز سے جوڑے
زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿49﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ
پیدا کیے [10] تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿49﴾ [11] لہٰذا تم اللہ کی طرف دوڑو، [12] بلاشبہ میں تمھیں اس کی طرف سے
مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ
کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿50﴾ اور تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، بلاشبہ میں تمھیں اس کی طرف
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿51﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
سے کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿51﴾ [13] اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو بھی رسول آیا تو انھوں نے
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿52﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ
بس یہی کہا کہ (یہ) جادوگر ہے یا دیوانہ ﴿52﴾ کیا وہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ [14]

درختوں کو ثمر آور کرنے والی تھی نہ بارش کی پیامبر بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

[1] یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا...... الآية (الحآقة 69:7) [2] یعنی جب انھوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کر دیا تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیے جاؤ گے۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔

[3] یہ الصّٰعِقَةُ (کڑاکا) آسمانی چیخ تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَةٌ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:78 میں ہے۔ [4] چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔ [5] یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔ [6] قوم نوح، عاد، فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الٰہی کی بجائے اس کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔ [7] السَّمَآءَ منصوب ہے بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا [8] یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا مُوْسِعٌ کو وُسْعٌ سے قرار دیا جائے (طاقت و قدرت رکھنے والے) تو مطلب ہوگا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت و قدرت موجود ہے۔ ہم آسمان و زمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ [9] یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔ [10] یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی متقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے، جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان)، اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو، یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔ [11] یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ [12] یعنی کفر و معصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہ الٰہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔ [13] یعنی میں تمھیں کھول کھول کر ڈرا رہا اور تمھاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔ [14] یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے پچھلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔

Marfat.com

هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (53) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ (54)

(نہیں) بلکہ وہ (سب) لوگ سرکش ہیں (53) [1] لہٰذا آپ ان سے پھر جائیں تو آپ پر کچھ ملامت نہیں (54)

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (55) وَمَا خَلَقْتُ

اور آپ نصیحت کرتے رہیں، اس لیے کہ بے شک نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے (55) [2] اور میں نے جن

الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (56) مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں (56) [3] میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا، اور نہ

وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ (57) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ

یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں (57) [4] بلاشبہ اللہ تو خود رزق دینے والا ہے، بڑی قوت والا، نہایت طاقت ور

الْمَتِيْنُ (58) فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ

ہے (58) پھر بے شک جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے نصیب میں (عذاب) ہے جیسا ان کے ساتھیوں

اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ (59) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کے نصیب میں (تھا)، [5] لہٰذا وہ مجھ سے (عذاب) جلدی نہ مانگیں (59) [6] چنانچہ کافروں کے لیے ان کے اس

مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ (60) ع 3/14/2

دن (کے آنے) سے تباہی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے (60)

آیاتھا: 49 | سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالطُّوْرِ (1) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ (2) فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (3)

قسم ہے طور (پہاڑ) کی (1) [7] اور ایک کتاب کی (قسم) جو لکھی ہوئی ہے (2) [8] کھلے کاغذ میں (3) [9] اور

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ (4) وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ (5) وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (6)

بیت معمور کی (قسم) (4) [10] اور اونچی چھت کی (قسم) (5) [11] اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی (قسم) (6) [1]

[1] یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے، اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدمین نے کہا اور کیا۔ [2] اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انھیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔ [3] اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادۂ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادۂ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا، یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے جسے اگر انھوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت بازپرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ واختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔ [4] یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصود ہوتا ہے بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔ [5] ذَنُوْبٍ کے معنی ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔ [6] لیکن یہ حصۂ عذاب انھیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔ [7] طور وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔ [8] مَسْطُوْرٍ کے معنی ہیں: مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کے مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی عمل نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔ [9] یہ متعلق ہے مَّسْطُوْرٍ کے۔ رَقٍّ وہ باریک چمڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ مَنْشُوْرٍ بمعنی مَبْسُوْطٌ پھیلا یا کھلا ہوا۔ [10] یہ بیت معمور ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آئے گی جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں جو عبادت کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔ [11] اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ''محفوظ چھت'' کہا ہے۔ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○ (الأنبیآء 21:32) ''آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم ہی نے بنایا ہے لیکن لوگ اس

Marfat.com

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ 7 مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ 8 يَوْمَ
بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے⑦ اسے کوئی روکنے والا نہیں⑧ (وہ واقع
تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا 9 وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا 10 فَوَيْلٌ
ہوگا) جس دن آسمان زور سے حرکت کرنے لگے گا⑨ اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگ جائیں گے⑩
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ 11 الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ
چنانچہ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے⑪ جو (تکذیب حق کی) سخن سازی میں پڑے کھیل
يَلْعَبُونَ 12 يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا 13
رہے ہیں⑫ جس دن انھیں نہایت سختی سے دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا⑬
هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ 14 أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ
(کہا جائے گا:) یہی ہے وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے⑭ کیا پھر یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے ہی
أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ 15 اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ
نہیں؟⑮ تم اس (دوزخ) میں داخل ہو جاؤ، اب تم صبر کرو یا صبر نہ کرو تمھارے لیے برابر ہے،
عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ 16 إِنَّ الْمُتَّقِينَ
تمھیں بس اسی کی سزا دی جائے گی جو تم عمل کیا کرتے تھے⑯ بلاشبہ متقین باغات اور نعمتوں
فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ 17 فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ
میں ہوں گے⑰ درآں حالیکہ وہ ان چیزوں سے لطف اٹھا رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انھیں
وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ 18 كُلُوا وَاشْرَبُوا
دیں، اور ان کے رب نے انھیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا⑱ (انھیں کہا جائے گا:) خوب مزے سے
هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ 19 مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ
کھاؤ اور پیو، ان اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے⑲ جبکہ وہ باہم برابر بچھے تختوں پر تکیے لگائے

کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔" بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔ [12] الْمَسْجُورِ کے معنی ہیں: بھڑکائے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن بارش نازل ہوگی، اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد سمندر ہیں، ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی، جیسے فرمایا: وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (التکویر 81:6) "اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔" امام شوکانی نے اسی مفہوم کو اولیٰ قرار دیا ہے اور بعض نے مسجور کے معنی مملوء (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں، یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے، البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں، امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

[1] یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے، یعنی یہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہوگا۔ [2] مَوْرًا کے معنی ہیں: حرکت واضطراب۔ قیامت والے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہو گا، اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے ظرف ہے، یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جب آسمان تھرتھرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روئی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔ [3] یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی تکذیب واستہزا میں لگے ہوئے ہیں۔ [4] دَعًّا کے معنی ہیں: نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔ [5] یہ جہنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انھیں کہیں گے۔ [6] جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر کہا کرتے تھے، بتلاؤ! کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے۔ [7] یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندھے تھے، یہ عذاب بھی تمھیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ یہ تقریع وتوبیخ کے لیے انھیں کہا جائے گا ورنہ ہر چیز ان کے مشاہدے میں آ چکی ہوگی۔ [8] اہل کفر واہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ [9] یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین وجمیل بیویاں (حور عین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش ہوں گے کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گی اور مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَىٰ قَلْبِ بَشَرٍ (صحیح البخاري، حدیث: 4779) "جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے وہم وگمان میں ان کا گزر ہوا ہے۔" کا مصداق ہوں گی۔ [10] دوسرے مقام پر فرمایا: كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقة 69:24) "مزے سے کھاؤ پیو! ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔" اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بہت ضروری ہیں۔

Marfat.com

مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿20﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہوں گے[1] اور ہم انھیں سیاہ سفید موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے ⑳ اور جو لوگ ایمان

وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان سے

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ

ملا دیں گے، اور ہم ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے[2] ہر شخص اس کے عوض جو اس نے کمایا

بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿21﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا

گروی ہے ㉑[3] اور وہ جو چاہیں گے ان میں سے ہم انھیں (ہر طرح کے) پھل اور گوشت وافر

يَشْتَهُوْنَ ﴿22﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا

دیں گے ㉒[4] وہاں وہ (شراب کے چھلکتے) جام ایک دوسرے سے جھپٹ رہے ہوں گے[5] اس میں نہ

وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿23﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ

بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ (کا کام) ㉓[6] اور ان (کی خدمت) کے لیے ان کے آس پاس نوعمر لڑکے

لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿24﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

پھر رہے ہوں گے (ایسے حسین) جیسے وہ چھپا کر رکھے گئے موتی ہیں ㉔[7] اور وہ (اہل جنت) ایک

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿25﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا

دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر باہم (حال) پوچھیں گے ㉕[8] وہ کہیں گے: بلاشبہ ہم (اس سے) پہلے اپنے

[1] مَصْفُوْفَةٍ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے، گویا وہ ایک صف ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت 37:44) ''ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے۔'' [2] یعنی جن کے باپ اپنے اخلاص وتقویٰ اور عمل وکردار کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کر کے ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انھیں لے آئے، یعنی اہل ایمان پر دوگونہ احسان فرمائے گا۔ ایک تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا یہ کہ کم تر درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرما دے گا ورنہ دونوں کے ملاپ کا یہ طریقہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے کلاس والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل واحسان سے فروتر ہوگی، اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر آباء کے عملوں کی برکت سے ہوگا اور حدیث میں آتا ہے: ''اولاد کی دعا واستغفار سے آباء کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک شخص کے جب جنت میں درجے بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تیری اولاد کی تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔'' (مسند أحمد: 509/2) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے: ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، البتہ تین چیزوں کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسری: وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیسری: نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1631) [3] رَهِيْنٌ بمعنی مَرْهُوْنٌ (گروی شدہ چیز) ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہوگا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھا یا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بری) جزا دیا جائے گا۔ یا اس سے مراد صرف کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ○ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ○ (المدثر 74:38,39) ''ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہوگا۔ سوائے اصحاب الیمین (اہل ایمان) کے۔'' [4] اَمْدَدْنٰهُمْ بمعنی زِدْنَاهُم، یعنی خوب دیں گے۔ [5] يَتَنَازَعُوْنَ یَتَعَاطَوْنَ وَ یَتَنَاوَلُوْنَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ كَاْسًا اس پیالے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو کَاْسٌ نہیں کہتے۔ (فتح القدیر) [6] اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہوگی، اسے پی کر نہ کوئی بہکے گا کہ لغو گوئی کرے نہ اتنا مدہوش اور مست ہوگا کہ گناہ کا ارتکاب کرے۔ [7] یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انھیں نوعمر خادم بھی دیے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن وجمال اور صفائی ورعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی، جسے ڈھک کر رکھا گیا ہو تا کہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک دمک ماند نہ پڑے۔ [8] ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان وعمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے؟

Marfat.com

مُشْفِقِيْنَ ﴿26﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ
اہل وعیال میں (اللہ سے) ڈرا کرتے تھے ﴿26﴾ [1] پھر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں (جھلسا
السَّمُوْمِ ﴿27﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
دینے والی) لو کے عذاب سے بچالیا ﴿27﴾ [2] بلاشبہ ہم پہلے ہی اس (اللہ) کو پکارا کرتے تھے [3] بے شک وہی
الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿28﴾ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ
خوب احسان کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿28﴾ تو (اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ
وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿29﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ
اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے ﴿29﴾ [4] کیا وہ (کافر) کہتے ہیں: (یہ نبی) شاعر ہے
رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿30﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ
اور ہم اس کے بارے میں حوادثِ زمانہ (موت) کا انتظار کررہے ہیں؟ ﴿30﴾ [5] کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، یقیناً
مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿31﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ
میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿31﴾ [6] کیا ان کی عقلیں انھیں یہ سبق دیتی ہیں [7] یا
هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿32﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ
پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں؟ ﴿32﴾ [8] کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی یہ (قرآن) گھڑا ہے؟ بلکہ وہ
لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا
ایمان نہیں لاتے ﴿33﴾ [9] پھر (انھیں) چاہیے کہ اس (قرآن) جیسی ایک بات لے آئیں اگر وہ سچے
صٰدِقِيْنَ ﴿34﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿35﴾ اَمْ
ہیں ﴿34﴾ [10] کیا وہ بغیر کسی شے کے پیدا کیے گئے ہیں [11] یا وہی (خود اپنے) خالق ہیں؟ ﴿35﴾ [12] کیا انھوں نے
خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿36﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے ﴿36﴾ [13] کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے
رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿37﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ
ہیں؟ [14] یا وہ (ان پر) محافظ ونگران ہیں؟ ﴿37﴾ [15] کیا ان کے لیے کوئی سیڑھی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے

[1] یعنی اللہ کے عذاب سے، اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے، اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ تگ ودو بھی کرتا ہے۔ [2] السَّمُوْمِ لو، جھلس ڈالنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں، جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔ [3] یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذاب جہنم سے بچنے کے لیے دعا کرتے تھے۔ [4] اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں، ان کی طرف کان نہ دھریں، اس لیے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانے (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے جو کہ کاہن پر نہیں آتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں، وہ دانش وبصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے، ایک دیوانے سے اس طرح گفتگو کیوں کر ممکن ہے۔ [5] رَيْبَ کے معنی ہیں: حوادث، الْمَنُوْنِ موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مطلب ہے کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ زمانے کے حوادث سے شاید اس (محمد ﷺ) کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہوجائے جو اس کی دعوت توحید نے ہم سے چھین لیا ہے۔ [6] یعنی دیکھو! موت پہلے کسے آتی ہے۔ اور ہلاکت کس کا مقدر بنتی ہے؟ [7] یعنی یہ آپ کے بارے میں جو اس طرح اناپ شناپ جھوٹ اور غلط سلط باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سجھاتی ہیں؟ [8] نہیں بلکہ یہ سرکش اور گمراہ لوگ ہیں اور یہی سرکشی اور گمراہی انھیں ان باتوں پر برانگیختہ کرتی ہے۔ یعنی قرآن گھڑنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفر ہی ہے۔ [10] یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کردیں جو نظم، اعجاز و بلاغت، حسن بیان، ندرت اسلوب، تعیین حقائق اور حل مسائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ [11] یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انھیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ انھیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے تو ظاہر ہے اس کا انھیں پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے، وہ انھیں پیدا کرکے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟ [12] یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ [13] بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ [14] کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔ [15] الْمُصَيْطِرُ یا مُسَيْطِرٌ، سَطْرٌ سے ہے، لکھنے والا، جو محافظ ونگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے، اس لیے یہ محافظ اور نگران کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

Marfat.com

فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (38) اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ

(چڑھ کر آسمان کی باتیں) سن لیتے ہیں؟[1] پھر چاہیے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے آئے (38) کیا

وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ (39) اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمھارے لیے بیٹے؟ (39) کیا آپ ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں کہ وہ

مُّثْقَلُوْنَ (40) اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ (41)

(اس کے) تاوان سے بوجھ تلے دب گئے ہیں؟ (40)[2] یا ان کے پاس (علم) غیب ہے، تو وہ لکھتے ہیں (41)[3]

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (42)

کیا وہ کسی فریب کا ارادہ کرتے ہیں؟[4] تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی فریب خوردہ ہیں (42)[5] کیا ان کے لیے

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (43) وَاِنْ

اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے؟ اللہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں (43) اور اگر وہ آسمان سے

يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (44)

گرتا ہوا کوئی ٹکڑا بھی دیکھیں تو وہ کہیں گے: (یہ) تہ بہ تہ بادل ہے (44)[6] لہٰذا (اے نبی!) آپ انھیں (ان

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ (45)

کے حال پر) چھوڑ دیجیے، حتیٰ کہ وہ اپنے اس دن سے ملیں جس میں وہ بے ہوش کیے جائیں گے (45)

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (46) وَاِنَّ

اس دن انھیں ان کا فریب کچھ فائدہ نہیں دے گا، اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی (46) اور بلاشبہ

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کے لیے اس عذاب کے علاوہ (دنیا میں) بھی ایک عذاب ہے،[7] لیکن ان میں

لَا يَعْلَمُوْنَ (47) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

سے اکثر نہیں جانتے (47)[8] اور (اے نبی!) اپنے رب کے حکم (آنے) تک صبر کیجیے، بلاشبہ آپ ہماری

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (48) وَمِنَ الَّيْلِ

آنکھوں کے سامنے ہیں، اور جب آپ کھڑے ہوں،[9] تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے (48) اور

فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (49) ع

(کچھ حصہ) رات میں بھی، پس آپ اس کی تسبیح کیجیے[10] اور ستارے غروب ہونے کے بعد بھی (49)[11]

[1] یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیڑھی کے ذریعے سے یہ بھی محمد ﷺ کی طرح آسمانوں پر جا کر ملائکہ کی باتیں یا ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، وہ سن آئے ہیں۔ [2] یعنی اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو۔ [3] کہ ضرور ان سے پہلے محمد ﷺ مر جائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔ [4] یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ، جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔ [5] یعنی کید و مکر ان ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انھی کو ہو گا، جیسے فرمایا: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر 43:35) ''اور بری تدبیر والوں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔'' چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی جگہوں پر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔ [6] مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی باز نہ آئیں گے بلکہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب نہیں بلکہ ایک پر ایک بادل چڑھا آ رہا ہے جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔ [7] یعنی دنیا میں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (السجدة 21:32) ''بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو چھوٹا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔'' [8] اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب اس لیے ہیں تاکہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ نکتہ چونکہ نہیں سمجھتے، اس لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ ''منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 3089) [9] اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں: جب نماز کے لیے کھڑے ہوں جیسا کہ آغاز نماز میں: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ...... الخ پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ» (جامع الترمذي، حديث: 3433) ''اے اللہ! تو پاک ہے اور تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے معافی اور توبہ کا طلبگار ہوں۔'' [10] اس سے مراد قیام اللیل، یعنی نماز تہجد ہے، جو عمر بھر نبی ﷺ کا معمول رہا۔ [11] أَيْ وَقْتَ إِدْبَارِهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ۔ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، نوافل میں سب

Marfat.com

اٰيَاتُهَا:62 سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا:3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى 1 مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى 2 وَمَا
قسم ہے ستارے کی جب وہ گرتا ہے ① تمھارا ساتھی نہیں بہکا اور نہ وہ بھٹکا ہے ② اور وہ (اپنی)
يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى 3 اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى 4 عَلَّمَهٗ
خواہش سے نہیں بولتا ③ وہ وحی ہی تو ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے ④ اسے مضبوط قوتوں
شَدِيْدُ الْقُوٰى 5 ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى 6
والے (جبریل) نے سکھایا ⑤ جو نہایت طاقتور ہے، سو وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوگیا ⑥
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى 7 ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى 8 فَكَانَ
جبکہ وہ (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا ⑦ پھر وہ قریب ہوا، اور اتر آیا ⑧ تو وہ دو کمانوں جتنا
قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى 9 فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى 10
بلکہ اس سے بھی قریب ہوگیا ⑨ پھر اس نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی ⑩ اس
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى 11 اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى
(رسول) نے جو کچھ دیکھا، اس کے دل نے (اس کے متعلق) جھوٹ نہیں بولا ⑪ کیا پھر تم اس چیز پر

سے زیادہ اس کی نبی ﷺ حفاظت فرماتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث:1169) اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔'' (صحيح مسلم، حديث: 725، وجامع الترمذي، حديث:416)

یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا، چنانچہ یہ کفر ہی کی حالت میں مارا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4863) بعض طرق میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ ﷺ کے سامنے کی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ (صحيح البخاري، حديث:1073) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔ 1 بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم۔ هَوٰى اوپر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔ 2 یہ جواب قسم ہے۔ صَاحِبُكُمْ (تمھارا ساتھی) کہہ کر نبی ﷺ کی صداقت کو واضح تر کیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمھارے ساتھ اور تمھارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمھارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمھارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہوسکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت: راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت: وہ کجی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ بیان فرمائی۔ 3 یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ (جامع الترمذي، حديث:1990) اسی طرح حالت غضب میں آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (سنن أبي داود، حديث:3646) 4 اس سے مراد جبرائیل فرشتہ ہے جو قوی اعضاء کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔ 5 یعنی جبرائیل، یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔ 6 یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی ﷺ کے قریب ہوئے۔ 7 بعض نے ترجمہ کیا ہے: دو ہاتھوں کے بقدر، یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔ 8 یعنی جبرائیل علیہ السلام اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے، وہ انھوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا۔ 9 یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا، اس کو

Marfat.com

مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً

اس (نبی) سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے ⑫ اور البتہ تحقیق اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک بار

اُخْرٰى ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا

اور بھی اترتے دیکھا ⑬ سدرۃ المنتہیٰ (آخری حد کی بیری) کے قریب ⑭ [1] اس کے نزدیک ہی جنت

جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ

الماویٰ ہے ⑮ [2] اس وقت بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا ⑯ [3] نگاہ نہ تو بہکی اور نہ حد سے

وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

بڑھی ⑰ [4] البتہ تحقیق اس (رسول) نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ⑱ [5] کیا تم

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ⑳

نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟ ⑲ اور تیسری (دیوی) مناۃ کو جو گھٹیا ہے ⑳ [6]

آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

[1] یہ لَیْلَةُ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، اس کا بیان ہے۔ یہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى ایک بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی یہیں سے وصول کرتے ہیں۔ [2] اسے جَنَّةُ الْمَاْوٰى اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ روحیں یہاں آ کر جمع ہوتی ہیں۔ (فتح القدير) [3] سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن كثير وغيره) اسی مقام پر نبی ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث: 173) مغفرت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ یا تو ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر کے جنت میں بھیج دے گا یا پھر سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا دائمی ٹھکانا بالآخر جنت ہی ہے بشرطیکہ وہ شرک سے پاک ہو۔ [4] یعنی نبی ﷺ کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ (أيسر التفاسير) [5] جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات میں معراج کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے، اس لیے قرآن فہمی کے لیے احادیث صحیحہ سے استفادہ ناگزیر ہے، چنانچہ معراج کی جو تفصیل احادیث میں بیان ہوئی ہے، اس پر ایمان رکھنا اور اسے ان آیات کی توضیح و تشریح سمجھنا چاہیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات۔ ایک تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دارالسلام) [6] یہ مشرکین کی توبیخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی تو یہ شان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں، جنھیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں۔ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے: لَاتَ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین اپنے بتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے نام مشتق کرتے تھے اور لَات کو لفظ اللہ سے مشتق کیا ہے۔ بعض کے نزدیک لَاتَ يَلِيتُ سے ہے جس کے معنی موڑنے کے ہیں، پجاری اپنی گردنیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے، اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللّٰتَ میں تاء مشدد ہے۔ لَتَّ يَلُتُّ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا، پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو ثَقِیف کا سب سے بڑا بت تھا۔ الْعُزّٰى کہتے ہیں: یہ اللہ کے صفاتی نام عَزِيزٌ سے ماخوذ ہے اور یہ أَعَزُّ کی تانیث ہے بمعنی عَزِيْزَةٌ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ابیض تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔ مَنٰوةَ مَنَى يَمْنِي سے ہے جس کے معنی صَبٌّ (بہانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا۔ (فتح القدير) یہ قُدَيْد کے بالمقابل مُشَلّل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس بت کا طواف بھی کرتے تھے۔ (أيسر التفاسير و ابن كثير) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے

Marfat.com

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿21﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿22﴾
کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟﴿21﴾ [1] یہ تو پھر بڑی ہی بے انصافی کی تقسیم ہے﴿22﴾ [2]
إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ
یہ تو محض چند نام ہی ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی
اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
دلیل و برہان نازل نہیں کی، وہ لوگ تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کی جو ان کے دل چاہتے
الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿23﴾ أَمْ
ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آچکی ہے﴿23﴾ کیا انسان کے لیے
لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿24﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿25﴾ ع وَكَم
(ہر چیز میسر) ہے جو وہ تمنا کرے؟﴿24﴾ [3] چنانچہ اللہ ہی کے لیے ہے آخرت اور دنیا﴿25﴾ [4] اور
مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ
آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی مگر بعد ازاں کہ اللہ
أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿26﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے﴿26﴾ [5] بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے
بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ ﴿27﴾ وَمَا لَهُم بِهِ
وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں﴿27﴾ حالانکہ انھیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ تو
مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ
بس گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور بلاشبہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ
الْحَقِّ شَيْئًا ﴿28﴾ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ
نہیں دیتا﴿28﴾ لہٰذا (اے نبی!) آپ اس سے اعراض کریں جو ہمارے ذکر سے پھرے (اور منہ موڑے)
إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿29﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
اور وہ صرف دنیاوی زندگی چاہتا ہو﴿29﴾ ان کے علم کی یہی انتہا ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب
أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿30﴾
جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا، اور وہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جس نے ہدایت پائی﴿30﴾
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ
اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو جنھوں نے برے
أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿31﴾
کام کیے، ان کے اعمال کی سزا دے، اور ان لوگوں کو جنھوں نے اچھائیاں کیں، اچھا بدلہ دے﴿31﴾ [6] وہ لوگ

بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کرادیں، ان درختوں کو کٹوا دیا جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی وغیرہم رضی اللہ عنہم کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انھوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن کثیر) قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوۃ شیخ محمد رحمہ اللہ بن عبدالوہاب کو توفیق دی، انھوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ والیٔ نجد وحجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبوی عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کا احیاء فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی ''مزار'' ''دربار'' یا ''آستانہ'' ہے جس کی پرستش کی جاتی ہو، جس طرح کہ اکثر اسلامی ممالک میں ''قبر پرستی'' کی شکل میں شرک، کے مظاہر عام ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

[1] مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔ [2] ضِيزَىٰ حق وصواب سے ہٹی ہوئی۔ [3] یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انھیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ [4] یعنی وہی ہوگا جو وہ چاہے گا کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ [5] یعنی فرشتے جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انھی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی۔ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا جبکہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے۔ [6] یعنی ہدایت اور گمراہی

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ

جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں[1] اِلّا یہ کہ کوئی صغیرہ گناہ (سرزد) ہو،[2] بے شک آپ

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ

کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمھیں (اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب اس نے تمھیں

مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے،[3] لہٰذا تم اپنے آپ کی پاکی بیان نہ کرو،[4] وہ

فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (32) اَفَرَءَیْتَ

اسے (بھی) خوب جانتا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا (32) کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جو پھرا (اور جس

الَّذِیْ تَوَلّٰى (33) وَ اَعْطٰى قَلِیْلًا وَّ اَكْدٰى (34) اَعِنْدَهٗ

نے حق سے روگردانی کی) (33) اور اس نے تھوڑا سا (مال) دیا، اور (پھر دینا) روک دیا (34) [5] کیا اس کے پاس

عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰى (35) اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ

علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟ (35) [6] کیا اسے ان (باتوں) کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے

صُحُفِ مُوْسٰى (36) وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى (37)

صحیفوں میں ہیں؟ (36) اور ابراہیم جس نے (صحیفوں میں جو باتیں تھیں، انھیں) ٹھیک پہنچا دیا؟ (37)

ع 2/7 6

اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے تاکہ نیکوکار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یہ جملہ معترضہ ہے اور لِیَجْزِیَ کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔ (فتح القدیر)

[1] كَبٰٓىِٕرَ كَبِیْرَةٌ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی وعید ہے یا جس کے مرتکب کی قرآن و حدیث میں سخت مذمت مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علماء نے انھیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے، جیسے کتاب الکبائر للذھبي اور الزواجر وغیرہ الْفَوَاحِشَ فَاحِشَةٌ کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، لواطت وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو ''تہذیب'' سمجھ لیا گیا ہے حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس ''تہذیب بے حیائی'' کو اپنا لیا ہے، چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وتیرہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، درآں حالیکہ یہ سب ''فواحش'' میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے، وہ کبائر و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔ [2] اللَّمَمَ کے لغوی معنی ہیں: کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں۔ اَلَمَّ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔) اَلَمَّ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھایا) اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا یا اس کے قریب ہونا یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا یا محض دل میں خیال کا گزرنا، یہ سب صورتیں لَمَمْ کہلاتی ہیں۔ (فتح القدیر) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ ارتکاب کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرما دے گا۔ [3] اَجِنَّةٌ جَنِیْنٌ کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے اور اس میں ستر اور چھپنے کا معنی پایا جاتا ہے اور اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔ [4] یعنی جب اس سے تمھاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں حتیٰ کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمھیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمھارے تمام احوال سے وہ واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔ [5] یعنی تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا۔ اَكْدٰى کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں اَكْدٰى۔ یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچائے۔ [6] یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا۔ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض

Marfat.com

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (38) وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسٰنِ
یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (38) اور یہ کہ انسان کے لیے بس وہی
اِلَّا مَا سَعٰى (39) وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (40) ثُمَّ يُجْزٰىهُ
کچھ ہے جس کی اس نے سعی کی (39) [1] اور بلاشبہ اس کی سعی جلد دیکھی جائے گی (40) [2] پھر اسے پوری
الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى (41) وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (42)
پوری جزا دی جائے گی (41) اور بے شک (سب کا) آپ کے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے (42) اور
وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (43) وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا (44)
بلاشبہ وہی ہنساتا اور وہی رلاتا ہے (43) اور بے شک وہی مارتا اور وہی زندہ کرتا ہے (44) اور بلاشبہ
وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (45) مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا
اسی نے جوڑا (یعنی) نر اور مادہ پیدا کیے (45) نطفے سے جب وہ (رحم میں) ڈالا
تُمْنٰى (46) وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى (47) وَاَنَّهٗ هُوَ
جاتا ہے (46) اور بلاشبہ دوسری (بار) پیدائش بھی اسی کے ذمے ہے (47) اور بے شک وہی غنی کرتا
اَغْنٰى وَاَقْنٰى (48) وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (49) وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادًا
اور سرمایہ دار بناتا ہے (48) [3] اور یقیناً وہی شِعریٰ (ستارے) کا رب ہے (49) [4] اور بلاشبہ اسی نے پہلے
الْاُوْلٰى (50) وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى (51) وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ
عادیوں کو ہلاک کیا (50) [5] اور ثمود کو بھی، پھر اس نے (کسی کو بھی) باقی نہ چھوڑا (51) اور (ان سے)
اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى (52) وَالْمُؤْتَفِكَةَ
پہلے قوم نوح کو بھی، بلاشبہ وہ نہایت ظالم اور بڑے سرکش تھے (52) اور اس نے الٹی ہوئی بستیوں کو
اَهْوٰى (53) فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى (54) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
(زمین پر) دے مارا (53) [6] پھر اس بستی کو ڈھانپ لیا جس (سنگ باری) نے ڈھانپ لیا (54) [7] پھر

بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الٰہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔ [1] یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہوگا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انھی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی۔ (اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم کے لوگ اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں)، البتہ اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص سے اس کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل، عمل خیر ہوتا تو صحابہ اسے ضرور اختیار کرتے اور عبادات و قربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا، البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی ﷺ نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، حديث:4454) صدقہ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ (یٰسٓ 36:12) ”اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان کے اگلے اور پیچھے چھوڑے ہوئے اعمال کو۔“ اسی طرح وہ علم جس کی اس نے لوگوں میں نشر و اشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصداق حدیث نبوی: إلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا (سنن أبي داود، حديث:4609) ”جس نے کسی کی ہدایت کی طرف راہنمائی کی تو اسے پیروی کرنے والوں کی مثل ثواب ملے گا اور یہ ان میں سے کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔“ اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا، اس لیے یہ حدیث، آیت کے منافی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) [2] یعنی دنیا میں اس نے اچھا یا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت والے دن سامنے آ جائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔ [3] یعنی کسی کو اتنی تونگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔ [4] رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔ [5] قوم عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں: عاد نامی دو قومیں گزری ہیں، یہ پہلی ہے جسے بادتند سے ہلاک کیا گیا جبکہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔ [6] اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی

Marfat.com

رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿55﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ

(اے انسان!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرے گا؟ ﴿55﴾ یہ[1] (رسول) تو پہلے ڈرانے

الْاُوْلٰى ﴿56﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿57﴾ لَيْسَ لَهَا

والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے ﴿56﴾ قریب آنے والی (قیامت) قریب آ گئی ﴿57﴾ اس (قیامت)

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿58﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ

کو اللہ کے سوا کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ﴿58﴾ کیا پھر اس بات (قرآن) پر تم تعجب

تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿60﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿61﴾

کرتے ہو؟ ﴿59﴾ [2] اور تم ہنستے ہو، اور روتے نہیں ﴿60﴾ اور تم غفلت و اعراض کرنے والے ہو ﴿61﴾ اب

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿62﴾ ع السجدة

تم (باز آجاؤ اور) اللہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو ﴿62﴾ [3]

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ

اٰياتها: 55 | رکوعاتها: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿1﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا

قیامت بہت قریب آ گئی[4] اور چاند پھٹ گیا ﴿1﴾ [5] اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھیں تو منہ موڑتے اور

وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿2﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ

کہتے ہیں کہ (یہ) ہمیشہ سے چلا آتا ہوا جادو ہے ﴿2﴾ [6] اور انھوں نے (اسے) جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی

وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿3﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ

پیروی کی، اور ہر کام کا وقت مقرر ہے ﴿3﴾ [7] اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں[8] جن میں

مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿4﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿5﴾

تنبیہ و نصیحت ہے ﴿4﴾ [9] کمال کو پہنچی ہوئی حکمت،[10] پھر (بھی) تنبیہات فائدہ نہیں دیتیں ﴿5﴾ [11] لہٰذا (اے

بستیاں ہیں جن کو ان کی قوم پر الٹ دیا گیا۔ [7] یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

[1] یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا جبکہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا اخفا ہی۔ [2] بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تعجب والی کوئی بات ہے نہ استہزا و تکذیب والی۔ [3] یہ مشرکین اور مکذبین کی توبیخ کے لیے حکم دیا، یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کی بجائے، اس کا استہزا و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو، چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ نے اور صحابہ نے سجدہ کیا حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا جیسا کہ احادیث میں ہے۔ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔ [4] ایک تو باعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا کیونکہ جو باقی ہے، وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے، ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اپنی بابت فرمایا: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 6504، وصحيح مسلم، حديث: 2951، وجامع الترمذي، حديث: 2214) ''میں اور قیامت ایسے (متصل) بھیجے گئے ہیں، جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' اور آپ نے سبابہ اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا، یعنی نبی ﷺ کا وجود قیامت سے متصل ہے، آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔ [5] یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حراء کو اس کے درمیان دیکھا، یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4864، و صحيح مسلم، حديث: 2800) جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے۔ (فتح القدير) امام ابن کثیر لکھتے ہیں: علماء کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی ﷺ کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے، صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ [6] یعنی قریش نے ایمان لانے کے بجائے اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روش برقرار رکھی۔ [7] یہ کفار مکہ کی تکذیب اور اتباع اہواء کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہا ہے، وہ کام اچھا ہو یا برا، یعنی بالآخر اس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر اللہ کی مشیت مقتضی ہو ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔ [8] یعنی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انھوں نے تکذیب کی۔ [9] یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ ❊ مُزْدَجَرٌ اصل میں زجر سے مصدر میمی ہے۔ [10] یعنی ایسی بات جو تباہی سے پھیر دینے والی ہے یا یہ قرآن حکمت بالغہ ہے جس میں کوئی نقص یا خلل نہیں ہے، یا اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے اور جس کو گمراہ کرے، اس میں بڑی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

Marfat.com

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿6﴾

نبی!) ان سے منہ موڑ لیجیے، (یاد کریں) جس دن بلانے والا نہایت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا⑥ [1] ان

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

کی نگاہیں جھکی ہوں گی، وہ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ منتشر ٹڈی دل

مُّنْتَشِرٌ ﴿7﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

ہوں⑦ [2] درآں حالیکہ وہ بلانے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ [3] کافر کہیں گے: یہ دن نہایت سخت

يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿8﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا

ہے⑧ ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا، چنانچہ انھوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا: (یہ

وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿9﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ

تو) دیوانہ ہے، اور (اس کو) جھڑک دیا گیا⑨ [4] تب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں بے بس

فَانْتَصِرْ ﴿10﴾ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ

ہوں، اب تو ہی انتقام لے⑩ چنانچہ ہم نے زور سے برسنے والے پانی کے ساتھ آسمان کے دروازے

مُّنْهَمِرٍ ﴿11﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى

کھول دیے⑪ [5] اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیے، تو (آسمان اور زمین کا) پانی ایک امر پر مل گیا

الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿12﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿13﴾

جو بلاشبہ مقدر ہو چکا تھا⑫ [6] اور ہم نے اس (نوح) کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کیا⑬ [7] وہ ہماری

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿14﴾

آنکھوں کے سامنے چلتی تھی، (ہم نے یہ کیا) اس شخص کا انتقام لینے کی خاطر جس کا انکار کیا گیا تھا⑭ اور

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿15﴾

بلاشبہ یقیناً ہم نے اس (کشتی) کو ایک نشانی (بنا) چھوڑا، [8] پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟⑮ [9]

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿16﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟⑯ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿17﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ

آسان کیا ہے، [10] پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟⑰ (قوم) عاد نے تکذیب کی، پھر (دیکھو) میرا

---

[11] یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے، اس کو پیغمبروں کا ڈراوا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لیے تو إِنْذَار سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ "کافروں کو آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا ان پر برابر ہے۔" والی بات ہے۔ تقریباً اسی مفہوم کی یہ آیت ہے: قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الأنعام 149:6) "آپ کہیے کہ پس پوری حجت اللہ ہی کی رہی اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا کر دیتا۔"

[1] يَوْمَ سے پہلے اُذْكُرْ محذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ نُّكُرٍ نہایت ہولناک اور دہشت ناک۔ مراد میدان محشر اور موقف حساب کی ہولناکیاں اور آزمائشیں ہیں۔ [2] یعنی قبروں سے نکل کر وہ اس طرح پھیلیں گے اور موقف حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے، گویا ٹڈی دل ہے جو آناً فاناً فضائے بسیط میں پھیل جاتا ہے۔ [3] مُّهْطِعِيْنَ : مُسْرِعِيْنَ دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔ [4] وَّازْدُجِرَ : وَازْتُجِرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی نہیں کی بلکہ انھیں جھڑکا اور ڈرایا دھمکایا بھی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ○ (الشعرآء 116:26) "اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔" [5] مُّنْهَمِرٍ بمعنی کثیر یا زوردار۔ هَمْر، صَبّ (بہنے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب زور سے پانی برستا رہا۔ [6] یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کر وہ کام پورا کر دیا جو ازل میں لکھ دیا گیا تھا، یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔ [7] دُسُرٍ : دِسَارٌ کی جمع، وہ رسیاں جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے یا وہ کیلیں اور میخیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔
[8] تَّرَكْنٰهَاۤ : میں ضمیر کا مرجع سفينة ہے۔ یا فِعْلَة، یعنی تَرَكْنَا هٰذِهِ الْفِعْلَةَ الَّتِي فَعَلْنَاهَا بِهِمْ عِبْرَةً وَّمَوْعِظَةً (فتح القدير) "ہم نے ان کے انجام کو عبرت وموعظت کے لیے باقی رکھا۔" [9] مُّدَّكِرٍ : اصل میں مُذْتَكِرٍ ہے۔ تاء کو دال سے بدل دیا گیا اور ذال معجمہ کو دال بنا کر دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ معنی ہیں: عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدير) [10] یعنی اس کے مطالب ومعانی کو سمجھنا، اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز وبلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود، کوئی شخص تھوڑی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معانی وبلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے، اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو لفظ بلفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سے چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل

Marfat.com

عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿18﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ
عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟ (18) بلاشبہ ہم نے ان پر ایک مستقل نحوست والے دن میں شدید طوفانی
نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿19﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ
ہوا بھیجی (19) [1] وہ لوگوں کو یوں اکھاڑتی (پھینکتی) تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے کھجور کے تنے
مُّنْقَعِرٍ ﴿20﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿21﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
ہیں (20) [2] پھر میرا عذاب اور میرا ڈراوا کیسا تھا؟ (21) اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے
ع 1/22/8 لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿22﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿23﴾ فَقَالُوْٓا
آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟ (22) (قوم) ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا (23) تو
اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ
انھوں نے کہا: بھلا ایک ایسا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے، ہم اس کی پیروی کریں؟ بلاشبہ ہم تو تب گمراہی
وَّسُعُرٍ ﴿24﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ
اور دیوانگی میں ہوں گے (24) [3] کیا ہمارے درمیان سے اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ
كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿25﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿26﴾
سخت جھوٹا اور شیخی باز ہے (25) [4] کل ہی وہ جان لیں گے کون کذاب اور شیخی باز ہے؟ (26) [5] بلاشبہ ہم
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ
ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے (چٹان سے نکالنے) والے ہیں، [6] لہٰذا (اے صالح!) تو ان (کے
وَاصْطَبِرْ ﴿27﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ
انجام) کا انتظار کر اور صبر کر (27) [7] اور انھیں بتا دے کہ بے شک پانی ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان تقسیم
شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿28﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
ہوگا، [8] ہر ایک (اپنی) باری پر حاضر ہوگا (28) [9] پھر انھوں نے اپنے (ایک) ساتھی کو پکارا [10] تو اس نے (تلوار)
فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿29﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿30﴾
پکڑی [11] پھر اس نے کونچیں کاٹیں (اور اسے مار ڈالا) (29) پھر (دیکھو) میرا عذاب اور ڈراوا کیسا تھا؟ (30)

ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے دریچے وا رکھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

[1] کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی، جب اس تند، یخ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل 7 راتیں اور 8 دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اٹھاتی اور اس طرح زور سے انھیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ ﴿مُسْتَمِرٍّ﴾ کا مطلب ہے، یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔ [2] یہ درازیٔ قد کے ساتھ ان کی بے بسی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الٰہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درآں حالیکہ انھیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ ﴿اَعْجَازُ﴾ عَجُزٌ کی جمع ہے جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ ﴿مُنْقَعِرٍ﴾ اپنی جڑ سے اکھڑ جانے اور کٹ جانے والا، یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح جو اپنی جڑ سے اکھڑ اور کٹ چکے ہوں، ان کے لاشے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ [3] یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا، ان کے نزدیک گمراہی اور دیوانگی تھی۔ ﴿سُعُرٍ﴾ سَعِيْرٌ کی جمع ہے، آگ کی لپٹ۔ یہاں اس کو دیوانگی یا شدت و عذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ [4] ﴿اَشِرٌ﴾ بمعنی مُتَكَبِّر یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بہت بڑا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آنی تھی۔ یا اس ذریعے سے اس کا ہم پر اپنی بڑائی جتانا مقصود ہے۔ [5] یہ خود پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے یا حضرت صالح جن کو اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا۔ کل سے مراد قیامت کا دن ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔ [6] کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پتھر کی ایک چٹان سے ظاہر فرمائی تھی۔ [7] یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کر۔ [8] یعنی ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔ [9] مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے، دوسرا اس روز نہ آئے۔ ﴿شِرْبٍ﴾ حصۂ آب۔ [10] یعنی جس کو انھوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا جس کا نام قدار بن سالف بتلایا جاتا ہے، اس کو پکارا کہ وہ اپنا کام کرے۔ [11] یا تلوار یا اونٹنی کو پکڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے ﴿فَتَعَاطٰى﴾ کے معنی فَجَسَرَ کیے ہیں، پس اس نے جسارت کی۔

Marfat.com

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ
بلاشبہ ہم نے ان پر ایک ہی چنگھاڑ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح (چور
الْمُحْتَظِرِ ﴿31﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
چور) ہوگئے ﴿31﴾ [1] اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے تو کیا کوئی نصیحت
مُّدَّكِرٍ ﴿32﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿33﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
پکڑنے والا ہے؟ ﴿32﴾ قوم لوط نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا ﴿33﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان پر پتھر
حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿34﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ
برسانے والی ہوا بھیجی [2] سوائے آلِ لوط کے، ہم نے انھیں بوقت سحر نجات دی ﴿34﴾ [3] اپنے خاص فضل سے [4]
كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿35﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا
ہم اسی طرح اسے جزا دیتے ہیں جو شکر کرے ﴿35﴾ اور بلاشبہ یقیناً لوط نے انھیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا [5] تو
فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿36﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ
انھوں نے ڈراوے میں شک کیا ﴿36﴾ [6] اور بلاشبہ یقیناً انھوں نے لوط سے اس کے مہمان مانگے تھے [7] تو ہم
اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿37﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ
نے ان کی آنکھیں مٹادیں، [8] چنانچہ تم میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو ﴿37﴾ اور بلاشبہ یقیناً ان
بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿38﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿39﴾
پر صبح کے وقت اٹل عذاب نے حملہ کر دیا ﴿38﴾ [9] چنانچہ تم میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو ﴿39﴾
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿40﴾ ع وَلَقَدْ
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا، [10] پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟ ﴿40﴾ اور
جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿41﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا
بلاشبہ یقیناً آلِ فرعون کے پاس (بھی) ڈرانے والے آئے ﴿41﴾ [11] انھوں نے ہماری سب نشانیاں جھٹلائیں، [12]
فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿42﴾ اَكُفَّارُكُمْ
تو ہم نے انھیں ایک زبردست قدرت والے کے پکڑنے کی طرح پکڑ لیا ﴿42﴾ [13] (اے اہلِ عرب!) کیا

[1] حَظِيْرَةٌ بمعنی مَحْظُوْرَةٌ، باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ الْمُحْتَظِرِ اسم فاعل ہے صَاحِبُ الْحَظِيْرَةِ هَشِيْمٌ خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھیتی، یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔ [2] یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو کنکریاں مارتی تھی اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹا دیا گیا، اس طرح کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر، اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورۂ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔ [3] اٰلَ لُوْطٍ سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے۔ [4] یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔ [5] یعنی عذاب آنے سے پہلے ہماری سخت گرفت سے ڈرایا تھا۔ [6] لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔ [7] یا بہلایا یا مانگا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کو معلوم ہوا کہ چند خوبرو نوجوان لوط علیہ السلام کے ہاں آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان سے بدکاری کریں۔ [8] کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جب انھوں نے بدفعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انھیں مارا جس سے ان کی آنکھوں کے ڈھیلے ہی باہر نکل آئے بعض کہتے ہیں: صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہرحال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بدنیتی سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یا بینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے، پھر صبح اس عذاب عام میں تباہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن کثیر [9] یعنی صبح ان کے پاس عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ آ گیا۔ مُّسْتَقِرٌّ کے معنی: ان پر نازل ہونے والا جو انھیں ہلاک کیے بغیر نہ چھوڑے۔ [10] تَيْسِيْر قرآن (قرآن کے آسان کرنے) کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم و حفظ کو آسان کر دینا اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ [11] النُّذُرُ نَذِيْرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنی إِنْذَار مصدر ہے۔ (فتح القدیر) [12] وہ نشانیاں جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو ڈرایا۔ یہ نو نشانیاں تھیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ [13] یعنی ان کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ عذاب ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت

Marfat.com

خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ

تمھارے کافر ان (کافروں) سے بہتر ہیں؟[1] یا تمھارے لیے (سابقہ) صحیفوں میں کوئی نجات (لکھی

فِي الزُّبُرِ ﴿43﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿44﴾

ہوئی) ہے؟ ﴿43﴾ [2] کیا وہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم بدلے لینے والی جماعت ہیں ﴿44﴾ [3] عنقریب وہ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿45﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ

جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ﴿45﴾ [4] بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے، اور

وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿46﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿47﴾ يَوْمَ

قیامت بہت بڑی آفت اور نہایت تلخ ہے ﴿46﴾ [5] بلاشبہ مجرمین گمراہی اور دیوانگی میں (پڑے) ہیں ﴿47﴾ جس

يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ

دن وہ آگ میں اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے (کہا جائے گا:) تم جہنم (کے عذاب) کا چھونا

سَقَرَ ﴿48﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ وَمَآ

چکھو ﴿48﴾ [6] بلاشبہ ہم نے ہر چیز ایک مقرر اندازے کے مطابق پیدا کی ہے ﴿49﴾ [7] اور ہمارا حکم تو آنکھ

اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿50﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ

جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے ﴿50﴾ اور (اے اہل عرب!) بلاشبہ یقیناً ہم (پہلے) تم جیسوں کو[8]

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿51﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي

ہلاک کر چکے ہیں، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟ ﴿51﴾ اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے، وہ صحیفوں

الزُّبُرِ ﴿52﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿53﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

میں (درج) ہے ﴿52﴾ [9] اور ہر چھوٹا بڑا (عمل لوح محفوظ میں) لکھا ہوا ہے ﴿53﴾ [10] بلاشبہ متقین باغات

3 ع 15 10 فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿54﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿55﴾

اور نہروں میں ہوں گے ﴿54﴾ [11] حقیقی عزت کی جگہ [12] ہر طرح کی قدرت والے بادشاہ کے نزدیک ﴿55﴾ [13]

کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا۔

[1] یہ استفہام انکار، یعنی نفی کے لیے ہے، یعنی اے اہل عرب! تمھارے کافر گزشتہ کافروں سے بہتر نہیں ہیں، جب وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے تو تم جبکہ ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟ [2] اَلزُّبُرِ سے مراد گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں ہیں، یعنی کیا تمھاری بابت کتب منزلہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ قریش یا عرب جو مرضی کرتے رہیں، ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ [3] تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔ [4] اللہ نے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی، جماعت سے مراد کفار ہیں، چنانچہ بدر میں انھیں شکست ہوئی اور یہ پیٹھ دے کر بھاگے، رؤسائے شرک اور اساطین کفر ہلاک کر دیے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب نبی ﷺ نہایت الحاح وزاری سے اپنے خیمے میں مصروف دعا تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «حَسْبُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ» ”بس کیجیے اللہ کے رسول! آپ نے رب کے سامنے بہت الحاح وزاری کر لی۔“ چنانچہ آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہی مذکورہ آیت تھی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4877) [5] اَدْهٰى دَهَاءٌ سے ہے، سخت رسوا کرنے والا، اَمَرُّ مَرَارَةٌ سے ہے، نہایت کڑوا، یعنی دنیا میں جو یہ قتل کیے گئے، قیدی بنائے گئے وغیرہ، یہ ان کی آخری سزا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی جائیں گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ [6] سَقَرَ بھی جہنم کا نام ہے، یعنی اس کی حرارت اور شدت عذاب کا مزہ چکھو۔ [7] ائمۂ سنت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الٰہی کا اثبات کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا اور اس نے سب کی تقدیر لکھ دی ہے اور فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جس کا ظہور عہد صحابہ کے آخر میں ہوا۔ (ابن کثیر) [8] یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو جو کفر میں تمھارے ہی جیسے تھے۔ اَشْيَاعَكُمْ أَيْ أَشْبَاهَكُمْ وَنُظَرَاءَكُمْ (فتح القدير) [9] یا دوسرے معنی ہیں، لوح محفوظ میں درج ہیں۔ [10] یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال وافعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشقیاء کے ذکر کے بعد اب سعداء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ [11] یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ نَهَرٍ بطور جنس کے ہے جو جنت کی تمام نہروں کو شامل ہے۔ [12] مَقْعَدِ صِدْقٍ عزت کی بیٹھک یا مجلس حق، جس میں گناہ کی بات ہو گی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔ [13] مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ قدرت والا بادشاہ، یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ عِنْدَ (پاس) اس میں اس شرف ومنزلت اور عزت واحترام کا بیان ہے جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہو گا۔

Marfat.com

اٰیَاتُھَا:78 | سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ✽ | رُکُوْعَاتُھَا:3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ (1) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (2) خَلَقَ الْاِنْسَانَ (3) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (4)

(اللہ) رحمٰن نے (1) قرآن سکھایا (2) [1] اسی نے انسان کو پیدا کیا (3) [2] اسے بولنا سکھایا (4) [3] سورج اور

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (5) وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (6)

چاند ایک حساب سے (چلتے) ہیں (5) [4] اور بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں (6) [5] اور آسمان کو اسی

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ (7) اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (8)

(رحمٰن) نے بلند کیا، اور اسی نے ترازو رکھی (7) [6] تاکہ تم ترازو میں حد سے تجاوز نہ کرو (8) [7] اور تم

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (9) وَالْاَرْضَ

انصاف سے وزن کو درست رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو (9) اور اسی نے زمین کو مخلوق کے لیے

وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (10) فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ (11)

بچھایا (10) اس میں لذیذ پھل اور کھجور کے درخت ہیں جن کے شگوفے غلافوں میں لپٹے ہوتے ہیں (11) [8]

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ (12) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اور بھوسے والے دانے (اناج) [9] اور خوشبو دار پھول ہیں (12) پھر (اے جن وانس!) تم دونوں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (13) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (13) [10] اس نے انسان کو ٹھیکرے جیسی کھنکتی مٹی سے

✽اس کو بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ مکی ہے۔ (فتح القدير) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ پڑھتا تو وہ اس کے جواب میں کہتے: «لا بشيء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد» (جامع الترمذي، حديث: 3291، وذكره الألباني في صحيح سنن الترمذي: 341/3) ''اے اللہ! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔'' اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی اور سامع کو یہ جواب دینا چاہیے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ نماز کا نہیں ہے، اس لیے نماز میں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

[1] کہتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رحمٰن کیا ہے۔ قرآن سکھانے کا مطلب ہے، اسے آسان کر دیا یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے اسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدير) [2] یعنی یہ بندر وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں جیسا کہ ڈارون کا فلسفۂ ارتقا ہے بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔ [3] اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے از خود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ [4] یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔ [5] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ...... الآية (الحج 18:22) ''سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔'' [6] یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحديد 25:57) ''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں، کتاب اور میزان (ترازو) دے کر بھیجا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔'' [7] یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔ [8] اَلْاَكْمَامِ كِمٌّ کی جمع ہے، وِعَاءُ التَّمْر کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔ [9] اَلْحَبُّ سے مراد ہر وہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خشک ہو کر اس کا پودا بھس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔ [10] یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے۔ یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے: میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدير)

Marfat.com

كَالْفَخَّارِ ﴿14﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿15﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
پیدا کیا⑭ [1]اور اس نے جن کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا⑮ [2]پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿16﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿17﴾
سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟⑯ [3](وہی) دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے⑰ [4]پھر تم دونوں اپنے
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿18﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿19﴾
رب کی کون کون سے نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟⑱ رحمٰن نے دو سمندر جاری کیے جو باہم ملتے ہیں⑲ ان
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿20﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے، وہ دونوں (اس سے) تجاوز نہیں کرتے⑳ [5]پھر تم دونوں اپنے رب کی
تُكَذِّبٰنِ ﴿21﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿22﴾
کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟㉑ ان دونوں سمندروں سے موتی اور مرجان (مونگے) نکلتے ہیں㉒ [6]
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿23﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ
پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟㉓ [7]اور اسی کے ہیں چلنے والے جہاز (اور

[1] صَلْصَالٍ۔ خشک مٹی، جس میں آواز ہو۔ فَخَّارٌ آگ میں پکی ہوئی مٹی جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کا پہلے مٹی سے پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حواء کو پیدا فرمایا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔ [2] اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابوالجن ہے یا جن بطور جنس کے ہے جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ مَّارِجٍ آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔ [3] یعنی تمھاری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟ [4] ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے، اس لیے دونوں کو تثنیہ ذکر کیا ہے، موسموں کے اعتبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ [5] مَرَجَ بمعنی اَرْسَلَ جاری کر دیے۔ اس کی تفصیل سورۂ فرقان 53:25 میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے میٹھے پانی کے دریا ہیں جن سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کا پانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی میٹھے پانی کی لہریں چلتی ہیں اور یہ دونوں لہریں آپس میں نہیں ملتیں بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر میٹھے پانی کی لہریں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تہ میں نیچے چشمۂ آب شیریں جیسا کہ واقعتاً بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر میٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے، وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا دریائی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ بَرْزَخٌ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ [6] اَلْمَرْجَانُ سے چھوٹے موتی یا پھر مونگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنے مونہہ کھول دیتی ہیں، جو قطرہ ان کے اندر پڑ جاتا ہے، وہ موتی بن جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ موتی وغیرہ میٹھے پانی کے دریاؤں سے نہیں بلکہ صرف آب شور، یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں لیکن قرآن نے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موتی نکلتے ہیں۔ چونکہ موتی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں، اس لیے اس کی شہرت ہو گئی ہے، تاہم شیریں دریاؤں سے اس کی نفی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ میٹھے دریا میں بھی موتی ہوتے ہیں، البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موتی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے، ان میں سے کسی ایک سے بھی موتی نکل جائیں تو ان پر تثنیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ شیریں دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لیے گو منبع دریائے شور ہی ہوئے لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات اور تکلّفات کی ضرورت نہیں۔ واللہ أعلم. [7] یہ جواہر اور موتی زیب و زینت اور حسن و جمال کا مظہر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انھیں اپنے ذوق جمال کی تسکین اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

Marfat.com

فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿24﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کشتیاں) جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں ﴿24﴾ [1] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون

تُكَذِّبٰنِ ﴿25﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿26﴾ وَّيَبْقٰى

کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿25﴾ [2] ہر چیز، جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے ﴿26﴾ اور آپ

ع 1 ‏25 ‏11 النصف

وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

کے رب ذوالجلال والاکرام کا چہرہ باقی رہے گا ﴿27﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿28﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿28﴾ [3] جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اسی سے مانگتا ہے،[4] وہ ہر روز (ہر وقت)

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿29﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿30﴾

ایک (نئی) شان میں ہوتا ہے ﴿29﴾ [5] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿30﴾ [6]

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿31﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اے دو بھاری گروہو! (جن وانس) عنقریب ہم تمھارے (حساب کے) لیے فارغ ہوں گے ﴿31﴾ [7] پھر تم

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿32﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ

دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿32﴾ اے گروہ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے

اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

کناروں سے نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ،[8] قوت اور غلبے کے بغیر تو تم نکل ہی نہیں سکتے

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿33﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿34﴾

(اور وہ قوت تم میں کہاں!) ﴿33﴾ [9] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿34﴾ تم

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ

دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا،[10] پھر تم (اس کے مقابلے میں) ایک دوسرے کی

فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿35﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿36﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ

مدد نہ کر سکو گے ﴿35﴾ [11] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿36﴾ پھر جب

السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿37﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح لال ہو جائے گا ﴿37﴾ [12] پھر تم دونوں اپنے رب کی

[1] الْجَوَارِ جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع اور محذوف موصوف کی صفت ہے۔ الْمُنْشَـٔتُ کے معنی مرفوعات ہیں، یعنی بلند کی ہوئیں، مراد بادبان ہیں جو بادبانی کشتیوں میں جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی مصنوعات کے کیے ہیں، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔ [2] ان کے ذریعے سے بھی نقل وحمل کی جو آسانیاں ہیں، محتاج وضاحت نہیں، اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ [3] فنائے دنیا کے بعد جزا وسزا، یعنی عدل کا اہتمام ہوگا، لہٰذا یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے جس پر شکر الٰہی واجب ہے۔ [4] یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں۔ [5] ہر روز کا مطلب، ہر وقت۔ شَاْنٍ کے معنی امر یا معاملہ، یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے، کسی کو بیمار کر رہا ہے، کسی کو شفایاب، کسی کو تونگر بنا رہا ہے تو کسی تونگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلندیوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو پستی میں گرا رہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر ومشیت سے ہو رہے ہیں اور شب وروز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرة 2:255) ''وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا ہے، جسے اونگھ آئے نہ نیند۔'' [6] اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور ومعاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔ [7] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورۃً بولا گیا ہے جس کا مقصد وعید وتہدید ہے۔ ثَقَلَیْنِ (جن وانس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو تکالیف شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے، اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق مستثنیٰ ہے۔ یا اس لیے کہ یہ زندہ ہوں یا مردہ، زمین پر بوجھ ہیں کیونکہ ثقل کے معنی بوجھ کے ہیں۔ [8] یہ تہدید بھی نعمت ہے کہ اس سے بدکار، بدیوں کے ارتکاب سے باز آجائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔ [9] یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا سے تم بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو تو چلے جاؤ لیکن یہ طاقت کس میں ہے۔ اور بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تہدید ہے جو مذکورہ تہدید کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا جبکہ فرشتوں نے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھا ہوگا۔ دونوں ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ [10] مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت والے دن کہیں بھاگ کر گئے بھی تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر یا پگھلا ہوا تانبا تمھارے سروں پر ڈال کر تمھیں واپس لے آئیں گے۔ نُحَاسٌ کے دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں۔ [11] یعنی اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی تم قدرت نہیں رکھو گے۔ [12] قیامت والے دن آسمان پھٹ

Marfat.com

تُكَذِّبٰنِ ﴿38﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿38﴾ پھر اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی

وَّلَا جَآنٌّ ﴿39﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿40﴾ يُعْرَفُ

بابت نہیں پوچھا جائے گا﴿39﴾ [1] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿40﴾ مجرم

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ

اپنے چہرے کی علامت ہی سے پہچان لیے جائیں گے،[2] پھر وہ پیشانی کے بالوں اور قدموں سے

وَالْاَقْدَامِ ﴿41﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

پکڑے (اور گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے) جائیں گے ﴿41﴾ [3] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی

تُكَذِّبٰنِ ﴿42﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿43﴾

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿42﴾ (انھیں کہا جائے گا:) یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلاتے تھے﴿43﴾ وہ

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿44﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جہنم کے درمیان اور سخت گرم کھولتے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے ﴿44﴾ [4] پھر تم دونوں اپنے

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿45﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿45﴾ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا

جَنَّتٰنِ ﴿46﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿47﴾

اس کے لیے دو باغ ہیں ﴿46﴾ [5] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿47﴾ (وہ) دونوں

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿48﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿49﴾

بہت زیادہ شاخوں والے ہیں ﴿48﴾ [6] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿49﴾ ان

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿50﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

دونوں (باغوں) میں دو چشمے جاری ہوں گے ﴿50﴾ [7] پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ

تُكَذِّبٰنِ ﴿51﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿52﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

گے؟﴿51﴾ ان دونوں (باغوں) میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی ﴿52﴾ [8] پھر تم دونوں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿53﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا

کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿53﴾ (اہل جنت) ایسی مسندوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے جن

مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿54﴾ فَبِاَيِّ

کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے،[9] اور ان دونوں باغوں کے پھل قریب ہی ہوں گے ﴿54﴾ [10] پھر تم دونوں اپنے

پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نار جہنم کی شدت حرارت سے پگھل کر سرخ نری کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دِھَانٌ سرخ چمڑہ۔

[1] یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہوگا اور اللہ کے علم ازلی میں بھی، البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے۔ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضاء خود بول کر ہر بات بتلائیں گے۔ [2] یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہوگی کہ ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔ [3] فرشتے ان کی پیشانیاں ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے یا کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انھیں پکڑیں گے۔ [4] یعنی کبھی انھیں جحیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی مَآءٌ حَمِيْمٌ (گرم پانی) پینے کا عذاب۔ اٰنٍ گرم، یعنی سخت کھولتا ہوا گرم پانی، جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ دے گا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ [5] جیسے حدیث میں آتا ہے: ”دو باغ چاندی کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب سونے کے ہی ہوں گے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 4878) بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین (مقربین) اور چاندی کے باغ عام مومنین (اصحاب الیمین) کے لیے ہوں گے۔ (ابن کثیر) [6] یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گہرا ہوگا، نیز پھلوں کی کثرت ہوگی کیونکہ کہتے ہیں ہر شاخ اور ٹہنی پھلوں سے لدی ہوگی۔ (ابن کثیر) [7] ایک کا نام تَسْنِیم اور دوسرے کا سَلْسَبِیل ہے۔ [8] یعنی ذائقے اور لذت کے اعتبار سے ہر پھل دو قسم کا ہوگا، یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے۔ بعض نے کہا کہ ایک قسم خشک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہوگی۔ [9] اَبْرا یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر (اَبْرا) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا۔ [10] اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ (الحآقة 69:23) ”جس کے میوے قریب ہوں گے۔“

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿55﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿55﴾ ان میں جھکی نظروں والی (شرمیلی اور باحیا حوریں) ہوں گی[1]
لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿56﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
ان سے پہلے انھیں کسی انسان اور کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا[2]﴿56﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿57﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿58﴾ فَبِاَيِّ
کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿57﴾ گویا وہ ہیرے اور موتی (مونگے) ہیں[3]﴿58﴾ پھر تم دونوں اپنے
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿59﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿60﴾
رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿59﴾ احسان کی جزا تو احسان ہی ہے[4]﴿60﴾ پھر تم دونوں
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿61﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿62﴾
اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿61﴾ دو باغوں کے علاوہ دو باغ (اور) ہیں[5]﴿62﴾ پھر
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿63﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿64﴾
تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿63﴾ (جو) گہرے سبز سیاہی مائل ہیں[6]﴿64﴾ پھر
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿65﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿66﴾
تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿65﴾ ان میں جوش مارتے دو چشمے ہیں[7]﴿66﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿67﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ
پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿67﴾ ان دونوں میں لذیذ پھل ہوں گے، اور
وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿68﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿69﴾
کھجوریں اور انار بھی[8]﴿68﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿69﴾ ان (سب
فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿70﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
باغوں) میں خوب سیرت (اور) خوب صورت عورتیں ہیں[9]﴿70﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿71﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿72﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿71﴾ حوریں جو خیموں میں محفوظ ہوں گی[10]﴿72﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی
تُكَذِّبٰنِ ﴿73﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿74﴾
نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿73﴾ ان سے پہلے انھیں کسی انسان اور کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا﴿74﴾ پھر
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿75﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ
تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟﴿75﴾ سبز اور نہایت نفیس و نادر قالینوں پر تکیے

[1] جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔ [2] یعنی باکرہ اور نئی نویلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے ماقبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی کچھ ہوگا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہوگا۔ [3] یعنی صفائی میں یاقوت اور سفیدی و سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: "يُرٰى مُخُّ سُوقِهِنَّ مِنْ وَرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ" (صحيح البخاري، حديث: 3254، و صحيح مسلم، حديث: 2834) ''ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا، گوشت اور ہڈی کے پیچھے سے نظر آئے گا۔'' ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ ''جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین و جمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2796) [4] پہلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعت الٰہی اور دوسرے احسان سے اس کا صلہ، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔ [5] دُوْنِهِمَا سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں پچھلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت: 46 میں گزرا، کم تر ہوں گے۔ [6] کثرت سیرابی اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔ [7] یہ صفت تَجْرِيٰنِ سے ہلکی ہے۔ اَلْجَرْيُ أَقْوٰى مِنَ النَّضْخِ ''جَرْيٌ (تیز چلنا) نَضخ (جوش سے ابلنا) سے قوی ہے۔'' (ابن کثیر) [8] جبکہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں بتلایا گیا ہے کہ ہر پھل دو قسم کا ہوگا۔ ظاہر ہے اس میں شرف و فضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔ [9] خَيْرٰتٌ سے مراد اخلاق، کردار اور حسن کی خوبیاں ہیں اور حِسَانٌ کا مطلب ہے حسن و جمال میں یکتا۔ [10] حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے، ان کا عرض ساٹھ میل ہوگا، اس کے ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھومے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4879، وصحيح مسلم، حديث: 2838)

Marfat.com

وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿76﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿77﴾

لگائے (بیٹھے) ہوں گے⑯ [1]پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟⑰ [2]آپ

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿78﴾

ع 3/33/13

کے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بہت ہی برکت والا ہے⑱ [3]

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 96 — رُكُوْعَاتُهَا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿1﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿2﴾

جب واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوگی① [4]اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی جھٹلانے والا نہ ہوگا

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿3﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿4﴾ وَّبُسَّتِ

② پست کرنے والی، بلند کرنے والی③ [5]جب زمین نہایت بری طرح ہلائی جائے گی④ اور پہاڑ

الْجِبَالُ بَسًّا ﴿5﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿6﴾

(پھوڑ کر) بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے⑤ [6]تب وہ پراگندہ غبار (جیسے) ہو جائیں گے⑥ اور

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿7﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ

تم (لوگ) تین قسمیں ہو جاؤ گے⑦ [7]سو دائیں ہاتھ والے، کیا (خوب) ہیں دائیں ہاتھ

الْمَيْمَنَةِ ﴿8﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿9﴾

والے!⑧ [8]اور بائیں ہاتھ والے، کیا (حقیر) ہیں بائیں ہاتھ والے!⑨ [9]

[1] رَفْرَفٍ مسند، غالیچہ یا اس قسم کا عمدہ فرش، عَبْقَرِيٍّ ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا: «فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ»(صحيح البخاري، حديث: 3682، و صحيح مسلم، حديث: 2393) ”میں نے کوئی عبقری ایسا نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔“ مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروکش ہوں گے جس پر سبز رنگ کی مسندیں، غالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بچھے ہوں گے۔ [2] یہ آیت اس سورت میں 31 مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امور آخرت کی یاددہانی بھی نعمت عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سعی کر لیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے بلکہ انسانوں کے بعد یہ دوسری مخلوق ہے جسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مُکَلَّف ہیں، اسی لیے انھیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیسری یہ کہ ان نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے نہ خلاف ہے اور نہ تعلق باللہ میں مانع جیسا کہ بعض اہل تصوف باور کراتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ یہ توبیخ اور تہدید کے طور پر ہے جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور مہیا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ «لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ»(صحيح سنن الترمذي للألباني: 341/3، حديث: 3291) ”اے ہمارے رب! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے، پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔“ [3] تَبٰرَكَ برکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علوشان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت، یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت و رفعت والی ہوگی۔ ❊ اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سورۃ الغنی (تونگری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھیے: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني: 459,458/1) [4] واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والی ہے، اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔ [5] پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے، یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز و مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذلیل و خوار۔ [6] رَجًّا کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور بَسًّا کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔ [7] اَزْوَاجًا اَصْنَافًا کے معنی میں ہے، یعنی قسمیں۔ [8] اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال

Marfat.com

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪

اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں⑩ [1] یہی لوگ مقرب ہیں⑪ نعمت

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَقَلِيْلٌ

والے باغات میں⑫ بہت بڑی جماعت پہلوں میں سے⑬ اور تھوڑے سے پچھلوں میں

مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ⑮ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا

سے⑭ [2] وہ زروجواہر سے جڑے تختوں پر (بیٹھے) ہوں گے⑮ ان پر آمنے سامنے تکیے لگائے

مُتَقٰبِلِيْنَ ⑯ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ⑰

ہوئے (بیٹھے والے)⑯ [3] ان کے پاس سدا لڑکے ہی رہنے والے [4] لڑکے آتے جاتے ہوں گے⑰

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ⑱ لَّا يُصَدَّعُوْنَ

ساغر اور صراحیاں اور شراب کے جاری چشمے سے چھلکتے جام لیے ہوئے⑱ وہ اس سے نہ سردرد

عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ⑲ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ⑳ وَلَحْمِ

میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش⑲ [5] اور ایسے پھل (لیے ہوئے) جو وہ پسند کریں گے⑳ اور

طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ㉑ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ㉒ كَاَمْثَالِ

پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے㉑ اور (ان کے لیے) غزال چشم حوریں (ہوں گی)㉒ جیسے

اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ㉓ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉔ لَا يَسْمَعُوْنَ

غلاف میں لپٹے ہوئے موتی㉓ [6] جزا ان عملوں کی جو وہ کرتے رہے㉔ اور وہ اس (جنت) میں

فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ㉕ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ㉖ وَاَصْحٰبُ

نہ لغو سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات㉕ (ہاں!) مگر ایک بول سلام ہے سلام ہے㉖ [7] اور دائیں

نامے دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔ [9] اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

[1] ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں تُو تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔ [2] ثُلَّةٌ اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گننا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی ﷺ تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیاء کے سابقین شامل ہیں۔ ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے تھوڑے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہوگے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 221) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے ان میں (سابقہ امتوں میں) محض سابقین کی کثرت سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہوگی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں، یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ اور عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ○ کے درمیان۔ [3] مَّوْضُوْنَةٍ بنے ہوئے، جڑے ہوئے، یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے، یعنی رو در رو ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت۔ [4] یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدوخال اور قدوقامت میں کوئی تغیر واقع ہوگا بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نوعمر لڑکے ہوتے ہیں۔ [5] صُدَاعٌ ایسے سردرد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور اِنْزَافٌ کے معنی: وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہوگی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔ مَّعِيْنٍ چشمۂ جاری جو خشک نہ ہو۔ [6] الْمَكْنُوْنِ جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گردوغبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔ [7] یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں حتیٰ کہ بہن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف و نزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض و عناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی، سب و شتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں

Marfat.com

الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (27) فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (28) وَّطَلْحٍ

ہاتھ والے، کیا (خوب) ہیں دائیں ہاتھ والے! (27) [1] وہ بے خار بیریوں میں ہوں گے (28) اور تہ بہ تہ

مَّنْضُوْدٍ (29) وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ (30) وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ (31) وَّفَاكِهَةٍ

کیلوں میں (29) اور لمبے سایوں میں (30) [2] اور (ہردم) بہتے پانی (کی آبشاروں) میں (31) اور وافر

كَثِيْرَةٍ (32) لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (33) وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (34)

پھلوں میں (32) جو نہ تو کبھی ختم ہوں گے اور نہ ممنوع (33) [3] اور اونچی اونچی نشست گاہوں میں (34) [4] بلاشبہ

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً (35) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (36)

ہم ان (کی بیویوں) کو ایک نئے سرے سے ہی پیدا کریں گے (35) پس ہم انھیں کنواریاں بنائیں گے (36) [5]

عُرُبًا اَتْرَابًا (37) لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (38) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (39) وَثُلَّةٌ

من موہنی، ہم عمر (37) [6] دائیں ہاتھ والوں کے لیے (38) کثیر جماعت پہلوں میں سے (39) [7] اور کثیر

ع 1 40 14 مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (40) وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (41) فِيْ سَمُوْمٍ

جماعت پچھلوں میں سے (40) [8] اور بائیں (ہاتھ) والے، کیا (حقیر) ہیں بائیں ہاتھ والے! (41) [9]

وَّحَمِيْمٍ (42) وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ (43) لَّا بَارِدٍ

(وہ) سخت گرم ہوا اور کھولتے پانی میں (ہوں گے) (42) اور سیاہ ترین دھویں کے سائے میں (43) [10] نہ (وہ)

وَّلَا كَرِيْمٍ (44) اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ (45) وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ

ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش (44) [11] بلاشبہ وہ اس سے پہلے نازوں میں پلے تھے (45) [12] اور وہ بڑے گناہ

گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام وتحیہ تو ہوگا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

[1] اب تک سابقین (مقربین) کا ذکر تھا، اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔ [2] جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ”جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی، وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4881، و صحيح مسلم، حديث: 2827) [3] یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں، یہ پھل اس طرح فصل گل و لالہ کے پابند نہیں ہوں گے بلکہ ہر وقت دستیاب ہوں گے۔ اس طرح ان کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ [4] بعض نے فُرُشٍ (فرشوں) سے بیویوں اور مَّرْفُوْعَةٍ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔ [5] اَنْشَاْنٰهُنَّ میں ضمیر کا مرجع اگرچہ قریب نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حور عین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انھیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بدشکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بدشکل، بدشکل بلکہ سب حسین وجمیل باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔ [6] عُرُبًا عَرُوْبَةٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ اَتْرَابًا تِرْبٌ کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی 33 سال کی عمر کے ہوں گے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2545) یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ [7] یعنی آدم سے لے کر نبی کریم ﷺ تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے پہلوں میں سے۔ [8] یعنی نبی ﷺ کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔ [9] اس سے مراد اہل جہنم ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے جو ان کی شقاوت ازلی کی علامت ہوگی۔ [10] سَمُوْمٍ آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ حَمِيْمٍ کھولتا ہوا پانی۔ يَّحْمُوْمٍ أَحَمُّ سے ہے، بمعنی سیاہ، بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کہا جاتا ہے أَسْوَدُ يَحْمُومٌ مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَمّ سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہو گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں، یہ حُمَمٌ سے ہے، جو کوئلے کے معنی میں ہے۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آگ بھی سیاہ ہے، اہل نار بھی سیاہ رو ہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہوگا، سیاہ ہی ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ ”اے اللہ! ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔“ [11] یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے، وہ سایہ ہی نہیں ہوگا، جو ٹھنڈا ہو، وہ تو جہنم کا دھواں ہوگا، وَّلَا كَرِيْمٍ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں یا حلاوت نہیں۔ [12] یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش وعشرت کی زندگی

Marfat.com

عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ (46) وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
(شرک) پر اصرار کرتے تھے (46) اور وہ کہتے تھے: کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں
تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (47) اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (48)
گے تو کیا فی الواقع ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ (47) کیا (ہم) اور ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟ (48) [1]
قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (49) لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ
(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: بلاشبہ پہلے بھی اور پچھلے بھی (49) یقیناً ایک معلوم دن کے مقرر وقت پر
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (50) ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ (51)
(سب) جمع کیے جائیں گے (50) پھر یقیناً تم اے گمراہو! جھٹلانے والو! (51) (تم) تھوہر کے درخت
لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (52) فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (53)
سے ضرور کھانے والے ہو گے (52) پھر اس سے اپنا پیٹ بھرنے والے ہو گے (53) [2] پھر اس پر کھولتے
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ (54) فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (55) هٰذَا
پانی سے پینے والے ہو گے (54) تو پیاسے اونٹوں کے پینے کی طرح پینے والے ہو گے (55) [3] روز
نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (56) نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا
قیامت یہ ہوگی ان کی مہمانی (56) [4] ہم ہی نے تمھیں پیدا کیا پھر تم (دوبارہ جی اٹھنے کی) تصدیق
تُصَدِّقُوْنَ (57) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (58) ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ
کیوں نہیں کرتے؟ (57) [5] بھلا بتاؤ تو! جو منی تم ٹپکاتے ہو (58) کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم (اس
اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (59) نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا
کے) خالق ہیں؟ (59) [6] ہم ہی نے تمھارے درمیان موت مقدر کر دی ہے، [7]
نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (60) عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ
اور ہم عاجز نہیں (60) [8] (بلکہ قادر ہیں) اس بات پر کہ تم جیسی اور مخلوق بدل کر لے آئیں، اور
فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (61) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى
تمھیں ایسی صورت میں پیدا کریں جو تم نہیں جانتے (61) [9] اور یقیناً تم پہلی پیدائش کو جان چکے ہو،
فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ (62) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ (63) ءَاَنْتُمْ
پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟ (62) [10] بھلا بتاؤ تو جو کچھ تم بوتے ہو (63) کیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم
تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (64) لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا
ہی اگانے والے ہیں؟ (64) [11] اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور ریزہ ریزہ کر دیں، پھر تم پشیمان ہونے

میں ڈوبے ہوئے تھے۔

[1] اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ آخرت کا انکار ہی کفر و شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے تو ان میں بھی فسق و فجور عام ہو جاتا ہے، جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔ [2] یعنی اس کریہ المنظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمھیں اگرچہ سخت ناگوار ہوگا لیکن بھوک کی شدت سے تمھیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہوگا۔ [3] اَلْهِيْمِ اَهْيَمُ کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پیو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمھیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا، تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیے جاؤ گے لیکن تمھاری پیاس دور نہیں ہوگی۔ [4] یہ بطور استہزا اور تہکّم کے فرمایا ورنہ مہمانی تو وہ ہوتی ہے جو مہمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا: فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (آل عمران 3:21) ''ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔'' [5] یعنی تم جانتے ہو کہ تمھیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو۔ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے۔ [6] یعنی تمھارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمھارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے انسانی شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم۔ [7] یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے کوئی تجاوز نہیں کرسکتا، چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔ [8] یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں بلکہ قادر ہیں۔ [9] یعنی تمھاری صورتیں مسخ کر کے تمھیں بندر اور خنزیر بنا دیں اور تمھاری جگہ تمھاری شکل و صورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔ [10] یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمھیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔ [11] یعنی زمین میں تم جو بیج بوتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو پھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے۔ یہ بھی منی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمھارے کسی ہنر یا چھومنتر کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿65﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿66﴾ بَلْ نَحْنُ
والے ہو جاؤ ﴿65﴾ [1] کہ بلاشبہ ہم پر چٹی ڈال دی گئی ﴿66﴾ [2] (نہیں) بلکہ ہم محروم ہی
مَحْرُوْمُوْنَ ﴿67﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾ ءَاَنْتُمْ
رہ گئے ﴿67﴾ بھلا بتاؤ تو وہ پانی جو تم پیتے ہو ﴿68﴾ کیا وہ تم نے بادلوں سے نازل کیا ہے یا ہم نازل
اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ
کرنے والے ہیں؟ ﴿69﴾ اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا کر دیں، پھر تم شکر
اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿70﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿71﴾
کیوں نہیں کرتے؟ ﴿70﴾ [3] بھلا بتاؤ تو! وہ آگ جو تم جلاتے ہو ﴿71﴾ کیا اس کا درخت تم نے پیدا کیا
ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿72﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا
ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ﴿72﴾ [4] ہم ہی نے اسے یاددہانی کا
تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿73﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾
ذریعہ [5] اور مسافروں کے لیے فائدہ بنایا ہے ﴿73﴾ [6] لہٰذا آپ اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے ﴿74﴾ پھر
فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿75﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿76﴾
میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھاتا ہوں ﴿75﴾ [7] اور بلاشبہ اگر تمھیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے ﴿76﴾ کہ
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿77﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿78﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا
بلاشبہ یہ قرآن نہایت معزز ہے ﴿77﴾ [8] ایک محفوظ کتاب میں ﴿78﴾ [9] اسے بس پاک (فرشتے) ہی ہاتھ
الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿79﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ
لگاتے ہیں ﴿79﴾ [10] (یہ) رب العٰلمین کی طرف سے نازل کردہ ہے ﴿80﴾ کیا پھر تم اس کلام (قرآن)

[1] یعنی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے بعد جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفَكُّهٌ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعمت و خوش حالی بھی ہیں اور حزن و یاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تَنَوَّعُوْنَ كَلَامَكُمْ ، تَنْدَمُوْنَ، تَحْزَنُوْنَ ، تَعْجَبُوْنَ، تَلَاوَمُوْنَ اور تَفْجَعُوْنَ وغیرہ۔ مفہوم سب کا قریب قریب ہی ہے، یعنی حیرت واستعجاب یا ندامت، ملامت اور غم کا اظہار۔ ظَلْتُمْ اصل میں ظَلَلْتُمْ بمعنی صِرْتُمْ اور تَفَكَّهُوْنَ ، تَتَفَكَّهُوْنَ ہے۔ [2] یعنی ہم نے پہلے زمین پر ہل چلا کر اسے ٹھیک کیا، پھر بیج ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہو گئی اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا، یعنی یہ سارا خرچ اور محنت، ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔ [3] یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟ [4] کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں، مرخ اور عفار، ان دونوں سے ٹہنیاں لے کر ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔ [5] کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے، پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے، ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے 69 گنا حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 2843) [6] مُقْوِيْنَ ،مُقْوِي کی جمع ہے، قَوَآءٌ یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے، یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقْوِي سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتِعِيْنَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آ جاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 3477، و سنن ابن ماجه، حدیث: 2473 اور دیکھیے: إرواء الغليل: 6/7-9)
[7] ﴿فَلَآ اُقْسِمُ﴾ میں لَا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے بلکہ ماقبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن کہانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے...... مَوَاقِعُ النُّجُوْمِ سے مراد ستاروں کے طلوع وغروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے: ''قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں!'' (موضح القرآن) یعنی نجوم، قرآن کی آیات اور مواقع، قلوب انبیاء۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بتدریج اترنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھڑنا مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر) [8] یہ جواب قسم ہے۔ [9] یعنی لوح محفوظ میں۔ [10] ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ﴾ میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد

Marfat.com

أَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (81) وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ
سے بے پروائی کرنے والے ہو؟ (81)[1] اور تم (اللہ کی اس نعمت میں) اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ تم
تُكَذِّبُوْنَ (82) فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (83) وَأَنْتُمْ
(اسے) جھٹلاتے ہو (82) پھر کیوں نہیں (تم روح کو پھیر لیتے) جب وہ حلق تک پہنچتی ہے (83) اور
حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ (84) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ
تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو (84)[2] اور ہم تمھاری نسبت اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں[3] لیکن تم
لَّا تُبْصِرُوْنَ (85) فَلَوْلَآ إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ (86) تَرْجِعُوْنَهَآ
دیکھتے نہیں (85)[4] پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں، تو کیوں نہیں (86) اس (روح) کو پھیر لاتے، اگر تم
إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (87) فَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (88) فَرَوْحٌ
سچے ہو؟ (87)[5] پس لیکن اگر وہ (مردہ) مقربین میں سے ہوا (88)[6] تو (اس کے لیے) راحت اور
وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (89) وَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحٰبِ
خوشبو اور نعمتوں والا باغ ہے (89) اور لیکن اگر وہ اصحاب یمین میں

فرشتے، بعض نے اس کا مرجع، قرآن کریم کو بنایا ہے، یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔ بعض نے اس آیت میں نفی کو بمعنی نہی لے کر یہ کہا ہے کہ قرآن کو بے وضو چھونا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں، کیونکہ یہ نفی بمعنی نہی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف ایک بات کی خبر دی جا رہی ہے، اس کو چھونے یا نہ چھونے کا حکم بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔ (البدائع: 475) تفصیل کے لیے دیکھیے: (نیل الأوطار: 265/1267-) اسی طرح (موطأ إمام مالك: 191/1) کی روایت: "وَلَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ" "صرف پاک شخص ہی قرآن کو چھوئے۔" صحیح ہے۔ (دیکھیے: إرواء الغليل، حديث: 122) لیکن یہ اپنے مفہوم میں واضح نہیں کیونکہ اس طہارت سے کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہونا مراد ہو سکتا ہے جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "مومن ناپاک نہیں ہوتا۔" (صحيح البخاري، حديث: 283، و صحيح مسلم، حديث: 371، و جامع الترمذي، حديث: 121، وسنن النسائي، حديث: 270، وسنن أبي داود، حديث: 230، وسنن ابن ماجه، حديث: 535) اس ناپاکی سے مراد وہی کفر و شرک کی ناپاکی ہے جس کی نفی ایک مومن سے کی گئی ہے اور اس اعتبار سے ایک جنبی مومن بھی پاک ہے۔ ورنہ جنابت وغیرہ کی ناپاکی اس کو بھی لاحق ہوتی ہے اور اس کے احکام اس کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں۔ بہر صورت ائمہ اربعہ اور بہت سے فقہاء و محدثین بے وضو شخص کے لیے قرآن چھونے کو ناجائز کہتے ہیں، حائضہ اور نفاس والی کا زبانی قرآن پڑھنا درست ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی صحیح حدیث نہیں آئی ہے، تاہم جنبی کا قرآن پڑھنا ممنوع ہے اور اس بارے میں حسن روایت موجود ہے۔ (دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 229 و حسنه علي زئي۔) البتہ باوضو ہو کر قرآن پڑھنے اور چھونے کی افضلیت پر سب کا اتفاق ہے۔

[1] حدیث سے مراد قرآن کریم ہے۔ مداہنت، وہ نرمی جو کفر و نفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے درآں حالیکہ ان کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے، یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو، حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔ [2] یعنی مرنے والے اور اس کی حالت نزاع کو دیکھتے ہو لیکن اس کی موت کو ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ [3] یعنی مرنے والے کے ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے، یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔ [4] یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمھیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمھاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔ [5] دَانَ يَدِيْنُ کے معنی ہیں: ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں: بدلہ دینا، یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمھارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمھارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمھارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔ [6] سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنھیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا

Marfat.com

اَلْيَمِيْنِ (90) فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (91) وَاَمَّآ

سے ہوا (90) تو[1] (کہا جائے گا:) تیرے لیے سلامتی ہے، (کیونکہ) تو اصحاب یمین میں سے ہے (91) اور

اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ (92) فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ (93)

لیکن اگر وہ تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہوا (92) [2] تو (اس کی) مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی (93)

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ (94) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ (95)

اور (اسے) جہنم میں داخل کیا جانا ہے (94) بلاشبہ یہی ہے وہ سچ جو یقینی ہے (95) لہٰذا آپ اپنے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (96) ع

3 ع 22 16

ربّ عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے (96) [3]

اٰيَاتُهَا: 29 | سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، اللہ کی تسبیح کرتی ہے[4] اور وہ نہایت غالب، خوب حکمت

الْحَكِيْمُ (1) لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ

والا ہے (1) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے[5] وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے، اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (2) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ

ہر شے پر خوب قادر ہے (2) وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی اور باطن بھی[6] اور وہی

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (3) هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ہر شے کو خوب جاننے والا ہے (3) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا،

ہے کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ الٰہی قرار پاتے ہیں۔ [1] یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔ [2] یہ تیسری قسم ہے جنھیں آغاز سورت میں (أَصْحَابُ المشئمة) کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست۔ یہ اپنے کفر ونفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔ [3] حدیث میں آتا ہے کہ ''دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر ہلکے اور وزن میں بھاری: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ» (صحيح البخاري، حديث: 7563، وصحيح مسلم، حديث: 2694) [4] یہ تسبیح زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی إسرآء یل 17:44) ''تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔'' حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔ (الأنبیآء 21:79) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ (فتح القدير) [5] اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملکیت میں ہیں۔ [6] وہی اول ہے، یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، وہی ظاہر ہے، یعنی وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں اور عقلوں سے مخفی ہے۔ (فتح القدير) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ! رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَ أَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَ أَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحيح مسلم، حديث: 2713) ''اے ساتوں آسمانوں کے رب! عرش عظیم کے رب! ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! میں ہر چیز کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اس کی پیشانی تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے۔ اے اللہ! تو اول ہے، تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا۔ تو آخر میں رہنے والا ہے۔ تجھ سے بعد میں کچھ نہ ہوگا۔ تو غالب ہے۔ تجھ سے اوپر کوئی نہیں۔ تو باطن ہے، تجھ سے ماورا کوئی چیز نہیں، اے اللہ! ہمارے قرضے اتار دے اور ہمیں فقر سے نکال کر بے نیاز بنا دے۔'' اس دعا میں جو ادائے قرض کے لیے مسنون ہے، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرما دی گئی ہے۔

Marfat.com

فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی
پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا[1] وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے[2] اور جو اس سے نکلتی
الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ
ہے[3] اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے[4] اور جو اس میں چڑھتی ہے[5] اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ
فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿4﴾
تمھارے ساتھ ہے[6] اور اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو ④
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿5﴾
اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ⑤
یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ
وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے[7] اور وہ سینوں کے راز خوب
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿6﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا
جانتا ہے ⑥ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس (مال) میں سے خرچ کرو جس میں
جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا
اس نے تمھیں جانشین بنایا ہے،[8] پھر تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے خرچ کیا ان
لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿7﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ
کے لیے بہت بڑا اجر ہے ⑦ اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمھیں
یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
بلاتا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ، اور یقیناً وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکا ہے اگر تم
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿8﴾ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ
مومن ہو؟ ⑧ وہی تو ہے[9] جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمھیں

[1] اسی مفہوم کی آیات سورۂ اعراف 7: 54، سورۂ یونس 10:3، سورۂ سجدہ 32:4 وغیرہا میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حواشی ملاحظہ فرما لیے جائیں۔ [2] یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کمیت و کیفیت کو وہ جانتا ہے۔ [3] جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿59﴾ (الأنعام 6:59) ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیاء کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔'' [4] بارش، اولے، برف، تقدیر اور وہ احکام جو فرشتے لے کر اترتے ہیں۔ [5] فرشتے انسانوں کے عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 179) [6] یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں، رات ہو یا دن، گھروں میں ہو یا صحراؤں میں، ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمھارے ساتھ ہے، یعنی تمھارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمھاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی مضمون سورۂ ہود 11:3 و سورۂ رعد 13:10 اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [7] یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔ [8] یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمھارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اس کے وارث بنیں گے اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اس کے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ ''انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کھا پی کے فنا کر دیا، دوسرا وہ ہے جسے پہن کر بوسیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2958، و مسند أحمد: 24/4) [9] ابن کثیر رحمہ اللہ نے اَخَذَ کا فاعل الرَّسُوْلُ کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سمع و طاعت کرنی

Marfat.com

لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ
اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالے، اور بلاشبہ اللہ تم پر نہایت شفیق، خوب رحم
رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ
کرنے والا ہے⑨ اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ
میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، یہ (ان
مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
لوگوں کے) برابر نہیں ہیں (جنھوں نے فتح مکہ کے بعد یہی کام کیے۔)[1] یہ (پہلے کرنے والے) لوگ
الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ
درجے میں ان لوگوں سے عظیم تر ہیں جنھوں نے اس (فتح) کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی،[2] اور اللہ نے ہر
ع 10 17 الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩ مَنْ ذَا الَّذِيْ
ایک سے نیک جزا کا وعدہ کیا ہے،[3] اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو⑩ کون ہے وہ جو
يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑪
اللہ کو قرض حسنہ دے، پھر وہ اسے اس کے لیے بڑھا دے؟ اور اس کے لیے عمدہ اجر ہے⑪[4] اس
يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ
دن آپ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
دائیں دوڑتا ہوگا[5] (کہا جائے گا:) آج تمھیں ایسے باغات کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ يَوْمَ يَقُوْلُ
جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے⑫[6] اس دن منافق مرد اور
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ
منافق عورتیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کہیں گے: تم ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ

ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انھیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا جو عہد اَلَسْتُ کہلاتا ہے جس کا ذکر سورۂ اعراف 172:7 میں ہے۔ [1] فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہر حال صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا، دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کا کام تھا جبکہ فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت و تعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔ [2] کیونکہ پہلوں کا انفاق اور جہاد، دونوں کام نہایت کٹھن حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل و عزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف و فضل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں کیونکہ صحابۂ کرام میں مومن اول بھی وہی ہیں اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) نے انھیں استحقاق خلافت میں مقدم رکھا۔ [3] اس میں وضاحت فرما دی کہ صحابۂ کرام کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابۂ کرام ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انھیں طُلَقاء کہہ کر ان کی تنقیص و اہانت کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابۂ کرام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مُد بلکہ نصف مُد کے بھی برابر نہیں۔“ (صحیح البخاري، حدیث 3673، و صحیح مسلم، حدیث: 2540) [4] اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا۔ یہ مال جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا، یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ وہ اس انفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ [5] یہ عرصۂ محشر میں پل صراط میں ہوگا، یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہوگا جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہما نے ﴿وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔ [6] یہ وہ فرشتے کہیں گے:

Marfat.com

نُوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۚ فَضُرِبَ

روشنی حاصل کرلیں[1] (ان سے) کہا جائے گا: اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ،[2] پھر نور تلاش کرو۔ تب ان

بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ

کے درمیان[3] ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندر کی طرف رحمت[4] ہوگی اور

مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿13﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ

اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا[5] ﴿13﴾ وہ (منافق) ان (مومنوں) کو پکاریں گے: کیا ہم (دنیا میں)

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ

تمھارے ساتھ نہیں تھے؟[6] وہ کہیں گے (ہاں) کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا تھا،[7]

وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ

اور تم نے (اہل ایمان کی بابت گردش زمانہ کا) انتظار کیا،[8] اور تم نے شک کیا[9] اور تمھیں (جھوٹی) خواہشوں

اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿14﴾ فَالْيَوْمَ

نے فریب دیا[10] حتی کہ اللہ کا حکم آپہنچا[11] اور تمھیں دھوکے باز (شیطان) نے اللہ کی بابت دھوکا دیا ﴿14﴾ [12] لہٰذا

لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ

آج تم سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے کفر کیا۔ تمھارا ٹھکانا آگ

النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿15﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ

ہے، یہی تمھارے لیے زیادہ موزوں ہے[13] اور وہ لوٹ جانے کی بہت بری جگہ ہے ﴿15﴾ کیا ایمان

اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لیے جھک جائیں اور (اس کے لیے)

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

جو حق (اللہ) کی طرف سے نازل ہوا[14] اور وہ ان لوگوں کے مانند نہ ہوں جنھیں اس سے پہلے کتاب دی

عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿16﴾

گئی؟[15] پھر ان پر مدت لمبی ہوگئی تو ان کے دل سخت ہوگئے[16] اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں ﴿16﴾ [17] تم

ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

[1] یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرمادے گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزا کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔ [3] یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔ [4] اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔ [5] یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہوگی۔ [6] یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمھارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے اور جہاد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟ [7] کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔ [8] کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

[9] دین کے معاملے میں، اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلائل و معجزات کو۔ [10] جن میں تمھیں شیطان نے مبتلا کیے رکھا۔ [11] یعنی تمھیں موت آگئی یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمھاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔ [12] یعنی اللہ کے حلم اور اس کے قانون امہال (مہلت دینے) کی وجہ سے تمھیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

[13] مولیٰ اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متولی، یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انھیں سخت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں، یعنی اب جہنم کی آگ ہی ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا، پس وہ کافروں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرے گی، یعنی ان کی والی بنے گی اور انھیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گی۔ [14] خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خشوع کے معنی ہیں: دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا، حق سے مراد قرآن کریم ہے۔ [15] جیسے یہود و نصاریٰ ہیں، یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔ [16] چنانچہ انھوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کردی، اس کے عوض دنیا کا ثمن قلیل حاصل کرنے کو انھوں نے شعار بنا لیا، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کرلی اور ان کو اپنا رب بنا لیا، مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرنا ورنہ تمھارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر لعنت الٰہی کا سبب بنے، تمھیں اچھے لگیں گے۔ [17] یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ (المآئدة 13:5) ”پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کردیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور

Marfat.com

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ

جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ یقیناً ہم نے تمھارے لیے آیات

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿17﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ

بیان کیں تاکہ تم عقل کرو ⑰ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنھوں نے اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿18﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قرضِ حسنہ دیا تو وہ ان کے لیے بڑھایا جائے گا[1] اور ان کے لیے عمدہ اجر ہے ⑱[2] اور جو لوگ اللہ پر

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ

اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ اپنے رب کے ہاں راست باز[3] اور گواہی دینے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ

والے ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿19﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ

جھٹلایا، وہی دوزخی ہیں ⑲ تم جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا

وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ

اور ایک دوسرے پر اموال و اولاد میں کثرت جتانا ہے۔ (اس کی مثال یوں ہے) جیسے بارش کہ اس سے

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ

(پیدا شدہ) نباتات کسانوں[4] کو خوش کرتی ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو آپ اسے زرد شدہ دیکھتے ہیں،

مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ

پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہیں[5] اور آخرت میں (کفار کے لیے) شدید عذاب ہے[6] اور (مومنوں کے لیے)

وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿20﴾

اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے[7] اور دنیاوی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے ⑳[8] تم اپنے

جو کچھ نصیحت انھیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔“

[1] یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا، وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے، جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔ [2] یعنی جنت اور اس کی نعمتیں جن کو کبھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں: ﴿الْمُصَّدِّقِيْنَ﴾ اصل میں مُتَصَدِّقِيْنَ ہے۔ تاء کو صاد سے بدل کر صاد کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔ [3] بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے ﴿وَالشُّهَدَاۗءُ......﴾ کو الگ جملہ قرار دیا ہے۔ صِدِّيقِيَّتْ کمال ایمان اور کمال صدق و صفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6094، وصحيح مسلم، حديث: 2607) ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انھیں حاصل ہو گا۔ فرمایا: ”جنتی، اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، یعنی ان کے درمیان درجات کا اتنا فرق ہو گا۔“ صحابہ نے پوچھا، یہ انبیاء کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔“ (صحيح البخاري، حديث: 3256)، یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔ [4] ﴿كُفَّار﴾ کسانوں کو کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں: چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے، اس لیے انھیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ بھی زمین میں بیج بوتے، یعنی انھیں چھپا دیتے ہیں۔ [5] یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھلی لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد رو ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب و زینت، مال، اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل لبھاتی ہیں لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی ہے، اس کو بھی ثبات و قرار نہیں۔ [6] یعنی اہل کفر و عصیان کے لیے جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انھوں نے حاصل زندگی سمجھا۔ [7] یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے جنھوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا بلکہ اسے عارضی، فانی اور دار الامتحان سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔ [8] لیکن اُس کے لیے جو اس کے دھوکے میں مبتلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا، اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔

Marfat.com

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
رب کی مغفرت[1] اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کی طرح ہے[2] وہ
اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ
ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (21) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ
جسے چاہے یہ دیتا ہے[3] اور اللہ عظیم فضل والا ہے (21) [4] زمین میں[5] اور تمھاری جانوں[6] پر جو بھی مصیبت پہنچتی
وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
ہے وہ تو کتاب میں (لکھی ہوئی)[7] ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔ یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان
اللّٰهِ يَسِيْرٌ (22) لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ
ہے (22) تاکہ تم اس (چیز) پر غم نہ کھاؤ جو تم سے جاتی رہے اور تم اس پر نہ اتراؤ جو وہ تمھیں عطا
اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ (23) الَّذِيْنَ
کرے[8] اور اللہ ہر اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا (23) وہ لوگ جو (خود بھی) بخل
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل (کرنے) کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو شخص (احکام الٰہی سے) منہ پھیرے[9] تو
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (24) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ
بلاشبہ اللہ تو وہی بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے (24) البتہ تحقیق ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی[10] تاکہ لوگ انصاف پر قائم
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا[11] اس میں سخت لڑائی (کا سامان)[12] اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں[13]
وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
اور تاکہ اللہ اسے جان لے جو بن دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے[14] بلاشبہ اللہ

[1] یعنی اعمال صالحہ اور توبۃ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔ [2] اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہوگا کیونکہ طول، عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔ [3] ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ [4] وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔ [5] مثلاً: قحط، سیلاب اور دیگر آفاتِ ارضی و سماوی۔ [6] مثلاً: بیماریاں، تعب و تکان اور تنگ دستی وغیرہ۔ [7] یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دی ہیں، جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «قَدَّرَ اللّٰهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ» (صحيح مسلم، حديث:2653، وجامع الترمذي، حديث:2156) ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں۔'' [8] یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے، وہ غم اور وہ خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا، یہ ایک فطری عمل ہے لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی اور راحت پر اتراتا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل و کرم اور اس کا احسان ہے۔ [9] یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔ [10] ﴿الْمِيْزَانَ﴾ سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو تول کر پورا پورا حق دو۔ [11] یہاں بھی اتارا، پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب اللہ کے اس الہام و ارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔ [12] یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں، جیسے تلوار، نیزہ، بندوق اور اب ایٹم بم، توپیں، جنگی جہاز، آبدوزیں، گنیں، راکٹ اور ٹینک وغیرہ بے شمار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔ [13] یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام آتی ہیں، جیسے: چھریاں، چاقو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، تجارت، (بڑھئی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور ساز و سامان۔ [14] یہ ﴿لِيَقُوْمَ﴾ پر عطف ہے، یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو دیکھے بغیر ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

Marfat.com

عَزِيزٌ ﴿25﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ

قوی وعزیز ہے ﴿25﴾ [1] اور یقیناً ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو (رسول بنا کر) بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی، پھر ان میں سے کچھ ہدایت پانے والے ہیں اور ان میں سے بہت

فٰسِقُوْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا

سے فاسق ہیں ﴿26﴾ پھر ہم نے ان کے پیچھے لگاتار اپنے رسول بھیجے، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو (ان

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ

سب کے) پیچھے بھیجا، اور ہم نے اسے انجیل دی، اور ہم نے ان کے دلوں میں جنھوں نے اس کی پیروی

قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ

کی، شفقت اور مہربانی رکھ دی [2] اور رہبانیت تو انھوں نے ازخود ہی ایجاد کر لی تھی [3] ہم نے تو ان پر اسے

ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

فرض نہیں کیا تھا [4] مگر یہ کہ رضائے الٰہی تلاش کریں [5] پھر انھوں نے اس کا خیال نہ رکھا جیسا اس کا خیال

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

رکھنے کا حق تھا [6] پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے، ان کا اجر دیا [7] اور ان میں سے بہت

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿27﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا

سے فاسق ہیں ﴿27﴾ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمھیں اپنی

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا

رحمت سے دو حصے (اجر) دے گا [8] اور تمھارے لیے ایسا نور بنائے گا کہ تم اس کے ساتھ چلو گے، اور

تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿28﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ

وہ تمھیں بخش دے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿28﴾ تاکہ اہل کتاب [9]

الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ

یہ جان لیں کہ بلاشبہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شے پر قدرت نہیں رکھتے، اور بلاشبہ تمام فضل

بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے یہ (فضل) عطا کرتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے ﴿29﴾

[1] اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں بلکہ وہ چاہے تو اس کے بغیر ہی ان کو غالب فرما دے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے تاکہ اس طرح وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔ [2] رَاْفَةً کے معنی نرمی اور رَحْمَةً کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہیں، یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیے، جیسے صحابۂ کرام رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ یہود آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم خوار نہیں تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ [3] رَهْبَانِيَّةً رَهْبٌ (خوف) سے ہے یا رُهْبَانٌ (درویش) سے۔ رَهْب سے اسے ماخوذ قرار دیا جائے تو اس کا مصدر راهبيّة بنتا ہے، اس میں نون کا اضافہ کر کے رہبانیت بنا دیا گیا۔ (أيسر التفاسير) رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے، یعنی دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے بادشاہ ہوئے جنھوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انھوں نے بادشاہوں کے ڈر سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا جس کی بنیاد اضطرار پر تھی لیکن ان کے بعد آنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شہر بدری کو عبادت کا ایک طریقہ بنا لیا اور اپنے آپ کو گرجوں اور معبدوں میں محبوس کر لیا اور اس کے لیے علائق دنیا سے انقطاع کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداع (خود گھڑنے) سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی دین میں اپنی طرف سے چیزیں گھڑ لینا۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں جو مذموم ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح البخاري، حديث: 2697، وصحيح مسلم، حديث: 1718) ''جس نے ہمارے اس دین میں نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔'' [4] یہ پچھلی بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ [5] یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ اللہ کی رضا، دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہوں۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہو گی۔ [6] یعنی گو انھوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا لیکن اس کی انھوں نے پوری رعایت نہیں کی ورنہ وہ ابتداع (بدعت ایجاد کرنے) کی بجائے

Marfat.com

اٰیَاتُھَا: 22 | سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ | رُکُوْعَاتُھَا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا
(اے نبی!) یقیناً اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت)
وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ
کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا
اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (1) اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ
تھا،[1] بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے (1) تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے "ظِہار"
مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗــِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ
کرتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا[2] اور بے شک وہ ناگوار
لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (2)
بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے (2)[3] اور جو لوگ
وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا
اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرتے ہیں،[4] تو ایک گردن آزاد کرنی ہے،
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ
اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں،[5] اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ (اس سے)
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (3) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو (3) پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگاتار روزے (رکھنے)
مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ
ہیں اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص (اس کی) استطاعت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ
مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ
مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور یہ اللہ کی

[7] یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسیٰ پر قائم رہے تھے۔ [8] یہ دوگنا اجر ان اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے، پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 97، و صحيح مسلم، حديث: 154) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انھیں دوگنا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر) [9] لِئَلَّا میں لَا زائد ہے اور معنی ہیں: لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلٰى أَنْ يَّنَالُوا شَيْئًا مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ''تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل سے کچھ بھی پانے کی قدرت نہیں رکھتے۔'' (فتح القدير)

[1] یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثَعْلَبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہہ دینا: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔'' زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں، اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ ﷺ سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسئلۂ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرما دیا گیا۔ (سنن أبي داود، حديث: 2214) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی ﷺ سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 188) صحیح بخاری میں بھی تَعلِیقًا اس کا مختصر ذکر ہے۔ (صحيح البخاري، قبل حديث: 7386) [2] یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمھارے کہہ دینے سے تمھاری بیوی تمھاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کی بجائے کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے بھی ظہار قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے علماء اسے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علماء کہتے ہیں کہ اگر ظہار کی نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہوگا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہوگا، امام شافعی بھی کہتے ہیں کہ ظہار صرف پیٹھ کی طرح کہنے سے ہی ہوگا۔ (فتح القدير) [3] اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنا دیا۔ [4] اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے: بیوی سے ہم بستری کرنا چاہے۔ [5] یعنی ہم بستری سے پہلے وہ

Marfat.com

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿4﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے④ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول

وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ

کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل کیے جائیں گے[1] جیسے وہ لوگ ذلیل کیے گئے جو ان سے پہلے تھے،[2] اور

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿5﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

یقیناً ہم نے واضح آیات اتاری ہیں، اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے⑤ جس دن اللہ ان سب

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ

کو اٹھائے گا (زندہ کرے گا)، پھر ان کو بتلائے گا جو انھوں نے عمل کیے۔ اللہ نے ان کو گن رکھا ہے جبکہ

ع 1 6 1 عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿6﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي

وہ انھیں بھول گئے،[3] اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے⑥[4] (اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا بے شک اللہ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تین (افراد) کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی، مگر وہ

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ

ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی، مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، مگر

وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ

وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے،[5] جہاں کہیں بھی وہ ہوں،[6] پھر وہ روزِ قیامت انھیں بتائے گا جو انھوں نے عمل

الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿7﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ

کیے تھے،[7] بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے⑦ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھیں

النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا تھا، پھر وہ اسی چیز کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انھیں روکا گیا تھا،[8] اور وہ

کفارہ ادا کریں ① ایک غلام آزاد کرنا اس کی طاقت نہ ہو تو ② پے در پے بلا ناغہ دو مہینے کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ اگر پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ③ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع، یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں: ایک مد کافی ہے لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جا سکتی ہے۔ (فتح القدیر) تاہم یہ ضروری ہے کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا اور روزے رکھنے کی صورت میں بھی دو مہینے کی تکمیل سے پہلے بیوی سے جماع نہیں کرے گا جبکہ کھانا کھلانے کی صورت میں یہ پابندی شرعاً نہیں ہے۔

[1] کُبِتُوْا: ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت کا باعث تھا۔ [2] اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ [3] یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمھیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔ [4] اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ [5] یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ (اپنے علم کے اعتبار سے یا جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ [6] خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شہروں میں ہوں یا جنگلوں اور صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں، بیابانوں اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔ [7] یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔ [8] اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا پھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انھیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے، چنانچہ نبی ﷺ

Marfat.com

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ
گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔[1] اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ
بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا
کو اس (کلمے) کے ساتھ سلام کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کے ساتھ آپ کو (کبھی) سلام نہیں کہا،[2] اور وہ
يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ
اپنے دل میں کہتے ہیں: اللہ ہمیں اس کی وجہ سے کیوں عذاب نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں؟[3] ان کے لیے
فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا
جہنم کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے،[4] پس وہ برا ٹھکانا ہے ⑧ اے ایمان والو! جب تم سرگوشیاں
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ
کرو، تو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو،[5] اور تم نیکی اور تقویٰ کی
وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى
سرگوشیاں کرو،[6] اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تمھیں اکٹھا کیا جائے گا ⑨ (بری) سرگوشی تو بس
مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا
ہی شیطان کی طرف سے، تاکہ وہ ایمان والوں کو غمگین کرے،[7] اور وہ انھیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
مگر اللہ کے حکم سے، اور لازم ہے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کریں ⑩[8] اے ایمان والو! جب تم سے
اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ
کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل بیٹھو، تو تم کھل بیٹھا کرو،[9] اللہ تمھیں کشادگی دے گا،[10] اور جب کہا جائے:

نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرما دیا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انھوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔ [1] یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول پر مبنی ہوتی ہیں، مثلاً: کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی اور ایک دوسرے کو رسول کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔ [2] یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تم اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہو لیکن یہ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کی بجائے کہتے: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ یا عَلَيْكَ ''تم پر موت وارد ہو۔'' اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ [وَعَلَيْكُمْ] یا [وَعَلَيْكَ] ''اور تم ہی پر ہو۔'' اور مسلمانوں کو بھی آپ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمھیں سلام کرے تو تم جواب میں عَلَيْكَ کہا کرو، یعنی وَعَلَيْكَ مَاقُلْتَ ''تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ ہی پر وارد ہو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6030، وصحيح مسلم، حديث: 2164) [3] یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس قبیح حرکت پر ہماری گرفت فرماتا۔ [4] اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کی فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ [5] جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمھاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اِثْم و عُدْوَان پر نہیں ہونی چاہئیں۔ [6] یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر مبنی ہوں کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔ [7] یعنی گناہ، زیادتی اور معصیت رسول پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہے کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں مبتلا کرے۔ [8] لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں اِلَّا یہ کہ اللہ کی مشیت ہو، اس لیے تم اپنے دشمنوں کی ان اوچھی حرکتوں سے پریشان نہ ہوا کرو، بلکہ اللہ پر بھروسا رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے نہ کہ یہود اور منافقین جو تمھیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے: ''جب تم تین آدمی اکٹھے ہو تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6290، و صحيح مسلم، حديث: 2184) البتہ اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہو گا۔ [9] اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے جو ہر اس مجلس کو شامل ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسير القرطبي) ''کھل کر بیٹھو'' کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ

Marfat.com

لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اٹھ کھڑے ہو، تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔[1] تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنھیں علم دیا گیا ہے،

مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

اللہ ان کے درجات بلند کرے گا،[2] اور اللہ (اس سے) باخبر ہے جو تم کرتے ہو ⑪

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

اے ایمان والو! جب تم رسول سے خفیہ بات کرو تو اپنی خفیہ بات سے پہلے صدقہ پیش کرو،[3] یہ

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ

تمھارے لیے بہت بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔[4] پھر اگر تم (صدقے کی ہمت) نہ پاؤ تو بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

اللہ غفور رحیم ہے ⑫ کیا تم (اس سے) ڈر گئے ہو کہ اپنے خفیہ مشوروں سے پہلے صدقات پیش کرو؟

صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

چنانچہ جب تم نے (یہ) نہ کیا اور اللہ نے (بھی) تمھیں معاف کر دیا[5] تو (اب) تم نماز قائم کرو اور زکاۃ

الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ ع

دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو،[6] اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو ⑬ کیا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا

آپ نے ان لوگوں (منافقین) کو نہیں دیکھا جنھوں نے اس قوم (یہود) سے دوستی کی جن پر اللہ غضب

هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ

ہوا۔[7] نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے۔[8] اور وہ جھوٹ پر قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے

يَعْلَمُوْنَ ⑭ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

ہیں ⑭ [9] اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کیا ہے۔[10] بے شک یہ (لوگ) برے ہیں جو وہ عمل کرتے

يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

رہے ہیں ⑮ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے،[11] پھر انھوں نے اللہ کی راہ سے

دونوں باتیں ناشائستہ ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی فرمایا: ”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے، اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کر لو۔“ (صحيح البخاري، حديث:911، و صحيح مسلم، حديث: 2177) [10] یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے طالب ہو گے، مثلاً: مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمھیں فراخی عطا فرمائے گا۔

[1] یعنی جہاد کے لیے، نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا جائے تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی ﷺ سے خلوت میں کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ [2] یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفع درجات کا باعث ہے۔ [3] ہر مسلمان نبی ﷺ سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا جس سے نبی ﷺ کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی ﷺ سے مناجات میں مصروف رہتے تھے جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرما دیا تاکہ آپ سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔ [4] بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمھارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہو گا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ ایک عمل صالح اور اطاعت الٰہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور استحباب کے تھا، وجوب کے لیے نہیں۔ [5] یہ امر گو استحباباً تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرما دیا۔ [6] یعنی فرائض و احکام کی پابندی، اس صدقے کا بدل بن جائے گی جسے اللہ نے تمھاری تخفیف کے لیے معاف فرما دیا ہے۔ [7] جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔ [8] یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں، پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی ﷺ اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔ [9] یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمھاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے ان کے رابطے نہیں ہیں۔ [10] یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔ [11] أَيْمَانٌ يَمِينٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم، یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی

Marfat.com

فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾ لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا

روکا،[1] لہٰذا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے ﴿16﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد انھیں اللہ

أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا

(کے عذاب) سے ہرگز کچھ فائدہ نہیں دیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں

خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا

ہمیشہ رہیں گے ﴿17﴾ جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے

يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ

جیسے تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں،[2] اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ایک شے (اچھی راہ) پر ہیں۔[3]

هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ

خبردار! بے شک وہی جھوٹے ہیں ﴿18﴾ ان پر شیطان غالب آگیا ہے،[4] پھر اس نے انھیں اللہ کا ذکر

أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾

بھلا دیا۔[5] یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار! بے شک شیطانی گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے ﴿19﴾[6]

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں،[7] وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں ﴿20﴾[8] اللہ

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

نے لکھ رکھا ہے[9] کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے، بے شک اللہ قوی، بڑا زبردست ہے ﴿21﴾[10]

لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ

(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، کہ وہ ان

حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ

سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں،[11] اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا

إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہو۔[12] یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے[13] اور ان کی

قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔ [1] یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں حقیقت واقعیہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غرّے (دھوکے) میں آکر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔ [2] یعنی ان کی بدبختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چشمانہ جسارت کریں گے۔ [3] یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھا لیتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔ [4] اِسْتَحْوَذَ کے معنی ہیں: گھیر لیا، احاطہ کر لیا، جمع کر لیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کر لیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں یہ سارے مفہوم آجاتے ہیں۔ [5] یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کر دیا ہے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرواتا ہے، انھیں خوبصورت دکھلا کر یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں اور آرزوؤں میں مبتلا کر کے۔ [6] یعنی مکمل خسارہ انھی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں، اس لیے کہ انھوں نے جنت کا سودا گمراہی لے کر کر لیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔ [7] مُحَادَّۃٌ ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو، گویا دونوں دو کناروں (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے دربان اور پہرے دار کو بھی حداد کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) [8] یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انھی اہل ذلت میں ہو گا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ [9] یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ مضمون سورۂ مومن 52,51:40 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ [10] جب یہ بات لکھنے والا سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے، یعنی اٹل اور ناقابل تغیر۔ [11] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ آل عمران 28:3، سورۂ توبہ 24:9 وغیرہ۔ [12] اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، اُبُوَّت، بُنُوَّت، اُخُوَّت اور

Marfat.com

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

تائید کی ہے اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ،[1] اور وہ انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی

حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ 22

ہیں،[2] یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، جان لو! بے شک (جو) اللہ کا گروہ ہے، وہی فلاح پانے والا ہے ㉒ [3]

آیاتہا: 24 | سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ❁ | رکوعاتہا: 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کے لیے تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور وہی غالب ہے، خوب

الْحَكِيْمُ ۝ 1 هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

حکمت والا ① وہی ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو پہلی جلاوطنی کے وقت ان کے گھروں

دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ڼ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

سے نکال دیا،[4] تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (وہاں سے) نکلیں گے، اور انھوں نے سمجھا تھا کہ

خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے باپ، بیٹے، بھائی، چچا، ماموں اور دیگر رشتے داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ انفال 8:67 کا حاشیہ) [13] یعنی راسخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

[1] روح سے مراد اپنی نصرت خاص یا نور ایمان ہے جو انھیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ [2] یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابۂ کرام، ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے حتیٰ کہ انھیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے، اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کے مصداق اول اور مصداق اتم صحابۂ کرام ہیں لیکن الفاظ کے عموم کی وجہ سے بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ السلام (دعائیہ جملے کے طور پر) بولا جا سکتا ہے لیکن اہل سنت عام طور پر ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابۂ کرام اور انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے بولتے اور لکھتے نہیں۔ یہ گویا شعار ہیں، رضی اللہ عنہم صحابہ کے لیے اور علیہم السلام انبیائے کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ یا رحمہ اللہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں لیکن ان کا استعمال فوت شدگان کے لیے خاص ہو چکا ہے، اس لیے اسے زندہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ [3] یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہوگا، کفار ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے جیسے وہ فلاح سے بالکل محروم ہیں جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔ ❁ یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۂ بنی نضیر بھی کہتے ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4882) [4] مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی ﷺ نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ درپردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے خلاف رابطہ رکھا حتیٰ کہ ایک موقع پر جبکہ آپ ان کے پاس گئے ہوئے تھے، بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینکنے اور آپ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی جس کے متعلق وحی کے ذریعے سے آپ کو بروقت اطلاع کر دی گئی اور آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انھوں نے جان بخشی کی صورت میں جلاوطنی پر آمادگی کا اظہار کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما لیا۔ اسے اول حشر (پہلی بار جمع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلاوطنی تھی، جو مدینے سے ہوئی، یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے، وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے

Marfat.com

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ

بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے،[1] پھر ان کے پاس اللہ (کا عذاب)

لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ

آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا،[2] اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا،[3] وہ اپنے

بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿2﴾

گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے[4] اور مومنوں کے ہاتھوں بھی،[5] تو اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو (2) [6]

وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ان کا جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا تو وہ انھیں ضرور دنیا ہی میں عذاب دیتا،[7] اور ان

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿3﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ

کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے (3) یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿4﴾

رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (4)

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ

تم نے جو بھی کھجور کا درخت کاٹا یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے

اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿5﴾ وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ

ہے، تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے (5) [8] اور اللہ نے ان سے اپنے رسول کی طرف جو مال لوٹایا تو

فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ

اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس

دور میں انھیں دوبارہ جلاوطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کا آخری حشر ہوگا۔

[1] اس لیے کہ انھوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے جن پر انھیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی آسانی سے یہ قلعے فتح نہیں ہوسکیں گے۔ [2] اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا تھا جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ [3] اس رعب کی وجہ سے ہی انھوں نے جلاوطنی پر آمادگی کا اظہار کیا ورنہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور دیگر لوگوں نے انھیں پیغامات بھیجے تھے کہ تم نے مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک مہینے کی مسافت پر آپ سے مرعوب ہوجاتا تھا، اس لیے سخت دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہوگئی۔ اور تمام تر اسباب و وسائل کے باوجود انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور صرف یہ شرط مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لاد کر لے جاسکتے ہیں انھیں لے جانے کی اجازت ہو، چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انھوں نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہتیر تک اکھیڑ ڈالے تاکہ انھیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ [4] یعنی جب انھیں یقین ہوگیا کہ اب جلاوطنی ناگزیر ہے تو انھوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع کردیا تاکہ وہ مسلمانوں کے بھی کام کے نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے وہ اپنے اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتے تھے، اپنے گھر ادھیڑ ادھیڑ کر وہ سامان انھوں نے اونٹوں پر رکھ لیا۔ [5] باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے تاکہ ان پر گرفت آسان ہوجائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ادھیڑے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تخریب سے کام لینا پڑا۔ [6] کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ درآں حالیکہ وہ ایک نہایت طاقت ور اور وسائل سے بہرہ ور قبیلہ تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت عمل ختم ہوگئی اور اللہ نے اپنے مؤاخذے کے شکنجے میں کسنے کا فیصلہ کرلیا تو پھر نہ ان کی اپنی طاقت اور وسائل ان کے کام آئے اور نہ دیگر اعوان وانصار ان کی کچھ مدد کرسکے۔ [7] یعنی اللہ کی تقدیر میں پہلے سے ہی اس طرح ان کی جلاوطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کردیا جاتا، جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یہود کے ایک دوسرے قبیلے (بنوقریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ ان کے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کر دیا گیا، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غنیمت بنا دیا گیا۔ [8] لِّيْنَةٍ ؛ کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجوہ، برنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران محاصرہ نبی ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا دی، کچھ کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا۔ اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ تمھارے اموال و جائیداد میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی کی تصویب فرمائی اور اسے یہود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

Marfat.com

رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (6) مَآ اَفَآءَ
پر چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے۔[1] اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے (6) اللہ اپنے رسول
اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی
کی طرف بستیوں والوں (کے مال) سے جو کچھ لوٹا دے، تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ
اور (اس کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، تاکہ وہ (مال) تمھارے
بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا
دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو، اور جس
نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (7)
سے منع کرے تو اسے چھوڑ دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (7) (مالِ
لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
فَے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ
یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (8) وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ
لوگ سچے ہیں (8) [2] اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین) سے
مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ
پہلے ایمان لا چکے تھے،[3] وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے، اور وہ اپنے
صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ
دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے[4] اور اپنی ذات پر (ان کو)
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو،[5] اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا، تو وہی

[1] بنونضیر کا یہ علاقہ، جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، پس مسلمانوں کو اس کے لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، یعنی اس میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی طرح لڑنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول کو بغیر لڑے ان پر غالب فرما دیا، اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فَے قرار دیا گیا، جس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے۔ گویا مال فَے وہ ہے جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے، وہ غنیمت ہے۔ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے، یعنی مسلمانوں کے بیت المال کے لیے ہے لیکن مال فَے یہ مجاہدین میں مال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں ہوگا، سارا کا سارا ہی اللہ اور رسول کا حصہ ہے، یعنی مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہوگا۔ اس آیت میں یہاں مال فَے کا یہی مصرف بیان کیا گیا ہے۔ [2] اس میں مال فَے کا ایک صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت، ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا، گویا قرآن کا انکار ہے۔ [3] ان سے انصار مدینہ مراد ہیں جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے قبل، ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجرین کے ایمان لانے سے پہلے یہ انصار ایمان لا چکے تھے کیونکہ ان کی اکثریت مہاجرین کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائی ہے، یعنی ﴿ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ کا مطلب مِنْ قَبْلِ هِجْرَتِهِمْ ہے۔ اور ﴿ الدَّارَ ﴾ سے دَارُالْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔ [4] یعنی مہاجرین کو اللہ کا رسول جو کچھ دے، اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فَے کا اولین مستحق بھی ان کو قرار دیا گیا لیکن انصار نے برا نہیں منایا۔ [5] یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکے رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں، جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح جب وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ...... ﴾ الآية (صحيح البخاري، حديث: 4889) ان

Marfat.com

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
لوگ فلاح پانے والے ہیں⑨[1] اور (فَے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے،
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم
بِالْاِيْمٰنِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ
سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔[2] اے ہمارے رب! بے شک تو
اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا
بہت نرمی والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑩ (اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے
يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے، جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے، کہتے ہیں: اگر تم (مدینہ سے)
لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا
نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے، اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت نہیں
اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
کریں گے، اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے،[3] اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک
لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ
وہ جھوٹے ہیں⑪[4] اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان
قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ
سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے،[5] اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی[6] تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں
لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ
گے،[7] پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی⑫[8] (اے مسلمانو!) یقیناً ان کے سینوں میں[9] اللہ کی نسبت تمھارا
اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا
ڈر زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں⑬[10] وہ سب مل کر بھی تم سے

ع 10/4

کے ایثار کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے۔ (صحيح البخاري حديث: 5072)

1 حدیث میں ہے: ''شُحّ سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انھیں خوں ریزی پر آمادہ کیا اور انھوں نے محارم کو حلال کر لیا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2578) 2 یہ مال فَے کے مستحقین کی تیسری قسم ہے، یعنی صحابہ کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے۔ اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان وتقویٰ آ گئے لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار ومہاجرین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب وشتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض وعناد رکھنے والے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے: «إِنَّ الرَّافِضِيَّ الَّذِي يَسُبُّ الصَّحَابَةَ لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْفَيْءِ نَصِيبٌ لِعَدَمِ اتِّصَافِهِ بِمَا مَدَحَ اللّٰهُ بِهِ هٰؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ» (ابن کثیر) ''رافضی جو صحابۂ کرام پر سب وشتم کرتے ہیں، انھیں مال فَے سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی مذمت کرتے ہیں۔'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «أُمِرْتُمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فَسَبَبْتُمُوهُمْ، سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ يَقُولُ: لَا تَذْهَبُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ حَتّٰى يَلْعَنَ آخِرُهَا أَوَّلَهَا» (تفسير البغوي) ''تم لوگوں کو اصحاب محمد ﷺ کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے آخری زمانے کے لوگ اولین پر لعنت نہ کریں گے۔'' 3 جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنونضیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔ 4 چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ بنونضیر جلا وطن کر دیے گئے لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچے نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔ 5 یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنونضیر جلا وطن اور بنوقریظہ قتل اور اسیر کیے گئے لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔ 6 یہ بطور فرض بات کی جا رہی ہے ورنہ جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرما دے، اس کا وجود کیونکر ممکن ہے، مطلب ہے کہ اگر وہ یہود کی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔ 7 یعنی شکست کھا کر۔ 8 مراد یہود ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہود کس طرح منصور وکامیاب ہوں گے۔ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مدد نہیں کیے جائیں گے بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور ان کا نفاق ان کے لیے نافع نہیں ہوگا۔ 9 یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔ 10 یعنی تمھارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے

Marfat.com

اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ

نہیں لڑسکیں گے، مگر ایسی بستیوں میں جو قلعہ بند ہیں یا دیواروں کی اوٹ سے، [1] ان کی آپس کی لڑائی

شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

(دشمنی) بہت سخت ہے، [2] آپ انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، [3] یہ اس لیے کہ بے شک

قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿14﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا

وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (14) [4] (ان کی مثال) ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے قریب ہی

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿15﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ

(بدر میں) اپنی بداعمالی کا وبال چکھ چکے ہیں، [5] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (15) [6] ان کی مثال

اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ

شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے:

اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿16﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ

بے شک میں تجھ سے بری ہوں، [7] میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (16) [8] لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہوگا

اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿17﴾

کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ میں رہیں گے، اور ظالموں کی سزا یہی ہے (17) [9] اے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

ایمان والو! اللہ سے ڈرو، [10] اور (ہر) شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا

لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿18﴾

ہے، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، [11] بے شک اللہ کو خوب خبر ہے جو تم عمل کرتے ہو (18) [12] اور ان کی

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے انھیں اپنا آپ بھلوا دیا، [13] یہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿19﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ

نافرمان ہیں (19) آگ والے (دوزخی) اور باغ والے (جنتی) کبھی برابر نہیں ہو

ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ و تسلط، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

[1] یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمھاری ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں۔ [2] یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں، اس لیے ان میں باہم تو تکار اور تھکا فضیحتی عام ہے۔ [3] یہ منافقین کا آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا یا مشرکین اور اہل کتاب کا۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے بھرے ہوئے۔ [4] یعنی یہ اختلاف اور تشتّت ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان لیتے اور اسے اپنا لیتے۔

[5] اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں جنھیں غزوۂ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک شکست ہوئی تھی، یعنی یہ بھی مغلوبیت اور ذلت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنو قینقاع کو مراد لیا ہے جنھیں بنو نضیر سے قبل جلاوطن کیا جا چکا تھا جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر) [6] یعنی یہ وبال جو انھوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔ [7] یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا، جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔ [8] شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔ [9] یعنی خلود في النار جہنم کی دائمی سزا۔ [10] اہل ایمان کو خطاب کر کے انھیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انھیں بجا لاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تقویٰ (اللہ کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

[11] کل سے مراد قیامت ہے۔ اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں، قریب ہی ہے۔ [12] چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا۔ [13] یعنی اللہ نے بطور جزا انھیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے عملوں سے غافل ہو گئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفسوں کو عذاب الٰہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿20﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
سکتے،[1] جنتی ہی کامیاب ہیں ﴿20﴾ [2] (اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل
عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ
کرتے[3] تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا،[4]
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾
اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ غوروفکر کریں ﴿21﴾[5]
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ
وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غیب[6] اور حاضر کا جاننے والا ہے، وہ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿22﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ
رحمٰن ہے، رحیم ہے ﴿22﴾ اللہ وہ ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ
ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، زبردست، زور آور،
الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿23﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ
بڑائی والا، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ﴿23﴾ وہ اللہ ہے،
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ
خالق ہے، موجد،[7] صورت گر، اسی کے لیے ہیں اسمائے حُسنیٰ،[8] اسی کی تسبیح پڑھتی ہے[9]
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿24﴾
جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ غالب ہے، خوب حکمت والا ﴿24﴾[10]

اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان حق کے سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن میں اس کی اپنی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔
[1] جنھوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم، جس کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاپڑ بیلتے تھے، جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انھیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی۔ یہ دونوں فریق، یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے۔ بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں۔ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا۔ دوسرا اپنے انجام سے غافل رہا اور اس وجہ سے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت برتی۔ [2] جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان وتقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انجام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہوگا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا، وہ خاسر و ناکام ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِيْنَ. [3] اور پہاڑ میں فہم و ادراک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔ [4] یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت و فصاحت، قوتِ استدلال اور وعظ و تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انھیں سن کر پہاڑ بھی، باوجود اتنی سختی اور وسعت و بلندی کے، خوف الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں لیکن اگر قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ [5] تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن یہ آپ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدیر) اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرما رہا ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔ [6] غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے، چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چلنے والی چیونٹی کو بھی جانتا ہے۔ [7] کہتے ہیں کہ ﴿الْخَالِقُ﴾ کا مطلب ہے: اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق مقدر کر دینے والا اور ﴿الْبَارِئُ﴾ کے معنی ہیں: اسے پیدا کرنے والا، گھڑنے اور وجود میں لانے والا۔ [8] اسمائے حسنیٰ کی بحث سورۂ اعراف 7:180 میں گزر چکی ہے۔ [9] یہ تسبیح زبان حال

Marfat.com

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 13 | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ

اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ،[1] تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو،[2] حالانکہ

اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ

وہ حق (سچے دین) کے منکر ہوئے ہیں جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور تمھیں بھی جلاوطن کرتے

وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهٰدًا فِيْ سَبِيْلِيْ

ہیں، اس لیے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔[3] اگر تم میرے راستے میں نکلے ہو، جہاد اور میری رضا

وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ

ڈھونڈنے کے لیے (تو کفار کو دوست نہ بناؤ)،[4] تم ان کو دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، اور میں خوب جانتا

اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ

ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے

السَّبِيْلِ ۝1 اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا

بھٹک گیا ①[5] اگر وہ تمھیں (کہیں) پائیں تو تمھارے دشمن ہو جائیں اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں تمھاری

اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ

طرف دراز کریں برائی (کی نیت) سے، اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بھی (دین حق کے) منکر ہو

تَكْفُرُوْنَ ۝2 لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ

جاؤ ②[6] تمھارے رشتے ناتے قیامت کے دن تمھیں ہرگز نفع نہیں دیں گے اور نہ تمھاری اولاد،[7]

الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝3 قَدْ كَانَتْ

وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا،[8] اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو ③

سے نہیں بلکہ زبان قال سے ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ [10] جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

[1] کفار مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے وہ معاہدہ ختم ہوگیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مہاجر بدری صحابی تھے جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتے داری نہیں تھی لیکن ان کے بیوی بچے مکے ہی میں تھے۔ انھوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کے حملے کے ارادے کی اطلاع کر دوں تاکہ اس احسان کے بدلے وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں، چنانچہ انھوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف روانہ کر دیا جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی ﷺ کو کر دی گئی، چنانچہ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ ”جاؤ روضۂ خاخ پر ایک عورت ہوگی جو مکہ جا رہی ہوگی، اس کے پاس ایک رقعہ ہے، وہ لے آؤ۔“ چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقعہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آپ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر وارتداد کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتے دار مکے میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انھیں کچھ نہیں کہا، تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرما دیں تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4890، و صحیح مسلم، حدیث: 2494)

[2] مطلب ہے نبی ﷺ کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو۔ [3] جب ان کا تمھارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمھارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرو؟ [4] یہ جواب شرط، جو محذوف ہے، کا ترجمہ ہے۔ [5] یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انھیں خفیہ نامہ و پیام بھیجنا، یہ گمراہی کا راستہ ہے جو کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ [6] یعنی تمھارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بغض وعناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہو۔ [7] یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمھارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو۔ قیامت والے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور رسول کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔ [8] دوسرے معنی ہیں: تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا، یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جہنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں: آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے

Marfat.com

لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا

یقیناً تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے،[1] جب انھوں نے اپنی

لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

قوم سے کہا تھا: بے شک ہم تم سے اور ان سے بری ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے،[2] ہم

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى

تم سے منکر ہوئے، ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا ہے، حتی کہ تم اللہ

تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ

اکیلے پر ایمان لے آؤ،[3] مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا[4] کہ میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا، اور

لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا

میں تیرے لیے اللہ (کی طرف) سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر توکل

وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

کیا[5] اور تیری ہی طرف رجوع کیا، اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے ④ اے ہمارے رب! تو ہمیں ان

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

لوگوں کے لیے فتنہ (آزمائش) نہ بنا جنھوں نے کفر کیا،[6] اور ہمیں بخش دے، اے ہمارے رب! بے شک

الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

تو ہی بڑا زبردست، خوب حکمت والا ہے ⑤ بلاشبہ تمھارے لیے ان میں[7] بہترین نمونہ ہے، اس شخص

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

کے لیے جو اللہ (سے ملنے) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو،[8] اور جو کوئی (حق سے) منہ موڑے[9] تو

ع 1 6 7 هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ

بے شک اللہ ہی بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے ⑥ امید ہے کہ اللہ تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان

سے بھاگیں گے، جیسے فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴾ (عبس 80: 34) ''یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔''

[1] کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے۔ ﴿ اُسْوَةٌ ﴾ کے معنی ہوتے ہیں: ایسا نمونہ جس کی اقتدا کی جائے۔ [2] یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمھارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق۔ [3] یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپناؤ گے۔ ہاں! جب تم ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بغض محبت میں بدل جائے گا۔ [4] یہ ایک استثنا ہے جو ﴿ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ میں مقدر محذوف مضاف سے ہے، یعنی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي مَقَالَاتِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبِيهِ یا ﴿ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ سے استثنا ہے، اس لیے کہ ﴿ قَوْلَ ﴾ بھی من جملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ فِي جَمِيعِ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبِيهِ (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل اتباع نمونہ ہے، البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی بابت علم نہیں تھا، چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انھوں نے اپنے باپ سے بھی اظہار براءت کر دیا جیسا کہ سورۂ براءت 9: 114 میں ہے۔ (سورۂ براءت سورۂ توبہ کو کہا جاتا ہے) [5] توکل کا مطلب ہے: امکانی حد تک ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا جائے، اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور پوچھا کہ میں اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ دوں اور توکل کروں یا اسے چھوڑ دوں اور توکل کروں، آپ نے فرمایا: «اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» ''پہلے اس کا گھٹنا باندھ، پھر اللہ پر بھروسا کر۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2517، و صحيح الجامع الصغير: 242/1، حديث: 1068) انابت کا مطلب ہے: اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ [6] یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی۔ [7] یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ [8] کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، یہی لوگ حالات و واقعات سے عبرت پکڑتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ [9] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے اور توحید کا راستہ اختیار نہ کرے۔

Marfat.com

اَلَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦

دوستی (پیدا) کردے جن سے تمھاری دشمنی ہے،[1] اور اللہ بہت قدرت والا ہے، اور اللہ غفور رحیم ہے ⑦ اللہ

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

تمھیں ان لوگوں کی بابت نہیں روکتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے[2] اور انھوں نے تمھیں تمھارے

وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

گھروں سے نہیں نکالا،[3] کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو،[4] بے شک اللہ انصاف

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ⑧ [5] بے شک اللہ تو تمھیں ان لوگوں کی بابت روکتا ہے جو تم سے

فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ

دین پر لڑے اور انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مدد کی، کہ تم

تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ان سے دوستی کرو، اور جو کوئی ان سے دوستی کرے[6] تو وہی لوگ ظالم ہیں ⑨ [7] اے ایمان والو! جب

اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ

تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو،[8] اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے،

اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

پھر اگر تم انھیں مومن جانو[9] تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں

[1] یعنی ان کو مسلمان کر کے تمھارا بھائی اور ساتھی بنا دے، جس سے تمھارے مابین عداوت دوستی اور محبت میں تبدیل ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور ان کے مسلمان ہوتے ہی نفرتیں محبت میں تبدیل ہو گئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست و بازو بن گئے۔ [2] یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات دی جا رہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے، یہ پہلی شرط ہے۔ [3] یعنی تمھارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسری شرط یہ ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔ مشورے اور رائے سے اور نہ ہتھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔ [4] یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے، جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی مشرکہ ماں کی بابت صلہ رحمی، یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «صِلِي أُمَّكِ» (صحيح البخاري، حديث: 2620، و صحيح مسلم، حديث: 1003) ''اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔'' [5] اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت یوں بیان ہوئی ہے: «إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَّمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا» (صحيح مسلم، حديث: 1827) ''انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں، جو اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں۔'' [6] یعنی ارشاد الٰہی اور امر ربانی سے اعراض کرتے ہوئے۔ [7] کیونکہ انھوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے اور یوں انھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انھیں اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (المآئدة 5: 51) ''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے، وہ بے شک انھی میں سے ہے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔'' [8] معاہدۂ حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ مکے سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو گیا ہو لیکن اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر أَحَدٌ ''کوئی'' میں دونوں ہی شامل تھے، چنانچہ بعد میں بعض عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس پر اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ ہجرت کر کے آنے والی عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے۔ اپنے کافر خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی علاقے کی طرف رغبت یا دنیا کے حصول کی غرض سے تو نہیں آئی ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے اور اللہ کے دین کو پسند کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ [9] یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمھیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

Marfat.com

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ
اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں،[1] اور تم ان (کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ
وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
کیا،[2] اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو[3] اور تم کافر عورتوں کی
اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا
عصمتیں قبضے میں نہ رکھو،[4] اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا[5] اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں
مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ
جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا،[6] یہ اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے[7] اور اللہ خوب
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
جاننے والا، خوب حکمت والا ہے⑩ اور اگر تمھاری بیویوں میں کوئی تم سے کفار کی طرف چلی
اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ
جائیں، پھر تم (کفار سے) بدلہ لو (اور غنیمت ہاتھ لگے)[8] تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس
مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪
(مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا، اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو⑪
يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ
اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے (ان امور پر) بیعت

[1] یہ انھیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا، چنانچہ نبی ﷺ کی صاجزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہوا تھا جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا، اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انھیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد ہجرت کر کے آئے۔ [2] یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مہر ادا کیا ہے، وہ تم انھیں ادا کر دو۔ [3] یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمھارے پاس آ گئی ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کا حق مہر تم ادا کرو، تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہو گا، یعنی ایک تو انقضائے عدت (استبرائے رحم) کے بعد ہوگا۔ دوسرے، اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے، البتہ عورت مدخول بہا نہیں ہے تو پھر بلا عدت فوری نکاح جائز ہے، تاہم دوسری شرائط، یعنی ولی کی اجازت اور گواہوں کی موجودگی کا اہتمام ضروری ہے اگر ولی مسلمان ہے اور اگر ولی مسلمان نہیں ہے تو پھر اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهٗ ''خلیفہ، بادشاہ ان کا ولی ہے جن کا کوئی ولی نہ ہو۔''

[4] بِعِصَمِ عِصْمَةٌ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) اگر بیوی کتابیہ (یہودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پہلے سے ہی بیوی کی حیثیت سے تمھارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [5] یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ [6] یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے آ گئی ہیں۔ [7] یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مہر ادا کریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح القدیر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ بصورت دیگر نہیں۔ [8] فَعَاقَبْتُمْ (پس تم سزا دو یا بدلہ لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر جو تمھیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے، وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا (یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے۔) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دار الکفر چلی گئی ہیں، ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبر (ازالہ) یہ بھی سزا ہے۔ (أیسر التفاسیر و ابن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (أیسر التفاسیر)

Marfat.com

لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ

کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا

اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ

کریں گی، اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی، اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور

وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

پاؤں کے سامنے گھڑ لیں، اور نہ نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

بیعت لے لیں[1] اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ غفور رحیم ہے ⑫ اے

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا

ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب (نازل) کیا،[2] وہ

مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬

آخرت سے مایوس ہوگئے ہیں جیسے کفار قبروں والوں (کے جی اٹھنے) سے مایوس ہوگئے[3] ⑬

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ

آیاتہا: 14 | رکوعاتہا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے، اور وہ بڑا زبردست، خوب حکمت

الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

والا ہے ① اے ایمان والو![4] تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ ②

[1] یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں ہجرت کر کے آتیں جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 4891 میں ہے۔ علاوہ ازیں فتح مکہ والے دن بھی آپ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ صرف زبان سے عہد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! بیعت میں نبی ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ صرف یہ فرماتے: ''میں نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4891) بیعت میں آپ یہ عہد بھی عورتوں سے لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی، گریبان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح بین نہیں کریں گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4892، وصحيح مسلم، حديث: 937، وسنن أبي داود، حديث: 3131) اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ارکان دین اور شعائر اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ نے بطور خاص ان چیزوں کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ، ان چیزوں سے بھی اجتناب کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء و دعاۃ اور واعظین حضرات اپنا زور خطابت ارکان دین ہی بیان کرنے میں صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں بلکہ ان خرابیوں اور رسموں کی بھی پرزور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔ [2] اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں یہود و منافقین بھی آجاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سارے کفار ہی غضب الٰہی کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ [3] آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔ اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں) سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہوگئے کیونکہ مر کر انھوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں۔ (تفسير الطبري) ❊ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے چاہئیں تاکہ ان پر عمل کیا جا سکے لیکن آپ کے پاس جا کر پوچھنے کی جرأت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما دی۔ (مسند أحمد: 452/5، و جامع الترمذي، حديث: 3309) [4] یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں اَحَبُّ الْاَعْمَال ''سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال'' کا علم ہو جائے تو ہم انھیں کریں لیکن جب انھیں بعض پسندیدہ عمل بتلائے گئے تو سست ہو گئے، اس لیے ایسے لوگوں کو توبیخ کی جا رہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو، کرتے کیوں نہیں ہو جو بات منہ سے نکالتے ہو، اسے پورا کیوں نہیں کرتے۔ جو زبان سے کہتے ہو، اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟ تفصیل کے لیے تفسیر الطبری دیکھیے۔

Marfat.com

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿3﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

اللہ کے ہاں بڑی ناراضی (والی بات) ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ③[1] بے شک اللہ ان لوگوں

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿4﴾

کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صفیں باندھے لڑتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ④[2] اور

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے ایذا کیوں دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ بلاشبہ

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں،[3] پھر جب وہ ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے،[4]

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿5﴾ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ⑤ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! بے شک

اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس (کتاب) تورات کی جو مجھ سے پہلے

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا

ہے[5] اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا،[6] پھر جب وہ

جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿6﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

(رسول) ان کے پاس کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ بولے: یہ تو کھلا جادو ہے ⑥[7] اور اس شخص سے

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے،[8] حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے؟[9] اور اللہ

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿7﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ⑦ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور (دین اسلام) اپنے مونہوں سے بجھا

[1] یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ [2] یہ جہاد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔ [3] یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں، بنی اسرائیل انھیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے تھے حتیٰ کہ ان کی طرف بعض جسمانی عیوب منسوب کرتے تھے، دوراں حالیکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔ [4] یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو، خیر کے مقابلے میں شر کو اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر ہدایت سے پھیر دیا کیونکہ یہی سنت اللہ چلی آ رہی ہے۔ کفر و ضلالت پر دوام و استمرار ہی دلوں پر مہر لگنے کا باعث ہوتا ہے، پھر فسق، کفر اور ظلم اس کی طبیعت اور عادت بن جاتی ہے جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے، اب کون اسے ہدایت دے سکتا ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟ [5] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی، اسی طرح انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ ہی کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں، وہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے، اس لیے جس طرح تم موسیٰ و ہارون اور داود و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے، مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لیے کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔ [6] یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری سنائی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَ بِشَارَةُ عِيسٰى» (أيسر التفاسير) ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔'' ﴿ اَحْمَدُ ﴾ یہ اگر بمعنی فاعل اسم تفضیل کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے: دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ بمعنی اسم مفعول اسم تفضیل ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ کی کی گئی، اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدیر) [7] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو سے تعبیر کیا، جس طرح گزشتہ قومیں بھی اپنے پیغمبروں کو اسی طرح کہتی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں اور ﴿ قَالُوْا ﴾ کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔ [8] یعنی اللہ کی اولاد قرار دے یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیے، ان کو حرام باور کرائے۔ [9] جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے، اس لیے جو شخص ایسا ہو، اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افترا گھڑے، چہ جائیکہ اللہ پر افترا باندھے۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

دیں،1 جبکہ اللہ اپنا نور پورا کرنے والا ہے2 اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں ⑧ وہی ہے جس نے اپنا

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ

رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے3 اگرچہ مشرک

الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ

ناپسند ہی کریں ⑨ 4 اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت بتاؤں 5 جو تمھیں دردناک عذاب

مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ

سے نجات دے؟ ⑩ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے

تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

ہو ⑪ وہ (اللہ) تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫

جاری ہوں گی، اور پاکیزہ محلات میں (جو) ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہیں، یہ ہے عظیم کامیابی ⑫ اور

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ

ایک اور (نعمت) جسے تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور فتح قریب،6 اور مومنوں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

بشارت دے دیجیے ⑬ 7 اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ،8 جیسے عیسیٰ

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ

ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا: اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ

نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں،9 تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا

[1] نور سے مراد قرآن یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں۔ ''منہ سے بجھا دیں'' کا مطلب، وہ طعن و تشنیع کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی تھیں۔ [2] یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے یا مادی غلبے کے لحاظ سے یا دونوں لحاظ سے۔ [3] یہ گزشتہ بات ہی کی تاکید ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرایا گیا ہے۔ [4] تاہم یہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔ [5] اس عمل (ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اس میں بھی انھیں تجارت کی طرح ہی نفع ہوگا اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا۔ اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبة 9:111) ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدلے میں کر لیا ہے۔'' [6] یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد 47:7) ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔'' وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (حج 22:40) ''اور یقیناً اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔'' آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ جو دورِ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ [7] جنت کی بھی، مرنے کے بعد۔ اور فتح و نصرت کی بھی، دنیا میں۔ بشرطیکہ اہل ایمان، ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران 3:139) ''اور تم ہی سر بلند ہو گے، اگر تم مومن ہو۔'' آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دین کی نصرت کی مزید ترغیب دے رہا ہے۔ [8] تمام حالتوں میں، اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمھیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے، تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کہو، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کی پکار پر لبیک کہا۔ [9] یعنی ہم آپ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشر و اشاعت کا حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ ایام حج میں فرماتے: ''کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، اس لیے کہ قریش مجھے فریضۂ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔'' حتیٰ کہ آپ کی اس پکار پر مدینے کے اوس اور خزرج نے لبیک کہا، آپ کے ہاتھ پر انھوں نے بیعت کی اور آپ کی مدد کا وعدہ کیا۔ نیز آپ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں تو آپ کی حفاظت کی

Marfat.com

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور دوسرے گروہ نے کفر کیا،[1] تو ہم نے ان لوگوں کو، جو ایمان لائے، ان کے دشمنوں

عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿14﴾

پر قوت دی تو وہ غالب آ گئے (14)

آیاتھا: 11 | سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے، (وہ) بادشاہ ہے، نہایت پاک ذات،

الْحَكِيْمِ ﴿1﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

زبردست، بہت حکمت والا (1) وہی ہے جس نے ان پڑھوں[3] میں ایک رسول بھیجا انھی میں سے، وہ اس کی

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ

آیات ان پر تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بلاشبہ اس

قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿2﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا

سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے تھے (2) اور (اسے) ان میں سے دوسرے لوگوں کے لیے بھی (بھیجا)

بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿3﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

جو ابھی تک ان کے ساتھ نہیں ملے،[4] اور وہ (اللہ) زبردست، خوب حکمت والا ہے (3) یہ اللہ کا فضل ہے،[5]

يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿4﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ

وہ جسے چاہتا ہے یہ (فضل) دیتا ہے، اور اللہ عظیم فضل والا ہے (4) ان لوگوں کی مثال، جنھیں حامل

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

تورات بنایا گیا پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے،[6] بری

ذمے داری ہم قبول کرتے ہیں، چنانچہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انھوں نے آپ کی اور آپ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی ”انصار“ رکھ دیا اور اب یہ ان کا عَلَم بن گیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ. (ابن کثیر)

[1] یہ یہود تھے جنھوں نے نبوت عیسیٰ ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر اور ان کی ماں پر بہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف وتفرق اس وقت ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا، اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ نسطوریہ فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، باپ نے بیٹے کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ تیسرے فرقے نے کہا: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، یہی فرقہ صحیح تھا۔

[2] یعنی نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم نے اسی آخری جماعت کی، دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی، چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حامل جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت وسلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہوگا، جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت احادیث صحیحہ میں تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ (دیکھیے: سورۂ نساء 4:159،160 کے حواشی۔) ٭ نبی ﷺ جمعے کی نماز میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 877) تاہم ان کا جمعے کی رات کو عشاء کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں، البتہ ایک ضعیف روایت میں ایسا آتا ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر: 38/3 ترجمة سعيد بن سماك بن حرب)

[3] ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی رسالت دوسروں کے لیے نہیں تھی لیکن چونکہ اولین مخاطب وہ تھے، اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔ [4] یہ ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ پر عطف ہے، یعنی بَعَثَ فِي آخَرِينَ مِنْهُمْ ﴿اٰخَرِيْنَ﴾ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ مراد ہیں جو قیامت تک آپ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب وعجم کے وہ تمام لوگ ہیں جو عہد صحابہ کے بعد قیامت تک ہوں گے، چنانچہ اس میں فارس، روم، بربر، سوڈان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آ جاتے ہیں، یعنی آپ کی نبوت سب کے لیے ہے، چنانچہ یہ سب ہی آپ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ بھی ﴿مِّنْهُمْ﴾ کا مصداق، یعنی اولین اسلام لانے والے ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں۔ اسی ضمیر کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ آخرین سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ ﴿مِّنْهُمْ﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ ہیں۔ (فتح القدیر) [5] یہ اشارہ نبوت محمدی عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔ [6] ﴿اَسْفَارًا﴾ سِفْرٌ کی جمع ہے جس کا لغوی معنی ظہور اور انکشاف ہے۔ یہاں

Marfat.com

الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑤ قُلْ

مثال ہے اس قوم کی جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا⑤

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو جو یہودی ہوئے! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم اللہ کے

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ⑥ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ

دوست ہو سب لوگوں کے سوا،[1] تو موت کی تمنا کرو،[2] اگر تم سچے ہو⑥[3] اور وہ کبھی یہ تمنا نہیں کریں گے

اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ⑦

بوجہ ان (برے اعمال) کے جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں،[4] اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے⑦

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ

کہہ دیجیے: بے شک موت جس سے تم فرار ہوتے ہو، وہ تو یقیناً تمھیں ملنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف

اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧

لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے، پھر وہ تمھیں بتائے گا جو تم عمل کرتے تھے⑧

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، تو تم اللہ کے ذکر کی

اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

طرف دوڑو اور خرید و فروخت کرنا چھوڑ دو،[5] یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو⑨

معنی ہیں: بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو وہ اپنے معانی کو ظاہر کرتی ہے، اس لیے کتاب کو بھی سِفْر کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں، ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں، اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں، اس لیے یہ حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے جبکہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ (الأعراف 179:7) ”یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔“ یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علماء کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں، اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں لیکن اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔

[1] جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔“ (المآئدة 18:5) اور دعویٰ کرتے تھے کہ ”جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔“ (البقرة 111:2) [2] تاکہ تمھیں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جو تمھارے زعم کے مطابق تمھارے لیے ہونا چاہیے۔ [3] اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ مرنے کے بعد اس کے لیے جنت ہے، وہ تو وہاں جلد پہنچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی اس میں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اپنے دعوائے ولایت و محبوبیت میں سچے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ مباہلہ کرلو، یعنی مسلمان اور یہودی دونوں مل کر بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ یا اللہ! ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار فرما دے۔ (دیکھیے: سورۂ بقرہ 94:2 کا حاشیہ) [4] یعنی کفر و معاصی اور کتاب الٰہی میں تحریف و تغیر کا جو ارتکاب یہ کرتے رہے ہیں، ان کے باعث کبھی بھی یہ موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ [5] یہ اذان کس طرح دی جائے، اس کے الفاظ کیا ہوں۔ یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہے نہ اس پر عمل کرنا ہی۔ جمعہ کو، جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تھا، یوں تمام مخلوقات کا اس دن اجتماع ہو گیا یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بنا پر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر) ﴿ فَاسْعَوْا ﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ دوڑ کر آؤ بلکہ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد آ جاؤ اور کاروبار بند کر دو کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا ممنوع ہے، وقار اور سکینت کے ساتھ آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 636، و صحيح مسلم، حديث: 602) اذان سے وہی اذان مراد ہے جو عہد رسالت میں ہوتی تھی اور یہ اذان اس وقت دی جاتی جب آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو جاتے۔ (فتح القدیر) اس لیے اسی اذان نبوی پر اکتفا بہتر ہے۔ بعض حضرات نے ﴿ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ﴾ ”خرید و فروخت چھوڑ دو۔“ سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ صرف شہروں میں فرض ہے، اہل دیہات پر نہیں کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شہروں میں ہی ہوتی ہے، دیہاتوں میں نہیں، حالانکہ اول تو دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو، اس

Marfat.com

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ

پھر جب نماز پوری ہو جائے، تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو،[1] اور اللہ

اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿10﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

کو کثرت سے یاد کرو، شاید تم فلاح پاؤ ﴿10﴾ اور (اے نبی!) جب وہ تجارت ہوتی یا کوئی تماشا

اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ

دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں،[2] کہہ دیجیے: جو اللہ کے

خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿11﴾ ع 2/3 12

پاس ہے[3] وہ تماشے اور (سامانِ) تجارت سے کہیں بہتر ہے[4] اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے ﴿11﴾[5]

آیاتہا: 11 — سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ — رکوعاتہا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ

(اے نبی!) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم شہادت دیتے ہیں کہ بے شک

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

آپ اللہ کے رسول ہیں،[6] اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں۔[7] اور اللہ شہادت دیتا ہے

لَكٰذِبُوْنَ ﴿1﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کہ یقیناً منافق البتہ جھوٹے ہیں ﴿1﴾[8] انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے،[9] پھر وہ (لوگوں کو) اللہ کی

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿2﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

راہ سے روکتے ہیں،[10] بے شک برا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں ﴿2﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایمان لائے،

فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿3﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ

پھر انھوں نے کفر کیا،[11] تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، تو وہ سمجھتے ہی نہیں ﴿3﴾ اور جب آپ انھیں دیکھیں تو

لیے یہ دعویٰ ہی خلاف واقعہ ہے۔ دوسرا بیع اور کاروبار سے مطلب، دنیا کے مشاغل ہیں، وہ جیسے بھی اور جس قسم کے بھی ہوں۔ اذان جمعہ کے بعد انھیں ترک کر دیا جائے۔ کیا اہل دیہات کے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی اور کاروبار مشاغل دنیا سے مختلف چیز ہے؟

[1] اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے، یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو جاؤ۔ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔ [2] ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ (غلہ لے کر) آ گیا، لوگوں کو پتہ چلا تو خطبہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے کہ کہیں سامان فروخت ختم نہ ہو جائے، صرف 12 آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4899، وصحيح مسلم، حديث: 863) اِنْفِضَاض کے معنی ہیں: مائل اور متوجہ ہونا، دوڑ کر منتشر ہو جانا۔ ﴿اِلَيْهَا﴾ میں ضمیر کا مرجع ﴿تِجَارَةً﴾ ہے۔ یہاں صرف ضمیر تجارت پر اکتفا کیا، اس لیے کہ جب تجارت بھی، باوجود جائز اور ضروری ہونے کے، دوران خطبہ مذموم ہے تو کھیل وغیرہ کے مذموم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ﴿قَآئِمًا﴾ سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر دینا سنت ہے، چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ کے دو خطبے ہوتے تھے، جن کے درمیان آپ بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ (صحيح مسلم، حديث: 861) [3] یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کی جو جزائے عظیم ہے۔ [4] جس کی طرف تم دوڑ کر گئے اور مسجد سے نکل گئے اور خطبۂ جمعہ کی سماعت بھی نہیں کی۔ [5] پس اسی سے روزی طلب کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اسی کی طرف وسیلہ پکڑو۔ اس کی اطاعت اور اس کی طرف انابت تحصیل رزق کا بہت بڑا سبب ہے۔ [6] منافقین سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ [7] یہ جملہ معترضہ ہے جو مضمون ماقبل کی تاکید کے لیے ہے جس کا اظہار منافقین بطور نفاق کے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو ویسے ہی زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس یقین سے خالی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ [8] اس بات میں کہ وہ دل سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، یعنی دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان سے دھوکا دینے کے لیے اظہار کرتے ہیں۔ [9] یعنی وہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمھاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، انھوں نے اپنی اس قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے اس کے ذریعے سے وہ تم سے بچے رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ تمھاری تلواروں کی زد میں نہیں آتے۔ [10] دوسرا ترجمہ ہے کہ انھوں نے شک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔ [11] اس سے معلوم ہوا کہ منافقین بھی صریح کافر ہیں۔

Marfat.com

أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ
آپ کو ان کے جسم اچھے لگتے ہیں[1] اور اگر وہ (کوئی بات) کہیں تو آپ ان کی بات پر کان لگائیں[2] گویا وہ
مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ
ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہوں۔[3] وہ ہر اونچی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں،[4] وہی (اصل) دشمن ہیں، لہٰذا آپ
قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
ان سے بچیں، اللہ انھیں ہلاک کرے وہ کہاں پھیرے جاتے ہیں ④ اور جب ان سے کہا جائے: آؤ،
يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم
رسول اللہ تمھارے لیے استغفار کریں، تو وہ (نفی میں) اپنے سر پھیر لیتے ہیں،[5] اور آپ انھیں دیکھتے ہیں
مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٥﴾ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں ⑤ [6] ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں
لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٦﴾ هُمُ
یا ان کے لیے استغفار نہ کریں،[7] اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا،[8] بے شک اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا
الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ
⑥ وہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ
وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٧﴾
منتشر ہو جائیں،[9] اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں،[10] لیکن منافق سمجھتے نہیں ⑦ [11] وہ
يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا
کہتے ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینے گئے تو معزز ترین لوگ ذلیل ترین لوگوں کو وہاں سے نکال دیں
الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ
گے،[12] اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے،[13] لیکن منافق (اس

[1] یعنی ان کے حسن و جمال اور رونق و شادابی کی وجہ سے۔ [2] یعنی زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے۔ [3] یعنی اپنی درازئ قد اور حسن و رعنائی، عدم فہم اور قلت خیر میں ایسے ہیں گویا کہ دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہیں لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مطلب ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ (فتح القدير) [4] یعنی بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زوردار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہوگئی ہے۔ یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے، جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔ [5] یعنی استغفار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں۔ [6] یعنی کہنے والے کی بات سے منہ موڑ لیں گے یا رسول اللہ ﷺ سے اعراض کر لیں گے۔ [7] اپنے نفاق پر اصرار اور کفر پر استمرار کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں استغفار اور عدم استغفار ان کے حق میں برابر ہے۔ [8] اگر اسی حالت نفاق میں وہ مر گئے۔ ہاں اگر وہ زندگی میں کفر و نفاق سے تائب ہو جائیں تو بات اور ہے، پھر ان کی مغفرت ممکن ہے۔ [9] ایک غزوے میں (جسے اہل سیر غزوۂ مُرَیسیع یا غزوۂ بنی مصطلق کہتے ہیں) ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی حمایت کے لیے انصار اور مہاجرین کو پکارا، جس پر عبداللہ بن ابی (منافق) نے انصار سے کہا کہ تم نے مہاجرین کی مدد کی اور ان کو اپنے ساتھ رکھا، اب دیکھ لو، اس کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے، یعنی یہ اب تمھارا کھا کر تمھی پر غرا رہے ہیں۔ ان کا علاج تو یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو، یہ اپنے آپ تتر بتر ہو جائیں گے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ ہم (جو عزت والے ہیں) ان ذلیلوں (مہاجروں) کو مدینے سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خبیثہ سن لیے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو آ کر بتلایا، آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت زید بن ارقم کو سخت ملال ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صداقت کے اظہار کے لیے سورۂ منافقون نازل فرما دی، جس میں عبداللہ بن ابی کے کردار کو پوری طرح طشت از بام کر دیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4900)
[10] مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کہ رزق کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جس کو جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔ [11] منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انصار اگر مہاجرین کی طرف دست تعاون دراز نہ کریں تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔
[12] اس کا کہنے والا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، عزت والے سے اس کی مراد، وہ خود اور اس کے رفقاء تھے اور ذلت والے سے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ اور مسلمان۔ [13] یعنی عزت اور غلبہ صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت و غلبہ عطا فرما دے، چنانچہ وہ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عزت اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے نافرمان ہوں۔ یہ منافقین کے قول کی تردید فرمائی

Marfat.com

لَا يَعْلَمُوْنَ (8) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ

حقیقت کو) نہیں جانتے (8) [1]اے ایمان والو! تمھارے مال اور تمھاری اولادیں تمھیں اللہ

اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، [2]اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ خسارہ پانے

الْخٰسِرُوْنَ (9) وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

والے ہیں (9) اور تم اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمھیں رزق دیا ہے، [3]اس سے پہلے کہ تم

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ

میں سے کسی ایک کو موت آئے، پھر وہ کہے: اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ مدت تک اور

فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (10) وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا

کیوں نہ مہلت دی [4]کہ میں صدقہ کرتا اور میں صالحین میں سے ہو جاتا (10) اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت

اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (11)

نہیں دیتا جب اس کی اجل آ جائے، اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو (11)

آیاتہا 18 | سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ [5]اسی کے لیے بادشاہی ہے اور

وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (1) هُوَ الَّذِيْ

اسی کے لیے (ہر قسم کی) حمد ہے، [6]اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے (1) وہی ہے جس نے تمھیں پیدا

خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر اور کوئی مومن ہے، اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا

بَصِيْرٌ (2) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ

ہے (2) [7]اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، [8]اور تمھیں صورت دی تو تمھاری صورتیں بہت

کہ عزتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معزز بھی وہی ہے جسے وہ معزز سمجھے نہ کہ وہ جو اپنے آپ کو معزز یا اہل دنیا جس کو معزز سمجھیں اور اللہ کے ہاں معزز صرف اور صرف اہل ایمان ہوں گے، کافر اور اہل نفاق نہیں۔

[1] اس لیے ایسے کام نہیں کرتے جو ان کے لیے مفید ہیں اور ان چیزوں سے نہیں بچتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔ [2] یعنی مال اور اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آ جائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حلال و حرام کی حدوں کی پروا نہ کرو۔ منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا کردار ہے جو انسان کو خسارے میں ڈالنے والا ہے۔ اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں، یعنی اس کے احکام و فرائض کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ [3] خرچ کرنے سے مراد زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔ [4] اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اور اسی طرح اگر حج کی استطاعت ہو تو اس کی ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آ جائے۔ اور یہ فرائض اس کے ذمے رہ جائیں کیونکہ موت کے وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ [5] یعنی آسمان و زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے تنزیہ و تقدیس بیان کرتی ہے۔ زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی جیسا کہ پہلے گزرا۔

[6] یعنی یہ دونوں خوبیاں بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے، کسی کے پاس کچھ حسن و کمال ہے تو اسی مالک الملک کی کرم گستری کا نتیجہ ہے، اس لیے اصل تعریف کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ [7] یعنی انسان کے لیے خیر و شر، نیکی اور بدی اور کفر و ایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی جو آزادی دی ہے اس کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے۔ اس نے کسی پر جبر نہیں کیا۔ اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر و معصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر ہی نہ ہوتا لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا۔ ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک 67:2) ''جس نے موت و حیات کو پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔'' بنابریں جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل و کسب ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مومن اور ایمان کا خالق بھی اللہ ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل دیکھ رہا ہے۔ [8] اور وہ عدل و حکمت (حق) یہی ہے کہ محسن کو اس کے احسان کی اور بدکار کو اس کی بدی کی جزا دے، چنانچہ وہ اس عدل کا مکمل اہتمام

Marfat.com

صُوَرَكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (3) يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

اچھی بنائیں[1] اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (3) [2] وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین

وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

میں ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اور اللہ سینوں کے راز خوب

الصُّدُورِ (4) أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ

جانتا ہے (4) [3] کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا؟ پھر انھوں

فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (5) ذٰلِكَ

نے اپنے معاملے (عملوں) کا وبال چکھا،[4] اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے (5) [5] یہ اس لیے[6]

بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ

کہ بے شک ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لاتے تھے تو انھوں نے کہا: کیا بشر ہمیں راہ دکھائیں

يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا ۚ وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

گے؟[7] پھر انھوں نے کفر کیا[8] اور (حق سے) منہ موڑا[9] اور اللہ نے (ان سے) بے پروائی کی،[10] اور اللہ بے پروا،[11]

حَمِيدٌ (6) زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلٰى

بہت قابل تعریف ہے (6) [12] کافروں نے دعویٰ کیا کہ وہ (قبروں سے) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔[13]

وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذٰلِكَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تمھیں ضرور اٹھایا جائے گا،[14] پھر تمھیں ضرور

عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ (7) فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي

بتائے جائیں گے جو تم نے عمل کیے،[15] اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے (7) [16] چنانچہ تم اللہ اور اس کے رسول[17] اور

قیامت والے دن فرمائے گا۔

[1] تمھاری شکل وصورت، قد وقامت اور خدوخال نہایت خوب صورت بنائے، جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ (المؤمن 64:40) ”(اللہ نے) تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔“ ﴿يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ○ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ○ فِيٓ أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ○﴾ (الانفطار 82:6-8) ”اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر بنایا جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“ [2] کسی اور کی طرف نہیں کہ اللہ کے محاسبے اور مؤاخذے سے بچاؤ ہو جائے۔ [3] یعنی اس کا علم کائنات ارضی وسماوی سب پر محیط ہے بلکہ تمھارے سینوں کے رازوں تک سے وہ واقف ہے۔ اس سے قبل جو وعدے اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں، یہ ان کی تاکید ہے۔ [4] یہ اہل مکہ سے بالخصوص اور کفار عرب سے بالعموم خطاب ہے۔ اور ما قبل کافروں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ہیں۔ جنھیں ان کے کفر ومعصیت کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے دوچار کر کے تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ [5] یعنی دنیوی عذاب کے علاوہ آخرت میں۔ [6] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اشارہ ہے اس عذاب کی طرف جو دنیا میں انھیں ملا اور آخرت میں بھی انھیں ملے گا۔ [7] یہ ان کے کفر کی علت ہے کہ انھوں نے یہ کفر، جو ان کے عذاب دارین کا باعث بنا، اس لیے اختیار کیا کہ انھوں نے ایک بشر کو اپنا ہادی ماننے سے انکار کر دیا، یعنی ایک انسان کا رسول بن کر لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آنا، ان کے لیے ناقابل قبول تھا جیسا کہ آج بھی اہل بدعت کے لیے رسول کو بشر ماننا نہایت گراں ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى. [8] چنانچہ اس بنا پر انھوں نے رسولوں کو رسول ماننے سے اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ [9] یعنی ان سے اعراض کیا اور جو دعوت وہ پیش کرتے تھے، اس پر انھوں نے غور وتدبر ہی نہیں کیا۔ [10] یعنی ان کے ایمان اور ان کی عبادت سے۔ [11] اس کو کسی کی عبادت سے کیا فائدہ اور اس کی عبادت سے انکار کرنے سے کیا نقصان۔ [12] یا محمود ہے (تعریف کیا گیا) تمام مخلوقات کی طرف سے، یعنی ہر مخلوق زبان حال وقال سے اس کی حمد وتعریف میں رطب اللسان ہے۔ [13] یعنی یہ عقیدہ کہ قیامت والے دن دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، یہ کافروں کا محض گمان ہے جس کی پشت پر دلیل کوئی نہیں۔ زعم کا اطلاق کذب پر بھی ہوتا ہے۔ [14] قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کرے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ مقام ہے اس سے قبل ایک مقام سورۂ یونس 10:53 اور دوسرا مقام سورۂ سبا 34:3 میں ہے۔ [15] یہ وقوع قیامت کی حکمت ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کیوں دوبارہ زندہ کرے گا، اس لیے کہ وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری جزا دی جائے کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جزا مکمل شکل میں بالعموم نہیں ملتی۔ نیک کو نہ بد کو۔ اب اگر قیامت والے دن بھی مکمل جزا کا اہتمام نہ ہو تو دنیا ایک کھلنڈرے کا کھیل اور فعل عبث ہی قرار پائے گی جبکہ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو کوئی فعل عبث نہیں،

Marfat.com

أَنْزَلْنَا ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (8) يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ
اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا،[1] اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو (8) جس دن
الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
وہ تمھیں جمع ہونے کے دن[2] اکٹھا کرے گا، وہی ہار جیت کا دن ہے۔[3] اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور
يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
نیک عمل کرے تو اللہ اس سے اس کی برائیاں مٹا دے گا اور اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (9) وَالَّذِينَ
نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ یہی عظیم کامیابی ہے (9) اور جن لوگوں نے
كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ
کفر کیا اور ہماری آیات جھٹلائیں وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ برا
وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (10) مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ
ٹھکانا ہے (10) جو مصیبت بھی آتی ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے،[4] اور جو کوئی اللہ پر ایمان
يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (11) وَأَطِيعُوا
لائے تو وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے،[5] اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (11) اور تم اللہ کی
اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا
اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم (حق سے) منہ موڑو، تو ہمارے رسول کا کام بس کھول کر
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (12) اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
پہنچا دینا ہے (12) [6] اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اور پس لازم ہے کہ مومن اللہ ہی
الْمُؤْمِنُونَ (13) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ
پر توکل کریں (13) [7] اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض

چہ جائیکہ جن وانس کی تخلیق کو بے مقصد اور ایک کھیل سمجھ لیا جائے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ [16] یہ دوبارہ زندگی، انسانوں کو کتنی ہی مشکل یا مستبعد نظر آتی ہو لیکن اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ [17] ﴿فَآمِنُوا﴾ میں فاء فصیحہ ہے جو شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے۔ أَيْ إِذَا كَانَ الْأَمْرُ هٰكَذَا فَصَدِّقُوا بِاللّٰهِ......، یعنی جب معاملہ اس طرح ہے جو بیان ہوا تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو۔

[1] آپ کے ساتھ نازل ہونے والا یہ نور قرآن مجید ہے جس سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹتی ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔ [2] قیامت کو ﴿لِيَوْمِ الْجَمْعِ﴾ اس لیے کہا کہ اس دن اول و آخر سب ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے۔ فرشتہ پکارے گا تو سب اس کی آواز سنیں گے، ہر ایک کی نگاہ آخر تک پہنچ جائے گی کیونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾ (ھود 103:11) ''وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔'' ﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝﴾ (الواقعۃ 50,49:56) ''کہہ دیجیے: یقیناً تمام پہلے اور پچھلے ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر ضرور اکٹھے کیے جانے والے ہیں۔'' [3] یعنی ایک گروہ جیت جائے گا اور ایک ہار جائے گا، اہل حق اہل باطل پر، ایمان والے اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر جیت جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی وہ مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لیے تھے، اگر وہ جہنم میں جانے والے کام نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کے حصے میں آئے گی جو جہنم میں داخل ہوں گے، جنھوں نے خیر کو شر سے، عمدہ چیز کو ردی سے اور نعمتوں کو عذاب سے بدل لیا۔ غبن کے معنی نقصان اور خسارے کے بھی ہیں، یعنی نقصان کا دن۔ اس دن کافروں کو تو خسارے کا احساس ہوگا ہی۔ اہل ایمان کو بھی اس اعتبار سے خسارے کا احساس ہوگا کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کر کے مزید درجات کیوں نہ حاصل کیے۔ [4] یعنی اس کی تقدیر اور مشیت سے ہی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس کے نزول کا سبب کفار کا یہ قول ہے کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو دنیا کی مصیبتیں انھیں نہ پہنچتیں۔ (فتح القدیر) [5] یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے، اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی پہنچا ہے، پس وہ صبر اور رضا بالقضا کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کے دل میں یقین راسخ کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک جانے والی ہے، وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ (ابن کثیر) [6] یعنی ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔ (فتح القدیر) [7] یعنی تمام معاملات اسی کو سونپیں، اسی پر اعتماد کریں اور صرف اسی سے دعا و التجا کریں کیونکہ اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ہی نہیں۔

Marfat.com

وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا

تمھارے دشمن ہیں،[1] لہٰذا تم ان سے محتاط رہو۔[2] اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو

وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (14) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے (14) [3] بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ

فِتْنَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (15) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

(آزمائش) ہیں،[4] اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے (15) [5] چنانچہ جہاں تک تمھاری استطاعت ہو تم اللہ

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ

سے ڈرو اور سنو، اور اطاعت کرو،[6] اور خرچ کرو، یہ تمھاری ذات کے لیے بہتر ہے،[7] اور جسے اپنے نفس کے

نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (16) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (16) اگر تم اللہ کو قرض دو، قرضِ حسنہ،[8] تو وہ اسے

حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (17)

تمھارے لیے بڑھا دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔[9] اور اللہ بڑا قدر دان، بہت حلم والا ہے (17) [10]

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (18)

وہ غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والا، زبردست، خوب حکمت والا ہے (18)

ع 2/8/16

آیاتُہا: 12 | سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ | رُکُوعاتُہا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو[11] تو انھیں ان کی عدت کے (آغاز) وقت میں طلاق دو،[12] اور عدت

[1] یعنی جو تمھیں عمل صالح اور اطاعت الٰہی سے روکیں، سمجھ لو وہ تمھارے خیر خواہ نہیں، دشمن ہیں۔ [2] یعنی ان کے پیچھے لگنے سے بچو بلکہ انھیں اپنے پیچھے لگاؤ تاکہ وہ بھی اطاعت الٰہی اختیار کریں نہ کہ تم ان کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب کر لو۔ [3] اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکے میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا لیکن ان کے بیوی بچے آڑے آگئے اور انھوں نے انھیں ہجرت نہیں کرنے دی، پھر بعد میں جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بہت زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انھیں اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا جنھوں نے انھیں ہجرت سے روکے رکھا تھا، چنانچہ انھوں نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس میں انھیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ (جامع الترمذي، حديث: 3317) [4] جو تمھیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں، پس اس آزمائش میں تم اسی وقت سرخرو ہو سکتے ہو، جب تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ مال و اولاد جہاں اللہ کی نعمت ہے، وہاں یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہے۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون۔ [5] یعنی اس شخص کے لیے جو مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔ [6] یعنی اللہ اور رسول کی باتوں کو توجہ اور غور سے سنو اور ان پر عمل کرو، اس لیے کہ صرف سن لینا بے فائدہ ہے، جب تک عمل نہ ہو۔ [7] خَيْرًا أَيْ إِنْفَاقًا خَيْرًا یا یَکُنِ الْإِنْفَاقُ خَيْرًا۔ انفاق عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ [8] یعنی اخلاص نیت اور طیبِ نفس (خوش دلی) کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ [9] یعنی کئی گنا بڑھانے کے ساتھ وہ تمھارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ [10] وہ اپنے اطاعت گزاروں کو أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اجر و ثواب سے نوازتا ہے اور معصیت کاروں کا فوری مؤاخذہ نہیں فرماتا۔ [11] نبی ﷺ سے خطاب آپ کے شرف و مرتبت کی وجہ سے ہے ورنہ حکم تو امت کو دیا جا رہا ہے۔ یا آپ ہی کو بطور خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ ﴿طَلَّقْتُمُ﴾ کا مطلب ہے جب طلاق دینے کا پختہ ارادہ کر لو۔ [12] اس میں طلاق دینے کا طریقہ اور وقت بتلایا ہے۔ ﴿لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں لام توقیت کے لیے ہے، یعنی أَوَّلِ یا لِاسْتِقْبَالِ عِدَّتِهِنَّ (عدت کے آغاز میں) طلاق دو، یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق دو۔ حالت طہر اس کی عدت کا آغاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں یا طہر میں ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دینا غلط طریقہ ہے۔ اس کو فقہاء طلاق بدعی سے اور پہلے (صحیح) طریقے کو طلاق سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اور انھیں اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ حالت طہر میں طلاق دینا اور اس کے لیے آپ ﷺ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 5251) تاہم حیض میں دی گئی

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ

گنتے رہو۔[1] اور اللہ سے جو تمھارا رب ہے، ڈرو۔ تم انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو،[2] اور نہ وہ خود نکلیں،[3] مگر

اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ

یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں،[4] اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو

اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ

یقیناً اس نے خود پر ظلم کیا۔[5] (اے مخاطب!) تو نہیں جانتا شاید اللہ اس (طلاق) کے بعد کوئی نئی راہ نکال

اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

دے ①[6] پھر جب وہ اپنی عدت (ختم ہونے) کو پہنچیں تو تم انھیں معروف طریقے سے (اپنے پاس

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

بحیثیت بیوی) روک لو یا انھیں معروف طریقے سے جدا کر دو،[7] اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل

طلاق بھی، باوجود بدعی ہونے کے واقع ہو جائے گی۔ محدثین اور جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں، البتہ امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ طلاق بدعی کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار: 249/6 اور دیگر شروحات حدیث)

[1] یعنی اس کی ابتدا اور انتہا کا خیال رکھو تاکہ عورت اس کے بعد نکاح ثانی کر سکے یا اگر تم ہی رجوع کرنا چاہو، (پہلی اور دوسری طلاق کی صورت میں) تو عدت کے اندر رجوع کر سکو۔ [2] یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو اور اس وقت تک رہائش اور نان ونفقہ تمھاری ذمے داری ہے۔ [3] یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، اِلَّا یہ کہ کوئی بہت ہی ضروری معاملہ ہو۔ [4] یعنی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے یا بدزبانی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرے جس سے گھر والوں کو تکلیف ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کا اخراج جائز ہوگا۔ [5] یعنی احکام مذکورہ، اللہ کی حدیں ہیں جن سے تجاوز خود اپنے آپ ہی پر ظلم کرنا ہے کیونکہ اس کے دینی اور دنیوی نقصانات خود تجاوز کرنے والے ہی کو بھگتنے پڑیں گے۔ [6] یعنی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے جیسا کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (فتح القدیر) اسی سے امام احمد اور دیگر بعض علماء نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ رہائش اور نفقے کی جو تاکید کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے لیے ہے جن کو ان کے خاوندوں نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو کیونکہ ان میں خاوند کے رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ اور جس عورت کو مختلف اوقات میں دو طلاقیں مل چکی ہوں تو تیسری طلاق اس کے لیے طلاقِ بَتّہ یا بائِنہ ہے، اس کا سُکْنٰی (رہائش) اور نفقہ خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ اس کو فوراً خاوند کے مکان سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا کیونکہ خاوند اب اس سے رجوع کر کے اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا ﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ (البقرة 2:230) ''یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔'' اور پھر وہ اپنی مرضی سے کسی وجہ سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے، اس لیے اب اس خاوند کے پاس رہنے کا اور اس سے نان ونفقہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب اس کے خاوند نے اس کو تیسری طلاق بھی دے دی اور اس کے بعد اسے خاوند کے مکان سے نکلنے کے لیے کہا گیا تو وہ آمادہ نہیں ہوئی بالآخر معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا کہ اس کے لیے رہائش اور نفقہ نہیں ہے، اسے فوراً کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے بلکہ بعض روایات میں صراحت بھی ہے: «إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ» (سنن النسائي، حديث: 3432، و مسند أحمد: 417/6) ''رہائش اور خرچہ اس عورت کو ملے گا جس کے خاوند کو رجوع کرنے کا حق باقی ہو۔'' البتہ بعض روایات میں حاملہ عورت کے لیے بھی نفقہ اور رہائش کی صراحت ہے۔ (تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار: 6/338 - 342) بعض لوگ ان روایات کو قرآن کے مذکورہ حکم ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ ﴾ کے خلاف باور کرا کے ان کو رد کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کا حکم اپنے گرد وپیش کے قرائن کے پیش نظر مُطَلَّقَہ رَجْعِیَّہ سے متعلق ہے۔ اور اگر اسے عام مان بھی لیا جائے تو یہ روایات اس کی مُخَصِّصْ ہیں، یعنی قرآن کے عموم کو ان روایات نے مُطَلَّقَہ رَجْعِیَّہ کے لیے خاص کر دیا اور مطلقہٗ بائنہ کو اس عموم سے نکال دیا ہے۔ [7] مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے۔ اگر رجوع کرنا مقصود ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کر لو۔ بصورت دیگر انھیں معروف طریقے کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

Marfat.com

وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ

آدمی گواہ بنالو،[1] اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو،[2] اس (حکم) کی اسے نصیحت کی جاتی ہے جو کوئی اللہ اور

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ

یوم آخرت پر ایمان لائے، اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا

مَخْرَجًا ﴿2﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ

راستہ بنا دیتا ہے ②[3] اور وہ اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر

عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ

توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔[4] بے شک اللہ نے

شَيْءٍ قَدْرًا ﴿3﴾ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ

ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے ③[5] اور وہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں تمھاری (طلاق یافتہ)

إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ۚ

عورتوں میں سے، اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور (اسی طرح) ان کی بھی جنھیں

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ

(ابھی) حیض نہیں آیا۔[6] اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔[7] اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ

يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿4﴾ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ

اس کے لیے اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے ④ یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تمھاری طرف نازل کیا

إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ

ہے، اور جو (شخص) اللہ سے ڈرے تو وہ اس سے اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے، اور اسے زیادہ اجر دیتا

أَجْرًا ﴿5﴾ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ

ہے ⑤ تم انھیں رہائش دو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق،[8] اور ان کو تنگ کرنے کے

وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا

لیے انھیں تکلیف نہ دو۔[9] اور اگر وہ (طلاق یافتہ) حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو،[10] پھر

[1] اس رجعت اور بعض کے نزدیک طلاق پر گواہ کر لو۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں، استحباب کے لیے ہے، یعنی گواہ بنا لینا بہتر ہے، تاہم ضروری نہیں۔ [2] یہ تاکید گواہوں کو ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت اور لالچ کے بغیر صحیح صحیح گواہی دیں۔ [3] یعنی شدائد اور آزمائشوں سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔ [4] یعنی وہ جو چاہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ [5] تنگیوں کے لیے بھی اور آسانیوں کے لیے بھی۔ یہ دونوں اپنے وقت پر انتہا پذیر ہو جاتے ہیں۔ بعض نے اس سے حیض اور عدت مراد لی ہے۔ [6] یہ ان کی عدت ہے جن کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا یا جنھیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا۔ [7] مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چاہے دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے، چاہے وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 5318، و صحيح مسلم، حديث:1485، وجامع الترمذي، حديث: 1193، وسنن أبي داود، حديث: 2306، وسنن النسائي، حديث: 3538، و سنن ابن ماجه، حديث: 2027) دیگر عورتیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں، ان کی عدت 4 مہینے 10 دن ہے۔ (البقرة 234:2) [8] یعنی مطلقہ رجعیہ کو، اس لیے کہ مطلقۂ بائنہ کے لیے تو رہائش اور نفقہ ضروری ہی نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحے میں بیان ہوا۔ اپنی طاقت کے مطابق رکھنے کا مطلب ہے کہ اگر مکان فراخ ہو اور اس میں متعدد کمرے ہوں تو ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ بصورت دیگر اپنا کمرہ اس کے لیے خالی کر دے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ قریب رہ کر عدت گزارے گی تو شاید خاوند کا دل پسیج جائے اور رجوع کرنے کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر اگر بچے بھی ہوں تو پھر رغبت اور رجوع کا قوی امکان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے جس کی وجہ سے اس حکم کے فوائد و حکم سے بھی وہ محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں طلاق کے ساتھ ہی جس طرح عورت کو فوراً اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے یا بعض دفعہ لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں، یہ رواج قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔ [9] یعنی نان و نفقہ میں یا رہائش میں اسے تنگ اور بے آبرو کرنا تاکہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ عدت کے دوران ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے قریب ہو تو پھر رجوع کر لے اور بار بار ایسا کرے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ جس کے سدباب کے لیے شریعت نے طلاق کے بعد رجوع کرنے کی حد مقرر فرما دی تا کہ کوئی شخص آئندہ اس طرح عورت کو تنگ نہ کرے، اب ایک انسان دو مرتبہ تو ایسا کر سکتا ہے، یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر

Marfat.com

عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ
اگر وہ (بچے کو) تمھارے لیے دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دو،[1] اور (یہ) آپس میں دستور کے
وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ ⑥
مطابق مشورے سے (طے) کرو،[2] اور اگر تم باہم ضد پکڑ لو تو اسے کوئی اور عورت دودھ پلائے⑥[3] پس لازم
لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ
ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے،[4] اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا[5] ہو تو وہ اسی
مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ سَيَجۡعَلُ
میں سے خرچ کرے جو اسے اللہ نے دیا۔ اللہ کسی شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے
اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ࣖ ⑦ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا
دیا۔[6] اللہ تنگی کے بعد جلد آسانی فرما دے گا⑦[7] اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب اور اس کے
وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ⑧
رسولوں کے حکم سے سرکشی کی[8] تو ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا، اور ہم نے انھیں ہولناک عذاب دیا⑧[9]
فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ⑨ اَعَدَّ اللّٰهُ
بالآخر (ان بستیوں نے) اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کرتوتوں کا انجام خسارہ ہی تھا⑨
لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۛۚ ۖ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۛ قَدۡ
اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کیا ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اے عقل والو جو ایمان لائے ہو! تحقیق
اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا ۙ ⑩ رَّسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اللہ نے تمھاری طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے⑩ (اور) ایک رسول[10] جو تم پر اللہ کی واضح آیات
مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ
تلاوت کرتا ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال
اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ صَالِحًا يُّدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ
لائے،[11] اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے،[12] وہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے

لینا لیکن تیسری مرتبہ جب طلاق دے گا تو اس کے بعد اس کے رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔ [10] یعنی مطلقہ خواہ بائنہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ و سکنی ضروری ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔

[1] یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت تمھارے ذمے ہے۔ [2] یعنی باہمی مشورے سے اجرت اور دیگر معاملات طے کر لیے جائیں، مثلاً: بچے کا باپ عرف کے مطابق اجرت دے اور ماں، باپ کی استطاعت کے مطابق اجرت طلب کرے وغیرہ۔ [3] یعنی آپس میں اجرت وغیرہ کا معاملہ طے نہ ہو سکے تو کسی دوسری انّا کے ساتھ معاملہ کر لے جو اس کے بچے کو دودھ پلائے۔ [4] یعنی دودھ پلانے والی عورتوں کو اجرت اپنی طاقت کے مطابق دی جائے اگر اللہ نے مال و دولت میں فراخی عطا فرمائی ہے تو اسی فراخی کے ساتھ مُرْضِعَة کی خدمت ضروری ہے۔ [5] یعنی مالی لحاظ سے وہ کمزور ہو۔ [6] اس لیے وہ غریب اور کمزور کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ دودھ پلانے والی کو زیادہ اجرت ہی دے۔ مطلب ان ہدایات کا یہ ہے کہ بچے کی ماں اور بچے کا باپ دونوں ایسا مناسب رویہ اختیار کریں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ سنگین نہ ہو، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ

(البقرۃ 2:233) ''نہ ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو۔'' [7] چنانچہ جو اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آسانی و کشادگی سے بھی نواز دیتا ہے۔ [8] عَتَتْ : أَيْ تَمَرَّدَتْ وَطَغَتْ وَ اسْتَكْبَرَتْ عَنِ اتِّبَاعِ أَمْرِ اللّٰهِ وَمُتَابَعَةِ رُسُلِهٖ۔ ''اللہ کے حکم اور اس کے رسولوں کی پیروی سے انکار کیا۔'' [9] نُكْرًا : مُنْكَرًا فَظِيعًا (ہولناک آفت) حساب اور عذاب، دونوں سے مراد دنیاوی مؤاخذہ اور سزا ہے یا پھر بقول بعض کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ عَذَابًا نُّكْرًا وہ عذاب ہے جو دنیا میں قحط، خسف و مسخ وغیرہ کی شکل میں انھیں پہنچا اور حِسَابًا شَدِيْدًا وہ ہے جو آخرت میں ہوگا۔ (فتح القدیر) [10] رَسُوْلًا ، ذِكْرًا سے بدل ہے بمعنی ذاکر، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا، جیسے کہتے ہیں: وہ تو مجسم عدل ہے۔ یا ''ذکر'' سے مراد قرآن ہے اور رَسُوْلًا سے پہلے اَرْسَلْنَا محذوف ہے، یعنی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور رسول کو بھیجا۔ [11] یہ رسول کا منصب اور فریضہ بیان کیا گیا کہ وہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اخلاقی پستیوں سے اور شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ رسول سے یہاں مراد الرَّسُول یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ [12] اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہی سے انسان اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف آ سکتے ہیں۔ عمل صالح میں دونوں باتیں شامل ہیں، احکام و فرائض کی ادائیگی اور معصیات و منہیات سے اجتناب۔ مطلب ہے کہ جنت میں وہی لوگ داخل

Marfat.com

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪

نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ اللہ نے اسے خوب رزق دیا ہے ⑪ اللہ وہ

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ

ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی ان (آسمانوں) کی مثل۔[1] ان کے

الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ

درمیان اس کا حکم نازل ہوتا ہے،[2] تاکہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، اور بلاشبہ

اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫

اللہ نے (اپنے) علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے ⑫ [3]

آیاتہا: 12 | سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ

اے نبی! آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟[4] آپ اپنی بیویوں کی

اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ

رضامندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ① تحقیق اللہ نے تمھارے لیے

ہوں گے جنھوں نے صرف زبان سے ہی ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے حقیقی ایمان لا کر اس کے تقاضوں کے مطابق فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب کیا تھا۔

[1] أَيْ خَلَقَ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات آسمانوں کی طرح، اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقالیم مراد لیے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اوپر نیچے سات آسمان ہیں، اسی طرح سات زمینیں ہیں احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ» (صحيح مسلم، حديث: 1610) ''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم سے ہتھیالی تو قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔'' صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: «خُسِفَ بِهِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ» ''اس کو ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2454) اور جنھوں نے یہ کہا ہے کہ ہر زمین میں، اسی طرح کا پیغمبر ہے جس طرح کا پیغمبر تمھاری زمین پر آیا، مثلاً: آدم، آدم کی طرح۔ نوح، نوح کی طرح۔ ابراہیم، ابراہیم کی طرح۔ عیسیٰ، عیسیٰ کی طرح (علیہم السلام) یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں بلکہ باطل بات ہے۔ [2] یعنی جس طرح ہر آسمان پر اللہ کا حکم نافذ اور غالب ہے، اسی طرح ہر زمین پر اس کا حکم چلتا ہے، آسمانوں کی طرح ساتوں زمینوں کی بھی وہ تدبیر فرماتا ہے۔ [3] پس اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چاہے وہ کیسی ہی ہو۔ [4] نبی ﷺ نے جس چیز کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا وہ کیا تھی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا: اس سلسلے میں ایک تو وہ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے اور وہاں شہد پیتے، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے وہاں معمول سے زیادہ دیر تک آپ کو ٹھہرنے سے روکنے کے لیے یہ اسکیم تیار کی کہ ان میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو وہ ان سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول! آپ کے منہ سے مغافیر (ایک قسم کا پھول جس میں بساند ہوتی ہے) کی بو آ رہی ہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تو زینب کے گھر صرف شہد پیا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں پیوں گا لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتلانا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4912) سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے) (صحيح سنن النسائي: 63/3) جبکہ کچھ دوسرے علماء اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں جن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ گئی تھیں جبکہ حضرت حفصہ موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انھی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آ گئیں، انھیں نبی ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے نبی ﷺ نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے قسم کھا کر ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتلائے۔ امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طرق سے نقل ہوا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ (فتح الباري: 838,837/8) امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور دونوں قصوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔

Marfat.com

تَحِلَّةَ اَیۡمٰنِکُمۡ ۚ وَاللّٰہُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ وَھُوَ الۡعَلِیۡمُ
تمھاری (ناجائز) قسمیں کھولنا (توڑنا) فرض کر دیا ہے،[1] اور اللہ تمھارا مولا ہے، اور وہ خوب جاننے والا،
الۡحَکِیۡمُ ﴿2﴾ وَاِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوٰجِہٖ
خوب حکمت والا ہے ② اور جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک سے ایک بات چھپا کر کہی،[2] پھر
حَدِیۡثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِہٖ وَاَظۡھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیۡہِ
جب اس نے (دوسری کو) وہ بتا دی[3] اور اللہ نے وہ (گفتگو) اس (نبی) پر ظاہر کر دی تو اس نے اس میں
عَرَّفَ بَعۡضَہٗ وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَھَا
سے کچھ (اس بیوی کو) بتائی اور کچھ ٹال دی۔[4] پھر جب اس (نبی) نے اسے وہ (بات) بتائی تو وہ کہنے
بِہٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَکَ ھٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ
لگی: آپ کو یہ کس نے بتائی؟[5] اس (نبی) نے فرمایا: مجھے خوب جاننے والے، بہت باخبر (اللہ) نے خبر
الۡخَبِیۡرُ ﴿3﴾ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا ۚ وَاِنۡ
دی ہے ③[6] اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو بہتر ہے)[7] پس تمھارے دل (حق سے) ہٹ
تَظٰھَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوۡلٰىہُ وَجِبۡرِیۡلُ وَصَالِحُ
گئے ہیں،[8] اور اگر تم دونوں اس (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو اللہ خود اس کا
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَھِیۡرٌ ﴿4﴾ عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ
مددگار ہے اور جبریل اور تمام نیک مومن اور ان کے علاوہ (تمام) فرشتے (بھی) مددگار ہیں ④[9]
طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَہٗۤ اَزۡوٰجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ مُسۡلِمٰتٍ
اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو شاید اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں
مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ
دے دے،[10] مسلمان، مومن، فرمانبردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواری
وَّاَبۡکَارًا ﴿5﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا
عورتیں ⑤[11] اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا

[1] یعنی کفارہ ادا کر کے اس کام کو کرنے کی، جس کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہو، اجازت دے دی، قسم کا یہ کفارہ سورۂ مائدہ 89:5 میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی کفارہ ادا کر کے شہد کا بھی استعمال کیا اور ماریہ رضی اللہ عنہا کا حق بھی ادا کیا۔ (فتح القدیر) اس امر میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے سے وہ چیز حرام ہو گی نہ اس پر کفارہ ہے، اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو اس سے اس کا مقصد اگر طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو راجح قول کے مطابق یہ قسم ہے، اس کے لیے کفارۂ یمین کی ادائیگی ضروری ہے۔ (أیسر التفاسیر مزید دیکھیے: صحیح الجامع، حدیث: 1463) کفارۂ یمین کا مطلب ہے قسم کا کفارہ۔ (دیکھیے: المآئدۃ 89:5) [2] وہ پوشیدہ بات شہد کو یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے والی بات تھی جو آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔ [3] یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جا کر بتلا دی۔ [4] یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دیا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے، تاہم اپنی تکریم و عظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے سے اعراض فرمایا۔ [5] جب نبی ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ تم نے میرا راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہوئیں کیونکہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتلائی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے انھیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ آپ کو بتلا دیں گی کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔ [6] اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ [7] یا تمھاری توبہ قبول کر لی جائے گی، یہ شرط کا جواب محذوف ہے۔ [8] اس کا مطلب ہے ان کا ایسی چیز کا پسند کرنا جو نبی ﷺ کے لیے ناگوار تھی۔ (فتح القدیر) [9] یعنی نبی کے مقابلے میں تم جتھا بندی کرو گی تو نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، اس لیے کہ نبی کا مددگار تو اللہ بھی ہے اور مومنین اور ملائکہ بھی۔ [10] یہ تنبیہ کے طور پر ازواج مطہرات کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔ [11] ثَیِّبٰتٍ ثَیِّبٌ کی جمع ہے، (لوٹ آنے والی) بیوہ عورت کو ثَیِّبٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوٹ آتی ہے اور پھر اس طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ اَبۡکَارًا بِکۡرٌ کی جمع ہے، کنواری عورت۔ اسے بکر اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ ابھی اپنی اسی پہلی حالت پر ہوتی ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ (فتح القدیر) بعض روایات میں آتا ہے کہ ثَیِّبٌ سے حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور بکر سے حضرت مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مراد ہیں، یعنی جنت میں ان دونوں کو نبی ﷺ کی بیویاں بنا دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو لیکن ان روایات کی بنیاد پر ایسا خیال رکھنا یا بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔ جو اس سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں کیونکہ سنداً یہ روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

Marfat.com

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ
ایندھن لوگ اور پتھر ہیں،[1] اس پر تندمزاج اور سخت گیر فرشتے (مقرر) ہیں، اللہ انھیں جو حکم
لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥
دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے ، اور وہ وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے⑥
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
اے کفر کرنے والو! تم آج عذر پیش نہ کرو، یقیناً تمھیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے
تَعْمَلُوْنَ ⑦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا
تھے⑦ اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو،[2] شاید تمھارا رب تم سے تمھاری
عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
برائیاں دور کر دے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں،
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اس دن جب اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا
مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا، وہ کہیں گے: (اے) ہمارے رب!
اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧ يٰٓاَيُّهَا
ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر[3] اور ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے⑧
النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ
اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے[4] اور ان پر سختی کیجیے[5] اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے[6] اور وہ برا ٹھکانا
جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا
ہے⑨ کفر کرنے والوں کے لیے اللہ نے مثال بیان فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی،[7] دونوں
امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ
ہمارے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں، تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی،[8]

[1] اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نہایت اہم ذمے داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے، اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر کے بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انھیں سرزنش کرو۔“ (سنن أبي داود، حديث: 494، و جامع الترمذي، حديث: 407) فقہاء نے کہا ہے: اسی طرح روزے ان سے رکھوائے جائیں اور دیگر احکام کے اتباع کی تلقین انھیں کی جائے۔ تاکہ جب وہ شعور کی عمر کو پہنچیں تو اس دین حق کا شعور بھی انھیں حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر) [2] خالص توبہ یہ ہے کہ ① جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کر دے۔ ② اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کرے۔ ③ آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم رکھے۔ ④ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے، اس کا ازالہ کرے۔ جس کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے معافی مانگے۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ [3] یہ دعا اہل ایمان اس وقت کریں گے جب منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا جیسا کہ سورۂ حدید میں تفصیل گزری۔ اہل ایمان کہیں گے: جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھ اور اس کا اتمام فرما۔ [4] کفار کے ساتھ جہاد، سلاح و قتال کے ساتھ اور منافقین سے، ان پر حدود الٰہی قائم کر کے، جب وہ ایسے کام کریں جو موجب حد ہوں۔ [5] یعنی دعوت و تبلیغ میں سختی اور احکام شریعت میں درشتی اختیار کریں کیونکہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے ماننے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمت تبلیغ کبھی نرمی کی متقاضی ہوتی ہے اور کبھی سختی کی۔ ہر جگہ نرمی بھی مناسب نہیں اور ہر جگہ سختی بھی مفید نہیں رہتی۔ تبلیغ و دعوت میں حالات و ظروف اور اشخاص و افراد کے اعتبار سے نرمی یا سختی کرنے کی ضرورت ہے۔ [6] یعنی کافروں اور منافقوں دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ [7] مَثَل کا مطلب ہے: کسی ایسی حالت کا بیان کرنا جس میں ندرت و غرابت ہو تاکہ اس کے ذریعے سے ایک دوسری حالت کا تعارف ہو جائے جو ندرت و غرابت میں اس کے مماثل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں کے حال کے لیے اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے جو نوح اور لوط کی بیویوں کی ہے۔ [8] یہاں خیانت سے مراد عصمت میں خیانت نہیں کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوئی۔ (فتح القدیر) خیانت سے مراد ہے کہ یہ اپنے خاوندوں پر ایمان نہیں لائیں، نفاق میں مبتلا رہیں اور ان کی ہمدردیاں اپنی کافر قوموں کے ساتھ رہیں، چنانچہ نوح علیہ السلام کی بیوی، حضرت نوح علیہ السلام کی بابت لوگوں سے کہتی کہ یہ مجنون (دیوانہ) ہے اور لوط کی بیوی اپنی قوم کو گھر میں آنے والے مہمانوں کی اطلاع پہنچاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں میں اپنے خاوندوں کی چغلیاں کھاتی تھیں۔

Marfat.com

عِبَادِنَا صٰلِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ
پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں کچھ کام نہ آئے[1]
شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿10﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ
اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ داخل ہونے والوں کے ساتھ ﴿10﴾[2] اور اللہ نے اہل
مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ
ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی،[3] جب اس نے کہا: (اے) میرے رب! میرے
عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ
لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے، اور مجھے
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿11﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ
ظالم قوم سے نجات دے ﴿11﴾ (اور مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی[4] جس نے اپنی عصمت کی
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ
حفاظت کی تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونکی، اور اس نے اپنے رب کے
رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿12﴾
کلمات[5] اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی ﴿12﴾[6]

ع 2/5/20

[1] یعنی نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے جو اللہ کے مقرب ترین بندوں میں سے ہوتے ہیں، اپنی بیویوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۔ [2] یہ انھیں قیامت والے دن کہا جائے گا یا موت کے وقت انھیں کہا گیا۔ کافروں کی یہ مثال بطور خاص یہاں ذکر کرنے سے مقصود ازواج مطہرات کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بے شک اس رسول کے حرم کی زینت ہیں جو تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہے لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انھوں نے رسول کی مخالفت کی یا انھیں تکلیف پہنچائی تو وہ بھی اللہ کی گرفت میں آ سکتی ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہوگا۔ [3] یعنی ان کی ترغیب، ثبات قدمی، استقامت فی الدین اور شدائد میں صبر کے لیے۔ نیز یہ بتلانے کے لیے کہ کفر کی صولت و شوکت ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔

[4] حضرت مریم کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایک بگڑی ہوئی قوم کے درمیان رہتی تھیں لیکن اللہ نے انھیں دنیا و آخرت میں شرف و کرامت سے سرفراز فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔ [5] کلمات رب سے مراد، شرائع الٰہی ہیں۔ [6] یعنی ایسے لوگوں میں سے یا خاندان میں سے تھیں جو فرماں بردار، عبادت گزار اور صلاح و طاعت میں ممتاز تھا۔ حدیث میں ہے: جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ (مسند أحمد: 293/1، و مجمع الزوائد: 357/9، والسلسلة الصحيحة: 13/4) ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''مردوں میں تو کامل بہت ہوئے ہیں مگر عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہن ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5418، وصحيح مسلم، حديث: 2431)

Marfat.com

اٰيَاتُهَا:30 سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا:2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ﴿1﴾
وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے[1] اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ①
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ
وہ جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿2﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ
ہے۔[2] اور وہ زبردست ہے، خوب بخشنے والا ② وہ جس نے سات آسمان اوپر نیچے پیدا کیے۔
مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى
(اے انسان!) تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا،[3] پھر نگاہ ڈال، کیا تو کوئی دراڑ دیکھتا
مِنْ فُطُوْرٍ ﴿3﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ
ہے؟ ③ [4] پھر بار بار نگاہ دوڑا، (تیری) نگاہ ذلیل وخوار ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی جبکہ وہ
خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿4﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ
تھکی ماندی ہوگی ④ [5] اور البتہ یقیناً ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی ہے، اور انھیں شیطانوں
وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿5﴾
کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے،[6] اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے ⑤ اور جن
وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿6﴾
لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا، ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور (وہ) برا ٹھکانا ہے ⑥
اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ﴿7﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ
جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی دھاڑ سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی[7] ⑦ قریب

❊ اس کی فضیلت میں متعدد روایات آتی ہیں جن میں سے صرف چند روایات صحیح یا حسن ہیں۔ ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف 30 آیات ہیں، یہ آدمی کی سفارش کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے گا۔'' (جامع الترمذي، حديث:2891، وسنن أبي داود، حديث:1400، وسنن ابن ماجه، حديث:3786، ومسند أحمد: 299/2 و321) دوسری روایت میں ہے: ''قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کرا دے گی۔'' (مجمع الزوائد: 270/7، وذكره الألباني في صحيح الجامع الصغير، حديث: 3644) جامع ترمذی کی ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک ضرور پڑھتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 404) ایک روایت شیخ البانی نے الصحیحة میں نقل کی ہے: «سُوْرَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» (السلسلة الصحيحة للألباني: 131/3) ''سورۂ ملک عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔'' یعنی اس کا پڑھنے والا امید ہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ احکام و فرائض اسلام کا پابند ہو۔ [1] تَبٰرَكَ بَرَكَةٌ سے ہے، اَلنَّمَاءُ وَالزِّيَادَةُ بڑھوتری اور زیادتی کے معنی میں۔ بعض نے معنی کیے ہیں: مخلوقات کی صفات سے بلند اور برتر۔ تفاعل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے۔ ''اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔'' یعنی ہر طرح کی قدرت اور غلبہ اسی کو حاصل ہے، وہ کائنات میں جس طرح کا تصرف کرے، کوئی اسے روک نہیں سکتا، وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنادے، امیر کو غریب، غریب کو امیر کر دے۔ کوئی اس کی حکمت ومشیت میں دخل نہیں دے سکتا۔ [2] روح، ایک ایسی غیر مرئی چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق واتصال ہو جائے، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے، وہ موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے، اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے۔ جو اسے ایمان واطاعت کے لیے استعمال کرے گا، اس کے لیے بہترین جزا ہے اور دوسروں کے لیے عذاب۔ [3] یعنی کوئی تناقض، کوئی کجی، کوئی نقص اور کوئی خلل نہیں بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔ [4] بعض دفعہ دوبارہ غور سے دیکھنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو کہ کیا تمھیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ [5] یہ مزید تاکید ہے جس سے مقصد اپنی عظیم قدرت اور وحدانیت کو واضح تر کرنا ہے۔ [6] یہاں ستاروں کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں: ایک آسمانوں کی زینت کیونکہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں۔ دوسرے، شیطان اگر آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ تیسرا مقصد ان کا یہ ہے جسے دوسرے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے بر و بحر میں راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (النحل 16:16) [7] شَهِيْقًا گدھے کے حلق سے نکلنے والی شروع کی آواز کو

Marfat.com

مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ

ہے کہ وہ غیظ وغضب سے پھٹ پڑے۔[1] جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے داروغے ان

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ

سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ⑧ [2] وہ کہیں گے: کیوں نہیں!

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ۚ اِنْ

یقیناً ڈرانے والا ہمارے پاس آیا تھا، چنانچہ ہم نے (اس ڈرانے والے کی) تکذیب کی اور ہم نے کہا کہ

اَنْتُمْ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ

اللہ نے (کسی پر) کچھ بھی نہیں اتارا، تم تو بہت بڑی گمراہی میں ہو ⑨ [3] اور وہ کہیں گے: کاش ہم سنتے

نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ

یا سمجھتے ہوتے تو ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے ⑩ [4] پھر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے، [5]

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

چنانچہ دوزخ والوں پر لعنت ہے ⑪ [6] بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے

بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ

ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے ⑫ [7] اور تم اپنی بات چھپا کر کہو یا

اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ

اسے پکار کر کہو، [8] بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے ⑬ [9] بھلا وہ نہ جانے گا

مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ ع هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ

جس نے (سب کو) پیدا کیا۔ [10] اور وہی باریک بین، بہت باخبر ہے ⑭ [11] وہی ہے جس نے زمین کو

الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ

تمھارے تابع کر دیا، [12] لہٰذا تم اس کی راہوں میں چلو [13] اور اس (اللہ) کے رزق میں سے کھاؤ، [14] اور اسی کی

وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ

طرف جی اٹھنا ہے ⑮ کیا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے، یہ کہ وہ تمھیں

کہتے ہیں، یہ قبیح ترین آواز ہوتی ہے۔ جہنم بھی گدھے کی طرح چیخ اور چلا رہا اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہوگا۔

[1] یا مارے غیظ وغضب کے اس کے حصے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ جہنم کافروں کو دیکھ کر غضب ناک ہو گا جس کا شعور اللہ تعالیٰ اس کے اندر پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہنم کے اندر یہ ادراک و شعور پیدا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔ [2] جس کی وجہ سے تمھیں آج جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑ رہا ہے۔ [3] یعنی ہم نے پیغمبروں کی تصدیق کرنے کی بجائے انھیں جھٹلایا، آسمانی کتابوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اللہ کے پیغمبروں کو ہم نے کہا کہ تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔ [4] یعنی غور اور توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں اور نصیحتوں کو آویزۂ گوش بنا لیتے، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی عقل سے بھی سوچنے سمجھنے کا کام لیتے تو آج ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔ [5] جس کی بنا پر مستحق عذاب قرار پائے اور وہ ہے کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب۔ [6] یعنی اب ان کے لیے اللہ سے اور اس کی رحمت سے دوری ہی دوری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سُحْقٌ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ [7] یہ اہل کفر وتکذیب کے مقابلے میں اہل ایمان کا اور ان نعمتوں کا ذکر ہے جو انھیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ملیں گی۔ بِالْغَيْبِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب، یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے رہے۔ [8] یہ پھر کافروں سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چھپ کر باتیں کرو یا علانیہ، سب اللہ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔ [9] یہ سر و جہر جاننے کی تعلیل ہے کہ وہ تو سینوں کے رازوں اور دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، تمھاری باتیں کس طرح اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ [10] یعنی (ظاہر اور پوشیدہ) سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے خیالات، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو کیا وہ اپنی مخلوق سے بے علم رہ سکتا ہے؟ استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی ایسے نہیں ہو سکتا۔ [11] اَللَّطِيْفُ کے معنی ہی باریک بین کے ہیں: اَلَّذِي لَطُفَ عِلْمُهُ بِمَا فِي الْقُلُوبِ (فتح القدیر) ''جس کا علم اتنا لطیف ہے کہ دلوں میں پرورش پانے والی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے۔'' [12] ذَلُوْلًا کے معنی: مطیع ومنقاد کے ہیں جو تمھارے سامنے جھک جائے، سرتابی نہ کرے، یعنی زمین کو تمھارے لیے نرم اور آسان کر دیا ہے، اسے اس طرح سخت نہیں بنایا کہ تمھارا اس پر آباد ہونا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔ [13] مَنَاكِبُ مَنْكِبٌ کی جمع ہے، جانب۔ یہاں اس سے مراد اس کے راستے اور اطراف و جوانب ہیں۔ امر اباحت (جواز) کے لیے ہے، یعنی اس کے راستوں میں چلو۔ [14] یعنی زمین کی پیداوار سے کھاؤ پیو۔

Marfat.com

بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ⑯ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ
زمین میں دھنسا دے تو ناگہاں وہ لرزنے لگے؟⑯ [1] یا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہوگئے ہو جو آسمان
اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ⑰
میں ہے، یہ کہ وہ تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجے؟[2] پھر جلد تم جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟⑰ [3] اور
وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ⑱
البتہ یقیناً تکذیب کر چکے وہ جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا تھا؟⑱ کیا
اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔ مَا یُمْسِكُهُنَّ
انھوں نے اپنے اوپر پر پھیلاتے اور سکیڑتے ہوئے پرندے نہیں دیکھے۔[4] انھیں (اللہ)
اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ⑲ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ
رحمٰن کے سوا کوئی نہیں تھامتا،[5] بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے ⑲ بھلا ایسا کون ہے
هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ
جو سوائے رحمٰن کے تمھاری فوج بن کر تمھاری مدد کرے؟[6] کافر تو نرے دھوکے
اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ⑳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ
میں ہیں⑳ [7] بھلا ایسا کون ہے جو تمھیں رزق دے اگر رحمٰن اپنا رزق روک لے؟[8] (کوئی نہیں)
رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ㉑ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی
لیکن وہ سرکشی اور (حق سے) گریز پر اڑے ہوئے ہیں㉑ [9] بھلا جو شخص اوندھا ہو کر اپنے چہرے
وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ㉒
کے بل چلتا ہو،[10] وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو بالکل سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہو؟㉒ [11]
قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا[12] اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کم
وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ㉓ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی
ہی شکر ادا کرتے ہو㉓ [13] کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا،[14] اور اسی کے حضور

[1] یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر، یعنی عرش پر جلوہ گر ہے، یہ کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ آسمانوں والی ذات جب چاہے تمھیں زمین میں دھنسا دے، یعنی وہی زمین جو تمھاری قرارگاہ ہے اور تمھاری روزی کا مخزن و منبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو، جو نہایت پرسکون ہے، حرکت و جنبش میں لا کر تمھاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔ [2] جیسے اس نے قوم لوط اور اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے اَبرَہہ اور اس کے لشکر) پر برسائے اور پتھروں کی بارش سے ان کو ہلاک کر دیا۔ [3] لیکن اس وقت یہ علم بے فائدہ ہوگا۔ [4] پرندہ جب ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پر پھیلا لیتا ہے اور کبھی دوران پرواز پروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ پھیلانا، صَفّ اور سمیٹ لینا قَبْضٌ ہے۔ [5] یعنی دوران پرواز ان پرندوں کو تھامے رکھنے والا کون ہے جو انھیں زمین پر گرنے نہیں دیتا۔ یہ اللہ رحمٰن ہی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔ [6] یہ استفہام تقریع و توبیخ کے لیے ہے۔ جُنْدٌ کے معنی ہیں: لشکر، جتھا، یعنی کوئی لشکر اور جتھا ایسا نہیں ہے جو تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ [7] جس میں انھیں شیطان نے مبتلا کیا ہوا ہے۔ [8] یعنی اللہ بارش نہ برسائے یا زمین ہی کو پیداوار سے روک دے یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے جیسا کہ بعض دفعہ وہ ایسا کرتا ہے جس کی وجہ سے تمھاری خوراک کا سلسلہ موقوف ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی اور ہے جو اللہ کی اس مشیت کے برعکس تمھیں روزی مہیا کر دے؟ [9] یعنی وعظ و نصیحت کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ حق سے سرکشی اور اعراض و نفور میں ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں، نہ عبرت پکڑتے ہیں اور نہ غور و فکر کرتے ہیں۔ [10] منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا، نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اللہ کی معصیتوں میں ڈوبا ہوا شخص آخرت کی کامیابی سے محروم رہے گا۔ [11] جس میں کوئی کجی اور انحراف نہ ہو اور اس کو آگے اور دائیں بائیں بھی نظر آ رہا ہو۔ ظاہر ہے یہ شخص اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا، یعنی اللہ کی اطاعت کا سیدھا راستہ اپنانے والا آخرت میں سرخ رو رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر دونوں کی اس کیفیت کا بیان ہے جو قیامت والے دن ان کی ہوگی۔ کافر منہ کے بل جہنم میں لے جائے جائیں گے اور مومن سیدھے اپنے قدموں پر چل کر جنت میں جائیں گے، جیسے کافروں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ﴾ (بنی إسرآءیل 17:97) ''ہم انھیں قیامت والے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے۔'' [12] یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ [13] جن سے تم سن سکو، دیکھ سکو اور اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کر کے اللہ کو سمجھ سکو۔ تین قوتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان مسموعات، مبصرات اور معقولات کا ادراک کر سکتا ہے، یہ ایک طرح سے اتمام حجت بھی ہے اور اللہ کی ان نعمتوں پر شکر نہ کرنے کی مذمت بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا: تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔ [14] یعنی شُكْرًا قَلِیْلًا یا زَمَنًا

Marfat.com

الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝24 وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
تم اکٹھے کیے جاؤ گے㉔[1] اور وہ (کافر) کہتے ہیں یہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝25 قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا
سچے ہو؟㉕[2] کہہ دیجیے: بے شک (اس کا) علم تو صرف اللہ کے پاس ہے،[3] اور بس میں تو واضح
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝26 فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
طور پر ڈرانے والا ہوں㉖[4] پھر جب وہ اسے[5] قریب دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ
وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝27 قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
جائیں گے[6] اور کہا جائے گا: یہی ہے جو تم مانگتے تھے㉗[7] کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو! اللہ خواہ مجھے اور
اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ
ان کو جو میرے ساتھ ہیں، ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے
عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝28 قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
کون پناہ دے گا؟㉘[8] کہہ دیجیے: وہ رحمٰن ہے، ہم اس پر ایمان لائے[9] اور اسی پر ہم
فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝29 قُلْ اَرَءَيْتُمْ
نے توکل کیا،[10] چنانچہ تم جلد جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے㉙[11] کہہ دیجیے: بھلا بتاؤ تو!
اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝30 ع 16 2
اگر تمھارا (کنووں کا) پانی گہرا ہو جائے تو تمھارے پاس نتھرا (جاری) پانی کون لائے گا؟㉚[12]

آیاتھا: 52 | سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝1 مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ
نٓ[13] قسم ہے قلم کی[14] اور (اس کی) جو وہ لکھتے ہیں①[15] (اے نبی!) آپ اپنے رب کے فضل سے

قلیلًا (تھوڑا یا کچھ وقت شکر) یا قِلّتِ شکر سے مراد ان کی طرف سے شکر کا عدم وجود (نہ کرنا) ہے۔

[1] یعنی انسانوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلانے والا بھی وہی ہے اور قیامت والے دن سب جمع بھی اسی کے پاس ہوں گے، کسی اور کے پاس نہیں۔ [2] یہ کافر بطور استہزا اور قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔ [3] اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، دوسرے مقام پر فرمایا: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (الأعراف 187:7) ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔'' [4] یعنی میرا کام تو اس انجام سے ڈرانا ہے جو میری تکذیب کی وجہ سے تمھارا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں میرا کام انذار (ڈرانا) ہے، غیب کی خبریں بتلانا نہیں الا یہ کہ جس کی بابت خود اللہ مجھے بتلا دے۔ [5] رَاَوْهُ میں ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین کے نزدیک عذاب قیامت ہے۔ [6] یعنی ذلت، ہولناکی اور دہشت سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ جس کو دوسرے مقام پر چہروں کے سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (آل عمران 106:3) [7] تَدَّعُوْنَ اور تَدْعُوْنَ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب کرتے تھے، جیسے سورۂ انفال 32:8، سورۂ ص 16:38 وغیرہ میں ہے۔ [8] مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو موت دے دے یا ان پر رحم کرے لیکن کافروں کے متعلق تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس کے عذاب سے بچنے والے نہیں لیکن وہ اتنے بدبخت ہیں کہ اپنی فکر تو نہیں کرتے، رسول ﷺ اور مومنوں کے بارے میں انتظار کرتے ہیں کہ ان پر عذاب کب آتا ہے؟ [9] یعنی اس کی وحدانیت پر، اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ [10] کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں، کسی اور کے نہیں، جیسے مشرک کرتے ہیں۔ [11] تم ہو یا ہم۔ اس میں کافروں کے لیے سخت وعید ہے۔ [12] غَوْرًا کے معنی ہیں: خشک ہو جانا یا اتنی گہرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو، یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو تمھیں جاری، صاف اور نتھرا ہوا پانی مہیا کر دے، یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمھاری معصیتوں کے باوجود وہ تمھیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔ [13] نٓ اسی طرح حروف مُقطّعات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل ص، ق اور دیگر فواتحِ سُوَر گزر چکے ہیں۔ [14] قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تبیین وتوضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے ازل سے ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (جامع الترمذي، حديث: 3319 وقال الألباني صحيح) [15] يَسْطُرُوْنَ میں ضمیر کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ آلۂ کتابت کا ذکر کاتب کے وجود کو مستلزم ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے (فرشتے) لکھتے ہیں۔

Marfat.com

بِمَجْنُوْنٍ ۝2 وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝3 وَاِنَّكَ
مجنون نہیں ②[1] اور بے شک آپ کے لیے البتہ بے انتہا اجر ہے ③[2] اور یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر
لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝4 فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝5 بِاَيِّيْكُمُ
(کاربند) ہیں ④[3] پھر جلد ہی آپ دیکھ لیں گے اور وہ (کفار) بھی دیکھ لیں گے ⑤[4] کہ تم میں
الْمَفْتُوْنُ ۝6 اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ
سے کون دیوانہ ہے ⑥ بے شک آپ کا رب ہی اسے بہتر جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝7 فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝8
وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو ⑦ تو آپ تکذیب کرنے والوں کی اطاعت نہ کریں ⑧[5]
وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝9 وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ
وہ چاہتے ہیں کہ آپ (کچھ) نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں ⑨[6] اور آپ ہر قسمیں کھانے
مَّهِيْنٍ ۝10 هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝11 مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
والے ذلیل کی بات نہ مانیں ⑩ جو طعنے دینے والا، انتہائی چغل خور ہے ⑪ بھلائی سے روکنے والا،
مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝12 عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝13 اَنْ كَانَ
حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار ہے ⑫ سنگدل اور ان (سب عیوب) کے علاوہ بے نسب ہے ⑬[7] اس
ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝14 اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ
لیے کہ (وہ) مال اور بیٹوں والا ہے ⑭[8] جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ (یہ)
الْاَوَّلِيْنَ ۝15 سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝16 اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ
پہلوں کے افسانے ہیں ⑮ ہم جلد اسے (اس کی) سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے ⑯[9] بے شک
كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا
ہم نے انھیں آزمایا[10] جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا،[11] جب انھوں نے قسم کھائی کہ البتہ صبح ہوتے ہی

1 یہ جوابِ قسم ہے جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجنون (دیوانہ) کہتے تھے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجر 15:6) ''اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا! تُو تو مجنون ہے۔'' 2 فریضہ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں آپ نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ مَنٌّ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ 3 خُلُقٍ عَظِيْمٍ سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے۔ مطلب ہے کہ آپ اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے آپ کو قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب وشائستگی، نرمی اور شفقت، امانت وصداقت، حلم وکرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: «كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ» (صحیح مسلم، حدیث: 746) ''آپ کا خلق قرآن تھا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں مفہوموں پر حاوی ہے۔ 4 یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔ 5 اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے، یعنی مشرکوں کی طرف جھکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔ 6 یعنی وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں تو وہ بھی آپ کے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مداہنت کا نتیجہ ہوگا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلے ہو جائیں گے، اس لیے حق میں مداہنت حکمتِ تبلیغ اور کارِ نبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ 7 یہ ان کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مداہنت کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ یہ صفات ذمیمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی۔ پہلی بات کا مأخذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں مگر وہ غیر مستند ہیں، اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔ زَنِيْمٍ ولد الحرام یا مشہور و بدنام۔ 8 یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے، یعنی وہ شکر کی بجائے کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ بعض نے اسے فَلَا تُطِعْ کے متعلق قرار دیا ہے، یعنی جس شخص کے اندر یہ خرابیاں ہوں، اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال واولاد رکھتا ہے۔ 9 بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً: کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں ان کافروں کی ناکوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت والے دن جہنمیوں کی علامت ہوگی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا۔ یا اس کا مطلب چہروں کی سیاہی ہے جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے۔ 10 مراد اہل مکہ ہیں، یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں نہ کہ کفر وتکبر۔ لیکن انھوں نے کفر واستکبار کا

Marfat.com

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ (17) وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ (18) فَطَافَ
اس کے پھل کو ضرور توڑ لیں گے (17) [1] اور وہ ''ان شاء اللہ'' نہیں کہہ رہے تھے (18) تو آپ کے رب
عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ (19)
کی طرف سے کوئی پھرنے والا (عذاب) اس (باغ) پر پھر گیا، جبکہ وہ سو رہے تھے (19) [2] پھر وہ
فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ (20) فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ (21) اَنِ
(باغ) کٹی کھیتی کی طرح ہو گیا (20) [3] پھر صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا (21) کہ تم
اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (22) فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ
اپنی کھیتی پر صبح سویرے چلو اگر تمھیں پھل توڑنا ہے (22) چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے
يَتَخَافَتُوْنَ (23) اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ (24)
چپکے کہہ رہے تھے (23) [4] کہ آج تمھارے پاس باغ میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے (24) [5] اور وہ
وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ (25) فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا
صبح سویرے (یہ سوچ کر) لپکتے گئے کہ وہ (مسکینوں کو) روکنے پر قادر ہیں (25) [6] پھر جب انھوں نے باغ
لَضَآلُّوْنَ (26) بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (27) قَالَ اَوْسَطُهُمْ
دیکھا [7] تو کہا: یقیناً ہم (راہ) بھول [8] گئے ہیں (26) (نہیں) بلکہ ہم تو محروم کر دیے گئے ہیں (27) [9] ان کا
اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ (28) قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ
بہترین کہنے لگا: کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ (28) [10] انھوں نے کہا: پاک ہے
اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (29) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ (30)
ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے (29) [11] پھر وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ملامت کرنے لگے (30)
قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ (31) عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا
(اور) کہنے لگے: ہائے ہم پر افسوس! بے شک ہم ہی سرکش تھے (31) شاید ہمارا رب بدلے میں اس سے
خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ (32) كَذٰلِكَ الْعَذَابُ
بہتر ہمیں دے، بے شک ہم [12] اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (32) اسی طرح ہوتا ہے

راستہ اختیار کیا تو ہم نے انھیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا جس میں وہ نبی ﷺ کی بددعا کی وجہ سے کچھ عرصہ مبتلا رہے۔ [11] باغ والوں کا قصہ عربوں میں مشہور تھا۔ یہ باغ صَنْعَآء (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غرباء و مساکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انھوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سائلین کو کس طرح دیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں: یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح القدیر) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

[1] صَرْمٌ کے معنی ہیں: پھل اور کھیتی کا کاٹنا۔ مُصْبِحِيْنَ حال ہے، یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار کاٹ لیں گے۔ [2] بعض کہتے ہیں: راتوں رات اسے آگ لگ گئی، بعض کہتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے آ کر اسے تہس نہس کر دیا۔ [3] یعنی جس طرح کھیتی کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے، اس طرح سارا باغ اجڑ گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا، یعنی جل کر۔ [4] یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تاکہ کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔ [5] یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آ کر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔ [6] حَرْدٍ کے ایک معنی تو قوت و شدت کیے گئے ہیں جس کو ترجمے میں ''لپکتے ہوئے'' سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کیے ہیں، یعنی مساکین پر غیظ و غضب کا اظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ قٰدِرِيْنَ حال ہے، یعنی اپنے معاملے کا انھوں نے اندازہ کر لیا یا اپنے زعم میں انھوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کر لی یا مطلب ہے کہ مساکین پر انھوں نے قابو پا لیا۔ [7] یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ڈھیر یا اسے تباہ و برباد دیکھا۔ [8] یعنی پہلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔ [9] پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حرمان نصیبی ہے۔ [10] بعض نے تسبیح کا مطلب یہاں ان شاء اللہ کہنا مراد لیا ہے۔ [11] یعنی اب انھیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی، ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے، صرف وہ ارادہ معاف ہے جو وسوسے کی حد تک رہتا ہے۔ (دیکھیے: سورۂ بقرہ 2:284 کا حاشیہ) [12] کہتے ہیں کہ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غرباء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

Marfat.com

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ
عذاب۔[1] اور آخرت کا عذاب تو سب سے بڑا ہے۔ کاش! وہ جان لیتے ﴿33﴾ [2] بے شک متقین کے
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿34﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
لیے ان کے رب کے ہاں نعمت کے باغات ہیں ﴿34﴾ کیا پھر ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر
كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿35﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿36﴾ اَمْ لَكُمْ
ٹھہرائیں گے؟ ﴿35﴾ [3] تمھیں کیا ہوا، تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ﴿36﴾ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب[4] ہے
كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿37﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا
جس میں تم پڑھ لیتے ہو؟ ﴿37﴾ (کہ) یقیناً تمھارے لیے اس (کتاب) میں تمھاری من مانی
تَخَيَّرُوْنَ ﴿38﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ
باتیں ہوں؟ ﴿38﴾ کیا تم نے ہم سے یوم قیامت تک پہنچنے والی قسمیں لی ہیں کہ تمھارے
الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿39﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
لیے وہ ہو گا جو تم فیصلہ کرو گے؟ ﴿39﴾ [5] ان سے پوچھیے کہ ان میں کون اس کا ذمہ
زَعِيْمٌ ﴿40﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا
لیتا ہے؟ ﴿40﴾ [6] کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ وہ اپنے شریک لے آئیں اگر وہ سچے
صٰدِقِيْنَ ﴿41﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ
ہیں ﴿41﴾ [7] جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انھیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو وہ (سجدہ)
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿42﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ
نہ کر سکیں گے ﴿42﴾ [8] ان کی نظریں جھکی ہوں گی، ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔[9] اور تحقیق (دنیا میں)
كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿43﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ
انھیں سجدے کے لیے بلایا جاتا تھا جب کہ وہ صحیح سالم تھے ﴿43﴾ [10] لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس
يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ
حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے،[11] ہم انھیں آہستہ آہستہ (تباہی کی طرف) لے جائیں گے اس طرح کہ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿44﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿45﴾ اَمْ
انھیں علم تک نہ ہوگا ﴿44﴾ [12] اور میں انھیں ڈھیل دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر انتہائی پختہ ہے ﴿45﴾ [13] (اے

[1] یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔ (اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو۔) [2] لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے پروا نہیں کرتے۔ [3] مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں، یعنی اپنے فرماں برداروں کو مجرموں، یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں۔ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔ [4] جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو کہ وہاں بھی تمھارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو۔ [5] یا ہم نے تم سے پکا عہد کر رکھا ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمھارے لیے وہی کچھ ہوگا جس کا تم اپنی بابت فیصلہ کرو گے۔ [6] کہ وہ قیامت والے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔ [7] یا جن کو انھوں نے شریک ٹھہرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوا دیں گے۔ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تا کہ ان کی صداقت واضح ہو۔ [8] بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شدائد اور اس کی ہولنا کیاں لی ہیں، یہ درست نہیں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا، (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے، البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاوے اور شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے، تختے کی طرح ایک ہڈی بن جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4919) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی کس طرح کی ہوگی۔ اسے وہ کس طرح کھولے گا۔ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں، اس لیے جس طرح ہم بلا کیف و بلا تشبیہ، اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں ہے، اس پر اس کی کیفیت بیان کیے بغیر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔ [9] یعنی دنیا کے برعکس ان کا معاملہ ہوگا، دنیا میں تکبر و عناد کی وجہ سے ان کی گردنیں اکڑی ہوتی تھیں۔ [10] یعنی صحت مند اور توانا تھے، اللہ کی عبادت میں کوئی چیز ان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے یہ دور رہے۔ [11] یعنی میں ہی ان سے نمٹ لوں گا آپ ان کی فکر نہ کریں۔ [12] یہ اسی استدراج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور

Marfat.com

تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (46) اَمْ عِنْدَهُمُ
نبی!) کیا آپ ان سے اجر مانگتے ہیں جو وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ (46) [1] کیا ان کے پاس
الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ (47) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
(علم) غیب ہے تو وہ (اس سے) لکھ لاتے ہیں؟ (47) [2] چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کریں [3]
وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ (48)
اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہوں، [4] جب اس نے (اللہ کو) پکارا تھا جبکہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا (48) [5] اگر
لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ
اس کے رب کا احسان اسے نہ سنبھالتا تو وہ چٹیل میدان میں پھینکا جاتا [6] جبکہ وہ مذموم
مَذْمُوْمٌ (49) فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (50) وَاِنْ یَّكَادُ
ہوتا (49) پھر اس کے رب نے اسے نوازا [7] اور اس کو صالحین میں شامل کیا (50) [8] اور بلاشبہ قریب ہے کہ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
کافر (لوگ) اپنی (بری) نظروں سے آپ کو پھسلا دیں گے [9] جب وہ یہ ذکر (قرآن) سنتے ہیں اور کہتے
وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ (51) وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (52)
ہیں کہ بے شک وہ تو یقیناً دیوانہ ہے (51) [10] اور یہ (قرآن) تو سب جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔ (52) [11]

(رکوع 2 / 19 / 4)

حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود، دنیوی مال و اسباب کی فراوانی، اللہ کا فضل نہیں ہے، اللہ کے قانون امہال (مہلت دینے) کا نتیجہ ہے، پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔ [13] یہ گزشتہ مضمون ہی کی تاکید ہے۔ کَیْدٌ خفیہ تدبیر اور چال کو کہتے ہیں، اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کَید نہ سمجھا جائے جس میں ذم ہی کا مفہوم ہوتا ہے۔

[1] یہ خطاب نبی ﷺ کو ہے لیکن توبیخ ان کو کی جارہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لا رہے تھے۔ [2] یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے، لوح محفوظ، ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں، نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ لاتے ہیں) اس لیے یہ آپ کی اطاعت اختیار کرنے اور آپ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا۔ [3] فَاصْبِرْ میں فاء تفریع کے لیے ہے، یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اے پیغمبر! آپ فریضۂ رسالت ادا کرتے رہیں اور ان مکذبین کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں۔ [4] جنھوں نے اپنی قوم کی روش تکذیب کو دیکھتے ہوئے عجلت سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ [5] جس کے نتیجے میں انھیں مچھلی کے پیٹ میں جبکہ وہ غم واندوہ سے بھرے ہوئے تھے، اپنے رب کو مدد کے لیے پکارنا پڑا جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ صافات 37:139-144 کے حواشی) [6] یعنی اللہ تعالیٰ اگر انھیں توبہ ومناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعا قبول نہ فرماتا تو انھیں ساحل سمندر کی بجائے، جہاں ان کے سائے اور خوراک کے لیے بیل دار درخت اگا دیا گیا، کسی بنجر زمین میں پھینک دیا جاتا اور عنداللہ ان کی حیثیت بھی مذموم رہتی جبکہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہو گئے۔ [7] اس کا مطلب ہے کہ انھیں توانا وتندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نواز کر انھیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جیسا کہ سورۂ صافات 37:146 سے بھی واضح ہے۔ [8] اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”کوئی شخص (میری بابت) یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متّی سے بہتر ہوں۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2377) مزید دیکھیے: (سورۂ بقرہ 2:253 کا حاشیہ نمبر 1) [9] یعنی اگر آپ اللہ کی حمایت وحفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے آپ نظر بد کا شکار ہو جاتے، یعنی ان کی نظر آپ کو لگ جاتی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، مزید لکھتے ہیں: ”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا دوسروں پر اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے۔“ جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمھیں کوئی چیز اچھی لگے تو ماشاء اللہ یا بارك الله کہا کرو تاکہ اسے نظر نہ لگے، اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا: اسے غسل کروا کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ تجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔ [10] یعنی حسد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متاثر نہ ہوں بلکہ اس سے دور ہی رہیں، یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔ [11] جب واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن جن وانس کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آیا ہے تو پھر اس کو لانے والا اور بیان کرنے والا مجنون (دیوانہ) کس طرح ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

ایاتھا:52 — سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا:2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ﴿1﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿2﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿3﴾

ثابت ہونے والی ① [1] کیا ہے ثابت ہونے والی؟ ② [2] اور آپ کو کس نے خبر دی کیا ہے ثابت ہونے والی؟ [3] ③

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿4﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

ثمود اور عاد نے اس تہلکہ خیز (قیامت) کو جھٹلایا ④ [4] تو جو ثمود تھے وہ انتہائی اونچی خوفناک

بِالطَّاغِيَةِ ﴿5﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿6﴾

آواز سے ہلاک کیے گئے ⑤ [5] اور جو عاد تھے تو وہ یخ تند و تیز بے قابو آندھی سے ہلاک ہوئے [6] ⑥

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا

اللہ نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن جڑ کاٹنے (فنا کرنے) کے لیے مسلط رکھا، [7] پھر

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿7﴾

آپ اس قوم کو پچھاڑے (ہلاک کیے) ہوئے دیکھتے ہو گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں [8] ⑦

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿8﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ

پھر کیا آپ ان کی کوئی باقیات دیکھتے ہیں؟ ⑧ اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی گئی

قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿9﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

بستیوں والے گناہ کرتے تھے ⑨ [9] پھر انھوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اس (رب)

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿10﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

نے انھیں نہایت سخت گرفت میں لے لیا ⑩ [10] بے شک جب پانی میں طغیانی آئی [11] تو ہم نے تمھیں بہتی

فِي الْجَارِيَةِ ﴿11﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ

ناؤ میں سوار کیا ⑪ [12] تاکہ ہم تمھارے لیے اس (فعل) کو نصیحت بنا دیں [13] اور (تاکہ)

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿12﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿13﴾

یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں ⑫ [14] پھر جب صور میں ایک ہی بار پھونک ماری جائے گی [15] ⑬

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿14﴾

اور زمین اور پہاڑ اٹھا [16] کر ایک ہی چوٹ سے ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے ⑭

[1] یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس میں امر الٰہی ثابت ہوگا اور خود یہ بھی بہر صورت وقوع پذیر ہونے والی ہے، اس لیے اسے ﴿ اَلْحَآقَّةُ ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ [2] یہ لفظاً استفہام ہے لیکن اس کا مقصد قیامت کی عظمت اور فَخَامَتِ شان بیان کرنا ہے۔ [3] یعنی کس ذریعے سے آپ کو اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو۔ مطلب اس کے علم کی نفی ہے۔ گویا کہ آپ کو اس کا علم نہیں کیونکہ آپ نے ابھی اسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کیا ہے، گویا کہ وہ مخلوقات کے دائرۂ علم سے باہر ہے۔ (فتح القدير) بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں جس کی بابت بھی صیغۂ ماضی ﴿ مَآ اَدْرٰىكَ ﴾ استعمال کیا گیا ہے، اس کو بیان کر دیا گیا ہے اور جس کو مضارع کے صیغے ﴿ وَمَا يُدْرِيْكَ ﴾ کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، اس کا علم لوگوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ (فتح القدير و أيسر التفاسير) [4] اس میں قیامت کو کھڑکا دینے والی کہا ہے، اس لیے کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے لوگوں کو بیدار کر دے گی۔ [5] طَاغِيَةٌ ایسی آواز جو حد سے تجاوز کر جانے والی ہو، یعنی نہایت خوف ناک اور اونچی آواز سے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا جیسا کہ پہلے متعدد جگہ گزرا۔ [6] ﴿ صَرْصَرٍ ﴾ ''پالے والی ہوا'' ﴿ عَاتِيَةٍ ﴾ ''سرکش، کسی کے قابو میں نہ آنے والی'' یعنی نہایت تند و تیز، پالے والی اور بے قابو ہوا کے ذریعے سے حضرت ہود کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔ [7] حَسْمٌ کے معنی کاٹنے اور جدا جدا کر دینے کے ہیں اور بعض نے ﴿ حُسُوْمًا ﴾ کے معنی پے در پے کیے ہیں۔ [8] اس سے ان کے درازیٔ قد کی طرف بھی اشارہ ہے، ﴿ خَاوِيَةٍ ﴾ کھوکھلے۔ بے روح جسم کو کھوکھلے تنے سے تشبیہ دی ہے۔ [9] اس سے قوم لوط مراد ہے۔ [10] ﴿ رَّابِيَةً ﴾ رَبَا يَرْبُو سے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں، یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسری قوموں کی گرفت سے زائد، یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا ﴿ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴾ کا مفہوم ہوا، نہایت سخت گرفت۔ [11] یعنی پانی ارتفاع اور بلندی میں تجاوز کر گیا، یعنی پانی خوب چڑھ گیا۔ [12] ﴿ حَمَلْنٰكُمْ ﴾ میں خطاب اہل زمانہ کو ہے، مطلب ہے کہ تم جن آباء کی پشتوں سے ہو، ہم نے انھیں کشتی میں سوار کر کے بپھرے ہوئے پانی سے بچایا تھا۔ ﴿ الْجَارِيَةِ ﴾ سے مراد سفینۂ نوح ہے۔ [13] یعنی یہ فعل کہ کافروں کو پانی میں غرق کر دیا اور مومنوں کو کشتی میں سوار کرا کے بچا لیا، تمھارے لیے اس کو عبرت و نصیحت بنا دیں تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ [14] یعنی سننے والے اسے سن کر یاد رکھیں اور وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔ [15] مُكَذِّبِين کا انجام بیان کرنے کے بعد اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ ﴿ اَلْحَآقَّةُ ﴾ کس طرح واقع ہوگی۔ اسرافیل کی ایک ہی پھونک سے یہ برپا ہو جائے گی۔ [16] یعنی اپنی جگہوں سے اٹھا لیے جائیں گے اور قدرت الٰہی سے اپنی قرارگاہوں سے ان کو اکھیڑ لیا جائے گا۔

Marfat.com

فَيَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (15) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ
تو اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوگی (15) اور آسمان پھٹ جائے گا، تو وہ اس دن
يَوْمَىِٕذٍ وَّاهِيَةٌ (16) وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآىِٕهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ
بودا ہوگا (16) [1] اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے، [2] اور اس دن آٹھ (فرشتے) آپ کے رب کا
رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِيَةٌ (17) يَوْمَىِٕذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى
عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے (17) [3] اس دن تمھاری پیشی ہوگی [4] اور تمھارا کوئی راز خفیہ
مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (18) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ
نہ رہے گا (18) پھر جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا [5] تو وہ کہے گا:
هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (19) اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (20)
لو! میرا اعمال نامہ پڑھو (19) [6] بے شک مجھے یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب کو ملنا ہے (20) [7]
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (21) فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (22) قُطُوْفُهَا
چنانچہ وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا (21) بہشت بریں میں (22) [8] اس کے پھل قریب
دَانِيَةٌ (23) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ
جھکے ہوں گے (23) [9] (کہا جائے گا:) مزے سے کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم نے
الْخَالِيَةِ (24) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ
گزرے دنوں میں آگے بھیجے (24) [10] اور جسے اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ (25) وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (26)
کہے گا: کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا (25) [11] اور مجھے خبر نہ ہوتی میرا حساب کیا ہے (26) [12] کاش!
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (27) مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ (28) هَلَكَ
وہی (موت) فیصلہ کن (ثابت) ہوتی (27) [13] مجھے میرے مال نے کچھ فائدہ نہ دیا (28) میری سلطانی
عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (29) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (30) ثُمَّ الْجَحِيْمَ
مجھ سے چھن گئی (29) [14] (حکم ہوگا:) اسے پکڑو، پھر طوق ڈال دو (30) پھر اسے جہنم (کی
صَلُّوْهُ (31) ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا
آگ) میں جھونک دو (31) [15] پھر ایک زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر گز ہے، اسے جکڑ

[1] یعنی اس میں کوئی قوت اور استحکام نہیں رہے گا جو چیز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اس میں استحکام کس طرح رہ سکتا ہے۔ [2] یعنی آسمان تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر آسمانی مخلوق فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ''وہ آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔'' اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ فرشتے آسمان پھٹنے سے قبل اللہ کے حکم سے زمین پر آ جائیں گے تو گویا فرشتے دنیا کے کنارے پر ہوں گے یا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مختلف ٹکڑوں میں ہوگا تو ان ٹکڑوں پر جو زمین کے کناروں میں اور بجائے خود ثابت ہوں گے، ان پر ہوں گے۔ (فتح القدیر) [3] یعنی ان مخصوص فرشتوں نے عرش الٰہی کو اپنے سروں پر اٹھایا ہوا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ عرش ہو جو فیصلوں کے لیے زمین پر رکھا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ (ابن کثیر) [4] یہ پیشی اس لیے نہیں ہوگی کہ جن کو اللہ نہیں جانتا، ان کو جان لے، وہ تو سب کو ہی جانتا ہے، یہ پیشی خود انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی۔ ورنہ اللہ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آگے بھی فرمایا۔ [5] جو اس کی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہوگا۔ [6] یعنی وہ مارے خوشی کے ہر ایک کو کہے گا کہ لو پڑھ لو، میرا اعمال نامہ تو مجھے مل گیا ہے، اس لیے کہ اسے پتہ ہوگا کہ اس میں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی، کچھ برائیاں ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی ہوں گی یا ان برائیوں کو بھی حسنات میں تبدیل کر دیا ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ فضل وکرم کی یہ مختلف صورتیں اختیار فرمائے گا۔ [7] یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔ [8] جنت میں مختلف درجات ہوں گے، ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہوگا، جیسے مجاہدین کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہوگا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 2790، وصحیح مسلم، حدیث: 1884) [9] یعنی بالکل قریب ہوں گے، یعنی کوئی لیٹے لیٹے بھی توڑنا چاہے گا تو ممکن ہوگا۔ قُطُوفٌ، قِطْفٌ کی جمع ہے، چنے یا توڑے ہوئے، مراد پھل ہیں۔ مَا يُقْطَفُ مِنَ الثِّمَارِ ''چنے یا توڑے ہوئے پھل۔'' [10] یعنی دنیا میں اعمال صالحہ کیے، یہ جنت ان کا صلہ ہے۔ [11] کیونکہ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا بدبختی کی علامت ہوگا۔ [12] یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا کیونکہ سارا حساب ان کے خلاف ہوگا۔ [13] یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ [14] یعنی جس طرح مال میرے کام نہ آیا، جاہ و مرتبہ اور سلطنت و حکومت بھی میرے کام نہ آئی۔ اور آج میں اکیلا ہی یہاں سزا بھگتنے پر مجبور ہوں۔ [15] اللہ تعالیٰ یہ حکم ملائکۂ جہنم کو دے گا۔

Marfat.com

فَاسْلُكُوْهُ ﴿32﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿33﴾
(یا پرو) دو﴿32﴾ [1] بے شک وہ اللہ عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا﴿33﴾ [2] اور نہ مسکین کو کھانا
وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿34﴾ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا
کھلانے پر شوق دلاتا تھا﴿34﴾ [3] لہٰذا آج یہاں کوئی اس کا غم خوار دوست
حَمِیْمٌ ﴿35﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ﴿36﴾ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا
نہیں﴿35﴾ اور زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا نہیں﴿36﴾ [4] خطا کاروں کے سوا اسے کوئی نہیں
الْخٰطِـُٔوْنَ ﴿37﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿38﴾ وَمَا
کھاتا﴿37﴾ [5] تو میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تم دیکھتے ہو﴿38﴾ اور (ان کی) جو تم نہیں
لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿40﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ
دیکھتے﴿39﴾ [6] بلاشبہ یہ (قرآن) رسول کریم (جبریل) کا قول ہے﴿40﴾ [7] اور یہ کسی شاعر کا قول
شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿41﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِیْلًا مَّا
نہیں، [8] تم کم ہی ایمان لاتے ہو﴿41﴾ اور نہ (یہ) کسی کاہن کا قول ہے، [9] تم کم ہی نصیحت
تَذَكَّرُوْنَ ﴿42﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿43﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ
پکڑتے ہو﴿42﴾ [10] (یہ تو) رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے﴿43﴾ [11] اور اگر یہ ہم پر
عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿44﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿45﴾ ثُمَّ
کوئی بات گھڑ کر لگاتا﴿44﴾ [12] تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے﴿45﴾ [13] پھر البتہ ہم اس
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿46﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ
کی شہ رگ کاٹ ڈالتے﴿46﴾ [14] پھر تم میں سے کوئی ایک بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ

[1] یہ ذِرَاعًا (ہاتھ) کس کا ذِرَاع ہوگا؟ اور یہ کتنا ہوگا؟ اس کی تعیین نہیں کی گئی، تاہم ظاہر یہ ہے کہ انسانوں کے ہاں مفہوم اور مستعمل ذراع ہی مراد ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زنجیر کی لمبائی ستر ذراع ہوگی۔ [2] یہ مذکورہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔ [3] یعنی عبادت و اطاعت کے ذریعے سے اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ وہ حقوق ادا کرتا تھا جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ گویا اہل ایمان میں یہ جامعیت ہوتی ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ [4] بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں کوئی درخت ہے، بعض کہتے ہیں کہ زَقُّوْم ہی کو یہاں غِسْلِیْن کہا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنمیوں کی پیپ یا ان کے جسموں سے نکلنے والا خون اور بدبودار پانی ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْه. [5] اَلْخٰطِـُٔوْنَ سے مراد اہل جہنم ہیں جو کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ یہی گناہ ایسے ہیں جو خلود في النار کا سبب ہیں۔ [6] یعنی اللہ کی پیدا کردہ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت و طاقت پر دلالت کرتی ہیں جنھیں تم دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے، ان سب کی قسم ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔ [7] رسول کریم سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور قول سے مراد تلاوت ہے، یعنی رسول کریم (جبریل) اس کی تلاوت کرتے ہیں یا قول سے مراد ایسا قول ہے جو رسول کریم (جبریل) اللہ کی طرف سے تمھیں پہنچاتا ہے کیونکہ قرآن، رسول یا جبرائیل کا قول نہیں ہے بلکہ اللہ کا قول ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے، پھر پیغمبر اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ [8] جیسا کہ تم سمجھتے اور کہتے ہو، اس لیے کہ یہ اصناف شعر سے ہے نہ اس کے مشابہ ہے، پھر یہ کسی کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے۔ [9] جیسا کہ بعض دفعہ تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو، حالانکہ کہانت بھی ایک شئے دیگر ہے۔ [10] قِلت دونوں جگہ نفی کے معنی میں ہے، یعنی تم بالکل قرآن پر ایمان لاتے ہو نہ اس سے نصیحت ہی حاصل کرتے ہو۔ [11] یعنی رسول کی زبان سے ادا ہونے والا یہ قول، رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اسے تم کبھی شاعری اور کبھی کہانت کہہ کر اس کی تکذیب کرتے ہو۔ [12] یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا یا اس میں کمی بیشی کر دیتا تو ہم فوراً اس کا مؤاخذہ کرتے اور اسے ڈھیل نہ دیتے جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا۔ [13] یا اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کی گرفت کرتے، اس لیے کہ دائیں ہاتھ سے گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ (دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 1827) [14] خیال رہے یہ سزا، خاص نبی کریم ﷺ کے ضمن میں بیان کی گئی ہے جس سے مقصد آپ کی صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں یہ اصول بیان نہیں کیا گیا ہے کہ جو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو جھوٹے مدعی کو ہم فوراً سزا سے دوچار کر دیں گے، لہٰذا اس سے کسی جھوٹے نبی کو اس لیے سچا باور نہیں کرایا جا سکتا کہ دنیا میں وہ مؤاخذۂ الٰہی سے بچا رہا۔ واقعات بھی شاہد ہیں کہ متعدد لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اللہ نے انھیں ڈھیل دی اور دنیوی مؤاخذے سے وہ بالعموم محفوظ ہی رہے، اس لیے اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر متعدد جھوٹے مدعیان نبوت کو ''سچا نبی'' ماننا پڑے گا۔

Marfat.com

حٰجِزِيْنَ (47) وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (48) وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ
ہوتا(47) [1] اور بلاشبہ یہ (قرآن) تو متقین کے لیے نصیحت ہے(48) [2] اور یقیناً ہمیں علم ہے کہ تم میں سے
مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ (49) وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (50)
بعض (اس کی) تکذیب کرتے ہیں(49) اور یقیناً وہ (جھٹلانا) کافروں کے لیے باعث حسرت ہے(50) [3]
ع 2 15 6 وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ (51) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (52)
اور بے شک یہ حق الیقین ہے(51) [4] چنانچہ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے(52) [5]

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 44 — رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (1) لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ (2)
ایک سائل [6] نے عذاب مانگا جو واقع ہونے والا ہے(1) کافروں پر، کوئی اسے ٹالنے والا نہیں(2)
مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ (3) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ
اس اللہ کی طرف سے جو اونچے درجوں والا ہے(3) [7] فرشتے اور روح (جبریل) اس
اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (4)
کی طرف چڑھیں گے [8] ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے(4) [9]
فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (5) اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا (6) وَّنَرٰىهُ
تو (اے نبی!) آپ صبر جمیل سے کام لیجیے(5) بے شک وہ (لوگ) اس کو دور دیکھتے ہیں(6) اور ہم
قَرِيْبًا (7) يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ (8) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ
اسے قریب دیکھتے ہیں(7) [10] جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسا ہوگا(8) اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے رسول تھے، جن کو اللہ نے سزا نہیں دی بلکہ دلائل و معجزات اور اپنی خاص تائید و نصرت سے انھیں نوازا۔ [2] کیونکہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن تو سارے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے آیا ہے۔ [3] یعنی قیامت والے دن اس پر حسرت کریں گے کہ کاش! ہم نے قرآن کی تکذیب نہ کی ہوتی۔ یا یہ قرآن بجائے خود ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا، جب وہ اہل ایمان کو قرآن کا اجر ملتے ہوئے دیکھیں گے۔ [4] یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل یقینی ہے، اس میں قطعاً شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یا قیامت کی بابت جو خبر دی جا رہی ہے، وہ بالکل حق اور سچ ہے۔ [5] جس نے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔ [6] کہتے ہیں یہ نضر بن حارث تھا یا ابوجہل تھا جس نے کہا تھا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الأنفال 32:8) ”اے اللہ! اگر قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو تُو آسمان سے ہم پر پتھر برسا دے۔“ چنانچہ یہ شخص جنگ بدر میں مارا گیا۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جنھوں نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط سالی مسلط کی گئی تھی۔ [7] یا درجات والا، بلندیوں والا ہے جس کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔ [8] الرُّوْحُ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، ان کی عظمت شان کے پیش نظر ان کا الگ خصوصی ذکر کیا گیا ہے، ورنہ فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ یا روح سے مراد انسانی روحیں ہیں جو مرنے کے بعد آسمان پر لے جائی جاتی ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ [9] اس يَوْمٍ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے جیسا کہ الم السجدہ کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جو عرش عظیم سے اسفل سافلین (زمین کے ساتویں طبقے) تک ہے۔ یہ مسافت 50 ہزار سال میں طے ہونے والی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ دنیا کی کل مدت ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وقوع قیامت تک، اس میں سے کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے، یعنی کافروں پر یہ یوم حساب پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔ لیکن مومن کے لیے دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر ہوگا۔ (مسند أحمد: 75/3) امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں زکاۃ ادا نہ کرنے والے کو قیامت والے دن جو عذاب دیا جائے گا، اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ» (صحيح مسلم، حديث: 987) ”یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ایسے دن میں جس کی مدت تمھاری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہو گی۔“ اس تفسیر کی رو سے فِيْ يَوْمٍ کا تعلق عذاب سے ہوگا، یعنی وہ واقع ہونے والا عذاب قیامت والے دن ہوگا جو کافروں پر پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔ [10] دور سے مراد ناممکن اور قریب سے اس کا یقینی واقع ہونا ہے، یعنی کافر قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ

Marfat.com

كَالْعِهْنِ ⑨ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ

جیسے ہو جائیں گے⑨ [1] اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہ پوچھے گا⑩ حالانکہ وہ انھیں دکھلا

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ⑪

بھی دیے جائیں گے۔ [2] مجرم چاہے گا کاش! عذاب سے (بچنے کو) اپنے بیٹے فدیے میں دے دے⑪

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ⑫ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ⑬ وَمَنْ فِي

اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی⑫ اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا تھا⑬ اور جتنے زمین پر ہیں سب،

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ⑭ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ⑮ نَزَّاعَةً

پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دلا دے⑭ [3] ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی آگ ہے⑮ [4] چمڑیاں ادھیڑ

لِّلشَّوٰى ⑯ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ⑰

دینے والی⑯ [5] وہ (ہر) اس شخص کو پکارے گی جس نے پیٹھ پھیری اور (حق سے) منہ موڑا⑰ اور

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ⑱ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ⑲ اِذَا

(مال) جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا⑱ [6] بے شک انسان کو بے صبر (تھڑدِلا) پیدا کیا گیا⑲ [7] جب

مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ⑳ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ㉑

اسے شر پہنچے تو گھبرا جاتا ہے⑳ اور جب اسے خیر ملے تو نہایت روکنے والا (کنجوس) بن جاتا ہے㉑

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ㉒ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ㉓

مگر وہ نمازی㉒ جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں㉓ [8]

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ㉔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ㉕

اور جن کے مالوں میں حق مقرر ہے㉔ [9] سوالی اور محروم کا㉕ [10]

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ㉖ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ

اور جو یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں㉖ [11] اور جو اپنے رب کے عذاب سے

عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ㉗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ

ڈرنے والے ہیں㉗ [12] بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی

ضرور آ کر رہے گی، اس لیے کہ كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيْبٌ ''ہر آنے والی چیز قریب ہے۔''

[1] یعنی دھنی ہوئی روئی کی طرح، جیسے سورۂ قارعہ میں ہے: كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ [2] لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، اس لیے تعارف اور شناخت کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے۔ [3] یعنی اولاد، بیوی، بھائی اور خاندان یہ ساری چیزیں انسان کو نہایت عزیز ہوتی ہیں لیکن قیامت والے دن مجرم چاہے گا کہ اس سے فدیے میں یہ عزیز چیزیں قبول کر لی جائیں اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ فَصِيْلَةٌ خاندان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ قبیلے سے جدا ہوتا ہے۔ [4] یعنی وہ جہنم۔ یہ اس کی شدت حرارت کا بیان ہے۔ [5] یعنی گوشت اور کھال کو جلا کر رکھ دے گی۔ انسان صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔ [6] یعنی جو دنیا میں حق سے پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا تھا اور مال جمع کر کے خزانوں میں سینت سینت کر رکھتا تھا، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا نہ اس میں سے زکاۃ نکالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور جہنم بزبان قال خود ایسے لوگوں کو پکارے گا جن پر ان کے عملوں کی پاداش میں جہنم واجب ہوگا۔ بعض کہتے ہیں: پکارنے والے تو فرشتے ہی ہوں گے اسے منسوب جہنم کی طرف کر دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پکارے گا، یہ صرف تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ مذکورہ افراد کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ [7] سخت حریص اور بہت جزع فزع کرنے والے کو هَلُوْعًا کہا جاتا ہے جس کو ترجمے میں ''بے صبر'' سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ایسا شخص ہی بخیل و حریص اور زیادہ جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے، آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔ [8] مراد ہیں مومن کامل اور اہل توحید، ان کے اندر مذکورہ اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں بلکہ اس کے برعکس وہ صفات محمودہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے، وہ نماز میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر نماز اپنے وقت پر نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انھیں نماز سے نہیں روکتی اور دنیا کا کوئی فائدہ انھیں نماز سے غافل نہیں کرتا۔ [9] یعنی زکاۃ مفروضہ۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں اس میں شامل ہیں۔ [10] الْمَحْرُوْمِ میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے ہی محروم ہے، وہ بھی جو کسی آفت سماوی وارضی کی زد میں آ کر اپنی پونجی سے محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفت تَعَفُّفْ کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔ [11] یعنی وہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اس میں شک و شبہ کا اظہار۔ [12] یعنی اطاعت اور اعمال صالحہ کے باوجود اللہ کی عظمت و جلالت کے پیش نظر اس کی گرفت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں نہیں ڈھانپ لے گی، ہمارے یہ اعمال نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

Marfat.com

مَاْمُوْنٍ ﴿28﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿29﴾ اِلَّا عَلٰٓى
چیز نہیں ﴿28﴾ [1] اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿29﴾ سوائے اپنی
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿30﴾
بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے، پھر یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں ﴿30﴾ [2]
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿31﴾ وَالَّذِيْنَ
پھر جو کوئی اس کے علاوہ چاہے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں ﴿31﴾ اور جو اپنی
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿32﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
امانتیں اور اپنے عہد نبھانے والے ہیں ﴿32﴾ [3] اور جو
بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿33﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
اپنی شہادتوں پر قائم ہیں ﴿33﴾ [4] اور جو اپنی نماز کی حفاظت
يُحَافِظُوْنَ ﴿34﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿35﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ
کرتے ہیں ﴿34﴾ وہی لوگ باغوں میں معزز ہوں گے ﴿35﴾ پھر (اے نبی!) کافروں کو کیا ہوا ہے
كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿36﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
کہ آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں؟ ﴿36﴾ دائیں سے اور بائیں سے گروہ کے
عِزِيْنَ ﴿37﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ
گروہ ﴿37﴾ [5] کیا ان میں سے ہر شخص طمع رکھتا ہے کہ اسے نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے
نَعِيْمٍ ﴿38﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ
گا؟ ﴿38﴾ ہرگز نہیں! [6] بے شک ہم نے انھیں اس چیز سے تخلیق کیا جسے وہ جانتے ہیں ﴿39﴾ [7]
الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿40﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا
پس میں مشرقوں اور مغربوں [8] کے رب کی قسم کھاتا ہوں، یقیناً ہم قادر ہیں ﴿40﴾ اس بات پر کہ
مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿41﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا
(انھیں) بدل کر ان سے بہتر لے آئیں، [9] اور ہم عاجز و مغلوب نہیں ﴿41﴾ [10] چنانچہ آپ انھیں چھوڑ دیجیے، [11] وہ
حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿42﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ
باتیں بنائیں اور کھیلیں حتی کہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿42﴾ جس
الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿43﴾ خَاشِعَةً
دن وہ قبروں سے دوڑتے نکلیں گے جیسے وہ آستانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں ﴿43﴾ [12] ان کی نگاہیں

[1] یہ سابقہ مضمون ہی کی تاکید ہے کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہیے۔ [2] یعنی انسان کی جنسی تسکین کے لیے اللہ نے دو جائز ذرائع رکھے ہیں: ایک بیوی اور دوسری مِلکِ یمین (لونڈی)۔ عصر حاضر میں لونڈیوں کا وجود تقریباً ناپید ہے لیکن شرعی جہاد کے نتیجے میں جب کبھی لونڈیاں حاصل کی جائیں گی تو ان کا رکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا شرعاً درست ہے۔ بہرحال اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل و تسکین کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔ [3] یعنی ان کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہوتی ہیں، اس میں وہ خیانت نہیں کرتے اور لوگوں سے جو عہد کرتے ہیں، انھیں توڑتے نہیں بلکہ ان کی پاسداری کرتے ہیں۔ [4] یعنی اسے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، چاہے اس کی زد میں ان کے قریبی عزیز ہی آجائیں۔ علاوہ ازیں اسے چھپاتے بھی نہیں نہ اس میں تبدیلی ہی کرتے ہیں۔ [5] یہ نبی ﷺ کے زمانے کے کفار کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے۔ اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی۔ [6] یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور اس کی تکذیب کرنے والے دونوں کو اخروی نعمتیں ملیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ [7] یعنی (حقیر قطرے) سے۔ جب یہ بات ہے تو کیا تکبر اس انسان کو زیب دیتا ہے جس تکبر کی وجہ سے ہی یہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ [8] ہر روز سورج ایک الگ جگہ سے نکلتا اور الگ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی۔ (مزید تفصیل کے لیے سورۂ صافات 5:37 کا حاشیہ دیکھیے۔) [9] یعنی ان کو ختم کر کے ایک نئی مخلوق آباد کر دینے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔ [10] جب ایسا ہے تو کیا ہم قیامت والے دن ان کو دوبارہ زندہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ [11] یعنی فضول بحثوں میں پھنسے اور اپنی دنیا میں مگن رہیں، تاہم آپ اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھیں، ان کا رویہ آپ کو اپنے منصب سے غافل یا بددل نہ کر دے۔ [12] الْاَجْدَاثِ جَدَثٌ "قبر" کی جمع ہے۔ نُصُبٌ تھان، جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور بتوں کے معنی میں بھی ہے۔ بتوں کے پجاری، جب سورج طلوع ہوتا تو نہایت تیزی سے

Marfat.com

ع 2/9/8

أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿44﴾

جھکی ہوں گی،[1] ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔[2] یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (44)[3]

آیاتُها: 28 | سُوْرَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتُها: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا[4] کہ تو اپنی قوم کو ڈرا، اس سے پہلے کہ انھیں دردناک

يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿1﴾ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿2﴾

عذاب آلے (1)[5] اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک میں تمھیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (2)[6] یہ

أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿3﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ

کہ تم اللہ کی عبادت کرو[7] اور اس سے ڈرو[8] اور میری اطاعت کرو (3)[9] وہ گناہوں سے تمھاری مغفرت

ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا

کرے گا اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے گا۔[10] بے شک جب اللہ کا مقرر وقت آجائے تو

جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿4﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ

وہ مؤخر نہیں ہوتا۔[11] کاش! تمھیں علم ہوتا (4)[12] اس نے کہا: میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم

قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿5﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿6﴾

کو رات دن دعوت دی (5)[13] چنانچہ میری دعوت نے ان کے (حق سے) فرار ہی کو زیادہ کیا (6)[14]

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ

اور میں نے جب بھی انھیں دعوت دی تاکہ تو ان کی مغفرت کرے،[15] تو انھوں نے اپنی

فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا

انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں[16] اور اپنے کپڑے (اوپر) لپیٹ لیے[17] اور ضد کی[18] اور

اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوسہ دیتا ہے۔ بعض اسے یہاں عَلَمْ کے معنی میں لیتے ہیں کہ جس طرح میدان جنگ میں فوجی اپنے عَلَم (جھنڈے) کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی طرح قیامت والے دن قبروں سے نہایت برق رفتاری سے نکلیں گے۔ يُوفِضُونَ، يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے۔

[1] جس طرح مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں کیونکہ انھیں اپنے کرتوتوں کا علم ہوتا ہے۔ [2] یعنی سخت ذلت انھیں اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوگی اور ان کے چہرے مارے خوف کے سیاہ ہوں گے۔ اسی سے غُلَامٌ مُرَاهِقٌ کی ترکیب ہے جو قریب البلوغت ہو، یعنی غَشِيَهُ الْإِحْتِلَامُ. (فتح القدیر) [3] یعنی رسولوں کی زبانی اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے۔ [4] حضرت نوح علیہ السلام جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث شفاعت میں ہے کہ یہ پہلے رسول ہیں، نیز کہا جاتا ہے کہ انھی کی قوم سے شرک کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ [5] قیامت کے دن عذاب یا دنیا میں عذاب آنے سے قبل، جیسے اس قوم پر طوفان آیا۔ [6] اللہ کے عذاب سے، اگر تم ایمان نہ لائے۔ اسی لیے عذاب سے نجات کا نسخہ تمھیں بتلانے آیا ہوں۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔ [7] اور شرک چھوڑ دو، صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔ [8] اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرو جن سے تم عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا سکتے ہو۔ [9] یعنی میں تمھیں جن باتوں کا حکم دوں، اس میں میری اطاعت کرو، اس لیے کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول اور اس کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔ [10] اس کے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ایمان لانے کی صورت میں تمھاری موت کی جو مدت مقرر ہے، اس کو مؤخر کر کے تمھیں مزید مہلت عمر عطا فرمائے گا اور وہ عذاب تم سے دور کر دے گا جو عدم ایمان کی صورت میں تمھارے لیے مقدر تھا، چنانچہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اطاعت، نیکی اور صلۂ رحمی سے عمر میں حقیقتاً اضافہ ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے: «صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمُرِ» (صحيح الجامع الصغير: 703/2، والسلسلة الصحيحة: 537/4) ''صلہ رحمی اضافۂ عمر کا باعث ہے۔'' بعض کہتے ہیں: تاخیر کا مطلب برکت ہے، ایمان سے عمر میں برکت ہوگی۔ ایمان نہیں لاؤ گے تو اس برکت سے محروم رہو گے۔ [11] بلکہ لامحالہ واقع ہو کر رہتا ہے، اس لیے تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ ایمان واطاعت کا راستہ فوراً اپنا لو، تاخیر میں خطرہ ہے کہ وعدۂ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔ [12] یعنی اگر تمھیں علم ہوتا تو تم اسے اپنانے میں جلدی کرتے جس کا میں تمھیں حکم دے رہا ہوں یا اگر تم یہ بات جانتے ہوتے کہ اللہ کا عذاب جب آجاتا ہے تو ٹلتا نہیں ہے۔ [13] یعنی تیرے حکم کی تعمیل میں، بغیر کسی کوتاہی کے رات دن میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچایا ہے۔ [14] یعنی میری پکار سے یہ ایمان سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جب کوئی قوم گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچ جائے تو پھر اس کا یہی حال ہوتا ہے، اسے جتنا اللہ کی طرف بلاؤ، وہ اتنا ہی دور بھاگتی ہے۔ [15] یعنی ایمان اور اطاعت کی طرف جو سبب مغفرت ہیں۔ [16] تاکہ میری آواز نہ سن سکیں۔ [17] تاکہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں یا اپنے سروں پر

Marfat.com

اسْتِكْبَارًا ﴿7﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿8﴾ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ
انتہائی تکبر کیا⑦[1] پھر بے شک میں نے انھیں کھلی دعوت دی⑧ پھر میں نے ان سے
لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿9﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا
علانیہ کہا اور چپکے چپکے بھی سمجھایا⑨[2] چنانچہ میں نے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو۔[3] بے شک
رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿10﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ
وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے⑩[4] وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش
مِّدْرَارًا ﴿11﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ
برسائے گا⑪[5] اور تمھیں مال اور بیٹوں سے بڑھائے گا اور تمھارے لیے باغ پیدا
جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿12﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ
کرے گا اور نہریں جاری کرے گا⑫[6] تمھیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کے لیے وقار (عظمت) کا
وَقَارًا ﴿13﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿14﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ
عقیدہ نہیں رکھتے؟⑬[7] حالانکہ اس نے تمھیں کئی مرحلوں[8] میں تخلیق کیا ہے⑭ کیا تم نے دیکھا
اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿15﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا
نہیں کہ اللہ نے سات آسمان تہ بہ تہ کیسے تخلیق کیے؟⑮[9] اور اس نے ان میں چاند کو روشن[10] اور
وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿16﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
سورج کو چراغ بنایا؟⑯[11] اور اللہ ہی نے تمھیں زمین سے (خاص انداز سے)
نَبَاتًا ﴿17﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿18﴾
اگایا؟⑰[12] پھر وہ تمھیں اس میں لوٹائے گا، اور پھر تمھیں (دوبارہ) نکالے گا⑱[13]

کپڑے ڈال لیے تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ یہ ان کی طرف سے شدت عداوت کا اور وعظ ونصیحت سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ بعض کہتے ہیں: اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لینے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبران کو پہچان نہ سکے اور انھیں قبولیت دعوت کے لیے مجبور نہ کرے۔ [8] یعنی کفر پر مصر رہے، اس سے باز نہیں آئے اور توبہ نہیں کی۔

[1] قبول حق اور اِمتِثالِ امر سے انھوں نے سخت تکبر کیا۔ [2] یعنی مختلف انداز اور طریقوں سے انھیں دعوت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اجتماعات اور مجلسوں میں بھی انھیں دعوت دی اور گھروں میں فرداً فرداً بھی تیرا پیغام پہنچایا۔ [3] یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنا لو اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ لو۔ [4] وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا رحیم وغفار ہے۔ [5] يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ کا مطلب ہے: يُرْسِلُ مَاءَ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ (تم پر آسمان کا پانی چھوڑ دے گا)، یعنی اس میں لفظ مَاءٌ مضمر (پوشیدہ) ہے یا اَلسَّمَاءُ خود مَطَرٌ (بارش) کے معنی میں ہے۔ [6] یعنی ایمان وطاعت سے تمھیں اخروی نعمتیں ہی نہیں ملیں گی بلکہ دنیاوی مال ودولت اور بیٹوں کی کثرت سے بھی نوازے جاؤ گے۔ بعض علماء اسی آیت کی وجہ سے نماز استسقا میں سورۂ نوح کے پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک مرتبہ نماز استسقا کے لیے منبر پر چڑھے تو صرف آیات استغفار (جن میں یہ آیت بھی تھی) پڑھ کر منبر سے اتر آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے بارش کو، بارش کے ان راستوں سے طلب کیا ہے جو آسمانوں میں ہیں جن سے بارش زمین پر اترتی ہے۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصری کے متعلق مروی ہے کہ ان سے آکر کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو انھوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر وفاقہ کی شکایت کی، اسے بھی انھوں نے یہی نسخہ بتلایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اسے بھی فرمایا: استغفار کر۔ ایک شخص نے کہا: میرے گھر اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا: اپنے رب سے استغفار کر۔ کسی نے جب ان سے کہا کہ سب کو آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ نے بتلایا ہے۔ (أيسر التفاسير) [7] وَقَارًا توقیر سے ہے بمعنی عظمت اور رجا خوف کے معنی میں ہے، یعنی جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے، تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ اور اس کو ایک کیوں نہیں مانتے اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ [8] پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مُضغہ، پھر عظام اور لحم اور پھر خلق تام، جیسا کہ سورۂ انبیاء 21:5، سورۂ مومنون 23:14، سورۂ مومن 40:67 وغیرہا میں تفصیل گزری۔ [9] جو اس کی قدرت اور کمال صناعت پر دلالت کرتے اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک اللہ ہے۔ [10] جو روئے زمین کو منور کرنے والا اور اس کے ماتھے کا جھومر ہے۔ [11] تاکہ اس کی روشنی میں انسان معاش کے لیے جو انسانوں کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے، کسب ومحنت کر سکے۔ [12] یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو، جنھیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ یا اگر تمام انسانوں کو مخاطب سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پاتی ہے۔ [13] یعنی مر کر، پھر اسی مٹی میں

Marfat.com

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿19﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا

اور اللہ نے زمین کو تمھارے لیے بچھونا بنایا ﴿19﴾ [1] تا کہ تم اس کی کھلی راہوں میں

فِجَاجًا ﴿20﴾ ع قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ

چلو ﴿20﴾ [2] نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی [3] اور ان کی اتباع کی

لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿21﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿22﴾

جنھیں ان کے مال اور اولاد نے خسارے ہی میں بڑھایا ﴿21﴾ [4] اور انھوں نے بڑے بڑے مکر کیے ﴿22﴾ [5]

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا

اور انھوں نے کہا: تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، اور ہرگز نہ چھوڑو تم وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور

وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿23﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ

نہ یَغُوث اور یَعُوق اور نَسر کو ﴿23﴾ [6] اور بلاشبہ انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا، [7] اور (اے اللہ!) تو

الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿24﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا

ظالموں کو ضلالت ہی میں زیادہ کر ﴿24﴾ وہ اپنی خطا کاریوں کی وجہ سے [8] غرق کیے گئے،

نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿25﴾ وَقَالَ

پھر دوزخ میں داخل کیے گئے، تو انھوں نے اللہ کے سوا کوئی اپنا مددگار نہ پایا ﴿25﴾ اور نوح

نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿26﴾

نے کہا: (اے) میرے رب! کفر کرنے والوں کا زمین پر کوئی گھر نہ چھوڑ ﴿26﴾ [9]

دفن ہونا ہے اور پھر قیامت والے دن اسی زمین سے تمھیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

[1] یعنی اسے فرش کی طرح بچھا دیا ہے، تم اس پر اسی طرح چلتے پھرتے ہو، جیسے اپنے گھر میں بچھے ہوئے فرش پر چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔ [2] سُبُلًا سَبِيلٌ کی جمع اور فِجَاجًا فَجٌّ (کشادہ راستہ) کی جمع ہے، یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں تا کہ انسان آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا سکے، اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہے جس کا انتظام کر کے اللہ نے انسانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔ [3] یعنی میری نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں۔ [4] یعنی ان کے اصاغر نے اپنے بڑوں اور اصحاب ثروت ہی کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انھیں دنیا اور آخرت کے خسارے میں ہی بڑھایا ہے۔ [5] یہ مکر یا فریب کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں: ان کا بعض لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کرنے پر ابھارنا تھا، بعض کہتے ہیں: مال و اولاد کی وجہ سے جس فریب نفس کا وہ شکار ہوئے حتیٰ کہ بعض نے کہا: اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ان کو یہ نعمتیں کیوں میسر آتیں؟ اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت مت چھوڑنا، بعض کے نزدیک ان کا کفر ہی بڑا مکر تھا۔ [6] یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا پاٹ ہوتی رہی، چنانچہ ''وَدّ'' دومۃ الجندل میں قبیلۂ کلب کا ''سُواع'' ساحل بحر کے قبیلۂ ہُذَیل کا ''یَغُوث'' سبا کے قریب جرف جگہ میں مراد اور بنی غطیف کا۔ ''یعوق'' ہمدان قبیلے کا اور ''نسر'' حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) یہ پانچوں قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تا کہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمھارے آباء تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمھارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4920) [7] اَضَلُّوْا کا فاعل (مرجع) قوم نوح کے رؤساء ہیں، یعنی انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا یا اس کا مرجع یہی مذکورہ پانچ بت ہیں، اس کا مطلب ہوگا کہ ان کے سبب بہت سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (إبراهيم 14:36) ''اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔'' یعنی ان کے باعث گمراہ ہوئے۔ [8] مِمَّا میں مَا زائدہ برائے تاکید ہے، مِنْ خَطِيئَاتِهِمْ أَيِ مِنْ أَجْلِهَا وَبِسَبَبِهَا أُغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ (فتح القدیر) [9] یہ بددعا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (هود 11:36) دَيَّارًا فَيْعَال کے وزن پر دَيْوَار ہے۔ واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کر دیا گیا، یعنی مَنْ يَسْكُنُ الدِّيَارَ. ''جو شہروں میں رہائش پذیر ہیں'' مطلب ہے، کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

Marfat.com

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا

بلاشبہ اگر تو انھیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور (آیندہ) فاجر کافر ہی

فَاجِرًا كَفَّارًا 27 رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ

جنیں گے 27 (اے) میرے رب! تو میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما اور (ہر) اس

بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ

شخص کی جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہو اور مومنین اور مومنات کی [1] (مغفرت کر) اور

الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا 28 ع

ظالموں کو ہلاکت (اور بربادی) ہی میں زیادہ کر 28 [2]

اٰیَاتُهَا: 28 | سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّیَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے [3] (قرآن) غور سے سنا،

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا 1 یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ

تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے 1 [4] وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، [5] تو ہم

فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا 2 وَّاَنَّهٗ

اس پر ایمان لائے ہیں، [6] اور ہم کسی کو بھی اپنے رب [7] کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے 2 اور یہ کہ

تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا 3 وَّاَنَّهٗ

ہمارے رب کی شان بہت اونچی ہے، نہ اس نے (اپنی) کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ اولاد 3 [8] اور

كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا 4 وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ

یہ کہ ہمارا بے وقوف اللہ کی بابت ناحق جھوٹی باتیں لگاتا رہا ہے 4 [9] اور یہ کہ ہمارا خیال

تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا 5 وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ

تھا کہ انسان اور جن اللہ پر ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے 5 [10] اور بے شک انسانوں

[1] کافروں کے لیے بددعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ [2] یہ بددعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مردوں اور تمام عورتوں کے لیے ہے۔ [3] یہ واقعہ سورۂ احقاف 29:46 کے حاشیے میں گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ وادیٔ نَخْلَہ میں صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا۔ جس سے وہ متأثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سننا، آپ کے علم میں نہیں آیا بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔ [4] عَجَبًا مصدر ہے بطور مبالغہ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ ذَا عَجَبٍ یا مصدر، اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجِبًا مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بڑا عجیب ہے یا مواعظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح القدیر) [5] یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست، یعنی حق و صواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔ [6] یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں، اس میں کفار کو توبیخ و تنبیہ ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے، تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو، خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا، درآں حالیکہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے انھوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنا۔ علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔ [7] نہ اس کی مخلوق میں سے نہ کسی اور معبود کو، اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔ [8] جَدُّ کے معنی عظمت و جلال کے ہیں، یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔ گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف بیوی یا اولاد کی نسبت کرتے تھے، انھوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی تنزیہ و تقدیس کی۔ [9] سَفِیْهُنَا (ہمارے بیوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جنس، یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ شَطَطًا کے کئی معنی کیے گئے ہیں: ظلم، جھوٹ، باطل، کفر میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد، راہ اعتدال سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتدال و صواب سے دور، حد سے متجاوز اور کاذب و افترا پرداز ہیں۔ [10] اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے حتیٰ کہ ہم نے قرآن سنا تو پھر ہم پر اس عقیدے کا بطلان واضح ہوا۔

Marfat.com

مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿6﴾
کے کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ پکڑتے تھے،[1] تو انھوں نے ان کو سرکشی میں بڑھایا ⑥[2] اور
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿7﴾
یہ کہ انھوں نے خیال کیا تھا جیسے تم (جنوں) نے خیال کیا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے گا ⑦[3]
وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا
اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں (شعلوں) سے
وَّشُهُبًا ﴿8﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ
بھرا پایا ⑧[4] اور یہ کہ ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے،[5] چنانچہ اب جو
يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿9﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ
سننے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شہاب اپنی گھات میں پاتا ہے ⑨[6] اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا
اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿10﴾
زمین والوں کے لیے برا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ کیا ہے ⑩[7]
وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿11﴾
اور یہ کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور اس کے سوا بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں (مذاہب) پر تھے ⑪[8]
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ
اور یہ کہ ہمیں یقین ہو چکا[9] کہ ہم اللہ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ (کہیں) بھاگ کر
هَرَبًا ﴿12﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ
ہی عاجز کر سکتے ہیں ⑫ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت (کی بات) سنی تو اس پر ایمان لے آئے،
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿13﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ
پھر جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے تو اسے نہ تو کسی نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ظلم کا ⑬[10] اور یہ کہ
وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿14﴾
ہم میں مسلمان بھی ہیں اور ظالم بھی،[11] پھر جو کوئی اسلام لائے تو انھوں نے ہدایت کی راہ ڈھونڈ لی ⑭
وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿15﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا
اور لیکن جو ظالم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں ⑮[12] اور (وحی کی گئی ہے) کہ اگر (لوگ) سیدھی راہ

[1] زمانۂ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کہیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے، وہاں جنات سے پناہ طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی۔ [2] یعنی جب جنات نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہوگیا۔ رَهَقًا یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور حرام کاموں کا ارتکاب کرنا۔ [3] بعث کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ [4] حَرَسًا حَارِسٌ (چوکیدار، نگران) کی اور وَّشُهُبًا شِهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے، یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیاطین پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔ [5] اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پا کر کاہنوں کو بتلا دیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔ [6] لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی تاک میں ہوتا ہے اور ٹوٹ کر اس پر گرتا ہے۔ [7] یعنی اس حراست آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا، یعنی ان پر عذاب نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ، یعنی رسول بھیجنا ہے۔ [8] قِدَدًا چیز کا ٹکڑا، صَارَ الْقَوْمُ قِدَدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں، یعنی ہم متفرق جماعتوں اور مختلف اصناف میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنات میں بھی مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ، مُرجئہ اور رافضہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر) [9] ظَنٌّ یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے، جیسے اور بھی بعض مقامات پر ہے۔ [10] یعنی نہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ ان کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ [11] یعنی جو نبوت محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے منکر بے انصاف ہیں۔ قَاسِطٌ، ظالم اور غیر منصف اور مُقْسِطٌ، عادل، یعنی ثلاثی مجرد سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے ہیں۔ [12] اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر ہوں گے وہ جہنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہوگئی، اب آگے پھر اللہ کا کلام ہے۔

Marfat.com

عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا 16 لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ
پر قائم رہتے تو ہم انھیں خوب سیراب کرتے⑯ تاکہ ہم اس میں انھیں آزمائیں،[1] اور جو کوئی
وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا 17
اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا تو اسے وہ بڑھتے چڑھتے عذاب میں مبتلا کرے گا⑰[2] اور
وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا 18 وَّاَنَّهٗ
یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو بھی نہ پکارو⑱[3] اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ
لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا 19
(محمد ﷺ) اللہ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ لوگ (کفار) اس پر ٹوٹ پڑیں⑲[1] کہہ
قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا 20 قُلْ اِنِّيْ
دیجیے: بے شک میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا⑳[5]
لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا 21 قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ
کہہ دیجیے: بلاشبہ میں تمھارے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ بھلائی کا㉑[6] کہہ دیجیے: یقیناً مجھے
مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا 22 اِلَّا
اللہ (کے عذاب) سے کوئی پناہ نہ دے گا[7] اور اس کے سوا میں ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاؤں گا㉒
بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اللہ کا حکم اور اس کے پیغام پہنچانے کے سوا (میں کوئی اختیار نہیں رکھتا)[8] اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی

[1] اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ کا اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ پر عطف ہے، یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر وہ راہ راست پر قائم رہتے الطَّرِيْقَةِ سے مراد راہ راست، یعنی اسلام ہے۔ غَدَقًا کے معنی: کثیر۔ وافر پانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے، یعنی دنیا کا مال و اسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الأعراف 96:7) ''اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کا نزول کر دیتے۔'' یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ (المآئدة 66:5)۔ بعض کہتے ہیں: اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفار قریش پر قحط سالی مسلط کر دی گئی تھی۔ الطَّرِيْقَةِ کے دوسرے معنی گمراہی کے راستے کے کیے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدراج کے طور پر ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الأنعام 44:6) ''پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے۔'' اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ (المؤمنون 56,55:23) ''کیا یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں، وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں۔'' امام ابن کثیر کے نزدیک لِنَفْتِنَهُمْ کے پیش نظر یہ دوسرا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے جبکہ امام شوکانی کے نزدیک پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔ [2] صَعَدًا أَيْ عَذَابًا شَاقًّا شَدِيدًا مُوجِعًا مُؤْلِمًا (ابن کثیر) نہایت سخت، الم ناک عذاب۔ [3] مسجد کے معنی سجدہ گاہ کے ہیں۔ سجدہ بھی ایک رکن نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کی عبادت، کسی اور سے دعا و مناجات، کسی اور سے استغاثہ و استمداد جائز نہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی ممنوع ہیں اور کہیں بھی غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اگر یہاں بھی غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیا گیا تو یہ نہایت ہی قبیح اور ظالمانہ حرکت ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے نام نہاد مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں بلکہ مسجدوں میں ایسے کتبے آویزاں کیے ہوئے ہیں جن میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا. [4] عَبْدُ اللّٰهِ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اس کے اور بھی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ [5] یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور تل گئے ہیں تو آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔ [6] یعنی مجھے تمھاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی و رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ [7] اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھے اس پر وہ عذاب دینا چاہے۔ [8] یہ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ سے مستثنیٰ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ سے مستثنیٰ ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ تبلیغ

Marfat.com

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿23﴾ حَتّٰۤى اِذَا
نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لیے آتش جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک ﴿23﴾ حتی کہ
رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا
جب وہ دیکھیں گے جس (عذاب) کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے[1] تو انھیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس
وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿24﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ
کے مددگار کمزور تر اور تعداد میں کم تر ہیں ﴿24﴾[2] کہہ دیجیے: میں نہیں جانتا کہ جس (عذاب) کا تم سے وعدہ
اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿25﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ
کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرے رب نے کوئی لمبی مدت رکھی ہے ﴿25﴾[3] (وہی) عالم
عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿26﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ
الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا ﴿26﴾ سوائے کسی رسول کے جسے
يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿27﴾
وہ پسند کرے،[4] پھر بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور پیچھے نگہبان لگا دیتا ہے ﴿27﴾[5]
لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ
تاکہ وہ معلوم کرے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے ہیں،[6] اور اس نے ان (کے
وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿28﴾ ع
گرد و پیش) کا احاطہ کیا ہوا ہے[7] اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے ﴿28﴾[8]

اٰیاتھا: 20 | سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿1﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿2﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ
اے چادر میں لپٹنے والے! ﴿1﴾ رات میں قیام کیجیے[9] مگر تھوڑا سا ﴿2﴾ (یعنی) رات کا نصف، یا اس

رسالت کا وہ فریضہ بجا لاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے۔ وَرِسٰلٰتِهٖ کا عطف لفظ اللّٰهِ پر ہے یا بَلٰغًا پر اور اس صورت میں عبارت اس طرح ہے: إِلَّا أَنْ أُبَلِّغَ عَنِ اللّٰهِ وَأَعْمَلَ بِرِسَالَتِهِ (فتح القدیر)

[1] یا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی ﷺ اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ [2] یعنی اس وقت ان کو پتا لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا۔ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پجاریوں کی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہوگا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہی ہوگی۔ [3] مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم، یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور۔ [4] یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا، اس لیے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔ [5] یعنی نزول وحی کے وقت پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے۔ [6] لِيَعْلَمَ کا فاعل کون ہے؟ بعض کے نزدیک اس کا فاعل وہ ضمیر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا نگران فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا فاعل وہ ضمیر قرار دی ہے جو لفظ اللہ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کر سکیں، نیز وہ اس وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیے ہیں یا فرشتوں نے پیغمبروں تک وحی پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ پہلے ہی سے ہر چیز کا علم ہے لیکن ایسے موقعوں پر اللہ کے جاننے کا مطلب اس کے تحقق کا عام مشاہدہ ہے، جیسے لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ (البقرة 143:2) ''تاکہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے۔'' اور وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت 11:29) ''جو لوگ ایمان لائے اللہ انھیں بھی اور منافقوں کو بھی جان کر رہے گا'' میں ہے۔ (ابن کثیر) [7] فرشتوں کے پاس کی یا پیغمبروں کے پاس کی۔ [8] کیونکہ وہی عالم الغیب ہے جو ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا، سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے، یعنی اس کے علم میں ہے۔ [9] جس وقت ان آیات کا نزول ہوا، نبی ﷺ

Marfat.com

مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا
سے تھوڑا سا کم کیجیے③ یا اس پر (کچھ) زیادہ کیجیے[1] اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے④ [2] یقیناً ہم
سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ
جلد آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے⑤ [3] بلاشبہ رات کا اٹھنا (نفس کے) کچلنے میں زیادہ سخت[4]
وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦
اور دعا و ذکر کے لیے مناسب تر ہے⑥ [5] یقیناً دن میں آپ کے لیے بہت مصروفیت ہے⑦ [6] اور
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ
اپنے رب کا نام ذکر کیجیے اور سب سے کٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جایئے⑧ [7] (وہ) مشرق و
وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰى
مغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو کارساز بنا لیجیے⑨ اور جو کچھ وہ کہتے
مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
ہیں اس پر صبر کیجیے اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیجیے⑩ اور مجھے اور تکذیب کرنے والے
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا
آسودہ حال لوگوں کو تنہا چھوڑ دیجیے اور انھیں تھوڑی سی مہلت دیجیے⑪ بے شک ہمارے پاس
وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬ يَوْمَ
بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے⑫ اور گلے میں اٹکنے والا طعام اور دردناک عذاب ہے⑬ [8] جس
تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭
دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ ریت کے بھربھرے ٹیلے ہوں گے⑭ [9] بے شک ہم نے
اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى
تمھاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم پر شاہد[10] ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف

چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے خطاب فرمایا، مطلب ہے کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بنا پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی۔ (ابن کثیر)

[1] یہ قَلِيْلًا سے بدل ہے، یعنی یہ قیام نصف رات سے کچھ کم (ثُلث) یا کچھ زیادہ (دوثُلث) ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ [2] چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کی قراءت ترتیل کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی ترتیل کے ساتھ، یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تلقین کی ہے۔ [3] رات کا قیام چونکہ نفس انسانی کے لیے بالعموم گراں ہے، اس لیے یہ جملۂ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ ہم اس سے بھی بھاری بات تجھ پر نازل کریں گے، یعنی قرآن جس کے احکام و فرائض پر عمل، اس کے حدود کی پابندی اور اس کی تبلیغ و دعوت، ایک بھاری اور جاں گسل عمل ہے۔ بعض نے ثقالت (بھاری پن) سے وہ بوجھ مراد لیا ہے جو وحی کے وقت نبی ﷺ پر پڑتا تھا جس سے سخت سردی میں بھی آپ پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ (ابن کثیر) [4] اس کا دوسرا مفہوم ہے کہ رات کی تنہائیوں میں کان معانیٔ قرآن کے فہم میں دل کے ساتھ زیادہ موافقت کرتے ہیں جو ایک نمازی تہجد میں پڑھتا ہے۔ [5] دوسرا مفہوم ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کو قرآن زیادہ واضح اور حضور قلب کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اس لیے کہ اس وقت دوسری آوازیں خاموش ہوتی ہیں، فضا میں سکون غالب ہوتا ہے، اس وقت نمازی جو پڑھتا ہے وہ آوازوں کے شور اور دنیا کے ہنگاموں کی نذر نہیں ہوتا بلکہ نمازی اس سے خوب محظوظ ہوتا اور اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتا ہے۔

[6] سَبْحًا کے معنی ہیں: اَلْجَرْيُ وَالدَّوَرَانُ (چلنا اور گھومنا پھرنا)، یعنی دن کے وقت دنیاوی مصروفیتوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ پہلی بات کی تائید ہے، یعنی رات کو نماز اور تلاوت زیادہ مفید اور مؤثر ہے، یعنی اس پر مداومت کریں، دن ہو یا رات، اللہ کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کرتے رہیں۔ [7] تَبَتَّلْ کے معنی انقطاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لیے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ رہبانیت سے مختلف چیز ہے۔ رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور تَبَتَّلْ کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع، خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود و مطلوب ہے۔ [8] اَنْكَالًا نِكْلٌ کی جمع ہے، قیود (بیڑیاں) اور بعض نے اَغْلَال کے معنی میں لیا ہے، یعنی طوق۔ جَحِيْمًا بھڑکتی آگ۔ ذَا غُصَّةٍ حلق میں اٹک جانے والا، نہ حلق سے نیچے اترے اور نہ باہر نکلے۔ یہ زَقُّوْمٌ یا ضَرِيْعٌ کا کھانا ہوگا۔ ضَرِيْعٌ ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جو سخت بدبودار اور زہریلی ہوتی ہے۔ [9] یعنی یہ عذاب اس دن ہوگا جس دن زمین اور پہاڑ بھونچال سے تہ و بالا ہو جائیں گے اور بڑے بڑے پر ہیبت پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بے حیثیت ہو جائیں گے۔ كَثِيْبًا ریت کا ٹیلہ، مَّهِيْلًا بھربھری، پیروں کے نیچے سے نکل جانے والی ریت۔ [10] جو قیامت والے دن تمھارے اعمال کی گواہی دے گا۔

Marfat.com

فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿15﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ
رسول بھیجا تھا ﴿15﴾ چنانچہ فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے نہایت
اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿16﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا
سختی سے پکڑ لیا ﴿16﴾[1] پھر تم (عذاب سے) کیسے بچو گے اگر تم نے اس دن کا انکار کیا جو بچوں کو
يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿17﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ
بوڑھا کر دے گا؟ ﴿17﴾[2] جس (کی شدت) سے آسمان پھٹ جائے گا۔[3] اس (اللہ) کا وعدہ ہو کے
وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿18﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ
رہنا ہے ﴿18﴾[4] بے شک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے، پھر جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ پکڑ
اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿19﴾ ع اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى
لے ﴿19﴾ یقیناً آپ کے رب کو علم ہے کہ آپ قریباً دو تہائی رات یا نصف رات یا ایک تہائی
مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ
رات قیام کرتے ہیں[5] اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی۔
الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ
اور اللہ ہی رات اور دن کا (پورا) اندازہ کرتا ہے۔[6] اسے علم ہے کہ تم
اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ
اسے نبھا نہیں سکو گے،[7] چنانچہ اس نے تم پر مہربانی کی،[8] پھر قرآن میں سے
مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ
جتنا آسان ہو تم پڑھو۔[9] اسے علم ہے کہ تم میں کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے اور

ع 1/19/13

1 اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمھارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہوا۔ 2 شِيْبًا اَشْيَبُ کی جمع ہے، قیامت والے دن، قیامت کی ہولناکی سے فی الواقع بچے بوڑھے ہو جائیں گے یا تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو کہے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کے لیے نکال لے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: یا اللہ! کس طرح؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے 999۔ اس وقت حمل والی عورتوں کا حمل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 4741) 3 یہ یوم کی دوسری صفت ہے۔ اس دن ہولناکی سے آسمان پھٹ جائے گا۔ 4 یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بعث بعد الموت، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کا وعدہ کیا ہوا ہے، یہ یقیناً لامحالہ ہو کر رہنا ہے۔ 5 جب سورت کے آغاز میں نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ، قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی، کبھی دو تہائی سے کم، کبھی نصف رات اور کبھی ثُلُث (ایک تہائی حصہ) جیسا کہ یہاں ذکر ہے۔ لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا۔ دوسرے وقت کا یہ اندازہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث حصہ قیام کرنا ہے، اس سے بھی زیادہ مشکل تر تھا، اس لیے اللہ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے فرض کو استحباب میں بدل دیا گیا۔ اب یہ نہ امت کے لیے فرض ہے نہ نبی ﷺ کے لیے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لیے ہے۔ نبی ﷺ کے لیے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔ 6 یعنی اللہ تعالیٰ تو رات کی گھڑیاں گن سکتا ہے کہ کتنی گزر گئی ہیں اور کتنی باقی ہیں۔ تمھارے لیے یہ اندازہ ناممکن ہے۔ 7 جب تمھارے لیے رات کے گزرنے کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں تو تم مقررہ اوقات تک نماز تہجد میں مشغول بھی کس طرح رہ سکتے ہو۔ 8 یعنی اللہ نے قیام اللیل کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب صرف اس کا استحباب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی وقت کی پابندی کے بغیر۔ نصف شب یا دو ثُلُث شب یا ثُلُث کی پابندی بھی ضروری نہیں۔ اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کر کے دو رکعت بھی پڑھ لو گے تو عند اللہ قیام اللیل کے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے، تاہم اگر کوئی شخص گیارہ رکعات تہجد مع وتر کا اہتمام کرے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور نبی ﷺ کا متبع قرار پائے گا۔ 9 فَاقْرَءُوْا کا مطلب ہے فَصَلُّوا اور الْقُرْاٰنِ سے مراد اَلصَّلَاة ہے۔ قیام اللیل میں چونکہ قیام لمبا ہوتا ہے اور قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے، اس لیے نماز تہجد کو قرآن ہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے، جیسے نماز میں سورۂ فاتحہ نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں جو سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، سورۂ فاتحہ کو نماز سے تعبیر فرمایا ہے: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي» (صحيح مسلم، حديث: 395، وجامع الترمذي، حديث: 2953) ''میں نے فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' اس لیے جتنا قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لو کا مطلب ہے: رات کو جتنی نماز پڑھ سکتے ہو، پڑھ لو۔ اس کے لیے نہ وقت کی پابندی ہے اور نہ رکعات کی۔ اس آیت سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز میں

Marfat.com

يَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ

زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے،[1] اور کتنے اور اللہ کی راہ میں لڑیں

يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ

گے،[2] چنانچہ اس (قرآن) میں سے جتنا آسان ہو پڑھو،[3] اور نماز قائم کرو[4] اور

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

زکاۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔[5] اور تم اپنے آپ کے لیے جو نیکی آگے

حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

بھیجو گے تو اسے اللہ کے ہاں بہتر اور زیادہ اجر والی پاؤ گے۔[6]

اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ

اور اللہ سے استغفار کرو۔ بے شک اللہ خوب بخشنے والا،

ع اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑳

بہت رحم کرنے والا ہے ⑳

آیاتها: 56 | سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ

اے لحاف میں لپٹنے والے![7] ① اٹھیے اور ڈرایئے[8] ② اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے ③ اور اپنے

فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥

کپڑے پاک رکھیے[9] ④ اور ناپاکی چھوڑ دیجیے[10] ⑤ اور حصولِ کثرت کے لیے احسان نہ کیجیے ⑥[11]

سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری نہیں ہے جتنا کسی کے لیے آسان ہو، پڑھ لے اگر کوئی ایک آیت بھی کہیں سے پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اول تو یہاں قراءت بمعنی نماز ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس لیے آیت کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے۔ دوسرے، اگر اس کا تعلق قراءت سے ہی مان لیا جائے، تب بھی یہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا کیونکہ مَا تَيَسَّرَ کی تفسیر خود نبی ﷺ نے فرما دی ہے کہ وہ کم سے کم قراءت جس کے بغیر نماز نہیں ہو گی وہ سورۂ فاتحہ ہے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "یہ ضرور پڑھو" جیسا کہ صحیح اور نہایت قوی اور واضح احادیث میں یہ حکم ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 756، وسنن النسائي، حديث: 921) اس تفسیر نبوی ﷺ کے خلاف یہ کہنا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ضروری نہیں بلکہ کوئی سی بھی ایک آیت پڑھ لو، نماز ہو جائے گی۔ بڑی جسارت اور نبی ﷺ کی احادیث سے بے اعتنائی کا پر رعونت مظاہرہ ہے۔ نیز ان کے اپنے ائمہ کے بھی خلاف ہے جو انھوں نے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ترک فاتحہ خلف الامام پر استدلال جائز نہیں، اس لیے کہ دو آیتیں متعارض ہیں۔

[1] یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا پڑے گا۔ [2] اسی طرح جہاد میں بھی پر مشقت سفر اور مشقیں کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ تینوں چیزیں: بیماری، سفر اور جہاد۔ نوبت بہ نوبت ہر ایک کو لاحق ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کر دی ہے کیونکہ تینوں حالتوں میں یہ نہایت مشکل اور بڑا صبر آزما کام ہے۔ [3] اسباب تخفیف کے ساتھ تخفیف کا یہ حکم دوبارہ بطور تاکید بیان کر دیا ہے۔ [4] یعنی پانچ نمازوں کی جو فرض ہیں۔ [5] یعنی اللہ کی راہ میں حسب ضرورت و توفیق خرچ کرو، اسے قرض حسن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ [6] یعنی نفلی نمازیں، صدقات و خیرات اور دیگر نیکیاں جو بھی کرو گے، اللہ کے ہاں ان کا بہترین اجر پاؤ گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدینے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اس کا نصف حصہ مکی اور نصف مدنی ہے۔ (أيسر التفاسير) [7] سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق 96:1) ہے اس کے بعد وحی میں وقفہ ہو گیا اور نبی ﷺ سخت مضطرب اور پریشان رہے۔ ایک روز اچانک پھر وہی فرشتہ جو غار حرا میں پہلی مرتبہ وحی لے کر آیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے جس سے آپ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا اور گھر جا کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، چنانچہ انھوں نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا ڈال دیا، اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4926، وصحيح مسلم، حديث: 161) اس اعتبار سے یہ دوسری وحی اور فترت وحی کے بعد پہلی وحی ہے۔ (وحی کے انقطاع کی مدت فترت کہلاتی ہے۔) [8] یعنی اہل مکہ کو ڈرائیں، اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ [9] یعنی قلب و نیت کے ساتھ کپڑے بھی پاک رکھیں۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین مکہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ [10] رُجز اور رِجز، دونوں طرح ہے، بمعنی عذاب لیکن یہاں بت یا معصیت کے معنی میں ہے، اس لیے کہ بتوں کی عبادت یا معصیت عذاب کا

Marfat.com

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (7) فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ (8) فَذٰلِكَ
اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے (7) پس جب صور میں پھونکا جائے گا (8) تو وہ دن
يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ (9) عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (10) ذَرْنِيْ
سخت مشکل دن ہوگا (9) کافروں کے لیے آسان نہ ہوگا (10)[1] مجھے اور اس
وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (11) وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (12)
کو تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا (11)[2] اور اسے مال وافر دیا (12)
وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (13) وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (14) ثُمَّ
اور حاضر باش بیٹے (دیے) (13)[3] اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا (14)[4] پھر وہ طمع رکھتا ہے
يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ (15) كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (16)
کہ میں (اسے) مزید دوں (15)[5] ہرگز نہیں![6] بلاشبہ وہ ہماری آیات سے سخت عناد رکھتا ہے (16)[7] میں
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (17) اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (18) فَقُتِلَ كَيْفَ
اسے جلد مشکل چڑھائی چڑھاؤں گا (17)[8] بے شک اس نے غور وفکر کیا اور اندازہ لگایا (18)[9] تو وہ مارا
قَدَّرَ (19) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (20) ثُمَّ نَظَرَ (21) ثُمَّ
جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ (19) پھر وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ (20)[10] پھر اس نے دیکھا (21)[11] پھر
عَبَسَ وَبَسَرَ (22) ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (23) فَقَالَ اِنْ
تیوری چڑھائی اور منہ بسورا (22)[12] پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا (23)[13] پھر اس نے کہا: یہ (قرآن) تو
هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (24) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (25)
صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے (24)[14] یہ تو صرف ایک بشر کا قول ہے (25) میں جلد اسے
سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ (26) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (27) لَا تُبْقِيْ
سقر (جہنم) میں ڈالوں گا (26) اور آپ کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ (27)[15] وہ نہ باقی رکھے گی
وَلَا تَذَرُ (28) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (29) عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (30)
اور نہ چھوڑے گی (28)[16] چمڑی جھلسا دینے والی ہے (29) اس پر اُنیس (فرشتے مقرر) ہیں (30)[17]
وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۠ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا
اور ہم نے فرشتے ہی دوزخ کے نگران بنائے ہیں، اور ہم نے ان کی تعداد

باعث ہے۔ کہا جارہا ہے کہ بتوں کی عبادت یا معصیت چھوڑ دیں۔ یہ دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے حکم دیا جارہا ہے۔ [11] یعنی احسان کر کے یہ خواہش نہ کریں کہ بدلے میں اس سے زیادہ ملے گا۔

[1] یعنی قیامت کا دن کافروں پر بھاری ہوگا کیونکہ اس روز کفر کا نتیجہ انھیں بھگتنا ہوگا جس کا ارتکاب وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔ [2] یہ کلمۂ وعید وتہدید ہے کہ اسے جسے میں نے ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا، اس کے پاس مال تھا نہ اولاد اور مجھے اکیلا چھوڑ دو، یعنی میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کفر وطغیان میں بہت بڑھا ہوا تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ واللہ أعلم.
[3] اسے اللہ نے اولاد ذکور (نرینہ) سے نوازا تھا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی رہتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لیے بیٹوں کو تجارت وکاروبار کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ بعض کہتے ہیں: یہ بیٹے سات تھے بعض کے نزدیک 12 اور بعض کے نزدیک 13 تھے ان میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم۔ (فتح القدیر) [4] یعنی مال و دولت میں ریاست و سرداری میں اور درازئ عمر میں۔ [5] یعنی کفر ومعصیت کے باوجود اس کی خواہش ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ [6] یعنی میں اسے زیادہ نہیں دوں گا۔ [7] یہ ﴿كَلَّا﴾ کی علت ہے۔ ﴿عَنِيْدًا﴾ اس شخص کو کہتے ہیں جو جاننے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کو رد کرے۔ [8] یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا جس کا برداشت کرنا نہایت سخت ہوگا، بعض کہتے ہیں: جہنم میں آگ کا پہاڑ ہوگا جس پر اس کو چڑھایا جائے گا۔ اِرْهَاقٌ کے معنی ہیں: انسان پر بھاری چیز لاد دینا۔ (فتح القدیر) [9] یعنی قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر، اس نے اس امر پر غور کیا کہ میں اس کا کیا جواب دوں۔ اور اپنے جی میں اس نے وہ تیار کیا۔ [10] یہ اس کے حق میں بددعائیہ کلمے ہیں کہ ہلاک ہو، مارا جائے، کیا بات اس نے سوچی ہے؟ [11] یعنی پھر غور کیا کہ قرآن کا رد کس طرح ممکن ہے۔ [12] یعنی جواب سوچتے وقت چہرے کی سلوٹیں بدلیں اور منہ بسورا جیسا کہ عموماً کسی مشکل بات پر غور کرتے وقت آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔ [13] یعنی حق سے اعراض کیا اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔ [14] یعنی کسی سے یہ سیکھ آیا اور وہاں سے نقل کر لایا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔ [15] دوزخ کے ناموں یا درجات میں سے ایک کا نام سقر بھی ہے۔ [16] ان کے جسموں پر گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی۔ یا مطلب ہے جہنمیوں کو زندہ چھوڑے گی نہ مردہ، ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (الأعلى 87:13) ''جہنم میں مریں گے نہ جئیں گے۔'' [17] یعنی جہنم پر بطور دربان 19 فرشتے مقرر ہیں۔

Marfat.com

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ
ہی کافروں کے لیے آزمائش بنا دی ہے[1] تاکہ اہل کتاب یقین کریں[2] اور
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو،[3] اور اہل کتاب اور مومن شک میں نہ پڑیں، اور
وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ
تاکہ دل کے روگی اور کافر کہیں: اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے؟[4] اسی طرح اللہ
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔[5] اور آپ کے رب
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ
کے لشکروں کو بس وہی جانتا ہے۔[6] اور وہ (جہنم) بشر کے لیے نصیحت ہی
اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿31﴾ ع كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿32﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿33﴾ ع 1 31 15
تو ہے﴿31﴾ [7] ہرگز نہیں![8] قسم ہے چاند کی﴿32﴾ اور رات کی جب وہ ڈھل جائے﴿33﴾ اور صبح کی جب وہ
وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿34﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿35﴾ نَذِيْرًا
روشن ہو﴿34﴾ بلاشبہ وہ (جہنم) بڑی (ہولناک) چیزوں میں سے ایک ہے﴿35﴾ [9] بشر کے لیے ڈراوا
لِّلْبَشَرِ ﴿36﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿37﴾ كُلُّ
ہے﴿36﴾ [10] اس کے لیے (ڈراوا) جو تم میں سے آگے (نیکی کی طرف) بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہے﴿37﴾ [11] ہر نفس
نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿38﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿39﴾ فِيْ
نے جو کیا اس کے بدلے وہ گروی ہے﴿38﴾ [12] دائیں (ہاتھ) والوں کے سوا﴿39﴾ [13] وہ باغات بہشت میں ہوں
جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿40﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿41﴾ مَا سَلَكَكُمْ
گے، باہم سوال کریں گے﴿40﴾ مجرموں کے بارے میں﴿41﴾ [14] (ان سے پوچھیں گے:) تمھیں کس

[1] یہ مشرکین قریش کا رد ہے، جب جہنم کے داروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابوجہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ، ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلدہ نامی شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، کہا: تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، 17 فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ کہتے ہیں: اسی نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ یزید بن رکانہ کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے تین مرتبہ کشتی لڑی تھی، تیسری مرتبہ وہ شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (البداية والنهاية: 102/3 طبع جديد) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزا، یعنی آزمائش کا سبب بن گئی۔ [2] یعنی جان لیں کہ یہ رسول برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو پچھلی کتابوں میں بھی درج ہے۔ [3] کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔ [4] بیمار دل والوں سے مراد منافقین ہیں یا پھر وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک تھے کیونکہ مکے میں منافقین نہیں تھے، یعنی یہ پوچھیں گے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں اللہ کی کیا حکمت ہے۔ [5] یعنی گزشتہ گمراہی کی طرح، جسے چاہتا ہے گمراہ اور جسے چاہتا ہے، راہ یاب کرتا ہے، اس میں جو حکمت بالغہ ہوتی ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ [6] یعنی یہ کفار و مشرکین سمجھتے ہیں کہ جہنم میں 19 فرشتے ہی تو ہیں نا، جن پر قابو پانا کون سا مشکل کام ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنھیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں کہ 70 ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لیے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 3207، و صحيح مسلم، حديث: 162) [7] یعنی یہ جہنم اور اس پر مقرر فرشتے، انسانوں کی پند و نصیحت کے لیے ہیں کہ شاید وہ نافرمانیوں سے باز آ جائیں۔ [8] كَلَّا یہ اہل مکہ کے خیالات کی نفی ہے، یعنی جو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو مغلوب کر لیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے، یعنی جانے لگے۔ [9] یہ جواب قسم ہے۔ اَلْكُبَرِ کُبْرٰی کی جمع ہے۔ تین نہایت اہم چیزوں کی قسموں کے بعد اللہ نے جہنم کی بڑائی اور ہولناکی کو بیان کیا ہے جس سے اس کی بڑائی میں کوئی شک نہیں رہتا۔ [10] یعنی یہ جہنم ڈرانے والی ہے یا اس نذیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یا قرآن ہے کیونکہ قرآن بھی اپنے بیان کردہ وعد و وعید کے اعتبار سے انسانوں کے لیے نذیر ”ڈرانے والا“ ہے۔ [11] یعنی ایمان و اطاعت میں آگے بڑھنا چاہے یا اس سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ مطلب ہے کہ انذار ہر ایک کے لیے ہے جو ایمان لائے یا کفر کرے۔ [12] رہن گروی رکھنے کو کہتے ہیں، یعنی ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے، وہ عمل اسے عذاب سے چھڑا لے گا، (اگر نیک ہوگا) یا اسے ہلاک کروا دے گا (اگر برا ہوگا۔) [13] یعنی وہ اپنے گناہوں کے اسیر نہیں ہوں گے بلکہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔ [14] فِيْ جَنّٰتٍ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ سے حال ہے۔ اہل جنت بالا خانوں میں بیٹھے، جہنمیوں سے سوال کریں گے۔

Marfat.com

فِیْ سَقَرَ ﴿42﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿43﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ
چیز نے جہنم میں ڈالا؟﴿42﴾ وہ کہیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے﴿43﴾ اور ہم مسکین کو کھانا
الْمِسْكِیْنَ ﴿44﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىِٕضِیْنَ ﴿45﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ
نہیں کھلاتے تھے﴿44﴾ [1] اور ہم (باطل میں) مشغول ہونے والوں کے ساتھ مشغول ہوتے تھے﴿45﴾ [2]
بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿46﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿47﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ
اور ہم روزِ جزا کی تکذیب کرتے تھے﴿46﴾ حتی کہ ہمیں موت نے آلیا﴿47﴾ [3] پھر سفارشیوں کی
شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ﴿48﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَ ﴿49﴾
سفارش انھیں نفع نہ دے گی﴿48﴾ [4] پھر انھیں کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں؟﴿49﴾
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿50﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿51﴾ بَلْ
جیسے وہ بدکے ہوئے گدھے ہوں﴿50﴾ جو شیر سے بھاگے ہوں﴿51﴾ [5] بلکہ
یُرِیْدُ كُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿52﴾
ان میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اسے کھلے صحیفے دیے جائیں﴿52﴾ [6] ہرگز
كَلَّا ؕ بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿53﴾ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿54﴾
نہیں! بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے﴿53﴾ [7] ہرگز نہیں! یقیناً یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے﴿54﴾ [8]
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾ وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ
تو جو کوئی چاہے اسے یاد کرے﴿55﴾ اور وہ (کفار) اسے یاد نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ [9]
هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿56﴾
وہی تقوے کے لائق اور مغفرت کے لائق ہے﴿56﴾ [10]

ع 2 25 16

آیاتها: 40 | سُوْرَةُ الْقِیٰمَةِ مَكِّیَّةٌ | رکوعاتها: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ﴿1﴾ وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿2﴾
میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی﴿1﴾ [11] اور قسم کھاتا ہوں نفسِ ملامت گر کی﴿2﴾ [12] کیا انسان سمجھتا

[1] نماز حقوق اللہ میں سے اور مساکین کو کھلانا حقوق العباد میں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کے حقوق ادا کیے نہ بندوں کے۔ [2] یعنی کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ [3] یقین کے معنی موت کے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ○ (الحجر 99:15) ''اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔'' [4] یعنی جو صفات مذکورہ کا حامل ہوگا، اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے محل شفاعت ہی نہیں ہوگا، شفاعت تو صرف ان کے لیے مفید ہوگی جو ایمان کی وجہ سے شفاعت کے قابل ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت بھی انھی کے لیے ملے گی نہ کہ ہر ایک کے لیے۔ [5] یعنی یہ حق سے نفرت اور اعراض کرنے میں ایسے ہیں جیسے وحشی، خوف زدہ گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں جب وہ ان کا شکار کرنا چاہے۔ قَسْوَرَةٍ بمعنی شیر، بعض نے اس کے معنی تیرانداز بھی کیے ہیں۔ [6] یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے ایک ایک کتاب مفتوح نازل ہو جس میں لکھا ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بغیر عمل کے یہ عذاب سے براءت چاہتے ہیں، یعنی ہر ایک کو پروانۂ نجات مل جائے۔ (ابن کثیر) [7] یعنی ان کے فساد کی وجہ ان کا آخرت پر عدم ایمان اور اس کی تکذیب ہے جس نے انھیں بے خوف کر دیا ہے۔ [8] لیکن اس کے لیے جو اس قرآن کے مواعظ و نصائح سے عبرت حاصل کرنا چاہے۔ [9] یعنی اس قرآن سے ہدایت اور نصیحت اسے ہی حاصل ہوگی جسے اللہ چاہے گا۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (التکویر 29:81) ''اور تم بغیر پروردگار کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔'' [10] یعنی وہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کے اختیارات رکھتا ہے، اس لیے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے تاکہ انسان اس کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے۔ [10] لَاۤ اُقْسِمُ میں لا زائدہ ہے جو عربی زبان کا ایک اسلوب ہے، جیسے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الأعراف 12:7) ''تجھے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔'' اور لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ (الحدید 29:57) ''تاکہ اہل کتاب جان لیں۔'' اور دیگر بہت سے مقامات میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم سے پہلے کفار کے کلام کا رد ہے، وہ کہتے تھے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لَا کے ذریعے سے کہا گیا، جس طرح تم کہتے ہو، معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، قیامت کے دن کی قسم کھانے سے مقصد اس کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔ [11] یعنی بھلائی پر بھی کرتا ہے کہ زیادہ کیوں نہیں کی۔ اور برائیوں پر بھی کہ اس سے باز کیوں نہیں آتا۔ دنیا میں بھی جن کے ضمیر بیدار ہوتے ہیں، ان کے نفس انھیں ملامت کرتے ہیں، تاہم آخرت میں تو سب ہی کے نفس ملامت کریں گے۔

Marfat.com

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ③ بَلٰى قٰدِرِيْنَ
ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر پائیں گے؟③ 1 کیوں نہیں! بلکہ ہم تو اس کی پور پور ٹھیک
عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ
کرنے پر قادر ہیں④ 2 بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ اپنے آگے (آئندہ بھی) فسق و فجور کے کام
اَمَامَهٗ ⑤ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥ فَاِذَا بَرِقَ
کرے⑤ 3 وہ پوچھتا ہے یوم قیامت کب ہے؟⑥ 4 چنانچہ جب آنکھیں خیرہ ہو
الْبَصَرُ ⑦ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨
جائیں گی⑦ 5 اور چاند گہنا جائے گا⑧ 6 اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے⑨ 7
يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪
انسان اس دن کہے گا: جائے فرار کہاں ہے؟⑩ 8 ہرگز نہیں! (وہاں) کوئی پناہ گاہ نہیں⑪ 9
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ
اس دن تیرے رب کے سامنے جا ٹھہرنا ہوگا⑫ 10 اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا جو
بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭
اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا⑬ 11 بلکہ انسان خود اپنے نفس پر خوب شاہد ہے⑭ 12
وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ
اگرچہ وہ اپنی (کتنی ہی) معذرتیں پیش کرے⑮ 13 (اے نبی!) آپ اس (قرآن) کو جلدی یاد
لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ
کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں⑯ 14 یقیناً اس کا (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور (آپ
وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ
سے) اس کا پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے⑰ 15 پھر جب ہم اسے پڑھوا چکیں 16 تو آپ اس کے پڑھنے

[1] یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد یہاں کافر اور ملحد انسان ہے جو قیامت کو نہیں مانتا۔ اس کا گمان غلط ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً انسانوں کے اجزاء کو جمع فرمائے گا۔ یہاں ہڈیوں کا بطور خاص ذکر ہے، اس لیے کہ ہڈیاں ہی پیدائش کا اصل ڈھانچہ اور قالب ہیں۔ [2] بَنَانٌ ہاتھوں اور پیروں کے ان اطراف (کناروں) کو کہتے ہیں جو جوڑوں، ناخن، لطیف رگوں اور باریک ہڈیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب یہ باریک اور لطیف چیزیں ہم بالکل صحیح صحیح جوڑ دیں گے تو بڑے بڑے حصوں کو جوڑ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہوگا؟ [3] یعنی اس امید پر نافرمانی اور حق کا انکار کرتا ہے کہ کون سی قیامت آنی ہے۔ [4] یہ سوال اس لیے نہیں کرتا کہ گناہوں سے تائب ہو جائے بلکہ قیامت کو ناممکن الوقوع سمجھتے ہوئے پوچھتا ہے۔ اسی لیے فسق و فجور سے باز نہیں آتا، تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے آنے کا وقت بیان فرما رہا ہے۔ [5] دہشت اور حیرانی سے۔ بَرِقَ تَحَيَّرَ وَانْدَهَشَ جیسے موت کے وقت عام طور پر ہوتا ہے۔ [6] جب چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس وقت بھی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خَسْفِ قَمَر جو علامات قیامت میں سے ہے جب ہوگا تو اس کے بعد اس میں روشنی نہیں آئے گی۔ [7] یعنی بے نوری میں۔ مطلب ہے کہ چاند کی طرح سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی۔ [8] یعنی جب یہ واقعات ظہور پذیر ہوں گے تو پھر اللہ سے یا جہنم کے عذاب سے راہ فرار ڈھونڈے گا لیکن اس وقت راہ فرار کہاں ہوگی؟ [9] وَزَر پہاڑ یا قلعے کو کہتے ہیں جہاں انسان پناہ حاصل کر لے۔ وہاں ایسی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔ [10] جہاں وہ بندوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی اللہ کی اس عدالت سے چھپ جائے۔ [11] یعنی اس کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کیا جائے گا، قدیم ہو یا جدید، اول ہو یا آخر، چھوٹا ہو یا بڑا۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴿الكهف 49:18﴾ "سب کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائے گا۔" [12] یعنی اس کے اپنے ہاتھ، پاؤں، زبان اور دیگر اعضاء گواہی دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے عیوب خود جانتا ہے۔ [13] یعنی لڑے جھگڑے، ایک سے ایک تاویل کرے لیکن ایسا کرنا نہ اس کے لیے مفید ہے اور نہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔ [14] حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ عجلت سے پڑھتے جاتے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اللہ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4929) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ﴿طٰهٰ 114:20﴾ "آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے۔" چنانچہ اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے۔ [15] یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمے داری ہے تاکہ اس کا کوئی حصہ آپ کی یادداشت سے نہ نکلے اور آپ کے ذہن سے محو نہ ہو۔ [16] یعنی فرشتے (جبرائیل) علیہ السلام کے ذریعے سے جب ہم اس کی قراءت آپ پر پوری کر لیں۔

Marfat.com

قُرْاٰنَهٗ ﴿18﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿19﴾ كَلَّا بَلْ

کی اتباع کریں ﴿18﴾ [1] پھر یقیناً اس کی وضاحت ہمارے ذمے ہے ﴿19﴾ [2] ہرگز نہیں! بلکہ تم

تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿20﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿21﴾ وُجُوْهٌ

دنیا کو پسند کرتے ہو ﴿20﴾ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو ﴿21﴾ [3] اس دن (کئی) چہرے

يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿22﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ

تر و تازہ ہوں گے ﴿22﴾ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ﴿23﴾ [4] اور اس دن (کئی)

بَاسِرَةٌ ﴿24﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿25﴾ كَلَّآ

چہرے اداس ہوں گے ﴿24﴾ [5] وہ سمجھیں گے کہ ان سے کمر توڑ معاملہ کیا [6] جائے گا ﴿25﴾ ہرگز نہیں! [7]

اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿27﴾ وَّظَنَّ

جب (جان) ہنسلی [8] تک آ پہنچے گی ﴿26﴾ اور کہا جائے گا: کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا؟ ﴿27﴾ [9] اور وہ

اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿28﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿29﴾ اِلٰى

سمجھے گا یہ (وقتِ) فراق ہے ﴿28﴾ [10] اور پنڈلی، پنڈلی سے لپٹ جائے گی ﴿29﴾ [11] اس دن

رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿30﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿31﴾ ع 30 17

آپ کے رب کی طرف چلنا ہوگا ﴿30﴾ نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی ﴿31﴾ [12] بلکہ

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿32﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿33﴾

اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ موڑا ﴿32﴾ [13] پھر اپنے اہل وعیال کے پاس اکڑتا ہوا گیا ﴿33﴾ [14] تیرے

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿34﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿35﴾ اَيَحْسَبُ

لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے ﴿34﴾ پھر تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے ﴿35﴾ [15] کیا انسان سمجھتا ہے کہ

الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿36﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ

اسے یوں ہی بے کار (بلا حساب کتاب) چھوڑ دیا جائے گا؟ [16] ﴿36﴾ کیا وہ منی کا ایک نطفہ نہیں تھا جو

مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿37﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿38﴾

(رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ ﴿37﴾ پھر وہ لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے پیدا کیا اور اس کی نوک پلک سنواری ﴿38﴾ [17]

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿39﴾ اَلَيْسَ

پھر اس سے مذکر اور مؤنث کا جوڑا بنایا ﴿39﴾ کیا وہ (اللہ) اس بات پر

[1] یعنی اس کے شرائع و احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کا اتباع بھی کریں۔ [2] یعنی اس کے مشکل مقامات کی تشریح اور حلال وحرام کی توضیح، یہ بھی ہمارے ذمے ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن کے مجملات کی جو تفصیل، مبہمات کی توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الہام اور سمجھائی ہوئی باتیں ہیں، اس لیے انھیں بھی قرآن کی طرح ماننا ضروری ہے۔ [3] یعنی یوم قیامت کی تکذیب، مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی مخالفت اور حق سے اعراض، اس لیے ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت تمھیں بالکل فراموش ہے۔ [4] یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جو اپنے حسن انجام کی وجہ سے مطمئن، مسرور اور منور ہوں گے۔ مزید دیدار الٰہی سے بھی لطف اندوز ہوں گے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ [5] یہ کافروں کے چہرے ہوں گے۔ بَاسِرَةٌ: متغیر، زرد، غم وحزن سے سیاہ اور بے رونق۔ [6] اور وہ یہی کہ جہنم میں ان کو پھینک دیا جائے گا۔ [7] یعنی یہ ممکن نہیں کہ کافر قیامت پر ایمان لے آئیں۔ [8] التَّرَاقِيَ: تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے۔ یہ گردن کے قریب، سینے اور کندھے کے درمیان ایک ہڈی ہے، یعنی جب موت کا آہنی پنجہ تمھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔ [9] یعنی حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعے سے تمھیں موت کے پنجے سے چھڑا لے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ اس کی روح کون لے کر چڑھے۔ ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب۔ اس صورت میں یہ قول فرشتوں کا ہے۔ [10] یعنی وہ شخص یقین کر لے گا جس کی روح ہنسلی تک پہنچ گئی ہے کہ اب مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جدائی کا مرحلہ آ گیا ہے۔ [11] اس سے یا تو موت کے وقت پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا مراد ہے یا پے در پے تکلیفیں۔ جمہور مفسرین نے دوسرے معنی کیے ہیں۔ (فتح القدیر) [12] یعنی اس انسان نے رسول اور قرآن کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، یعنی اللہ کی عبادت نہیں کی۔ [13] یعنی رسول کو جھٹلایا اور ایمان واطاعت سے روگردانی کی۔ [14] يَتَمَطّٰى: اتراتا اور اکڑتا ہوا۔ [15] یہ کلمۂ وعید ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل ہے: اَوْلَاكَ اللّٰهُ مَا تَكْرَهُهٗ اللہ تجھے ایسی چیز سے دوچار کرے جسے تو ناپسند کرتا ہے۔ [16] یعنی اس کو کسی چیز کا حکم دیا جائے گا نہ کسی چیز سے منع کیا جائے گا، نہ اس کا محاسبہ ہوگا نہ معاقبہ۔ یا اس کو قبر میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، وہاں سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ [17] فَسَوّٰى: یعنی اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس کی تکمیل کی اور اس میں روح پھونکی۔

Marfat.com

ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿40﴾

قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟﴿40﴾ [1]

آیاتہا: 31 | سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَدَنِیَّۃٌ | رکوعاتہا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿1﴾

یقیناً (ہر) انسان پر زمانے سے ایک ایسا وقت گزر چکا ہے[2] جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا﴿1﴾

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا، ہم اسے آزمانا چاہتے ہیں،[3] چنانچہ ہم نے اس کو سننے،

بَصِيْرًا ﴿2﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿3﴾ اِنَّآ

دیکھنے والا بنا دیا﴿2﴾ [4] بے شک ہم نے اسے راستے کی ہدایت دی، خواہ شکر گزار بنے یا ناشکرا﴿3﴾ [5]

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿4﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ

بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے﴿4﴾ [6] بے شک نیک لوگ

يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿5﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا

ایسے جام سے پییں گے جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی﴿5﴾ [7] (وہ) ایک چشمہ ہے[8] جس سے اللہ کے

عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿6﴾ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ

بندے پییں گے اور (جدھر چاہیں گے) اس کی شاخیں نکال لے جائیں گے﴿6﴾ [9] وہ اپنی نذریں پوری

[1] یعنی جو اللہ انسان کو اس طرح مختلف اطوار سے گزار کر پیدا فرماتا ہے کیا مرنے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے، یعنی وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ اس سورت کے آخر میں اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى○ کے جواب میں سُبْحَانَكَ فَبَلٰى کہنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھیے صحیح سنن أبي داود للألباني: 38/4، حدیث: 884.) ❊ اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور اسے مدنی قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری دس آیات مکی ہیں، باقی سب مدنی۔ (فتح القدیر) نبی ﷺ جمعے کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 879) اس سورت کو سورۂ انسان بھی کہا جاتا ہے۔ [2] هَلْ بمعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ الْاِنْسَانِ سے مراد، بعض کے نزدیک ابوالبشر، یعنی انسان اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور حِيْنٌ (ایک وقت) سے مراد، روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے جو چالیس سال ہے۔ اور اکثر مفسرین کے نزدیک الْاِنْسَانِ کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور حِيْنٌ سے مراد حمل، یعنی رحم مادر کی مدت ہے۔ جس میں وہ قابل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم نیست میں تھا تو مجھے کون جانتا تھا؟ [3] ملے جلے کا مطلب، مرد اور عورت دونوں کے پانی کا ملنا اور پھر ان کا مختلف اطوار سے گزرنا ہے۔ پیدا کرنے کا مقصد، انسان کی آزمائش ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملك 2:67) ''تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اعمال میں اچھا ہے۔'' [4] یعنی اسے سماعت اور بصارت کی قوتیں عطا کیں تاکہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکے اور اس کے بعد اطاعت یا معصیت دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔ [5] یعنی مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ ہم نے خود بھی انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور داعیان حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان اور واضح کر دیا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکرا بن جائے، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا» (صحیح مسلم، حدیث: 223) ''ہر شخص صبح کو اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے، پس اسے ہلاک کر دیتا ہے یا اسے آزاد کرا لیتا ہے۔'' یعنی اپنے عمل و کسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کراتا ہے، اگر شر کمائے گا تو اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کمائے گا تو نفس کو آزاد کرا لے گا۔ [6] یہ اللہ کی دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔ [7] اشقیاء (بدبختوں) کے مقابلے میں یہ سُعداء (نیک بختوں) کا ذکر ہے، كَاْسٍ اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو اور چھلک رہا ہو۔ كَافُوْرًا ٹھنڈی اور ایک مخصوص خوشبو کی حامل ہوتی ہے، اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دوآتشہ اور اس کی خوشبو مشام جان کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔ [8] یعنی یہ کافور ملی شراب، دو چار صراحیوں یا مٹکوں میں نہیں ہوگی بلکہ اس کا چشمہ ہوگا، یعنی یہ ختم ہونے والی نہیں ہوگی۔ [9] یعنی اس کو جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے، اپنے محلات و منازل میں، اپنی مجلسوں اور بیٹھکوں میں اور باہر میدانوں اور تفریح گاہوں میں۔

Marfat.com

یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ﴿7﴾ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ
کرتے[1] اور اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس کی آفت (ہر طرف) پھیلی ہوگی (7)[2] اور وہ کھانا، اس کی
مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ﴿8﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ
محبت کے باوجود،[3] مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (8) (اور کہتے ہیں:) بس ہم تو تمھیں اللہ
لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿9﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا
کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے جزا اور شکر گزاری نہیں چاہتے (9) ہم اپنے رب سے چہرے بگاڑ
یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ﴿10﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ
دینے والے نہایت سخت دن کا خوف کھاتے ہیں (10)[4] پھر اللہ نے انھیں اس دن کے شر (عذاب) سے بچا
وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿11﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً
لیا[5] اور تازگی اور سرور سے نوازا (11)[6] اور ان کے صبر[7] کے عوض انھیں جنت اور ریشمی لباس کا بدلہ عطا
وَّحَرِیْرًا ﴿12﴾ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَی الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا
فرمایا (12) وہ جنت میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، وہاں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ
شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا ﴿13﴾ وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ
شدید سردی (13)[8] اور اس (جنت) کے سائے ان پر جھکے ہوں گے،[9] اور اس کے (پھلوں کے)
قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا ﴿14﴾ وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ
گچھے ان کے تابع فرمان بنا دیے جائیں گے (14)[10] اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے ساغر
كَانَتْ قَوَارِیْرَا۠ ﴿15﴾ قَوَارِیْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا
پھرائے جائیں گے (15)[11] شیشے بھی چاندی[12] (کی قسم) کے، (ساقی) انھیں ٹھیک اندازے سے
تَقْدِیْرًا ﴿16﴾ وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ﴿17﴾
بھریں گے (16)[13] اور وہاں انھیں ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کی ملاوٹ ہوگی (17)[14]

[1] یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت واطاعت کرتے ہیں، نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے اور پھر اسے پورا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو، چنانچہ حدیث میں ہے: ''جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے معصیت الٰہی کی نذر مانی ہے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے (اسے پورا نہ کرے)۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6696) [2] یعنی اس دن سے ڈرتے ہوئے محرمات اور معصیات کا ارتکاب نہیں کرتے۔ برائی پھیل جانے کا مطلب ہے کہ اس روز اللہ کی گرفت سے صرف وہی بچے گا جسے اللہ اپنے دامن عفوورحمت میں ڈھانپ لے گا۔ باقی سب اس روز کے شر کی لپیٹ میں ہوں گے۔ [3] یا طعام کی محبت کے باوجود، وہ اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قیدی اگر غیر مسلم ہو، تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، جیسے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان کی تکریم کرو، چنانچہ صحابہ پہلے ان کو کھانا کھلاتے، خود بعد میں کھاتے۔ (ابن کثیر) اسی طرح غلام اور نوکر چاکر بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی کہ ''نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 2698) [4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿قَمْطَرِیْرًا﴾ کے معنی طویل کے کیے ہیں، ﴿عَبُوْسًا﴾ سخت، یعنی وہ دن نہایت سخت ہوگا اور سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے کافروں پر بڑا لمبا ہوگا۔ (ابن کثیر) [5] جیسا کہ وہ اس کے شر سے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔ [6] تازگی چہروں پر ہوگی اور خوشی دلوں میں۔ جب انسان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بھی مسرت سے گلنار ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ''جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک اس طرح روشن ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4418، و صحيح مسلم، حديث: 2769) [7] صبر کا مطلب ہے دین کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں انھیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ کی اطاعت میں نفس کی خواہشات اور لذات کو قربان کرنا اور معصیتوں سے اجتناب کرنا۔ [8] ﴿زَمْهَرِیْرًا﴾ سخت جاڑے کو کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی موسم رہے گا اور وہ ہے موسم بہار، نہ سخت گرمی اور نہ کڑاکے کی سردی۔ [9] گو وہاں سورج کی حرارت نہیں ہوگی، اس کے باوجود درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے یا مطلب ہے کہ ان کی شاخیں ان کے قریب ہوں گی۔ [10] یعنی درختوں کے پھل، گوش برآواز فرماں بردار کی طرح، انسان کا جب کھانے کو جی چاہے گا تو وہ جھک کر اتنے قریب ہو جائیں گے کہ بیٹھے، لیٹے بھی انھیں توڑ لے۔ (ابن کثیر) [11] یعنی خادم انھیں لے کر جنتیوں کے درمیان پھریں گے۔ [12] یعنی یہ برتن اور آب خورے چاندی اور شیشے سے بنے ہوں گے۔ نہایت نفیس اور نازک، گویا یہ صنعت ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ [13] یعنی ان میں شراب ایسے اندازے سے ڈالی گئی ہوگی کہ جس سے وہ سیراب بھی ہو جائیں، تشنگی

Marfat.com

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿18﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
(یہ) جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کا نام دیا گیا ہے﴿18﴾[1] اور ان کی خدمت میں سدا نوخیز ہی
مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿19﴾
رہنے والے لڑکے پھرتے ہوں گے۔[2] جب تو انھیں دیکھے گا تو انھیں بکھرے ہوئے موتی سمجھے گا﴿19﴾[3]
وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿20﴾
اور جب تو وہاں (کسی بھی طرف) دیکھے گا[4] تو نعمتیں ہی نعمتیں اور بہت بڑی سلطنت دیکھے گا﴿20﴾
عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ
ان (کے تن) پر باریک، سبز اور دبیز ریشم کے کپڑے (لباس) ہوں گے،[5] اور انھیں چاندی کے
مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿21﴾ اِنَّ هٰذَا
کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انھیں شراب طہور پلائے گا﴿21﴾[6] (کہا جائے گا:)
ع 1 22 19 كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿22﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
بلاشبہ یہ تمھاری جزا ہے اور تمھاری سعی قابل قدر ہے﴿22﴾ یقیناً ہم ہی نے آپ پر
عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿23﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ
یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے﴿23﴾[7] چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کیجیے[8] اور ان میں
اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿24﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿25﴾ وَمِنَ
سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے﴿24﴾[9] اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے﴿25﴾[10] اور
الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿26﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ
کچھ (حصہ) رات میں اس کے لیے سجدے کیجیے اور رات گئے تک اس کی تسبیح کیجیے﴿26﴾[11] بے شک یہ
الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿27﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ
لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں[12] اور بھاری دن (قیامت) کو پس پشت ڈالتے ہیں﴿27﴾[13] ہم ہی نے انھیں

محسوس نہ کریں۔ اور برتنوں اور جاموں میں بھی زائد نہ بچی رہے۔ مہمان نوازی کے اس طریقے میں بھی مہمانوں کی عزت افزائی ہی کا اہتمام ہے۔ [14] زَنْجَبِيْلًا (سونٹھ، خشک ادرک) کو کہتے ہیں۔ یہ گرم ہوتی ہے۔ اس کی آمیزش سے ایک خوشگوار تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عربوں کی یہ مرغوب چیز ہے، چنانچہ ان کے قہوہ میں بھی زنجبیل شامل ہوتی ہے۔ مطلب ہے کہ جنت میں ایک وہ شراب ہوگی جو ٹھنڈی ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری شراب گرم جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔

[1] یعنی اس شراب زنجبیل کی بھی نہر ہوگی جسے سَلْسَبِيْلًا کہا جاتا ہے۔ [2] شراب کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ساقیوں کا وصف بیان کیا جا رہا ہے "ہمیشہ رہیں گے" کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنتیوں کی طرح ان خادموں کو بھی موت نہیں آئے گی۔ دوسرا یہ کہ ان کا بچپن اور ان کی رعنائی ہمیشہ برقرار رہے گی۔ وہ نہ بوڑھے ہوں گے نہ ان کا حسن و جمال متغیر ہوگا۔ [3] حسن و صفائی اور تازگی و شادابی میں وہ موتیوں کی طرح ہوں گے، بکھرے ہوئے کا مطلب، خدمت کے لیے ہر طرف پھیلے ہوئے اور نہایت تیزی سے مصروف خدمت ہوں گے۔ [4] ثَمَّ ظرف مکان ہے وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ، أَيْ هُنَاكَ یعنی وہاں جنت میں جہاں کہیں بھی دیکھو گے۔ [5] سُنْدُسٍ باریک ریشمی لباس اور اِسْتَبْرَقٌ موٹا ریشم۔ [6] جیسے ایک زمانے میں بادشاہ، سردار اور ممتاز قسم کے لوگ پہنا کرتے تھے۔ [7] یعنی ایک ہی مرتبہ نازل کرنے کی بجائے حسب ضرورت و اقتضا مختلف اوقات میں نازل کیا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے، یہ تیرا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے جیسا کہ مشرکین دعویٰ کرتے ہیں۔

[8] یعنی اس کے فیصلے کا انتظار کر۔ وہ تیری مدد میں کچھ تاخیر کر رہا ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے، اس لیے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ [9] یعنی اگر یہ تجھے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روکیں تو ان کا کہنا نہ مان بلکہ تبلیغ و دعوت کا کام جاری رکھ اور اللہ پر بھروسا رکھ، وہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا۔ فاجر، جو افعال میں اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو یا کفر میں حد سے بڑھ جانے والا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اس کام سے باز آ جا، ہم تجھے تیرے کہنے کے مطابق دولت مہیا کر دیتے ہیں اور عرب کی جس عورت سے تو شادی کرنا چاہے، ہم تیری شادی کرا دیتے ہیں۔ (فتح القدیر) [10] صبح و شام سے مراد ہے: تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کر۔ یا صبح سے مراد فجر کی نماز اور شام سے عصر کی نماز ہے۔ [11] رات کو سجدہ کر، سے بعض نے مغرب و عشاء کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور تسبیح کا مطلب، جو باتیں اللہ کے لائق نہیں ہیں، ان سے اس کی پاکیزگی بیان کر۔ بعض کے نزدیک اس سے رات کی نفلی نماز، یعنی تہجد ہے امر ندب و استحباب کے لیے ہے۔ [12] یعنی یہ کفار مکہ اور ان جیسے دوسرے لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور ساری توجہ اسی پر ہے۔ [13] یعنی قیامت کو، اس کی شدتوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے اسے بھاری دن کہا اور چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کے لیے تیاری نہیں کرتے اور اس کی پروا نہیں کرتے۔

Marfat.com

وَشَدَدْنَاۤ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا (28)

تخلیق کیا اور ان کے جوڑ مضبوط کیے[1] اور جب ہم چاہیں بدل کر ان جیسے (اور لوگ) لے آئیں (28)[2]

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا (29)

بے شک یہ ایک نصیحت ہے، پھر جو چاہے اپنے رب کی طرف (پہنچانے والی) راہ اختیار کر لے (29)[3]

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (30)

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔[4] بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے (30)[5]

یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ

وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک

عَذَابًا اَلِیْمًا (31) ع

عذاب تیار کیا ہے (31)[6]

ع 2 9 20

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّیَّةٌ ✽ | اٰیَاتُهَا: 50 | رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا (1) فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا (2) وَّالنّٰشِرٰتِ

لگاتار بھیجی گئی ہواؤں کی قسم! (1)[7] پھر تند و تیز چلتی طوفانی ہواؤں کی (2)[8] اور (مینہ برسانے، بادل)

نَشْرًا (3) فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا (4) فَالْمُلْقِیٰتِ

پھیلانے والی ہواؤں کی قسم (3)[9] پھر انھیں پھاڑ کر جدا جدا کرنے والی ہواؤں کی (4)[10] پھر ذکر اتارنے

ذِكْرًا (5) عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (6) اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

والے فرشتوں کی (قسم) (5)[11] عذر (ختم کرنے) یا ڈر سنانے کو (6)[12] یقیناً تم سے جس (قیامت) کا

[1] یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا یا ان کے جوڑوں کو، رگوں اور پٹھوں کے ذریعے سے، ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے۔ [2] یعنی ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں یا اس سے مطلب قیامت کے دن دوبارہ پیدائش ہے۔ [3] یعنی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرے۔ [4] یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت کی راہ پر لگا لے، اپنے لیے کسی نفع کو جاری کر لے، ہاں اگر اللہ چاہے تو ایسا ممکن ہے، اس کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے، البتہ صحیح قصد و نیت پر وہ اجر ضرور عطا فرماتا ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى» (صحیح البخاري، حدیث: 1) ''اعمال کا دارومدار، نیتوں پر ہے، ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے۔'' [5] چونکہ وہ علیم و حکیم ہے، اس لیے اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، بنابریں ہدایت اور گمراہی کے فیصلے بھی یوں ہی الل ٹپ نہیں ہو جاتے بلکہ جس کو ہدایت دی جاتی ہے وہ واقعی اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس کے حصے میں گمراہی آتی ہے، وہ حقیقتاً اسی لائق ہوتا ہے۔ [6] ﴿وَالظّٰلِمِیْنَ﴾ اس لیے منصوب ہے کہ اس سے پہلے یُعَذِّبُ محذوف ہے۔ ✽ یہ سورت مکی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ مرسلات کا نزول ہوا، آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے آپ سے حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ آ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے مار دو۔'' لیکن وہ تیزی سے غائب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس کے شر سے اور وہ تمھارے شر سے بچ گیا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4930، وصحیح مسلم حدیث: 2234) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ مغرب کی نماز میں بھی یہ سورت پڑھی ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 763، و صحیح مسلم، حدیث: 462) [7] اس مفہوم کے اعتبار سے ﴿عُرْفًا﴾ کے معنی پے درپے ہوں گے۔ بعض نے ﴿اَلْمُرْسَلٰتِ﴾ سے فرشتے یا انبیاء مراد لیے ہیں۔ اس صورت میں ﴿عُرْفًا﴾ کے معنی وحیٔ الٰہی یا احکام شریعت ہوں گے۔ یہ مفعول لہ ہوگا لِأَجْلِ الْعُرْفِ یا منصوب بِنَزْعِ الْخَافِضِ ہے، یعنی بِالْعُرْفِ۔ [8] یا فرشتے مراد ہیں جو بعض دفعہ ہواؤں کے عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔ [9] یا ان فرشتوں کی قسم جو بادلوں کو منتشر کرتے ہیں یا فضائے آسمانی میں اپنے پر پھیلاتے ہیں، تاہم امام ابن کثیر اور امام طبری نے ان تینوں سے ہوائیں مراد لینے کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ [10] یعنی ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لے کر اترتے ہیں۔ یا مراد آیات قرآنیہ ہیں جن سے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یا رسول مراد ہیں جو وحیٔ الٰہی کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔ [11] جو اللہ کا کلام پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں یا رسول مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ [12] دونوں مفعول لہ ہیں لِأَجْلِ الْإِعْذَارِ أَوِ الْإِنْذَارِ، یعنی فرشتے وحی لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی اللہ کا پیغام ہی لے کر نہیں آیا یا مقصد ڈرانا ہے، ان کو جو انکار یا کفر کرنے والے ہوں گے۔ یا معنی ہیں: مومنوں کے لیے خوشخبری اور کافروں کے لیے ڈراوا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

لَوَاقِعٌ (7) فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (8)

وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی(7)[1] پھر جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے(8)[2]

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (9) وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (10) وَاِذَا

اور جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا(9) اور جب پہاڑوں کی دھجیاں اڑا دی جائیں گے(10)[3] اور جب

الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (11) لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ (12)

رسولوں کو مقرر وقت پر لایا جائے گا(11)[4] (کہا جائے گا:) کس دن کے لیے انھیں مؤخر کیا گیا؟(12)[5]

لِیَوْمِ الْفَصْلِ (13) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ (14) وَیْلٌ

فیصلے کے دن کے لیے(13)[6] اور آپ کیا سمجھے فیصلے کا دن کیا ہے؟(14) اس دن تکذیب کرنے

یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ (15) اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ (16) ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

والوں کے لیے بربادی ہے(15)[7] کیا ہم پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے؟(16) پھر ہم پچھلوں کو ان

الْاٰخِرِیْنَ (17) كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ (18) وَیْلٌ

کے پیچھے لگائیں گے(17)[8] ہم مجرموں سے یہی کچھ کرتے ہیں(18)[9] اس دن تکذیب کرنے والوں

یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ (19) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (20)

کے لیے تباہی ہے(19) کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی (منی) سے تخلیق نہیں کیا؟(20) پھر ہم نے اسے

فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ (21) اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (22) فَقَدَرْنَا

ایک محفوظ جگہ رکھا(21)[10] ایک مقررہ اندازے (مدت) تک(22)[11] پھر ہم نے اندازہ لگایا[12] تو کیا خوب

فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ (23) وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ (24)

اندازہ لگانے والے ہیں(23) اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے(24) کیا ہم نے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا (25) اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا (26) وَّجَعَلْنَا فِیْهَا

نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی(25) زندوں کو اور مردوں کو؟(26)[13] اور ہم نے اس میں مضبوط (جمے

رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا (27) وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ

ہوئے) اونچے پہاڑ بنائے[14] اور تمھیں میٹھا پانی پلایا(27) اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ (28) اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (29)

تباہی ہے(28) (کہا جائے گا:) چلو اس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے(29)[15] چلو تین

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ (30) لَّا ظَلِیْلٍ

شاخوں والے سائے (دھوئیں) کی طرف(30)[16] نہ ٹھنڈک پہنچانے والا اور نہ شعلوں سے بچاؤ

مُرْسَلَاتٌ، عَاصِفَاتٌ اور نَاشِرَاتٌ سے مراد ہوائیں اور فَارِقَاتٌ وَ مُلْقِیَاتٌ سے فرشتے ہیں۔ یہی بات راجح ہے۔

1 قسموں سے مراد مقسم علیہ کی اہمیت سامعین پر واضح کرنا اور اس کی صداقت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مقسم علیہ (یا جواب قسم) یہ ہے کہ تم سے قیامت کا جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، یعنی اس میں شک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اگلی آیات میں اسے واضح کیا جا رہا ہے۔ 2 طَمْسٌ کے معنی مٹ جانے اور بے نشان ہونے کے ہیں، یعنی جب ستاروں کی روشنی ختم بلکہ ان کا نشان تک مٹ جائے گا۔ 3 یعنی انھیں زمین سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ 4 یعنی فصل و قضا کے لیے، ان کے بیانات سن کران کی قوموں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ 5 یہ استفہام تعظیم اور تعجب کے لیے ہے، یعنی کیسے عظیم دن کے لیے جس کی شدت اور ہولناکی لوگوں کے لیے سخت تعجب انگیز ہوگی، ان پیغمبروں کو جمع ہونے کا وقت دیا گیا ہے۔ 6 یعنی جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، کوئی جنت میں اور کوئی دوزخ میں جائے گا۔ 7 یعنی ہلاکت ہے، بعض کہتے ہیں: وَیْلٌ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہ آیت اس سورت میں بار بار دہرائی گئی ہے، اس لیے کہ ہر مکذب کا جرم ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہوگا اور اسی حساب سے عذاب کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی، بنابریں اسی ویل کی مختلف قسمیں ہیں جسے مختلف مکذبین کے لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر) 8 یعنی کفار مکہ اور ان کے ہم مشرب جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی۔ 9 یعنی سزا دیتے ہیں دنیا میں یا آخرت میں۔ 10 یعنی رحم مادر میں۔ 11 یعنی مدت حمل تک، چھ یا نو مہینے۔ 12 یعنی رحم مادر میں جسمانی ساخت و ترکیب کا صحیح اندازہ کیا کہ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں اور دونوں کانوں کے درمیان اور دیگر اعضاء کا ایک دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔

13 یعنی زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی (جمع کر لیتی) ہے۔ 14 رَوَاسِیَ رَاسِیَةٌ کی جمع ہے۔ ثَوَابِتُ، جمے ہوئے پہاڑ، شٰمِخٰتٍ بلند۔ 15 یہ فرشتے جہنمیوں کو کہیں گے۔ 16 جہنم سے جو دھواں آئے گا، وہ بلند ہو کر تین جہتوں میں پھیل جائے گا، یعنی جس طرح دیوار یا درخت کا سایہ ہوتا ہے جس میں آدمی راحت اور عافیت محسوس کرتا ہے، یہ دھواں حقیقت میں اس طرح کا سایہ نہیں ہوگا جس میں جہنمی کچھ سکون حاصل کر لیں۔

Marfat.com

وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿31﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿32﴾
کرے ﴿31﴾ [1]بے شک جہنم (آگ کے اتنے بڑے) شرارے پھینکے گا جیسے محل ﴿32﴾ [2]
كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿33﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿34﴾
گویا وہ زرد اونٹ ہوں ﴿33﴾ [3]اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿34﴾
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿35﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿36﴾
یہ (وہ) دن ہے کہ (لوگ) بول نہیں سکیں گے ﴿35﴾ [4]اور نہ انھیں اذن ملے گا کہ وہ معذرت کر سکیں ﴿36﴾ [5]
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿37﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ
اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی ہے ﴿37﴾ یہ فیصلے کا دن ہے، ہم تمھیں اور پہلوں کو
جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ
جمع کریں گے ﴿38﴾ [6] پھر اگر تمھارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف
فَكِيْدُوْنِ ﴿39﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿40﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ
ع 1 40 21
چلو ﴿39﴾ [7]اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے ﴿40﴾ بے شک متقی لوگ چھاؤں میں [8]اور بہتے
فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿41﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿42﴾ كُلُوْا
چشموں میں ہوں گے ﴿41﴾ اور (لذیذ) میووں میں جس قسم کے وہ چاہیں گے ﴿42﴾ [9](کہا جائے
وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
گا:) مزے سے کھاؤ اور پیو، اس کے بدلے جو تم عمل کرتے رہے ﴿43﴾ [10]بے شک ہم نیکوں کو اسی
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿44﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿45﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا
طرح بدلہ دیتے ہیں ﴿44﴾ [11]اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿45﴾ [12](اے جھٹلانے والو!)
قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿46﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
تم (دنیا میں) تھوڑا سا کھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ، بے شک تم مجرم ہو ﴿46﴾ [13]اس دن جھٹلانے والوں کے
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿48﴾
لیے بربادی ہے ﴿47﴾ اور جب ان سے کہا جائے (اللہ کے آگے) رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے ﴿48﴾ [14]
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ
اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿49﴾ [15]پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات
بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿50﴾
ع 2 10 22
پر ایمان لائیں گے؟ ﴿50﴾ [16]

[1] یعنی جہنم کی حرارت سے بچنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔ [2] اس کا ایک اور ترجمہ ہے: جو لکڑی کے بوٹے، یعنی بھاری ٹکڑے کے مثل ہیں۔ (بوٹے بمعنی شہتیر کے ٹکڑے، جسے گیلی بھی کہتے ہیں۔) [3] اس کا دوسرا ترجمہ ہے: وہ سیاہ اونٹ ہیں۔ صُفْرٌ، اَصْفَرُ (زرد) کی جمع ہے لیکن عرب میں اس کا استعمال اَسْوَدُ سیاہ کے معنی میں بھی ہے۔ اس معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس کی ایک ایک چنگاری اتنی اتنی بڑی ہوگی جیسے محل یا قلعہ، پھر ہر چنگاری کے مزید اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں۔ [4] محشر میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی، ایک وقت وہ ہوگا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے، پھر جس وقت ان کو جہنم میں لے جایا جا رہا ہوگا، اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر گنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں: بولیں گے تو سہی لیکن ان کے پاس حجت کوئی نہیں ہوگی۔ گویا ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی، جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی، وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔ [5] مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہوگا جسے وہ پیش کر کے چھٹکارا پا سکیں۔ [6] یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمھیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کر لیا ہے۔ [7] یہ سخت وعید اور تہدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو بچ اور نکل کے دکھاؤ لیکن وہاں کس میں یہ طاقت ہوگی۔ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے، جیسے یہ آیت ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا﴾ (الرحمٰن 55:33) ”اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو۔“ [8] یعنی درختوں اور محلات کے سائے، آگ کے دھوئیں کا سایہ نہیں ہوگا، جیسے مشرکین کے لیے ہوگا۔ [9] ہر قسم کے پھل، جب بھی خواہش کریں گے، آ موجود ہوں گے۔ [10] یہ بطور احسان انھیں کہا جائے گا۔ بِمَا كُنْتُمْ میں با سبب کے لیے ہے، یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے تمھیں ملی ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ، جس کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہوگا، اعمال صالحہ ہیں۔ جو لوگ عمل صالح کے بغیر ہی اللہ کی رحمت ومغفرت کے امیدوار بن جاتے ہیں،

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ

وہ باہم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟①[1] اس عظیم خبر کے بارے میں② جس میں وہ

مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

اختلاف کرتے ہیں③[2] ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے④ پھر ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے⑤[3]

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰكُمْ

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟⑥[4] اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟) ⑦[5] اور ہم نے

اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ

تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا⑧[6] اور ہم نے تمھاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا⑨[7] اور ہم نے رات کو

ان کی مثال ایسے ہی ہے، جیسے کوئی زمین میں ہل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصل کا امیدوار بن جائے یا تخم حنظل بو کر خوش ذائقہ پھلوں کی امید رکھے۔ 11 اس میں بھی اسی امر کی ترغیب وتلقین ہے کہ اگر آخرت میں حسن انجام کے طالب ہو تو دنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اپناؤ۔ 12 کہ اہل تقویٰ کے حصے میں تو جنت کی نعمتیں آئیں اور ان کے حصے میں بڑی بدبختی۔ 13 یہ مکذبین قیامت کو خطاب ہے اور یہ امر تہدید و وعید کے لیے ہے، یعنی اچھا چند روز خوب عیش کر لو، تم جیسے مجرمین کے لیے شکنجۂ عذاب تیار ہے۔ 14 یعنی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے تو نماز نہیں پڑھتے۔ 15 یعنی ان کے لیے جو اللہ کے اوامر و نواہی کو نہیں مانتے۔ 16 یعنی جب اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس کے بعد اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ یہاں بھی حدیث کا اطلاق قرآن پر ہوا ہے جیسا کہ اور بھی بعض مقامات پر کیا گیا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو سورۂ تین کی آخری آیت: اَلَيْسَ اللّٰهُ ...... الآية پڑھے تو وہ جواب میں کہے: [بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ] اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ کے جواب میں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 887، وضعيف أبي داود، للألباني: 343/1) بعض علماء کے نزدیک سامع کو بھی جواب دینا چاہیے۔ لیکن جب یہ روایات ہی ضعیف ہیں تو پھر کسی کو بھی جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، قاری ہو یا سامع، البتہ پڑھنے والا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ کے بعد جواباً سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہے کیونکہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھیے صحيح سنن أبي داود للألباني: 38/4.)

1 جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید، قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ نے پہلے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جو ان کی ہے، پھر خود ہی جواب دیا کہ...... 2 یعنی جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے متعلق استفسار ہے۔ اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے، کافر اس کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، کوئی اسے جادو، کوئی کہانت، کوئی شعر اور کوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا اور دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ کوئی بالکل انکار کرتا تھا، کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافر دونوں ہی تھے، مومنین کا سوال تو اضافۂ یقین اور ازدیاد بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا استہزا اور تمسخر کے طور پر۔ 3 یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی کاریگری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انھیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا، اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔ 4 یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سارے کام کاج کرتے ہو۔ زمین کو ڈولتا ہوا نہیں رہنے دیا۔ 5 اَوْتَادًا وَتَدٌ کی جمع ہے میخیں، یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے کیونکہ حرکت واضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔ 6 یعنی مذکر اور مؤنث۔ نر اور مادہ۔ یا ازواج بمعنی اصناف والوان ہے، یعنی مختلف شکلوں اور رنگوں میں پیدا کیا، خوب صورت، بدصورت، دراز قد، کوتاہ قد، سفید اور سیاہ وغیرہ۔ 7 سُبَاتًا کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان وحیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سو لیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمھارے اعمال کاٹ دیتی ہے، یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔

Marfat.com

لِبَاسًا ﴿10﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿11﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ
تمھارے لیے لباس بنایا ﴿10﴾ [1] اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا ﴿11﴾ [2] اور ہم نے تمھارے
سَبْعًا شِدَادًا ﴿12﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿13﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ
اوپر سات مضبوط آسمان بنائے ﴿12﴾ [3] اور ہم نے ایک روشن چراغ (سورج) بنایا ﴿13﴾ [4] اور ہم نے بھرے
الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿14﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿15﴾
بادلوں سے خوب برسنے والا پانی نازل کیا ﴿14﴾ [5] تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اناج اور سبزہ نکالیں ﴿15﴾ [6] اور
وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿16﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿17﴾
گھنے باغات (اگائیں) ﴿16﴾ [7] بے شک فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے ﴿17﴾ [8] جس دن صور پھونکا
يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿18﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ
جائے گا تو تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے ﴿18﴾ [9] اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی
فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿19﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿20﴾
دروازے ہو جائیں گے ﴿19﴾ [10] اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب (ریت) کی طرح ہو جائیں گے ﴿20﴾ [11]
اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿21﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿22﴾ لّٰبِثِيْنَ
بے شک دوزخ تاک میں ہے ﴿21﴾ [12] سرکشوں کا ٹھکانا ہے ﴿22﴾ وہ اس میں
فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿23﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿24﴾
مدتوں پڑے رہیں گے ﴿23﴾ [13] وہ اس میں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ کسی مشروب کا ﴿24﴾
اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿25﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿26﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا
(ہاں) مگر کھولتا پانی اور بہتی پیپ ﴿25﴾ [14] (یہ ہے) بدلہ پورا ﴿26﴾ [15] انھیں تو حساب کی

[1] یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے، جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپا لیتا ہے۔ [2] مطلب ہے کہ دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ [3] ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔ [4] اس سے مراد سورج ہے اور جَعَلْنَا بمعنی خَلَقَ (پیدا کیا) ہے۔ [5] الْمُعْصِرٰتِ وہ بدلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی برسی نہ ہوں، جیسے: اَلْمَرْاَةُ الْمُعْتَصِرَةُ. اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو، ثَجَّاجًا کثرت سے بہنے والا پانی۔ [6] حَبًّا (دانا) وہ اناج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، جیسے گندم، چاول، جَو اور مکئی وغیرہ اور نَبَاتًا سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔ [7] اَلْفَافًا شاخوں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت، یعنی گھنے باغ۔ [8] یعنی اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع ہونے کا مقصد ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔ [9] بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ میدان حشر میں آئے گی۔ یہ دوسرا نفخہ ہوگا جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اٹھ کر نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے انسان کھیتی کی طرح اگ آئے گا۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے دم کی ہڈی (کے آخری سرے کے) اسی سے قیامت والے دن ہر انسان کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4814) [10] یعنی فرشتوں کے نزول کے لیے راستے بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔ [11] سَرَابًا وہ چمکتی ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے۔ اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے، ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ① فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ○ (الحاقة 69:14) ''انھیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔'' ② كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ (القارعة 101:5) ''وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔'' ③ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا○ (الواقعة 56:6) ''وہ گرد و غبار ہو جائیں گے۔'' ④ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا○ (طه 20:105) ''میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا۔'' اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے، یعنی لَا شَيْءَ جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ (فتح القدير) [12] گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جہنم کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جہنم اللہ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھا ہے۔ [13] اَحْقَابًا حُقُبٌ کی جمع ہے، بمعنی زمانہ۔ مراد ابد اور ہمیشگی ہے۔ ابد الآباد تک وہ جہنم میں ہی رہیں گے۔ یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔ [14] وہ جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔ [15] یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ اس سزا کی علت اگلی آیت میں بیان کی گئی ہے۔

Marfat.com

لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿27﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿28﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ
امید ہی نہ تھی (27) [1] انھوں نے ہماری آیات کو بے دریغ جھٹلایا (28) اور ہم نے ہر چیز کو ایک

اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿29﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا
کتاب میں گن رکھا ہے (29) [2] لہٰذا اب تم (اپنے کیے کا مزہ) چکھو، ہم تمھارا عذاب بڑھاتے

عَذَابًا ﴿30﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿31﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿32﴾
ہی رہیں گے (30) [3] بے شک متقی لوگوں کے لیے کامیابی ہے (31) [4] باغات اور انگور ہیں (32) [5]

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿33﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿34﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
اور نوجوان ہم عمر عورتیں (ہیں) (33) [6] اور چھلکتے ہوئے جام ہیں (34) [7] وہ جنت میں نہ تو بے ہودہ

فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿35﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً
باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ (35) [8] انھیں آپ کے رب کی طرف سے (نیک اعمال کا یہ) بدلہ ملے

حِسَابًا ﴿36﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ
گا جو ان کے لیے کافی انعام ہوگا (36) [9] جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام اشیا کا رب

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿37﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ
ہے، نہایت مہربان ہے، وہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہیں رکھیں گے (37) [10] جس دن جبریل اور

وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
(سب) فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے ہوں گے، [11] اس سے صرف وہی کلام کر سکے گا جسے رحمٰن

وَقَالَ صَوَابًا ﴿38﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى
اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا (38) [12] یہ دن برحق ہے، [13] چنانچہ جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا

رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿39﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ
بنا لے (39) [14] بے شک ہم نے تمھیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے، [15] اس دن انسان وہ (سب

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿40﴾
کچھ) دیکھے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا [16] اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا (40) [17]

[1] یہ پہلے جملے کی تعلیل ہے، یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدۂ بعث بعد الموت کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی وہ امید رکھتے۔ [2] یعنی لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○ (یٰسٓ 12:36) ''ہم نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں ضبط کر دیا ہے۔'' [3] عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائمی ہے۔ جب ان کے چمڑے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیے جائیں گے۔ (النسآء 56:4) جب آگ بجھنے لگے گی تو پھر بھڑکا دی جائے گی۔ (بنی اسرائیل 97:17) [4] اہل شقاوت کے تذکرے کے بعد، اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انھیں تقویٰ کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقویٰ، ایمان و اطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ. [5] یہ مَفَازًا سے بدل ہے۔ [6] كَوَاعِبَ كَاعِبَةٌ کی جمع ہے، یہ كَعْبٌ (ٹخنہ) سے ہے، جس طرح ٹخنہ ابھرا ہوا ہوتا ہے، ان کی چھاتیوں میں بھی ایسا ہی ابھار ہوگا جو ان کے حسن و جمال کا ایک مظہر ہے۔ اَتْرَابًا ہم عمر۔ (خاوندوں کی ہم عمر یا آپس میں ہم عمر) [7] دِهَاقًا بھرے ہوئے یا لگاتار ایک کے بعد ایک یا صاف شفاف۔ كَاْسًا ایسے جام کو کہتے ہیں جو لبالب بھرا ہوا ہو۔ [8] یعنی کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہوگی، نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔ [9] عَطَآءً کے ساتھ حِسَابًا مبالغے کے لیے آیا ہے، یعنی اللہ کی داد و دہش کی وہاں فراوانی ہوگی۔ [10] یعنی اس کی عظمت، ہیبت اور جلالت اتنی ہوگی کہ ابتداءً اس سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی، اسی لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔ [11] یہاں اَلرُّوْحُ کے جبرائیل علیہ السلام سمیت کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ امام ابن کثیر نے بنو آدم (انسان) کو اشبہ (قرین قیاس) قرار دیا ہے۔ [12] یہ اجازت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائے گا اور وہ جو بات کریں گے حق و صواب ہی ہوگی یا یہ مفہوم ہے کہ اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کہی ہو، یعنی کلمۂ توحید کا اقراری رہا ہو۔ [13] یعنی لامحالہ آنے والا ہے۔ [14] یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا ٹھکانا مل جائے۔ [15] یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے کیونکہ بہرصورت اس نے آ کر ہی رہنا ہے۔ [16] یعنی اچھا یا برا جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت والے دن وہ اس کے سامنے آ جائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ﴿1﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ﴿2﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ

قسم ہے ڈوب کر روح نکالنے والے (فرشتوں) کی ① [1] اور آسانی سے روح نکالنے والوں کی ② [2] اور تیزی

سَبۡحًا ﴿3﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ﴿4﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ﴿5﴾

سے تیرنے والوں کی ③ [3] پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی ④ [4] پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی ⑤ [5]

يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿6﴾ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿7﴾

جس دن کانپنے والی (زمین) کانپے گی ⑥ [6] اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی (قیامت) ⑦ [7]

قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿8﴾ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿9﴾ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا

اس دن کئی دل دھڑکتے ہوں گے ⑧ [8] ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ⑨ [9] وہ (کافر) کہتے ہیں: کیا

لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ﴿10﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿11﴾

ہم یقیناً پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے؟ ⑩ [10] کیا جب ہم گلی سڑی ہڈیاں ہو جائیں

قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿12﴾ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ

گے؟ ⑪ [11] کہتے ہیں کہ اس وقت لوٹنا تو خسارے والا ہے ⑫ [12] چنانچہ وہ (قیامت) تو صرف ایک

وَّاحِدَةٌ ﴿13﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ﴿14﴾ هَلۡ اَتٰىكَ

(خوفناک) ڈانٹ ہوگی ⑬ تب لوگ ایک دم کھلے میدان میں (جمع) ہوں گے ⑭ [13] کیا آپ

وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا (الکھف 49:18) ''جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، وہ سامنے پائیں گے۔'' يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (القيمة 13:75) ''انسان کو اس دن اگلے پچھلے اعمال کی خبر دی جائے گی۔'' [17] یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو اس کا بھی بدلہ دلائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث:2582، و مسند أحمد:235/2) اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ، چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسیر ابن كثير، تفسير سورة الأنعام 71:6، وسورة النبا 40:78، و السلسلة الصحيحة للألباني:606/4)

[1] نزع کے معنی، سختی سے کھینچنا، غَرۡقًا ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان، نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔ [2] نَشۡطًا کے معنی: گرہ کھول دینا، یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔ [3] سَبۡحًا کے معنی: تیرنا، فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر آسمان سے اترتے ہیں کیونکہ تیز رو گھوڑے کو بھی سابح کہتے ہیں۔ [4] یہ فرشتے اللہ کی وحی انبیاء تک دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔ [5] یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مُدَبِّر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انھیں بھی مُدَبِّر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے، یعنی لَتُبۡعَثُنَّ ''تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے۔'' قرآن نے اس بعث و جزا کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے، جیسے مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہوگی۔ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔ [6] یہ نفخۂ اولیٰ ہے جسے نفخۂ فنا کہتے ہیں جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ [7] یہ دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفخہ پہلے نفخے سے چالیس سال بعد ہو گا۔ اسے الرَّادِفَةُ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفخے کے بعد ہی ہوگا، یعنی نفخۂ ثانیہ نفخۂ اولیٰ کا ردیف ہے۔ [8] قیامت کے اہوال اور شدائد سے۔ [9] یعنی اَبۡصَارُ اَصۡحَابِهَا ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔ [10] الۡحَافِرَةِ پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے۔ [11] یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جبکہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ [12] یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔ [13] ساھِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح، یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو ساھِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام

Marfat.com

حَدِيْثُ مُوْسٰى (15) اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
کے پاس موسیٰ کی بات آئی ہے؟ (15) جب اس کے رب نے مقدس وادی طویٰ میں اسے پکارا
طُوًى (16) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (17) فَقُلْ
تھا (16) [1] (کہ) فرعون کی طرف جاؤ، بے شک اس نے سرکشی کی ہے (17) [2] پھر (اسے) کہو: کیا تجھے
هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى (18) وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ
اس بات کی کوئی رغبت ہے کہ تو پاک ہو جائے؟ (18) [3] اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی
فَتَخْشٰى (19) فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (20) فَكَذَّبَ
کروں کہ تو ڈر جائے (19) [4] چنانچہ اس (موسیٰ) نے اسے بڑی نشانی دکھائی (20) [5] تو اس نے (اسے) جھٹلایا
وَعَصٰى (21) ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى (22) فَحَشَرَ فَنَادٰى (23)
اور نافرمانی کی (21) [6] پھر وہ پلٹا (فساد کی) کوشش کرتا ہوا (22) [7] پھر سب کو جمع کر کے اعلان کیا (23) [8] تو
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (24) فَاَخَذَهُ اللّٰهُ
کہا: میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں (24) تب اللہ نے اسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب
نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى (25) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (26) ع
میں (25) [9] بے شک اس میں اس کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے (26) [10] کیا تمھاری (دوبارہ) پیدائش
ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا (27) رَفَعَ سَمْكَهَا
زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ [11] جسے اسی نے بنایا ہے (27) اس نے آسمان کی چھت بلند کی پھر اسے
فَسَوّٰىهَا (28) وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا (29) وَالْاَرْضَ بَعْدَ
ٹھیک ٹھاک کیا (28) [12] اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا (29) [13] اور اس کے بعد
ذٰلِكَ دَحٰىهَا (30) اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا (31) وَالْجِبَالَ
زمین کو بچھایا (30) [14] اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا (31) اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ

جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سَاهِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) بہرحال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفخے سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

[1] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں گزری۔ طُوًى اسی جگہ کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا اور نبوت و رسالت سے نوازا، یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں رسالت عطا فرما دی۔ [2] یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ [3] یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔ [4] یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے، اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔ [5] یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کیے جو اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، مثلاً: ید بیضا اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔ [6] لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور تکذیب و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔ [7] یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جا سکے۔ [8] اپنی قوم کو یا قتال و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو یا جادوگروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔ [9] یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمردین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو اسے وہاں ملے گا۔ [10] اس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انھوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔ [11] یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمھارا دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمھیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟ [12] بعض نے سَمْكٌ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، کجی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔ [13] اَغْطَشَ بمعنی أَظْلَمَ ''تاریک کردیا''۔ اَخْرَجَ بمعنی أَبْرَزَ ''ظاہر کیا'' ہے۔ اور نَهَارَهَا کی جگہ ضُحٰهَا اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت بہت اچھا ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔ [14] یہ حٰمٓ السجدۃ 41:9 میں گزر چکا ہے کہ خَلْق (پیدا کرنا) اور چیز ہے اور دَحْی (ہموار کرنا) اور چیز

Marfat.com

اَرْسٰىهَا ﴿32﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿33﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ

دیا﴿32﴾ (یہ سب) تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں﴿33﴾ پھر جب بڑی آفت

الْكُبْرٰى ﴿34﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿35﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ

(قیامت) آجائے گی﴿34﴾ اس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی﴿35﴾ اور دوزخ ہر

لِمَنْ يَّرٰى ﴿36﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿37﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ

دیکھنے والے شخص کے سامنے (ظاہر) کر دی جائے گی﴿36﴾ [1] لیکن پھر جس نے سرکشی کی﴿37﴾ [2] اور دنیا

الدُّنْيَا ﴿38﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿39﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ

کی زندگی کو ترجیح دی﴿38﴾ [3] تو بے شک دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہے﴿39﴾ [4] لیکن جو شخص اپنے رب

مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿40﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

کے سامنے کھڑا ہونے [5] سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا﴿40﴾ [6] تو بے شک جنت ہی (اس

هِيَ الْمَاْوٰى ﴿41﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ

کا) ٹھکانا ہے﴿41﴾ [7] (اے نبی!) کافر آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب واقع

مُرْسٰىهَا ﴿42﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿43﴾ اِلٰى رَبِّكَ

ہوگی؟﴿42﴾ [8] آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا غرض؟﴿43﴾ [9] اس (کے علم) کی انتہا تو آپ کے رب

مُنْتَهٰىهَا ﴿44﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿45﴾ كَاَنَّهُمْ

ہی کے پاس ہے﴿44﴾ آپ تو صرف ہر اس شخص کو ڈراتے ہیں جو اس سے ڈرے﴿45﴾ [10] جس روز وہ

يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿46﴾

قیامت کو دیکھیں گے (تو سمجھیں گے) کہ گویا وہ دنیا میں بس ایک شام یا صبح ہی ٹھہرے ہیں﴿46﴾ [11]

اٰیاتہا: 42 | سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ﴿1﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿2﴾ وَمَا

(اس نے) ماتھے پہ شکن ڈالے اور منہ پھیر لیا﴿1﴾ (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا﴿2﴾ [12]

ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً: زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میخوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے جیسا کہ یہاں بھی آگے یہی بیان ہے۔

[1] یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انھیں اس سے بچا لیا اور کافر جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر ان کے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ [2] یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہوگا۔ [3] یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہوگا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔ [4] اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔ [5] کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔ [6] یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔ [7] جہاں وہ قیام پذیر بلکہ اللہ کا مہمان ہوگا۔ [8] یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہو گی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟ [9] یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ [10] یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے نہ کہ غیب کی خبریں دینا جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ ﴿مَنْ يَّخْشٰىهَا﴾ اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔ [11] ﴿عَشِيَّةً﴾ ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور ضحیٰ، طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے، یعنی جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انھیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں، یعنی دنیا کی زندگی انھیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔ ❊ اس کی شانِ نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اشرافِ قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آکر نبی ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی، چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان

Marfat.com

يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰىٓ ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④

اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا③ یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی④ [1]

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ

لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا ہے⑤ [2] تو آپ اس کی فکر میں ہیں⑥ [3] حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو

اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨

آپ پر (کوئی گناہ) نہیں⑦ [4] اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا⑧ [5] اور وہ ڈرتا بھی ہے⑨ [6]

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ

تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں⑩ [7] ہرگز نہیں! [8] بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے⑪

شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ

چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے⑫ [9] (وہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے⑬ [10] جو بلند وبالا

مُّطَهَّرَةٍ ⑭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ

اور پاکیزہ ہیں⑭ [11] ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں⑮ [12] جو معزز اور نیکوکار ہیں⑯ [13] ہلاک کیا

الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ

جائے انسان، کس قدر ناشکرا ہے!⑰ [14] (اللہ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا؟⑱ ایک (حقیر)

آیات کا نزول ہوا۔ (جامع الترمذي، حديث: 3331 و صححه الألباني) [12] ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے ﴿عَبَسَ﴾ سے اور بے توجہی کو ﴿تَوَلّٰٓى﴾ سے تعبیر فرمایا۔

[1] یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق وکردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔ [2] ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت وغنا ہے۔ [3] اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مُخْلِصِين کو چھوڑ کر مُعْرِضِين کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔ [4] کیونکہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے، اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [5] اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازے۔ [6] یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔ [7] یعنی ایسے لوگوں کی تو قدر افزائی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت وتبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا وغلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر) [8] یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔ [9] یعنی جو اس میں رغبت کرے، وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے، جیسے اشراف قریش نے کیا تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [10] یعنی لوح محفوظ میں کیونکہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیونکہ وہ علم وحکمت سے پر ہیں۔ [11] ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ اللہ کے ہاں رفیع القدر ہیں یا شبہات اور تناقض سے بلند ہیں۔ ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ وہ بالکل پاک ہیں کیونکہ انھیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوتا ہی نہیں ہے۔ یا کمی بیشی سے پاک ہیں۔ [12] ﴿سَفَرَةٍ﴾ سَافِرٌ کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔ [13] یعنی خُلق کے اعتبار سے وہ کریم، یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاکباز ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق وکردار اور افعال واطوار میں ﴿كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ﴾ کا مصداق ہونا چاہیے۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی ﴿سَفَرَةٍ﴾ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے، وہ «مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ» (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے لیکن مشقت کے ساتھ (ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھ سکتا) اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4937، و صحيح مسلم، حديث: 798) [14] اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے، ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ اور ﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ فعل تعجب ہے، کس قدر ناشکرا ہے۔ آگے اس کَفُور (ناشکرے) انسان کو غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آ جائے۔

Marfat.com

نُّطۡفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿19﴾ ثُمَّ السَّبِيۡلَ يَسَّرَهٗ ﴿20﴾

نطفے سے،[1] اسے پیدا کیا، پھر اس کا اس نے اندازہ لگایا ⑲ [2] پھر اس کے لیے راہ آسان کر دی ⑳ [3]

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ ﴿21﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَهٗ ﴿22﴾ كَلَّا

پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا ㉑ [4] پھر وہ جب چاہے گا اسے (دوبارہ) زندہ کرے گا ㉒ ہرگز

لَمَّا يَقۡضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ﴿23﴾ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى

نہیں![5] اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی ㉓ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ اپنے

طَعَامِهٖۤ ﴿24﴾ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ﴿25﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ

کھانے کی طرف دیکھے ㉔ [6] بے شک ہم نے خوب مینہ برسایا ㉕ پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح

شَقًّا ﴿26﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ﴿27﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ﴿28﴾ وَّزَيۡتُوۡنًا

پھاڑا ㉖ پھر ہم نے اس میں سے اناج اگایا ㉗ اور انگور اور سبزیاں ㉘ اور زیتون

وَّنَخۡلًا ﴿29﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿30﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿31﴾ مَّتَاعًا لَّكُمۡ

اور کھجوریں ㉙ اور گھنے باغات ㉚ اور میوے اور چارا ㉛ [7] (جو) تمھارے اور تمھارے جانوروں کے

وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿32﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿33﴾ يَوۡمَ يَفِرُّ

لیے سامانِ زندگی (ہے) ㉜ پھر جب کان بہرے کر دینے والی سخت آواز (قیامت) آئے گی ㉝ [8] اس

الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ﴿34﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ﴿35﴾ وَصَاحِبَتِهٖ

دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا ㉞ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ㉟ اور اپنی بیوی اور اپنے

وَبَنِيۡهِ ﴿36﴾ لِكُلِّ امۡرِیءٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ

بیٹوں سے (بھی) ㊱ ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے

يُّغۡنِيۡهِ ﴿37﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿38﴾ ضَاحِكَةٌ

بے پروا کر دے گا ㊲ [9] اس دن کئی چہرے چمکتے ہوں گے ㊳ ہنستے مسکراتے،

مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿39﴾ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ﴿40﴾ تَرۡهَقُهَا

ہشاش بشاش ㊴ [10] اور کئی چہروں پر اس دن خاک اڑ رہی ہو گی ㊵ ان پر

قَتَرَةٌ ﴿41﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿42﴾

سیاہی چھائی ہو گی ㊶ [11] یہی لوگ کافر و فاجر ہیں ㊷ [12]

ع 1 / 42 / 5

[1] یعنی جس کی پیدائش ایسے حقیر قطرۂ آب (منی) سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟ [2] اس کا مطلب ہے کہ اس کے مصالحِ نفس اسے مہیا کیے، اس کو دو ہاتھ، دو پیر اور دو آنکھیں اور دیگر آلات و حواس عطا کیے۔ [3] یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔ [4] یعنی موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے توقیری ہوتی۔ یا یہ کہ مرنے کے بعد وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے، جو جہاں ہوتا ہے وہی جگہ اس کی قبر بن جاتی ہے۔ [5] یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔ [6] کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اسبابِ معاش مہیا کیے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے سعادتِ اخروی حاصل کر سکے۔ [7] ﴿اَبًّا﴾ وہ گھاس، چارہ جو خود رو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔ [8] قیامت کو ﴿الصَّآخَّةُ﴾ (بہرا کر دینے والی) اس لیے کہا کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہو گی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔ [9] یا اپنے اقرباء اور احباب سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گی۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدانِ محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس طرح سے تو اعضائے مستورہ ظاہر ہوں گے؟ نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی، یعنی ﴿لِكُلِّ امۡرِیءٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ﴾ (جامع الترمذي، حديث: 3332) یعنی اس دن ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے کوئی کچھ نیکیاں مانگ لے الغرض نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ایک کے پاس لوگ جائیں گے کہ ان کی شفاعت کریں لیکن وہ کہیں گے کہ ہم تو آج اللہ تعالیٰ سے اپنی سلامتی کے طلب گار ہیں۔ (ابن کثیر) [10] یہ اہلِ ایمان کے چہرے ہوں گے جنھیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انھیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا اور ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے ہوں گے۔ [11] یعنی ذلت اور معاینۂ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کدورت زدہ اور سیاہ ہوں گے، جیسے محزون اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔ [12] یعنی اللہ کا، رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بدکردار و بد اطوار بھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجۡعَلۡنَا مِنۡهُمۡ.

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿1﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿2﴾ وَاِذَا
جب سورج لپیٹ دیا جائے گا①[1] اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے②[2] اور جب پہاڑ
الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿3﴾ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿4﴾ وَاِذَا الْوُحُوْشُ
چلائے جائیں گے③[3] اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی④[4] اور جب
حُشِرَتْ ﴿5﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿6﴾ وَاِذَا النُّفُوْسُ
وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے⑤[5] اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے⑥[6] اور جب روحیں
زُوِّجَتْ ﴿7﴾ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿8﴾ بِاَيِّ
(جسموں سے) ملا دی جائیں گی⑦[7] اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا:⑧
ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿9﴾ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿10﴾ وَاِذَا
کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟⑨[8] اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے⑩[9] اور جب
السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿11﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿12﴾ وَاِذَا
آسمان کی کھال اتار دی جائے گی⑪[10] اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی⑫ اور جب جنت
الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿13﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿14﴾ فَلَآ
قریب لائی جائے گی⑬ اس وقت ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا⑭[11] چنانچہ میں قسم کھاتا
اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿15﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿16﴾ وَالَّيْلِ اِذَا
ہوں پیچھے ہٹنے والے⑮ چلنے والے، چھپ جانے والے تاروں کی⑯[12] اور رات کی جب وہ چلی

❁ اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ (جامع الترمذي، حديث:3333، ومسند أحمد: 27/2 و 36 و 100، و ذكره الألباني في الصحيحة: 69/3)

[1] یعنی جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی روشنی ازخود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے: «اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 3200) ''قیامت والے دن چاند اور سورج لپیٹ دیے جائیں گے۔'' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لپیٹ کر ان دونوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ مشرکین مزید ذلیل وخوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔ (فتح الباري: 360/6) [2] دوسرا ترجمہ ہے جھڑ کر گر جائیں گے، یعنی آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ [3] یعنی انھیں زمین سے اکھیڑ کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔ [4] اَلْعِشَارُ عُشَرَآءُ کی جمع ہے، حمل والیاں، یعنی گابھن اونٹنیاں۔ گابھن اونٹنیاں، جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹنیاں بھی ہوں گی تو وہ ان کی بھی پروا نہیں کرے گا۔ [5] یعنی انھیں بھی قیامت والے دن جمع کیا جائے گا۔ [6] یعنی ان میں اللہ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔ [7] اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذہب وہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور بد کو بدوں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ. [8] اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہوگا نہ کہ مَوْءٗدَة جس سے بظاہر سوال ہوگا۔ [9] موت کے وقت یہ صحیفے لپیٹ دیے جاتے ہیں، پھر قیامت والے دن حساب کے لیے کھول دیے جائیں گے جنھیں ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں پکڑا دیے جائیں گے۔ [10] یعنی وہ اس طرح ادھیڑ دیے جائیں گے جس طرح چھت ادھیڑ دی جاتی ہے۔ [11] یہ جواب ہے، یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے چھ امور کا آخرت سے۔ اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آجائے گی۔ [12] اس سے مراد ستارے ہیں خُنَّسٌ خَنَسَ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اور یہ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ہیں، یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں کیونکہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہو جاتے ہیں یا دن کو چھپے رہتے ہیں۔ اَلْجَوَارِ چلنے والے، اَلْكُنَّسِ چھپ جانے والے، جیسے ہرن اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

Marfat.com

عَسْعَسَ ⑰ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ⑱ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
جاتی ہے⑰ [1] اور صبح کی جب وہ روشن ہوتی ہے ⑱ [2] بے شک یہ (قرآن) رسول کریم (جبریل)
كَرِيْمٍ ⑲ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ⑳ مُّطَاعٍ
کا قول ہے⑲ [3] جو بڑی قوت والا، [4] عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے⑳ وہاں (آسمانوں میں)
ثَمَّ اَمِيْنٍ ㉑ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ㉒ وَلَقَدْ رَاٰهُ
اس کی اطاعت کی جاتی ہے، امین ہے㉑ [5] اور (اے اہل مکہ!) تمھارا ساتھی (محمد) دیوانہ نہیں㉒ [6]
بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ㉓ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ㉔
یہ (نبی) تو اس (جبریل) کو روشن افق پر دیکھ چکا ہے㉓ [7] اور وہ غیب (کی باتوں) پر بخیل نہیں ہے㉔ [8] اور
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ㉕ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ㉖ اِنْ هُوَ
یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کا قول نہیں㉕ [9] پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو㉖ [10] یہ تو سب
اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ㉗ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ㉘
جہانوں کے لیے نصیحت ہے㉗ تم میں سے اس کے لیے جو بھی سیدھی راہ پر چلنا چاہے㉘
وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ㉙ (ع 1/29/6)
اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے㉙ [11]

آیاتہا: 19 | سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَاِذَا الْبِحَارُ
جب آسمان پھٹ جائے گا① [12] اور جب تارے جھڑ جائیں گے② اور جب سمندر پھاڑ دیے
فُجِّرَتْ ③ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
جائیں گے③ [13] اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی④ [14] تو ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا کیا دھرا سب معلوم
وَاَخَّرَتْ ⑤ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ⑥
ہو جائے گا⑤ [15] اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی بابت دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟⑥ [16]

[1] عَسْعَسَ اضداد میں سے ہے، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، تاہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔ [2] یعنی جب اس کا ظہور وطلوع ہو جائے یا وہ پھٹ اور نکل آئے۔ [3] اس لیے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ [4] یعنی جو کام اس کے سپرد کیا جائے، اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔ [5] یعنی فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرجع اور مطاع ہے، نیز وحی کے سلسلے میں امین ہے۔ [6] یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمھارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی، (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ. ایسا نہیں ہے، ذرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو کہ کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف وحقائق بیان کر سکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلا سکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔ [7] یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے جنھوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا جیسا کہ سورۂ نجم میں تفصیل گزر چکی ہے۔ [8] یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت وضاحت کی جا رہی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے اور جو احکام وفرائض آپ کو بتلائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضۂ رسالت کی ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہر بات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ [9] جس طرح نجومیوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں ادھوری شکل میں انھیں بتلا دیتے ہیں۔ قرآن ایسا نہیں ہے۔ [10] یعنی کیوں اس سے اعراض کرتے ہو۔ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ [11] یعنی تمھاری چاہت، اللہ کی توفیق پر منحصر ہے، جب تک تمھاری چاہت کے ساتھ اللہ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص 28:56) وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے، یعنی ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے، پیغمبر بھی جس کو چاہے، ہدایت نہیں دے سکتا۔ [12] یعنی اللہ کے حکم اور اس کی ہیبت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔ [13] سب کا پانی ایک ہی سمندر میں جمع ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ پچھمی ہوا بھیجے گا جو اس میں آگ بھڑکا دے گی جس سے فلک شگاف شعلے بلند ہوں گے۔ [14] یعنی قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ ﴿ بُعْثِرَتْ ﴾ اکھیڑ دی جائیں گی یا ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی۔ [15] یعنی جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا۔ جو بھی اچھا یا برا عمل اس نے کیا ہوگا، وہ سامنے آ جائے گا۔ پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار وعمل کے اچھے یا

Marfat.com

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿7﴾ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا

جس نے تجھے پیدا کیا[1] پھر تجھے درست کیا[2] اور تجھے معتدل بنایا (7)[3] اس نے جس صورت میں چاہا

شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿8﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ﴿9﴾ وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ

تجھے جوڑ دیا (8)[4] ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو (9)[5] حالانکہ تم پر نگران

لَحٰفِظِیْنَ ﴿10﴾ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ﴿11﴾ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿12﴾

(فرشتے) مقرر ہیں (10) معزز لکھنے والے (11) وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو (12)[6] یقیناً نیک

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿13﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿14﴾

لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے (13) اور یقیناً بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے (14)[7]

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿15﴾ وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىٕبِیْنَ ﴿16﴾

وہ روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے (15)[8] اور وہ اس سے غائب (دور) نہ ہو سکیں گے (16)[9]

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿17﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ

اور آپ کو کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے؟ (17) پھر آپ کو کیا خبر کہ روز جزا کیا

الدِّیْنِ ﴿18﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْــٴًـا ؕ

ہے؟ (18)[10] اس دن کوئی شخص کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا اور اس دن

وَ الْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿19﴾ ع

حکم صرف اللہ کا ہوگا (19)[11]

ع 1 (19) 7 رکوع

برے نمونے ہیں جو دنیا میں وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی عمل کریں گے، اس کا ثواب اسے بھی پہنچتا رہے گا اور اگر برے نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو جو بھی اسے اپنائے گا، ان کا گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا رہے گا جس کی مساعی سے وہ برا طریقہ یا کام رائج ہوا۔ [16] یعنی کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھ پر احسان کیا اور تجھے وجود بخشا، تجھے عقل و فہم عطا کی اور اسباب حیات تیرے لیے مہیا کیے۔

[1] یعنی حقیر نطفے سے جبکہ اس سے پہلے تیرا وجود نہیں تھا۔ [2] یعنی تجھے ایک کامل انسان بنا دیا تو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور عقل و فہم رکھتا ہے۔ [3] تجھے معتدل، کھڑا اور حسن صورت والا بنایا یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کی بجائے بے ڈھباپن ہوتا۔ اسی تخلیق کو دوسرے مقام پر أَحْسَنِ تَقْوِيم سے تعبیر فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (التین 4:95) ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔“ [4] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنا دے۔ باپ کے، ماں کے یا ماموں اور چچا کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، ڈھال دے حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل ہی میں پیدا فرماتا ہے۔ [5] كَلَّا حَقًّا کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رأفت و رحمت سے دھوکے میں مبتلا ہونے پر مبنی ہے، یعنی اس فریب نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمھارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزا و سزا ہوگی۔ [6] یعنی تم تو جزا و سزا کے منکر ہو لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمھارا ہر قول اور ہر فعل نوٹ ہو رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمھاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تنبیہ ہے کہ ہر عمل اور بات سے پہلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے، مثلاً: اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ○ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (قٓ 18,17:50) ”ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بولتا ہے، اس کے پاس نگران تیار اور حاضر ہے۔“ یعنی لکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں ایک فرشتہ نیکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ اور رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آگے نیکوں اور بدوں، دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ [7] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ○ (الشوریٰ 7:42) ”ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں۔“ [8] یعنی جس جزا و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے، اسی دن جہنم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔ [9] یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ [10] تکرار، اس کی عظمت و فَخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔ [11] یعنی دنیا میں تو اللہ نے عارضی طور پر، آزمانے کے لیے، انسانوں کو کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ لیکن قیامت والے دن تمام اختیارات کُلّیۃً صرف اور صرف اللہ کے پاس ہوں گے، جیسے فرمایا:

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿1﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿2﴾

ڈنڈی مارنے والوں کے لیے تباہی ہے ① وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیتے ہیں ② اور

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿3﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ

جب وہ انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیتے ہیں ③ [1] کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بیشک وہ

اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿4﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿5﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ

(قبروں سے) اٹھائے جائیں گے ④ ایک عظیم دن کے لیے ⑤ جس دن لوگ رب العالمین کے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿6﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿7﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ

سامنے کھڑے ہوں گے ⑥ [2] ہرگز نہیں! بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سِجِّیْن میں ہے ⑦ [3] اور تمھیں

مَا سِجِّيْنٌ ﴿8﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿9﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کیا معلوم کہ وہ سِجِّیْن کیا ہے؟ ⑧ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ⑨ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿10﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿11﴾ وَمَا

والوں کے لیے ⑩ وہ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں ⑪ اور اسے صرف ہر حد سے بڑھا گناہ گار

يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿12﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا

جھٹلاتا ہے ⑫ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کی

قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿13﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا

کہانیاں ہیں ⑬ [4] ہرگز نہیں! [5] بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿المؤمن 40: 16) چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرما دیا تھا: «لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا» (صحيح مسلم، حديث: 205) اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی متنبہ فرما دیا: «أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا» (صحيح البخاري، حديث: 4771، و صحيح مسلم، حديث: 204) ''تم اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ، پس بے شک میں تمھیں اللہ سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

※ بعض اسے مکی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک مکے اور مدینے کے درمیان نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول میں یہ روایت ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول کے لحاظ سے گھٹیا ترین لوگ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، جس کے بعد انھوں نے اپنی ناپ تول صحیح کر لی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 2223) [1] یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں تباہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 4019 ذكره الألباني في الصحيحة: 216/1 من عدة طرق و له شواهد) [2] یعنی یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف اور قیامت کا ڈر نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو پسینہ انسانوں کے آدھے آدھے کانوں تک پہنچا ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4938) ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت والے دن سورج مخلوق کے اتنا قریب ہوگا کہ ایک میل کی مقدار کے قریب فاصلہ ہوگا۔ (حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت والا میل مراد لیا ہے یا وہ سلائی جس سے سرمہ آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے، یہ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک ہوگا اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوا ہوگا، یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2864) [3] ﴿سِجِّيْنٍ﴾ بعض کہتے ہیں سِجْنٌ ''قیدخانہ'' سے ہے، مطلب ہے کہ قیدخانے کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں ایک جگہ ہے، جہاں کافروں، ظالموں اور مشرکوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آگے اسے ''لکھی ہوئی کتاب'' قرار دیا ہے۔ [4] یعنی اس کا گناہوں میں انہماک اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ان پر غور و فکر کرنے کی بجائے انھیں پہلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔ [5] یعنی یہ قرآن کہانیاں نہیں جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول پر جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

Marfat.com

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (14) كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

دیا ہے[1] (14) ہرگز نہیں! بیشک اس روز وہ (کافر) اپنے رب (کے دیدار) سے یقینا پردے میں

لَّمَحْجُوْبُوْنَ (15) ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (16) ثُمَّ يُقَالُ

رکھے جائیں گے (15) [2] پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے (16) پھر ان سے کہا جائے گا

هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (17) كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ

کہ یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے (17) ہرگز نہیں! بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ

لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (18) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (19) كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (20)

یقیناً علیین میں ہے (18) [3] اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ علیین کیا ہے؟ (19) ایک کتاب ہے لکھی ہوئی (20)

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (21) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ (22)

اس کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں (21) بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے (22)

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ (23) تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ

مسہریوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے (23) ان کے چہروں پر آپ نعمتوں کی تازگی محسوس

نَضْرَةَ النَّعِيْمِ (24) يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (25) خِتٰمُهٗ

کریں گے (24) [4] انھیں مہر لگی خالص شراب پلائی جائے گی (25) [5] اس پر کستوری کی مہر لگی

مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ (26) وَمِزَاجُهٗ

ہو گی، لہٰذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا چاہیے (26) [6] اس میں تسنیم کی آمیزش

مِنْ تَسْنِيْمٍ (27) عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ (28) اِنَّ الَّذِيْنَ

ہوگی (27) [7] (وہ) ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب بندے پییں گے (28) بلاشبہ مجرم لوگ

[1] یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی الٰہی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پردے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ الرَّانُ، گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکاب گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے اور اگر توبہ کی بجائے، گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ الرَّانُ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3334، وسنن ابن ماجه، حديث: 4244، ومسند أحمد: 297/2) [2] ان کے برعکس اہل ایمان رؤیت باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔ [3] ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ عُلُوٌّ (بلندی) سے ہے۔ یہ سِجِّينٌ کے برعکس، آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتہیٰ یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ [4] جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر بالعموم تازگی اور شادابی ہوتی ہے جو ان آسائشوں، سہولتوں اور دنیوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انھیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تکریم اور نعمتوں کی جوارزانی ہوگی، اس کے اثرات ان کے چہروں پر بھی ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

[5] ﴿رَحِيْقٍ﴾ صاف، شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ ﴿مَّخْتُوْمٍ﴾ ''سربمہر'' اس کے خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی جس سے اس کا ذائقہ دوبالا اور خوشبو مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں: یہ ختم سے ہے، یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہوگا۔ بعض ﴿خِتٰمُهٗ﴾ کے معنی خوشبو کرتے ہیں، ایسی شراب جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ (ابن کثیر) ایک ضعیف حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس مومن نے کسی پیاسے مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن اَلرَّحِيقُ الْمَخْتُومُ پلائے گا، جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا، جس نے کسی ننگے مومن کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔'' (مسند أحمد: 14,13/3 وإسناده ضعيف) [6] یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے عملوں میں سبقت کرنی چاہیے جس کے صلے میں جنت اور اس کی یہ نعمتیں حاصل ہوں، جیسے فرمایا: ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت 61:37) ''اس جیسی چیز کے لیے ہی عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔''

[7] ﴿تَسْنِيْمٍ﴾ کے معنی، بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان جو اس کے جسم سے بلند ہوتی ہے، اسے سَنَامٌ کہتے ہیں۔ قبر کے اونچا کرنے کو بھی تَسْنِيمُ الْقُبُورِ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تسنیم شراب کی آمیزش ہوگی جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہوگی۔

Marfat.com

اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿29﴾ وَاِذَا مَرُّوْا

(دنیا میں) مومنوں پر ہنستے تھے ﴿29﴾ [1] اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس

بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿30﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا

میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے ﴿30﴾ [2] اور جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے تو دل لگی

فَكِهِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

کرتے لوٹتے ﴿31﴾ [3] اور جب وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے تھے بلاشبہ یہ

لَضَآلُّوْنَ ﴿32﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿33﴾ فَالْيَوْمَ

یقیناً گمراہ لوگ ہیں ﴿32﴾ [4] حالانکہ وہ (کافر) ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ﴿33﴾ [5] چنانچہ آج

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿34﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ

مومن لوگ، کافروں پر ہنس رہے ہوں گے ﴿34﴾ [6] مسہریوں پر بیٹھے انھیں دیکھ رہے ہوں

يَنْظُرُوْنَ ﴿35﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾

گے ﴿35﴾ (اور کہیں گے:) کیا کافروں کو ان حرکتوں کا بدلہ مل گیا جو وہ کرتے تھے؟ ﴿36﴾ [7]

آیاتہا: 25 — سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ — رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿1﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿2﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا ﴿1﴾ [8] اور وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا [9] اور اس کے لائق یہی ہے ﴿2﴾ [10]

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿3﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا

اور جب زمین پھیلادی جائے گی ﴿3﴾ [11] اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ اسے پھینک دے گی اور خالی

وَتَخَلَّتْ ﴿4﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿5﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ

ہوجائے گی ﴿4﴾ [12] اور وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی، [13] اور اس کے لائق یہی ہے ﴿5﴾ اے انسان!

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿6﴾

بے شک تو اپنے رب کی طرف (جانے کے لیے) سخت محنت کررہا ہے، بالآخر تو اس سے ملنے والا ہے ﴿6﴾ [14]

[1] یعنی انھیں حقیر جانتے ہوئے ان کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔ [2] غَمْزٌ کے معنی ہوتے ہیں: پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرکے ان کی تحقیر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے۔ [3] یعنی اہل ایمان کا ذکر کرکے خوش ہوتے اور دل لگیاں کرتے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں لوٹتے تو وہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ انھیں مل جاتا۔ اس کے باوجود انھوں نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحقیر اور ان پر حسد کرنے میں ہی مشغول رہے۔ (ابن کثیر) [4] یعنی اہل توحید، اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں حتیٰ کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى. [5] یعنی یہ کافر مسلمانوں پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال واحوال ہی دیکھتے اور ان پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مُکلّف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں۔ [6] یعنی جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہنستے تھے، قیامت والے دن یہ کافر اللہ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل ایمان ان پر ہنسیں گے۔ ان کو ہنسی اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کہتے اور ہم پر ہنستے تھے۔ آج ان کو پتا چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزا کیا جائے؟ [7] ثُوِّبَ بمعنی اُثِیبَ، بدلہ دے دیے گئے، یعنی کیا کافروں کو، جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟ [8] یعنی جب قیامت برپا ہوگی۔ [9] یعنی اللہ اس کو پھٹنے کا جو حکم دے گا، اسے سنے گا اور اطاعت کرے گا۔ [10] یعنی اس کے یہی لائق ہے کہ سنے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ وہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں۔ اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کس کو مجال ہوسکتی ہے؟ [11] یعنی اس کے طول وعرض میں مزید وسعت کردی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں، سب کو ریزہ ریزہ کرکے زمین کو صاف اور ہموار کرکے بچھا دیا جائے گا۔ اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔ [12] یعنی اس میں جو مردے دفن ہیں، سب زندہ ہوکر باہر نکل آئیں گے جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں، وہ انھیں ظاہر کردے گی اور خود بالکل خالی ہوجائے گی۔ [13] یعنی اِلْقَاء اور تَخَلِّي کا جو حکم اسے دیا جائے گا، وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔ [14] یہاں انسان بطور جنس کے ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ كَدْحًا: سخت محنت کو کہتے ہیں، وہ محنت خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی، یعنی قیامت آجائے گی تو اے انسان! تو نے جو بھی، اچھا یا برا عمل کیا ہوگا وہ تو اپنے سامنے پالے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بری جزا بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل و وضاحت ہے۔

Marfat.com

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ⑦ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ
پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا⑦ تو جلد ہی اس سے آسان
حِسَابًا يَّسِيْرًا ⑧ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑨ وَاَمَّا
حساب لیا جائے گا⑧[1] اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹے گا⑨[2] اور جس شخص کو اس کا
مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪
اعمال نامہ اس کی پیٹھ پیچھے دیا گیا⑩ تو وہ عنقریب تباہی کو دعوت دے گا⑪[3] اور وہ بھڑکتی آگ میں
وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ
جا پڑے گا⑫ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں بڑا خوش تھا⑬[4] بے شک اس نے سمجھا
ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ
تھا کہ وہ ہرگز (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا⑭[5] کیوں نہیں![6] بے شک اس کا رب اسے
بَصِيْرًا ⑮ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰
دیکھ رہا تھا⑮[7] پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی⑯[8] اور رات کی اور اس کی جو کچھ وہ سمیٹتی ہے⑰[9] اور
وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ⑱ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ⑲ فَمَا لَهُمْ
چاند کی جبکہ وہ پورا ہو جاتا ہے⑱[10] تم ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے⑲[11] پھر
لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ
ان (کافروں) کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟⑳ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو
لَا يَسْجُدُوْنَ ۩ ㉑ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ㉒ وَاللّٰهُ
سجدہ نہیں کرتے㉑[12] بلکہ کافر تو (الٹا) جھٹلاتے ہیں㉒[13] اور جو کچھ وہ (سینوں میں) محفوظ رکھتے
اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ㉓ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ㉔ اِلَّا الَّذِيْنَ
ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے㉓[14] تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے㉔ مگر جو لوگ

السجدة 14/5

[1] آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہوگا۔ اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لائی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے انھیں معاف فرما دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ”جس کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا، اس کا حساب آسان ہوگا۔“ (مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہوگا لیکن وہ ہلاکت سے دوچار نہیں ہوگا) آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی: ”یہ تو پیشی ہے۔ (مومن کے ساتھ معاملہ شدید حساب کا نہیں ہوگا، ایک سرسری سی پیشی ہوگی) مومن رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جس کا مناقشہ ہوا، یعنی پوچھ گچھ ہوئی وہ مارا گیا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4939) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”نبی ﷺ اپنی بعض نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيرًا» ”اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا۔“ نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا: حسابِ یسیر ”آسان حساب“ کا کیا مطلب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرما دے گا......“ (مسند أحمد: 48/6) [2] یعنی جو اس کے گھر والوں میں سے جنتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حور عین اور ولدان (نوعمر خادم) ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔ [3] ثُبُوْرًا ہلاکت، خسارا، یعنی وہ چیخے گا، پکارے گا اور واویلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہو گیا۔ [4] یعنی دنیا میں اپنی خواہشات میں مگن اور اپنے گھر والوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔ [5] یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے، یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حَوْرٌ کے معنی ہیں: لوٹنا۔ جس طرح نبی ﷺ کی دعا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ» (صحيح مسلم، حديث: 1343، وجامع الترمذي، حديث: 3439، وسنن ابن ماجه، حديث: 3888) مطلب ہے: ”اس بات سے میں پناہ مانگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف لوٹوں۔“ [6] کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو یا بَلٰی، کیوں نہیں، یہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔ [7] یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔ [8] شَفَقٌ اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشاء کا وقت شروع ہونے تک رہتی ہے۔ [9] اندھیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماویٰ اور مسکن کی طرف سمٹ آتی ہے، یعنی رات کا اندھیرا جن چیزوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ [10] اِذَا اتَّسَقَ کے معنی ہیں: جب وہ مکمل ہو جائے، جیسے وہ تیرھویں کی رات سے سولھویں تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔ [11] طَبَقٍ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت والے دن واقع ہوں گے، یعنی اس روز ایک سے بڑھ کر ایک حالت طاری ہوگی۔ (فتح الباري: 891/8) یہ جواب قسم ہے۔ [12] احادیث سے یہاں نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔ [13] یعنی ایمان لانے کی بجائے جھٹلاتے ہیں۔ [14] یعنی تکذیب یا جو افعال وہ چھپ کر کرتے ہیں۔

Marfat.com

ع 1 25 9

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿25﴾ ع

ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے ﴿25﴾

اٰيَاتُهَا: 22 | سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿1﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿2﴾ وَشَاهِدٍ

برجوں والے آسمان کی قسم! ﴿1﴾ [1] اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿2﴾ [2] اور حاضر ہونے والے

وَّمَشْهُوْدٍ ﴿3﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿4﴾ النَّارِ ذَاتِ

کی اور حاضر کیے گئے کی ﴿3﴾ [3] ہلاک کر دیے گئے خندقوں والے ﴿4﴾ [4] (ان خندقوں میں) آگ تھی

الْوَقُوْدِ ﴿5﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿6﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

ایندھن والی ﴿5﴾ [5] جبکہ وہ ان خندقوں (کے کناروں) پر بیٹھے تھے ﴿6﴾ [6] اور جو کچھ وہ مومنوں کے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿7﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے ﴿7﴾ اور انھیں ان (مومنوں) کا یہی کام برا معلوم ہوا کہ وہ

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿8﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ، غالب، قابلِ تعریف پر ایمان لائے تھے ﴿8﴾ [7] وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی

* نبی ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں سورۂ بروج اور سورۂ طارق پڑھتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 307)

[1] الْبُرُوْج: بُرْجٌ، محل کی جمع ہے۔ بُرْجٌ کے اصل معنی ہیں: ظہور۔ یہ کواکب کی منزلیں ہیں جنھیں ان کے محل اور قصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انھیں بروج کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ فرقان 61:25 کا حاشیہ۔ بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں، یعنی ستاروں والے آسمان کی قسم! بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔ (فتح القدير) [2] اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔ [3] شاہد اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعے کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے عرفے (9 ذوالحجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔ [4] یعنی جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے ماننے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، قُتِلَ بمعنی لُعِنَ۔ اللہ کی رحمت سے دوری اور بربادی۔ [5] النَّارِ: الْاُخْدُوْد سے بدل اشتمال ہے ذَاتِ الْوَقُوْدِ، النَّار کی صفت ہے، یعنی یہ خندقیں کیا تھیں۔ ایندھن والی آگ تھی جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لیے دہکائی گئی تھی۔ [6] کافر بادشاہ یا اس کے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔ [7] یعنی ان لوگوں کا جرم جنھیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل جو صحیح احادیث سے ثابت ہے مختصراً حسب ذیل ہے:

واقعۂ اصحاب الاخدود: ''گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا جادوگر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو جسے میں یہ علم سکھا دوں، چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب بھی رہتا تھا، یہ لڑکا اس کے پاس جا کر بیٹھا اور اس کی باتیں سنیں اور پسند آ گئیں، اس کے بعد یہ لڑکا آتے جاتے اس کے پاس بھی بیٹھتا اور اس کی باتیں سنتا۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ آج میں پتا کرتا ہوں کہ جادوگر صحیح ہے یا راہب۔ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: ''اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے تاکہ لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو جائے۔'' یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔ لڑکے نے جا کر یہ واقعہ راہب کو بتلایا۔ راہب نے کہا: بیٹے! اب تم فضل و کمال کو پہنچ گئے ہو اور تمھاری آزمائش شروع ہونے والی ہے لیکن اس دور ابتلا میں میرا نام ظاہر نہ کرنا۔ یہ لڑکا مادرزاد اندھے، اَبرص اور دیگر بعض بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا لیکن ایمان باللہ کی شرط پر، اسی شرط پر اس نے بادشاہ کے ایک نابینا مصاحب کی آنکھیں بھی اللہ سے دعا کر کے صحیح کر دیں۔ یہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، وہ شفا عطا فرما دے گا، چنانچہ اس کی دعا سے اللہ شفایاب فرما دیتا۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا، بعض اہل ایمان کو تو اس نے قتل کروا دیا۔ اس لڑکے کے بارے میں اس نے چند آدمیوں کو کہا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دو، اس نے اللہ سے دعا کی، پہاڑ میں لرزش پیدا ہوئی، جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچا لیا۔ بادشاہ نے اسے دوسرے آدمیوں کے سپرد کر کے کہا کہ ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر کے بیچ میں لے جا کر اسے

Marfat.com

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝9 اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ
بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے⑨ بے شک جنھوں نے مومن مردوں اور مومن
وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ
عورتوں کو ستایا پھر توبہ نہ کی، تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور ان کے لیے جلانے والا
عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝10 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
عذاب ہے⑩ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے باغات
جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝11
ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے⑪ بے شک آپ کے رب
اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝12 اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝13
کی پکڑ نہایت سخت ہے⑫ [1] بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا⑬ [2]
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝14 ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝15 فَعَّالٌ لِّمَا
اور وہ بڑا بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے⑭ وہ عرش کا مالک، اونچی شان والا ہے⑮ [3] جو چاہے
يُرِيْدُ ۝16 هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝17 فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝18
کرگزرتا ہے⑯ [4] کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟⑰ [5] (یعنی) فرعون اور ثمود کی⑱
بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝19 وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ
بلکہ کافر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں⑲ اور اللہ ہر طرف سے انھیں گھیرے
مُّحِيْطٌ ۝20 بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝21 فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝22
ہوئے ہے⑳ [6] بلکہ یہ قرآن اونچی شان والا ہے㉑ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے㉒ [7]

ع 1 22/10

اٰیاتھا: 17 | سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ | رکوعھا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝1 وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝2
قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی① اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟② وہ

پھینک دو، وہاں بھی اس کی دعا سے کشتی الٹ گئی، جس سے وہ سب غرق ہو گئے اور یہ بچ گیا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کر اور بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ’’لڑکے کے رب، اللہ کے نام سے‘‘ کہہ کر مجھے تیر مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جس سے وہ لڑکا مر گیا لیکن سارے لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا، چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ ذرا ٹھٹھکی تو بچہ بول پڑا کہ اماں! صبر کر تو حق پر ہے۔‘‘ (صحیح مسلم، حدیث: 3005 ملخصًا) امام ابن کثیر نے اور بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں جو اس سے مختلف ہیں اور کہا ہے: ممکن ہے اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

[1] یعنی جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت کرنے پر آئے جو اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے اور اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو پھر اس کی گرفت سے انھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ [2] یعنی وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت والے دن دوبارہ انھیں اسی طرح پیدا فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ [3] یعنی تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا مستقر ہے جیسا کہ صحابہ و تابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ ﴿الْمَجِيْدُ﴾ ’’اونچی شان و بزرگی والا‘‘ اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک میں یہ مرفوع ہے، اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ دوسری قراءت میں یہ مجرور ہے، اس صورت میں یہ عرش کی صفت بنے گی۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ (ابن کثیر) [4] یعنی وہ جو چاہے کر گزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا: کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا: اس نے کیا کہا؟ فرمایا: اس نے کہا ہے: اِنِّيْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِيْدُ میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں۔ (ابن کثیر) مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیبوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آ گیا ہے اور اللہ ہی اب میرا طبیب ہے جس کی مشیت کو ٹالنے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے۔ [5] یعنی ان پر جب میرا عذاب آیا اور میں نے انھیں اپنی گرفت میں لیا جسے کوئی ٹال نہیں سکا۔ [6] یہ ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ ہی کا اثبات اور اس کی تاکید ہے۔ [7] یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت و اقتضا اسے نازل فرماتا ہے۔ ☆ حضرت خالد عدوانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں

Marfat.com

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿3﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿4﴾

چمکتا ہوا ستارہ ہے③ [1] کوئی جان ایسی نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو④ [2] چنانچہ انسان کو دیکھنا

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسٰنُ مِمَّ خُلِقَ ﴿5﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿6﴾

چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے⑤ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے⑥ [3] جو پیٹھ

يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿7﴾ اِنَّهٗ عَلٰى

اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے⑦ [4] بے شک وہ (اللہ) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر

رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿8﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿9﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ

یقیناً قادر ہے⑧ [5] جس دن راز ظاہر کر دیے جائیں گے⑨ [6] تو انسان کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی

قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿10﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿11﴾ وَالْاَرْضِ

اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا⑩ [7] قسم ہے بار بار بارش برسانے والے آسمان کی⑪ [8] اور پھٹنے

ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿12﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿13﴾ وَّمَا هُوَ

والی زمین کی⑫ [9] بے شک یہ (قرآن) یقیناً قولِ فیصل ہے⑬ [10] اور یہ ہنسی مذاق

بِالْهَزْلِ ﴿14﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿15﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿16﴾

نہیں ہے⑭ [11] بے شک وہ (کافر) کچھ چالیں چلتے ہیں⑮ [12] اور میں بھی ایک چال چلتا ہوں⑯ [13]

نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ثقیف میں کمان یا لاٹھی کے سہارے پر کھڑے دیکھا، آپ ان کے پاس ان سے مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ سے سورۂ طارق سنی، میں نے اسے یاد کرلیا، درآں حالیکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، پھر مجھے اللہ نے اسلام سے نواز دیا اور اسلام کی حالت میں میں نے اسے پڑھا۔(مسند أحمد: 335/4، و مجمع الزوائد: 287/7، ضعیف) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مغرب (اور ایک روایت کے مطابق عشاء) کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی، نبی ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا: ''لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے۔ تو نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ﴾ اور اس جیسی سورتیں ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ وغیرہ کیوں نہ پڑھیں۔ (سنن النسائي مع التعليقات السلفية: 87/2)

[1] طارق سے کیا مراد ہے۔ خود قرآن نے واضح کر دیا: روشن ستارہ۔ ﴿الطَّارِقُ﴾ طُرُوقٌ سے ہے جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔ [2] یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا برے سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد کی آیت: 11 سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جس طرح قول و فعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔ [3] یعنی منی سے جو قضائے شہوت کے وقت زور سے نکلتی ہے۔ یہی قطرۂ آب (منی) رحم عورت میں جا کر، اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے، تو حمل کا باعث بنتا ہے۔ [4] کہا جاتا ہے کہ پیٹھ مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کہ یہ دونوں مل کر ایک ہی بن جاتا ہے۔ ﴿التَّرَآئِبِ﴾ تَرِيبَةٌ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو ہار پہننے کی جگہ ہے۔ [5] یعنی انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرۂ آب کو دوبارہ شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پہلے مفہوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ [6] یعنی ظاہر ہو جائیں گے کیونکہ ان پر جزا و سزا ہوگی۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے: ''ہر غدر (بدعہدی) کرنے والے کے سرین کے پاس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3188، وصحيح مسلم، حديث: 1736) مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا۔ [7] یعنی خود انسان کے پاس اتنی قوت ہوگی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا مددگار مل سکے گا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ [8] ﴿الرَّجْعِ﴾ کے لغوی معنی ہیں: لوٹنا پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتا ہے اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتا ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تا کہ وہ بار بار ہوتی رہے۔ (فتح القدير) [9] یعنی زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے، زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن آئے گا کہ زمین پھٹے گی، سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے، اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شگاف والی کہا۔ [10] یہ جواب قسم ہے، یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔ [11] یعنی کھیل کود اور مذاق والی چیز نہیں ہے، ہَزْلٌ، جِدٌّ (سنجیدگی و حقیقت) کی ضد ہے، یعنی ایک واضح سنجیدہ مقصد کی حامل کتاب ہے، لہو و لعب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔ [12] یعنی نبی ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں، اس کو ناکام

Marfat.com

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿17﴾

تو (اے نبی!) آپ ان کافروں کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیں،[1] انھیں تھوڑی سی مہلت دیں ﴿17﴾

ایاتہا: 19 | سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿1﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿2﴾

آپ اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح کریں ﴿1﴾ [2] جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا ﴿2﴾ [3]

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿3﴾ وَالَّذِيْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿4﴾ فَجَعَلَهٗ

اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی ﴿3﴾ [4] اور جس نے (زمین سے) چارا نکالا ﴿4﴾ [5] پھر اسے خشک

غُثَآءً اَحْوٰى ﴿5﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ﴿6﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا ﴿5﴾ [6] ہم جلد آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ نہ بھولیں گے ﴿6﴾ [7] مگر جو اللہ

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ﴿7﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿8﴾

چاہے، بے شک وہ ظاہر کو جانتا ہے اور مخفی کو بھی ﴿7﴾ [8] اور ہم آپ کو آسان راستے کی توفیق دیں

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿9﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿10﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا

گے ﴿8﴾ [9] پھر آپ نصیحت کیجیے اگر نصیحت نفع دے ﴿9﴾ [10] جو ڈرتا ہے وہ ضرور نصیحت قبول کرے گا ﴿10﴾ [11]

کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں یا نبی ﷺ کو دھوکا اور فریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ [13] یعنی میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں، میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ ﴿كَيْدًا﴾ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو برے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔

[1] یعنی ان کے لیے تعجیل عذاب کا سوال نہ کر بلکہ انھیں کچھ مہلت دے دے۔ رُوَيْدًا قَلِيلًا یا قَرِيبًا یہ اِمْهَال واِسْتِدْرَاج بھی کافروں کے حق میں اللہ کی طرف سے ایک کَیْد کی صورت ہے، جیسے فرمایا: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○﴾ (الأعراف 7:182، 183) ”ہم ان کو بتدریج لیے جا رہے ہیں، اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔“ ❁ رسول اللہ ﷺ یہ سورت اور سورۂ غاشیہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایک موقعے پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی، ان میں ایک یہ بھی تھی۔ (سنن النسائي، حديث: 985) [2] یعنی ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○﴾ پڑھتے تو اس کے جواب میں پھر کہتے: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» (مسند أحمد: 232/1، و سنن أبي داود، حديث: 883 وقال الألباني صحيح) جواب کون دے؟ صرف پڑھنے والا یا سننے والا بھی۔ بظاہر تو یہ حکم صرف پڑھنے والے کے لیے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں سامع کا ذکر نہیں ہے، اس لیے راجح قول یہی ہے۔ [3] دیکھیے سورۂ انفطار کا حاشیہ: 6 [4] یعنی نیکی اور بدی کی۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی۔ ﴿قَدَّرَ﴾ کا مفہوم ہے: اشیاء کی جنسوں، ان کی انواع وصفات اور خصوصیات کا اندازہ فرما کر انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرما دی تاکہ انسان ان سے استفادہ کر سکے۔ [5] جسے جانور چرتے ہیں۔ [6] گھاس خشک ہو جائے تو اسے ﴿غُثَآءً﴾ کہتے ہیں، ﴿اَحْوٰى﴾ سیاہ کر دیا، یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔ [7] حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تاکہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح جلدی نہ کریں۔ نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے، یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے، پس آپ اسے بھولیں گے نہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے گا لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد ہی رہا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسوخ کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھلوا دے گا۔ (فتح القدير) [8] یہ عام ہے، جہر قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ ﷺ یاد کر لیں اور جو آپ کے سینے سے محو کر دیا جائے، وہ مخفی ہے۔ اس طرح جہر اونچی آواز سے پڑھے، خفی پست آواز سے پڑھے۔ خفی، چھپ کر عمل کرے اور جہر ظاہری عمل، ان سب کو اللہ جانتا ہے۔ [9] یہ بھی عام ہے، مثلاً: ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقے کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہوگا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے، ہم آپ کے لیے ایسے افعال واقوال آسان کر دیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپ کے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی جس میں کوئی کجی، عسر اور تنگی نہیں ہوگی۔ [10] یعنی وعظ ونصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہوگی۔ یہ وعظ ونصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔ (ابن كثير)

Marfat.com

الْأَشْقَى ⑪ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ⑫ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا

اور انتہائی بدبخت ہی اس سے دور رہے گا⑪ [1] جو بہت بڑی آگ میں جائے گا⑫ پھر اس میں نہ وہ

وَلَا يَحْيَى ⑬ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ⑭ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ⑮

مرے گا اور نہ جیے گا⑬ [2] یقیناً فلاح پا گیا، جو پاک ہوا⑭ [3] اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی⑮

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا ⑯ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقَى ⑰

بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو⑯ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے⑰ [4]

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ⑱ صُحُفِ إِبْرٰهِيمَ وَمُوسَى ⑲ ع 1 19 12

بے شک یہ (بات) پہلے صحیفوں میں بھی (کہی گئی) تھی⑱ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں⑲

اٰيَاتُهَا: 26 | سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوعُهَا: 1

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ②

کیا آپ کو چھا جانے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟① [5] اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے② [6]

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقَى مِنْ

سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے ہوں گے③ [7] دہکتی آگ میں داخل ہوں گے④ انھیں گرم

عَيْنٍ آنِيَةٍ ⑤ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ⑥ لَا يُسْمِنُ

کھولتے چشمے کا پانی پلایا جائے گا⑤ [8] ان کا طعام صرف خاردار جھاڑیاں ہوگا⑥ [9] جو نہ موٹا کرے

وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ⑦ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ لِسَعْيِهَا

گا نہ بھوک مٹائے گا⑦ اس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے⑧ اپنی کوشش پر خوش

رَاضِيَةٌ ⑨ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ⑪

ہوں گے⑨ بہشت بریں میں ہوں گے⑩ وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے⑪ اس میں

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ⑬ وَّأَكْوَابٌ

ایک چشمہ جاری ہوگا⑫ اس میں اونچے تخت ہوں گے⑬ اور جام رکھے

مَّوْضُوعَةٌ ⑭ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ⑮ وَّزَرَابِيُّ

ہوں گے⑭ اور قطاروں میں گاؤ تکیے لگے ہوں گے⑮ اور عمدہ غالیچے بچھے

امام شوکانی کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، چاہے فائدہ دے یا نہ دے کیونکہ انذار و تبلیغ دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھی، یعنی أَوْ لَمْ تَنْفَعْ یہاں محذوف ہے۔ (یا فائدہ نہ دے۔) [11] یعنی آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا، ان میں خشیت الٰہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہو جائے گا۔

[1] یعنی اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیونکہ ان کا کفر پر اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں انہماک جاری رہتا ہے۔ [2] ان کے برعکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں رہ گئے ہوں گے انھیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا حتی کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انبیاء وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا، ان کو جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا، جنتی بھی ان پر پانی ڈالیں گے، جس سے وہ اس طرح جی اٹھیں گے، جیسے سیلاب کے کوڑے پر دانہ اگ آتا ہے۔ (صحیح مسلم، حديث: 185) [3] جنھوں نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے اور دلوں کو شرک و معصیت کی آلودگیوں سے پاک کر لیا۔ [4] کیونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اس لیے عاقل فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔ ❁ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے ساتھ سورۂ غاشیہ بھی پڑھتے تھے۔ (موطأ إمام مالك: 117/1) [5] هَلْ استفہام کے لیے ہے یا بمعنی قَدْ ہے۔ الْغَاشِيَةِ سے مراد قیامت ہے، اس لیے کہ اس کی ہول ناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانپ لیں گی۔ [6] یعنی کافروں کے چہرے۔ خَاشِعَةٌ کے معنی ہیں: جھکے ہوئے، پست اور ذلیل۔

[7] نَاصِبَةٌ کے معنی ہیں: تھک کر چور ہو جانے والے، یعنی انھیں اتنا پر مشقت عذاب ہوگا کہ اس سے ان کا سخت برا حال ہوگا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے، یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوں گے، اس لیے ''عبادات'' اور ''اعمال شاقہ'' کے باوجود جہنم میں جائیں گے، چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے حضرت ابن عباس ؓ نے عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے نصاریٰ مراد لیے ہیں۔ (صحیح البخاري، بعد حديث: 4941) [8] یہاں وہ سخت کھولتا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ (فتح القدير) [9] یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہرحال یہ بھی زقوم کی طرح ایک نہایت تلخ، بدمزہ اور ناپاک ترین کھانا ہوگا جو جزو بدن بنے گا نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

Marfat.com

مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰
ہوں گے⑯ [1] کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟⑰ [2] اور آسمان
وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ⑱ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ⑲
کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے؟⑱ [3] اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑے گئے ہیں؟⑲ [4] اور
وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ
زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟⑳ [5] چنانچہ آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے
مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى
والے ہیں㉑ [6] آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں㉒ [7] مگر جس نے منہ موڑا اور
وَكَفَرَ ㉓ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ㉔ اِنَّ
کفر کیا㉓ تو اسے اللہ بہت بڑا عذاب دے گا㉔ [8] بے شک ہماری ہی طرف
اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ㉕ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖
ان کی واپسی ہے㉕ پھر بے شک ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے㉖ [9]

النصف ع 1 26 13

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا: 30 | رُكُوْعُهَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ① وَلَيَالٍ عَشْرٍ ② وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ③ وَالَّيْلِ
قسم ہے فجر کی① [10] اور دس راتوں کی② [11] اور جفت اور طاق کی③ [12] اور رات کی جبکہ وہ چل (بیت) رہی
اِذَا يَسْرِ ④ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ⑤ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ
ہو④ [13] یقیناً ان (چیزوں) میں صاحب عقل کے لیے معتبر قسم ہے⑤ [14] کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ

[1] یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ ٭ عَيْنٌ ٭ بطور جنس کے ہے، یعنی متعدد چشمے ہوں گے۔ ٭ نَمَارِقُ ٭ بمعنی وَسَائِد (تکیے) ہے۔ ٭ زَرَابِيُّ ٭ مسندیں، قالین اور گدے بستر ٭ مَبْثُوْثَةٌ ٭ پھیلی ہوئی، یعنی یہ مسندیں جگہ جگہ بچھی ہوں گی۔ اہل جنت جہاں آرام کرنا چاہیں گے کر سکیں گے۔ [2] اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری یہی تھی، اس لیے اللہ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو، اللہ نے اسے کتنا بڑا وجود عطا کیا ہے اور کتنی قوت و طاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمھارے لیے نرم اور تابع ہے، تم اس پر جتنا چاہو بوجھ لاد دو، وہ انکار نہیں کرے گا، تمھارا ماتحت ہو کر رہے گا۔ علاوہ ازیں اس کا گوشت تمھارے کھانے کے، اس کا دودھ تمھارے پینے کے اور اس کی اون گرمی حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔ [3] یعنی آسمان کتنی بلندی پر ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر، پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شگاف اور کجی بھی نہیں ہے، نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔ [4] یعنی کس طرح انھیں زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے، نیز ان میں جو معدنیات اور دیگر منافع ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔ [5] یعنی کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے، وہ اس پر چلتا پھرتا، کاروبار کرتا اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ [6] یعنی آپ کا کام صرف تذکیر اور تبلیغ و دعوت ہے، اس کے علاوہ یا اس سے بڑھ کر نہیں۔ [7] کہ انھیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیت سیف سے منسوخ ہو گیا کیونکہ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ» (صحيح البخاري، حديث: 25، وصحيح مسلم، حديث: 21) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جب وہ یہ اقرار کر لیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیا۔ سوائے حق اسلام کے، (جو اگر ہمارے علم میں نہ آیا تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔'' [8] یعنی جہنم کا دائمی عذاب۔ [9] مشہور ہے کہ اس کے جواب میں «اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَّسِيْرًا» پڑھا جائے۔ لیکن اس موقع پر نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ [10] اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔ [11] اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں عشرۂ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح سے دیگر دنوں کے عمل صالح زیادہ محبوب نہیں حتیٰ کہ دیگر دنوں کا جہاد فی سبیل اللہ بھی، سوائے اس جہاد کے جس میں انسان مال جان دونوں لے جائے اور ان میں سے کوئی چیز واپس نہ لائے، یعنی شہید ہو جائے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 969) [12] اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل مخلوق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (أيسر التفاسير) [13] یعنی جب آئے اور جب جائے کیونکہ سَیْر (چلنا) آتے، جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ [14] ٭ ذٰلِكَ ٭

Marfat.com

فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿6﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿7﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ
کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا؟⑥ [1](عاد) ارم جو اونچے ستونوں والے تھے⑦ [2]جن کے
مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿8﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿9﴾
مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی⑧ [3]اور ثمود کے ساتھ جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے⑨ [4]اور
وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿10﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿11﴾
فرعون میخوں والے کے ساتھ⑩ [5]وہ جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی⑪
فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿12﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ
اور ان میں بہت زیادہ فساد پھیلایا⑫ تب آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا
عَذَابٍ ﴿13﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿14﴾ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا
برسایا⑬ [6]بے شک آپ کا رب (مجرموں کی) گھات میں ہے⑭ [7]لیکن انسان جو ہے، جب اس کا
ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿15﴾
رب اسے آزمائے اور اسے عزت اور نعمت دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی⑮ [8]
وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي
مگر جب وہ اسے آزمائے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے
أَهَانَنِ ﴿16﴾ كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿17﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ
مجھے ذلیل کر دیا⑯ [9]ہرگز نہیں! [10]بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے⑰ [11]اور باہم مسکین کو کھانا کھلانے

سے مذکورہ مقسم بہ اشیاء کی طرف اشارہ ہے، یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل و دانش کے واسطے کافی نہیں ہے۔ ﴿حِجْرٍ﴾ کے معنی ہوتے ہیں: روکنا، منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے ﴿نُهْيَةٌ﴾ بھی کہتے ہیں۔ جواب قسم یا مقسم علیہ لَتُبْعَثُنَّ ہے کیونکہ مکی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ○﴾ ہیں۔ اس کے بعد بہ طریق استشہاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرما رہا ہے جو تکذیب وعناد کی بنا پر ہلاک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا بھی اسی طرح مؤاخذہ ہو سکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ نے کیا۔

[1] ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے انھوں نے تکذیب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب ان پر نازل کیا جو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ (الحاقۃ 69:7-10) اور انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ [2] ﴿إِرَمَ﴾ عاد سے عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے دادا کا نام ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ (فتح القدیر) اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہے۔ ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامتی کی طرف۔ علاوہ ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور نہایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔ [3] یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت و طاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی۔ یہ قوم کہا کرتی تھی: ﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:15) ''ہم سے زیادہ کون طاقت ور ہے؟'' [4] یہ حضرت صالح کی قوم تھی، اللہ نے اسے پتھر تراشنے کی خاص صلاحیت وقوت عطا کی تھی حتیٰ کہ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے: ﴿وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ○﴾ (الشعرآء 26:149) ''اور تم پہاڑوں کو تراش کر پر تکلف مکان بناتے ہو۔'' [5] اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس خیموں کی کثرت تھی جنھیں میخیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ یا اس سے اس کے ظلم وستم کی طرف اشارہ ہے کہ میخوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا۔ (فتح القدیر) [6] یعنی ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد یا انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔
[7] یعنی تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزا دیتا ہے۔ [8] یعنی جب اللہ کسی کو رزق و دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر بہت مہربان ہے، حالانکہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔ [9] یعنی وہ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔ [10] یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کو مبتلا کرتا ہے۔ اصل مدار دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت پر ہے۔ جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔ [11] یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر بدترین ہے جس میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے، پھر اپنی انگلی

Marfat.com

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿18﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿19﴾

کی ترغیب نہیں دیتے ⑱ اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ⑲ [1] اور تم مال سے جی

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿20﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ

بھر کر پیار کرتے ہو ⑳ [2] ہرگز نہیں! [3] جب زمین خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی

دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾ وَجِايْٓءَ

جائے گی ㉑ اور آپ کا رب اور فرشتے صف در صف آئیں گے ㉒ [4] اور اس دن جہنم (سامنے)

يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى

لائی جائے گی، [5] اس دن انسان (اپنے کرتوت) یاد کرے گا اور یہ یاد کرنا اس کے لیے کیونکر

لَهُ الذِّكْرٰى ﴿23﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿24﴾

(مفید) ہوگا ㉓ [6] وہ کہے گا: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا ㉔ [7] چنانچہ

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿25﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ

اس دن اس جیسا عذاب دینے والا اور کوئی نہیں ہوگا ㉕ اور اس جیسا جکڑنے والا بھی اور کوئی

اَحَدٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى

نہیں ہوگا ㉖ [8] اے مطمئن روح! ㉗ تو اپنے رب کی طرف چل [9] اس حال میں

رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾

کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی ㉘ پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا ㉙

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾

اور میری جنت میں داخل ہو جا ㉚

اٰیاتُہا: 20 | سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ | رُکوعُہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿1﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿2﴾

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ① [10] اور آپ کے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ② [11]

کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے، جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں۔" (الأدب المفرد، حديث: 137، ضعیف، البتہ دوسرا حصہ صحیح ہے، دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 5150)

[1] یعنی جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے۔ لَمًّا بمعنی جَمْعًا یعنی سارا کا سارا۔ [2] جَمًّا بمعنی كَثِيْرًا "بہت۔" [3] یعنی تمھارا عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مذکور ہوا کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے جب...... [4] کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے قیامت والے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہوگی، اس طرح سات صفیں ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔ [5] ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جہنم جکڑی ہوئی ہوگی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث: 2842، وجامع الترمذي، حديث: 2573) اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب فرشتے اور انبیاء گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور يَارَبِّ نَفْسِي نَفْسِي پکاریں گے۔ (فتح القدير) [6] یعنی یہ ہولناک منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر پر نادم ہوگا لیکن اس روز ندامت اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ [7] یہ افسوس اور حسرت کا اظہار اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہوگی۔ [8] اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے، دوسرے کسی کو اس کے سامنے دم مارنے کا حوصلہ نہیں ہوگا حتی کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے، اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حال ہوگا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہوگا، جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔ [9] یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں: قیامت والے دن کہا جائے گا، بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ» (ابن كثير ضعيف) "اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں جو تیرے ساتھ مطمئن ہو، تیری ملاقات پر یقین رکھے، تیرے فیصلوں پر راضی رہے اور تیرے دیے ہوئے پر قناعت کرے۔" [10] اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت، جب اس سورت کا نزول ہوا، نبی کریم ﷺ کا قیام تھا، آپ ﷺ کا مولد بھی یہی شہر تھا، یعنی اللہ نے آپ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی جس

Marfat.com

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿3﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ﴿4﴾

اور قسم ہے والد (آدم) کی اور اس کی اولاد کی (3) [1] بلاشبہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (4) [2]

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ﴿5﴾ یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا

کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قابو نہ پا سکے گا؟ (5) [3] وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال لٹا

لُّبَدًا ﴿6﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿7﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴿8﴾

دیا (6) [4] کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟ (7) [5] کیا ہم نے اسے دو آنکھیں نہیں دیں؟ (8) [6]

وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ﴿9﴾ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴿10﴾ فَلَا اقْتَحَمَ

اور زبان اور دو ہونٹ؟ (9) [7] اور ہم نے اسے دونوں راستے سمجھا دیے (10) [8] پھر وہ گھاٹی پر سے ہو کر

الْعَقَبَةَ ﴿11﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿12﴾ فَکُّ رَقَبَةٍ ﴿13﴾

نہیں گزرا (11) [9] اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ (12) وہ ہے کسی انسان کو غلامی سے چھڑانا (13)

اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿14﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿15﴾ اَوْ

یا بھوک والے دن کھانا کھلانا (14) کسی رشتہ دار یتیم کو (15) یا کسی خاک نشین

مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿16﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا

مسکین کو (16) [10] پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے [11] اور انھوں نے باہم صبر کی وصیت کی

سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ [11] یہ اشارہ ہے اس وقت کی طرف جب مکہ فتح ہوا، اس وقت اللہ نے نبی ﷺ کے لیے اس بلد حرام میں قتال کو حلال فرما دیا تھا جبکہ اس میں لڑائی کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اس شہر کو اللہ نے اس وقت سے حرمت والا بنایا ہے، جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے، پس یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمت سے قیامت تک حرام ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کے کانٹے اکھیڑے جائیں، میرے لیے اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا اور آج اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے، جیسے کل تھی ...... اگر کوئی یہاں قتال کے لیے دلیل میں میری لڑائی کو پیش کرے تو اس سے کہو کہ اللہ کے رسول کو تو اس کی اجازت اللہ نے دی تھی جبکہ تمھیں یہ اجازت اس نے نہیں دی۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 104، وصحیح مسلم، حدیث: 1354) اس اعتبار سے معنی ہوں گے: وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ ”اے پیغمبر! تیرے لیے مستقبل میں اس شہر میں لڑائی حلال ہوگی۔“ بعض نے ﴿حِلٌّ﴾ کے معنی کیے ہیں کہ تو اس شہر میں رہنے والا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معنی اس وقت صحیح ہوں گے جب لغت عرب سے یہ ثابت ہو کہ حِلٌّ، حَلَّ (اترنا، قیام کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہ جملہ معترضہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لغت عرب میں یہ لفظ مُقِیمٌ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، (دیکھیے: المعجم الوسیط)

[1] بعض نے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد لی ہے اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے، ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔ [2] یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے۔ امام طبری نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے، یہ جواب قسم ہے۔ [3] یعنی کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں۔ [4] ﴿لُّبَدًا﴾ کثیر، ڈھیر، یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے، پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔ [5] اس طرح اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے، حالانکہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس پر وہ اسے جزا دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت پکڑیں۔ [6] جن سے یہ دیکھتا ہے۔ [7] زبان سے وہ بولتا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔ [8] یعنی خیر کا بھی اور شر کا بھی، ایمان کا بھی اور کفر کا بھی اور سعادت کا بھی شقاوت کا بھی، جیسے فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا﴾ (الدھر 3:76) ”ہم نے اس کو راستہ بتلا دیا ہے، اب وہ شکر گزار بن جائے یا ناشکرا۔“ ﴿النَّجْدَیْنِ﴾ کے معنی ہیں: اونچی جگہ، اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے: ”ہم نے انسان کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی۔“ یعنی وہ عالم شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔ [9] ﴿الْعَقَبَةَ﴾ گھاٹی کو کہتے ہیں، یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جملہ یہاں استفہام بمعنی انکار کے مفہوم میں ہے، یعنی أَفَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ کیا وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۔ مطلب ہے کہ نہیں ہوا۔ یہ ایک مثال ہے اس محنت و مشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے وسوسوں اور نفس کے شہوانی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے، جیسے گھاٹی پر چڑھنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ (فتح القدیر) [10] ﴿مَسْغَبَةٍ﴾ بمعنی مَجَاعَةٌ (بھوک) ﴿ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (مٹی والا) یعنی جو فقر و غربت کی وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو۔ اس کا گھر بار بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دینا، کسی بھوکے کو، رشتے دار

Marfat.com

بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿17﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿18﴾ وَالَّذِينَ

اور باہم رحم کرنے کی وصیت کی⑰ [1] وہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں⑱ اور جو لوگ ہماری آیتوں

ع 1 20 15 كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿19﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿20﴾

کے منکر ہوئے وہی بائیں ہاتھ والے ہیں⑲ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی⑳ [2]

آیاتہا: 15 | سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ﴿1﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ﴿2﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا

سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے کی قسم① [3] اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے② [4] اور دن

جَلَّاهَا ﴿3﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ﴿4﴾ وَالسَّمَاءِ وَمَا

کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھاتا ہے③ [5] اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے④ [6] اور

بَنَاهَا ﴿5﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ﴿6﴾ وَنَفْسٍ وَمَا

آسمان کی اور جس نے اسے بنایا⑤ [7] اور زمین کی اور جس نے اسے بچھایا⑥ [8] اور (انسانی) نفس کی

سَوَّاهَا ﴿7﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿8﴾ قَدْ أَفْلَحَ

اور جس نے اسے ٹھیک بنایا⑦ [9] پھر اس کی بدی اور اس کا تقویٰ اس پر الہام کیا⑧ [10] یقیناً فلاح

مَن زَكَّاهَا ﴿9﴾ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ﴿10﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا⑨ [11] اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کیا⑩ [12] قوم ثمود نے اپنی

بِطَغْوَاهَا ﴿11﴾ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴿12﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ

سرکشی کی وجہ سے (نبی کو) جھٹلایا⑪ [13] جب اٹھ کھڑا ہوا اس قوم کا بڑا بدبخت⑫ [14] تو انھیں رسول

نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ﴿13﴾ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا

اللہ نے کہا: اللہ کی اونٹنی (کی حفاظت کرو) اور اس کو پانی پلانے کی⑬ [15] پھر انھوں نے اس کو

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ

جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، [16] تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر تباہی ڈال

یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلا دینا، یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا۔ یتیم کی کفالت ویسے ہی بڑے اجر کا کام ہے لیکن اگر وہ رشتے دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے۔ ایک صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔ اسی طرح احادیث میں غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک گونہ ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ہے۔

[11] اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال خیر اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں گے جب ان کا کرنے والا صاحب ایمان ہوگا۔

[1] اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں۔ [2] ﴿مُّؤْصَدَةٌ﴾ کے معنی ہیں مُغْلَقَةٌ (بند)، یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا تاکہ ایک تو آگ کی پوری شدت وحرارت ان کو پہنچے۔ دوسرے، وہ بھاگ کر کہیں نہ جا سکیں۔ [3] یا اس کی روشنی کی یا مطلب ضُحٰی سے دن ہے، یعنی سورج کی اور دن کی قسم! [4] یعنی جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ پہلے نصف مہینے میں ایسا ہوتا ہے۔ [5] یا تاریکی کو دور کرے، ظلمت کا پہلے ذکر تو نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ (فتح القدیر)
[6] یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت اندھیرا چھا جائے۔
[7] یا اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ پہلے معنی کی رو سے ﴿مَا﴾ مصدریہ ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بمعنی مَنْ۔ [8] یا جس نے اسے ہموار کیا۔ [9] یا جس نے اسے درست کیا۔ درست کرنے کا مطلب ہے: اسے متناسب الاعضاء بنایا، بے ڈھبا اور بے ڈھنگا نہیں بنایا۔ [10] الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انھیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انھیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر وشر کی پہچان کروا دی۔ یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کر دیا تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔ [11] شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا، وہ اخروی فوز وفلاح سے ہمکنار ہوگا۔ [12] یعنی جس نے اسے گمراہ کر لیا، وہ خسارے میں رہا۔ دَسٌّ، تَدسِیسٌ سے ہے جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو چھپا دینا۔ ﴿دَسّٰهَا﴾ کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور اسے اللہ کی اطاعت اور عمل صالح میں نہیں لگایا۔ [13] طُغْيَانٌ وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے اسی طغیان نے انھیں تکذیب پر آمادہ کیا۔ [14] جس کا نام مفسرین قدار بن سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ رئیس الاشقیاء بن گیا سب سے بڑا اشقی (بدبخت)۔ [15] یعنی اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو، اس میں بھی گڑبڑ نہ کی جائے۔ اونٹنی اور قوم ثمود دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے پروا نہیں کی۔ [16] یہ کام ایک ہی شخص قدار نے کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس شرارت میں قوم بھی

Marfat.com

ع 1 15 16

فَسَوّٰىهَا (14) وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (15)

کر[1] سب کا صفایا کر دیا (14) [2] اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا (15) [3]

اٰیَاتُهَا:21 | سُوْرَةُ الَّیْلِ مَكِّیَّةٌ | رُکُوْعُهَا:1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (1) وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (2) وَمَا خَلَقَ

رات کی قسم جب وہ چھا جائے (1) [4] اور دن کی جب وہ روشن ہو (2) [5] اور اس ذات کی جس نے نر

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (3) اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (4) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى

اور مادہ پیدا کیے (3) [6] بے شک تمھاری کوشش (باہم) مختلف ہے (4) [7] پھر جس نے (اللہ کی راہ

وَاتَّقٰى (5) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (6) فَسَنُيَسِّرُهٗ

میں) دیا اور ڈرتا رہا (5) [8] اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی (6) [9] تو یقیناً اسے عنقریب ہم آسان

لِلْيُسْرٰى (7) وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى (8) وَكَذَّبَ

(راہ) کی توفیق دیں گے (7) [10] اور لیکن جس نے کنجوسی کی اور پروا نہ کی (8) [11] اور اس نے نیک بات

بِالْحُسْنٰى (9) فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (10) وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ

کو جھٹلایا (9) [12] تو اسے عنقریب ہم تنگی کی (راہ کی) سہولت دیں گے (10) [13] اور جب وہ (دوزخ میں)

مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى (11) اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (12) وَاِنَّ

گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا (11) [14] بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے (12) [15] اور

اس کے ساتھ شریک تھی، اس لیے اس میں سب کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا۔ اور تکذیب اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی۔ اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک برائی کا ارتکاب کرنے والے اگر ایک یا چند افراد ہوں لیکن پوری قوم اس برائی پر نکیر کرنے کی بجائے اسے پسند کرتی ہو اور ان کی پشت پر کھڑی ہو تو اللہ کے ہاں پوری قوم اس برائی کی مرتکب قرار پائے گی اور اس جرم یا برائی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔

[1] فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ ان کو ہلاک کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔ [2] عام کر دیا، یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا، کسی کو نہیں چھوڑا، چھوٹا بڑا، سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا، یعنی سب کو تہ خاک کر دیا۔ [3] یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اس نے انھیں سزا دی ہے کہ کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدلہ لے گی۔ وہ انجام سے بے خوف ہے کیونکہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کر یا اس کے ہی ہو جو اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتی ہو۔ [4] یعنی افق پر چھا جائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔ [5] یعنی رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔ [6] یہ اللہ نے اپنی قسم کھائی کیونکہ مرد و عورت دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ مَا موصولہ ہے، بمعنی الَّذِي۔ [7] یعنی کوئی اچھے عمل کرتا ہے جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی برے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہ جواب قسم ہے۔ لَشَتّٰى شَتِيْتٌ کی جمع ہے، جیسے مَرِيْضٌ کی جمع مَرْضٰى. [8] یعنی خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور محارم سے بچے گا۔ [9] یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ انفاق اور تقویٰ کا اللہ کی طرف سے عمدہ صلہ ملے گا۔ [10] يُسْرٰى کا مطلب نیکی اور اَلْخَصْلَةُ الْحُسْنٰى ہے، یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے چھ غلام آزاد کیے جنھیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت اذیت دیتے تھے۔ (فتح القدير) [11] یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پروائی کرے گا۔ [12] یا آخرت کی جزا اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔ [13] عُسْرٰى (تنگی) سے مراد کفر و معصیت اور طریق شر ہے، یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راستہ آسان کر دیں گے جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے، اس کے صلے میں اللہ اسے خیر کی توفیق سے نواز دیتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے علم سے لکھ رکھی ہے۔ (ابن كثير) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم عمل کرو، ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔ جو اہل سعادت سے ہوتا ہے، اسے اہل سعادت والے عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے، اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4949) [14] یعنی جب جہنم میں گرے گا تو یہ مال، جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا، کچھ کام نہ آئے گا۔ [15] یعنی حلال اور حرام، خیر اور شر، ہدایت اور ضلالت کو واضح اور بیان کرنا ہمارے ذمے ہے (جو کہ ہم نے کر دیا ہے۔)

Marfat.com

لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ⑬ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا

بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے⑬[1] بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے

تَلَظّٰی ⑭ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ⑮ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ⑯

ڈرا دیا ہے⑭ اس میں بڑا بدبخت ہی داخل ہو گا⑮ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا⑯[2]

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ⑰ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ⑱

اور بڑا متقی اس سے ضرور دور رکھا جائے گا⑰[3] جو پاک ہونے کے لیے اپنا مال دیتا ہے⑱[4]

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ⑲ اِلَّا ابْتِغَآءَ

اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیا جائے⑲[5] مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ

وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ⑳ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ㉑ ع

چاہتے ہوئے (مال خرج کرتا ہے) ⑳[6] اور یقیناً وہ (اللہ) جلد اس سے راضی ہو گا㉑[7]

آیاتها:11 — سُوْرَةُ الضُّحٰی مَكِّیَّةٌ — رکوعها:1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالضُّحٰی ① وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم!①[8] اور رات کی جب وہ چھا جائے②[9] (اے نبی!) آپ کے رب

وَمَا قَلٰی ③ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ④

نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ ناراض ہوا③[10] اور یقیناً آپ کے لیے آخرت، دنیا سے بہت بہتر ہے④[11] اور

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ⑤ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا

جلد آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے⑤[12] کیا اس نے آپ کو یتیم نہ

[1] یعنی دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم سے ہی مانگیں کیونکہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔ [2] اس آیت سے مُرجئہ فرقے نے (جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے) استدلال کیا ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا دینا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جہنم میں جائیں گے، پھر وہ نبی ﷺ ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے، یہاں حصر کے انداز میں جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ پکے کافر اور نہایت بدبخت ہیں، جہنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے جس میں وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔ اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جہنم میں جائیں گے تو وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ بطور سزا ان کا یہ دخول عارضی ہو گا۔ (فتح القدیر) [3] یعنی جہنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ [4] یعنی جو اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تا کہ اس کا نفس بھی اور اس کا مال بھی پاک ہو جائے۔ [5] یعنی بدلہ اتارنے کے لیے خرچ نہ کرتا ہو۔ [6] بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔ [7] یا وہ راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور وہی اس سے مراد ہیں۔ (دیکھیے مباحث في علوم القرآن و دراسات في علوم القرآن الکریم، ص:551) تاہم بعض علماء الْاَتْقَی کو عموم پر حمل کر کے قاعدہ: اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ ''لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے سبب نزول کے خصوص کا نہیں۔'' کے تحت کہتے ہیں کہ جو بھی ان صفات عالیہ سے متصف ہو گا، وہ بھی بارگاہ الٰہی میں ان کا مصداق قرار پائے گا۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے محمد! معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا، جس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4950) یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔ (فتح الباري: 907/8) [8] چاشت وَالضُّحٰی اس وقت کو کہتے ہیں، جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔ [9] سَجٰی کے معنی ہیں: سَكَنَ جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندھیرا مکمل چھا جائے کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔ [10] جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔ [11] یا آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ دونوں مفہوم معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ [12] اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا اجر و ثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ کو اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

Marfat.com

فَاٰوٰى ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ⑦ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا

پایا، پھر ٹھکانا دیا⑥ [1] اور آپ کو ناواقفِ راہ پایا، پھر ہدایت بخشی⑦ [2] اور آپ کو تنگ دست پایا، پھر

فَاَغْنٰى ⑧ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩

مال دار کر دیا⑧ [3] لہٰذا آپ یتیم پر سختی نہ کریں⑨ [4] اور سوالی کو نہ جھڑکیں⑩ [5]

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪

اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتے رہیں⑪ [6]

ایاتہا: 8 | سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ① وَوَضَعْنَا عَنْكَ

(اے نبی!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟① [7] اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ

وِزْرَكَ ② الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ وَرَفَعْنَا لَكَ

اتار دیا② [8] جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی③ اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر

ذِكْرَكَ ④ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

دیا④ [9] پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے⑤ بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے⑥ [10]

[1] یعنی باپ کے سہارے سے بھی آپ محروم تھے، ہم نے آپ کی دست گیری اور چارہ سازی کی۔ [2] یعنی آپ کو دین شریعت اور ایمان کا پتا نہیں تھا، ہم نے آپ کو راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی، ورنہ اس سے قبل آپ ہدایت کے لیے سرگرداں تھے، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (الشورىٰ 52:42) ”پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔“ [3] مال دار کا مطلب ہے، اپنے سوا آپ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس آپ فقر میں صابر اور غنا (تونگری) میں شاکر رہیں، جیسے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ ”تونگری، ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔“ (صحيح مسلم، حديث: 1051) [4] بلکہ اس کے ساتھ نرمی واحسان کا معاملہ کریں۔ [5] یعنی اس سے سختی اور تکبر نہ کریں، نہ درشت اور تلخ لہجہ اختیار کریں بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دیں۔ [6] یعنی اللہ نے آپ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً: ہدایت اور رسالت و نبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود آپ کی کفالت و سرپرستی کا انتظام کیا، آپ کو قناعت و تونگری عطا کی وغیرہ۔ انھیں جذبات تشکر و ممنونیت کے ساتھ بیان کرتے رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت و طاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔ [7] گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات جتلائے جا رہے ہیں۔ سینہ کھول دینا، ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سما بھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الأنعام 125:6) ”جس کو اللہ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“ یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آ جاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، جبکہ آپ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے آپ کا دل چیرا اور اس سے وہ حصۂ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے آب زم زم سے دھو کر بند کر دیا۔ (صحيح مسلم، حديث: 162) دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر۔ اس موقع پر آپ کا سینۂ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 349، وصحيح مسلم، حديث: 164) ان کے علاوہ بعض روایات میں دو مرتبہ اور شق صدر کا ذکر آیا ہے، ایک اس وقت جب نبی ﷺ دس سال کے تھے اور ایک غار حرا میں وحی کے آغاز پر۔ (فتح الباري: 597/1) لیکن بعض علماء ان آخری دو واقعوں کی اسنادی حیثیت پر مطمئن نہیں ہیں (سیرت النبی ﷺ: 297/3، سید سلیمان ندوی) [8] ﴿وِزْرَكَ﴾ آپ کا بوجھ۔ اس سے مراد سابقہ تمام خلاف اَولیٰ امور ہیں جن کو ذنوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی یہ وہی مفہوم ہے جو ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح 2:48) ”تاکہ جو کچھ آپ کے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے، سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔“ کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ کار نبوت و تبلیغ کا بوجھ تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ و دعوت میں آسانیاں

Marfat.com

يُسْرًا ﴿6﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿7﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿8﴾ ع 8 19

چنانچہ جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کیجیے⑦ [1] اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کیجیے⑧ [2]

رُكُوْعُهَا: 1 | سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ | اٰيَاتُهَا: 8

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿1﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿2﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿3﴾ لَقَدْ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی① اور طور سیناء کی② [3] اور اس پُرامن شہر (مکہ) کی③ [4] ہم نے انسان کو بہترین

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿4﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿5﴾

شکل وصورت میں پیدا کیا ہے④ [5] پھر ہم نے اسے نیچوں سے نیچے پھینک دیا⑤ [6] مگر جو لوگ ایمان

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿6﴾

لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے بے انتہا اجر ہے⑥ [7] پھر (اے انسان!) اس کے بعد تجھے

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿7﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿8﴾ ع 1 8 20

کون سی چیز جزا و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے⑦ [8] کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟⑧ [9]

پیدا فرما دیں۔ [9] یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ کا نام بھی آتا ہے، مثلاً: اذان، نماز اور دیگر بہت سے مقامات پر، گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا وغیرہ۔ [10] یہ آپ کے لیے اور صحابہ کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمھیں فراغت و آسانی سے نوازے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جسے ساری دنیا جانتی ہے۔

[1] یعنی نماز سے یا تبلیغ سے یا جہاد سے آپ دعا میں محنت کریں یا اتنی عبادت کریں کہ آپ تھک جائیں۔ [2] یعنی اسی سے جنت کی امید رکھیں، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کریں اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسا رکھیں۔

[3] یہ وہی کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔ [4] اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں قتال کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحب شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طورِ سَیْنَاء یا سِیْنِیْن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شہر مکہ میں سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (ابن كثير)

[5] یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے، پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل و تدبر، فہم و حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں ودیعت کیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا: «خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ» (صحيح البخاري، حديث: 6227، و صحيح مسلم، حديث: 2841) ''اللہ عزوجل نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا۔'' انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے جس کا ذکر اللہ نے تین قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح الباري: 226/5) [6] یہ اشارہ ہے انسان کے ارذل عمر (بہت زیادہ بڑھاپے کی عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھاپا اور ضعف آ جاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کردار کا وہ سفلہ پن مراد لیا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسوائی کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جہنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے آپ کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔ [7] آیت ماقبل کے پہلے مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ مبینہ ہے، مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرے تیسرے مفہوم کے اعتبار سے ماقبل کی تاکید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا استثنا کر دیا۔ (فتح القدير) [8] یہ انسان سے خطاب ہے، زجر و توبیخ کے لیے کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے برعکس قعر مذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی تو قیامت اور جزا کا انکار کرتا ہے! ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ﴾ مايحملك على التكذيب کے معنی میں ہے۔ تجھے کون سی چیز تکذیب پر آمادہ کرتی ہے؟ یا مَا مَنْ کے معنی میں اور خطاب نبی ﷺ سے ہے، اس کے بعد کون آپ کی تکذیب کرتا ہے؟ [9] جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی دادرسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے: «بَلٰى وَاَنَا عَلٰى

Marfat.com

رُكوعها:1 سُورَةُ العَلَق مَكيّة ايَاتُهَا:19

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾
اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ①[1] اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ②[2]
اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ
پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے ③[3] وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا ④[4] اس نے
الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ کَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ۙ﴿۶﴾ اَنۡ
انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ⑤ ہرگز نہیں! انسان تو یقیناً البتہ سرکشی کرتا ہے ⑥ اس بنا
رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی ؕ﴿۸﴾ اَرَءَیۡتَ
پر کہ وہ خود کو بے پروا سمجھتا ہے ⑦ بے شک آپ کے رب ہی کی طرف واپسی ہے ⑧ کیا آپ
الَّذِیۡ یَنۡہٰی ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَانَ
نے اسے دیکھا جو منع کرتا ہے ⑨ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ ⑩[5] بھلا دیکھ تو اگر وہ
عَلَی الۡہُدٰۤی ﴿ۙ۱۱﴾ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰی ﴿ؕ۱۲﴾ اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَذَّبَ
(بندہ) ہدایت پر ہو ⑪[6] یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو؟ ⑫[7] بھلا دیکھ تو اگر وہ (حق کو) جھٹلاتا اور (اس
وَ تَوَلّٰی ﴿ؕ۱۳﴾ اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ﴿ؕ۱۴﴾ کَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ ۬ۙ
سے) منہ موڑتا ہو؟ ⑬[8] کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے ⑭[9] ہرگز نہیں! اگر وہ باز نہ آیا
لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ ﴿ۙ۱۵﴾ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ﴿ۚ۱۶﴾
تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے ⑮[10] پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے ⑯[11]

ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِينَ" (جامع الترمذي، حديث: 3347)
[1] یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی ﷺ پر اس وقت آئی جب آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آ کر کہا: پڑھ، آپ نے فرمایا: ''میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں۔'' فرشتے نے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا اور کہا: پڑھ، آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ کو بھینچا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح البخاري، حديث: 3، وصحيح مسلم، حديث: 160)، اِقۡرَاۡ جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ خَلَقَ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ [2] مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔ [3] یہ بطور تاکید فرمایا اور اس میں بڑے بلیغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرما دیا جو آپ ﷺ نے پیش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا: اللہ بہت کرم والا ہے پڑھ، یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔ [4] قَلَمٌ کے معنی ہیں: قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پہلے زمانے میں تراش کر ہی بنائے جاتے تھے، اس لیے آلۂ کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے، وہ بھی محفوظ نہیں رہتا، البتہ قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو ہمیشہ محفوظ رہتا ہے، اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ یہی ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔ [5] مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابوجہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ عَبۡدًا سے مراد نبی ﷺ ہیں۔ [6] یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔ [7] یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم جس سے جہنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھمکیاں دی جائیں۔ [8] یعنی یہ ابوجہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو۔ اَرَءَیۡتَ بمعنی اَخۡبِرۡنِي (مجھے بتلاؤ) ہے۔ [9] مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ ان کی اس کو جزا دے گا، یعنی یہ اَلَمۡ یَعۡلَمۡ مذکورہ شرطوں اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَانَ عَلَی الۡہُدٰۤی ○ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰی ○ اَرَءَیۡتَ اِنۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ○ کی جزا ہے۔ [10] یعنی نبی ﷺ کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ آیا لَنَسۡفَعًۢا کے معنی ہیں: لَنَأۡخُذَنۡ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا: اگر محمد (ﷺ) کعبے کے پاس نماز پڑھنے سے باز نہ آیا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ (اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4958) [11] یہ پیشانی کی صفات ہیں مراد صاحب پیشانی ہے، یعنی جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

Marfat.com

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿17﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿18﴾

چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ⑰ یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے ⑱

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿19﴾

ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں ⑲

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ

آیاتها: 5 | رکوعها: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿1﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿2﴾

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ①[2] اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ ②[3]

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿3﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے ③[4] اس رات میں فرشتے اور روح (جبریل) اپنے رب کے حکم

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿4﴾ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿5﴾

سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں ④[5] (وہ رات) طلوع فجر تک سلامتی (ہی سلامتی) ہے ⑤[6]

[1] حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل گزرا تو کہا: اے محمد! میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا اور آپ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگا: اے محمد! تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے۔ اللہ کی قسم! اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت ملائکۂ عذاب انھیں پکڑ لیتے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3349، ومسند أحمد: 329/1، وتفسير الطبري) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2797) اَلزَّبَانِيَةَ داروغے اور پولیس، یعنی طاقتور لشکر جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ [2] اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ اَلْقَدْرِ کے معنی قدر ومنزلت بھی ہیں، اس لیے شب قدر کہتے ہیں، اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْمِ بھی کہتے ہیں، اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر، یعنی تنگی کی رات یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ (فتح القدير) احادیث وآثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس کو مبہم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں اللہ کی خوب عبادت کریں۔ [2] یعنی اتارنے کا آغاز کیا یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں جو آسمان دنیا پر ہے، ایک ہی مرتبہ اتار دیا اور وہاں سے حسب وقائع نبی ﷺ پر اترتا رہا تا آنکہ 23 سال میں پورا ہو گیا۔ اور اس آیت کریمہ: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہوتی ہے کیونکہ قرآن کی آیت: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرة 2:185) ''رمضان وہ ماہ مقدس ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔'' سے یہ واضح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا ہے اور سورۂ قدر کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن قدر کی رات اترا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اور جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ (صحيح بخاري، حديث: 2021) [3] اس استفہام سے اس رات کی عظمت واہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔ [4] یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے 83 سال 4 مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرما دی۔ [5] روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت اس رات زمین پر اترتے ہیں، ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ [6] یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شب قدر کے لیے نبی ﷺ نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي» (جامع الترمذي، حديث: 3513، وسنن ابن ماجه، حديث: 3850) ''اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، معافی کو

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ
اہل کتاب کے بعض کافر[1] اور مشرکین[2] (کفر سے) رکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس
حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ②
واضح دلیل آ جائے ① اللہ کی طرف سے ایک رسول[3] جو پاکیزہ صحیفے پڑھے ②[4] جن میں درست
فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
اور معتدل احکام ہیں ③ [5] اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، ان میں تفرقہ ان کے پاس واضح
مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
دلیل آ جانے کے بعد پڑا ④ [6] حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا[7] کہ وہ بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر
لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ
کے، یکسو ہو کر،[8] اس کی عبادت کریں، اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور یہی سیدھی ملت کا
الْقَيِّمَةِ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
دین ہے ⑤ [9] بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین آتش جہنم میں جلیں
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥
گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہی لوگ مخلوق میں بدترین ہیں ⑥ [10] بے شک جو لوگ ایمان
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦
لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی لوگ مخلوق میں بہترین ہیں ⑦ [11] ان کی جزا ان کے رب
جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد

پسند کرتا ہے، پس تو مجھے بھی معاف کر دے۔'' اس لیے شب قدر میں اسے کثرت سے پڑھنا چاہیے۔

❁ اس کا دوسرا نام سورۂ لَمْ يَكُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورۂ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ تجھے پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4959) [1] اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ [2] مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ ﴿مُنْفَكِّيْنَ﴾ باز آنے والے، ﴿الْبَيِّنَةُ﴾ (دلیل) سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد (ﷺ) قرآن لے کر آ جائیں اور وہ ان کی ضلالت و جہالت بیان کریں اور انھیں ایمان کی دعوت دیں۔ [3] یعنی حضرت محمد ﷺ۔ [4] یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔ [5] یہاں ﴿كُتُبٌ﴾ سے مراد احکام دینیہ اور ﴿قَيِّمَةٌ﴾ معتدل اور سیدھے۔ [6] یعنی اہل کتاب نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل مجتمع تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہو گئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی ﷺ کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کی تکذیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تفرق کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا کیونکہ یہ بہرحال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔ [7] یعنی ان کی کتابوں میں انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ...... [8] حَنِيْفٌ کے معنی ہیں، مائل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ ﴿حُنَفَآءَ﴾ جمع ہے، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ [9] ﴿الْقَيِّمَةِ﴾ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ أَيِ الْمُسْتَقِيْمَةِ یا دِيْنُ الْأُمَّةِ الْمُسْتَقِيْمَةِ الْمُعْتَدِلَةِ یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال، ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر) [10] یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے، نیز انھیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔ [11] یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے اعضاء کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔ جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ ﴿الْبَرِيَّةِ﴾ بَرَأَ (خَلَقَ) سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت البَارِئُ ہے، اس لیے بَرِيَّة، اصل میں بَرِيْئَةٌ ہے، ہمزہ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔

Marfat.com

ع 1 8 23
فِيهَآ أَبَدًا ۖ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهُۥ ⑧

تک، اللہ ان سے راضی[1] اور وہ اللہ سے راضی، یہ[2] (مقام) اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا⑧[3]

آیاتہا: 8 | سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعہا: 1

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ ٱلْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَأَخْرَجَتِ ٱلْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ②

جب زمین پورے زور سے ہلائی جائے گی①[4] اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی②[5] اور

وَقَالَ ٱلْإِنسَٰنُ مَا لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ④

انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟③[6] اس دن وہ اپنے (خود پر گزرنے والے) حالات بیان کرے گی④[7] کیونکہ

بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ ٱلنَّاسُ أَشْتَاتًا

آپ کا رب اسے (یہی) حکم دے گا⑤[8] اس روز لوگ الگ الگ ہو کر لوٹیں گے[9] تاکہ انھیں ان

لِّيُرَوْا۟ أَعْمَٰلَهُمْ ⑥ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُۥ ⑦

کے اعمال دکھائے جائیں⑥[10] لہٰذا جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا⑦[11] اور جس نے

ع 1 8 24
وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُۥ ⑧

ذرہ بھر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا⑧[12]

1 ان کے ایمان وطاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ (التوبة 9:72) ”اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔“ 2 اس لیے کہ اللہ نے انھیں ایسی نعمتوں سے نواز دیا جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں۔ 3 یعنی یہ جزا اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لی حتیٰ کہ ان کی موت اسی اطاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے، حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔ ❊ اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ 4 اس کا مطلب ہے کہ سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی، یہ اس وقت ہوگا، جب پہلا نفخہ پھونکا جائے گا۔ 5 یعنی زمین میں جتنے انسان دفن ہیں، وہ زمین کا بوجھ ہیں جنھیں زمین قیامت والے دن باہر نکال پھینکے گی، یعنی اللہ کے حکم سے سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دوسرے نفخے میں ہوگا، اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔ 6 یعنی دہشت زدہ ہو کر کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، یہ کیوں اس طرح ہل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے؟ 7 یہ جواب شرط ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا: ”جانتے ہو، زمین کی خبریں کیا ہیں۔“ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہوگا، اس کی گواہی دے گی۔ کہے گی: فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں کیا تھا۔“ (جامع الترمذي، حديث:3353، ومسند أحمد:2/374 ضعفه البعض) 8 یعنی زمین کو یہ قوت گویائی اللہ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے، جس طرح انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرما دے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ متکلم بنا دے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔ 9 ﴿يَصْدُرُ﴾ يَرْجِعُ (لوٹیں گے) یہ ورود کی ضد ہے، یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿أَشْتَاتًا﴾ متفرق، یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے، جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ، جو ان کے جہنمی ہونے کی علامت ہوگی۔ بعض کا رخ دائیں جانب ہوگا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ، ادیان و مذاہب اور اعمال و افعال کی بنیاد پر ہوں گے۔ 10 یہ متعلق ہے يَصْدُرُ کے یا اس کا تعلق ﴿تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ سے ہے، یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تاکہ انسانوں کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔ 11 پس وہ اس سے خوش ہوگا۔ 12 وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہوگا۔ ﴿ذَرَّةٍ﴾ بعض کے نزدیک چیونٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں: انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ ذرّہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد و غبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک شخص سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تأمل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدير)

Marfat.com

اٰیَاتُھَا: 11 — سُوْرَةُ الْعٰدِیٰتِ مَكِّیَّةٌ — رُكُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِیْرٰتِ
سرپٹ دوڑتے، ہانپتے گھوڑوں کی قسم ①[1] پھر سم مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی ②[2] پھر صبح کے
صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④ فَوَسَطْنَ بِهٖ
وقت حملہ کرنے والوں کی ③[3] پھر اس وقت وہ گرد وغبار اڑاتے ہیں ④[4] پھر اس وقت وہ (دشمن
جَمْعًا ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥ وَاِنَّهٗ عَلٰى
کی) جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں ⑤[5] بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ⑥[6] اور
ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ⑦ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ⑧
بے شک وہ اس بات پر (خود بھی) گواہ ہے ⑦[7] اور بے شک وہ مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہے ⑧[8]
اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِی
کیا پھر وہ نہیں جانتا جب نکال باہر کیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے ⑨[9] اور ظاہر کر دیا جائے گا
الصُّدُوْرِ ⑩ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ⑪ ع 1/11/25
جو کچھ سینوں میں ہے ⑩[10] بے شک ان کا رب اس دن ان (کے حال) سے خوب آگاہ ہوگا ⑪[11]

اٰیَاتُھَا: 11 — سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّیَّةٌ — رُكُوْعُھَا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
کھڑکھڑا دینے والی ①[12] کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی! ② اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا

[1] عادیاتٌ، عَادِیَةٌ کی جمع ہے۔ یہ عَدْوٌ سے ہے جیسے غَزْوٌ ہے۔ غَازِیَاتٌ کی طرح اس کے واؤ کو بھی یاء سے بدل دیا گیا ہے، تیز رو گھوڑے۔ ضَبْحًا کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنہنانا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنہناتے ہوئے تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔ [2] مُوْرِیَاتٌ، اِیرَآءٌ سے ہے، آگ نکالنے والے۔ قَدْحًا کے معنی ہیں: صَكٌّ چلنے میں گھٹنوں یا ایڑیوں کا ٹکرانا یا ٹاپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بِالزِّنَادِ ہے۔ چقماق سے آگ نکالنا، یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی ہے، جیسے چقماق سے نکلتی ہے۔ [3] مُغِیرَاتٌ أَغَارَ یُغِیرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ صُبْحًا صبح کے وقت، عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا، شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔ [4] أَثَارَ، اڑانا۔ نَقْعًا گرد وغبار، یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولتے ہیں تو اس جگہ پر گرد وغبار چھا جاتا ہے۔ [5] فَوَسَطْنَ درمیان میں گھس جاتے ہیں، بِهٖ میں "ہ" کی ضمیر وقت کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور جگہ کے لیے بھی، یعنی اس وقت یا اس جگہ میں۔ جَمْعًا دشمن کے لشکر میں۔ مطلب ہے کہ اس وقت یا جبکہ فضا گرد وغبار سے اٹی ہوتی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھمسان کی جنگ کرتے ہیں۔ [6] یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ كَنُوْدٌ بمعنی كَفُوْرٌ، ناشکرا۔ [7] یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض اِنَّهٗ کی ضمیر رب کی طرف راجع کرتے ہیں اور لَشَهِیْدٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کو لیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے، اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔ [8] الْخَیْرِ سے مراد مال ہے، جیسے اِنْ تَرَكَ خَیْرًا ۖۚ الْوَصِیَّةُ (البقرۃ 2:180) میں ہے، معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ [9] بُعْثِرَ نُثِرَ وَ بُعِثَ یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔ [10] حُصِّلَ مُیِّزَ وَ بُیِّنَ یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔ [11] یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے۔ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی، چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔ [12] یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً: الحاقة، الطامّة، الصاخّة، الغاشية، الساعة، الواقعة وغیرہ۔ اَلْقَارِعَةُ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو خوف زدہ اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی۔

Marfat.com

الْقَارِعَةُ ﴿3﴾ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿4﴾
دینے والی کیا ہے؟(3) جس دن لوگ (ایسے) ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پروانے(4)[1] اور
وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿5﴾ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ
پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون جیسے ہو جائیں گے(5)[2] پھر جس شخص کے پلڑے بھاری
مَوَازِينُهُ ﴿6﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿7﴾ وَأَمَّا مَنْ
ہو گئے(6)[3] تو وہ اپنی پسند کی زندگی میں ہو گا(7)[4] اور جس شخص کے پلڑے
خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿8﴾ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿9﴾ وَمَا أَدْرَاكَ
ہلکے ہو گئے(8)[5] تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (گڑھا) ہو گا(9)[6] اور آپ کو کیا معلوم کہ ''ہاویہ''
مَا هِيَهْ ﴿10﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿11﴾
کیا ہے(10)[7] وہ سخت دہکتی ہوئی آگ ہے(11)[8]

آیاتہا:8 | سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعہا:1

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿1﴾ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿2﴾ كَلَّا سَوْفَ
باہم بہتات کی حرص نے تمھیں غافل کر دیا(1)[9] یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے(2)[10] ہرگز
تَعْلَمُونَ ﴿3﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿4﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ
نہیں![11] جلد ہی تم جان لو گے(3) پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے(4)[12] ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم

[1] فَرَاشٌ، شمع کے گرد منڈلانے والے پتنگے، پروانے وغیرہ۔ الْمَبْثُوثِ منتشر اور بکھرے ہوئے، یعنی قیامت والے دن انسان بھی پروانوں کی طرح پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔ [2] عِهْنٌ، اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، الْمَنْفُوشِ دھنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو قیامت والے دن ان کی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے: سورۂ نبا:78، آیت 20 کا حاشیہ نمبر: 9) اب آگے ان دو فریقوں کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت والے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔ [3] مَوَازِينُ، مِيزَانٌ کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں اعمال، عامل اور صحائف اعمال تولے جائیں گے جیسا کہ اس کا ذکر سورۂ اعراف 8:7، وسورۂ کہف 105:18، وسورۂ انبیاء 47:21 میں بھی گزرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں، مَوْزُونٌ کی جمع ہے، یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہوگا۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مفہوم ہی راجح اور صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ [4] یعنی ایسی زندگی جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔ [5] یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہوگا۔ [6] هَاوِيَةٌ جہنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جہنمی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمٌّ (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جہنمیوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُمٌّ کے معنی دماغ کے ہیں۔ جہنمی، جہنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر) [7] یہ استفہام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم و تصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کنہ نہیں جان سکتے۔ [8] جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے، یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے 69 گنا زیادہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3265، و صحيح مسلم، حديث: 2843) ایک اور حدیث میں ہے کہ ''آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما دی، ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں، پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا ٹھنڈا سانس ہے اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے، وہ جہنم کا گرم سانس ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3260) ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3259، وصحيح مسلم، حديث: 615) [9] أَلْهَىٰ يُلْهِي کے معنی ہیں: غافل کر دینا۔ التَّكَاثُرُ زیادتی کی خواہش۔ یہ عام ہے مال، اولاد، اعوان و انصار اور خاندان و قبیلہ وغیرہ، سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔ [10] اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے تمھیں موت آ گئی اور تم قبروں میں جا پہنچے۔ [11] یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔ [12] اس کا انجام عنقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

Marfat.com

عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا

کے ساتھ جان لو⑤ [1] تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے⑥ [2] پھر تم اسے ضرور یقین کی

عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧ ع 8 27

آنکھ سے دیکھو گے⑦ [3] پھر اس دن تم سے نعمتوں کی بابت ضرور سوال کیا جائے گا⑧ [4]

آیاتہا: 3 — سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ — رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

زمانے کی قسم① [5] بے شک انسان خسارے میں ہے② [6] سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ ع 1 3 28

انھوں نے نیک عمل کیے [7] اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی [8] اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی③ [9]

آیاتہا: 9 — سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ — رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ②

ہر طعنہ زن، عیب جو کے لیے ہلاکت ہے① [10] جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا② [11] وہ سمجھتا

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④

ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا③ [12] ہرگز نہیں! [13] اسے ضرور حُطَمہ میں پھینکا جائے گا④ [14]

[1] اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمھیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں مبتلا نہ ہو۔ [2] یہ قسم محذوف کا جواب ہے، یعنی اللہ کی قسم تم جہنم ضرور دیکھو گے، یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔ [3] پہلا دیکھنا دور سے ہوگا، یہ دیکھنا قریب سے ہوگا، اسی لیے اسے ﴿عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ (جس کا یقین مشاہدۂ عینی سے حاصل ہو) کہا گیا۔ [4] یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی، جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن و صحت، مال و دولت اور اولاد وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں: یہ سوال صرف کافروں سے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں: ہر ایک سے ہی ہوگا کیونکہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنھوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہوگا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے اور جنھوں نے کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہوگا، وہ دھر لیے جائیں گے۔ [5] زمانے سے مراد شب و روز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یہی مرور ایام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے۔ یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے صرف اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ [6] یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں، پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ [7] ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں کیونکہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہرحال ابدی نعمتوں اور جنت کی پرآسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔ [8] یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔ [9] یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و فرائض شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر صبر، لذات و خواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تواصی بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا جس سے اس کا شرف و فضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔ [10] ﴿هُمَزَةٍ﴾ اور ﴿لُّمَزَةٍ﴾ بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ ھُمَزَۃٌ وہ شخص ہے جو روبرو برائی کرے اور لُمَزَۃٌ، وہ جو پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ھَمْزٌ آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لَمْزٌ زبان سے۔ [11] اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔ ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکاۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام نہ ہو۔ [12] ﴿اَخْلَدَهٗ﴾ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا“، یعنی یہ مال جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔ [13] یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔ [14] ایسا بخیل شخص ﴿الْحُطَمَةِ﴾ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جہنم کا ایک نام ہے توڑ پھوڑ دینے والی۔

Marfat.com

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ﴿5﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ﴿6﴾ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ

اور آپ کو کیا معلوم کہ حُطَمَہ کیا ہے؟⑤ [1] وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے⑥ جو دلوں تک پہنچے

عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ﴿7﴾ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿8﴾ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿9﴾

(ع 1 9 29)

گی⑦ [2] بے شک وہ (آگ) ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی⑧ لمبے لمبے ستونوں میں⑨ [3]

سُوۡرَةُ الۡفِيۡلِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتُھا: 5 — رُکُوعُھا: 1

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ﴿1﴾ اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ

(اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟① [4] کیا اس

فِىۡ تَضۡلِيۡلٍ ﴿2﴾ وَّاَرۡسَلَ عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا اَبَابِيۡلَ ﴿3﴾ تَرۡمِيۡهِمۡ

نے ان کی چال کو بیکار نہیں کر دیا؟② [5] اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے③ [6] جو ان پر

بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿4﴾ فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ ﴿5﴾

(ع 1 5 30)

کھنگر کی کنکریاں پھینک رہے تھے④ [7] پھر اللہ نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا⑤ [8]

سُوۡرَةُ قُرَيۡشٍ مَكِّيَّةٌ ❁

اٰیاتُھا: 4 — رُکُوعُھا: 1

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ ﴿1﴾ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ

قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے① (یعنی) ان کے سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس ہونے

---

[1] یہ استفہام اس کی ہولنا کی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہو گی کہ تمھاری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور تمھارا فہم و شعور اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ [2] یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں ایسا نہیں ہو گا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی لیکن موت نہیں آئے گی بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔ [3] مُّؤۡصَدَةٌ ، بند، یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیے جائیں گے تا کہ کوئی باہر نہ نکل سکے اور انھیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک عَمَدٍ سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انھیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدیر) [4] جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے۔ اَلَمۡ تَرَ کے معنی ہیں: اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی ﷺ کی ولادت ہوئی تھی، اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے:

واقعۂ اصحاب الفیل: حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہۃ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا عیسائی گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے عبادت اور حج و عمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی، چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادئ مُحَسِّر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں۔ جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ مکے کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی ﷺ کے دادا کے، جو مکے کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا جس پر عبدالمطلب نے آ کر ابرہہ سے کہا کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا ہے، تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے تو جانے اور بیت (اللہ) کا مالک (اللہ) جانے۔ (أیسر التفاسیر) [5] یعنی وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔ [6] اَبَابِیۡلَ پرندے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول جھنڈ کے جھنڈ۔ [7] سِجِّیۡلٍ مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ مہلک کام کیا۔ [8] یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔ ❁ اسے سورۂ ایلاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت ہی سے ہے۔

Marfat.com

وَالصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ

کی وجہ سے② [1] لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں③ جس نے

اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④ ع

انھیں بھوک میں کھانا کھلایا [2] اور انھیں خوف سے امن دیا④ [3]

ع 1/4 31

ایاتھا: 7 | سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ❁ | رکوعھا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

(اے نبی!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟① [4] تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے

الْيَتِيْمَ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④

دیتا ہے② [5] اور مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا③ [6] چنانچہ تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے④

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥

جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں⑤ [7] وہ جو دکھاوا کرتے ہیں⑥ [8]

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦ ع

اور (لوگوں کو) استعمال کی معمولی چیزیں بھی دینے سے انکار کرتے ہیں⑦ [9]

ع 1/7 32

1 اِيْلَافٌ کے معنی ہیں: مانوس اور عادی ہونا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جانا۔ ''قریش کی گزران کا ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف جو گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے، اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتلا رہا ہے کہ تم جو گرمی سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمھیں مکے میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمھارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمھاری عزت بھی برقرار رہے اور تمھارے سفروں کا سلسلہ بھی، جس کے تم خوگر ہو، قائم رہے اگر ابرہہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمھاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلۂ سفر بھی منقطع ہو جاتا، اس لیے تمھیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔ 2 مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔ 3 عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف و خطر سے محفوظ تھے۔ ❁اس سورت کو سُوْرَةُ الدِّيْنِ ، سُوْرَةُ أَرَاَيْتَ اور سُوْرَةُ الْيَتِيْمِ بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر) 4 رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور استفہام سے مقصد اظہار تعجب ہے۔ رؤیت معرفت کے مفہوم میں ہے اور اَلدِّين سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے: ''کیا آپ نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟'' 5 اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیونکر حسن سلوک کر سکتا ہے۔ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کی بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت و محبت ہوگی۔ دوسرے، اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔ 6 یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکے ہی دے گا۔ 7 اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز پڑھتے ہی نہیں۔ یا پہلے پڑھتے رہے ہیں، پھر سست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کا معمول بنا لیتے ہیں یا خشوع و خضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آ جاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے: ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النسآء 142:4) ''اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔'' 8 یعنی ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ 9 مَعْنٌ: شَيْءٌ قَلِيلٌ کو کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکاۃ لیتے ہیں کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے، (ڈھائی فی صد) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس

Marfat.com

آیاتہا:3 | سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ * | رکوعہا:1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (1) فَصَلِّ لِرَبِّكَ

(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی (1)[1] تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں اور

1
وَانْحَرْ (2) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (3)

قربانی کریں (2)[2] بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے (3)[3]

ع 3 33

آیاتہا:6 | سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ * | رکوعہا:1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (1) لَآ اَعْبُدُ مَا

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! (1)[4] میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم

تَعْبُدُوْنَ (2) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (3) وَلَآ

عبادت کرتے ہو (2) اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں (3) اور نہ

اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (4) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ

میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو (4) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے

مَآ اَعْبُدُ (5) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (6)

ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں (5)[5] تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین (6)[6]

ع 6 34

میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کنجوسی برتنا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

* اس کا دوسرا نام سورۂ نحر بھی ہے۔ [1] اَلْكَوْثَرَ کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے "خیر کثیر" کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں، مثلاً: صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتلایا گیا ہے جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی ﷺ کے دست مبارک سے پانی پییں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آرہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں "خیر کثیر" میں آجاتی ہیں۔ (ابن کثیر) [2] یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کر۔ نَحْرٌ کے اصل معنی ہیں: اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منیٰ میں اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔ [3] اَلْاَبْتَرُ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مفقود الذکر ہو، یعنی اس کی ذات پر ہی اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے۔ جب نبی ﷺ کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی ﷺ کو اَبتر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اَبتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو بھی باقی رکھا گو اس کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی معنوی و روحانی اولاد ہے جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت والے دن فخر کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے جبکہ آپ سے بغض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔ * صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ سورت پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے۔ (مسند أحمد: 456/5، وسنن أبي داود، حديث: 5055، وجامع الترمذي، حديث: 3403، وصححه الألباني) بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر) [4] اَلْكٰفِرُوْنَ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوگا کیونکہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انھوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر) [5] بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے جیسا کہ بعض مترجمین نے بھی اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان تکلّفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے، جیسے سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن

Marfat.com

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ

اٰیاتُھا: 3 | رُکُوعُھا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿1﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿2﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿3﴾

(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے گی ① اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں ② [1] تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ③ [2]

ع 1/3 35

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتُھا: 5 | رُکُوعُھا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جونہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿1﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہو گیا ① [3] نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ

نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لوں جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمھاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے تو تم بھی اس توحید اور عبادت الٰہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔ [6] یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (القصص 28:55) "ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل۔"

❀ نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 3024) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ سمجھ گئے کہ اب نبی ﷺ کا آخری وقت آ گیا ہے، اسی لیے آپ کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے، جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4970) [1] اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے جو نبی ﷺ کا مولد و مسکن تھا لیکن کافروں نے آپ کو اور صحابۂ کرام کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب 8 ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے جبکہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایسا ہو تو۔ [2] یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو تیرے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آ گیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الٰہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔ ❀ اسے سُوْرَةُ الْمَسَدْ بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یَا صَبَاحَاہْ! کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی تھی، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "ذرا بتلاؤ، اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے۔" انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا: "پھر میں تمھیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے)۔" یہ سن کر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَكَ تیرے لیے ہلاکت ہو! کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما دی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4971) ابولہب کا اصل نام عبدالعُزّٰی تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلۂ فروزاں) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی ﷺ کا حقیقی چچا تھا لیکن آپ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔ [3] يَدَآ اصل میں يَدَانِ ہے جو يَدٌ (ہاتھ) کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ مراد اس سے اس کا نفس ہے، جُزْ بول کر کُلْ مراد لیا گیا ہے، یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بددعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی ﷺ کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ وَّتَبَّ "اور وہ ہلاک ہو گیا۔" یہ خبر ہے، یعنی بددعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی، چنانچہ جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عدسہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی حتیٰ کہ سخت بدبودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے، اس کے جسم پر دور ہی سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنا دیا۔ (أيسر التفاسير)

Marfat.com

وَمَا كَسَبَ ﴿2﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿3﴾ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ

دیا اور نہ اس کی کمائی نے② [1] عنقریب وہ ضرور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا③ اور اس کی بیوی

ع 1/5/36 الْحَطَبِ ﴿4﴾ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿5﴾

بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے④ [2] اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی⑤ [3]

سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا: 4 | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿1﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿2﴾ لَمْ يَلِدْ

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے① اللہ بے نیاز ہے② [4] اس نے (کسی کو) نہیں جنا

ع 1/4/37 وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿3﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿4﴾

اور نہ وہ (خود) جنا گیا③ [5] اور کوئی ایک ہی اس کا ہمسر نہیں④ [6]

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا: 5 | رکوعہا: 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿1﴾ مِنْ شَرِّ مَا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں① [7] (ہر) اس چیز کے شر سے جو

[1] مال میں اس کی رئیسانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے، یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔ [2] یعنی جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لا لا کر ڈالے گی تا کہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوگا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی۔ (ابن كثير) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتی اور نبی ﷺ کے راستے میں لا کر بچھا دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے، چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی ﷺ کی غیبت کرتی اور انھیں آپ ﷺ کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (فتح الباري: 944,943/8) [3] جِيدٌ گردن۔ مَسَد مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا پوست کھجور کی ہو یا آہنی تاروں کی جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہوگا، وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہوگا۔ مَسَدْ سے تشبیہ، اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ ❁ یہ مختصری سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی ﷺ نے ثُلث (ایک تہائی 1/3) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو صبح و شام اور ہر نماز کے بعد پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 5013) بعض صحابہ ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ''تمھاری اس کے ساتھ محبت تمھیں جنت میں داخل کر دے گی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 774، وصحيح مسلم، حديث: 813) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ (مسند أحمد: 134,133/5) [4] یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ [5] یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔ [6] اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشورىٰ 11:42) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''انسان مجھے گالی دیتا ہے، یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جنا ہے نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4974) اس سورت میں ان کا بھی رد ہو گیا جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں اور ان کا بھی جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں، ان کا بھی جو دوسروں کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔ ❁ اس کے بعد سورۂ ناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔'' یہ فرما کر آپ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 814، وجامع الترمذي، حديث: 2902) ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن عابس! کیا میں تمھیں سب سے بہترین ذریعۂ بچاؤ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں، انھوں نے عرض کیا: ہاں، ضرور بتلائیے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا: یہ دونوں مُعَوِّذَتَین ہیں۔'' (صحيح سنن النسائي للألباني: 454/3) نبی ﷺ انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنا لیا اور باقی دوسری چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحيح سنن الترمذي للألباني: 405/2)

Marfat.com

خَلَقَ ﴿2﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿3﴾ وَمِنْ شَرِّ

اس نے پیدا کی② [1] اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے③ [2] اور گرہوں میں پھونکیں

النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿4﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿5﴾ ع 1/5 38

مارنے والیوں کے شر سے④ [3] اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے⑤ [4]

رُكُوعُهَا:1 | سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ❁ | اٰيَاتُهَا:6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿1﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿2﴾ اِلٰهِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں① [5] انسانوں کے بادشاہ کی② [6] انسانوں

النَّاسِ ﴿3﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿4﴾ الَّذِيْ

کے معبود کی③ [7] وسوسہ ڈالنے والے (اللہ کے ذکر کو سن کر) پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے④ [8]

يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿5﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿6﴾ ع 1/6 39

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے⑤ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے⑥ [9]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوتی تو مُعوِّذتین ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحيح البخاري، حديث: 5016، وصحيح مسلم، حديث: 2192) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو جبرائیل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنویں میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوایا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں) جبرائیل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں اور آپ اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (صحيح البخاري، مع فتح الباري، حديث: 5763، وصحيح مسلم، حديث: 2189) آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انھیں پورے جسم پر مل لیتے، پہلے سر، چہرے اور پھر جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ایسا کرتے۔ (صحيح البخاري، حديث: 5017) [7] ﴿ الْفَلَقِ ﴾ کے راجح معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدير)

[1] یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ [2] رات کے اندھیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ ﴿ غَاسِقٍ ﴾ رات ﴿ وَقَبَ ﴾ داخل ہو جائے، چھا جائے۔ [3] ﴿ النَّفّٰثٰتِ ﴾ مؤنث کا صیغہ ہے، جو النُّفُوس (موصوف محذوف) کی صفت ہے مِنْ شَرِّ النُّفُوسِ النَّفّٰثٰتِ، یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفسوں کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں، یعنی اس میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔ [4] حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ ❁ اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور نمک منگوا کر اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾، ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ ﴾، اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ پڑھتے رہے۔ (المعجم الصغير للطبراني، حديث: 830، ومجمع الزوائد: 191/5، وقال الهيثمي إسناده حسن) [5] رَبٌّ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتدا ہی سے جبکہ انسان ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے حتی کہ وہ

Marfat.com

بالغ عاقل ہو جاتا ہے، پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔ [6] جو ذات تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔ [7] اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔ [8] الْوَسْوَاسِ بعض کے نزدیک اسم فاعل الْمُوَسْوِسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذِی الْوَسْوَاسِ ہے۔ وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ الْخَنَّاسِ (کھسک جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔ [9] یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین جو جنات میں سے ہوتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے۔ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2814) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف فرما تھے کہ آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ انھیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ نکلے۔ راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے انھیں بلا کر فرمایا کہ ''یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت حیی ہیں۔'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تو ٹھیک ہے لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 7171) دوسرے وہ شیطان جو انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو اپنی ہی جنس (انسانوں) کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس تفصیل کی روشنی میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا تعلق الَّذِي يُوَسْوِسُ سے ہے۔ جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا تعلق فِي صُدُورِ النَّاسِ میں الناس سے ہے، اس صورت میں مطلب یہ بنتا ہے کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں رِجَالٌ کا لفظ بولا گیا ہے۔ (الجن 72:6) اس لیے وہ بھی ناس کا مصداق ہیں۔

Marfat.com

سورتوں کی فہرست

شمار سورت	نام سورت	شمار پارہ	صفحہ نمبر
1	سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ		4
2	سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ	1-2-3	8
3	سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ	3-4	83
4	سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ	4-5-6	127
5	سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ	6-7	176
6	سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ	7-8	212
7	سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ	8-9	250
8	سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ	9-10	293
9	سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ	10-11	309
10	سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ	11	343
11	سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ	11-12	364
12	سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ	12-13	388
13	سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ	13	408
14	سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ	13	418
15	سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ	13-14	428
16	سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ	14	437
17	سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ	15	460
18	سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ	15-16	479
19	سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ	16	498
20	سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ	16	510
21	سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ	17	526
22	سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ	17	541
23	سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ	18	559
24	سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ	18	571
25	سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ	18-19	588
26	سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ	19	599
27	سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ	19-20	615
28	سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ	20	629
29	سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ	20-21	645
30	سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ	21	658
31	سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ	21	668
32	سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ	21	675
33	سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ	21-22	680
34	سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ	22	699
35	سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ	22	710
36	سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ	22-23	719
37	سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ	23	728
38	سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ	23	739
39	سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ	23-24	749
40	سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ	24	763
41	سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ	24-25	777
42	سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ	25	787
43	سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ	25	797
44	سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ	25	808
45	سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ	25	812
46	سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ	26	818
47	سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ	26	825
48	سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ	26	832
49	سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ	26	840
50	سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ	26	844
51	سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ	26-27	849
52	سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ	27	854
53	سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ	27	859
54	سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ	27	864

Marfat.com

شمار سورت	نام سورت	شمار پارہ	صفحہ نمبر
55	سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ	27	869
56	سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ	27	874
57	سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ	27	880
58	سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ	28	887
59	سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ	28	892
60	سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ	28	898
61	سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ	28	902
62	سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ	28	905
63	سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ	28	907
64	سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ	28	909
65	سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ	28	912
66	سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ	28	916
67	سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ	29	920
68	سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ	29	923
69	سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ	29	928
70	سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ	29	931
71	سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ	29	934
72	سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ	29	937
73	سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ	29	940
74	سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ	29	943
75	سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ	29	946
76	سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ	29	949
77	سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ	29	952
78	سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ	30	955
79	سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ	30	958
80	سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ	30	960
81	سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ	30	963
82	سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ	30	964
83	سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ	30	966
84	سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ	30	968

شمار سورت	نام سورت	شمار پارہ	صفحہ نمبر
85	سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ	30	970
86	سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ	30	971
87	سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ	30	973
88	سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ	30	974
89	سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ	30	975
90	سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ	30	977
91	سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ	30	979
92	سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ	30	980
93	سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ	30	981
94	سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ	30	982
95	سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ	30	983
96	سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ	30	984
97	سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ	30	985
98	سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ	30	986
99	سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ	30	987
100	سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ	30	988
101	سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ	30	988
102	سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ	30	989
103	سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ	30	990
104	سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ	30	990
105	سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ	30	991
106	سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ	30	991
107	سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ	30	992
108	سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ	30	993
109	سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ	30	993
110	سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ	30	994
111	سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ	30	994
112	سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ	30	995
113	سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ	30	995
114	سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ	30	996

Marfat.com

فہرست مضامینِ قرآن

اِعداد

دارالسلام ریسرچ سنٹر

Marfat.com

باب 1 ارکان ایمان

باب 2 ارکان اسلام

باب 3 اوامر کا بیان

باب 4 نواھی و محرمات کا بیان

باب 5 قرآنی احکام و مسائل

باب 6 تذکرۂ انبیاء علیہم السلام

باب 7 تذکار حبیب ﷺ

باب 8 قصص القرآن

باب 9 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم : تذکرہ اور صفات

باب 10 متفرقات

باب 11 رد مذاہب باطلہ

باب 12 مختلف اشیاء کے نام

باب 13 دعا : فرضیت و اہمیت

باب 14 انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں

باب 15 مختلف اوقات اور احوال کی دعائیں

باب 16 متفرق وظائف اور دعائیں

Marfat.com

باب: 1 ارکان ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	62
2	〃	136
2	〃	177
2	〃	186
2	〃	228
2	〃	257
2	〃	285
3	ال عمرٰن	18
3	〃	52
3	〃	84
3	〃	110
3	〃	114
3	〃	179
3	〃	193
3	〃	199
4	النسآء	39
4	〃	59
4	〃	136
4	〃	152
4	〃	162
4	〃	175
5	المآئدة	59
5	〃	69
5	〃	84
5	〃	88
6	الأنعام	14
6	〃	71
6	〃	163,162
7	الأعراف	158
9	التوبة	19,18
9	〃	99
18	الكهف	13
21	الأنبيآء	108
24	النور	2

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	〃	62
26	الشعرآء	47
29	العنكبوت	46
36	يٰس	25
48	الفتح	9
48	〃	13
49	الحجرات	15
57	الحديد	8,7
57	〃	19
57	〃	21
58	المجادلة	4
58	〃	22

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	133
2	〃	163
3	ال عمرٰن	18
4	النسآء	171
5	المآئدة	73
6	الأنعام	19
7	الأعراف	70
9	التوبة	31
12	يوسف	39
13	الرعد	16
14	إبراهيم	48
14	〃	52
16	النحل	22
16	〃	51
17	بنيٓ إسرآءيل	46
18	الكهف	110
21	الأنبيآء	108
22	الحج	34
29	العنكبوت	46
37	الصّٰفّٰت	4
38	صٓ	5
38	〃	65
39	الزمر	4

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
39	〃	45
40	المؤمن	12
40	〃	16
40	〃	84
41	حٰمٓ السجدة	6
60	الممتحنة	4
112	الإخلاص	1

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
2	〃	163
2	〃	172
3	ال عمرٰن	2
3	〃	6
3	〃	18
3	〃	62
3	〃	64
4	النسآء	36
4	〃	87
5	المآئدة	73
6	الأنعام	46
6	〃	71
6	〃	102
6	〃	106
6	〃	151
7	الأعراف	59
7	〃	65
7	〃	73
7	〃	85
7	〃	158
9	التوبة	31
9	〃	129
10	يونس	90
11	هود	2
11	〃	26
11	〃	50

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	〃	61
11	〃	84
12	يوسف	40-38
13	الرعد	30
13	〃	36
16	النحل	2
17	بنيٓ إسرآءيل	23
18	الكهف	110
20	طٰهٰ	8
20	〃	14
20	〃	98
21	الأنبيآء	22
21	〃	25
21	〃	87
23	المؤمنون	23
23	〃	91
23	〃	116
27	النمل	26
27	〃	64-59
28	القصص	72-70
28	〃	88
35	فاطر	3
36	يٰس	61
37	الصّٰفّٰت	35
38	صٓ	65
39	الزمر	3,2
39	〃	6
40	المؤمن	3
40	〃	62
40	〃	66,65
41	حٰمٓ السجدة	14
43	الزخرف	84
44	الدخان	8
46	الأحقاف	21
47	محمد	19
52	الطور	43
59	الحشر	23,22

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
64	التغابن	13
73	المزمل	9

اللہ ہر چیز کا خالق ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	21
2	〃	29
2	〃	117
2	〃	228
3	ال عمرٰن	6
3	〃	47
4	النسآء	1
5	المآئدة	18,17
6	الأنعام	2,1
6	〃	73
6	〃	79
6	〃	99-95
6	〃	102,101
7	الأعراف	54
7	〃	185
9	التوبة	36
10	يونس	6-3
11	هود	7
11	〃	51
13	الرعد	16
14	إبراهيم	19
14	〃	32
15	الحجر	27,26
15	〃	33
15	〃	86
16	النحل	5-3
16	〃	48
16	〃	70
16	〃	81-78
17	بنيٓ إسرآءيل	99
20	طٰهٰ	4
20	〃	53
20	〃	55

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	30	8	〃	26	9	التوبة	78	7	〃	141	54	القمر	34
21	〃	33	10	يونس	31	9	〃	94	10	يونس	22	66	التحريم	11
23	المؤمنون	79,78	10	〃	93	9	〃	105	10	〃	23	ملائکہ پر ایمان		
24	النور	45	11	هود	6	10	يونس	20	10	〃	73			
25	الفرقان	2	13	الرعد	22	11	هود	31	10	〃	86	2	البقرة	177
25	〃	48-45	14	إبراهيم	31	11	〃	123	10	〃	92	2	〃	285
25	〃	54	16	النحل	56	13	الرعد	9	10	〃	103	4	النسآء	136
25	〃	62,61	16	〃	73,72	16	النحل	77	11	هود	58	ملائکہ، اُن کے اوصاف اور ذمہ داریاں		
26	الشعرآء	166	16	〃	75	18	الكهف	26	11	〃	66			
26	〃	184	16	〃	114	23	المؤمنون	92	11	〃	94	2	البقرة	34-30
27	النمل	61,60	17	بنیٓ إسرآءيل	31,30	27	النمل	65	11	〃	116	2	〃	98-97
35	فاطر	3-1	17	〃	70	32	السجدة	6	12	يوسف	110	2	〃	102
36	يسٓ	81	20	طٰهٰ	81	34	سبا	3	17	بنیٓ إسرآءيل	56	6	الأنعام	93
39	الزمر	62	22	الحج	35,34	34	〃	48	17	〃	67	7	الأعراف	206
40	المؤمن	66	24	النور	38	35	فاطر	38	20	طٰهٰ	40	13	الرعد	11
59	الحشر	24	28	القصص	54	39	الزمر	46	20	〃	80	13	〃	13
67	الملك	3,2	29	العنكبوت	60	49	الحجرات	18	21	الأنبيآء	9	16	النحل	50,49
67	〃	15	30	الروم	28	52	الطور	41	21	〃	71	19	مريم	64
67	〃	23	30	〃	37	53	النجم	35	21	〃	74	21	الأنبيآء	20,19
75	القيمة	39,38	30	〃	40	59	الحشر	22	21	〃	76	21	〃	29-26
87	الأعلى	2	32	السجدة	16	62	الجمعة	8	21	〃	88	25	الفرقان	25
92	اليل	3	36	يسٓ	47	64	التغابن	18	23	المؤمنون	28	26	الشعرآء	194,19
96	العلق	2,1	40	المؤمن	64	72	الجن	26	26	الشعرآء	73,72	34	سبا	23,22
113	الفلق	2	42	الشورى	12	شفاعطا کرنے والا اللہ ہی ہے			26	〃	118	35	فاطر	1
اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے			42	〃	38				26	〃	119	37	الصّٰفّٰت	3-1
			45	الجاثية	16	9	التوبة	14	28	القصص	21	37	〃	166-164
2	البقرة	3	51	الذٰريٰت	58	26	الشعرآء	80	29	العنكبوت	15	40	المؤمن	9-7
2	〃	57	63	المنٰفقون	10	مصائب ومشکلات سے نجات دینے والا اللہ ہی ہے			29	〃	24	41	حٰمٓ السجدة	31,30
2	〃	172	غیب کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے						29	〃	32	41	〃	38
2	〃	212							29	〃	65	42	الشورى	5
2	〃	254	2	البقرة	33	2	البقرة	50,49	31	لقمٰن	32	43	الزخرف	77
3	ال عمرٰن	37	5	المآئدة	109	6	الأنعام	41	37	الصّٰفّٰت	76	43	〃	80
5	المآئدة	88	5	〃	116	6	〃	64,63	37	〃	115	50	قٓ	18,17
6	الأنعام	143	6	الأنعام	50	7	الأعراف	64	37	〃	134	50	〃	26-23
7	الأعراف	50	6	〃	59	7	〃	72	39	الزمر	61	53	النجم	26
7	〃	160	6	〃	73	7	〃	83	41	حٰمٓ السجدة	18	66	التحريم	4
8	الأنفال	4,3	7	الأعراف	188	7	〃	89	44	الدخان	30	66	〃	6

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
69	الحاقة	17
74	المدثر	31,30
81	التکویر	21-19
82	الانفطار	12-10
97	القدر	4

قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	2
2	〃	4
2	〃	41
2	〃	61
2	〃	85
2	〃	89
2	〃	91
2	〃	99
2	〃	121
2	〃	177
2	〃	285
3	ال عمرٰن	4,3
3	〃	7
3	〃	53
3	〃	84
3	〃	199
4	النسآء	47
4	〃	136
4	〃	162
4	〃	170
5	المآئدة	59
5	〃	66
5	〃	68
5	〃	83
5	〃	84
6	الأنعام	20
6	〃	92
6	〃	109
10	یونس	40
10	〃	94
11	هود	17
13	الرعد	36
17	بنیٓ إسرآءیل	107
21	الأنبیآء	50
28	القصص	52
29	العنکبوت	47,46
40	المؤمن	70
42	الشوریٰ	15
64	التغابن	8
66	التحریم	12

قرآن مجید کے مُنَزَّل مِنَ اللہ ہونے کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	24,23
3	ال عمرٰن	44
4	النسآء	82
6	الأنعام	19
10	یونس	38,37
11	هود	14,13
11	〃	49
12	یوسف	102
17	بنیٓ إسرآءیل	88
26	الشعرآء	197,196
28	القصص	49
29	العنکبوت	49-47
34	سبا	6
39	الزمر	23
39	〃	28,27
46	الأحقاف	10
52	الطور	34,33
69	الحآقة	47-38

قرآن کی پیشین گوئیاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	24
2	〃	114
3	ال عمرٰن	12
3	〃	112,111
3	〃	139
3	〃	151
4	النسآء	84
5	المآئدة	54
5	〃	67
8	الأنفال	36
8	〃	40-37
8	〃	60,59
8	〃	62
9	التوبة	15,14
9	〃	28
9	〃	33,32
9	〃	39
9	〃	57,56
9	〃	101
13	الرعد	31
15	الحِجر	9
16	النحل	41
17	بنیٓ إسرآءیل	8
17	〃	60
17	〃	88
24	النور	55
27	النمل	93
28	القصص	85
30	الروم	6-1
32	السجدة	21
37	الصّٰفّٰت	175-171
41	حٰمٓ السجدة	53
47	محمد	10-7
47	〃	35
48	الفتح	16
48	〃	21
48	〃	27
52	الطور	48,47
54	القمر	45
58	المجادلة	21,20
61	الصف	9,8
68	القلم	16
96	العلق	18-15

سائنس قرآن کی تصدیق کرتی ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	164
6	الأنعام	99-95
7	الأعراف	54
13	الرعد	4-2
16	النحل	16-10
16	〃	69-65
21	الأنبیآء	33-30
21	〃	104
23	المؤمنون	22-12
24	النور	45-43
26	الشعرآء	7
27	النمل	88
29	العنکبوت	20,19
36	یٰسٓ	40-36
41	حٰمٓ السجدة	12-9
42	الشوریٰ	33,32
51	الذّٰریٰت	49-47
57	الحدید	25
71	نوح	20-14
75	القیٰمة	9-7
81	التکویر	6
82	الانفطار	3
84	الانشقاق	19-16
86	الطارق	7-6
86		12,11
87	الأعلیٰ	5,4
96	العلق	2
97	القدر	5

قرآنی تمثیلات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	20-17
2	〃	26
2	〃	171
2	〃	261
2	〃	266-264
3	ال عمرٰن	117
10	یونس	24
11	هود	24
13	الرعد	17
14	إبراهیم	18
14	〃	26-24
16	النحل	76,75
16	〃	112
18	الکهف	32
18	〃	45
22	الحج	73
24	النور	35
24	〃	40,39
29	العنکبوت	41
30	الروم	28
36	یٰسٓ	13
36	〃	78
39	الزمر	29
48	الفتح	29
57	الحدید	20
59	الحشر	21
62	الجمعة	5
66	التحریم	12-10

رسولوں پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	136
2	〃	177
2	〃	285
3	ال عمرٰن	81
3	〃	84
3	〃	144
3	〃	179
4	النسآء	136
4	〃	152

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	12	21	الأنبيآء	3	34	سبا	3	7	〃	53	30	الروم	16-12
5	〃	19	21	〃	34	34	〃	30	9	التوبة	35,34	30	〃	57-55
5	〃	111	23	المؤمنون	24	40	المؤمن	27	10	يونس	4	32	السجدة	5
6	الأنعام	34	23	〃	34,33	40	〃	59	10	〃	30-26	36	يٰسٓ	67-48
6	〃	48	23	〃	47	42	الشورىٰ	18	10	〃	45	37	الصّٰفّٰت	34-18
6	〃	130	26	الشعرآء	154	43	الزخرف	61	11	هود	18	38	صٓ	15
7	الأعراف	52	26	〃	186	43	〃	66	11	〃	98	39	الزمر	70-67
9	التوبة	128	36	يٰسٓ	15	58	المجادلة	22	11	〃	103	39	〃	75
10	يونس	2	41	حٰمٓ السجدة	6	64	التغابن	7	14	إبراهيم	51-48	40	المؤمن	20-15
14	إبراهيم	9	42	الشورىٰ	51	65	الطلاق	2	15	الحجر	25	42	الشورىٰ	47
15	الحجر	10	54	القمر	24	69	الحآقّة	20	16	النحل	89-84	43	الزخرف	68-66
16	النحل	36	64	التغابن	6	70	المعارج	26	17	بنىٓ إسرآءيل	52	44	الدخان	42-40
16	〃	63	74	المدثر	25	83	المطففين	6,5	17	〃	72-71	50	قٓ	11
21	الأنبيآء	25	روز آخرت پر ایمان			قرب قیامت اور اس کے آثار			17	〃	97	50	〃	31-20
52	الفرقان	20							17	〃	104	50	〃	44-41
30	الروم	47	2	البقرة	4	18	الكهف	99,98	18	الكهف	47	52	الطور	15-7
40	المؤمن	22	2	〃	46	21	الأنبيآء	96	18	〃	53,52	54	القمر	8-6
40	〃	51	2	〃	62	27	النمل	82	18	〃	101-98	55	الرحمٰن	44-37
40	〃	78	2	〃	156	43	الزخرف	61	19	مريم	39-37	56	الواقعة	6-1
46	الأحقاف	9	2	〃	177	44	الدخان	11,10	19	〃	72-68	56	〃	50,49
57	الحديد	7	2	〃	223	47	محمد	18	19	〃	85	57	الحديد	15-12
57	〃	19	2	〃	228	53	النجم	58,57	19	〃	87	64	التغابن	9
57	〃	21	2	〃	285	54	القمر	1	19	〃	95-93	68	القلم	43,42
57	〃	28	3	ال عمرٰن	9	70	المعارج	7,6	20	طٰهٰ	112-100	69	الحآقّة	4-1
58	المجادلة	4	3	〃	114	نفخ صور اور حشر و نشر			20	〃	127-124	69	〃	18-13
61	الصف	11	4	النسآء	39				21	الأنبيآء	40	70	المعارج	14-1
64	التغابن	8	4	〃	59	2	البقرة	113	21	〃	104-103	70	〃	44,43
تمام انبیاء و رسل بشر ہی تھے			4	〃	136	2	〃	148	22	الحج	78	73	المزمل	14-12
			4	〃	162	2	〃	174	23	لمؤمنون	100	73	〃	18-17
3	ال عمرٰن	79	5	المآئدة	69	2	〃	210	23	〃	103	74	المدثر	10-8
6	الأنعام	91	9	التوبة	19,18	3	ال عمرٰن	107,10	25	الرقان	30-22	75	القيمة	13-7
11	هود	27	9	〃	99	4	النسآء	42,41	25	〃	34	77	المرسلٰت	15-8
14	إبراهيم	11,10	17	بنىٓ إسرآءيل	19	6	الأنعام	31	26	الشعرآء	95-90	78	النبا	20-17
15	الحجر	28	23	المؤمنون	74	6	〃	36	27	النمل	85-83	78	〃	40-37
15	〃	33	24	النور	2	6	〃	38	27	〃	88,87	79	النّٰزعٰت	9-6
17	بنىٓ إسرآءيل	94,93	29	العنكبوت	36	6	〃	73	28	القصص	66-62	79	〃	14-13
18	الكهف	110	31	لقمٰن	4	7	الأعراف	29	28	〃	75,74	79	〃	41-34

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
79	〃	46	16	النحل	40-38	78	النبأ	20-6	13	〃	35	10	〃	100
80	عبس	42-33	16	〃	77	78	〃	40-38	15	الحجر	48-45	10	〃	107
81	التكوير	14-1	17	بنیٓ إسرآء يل	52-48	79	النّٰزعٰت	14-10	16	النحل	32-30	11	هود	6
82	الانفطار	5-1	17	〃	99,98	79	〃	46-27	18	الكهف	31-30	11	〃	34
82	〃	19-15	18	الكهف	21	86	الطارق	10-5	22	الحج	24-23	11	〃	36
83	المطففين	17-15	19	مريم	68-66	95	التين	8-4	25	الفرقان	16-15	11	〃	109
84	الانشقاق	5-1	20	طٰهٰ	15		اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں		29	العنكبوت	58	11	〃	119
89	الفجر	30-21	21	الأنبيآء	104				32	السجدة	19-17	12	يوسف	15
99	الزلزال	8-1	22	الحج	7-1	2	البقرة	255	33	الأحزاب	44	12	〃	41
100	العديٰت	11-9	27	النمل	72-67	4	النسآء	85	34	سبا	37	13	الرعد	2
101	القارعة	5-1	29	العنكبوت	20,19	17	بنیٓ إسرآء يل	79	35	فاطر	35-33	13	〃	8
	حوض کوثر کا بیان		30	الروم	14-11	19	مريم	87	36	يٰسٓ	58-55	13	〃	17
			30	〃	19	78	النبا	38	37	الصّٰفّٰت	59-41	13	〃	26
108	الكوثر	1	30	〃	27	93	الضحٰی	5	38	صٓ	54-49	13	〃	38
	عذاب قبر		30	〃	50		اہل دوزخ کے لیے ہولناک عذاب		40	المؤمن	40	15	الحجر	5,4
			34	سبا	3				43	الزخرف	73-69	15	〃	21
14	إبراهيم	27	35	فاطر	9	6	الأنعام	27	44	الدخان	57-51	15	〃	24
40	المؤمن	46	36	يٰسٓ	33	7	الأعراف	39,38	52	الطور	38-17	15	〃	61
	عالم برزخ		36	〃	68	23	المؤمنون	108-104	56	الواقعة	37-12	17	بنیٓ إسرآء يل	7-4
			36	〃	82-77	25	الفرقان	14-13	57	الحديد	21	17	〃	13
2	البقرة	54	37	الصّٰفّٰت	21-16	26	الشعرآء	102-96	88	الغاشية	16-10	17	〃	30
3	ال عمرٰن	171-169	38	صٓ	28,27	32	السجدة	14-12		دوامِ جنت ودوزخ		17	〃	58
4	النسآء	97	39	الزمر	42	33	الأحزاب	68-66				17	〃	77
6	الأنعام	62	40	المؤمن	59-57	35	فاطر	37,36	11	هود	108-106	17	〃	104
7	الأعراف	41,40	41	حٰمٓ السجدة	39	40	المؤمن	11,10		دیدارِ الٰہی		17	〃	108
23	المؤمنون	100	44	الدخان	40-38	40	〃	50-47				18	الكهف	27
32	السجدة	11	45	الجاثيه	22-21	43	الزخرف	77-74	10	يونس	26	18	〃	58
40	المؤمن	46	46	الأحقاف	3	67	المُلك	11-6	18	الكهف	110	20	طه	40
50	قٓ	3	46	〃	33		اعراف اور اہل اعراف		29	العنكبوت	5	23	المؤمنون	18
71	نوح	25	50	قٓ	15-2				75	القيٰمة	25-22	23	〃	27
	قیامت اور دوبارہ زندگی کا ثبوت		51	الذّٰريٰت	6-1	7	الأعراف	49-46	83	المطففين	15	23	〃	43
			52	الطور	12-1		جنت، وسعتِ جنت اور اہلِ جنت			تقدیر پر ایمان		25	الفرقان	2
2	البقرة	73,72	56	الواقعة	7-1							33	الأحزاب	38
2	〃	113	56	〃	62-57	3	ال عمرٰن	133	7	الأعراف	131	36	يٰسٓ	38
2	〃	260,259	75	القيٰمة	13-3	7	الأعراف	44-42	9	التوبة	51	36	〃	39
7	الأعراف	29	75	〃	40-36	10	يونس	10,9	10	يونس	49	54	القمر	49
7	〃	57	77	المرسلٰت	13-1	13	الرعد	24-22	10	〃	98-96	57	الحديد	23,22

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
64	التغابن	11
65	الطلاق	3
باب: 2 ارکان اسلام		
نماز		
2	البقرة	43
2	〃	239,238
4	النسآء	103-101
11	هود	114
17	بنیٓ إسرآء یل	79,78
17	〃	110
20	طٰهٰ	14
20	〃	130
20	〃	132
23	المؤمنون	2
23	〃	9
24	النور	56
29	العنکبوت	45
30	الروم	18,17
50	قٓ	40,39
51	الذّٰریٰت	18,17
52	الطور	49,48
62	الجمعة	10,9
73	المزمل	4-2
76	الدهر	26,25
87	الأعلیٰ	15
07	الماعون	6-4
پنج وقتہ فرض نمازیں		
11	هود	114
17	بنیٓ إسرآء یل	78
20	طٰهٰ	130
30	الروم	18,17
نماز جمعہ اور خطبہ		
62	الجمعة	11-9

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
نماز عید الفطر		
87	الأعلیٰ	15,14
نماز عید الاضحیٰ		
108	الکوثر	2
نماز جنازہ		
9	التوبة	84
9		103
نماز خوف		
2	البقرة	239
4	النسآء	102
نماز تہجد		
17	بنیٓ إسرآء یل	79
73	المزمل	4-2
نماز استسقاء		
71	نوح	12-10
نماز مسافر		
4	النسآء	101
نماز مریض		
4	النسآء	103
زکاۃ، صدقات اور ان کے مصارف		
2	البقرة	215
2	〃	267
2	〃	274-271
6	الأنعام	141
9	التوبة	60
24	النور	56
25	الفرقان	67
30	الروم	39

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
76	الدهر	9,8
رمضان		
روزہ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کا بیان		
2	البقرة	125
2		187-183
44	الدخان	5-3
97	القدر	5-1
حج وعمرہ		
مسائل حج، کعبہ اور مکہ مکرمہ کا بیان		
2	البقرة	127-125
2	〃	158
2	〃	191
2	〃	203-196
3	اٰل عمرٰن	97,96
5	المآئدة	2,1
5	〃	97-94
22	الحج	37-25
27	النمل	91
28	القصص	57
29	العنکبوت	67
95	التین	3
باب: 3 اوامر کا بیان		
انفاق (اللہ کے راستے میں خرچ کرنا)		
2	البقرة	3
2	〃	177
2	〃	195
2	〃	215
2	〃	219
2	〃	245
2	〃	254
2	〃	262,261
2	〃	265
2	〃	267

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	271
2	〃	272
2	〃	274
3	اٰل عمرٰن	92
3	〃	134
4	النسآء	39
8	الأنفال	3
8	〃	60
9	التوبة	54,53
30	الروم	39
32	السجدة	16
33	الأحزاب	35
34	سبا	39
35	فاطر	30,29
36	یٰسٓ	47
42	الشوریٰ	38
47	محمد	38
57	الحدید	7
57	〃	10
57	〃	11
57	〃	57
63	المنافقون	10
64	التغابن	17
65	الطلاق	6
65	〃	7
73	المزمل	2
92	اللیل	5
92	〃	18
اللہ کا ذکر		
2	البقرة	152
2	〃	198
2	〃	200
2	〃	203
3	اٰل عمرٰن	41
4	النسآء	103
7	الأعراف	69

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	〃	74
7	〃	201
7	〃	205
8	الأنفال	45
13	الرعد	28
17	بنیٓ إسرآء یل	111
18	الکهف	24
20	طٰهٰ	34,33
20	〃	113
20	〃	130
22	الحج	37
22	〃	40
25	الفرقان	58
25	〃	62
29	العنکبوت	45
30	الروم	18,17
32	السجدة	15
33	الأحزاب	21
33	〃	35
33	〃	42,41
38	صٓ	18
40	المومن	55
48	الفتح	9
50	قٓ	40,39
52	الطور	49,48
56	الواقعة	74
56	〃	96
57	الحدید	16
62	الجمعة	10
63	المنافقون	9
69	الحآقة	52
73	المزمل	8
74	المدثر	3
76	الدهر	26,25
87	الأعلیٰ	1
87	〃	15
110	النصر	3

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا			8	الأنفال	1	23	المؤمنون	2	7	〃	137	39	الزمر	10
			13	الرعد	35	23	〃	57	8	الأنفال	66	40	المؤمن	55
2	البقرة	40	15	الحجر	45	23	〃	60	10	يونس	109	40	〃	77
2	〃	177	16	النحل	2	24	النور	52	11	هود	11	41	حمٓ السجدة	35
3	ال عمرٰن	77,76	16	〃	128	32	السجدة	16	11	〃	49	42	الشورىٰ	23
5	المآئدة	7	19	مريم	63	33	الأحزاب	35	11	〃	115	42	〃	43
6	الأنعام	152	19	〃	85	33	〃	37	12	يوسف	83	46	الأحقاف	35
13	الرعد	20	22	الحج	1	33	〃	39	12		90	47	محمد	31
16	النحل	91	22	〃	32	35	فاطر	18	13	الرعد	22	49	الحجرات	5
16	〃	95	23	المؤمنون	52	35	〃	28	13	〃	24	50	قٓ	39
57	الحديد	8	24	النور	52	36	يٰسٓ	11	14	إبراهيم	5	52	الطور	48
اللہ کا تقویٰ			26	الشعرآء	108	39	الزمر	16	14		12	68	القلم	48
			26	〃	126	39	〃	23	15	النحل	42	71	المعارج	5
2	البقرة	2	اللہ کا ذکر			55	الرحمٰن	46	15	〃	96	73	المزمل	10
2	〃	48				57	الحديد	16	15	〃	127,126	74	المدثر	7
2	〃	177	2	البقرة	40	59	الحشر	21	18	الكهف	28	76	الدهر	24
2	〃	179	2	〃	150	67	الملك	19	18	〃	69	90	البلد	17
2	〃	197,196	3	ال عمرٰن	175	79	النّزعٰت	19	19	مريم	65	توبہ واستغفار		
2	〃	203	5	المآئدة	3	79		41,40	20	طٰه	130			
2	〃	233	5	〃	28	80	عبس	9	20	〃	132	2	البقرة	54
3	ال عمرٰن	15	5	〃	94	87	الأعلىٰ	10	21	الأنبيآء	85	2	〃	58
3	〃	76	6	الأنعام	15	98	البينة	8	22	الحج	35	2	〃	160
3	〃	102	6	〃	51	صبر کا بیان			23	المؤمنون	111	2	〃	199
4	النسآء	1	6	〃	82,81				25	الفرقان	20	2	〃	222
4	〃	128	7	الأعراف	56	2	البقرة	45	25	〃	75	3	ال عمرٰن	54
4	〃	131	7	〃	154	2	〃	153	28	القصص	54	7	الأعراف	143
5	المآئدة	35	7	〃	205	2	〃	156,155	28	〃	80	7	〃	153
5	〃	65	8	الأنفال	2	2	〃	177	29	العنكبوت	59	8	الأنفال	33
5	〃	88	9	التوبة	13	2	〃	250	30	الروم	60	8	〃	38
5	〃	93	9	〃	18	3	ال عمرٰن	125	31	لقمٰن	17	8	〃	70
5	〃	96	13	الرعد	21	3	〃	142	31	〃	31	9	التوبة	3
5	〃	100	14	إبراهيم	14	3	〃	146	32	السجدة	24	9	〃	5
6	الأنعام	69	16	النحل	51,50	3	〃	186	33	الأحزاب	35	9	〃	27
7	الأعراف	35	21	الأنبيآء	28	3	〃	200	34	سبا	19	9	〃	102
7	〃	96	21	〃	49	7	الأعراف	87	37	الصّٰفّٰت	102	9	〃	104
7	〃	128	21	〃	90	7	〃	126	38	صٓ	17	9	〃	106
7	〃	156	22	الحج	54	7	〃	128	38	〃	44	19	مريم	60

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
20	طٰه	122	110	النصر	3	33	الأحزاب	9	59	الحشر	7	4	النسآء	36
24	النور	22		شکر		34	سبا	13		یتیموں سے حسن سلوک		8	الأنفال	41
24	〃	31				34	〃	15				17	بنيٓ إسرآءيل	26
25	الفرقان	6	2	البقرة	2	34	〃	19	2	البقرة	83	30	الروم	38
25	〃	71,70	2	〃	40	35	فاطر	12	2	〃	220	51	الذٰريٰت	19
27	النمل	46	2	〃	47	36	يٰسٓ	73	4	النسآء	2	59	الحشر	7
28	القصص	16	2	〃	52	39	الزمر	7	4	〃	6	70	المعارج	25
28	〃	67	2	〃	56	39	〃	66	4	〃	8	93	الضحىٰ	10
33	الأحزاب	73	2	〃	152	42	الشورىٰ	33	4	〃	10		اولاد کے ساتھ بھلائی	
34	سبا	4	2	〃	172	43	الزخرف	13	4	〃	36			
34	〃	15	2	〃	185	45	الجاثية	12	4	〃	127	2	البقرة	124
35	فاطر	28	3	آل عمرٰن	145	46	الأحقاف	15	6	الأنعام	152	2	〃	126
35	〃	41	4	النسآء	147	54	القمر	35	8	الأنفال	41	2	〃	129,128
38	صٓ	24	5	المائدة	11	56	الواقعة	70	17	بنيٓ إسرآءيل	34	2	〃	133,132
38	〃	35	5	〃	20	67	الملك	23	18	الكهف	82	3	آل عمرٰن	38
38	〃	44	7	الأعراف	58	93	الضحىٰ	11	59	الحشر	7	14	إبراهيم	35
39	الزمر	17	7	〃	144		والدین کے ساتھ حسن سلوک		76	الدهر	8	25	الفرقان	74
39	〃	54,53	8	الأنفال	26				93	الضحىٰ	9	31	لقمٰن	13
40	المؤمن	3	12	يوسف	38	2	البقرة	83	107	الماعون	2	31	〃	19
40	〃	7	14	إبراهيم	7-5	4	النسآء	36		مساکین سے حسن سلوک		37	الصّٰفّٰت	100
40	〃	55	14	〃	34	6	الأنعام	151				52	الطور	26
41	حٰمٓ السجدة	6	14	〃	37	17	بنيٓ إسرآءيل	24,23	2	البقرة	83		بیوی سے حسن سلوک	
42	الشورىٰ	5	16	النحل	14	19	مريم	14	4	النسآء	8			
42	〃	25	16	〃	78	19	〃	32	4	〃	36	2	البقرة	187
46	الأحقاف	15	16	〃	114	29	العنكبوت	8	8	الأنفال	41	2	〃	223,22
47	محمد	19	16	〃	121	31	لقمٰن	15,14	17	بنيٓ إسرآءيل	26	2	〃	228
48	الفتح	14	21	الأنبياء	80	46	الأحقاف	15	22	الحج	28	4	النسآء	19
50	قٓ	33,32	22	الحج	36		رشتہ داروں سے حسن سلوک		30	الروم	38	23	المؤمنون	6
51	الذٰريٰت	18	25	الفرقان	62				59	الحشر	7	25	الفرقان	74
59	الحشر	10	27	النمل	40	2	البقرة	83	76	الدهر	8	65	الطلاق	2,1
66	التحريم	5,4	27	〃	59	4	النسآء	8		پڑوسیوں سے حسن سلوک		65	〃	7,6
66	〃	8	28	القصص	73	4	〃	36					اپنے مملوک (غلام، لونڈی) سے حسن سلوک	
68	القلم	32	29	العنكبوت	17	8	الأنفال	41	4	النسآء	36			
71	نوح	10	30	الروم	46	16	النحل	90		مسافر اور حاجت مند سے حسن سلوک				
73	المزمل	20	31	لقمٰن	12	17	بنيٓ إسرآءيل	26				4	النسآء	36
76	الدهر	29	31	〃	14	30	الروم	38						
78	النبأ	39	32	السجدة	9	52	الطور	26	2	البقرة	177			

Marfat.com

(گزشتہ صفحے سے جاری)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
54	القمر	17
54	//	22
54	//	32
54	//	40
62	الجمعة	2
65	الطلاق	11
73	المزمل	4
73	//	20
75	القيمة	19-16

عام احسان وبھلائی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	112
2	//	195
4	النسآء	125
4	//	128
5	المآئدة	93
7	الأعراف	161
10	يونس	26
12	يوسف	22
16	النحل	90
31	لقمٰن	3
31	//	22
39	الزمر	10
39	//	58
46	الأحقاف	12
51	الذاريٰت	16
53	النجم	60
67	الملک	2
77	المرسلٰت	44

اچھی گفتگو (کلام طیب)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
4	النسآء	9
5	المآئدة	85-83
14	إبراهيم	27,26
17	بني إسرآءيل	53
20	طٰه	44
22	الحج	24
25	الفرقان	63
33	الأحزاب	32
33	//	71,70
35	فاطر	10
38	صٓ	20
41	حمٓ السجدة	33
47	محمد	21

عفو ودرگذر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	109
3	ال عمرٰن	134
3	//	159
5	المآئدة	13
5	//	28
12	يوسف	92
12	//	98
15	الحجر	85
24	النور	22
42	الشورىٰ	37
42	//	40
42	//	43
43	الزخرف	89
45	الجاثية	14
64	التغابن	14

قرآن کی تلاوت اور اس کی پیروی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	121
2	//	146
4	النسآء	82
6	الأنعام	155
7	الأعراف	204
16	النحل	98
18	الكهف	27
20	طٰه	3,2
20	//	123
27	النمل	92
29	العنكبوت	45
33	الأحزاب	2
33	//	34
35	فاطر	29
36	يٰسٓ	11
39	الزمر	55
43	الزخرف	44,43
47	محمد	24

مساجد کی تعمیر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	125
2	//	127
7	الأعراف	31
9	التوبة	18
9	//	110-107
22	الحج	26
24	النور	36

جہاد فی سبیل اللہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	154
2	//	191,190
2	//	193
2	//	216
2	//	218
2	//	244
3	ال عمرٰن	142
3	//	158,157
3	//	169
3	//	171
3	//	195
4	النسآء	71
4	//	77
4	//	84
4	//	95
4	//	104
5	المآئدة	35
5	//	54
8	الأنفال	39
8	//	45
8	//	57-55
9	التوبة	4
9	//	16
9	//	19
9	//	22
9	//	29
9	//	36
9	//	38
9	//	41
9	//	73
9	//	88
9	//	111
9	//	121
9	//	123
22	الحج	40,39
22	//	59,58
22	//	78
27	النمل	37
29	العنكبوت	6
29	//	69
47	محمد	4
47	//	7
47	//	21
47	//	31
47	//	35
48	الفتح	16
48	//	29
49	الحجرات	15
57	الحديد	10
57	//	25
59	الحشر	2
59	//	5
59	//	8
60	الممتحنة	1
61	الصف	4
61	//	10
61	//	14
66	التحريم	9
73	المزمل	20

اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کی رضا اور رحمت کی امید

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	165
2		207
3	ال عمرٰن	31
5	المآئدة	54
9	التوبة	24
26	الشعرآء	51
26	//	82
30	الروم	38
32	السجدة	16
33	الأحزاب	21
39	الزمر	9
48	الفتح	18
48	//	29
60	الممتحنة	6

صدق وسچائی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	177
5	المآئدة	119
9	التوبة	119
12	يوسف	51
18	الكهف	29
19	مريم	51
19	//	56
26	الشعرآء	84
29	العنكبوت	3
33	الأحزاب	8
33	//	24,23
39	الزمر	33
49	الحجرا	15

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
49	//	17	23	المؤمنون	8	42	الشورىٰ	38	16	//	125		توکل علی اللہ	
59	الحشر	8	26	الشعرآء	107,106	42	//	42	17	بنیٓ إسرآءيل	28			
	صلح جوئی		26	//	125	43	الزخرف	61	19	مريم	39	3	ال عمرٰن	160,159
			26	//	143	43	الدخان	18	19	//	55	3	//	173
2	البقرة	182	26	//	178	46	الأحقاف	31	20	طه	43	5	المآئدة	11
2	//	224	28	القصص	26	47	محمد	21	20	//	44	5	//	23
4	النسآء	35	33	الأحزاب	72	47	//	33	20	//	132	8	الأنفال	2
4	//	114	70	المعارج	32	48	الفتح	18-16	22	الحج	41	8	//	49
4	//	128		اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت		49	الحجرات	14	22	//	67	8	//	61
4	//	129				58	المجادلة	11	25	الفرقان	52	9	التوبة	129
7	الأعراف	35	3	ال عمرٰن	32	58	//	13	26	الشعرآء	214	10	يونس	84
7	//	142	3	//	132	59	الحشر	7	28	القصص	87	11	هود	56
8	الأنفال	1	4	النسآء	13	64	التغابن	12	29	العنكبوت	46	11	//	123
11	هود	88	4	//	59	64	//	16	31	لقمٰن	17-1	12	يوسف	67
11	//	117	4	//	64	71	نوح	3	32	السجدة	24	13	الرعد	30
28	القصص	83	4	//	69		اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم		33	الأحزاب	47-45	14	إبراهيم	12,11
49	الحجرات	10,9	4	//	80-70				36	يٰسٓ	25	16	النحل	42
	ہجرت		5	المآئدة	92				40	المؤمن	28	16	//	99
			5	//	108	3	ال عمرٰن	103	40	//	38	25	الفرقان	58
2	البقرة	218	7	الأعراف	158,157	3	//	105	40	//	43-41	26	الشعرآء	217
4	النسآء	100,97	8	الأنفال	1	4	النسآء	175	41	حٰمٓ السجدة	33	27	النمل	79
8	الأنفال	73,72	8	//	20	22	الحج	78	42	الشورىٰ	15	29	العنكبوت	59
16	النحل	41	8	//	14	42	الشورىٰ	13	46	الأحقاف	29	33	الأحزاب	3
19	مريم	49	9	التوبة	71	43	الزخرف	43	51	الذاريٰت	55	39	الزمر	36
29	العنكبوت	26	24	النور	54-52		دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر		52	الطور	29	39	//	38
29	//	56	24	//	56				66	التحريم	6	40	المؤمن	10
37	الصّٰفّٰت	99	26	الشعرآء	108				71	نوح	9,1	42	الشورىٰ	36
39	الزمر	10	26	//	110	3	ال عمرٰن	104	72	الجن	23	58	المجادلة	10
51	الذاريٰت	50	26	//	126	3	//	110	74	المدثر	2	60	الممتحنة	4
59	الحشر	8	26	//	131	3	//	114	79	النّٰزعٰت	17	64	التغابن	13
60	الممتحنة	10	26	//	150	7	الأعراف	165	79	//	20	65	الطلاق	3
73	المزمل	19	26	//	179	7	//	181	87	الأعلىٰ	10,9	67	الملك	29
	ادائے امانت		33	الأحزاب	33	7	//	199	88	الغاشية	21	73	المزمل	9
			33	//	36	9	التوبة	71	89	الفجر	18		باہم مشورہ کرنا	
2	البقرة	283	33	//	66	9	//	112	90	البلد	17			
3	ال عمرٰن	75	33	//	71	9	//	122	96	العلق	12	3	ال عمرٰن	159
4	النسآء	58	36	يٰسٓ	21,20	16	النحل	90	103	العصر	3,1	27	النمل	32

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
42	الشوریٰ	38
49	الحجرات	7

انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	58
4	〃	135
5	المآئدة	8
5	〃	42
6	الأنعام	152
7	الأعراف	29
7	〃	181
16	النحل	76
16	〃	90
38	صٓ	22
42	الشوریٰ	15
49	الحجرات	9
55	الرحمٰن	9
57	الحديد	25
60	الممتحنة	8

اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلے کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	65,59
4	〃	105
5	المآئدة	50-44
5	〃	66
24	النور	51
28	القصص	70
42	الشوریٰ	21
57	الحديد	25
95	التين	8

عقد ومعاہدہ کی تکمیل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	1
17	بنیٓ إسرآء يل	34
19	مريم	54
23	المؤمنون	8

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
33	الأحزاب	23
48	الفتح	10
70	المعارج	32

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	2
18	الكهف	95
28	القصص	35
49	الحجرات	10,9

اہل ایمان کے لیے عاجزی اختیار کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	54
5	〃	82
15	الحجر	88
16	النحل	49
25	الفرقان	63
26	الشعرآء	215
27	النمل	31
28	القصص	83
31	لقمٰن	18
32	السجدة	15
48	الفتح	29

کافروں پر غلبہ وسختی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	54
9	التوبة	123
48	الفتح	29
63	المنافقون	8
66	التحريم	9

اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو دوست بنانا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	55
6	الأنعام	14
7	الأعراف	3
7	〃	196
8	الأنفال	40

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	71
9	〃	116
9	〃	129
10	يونس	63,62
22	الحج	78
29	العنكبوت	22
32	السجدة	4
42	الشوریٰ	28
42	〃	31
45	الجاثية	19
47	محمد	11
61	الصف	14

عمل صالح (نیکی) کی طرف مسابقت وجلدی کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	48
21	الأنبيآء	90
23	المؤمنون	61
35	فاطر	32
39	الزمر	12
57	الحديد	21
83	المطففين	26

یہ شعور ہونا کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور اسے ہمارے حالات کا علم ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	97
5	〃	99
6	الأنعام	3
6	〃	59
6	〃	61,60
6	〃	132
7	الأعراف	7
9	التوبة	78
9	〃	105
10	يونس	46
10	〃	61
11	هود	6,5

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	〃	92
11	〃	111
11	〃	123
12	يوسف	50
12	〃	77
13	الرعد	11-8
14	إبراهيم	38
15	الحجر	24
16	النحل	19
16	〃	23
16	〃	28
17	بنیٓ إسرآء يل	13
17	〃	17
17	〃	25
17	〃	84
18	الكهف	49
19	مريم	79
19	〃	94
20	طٰه	7
20	〃	35
20	〃	110
21	الأنبيآء	4
21	〃	47
21	〃	78
21	〃	81
21	〃	94
21	〃	110
22	الحج	70
22	〃	76,75
24	النور	24
24	〃	29
24	〃	30
24	〃	41
24	〃	64
25	الفرقان	20
25	〃	58
26	الشعرآء	220-218

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	25
27	〃	75,74
27	〃	88
27	〃	93
28	القصص	69
29	العنكبوت	8
29	〃	10
29	〃	42
29	〃	45
29	〃	52
29	〃	60
29	〃	62
31	لقمٰن	16,15
31	〃	23
31	〃	29,28
31	〃	34
32	السجدة	6

ناپ تول میں کمی سے اجتناب کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	152
7	الأعراف	85
12	يوسف	59
17	بنیٓ إسرآء يل	35
26	الشعرآء	182,181
55	الرحمٰن	9-7

اللہ کے لیے اخلاص

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	163,162
7	الأعراف	29
10	يونس	105
22	الحج	31
31	لقمٰن	22
39	الزمر	3,2
39	〃	11
39	〃	14
39	〃	17
39	〃	66,65

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	14
40	〃	65
76	الدهر	9
92	الیل	20
98	البینة	5
112	الإخلاص	4-1

جاہلوں سے اعراض کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	199
12	یوسف	29
15	الحجر	94
17	بنیٓ إسرآءیل	28
18	الکہف	16
25	الفرقان	63
28	القصص	55
32	السجدة	30
37	الصّٰفّٰت	174
37	〃	178
51	الذاریٰت	54
52	الطور	45
53	النجم	29
54	القمر	6
73	المزمل	10
74	المدثر	5
86	الطارق	17

اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنا اور اس سے مدد مانگنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	5
7	الأعراف	200
16	النحل	98
19	مریم	18
21	الأنبیآء	112
23	المؤمنون	98,97
38	صٓ	42,41
40	المؤمن	27
40	〃	56

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
41	حٰمٓ السجدة	36
44	الدخان	20
58	المجادلة	1
113	الفلق	5-1
114	الناس	6-1

دین میں فقاہت حاصل کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	122
16	النحل	44,43
21	الأنبیآء	7
21	〃	10
25	الفرقان	73
47	محمد	14

کفار کے عقیدہ وعمل سے بیزاری

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	یونس	41
10	〃	104
11	ہود	54
12	یوسف	108
14	إبراهیم	36,35
26	الشعرآء	168
26	〃	216
28	القصص	55
39	الزمر	39
40	المؤمن	66
42	الشوریٰ	15
43	الزخرف	27,26
60	الممتحنة	4
09	الکافرون	6-1

استقامت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحه	6
10	یونس	89
11	ہود	112
30	الروم	30
30	〃	43
41	حٰمٓ السجدة	6

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
41	〃	31,30
42	الشوریٰ	13
42	〃	15
42	〃	35
46	الأحقاف	13
72	الجن	16
81	التکویر	28

حلال وپاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	168
2	〃	172
5	المآئدة	5,4
5	〃	88
16	النحل	115,114
20	طٰه	81
22	الحج	28
23	المؤمنون	51

روز قیامت کا ڈر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	48
2	〃	123
2	〃	281
21	الأنبیآء	49
24	النور	37
26	الشعرآء	135
31	لقمٰن	33
39	الزمر	9
40	المؤمن	32
42	الشوریٰ	18
52	الطور	26
70	المعارج	28,27
76	الدهر	7
76	〃	10
79	النّٰزعٰت	45

لغو کاموں سے اعراض کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	المؤمنون	3

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
25	الفرقان	72
28	القصص	55
43	الزخرف	83

محنت وپیشہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	32
21	الأنبیآء	80
21	〃	82
23	المؤمنون	27
28	القصص	73
30	الروم	23
34	سبا	13-10
35	فاطر	12
36	یٰسٓ	35
36	〃	80
55	الرحمٰن	33
57	الحدید	35
62	الجمعة	11-9
73	المزمل	7
73	〃	20

کسی کے ہاں جانے کے لیے اجازت طلب کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	29-27
24	〃	59,58
24	〃	63-61
33	الأحزاب	53

نظر کی حفاظت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	31,30

ہر کام میں تحقیق واحتیاط سے کام لینے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	94
27	النمل	27
27	〃	35
49	الحجرات	6

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
60	الممتحنة	10
65	الطلاق	1
72	الجن	14
74	المدثر	31

جسمانی قوت اور علاج

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	الأعراف	31
16	النحل	69
26	الشعرآء	80
28	القصص	26
38	صٓ	42,41
41	حٰمٓ السجدة	44

موت کو یاد رکھنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	46
4	النسآء	78
6	الأنعام	2
7	الأعراف	98,97
7	〃	187
21	الأنبیآء	34
21	〃	40
21	〃	109
28	القصص	88
31	لقمٰن	34
32	السجدة	38
44	الدخان	59
55	الرحمٰن	27,26
56	الواقعة	60
62	الجمعة	80
63	المنافقون	11,10
67	الملک	2
84	الانشقاق	6
84	〃	19

دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	202,201
6	الأنعام	32

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	24
18	الكهف	46,45
20	طه	131
28	القصص	61,60
28	〃	77
28	〃	80,79
29	العنكبوت	64
31	لقمٰن	33
33	الأحزاب	29,28
40	المؤمن	39
42	الشورىٰ	20
42	〃	36
43	الزخرف	35-32
47	محمد	36
60	الممتحنة	6
62	الجمعة	11-9
64	التغابن	15,14
87	الأعلى	17,16
93	الضحى	4
باب: 4 نواہی و محرمات کا بیان		
کبائر و فواحش سے اجتناب		
6	الأنعام	151
7	الأعراف	33
17	بنی إسرآء یل	32
24	النور	19
42	الشورىٰ	37
53	النجم	32
60	الممتحنة	12
زمین میں فساد کرنے سے اجتناب		
2	البقرة	30
2	〃	60
2	〃	205
5	المآئدة	33
5	〃	33
5	〃	64

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	56
7	〃	74
7	〃	85
11	هود	85
13	الرعد	25
14	إبراهيم	3
18	الكهف	94
26	الشعرآء	152
26	〃	183
27	النمل	34
27	〃	48
28	القصص	4
28	〃	77
29	العنكبوت	36
30	الروم	41
38	صٓ	28
47	محمد	22
قتل و خون ریزی سے اجتناب		
2	البقرة	30
2	〃	84
3	ال عمرٰن	22,21
4	النسآء	29
4	〃	93,92
5	المآئدة	30
5	〃	32
5	〃	45
6	الأنعام	140
6	〃	151
17	بنی إسرآء یل	33
25	الفرقان	68
28	القصص	4
اولاد کو قتل اور زندہ درگور کرنے کی ممانعت		
6	الأنعام	151
16	النحل	59,58

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بنی إسرآء یل	31
60	الممتحنة	12
81	التكوير	8
ظلم سے اجتناب		
2	البقرة	35
2	〃	92
4	النسآء	13
4	〃	54
12	يوسف	79
18	الكهف	59
19	مريم	38
20	طه	111
21	الأنبياء	14
21	〃	97
25	الفرقان	19
27	النمل	14
27	〃	85
28	القصص	59
29	العنكبوت	14
29	〃	31
30	الروم	57
33	الأحزاب	72
35	فاطر	32
40	المؤمن	52
42	الشورىٰ	42
46	الأحقاف	12
51	الذاريٰت	59
52	الطور	47
53	النجم	52
65	الطلاق	1
شہادت اور حق کو چھپانا اور اسے باطل سے ملانے کی مذمت		
2	البقرة	42
2	〃	71
2	〃	140

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	146
2	〃	159
2	〃	174
2	〃	283
3	ال عمرٰن	71
3	〃	187
5	المآئدة	106
6	الأنعام	91
جادو کے عمل سے اجتناب کرو		
2	البقرة	103
10	يونس	77
10	〃	81
20	طه	69
26	الشعرآء	223,222
72	الجن	6
113	الفلق	4
شیطان کی پیروی سے اجتناب		
2	البقرة	169-166
2	〃	208
2	〃	257
2	〃	268
4	النسآء	38
4	〃	51
4	〃	60
4	〃	117
4	〃	121
6	الأنعام	121
6	〃	142
7	الأعراف	18
7	〃	27
7	〃	30
8	الأنفال	48
14	إبراهيم	22
15	الحجر	42
16	النحل	100

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
اعتدا (زیادتی) و سرکشی حرام ہے		
2	البقرة	178
2	〃	190
2	〃	194
2	〃	213
3	ال عمرٰن	19
3	〃	21
5	المآئدة	2
5	〃	78
7	الأعراف	33
9	التوبة	10
10	يونس	23
16	النحل	90
22	الحج	60
28	القصص	78
38	صٓ	22
38	〃	24
42	الشورىٰ	27
42	〃	39
42	〃	42
49	الحجرات	9
50	قٓ	25
68	القلم	12
مال حرام سے اجتناب کا حکم		
2	البقرة	188
3	ال عمرٰن	161
4	النسآء	2
4	〃	30,29
4	〃	161
5	المآئدة	42
5	〃	63,62
9	التوبة	34
18	الكهف	79
89	الفجر	19

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
فتنہ میں پڑنے سے اجتناب کا حکم		
2	البقرة	191
2	〃	211
8	الأنفال	25
8	〃	28
9	التوبة	49-47
20	طه	90
25	الفرقان	20
33	الأحزاب	14
39	الزمر	49
51	الحديد	14
شراب، جوئے، آستھانوں اور قسمت کے تیروں سے اجتناب		
2	البقرة	219
5	المآئدة	3
5	〃	91,90
عورتوں کے ساتھ بُرے سلوک سے اجتناب کا حکم		
2	البقرة	229
2	〃	233-23
4	النسآء	24-19
33	الأحزاب	4
58	المجادلة	4-2
میدان جنگ سے بھاگنا حرام ہے		
2	البقرة	246
3	ال عمرٰن	155
8	الأنفال	16,15
33	الأحزاب	13
33	〃	16,15
33	〃	20
48	الفتح	17,16

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
احسان جتلانا جائز نہیں		
2	البقرة	264-262
49	الحجرات	17
74	المدثر	6
90	البلد	6
سود کی حرمت		
2	البقرة	280-275
3	النسآء	161
30	الروم	39
کافروں اور منافقوں کو دوست مت بناؤ		
3	ال عمرٰن	28
3	〃	120-118
4	النسآء	89
4	〃	139,138
4	〃	144
5	المآئدة	51
5	〃	57
9	التوبة	23
11	هود	113
13	الرعد	16
25	الفرقان	52
29	العنكبوت	41
33	الأحزاب	1
33	〃	17
33	〃	48
58	المجادلة	15
60	الممتحنة	1
61	الصف	8
اللہ کے راستے سے روکنا جرم عظیم ہے		
3	ال عمرٰن	99
4	النسآء	44

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	〃	55
4	〃	113
4	〃	160
4	〃	167
7	الأعراف	45
7	〃	86
8	الأنفال	36-34
8	〃	47
9	التوبة	9
9	〃	34-32
11	هود	19
13	الرعد	33
14	إبراهيم	3
16	النحل	88
22	الحج	25
31	لقمٰن	6
43	الزخرف	38-36
47	محمد	1
47	〃	34-32
48	الفتح	25
58	المجادلة	16
63	المنافقون	2
96	العلق	10,9
بخل سے اجتناب کا حکم		
3	ال عمرٰن	180
4	النسآء	37
9	التوبة	35-34
9	〃	67
17	بنیٓ إسرآءيل	29
17	〃	100
25	الفرقان	67
33	الأحزاب	19
47	محمد	38-37
50	قٓ	25
53	النجم	35,34
53	〃	44

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
57	الحديد	24
59	الحشر	9
63	المنافقون	7
64	التغابن	16
68	القلم	12
70	المعارج	21
74	المدثر	44
89	الفجر	18-17
92	اليل	8
92	〃	11
107	الماعون	7
اللہ پر جھوٹ باندھنے کی شدید مذمت		
3	ال عمرٰن	181
4	النسآء	50
4	〃	171
5	المآئدة	18,17
5	〃	73,72
6	الأنعام	21
6	〃	24
6	〃	93
6	〃	112
6	〃	136
6	〃	138
6	〃	144
7	الأعراف	28
7	〃	33
7	〃	37
7	〃	169
10	يونس	17
10	〃	59
11	هود	18
16	النحل	57
16	〃	62
16	〃	116
17	بنیٓ إسرآءيل	40

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	〃	73
18	الكهف	5
18	〃	15
20	طه	61
23	المؤمنون	91
29	العنكبوت	13
29	〃	68
37	الصّٰفّٰت	159-149
39	الزمر	32
53	النجم	23-19
61	الصف	7
69	الحاقة	47-44
72	الجن	5,4
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے اجتناب		
2	البقرة	93
4	النسآء	14
4	〃	42
4	〃	115
5	المآئدة	78
5	〃	104
7	الأعراف	166
7	〃	193
10	يونس	15
11	هود	59
11	〃	63
13	الرعد	13
17	بنیٓ إسرآءيل	90
26	الشعرآء	176
33	الأحزاب	36
39	الزمر	13
60	الممتحنة	12
65	الطلاق	9-8
69	الحاقة	10,9
71	نوح	21
72	الجن	23

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
73	المزمل	16
79	النّٰزعٰت	21
80	عبس	23
	حسد وریاکاری سے اجتناب	
4	النسآء	32
4	〃	38
4	〃	54
4	〃	142
6	الأنعام	53
8	الأنفال	47
15	الحجر	88
107	الماعون	6
113	الفلق	5
	بہتان باندھنے سے اجتناب	
4	النسآء	112
4	〃	156
24	النور	23-4
33	الأحزاب	58
60	الممتحنة	12
	تکبر وبڑائی سے اجتناب	
4	النسآء	173,172
6	الأنعام	93
7	الأعراف	13
7	〃	36
7	〃	40
7	〃	48
7	〃	76
7	〃	88
7	〃	133
7	〃	146
10	يونس	75
16	النحل	23,22
16	〃	29
17	بنىٓ إسرآءيل	37

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	المؤمنون	46
23	〃	67
23	〃	76
25	الفرقان	21
27	النمل	14
28	القصص	4
28	〃	39
29	العنكبوت	39
31	لقمٰن	7
31	〃	18
34	سبا	31
34	〃	33
38	صٓ	76-74
39	الزمر	60,59
39	〃	72
40	المؤمن	27
40	〃	35
40	〃	48
40	〃	60
	چوری سے اجتناب	
5	المآئدة	38
60	الممتحنة	12
	دین کے ساتھ استہزا کفر ہے	
5	المآئدة	58,57
6	الأنعام	5
6	〃	68
6	〃	70
7	الأعراف	51
9	التوبة	66-64
11	هود	8
13	الرعد	32
15	الحجر	11
18	الكهف	56
18	〃	106
21	الأنبيآء	36

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
25	الفرقان	41
26	الشعرآء	6
31	لقمٰن	6
36	يٰسٓ	30
37	الصّٰفّٰت	14
39	الزمر	48
40	المؤمن	83
43	الزخرف	7
43	〃	47
45	الجاثية	9
	جنگ کی آگ بھڑکانے اور غلو وسرکشی سے بچنے کا حکم	
5	المآئدة	64
5	〃	68
5	〃	77
6	الأنعام	110
7	الأعراف	186
10	يونس	11
11	هود	112
20	طٰه	81
23	المؤمنون	75
37	الصّٰفّٰت	30
38	صٓ	55
51	الذاريٰت	53
53	النجم	52
55	الرحمٰن	8
78	الأنبيآء	22
79	النّٰزعٰت	73
91	〃	11
96	〃	6
	عداوت، بغض، کینہ وغصے سے اجتناب	
3	ال عمرٰن	134
5	المآئدة	91
59	الحشر	10

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
68	القلم	48
	آباء واجداد اور سرداروں کی تقلید سے اجتناب	
5	المآئدة	104
7	الأعراف	28
7	〃	70
7	〃	173
10	يونس	78
11	هود	62
11	〃	87
11	〃	109
14	إبراهيم	10
23	المؤمنون	24
28	القصص	36
31	لقمٰن	21
33	الأحزاب	67
34	سبا	63
37	الصّٰفّٰت	70,69
43	الزخرف	25-21
53	النجم	23
	دین میں شک کرنا کفر ہے	
6	الأنعام	2
9	التوبة	45
10	يونس	94
11	هود	62
11	〃	110
14	إبراهيم	10,9
19	مريم	34
16	النحل	66
34	سبا	54
40	المؤمن	34
41	حم السجدة	45
53	النجم	14
49	الحجرات	15
53	النجم	55

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
57	الحديد	14
	ظن کی پیروی اور بدگمانی سے اجتناب	
6	الأنعام	116
6	〃	148
28	القصص	38
33	الأحزاب	10
38	صٓ	27
41	حم السجد	23,22
45	الجاثية	24
45	〃	32
48	الفتح	6
48	〃	12
49	الحجرات	12
53	النجم	23
53	〃	28,27
59	الحشر	2
72	الجن	7
	مکر وفریب سے اجتناب کا حکم	
6	الأنعام	124
8	الأنفال	30
10	يونس	21
12	يوسف	5
12	〃	28
12	〃	31
12	〃	52
13	الرعد	33
13	〃	42
16	النحل	26
16	〃	45
20	طٰه	64
21	الأنبيآء	70
27	النمل	70
34	سبا	33
35	فاطر	10
35	〃	43

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
52	الطور	42
40	المؤمن	25
40	〃	45
71	نوح	22
86	الطارق	15
105	الفیل	21
اسراف وتبذیر سے اجتناب کا حکم		
6	الأنعام	141
7	الأعراف	31
10	یونس	12
10	〃	83
17	بنیٓ إسرآءیل	29-26
20	طه	127
21	الأنبیآء	9
26	الشعرآء	151
36	یٰس	19
40	المؤمن	28
40	〃	34
40	〃	43
43	الزخرف	5
44	الدخان	31
خیانت سے اجتناب کا حکم		
4	النسآء	109-105
8	الأنفال	27
8	〃	58
8	〃	71
12	یوسف	52
22	الحج	38
66	التحریم	10
جھوٹ سے بچنے کا حکم		
2	البقرة	10
16	النحل	105
23	المؤمنون	90
29	العنكبوت	3

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
29	〃	12
39	الزمر	3
58	المجادلة	2
58	〃	18
59	الحشر	11
61	الصف	2
61	〃	3
63	المنافقون	1
غیبت وچغل خوری حرام ہے		
4	النسآء	148
12	یوسف	30
12	〃	77
49	الحجرات	12
68	القلم	11
باب: 5 قرآنی احکام و مسائل		
مسائل طہارت پانی طاہر ومطہر ہے		
4	النسآء	43
8	الأنفال	11
25	الفرقان	49,48
حیض کا بیان		
2	البقرة	222
ل جانوروں کا چمڑا، اون اور بال پاک ہیں		
16	النحل	81,80
وضو وغسل کا بیان		
5	المآئدة	6
تیمم کا بیان		
4	النسآء	43
5	المآئدة	6

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
نماز اور شرائط نماز کپڑے کا پاک ہونا		
74	المدثر	4
بدن کا ڈھانکنا		
7	الأعراف	31
24	النور	31
جائے نماز کا پاک ہونا		
2	البقرة	125
22	الحج	26
مسجد کے احکام		
2	البقرة	114
2	〃	125
2	〃	150,149
22	الحج	40
24	النور	37,36
مسجد قبا کا بیان		
9	التوبة	109,108
مساجد سے روکنے والے کی مذمت اور وعید		
2	البقرة	114
اذان کا بیان		
5	المآئدة	58
62	الجمعة	9
استقبال قبلہ		
2	البقرة	144
2	〃	150,149
7	الأعراف	29

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
تکبیر تحریمہ کا بیان		
17	بنیٓ إسرآءیل	111
74	المدثر	3
نذر فی سبیل اللہ		
2	البقرة	270
3	آل عمرٰن	35
16	النحل	56
19	مریم	26
22	الحج	29
76	الدهر	7
غنیمت، قیدی اور مال فے کے مسائل		
4	النسآء	71
4	〃	81-75
4	〃	84
4	〃	91-89
4	〃	96-94
5	المآئدة	35
8	الأنفال	1
8	〃	16-12
8	〃	41-39
8	〃	47-45
8	〃	62-57
8	〃	75-65
9	التوبة	7-1
9	〃	16-11
9	〃	24-20
9	〃	29,28
9	〃	41-36
9	〃	74,73
9	〃	111
16	النحل	126
22	الحج	40,39
22	〃	78

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
33	الأحزاب	62-60
47	محمد	8-4
49	الحجرات	15
59	الحشر	10-5
60	الممتحنة	11,10
61	الصف	4
61	〃	13-10
تجارت خرید وفروخت، تجارت اور کسب حلال کے مسائل		
2	البقرة	198
2	〃	275
2	〃	283,282
4	النسآء	29
24	النور	37
62	الجمعة	10
73	المزمل	20
حلال وحرام کھانوں اور مشروبات کے مسائل		
2	البقرة	168
2	〃	173,172
5	المآئدة	1
5	〃	5-3
5	〃	90-87
6	الأنعام	121-118
6	〃	145-142
7	الأعراف	157
16	النحل	116-114
22	الحج	30
عائلی احکام نکاح، طلاق، خلع، عدت، حق مہر اور رضاعت کے مسائل		
2	البقرة	221
2	〃	232-227

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	237-234
2	〃	241
4	النسآء	4-3
4	〃	25-19
4	〃	35,34
4	〃	130-127
24	النور	3
24	〃	26
28	القصص	27
33	الأحزاب	37
33	〃	50-49
33	〃	53
60	الممتحنة	10
65	الطلاق	2-1
65	〃	7-4
کن عورتوں سے نکاح حرام ہے		
2	البقرة	221
4	النسآء	24-22
بیویوں میں عدل وانصاف		
4	النسآء	3
4	〃	129
رضاعت کا بیان		
2	البقرة	233
31	لقمٰن	14
46	الأحقاف	15
خلع کا بیان		
2	البقرة	229
مسائل لعان		
24	النور	9-6
مسائل ایلاء وظہار		
2	البقرة	226

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
33	الأحزاب	4
58	المجادلة	4-2
مسائل قسم وکفارۂ قسم		
2	البقرة	225,224
5	المائدة	89
66	التحريم	2
مسائل پردہ		
24	النور	31-27
24	〃	60-58
33	الأحزاب	55-53
33	〃	54
مسائل میراث ووصیت		
2	البقرة	182-180
2	〃	240
4	النسآء	8-7
4	〃	12,11
4	〃	33
4	〃	177
5	المائدة	108-106
8	الأنفال	75
باب: 6 تذکرۂ انبیاء علیہم السلام		
ابتدائے آفرینش عالم اور تخلیق آدم، ان کی خلافت، فرشتوں پر فضیلت اور ابلیس کی دشمنی اور انبیاء ورسل کے حالات وواقعات		
2	البقرة	30
2	〃	39
3	ال عمران	33
3	〃	59
4	النساء	1
7	الأعراف	27-9
7	〃	189
10	يونس	4-3
11	هود	7

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
15	الحجر	26
15	〃	29
15	〃	44-28
17	بنیٓ إسرآء يل	65-61
18	الكهف	50
20	طٰهٰ	124-115
21	الأنبيآء	85-71
24	النور	30
38	صٓ	45
41	حٰمٓ السجدة	12-9
79	النّٰزعٰت	32-27
سیدنا آدم علیہ السلام		
2	البقرة	38-30
3	ال عمرٰن	59-33
5	المائدة	27
7	الأعراف	25-11
15	الحجر	33-26
17	بنیٓ إسرآء يل	61
18	الكهف	50
19	مريم	58
20	طٰهٰ	123-115
36	يٰسٓ	60
38	صٓ	76-71
سیدنا نوح علیہ السلام		
3	ال عمرٰن	33
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
7	الأعراف	64-59
9	التوبة	70
10	يونس	73-71
11	هود	48-25
11	〃	58
14	إبراهيم	9
17	بنیٓ إسرآء يل	3
19	مريم	58

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	77,76
22	الحج	42
23	المؤمنون	29-23
25	الفرقان	37
26	الشعرآء	122-105
29	العنكبوت	15,14
33	الأحزاب	7
37	الصّٰفّٰت	82-75
38	صٓ	12
40	المؤمن	5
40	〃	31
42	الشورٰى	13
50	ق	12
50	〃	14
51	الذّٰريٰت	46
53	النجم	52
54	القمر	17-9
57	الحديد	26
66	التحريم	10
69	الحآقة	12,11
71	نوح	28-1
سیدنا ابراہیم علیہ السلام		
2	البقرة	132-124
2	〃	136,135
2	〃	258
2	〃	260
3	ال عمرٰن	33
3	〃	68-65
3	〃	84
3	〃	95
3	〃	97
4	النسآء	54
4	〃	125
4	〃	163
6	الأنعام	90-74
6	〃	161

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	70
9	〃	114
11	هود	76-69
12	يوسف	6
12	〃	38
14	إبراهيم	41-35
15	الحِجر	60-51
16	النحل	123-120
19	مريم	50-41
19	〃	58
21	الأنبيآء	73-51
22	الحج	27,26
22	〃	43
22	〃	78
26	الشعرآء	104-69
29	العنكبوت	27-16
29	〃	32,31
33	الأحزاب	7
37	الصّٰفّٰت	113-83
38	صٓ	47-45
42	الشورٰى	13
43	الزخرف	28-26
51	الذّٰريٰت	27-24
57	الحديد	26
60	الممتحنة	6-4
87	الأعلى	19
سیدنا اسماعیل علیہ السلام		
2	البقرة	125
2	〃	129-127
2	〃	133
2	〃	136
2	〃	140
3	ال عمرٰن	84
4	النسآء	163
6	الأنعام	90-86
19	مريم	55,54

Marfat.com

آیت نمبر	سورت	سورت نمبر	آیت نمبر	سورت	سورت نمبر	آیت نمبر	سورت	سورت نمبر	آیت نمبر	سورت	سورت نمبر	آیت نمبر	سورت	سورت نمبر
82-60	الكهف	18	78	المآئدة	5	70	التوبة	9	سیدنا یعقوب و یوسف ؑ			86,85	الأنبيآء	21
53-51	مريم	19	84	الأنعام	6	68-61	هود	11				107-100	الصّٰفّٰت	37
98-9	طٰهٰ	20	55	بنيٓ إسرآءيل	17	89	〃	11	133,132	البقرة	2	48	صٓ	38
49,48	الأنبيآء	21	82-78	الأنبيآء	21	95	〃	11	84	اٰل عمرٰن	3	سیدنا لوط ؑ		
44	الحج	22	44-15	النمل	27	17-9	إبراهيم	14	93	〃	3			
49-45	المؤمنون	23	14-10	سبا	34	84-80	الحجر	15	163	النسآء	4	90-86	الأنعام	6
36,35	الفرقان	25	26-17	صٓ	38	59	بنيٓ إسرآءيل	17	84	الأنعام	6	84-80	الأعراف	7
68-10	الشعرآء	26	40-30	〃	38	42	الحج	22	38	يوسف	12	70	هود	11
14-7	النمل	27	سیدنا موسیٰ و ہارون ؑ اور بنی اسرائیل			39-38	الفرقان	25	102-4	〃	12	83-74	〃	11
48-3	القصص	28				159-141	الشعرآء	26	73,72	الأنبيآء	21	77-58	الحجر	15
82-76	〃	28				53-45	النمل	27	47-45	صٓ	38	71	الأنبيآء	21
40,39	العنكبوت	29	123-40	البقرة	2	38	العنكبوت	29	34	المؤمن	4	75,74	〃	21
24,23	السجدة		140-135	〃	2	13	صٓ	38	سیدنا ہود ؑ اور قوم عاد			43	الحج	22
7	الأحزاب	33	253-243	〃	2	31	المؤمن	40				40	الفرقان	25
69	〃	33	84	اٰل عمرٰن	3	14,13	حٰمٓ السجدة	41	72-65	الأعراف	7	175-160	الشعرآء	26
122-114	الصّٰفّٰت	37	93	〃	3	18,17	〃	41	70	التوبة	9	58-54	النمل	27
12	صٓ	38	164-153	النسآء	4	12	قٓ	50	60-50	هود	11	26	العنكبوت	29
46-23	المؤمن	40	26-12	المآئدة	5	45-43	الذّٰريٰت	51	89	〃	11	35-28	〃	29
13	الشورىٰ	42	32	〃	5	51	النجم	53	17-9	إبراهيم	14	138-133	الصّٰفّٰت	37
56-46	الزخرف	43	45	〃	5	32-23	القمر	54	39,38	الفرقان	25	13	صٓ	38
33-17	الدخان	44	72-57	〃	5	5-4	الحآقّة	69	140-123	الشعرآء	26	13	قٓ	50
17-16	الجاثية	45	79,78	〃	5	18	البروج	85	38	العنكبوت	29	37-32	الذّٰريٰت	51
12	الأحقاف	46	84-71	الأنعام	6	9	الفجر	89	12	صٓ	38	54,53	النجم	53
13	قٓ	50	146	〃	6	13-11	〃	89	31	المؤمن	40	40-33	القمر	54
40-38	الذّٰريٰت	51	154	〃	6	15-11	الشمس	91	16-13	حٰمٓ السجدة	41	10	التحريم	66
36	النجم	53	159	〃	6	سیدنا شعیب ؑ اور اہل مدین و ایکہ			26-21	الأحقاف	46	سیدنا اسحاق ؑ		
42,41	القمر	54	157-103	الأعراف	7				13	قٓ	50			
5	الصف	61	166-159	〃	7	93-85	الأعراف	7	42-41	الذّٰريٰت	51	133	البقرة	2
6,5	الجمعة	62	52	الأنفال	8	95-84	هود	11	50	النجم	53	84	اٰل عمرٰن	3
11	التحريم	66	54	〃	8	79-78	الحجر	15	22-18	القمر	54	163	النسآء	4
10-9	الحآقّة	69	93-75	يونس	10	191-176	الشعرآء	26	4	الحآقّة	69	84	الأنعام	6
16,15	المزمل	73	99-96	هود	11	37,36	العنكبوت	29	8-6	〃	69	73-71	هود	11
26-15	النّٰزعٰت	79	110	〃	11	سیدنا داود و سلیمان ؑ			8-6	الفجر	89	6	يوسف	12
18	البروج	85	8-5	إبراهيم	14				13-11	〃	89	38	〃	12
19	الأعلىٰ	87	124	النحل	16	102	البقرة	2	سیدنا صالح ؑ اور قوم ثمود			72	الأنبيآء	21
14-10	الفجر	89	8-2	بنيٓ إسرآءيل	17	251	〃	2				113,112	الصّٰفّٰت	37
			104-101	〃	17	163	النسآء	4	79-73	الأعراف	7	47-45	صٓ	38

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر

سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	59,58
7	الأعراف	162,161
18	الكهف	65-60

سیدنا حزقیل علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	243

سیدنا شمویل علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	248-246

سیدنا یونس علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	163
6	الأنعام	86
10	يونس	98
21	الأنبيآء	88,87
37	الصّٰفّٰت	148-139
68	القلم	50-48

سیدنا ادریس والیاس علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	85
19	مريم	58-56
21	الأنبيآء	86,85
37	الصّٰفّٰت	132-123

سیدنا ایوب علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
21	الأنبيآء	84,83
38	صٓ	44-41

سیدنا زکریا و یحییٰ علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	41-37

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	85
19	مريم	15-2
21	الأنبيآء	90-89

سیدنا یسع علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	86
38	صٓ	48

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	86,85
38	صٓ	48

سیدنا عزیر علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	259
9	التوبة	30

سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	87
2	〃	136
2	〃	253
3	ال عمرٰن	37-35
3	〃	60-42
3	〃	84
4	النسآء	159-156
4	〃	163
4	〃	172-171
5	المآئدة	17
5	〃	46
5	〃	75-72
5	〃	78
5	〃	118-110
6	الأنعام	85
9	التوبة	31-30
19	مريم	37-16
21	الأنبيآء	91
23	المؤمنون	50

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
33	الأحزاب	7
42	الشورى	13
43	الزخرف	64-57
57	الحديد	27
61	الصف	6
61	〃	14
66	التحريم	12

باب: 7 تذکار حبیب ﷺ

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت عامہ کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	119
2	〃	151
4	النسآء	79
7	الأعراف	158
13	الرعد	30
14	إبراهيم	1
16	النحل	44,43
16	〃	64
17	بنیٓ إسرآء يل	106,105
21	الأنبيآء	107
25	الفرقان	1
25	〃	56
33	الأحزاب	47-45
34	سبا	28
35	فاطر	24
48	الفتح	8
73	المزمل	15

سابقہ آسمانی کتابوں میں رسالتِ محمدی ﷺ کی پیش گوئیاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	89
2	〃	144
2	〃	146
6	الأنعام	20
7	الأعراف	157
11	هود	17

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
13	الرعد	43
20	طٰهٰ	133
23	المؤمنون	69
48	الفتح	29
61	الصف	6

اہل کتاب اور مشرکین کا آپ کو صادق جاننا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	42-41
2	〃	75
2	〃	89
2	〃	109
2	〃	144
2	〃	146
3	ال عمرٰن	86
3	〃	99
6	الأنعام	33
6	〃	114
13	الرعد	36
13	〃	43
28	القصص	53,52
28	〃	57

نبوت محمدیہ کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	13
4	النسآء	163
4	〃	166
6	الأنعام	11-10
6	〃	105,104
7	الأعراف	184
10	يونس	16
12	يوسف	111-109
13	الرعد	43
16	النحل	103
23	المؤمنون	68
28	القصص	46-44
34	سبا	47,46

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
38	صٓ	70-67
41	حٰمٓ السجدة	43,42
43	الزخرف	45
48	الفتح	29-27
52	الطور	42-29

نبی ﷺ کی فضیلت اور ختم نبوت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	81
3	〃	110
4	النسآء	113
17	بنیٓ إسرآء يل	1
17	〃	79
25	الفرقان	1
25	〃	56
33	الأحزاب	40
33	〃	46,45
33	〃	56
53	النجم	18-5
93	الضحى	8-1
94	الم نشرح	4-1
108	الكوثر	3-1

نبی ﷺ کا خلق عظیم اور اوصاف حسنہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	144
3	〃	159
3	〃	161
5	المآئدة	15
6	الأنعام	35
6	〃	50
6	〃	58-56
6	〃	90
7	الأعراف	188-187
9	التوبة	40
9	〃	61
9	〃	129-128
10	يونس	49
12	يوسف	104-103

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
15	الحجر	88
18	الكهف	6
21	الأنبياء	107
21	〃	109
21	〃	111
23	المؤمنون	72
25	الفرقان	58-57
26	الشعراء	3
33	الأحزاب	53
33	〃	63
34	سبا	47
35	فاطر	8
38	ص	86
42	الشورى	23
46	الأحقاف	9
52	الطور	40
68	القلم	4
72	الجن	23-21
72	〃	27-25
نبی ﷺ کے نام قرآن میں		
3	ال عمرن	144
33	الاحزاب	40
47	محمد	2
48	الفتح	29
61	الصف	6
نبی ﷺ اور آپ کے رشتہ دار بھی شریعت کے پابند اور مکلف تھے		
2	البقرة	145
4	النسآء	84
5	المآئدة	67
6	الأنعام	15,14
7	الأعراف	205
9	التوبة	113
10	يونس	95-94
10	〃	106-104

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	〃	109
11	هود	112
11	〃	115
11	〃	123
17	بنی إسرآءيل	75,74
17	〃	79,78
19	مريم	65
20	طٰهٰ	132-130
26	الشعرآء	217-213
29	العنكبوت	45
30	الروم	43
33	الأحزاب	34-28
33	〃	52
33	〃	59
39	الزمر	66-65
42	الشورى	15
52	الطور	49-48
73	المزمل	10-1
74	المدثر	7-1
76	الدهر	26-23
94	الم نشرح	8-7
108	الكوثر	2
110	النصر	3
معراج النبی ﷺ		
17	بنی اسرآءيل	1
53	النجم	18-12
اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مغفرت کا اعلان		
3	ال عمرن	128
4	النسآء	107-105
8	الأنفال	68,67
9	التوبة	43
9	〃	84
33	الأحزاب	37
66	التحريم	5-1

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
80	عبس	10-1
رسول اللہ ﷺ کے غزوات		
3	ال عمرن	13
3	〃	127-121
3	〃	145-140
3	〃	155-152
3	〃	175-165
8	الأنفال	18-5
8	〃	44-41
8	〃	49,48
9	التوبة	26,25
9	〃	59-38
9	〃	96-81
33	الأحزاب	27-9
48	الفتح	12-1
48	〃	26-16
59	الحشر	14-2
باب: 8 قصص القرآن		
قرآنی واقعات اور بعض شخصیات		
سیدنا لقمان حکیم		
31	لقمٰن	19-12
سیدنا ذوالقرنین		
18	الكهف	98-83
اصحاب الکہف والرقیم		
18	الكهف	22-9
18	〃	26,25
حبیب نجار اور اہل انطاکیہ (تفسیر کی روشنی میں)		
36	يٰس	29-13
قصۂ ہاروت وماروت		
2	البقرة	102

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
دو باغ والوں کا قصہ		
18	الكهف	44-32
مالکان باغ کا واقعہ		
68	القلم	33-17
اصحاب الرس		
25	الفرقان	39,38
50	ق	12
50	〃	14
اصحاب الفیل		
105	الفيل	5-1
ہفتے کے دن والوں کا قصہ		
2	البقرة	66-65
4	النسآء	47
4	〃	154
5	المآئدة	60
7	الاعراف	166-163
16	النحل	124
قارون کا قصہ		
28	القصص	83-76
40	المؤمن	24
ہامان کا قصہ		
28	القصص	8-6
29	العنكبوت	39
40	المؤمن	24,23
40	〃	37,36
اصحاب الاخدود کا واقعہ		
85	البروج	12-4
قصۂ یاجوج وماجوج		

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	101-94
21	الانبيآء	97-96
قصۂ قوم سبا		
27	النمل	44-22
34	سبا	21-15
قصۂ قوم تبع		
44	الدخان	37
50	ق	14
قصۂ طالوت وجالوت		
2	البقرة	251-246
آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ		
5	المآئدة	31-27
قصۂ حضرت خضر علیہ السلام		
18	الكهف	82-60
قصۂ ابولہب		
111	اللهب	5-1
ایک کافر کا قصہ		
68	القلم	16-10
74	المدثر	26-11
مردوں کے زندہ ہونے کے واقعات		
2	البقرة	56-55
2	〃	73-67
2	〃	243
2	〃	259
2	〃	260
ذبیحوں کا واقعہ		
38	ص	26-21

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
گھوڑوں کا واقعہ		
38	صٓ	33-31
بکریوں کا واقعہ		
21	الانبیآء	79-78
گائے کا واقعہ		
2	البقرة	73-67
قصہ تحویل قبلہ		
2	البقرة	152-142
قصہ قارون وہامان		
28	القصص	6
28	〃	8
28	〃	38
28	〃	82-76
29	العنكبوت	39
40	المؤمن	24
40	〃	36
باب: 9 صحابہ کرام ؓ، تذکرہ اور صفات		
صحابہ رسول کی دیانت اور ان کی مدح		
2	البقرة	137
2	〃	143
2	〃	273
3	ال عمران	110
3	〃	174-172
9	التوبة	79
9	〃	89,88
9	〃	92
9	〃	100,99
9	〃	117
16	النحل	110

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	الحج	41-39
22	〃	58
24	النور	22
26	الشعرآء	219
33	الأحزاب	23,22
48	الفتح	10
48	〃	19,18
48	〃	26
48	〃	29
59	الحشر	10-8
امہات المومنین ؓ		
24	النور	26-11
33	الأحزاب	6
33	〃	34-28
33	〃	37
33	〃	53-50
66	التحريم	5-1
باب: 10 متفرقات		
اسلام کیا ہے؟		
1	الفاتحة	7-5
2	البقرة	132-128
2	〃	137-135
3	ال عمران	20-19
3	〃	68-67
3	〃	85-83
4	النسآء	125
6	الانعام	126,125
6	〃	163-161
9	التوبة	33,32
9	〃	36
12	يوسف	40
30	الروم	30
30	〃	43
48	الفتح	28
49	الحجرات	17

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
61	الصف	14-7
98	البينة	5
اصول دین میں سب انبیاء متفق ہیں		
2	البقرة	183
3	ال عمران	64
3	〃	83-81
5	المآئدة	48-46
7	الأنعام	88
7	〃	90
12	يوسف	38
16	النحل	36
21	الأنبيآء	25,24
21	〃	92
23	المؤمنون	52
37	الصّٰفّٰت	37
42	الشورىٰ	13
43	الزخرف	45
53	النجم	56-36
87	الأعلىٰ	19-14
حالت نزع (جان کنی) کا ایمان مقبول نہیں		
4	النسآء	18
10	يونس	90
شریعت سے استہزا کفر ہے		
5	المآئدة	57
9	التوبة	66,65
اجارہ (مزدوری) کا حکم		
28	القصص	26
وکیل بنانے کا حکم		
18	الكهف	19
ذبائح کا حکم		

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	5-3
6	الأنعام	121-118
6	〃	145
قربانی کا بیان		
6	الأنعام	162
37	الصّٰفّٰت	107
108	الكوثر	2
اشیاء میں اصل اباحت ہے		
2	البقرة	29
6	الأنعام	145-141
7	الأعراف	32
رشوت اور ناجائز طریقے سے کمائی حرام ہے		
2	البقرة	188
سود حرام ہے		
2	البقرة	279-275
3	ال عمران	131,130
30	الروم	39
شراب، خنزیر، جوا، مردار اور خون حرام ہیں		
2	البقرة	173
2	〃	219
5	المآئدة	3
5	〃	91,90
6	الأنعام	145
16	النحل	115
قصاص اور خون بہا (دیت)		
2	البقرة	179,178
4	النسآء	92
5	المآئدة	45

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
حدود و تعزیرات		
حدِ زنا		
24	النور	2
حدِ قذف (زنا کی تہمت لگانے پر حد)		
24	النور	5-4
حدِ سرقہ (چوری کی حد)		
5	المآئدة	39,38
حدِ قاطع الطریق (ڈاکو کی حد)		
5	المآئدة	34,33
مرتد کا حکم		
2	البقرة	217
4	النسآء	137
5	المآئدة	54
8	الأنفال	38
علم کی فضیلت		
2	البقرة	269
3	ال عمران	7
3	〃	18
20	طٰه	114
35	فاطر	28
39	الزمر	9
58	المجادلة	11
علم چھپانے پر وعید		
2	البقرة	159
2	〃	174
3	ال عمران	187
مہمان نوازی		
11	هود	71-69
15	الحجر	52,51

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر	سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
15	〃	69,68	3	〃	185	اللہ اپنے بندوں، ان کے ایمان، دعا، عمل، اولاد اور قربانی کو ضائع نہیں ہونے دیتا			68	القلم	10	باب: 11 [illegible]		
33	الأحزاب	53	4	النسآء	57,56				اللہ نے جو قسمیں کھائیں			بندہ مت، بدعت اور شرک کا رد		
51	الذّريت	28-24	5	المآئدة	98									
54	القمر	37	6	الأنعام	147				10	يونس	53	1	الفاتحة	4
شرک کی حقارت			6	〃	165	2	البقرة	137	15	الحجر	72	2	البقرة	116
			7	الأعراف	56	2	〃	143	37	الصّٰفّٰت	3-1	2	〃	167-165
22	الحج	73	7	〃	156	2	〃	157,156	38	صٓ	1	3	ال عمرٰن	64
29	العنكبوت	41	7	〃	167	2	〃	158	43	الزخرف	88	4	النسآء	48
30	الروم	28	13	الرعد	6	2	〃	272	50	قٓ	1	4	〃	116
39	الزمر	29	15	الحجر	50,49	3	ال عمرٰن	37-35	51	الذّريت	4-1	5	المآئدة	72
مشرک کی مغفرت نہیں			17	بنیٓ إسرآءيل	57	3	〃	195	51	〃	7	5	〃	76
			21	الأنبيآء	90	5	المآئدة	67	51	〃	23	6	الأنعام	14
4	النسآء	48	23	المؤمنون	60	7	الأعراف	64	52	الطور	6-1	6	〃	17
4	〃	116	32	السجدة	16	7	〃	72	53	النجم	1	6	〃	41,40
نیکیوں کے ذریعے سے گناہوں کا کفارہ، توبہ اور قبولیت توبہ کی شرائط			35	فاطر	29	7	〃	83	56	الواقعة	76,75	6	〃	64,63
			39	الزمر	8	11	هود	66	68	القلم	1	6	〃	71
			41	حم السجدة	43	11	〃	94	69	الحآقة	39,38	6	〃	102-100
2	البقرة	271	56	الواقعة	10-7	12	يوسف	7	70	المعارج	40	6	〃	140-136
4	النسآء	18-17	56	〃	94-88	12	〃	21	74	المدثر	34-32	7	الأعراف	188
4	〃	31	57	الحديد	20	12	〃	57,56	75	القيمة	2,1	7	〃	198-191
4	〃	106	75	القيمة	25-22	12	〃	101,100	77	المرسلت	6-1	9	التوبة	32-30
4	〃	110	80	عبس	42-38	18	الكهف	80	79	النّزعت	5-1	10	يونس	18
6	الأنعام	54	82	الانفطار	14,13	18	〃	82	81	التكوير	18-15	10	〃	35,34
7	الأعراف	153	89	الفجر	30-25	21	الأنبيآء	88-87	84	الانشقاق	18-16	10	〃	68
9	التوبة	104-102	98	البيّنة	7,6	34	سبا	39	85	البروج	3-1	10	〃	107,106
11	هود	114	99	الزلزال	8-7	38	ص	43	86	الطارق	1	13	الرعد	14
16	النحل	119	101	القارعة	11-6	53	النجم	39	86	〃	12,11	13	〃	16
19	مريم	60	اللہ اجر ضائع نہیں کرتا			85	البروج	11-10	89	الفجر	5-1	13	〃	33
20	طٰه	83				قسم اٹھانے کا بیان			90	البلد	3-1	16	النحل	[illegible]
25	الفرقان	71,70	3	ال عمرٰن	171				91	الشمس	7-1	16	〃	56-53
27	النمل	11	7	الأعراف	170	2	البقرة	225,224	92	اليل	3-1	16	〃	73
64	التغابن	9	9	التوبة	120	3	ال عمرٰن	77	93	الضحى	2,1	17	بنیٓ إسرآءيل	40
65	الطلاق	5	11	هود	115	5	المآئدة	89	95	التين	3-1	17	〃	42
خوف اور امید کی حالت میں ہونا لازم ہے			12	يوسف	56	9	التوبة	13,12	100	العديت	5-1	17	〃	57,56
			12	〃	90	16	النحل	92,91	103	العصر	1	17	〃	67
			18	الكهف	30	16	〃	94				19	مريم	36,35
3	ال عمرٰن	106				66	التحريم	2				19	〃	82,81

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
19	〃	93-88
21	الأنبيآء	22
21	〃	43
21	〃	100-98
22	الحج	13,12
22	〃	71
22	〃	73
23	المؤمنون	92,91
25	الفرقان	3
25	〃	55
27	النمل	64-59
29	العنكبوت	17
29	〃	41
29	〃	66,65
30	الروم	40
31	لقمٰن	13
33	الأحزاب	17
34	سبا	22
35	فاطر	3
35	〃	14,13
35	〃	40
36	يٰس	75,74
39	الزمر	4-3
39	〃	29
39	〃	38
39	〃	43
41	حٰم السجدة	38,37
46	الأحقاف	6-4
53	النجم	23-19
67	الملك	21,20
72	الجن	22-20
09	الكٰفرون	6-1
ردِّ یہودیت		
2	البقرة	14
2	〃	44
2	〃	61

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	80-74
2	〃	113-89
3	ال عمرٰن	23
3	〃	78-69
3	〃	93
4	النسآء	55-44
4	〃	161-153
5	المآئدة	43-41
5	〃	66-57
8	الأنفال	56
9	التوبة	34-29
33	الأحزاب	27,26
59	الحشر	5-2
59	〃	17-11
62	الجمعة	8-5
ردِّ نصرانیت		
2	البقرة	112-111
3	ال عمرٰن	51-35
3	〃	59
3	〃	64
4	النسآء	172,271
5	المآئدة	18,17
5	〃	75-72
5	〃	117,116
9	التوبة	34-29
19	مريم	37-16
21	الأنبيآء	91
43	الزخرف	65-61
57	الحديد	27
66	التحريم	12
ردِّ منافقت		
2	البقرة	20-8
4	النسآء	63-60
4	〃	90-88
4	〃	145-138

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	68,67
9	〃	87-77
9	〃	97-93
9	〃	101
9	〃	110-107
9	〃	126,125
33	الأحزاب	20-11
33	〃	61,60
57	الحديد	15-13
58	المجادلة	19-14
59	الحشر	17-11
63	المنفقون	8-1
ردِّ قادیانیت		
2	البقرة	4
3	ال عمرٰن	46
3	〃	49,48
3	〃	55,54
4	النسآء	159-157
4	〃	172
5	المآئدة	75
5	〃	117
19	مريم	31
33	الأحزاب	40
43	الزخرف	61
ردِّ دہریت		
10	يونس	6
17	بنيٓ إسرآءيل	12
25	الفرقان	47-45
27	النمل	64-60
30	الروم	25-20
30	〃	50-46
35	فاطر	11
40	المؤمن	68-61
41	حٰم السجدة	37
45	الجاثية	26-23

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
مجوسیت اور ستارہ پرستی کا رد		
6	الأنعام	79-76
10	يونس	5
21	الأنبيآء	33
36	يٰس	40-38
39	الزمر	5
41	حٰم السجدة	37
کمیونزم اور سوشلزم کا رد (کمیونزم اور سوشلزم میں انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی)		
2	البقرة	43
4	النسآء	12,11
4	〃	20
6	الأنعام	142
9	التوبة	60
9	〃	79
18	الكهف	82
34	سبا	36
34	〃	39
39	الزمر	52
43	الزخرف	32
53	النجم	39
65	الطلاق	7
76	الدهر	8
باب: 12 مختلف اشیاء کے نام		
جانوروں کے نام		
2	البقرة	26
2	〃	65
2	〃	67
2	〃	173
3	ال عمرٰن	14
5	المآئدة	1
5	〃	31
5	〃	103

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	138
6	〃	145-143
7	الأعراف	107
7	〃	176
7	〃	179
12	يوسف	13
16	النحل	8
16	〃	68
20	طٰهٰ	20
22	الحج	36
22	〃	73
27	النمل	10
27	〃	18
27	〃	82
29	العنكبوت	41
74	المدثر	51
105	الفيل	1
105	〃	3
پہاڑوں کے نام		
2	البقرة	63
2	〃	158
11	هود	45
27	النمل	88
74	المدثر	17
78	النباء	7
88	الغاشية	19
101	القارعة	5
پھلوں کے نام		
2	البقرة	266
6	الأنعام	99
6	〃	141
16	النحل	67
95	التين	1
دھاتوں کے نام		

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	14
9	التوبة	34
34	سبا	12-10
57	الحديد	25
بتوں کے نام		
53	النجم	20,19
71	نوح	23
باب: 13 دعا فرضیت واہمیت		
دعا کے احکام		
7	الأعراف	29
7	″	56,55
40	المؤمن	14
40	″	60
40	″	65
دعا مانگنے کے آداب		
7	الأعراف	56,55
دعا مانگنے کی شرائط		
7	الأعراف	29
40	المؤمن	60
عا کا مقصد جہنم سے بچاؤ		
40	المؤمن	60
دعا نہ مانگنا تکبر ہے		
40	المؤمن	60
دعا کی قبولیت کی شرطیں		
2	البقرة	186
موت کی آمد پر کفار کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں		
14	إبراهيم	44

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	18
موت کے بعد جہنمیوں کی دعائیں بے کار ہوں گی		
6	الأنعام	27
13	الرعد	14
23	المؤمنون	107
32	السجدة	12
35	فاطر	37
دعا کی قبولیت کے لیے اسم اعظم (حدیث کی روشنی میں)		
2	البقرة	163
3	ال عمرٰن	2,1
21	الأنبيآء	87
11	الإخلاص	4-1
اللہ تعالیٰ مجبور ولاچار کی دعا قبول فرماتا ہے		
27	النمل	62
اللہ بندے کے قریب ہے اور اس کی دعا قبول کرتا ہے		
2	البقرة	186
11	هود	61
ناجائز کام کے لیے دعا سراسر جہالت ہے		
11	هود	46
اللہ تعالیٰ سے خود دعا مانگو		
2	البقرة	186
ایمان واعمال صالحہ کا وسیلہ درست ہے		
3	ال عمرٰن	16
3	″	53

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	″	193
5	المآئدة	35
5	″	83
17	بنیٓ إسرآء يل	57
23	المؤمنون	109
اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے دعا کی جائے		
7	الأعراف	180
17	بنیٓ إسرآء يل	110
نیک زندہ شخص سے دعا کرانا جائز ہے		
2	البقرة	61
2	″	70-68
دعا کی اہمیت		
25	الفرقان	77
دعائیں عبادت ہے اور اس سے اعراض جہنمیوں کا کام ہے		
40	المؤمن	60
غیر اللہ کو پکارنے والا نامراد ہی رہے گا		
23	المؤمنون	117
غیر اللہ کو پکارنا دھوکا و فریب ہے		
35	فاطر	40
40	المؤمن	43
مشرکین کے معبود نہ دعا سنتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں		
35	فاطر	14
46	الأحقاف	5
جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ سراسر عاجز ہیں		

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
35	فاطر	13
40	المؤمن	20
یہ معبود اس قدر عاجز ہیں کہ ایک مکھی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے		
22	الحج	73
دعا صرف اللہ ہی سے برحق ہے اور اس کے سوا دوسروں سے مانگنا باطل ہے		
7	الأعراف	194
7	″	197
رب کے ڈر سے رونا اور سجدے میں گر پڑنا		
17	بنیٓ إسرآء يل	109-107
19	مريم	58
باب: 14 انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں		
آدم وحوا علیہما السلام		
7	الأعراف	23
نوح علیہ السلام		
11	هود	41
23	المؤمنون	26
26	الشعرآء	118,117
54	القمر	10
71	نوح	27,26
71	″	28
ابراہیم علیہ السلام		
2	البقرة	129-127
14	إبراهيم	41-35
26	الشعرآء	89-83
37	الصّٰفّٰت	100
60	الممتحنة	5,4
لوط علیہ السلام		

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
26	الشعرآء	169
اسماعیل علیہ السلام		
2	البقرة	127
یوسف علیہ السلام		
12	يوسف	33
12	″	101
ایوب علیہ السلام		
21	الأنبيآء	83
یونس علیہ السلام		
21	الأنبيآء	87
شعیب علیہ السلام		
7	الأعراف	89
11	هود	88
موسیٰ علیہ السلام		
2	البقرة	67
7	الأعراف	151
7	″	156,155
10	يونس	88
20	طٰهٰ	28-25
28	القصص	17,16
28	″	21
28	″	24
40	المؤمن	27
داود وسلیمان علیہما السلام		
27	النمل	15
27	″	19
زکریا علیہ السلام		
3	ال عمرٰن	38
19	مريم	6-4

Marfat.com

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	89
عیسیٰ علیہ السلام		
5	المآئدة	114
محمد ﷺ		
17	بني إسرآءيل	80
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	118
39	الزمر	46
باب: 15 مختلف اوقات اور احوال کی دعائیں		
دنیا و آخرت کی بہتری، بھلائی اور فضل و رزق کی دعائیں		
2	البقرة	201
3	ال عمرٰن	27,26
5	المآئدة	114
28	القصص	24
اسلام پر اور نیک لوگوں کی رفاقت اور اُن کی معیت میں فوت ہونے اور ثابت قدمی کی دعائیں		
2	البقرة	250
3	ال عمرٰن	147
5	المآئدة	83
7	الأعراف	126
12	يوسف	101
26	الشعرآء	84,83
مغفرت، توبہ، گناہوں سے کنارہ کشی، عذاب اور رسوائی سے بچنے اور جہنم سے محفوظ رہنے کی دعائیں		
2	البقرة	286
3	ال عمرٰن	16

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	〃	192,191
3	〃	193
7	الأعراف	23
7	〃	156,155
12	يوسف	33
19	مريم	18
23	المؤمنون	109
23	〃	118
25	الفرقان	66,65
26	الشعرآء	87
28	القصص	17,16
38	صٓ	35
59	الحشر	10
شکر کی توفیق، فضل و رحمت اور جنت کے حصول کی دعائیں		
4	النسآء	32
7	الأعراف	149
7	〃	151
17	بنيٓ اسرآءيل	80
18	الكهف	10
26	الشعرآء	85
27	النمل	19
46	الأحقاف	15
66	التحريم	8
ہمارے اور کافروں کے درمیان فیصلہ ہونے کے لیے دعائیں		
7	الأعراف	89
26	الشعراء	118
پریشانی، بیماری، مصیبت اور غم سے بچنے کی دعائیں		
2	البقرة	156
21	الأنبيآء	83

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	〃	87
35	فاطر	35,34
جہالت سے بچنے، علم کے حصول، اضافے اور شرح صدر کی دعائیں		
2	البقرة	67
20	طٰهٰ	28-25
20	〃	114
کافروں، ظالموں اور دشمنوں سے نجات کی دعائیں		
3	ال عمرٰن	173
4	النسآء	75
5	المآئدة	25
7	الأعراف	47
10	يونس	86,85
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	26
23	〃	94
26	الشعرآء	18,117
26	〃	169
28	القصص	21
40	المؤمن	27
44	الدخان	20
60	الممتحنة	5
66	التحريم	11
والدین، اولاد، اصلاح زوجین، اور مومنوں کے لیے دعائیں		
2	البقرة	128
3	ال عمرٰن	38
14	إبراهيم	37
14	〃	40
14	〃	41
17	بنيٓ إسرآءيل	24

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	89
25	الفرقان	74
37	الصّٰفّٰت	100
40	المؤمن	9-7
71	نوح	28
شیطان کے شر اور وسوسوں سے بچنے کی دعائیں		
3	ال عمرٰن	36
23	المؤمنون	98,97
113	الفلق	5-1
114	الناس	6-1
روزمرہ کی قرآنی دعائیں (احادیث و تفسیر کی روشنی میں)		
3	ال عمرٰن	200-190
11	هود	41
23	المؤمنون	29
39	الزمر	46
43	الزخرف	14,13
بددعائیں		
10	يونس	88
71	نوح	24
71	〃	27,26
71	〃	28
مشرک و منافق کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں		
9	التوبة	84
9	〃	113
19	مريم	47
26	الشعرآء	86
60	الممتحنة	4

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
باب: 16 متفرق وظائف اور دعائیں		
سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعائیں قبولیت عمل کے لیے		
2	البقرة	127
دعائے ابراہیم محمد ﷺ کی بعثت کے لیے		
2	البقرة	129
ساری رات کفایت کرنے والا وظیفہ (حدیث کی روشنی میں)		
2	البقرة	286,285
سیدنا شعیب علیہ السلام کا وظیفہ توکل		
11	هود	88
سیدنا داود اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کا وظیفہ حمد		
27	النمل	15
ملکۂ سبا کی دعا اور اعتراف لغزش		
27	النمل	44
حمد و سلام کے لیے وظیفہ		
27	النمل	59
سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور توحید پرستوں کا وظیفہ توکل		
60	الممتحنة	4
دعوت، تبلیغ اور جہاد کی تکمیل پر تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم		
110	النصر	3

Marfat.com

عرض مفسر

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، أما بعد:

قرآن کریم نے گزشتہ اقوام و ملل کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن تاریخ کے انداز میں نہیں، بلکہ عبرت و موعظت کے نقطۂ نظر سے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اس انداز کو سامنے رکھتے ہوئے اقوام گزشتہ کے عام افراد کے اس اخلاق و کردار کی روشنی میں، جو ان کی تباہی کا باعث بنا، مسلمان عوام کی اخلاقی پستی اور کردار کی گراوٹ کو۔ اور اہل کتاب کے احبار و رہبان کی روش کے مقابلے میں، جو ان کے لیے غضب الٰہی کا موجب بنی، امت مسلمہ کے علماء و صوفیاء کے یہودیانہ کردار کو اجاگر اور نمایاں کیا گیا ہے تاکہ اس امت کے عوام و خواص (علماء اور عام افراد) ادبار و زوال کی اس پستی سے نکلنے کی سعی کریں، جس میں وہ اقوام گزشتہ کے اس اخلاق و کردار کے اپنانے کی وجہ سے مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص نسل سے محبت یا نفرت تو نہیں ہے، اس کی قوموں اور افراد سے محبت یا نفرت صرف ان کے اعمال و اخلاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم یا فرد اچھے عمل کرتا ہے، ایمان اور اس کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے، تو وہ اس کا محبوب ہے اور وہ اس کا معاون اور مددگار۔ اور اس کے برعکس ایمان و عمل کے تقاضوں سے بے خبر قوم یا فرد، اللہ کو ناپسندیدہ ہے، دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ گزشتہ اقوام تو اپنے استکبار، اعراض عن الحق اور اللہ و رسول کی تکذیب کے نتیجے میں ہلاکت سے دوچار ہوں (جیسا کہ قرآن نے ان کی بابت بیان کیا ہے) اور امت مسلمہ وہی تکذیب و اعراض کی روش اپنائے تو اسے عروج و اقبال نصیب ہو۔ یہ تو سنت اللہ ہی کے خلاف ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا. اس لیے ضروری ہے کہ امت اگر واقعی ذلت و پستی کی بجائے عظمت و رفعت کی خواہاں ہے تو مطالعۂ قرآن کے وقت اپنے اخلاق و کردار کا جائزہ لے اور اس پستی سے نکلے جس میں وہ (اپنے خواص سمیت) مبتلا ہے اور جو گزشتہ قوموں کی تباہی کا باعث تھی اور اسی طرح شرک و بدعت کی دلدل سے بھی نکلے، جس میں اس کی اکثریت پھنسی ہوئی ہے اور جو غضب الٰہی کا موجب ہے۔ ان بگڑے ہوئے عوام و خواص کے لیے یہ مختصر تفسیر ایک آئینہ ہے، جس میں وہ اپنے اخلاق و کردار کی پستیوں کو اور اپنی سیرت کے خدوخال کو واضح طور پر، اگر دیکھنا چاہیں، تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ حضرات اس آئینے میں اپنی شکل بگڑی ہوئی دیکھیں، تو آئینے کو برا نہ سمجھیں، اس کی وجہ سے چیں بہ جبیں نہ ہوں اور اس پر خفگی و برہمی کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اپنے اخلاق و کردار کی اصلاح کریں، اپنے روئے ''زیبا'' کو سنواریں اور اپنی سیرت کے خدوخال کو درست کریں۔ اس تفسیر سے اور گزشتہ امتوں اور امتِ مسلمہ کے کردار کے تقابل سے

Marfat.com

اصل مقصد یہی ہے۔ طعن وتشنیع اور طنز وتحقیر ہرگز مقصود نہیں، صرف اصلاح مقصود ہے۔ اعمال کی بھی اور عقائد کی بھی، باطن کی بھی اور ظاہر کی بھی، دین کی بھی اور دنیا کی بھی۔ یہ اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ امت قرآن کی ابدی حقیقتوں پر سچے دل سے ایمان نہیں لائے گی اور اس کی روشنی میں اپنے عقیدہ وعمل کی بنیادوں کو استوار نہیں کرے گی۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ» (صحيح مسلم، حديث: 1897) ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو بلندیاں عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے کچھ دوسروں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔''

؎ گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

قرآن پر عمل کا صلہ، بلندی اور اس سے اعراض وغفلت کا نتیجہ، ذلت وپستی ہے۔ اللہ کرے کہ اس تفسیر کا جو اصل مقصد ہے، وہ حاصل ہو اور اس کے ذریعے سے عقائد واعمال کی وہ اصلاح ہو، جس سے یہ امت اللہ کے فضل خاص کی مستحق بن سکے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

یہ مختصر تفسیر ''احسن البیان'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس کا پہلا ایڈیشن 1995ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں اگرچہ جگہ کی محدودیت کی وجہ سے زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا، تاہم پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ عوام کو قرآن فہمی اور اس کے مشکل مقامات کے لیے جس قدر تفصیل کی ضرورت ہے، اسے اختصار اور جامعیت کے ساتھ ضرور پیش کیا جائے۔ اس کے باوجود قارئین کہیں تشنگی محسوس کریں تو اس کی وجہ راقم کی علمی کوتاہی کے علاوہ، وہی جگہ کی محدودیت بھی ہے۔ اس کی مزید خصوصیات حسب ذیل ہیں:

○ اس تفسیر میں اسرائیلی اور ضعیف روایات کے بیان کرنے سے گریز اور صرف صحیح ومقبول احادیث کے اہتمام کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

○ شان نزول اور سورتوں کے فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں لیکن ان میں بھی صحیح روایات بہت کم ہیں۔ عدم گنجائش کی وجہ سے مشہور ضعیف روایات کی تردید تو ممکن نہیں تھی، اس لیے حتی المقدور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اپنے علم کے مطابق صرف صحیح اور مستند روایت ذکر کردی جائے۔

○ تفصیلی علمی مسائل ومباحث سے اسے گراں بار نہیں کیا گیا ہے کیونکہ اس کا محل مفصل تفسیر ہے۔ حتی الامکان پوری تفسیر میں احادیث کے مکمل حوالوں کا التزام کیا گیا ہے تاکہ تفصیل کے خواہش مند اہل علم کو مراجعت میں آسانی رہے۔

Marfat.com

○ تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر، تفسیر ابن جریر طبری، ایسر التفاسیر وغیرہ جیسی سلفی تفاسیر، اس کے بنیادی مآخذ ہیں، زیادہ تر انھیں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ دیگر عربی اور اردو تفاسیر سے بہت کم اعتنا کیا گیا ہے۔

○ توضیح وتشریح میں سلف (صحابہ وتابعین) کی تعبیر اوران کے منہاج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ سلفی تفاسیر کا خلاصہ، صحابہ وسلف کے منہج ومسلک کا آئینہ اور تفسیر بالاحادیث الصحیحہ کی الحمدللہ ایک عمدہ کوشش ہے۔

○ اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا'' کا لفظ بول چال اور تحریر میں عام ہے۔ لیکن اصلاً یہ لفظ فارسی زبان کا ہے اور فارس کے آتش پرستوں کے ہاں بالخصوص یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک کو وہ اہرمن اور دوسرے کو یزداں کہتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی کا لفظ گاڈ (GOD) ہے جسے اہل تثلیث اور بھگوان کا لفظ ہے جسے مورتیوں کے پجاری ہندو استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں اردو میں ان تمام الفاظ کے استعمال سے گریز اور صرف اللہ کا لفظ ہی لکھنا اور بولنا چاہیے۔ یہ بہتر بھی ہے اور باعث ثواب بھی۔ بنابریں اس مختصر تفسیر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ''خدا'' کا لفظ سوائے ناگزیر تراکیب کے کہیں استعمال نہ ہو۔ اس اہتمام والتزام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ کے لیے اللہ ہی کا لفظ استعمال کریں، جو قرآن کریم کا لفظ ہے جس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ''خدا'' کا لفظ ہماری زبان میں جو عام ہو گیا ہے اس سے لوگ احتراز اور گریز کریں۔

سب سے آخر میں اہل علم وفضل سے استدعا ہے کہ وہ اس جدید ایڈیشن میں زبان و بیان سے لے کر توضیح وتعبیر تک میں جو مزید خامی اور کوتاہی محسوس و ملاحظہ فرمائیں، ان سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اصلاح کر کے اسے مزید بہتر بنایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو قبول فرما کر اسے نافع انام بنائے اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے۔ والحمد للہ رب العالمین.

حافظ صلاح الدین یوسف

124/40 شاداب کالونی علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو۔ لاہور، موبائل 0321-4133675

نیا ایڈیشن شوال 1432ھ، ستمبر 2011ء پہلا ایڈیشن 1994ء

Marfat.com

عرض ناشر

آپ نے دیکھا ہوگا، ہمارے ہاں ترقی یافتہ ملکوں سے طرح طرح کی مشینیں آتی رہتی ہیں۔ ہر مشین کے ساتھ ایک Guide Book بھی بھیجی جاتی ہے۔ اس میں بتایا جاتا ہے کہ یہ مشین مندرجہ قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق استعمال کی جائے گی تو کیسے کیسے مفید اور منفعت بخش نتائج پیدا کرے گی۔ اور اگر اسے غلط طور طریقوں سے برتا گیا تو یہ کتنی مضر اور مہلک ثابت ہوگی۔ ٹھیک یہی مثال اس دنیا کی بھی ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنائی ہے اور اپنی آخری اور ابدی کتاب قرآن کریم مرحمت فرما کر ہمیشہ کے لیے بتا دیا ہے کہ اس دنیا کو کس طرح برتا جائے۔ زندگی کیسے بسر کی جائے۔ یہاں رہنے کے لیے کون کون سے طریقے، سلیقے اور اُصول و آداب بروئے کار لائے جائیں اور کن افعال سے گریز اور پرہیز کیا جائے۔ قرآن کریم نے وضاحت سے بتا دیا کہ تمام مخلوقات کا خالق و مالک صرف اللہ رب العزت ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ قائم بالذات ہے۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ لاشریک ہے اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جس طرح ہر چیز کی مخصوص خصوصیات ہیں اسی طرح انسان کے اعمال بھی اپنے معنوی خواص اور نتائج سے خالی نہیں۔ نیک کام کا لازمی نتیجہ کامیابی اور سرفرازی ہے اور بُرے عمل کا نتیجہ ذلت اور ہلاکت ہے۔ انسان کی زندگی اسی دنیا تک محدود نہیں۔ مرنے کے بعد عقبیٰ کی ابدی زندگی شروع ہو جاتی ہے جہاں انسان کو اچھے کام کی جزا اور بُرے افعال کی سزا ملے گی۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جو انسان اس دنیا میں اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ جنت کے سدابہار لہلہاتے ہوئے باغوں کا مالک بن جائے گا اور جو شخص من مانی کرے گا اسے یہی دنیا ہلاکت بار جھٹکے لگا کر جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔

قرآن کریم کے اس پیغام کو ہر آن پیش نظر رکھنا، اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اس دائمی پیغام کو دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کی پہلی اور فوری ذمہ داری ہے۔ اسی ذمہ داری کا احساس میرے دل کے تاروں کو رہ رہ کر چھیڑتا تھا اور یہ تمنا بیدار کر دیتا تھا کہ میں قرآن کریم کی تعلیمات ان سب لوگوں تک جلد از جلد پہنچا دوں جو عربی زبان سے نابلد ہیں۔ اس ضرورت کا احساس میری اہلیہ نے دو چند کر دیا۔ الحمد للہ! وہ ریاض میں طالبات کے لیے قرآن کریم کی تدریس و تعلیم کے ایک بڑے مدرسے "ضحیٰ انٹرنیشنل سکول" کی سرپرست اور نگران ہیں۔ انھیں اللہ کے مقدس کلام کی اہمیت و عظمت کا زبردست احساس ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ سمجھدار طالبات کے لیے قرآن کریم کی ایسی تفسیر کی اشد ضرورت ہے جو اسرائیلیات، ضعیف روایات، فلسفیانہ موشگافیوں اور غیر ضروری علمی مباحث سے پاک ہو اور قرآن کریم کے ٹھیک وہی معانی اور مطالب و

Marfat.com

مفاہیم اُجاگر کرے جو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے مقدس پیروکاروں نے سمجھے اور بتائے تھے۔

ایسے ترجمے اور تفسیر کی اشاعت کے لیے میں نے فوراً منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں عزیز مکرم مولانا محمد ادریس فاروقی (رحمہ اللہ)، پروفیسر محترم ساجد میر اور دیگر اجل علماء سے مفصل مشورے لیے۔ ان کے وقیع، معتبر اور مشکور مشوروں کی روشنی میں میری راہ عمل آسان ہوگئی۔ تفسیری حواشی کے لیے مجھے ایسی جامع کمالات شخصیت کی جستجو تھی جو سلف صالحین کے اسلوب کے مطابق قرآن فہمی کی صلاحیت کی حامل ہو اور کلام الٰہی کا مطلب سلیس اور نفیس اُردو میں بخوبی سمجھا سکے۔ اس عظیم الشان قرآنی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نامور عالم محترم حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ کی خدمات سے مستفید فرمایا۔ حافظ صاحب مجمع البحرین ہیں۔ اُردو اور عربی ادب پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ موصوف نے گیارہ ماہ کی محنت شاقہ سے تفسیری حواشی کا کام بطریق احسن پورا کر دیا۔ بعد ازاں اس عظیم کام پر الرحیق المختوم کے شہرۂ آفاق مصنف مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے نظر ثانی فرمائی۔ رحمة الله تعالى رحمة واسعة

اللہ رب العزت نے بڑا کرم فرمایا۔ یہ تفسیر شائع ہوئی تو اس کی پذیرائی بڑے اشتیاق واحترام سے ہوئی۔ متعدد ایڈیشن جلد نکل گئے۔ اب اس کے جدید ایڈیشن کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو میں نے اس معاملے میں اس زاویے سے نگاہ ڈالی کہ کاروانِ وقت بہت آگے نکل چکا ہے۔ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالبانِ علم درپیش مسائل و معاملات کو زمانے اور زندگی کی جدید نزاکتوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں، اس لیے ان کی اور دور حاضر کے دیگر خوانندگان کرام کی مشکلات پیش نظر رکھی جائیں اور اس پوری تفسیر کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔ متروکاتِ سخن حذف کر دیے جائیں اور قرآن کے حقائق و بصائر کی ترجمانی پہلے سے بھی زیادہ صحت، وضاحت اور سلاست کے ساتھ کی جائے تاکہ نہ صرف اونچے مدارج کے طلبہ اور محترم طالبات بلکہ اوسط درجے کا پڑھا لکھا عام قاری بھی اسے بخوبی سمجھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات بے پایاں ہیں۔ اس مقدس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دارالسلام کے ریسرچ سکالر مولانا عبدالولی ﷾ کے علم و نظر سے مشرف فرمایا۔ مولانا موصوف نے تشریحی حاشیوں پر نظر ڈالی، جن روایاتِ حدیث میں کوئی غلطی راہ پا گئی تھی، ان کی تصحیح کی۔ جو ضعیف احادیث باقی رہ گئی تھیں انھیں نکال کر صحیح احادیث درج کیں۔ فقہی مسائل کی تصحیح کی۔ راجح امور قلم بند کیے۔ نحوی و صرفی غلطیوں کا ازالہ کیا اور تسامحات دور کیے۔ اسماء وصفات کی توضیح ٹھیک ٹھیک منہج سلف صالحین کے مطابق کی۔ فتح القدیر اور دیگر تفاسیر سے منقول عبارتوں کا اصل سے موازنہ کیا۔ اس طرح پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں زیر نظر ایڈیشن کی افادیت میں بدرجہا اضافہ ہو گیا۔ پہلا ایڈیشن نقشِ اول تھا۔ یہ نقشِ ثانی ہے۔ جن خوانندگانِ کرام نے پہلا ایڈیشن خریدا تھا وہ بھی اس نئے ایڈیشن کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

اس ایڈیشن کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ترجمہ وہ لگایا گیا ہے جو دارالسلام ریسرچ سنٹر میں مولانا حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا عبدالجبار حفظہ اللہ نے تیار کیا تھا اور ریسرچ کے دیگر احباب نے اس کی نظر ثانی کی تھی۔

یہ ایڈیشن جدید خطاطی اور دو رنگ کے حسن طباعت سے مرصع ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ اس کی اشاعتِ نو کا اہتمام عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم اسد نے بڑی محنت، محبت اور عقیدت سے کیا ہے۔ میں اس وقیع خدمت کے لیے ان کا اور ان تمام رفقائے کرام کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی بھی صورت میں تعاون کیا ہے۔

نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا!...... اصل طلب حسنِ عمل کی ہے۔ یہ تفسیر پڑھ کر جن صاحبان کے قلوب میں حُب قرآن کی شمع روشن ہو جائے، ان سے التجا ہے کہ وہ دُعا فرمائیں کہ ربِ ذوالجلال دارالسلام کو ہمیشہ اپنی نصرت و رحمت کے سائے میں رکھے اور یہ ادارہ زمانے اور زندگی کے اندھیروں میں الی یوم الآخر کتاب و سنت کا نُور پھیلاتا رہے۔

خادم کتاب و سنت

عبدالمالک مجاہد

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

شوال 1432ھ ستمبر 2011ء

Marfat.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر احسن البیان اردو

صحیح احادیث کی روشنی میں

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھی

دارالسلام
DARUSSALAM

Marfat.com